جلد اول

ماشاء اللہ

ذخیرہ محمد وقاص

معلم الفقہ

ترجمہ اردو

مجموعۃ الفتاویٰ

جناب مولانا مولوی محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

جناب مولوی برکت اللہ صاحب لکھنوی فرنگی محلی

میر محمد، کتب خانہ

آرام باغ، کراچی

فہرست مضامین استفتہائے مجموعۂ فتاوی جلد اول

کتاب الصلوة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الکفر والایمان

سوال علماء مذہب اہل سنت والجماعت کیا فرماتے ہیں کہ فتاوی عالمگیری میں ہے من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق فہو کافر والرافضی اذا کان یسب الشیخین فہو کافر والمعتزلی اذا قال باستحالۃ الرویۃ فہو کافر ولو قال رجل لو لم یاکل آدم الحنطۃ لما صرنا اشقیاء کفر ولو قال رجل لآخر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم یحب القرع مثلاً وقال ذلک الغیر انا لا احبہ فہذا کفر ولو رجل قال لغیرہ انّ آدم نسج الکرباس پس ماہمہ جولاہہ بچگان باشیم فہذا کفر واگر کسے گوید کہ بخدا وبسر تو سوگند است فہذا کفر ولو قال ان الانبیاء لم یعصوا حال النبوۃ ولا قبلہا کفر واگر گوید کہ اگر از آسمان بانگ آید کہ مزن ہم نزنم یلزمہ الکفر واگر گوید کہ حضرت یوسف علیہ السلام عزم زنا کردہ بود کافر شد تا آخر کلام عالمگیری یعنی جو شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار کرے کافر ہے اور رافضی جبکہ شیخین حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما، کو گالی دیں کافر ہیں اور معتزلی جب رویت باری تعالیٰ کو محال جانے کافر ہے اگر کوئی کہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے گیہوں نہ کھایا ہوتا تو ہم بدبخت نہ ہوتے تو وہ کافر ہے اگر ایک شخص کہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم لوکی پسند فرماتے تھے اور دوسرا کہے میں اسکو پسند نہیں کرتا تو یہ کفر ہے اگر کوئی آدمی دوسرے سے کہے کہ آدم علیہ السلام نے کپڑا بنا ہے پس ہم سب جولاہے کی اولاد ہیں تو یہ کفر ہے اگر کوئی کہے کہ خدا کی اور تیرے سر کی قسم ہے

تو یہ کفر ہے اور اگر کسی نے کہا کہ انبیاء نے نافرمانی نہیں کی نبوت کے وقت میں بھی اور نبوت
سے پہلے بھی تو وہ کافر ہوگیا۔ اور اگر کوئی کہے کہ گو آسمان سے بھی آواز آئے کہ نہ مار مگر میں مارونگا
تو کافر ہوگا اور جو شخص کہے کہ (معاذ اللہ) حضرت یوسف علیہ السلام نے زنا کرنے کا قصد کیا
تھا وہ کافر ہوگیا۔ اور ایسے ہی بہت سے الفاظ ہیں جن کے بیان کرنے میں طول ہوگا۔ بس
معلوم ہونا چاہیے کہ فتاوے مذکورہ میں جو ایسی باتیں کہنے والے کو کافر کہا ہے تو وہاں کفر سے
کون کفر مراد ہے کیا ایسے شخص کو بغیر توبہ کے ہم دائرہ اسلام سے خارج سمجھیں اور وراثت میں
حصہ نہ دیں اور انکے ساتھ مناکحت ترک کریں یا نہیں جو کچھ مفتی بہ حکم ہو اسے تحریر فرماویں اجر
ملے گا **جواب**۔ اس قسم کے کلمات کہنے والے کے کفر سے مراد کفر تہدیدی ہے نہ کفر حقیقی
بحر الرائق وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے واللہ اعلم بالصواب کتبہ العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی
ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (محمد عبد الحی ابو الحسنات) الجواب صحیح (محمد نور الحسین)

کتاب العقائد

سوال۔ ایک شخص دعوے کرتا ہے اس بات کا کہ چھ مثل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
موجود اور متحقق ہیں اور مثل سے یہ غرض رکھتا ہے کہ شریک حضرت رسول مقبول صلے اللہ
علیہ وسلم کے آپ کے جمیع صفات اور ماہیت میں اور پیش کرتا ہے قول حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہما کا کتاب درمنثور سے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم
کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وموسیٰ کموسٰکم وعیسیٰ کعیسٰکم ونبی کنبیکم
اللہ تعالے نے سات زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ہر زمین میں آدم ہیں تمہارے آدم کی
طرح اور نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسے
ہیں تمہارے موسے کی طرح اور عیسے ہیں تمہارے عیسے کی طرح اور نبی ہیں تمہارے
نبی کی طرح۔ آیا یہ قول اس کا یعنی موجود و متحقق ہونا امثال آنحضرت خاتم النبیین
صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا عالم میں بمعنے مذکور حق ہے یا باطل اور یہ عقیدہ صحیح
ہے یا خلاف اہل سنت والجماعت کے اور دلیل میں جو حدیث پیش کرتا ہے اسکا کیا حال ہے

اس سے یہ عقیدہ ثابت ہے یا نہیں **جواب** وہی حق راستہ دکھانیوالا ہے اولاً جاننا
چاہیئے کہ حدیث مذکور صحیح بسند اور معتبر ہے ارباب تحقیق نے اس کی توثیق کی ہے حافظ
جلال الدین تخریج احادیث شرح مواقف میں لکھتے ہیں روی الحاکم فی مستدرکہ
عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالےٰ اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن
قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم
کابراھیم وعیسےٰ کعیسےٰ وقال صحیح انتھےٰ یعنے حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے مستدرک
میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالے کے کلام اللہ الذی الخ (یعنی اللہ وہ ہے جس نے سات
آسمان پیدا کیے اور سات زمینیں مثل اُسکے پیدا کیں) کی شرح میں فرمایا آپ نے کہ سات
زمینیں ہیں ہر زمین میں نبی ہیں مثل تمھارے نبی کے اور آدم ہیں مثل تمھارے آدم کے اور
نوح ہیں مثل تمھارے نوحؑ کے اور ابراہیمؑ ہیں مثل تمھارے ابراہیمؑ کے اور عیسیٰؑ ہیں مثل
تمھارے عیسےٰؑ کے، اور کہا ہے کہ صحیح ہے انتہٰے اور علامہ بدر الدین شبلی حنفی اکام المرجان فی احکام
الجان میں لکھتے ہیں. قال الحاکم حدثنا احمد بن یعقوب الثقفی حدثنا عیسےٰ حدثنا
علی بن حکیم حدثنا شریک بن عطاء عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس قال من الارض
مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوح وابراھیم
کابراھیم وعیسےٰ کعیسےٰ قال شیخنا الذھبی اسنادہ حسن قلت ولہ شاھد قال الحاکم
حدثنا عبداللہ بن الحسن حدثنا ابراھیم بن الحسین حدثنا آدم حدثنا شعبۃ عن
عمرو بن مرۃ عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس کما فی قولہ تعالیٰ خلق سبع سموات ومن الارض
مثلھن قال فی کل ارض نحو ابراھیم قال شیخنا الذھبی ھذا حدیث علی شرط البخاری
والمسلم انتھےٰ یعنے کہا حاکم نے ہمسے بیان کیا احمد بن یعقوب ثقفی نے اور اُنسے عبید نے اور
اُنسے علی بن حکیم نے اور اُنسے شریک نے اور اُنسے عطا نے اور اُنسے ابو الضحیٰ نے اور اُنسے حضرت
ابن عباسؓ نے کہ فرمایا اللہ تعالےٰ نے ومن الارض مثلھن کہا ابن عباسؓ نے کہ زمینیں سات ہیں ہر
زمین میں نبی ہیں مثل تمھارے نبی کے اور آدم ہیں مثل تمھارے آدم کے اور نوح ہیں مثل تمھارے نوح کے
اور ابراہیم ہیں مثل تمھارے ابراہیم کے اور عیسی ہیں مثل تمھارے عیسےٰ کے ہمارے شیخ ذہبی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند

میں کہتا ہوں کہ اس پر یہ حدیث شاہد ہے کہ کہا ہے حاکم نے بیان کیا مجھے عبداللہ بن حسن نے اُنسے ابراہیم ابن حسین نے اُنسے آدم نے اُنسے شعبہ نے انھوں سے روایت کی عمرو بن مرہ نے انھوں نے ابوالضحیٰ سے انھوں نے ابن عباس سے کہ جس طرح خدائے تعالےٰ نے فرمایا خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن فرمایا آپ نے کہ ہر زمین میں مثل براہیم کے ہیں کہا ہمارے شیخ ذہبی نے کہ یہ حدیث مسلم اور بخاری کی شرط پر ہے اور دوسرے سمجھنا چاہیئے کہ زمین کے سات طبقات جداگانہ ہونا اور اسمیں مخلوقات الٰہی کا موجود ہونا چند احادیث سے ثابت ہے اور مذہب محققین کا بھی یہی ہے حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں قال الداؤدی فی قولہ تعالیٰ ومن الارض مثلھن دلالة علی الارضین بعضھا فوق بعض ونقل عن بعض المتکلمین ان المثلیة فی العدد خاصة وان السبع متجاورة وحکی ابن التین عن بعضھم ان الارض واحدة قال وھو مردود بالقران والسنة قلت لعلہ القول بالتجاور والا فیصیر صریحا فی المخالفة ویدل للقول الظاھر مارواہ ابن جریر من طریق شعبة عن عمرو بن مرة عن ابی الضحیٰ عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ ومن الارض مثلھن قال فی کل ارض مثل ابراھیم ونحو ما علی الارض من الخلق ھکذا اخرجہ مختصرا واسنادہ صحیح واخرجہ الحاکم والبیھقی من طریق عطاء عن ابی الضحیٰ مطولا واولہ سبع ارضین فی کل ارض ادم کادمکم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ ونبی کنبیکم قال البیھقی اسنادہ صحیح الا انہ شاذ وظاھر قولہ تعالیٰ ومن الارض مثلھن یرد علی اھل الھیأة فی قولھم ان لا مسافة بین کل ارض وارض وقد روی احمد والترمذی من حدیث ابی ھریرة مرفوعا ان بین کل سماء خمس مائة عام وان بین کل ارض وارض خمس مائة عام واخرجہ اسحاق بن راھویہ والبزار من حدیث ابی ذر نحوہ انتھی ملخصا یعنے داؤدی نے کہا ہے کہ باری تعالیٰ کا قول ومن الارض مثلھن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بعض زمینیں بعض کے اوپر ہیں اور بعض متکلمین سے نقل کیا گیا ہے کہ مثلیت صرف عدد میں ہے اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور ابن تین نے بعض متکلمین سے

نقل کیا ہی کہ زمین ایک ہے اور کہا ہی کہ یہ قرآن وسنت سے مردود ہے میں کہتا ہوں کہ شاید ان بعض متکلمین کا جو یہ کہتے ہیں کہ زمین صرف ایک ہے یہ مطلب ہے کہ وہ سب زمینیں ملی ہوئی ہیں ورنہ صریحًا مخالفت کلام خدا اور رسول لازم آئیگی اور قول ظاہر (یعنی زمینوں کے سات ہونے پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہی جسکو ابن جریر نے شعبہ سے اُنھوں نے عمرو بن مرہ سے اُنھوں نے ابو الضحیٰ سے انھوں نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ کے قول من الارض مثلهن میں آپ نے فرمایا ہر زمین میں مثل ابراہیمؑ کے ہیں اور مخلوقات میں مثل اسکے ہیں جو اس زمین پر ہیں اسی طرح پر مختصرًا اُنھوں نے روایت کی ہے اور اسناد صحیح ہی اور حاکم اور بیہقی نے دوسرے طریقے (عطاء عن ابی الضحیٰ) سے روایت کی ہی جو طویل ہے اور اسکا اول حصہ یہ ہے کہ سات زمینیں ہیں ہر زمین میں آدمؑ ہیں مثل تمھارے آدمؑ کے اور نوحؑ ہیں مثل تمھارے نوحؑ کے اور ابراہیمؑ ہیں مثل تمھارے ابراہیمؑ کے اور عیسےٰؑ ہیں مثل تمھارے عیسےٰؑ کے اور نبی ہیں مثل تمھارے نبیؐ کے اور بیہقی نے کہا ہی کہ اسناد اسکی صحیح ہی مگر یہ کہ شاذ ہے اور ظاہر اللہ تعالےٰ کے قول ومن الارض مثلهن کا وارد ہوتا ہی اہل ہیئت کے اس قول پر کہ زمینوں کے درمیان کچھ مسافت نہیں ہی اور روایت کی ہی احمد اور ترمذی نے مرفوعًا ابی ہریرہؓ سے کہ ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچسو سال کی مسافت ہی اور ہر زمین سے دوسری زمین تک پانچسو سال کی مسافت ہی اور اسحاق بن راہویہ اور بزاری نے حدیث ابی ذر سے مثل اسکے نکالا ہی اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی حاشیہ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں الذی نعتقدہ ان الارض سبع کالسموات ولها سکان من خلقہ یعلمهم اللہ انتھے یعنے ہمارا اعتقاد یہ ہی کہ زمینیں آسمان کی طرح سات ہیں اور انمیں مخلوق خدا رہتی ہی جنکا علم اللہ کو ہی اور سلیمان جمل حاشیہ جلالین میں لکھتے ہیں ذکر اللہ تعالیٰ ان السموات سبع طبقات ولم یات الارض فی التنزیل عدد صریح لا یحتمل التاویل الا قولہ تعالےٰ ومن الارض مثلهن وقد اختلف فیہ فقیل ای فی العدد لان الکیفیۃ والصفۃ مختلفۃ بالمشاهدۃ والاخبار فتعین العدد وقیل مثلهن ای فی الغلظ وما بینهن وقیل هی سبع الا انہ لم یفتق بعضها عن بعض قال الماوردی والصحیح هو الاول وانها

سبع کالسموات انتہٰی اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ آسمانوں کے سات طبقے ہیں اور زمین کے لئے قرآن میں کہیں صریح عدد نہیں بتایا گیا جو تاویل کا احتمال نہ رکھتا ہو بجز ومن الارض مثلھن کے اور اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک تشابہ عدد میں ہے کیونکہ کیفیت وصفت مختلف ہے اسپر مشاہدہ اور خبر دلالت کرتی ہے اور بعض کے نزدیک زمین موٹائی اور درمیانی مسافت میں آسمان کے مثل ہے اور بعض کے نزدیک آسمان سات ہیں لیکن بعض بعض سے علٰحدہ نہیں ہیں اور ماوردی نے کہا ہے کہ اول ہی صحیح ہے یعنے آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔ اور ثعلبی عرائس میں تحریر کرتے ہیں روی عن عبد اللہ بن عمر عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم انہ قال بین کل ارض الی التی تلیھا مسیرۃ خمس مائۃ عام وھے سبع طبقات الارض الثانیۃ سجن الریح ومنھا تخرج الریاح المختلفۃ وفی الارض الثالثۃ خلق وجوھم کوجوہ بنی ادم وافواھھم کافواہ الکلاب وایدیھم کایدی الانس وارجلھم کارجل البقر واذانھم کاذان البقر واشعارھم کصوف الضان لا یعصون اللہ طرفۃ عین نھارھم لیلنا ونھارنا لیلھم والارض الرابعۃ فیھا حجارۃ الکبریت التی وعدھا اللہ لاھل النار یستحر بھا جھنم قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ان فیھا اودیۃ من کبریت لو ارسل اللہ فیھا الجبال الرواسی لضاعت والارض الخامسۃ فیھا عقارب اھل النار والسادسۃ فیھا دواوین اھل النار واعمالھم واسمھا سجین والسابعۃ مسکن ابلیس وجنودہ انتہٰی ملخصاً یعنے روایت کی گئی ہے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر زمین سے اس کے متصل دوسری زمین تک پانچسو سال کی راہ ہے اور یہی زمین کے سات طبقے ہیں دوسرے طبقے میں ہوا کا خزانہ ہے جس سے مختلف ہوائیں نکلتی ہیں اور تیسرے میں ایک مخلوق ہے جسکے چہرے انسان کے چہرے کے ایسے اور منھ کتوں کے منھ کے ایسے اور ہاتھ انسان کے ہاتھ کے ایسے اور پاؤں گائے کے پاؤں کے ایسے اور کان گائے کے کان کے ایسے اور انکے بال بھیڑ کے بال کے ایسے ہیں اور کبھی وہ مخلوق ایک لحظ کے لئے بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتی انکا دن ہماری رات اور انکی رات ہمارا دن ہے اور چوتھی زمین

میں گندھک کے پتھر ہیں جنکا خدا نے اہل نار کے لئے وعدہ کیا ہے انسے جہنم کی آگ تیز کیجائیگی فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میرا نفس ہے کہ اس طبقہ میں گندھک کے ایسے جنگل ہیں کہ اگر اسمیں خدا جمے ہوئے پہاڑوں کو بھیجدے تو وہ ضائع ہوجائیں اور پانچویں میں دوزخیوں کے بچھو ہیں اور چھٹی میں دوزخیوں کے دفتر اور انکے اعمال ہیں اور اس چھٹے طبقے کا نام سجین ہے اور ساتویں طبقے میں ابلیس اور اُسکے لشکر کا مقام ہے۔ اور فاضل محمد بن احمد بن ایاس حنفی بدائع الدھور فی وقائع الدہور میں لکھتے ہیں قال وھب ابن منبہ لما خلق اللہ الارض کانت طبقۃ واحدۃ ففتقھا فصیرھا سبعا کما فعل فی السموات وجعل بین الطبقۃ والطبقۃ مسیرۃ خمس مائۃ عام وھو قولہ تعالیٰ ففتقناھما وجعلھا سبعا فکان اسم الطبقۃ العلیا ادیما والثانیۃ بسیطا والثالثۃ ثقیلا والرابعۃ بطیحا والخامسۃ جنبا والسادسۃ ماسکۃ والسابعۃ الثریٰ وسکان الارض الثانیۃ امم یقال لھم الطمس وطعامھم من لحومھم وشرابھم من دمھم والطبقۃ الثالثۃ سکانھا امم وجوھھم کوجوہ بنی آدم وافواھھم کافواہ الکلاب وایدیھم کایدی بنی آدم وارجلھم کارجل البقر وعلی ابدانھم شعر کصوف الغنم وھو لھم ثیاب والطبقۃ الرابعۃ سکانھا امم یقال لھم الحلھاہ لیس لھم اعین ولا اقدام بل لھم اجنحۃ کاجنحۃ القطا والخامسۃ بھا امم یقال لھم الخشن وھم کامثال البغال ولھم اذناب کل ذنب نحو ثلث مائۃ ذراع والسادسۃ بھا امم یقال لھم الخشوم وھم سود الابدان ولھم مخالیب کمخالیب السباع ویقال ان اللہ تعالیٰ یسلطھم علی یاجوج وماجوج حین یخرجون فیھلکھم والطبقۃ السابعۃ فیھا مسکن ابلیس وجنودہ من المردۃ والشیاطین انتھی ملخصاً کہا وہب بن منبہؒ نے کہ جب اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو ایک ہی طبقہ تھا پھر اُس کو سات طبقے کردیے جیسا کہ آسمانوں میں کیا اور ہر طبقہ سے دوسرے طبقہ تک کے درمیان پانچسو برس کا فاصلہ رکھا اور خدا تعالیٰ کے اس قول ففتقناھما سے یہی مراد ہے اور اسکے سات طبقے اسطور سے کیے کہ طبقۂ علیا کا نام ادیم اور دوسرے کا بسیط اور تیسرے کا ثقیل اور چوتھے کا بطیح اور پانچویں کا جنب

اور چھٹے کا ماسکہ اور ساتویں کا ثریٰ ہے اور طبقۂ ثانیہ کا رہنے والا ایک گروہ ہے طمس نامی جو اپنا گوشت کھاتا ہے اور خون پیتا ہے اور طبقۂ ثالثہ میں ایک گروہ رہتا ہے جس کا چہرہ بنی آدم کا ایسا ہے اور منہ کتوں کا ایسا اور ہاتھ بنی آدم کے ایسے اور پاؤں گائے کے ایسے ہیں اور انکے بدن پر بال ہیں بھیڑ کے بال کے ایسے اور وہ کپڑے کا کام دیتے ہیں اور چوتھے میں ایک گروہ رہتا ہے جس کو حلہام کہتے ہیں اُس کے نہ آنکھیں ہیں نہ پاؤں بلکہ اُن کے قطا کے ایسے بازو ہیں اور پانچویں میں ایک گروہ ہے جو خشن کہلاتا ہے اور وہ خچروں کے ایسے ہوتے ہیں اور اُن کے بہت سی دُمیں ہوتی ہیں ہر دم تین سو گز کی اور چھٹے میں ایک گروہ ہے جسکو حشوم کہتے ہیں اُن کے جسم سیاہ ہوتے ہیں اور درندوں کے ایسے پنجے ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ یاجوج ماجوج پر جب وہ نکلینگے اس طبقہ والوں کو غالب کریگا یہانتک کہ یاجوج ماجوج کو وہ ہلاک کر ڈالینگے اور ساتویں طبقے میں ابلیس مع اپنے شیاطین کے اور سرکشوں کے لشکر کے رہتا ہے وثالثاً معلوم کرنا چاہیئے کہ جملہ طبقات باقیہ میں انبیا کا ہونا ثابت ہے چنانچہ حدیث مذکور کہ صحیح ہے دلالت کرتی ہے اور قرآن پاک میں ہر ولکل قوم ھاد یعنی ہر قوم کے واسطے ہادی مبعوث ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے واسطے ایک راہنما مقرر ہوا ہے پس ہرگاہ طبقات باقیہ میں وجود مخلوقات الٰہی کا ثابت ہے اور کوئی مخلوق حق تعالیٰ کی مہمل نہیں چھوڑی گئی لابد ہے کہ وہاں بھی راہنما ہونگے اور علامۂ جلال الدین محلی کی تفسیر سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت جبریل طبقات باقیہ میں وحی لیجاتے تھے چنانچہ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن یعنی سبع ارضین یتنزل الامر الوحی بینھن بین السموات والارض ینزل بہ جبرئیل من السماء السابعۃ الی الارض السابعۃ انتہیٰ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا سات آسمانوں کو اور زمین سے اُن کے مثل یعنی سات زمینیں اُترتا ہے حکم یعنی وحی اُنکے درمیان یعنی آسمان و زمین کے درمیان جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر ساتویں آسمان سے ساتویں زمین تک اُترتے ہیں۔ ہرگاہ یہ تین امر ذہن نشین ہوگئے اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ لفظ نبی کنبیکم سے اگرچہ ایک ایک نبی خاتم النبیین ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہے لیکن اُسکا مثل ہونا ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت نہیں ہوسکتا

اس واسطے کہ کلام عرب میں کاف تشبیہ کے واسطے مستعمل ہے اور تشبیہ میں لازم نہیں ہے کہ مشبہ بہ
مثل یا اقوی ہو مشبہ سے بلکہ کبھی تشبیہ ناقص کیساتھ مجرد تفہیم کے واسطے ہوتی ہے قرآن پاک میں
حق تعالیٰ فرماتا ہے اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح اللہ
آسمان اور زمین کا نور ہے اُسکے نور کی حالت مثل مشکوٰۃ کے ہے کہ اُس میں چراغ ہو۔ اس
آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے نور کو تشبیہ دی ہے ساتھ نور مشکوٰۃ کے اور یہ ظاہر ہے کہ
نور الٰہی بدرجہا اس نور سے اعلیٰ واحسن ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ پس لفظ نبی
کنبیکم سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہے کہ خاتم الانبیا طبقات باقیہ کا مثل خاتم الانبیا اس طبقہ
کے ہے بلکہ فقط تعلیم و تفہیم کے واسطے ہے اس غرض سے کہ جسطرح ایک خاتم الرسل اس طبقہ
میں ہے اسیطرح سے ایک ایک خاتم ہر طبقہ میں ہے نہ یہ کہ وہ خاتم مثل اس خاتم کے ہے بلکہ اگر غور
کیا جائے تو اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاتم مثل ہمارے خاتم الانبیا کے نہیں ہے
کیونکہ اسی حدیث میں لفظ آدم کآدمکم بھی وارد ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات
طبقات باقیہ کی اولاد ہمارے آدم کی نہیں ہے بلکہ دوسرے آدم کی ہے اور تمام کتب عقائد
میں یہ امر مصرح ہوتا ہے کہ اولاد آدم اس عالم کی تمام مخلوقات سے حتے کہ ملائکہ سے بھی افضل ہے
اور آیہ کریمہ کرمنا بنی آدم سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے کیونکہ تمام مفسرین اور علما کا اتفاق ہے
اس امر پر کہ مراد آدم سے اس آیت میں ہمارے آدم ہیں نہ آدم طبقات باقیہ بلکہ تمام انبیا کہ
قرآن پاک میں اُنکا ذکر ہے اُن سے مراد انبیا اسی طبقے کے ہیں نہ انبیا طبقات باقیہ کے اور حدیث
صحیح میں وارد ہے انا سید ولد آدم ولا فخر میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں ہے
اور دوسری حدیث میں وارد ہے انا اکرم الاولین والاخرین میں اگلوں اور پچھلوں میں سب سے
بزرگ ہوں۔ اب یہاں سے دو مقدمے ممہد ہوے اول یہ کہ ہمارے خاتم الانبیا تمام اولاد آدم سے
افضل ہیں دوسرے یہ کہ اولاد آدم اس عالم کی تمام مخلوقات سے افضل ہیں بعد ترکیب ان دونوں
مقدموں کے نتیجہ نکلا کہ ہمارے خاتم الانبیا افضل ہیں تمام مخلوقات سے پس مماثلت خاتم الانبیا طبقات
باقیہ کے ساتھ ہمارے خاتم الانبیا کی کیسے ثابت ہوگی اس کے علاوہ یہ ہے کہ مماثلت میں اتحاد ماہیت و اتحاد
نوع ضرور ہے اسیواسطے انسان انسان کے مماثل کہلاتا ہے اور انسان جن یا فرشتہ کے مماثل نہیں کہلاتا ہے

اور عبارت بدائع الدہور وغیرہ سے جو سابق منقول ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات طبقات باقیہ اس
مخلوقات کے صنف سے نہیں ہیں اور یہ امر نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ نبی ہر قوم کا اسی قوم کی صنف
سے ہوتا ہے تاکہ امت اسکے ساتھ ارتباط پیدا کرے اور اسکی متابعت کرے اسی واسطے بنی آدم پر کوئی
نبی از قسم جن یا از قسم ملائکہ مبعوث نہیں پس ضرور ہے کہ انبیا مخلوقات طبقات باقیہ کے انھیں کی صنف سے
اور انھیں کی جنس سے ہونگے اور ہمارے خاتم الانبیا ہماری جنس سے ہیں پس دونوں خاتم میں مماثلت
کہ عبارت ہے اتحاد صنف وصفات سے کیونکر ہوگی ہاں اس قدر میں دونوں شریک ہیں کہ ہمارے
نبی خاتم الانبیا اس طبقے کے ہوئے اور طبقات باقیہ کے خاتم اپنے اپنے طبقات کے خاتم ہوئے لیکن مجرد
اس شرکت سے مماثلت کا اطلاق درست نہیں الحاصل حدیث مذکور صحیح ہے اور موجود ہونا امثال
خاتم الانبیا افضل مخلوق اللہ صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا باطل ہے اور اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں
ہوتا ہے بلکہ عدم مماثلت اس سے ثابت ہے مقام افسوس وتعجب ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کے زمانۂ وجود
سے ابتک مدت قریب تیرہ سو برس کے گذری اور اس مدت میں صدہا فقہا اور محدثین اور ہزارہا علما
اور صحابہ اور تابعین کی نظر سے حدیث مذکور گذری مگر کسی کے خیال مبارک میں موجود ہونا امثال
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہ آیا آیا تو اس صاحب عقیدہ کی خاطر عاطر میں آیا انا للہ وانا الیہ راجعون
لقد صدق رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم بدء الدین غریبًا وسیعود غریبًا نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے دین کی ابتدا غربت کی حالت میں ہوئی ہے یعنی ایسے لوگوں سے جو اجنبی مسافروں
کی طرح سے غیر مشہور تھے) اور غربت ہی کی طرف لوٹ جائیگا (یعنے ایسے ہی لوگوں میں چلا جائیگا)
تا زم بریں عقل ودانش اگر شیوع جہل کی یہی کیفیت رہی تو دیکھا چاہیئے کہ کیسے کیسے عقائد فاسدہ احادیث
صحیحہ سے افہام ناقصہ مستنبط کرینگے اور کیا کیا فساد اس عالم میں برپا کرینگے اللہ تعالی ہی سے اسکی
شکایت ہے اور اسکی طرف رجوع یہ جواب میرے ذہن میں آیا ہے اور حقیقت حال خدا تعالے خوب جانتا ہے
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** جو
حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری امت کے تہتر فرقے ہوجائیں گے
ایک ناجی اور سب ناری ہونگے آیا ناری سے مراد کفار ہیں یا مسلمان فاسق کہ بسبب عصیان کے
دوزخی ہوجائیں گے بعض حضرات کہتے ہیں کہ رافضی جو شیخین کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں کافر

ہوگئے بعضے کہتے ہیں کہ سب اہل ہوا[۱] کافر ہیں ایک فرقہ مسلمان ہے جسکو اہل سنت وجماعت کہتے ہیں
اور بعضے فرماتے ہیں کہ رافضی کی توبہ قبول نہیں بلکہ اُسے قتل کرنا واجب ہے **جواب** عقائد اور
فقہ کی کتابوں میں اس طرح لکھا ہے کہ بہتر فرقے جو اہل ہوا ہیں ایک بھی کافر نہیں ہے چنانچہ عبارت
اُن کتابوں کی جو یہاں موجود ہیں بعینہ درج ذیل کی جاتی ہے اور عبارت فتاوی کا بھی کہ سب
الشیخین کفر ہے جواب لکھا جاتا ہے بغور ملاحظہ فرمایئں بلکہ اعتقاد کفر کا اہل ہوا کے متعلق جو بعضے ہیں
کفر ہے اوّل تو یہ ہے کہ تمہید ابو الشکور سالمی میں لکھا ہے کہ جو حدیث شریف تفرقہ اُمت میں وارد ہوئی ہے
اُس میں اختلاف ہے چنانچہ ایک روایت میں لکھا ہے ستفرق امتی من بعدی ثلثۃ وسبعون
فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قریب ہے کہ میری اُمت کے لوگ جدا جدا تہتر فرقوں میں ہوجائیں گے
جن میں ایک کے علاوہ سب فرقے جہنم میں جائینگے اور دوسری روایت میں ہے کلھم فی الجنۃ
الا واحدۃ قیل ما تلک الواحدۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم القدریۃ ایک کے علاوہ سب
جنت میں جائینگے پوچھا گیا وہ ایک کون ہے آپ نے فرمایا وہ قدریہ ہے۔ بغور ملاحظہ فرمایئں کہ کفر دونوں
حدیثوں سے ثابت نہیں ہوا بلکہ دوسری حدیث سے جنتی ہونا ثابت کیا ہر کفار کے واسطے کہیں بھی یہ لفظ
آیا ہے اور یا کسی عالم نے اُن پر حکم جبریہ یا استغراق کا بسبب کفر کے لکھا ہو اور دوسرے ایک مقام پر لکھا ہے
اعلم ان الدین مع الجماعۃ والجماعۃ ھما اھل السواد الاعظم والسواد الاعظم بین
الجبر والقدر وبین التشبیہ والتعطیل وبین النصب والرفض وسئل ابو حنیفۃ عن
السنۃ والجماعۃ فقال لا نصب ولا رفض ولا جبر ولا قدر ولا تشبیہ ولا تعطیل وروی عن
ابی حنیفۃ انہ قال شہادۃ اھل الاھواء مقبولۃ فاذا قبل شہادتہ دل انہ مسلم وروی
عن محمد بن الحسن انہ قال الصلوۃ خلف المبتدع جائز الا انہ یکرہ لانہ اعتقد البدعۃ
علی زعم انہ حق وھو ضلال والثانی انہ تاول فی ذلک واستحل بالتاویل فلا یکفر کذا فی التمہید
جاننا چاہیئے کہ دین جماعت کے ساتھ ہے اور جماعت بڑے گروہ والے ہیں اور بڑا گروہ جبر وقدر
تشبیہ وتعطیل نصب ورفض کے درمیان ہے امام ابو حنیفہؒ سے اہل سنت وجماعت کا حال پوچھا گیا
انھوں نے فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جو نصب ورفض جبر وقدر تشبیہ وتعطیل کسی کے قائل نہوں امام
ابو حنیفہؒ سے روایت کہ اہل ہواء کی گواہی معتبر ہے اور جب اُن کی گواہی معتبر ہے تو معلوم ہوا

[۱] اس سے سوم وغیرہ صادر ہوئی اور فرقہ ناصبی اور رافضی ظاہر ہے ۱۲

کو وہ مسلمان ہیں امام محمد بن حسن سے روایت ہے کہ مبتدع کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن مکروہ ہے دو وجہوں سے ایک تو یہ کہ وہ بدعت کا حق و حلال جانکر اعتقاد کرتا ہے دوسرے یہ کہ وہ تاویلات کو کام میں لاتا ہے اور بدعت کو تاویل سے حلال بناتا ہے پس وہ کافر نہیں ہے۔ ایسے ہی تمہید سالمی میں ہے اور جاننا چاہیئے کہ بہتر فرقے جو کتابوں میں ہیں جنکا احوال مرقوم ہے اُنمیں بھی کئی فرقے مثل شاخوں کے ظاہر ہوئے ہیں چنانچہ فرقہ تناسخیہ چار قسم ہوکر پھر چوراسی قسم ہوگئے چنانچہ تفصیل اسکی بھی تمہید میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی ہر فرقے میں اقسام ہوگئے جو شخص جس فرقے کا کام کریگا اُسی میں شمار کیا جائیگا چنانچہ فرقہ وہابین کو معتزلہ کہتے ہیں اب تفصیل فرقوں کی اور بیان ہر ایک کی بدعت کا موجب طول ہے غرض سائل جو ہے کہ سب الشیخین کفر ہے یا نہیں اور توبہ اسکی قبول ہے یا قتل اُنکی توبہ ہے اُسکا جواب یہاں مقصود ہے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے سب الشیخین لیس بکفر کما صححہ ابو الشکور السالمی فی تمہیدہ وذلک لعدم ثبوت مبناہ وعدم تحقق معناہ فان سب المسلم فسق کما فی حدیث ثابت یستوی الشیخان وغیرہما فی ھذا الحکم ولانہ لو فرض ان احدا قتل الشیخین بل والختنین بوصف الجمع لا یخرج عن کونہ مسلما عند اھل السنۃ والجماعۃ ومن المعلوم ان السب دون القتل نعم لو استحل السب او القتل فہو کافر لا محالۃ وعلی تقدیر ثبوت الحدیث فیجب ان یؤل کما اول حدیث من ترک صلوۃ متعمدا فقد کفر ای مستحلا للترک۔ شیخین کو گالی دینا کفر نہیں ہے جیسا کہ ابو الشکور سالمی نے تمہید میں اسکی تصحیح کی ہے کیونکہ اسکا کوئی سبب ثابت نہیں ہوتا ہے اور اسکا مطلب ٹھیک نہیں بنتا کیونکہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے جیسا کہ ثابت کی حدیث ہے شیخین اور اُن کے علاوہ سب اس حکم میں مساوی ہیں دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ کسی نے شیخین (ابوبکر و عمرؓ) بلکہ ختنین (دونوں داماد حضرت علی و عثمانؓ) کو بھی سب کے سب کو قتل کیا تو وہ اسلام سے خارج نہو گا اہل سنت وجماعت کے نزدیک اور یہ بات معلوم ہے کہ گالی دینا قتل کرنے سے کم ہے ہاں اگر گالی دینے اور قتل کرنے کو حلال جانے تو وہ کافر ضرور ہے اور اگر کوئی حدیث دکفر سب شیخین میں ثابت ہو تو اُسکی تاویل ضروری ہے جیسا کہ حدیث من ترک صلوۃ متعمدا فقد کفر کی تاویل کی گئی ہے اور مطلب یہ لیا گیا ہے کہ جو نماز کو ترک کرے حلال سمجھکر وہ کافر ہے۔

ترجمہ عربی کا ختم ہوا اور دوسری جگہ فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ جمع کرنا دونوں کا مشکل ہے ایک تو یہ کہ اہل قبلہ کافر نہیں ہیں چنانچہ سب فقہا اور متکلمین کا بھی یہی قول ہے اور دوسری عبارت فتاوی پر کہ سب شیخین کفر ہے وجہ اشکال کی بیان کرکے پھر جواب لکھا ہے بعد فع الاشکال بان نقل کتب فتاوی مع جہالۃ قائلہ وعدم اظہار دلائلہ لیس بحجۃ من ناقلہ اذمدار الاعتقاد فی المسائل الدینیۃ علی الادلۃ القطعیۃ علی ان فی تکفیر المسلم قد یترتب مفاسد جلیۃ وخفیۃ وقال الامام ابن الہمام فی شرح الہدایۃ فی جواب عن ہذا الحکایۃ حیث قال اعلم ان الحکم بکفر من ذکرنا من اہل الہواء مع ما ثبت عن ابی حنیفۃ و الشافعی رحمہما اللہ من عدم تکفیر اہل القبلۃ من المبتدعۃ کلہم محمل یۃ ان ذلک المعتقد فی نفسہ کفر اشکال اس طرح پر دفع کیا جاتا ہے کہ کتب فتاوی سے نقل کرنا باوجود قائل کے مجہول اور اُس کے دلائل غیر ظاہر ہونے کے ناقل کے لئے حجت نہیں ہوسکتا کیونکہ مسائل دینیہ میں اعتقاد کا مدار یقینی دلیلوں پر ہے علاوہ ازیں کسی مسلمان کو کافر کہدینے سے بہت سی خرابیاں جلی وخفی واقع ہوتی ہیں ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں اسی کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ باوجود امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے عدم تکفیر اہل قبلہ ثابت ہونے کے اہل اہوا کے کفر کا حکم دینا اس معنے کر ہے کہ وہ عقیدے جو اہل ہوا نے اپنے دلوں میں جمائے ہیں (اپنی ذات کے لحاظ سے کفر ہیں دمگر تاویل کے سبب اہل ہوا کو کافر کہنا صحیح نہیں) اور صاحب درمختار نے باب امامت میں لکھا ہے کہ نماز صاحب بدعت کے پیچھے مکروہ تنزیہی ہے مبتدع ای صاحب بدعۃ وہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبہۃ وکل من کان من قبلتنا لا یکفر بہا حتی الخوارج الذین یستحلون دمائنا واموالنا وسب اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وینکرون صفاتہ تعالی وجواز رویتہ لکونہ عن تاویل وشبہۃ بدلیل قبول شہادتہم مبتدع یعنے صاحب بدعت را اور بدعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بات مشہور ہو اُس کے خلاف کا بلا کسی عناد کے اعتقاد رکھنا ہے اور وہ شخص جو اہل قبلہ ہو بدعت کا کافر نہیں ہوتا یہانتک کہ خوارج جو ہمارے خون اور مال اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دینا اپنے لئے حلال

سمجھتے ہیں اور صفات و رویت باری تعالیٰ کے تاویل و تشبیہ کی وجہ سے منکر ہیں مسلمان ہیں
کیونکہ انکی گواہی مقبول ہے شرح ہدایہ کا مضمون ختم ہوا اور باب شہادت میں لکھا ہے تقبل من اهل الاهواء
ای اصحاب بدع لا تکفر کجبر و قدر و رفض و خروج و تشبیہ و تعطیل و کل منهم
اثنا عشرة فرقة فصارت اثنین و سبعین الا الخطابیة صنف من الروافض
یرون الشهادة لشیعتهم و لکل من حلف انه محق فردهم لا لبدعتهم بل
لتهمة الکذب شہادت اہل ہوا یعنی اصحاب بدعت کی جو کافر نہیں ہیں مقبول ہے مثلاً جبر و قدر
و رفض و خروج و تشبیہ و تعطیل کی اور ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں پس کل بہتر فرقے ہوئے
مگر خطابیہ جو روافض کی ایک قسم ہے یعنے انکی شہادت مقبول نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے گروہ اور ہر اس شخص
کے لئے گواہی دینا حق جانتے ہیں جو اپنے حقدار ہونے کی قسم کھالے تو انکی گواہی کو رد کرنا ان کے
بدعتی ہونے کے سبب نہیں ہے بلکہ جھوٹ کی تہمت کے سبب ہے دیکھیے اس عبارت میں کہیں
کفر ثابت نہیں کیا بعضے صاحب فرماتے ہیں کہ مرتد کے باب میں صاحب درمختار نے انبیا
اور شیخین کی جناب میں بے ادبی کرنے والے کے لئے حکم قتل فرمایا ہے اور عبارت اس مقام
کی یہ ہے والکافر بسب الشیخین او بسب احدهما فی البحر عن الجوهرة معزیا
للشهید من سب الشیخین او طعن فیهما کفر لا تقبل توبته و به اخذ الدبوسی و ابو
اللیث و هو المختار للفتوی انتهی و جزم به فی الاشباه شیخین یا ان میں سے ایک کو گالی
دینے کی وجہ سے جو کافر ہو جائے وہ قتل کیا جائیگا بحر میں جوہرہ سے شہید کیجانب منسوب کرتے ہوئے
نقل کیا ہے کہ جس نے شیخین کو گالی دی یا انکے بارے میں زبان درازی کی تو وہ کافر ہے اور اسکی توبہ مقبول
نہیں ہے اور اسی سے دبوسی اور ابو اللیث نے اخذ کیا ہے اور یہی مفتی بہ اور مذہب مختار ہے اور اشباہ
میں اسی کو صحیح ٹھہرایا ہے۔ درمختار کے مصنف نے آپ ہی اس مسئلہ کو رد کیا ہے اس قول سے لکن فی النهر
وهذا لا وجود له فی اصل الجوهرة و انما وجد علی هامش بعض النسخ فالحق بالاصل
مع انه لا ارتباط له بما قبله انتهی لیکن نہر میں ہے کہ اصل جوہرہ میں یہ عبارت نہیں ہے ہاں
بعض نسخوں کے حاشیہ پر ہے پس وہ اصل کتاب کے ساتھ لاحق کر دی گئی ہے باوجودیکہ اسکو اپنے ماقبل سے
کچھ ربط بھی نہیں حاصل ہوتا ہے اصل حال مسئلہ کا یہ ہے کہ جس زمانے میں بحر اور اشباہ تصنیف ہوئی تھی

تو مصنف بحر و اشباہ نے لکھا تھا سب الشیخین کفر و لا تقبل توبتہ شیخین کو گالی دینا کفر ہے اور گالی دینے والے کی توبہ مقبول نہیں ہے۔ اُس زمانے میں بھائی مصنف کا جس نے نہر الفائق شرح کنز الدقائق تصنیف کی ہے جسکا نام عمرو بن نجیم ہے اور چند علماے شہر مثل شیخ امین الدین عبد العال وغیرہ جمع ہو کر آئے اور دریافت کیا کہ یہ مسئلہ سب الشیخین کفر کا تم نے کہاں سے لکھا ہے کہا جوہرہ سے لکھا ہے جو قدوری کی شرح ہے علمانے جوہرہ طلب کیا تو جواب دیا کہ میرا جوہرہ آگ میں جل گیا اور جوہرہ شہر میں سے منگوا کر ہر چند دیکھا یہ مسئلہ نہ پایا پوچھا کس جگہ سے نقل کیا تھا مقام تبلایا تو عبارت جو بحر میں تھی اُس سے ملا کر دیکھا اور ہر چند اول آخر سے ربط دیا ربط نہ کھایا مسئلہ کی وہیں خطا ظاہر ہو گئی وقال السید الحموی فی شرح الاشباہ حکی عن عمر بن نجیم ان اخاہ افتی بذلك فطلب منه النقل فلم یوجد الا علی طریق الجوهرة اور کہا ہے سید حموی نے شرح اشباہ میں عمرو بن نجیم سے نقل کیا گیا ہے کہ اُنکے بھائی نے اُسکا فتوی دیا تو اُن سے نقل طلب کی گئی پس نقل نہ ملی مگر جوہرہ کے طریقہ پر۔ اور پھر حموی نے اُسی عبارت کے آگے لکھا ہے واقول علی فرض ثبوت ذلك فی عامة نسخ الجوهرة لا وجه لم یظهر لما قدمناه من قبول توبة من سب الانبیاء عندنا خلافا للمالکیة والحنابلة واذا کان کذلك فلا وجه للقول بعدم قبول توبة من سب الشیخین بل لم یثبت ذلك عن احد من الائمة فیما اعلم بالفرض اور میں کہتا ہوں کہ اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ جوہرہ کے تمام نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے تو بھی اُسکی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہے کیونکہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک انبیا کو گالی دینے کے بعد بھی توبہ مقبول ہے (حنبلیہ اور مالکیہ اس مسئلہ میں ہمارے خلاف ہیں) اور جب یہ بات ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم سب شیخین کے بعد قبول توبہ کے نہ قائل ہوں بلکہ میرے علم میں تو یہ ائمہ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے حموی کی عبارت ختم ہوئی اور بالفرض اگر ہم کفر مان لیں جب بھی یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اُسکی توبہ قبول نہیں اور حکم کرنا کفر کیساتھ بہت مشکل ہے اختیار میں لکھا ہے۔ اتفق الائمة علی تضلیل اهل البدع اجمع وتخطئتهم وسب احد من الصحابة وبغضه لا یکون کفرا لکن یضلل وذکر فی فتح القدیر ان الخوارج الذین یستحلون دماء المسلمین واموالهم ویکفرون الصحابة حکمهم عند جمهور الفقهاء واهل الحدیث حکم البغاة تمام ائمہ اہل بدعت کے گمراہ و خطا کار ہونے پر متفق ہیں اور صحابہ میں سے

کسی کو گالی دینا اور ان سے بغض رکھنا کفر نہیں ہے لیکن ایسا شخص گمراہ کہلائے گا اور فتح القدیر میں ہے
کہ خوارج کا (جو مسلمانوں کے خون اور مال کو اپنے لئے حلال جانتے ہیں اور صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں) حکم
جمہور فقہا و اہل حدیث کے نزدیک باغیوں کا حکم ہے اختیار کی عبارت ختم ہوئی خیال کیجیے کہ خوارج جو
سب سے زیادہ بدعتی ہیں چنانچہ درمختار سے مذکور ہوا انکے واسطے بھی حکم کفر کا نہ فرمایا قال ابن المنذر وھو
عرف کلام المجتھدین نعم یقع فی کلام اھل المذھب تکفیر کثیر ولکن لیس من کلام الفقھاء
الذین ھم المجتھدون بل من غیرھم ولا عبرۃ لغیر الفقھاء ابن منذر نے (جو مجتہدین کے
کلام کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے) کہا ہے کہ اہل مذہب کے کلام میں تکفیر کا اکثر تذکرہ آتا رہتا ہے لیکن یہ ان
فقہا کے کلام سے نہیں ہے جو مجتہد ہیں بلکہ اسکے قائل دوسرے لوگ ہیں اور غیر فقہا کا کلام معتبر نہیں بہت تفصیل سے
رد المحتار میں جو حاشیہ درمختار کا ہے مسلمان ہونا ثابت کیا ہے جسکو دیکھنا ہو دیکھ لے اور رد المحتار میں لکھا ہے
ولم یعلل احد لعدم قبول شھادتھم بالکفر کما تری نعم استثنوا الخطابیۃ لانھم
یرون شھادۃ الزور لاشیاعھم والحالف وکذا نص المحدثون علی قبول روایۃ
اھل الھواء فھذا فی من یسب عامۃ الصحابۃ ویکفرھم بناء علی تاویل لہ فاسد فعلم
ان ما ذکرہ فی الخلاصۃ من انہ کافر قول ضعیف مخالف للمتون والشروح بل ھو
مخالف لاجماع الفقھاء کما سمعتہ وقد الف العلامۃ ملا علی قاری رسالۃ فی الرد
علی الخلاصۃ ولھذا نعلم قطعا ان ما عزی الی الجوھرۃ من الکفر مع عدم قبول التوبۃ
علی فرض وجودہ فی الجوھرۃ باطل لا اصل لہ ولا یجوز العمل بہ وقد مر انہ
اذا کان فی المسئلۃ خلاف ولو روایۃ ضعیفۃ فعلی المفتی ان یمیل الی عدم التکفیر
فکیف یمیل ھنا الی التکفیر المخالف للاجماع فضلا عن میلہ الی قتلہ وان تاب وقد
مر ایضا ان المذھب قبول توبۃ ساب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فکیف ساب
الشیخین والعجب من صاحب البحر حیث تساھل غایۃ التساھل فی الافتاء بقتلہ
اور کسی نے انکی شہادت نہ قبول ہونے کا سبب کفر کو نہیں بتایا ہے ہاں قبول شہادت سے خطابیہ کو
اس وجہ سے مستثنیٰ کرتے ہیں کہ وہ گواہی اپنے گروہ اور اپنی صداقت کی قسم کھانے والے کے لئے
جائز سمجھتے ہیں ایسا ہی محدثین دلیل لائے ہیں اہل اہواء کی روایت کے قبول ہونے پر

پس یہ اُس شخص کے بارے میں ہے جو صحابہ کی تکفیر کرتا ہے اور اُن کو گالی دیتا ہے ایک تاویل فاسد کی بنا پر ہے پس معلوم ہوگیا کہ جو کچھ خلاصے میں ہے کہ وہ شخص کافر ہے ایک ضعیف قول ہے جو متون اور شروح اور اجماع فقہا کے مخالف ہے جیسا کہ میں نے سُنا ہے اور ملا علی قاری نے خلاصے کی رد میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے اس سے تمکو یہ معلوم ہوگیا کہ جوہرہ کی جانب کفر اور عدم قبول توبہ کی جو نسبت کیگئی ہے وہ اگرچہ جوہرہ میں ہو باطل ہے اسکی کچھ اصل نہیں اور اُسپر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مسئلہ میں اگر اختلاف ہو اور کوئی ضعیف روایت بھی عدم تکفیر کی موجود ہو تو اُسی کیجانب مائل ہونا چاہیے پس یہاں تکفیر کی جانب کیونکر مائل ہو سکتے ہیں جو اجماع کے مخالف ہے چہ جائیکہ قتل کیطرف مائل ہوں اگرچہ توبہ کرے اور یہ بھی اوپر گذرا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی توبہ مقبول ہے پس شیخین کو گالی دینے والے کی توبہ کیوں قبول نہو گی اور صاحب بحر سے تعجب ہے کہ اُنھوں نے قتل کا فتویٰ دینے میں انتہائی تساہل کیا ہے۔ شامی کی عبارت ختم ہوئی اور مؤلف رد المحتار شامی و مصنف درمختار نے کہیں اہل ہوا کو کافر نہیں لکھا بلکہ باب الحیض میں لکھا ہے لا یفتی بتکفیر مسلم کان فی کفرہ خلاف ولو روایۃ ضعیفۃ کسی مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے گا اگر اُسکے کفر میں اختلاف ہو روایت اگرچہ ضعیف ہی کیوں نہو اور دوسری جگہ لکھا ہے اذا کان فی المسئلۃ وجوہ یوجب الکفر و واحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ کسی مسئلہ میں اگر بہت سے وجوہ ہوں جو کفر کو واجب کرتے ہوں اور ایک وجہ کفر سے مانع ہو تو مفتی کو مانع کیجانب مائل ہونا چاہیے۔ درمختار کا کلام ختم ہوا اور تعجب ہے صاحب علم سے کہ با وجود ان دلائل تو یہ مائل با سلام کے دلیل ضعیف کو ترجیح دیکر کفر ثابت کرے اور یہانتک حکم دیوے کہ توبہ بھی اُسکی قبول نہیں بلکہ قتل اُسکی توبہ ظاہر ہے کہ گویا سب علما کے قول کا انکار ہے درمختار میں لکھا ہے منکر الاجماع کافر اجماع کا انکار کرنیوالا کافر ہے۔ اور تمہید ابو الشکور سالمی میں لکھا ہے من قال للمؤمن یا کافر او شہد بالکفر علی مومن فانہ یصیر کافرا وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من شہد علی امتی بالکفر فھو اولی بہ جس نے کسی مومن کو کہا اے کافر یا کسی مومن کے کفر کی گواہی دی وہ کافر ہوگیا حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثناء سے مروی ہے کہ جس نے میری اُمت پر کفر کی گواہی دی وہ اُس کفر کا زیادہ مستحق ہے۔ کلام ابو الشکور ختم ہوا۔ اہل ہوا جو بہتر فرقوں میں داخل ہیں اسواسطے جو حدیث تفترق امتی میں وارد ہوئی ہے اُس میں لفظ امتی ہے امت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا شمار اسمیں داخل کرتے نہیں فرمایا تھا اُن کے واسطے اور حدیث ہے۔ انہ قال

صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل تفرقت بعد موسیٰ علی احدی وسبعین فرقۃ و
بعد عیسی علی اثنین وسبعین فرقۃ وستفرق امتی من بعدی ثلثۃ وسبعون فرقۃ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰ کے بعد اکہتر اور عیسیٰ کے بہتر فرقوں پر متفرق ہوگئے اور
قریب ہے کہ میری امت میرے بعد تہتر فرقوں پر متفرق ہو جائے۔ اگر سب فرقے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے مع اصناف کفار شمار کرینگے تو تہتر فرقے کیونکر ہونگے اگرچہ کفار بھی اُمت دعوت میں پس معلوم ہوا
کہ مراد اُمت سے اُمت اجابت ہے جنھوں اسلام قبول کیا تھا المراد بالامۃ من یجمعھم دائرۃ
الدعوۃ من اھل القبلۃ لانہ اضافھم الی نفسہ واکثر ما ورد فی الحدیث علی ھذا الاسلوب
فالمراد بہ اھل القبلۃ ولو ارید بہ امۃ الدعوۃ فتناول بہ اصناف الکفر فکیف یکون
تفریق الامۃ الی ثلث وسبعین امت سے وہ اہل قبلہ مراد ہیں جنکو دائرۂ دعوت جامع ہو کیونکہ
اُنکی اضافت حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے اپنے نفس کیجانب فرمائی ہے اور اکثر حدیث میں جہاں
اس طریقہ پر عبارت آئی ہے مراد اہل قبلہ ہیں اور اگر اس سے اُمت دعوت مراد ہو تو وہ کفر کے بھی تمام اقسام کو
شامل ہے پس اُمت کی تفریق تہتر فرقوں کی جانب کیونکر صحیح ہوگی۔ ترجمہ عربی تمام ہوا۔ خداوند تعالیٰ غفور
اور تواب رحیم ہے اسکی رحمت کا منکر نہونا چاہیئے توبہ سب کی قبول ہے اگر پیغمبر کی جناب میں بے ادبی ہو اسکی توبہ
بھی قبول ہے چنانچہ رد المحتار حاشیہ در المختار سے مذکور ہوا صفتا الرحمۃ لا یتغیر وان تغیر احوال
الامۃ رحمت کی صفت نہیں بدلتی اگرچہ اُمت کے احوال بدل جائیں۔ اور نیک کام بھی بُرائی کو دور
کرتے ہیں کقولہ تعالیٰ ان الحسنات یذھبن السیئات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نیکیاں بدیوں کو
لیجاتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب المجیب عبد الحکیم ابن افضل العلما والفضلا مولانا محمد عبد الرب
افاض اللہ علینا من برکاتہ۔ ھو المصوب واقعی حدیث ستفرق امتی ثلث وسبعون فرقۃ
قریب ہے کہ میری اُمت تہتر فرقوں پر منقسم ہو جائے گی میں مراد اُمت اجابت ہے کہ عبارت اہل اسلام
سے ہے نہ اُمت دعوت علامہ دوانی شرح عقائد عضدیہ میں لکھتے ہیں۔ ای امۃ الاجابۃ وھم الذین
امنوا بالنبی صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم وھو الظاھر فان اکثر ما ورد فی الحدیث علی ھذا
الاسلوب ارید بہ اھل القبلۃ یعنی اُمت اجابت جو نبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر ایمان لائے
اور یہی ظاہر معنے ہیں کیونکہ اکثر جہاں حدیث میں اس طرح پر عبارت آئی ہے وہاں مراد اہل قبلہ ہیں

اور سب شیخین موجب کفر نہیں ابو الشکور سالمی تمہید میں لکھتے ہیں کلام الروافض مختلف نبعضہ یکون کفرا وبعضہ لا فلو قال ان علیا کان الٰہا نزل من السماء کفر ولو قال النبوۃ کانت لعلی وجبرئیل خطأ کفر ومنہم من قال ان علیا افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہذا کلمۃ کفر واما الذین یکون بدعۃ ولا یکون کفرا نہو قولہم ان علیا کان افضل من الشیخین ومنہم من قال یجب اللعن علی من خالف علیا کعائشۃ ومعاویۃ وہذا کلہ وما شبہہ بدعۃ لیس بکفر لانہ صادر عن تاویل روافض کے کلام مختلف ہیں بعض کفر ہیں اور بعض نہیں پس اگر کہا کہ علیؓ خدا تھے آسمان سے اترے تھے کافر ہوگیا اور اگر کہا نبوت علیؓ کے لئے تھی حضرت جبرئیلؑ سے خطا ہوگئی وہ کافر ہوگیا اور اگر کہا کہ علیؓ افضل ہیں رسول اللہ سے تو یہ کفر کا کلمہ ہے اور وہ اقوال جو بدعت ہیں لیکن کفر نہیں منجملہ انکا یہ قول ہے کہ علیؓ افضل ہیں شیخین سے اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مخالف حضرت علیؓ (مثل حضرت امیر معاویہؓ وحضرت عائشہؓ کے) لعنت بھیجنا واجب ہے یہ بدعت ہے کفر نہیں ہے کیونکہ یہ تاویل سے صادر ہوا ہے۔ اور مولانا عبد العلی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں الصحیح عند الحنفیۃ ان الروافض لیسوا بکفار والوجہ فیہ ان مذہبہم اوقعہم فی ما وقعوا زعما منہم انہم علی الدین المحمدی وان کان زعمہم ہذا باطلا وما کذبوا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فی زعمہم فہم غیر ملتزمین بالکفر والتزام الکفر کفر دون لزومہ انتہٰی ملخصا حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ روافض کفار نہیں ہیں کیونکہ مذہب نے انکو ان غلطیوں میں ڈالدیا ہے کیونکہ وہ گمان کرنے لگے کہ ہم دین محمدی پر ہیں اگرچہ انکا یہ گمان باطل ہے اور جو حضور کی تکذیب کرتے ہیں اس سے وہ کفر کو لازم نہیں کرتے اور کفر کو لازم کر لینا کفر ہے نہ کہ لازم آجانا انتہٰی ہر گاہ روافض کا کافر ہونا ثابت ہوا انکی توبہ قبول ہونے میں شک نہیں رہا اور اگر بالفرض والتقدیر روافض کافر ہوں اس صورت میں بھی انکی توبہ قبول نہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے مقام غور ہے کہ جو شخص مشرک ہو اور اللہ جلشانہ کا شریک بتاتا ہو اگر وہ توبہ کرے قبول ہوجائے تو کیا روافض مشرک سے بدتر ہوگئے کہ توبہ انکی قبول نہوگی اور صاحب بحر نے جوہرہ سے جو مسئلہ عدم قبول توبہ روافض کا نقل کیا ہے وہ غلط ہے قابل التفات کے نہیں کیونکہ نصوص قرآنیہ کے مخالف ہے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ہو الغفور الرحیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخشتا ہے اور وہی بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے

واللہ اعلم بالصواب وعندہٗ ام الکتاب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی
اللکنوی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی وحفظہ عن موجبات الغی ابن المرحوم مولانا محمد عبدالحلیم ادخلہ اللہ
دار النعیم [محمد عبدالحی ابوالحسنات] فی الواقع حدیث افتراق اُمت میں ناری سے مراد مسلمین فاسقین ہیں کہ بشامت
عصیاں سے دوزخ میں جاوینگے اور روافض کہ حضرات شیخین رض کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں در اسیطرح
اہل ہوا کافر نہیں ہیں اور توبہ اُن کی مقبول ہے فی المسائرۃ ان قول ابی حنیفۃ انہ لا یکفر احد
منہم وفی شرحہا الکمال ان عدم تکفیرہم ھو المنقول عن جمہور المتکلمین والفقہاء
وان الشیخ الاشعری قال ان الاسلام یعمہم مسائرہ میں ہے کہ قول امام ابوحنیفہ کا یہ ہے کہ ان میں
کا کوئی کافر نہیں ہے اور کمال نے شرح مسائرہ میں لکھا ہے کہ اُنکو کافر نہ کہنا ہی جمہور متکلمین و فقہائے منقول ہے
اور شیخ اشعری نے کہا ہے کہ اسلام اُن کو بھی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات کو جاننے والا ہے اور
اُسی کے قبضے میں ہدایت اور اچھا بدلہ ہے حررہٗ ابوالاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔

سوال۔ واجب تعالیٰ اپنے شریک کے پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ **جواب** نہیں ہے کیونکہ
تمام متکلمین اسکی تصریح کرتے ہیں کہ کسی چیز کے قدرت میں داخل ہونے کی علت اُس کا ممکن
ہونا ہے پس شریک الباری کہ محال ہے تحت قدرت نہ ہوگا اور اس بات پر اجماع ہے کہ شریک
باری محال ہے اور قدرت الٰہی ممتنع پر نہیں ہے امام فخر الدین رازی اور علامہ سعد الدین
تفتازانی لکھتے ہیں لا شئ من الواجب والممتنع بمقدور لہ تعالیٰ لزوال امکان الترک
فی الاول والفعل فی الثانی انتہی واجب اور ممتنع میں سے کوئی بھی مقدورات باری تعالیٰ
میں سے نہیں ہے کیونکہ واجب کا ترک ممکن نہیں اور ممتنع کا کرنا اور مقدور کا کرنا نہ کرنا دونوں ممکن
ہوتے ہیں۔ اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں قد قیل کل عام یخص کما خص قولہ تعالیٰ
واللہ علی کل شیٔ قدیر بما شاءہ لیخرج ذاتہ وصفاتہ وما لم یشأ من مخلوقاتہ
مما یکون من المحال وقوعہ فی کائناتہ والحاصل ان کل شیٔ تعلقت بہ مشیئتہ
تعلقت بہ قدرتہ والا فلا یقال ھو قادر علی المحال لعدم وقوعہ ولزوم کذبہ
انتہی کہا گیا ہے کہ ہر عام میں تخصیص کر دی جائے گی جیسا کہ آیۂ پاک واللہ علی کل شیٔ قدیر
میں ما شاءہ کی قید لگا دی گئی ہے تاکہ ذات و صفات باری تعالیٰ اور وہ اشیا جنکے خلق کو

وہ نہ چاہے اور جنکا کائنات میں ہونا محال ہو خارج ہو جائیں حاصل یہ ہے کہ جس سے مشیت باریتعالیٰ کا تعلق ہوگا اُس سے اُسکی قدرت کا بھی تعلق ہوگا اور جس سے اُس کی مشیت کا تعلق نہ ہوگا اُس سے اُس کی قدرت بھی متعلق نہ ہوگی پس یہ نہ کہا جائیگا کہ باری تعالیٰ محال پر قادر ہے کیونکہ وہ واقع نہیں ہوسکتا ہے اور اُسکا کذب لازمی ہے۔ اور علامہ کمال الدین بن ابی شریف جو صاحب فتح القدیر کے شاگرد ہیں اپنی شرح رسالہ مسایرہ میں لکھتے ہیں متعلق العلم اعم من متعلق القدرۃ فان العلم یتعلق بالواجب والممکن والممتنع والقدرۃ انما تتعلق بالممکن دون الواجب والممتنع انتہے قدرت کے متعلق سے علم کا متعلق عام ہے کیونکہ علم کا تعلق واجب ممکن ممتنع سب کے ساتھ ہوتا ہے اور قدرت کا تعلق صرف ممکن کے ساتھ ہوتا ہے واجب اور ممتنع کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اگر خیال پیدا ہو کہ واجب تعالیٰ کا شریک باری کے پیدا کرنے پر قادر نہونا اُسکا عجز ہے اور عجز مستلزم نقصان ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ جو امر اس لائق نہو کہ قدرت کا تعلق اُسکے ساتھ ہو تو اُسکے ساتھ قدرت کا تعلق نہونا نقصان نہیں ہے بلکہ عین کمال ہے علم کلام اور فقہ کی کتابوں میں اسکی تصریح موجود ہے علّامہ عبدالغنی نابلسی مطالب وفیہ میں لکھتے ہیں قال المحققون المراد بالممکن مالا یجب وجودہ ولا عدمہ لذاتہ فدخل مالا یتصور من الممکنات لا لذاتہ بل لغیرہ کممکن تعلق علم اللّٰہ تعالیٰ لعدم وقوعہ کایمان ابی جہل ووقع لابن حزم ما ھو بین البطلان حیث قال انہ تعالیٰ قادر علی ان یتخذ ولدا اذ لو لم یقدر علیہ لکان عجزا وقد نقلہ بعض الاغبیاء من المبتدعۃ فانظر الی اختلال ھذا المبتدع کیف فان العجز انما یکون لو کان القصور جاء من ناحیۃ القدرۃ اما اذا کان لعدم قبول المستحیل تعلق القدرۃ فلا یتوھم متوھم ان ھذا عجز وقد سئل الامام عبداللّٰہ بن اسعد الیمنی عن کون اللّٰہ قادرا علی جمیع الممکنات ھل یلحق بذلک شئ من المستحیلات فاجاب بان جمیع المستحیلات العقلیۃ لا تعلق للقدرۃ بھا سواء کانت استحالتہ شرعا کقولہ تعالیٰ ولا اللیل سابق النھار او عقلا کولوج الجمل فی سم الخیاط وقولہ تعالیٰ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط بدل علی انقطاع طمع الکفار لدخول الجنۃ فان قیل لم لم یوصف الحق بالاقتدار

علی ذلک وعدم القول بہ یودی الی قصر القدرۃ قلت ذلک لا یودی الیہ فان اللہ قادر علی ان یصغر الجمل الی ان یصیر بحیث یلج فی سم الخیاط وعلی توسیع سم الخیاط الی ان یسع الجمل وا ماولوجہ فیہ وکل منھما علی صورتہ فذلک من المستحیل العقلی الذی نص العلماء علی ان لا تعلق لقدرۃ اللہ وکذلک لا یعقل نہار الا بعد ذھاب اللیل واللیل الا بعد ذھاب النہار کل منھا شرط لمجئ الاخر واجتماع النہار مع اللیل مستحیل عقلی فلا یتعلق القدرۃ بہ وقولہ تعالی خالق کل شئ معناہ خالق کل شئ وجد او سیوجد والمستحیل العقلی غیر موجود ولا یمکن ان یوجد فلا یدخل تحت ذلک ولا یجد العقل الی خلق ذلک سبیلا انتھی کلام النابلسی ملخصا (ترجمہ) محققین نے کہا ہے کہ ممکن سے وہ مراد ہے جسکا لذاتہ نہ وجود ضروری ہو نہ عدم پس اسمیں وہ ممکنات داخل ہیں جنکے تصور کا عدم لذاتہ نہیں بلکہ لغیرہ ہو شلاً وہ ممکن جسکے نہ واقع ہونے کی خبر باری تعالے نے دی ہے جیسے ایمان ابی جہل۔ اور ابن حزم کو وہ شبہہ ہوا ہے جو ظاہر البطلان ہے کیونکہ اُس نے کہا ہے کہ باری تعالے اس امر پر قادر ہے کہ اپنی اولاد پیدا کرے کیونکہ اگر اسپر قادر نہوگا تو عجز لازم آیگا اور اسکو بدعتیوں میں سے بعض ناسمجھوں نے نقل کیا ہے پس تم اس مبتدع کی غلطی پر غور کرو کیونکہ عجز اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ کوتاہی قدرت کی جانب سے ہو لیکن اگر مستحیل تعلق قدرت کی قابلیت ہی نہ رکھتا ہو تو کوئی وہم کرنے والا یہ وہم نہیں کرسکتا کہ یہ عجز ہے امام عبداللہ بن اسعد یمنی سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے تو کیا ان ممکنات کے حکم میں کوئی محال بھی ہے پس اُنھوں نے جواب دیا کہ کسی عقلی محال کے ساتھ قدرت کو کچھ تعلق نہیں ہے خواہ اُنکا استحالہ شرعاً ہو بھی شلاً آیہ پاک ولا اللیل سابق النہار یعنی رات دن سے پہلے نہیں آسکتی یا صرف عقلاً شلاً اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اور باری تعالے کا قول حتی یلج الجمل فی سم الخیاط کفار کے جنت میں داخل ہونیکی طمع کے پورے نہونے پر دلالت کرتا ہے اگر کوئی کہے کہ باری تعالے کو اسپر قادر کیوں نہیں مانتے ہیں با وجودیکہ اس صورت میں باری تعالیٰ کی قدرت قاصر ہوئی جاتی ہے تو ہم کہیں گے اس سے قدرت کی کمی نہیں ہوتی کیونکہ بار یتعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اونٹ کو اس قدر چھوٹا کردے کہ وہ سوئی کے ناکے میں سے ہو کر گذر سکے یا سوئی کے ناکے کو اس قدر بڑا کردے کہ اونٹ اُس میں سے گذر سکے

لیکن اونٹ کا اُس میں سے اس حالت مین گذر جانا کہ دونوں اپنی اصلی حالت پر باقی ہوں محال عقلی ہے کہ علما اس امر پر دلیل لائے ہیں کہ قدرت باری تعالیٰ کو اس سے تعلق نہیں ہے اور اسیطرح دن بغیر رات گئے ہوے اور رات بغیر دن کے گذرے ہوئے نہیں آسکتی کیونکہ ہر ایک کے آنے کی شرط دوسرے کا گذر جانا ہے (اور رات اور دن کا جمع ہونا عقلاً محال ہے پس اس سے قدرت کا تعلق نہیں ہو سکتا ہے اور قول باری تعالیٰ خالق کل شئ کے معنے یہ ہیں کہ پیدا کرنے والا ہے ایسی شے کا جو پائی گئی ہے یا عنقریب پائی جائے گی اور محال عقلی نہ تو ابھی پایا جاتا ہے اور نہ اُس کا پایا جانا ممکن ہے پس وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں اور نہ عقل اُس کے وجود کا کوئی طریقہ پاتی ہے نابلسی کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا الحاصل عبارات منقولہ اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ واجب تعالیٰ کو خلق امور مستحیلہ پر (جیسے نقیضین کا جمع کرنا اور اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا اور شریک باری تعالیٰ کا وجود اور اتخاذ ولد وغیرہ) قدرت نہیں ہے اور ان امور پر قدرت نہونا نقص کا سبب نہیں بلکہ عین کمال ہے اور اسی پر علماء متکلمین کا اتفاق اور علماء شریعت کا اجماع ہے اور اسی کی عقل اور نقل شہادت دیتے ہیں پھر جو اس کا منکر ہے وہ ایک تعجب کی بات ہے واللہ اعلم بالصواب وعندہ حسن الثواب کتبہ محمد عبدالحی عفا اللہ عنہ۔

محمد نور الحسین　[مہر: محمد نور الحسین ۱۲۸۱]　[مہر: ابوالحسنات محمد عبدالحی ۱۲۸۱]

سوال زید نے بہ تتبع ایک عالم کے جس کی تصدیق ایک مفتی مسلمین نے بھی کی تھی دربارۂ قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو دُرِّ منثور وغیرہ میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وموسی کموسلکم وعیسی کعیسکم ونبی کنبیکم (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے سات زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ہر زمین میں آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کیطرح اور موسیٰ ہیں تمہارے موسیٰ کی طرح اور عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح اور نبی ہیں تمہارے نبی کی طرح) انتہی یہ عبارت تحریر کی میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث مذکور گو صحیح اور معتبر ہے اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقے میں مخلوق الٰہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقے میں انبیا کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے مگر اُسکا ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل ہونا ثابت نہیں اور نہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ وہ خاتم مماثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہوں اس لیے کہ اولاد آدم جسکا ذکر ولقد کرمنا بنی آدم میں ہے اور سب مخلوقات سے افضل ہے وہ اسی طبقے کے آدم کی اولاد ہے بالاجماع اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب اولاد آدم سے فضل ہیں تو بلا شبہہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں آپ کے مماثل کسی طرح نہیں ہو سکتے انتہی اور باوجود اس تحریر کے زید یہ کہتا ہے کہ اگر شرع سے اسکے خلاف ثابت ہوگا تو میں اسی کو مان لونگا میرا اصرار اس تحریر پر نہیں پس علمائے شرع سے استفسار ہے کہ الفاظ حدیث ان معنوں کو محتمل ہیں یا نہیں اور زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق یا خارج اہلسنت وجماعت سے ہوگا یا نہیں بینوا توجروا جواب مخفی نرہے کہ حدیث مذکور محققین محدثین کے نزدیک قابل اعتبار ہے حاکم نے اسکے حق میں صحیح الاسناد کہا ہے اور ذہبی نے حسن الاسناد کا حکم دیا اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علت جو اس احادیث میں قابل اعتبار خرابی پیدا کرے موجود نہیں ہے اور زمین کے طبقات کا جدا جدا ہونا بہت احادیث سے ثابت ہے اور اس حدیث مذکور سے ہونا انبیا کا طبقات باقیہ میں ثابت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح سلسلہ نبوت اس طبقے میں واسطے ہدایت سکان کے تیار ہوا اسی طرح سے ہر ہر طبقے میں سلسلہ نبوت کا واسطے ہدایت وہاں کے سکان کے تیار ہوا اور چونکہ بدلائل عقلیہ ونقلیہ سلسلہ کا غیر متناہی ہونا باطل ہے لاجرم ہر طبقے میں ایک مبدا سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے آدم کے ساتھ مشابہ کیا گیا اور ایک آخر سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے خاتم کے ساتھ تشبیہ دیا گیا پس بنا برعلیہ آخر انبیائے طبقات تحتانیہ پر اطلاق خواتم کا درست ہے اب یہاں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ بعد عصر آنحضرت صلعم کے ہوئے ہوں دوسرے کہ مقدم ہوئے ہوں تیسرے یہ کہ معصر ہوں احتمال اول حدیث لا نبی بعدی وغیرہ امیرے بعد کوئی نبی نہیں ہے سے باطل ہے اور بر تقدیر احتمال ثانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام طبقات کے انبیا کے خاتم ہونگے اور بر تقدیر ثالث دو احتمال میں ایک کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخصوص اس طبقے کے ساتھ ہو اور آپ کی خاتمیت اسی طبقے کے انبیا کے لحاظ سے ہو اور ہر طبقہ تحتانیہ میں وہاں کے خاتم کی رسالت ہو اور ہر ایک ان میں کا صاحب شرع جدید اور اپنے طبقے کے انبیا کا خاتم ہو دوسرے یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ شریعت محمدیہ کے متبع ہوں اور ان میں کا کوئی صاحب شرع جدید نہو اور ہمارے حضرت کی دعوت عام اور خاتم الانبیا ہونا آپ کا بہ نسبت انبیائے جملہ طبقات کے حقیقی ہو اور ہر ایک خواتم باقیہ کا خاتم ہونا بہ نسبت اپنے اپنے سلسلے کے اضافی ہو احتمال اول بہ نسبت عموم نصوص بعثت نبویہ کے کہ جس سے حضور کا تمام

عالم پر مبعوث ہونا صراحتاً معلوم ہوتا ہے باطل ہے اور علمائے اہلسنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور آپکی نبوت عام ہے اور جو نبی آپکا معصر ہوگا شریعت محمدیہ ہی کا متبع ہوگا چنانچہ تقی الدین سبکی سے جلال الدین سیوطی رسالۃ الاعلام بحکم عیسے علیہ السلام میں نقل کرتے ہیں قال السبکی فی تفسیرہ ما من نبی الا اخذ اللہ علیہ المیثاق انہ ان بعث محمد فی زمانہ لیومنن بہ ولینصرنہ ویوصی امتہ بذلک وفیہ من النبوۃ وتعظیم قدرہ مالا یخفے وفیہ مع ذلک انہ علی تقدیر مجیئہ فی زمانہم یکون مرسلا الیہم ویکون نبوتہ ورسالتہ عامۃ لجمیع الخلق من زمن آدم الی یوم القیامۃ ویکون الانبیاء وامہم کلہم من امتہ فالنبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ولو اتفق بعثتہ فی زمن آدم ونوح وابراہیم وموسی وعیسیٰ وجب علیہم وعلی امہم الایمان بہ ونصرتہ ولہذا یاتی عیسیٰ فی اخر الزمان علی شریعتہ ولو بعث النبی علیہ الصلوۃ والسلام فی زمان موسیٰ وابراہیم ونوح وآدم کانوا مستمرین علی نبوتہم ورسالتہم الی اممہم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی علیہم ورسول الی جمیعہم انتہے (ترجمہ) سبکی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر نبی سے اللہ نے عہد لیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنکے زمانے میں بھیجے جائیں تو اُن پر ایمان لائیگا اور آپکی مدد کریگا اور اپنی اُمت کو اسی کی وصیت کریگا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور مرتبہ کی جسقدر بڑائی کی طرف اشارہ ہے وہ پوشیدہ نہیں اور اس میں اس بات کی جانب بھی اشارہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیائے سابق کے زمانے میں تشریف لاتے تو اُن کے جانب رسول ہوتے اور آپ کی نبوت ورسالت حضرت آدمؑ کے زمانے سے قیامت تک مخلوقات کو شامل ہوتی اور تمام انبیا مع اپنی اُمتوں کے آپکی اُمت میں داخل ہوتے پس حضور نبی الانبیا ہیں اور اگر حضور کی بعثت حضرت آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے زمانوں میں ہوتی تو اُنپر اور اُن کی اُمتوں پر آپ کی مدد کرنا اور آپ پر ایمان لانا فرض ہوتا اور اسی واسطے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں آپ ہی کی شریعت پر تشریف لائیں گے اور اگر آپ حضرت موسیٰ اور ابراہیم اور نوح اور آدم علیہم السلام کے زمانے میں بھیجے جاتے تو سب کی نبوت اور رسالت اپنی اپنی اُمتوں کی جانب باقی رہتی اور آپ سب انبیا کے نبی اور رسول ہوتے ترجمہ عربی ختم ہوا اور بحر العلوم

مولانا عبد الغنی اپنے رسالہ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں مقتضی ختم رسالت دو چیز است یکے آنکہ بعد وی رسول نباشد و دیگر آنکہ شرع وے عام باشد و ہر کسیکہ موجود باشد وقت نزول شرع وے اتباع شرع وے بروے واجب و فرض است و سر این آنکہ ہمہ رسل در اخذ شرع مستمد از خاتم الرسالۃ اند و چونکہ شرع او عام باشد پس دیگرے صاحب شرع نباشد انتہیٰ کلامہ (ترجمہ) ختم رسالت دو چیزوں کو چاہتی ہے ایک یہ کہ اُسکے بعد کوئی رسول نہو اور دوسرے یہ کہ اُسکی شرع عام ہو اور نزول شرع کے وقت جو لوگ موجود ہوں اُنپر اُس شرع کی پیروی واجب اور فرض ہو اور اس میں بھید یہ ہے کہ تمام رسول شریعت لینے میں حضرت خاتم الرسالۃ سے مدد چاہنے والے ہیں اور جب آپ کی شرع عام ہوئی تو دوسرا کوئی صاحب شرع نہ ہوگا خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث ابن عباس رضی کی صحیح اور معتبر ہے اور اُس سے طبقات تحتانیہ میں انبیا کا موجود ہونا ثابت ہے اور اس وجہ سے کہ سلسلہ کا غیر متناہی ہونا باطل ہے ہر ایک طبقے میں ایک خاتم الانبیا بہ نسبت اس طبقے کے ہونا ضروری ہے لیکن عقائد اہل سنت کے مطابق یہ امر ہے کہ ہمارے حضرت کی دعوت عام ہے تمام مخلوقات کو شامل ہے پس اس امر کا اعتقاد کرنا چاہیے کہ خواتم طبقات باقیہ بعد عصر نبویہ نہیں ہوے یا قبل ہوے یا ہمزمانے اور بر تقدیر زمانہ ایک ہونے کے متبع شریعت محمدیہ ہونگے اور ختم اُنکا بہ نسبت اپنے طبقے کے اضافی ہوگا اور ہمارے حضرت کا ختم عام ہوگا اور اُن سب امور کی تفصیل ہمنے اپنے دو رسالوں ایک مسمّٰی بالآیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات اور دوسرے مسمّٰی بہ دافع الوسواس فی اثر ابن عباس میں کی ہے جب یہ امر ممہد ہو چکا تو سمجھنا چاہیے کہ زید کو جس نے وہ عبارت لکھی ہے جو سوال میں مندرج ہے جبکہ مماثلت سے انکار ہے اور صحت حدیث و ثبوت تعدد خواتم طبقات تحتانیہ کا قائل ہے مخالف اہل سنت کے نہیں ہے نہ کافر نہ فاسق بلکہ متبع سنت ہے مگر ہاں اگر نبوت محمدیہ کو اسی طبقے کے ساتھ خاص کرتا ہو اور ہر ایک خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو تو البتہ مواخذہ کے قابل ہے کیونکہ یہ اور نصوص اور علما کے کلمات کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور اگر مجرد تعدد خواتم کا قائل اور ہمارے رسول کے ختم کو بہ نسبت جملہ انبیا سے جملہ طبقات کے حقیقی سمجھتا ہے اور ہر ایک خواتم طبقات باقیہ کے ختم کو اضافی کہتا ہے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے واللہ اعلم کتبہ ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی وحفظہ عن موجبات الغی۔ واقعی زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق نہوگا واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب کتبہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان

شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسئلہ ہیئت فیثا غورسی کے لحاظ سے قواعد حرکت زمینی کو ترجیح دینا جس سے آسمانوں کے اس طور پر ہونے کا انکار لازم آتا ہے کہ وہ جسم کثیف ہوں کہ دوسرا کوئی جسم کثیف اُن میں نہ داخل نہ کر سکے جیسے حرکت فلکی کی ہیئت والے قائل ہیں شرعاً کسی خرابی کا موجب ہے یا نہیں اور جبکہ نظام فیثا غورسی مطلقاً آسمانوں کے وجود کا منکر نہیں بلکہ اُن کے وجود کا جسمانیت لطیفہ (مثل ہوا یا اس سے زیادہ لطیف) کے ساتھ قائل ہو تو مخالفت شرع کی لازم آتی ہے یا نہیں اور پھر اس قول کا قائل اگر حکمائے فرنگ کی طرح کہے کہ اللہ کی حکمت کاملہ کے لحاظ سے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تمام اجرام سماویہ مثل کرۂ ارضیہ خود ذی روح مخلوقات کے مسکن ہوں تو بھی اُسکا عقیدہ اسلامی عقیدوں کے خلاف ہوگا یا نہیں

جواب اس مقام میں نہ ہیأت فیثا غورسی معتبر ہے نہ ہیئت بطلیموسی بلکہ قرآن اور حدیث اور اقوال صحابہ معتبر ہیں اللہ تعالے نے فرمایا ہے یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء اور فرمایا ہے ھو اللہ خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سمٰوات اور فرمایا ہے اللہ الذی خلق سبع سمٰوات ومن الارض مثلھن اور فرمایا ہے کل فی فلک یسبحون اور فرمایا ہے تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوات العلی الرحمٰن علی العرش استوی اور فرمایا ہے الشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر یسجدان والسماء رفعھا ووضع المیزان اور فرمایا ہے والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع انہ لقول فصل اور فرمایا ہے وللہ المثل الاعلی فی السمٰوات والارض اور فرمایا ہے الحمد للہ فاطر السمٰوات والارض اور فرمایا ہے الحمد للہ الذی خلق السمٰوات والارض وجعل الظلمات والنور اور فرمایا ہے قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السمٰوات والارض اور فرمایا ہے فقضٰھن سبع سمٰوات فی یومین واوحی فی کل سماء امرھا اور فرمایا ہے ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام اور فرمایا ہے الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوات طباقا الخ اور بھی بہت سی آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آسمان کا وجود ہے اور وہ سات ہیں پس آسمان کے وجود کا انکار کرنا دراصل قرآن کا انکار کرنا ہے اور قرآن کا انکار کرنا اسلام سے خارج کرتا ہے علاوہ قرآن پاک احادیث نبوی بھی اسپر دال ہیں واخرج البیھقی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انہ

نظر الی السماء فقال تبارک ما اشد بیاضها والثانیۃ اشد بیاضاً منها ثم کذلک حتی بلغ سبع السموات وخلق فوق السابعۃ الماء وجعل فوق الماء العرش بیہقی نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کی ہے کہ حضور نے آسمان کی طرف دیکھکر فرمایا کہ برکت والا ہے خدا کیا ہی تیز ہے اِسکی سفیدی اور دوسرے آسمان کی سفیدی اس سے بھی زیادہ ہے اور پھر اسیطرح سے فرمایا ساتویں آسمان تک اور ساتویں آسمان کے اوپر پانی پیدا کیا اور اس پر عرش واخرج اسحٰق بن راھویہ فی مسندہ وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی فی الوسط عن الربیع بن انس قال سماء الدنیا موج مکفوف والثانیۃ مرمرۃ بیضاء والثالثۃ حدید والرابعۃ نحاس والخامسۃ فضۃ والسادسۃ ذھب والسابعۃ یاقوتۃ حمراء وما فوق ذلک صحاری من نور ولا یعلم ما فوق ذلک اِلّا اللّٰہ اور اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اوسط میں ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ آسمان دنیا رکی ہوئی موج ہے اور دوسرا اسفید سنگ مرمر کا ہے اور تیسرا لوہے کا اور چوتھا تانبے کا اور پانچواں چاندی کا اور چھٹا سونے کا اور ساتوان یاقوت سُرخ کا اور اُسکے اوپر نور کے جنگل ہیں اور اُسکے اوپر کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے واخرج ابن ابی حاتم وابو الشیخ وابن مردویہ عن ابن عباس قال قال رجل یا رسول اللہ ما ھذہ السماء قال ھذا موج مکفوف عنکم اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہے یہ آسمان آپ نے فرمایا کہ یہ تم سے رکی ہوئی موج ہے ان حدیثوں اور اُنکی مثل سے جو ناظرین کتب حدیث پر پوشیدہ نہین ظاہر ہے کہ اجرام سموات ہوا کی طرح لطیف نہیں ہیں بلکہ ایکطرح کی کثافت اور گاڑھا پن رکھتے ہیں پس اُن کے لطیف ہونے کا قول حدیثوں کے انکار کا سبب ہے لیکن زمین کی طرح آسمانوں میں مخلوقات کا مسکن ہونا ایسا قول ہے جسکا کوئی ثبوت شرع میں نہیں ہے اور فقط عقل سے انکا ثابت کرنا ممکن نہیں ہے شرع سے فقط اتنا ثابت ہے کہ آسمان ملائکہ کے لئے مسکن ہیں اخرج ابن جریر وابن المنذر والبیہقی عن ابن عباس قال خلق فی کل خلقا من الملائکۃ والخلق الذی فیھا من البحار وجبال البرد وما لا یعلم ابن جریر اور ابن منذر اور بیہقی نے حضرت

ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں فرشتوں کو پیدا کیا ہے اور اُسمیں بادل نجم پہاڑ اور دریا ہیں اور وہ مخلوقات ہیں جنکو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا انتہیٰ حاصل اس قسم کی بحثوں میں اعتقاد انھیں باتوں پر رکھنا چاہیے جو قرآن اور حدیثوں سے ثابت ہوں اور حکماے فیثاغورثین یا حکماے بطلیموسین جو کچھ اپنی عقلوں سے کہتے ہیں یعنے انکو جھٹلاتی ہے اُسپر بھروسا کرنا چاہیے بلکہ یقین کرنا چاہیے کہ اُن کی ایسی ہی گڑھی ہوئی بحثوں کے جواب کے لئے قرآن اور حدیث نازل ہوئے ہیں پس ایسے مردود اور متروک عقیدے کو اختیار کرنا جس سے خدا تعالے اور نبی علیہ السلام کے کلام کا رد ہوتا ہو مسلمانوں کی شان نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبدالحی] واقعی آسمان اور اُن کی کثیف جسمانیت سے شرعًا خرابی لازم آتی ہے اور سب آسمانوں کا مسکن حیوانات ہونا شرع سے ثابت نہیں ہوتا۔

حررہ محمد نعیم **سوال** فالق الحب والنوی دانہ اور گٹھلی کے پیدا کرنے والے نے سب سے پہلے عالم امکان میں اشجار اور نبات کو بواسطہ حبوب وبذور پیدا کیا ہے یا اشجار اور نبات کو بے واسطہ بذر موافق خلقت آدمؑ کے پیدا کیا جیسا کہ خود فرماتا ہے وھو الذی انزل من السماء ماءً فاخرجنا بہ نبات کل شیٔ فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا خدا وہ ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا پس اُس سے ہم نے ہر شے کی روئیدگی کو اُگایا اور اُس سے نکالا ہم نے سبزی کو جس سے ہم لے تہ بہ تہ دانے نکالے پہلے اللہ تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اُس کے بعد تخم اور نباتات کو نوع باقی رکھنے کے لیے آدمیوں کے نطفے کی طرح پیدا کیا اُمید ہے کہ یہ بات بیان فرمائینگے کہ پہلے کیا چیز پیدا فرمائی اور بعد میں کیا اور اُسکو عقلی اور نقلی دلیلوں سے مدلل فرمایئے بینوا توجروا

جواب ظاہر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے پہلے اشجار اور نبات کو پیدا کیا ہے اخرج احمد والبخاری فی التاریخ ومسلم والنسائی والبیھقی وغیرھم عن ابی ھریرۃ قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم بیدی فقال خلق اللہ التراب یوم السبت وخلق فیھا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیھا الدواب یوم الخمیس وخلق ادم یوم الجمعۃ بعد العصر واخرج البزار والطبرانی وابن مردویہ والبیھقی عن ابی السعید الخدری

درخت اور نباتات کی پیدائش کے متعلق سوال اور کونسا دلائل کے ذریعے سے پیدا کیا گیا اس کی وضاحت

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیٰ آلہ وسلم ان اللہ حاط حائط الجنۃ لبنۃ من ذھب ولبنۃ من فضۃ ثم شق فیھا الانھار ثم غرس فیھا الاشجار فلما نظرت الیھا الملائکۃ قالت طوبیٰ لمنازل الملوک۔ احمد اور بخاری نے تاریخ میں اور مسلمؒ اور نسائیؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپکا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ خدا نے مٹی کو ہفتہ کے دن اور اسمیں پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو دوشنبہ کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور چارپایوں وغیرہ کو جمعرات کے دن اور حضرت آدم کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کیا اور بزار اور طبرانی اور ابن مردویہ اور بیہقی نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی دیوار سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنائی پھر اُس میں سے نہریں بہائیں اور اُسمیں درخت لگائے پس جب اسکو ملائکہ نے دیکھا تو بولے مبارکبادی ہو بادشاہوں کی منزل کے لیے واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی [محمد عبدالحی ابوالحسنات] صح الجواب واللہ علیم حررہٗ ابوالاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی لرب الحکیم۔

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی شفاعت کے لیے ماذون ہونے کا انکار کرتا ہے اور آیت من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ کو دلیل پیش کر کے مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشفیع المذنبین ہونے کے متعلق شک میں ڈالتا ہے ایسے شخص کو کیا کہنا چاہیئے۔ اور دنیا یا عقبیٰ میں حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا اُمت کی شفاعت کے لیے ماذون ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے یا نہیں۔ **جواب** ایسا شخص یا معاند اور ملحد ہے یا زندیق اور آیات کثیرہ کا (مثل واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات اور آیہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا اور آیہ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ وغیرہ کے) اور احادیث مشہورہ کا جو صحاح ستہ وغیرہ میں ہیں اور اُن سے شفاعت محمدیہ کا ثبوت کامل ہوتا ہے منکر ہے اور حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والسلام کے ماذون لشفاعت ہونے میں کثرت سے صحیح روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ ابن حجر مکی زواجر عن اقتراف الکبائر میں لکھتے ہیں اخرج البیھقی وصححہ رایت ما تلقی امتی بعدی وسفک بعضھم دم بعض فسالتہ ان یولینی فیھم شفاعۃ ففعل

ملخصا و احمد بسند صحیح انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد اعطیت اللیلۃ خمسا
ما اعطھن احد قبلی الی ان قال والخامسۃ ھی ما قیل لی سل فان کل نبی قد سأل
فاخرت مسألتی الی یوم القیامۃ فھی لکم ولمن شھد ان لا الہ الا اللہ والطبرانی
باسانید احدھا جید الا اخبرکم بما خبرنی ربی انفا قلنا بلی یا رسول اللہ قال
خیرلی بین ان یدخل ثلثی امتی فی الجنۃ لغیر حساب ولا عذاب وبین الشفاعۃ
قلنا یا رسول اللہ ما اخترت قال الشفاعۃ انتہی تلخیصاً ترجمہ بیہقی نے روایت کی ہے اور اسکو
صحیح کہا ہے کہ فرمایا حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے کہ میں نے اُس حالت کو دیکھا جو
میری اُمت میرے بعد پائے گی اور بعض بعض کا خون بہائینگے پس میں نے درخواست کی
کہ مجھے شفاعت کا اختیار دیا جائے پس اللہ تعالے نے ایسا ہی کیا اور احمد نے بسند صحیح
روایت کی ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا کہ آج کی رات
مجھکو پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھسے قبل کسی کو نہیں دی گئیں یہانتک کہ فرمایا آپ نے
پانچویں چیز یہ ہے کہ مجھسے کہا گیا سوال کرو کیونکہ ہر نبی نے کچھ نہ کچھ سوال کیا ہے پس میں نے
اپنے سوال میں قیامت تک دیر کی اور وہ تم لوگوں کے اور ہر شخص کے حق میں ہوگا جو
لا الہ الا اللہ کہے اور طبرانی نے بہت سی سندوں سے روایت کی ہے جن میں ایک اچھی سند ہے
کیا نہ خبر دوں میں تمکو اُس کی جس کی خدا نے مجھے ابھی خبر دی ہے عرض کیا ہم لوگوں نے یا رسول اللہ
آپ ضرور ہمکو اُسکی خبر دیں آپ نے فرمایا اختیار دیا مجھکو خدا نے دو امروں میں ایک یہ کہ میری
اُمت کے دو ثلث جنت میں بلا حساب و عذاب داخل ہو جائیں دوسری شفاعت ہم لوگوں نے
پوچھا پھر آپ نے کس کو اختیار کیا آپ نے جواب دیا میں نے شفاعت کو اختیار کیا ترجمہ
عربی ختم ہوا۔ ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ اللہ نے آپ کو شفاعت کی اجازت دی اور
مقام محمود کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ کا اذن اور وعدہ جھوٹا نہیں ہوتا
اور آیہ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یا ایسی ہی اور دوسری آیتیں ان حدیثوں کے
موافق ہیں کیونکہ ان آیتوں سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بغیر اللہ کی اجازت کے
شفاعت نہ کر سکے گا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اذن اُسی روز دیا جائیگا پہلے سے نہو گا واللہ اعلم

حررہٗ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر: ابوالحسنات محمد عبدالحی]

سوال درباب آیات صفات مثل استویٰ علی العرش ویداللہ وغیرہ مسلک تاویل حق ہے یا اور کوئی مسلک **جواب** اس باب میں علما کے چند مسلک ہیں ایک مسلک تاویل کہ استوار بمعنے استیلاء وید بمعنے قدرت و وجہ بمعنے ذات ہے وعلیٰ ہذا القیاس اور یہی مختار اکثر متاخرین متکلمین کا ہے دوسرا مذہب تشابہ فی المعنی وفی الکیفیۃ تیسرا مسلک معلوم المعنی متشابہ الکیفیۃ اور حق ان میں مسلک ثالث ہے اور یہی مذہب صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین محدثین فقہا و اصولیین محققین سے ہے شیخ الاسلام ذہبی سیر النبلاء میں ترجمہ قتیبہ بن سعید کے اندر لکھتے ہیں روی غیر واحد عن ابی العباس السراج فقال سمعت قتیبۃ یقول ھذا قول ائمۃ الاسلام واھل السنۃ والجماعۃ ان ربنا عزوجل علی العرش انتہی (ترجمہ) بہت سے لوگوں نے ابوالعباس سراج سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قتیبہ نے کہا ہے کہ ائمہ اسلام اور اہل سنت وجماعت کا یہ قول ہے کہ ہمارا خدا عرش پر ہے۔ اور ترجمہٗ علی بن مدینی میں لکھتے ہیں قال اکثر العلماء ان اللہ علی العرش انتہی یعنی اکثر علما نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ اور ترجمہٗ اسحٰق بن راہویہ میں لکھتے ہیں قال حرب الکرمانی قلت لاسحاق ما تقول فی قولہ تعالیٰ ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم کیف تقول قال حیث ما کنت فھو اقرب الیک وھو بائن من خلقہ انتہیٰ حرب کرمانی کہتے ہیں میں نے اسحاق سے پوچھا کہ تم اس آیت ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم نہیں ہوتا ہے مشورہ تین آدمیوں کا مگر اللہ تعالیٰ اُن میں چوتھا ہوتا ہے) میں کیا کہتے ہو انھوں نے جواب دیا جس جگہ کہ تم ہو وہ تمہارے پاس ہے اور وہ تمام خلق سے جدا ہے انتہیٰ اور ترجمہٗ مزنی میں لکھتے ہیں قال محمد بن اسمٰعیل سمعت المزنی یقول لا یصح لاحد التوحید حتی یعلم ان اللہ علی عرشہ انتہیٰ محمد بن اسمٰعیل نے کہا ہے کہ میں نے مزنی کو کہتے ہوئے سنا کہ کسی کے لیے جہت ثابت کرنا صحیح نہیں ہے یہانتک کہ جانے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے۔ اور ترجمہٗ ابوحاتم رازی میں لکھتے ہیں قال ابوحاتم مذھبنا واختیارنا اتباع رسول اللہ واصحابہ ونعتقد ان اللہ علی عرشہ لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر یعنے ابوحاتم نے کہا ہے کہ ہمارا مذہب اور پسندیدہ بات رسول کی اتباع ہے اور اس بات کا اعتقاد کہ اللہ اپنے عرش پر ہے اور اسکے مثل کوئی شئے نہیں ہے اور وہی خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے

اور بھی ذہبی نے کتاب العرش میں اسی قسم کے اقوال جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ عرش پر ہے بلا کیف صدہا صحابہ اور تابعین اور فقہا اور محدثین سے نقل کیے ہیں اور احادیث نبویہ بھی جو فوقیت رب پر دال ہیں ذکر کیے ہیں اور ابو شکور سلمی حنفی تمہید میں لکھتے ہیں سئل جل عن الامام مالک عن قولہ تعالیٰ الرحمن علی العرش استوی کیف استوی فقال لہ الاستواء غیر مجہول والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ وما اراک الا ضالا فامر بہ فاخرج جہم بن صفوان وقال ابو المطیع البلخی سئلت اباحنیفۃ فیمن قال لا ادری این اللہ فقال ابو حنیفۃ انہ یکفر لانہ خالف النص واللہ یقول الرحمن علی العرش استوی اقرؤا ھا و آمنوا بہ فقال ابو مطیع کیف استوی فقال آمنوا بہ کما جاء یعنے ایک شخص نے امام مالک سے الرحمن علی العرش استوی کے متعلق دریافت کیا کہ استوا کیونکر ہے آپ نے فرمایا کہ استوا مجہول نہیں ہے اور کیفیت معلوم نہیں ہے اور اسپر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا سوال کرنا بدعت ہے اور میں تجھے گمراہ ہی سمجھتا ہوں پھر آپ نے اسکے ڈانٹنے اور سزا دینے کا حکم دیا تو وہ جہم بن صفوان نکلا اور ابو مطیع بلخی نے کہا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رح سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کہے لا ادری این اللہ تو امام ابو حنیفہ نے کہا وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص کی مخالفت کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الرحمن علی العرش استوی اسکو پڑھو اور اسپر ایمان لاؤ پس ابو مطیع نے پوچھا اللہ کا استوا کیونکر ہے آپ نے فرمایا جیسا وارد ہوا ہے اسپر ایمان لاؤ۔ ترجمہ عربی ختم ہوا اور سراج الدین علی حنفی قصیدہ بدء الامالی میں کہتے ہیں ؎

ورب العرش فوق العرش لکن	بلا وصف التمکن واتصال

اور عرش کا مالک عرش پر ہے لیکن بغیر وصف مکان واتصال کے ملا علی قاری حنفی اسکی شرح میں لکھتے ہیں۔ سئل الشافعی عن الاستواء فقال آمنت بہ بلا تشبیہ واتھمت نفسی فی الادراک وامسکت عن الخوض واجمع السلف علی ان استواء علی العرش صفۃ لہ بلا کیف نؤمن بہ ونکل العلم الی اللہ ومذھب الخلف تاویل الاستواء بالاستیلاء ومختار السلف عدم التاویل بل اعتقاد التنزیل مع وصف التنزیہ لما یوجب التشبیہ کما قال مالک الاستواء معلوم والکیفیۃ مجہول وقد اختارہ امامنا الاعظم وکذا کل ما ورد من الآیات والاحادیث المتشابھات من ذکر الید والوجہ ونحوہ ومنہ لفظ فوق فلا یؤلونہ

بالعظمۃ والرفعۃ کما قالہ الخلف انتہیٰ امام شافعیؒ سے استواء کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے
فرمایا کہ میں اسپر بغیر تشبیہ کے ایمان لایا ہوں اور میں نے اس بارہ میں اپنے نفس کو ادراک میں تہمت
لگائی اور غور کرنے سے روکا ہے اور متقدمین نے اس بات پر اجماع کرلیا ہے کہ اللہ کا استواء اُس کی
صفت بغیر کیف کے ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا صحیح علم خدا تعالےٰ کے حوالے کرتے ہیں اور
متاخرین استواء کی تاویل استیلاء سے کرتے ہیں اور گذشتہ بزرگوں نے عدم تاویل کو اختیار کیا ہے
اور یہ کہا کہ ہم قرآن مجید کی ساری آیات کا عقیدہ رکھتے ہیں مگر ساتھ میں خدا تعالےٰ کو اُن صفات سے
پاک جانتے ہیں جو تشبیہ کا اعتقاد لازم کرتی ہیں جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ استواء معلوم ہے
اور کیفیت مجہول ہے اور اسکو ہمارے امام اعظمؒ نے اختیار کیا ہے اور ایسے ہی تمام احادیث اور
آیات متشابہات ہیں جن میں باری تعالیٰ کے لیے ید اور وجہ وغیرہ ثابت کیا گیا ہے اور انھیں میں
سے لفظ فوق ہے پس متقدمین اسکی تاویل عظمت و رفعت سے نکریں گے جیسا کہ متاخرین کرتے ہیں
اور ابن ہمام حنفی مؤلف فتح القدیر مسائرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرۃ میں لکھتے ہیں نؤمن انہ تعالےٰ
مستوعلی العرش مع الحکم بانہ استواء ہ لیس کاستواء الاجسام من التمکن والمماسۃ
والمحاذاۃ بل بمعنی یلیق بہ و ھو اعلم بہ وحاصلہ وجوب الایمان بانہ استوی
علی العرش مع نفی التشبیہ فاما کون المراد بہ استیلاء العرش فامر جائز الارادۃ لکن
لا دلیل علیہ عینا فالواجب علینا ما ذکرناہ وکذا کل ما ورد بہ مما ظاہرہ الجسمیۃ
کالاصبع والقدم والید فیجب الایمان بہ فان الید والاصبع صفۃ لہ لا بمعنی الجارحۃ
بل بمعنی یلیق بہ وقد اول الید والاصبع بالقدرۃ والقھر لصرف العامۃ من فھم الجسمیۃ
وھو ممکن ان یراد ولا یجزم بارادتہ (ترجمہ) ہم باری تعالیٰ کے استواء علی العرش پر ایمان لاتے ہیں
اور اس بات کا حکم کرتے ہیں کہ اللہ کا استواء اجسام کے استواء کی طرح نہیں ہے کہ اس میں کسی
مکان کے اندر ہونے اور ایک کو دوسرے کے مس کرنے اور مقابل ہونے کی حاجت ہو ایک ایسے
معنے کے اعتبار سے ہے جو اُس کی شان کے لائق ہوں جسکو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا حاصل اسکا
یہ ہے کہ استواء علی العرش پر ایمان لانا نفی تشبیہ کے ساتھ واجب ہے لیکن اس سے عرش پر غلبہ
کا مراد لینا جائز ہے گو خاص اُسپر کوئی دلیل نہیں ہے پس ہمپر وہی واجب ہے جو ہم نے لکھا ہے اور اسیطرح

اُن تمام آیات وارده پر جنکے ظاہر معنی جسمیت (مثلاً اُنگلیاں ہاتھ پاؤں) پر دلالت کرتے ہیں ہمیں
ایمان لانا واجب ہے کیونکہ ید اور اصبع باری تعالےٰ کے صفات میں سے ہیں عضو کے معنے
میں نہیں ہیں بلکہ کسی ایسے معنے میں ہیں جو شان باری تعالےٰ کے لائق ہیں اور ید و اصبع کی تاویل قدرت
وقہر سے عام لوگوں کے خیالات کو جسمیت کی جانب سے پھیرنے کے لیے کی گئی ہے اور ممکن ہے کہ
یہی معنی مراد ہوں لیکن اُن کے مراد ہونے کا تیقن نہیں ہے اور عبد العزیز بخاری حنفی کشف الاسرار
شرح اصول بزدوی میں لکھتے ہیں اثبات الرویۃ واثبات الوجہ والید للہ حق عندنا
خلافاً لقول من قال یوصف اللہ بالوجہ والید بل المراد بالوجہ الرضا والذات و
من الید القدرۃ او القوۃ او النعمۃ فقال المصنف بل اللہ یوصف بصفۃ الوجہ والید مع تنزیہہ
عن الصورۃ والجارحۃ لان الوجہ والید من صفات الکمال فی المشاہدۃ لان من لا وجہ لہ ولا ید لہ یعد
ناقصا وھو موصوف بصفات الکمال فیوصف بہما ایضا الا ان اثبات الکیفیۃ مستحیل فیصیر بہ وصفہ فیجب تسلیمہ
علی اعتقاد حقیقۃ من غیر اشتغال بالتاویل انتہٰی رویت باری تعالیٰ اور ہاتھ اور منہ کا اُسکے لیے
ثابت ہونا ہمارے نزدیک حق ہے نہ اُسکے نزدیک جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چہرہ اور ہاتھ سے متصف
نہیں ہے بلکہ وجہ سے رضا و ذات اور ید سے قدرت یا قوت یا نعمت مراد ہے پس مصنف نے کہا بلکہ
اللہ صفت ید و وجہ کے ساتھ متصف ہے باوجودیکہ وہ صورت اور اعضا سے منزہ ہے کیونکہ وجہ
اور ید دکھائی دینے والی چیزوں میں صفات کمال سے ہیں کیونکہ جسکے ہاتھ اور چہرہ نہو وہ ناقص
گنا جاتا ہے اور خدا صفات کمال سے متصف ہے تو ہاتھ اور چہرہ سے بھی متصف ہوگا مگر کیفیت
ثابت کرنا محال ہے پس اس کا وصف متشابہ ہو جائیگا تو اُسکی حقیقت کا اعتقاد کرکے مان لینا اور تاویل
میں نہ مشغول ہونا واجب ہے۔ اور ابو شکور تمہید میں لکھتے ہیں۔ قال بعضہم ان اللہ موجود فی کل
مکانٍ وھم صنف من الجہمیۃ واحتجوا بقولہ تعالیٰ ھو الذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ
وقولہ وھو اللہ فی السموات وفی الارض وقولہ ان اللہ مع الذین اتقوا وقولہ ما یکون من نجوی
ثلثۃ الا ھو رابعہم والجواب ان معنی الآیۃ الاولی انہ الٰہ اھل السماء واھل الارض والآیۃ
الثانیۃ تدبیرہ فی السموات والارض ومعنی الآیۃ الثالثۃ انہ معہم بالنصرۃ ومعنی الرابعۃ
انہ سمیع بمقالتہم بصیر بافعالہم ونحن نقول ان اللہ لو کان فی کل مکان یؤدی

ان یکون فی افواہ الدواب وافراج النساء والاماء وھذا کفر قبیح انتہے یعنے بعضوں نے
کہا ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور یہ جہمیہ کا ایک گروہ ہے اور اُن آیات قرآنی کو دلیل لائے ہیں کہ اللہ وہ ہے
جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں اور خدا معبود ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ اُن لوگوں کے
ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور تین آدمیوں میں کوئی مشورہ نہیں ہوتا مگر اللہ چوتھا اُن کا ہوتا ہے اور
جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کے معنے یہ ہیں کہ خدا زمین والوں اور آسمان والوں کا معبود ہے اور
دوسری کے معنے یہ ہیں کہ خدا کی تدبیر زمین اور آسمان میں ہے اور تیسری کے معنے یہ ہیں کہ خدا مدد
کرنے کو اُن کے ساتھ ہے اور چوتھی کے معنے یہ ہیں کہ خدا اُن کی گفتگو کو سننے والا اور اُن کے افعال کو
دیکھنے والا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہوتا تو اس سے لازم آتا کہ وہ چوپایوں کے موہنوں میں اور
لونڈیوں اور عورتوں کی فرجوں میں بھی ہوتا العیاذ باللہ اور یہ کفر قبیح ہے۔ ترجمہ عربی ختم ہوا آن
عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ وغیر صحابہ ائمہ وغیرہ حنفیہ وغیر حنفیہ سب کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کی فوقیت
عرش پر اور ید و وجہ وغیرہ صفات بلا کیف ہیں اور اُن سب کی تاویل کرنا صحیح نہیں ہے منشا تاویل کا
صرف اسی قدر ہے کہ جب مجسمہ نے اس قسم کے آیات و احادیث سے جسمیت کا خیال کیا تو علمانے
اُنکے الزام دینے اور خاموش کرنیکے واسطے تاویل کی شرع کی نہ اس غرض سے کہ یہ معنی مأول مراد ہیں بلکہ اس
غرض سے کہ شبہہ تجسم دفع ہو جائے الحاصل آیات فوقیت و استواء ید و وجہ وغیرہ سب معانی
ظاہرہ پر محمول ہیں اور کیفیات ان سب کی مجہول ہیں اور اُس میں تجسم بھی لازم نہیں آتا کیونکہ جب
کیفیت مجہول کہی گئی اور خیال لیس کمثلہ شئ کا بھی رہا اور تنزیہ تام کی گئی تو تجسم کسطرح لازم
نہ آئے گا۔ واللہ اعلم **سوال** ذات باری کو فقط عرش ہی پر سمجھے یعنے موجود یا مستقر سمجھے یا
جو کچھ جانیں اور ما سوا فوق العرش کسی چیز کو مخلوقات الٰہی سے بذات باری تعالیٰ محیط نہ جانے
بلکہ یہ کہے کہ فقط علم الٰہی ساری اشیا کو محیط ہے اور اُسکی ذات فقط عرش ہی پر ہے اور دوسری جگہ
نہیں یہ عقیدہ اہل سنت کا ہے یا نہیں اور جو معتقد اس عقیدے کا ہو اُسکے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے
یا نہیں۔ اور یہ لوگ اس عقیدہ کو حنابلہ کی جانب منسوب کرتے ہیں تحریر فرمائیے کہ درحقیقت
حنابلہ کے ایسے عقائد ہیں یا نہیں **جواب** بغیر بیان کیفیت استوا کے اللہ کی ذات کو عرش پر سمجھنا
اور اُسکے علم کو محیط تمام عالم سمجھنا اور آیات معیت و قرب وغیرہ کو قرب و معیت علمی پر حمل کرنا اہل سنت

کا مذہب ہے اور جو شخص ایسا اعتقاد رکھتا ہو اُسکے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔ حکمت نبویہ میں
لکھا ہے کہ نعتقد انہ علی العرش مستو علیہ استواء منزھا عن التمکن والاستقرار وانہ
فوق العرش و مع ذلك ھو قریب من کل موجود وھو اقرب من حبل الورید ولا
یماثل قربہ قرب الاجسام انتھی ترجمہ ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا عرش پر مستوی ہے اس طرح
کہ کسی جگہ کو مکان یا ٹھہرنے کی جگہ بنانے سے منزہ ہے اور وہ عرش کے اوپر ہے اور باوجود اسکے ہر موجود سے
قریب ہے اور وہ قریب تر ہے رگ گردن سے بھی اور اُسکا قرب اجسام کے قرب کے مشابہ نہیں ہے ترجمہ ختم ہوا اور سیرۃ النبلاء
میں ہے قال اسحق بن راھویہ اجمع اھل العلم علی انہ تعالی علی العرش استوی ویعلم کل
شئ فی اسفل الارض السابعۃ انتھی ترجمہ اسحق بن راہویہ نے کہا ہے کہ اہل علم کا اسپر اجماع ہے کہ اللہ عرش
پر ہے اور ساتویں زمین کی اشیاء کا بھی اُسکو علم ہے اور جامع ترمذی میں بعد ذکر حدیث لو انکم دلیتم
بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ ثم قرء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھو الاول
والاخر والظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم مرقوم ہے قرأۃ الایۃ تدل علی انہ اراد
لھبط علی علم اللہ وقدرتہ وسلطانہ وعلم اللہ فی کل مکان وھو علی العرش کما
وصف نفسہ فی کتابہ انتھی یعنے اگر تم کوئی رسی سب سے نیچے کی زمین تک ڈالو تو ضرور گرے گی
خدا تعالیٰ پر پھر آپ نے آیت ھو الاول الخ پڑھی آیت کا پڑھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ
لھبط علی اللہ سے مراد علے علم اللہ وقدرتہ وسلطانہ ہے کہ اُسکے علم اور قدرت اور سلطان پر گرے
اور خدا کا علم ہر جگہ ہے اور وہ عرش پر ہے جیسا کہ اُس نے اپنا وصف خود اپنی
کتاب میں بیان کیا ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ یہ مذہب صرف حنابلہ کا ہے غلط ہے بلکہ یہ مذہب
جمہور محققین حنفیہ وشافعیہ وحنابلہ ومالکیہ ومحدثین وغیرہم کا ہے البتہ بعض حنابلہ استواء مع بیان
الکیفیتہ کے قائل ہو گئے ہیں اور استقرار پروردگار کو مثل استقرار مخلوقات کے سمجھتے ہیں یہ مذہب مردود ہے
اور تفصیل کے لیے چوڑے مضمون کی حاجت ہے اور جو کچھ ہم نے لکھدیا وہ کافی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی
عفو ربہ القوی محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال زید کہتا ہے رب العالمین کی ذات
کو میں کسی جگہ معین نہیں کر سکتا کہ عرش پر ہے یا زمین پر یا آسمان میں اور اسکے خلاف عقیدہ کرنا خلاف
عقیدۂ اہل سنت ہے اسکی ذات ساری مخلوقات کو از عرش تا فرش محیط ہے اور یہی عقیدۂ اہل سنت ہے اور ہم

نہیں کہ سکتے کہ رب العالمین یہاں یا وہاں کہاں ہے کوئی جگہ اُسکی معین نہیں کر سکتے اور ہر مخلوق اور ہر شئے کو اُسکی ذات اور علم کے ساتھ نسبت واحد ہے البتہ اتنا فرق ہے کوئی ایک صفت سے سرفراز اور کوئی دوسری صفت سے ممتاز ہے اور میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ احاطہ اور قرب اور معیت آلہی کیسی ہے اور اُسکے معنے اور مراد کیا ہیں اور رب العالمین کی کوئی جہت معین نہیں کر سکتا۔ خدا کے ارادہ پر ایمان لانا عقیدۂ اہل سنت ہے کہ جو کچھ اُس کی مراد ہے وہ حق ہے اور عمرو کہتا ہے کہ اللہ کی ذات بلا کیفیت خاص کر عرش ہی پر ہے نہ مثل جسم کے اوپر جسم کے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور باوجود عرش پر ہونے کے اپنی ذات اور علم و قدرت سے سب کو محیط ہے اور سب سے قریب اور سب کے ساتھ ہے جیسا کہ اُسکو قریب اور ساتھ ہونا لایق ہے بلا تشبیہ جیسا کہ آفتاب زمین میں نہیں بلکہ چوتھے آسمان پر ہے اور سب کے ساتھ ہے البتہ بعلمہ و قدرتہ سب کو ایک طرح دیکھتا اور جانتا اور سنتا ہے اور جتنی صفتیں اللہ کی کتاب و سنت میں ہیں جیسے فوق العرش ہونا دیکھنا سنتا جاننا اُترنا خوش ہونا غصہ ہونا ہاتھ منھ نفس وغیرہ سب کے معنے معلوم اور کیفیت متشابہ ہے یعنی مخلوقات کی فوقیت دیکھنے سننے جاننے اُترنے خوش ہونے غصہ ہونے اور اُن کے ہاتھ منھ نفس وغیرہ کے مانند نہیں ہے بلکہ کیفیت اُسکی اللہ ہی جانتا ہے جیسے بیشک اللہ کی ایک ذات ہے مگر نہ مثل ذات مخلوقات کے اسی کے مناسب اُسکی سب صفتیں ہیں نہ مثل صفات مخلوقات کے اور جتنے صفات سے کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ہے اُس سے منزہ ہے غرض اثباتاً و نفیاً پیروی کتاب و سنت کی ضروری ہے اور زیادتی و کمی موجب ضلالت ان دونوں عقیدوں میں موافق اہل سنت کے کسکا عقیدہ ہے۔ جواب اہل سنت کی رائے اس باب میں مختلف ہے اگرچہ بعض مثل قول زید کے بھی لکھ گئے ہیں مگر صحیح ومذہب جمہور محققین وائمہ تبوعین ومحدثین وغیرہم مثل قول عمرو کے ہے ابوشکور حنفی تمہید میں لکھتے ہیں سئل مالک عن قولہ تعالیٰ الرحمن علی العرش استوی کیف استوی فقال الاستواء غیر مجهول والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ وما اراک الا ضالا فامر بہ فاخرجوہ فاذا ھو جهم بن صفوان وقال ابو مطیع البلخی سئلت اباحنیفۃ فی من قال لا ادری این اللہ فقال ابوحنیفۃ انہ یکفر لانہ خالف النص واللہ یقول الرحمن علی العرش استوی اقرؤھا وامنوا بہ فقال ابو مطیع کیف استوی قال امنوا بہ کما جاء

الجواب انتہے ایک شخص نے امام مالک سے الرحمن علی العرش استوی کے متعلق دریافت کیا کہ استوا کیونکر ہے آپ نے فرمایا کہ استوا مجہول نہیں ہے اور کیفیت معلوم نہیں ہے اور اسپر ایمان لانا واجب ہے اور اسکا سوال کرنا بدعت ہے اور میں تجھکو محض گمراہ خیال کرتا ہوں پس حکم فرمایا آپ نے اور لوگوں نے اُسکو نکال دیا پس ناگاہ وہ جہم بن صفوان تھے اور ابو مطیع بلخی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے اُس شخص کے متعلق دریافت کیا جو کہے کہ میں نہیں جانتا ہوں خدا کہاں ہے اُنھوں نے فرمایا کہ وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص صریح کی مخالفت کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الرحمن علی العرش استوی اُسکو پڑھو اور اُس پر ایمان لاؤ پھر ابو مطیع نے پوچھا استوا کیونکر ہے آپ نے فرمایا کہ جیسا نازل ہوا ہے اسپر ایمان لاؤ اور حکمت نبویہ میں ہے له ید و وجه ونفس کما ذکر اللہ فی القران ولا یقال ان قدرته یده لان فیه ابطال الصفة وهو قول اهل القدر والاعتزال ولکن یده صفة له بلا کیف انتہے یعنی خدا کے لیے ید اور وجہ اور نفس ہیں جیسا کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے اور یہ نہ کہا جاوے کہ اللہ کی قدرت اسکا ید ہے کیونکہ اس میں صفت کو باطل کرنا ہے جو اہل قدر اور اعتزال کا قول ہے لیکن اسکا ید بلا کیفیت اُسکی صفت ہے بلا کیفیت کے اور سیر النبلاء میں ہے قال حرب الکرمانی قلت لاسحق بن راهویه ما تقول فی قوله تعالیٰ ما یکون من نجوی ثلثة الا هو رابعهم کیف تقول فیه قال حیث ما کنت فهو اقرب الیك من حبل الورید وهو بائن من خلقه وابین شئ فی ذلك قوله الرحمن علی العرش استوی انتہے یعنی حرب کرمانی نے کہا ہے کہ میں نے اسحق ابن راہویہ سے پوچھا کہ تم خدا کے قول ما یکون من نجوی ثلثة الا هو رابعهم کے متعلق کیا کہتے ہو انھوں نے کہا جیسا کہ تم جہاں کہیں ہو وہ تمھارے رگ گلو سے زیادہ تم سے قریب ہے اور وہ اپنی مخلوقات سے دور ہے اور اس بارہ میں سب سے زیادہ الرحمن الخ واضح ہے اور بھی اسی میں ہے قال السراج سمعت اسحق بن راهویه یقول دخلت علی طاهر بن عبد اللہ وعنده منصور بن طلحة فقال لی تقول ان اللہ ینزل کل لیلة ثلث یؤمن به اذا انت لا تؤمن ان لك ربا فی السماء لا تحتاج ان تسألنی عن هذا قلت هذه الصفات من الاستواء والنزول والاتیان قد صحت به النصوص ونقلها الخلف عن السلف ولم یتعرضوا لها برد ولا تاویل بل انکروا علی من اول مع الاتفاق علی انها

لا تشبہ القوۃ المخلوقین وان اللہ لیس کمثلہ شئ انتہٰی ترجمہ سراج نے کہا کہ میں نے اسحٰق بن ابراہیم
کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں طاہر بن عبد اللہ کے یہاں گیا اور اُن کے پاس منصور بن طلحہ تھے پس
اُنھوں نے مجھ سے کہا کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ اللہ ہر شب کو نازل ہوتا ہے میں نے کہا کہ
میں اس پر ایمان لایا ہوں اور تم جبکہ اس بات کے قائل نہیں ہو کہ آسمان میں تمھارا خدا ہے
تو تم کو اس بارے میں مجھ سے سوال کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ یہ صفات (استواء
اور نزول اور آنا) صحیح نصوص سے ثابت ہیں اور متقدمین سے متاخرین نے اُن کو بغیر رد اور
تاویل نقل کیا ہے بلکہ تاویل کرنے والے کی اور تردید کی ہے اور اس پر اتفاق کیا ہے کہ خدا کے صفات
مخلوقات کی قوت کے مشابہ نہیں ہیں اس لئے کہ خدا کے مثل کوئی شے نہیں ہے واللہ اعلم
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** اس ملک کے
عام لوگوں کی عادت ہے کہ مصیبت کے وقت دور سے انبیا اور اولیا کو مدد کے لئے پکارتے
ہیں اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ہر حال میں حاضر و ناظر ہیں اور جب ہم اُنکو پکارتے
ہیں یہ سنتے ہیں اور ہماری مقصد برآری کے لئے دعا کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں **جواب**
یہ صورت حرام بلکہ صریح شرک ہے کیونکہ اس میں غیر خدا کا غیب دان ہونا پایا جاتا ہے اور ایسا اعتقاد
صریح شرک ہے کیونکہ شرع میں شرک اسکا نام ہے کہ غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات مختصہ میں
شریک سمجھے اور علم غیب صفت مختصہ ہے اللہ تعالیٰ کی جیسا کہ کتب عقائد میں اسکی تصریح موجود ہے
ہم ساری عبارتیں نقل کر کے کلام کو طویل نہیں کرتے بلکہ اختصار کے لئے فقط ایک عبارت شرح
فقہ اکبر ملا علی قاری کی لکھے دیتے ہیں بالجملۃ العلم بالغیب امر تفرد بہ سبحانہ وتعالیٰ
ولا سبیل الیہ للعباد الا باعلام منہ والہام بطریق المعجزۃ والکرامۃ وارشاد الی الاستدلال
بالامارات فیما یمکن فیہ ذلک ولہذا ذکر فی الفتاوی ان قول القائل عند رؤیۃ ہالۃ القمر یکون
دائرۃ مطرا یکون مطرا مدعیا علم الغیب لا بعلامۃ کفر وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد
ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوت
والارض الغیب الا اللہ کذا فی المسائرۃ ترجمہ یعنی الغرض علم غیب ایک ایسا امر ہے جو کیلئے خدا کے ہے
اور بندوں کو اُس کا علم بجز ان طریقوں کے سوا کسی [illegible] طریقہ سے نہیں ہو سکتا یا تو خدا تعالیٰ

خود مطلع فرما دے اور یا معجزہ اور کرامت کے طور پر الہام کر دے یا علامتوں کے ذریعہ استدلال کا رستہ دکھا دے مگر یہ وہیں کہ جہاں ایسا ممکن ہو اور اسی وجہ سے فتاوے میں ہی کہ ماہتاب کے ہالے یعنے دائرہ کو دیکھکر کسی کا دعوی علم غیب کرتے ہوئے کہنا کہ آج پانی برسے گا کفر ہے اور حنفیہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے عالم غیب ہونے کے اعتقاد سے کافر ہو جانے کی تصریح کی ہی کیونکہ اللہ کا قول - کہدو کہ آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں اُن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا - اسکے معارض ہی ایسا ہی مسائرہ میں ہی - واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد بشیر عفا اللہ عنہ صح الجواب عبد الصمد پشاوری - صح الجواب ذوالفقار صح الجواب سید محمد سیوانی -

ھو المصوب واقعی انبیا اور اولیا کو ہر وقت حاضر ناظر جاننا اور اعتقاد رکھنا کہ ہر حال میں وہ ہماری ندا سنتے ہیں اگرچہ ندا دور سے بھی ہو شرک ہی کیونکہ یہ صفت اللہ کیلیے خاص ہی کوئی بھی اُسکا شریک نہیں ہی - فتاوی بزازیہ میں ہی تزوج بلا شھود وقال خدای ورسول خدای وفرشتگان را گواہ کردم یکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملک یعلمان الغیب یعنے کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ میں نے خدا کو اور اسکے رسول کو اور اُسکے فرشتوں کو گواہ کیا تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے اس بات کا اعتقاد کیا کہ رسول اور فرشتے غیب جانتے ہیں - اور بھی بزازیہ میں ہے وعن ھذا قال علماءنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر انتھے یعنی سے ہمارے علما نے کہا ہے کہ جو کہے مشایخ کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہی واللہ اعلم حررہ الراجی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سوال اس شخص کے متعلق کیا حکم ہی جو خیال کرتا ہی کہ اولیا جانتے ہیں اور دور و نزدیک سے پکارنے والے کی آواز کو سنتے ہیں اور اُن سے ایسے الفاظ سے مدد مانگتا ہے جن سے حاضر دوسرے حاضر کو خطاب کیا کرتا ہے اور اُنکے لئے نذریں مانتا ہی اور کہتا ہی کہ میں نے اُن کے لئے یہ نذر مانی بینوا توجروا

جواب ایسے شخص کا عقیدہ فاسد ہی بلکہ اُس کے کفر کا خوف ہی کیونکہ اولیا کا ندائے بعید کو سننا ثابت نہیں ہی اور تمام زمانوں میں تمام جزئیات کا علم کلی اللہ ہی کے ساتھ خاص ہی فتاوی بزازیہ میں ہے من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر انتھے یعنی جو کہے مشائخ کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہے اور اسی کتاب میں ہے من تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ یکفر لانہ ظن ان الرسول یعلم الغیب انتھے یعنی جس نے

مرسلہ مولوی محمد قادر بخش از سہسرام اولیاء سے استمداد دعا فرمانا اور انکے لیے نذر ماننا کا بیان

نکاح کیا خدا اور رسول کو گواہ کرکے کافر ہوگیا کیونکہ اُس نے رسول کے عالم الغیب ہونے کا گمان
کیا۔ اور غیر خدا کے لیے نذر حرام ہی اور جو نذر مانی گئی ہی وہ بھی حرام ہے جیسا کہ اسکی تحقیق درمختار اور بحرالرائق
میں ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی
سوال اللہ عرش پر ہے اُسکا اعتقاد رکھنا اُسکی تنزیہ کے ساتھ یعنی اُسکا عرش کے اوپر رہنا ایک
جسم ایک جسم کے اوپر رہنے کے مانند نہیں اور عرش اُسکا مکان وحامل نہیں اور وہ اللہ اُس پر
متمکن اور متصل نہیں بلکہ جو کچھ کیفیت ہمارے ذہن وتصور میں آئے اُس سے بھی منزہ ہے پس
اس طرح اعتقاد رکھنا صحیح وحق ہی یا نہیں اور یہ بات عقائد کی کتابوں میں اہل سنت وجماعت کے
ہے یا نہیں اور یہی اعتقاد سلف کا یعنے صحابہ وتابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین وغیرہم کا ہے
یا نہیں اور دلائل اس اعتقاد کے محکمات سے ہیں یا متشابہات سے اور اس اعتقاد سے جہت
جس سے متکلمین نے تنزیہ ذات خدا کی ہی ثابت ہوتی ہی یا نہیں اور قرب اور معیت اُسکی
ہمارے ساتھ ذاتی ہی یا علمی بینوا توجروا **جواب** بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہم حق وصواب
دکھانے والے خدا کی مدد سے بہتر جواب لکھتے ہیں کہ اعتقاد رکھنا اس طرح پر کہ خدائے تعالے
اپنی ذات سے عرش کے اوپر ہی تنزیہ مذکور کے ساتھ صحیح وحق ہی کیونکہ یہ بات قرآن وحدیث
واجماع سلف سے ثابت ہی اور عقائد کی کتابوں میں اہل سنت وجماعت کی موجود ہی اور سلف
صالحین یعنے صحابہ وتابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کا بھی یہی
اعتقاد تھا۔ اب ہم چند دلیلیں بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں روی ابوداؤد فی سننہ عن جبیر بن
مطعم قال اتی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اعرابی فقال یا رسول اللہ
جہدت الانفس وضاعت العیال ونہکت الاموال وہلکت الانعام فاستسق اللہ لنا
فانا نستشفع بک علی اللہ ونستشفع باللہ علیک قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی
آلہ وسلم ویحک اتدری ماتقول وسبح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فما زال یسبح
حتی عرف ذلک فی وجوہ اصحابہ ثم قال ویحک انہ لا یستشفع باللہ علی احد من خلقہ
شان اللہ اعظم من ذلک ویحک اتدری ما اللہ ان عرشہ علی سمواتہ ہکذا وقال
باصابعہ مثل القبۃ علیہ وانہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب قال ابن بشار فی حدیثہ

ان اللہ فوق عرشہ وعرشہ فوق سمواتہ وساق الحدیث انتھی وحدیث ابن بشار حدیث حسن کما قال الامام الذھبی فی کتاب العرش والعلو رواہ ابوداؤد فی الرد علی الجہمیۃ باسناد حسن عندہ من حدیث محمد بن بشار نقلہ صاحب الاتحاف وقال وقد اخرجہ البخاری فی رسالۃ خلق افعال العباد ولفظہ ان اللہ علی عرشہ وعرشہ فوق سمواتہ وسمواتہ فوق ارضہ مثل القبۃ انتھی وعن عباس بن عبد المطلب قال کنت فی البطحاء فی عصابۃ فیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم فمرت بھم سحابۃ فنظر الیھا فقال ما تسمون ھذہ قالوا السحاب قال والمزن قالوا والمزن قال والعنان قالوا والعنان الحدیث وفی اخر الحدیث بعد ذکر العرش ثم اللہ تعالی فوق ذلک رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب انتھی قال الذھبی فی کتاب العرش والعلو رواہ ابوداؤد باسناد حسن وفوق الحسن انتھی وروی الامام البغوی ھذا الحدیث فی تفسیر سورۃ الحاقۃ باسنادہ عن عباس بن عبد المطلب وزاد بعد قولہ واللہ تعالی فوق ذلک ولیس یخفی علیہ من اعمال بنی آدم شیٔ انتھی ویؤیدہ ما جاء عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال ما بین السماء القصوی والکرسی خمس مائۃ عام وما بین الکرسی والماء کذلک والعرش فوق الماء واللہ فوق العرش لا یخفی علیہ شیٔ من اعمالکم انتھی رواہ البیھقی باسناد صحیح وکذا رواہ ابن المنذر وعبد اللہ بن احمد بن حنبل وابو القاسم الطبرانی وغیرھما کما قال الذھبی فی کتاب العرش وھذہ الزیادۃ تؤکد کون وجودہ تعالی فوق العرش کما لا یخفی وعن جابر بن سلیم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم یقول ان رجلا ممن کان قبلکم لبس لہ دین فتبختر فنظر اللہ الیہ من فوق عرشہ فمقتہ فامر الارض فاخذتہ فھو یتجلجل فیھا قال الامام الذھبی فی کتاب العرش رواہ سھل بن بکار شیخ البخاری عن عبد السلام بن عجلان عن عبیدۃ التمیمی قال قال ابو الحری قال جابر بن سلیم فذکرہ انتھی ترجمہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں جبیر بن مطعم سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ نفس مشقتوں میں پڑ گئے اور گھر کے لوگ ضائع ہو گئے اور اونٹ

دغیرہ ناتوان ہوگئے اور چوپائے ہلاک ہوگئے پس خدا سے پانی کے لئے دعا فرمایئے ہم شفاعت چاہتے
ہیں آپ سے اللہ پر اور اللہ سے آپ پر آپ نے فرمایا تجھپر افسوس ہے تو جانتا ہے کہ تو نے کیا کہا اور آپ نے
تسبیح کی پس یہاں تک آپ تسبیح کرتے رہے کہ اُس کا اثر صحابہ کے چہروں سے ظاہر ہونے
لگا پھر آپ نے فرمایا تجھپر افسوس ہے خدا سے کسی مخلوق پر شفاعت نہیں طلب کیجاتی ہے اللہ کی شان
اس سے برتر ہے تجھپر افسوس ہے تجھے خبر بھی ہے اللہ کیا ہے اُسکا عرش اُسکے آسمانوں پر ہے اس طرح
اور جھکایا آپ نے اپنی اُنگلیوں کو مثل قبہ کے) اور وہ چرچراتا ہے جس طرح کجاوہ اونٹوں پر چرچراتا ہے
ابن بشار نے اپنی حدیث میں کہا ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے اور اسکا عرش اسکے آسمانوں پر ہے اور چلایا او پورا کیا
حدیث کو انتہیٰ اور ابن بشار کی حدیث حدیث حسن ہے جیسا کہ امام ذہبی نے کتاب العرش والعلو میں
کہا ہے کہ ابو داؤد نے اسکو جہمیہ کی رد میں اپنے نزدیک اچھے اسناد سے روایت کیا ہے محمد بن بشار
کی حدیث سے۔ اُسکو صاحب انتہا نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اسکو بخاری نے رسالہ خلق افعال
عباد میں روایت کیا ہے اور اُس کے الفاظ یہ ہیں اللہ اپنے عرش پر ہے اور اُسکا عرش اُس کے
آسمانوں پر ہے اور اُسکے آسمان اُسکی زمین پر مثل قبہ کے ہیں انتہیٰ اور عباس بن عبد المطلب سے
روایت ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ میں بطحا میں تھا ایک ایسی جماعت میں جس میں نبی کریم علیہ التحیۃ
والتسلیم تشریف فرما تھے اتنے میں اُنپر سے ایک ابر گذرا اور حضور نے اُسکی طرف دیکھا پھر فرمایا
تم لوگ اسے کیا کہتے ہو صحابہ نے عرض کیا سحاب۔ آپ نے فرمایا اور مزن صحابہ نے عرض کیا اور
مزن آپ نے فرمایا اور عنان صحابہ نے عرض کیا اور عنان الحدیث اور آخر حدیث میں عرش کے
ذکر کے بعد ہے پھر اللہ تعالےٰ اُسکے اوپر ہے روایت کیا ہے اُسکو ترمذی نے اور کہا ہے کہ یہ حدیث
حسن غریب ہے انتہیٰ اور ذہبی نے کتاب العرش والعلو میں کہا ہے اسکو ابو داؤد نے حسن اور
حسن سے بھی برتر اسناد سے روایت کیا ہے انتہیٰ اور امام بغوی نے اس حدیث کو تفسیر سورہ الحاقہ میں
عباس بن عبد المطلب کی اسناد سے روایت کیا ہے اور اللہ اُسکے اوپر ہے کے بعد یہ زیادہ کیا ہے
کہ اُسپر بنی آدم کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے انتہیٰ اور اسکی تائید ابن مسعودؓ کی روایت سے ہوتی ہے
اُنھوں نے فرمایا ہے کہ سب سے اوپر کے آسمان اور کرسی کے درمیان میں پانچسو سال کی مسافت ہے
اور ایسا ہی کرسی اور پانی کے درمیان اور عرش پانی پر ہے اور خدا عرش پر ہے اُسپر تمہارا کوئی

عمل پوشیدہ نہیں ہے اسکو بیہقی نے اسناد صحیح سے روایت کیا ہے اور ایسا ہی روایت کیا ہے ابن منذر
اور عبد اللہ بن احمد ابن حنبل اور ابو القاسم طبرانی وغیرہم نے جیساکہ ذہبی نے کتاب العرش میں
کہا ہے کہ یہ زیادتی جو علامہ بغوی سے بروایت عباس رض ذکر کی گئی باری تعالیٰ کے عرش پر ہونے
کی تاکید کرتی ہے جیساکہ پوشیدہ نہیں ہے اور جابر بن سلیم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سرور کائنات
علیہ السلام والصلوٰۃ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ تم سے پہلے ایک آدمی نے جسکا کوئی دین نہ تھا ناز و کبر
کیا پس اللہ نے اسکو عرش پر سے دیکھا اور اُسپر غصہ کیا اور زمین کو حکم دیا زمین نے اُسے لے لیا اور وہ
زمین میں دھنسنے لگا امام ذہبی نے کتاب العرش میں کہا ہے کہ اسکو شیخ بخاری سہل بن بکار نے عبد السلام
بن عجلان سے بسند عبیدہ تیمی روایت کیا ہے کہ ابو احری نے کہا کہ جابر بن سلیم نے کہا ہے آگے اس کے
اس حدیث کو ذکر کیا، ترجمہ عربی کا ختم ہوا اب تھوڑے اقوال کتب عقائد سے لکھے جاتے ہیں
امام ابو محمد بن ابی زید مالکی نے اپنے رسالہ میں جو مشتمل عقائد اور فقہ کے مسائل پر ہے لکھا ہے انہ
تعالیٰ فوق عرشہ المجید بذاتہ وانہ فی مکان بعلمہ انتہے قال الامام الذہبی فی کتاب العرش
وابن ابی زید من کبار الائمۃ بالمغرب وشہرتہ یغنی عن ذکر فضلہ اجتمع فیہ العقل
والدین والورع والعلم وکان نہایۃ فی علم الاصول توفی سنۃ ست وثمانین و
ثلث مأتہ بالقیروان انتہے وایضاً قال الذہبی قال الامام عبد اللہ ابو اسمعیل الانصاری
شیخ الاسلام فی رسالتہ مثل قول ابن ابی زید وقال وقد جاء فی اخبار شتی ان
اللہ فوق السماء السابعۃ علی العرش بنفسہ وھو ینظر کیف تعلمون وعلمہ و
قدرتہ واسماعہ ونظرہ ورحمتہ فی کل مکانٍ انتہے ثم قال الذہبی ابو اسمعیل ھذا
معروف عند مشائخ الطریقۃ وکان عالماً بالحدیث صحیحہ وسقیمہ وباثار السلف و
بلغات العرب واختلافہا وتفسیر الکتاب ومعانیہا واقوال المفسرین وباحوال القلوب وکان
لہ کرامات معروفۃ توفی سنۃ احدی وثمانین واربعمأتہ ولہ خمس وثمانون سنۃ انتہے
وایضا قال قال الامام الاوحد ابو ذکریا یحیی بن عمار السجستانی فی رسالتہ لا نقول
کما قال الجہمیۃ انہ مداخل الامکنۃ وممازج بکل شئ ولا نعلم این ھو بل نقول انہ علی
عرشہ وعلمہ محیط بکلِ شئ وسمعہ وبصرہ وقدرہ وانہ مدرکۃ لکل شئ وھو معنی قولہ

وهو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر وھو بذاتہ علی عرشہ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم انتھے قال الذھبی یحیٰی بن عمار من کبار ائمۃ الھدی جمع بین العلم والروایۃ والزھد توفی سنۃ ثلاثین واربعمائۃ وھو احد شیوخ ابی اسمٰعیل الانصاری شیخ الاسلام صاحب منازل السائرین والامام ابی نصر السنجری انتھے وقال صاحب القصائد الامالیۃ ؎ ورب العرش فوق العرش لکن • بلا وصف التمکن واتصال

ترجمہ بلاشک اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش مجید پر ہے اور وہ ایسے مکان میں ہے لیکن اس کا علم ہر مکان میں ہے امام ذہبی نے کتاب العرش میں کہا ہے کہ ابن ابی زید مغرب کے بڑے اماموں سے ہیں اور اُن کی شہرت کی وجہ سے اُن کے فضل کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے عقل اور دین اور ورع اور علم سب اُن میں جمع تھے اور علم اصول کے بڑے منتہی تھے ۳۸۶ھ میں بمقام قیروان انتقال فرمایا انتھے اور بھی ذہبی نے کہا ہے کہ شیخ الاسلام امام عبداللہ ابو اسمٰعیل انصاری نے اپنے رسالے میں ابن ابی زید کے قول کے مثل کہا ہے اور اُنھوں نے کہا ہے کہ بہت سی متفرق خبروں میں آیا ہے کہ خدا بنفسہ ساتویں آسمان کے اوپر عرش پر ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ تم کسطرح کام کرتے ہو اور اُسکا علم اور قدرت اور کان لگا کر سننا اور نظر اور رحمت ہر جگہ ہے اور پھر ذہبی نے کہا ہے کہ یہ ابو اسمٰعیل مشائخ طریقت میں مشہور ہیں اور حدیث صحیح و سقیم اور آثار سلف و لغات عرب اور اُس کے اختلاف اور کتاب اللہ کے معنے و تفسیر اور اقوال مفسرین اور احوال قلوب کے جاننے والے تھے اور اُنکی کرامتیں مشہور ہیں پچاسی برس کی عمر میں ۴۸۱ھ میں انتقال فرمایا انتھی اور اُنھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ امام اوحد ابو زکریا یحیی بن عمار سجستانی نے اپنے رسالے میں کہا ہے کیونکہ ہم جہمیہ کی طرح یہ نہیں کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ مکانوں میں داخل ہونے اور ہر شئے سے ملنے والا ہے یا ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہے بلکہ وہ بذاتہ عرش پر ہے اور اُسکا علم تمام اشیا کو محیط ہے اور اُسکی سمع وبصر و قدرت ہر شئے کو ادراک کرتی ہے اور یہی اُسکے قول معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر کے معنے ہیں اور وہ بذاتہ عرش پر ہے جیسا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے انتھی ذہبی نے کہا ہے کہ یحیے بن عمار کبار ائمہ ہدیٰ سے جامع علم و روایت و زہد تھے ۴۳۰ھ میں انتقال فرمایا شیخ الاسلام ابی اسمٰعیل انصاری صاحب منازل السائرین اور امام ابی نصر

سنجری کے شیوخ سے تھے انتہی صاحب قصائد مائیہ نے کہا ہے اور عرش کا خدا عرش پر ہے لیکن اس صفت کے ساتھ نہیں کہ وہ اسکو اپنا مکان بنانیوالا یا اس کے ساتھ متصل ہو انتہی امام غزالی نے اہل سنت کے اعتقاد کے بیان میں کیمیائے سعادت کے اندر کہا ہے کہ عالم میں جتنی چیزیں ہیں سب عرش کے نیچے ہیں اور عرش قدرت آلہی کے نیچے مسخر ہے اور وہ عرش پر ہے نہ اسطرح جیسے کوئی جسم دوسرے جسم پر ہوتا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور عرش اسکا حامل اور اٹھانیوالا نہیں ہے بلکہ عرش اور حاملان عرش سب کو اسکا لطف اور اسکی قدرت اٹھائے ہوئے ہے اور آج بھی اسی صفت سے ہے جیسے ازل میں تھا عرش پیدا کرنے سے پہلے۔ انتہی۔ اب چند اقوال کہ جن سے اجماع سلف صالحین کا اس اعتقاد پر ثابت ہوتا ہے مذکور ہوتے ہیں قال الامام ابن حجر العسقلانی فی شرح البخاری اخرج البیہقی بسند جید عن الامام الاوزاعی قال کنا والتابعون متوافرون نقول ان اللہ علی عرشہ ونومن بما ورد بہ السنۃ من صفاتہ تعالیٰ انتہی اقول انما قید کلامہ بالجملۃ الحالیۃ اے والتابعون متوافرون لئلا یتوہم ان ہذہ العقیدۃ حدثت فیہم فاذا ثبت بہذا القول ان ہذہ العقیدۃ عقیدۃ التابعین وتبع التابعین ولم یثبت اختلافہم فیہا ثبت انہا عقیدۃ الصحابۃ ایضاً لانہم کانوا اخذین من الصحابۃ دینہم من العقائد والاعمال فحصل الاجماع واصرح من ذلک ما قالہ عثمان بن سعید الدارمی فی کتاب النقض علی بشر المریسی قد اتفقت الکلمۃ من المسلمین ان اللہ تعالیٰ فوق عرشہ وعرشہ فوق سمٰوٰتہ انتہی نقلہ الامام الذہبی فی کتاب العرش وقال عثمان بن سعید الدارمی احد الائمۃ والحفاظ من اہل المشرق وقال فیہ البخاری ما رأیت مثل عثمان بن سعید الدارمی انتہی وقال الامام ابو عبد اللہ بن بطۃ العکبری فی کتاب الابانۃ لہ اجمع المسلمون من الصحابۃ والتابعین ان اللہ علی عرشہ فوق سمٰوٰتہ بائن من خلقہ انتہی وقال الذہبی بعد نقلہ ابن بطۃ ہذا من کبار الائمۃ والزہاد والحفاظ الف کتاب الابانۃ المذکور اربع مجلدات اتی فیہ بمذاہب اہل السنۃ التی یخالف فیہا المبتدعۃ من الجہمیۃ والحروریۃ والقدریۃ والرافضۃ والمرجئۃ والمعتزلۃ دل ذلک علی علمہ واسع وکثرۃ من الحدیث توفی بعد ثمانین وثلث مأتہ سمع منہ البغوی

۵ قولہ حاملان الا [illegible] یعنی [illegible] مضمون سے [illegible] محمد حیات [illegible] عفی عنہ ۱۲

وذروة انتھٰی وقال الامام ابوعثمان اسمٰعیل بن عبد الرحمٰن الصابونی فی کتاب السنۃ
له اصحاب الحدیث یشھدون ان اللہ فوق سبع سموا تہ کما نطق بہ کتا بہ وعلماء
الامۃ واعیان الائمۃ من السلف لم یختلفوا فی انہ عزوجل علی عرش فوق سموا تہ انتھٰی
قال الامام الذھبی ابوعثمان الصابونی ھذا من کبار الائمۃ کان فقیھا محدثا حافظا
صوفیا واعظم اشیوخ شیخ نیشاپور فی دقہ مات سنۃ تسع واربعین مائۃ روی
عنہ کثیرون منھم الحافظ ابوبکر البیھقی انتھٰی وقال الامام الذھبی فی کتاب العرش
والعلو والدلیل علی ان اللہ فوق العرش فوق المخلوقات مبائن لھا لیس بداخل فی
شئ منھا وعلی انّ علمہ فی کلِ مکانٍ الکتاب والسنۃ واجماع الصحابۃ والتابعین
والائمۃ المھدیین انتھٰی وقال الحافظ ابن تیمیۃ الحرانی فی العقیدۃ الواسطیۃ
وقد دخل فیما ذکرناہ من الایمان باللہ وبما اخبر بہ اللہ فی کتابہ وتواتر عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم واجمع علیہ سلف الامۃ ان اللہ سبحانہ فوق سموا تہ علی
عرشہ وکاعلی خلقہ انتھٰی فاذا ثبت الاجماع وجب علینا اتباعہ ولا یجوز مخالفتہ
قال اللہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین
نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا قال صاحب تفسیر المدارک تحت ھذہ الایۃ
ای السبیل الذی ھم علیہ من الدین الحنفی وھو دلیل علی ان الاجماع حجۃ لا یجوز مخالفتھا
کما لا یجوز مخالفۃ الکتاب والسنۃ انتھٰی امام ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے اور بیہقی نے
امام اوزاعی سے بسند جید روایت کی ہے کہ ہم اُس زمانے میں کہ جب بہت سے تابعین موجود تھے کہا
کرتے تھے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے اور اُنپر ایمان رکھتے تھے جو صفات باری تعالیٰ کے بارے میں
حدیث میں آئی ہیں انتھٰی میں کہتا ہوں کہ اپنے کلام کو جملۂ حالیہ سے اسلئے مقید کیا یعنی و التابعون
متوافرون کہا کہ اس بات کا وہم نہو کہ یہ عقیدہ تبع تابعین میں پیدا ہو گیا تھا پس جبکہ اس قول
سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ عقیدۃ تابعین اور تبع تابعین دونوں کا عقیدہ ہوا اور انکا اختلاف اس بارے
میں ثابت نہیں ہے تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ صحابہ کا بھی عقیدہ تھا کیونکہ وہ عقائد و اعمال
میں صحابہ ہی سے اخذ کیا کرتے تھے پس اجماع پالیا گیا اور اس سے ذالمصرح کتاب النقص

علی بشر المریسی میں عثمان بن سعید الدارمی نے کہا ہر کہ مسلمانونکا کلام اس بارے میں متفق ہر کہ اللہ اپنے عرش پر ہر اور اُس کا عرش اُسکے آسمانوں پر ہر انتہی اُسکو امام ذہبی نے کتاب العرش میں نقل کیا ہر اور کہا ہر کہ عثمان بن سعید دارمی ائمہ و حفاظ مشرق میں سے ہیں بخاری نے انھیں کے بارے میں کہا ہر کہ میں نے عثمان ابن سعید دارمی کے مثل کوئی نہیں دیکھا انتہی اور کتاب الابانہ میں امام ابو عبد اللہ بطہ عبکری نے کہا ہر کہ صحابہ و تابعین نے اس بات پر اجماع کر لیا ہر کہ اللہ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مخلوقات سے دور ہر انتہی ذہبی نے اُسکو نقل کر کے کہا ہر کہ ابن بطہ کبار ائمہ و زہاد و حفاظ میں سے ہیں اُنھوں نے کتاب الابانہ چار جلدوں میں تالیف کی اُس میں اہل سنت کے وہ مذاہب بیان کیے جن میں مبتدعہ جہمیہ حروریہ قدریہ رافضیہ مرجیہ معتزلہ اُنکے خلاف تھے یہ اُنکی وسعت علم و کثرت حفظ حدیث پر دلالت کرتا ہر ۳۸۷ھ کے بعد انتقال کیا ان سے بغوی اور اُن کے ہم عصروں نے سنا ہر انتہی اور امام ابو عثمان اسمٰعیل بن عبد الرحمٰن صابونی نے کتاب السنۃ میں کہا ہر کہ اصحاب حدیث اسکی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ اپنے ساتوں آسمانوں کے اوپر ہر جیسا کہ اُسکی کتاب سے ظاہر ہر اور متقدمین علماے اُمت و اعیان ائمہ اس میں مختلف نہیں ہیں کہ عرش آسمانوں کے اوپر ہے انتہی امام ذہبی نے کہا ہر کہ یہ ابو عثمان صابونی کبار ائمہ سے ہیں فقیہ محدث حافظ اور صوفی تھے اور اعظم الشیوخ شیخ نیشاپور انھیں کے وقت میں تھے ۴۴۹ھ میں انتقال فرمایا ان سے بہتوں نے روایت کی ہے جنمیں سے حافظ ابو بکر بیہقی ہیں انتہی اور امام ذہبی نے کتاب العرش و العلو میں کہا ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع صحابہ و تابعین و ائمہ اسکی دلیل ہر کہ اللہ عرش پر مخلوقات کے اوپر اُن سے جدا ہر کسی شے میں داخل نہیں ہر البتہ اُسکا علم ہر جگہ ہر انتہی عقیدہ واسطیہ میں حافظ ابن تیمیہ حرانی نے کہا ہر اللہ نے جو اور اُس نے اپنی کتاب میں جن باتوں کی خبر دی ہر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے جو امور متواتر ہیں اور سلف اُمت نے جن باتوں پر اجماع کیا ہر اُن پر ایمان لانے میں یہ بھی داخل ہر کہ اللہ اپنے عرش پر اپنی مخلوقات کے اوپر ہے انتہی پس جبکہ اجماع ثابت ہو گیا تو اُسکی پیروی فرض ہر اور مخالفت جائز نہیں ہر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہر ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی الآیۃ صاحب تفسیر مدارک نے اس آیت کے تحت میں لکھا ہر یعنے وہ راستہ جس پر وہ ہیں دین حنفی ہے اور یہ آیت دلیل ہر اس امر کی کہ اجماع حجت ہے

اس کی مخالفت جائز نہیں جیساکہ کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں ہے، ترجمہ عبارت عربی کا ختم ہوا۔ اب چند اقوال ائمہ مجتہدین کے ذکر کرتا ہوں تاکہ یہ عقیدہ حقہ درجۂ یقین کو پہونچے اور دلوں کو تسکین بخشے ملا سلام اللہ نے کمالین میں کہا ہے امام بیہقیؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا ان اللہ فی السماء دون الارض انتھی اللہ آسمان میں ہے نہ کہ زمین پر وقال الامام الذھبی فی کتاب العرش واخرج عبد اللہ بن احمد ابن حنبل فی کتاب الرد علی الجھمیۃ عن ابیہ عن شریح بن النعمان عن عبد اللہ بن نافع تلمیذ مالک وخصیصتہ قال سمعت مالک بن انس یقول اللہ فی السماء وعلمہ فی کل مکان انتھی قال الذھبی ھذا حدیث ثابت عن مالکؒ انتھی اقول لم یرد مالکؒ بفی السماء السماء الدنیا لانھا مکان بل اراد العلو الاعلی یدل علیہ قولہ وعلمہ فی کل مکان ای لا ذاتہ بل ھی فی العلو الذی لیس بمکان وھو ما وراء العرش وکذا ینبغی ان یفھم من قول امامنا ابی حنیفۃ والدلیل علی ھذا قول ابی معاذ البلخی انہ قال ان اللہ فی السماء علی العرش کما وصف نفسہ انتھی ای فی العلو علی العرش لانہ لیس فی ھذہ السماء ولا فی غیرھا فعلم انہ اراد بفی السماء العلو قال الذھبی فی کتاب العرش والعلو وھذا الحدیث ثابت عن ابی معاذ وھو احد الائمۃ انتھی وقال ایضا فیہ وقصۃ ابی یوسف صاحب ابی حنیفۃ مشھورۃ فی استتابتہ بشر المریسی لما انکر ان یکون اللہ فوق العرش رواھا عبد الرحمن بن ابی حاتم وغیرہ فی کتبھم انتھی وفی الحمویۃ للحافظ ابن تیمیۃ روے عبد اللہ بن احمد بن حنبل وغیرہ باسانید صحیحۃ عن ابن المبارک انہ قیل لہ بما ذا نعرف ربنا قال بانہ تعالی فوق سمواتہ علی عرشہ بائن من خلقہ ولا نقول کما تقول الجھمیۃ انہ تعالی ھھنا فی الارض انتھی وفیھا ایضا وروی ابن ابی حاتم ان ھشام بن عبید اللہ الرازی صاحب محمد بن الحسن القاضی حبس رجلا فی التجھم فتاب فجیئی بہ لیطلقہ فقال الحمد للہ علی التوبۃ وامتحنہ ھشام فقال لتشھد بان اللہ تعالی علی عرشہ بائن من خلقہ فقال اشھد ان اللہ علی عرشہ ولکن لا ادری ما بائن من خلقہ فقال ردوہ الی الحبس فانہ لم یتب انتھی وقال الامام الذھبی فی کتاب العرش قال الامام الشافعی فی وصیۃ التی رواھا البکاری

والحافظ عبد الغنی فی العقیدۃ ان اللہ یری فی الآخرۃ عیانا ینظر الیہ المومنون ویسمعون
کلامہ وانہ تعالیٰ فوق العرش انتھی وقال الذہبی ایضاً واخرج الخلال عن یوسف ابن
موسیٰ لقطان قیل لابی عبد اللہ احمد بن حنبل اللہ فوق السماء السابعۃ علی عرشہ
بائن من خلقہ وعلمہ وقدرتہ بکل مکان قال نعم انتھی ترجمہ اور امام ذہبی نے کتاب العرش
میں کہا ہو کہ عبد اللہ بن حنبل نے کتاب الرد علی الجہمیہ میں اپنے باپ سے اُنھوں نے شریح بن نعمان سے اُنھوں نے عبد اللہ
بن نافع سے (جو امام مالکؒ کے مخصوص شاگرد ہیں) روایت کی ہو کہ امام مالک بن انسؓ فرماتے
تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہو اور اُسکا علم ہر جگہ ہو انتہیٰ اور ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث
امام مالک سے ثابت ہو انتہیٰ میں کہتا ہوں امام مالک نے فی السماء سے سماء دنیا کو مراد نہیں
لیا ہو کیونکہ وہ مکان ہو بلکہ علو اعلیٰ کو مراد لیا ہو اسپر انکا قول وعلمہ فی کلِ مکانٍ دلالت
کرتا ہو کیونکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ ذات خداوندی مکان میں نہیں ہو بلکہ اُس علو میں ہو جو مکان
نہیں ہو اور وہ ماوراء العرش ہو اور ایسا ہی سمجھنا چاہیے ہمارے امام ابی حنیفہ کے قول سے اور
اسپر معاذ بلخی کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ اللہ آسمان میں عرش پر ہو جیسا کہ اُس نے خود بیان کیا ہو
انتہیٰ یعنے بلندی میں عرش پر ہو کیونکہ نہ وہ اس آسمان میں ہو نہ دوسرے آسمانوں پر پس معلوم ہوا
کہ فی السماء سے علو مراد ہو ذہبی نے کتاب العرش والعلو میں کہا ہو کہ یہ حدیث ابی معاذ سے ثابت ہو
جو امام فن ہیں انتہیٰ اور بھی کہا ہو کہ امام ابو یوسف صاحب ابی حنیفہ کا قصہ مشہور ہو کہ اُنھوں
نے بشر مریسی کو توبہ کا حکم دیا تھا جب اُنھوں نے خدا کے عرش پر ہونیکا انکار کیا تھا اسکو عبد الرحمن
بن ابی حاتم وغیرہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہو انتہیٰ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب حمویہ میں ہی
کہ عبد اللہ بن احمد حنبل نے صحیح اسنادوں کے ساتھ ابن مبارک سے روایت کی ہو کہ اُن سے کہا گیا ہم خدا کو کس بات سے
پہچانیں اُنھوں نے کہا اس بات سے کہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش پر اپنی مخلوقات سے جدا ہو اور
ہم جہمیہ کی طرح یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ یہاں زمین میں ہو انتہیٰ اور اسی میں ہو کہ ابن ابی حاتم نے
روایت کی ہو کہ ہشام بن عبید اللہ رازی صاحب قاضی محمد ابن الحسن نے ایک شخص کو جہمیہ کا
عقیدہ اختیار کرنے میں قید کیا پس اُس نے توبہ کی اور رہا کرنے کے لیے لایا گیا تو ہشام نے اُس کا
امتحان لینے کو پوچھا کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ خدا اپنے عرش پر مخلوقات سے

جدا ہے اُس نے کہا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدا عرش پر ہے لیکن یہ مجھے نہیں معلوم
کہ وہ اپنی مخلوقات سے جدا ہے پس ہشام نے حکم دیا کہ اُسے قید خانہ میں لوٹا دو کیونکہ اُس نے
توبہ نہیں کی ہے انتہٰی اور امام ذہبی نے کتاب العرش میں کہا ہے کہ امام شافعی نے اُس وصیت میں جسے
بکاری اور حافظ عبد الغنی نے عقیدہ میں روایت کیا ہے کہا ہے کہ اللہ آخرت میں دیکھا جائیگا اور
مومنین اُسے دیکھیں گے اور اُسکا کلام سنیں گے اور وہ عرش پر ہے انتہٰی اور ذہبی نے کہا ہے کہ یوسف
بن موسیٰ القطان سے خلال نے روایت کی ہے کہ ابی عبداللہ احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ اللہ
ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر اپنی مخلوقات سے جدا ہے اور اُسکا علم و قدرت ہر جگہ ہے
اُنھوں نے فرمایا ہاں۔ ترجمہ عربی ختم ہوا۔ اور دلائل اس اعتقاد کے محکمات سے ہیں اعتقاد و عمل
کا اثبات محکمات ہی سے ہوا کرتا ہے نہ متشابہات سے اور محکمات میں نص و ظاہر اور مفسر اور
محکم یعنی اہل اصول کی اصطلاحات بھی داخل ہیں جو یہی دلائل عقائد و احکام کے ہیں صاحب
کمالین مُلا سلام اللہ نے سورۂ آل عمران کی تفسیر جلالین کے حاشیہ پر لکھا ہے فاحکمت
عباراتها بان حفظت عن الاحتمال والاشتباه فيدخل فيها النص والظاهر والمفسر
والمحكم على مصطلح اهل الاصول من علمائنا انتهى یعنے آیات محکمات کی عبارتیں بسبب احتمال و اشتباہ
سے محفوظ ہیں پس نص ظاہر و مفسر و محکم ہمارے علما اور اہل اصول کی اصطلاح پر اس میں داخل
ہیں ہے پس جب اس اعتقاد کو اہل سنت کے بزرگوں نے عقائد کے کتب میں داخل کیا اور اسپر
اجماع سلف بھی ثابت کر چکے اب اُن دلائل کے محکمات سے ہونے میں کیا تردد باقی رہا
اور اس اعتقاد سے یعنے خدا عرش کے اوپر ہے جدا اپنی مخلوقات سے کہنے میں جہت کہ جس سے
علمائے متکلمین نے تنزیہ ذات خدا کی ہے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ جہات مکانات کے حدود اور
اطراف کو کہتے ہیں اور وہ جہات عرش تک ثابت ہیں نہ اُسکے اوپر علامہ سعد الدین تفتازانی
نے شرح عقائد میں لکھا ہے واذا لم يكن في مكان لم يكن في جهة لا علو ولا في سفل ولا في
غيرهما لانها اما حدود واطراف للامكنة او نفس الامكنة باعتبار عروض الاضافة الى
شئ اخر انتهى اور جب کسی مکان میں نہوگا تو کسی جہت میں بھی نہوگا نہ بلندی میں نہ پستی میں
اور نہ اُن کے علاوہ کسی اور جگہہ کیونکہ یہ دونوں چیزیں (بلندی و پستی) مکانوں کے حدود اور

اطراف ہیں یا خود مکان ہیں جب اُن کی کسی دوسری چیز کی طرف نسبت عارض ہو جائے
اور شاہ عبد العزیز دہلوی نے تحفۂ اثنا عشریہ کے تیرھویں عقیدے میں فرمایا ہے۔ جو دلیلیں
نفی مکان میں مذکور ہوئیں وہی نفی جہت میں بھی ہیں کیونکہ جہات اطراف ہیں امکنہ کے
اور اُسکے حدود ہیں انتہی اور شاہ عنایت اللہ نے سکندر نامے کے اس شعر جہت را ولایت
بہ پایاں رسید ۔ قطیعت بہ پرکار دوراں رسید۔ کی شرح میں لکھا ہے یعنے جہات اربعہ
با سنہ جو کہے جائیں ختم ہو گئے کیونکہ جہات کا ثبوت عالم اجسام میں ہے اور عالم اجسام عرش
پر نہیں ہے اور جہت بھی نہیں ہرا اور صاحب انتہا نے امام رازی کی تفسیر سے نقل کیا ہے
کہ انھوں نے فرمایا اذا ثبت ان اجسام العالم متناہیۃ فخارج العالم الجسمانی لاخلاءٌ
ولا ملاءٌ ولا مکان ولا جہۃ فیمتنع ان یحصل الالٰہ فی مکان خارج العالم انتھٰی اقول اذا
ثبت بھذا ان خارج العالم الجسمانی لیس بمکان ولا جہۃ ففوق العرش الذی ھو
خارج العالم الجسمانی لا یکون مکاناً ولا جہۃ فحصول الالٰہ فیہ من غیر تمکن بمکان
لیس بممتنع بل حصولہ فی لامکان وجہۃ ضروری کما لا یخفٰی جب یہ ثابت ہو گیا کہ اجسام
عالم متناہی ہیں تو خارج عالم جسمانی نہ خلا ہے نہ ملا اور نہ مکان ہے نہ جہت پس عالم سے خارج اللہ
کا کسی مکان میں پایا جانا ممتنع ہے انتہی میں کہتا ہوں کہ جب اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ عالم جسمانی
سے خارج نہ مکان ہے نہ جہت تو عرش پر جو عالم جسمانی سے خارج ہے نہ مکان ہو گا نہ جہت پس اللہ
کا اُس میں بغیر کسی مکان میں ہونے کے پایا جانا ممتنع نہیں بلکہ اُسکا حصول لامکان اور جہت میں
ضروری ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جلد اول کے اکتیسویں[۳۱]
مکتوب میں فرمایا ہے کہ بیچون کو دائرہ چوں سے باہر ڈھونڈھنا چاہیئے اور لامکان
کو مکان کے ماوراسے طلب کرنا چاہیئے انتہی اور قرب معیت اللہ کی ہمارے ساتھ ذاتی نہیں
یعنی ذات سے ہمارے قریب اور ساتھ نہیں بلکہ علم و قدرت وغیرہ سے ہمارے قریب
اور ساتھ ہے یہ بات یعنی قرب و معیت اُسکی ذاتی نہونا تحریر سابق سے بھی ثابت ہوتی ہے
باوجود اسکے پھر خوب تصریح کرتا ہوں تاکہ دلوں کو اطمینان کامل حاصل ہو جائے۔
قال الحافظ ابن تیمیۃ فی الحمویۃ قال ابن عبد البر علماء الصحابۃ والتابعین الذین

حمل عنهم التاویل قالوا فی تاویل قوله تعالیٰ ما یکون من نجوی ثلثة الا هو رابعهم
هو علی العرش وعلمه فی کل مکان وما خالفهم فی ذلک من یحتج بقوله انتھٰی ای کونه
تعالیٰ رابعهم بالعلم لا بالذات وقال الامام الذهبی فی کتاب العرش قال الامام الحافظ
ابو نصر السجزی فی کتاب الابانة ائمتنا کسفیان الثوری ومالک وحماد بن سلمة
وحماد بن زید وعبد الله بن المبارک والفضیل بن عیاض واحمد بن حنبل واسحٰق
بن راهویه متفقون علی ان الله سبحانه وتعالیٰ بذاته فوق عرشه وان علمه
بکل مکانٍ انتھٰی کذا فی الانتهاء وقال الامام الغزالی فی کتاب العقائد من احیاء
العلوم واضطر اهل الظاهر الی تاویل قوله تعالیٰ وهو معکم اینما کنتم اذ حمل
ذلک بالاتفاق علی الاحاطة والعلم انتھٰی والاحاطة فی قوله بمعنی العلم والادراک کما
فی تعریفات الجرجانی الاحاطة ادراک الشئ بکماله ظاهرا وباطنا انتھٰی وقال الامام
فخر الدین الرازی فی التفسیر الکبیر فی قوله تعالیٰ وهو معکم اینما کنتم قال المتکلمون
هذه المعیة اما بالعلم واما بالحفظ والحراسة وعلی التقدیرین فقد انعقد الاجماع
علی انه سبحانه لیس معنا بالمکان والجهة والتحیز فاذن قوله تعالیٰ وهو معکم لا بد فیه
من التاویل انتھٰی وقال العلامة سعد الدین التفتازانی فی رسالته فاحتج الملحدون
فی رد قول الوجود بان المعیة ذاتیة واما استدلالهم بالسمع فبقوله تعالیٰ
وهو معکم اینما کنتم وقوله تعالیٰ ولا ادنیٰ من ذلک ولا اکثر الا هو معهم وجوابه
ان المراد بالمعیة ههنا علی ما اجمع علیه المفسرون بالعلم ونحوه لا بنفس الذات
انتھٰی یعنے حمویہ میں حافظ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ ابن عبد البر کہتے ہیں صحابہ و تابعین (جن سے علم
تاویل و تفسیر لیا گیا ہے اللہ کے قول ما یکون من نجوی ثلثة الا هو رابعهم کی تاویل میں فرماتے
ہیں کہ اللہ عرش پر ہے اور اُسکا علم ہر جگہ ہے اور جنکے قول سے حجت لائی جاتی ہے اُن میں سے کسی
صحابہ کی مخالفت نہیں کی انتہیٰ یعنے خدا کا چوتھا ہونا علم کے اعتبار سے نہ ذات کے اعتبار سے
امام ذہبی نے کتاب العرش میں کہا ہے کہ حافظ ابو نصر سنجری نے کتاب الابانة میں کہا ہے
کہ ہمارے علماء مثلاً سفیان ثوری مالک حماد بن سلمہ حماد بن زید عبد اللہ بن مبارک فضیل

بن عباض احمد بن حنبل اسحق بن راہویہ رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ خدا بذاتہ عرش پر ہے اور اُسکا علم ہر جگہ ہے انتہی ایسا ہی انتصار میں ہے امام غزالی نے احیاء العلوم کی کتاب العقائد میں کہا ہے اور اہل ظاہر خدا کے قول وھو معکم اینما کنتم کی تاویل پر مجبور ہوے ہیں کیونکہ یہ بالاتفاق علم اور احاطہ پر محمول ہے انتہی امام غزالی کے قول میں احاطہ علم اور ادراک کے معنے میں ہے جیساکہ جرجانی کی تعریفات میں ہے کہ احاطہ شئے کا ظاہراً و باطناً پوری طور سے ادراک کرنا ہے انتہی امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں وھو معکم اینما کنتم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ متکلمین نے کہا ہے کہ یہ معیت یا تو علم کے اعتبار سے ہے یا حفظ و حراست کے اعتبار سے اور دونوں تقدیر پر اجماع اسپر منعقد ہے کہ خدا ہمارے ساتھ مکان اور جہت اور تحیز کے ساتھ نہیں ہے پس خدا کے قول وھو معکم مین تاویل ضروری ہے اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ ملحدین وجودیہ کے قول کی رد میں اس طرح دلیل لائے ہیں کہ معیت ذاتیہ ہے لیکن استدلال ساعی پس وہ خدا کے قول وھو معکم اینما کنتم اور اللہ کے قول ولا ادنیٰ من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم سے ہے اور اُسکا جواب یہ ہے کہ معیت سے مراد (جیساکہ اجماع مفسرین ہے) علم وغیرہ ہے نہ کہ نفس ذات انتہی اور امام مجدد الف ثانی جلد اول کے اکتیسویں مکتوب میں لکھتے ہیں علوم سابق جو اتحاد اور وحدت وجود پر مبنی تھے زوال کی طرف چلے احاطہ اور سریان قرب و محبت ذاتیہ کہ اس مقام میں ظاہر ہوے تھے منتشر ہو گئے اور یقیناً معلوم ہو گیا کہ صانع جل شانہ کو عالم کے ساتھ مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت ثابت نہیں ہے خدا تعالےٰ کا احاطہ اور قرب محض علم کے اعتبار سے ہے جیساکہ اہل حق کے نزدیک ثابت ہے خدا تعالےٰ اُنکی سعی مشکور فرماوے یہانتک کہ فرمایا تعجب ہے کہ شیخ محی الدین عربی اور اُن کے متبع ذات واجب کو مجہول مطلق کہتے ہیں اور کسی حکم کا محکوم نہیں سمجھتے ہیں پھر بھی احاطہ ذاتی اور قرب و معیت ذاتیہ کا اثبات کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ذات خداوندی ہی پر حکم لگانا ہے اور صواب وہ ہے جو علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ قرب اور احاطہ دونوں علمی ہیں انتہی۔ ان اقوال مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے سلف و خلف کا اجماع ہے اللہ کے قرب اور اُسکی معیت ذاتی نہونے پر الا فرقہ ملحد

وجود یہ کہ اُنکی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اُنکا شمار اہل سنت میں نہیں ہو نیس یہ اعتقاد مذکور کیونکر صحیح اور حق نہو کہ اس سے حلول واتحاد اور جہت ومکان سے تنزیہ باری تعالیٰ کی کامل ہوتی ہو اور باطل فرقوں کے عقائد سے مفارقت اور سلف صالحین و ائمہ مجتہدین کے ساتھ پوری موافقت حاصل ہوتی ہو۔ الحمد للہ علی ذلک کتبہ الفقیر الی اللہ الصمد عبد القادر ابن القاضی احمد غفر اللہ لہما مرقوم ماہ ذیقعدہ ۱۲۹۷ ہجری الجواب ہو المصوب فی الواقع اس امر کا اعتقاد کہ ذات باری تعالیٰ کی تجلی خاص عرش پر ہو اس طرح کہ وہ تشبیہ اور جسمیت کے تمام طریقوں اور وہموں سے پاک ہو اور معیت و قرب اُسکا علمی ہو موافق اعتقاد جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کے ہو ابن ہمام مؤلف فتح القدیر مسائرہ فی العقائد المنجیہ فی الآخرۃ میں لکھتے ہیں نومن انہ تعالیٰ مستو علی العرش مع الحکم بان استواءہ لیس کاستواء الاجسام من التمکن والمماسۃ والمحاذاۃ بل بمعنی یلیق بہ وھو اعلم بہ انتھے یعنے ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ عرش پر مستوی ہو اور اس بات کا بھی حکم کرتے ہیں کہ اُسکا استوار اجسام کے استوار کیطرح نہیں جو کہ اس میں مکان میں ہونا یا چھوا جانا یا مقابل ہونا پایا جائے بلکہ ایسے طریقے کا ہے جو اُسکی شان کے موافق ہو اور اُسکا علم خدا ہی کو ہو۔ اور ابو شکور سلمی تمہید میں لکھتے ہیں قال بعضھم ان اللہ موجود فی کل مکان وھم صنف من الجھمیۃ واحتجوا بقولہ تعالیٰ ھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ وقولہ وھو اللہ فی السموات وفی الارض وقولہ ان اللہ مع الذین اتقوا وقولہ مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم والجواب ان معنی الاٰیۃ الاولیٰ انہ الہ اھل السماء والارض ومعنی الاٰیۃ الثانیۃ تدبیرہ فی السموات والارض ومعنی الاٰیۃ الثالثۃ انہ سمیع بمقالتھم بصیر بافعالھم ومعنی الاٰیۃ الرابعۃ انہ معھم بالنصرۃ انتھے یعنے بعضوں نے کہا ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور اسکا قائل جہمیہ کا ایک گروہ ہو اور وہ اس قول سے دلیل لاتے ہیں کہ وہ وہ خدا ہی جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں معبود۔ اور اس قول سے کہ وہ وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور اس قول سے کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے جو تقویٰ رکھتے ہیں اور اس قول سے کہ سرگوشی تین آدمیوں کی نہیں ہوتی مگر وہ اُن کا چوتھا ہوتا ہے اور جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کے یہ معنے ہیں کہ وہ زمین اور آسمان والونکا معبود ہو اور دوسری کے یہ معنی

ہیں کہ خدا کی تدبیر آسمان اور زمین میں ہے اور تیسری کے یہ معنے ہیں کہ خدا اُنکی باتوں کا سننے والا اور اُن کے افعال کا دیکھنے والا ہے اور جو تھی کے یہ معنی ہیں کہ خدا اُن کے ہمراہ مدد کے ساتھ ہے انتہی اور اس کی زیادہ تفصیل کتاب العرش وغیرہ میں موجود ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** اس بارہ میں علمائے محققین اہل سنت والجماعت کیا فرماتے ہیں کہ بکر کہتا ہے کہ خوارج کے کفر کا حکم قرآن میں موجود ہے پس اُسکا منکر گمراہ اور مردود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لہم عذابا مھینا سورۂ احزاب (بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اُسکے رسول کو اللہ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور اُن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے) تفسیر کشاف میں ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو علی مرتضیٰ کو ایذا دیتے ہیں اور بھی بکر دعویٰ کرتا ہے کہ مذہب اہل حق کا یہی ہے کہ یزید کافر ہے اور اُس پر بالخصوص لعنت کرنا جائز ہے جو اس باب میں مخالف ہے وہ اہل حق سے خارج اور بعضے علمائے حنفیہ کا جو اختلاف منقول ہے وہ بغرض عدم جواز لعن نہیں ہے بلکہ باین غرض ہے کہ اُنکے نزدیک یزید کا نام زبان پر لانے کے قابل نہیں ہے نہ یہ کہ فی نفسہ اُس پر لعن کرنے میں کچھ قباحت ہے شرح عقائد اور حاشیہ جند میں اسکی تصریح ہے یہی مذہب صحیح ہے یہ خلاصہ ہے بکر کے رسالہ اردو کا جس میں اُس نے فضول طول دیا ہے اور حامد اُسکی رد میں کہتا ہے خوارج کے کافر نہ کہنے والوں کو منکر قرآن اور اہل حق سے خارج ٹھہرانا محض جہالت اور ضلالت اور نیز آیت مذکورہ کو شان دشمنان حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں نازل ٹھہرا کر حوالہ کشاف کرنا محض کذب و بطالت ہے بالجملہ خوارج کے کفر کے مذکور ہونیکا اس آیت میں دعویٰ کرنا جہل صریح و کذب قبیح ہے ہاں البتہ اگر آیت الذین یوذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا واثما مبینا (جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اسکے کہ کچھ بُرا کیا ہو اُنھوں نے پس بیشک اُٹھایا اُنھوں نے بہتان اور کھلا ہوا گناہ) کا مصداق خوارج کو ٹھہرایا جائے تو احتمال صحیح ہے اور کس طرح خوارج کو مسلمان جاننے والا اہل حق سے خارج ہو سکتا ہے کہ خود حضرت علی نے خوارج کو باوجود بیان اُنکی گمراہی کے اور حکم قتل کے اُنکو مسلمان بتایا ہے اسی سبب سے محققین فقہا و محدثین و متکلمین نے خوارج کو بد مذہب جانا مگر کافر نہیں ٹھہرایا ہے چنانچہ مرقاۃ اور مجمع البحار اور رد المحتار اور شرح

خوارج کے کفر اور عدم کفر کی تحقیق اور یزید کے لعن اور اسلام کی بحث

فقہ اکبر اور فتح القدیر وغیرہ سے بخوبی ثابت ہو اور بھی حامد کہتا ہے کہ اہل حق یزید پلید کے حکم کفر میں
اور پھر جواز لعن میں خود مختلف ہیں اگرچہ بعض اکابر نے اسپر حکم کفر و جواز لعن کا اطلاق فرمایا ہے لیکن امام
حجۃ الاسلام امام غزالی اور صاحب قصیدہ امالی اور بہت سے ائمۂ دین عدم کفر و عدم لعن کو حق
جانتے ہیں اور جمہور محققین اُسکے اطلاق حکم کفر و اسلام و جواز و عدم جواز لعن میں توقف کو اپنا مذہب
گردانتے ہیں پس دعویٰ بکر کا حصر کے کلمہ کے ساتھ کہ یہ ہی مذہب اہل حق ہو اُسکی جہالت و ضلالت
پر دلیل ہو اور تاویل جو علماء حنفیہ کی طرف سے کی ہو وہ بھی نہایت پوچ و کمزور ہو کاش یہ شخص
شرح عقائد نسفی کی عبارت کو سمجھتے جسکا خود حوالہ دیتے ہیں تو جانتے کہ انحصار مذہب اہل حق کا
قول جواز لعن و کفر میں جو اسکا مدعا ہے باطل ہو اور قول حنفیہ میں جو خلاصہ وغیرہ کتب فقہ سے
ثابت ہو وہ تاویل پوچ کرنا بیکار ہے۔ عبارت شرح عقائد کی شروع بحث سے جسے بکر نے چھوڑدیا ہے
یہ ہو وبالجملۃ لم ینقل عن السلف الصالحین جواز اللعن علی معاویۃؓ واحزابہ وانما
اختلفوا فی یزید بن معاویۃ حتی ذکر فی الخلاصۃ وغیرہا انہ لا ینبغی اللعن
علیہ ولا علی الحجاج لان النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نہی عن لعن المصلین و
من کان من اہل القبلۃ وما نقل عن لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبعض اہل القبلۃ فلما
انہ یعلم من احوال الناس مالا یعلمہ غیرہ وبعضہم اطلق اللعن علیہ لما انہ
کفر حین امر بقتل الحسینؓ الخ یعنی اور بالجملہ سلف صالحین سے معاویہؓ اور اُن کے گروہ پر لعنت کا
جائز ہونا منقول نہیں ہو البتہ یزید ابن معاویہؓ کے متعلق اختلاف ہو خلاصہ وغیرہ میں یہ ہو کہ اُسپر
لعنت نہ کرنا چاہیئے اور نہ حجاج پر کیونکہ حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے اہل قبلہ و نماز پڑھنے
والوں پر لعنت بھیجنے سے منع کیا ہے لیکن آپ سے جو بعض اہل قبلہ پر لعنت بھیجنا ثابت ہو تو وہ اسوجہ سے
کہ آپ لوگوں کے وہ حالات جانتے تھے جو دوسرا نہیں جان سکتا اور بعضوں نے اُسپر لعنت کو جائز
رکھا ہو کیونکہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیتے ہی کافر ہوگیا الخ باقی رہی بحث
ترجیح کی پس اگرچہ صاحب شرح عقائد نے باوجود اقرار اختلاف اہل حق وبیان مذہب حنفیہ کے
اپنے زعم میں ترجیح کفر کی ثابت فرمائی ہو لیکن دوسرے اکابر محققین نے وہ ترجیح مسلم نہیں ٹھہرائی ہو
مسائرہ اور مسامرہ اور ردالمحتار اور شامی وغیرہ کتب معتمدہ فقہ وعقائد علماء حنفیہ میں دوسرے

جانب کے معتمد ہونے کی ترجیح ہے بلکہ بہت کتب مشہورہ میں شرح عقائد پر اعتراض
کی بھی تصریح ہے چنانچہ شرح فقہ اکبر اور ضوء المعالی اور حاشیۂ عصام اور حاشیۂ ابوالیسر
بر شرح عقائد اور دوسرے حواشی سے ثابت ہے پس بکر کا ہو الصحیح لکھدینا اور جھوٹا حوالہ
کر دینا جرأت وتفوہ قبیح ہے علاوہ ان سب امور کے بر تقدیر ترجیح مذہب جزم کفر یزید کی حالت حیات
میں پھر بھی دعوی انحصار مذہب اہل حق کا جواز لعن میں باطل و افترا ہے کہ ان کافروں پر جنکا کفر بخبر خدا
و رسول کی خبر متواتر سے ثابت نہو باتفاق و اجماع جمہور ائمۂ محققین کے لعن شخصی کرنا ناجائز و ناروا ہے
جیساکہ امام نودی نے شرح مسلم میں اور امام عینی نے شرح بخاری میں اور امام نابلسی نے شرح طریقۂ
محمدیہ میں اور دوسرے اکابر دین نے اور کتابوں میں تصریح فرمائی ہے پس قول ترجیح جواز لعن بر یزید
بر تقدیر ثبوت کفر بھی بے ثبوت علم یقینی موت علی الکفر کے کسطرح اہل حق کے نزدیک جزماً صحیح
ہو سکتا ہے تاکہ جو اسکا قائل نہو خوارج میں داخل ہو جائے اور اہل سنت میں شامل نہو۔
اب سائل سوال کرتا ہے کہ آیا دعوی بکر کا درست و بجا اور واجب الاعتقاد ہے یا حامد نے جو اسکی تردید
کی ہے قابل اعتقاد و قبول ہے اور نیز قول اہل حق منحصر کفر یزید و جواز لعن میں ہے یا اس میں اختلاف ہے
اور در صورت اختلاف قول کفر و لعن معتمد و قوی و اولی ہے یا قول توقف و عدم جزم کفر و لعن قوی و معتمد اور حوط
اور اقرب الی الانصاف ہے اور حوالہ کشاف وغیرہ کا جو بکر نے کیا صحیح ہے یا باطل اور حوالہ مجمع البحار
و رد المحتار و مرقاۃ و شرح فقہ اکبر و ضوء المعالی و شرح امام نودی و امام عینی وغیرہ کا جو حامد نے
کیا ہے رد کے لائق ہے یا اعتماد کے قابل **جواب** ہو المصوب اس بحث میں بکر کا قول صحیح نہیں ہے بلکہ
کتب معتبرہ کے مخالف ہے مسامرہ لابن الہمام اور اسکی شرح مسائرہ لابن ابی شریف میں موجود ہے
وظاہر قول الشافعی وابی حنیفۃ انہ لا یکفر احد منھم ای لا یحکم بکفر احد من المخالفین
فیما لیس من الاصول المعلومۃ من الدین ضرورۃ وھذا ھو المنقول عن جمھور
المتکلمین والفقہاء انتھی یعنے اور ظاہر قول امام شافعی اور امام ابی حنیفہ رحمہما اللہ
کا یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے گی یعنے اُن امور میں جو دین کے اصول معلومہ
سے نہیں ہیں مخالفین کو کافر نہ کہا جائیگا ضرورۃً اور یہی جمہور متکلمین و فقہا سے منقول ہے
اور یہی اس میں ہے قال تختلف فی اکفار یزید قیل نعم لما وقع منہ اجتراء علی الذریۃ

الطاهرة کالامر بقتل الحسین وما جری منه مما یلبو عن شناعة الطبع ویصم لذکرہ السمع وقیل لا اذ لم یثبت لنا عنه تلک الاسباب الموجبة للکفر وحقیقة الامر ای الطریقة الثابتة القویمة فی شانه التوقف فی شانه ورجع امرہ الی اللہ تعالیٰ انتھے یعنے یزید کو کافر کہنے میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک کہنا چاہیے کہ کیونکہ اُس سے ذریت طاہرہ پر جرائت صادر ہوئی ہے مثلاً قتل امام حسین علیہ السلام کا حکم اور وہ باتیں جنکا صادر ہونا اُس کی بدطینتی کی خبر دیتی ہیں اور کان اُنکا ذکر سننے سے بہرے ہوجاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک نہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ اُن اسباب موجب کفر کا باعث وہی تھا اور حقیقۃ الامر یعنی درست وراست طریقہ اُسکی شان میں توقف کرنا ہے اور اس کی حقیقت کاملہ اللہ تعالیٰ کیجانب لوٹ گئی ہے انتھی واللہ اعلم **سوال** اولیاء اللہ بیداری میں اس چشم ظاہری سے بلا تاویل اس دنیا میں خدا کو دیکھتے ہیں یا نہیں **جواب** صورت مرقومہ میں باتفاق اہل سنت وجماعت نہیں دیکھتے ہیں اور دیکھنے کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے منح ازہر سے لکھا جاتا ہے هل یجوز رویة اللہ تعالیٰ فی الدنیا بعین البصر اولیاء فقد جاء نی سوال واقعة الحال فی من ادعی ذلک فی بعض الاشخاص فکتبت الجواب بحسب ما ظهر لی وجه الصواب فهو اجماع الائمة من اهل السنة والجماعة علی ان رویة اللہ تعالیٰ بعین البصر جائزة فی الدنیا والاخری عقلا وثابتة فی العقبیٰ سمعًا ونقلا واختلفوا فی جوازها فی الدنیا شرعًا فاثبتها الاکثرون ونفاها آخرون ثم الذین اثبتوها خصوا وقوعها له صلعم لیلة الاسراء علی خلاف فی ذلک بین السلف والخلف من العلماء والاولیاء والصحیح انه صلعم انما رآی ربه تعالیٰ بفواده لا بعینه کذا فی شرح العقائد وغیرہ فان قال قائل بانی اری اللہ تعالیٰ فی الدنیا ان اراد به رویة فی المنام ففی جوازه خلاف مشهور بین الانام مع ان رویة المنامیة لا تکون بالحواسة البصریة بل التصورات المثالیة والتمثیلات الخیالیة وان اراد بها حال الیقظة فان قصد بها حذف المضاف واراد انه یری انوار صفاته ویشاهد آثار مصنوعاته فذا جائز بلا مریة واما من ادعی بهذا المعنی لنفسه من غیر تاویل فی المبنی فهو فی اعتقاد فاسد وزعم

کاسد و فی حضیض ضلال و تضلیل و فی مطعن و بیل و بعید عن سواء السبیل
فقد قال صاحب التعرف وھو کتاب لم یصنف مثلہ فی التصوف اطبق المشائخ
کلھم علی تضلیل من قال ذلک و تکذیب من ادعی ھنالک و صنفوا فی ذلک
کتبا و رسائل منھم ابو سعید الخراز و الجنید و صرحوا بان من قال ذلک المقال لم
یعرف اللہ الملک المتعال و اقرہ الشیخ علاء الدین القونوی فی شرحہ و قال ان صح
عن احد دعوی نحوہ فیمکن تاویلہ بان غلبۃ الاحوال یجعل الغائب کالشاھد
اذا کثر اشتغال الشئ بشئ و استحضارہ لہ یصیر کانہ حضر بین یدیہ انتھی و یوید
حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ و کذا حدیث عبد اللہ بن عمر و حال الطواف
کنا نترای اللہ و قال صاحب العوارف المعارف فی کتابہ اعلام الھدی و عقیدۃ
ارباب التقی ان رویۃ العیان متعذرۃ فی ھذہ الدار لانھا دار الفناء و الاخرۃ
ھی دار القرار فلقوم من العلماء نصیب من علم الیقین فی الدنیا و الاخرین
من اعلی منھم رتبۃ نصیب من عین الیقین کما قال قائل رأی قلبی ربی انتھی
والحاصل ان الامۃ قد اتفقت علی انہ تعالی لا یراہ احد فی الدنیا بعینہ
ولم یتنازعوا فی ذلک الا نبیاء صلی اللہ علیہ وسلم حال عروجہ علی ما صرح بہ
فی شرح عقیدۃ الطحاوی ثم ھذا ان قبل التاویل السابق فیھا و الا فان کان مصمما
علی مَقُولتہ و لم یرجع بالمنقول عَنْ معقولتہ یجب تعزیرہ و تشھیرہ بما یراہ الحاکم الشرع
وقال بعض رباب العقائد المنظومۃ من قال فی الدنیا یراہ بعینہ فذلک زندیق طغی و
تمرد و خالف اللہ و الرسول و زاغ عن الشرع الشریف قد قال ابن الصلاح و ابو شامۃ انہ
لا یصدق مدعی الرویۃ فی الدنیا حال الیقظۃ و منع منہ کلیم اللہ موسی علی نبینا و علیہ الصلوۃ
والسلام و اختلف بھذا المرام لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک المقام کیف تسمح لمن لم یصل
الی مقامہ انتھی کلامھما و قال الکوانشی فی سورۃ النجم معتقد رویۃ اللہ تعالی ھھنا بالعین لغیر
محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم و قال الاردبیلی فی کتابہ الانوار و لو قال انی اری اللہ
عیانا فی الدنیا کفر انتھی لکن الاقدام علی التکفیر بمجرد دعوی الرویۃ من اصعب الخطر

فان الخطاء فی افتاء الف کافر اھون من الخطاء فی افتاء مسلم فالصواب ما قدمناہ انہ ان انضم الی الدعوی ما یخرج عن عقیدۃ اھل النفی نحکم علیہ بانہ من اھل الضلالۃ والردی والسلام علی من اتبع الھدی انتھے ما فی منح الازھر شرح فقہ اکبر ملا علی قاری یعنی کیا خدا کا اس دنیا میں اولیاء اللہ کو آنکھوں سے دکھائی دینا جائز ہے میرے پاس حال کے ایک واقعہ کی نسبت سوال آیا کہ ایک شخص بعض اولیا کے لئے اِس کا دعویٰ کرتا ہے تو میں نے لکھا کہ جو صحیح طریقہ پر جواب مجھے ظاہر ہوا ہے سو وہ یہ ہے کہ ائمہ اہل سنت و جماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عقلاً خدا کا دنیا و آخرت میں آنکھوں سے دیکھنا جائز ہے اور نقلاً و سمعاً عقبے میں ثابت ہے اور دنیا میں شرعاً جائز ہونیکے متعلق اختلاف ہے تو اکثروں نے اسکو ثابت کیا ہے اور دوسروں نے اُسکو رد کیا ہے اور جنھوں نے ثابت کیا ہے اُنھوں نے اُسکے وقوع کو حضور کے ساتھ لیلۃ الاسراء میں خاص کیا ہے اور علما و اولیاء متقدمین و متاخرین میں اسبارہ میں اختلاف ہوگیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ حضورؐ نے پروردگارِ عالم کو دل سے دیکھا نہ کہ آنکھ سے ایسا ہی ہے شرح عقائد وغیرہ میں پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ میں خدائے تعالے کو دیکھتا ہوں اگر اُس سے خواب میں دیکھنا مراد لے تو اُسکے جواز میں اختلاف مشہور ہے اور خواب میں دیکھنا حاسۂ بصریہ سے نہیں ہوتا ہے بلکہ محض تصورات مثالیہ اور خیالی صورتیں ہوتی ہیں اور اگر اس سے مراد جاگنے کی حالت میں ہے تو اگر اُس سے مراد بحذف مضاف ہے اور مقصود یہ ہے کہ انوار صفات الٰہی اور آثار مصنوعات خداوندی کا معائنہ کرتا ہوں تو یہ بلا شک جائز ہے لیکن جس نے بغیر لفظ میں تاویل کیے اسکو اپنے لئے ثابت کیا تو اُس کا اعتقاد فاسد اور زعم باطل ہے اور وہ ضلالت اور تضلیل کے گڈھے اور بہت بڑے اعتراض کے موقع میں اور سیدھے راستے سے بہت دور ہے۔ تعرف میں ہے (تصوف کی ایک کتاب ہے جس کے مثل اس فن میں کوئی کتاب نہیں ہوئی) اُس کے مؤلف نے فرمایا ہے کہ تمام مشائخ نے اُس کی گمراہی پر جو یہ کہے اور اُس کے مدعی کے جھوٹے ہونے پر اجماع کیا ہے اور اس میں انھوں نے بہت سے رسالے اور کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں سے (یعنی مصنفین اور مشائخین سے) ابو سعید خراز اور جنید ہیں اور اُنھوں نے کہا ہے کہ جس نے یہ کہا اُس نے خدائے برتر کو نہیں پہچانا اور شیخ علاء الدین قونوی نے اپنی شرح میں اسکا اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کسی سے اس قسم کی بات کا دعویٰ صحیح ہو تو اُس کی تاویل اس طرح ممکن ہے کہ غلبۂ احوال غائب

کو حاضر کے مثل کر دیتا ہے جب کسی چیز کا کسی چیز کیساتھ شغل اور حضور بڑھ جاتا ہے تو ایسا ہی معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ شے حاضر ہے انتہی اور اس کی تائید حدیث (خدا کی عبادت کرو گویا کہ تم اسکو دیکھتے ہو) سے بھی ہوتی ہے اور ایسے ہی عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث سے بھی کہ ہم حالت طواف میں خدا کو دیکھتے تھے اور صاحب عوارف معارف نے اپنی کتاب اعلام الہدیٰ وعقیدۃ ارباب التقی میں بیان کیا ہے کہ اس دنیا میں آنکھ سے دیکھنا دشوار ہے کیونکہ یہ فنا کا جہان ہے اور آخرت دار قرار ہے پس بعضے علما کو دنیا میں علم الیقین کا اور دوسروں کو جو ان سے مرتبے میں اعلیٰ ہیں عین الیقین کا حصہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے میرے قلب نے میرے پروردگار کو دیکھا اور حاصل یہ ہے کہ اُمت اس بات پر متفق ہے کہ باری تعالیٰ کو آنکھ سے دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور اس میں معراج نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کے متعلق تنازع نہیں ہوا ہے جیسا کہ اسکی تصریح شرح عقیدہ طحاوی میں ہے پھر یہ اگر تاویل سابق کو قبول کرلے تو خیر ورنہ اگر اپنے قول پر قائم رہے اور اپنے عقلی منصوبہ سے منقول کی وجہ سے رجوع نہ کرے تو حاکم شرع پر واجب ہے کہ اُسکو جیسا مناسب سمجھے سزا دے اور مشہور کرے اور بعض ارباب عقائد نے کہا ہے کہ جو کہے کہ خدا کو وہ دنیا میں اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے وہ زندیق گمراہ ملحد اور مخالف خدا و رسول کا اور شرع شریف سے پھرا ہوا ہے ابن صلاح اور ابو شامہ نے کہا ہے کہ دنیا میں جاگنے کی حالت میں دیدار خدا کے مدعی کی تصدیق نہ کی جائے اور موسیٰ کلیم اللہ اس سے روکے گئے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اس بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے تو پھر کسی ایسے کے متعلق یہ امر کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے جو اُن کے مراتب تک نہ پہونچا ہو۔ کواشی نے سورۂ نجم میں کہا ہے اور دنیا میں آنکھوں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ خدا کی رویت غیر مسلم ہے انوار میں اردبیلی نے کہا ہے اگر کوئی کہے کہ میں دنیا میں خدا کو آنکھ سے دیکھتا ہوں تو وہ کافر ہے مگر محض دعویٰ رویت سے تکفیر کا حکم سخت ترین خطرہ کی بات ہے کیونکہ ایک ہزار کافروں کے متعلق فتویٰ میں غلطی کرنا ایک مسلمان کے بارے میں غلطی کرنے سے بدرجہا گھٹ کر ہے بس صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا یعنے اگر دعویٰ کے ساتھ وہ امور ملائے جو اہل تقویٰ کے عقیدے سے خارج ہیں تو اُسپر حکم کیا جائیگا کہ وہ اہل ضلالت وہلاکت میں سے ہے اور سلامتی ہو اسپر جو ہدایت کی اتباع کرے منح الروض شرح فقہ اکبر میں جو کچھ تھا وہ ختم ہوا اور اظہر من الشمس ہے کہ جب موسیٰ

علیہ السلام کو لن ترانی کا خطاب ہوا تو اُمت کے افراد کیونکر اس مرتبہ کو پہونچ سکتے ہیں کسی کہنے والے نے کیا اچھا کہا ہے۔ جلوۂ الٰہی کا بوجھ اُٹھانے میں پہاڑ اور چیونٹی دونوں کی کمر کی طاقت ایک ہے
اور وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الی ربہا ناظرہ (یعنے مومنین کے بہت سے چہرے قیامت کے دن خوش
اور تروتازہ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہونگے) سے آخرت یعنی جنّت میں دیدار کا ہونا ثابت
ہوتا ہے نہ دنیا میں کیونکہ دنیوی حواس اور قویٰ نہایت کمزوری کے باعث فنا کے میدان میں ہیں
لہٰذا ان ذرائع سے دیدار الٰہی دنیا میں دشوار ہے برخلاف اُخروی حواس وقویٰ کے جو آخرت کے بقا سے
باقی رہنے والے ہیں اُن کو خدا تعالےٰ کے عطا فرمانے سے دیدار خداوندی کی طاقت ہوگی اور حدیث
ستروں ربکم یوم القیمۃ یعنے قریب ہے کہ تم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھو گے صحابہ کے خطاب میں وارد ہے
جن کے اندر خلفاء راشدین بھی داخل ہیں اور ستروں ربکم یوم القیمۃ کما ترونہ فی الدنیا
قریب ہے کہ تم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھو گے جیسا کہ دنیا میں دیکھتے ہو) نہیں فرمایا پس آیت
اور حدیث دونوں سے معلوم ہوا کہ دنیا دیدار الٰہی کا مقام نہیں ہے یہیں سے علمائے اہلسنت نے اس
بات پر اتفاق کیا ہے کہ دنیا میں چشم ظاہری سے کوئی اُمتی جاگنے کی حالت میں اللہ کو نہیں دیکھتا
اور نہ دیکھے گا اور دیکھنے کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے تقییدھا بالقیمۃ اشارۃ الی ان الرویۃ فی
الاٰخرۃ دون الدنیا کذا فی فتح الباری والکرمانی والعینی شروح البخاری یعنے رویت کو قیامت
کے ساتھ مقید کرنا اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ رویت آخرت ہی میں ہوگی نہ دنیا میں ایسا ہی
فتح الباری اور کرمانی اور عینی شروح بخاری میں ہے۔ اور بخاری کی حدیث صحیح کا ایک ٹکڑا جو ابوموسیٰ
اشعری سے مروی ہے یہ ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے وما بین القوم
وبین ان ینظروا الی ربھم الا رداء الکبریاء علی وجھہ فی جنۃ عدن ای جنۃ اقامۃ وھو
ظرف للقوم لا للہ تعالیٰ وقولہ فی لجنۃ متعلق بمعنے الاستقرار فی الظرف فیفید المفہوم
انتفاء ھذا الحصر فی غیر الجنۃ والیہ اشار الشیخ التوربشتی بقولہ یرید ان المومن اذا
تبوأ مقعدہ فی الجنۃ تبوأ والحجب مرتفعۃ والموانع التی تحجبہ عن النظر الی ربہ مضمحلۃ
الا ما یصدھم من ھیبۃ الجلال وسبحات الجمال واردیۃ الکبریاء فلا یرتفع ذلک
منھم الا برافتہ ورحمتہ تفضلا منہ علی عبادہ قال الحافظ ابن حجر وحاصلہ ان رداء الکبریاء مانع الرویۃ

فکان فی الکلام حذفا تقدیرہ بعد قولہ الا رداء الکبریاء فانہ یمن علیھم برفعہ فیحصل لھم الفوز بالنظر الیہ فکان المراد ان المومنین اذا تبوؤا مقاعدھم من الجنۃ لولا ما عندھم من ہیبۃ الجلال لما حال بینھم وبین الرویۃ حائل فاذا اراد اکرامھم خصھم برافۃ وتفضل علیھم بتقویتھم علی النظر الیہ سبحانہ وتعالیٰ انتھی ما فی ارشاد الساری مختصرا وقال النووی اعلم ان مذھب اھل السنۃ قاطبۃ ان رویۃ اللہ تعالیٰ ممکنۃ غیر مستحیلۃ واجمعوا ایضا علی وقوعھا فی الاخرۃ نقلا ورویۃ اللہ تعالیٰ فی الدنیا ممکنۃ لکن الجمھور من السلف والخلف من المتکلمین وغیرھم انھا لا یقع فی الدنیا انتھی ما فی المرقات مختصراً۔ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب

فقط یعنے اور نہیں ہے درمیان قوم کے اور درمیان خدا کے دیکھنے کے مگر کبریا کی چادر جو اُسکے چہرے پر ہے جنت عدن یعنی جنت اقامت میں اور یہ قوم کا ظرف ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا اور فی الجنۃ معنی مستقر کے متعلق ہے جو ظرف میں پائے جاتے ہیں پس اس کلام کا مفہوم جنت کے علاوہ میں حصر نہونے کا فائدہ دیتا ہے اور اسی کی جانب شیخ تورپشتی نے اپنے اس کلام میں اشارہ کیا ہے کہ اس کلام سے مراد یہ ہے کہ مومن جب جنت میں اپنی جگہ پائے گا تو حجاب اُٹھ جائینگے اور موانع جو خدا کی جانب دیکھنے سے روکتے ہیں مضمحل ہو جائینگے سوائے ہیبت جلال و مشاہد جمال و ردا کبریا کے پس یہ اُن سے محض خدا کی رحمت اور نرمی سے بندوں پر فضل کرکے اُٹھائے جائیں گے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے ردای کبریا، مانع رویت ہے تو اس کلام میں حذف ہے جو الا رداء الکبریاء کے بعد مقدر ہے وہ یہ کہ پس خدا اپنے بندوں پر رفع حجاب کا احسان کریگا اور بندوں کو خدا کے جانب دیکھنے کے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی پس مراد یہ ہے کہ مومنین جب جنت میں اپنی جگہوں کو پائیں گے اگر اُنپر ہیبت جلال نہ طاری ہو جائے تو اُن میں اور رویت میں کچھ حائل نہیں ہے پس جب خدا اُنکی بزرگی چاہتا ہے تو اُنکو اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے اور اُنپر اپنے جانب دیکھنے کی قوت دیکر فضل کرتا ہے نووی نے کہا ہے کہ تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رویت باری تعالیٰ ممکن ہے محال نہیں ہے اور آخرت میں نقلا اسکے وقوع پر بھی اجماع ہے اور دنیا میں خدا کی رویت ممکن ہے لیکن جمہور متکلمین متاخرین و متقدمین اس پر متفق ہیں کہ رویت دنیا میں نہوگی۔ واللہ اعلم۔ سئل منصور علی احمد حنفی دہلوی و سید مولوی نذیر حسین از شرف سید کونین شد شریف حسین۔ اللہ کی رویت آنکھ سے دنیا میں جاگتے سوتے شرعاً جائز نہیں ہے

جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار اور فرمایا ہے قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی واللہ اعلم سید احمد حسین عفی عنہ ہست بر برہان محمد محمد شاہ حنفی مؤلف مدار الحق محمد عبد المجید محمد حبیب اللہ خادم شریعت رسول الثقلین محمد لطف حسین ۱۲۸۰ھ ھو المصوب رویت باری اس دنیا میں چشم ظاہری سے حالت بیداری میں بلا تاویل کے سوا حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا اور جو اس کا دعویٰ کرے جھوٹا ہے عبدالوہاب شعرانی کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں فان قیل فہل وقعت رویۃ اللہ یقظۃ فی الدنیا لاحد غیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فالجواب کما قالہ الشیخ عبدالقادر الجیلی لم یبلغنا وقوع ذلک فی الدنیا لاحد غیر رسول اللہ فقیل لہ ان فلانا یزعم انہ یری اللہ بعینی راسہ فارسل الشیخ خلفہ وقال لہ احق ما یقول ھولاء عنک فقال نعم فانتہرہ الشیخ وزجرہ وخذ علیہ العہد ان لا یعود الیہ انتہی یعنے اگر کہا جائے کہ کیا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کو دنیا میں جاگتے ہوئے رویت باری تعالیٰ ہوئی ہے تو اسکا جواب یہ ہے جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلی رح نے کہا ہے کہ ہمکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کے لئے دنیا میں اُس کے وقوع کی خبر نہیں ہے بس اُن سے کہا گیا کہ فلاں شخص گمان کرتا ہے کہ اُس نے خدا کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے تو شیخ نے اُس شخص کو اُسکے پاس بھیجا اور اُس سے کہا کہ تمھارے متعلق جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں صحیح ہے اُنھوں نے کہا ہاں آپ نے اُنکو بہت ڈانٹا اور خفا ہوے اور اُن سے عہد لیا کہ آیندہ اس بات کی طرف عود نہ کریں اور بھی لکھتے ہیں اما رویۃ الحق فی الیقظۃ لغیر نبینا فمنعہا جمہور العلماء واستدلوا لذلک بقولہ تعالیٰ لا تدرکہ الابصار وبقولہ لموسی لن ترانی وبقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یری احد کم ربہ حتی یموت رواہ مسلم فی کتاب الفتن اما نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فقد اختلف الصحابۃ فی وقوع الرویۃ لہ لیلۃ المعراج قال الجلال المحلی الصحیح نعم انتہے یعنے خدا کو جاگتے میں دیکھنے کو غیر نبی صلے اللہ علیہ وآلہ کے لیے جمہور علما نے منع فرمایا ہے اور اسپر خدا کے قول لاتدرکہ الابصار (کوئی آنکھ اللہ کو نہیں دیکھ سکتی) اور حضرت موسیٰ سے خطاب لن ترانی (مجھکو تم نہیں دیکھ سکتے) اور رسول صلعم کے قول لن یری احد کم ربہ حتی یموت (نہیں دیکھ سکتا تم میں سے کوئی اپنے پروردگار کو یہانتک کہ مرجائے) سے استدلال لائے ہیں اس حدیث کو

مسلم نے کتاب الفتن میں روایت کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج میں رویت ہونے کے متعلق صحابہ نے اختلاف کیا ہو جلال محلی نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ آپ کو رویت ہوئی تھی۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سوال شہر بیکانیر میں ایک گروہ ظاہر ہوا ہے جو کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین نہ تھے آپ آسمان پر سے بھیجے گئے تھے اور یہ گروہ اُس شخص سے جو بیان میلاد شریف کرتا ہے احتراز کرتا ہے اور کہتا ہو کہ اس بیان میلاد سے حضور کی عزت کی ہتک ہوتی ہو اگر حدیث پیش کی جاتی ہو تو نہیں مانتا اور کہتا ہے سورۂ اخلاص خدا اور رسول دونوں کی ہے جسطرح خدا ایک ہے اور خورد و نوش سے پاک ہو اور اس سے کوئی جنا نہیں گیا نہ وہ کسی سے جنا گیا اسی طرح یہ تمام صفتیں رسول خدا کے لیے بھی ہیں پس اس قول کی وجہ سے یہ جدید گروہ امامین اور خاتون جنت اور اہل بیت وغیرہم کا منکر ہے ایسے گروہ کے لیے تکفیر اور بد دینی ثابت ہے یا نہیں مہر ول اور دستخطوں سے مزین کرکے بھیجا جائے ان پڑھ مسلمانوں کو اس بلا سے نجات بخشیں بینوا توجروا

جواب حدیث انا سید ولد آدم (میں اولاد آدم کا سردار ہوں) سے آپ کا بشر ہونا ثابت ہے اور آیہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی الخ (کہہ تو میں مثل تمھارے بشر ہوں وحی آتی ہو میرے پاس) اس کا موید ہے اور کھانا پینا چلنا آپ کا قرآن سے ثابت ہے احادیث اسکے موید ہیں مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین میں ہے وعن العباس انہ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانہ سمع شیئًا فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فریقین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا یعنے حضرت ابن عباس سے روایت ہو کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوے پس گویا انھوں نے کچھ سنا پس آپ ممبر پر کھڑے ہوے اور پوچھا آپ نے میں کون ہوں لوگوں نے کہا آپ خدا کے رسول ہیں آپ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ نے خلق کو پیدا کیا اور مجھکو اُنہیں کے اچھوں میں کیا اور اُن میں دو گروہ کیے اور مجھے اُنہیں کے اچھے گروہ میں کیا پھر انکے قبائل کیے اور مجکو اچھے قبیلے میں کیا

پھر اُن کے مختلف گھرانے کیے اور مجھکو اچھے گھرانے میں کیا پس میں ذات اور گھرانے کے اعتبار سے سب سے اچھا ہوں دوسری اور کئی حدیثیں اس باب میں مثبت بشریت و ولادت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جابجا کتب احادیث و تفسیر میں موجود ہیں اور خود حضور کا اقرار فرمانا کہ میں عادل بادشاہ نوشیرواں کے زمانے میں پیدا ہوا اور مشکوٰۃ کی کتاب الصوم میں یہ حدیث موجود ہے کہ میں پیر کے دن پیدا ہوا اور پیر ہی کے دن نبی بنایا گیا کافی دلیل ہے اور اکل و شرب آپ کا آیات و اخبار سے بہت پوری طرح ظاہر ہے اُس کے لئے حاجت دلیل نہیں اور سورۂ اخلاص محض وحدانیت باری تعالیٰ کے اثبات کے لئے نازل ہوئی ہے بلاشبہ احدیت اور صمدیت اور لم یلد ولم یولد ہونیکی صفت سوائے ذات باری تعالےٰ کے اور کسی پر صادق نہیں آتی اور نہ کسی مفسر نے یہ تاویل اس کی کہیں لکھی اور آنحضرتؐ کا کفو ہونا ایک قبیلہ بلکہ بہت سے قبائل قریش سے حسبًا ونسبًا ظاہر ہے اور حضور کے تولد کے باب میں اور بھی ہزاروں حدیثیں موجود ہیں چنانچہ جواب عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے یعنے حضرت عباس نے پوچھا یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا اور آپ اُن دنوں میں چہل روزہ تھے آپ نے فرمایا مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا اُسکی تکلیف سے مجھے رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا حضرت عباس نے عرض کیا آپ اُن دنوں میں چہل روزہ تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا فرمایا کہ لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا حالانکہ میں شکم مادر میں تھا اور زیر عرش فرشتوں کی تسبیح سنتا تھا حالانکہ میں شکم مادر میں تھا پس آپ کا شکم مادر میں رہنا اور پیدا ہونا مسلم الثبوت ہے آپ بے شبہ عبداللہ کے بیٹے اور بی بی آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں اور بی بی آمنہ کا حاملہ ہونا اور حضرت عبداللہ سے اُنکا نکاح ہونا اور نوح و ابراہیمؑ وغیرہ انبیاؑ کا بی بی آمنہ کو بشارت حمل دینا صراحۃً ثابت ہے اور آپ کا فرمانا کہ میرے اجداد میں کوئی بے نکاح نہیں ہوا میں اصلاب طاہرہ سے ارحام طیبہ میں نقل کرتا ہوا عبداللہ اور آمنہ تک آیا ہوں اور بعد منتقل ہونے عبداللہ کے یتیم ابوطالب قریشیوں میں کہلانا اور ارشاد باری تعالیٰ کا کہ الم یجدک یتیما فاوی (کیا نہیں پایا میں نے تجھکو یتیم پس جگہ دی) قرآن میں نازل ہونا اور حدیث رضاعت وغیرہ سے ثبوت پر ثبوت ہے بیشک منکران دلائل اور براہین بینہ اور نصوص متواترۂ قطعیہ کا اور محرف مضمون آیات قرآنی کا کافر مطلق ہے اس میں کچھ شک نہیں چنانچہ

مشکوٰۃ میں ہے من فسر القرآن برأیہ فقد کفر جسنے قرآن کی تفسیر اپنی راے سے کی وہ کافر ہو گیا فقط جواب صحیح ہے محمد حسین عفی عنہ۔ جواب صحیح ہے عبد اللہ عفی عنہ۔ واقعی ان کے حق میں تکفیر ثابت ہوتی ہے حررہ ابو الاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ اُس فرقہ کے کفر میں دعوی ولادت نبویہ کا منکر ہو کہ متواترات وقطعیات سے ہے اور سورۂ اخلاص کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں سمجھے کوئی شبہہ نہیں ہے واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی اس گروہ کا قول قرآن وحدیث کے خلاف ہے بلکہ اس کلام سے اُن کا کفر ثابت ہے محمد جمال الدین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین سے پیدا ہونے کا فتوی ٹھیک ہے عبد العلی عرف علی اصغر لاریب فیہ سید علی شاہ۔ اس گروہ پر خدا تعالے کا قول غضب اللہ علیہم وسخط اللہ علیہم صادق ہے حاجی حقیر سید احمد شاہ عرف مولوی سید پیر علی شاہ پیرزادہ

سوال کیا گاؤکشی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا اگر کوئی شخص ذبح کی اباحت کا معتقد ہو مگر کوئی گاے اُس نے ذبح نہ کی ہو یا گاے کا گوشت نہ کھایا ہو ہر چند کہ اُسکے کھانے کو جائز جانتا ہو تو اُس کے اسلام میں کچھ فرق نہ آئیگا اور وہ کامل مسلمان رہیگا گاؤکشی کوئی واجب فعل ہے کہ جسکا تارک گنہگار ہوتا ہے یا اگر کوئی شخص گاؤکشی نکرے صرف اباحت ذبح کا دل سے معتقد ہو تو وہ گنہگار ہوگا جہاں بلا وجہ اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ وفساد ہوا ور موریث ضرر اہل اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہو اور اہل اسلام کی عملداری بھی نہو تو وہاں بلا وجہ اگر اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے یا کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصد فتنہ وفساد اُٹھانے کے ارتکاب اس فعل کا واجب ہے **جواب** ہو المصوب گاؤکشی واجب نہیں تارک اسکا گنہگار نہوگا اور جو شخص معتقد اباحت ہو اور اُسکا گوشت نہ کھاتا ہو اور ذبح نہ کرتا ہو اُسکے اسلام میں فرق نہ آئیگا ہاں جو گاے کو معظم سمجھکر ذبح نہ کرتا ہو یا اُسکے ذبح کو بُرا سمجھتا ہو اُسکے اسلام میں فتور ہوگا اور بقصد فتنہ اُٹھانیکے گاؤکشی نہ چاہیئے بلکہ ایسے مقام پر جہاں فتنہ کا ظن غالب ہے باوجود سلامت اعتقاد کے احتراز اولی ہے واللہ اعلم حررہ راجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال ان اشعار میں کیا حکم ہے۔ داستانِ پسر ہند مگر نشنیدی، کہ ازو وزسہ تن او بہ پیمبر چہ رسید۔ پدر او در دندانِ پیمبر بشکست۔ مادر او جگرِ عم پیمبر بمکید۔ او بنا حق حقِ داماد پیمبر بگرفت۔ پسر او سر فرزند پیمبر ببرید۔ برچنیں قوم تو لعنت نہ کنی شرمت باد۔ لعن اللہ یزید او علی قوم یزید۔ امور تنقیح طلب

مرسلہ مولوی محمد فضل صاحب از ... ۱۳۱۲ھ

مرسلہ ... ۱۳۱۲ھ سوال ...

پسر ہند کس صحابی سے مراد ہے انکا اسم شریف کیا تھا صحابی موصوف سے کیا سوء ادبی سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں واقع ہوئی تھی صحابی موصوف کے سرتن سے اُن کے کون کون اعزا مراد ہیں اور اُن کے کیا نام ہیں صحابی موصوف کے والد نے دندانِ مبارک کو شہید کیا تھا یا نہیں اور انکا کیا نام تھا۔ صحابی موصوف کی والدہ نے عم رسُول کے ساتھ کیا کیا تھا اور اُن کا نام کیا تھا۔ صحابی موصوف نے کیونکر داماد پیمبر یعنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق غصب کیا تھا اور اس معاملے کی کیا تفصیل ہے۔ صحابی موصوف کا بیٹا جس نے قرۃ العین فرزند رسُول کو شہید کیا تھا کون ہے یزید سے مراد ہے یا اور کسی سے لفظ چنیں قوم سے کون مراد ہے سُنی یا خارجی قوم یزید سے کون مراد ہے سُنی یا خارجی اہلسنت وجماعت کو ان اشعار کا پڑھنا درست ہے یا نہیں اگر درست نہیں اور اتفاقاً جہاں یہ اشعار لکھے ہوں وہاں نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہیئے کیا کچھ کفارہ دینا چاہیئے اگر چاہیئے تو اُسکی تصریح فرمائیں بینوا بہذا الکتاب توجروا یوم الحساب **جواب ہو المصوب** اہل سنت کو ان اشعار کا کہ ہمہ تن مشتمل ہیں ہجو صحابہ پر پڑھنا درست نہیں اور اگر اتفاقاً بوجہ مطلب نہ معلوم ہونے کے پڑھ لیا یا دیکھ لیا تو کچھ گناہ یا کفارہ لازم نہ آئیگا مگر مطلب معلوم ہونے کے بعد پڑھنا حرام ہے پسر ہند سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں اُن کی والدہ کا نام ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھا فتح مکہ کے زمانے تک وہ اور اُن کے شوہر ابوسفیان حضرت معاویہؓ کے والد کافر تھے فتح مکہ کے سال میں کہ سنہ آٹھ ہجری تھا دونوں مشرف باسلام ہوے اور حضرت معاویہؓ بھی اُسی وقت اسلام لائے غزوۂ اُحد کیونکہ سنہ تین ہجری میں ہوا تھا ابوسفیان اور اُن کی بی بی دونوں کفار کے لشکر میں آئے تھے اُسی غزوہ میں دندان مبارک شہید ہوے تھے بعض کہتے ہیں کہ ابوسفیان نے شہید کیا تھا اور بعضے لکھتے ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے شہید کیا تھا جو کافر ہی مرگیا اور اسلام اُسکو نصیب نہ ہوا اور یہی صحیح ہے اور جس نے ابوسفیان کو لکھا اُسے شبہہ پڑا کہ عتبہ کی والدہ کا نام ہندہ بنت وہب بن الحارث بن زہرہ تھا پس چونکہ ابوسفیان کی بی بی اور عتبہ کی ماں کا نام ایک ہی تھا اسلیے اُس نے اس حرکت کو ابوسفیان کی طرف منسوب کردیا یہی مراد ہے اُس شاعر خبیث کی مصرع پدر او دُر دندان پیمبر بشکست سے اور جس وقت غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہؓ عم رسُول اللہ شہید ہوے تو سفیان کی بی بی ہندہ نے شدت عداوت

کی وجہ سے اُن کے جسد مقدس کو چاک کر کے اُن کا جگر نکال کے چوسا یہی مراد ہے ۔ مادر او جگر عم پیمبر بکبید ۔ سے اور معاویہ نے باب خلافت میں جو حضرت علیؓ سے مقاتلے کیے اور یہانتک نوبت پہونچی کہ شہادت حضرت مرتضیٰ کے بعد امام حسنؓ نے مصالحہ کر لیا اور خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی اسکی طرف خبیث نے جملہ ۔ او بناحق حق داماد پیمبر بگرفت ۔ سے اشارہ کیا ہے اور یزید بن معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں جو کچھ قبائح کیے اُسکی طرف اس مصرع ۔ پسر او سر فرزند پیمبر برید ۔ میں اشارہ ہوا اور مراد چنین قوم سے یزید اور اُسکے نانا اور دادا ہیں اہل سنت کے نزدیک قبائح یزید تو البتہ قابل ملامت ہیں باقی قبائح ابوسفیان اور ہندہ کے اُن کے اسلام سے محو ہوگئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقاتلے بھی خطا فی الاجتہاد پر محمول ہیں ان تینوں حضرات صحابہ کو بُرا کہنا درست نہیں تفصیل ان سب امور کی کتب علم کلام اور کتب اخبار صحابہ میں مذکور ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** نبی یا صدیق یا شہید یا ولی یا صالح کا بعد موت یا قبل موت کسی کے سر پر آنا اور اُس کی زبان پر بولنا اور اُسکی مدد کرنا اسی طرح کسی فرشتہ یا جن صالح کا آکر بولنا اور مدد کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں اور دوسری صورت میں اگر یہ امر تجربہ سے ثابت ہو تو اُسکا عقیدہ رکھنا مضر ہے یا نہیں اور اُسکے تجربہ کا کوئی صحیح طریقہ ہے یا نہیں **جواب** ثابت نہیں ایسے امور کا قائل واہی اُسکا قول قابل سماعت نہیں البتہ شیاطین اور جن ایسے کام کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورۂ بقر میں ہے الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس الآیۃ یعنے سود کھانے والے قبروں سے نہ کھڑے ہونگے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسکو شیطان آسیب کی وجہ سے باولا کرتا ہے واللہ اعلم حررہ سید شریف حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین ھو المصوب جن کا سر پر آنا شرعاً اچھی طرح ثابت ہے اور یہ شیاطین جن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ صلحاے جن سے بھی کسی وجہ خاص سے ایسے امور ہوا کرتے ہیں جیسا کہ معاینہ آکام المرجان فی احکام الجان ولفظ المرجان فی اخبار الجان سے واضح ہوتا ہے باقی سر پر آنا کسی نبی یا صدیق یا شہید یا ولی کا اگرچہ فی نفسہ ممکن ہے مگر تصدیق اُسکے وقوع کی مورد اشتباہ ہے اس باب میں شاہ عبد العزیز دہلویؒ کی فارسی تحریر بہت کافی ہے اُسکا ترجمہ یہ ہے ایسا تصرف بعضے مخلوقات میں کہ ملائکہ اور جن ہیں مشہور اور عادی ہے اور بعض دوسرے مخلوقات میں کہ ارواح بنی آدم

بعد موت نبی و ولی یا شہید کا کسی کے سر پر آنا اور مدد کرنا ثابت ہے یا نہیں

ہیں خلاف عادت ہے اور اولیا کے قصوں میں ایسی باتیں بہت منقول ہیں اور خود حضرت شیخ اکبر نے بھی اس باب میں بہت کچھ بیان کیا ہے اور ارواح بنی آدم کی ارواح جنات کے ساتھ مشارکت جیسے شیخ سدو اس امر میں کوئی اعتراض پیدا نہیں کرتا اسلئے کہ مختلف شکل وصورت میں ہوجانا ملائکہ اور شیاطین میں ثابت ہے اور اولیا سے بھی بہت منقول ہے چنانچہ قصہ چہل غزل سید علی ہمدانی وغیرہ بھی اسی باب سے ہے اور ذرا بھی نقصان اور قدح ملائکہ و اولیا کا سبب نہیں ہوتا اور اگر شیاطین کو اپنے نشاط کی وجہ سے اتنی مشابہت ملائکہ اور اولیا کے ساتھ حاصل ہو تو کچھ حرج نہیں ہے اس لئے کہ ہر جنس کے نیک اور بد آپس میں بہت سی باتوں میں شریک ہوتے ہیں فرق اتنا ہے کہ شیاطین مثل شیخ سدو وغیرہ بنی آدم کو بہکا کے اپنی نذر منوا کر اپنا خدا ہونا جتلاتے ہیں اور پاک روحیں کسی علم کے القا کرنے کے لئے یا کسی اچھی کیفیت کے پیدا کرنے کے لئے روح میں قابلیت پیدا کرتی ہیں اور زیادہ فرق نیکوں اور بدوں میں ملکہ صالحہ اور خبیثہ کے قصد اور نیتوں سے ہوتا ہے اور پاک روحوں کے اس عمل کی شیخ سدو وغیرہ شیاطین کے عمل سے مشابہت اور کسی ایک کے عمل کا دوسرے کے عمل کے ساتھ مشابہ ہوجانا صوفیہ کے نزدیک مستبعد نہیں ہے لیکن علمائے ظاہر اس قسم کو تلبیسات شیاطین و جن پر محمول کرتے ہیں کیونکہ اُن کے لیے ایسا تصرف باجماع ثابت ہے پس کبھی کسی روح میں تصرف کرتے ہیں اور کبھی بزرگوں کے ناموں میں سے کوئی ایک نام لے لیتے ہیں تاکہ لوگ انکار نہ کریں اور تعظیم کے ساتھ پیش آئیں اور ان کی بات بغور سنیں اور تصوف وغیرہ کے مسائل کا جاننا شیاطین اور جن کے لیے آسان ہے البتہ بعض شیاطین ایسے تصرف سے صریح اغوا کا قصد کرتے ہیں اور اچھے لوگوں کے سامنے اُن کا مکر نہیں چلتا اور بعضے تعلیم و ارشاد کے پردے میں دھوکا دیکر اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور ایسا دھوکا ہے کہ عام لوگوں کی طرح خواص بھی اس فریب میں آجاتے ہیں اور زمانۂ جاہلیت میں شیاطین اکثر اسی طرح آتے تھے چنانچہ مثلاً شق اور سطیح اور دوسرے کاہنوں پر اُس زمانے میں بطریق تواتر ثابت ہے انکار نہیں ہوسکتا اور علمائے ظاہر اس دعوے پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر ارواح طیبہ سے بھی ایسا ہی تصرف واقع ہوتا جیسا شیاطین سے واقع ہوتا ہے تو بڑا زبردست دھوکا ہوتا اور بڑا قوی مکر پھیلتا اور اولیا سے جو قصے منقول ہوئے ہیں جیسا کہ نفحات میں اوحد الدین کرمانی کے واقعہ میں ہے اور ایسے ہی فتوحات میں وہ سب زندہ ولیوں کے قصے ہیں کہ کسی زندہ کی روح میں تصرف کرکے

اُسکو بیکار محض کر کے اُسکی زبان سے خود باتیں کی ہیں اور اُس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ زندگی میں
اگر کوئی شخص زندوں کی روحوں سے بروز روحی کا ادعا کرے اور کوئی فعل یا کام اُس سے
صادر ہو تو اُس زندہ کی طرف رجوع کر کے شبہہ کو حل کر سکتا ہے بخلاف اُن روحوں کے جو عالم
برزخ میں ہیں یا فرشتے اور صوفیہ ارواح اولیا کا کسی میں آنا چاہے وہ ولی زندہ ہو یا مردہ ممکن
جانتے ہیں اور اس دلیل مذکور کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جو دھوکا جلد دور ہونیوالا ہو اُس کا کچھ ڈر
نہیں چنانچہ اس دھوکہ کا حدیث و قرآن اور احکام شریعت کی طرف رجوع کرتے ہی اُٹھ جانا ممکن ہے
اور کہتے ہیں کہ اگر اس شخص کے اقوال و افعال شرع کے موافق ہوں تو روح پاک ہے ورنہ خبیث بالجملہ
اچھا طریقہ یہ ہے کہ تصوف کے قاعدے پر امکان کا انکار نہ کرنا چاہیے اور وقوع کو جو اشتباہ کے محل
میں ہے تسلیم نہ کر لینا چاہیے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ
الجلی والخفی واللہ اعلم **سوال** ایک شخص جو مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متحقق و موجود عالم میں کہتا ہے
یہ شخص صحیح العقیدہ ہے یا فاسد العقیدہ اور شخص مذکورۂ بالا کافر ہے یا فاسق و عاصی **جواب**
اگر مراد اثبات مماثلت نبوی سے مماثلت جمیع صفات نبویہ ہیں حتی کہ صفت رسالت میں بھی ہے تو یہ
قول کفر ہے کیونکہ قرآن میں خاتم النبیین آپ کی صفت موجود ہے پس دوسرے نبی کا دعوی کرنا نص
قطعی کے مخالف ہے علامہ ابو شکور سلمی تمہید میں لکھتے ہیں اعلم ان الواجب علی کل عاقل
ان یعتقد ان محمدا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والان ھو رسول اللہ وکان خاتم الانبیا
ولا یجوز بعدہ ان یکون احد نبیا ومن ادعی النبوۃ فی زماننا یکون کافرا انتہے یعنے جاننا چاہیے کہ ہر
عاقل پر واجب ہے کہ اس بات کا اعتقاد رکھے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا کے رسول تھے اور اب بھی
ہیں اور خاتم الانبیا ہیں اُن کے بعد کوئی نبی ہونا جائز نہیں ہے اور جو ہمارے زمانے میں دعوی نبوت
کا کرے وہ کافر ہے اور اگر مراد مماثلت جمیع صفات کمالیہ محمدیہ میں سوائے نبوت کے ہے تو یہ قول
فسق اور مخالف جملہ اہل سنت کے ہے جمہور علما شرقا و غربا اس امر کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس طرح
ذات محمدی مجمع کمالات ظاہری و باطنی ہے کوئی مخلوق نہیں ہے تمہید میں ہے یجب الاعتقاد بان
محمدا اعلم الخلائق و افضلھم خلافا للروافض انتہے یعنے اس بات کا اعتقاد واجب ہے کہ حضور
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمیع مخلوقات میں سب سے زائد جاننے والے اور سب سے افضل تھے

رسول خدا کی مثل ہونے والے کے متعلق استفتا

رافضی کا اس میں اختلاف ہی، اور حدیث صحیح میں وارد ہی انا سید ولد آدم ولا فخر یعنے میں اولاد
آدم کا سردار ہوں اور مجھے کچھ فخر نہیں۔ اور دوسری حدیث میں وارد ہی انا اکرم الاولین والاخرین
یعنے میں اگلے پچھلوں سب سے بزرگ ہوں۔ اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں روایت کی ہی ان امنۃ اتاھا
آت بعد ستۃ اشہر من حملہا وقال یا امنۃ قد حملت بخیر العالمین فاذا وضعتہ فسمیہ محمدا
یعنے جب حمل کے چھ مہینہ گذر گئے تو حضرت آمنہ کے پاس ایک آنے والا آیا اور کہا کہ اے آمنہ تم حاملہ
ہوئی ہو خیر العالمین کی پس جب انکو جنو تو اُن کا نام محمد رکھنا۔ اور علامہ ابن حجر مکی نعمۃ کبریٰ
میں لکھتے ہیں روی الحافظ ابو بکر بن عابد فی کتاب المولد عن ابن عباس قال لما ولد صلی اللہ
علیہ وسلم قال فی اذنہ رضوان خازن الجنان ابشر یا محمد فما بقی لنبی علم الا قد اعطیتہ فانت
اکثرھم علما واشجعھم قلبا یعنے حافظ ابو بکر بن عابد نے کتاب المولد میں حضرت ابن عباس سے
روایت کی ہی کہ کہا انھوں نے جب حضور پیدا ہوئے تو آپکے کان میں رضوان خازن جنت نے
کہا میں تمکو بشارت دیتا ہوں کہ تمام انبیا کا علم تمکو دیا گیا ہے پس تم باعتبار علم کے سب سے زائد
عالم اور باعتبار قلب کے سب سے زائد شجاع ہو۔ اور مثل اسکے بہت احادیث اور اخبار اس امر پر دلالت
کرتے ہیں کہ ذات محمدی افضل المخلوقات ہی ایک بھی مخلوق مثل ذات محمدی کے صفات کمالیہ میں
نہیں ہی چہ جائیکہ چھ مثل اور اگر مراد مماثلت صورت ظاہری میں ہی پس یہ امر شرعاً مستبعد نہیں ہی
ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہی کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام صورت محمدیہ کے ساتھ زیادہ
مشابہت رکھنے والے تھے مگر یہ امر اثبات طلب ہی بغیر تنقیح کے دعوی مماثلت کا صورت محمدیہ کے
ساتھ جائز نہیں ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن
ذنبہ الجلی والخفی **سوال** اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث اعظمؒ کو یہ قوت حاصل ہی کہ
جس مقام سے کوئی اُن کو پکارے اُسکی ندا کو وہ سنتے ہیں اور اُس کے حال کی طرف متوجہ
ہوتے ہیں تو موافق قواعد شرعیہ کے یہ عقیدہ کیسا ہے **جواب** یہ عقیدہ خلاف عقائد
اہل اسلام بلکہ منجر الی الشرک ہی ہر شخص کی ندا کو ہر جگہ سے ہر وقت سننا پروردگار عالم
کے ساتھ خاص ہی کسی مخلوق میں یہ صفت نہیں ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات
محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دنیا سے تشریف لے گئے وصی مقرر کیا یا نہیں علمائے اہلسنت کہتے ہیں کہ نہیں کیا میں پوچھتا ہوں
برا کیا یا اچھا اور خلفا نے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا برا کیا یا اچھا تم پیغمبر کی جانب خطا کی نسبت
کرتے ہو یا اصحاب کی جانب۔ **جواب** جو علمائے اہل سنت کہتے ہیں درست ہے اور اُن کے
خلاف چلنا گمراہی ہے کیونکہ یہ امر قطعی ثابت ہے کہ خلافت کے باب میں کسی صحابی کے حق میں حضور
سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی واضح وصریح نص ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی نے
اسکا دعویٰ کیا ہے کیونکہ اگر کسی کے حق میں آپ سے دربارۂ وصیّت خلافت کوئی نص جلی ہوتی
تو چھپی نہ رہتی بلکہ تواتر کے درجے کو پہونچ جاتی کیونکہ بہت سے دواعی کے تعلق سے اُسکی نقل ضروری
ہوتی جس سے اُسکا خوب ظہور ہوجاتا جیسا کہ شرح مواقف میں ہے ثم عدم نص جلی معلوم قطعاً
لانه لو وجد للتواتر ولم يمكن ستره عادة اذ هو مما يتوفر الداعي الى نقله وايضاً لو وجد
نص جلي على امامة علیؓ لمنع به غيره كما منع به ابو بكرؓ الانصار لقوله عليه السلام الائمة
من قريش مع كونه خبراً واحداً فاطاعوه وتركوا الامامة فكيف يتصور ان يوجد نص
جلي متواتر في علیؓ وهو من قوم لا يعصون خبر الواحد في ترك الامامة وشانهم في الصلابة
في الدين ما يشهد به بذلهم الاموال والانفس ومهاجرتهم الاهل والوطن وقتلهم
الاولاد والاباء والاقارب في نصرة الدين ثم لا يحتج علی عليهم بذلك النص الجلي المتواتر
ولا يقول احد طول النزاع في امر الامامة ما بالكم تنازعون فيها وقد عين فلانا لها انتهى
یعنے پھر کسی نص جلی کا نہ ہونا قطعاً معلوم ہے کیونکہ اگر کوئی نص صریح ہوتی تو قطعاً متواتر ہوتی اور وہ عادةً
چھپی نہ رہتی اس لئے کہ اُسکی نقل کی جانب بلانے والے بہت ہیں اور بھی اگر نص جلی امامت علیؓ
پر پائی جاتی تو اُس سے غیر حضرت علیؓ روک دیے جاتے جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے انصار کو روک دیا
اس وجہ سے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا امام قریش سے ہونگے باوجودیکہ
یہ خبر واحد تھی پس انصار نے اُنکی اطاعت کی اور امامت کو چھوڑ دیا پس یہ کسطرح خیال کیا
جا سکتا ہے کہ نص جلی متواتر علیؓ کے متعلق پائی جائے حالانکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو ترک امامت
میں خبر واحد کی بھی نافرمانی نہیں کرتی اور دین میں اُنکی سختی کی حالت مال وجان کے خرچ کرنے
مہاجرت (ترک وطن) قتل اولاد و اقارب وآباء سے معلوم ہوتی ہے پھر حضرت علیؓ اس نص جلی متواتر سے

دلیل نہ لائے اور امر امامت میں باوجود اتنے جھگڑے کے کسی نے یہ نہ کہا کہ تم لوگ اسقدر کیوں لڑ رہے ہو حالانکہ حضور نے تو فلاں شخص کو امامت کے لیے معین فرما دیا ہے۔ اور بر تقدیر تحقیق شق ثانی جو کچھ سائل نے کہا کہ میں پوچھتا ہوں برا کیا یا اچھا اسکا جواب باختیار شق ثانی ہے یعنے حضور نے اچھا کیا اور اس کی وجہ سے کوئی خطا آپ کے ذمے عائد نہیں ہوسکتی کیونکہ آپ پر امام کا مقرر کر دینا واجب نہ تھا تاکہ اُسکے خلاف کرنے پر آپ معاذ اللہ خطاوار قرار پاتے کیونکہ آیۂ کریمہ بلغ ما انزل الیك من ربك فان لم تفعل فما بلغت رسالته (پہونچا دو جو کچھ تپیر تمہارے پروردگار کی طرف سے اُتارا گیا پس اگر تم یہ نہ کرو تو تم نے اُسکی رسالت کو نہیں پہونچایا) میں وجوب ابلاغ جمیع ما انزل آپ پر ثابت ہے پس اگر نصب امام بھی آپ پر واجب ہوتا تو ما انزل میں داخل ہونے کی وجہ سے وہ بھی آپ پر ضروری ہوتا ورنہ حکم الٰہی کی بجا آوری کا ترک لازم آتا اور آپ سب کے نزدیک معصوم ہیں اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام مقرر کرنے کا ثبوت نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ امر آپ پر واجب نہ تھا اور جب واجب نہ تھا تو اُسکے ترک میں آپ خطاوار کب ہوسکتے ہیں۔ اور جو کچھ صحابہ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں کیا تھا عین صواب اور ادائے واجب تھا کیونکہ نفاذ احکام دین کے لئے اور خاص و عام کے امور کی مصلحت کے لیے امام مقرر کرنا اور اُسکی بیعت کرنا صحابہ پر واجب تھا کیونکہ حضور صلعم نے فرمایا ہے جیسا کہ ابن عمر سے مسلم نے روایت کی ہے من مات ولیس فی عنقہ بیعة مات میتة جاھلیة یعنے جو شخص مرگیا اور اُس نے کسی کی بیعت نہ کی وہ جاہلیت کی موت مرا پس واجب کے ادا کرنیکی وجہ سے کون خطا لازم آتی ہے جس کی نسبت صحابہ کرام کی جانب کیجائے خلاصہ جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وصی کا متعین کرنا واجب نہ تھا اسلئے اُسکے ترک سے آپ خطاوار نہیں اور صحابہ پر امام مقرر کرنا واجب تھا اس لئے وہ اُس کے مقرر کرنے میں خطاوار نہیں لہذا نہ پیغمبر کو ہم خطاوار کہتے ہیں اور نہ صحابہ کرام کو فقط واللہ اعلم

حررہ محمد گوہر علی۔ الجواب صحیح محمد ارشاد حسین الحنفی۔ الجواب صحیح محمد عبدالقادر الجواب صحیح محی الدین محمد عبدالقادر احمدی۔ اصاب من اجاب محمد عبداللہ۔ الجواب ہوالجواب محمد اعجاز حسین قد صح الجواب واللہ اعلم بالصواب محمد عبدالغفار۔ الجواب صواب محمد یار علی

الجواب صحیح محمد امداد حسین. قد صح الجواب حیدر حسین. الجیب مصیب تفضل حسین خاں. واقعی نص جلی سے خلافت کا ثبوت حد تواتر کو نہیں پہونچا مگر اشارۃً اور دلالۃً اسکا ثبوت احادیث صحیحین سے ہوا ہے اس اجمال کی تفصیل ملا علی قاری شارح فقہ اکبر کی تحریر کے موافق یہ ہے کہ حضور نے نماز میں ابوبکر کو امام کیا یہی خلافت کی جانب اشارہ تھا جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ میرے اشارے کو صحابہ سمجھ گئے آپ نے وصیت نامہ تحریر کرنے کو ضروری نہ جانا اور حالت مرض میں صحابہ نے بھی آپ کو تحریر کی تکلیف دینا نہ چاہی واقعی نماز میں خلیفہ کر دینے کے بعد کہ قولاً و فعلاً ہر طرح حضور کے سامنے ہوا تحریر کی ضرورت باقی نہیں رہی ورنہ اگر یہ ضروری ہوتا تو اُس نبی سے جس کا معصوم ہونا تمام اسلامی فرقوں کو مسلم ہے اسکے خلاف کا صدور کیسے ہوتا کیونکہ اس میں ترک بلیغ ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاں کہیں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ او رسلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال میں شبہہ معلوم ہو نیک تاویل کریں کیونکہ ایک مسلمان کو اسلام پر باقی رکھنا اس سے بہتر ہے کہ ہزار نئے مسلمان کرے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگ ممکن التاویل بلکہ ظاہر التاویل سے گریز کرتے ہیں اور مخالفانہ اعتراض پیش کرتے ہیں رافضیوں کا عناد صحابہ کے ساتھ ایسا بڑھ گیا ہے کہ سوء ادب جناب رسالت تک ترقی پا گیا۔ اور سوال کرنے والا خطا کی نسبت حضور خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا کی جانب کرتا ہے اور خدا سے نہیں ڈرتا اس سے بڑھ کے اور کیا گمراہی ہوگی۔ عبارت شرح فقہ اکبر کی یہ ہے و فی الصحیحین عن عائشۃ انہا قالت دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الیوم الذی بدء فیہ المرض دعی لی اباک واخاک فقد اکتب لابی بکر کتابا ثم قال یا بی اللہ والمسلمون الا ابابکر واما قول عمر ان استخلف فقد استخلف من ہو خیر منی یعنی ابا بکر وان لا استخلف فلم یستخلف من ہو خیر منی یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلعل مرادہ لم یستخلف بعہد مکتوب ولو کتب عہد الکتب لابی بکر بل قد اراد کتابہ ثم ترکہ وقال یا بی اللہ والمسلمون الا ابا بکر فکان ہذا ابلغ من مجرد العہد فانہ علیہ السلام دل المسلمین علی استخلاف ابی بکر بالفعل والقول واخبارہ لخلافتہ اختیار رراض بذلک وعزم علی ان یکتب بذلک عہدا ثم علم ان المسلمین یجمعون علیہ فترک الکتابۃ اکتفاء بارادۃ اللہ تعالیٰ واختیار الامۃ

ثمّ عزم علی ذلک فی مرضہ یوم الخمیس فلما حصل لبعضہم شک هل ذلک القول من جہۃ المرض او ھو قول یجب اتباعہ ترک الکتابۃ اکتفاء بما سبق فلو کان التعیین مما یشتبہ علی الامۃ لبینہ بیانا قاطعا للمعذرۃ ولکن لما دلہم دلالات متعددۃ علی ان بایع ابابکر الا سعد بن عبادۃ لکونہ ھو الذی کان یطلب الولایۃ ولذا لما بایع عمر وابو عبیدۃ و من حضر من الانصار قال قائل قتلتم سعدا فقال عمر قتلہ اللہ ولم یقل احد من الصحابۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نص علی غیر ابی بکرؓ من علیؓ وعباس وغیرہما ولو کان لاظہرہ انتہی یعنی اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اپنے مرض کے پہلے دن تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلا کہ میں ابوبکرؓ کے متعلق ایک تحریر لکھدوں پھر فرمایا کہ اللہ اور مسلمان انکار کرتے ہیں مگر ابوبکرؓ کے لیے لیکن حضرت عمر کا قول کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیفہ بنا جاؤں تو مضایقہ نہیں کیونکہ خلیفہ بنایا ہے اس شخص نے جو مجھ سے اچھا ہے یعنی ابوبکر اور اگر میں کسیکو خلیفہ نہ بناؤں تو بھی مضایقہ نہیں کیونکہ نہیں خلیفہ بنایا اُس شخص نے جو مجھ سے اچھا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پس شاید مقصود یہ ہے کہ نہیں خلیفہ بنایا کسی کو لکھے ہوے عہد سے اور اگر لکھتے تو حضرت ابوبکرؓ ہی کے لیے لکھتے بلکہ آپ نے لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا پھر یہ فرماکر چھوڑ دیا کہ نہ قبول کریگا خدا اور مسلمان مگر ابوبکرؓ کو پس یہ وصیّت سے زیادہ بڑھا ہوا ہے اس لیے کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قول اور فعل سے تبلا دی اور انکی خلافت کو برضا و رغبت قبول فرمایا اور ارادہ کیا کہ عہد بھی لکھدیں پھر یہ جان لیا کہ مسلمان اسی پر اجماع کریں گے تو کتابت کے خیال کو خدا کے ارادے اور امامت کے لیے پسند کرینے پر اکتفا کرکے ترک کر دیا پھر اس کا ارادہ پنجشنبہ کو مرض موت میں فرمایا لیکن پھر یہ خیال فرماکر ترک کر دیا کہ بعضوں کو شبہہ ہوگا کہ یہ قول مرض کی وجہ سے تھا یا واقعی اسکی اتباع واجب ہے اور اُن ہی دونوں باتوں پر جن کا ذکر ہوا اکتفا فرمایا اگر تعیین مشتبہ ہوتی تو آپ اُسکو ضرور ایسے بیان کے ساتھ بیان فرمادیتے کہ کسیکو کوئی گنجایش ہی باقی نہ رہتی لیکن آپنے بہت سے طریقوں پر تبلا دیا اسعد بن عبادہ سے جو طالب ولایت تھے آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرائی اور اسی لیے جب عمرؓ اور ابو عبیدہؓ اور موجودین انصار نے بیعت کی تو کسی نے کہا تھا کہ تم لوگوں نے سعد کو مار ڈالا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ

خدا اُسکو مارے اور صحابہ میں سے کسی نے یہ نہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر ابی بکر کو مثلاً
حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو مقرر فرما گئے اور اگر ایسا ہوتا تو صحابہ میں سے
کوئی ضرور ظاہر کر دیتا۔ اور صحابہ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو کچھ مشورہ و تقرر خلافت کے متعلق
کیا تھا اچھا تھا پہلے منا امیر و منکم امیر انصار میں سے ایک امیر ہو اور تم مہاجرین میں سے ایک
امیر ہو کہتے تھے جب حضرت عمرؓ سے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امر ابا بکران یؤم
الناس وایکم تطیب نفسہ وان یقدم ابا بکرؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ابو بکر کو
امامت کا حکم دیا اور تم میں سے کون ہے جس کا دل اس بات سے خوش ہوتا ہو کہ اُسکو ابو بکرؓ پر
مقدم کیا جائے) سنا تو متفق ہو کر کہا نعوذ باللہ ان تقدم ابا بکر رضی اللہ عنہ اخرجہ النسائی
وابو یعلیٰ والحاکم (ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مقدم رکھے
جائیں) اسکو نسائی اور ابو یعلیٰ اور حاکم نے روایت کیا ہے یہ وہ مضمون ہے جو میرے قلب قاصر پر الہام
کیا گیا ہے واللہ اعلم نمقہ محمد لطف اللہ عفی عنہ صح الجواب قال التفتازانی فی شرح المقاصد
لو کان نص جلی ظاہر المراد فی مثل ھذا الامر الخطیر لتواتر واشتہر فیما بین الصحابۃ
وظہر علی جلتہم الذین لہم زیادۃ قرب بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم واللازم منتف
والا لم یتوقفوا علی الانقیاد ولم یتردد وحین اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ لتعیین
الامام ولم یقل الانصار منا امیر ومنکم امیر ولم تمل طائفۃ الی ابی بکر واخری الی علیؓ
واخری الی العباسؓ فان قیل علموا ذلک وکتموہ لاغراض لہم فی ذلک کحب الریاسۃ
والحقد علی علیؓ وظنہم ان النص قد لحقہ النسخ الی غیر ذلک وترک المحاجۃ بہ
تقیۃ وخوفا من الاعداء وقلۃ وثوق بقبول الجماعۃ قلنا من کان لہ حظ من الدیانۃ
والانصاف علم قطعاً براءۃ اصحاب رسول اللہ علیہ والہ وسلم عن مخالفۃ امرہ فی
مثل ھذا الخطب الجلیل انتہی ملخصاً یعنی علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں کہا ہے اگر نص جلی ظاہر المراد اس
سخت امر میں موجود ہوتی تو ضرور متواتر اور صحابہ میں مشہور ہوتی اور اجلہ صحابہ پر جنکو حضور سے
زائد قرب تھا پوشیدہ نہ رہتی اور لازم منتفی ہے ورنہ اطاعت میں توقف نہ فرماتے اور جب سقیفۂ بنی
ساعدہ میں تعیین امام کے لیے جمع ہوئے تھے تردد نہ کرتے اور انصار منا امیر و منکم امیر

نہ کہتے اور ایک فرقہ حضرت ابوبکرؓ کی جانب ور دوسرا حضرت علیؓ کی جانب اور تیسرا حضرت
عباسؓ کی جانب مائل نہوتا اگر کہا جائے کہ وہ اُسکو جانتے تھے مگر اپنے اغراض مثلاً حب ریاست
اور کینہ حضرت علیؓ کی وجہ سے یا اس گمان کی وجہ سے کہ وہ نص منسوخ ہوگئی ہو یا اور دوسرے وجوہ
کی وجہ سے چھپاتے تھے اور حضرت علیؓ نے تقیہ کرکے خوف اعدا اور جماعت کے قبول کر لینے کے
وثوق کی کمی کی وجہ سے بحث نہ کی تو ہم کہینگے کہ جس میں ذرا بھی دیانت وانصاف ہو وہ قطعاً
جانتا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسقدر بڑے امور میں حضور کی مخالفت سے
بری ہیں۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی
والخفی **سوال اول** کو فیہما اذا سئلنا عن مذھبنا ومذھب مخالفنا وجوباً مذھبنا صواب
یحتمل الخطاء ومذھب مخالفنا خطأ یحتمل الصواب واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا
قلنا وجوباً الحق ما نحن علیہ والباطل ما علیہ خصومنا یعنی اگر ہم سے اور ہمارے مخالف کے مذہب کے
متعلق پوچھا جائے تو ہمکو یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارا مذہب صحیح ہے غلطی کا احتمال رکھتا ہے اور ہمارے
مخالف کا مذہب غلط ہے صحت کا احتمال رکھتا ہے اور جب ہمارے اور ہمارے مخالف کے اعتقاد کی
بابت دریافت کیا جائے تو ہمکو یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارا اعتقاد صحیح اور ہمارے مخالف کا اعتقاد باطل ہے
انتہی یہ عبارت شرح کی محتاج ہے اسکی صاف صاف تشریح فرمایئے اس مسئلہ کا اعتقاد رکھنا کیسا ہے
اور کیا حنفیہ کے سوا مذاہب ثلثہ کو باطل جاننا ضروری ہے **سوال دوم** نیز درمختار میں ابیات
ابن مبارک میں ہے وقال ابن ادریس مقالا ٭ صحیح النقل فی حکم لطیفہ ٭ بان الناس فی فقہ عیال
علی فقہ الامام ابی حنیفۃ ٭ فلعنۃ ربنا اعداد رمل ٭ علی من رد قول ابی حنیفۃ یعنے ابن ادریس
یعنے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے ایک بات کہی ہے (جسکی نقل صحیح ہے) لطیف حکمتوں کے اندر (وہ یہ ہے)
کہ لوگ فقہ میں اولاد ہیں امام ابوحنیفہ کی بس ہمارے پروردگار کی لعنت ہو اتنی جتنے کہ اعداد رمل
ہیں اُس شخص پر جو امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تردید کرے انتہی۔ اس میں کئی سوال ہیں پہلا کیا یہ قول
فی الواقع امام شافعی کا ہے اور سند صحیح سے ثابت ہے یا نہیں دوسرا منتخب اللغات میں ہے رد فتح
اور تشدید دال کے ساتھ پھیر دینا اور پھرنا اور واپس لانا اور خراب چیز اور فساد کے معنے میں یہاں اُن میں
سے رد کے کیا معنے ہیں۔ تیسرے منتخب ہی میں ہے لعن بالفتح کے معنے ہانکنا اور رحمت اور نیکی سے

دور کرنا اور نفریں کرنے کے ہیں جیسا کہ تمکو ظاہر ہے تو لعنت کے یہاں کون سے معنے ہیں ۔
چوتھا کسی کو اس بات پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں پانچواں امام ابو حنیفہ کے رد کرنے والے پر
لعنت بھیجنے کی کوئی اچھی دلیل ہے یا نہیں ۔ اگر ہے تو خیر ۔ اور اگر نہیں ہے تو کیا کسی پر لعنت کرنا
تا وقتیکہ کتاب وسنت سے ثابت نہو جائز ہے چھٹا اگر قول مذکور واقعی بہت سے جگہ اور
بہت سے مسائل میں امام شافعی ہی سے منقول ہو جیسا کہ کتابوں میں ہے تو بیان فرمائیے **جواب**
سوال اول اس قول کو نسفی نے مصفی کے آخر میں ذکر کیا ہے اور سب نے انھیں سے اخذ کیا ہے
لیکن بظاہر یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک ضعیف نادرست قول پر مبنی ہے اور واجب الاعتقاد یہ امر ہے
کہ مختلف فیہ مسائل میں حق واقعی مجتہدین کے اقوال میں دائر ہے یعنے ان میں سے کوئی حق ہے
لیکن بظاہر ان میں سے کسی پر عمل کرنے والا بھی ماخوذ نہوگا محمد امین مشہور بہ ابن عابدین شامی
نے رد المحتار حاشیہ در مختار میں لکھا ہے ۔ اعلم انه ذكر فى التحرير وشرحه ايضا انه
يجوز تقليد المفضول مع وجود الافضل وبه قال الحنفية والمالكية واكثر الحنابلة
والشافعية وفى رواية عن احمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز ثم ذكر انه لو التزم
مذهبا معينا كابى حنيفة والشافعى فقيل يلزمه وقيل لا وهو الاصح انتهى وقد شاع
ان العامى لا مذهب له اذا علمت ذلك ظهر لك ان ما ذكر عن النسفى من وجوب
اعتقاد ان مذهبه صواب يحتمل الخطأ مبنى على انه لا يجوز تقليد المفضول وانه يلزمه
التزام مذهبه وان ذلك لا يتاتى فى العامى وقد رأيت فى اخر فتاوى ابن حجر الفقيه
التصريح ببعض ذلك فانه سئل عن عبارة النسفى المذكورة ثم حرر ان قول ائمة الشافعيه
كذلك ثم قال انّ ذلك مبنى على الضعيف من انه يجب تقليد الاعلم دون غيره
والاصح انه يتخير تقليد اى شاء ولو مفضولا وان اعتقده كذلك وحينئذ فلا يمكن
ان يقطع او يظن انه على الصواب بل على المقلد ان يعتقد ان ما ذهب اليه امامه يحتمل
انه الحق قال ابن حجر ثم رأيت المحقق ابن الهمام صرح بما يؤيده حيث قال فى شرح الهداية
ان اخذ العامى بما يقع فى قلبه انه اصوب اولى وعلى هذا اذا استفتى مجتهدين فاختلفا عليه
الاولى ان ياخذ بما يميل اليه قلبه منهما وعندى انه لو اخذ بقول الذى لا يميل اليه

جاز لان میلہ و عدمہ سواء والواجب علیہ تقلید مجتہد وقد فعل انتہٰی وقال السید احمد الطحطاوی فی حواشی الدر المختار قولہ خطأ یحتمل الصواب ھذا بناء علی ان الحق واحد وھو المشھور وانما لم نجزم بخطأ المخالف فی الفروع کما تقدم من ان المجتہد یخطی ویصیب والمراد ان ما ذھب الیہ امامنا صواب عندہ مع احتمال الخطأ اذ کل مجتہد یصیب ویخطی فی نفس الامر واما بالنظر الینا فکل واحد من الاربعۃ مصیب فی اجتہادہ فکل مقلد یقول ھذہ العبارۃ لو سئل عن مذھبہ علی لسان امامہ الذی قلدہ ولیس المراد انہ یکلف کل مقلد عنقاد خطاء المجتہد الاخر الذی لم یقلدہ لان تقلیدہ واحدا منھم انما یسوغ بقدر ضرورۃ التقلید وھی کون المقلد لیس من اہل النظر فی الادلۃ لاستنباط الاحکام الظنیۃ فیقلدہ فی العمل فقط انتہٰی یعنے تحریر وشرح تحریر میں ہے کہ افضل کے باوجود مفضول کی تقلید جائز ہے حنفیہ ومالکیہ واکثر حنابلہ وشافعیہ اسی کے جانب گئے ہیں اور امام احمد اور بہت سے فقہا سے روایت ہو کہ یہ جائز نہیں ہو پھر ذکر کیا ہو کہ اگر کوئی مذہب معین لازم کرلیا ہے مثلاً امام ابوحنیفہ یا شافعی کا مذہب تو بقول اسکو اُس مذہب پر رہنا لازم ہے اور بعضوں نے کہا ہو کہ نہیں اور یہی صحیح ہے انتہٰی اور یہ بات شائع ہوگئی ہو کہ عوام کا کوئی مذہب نہیں ہو اور جبکہ تم نے یہ جان لیا تو یہ بات ظاہر ہے کہ جو نسفی سے منقول ہو کہ اس بات کا اعتقاد واجب ہے کہ اُس کا مذہب صحیح خطا کا محتمل ہے اس بات پر مبنی ہو کہ تقلید مفضول جائز نہین ہو اور اپنے مذہب کو لازم کرلینا ضروری ہے اور یہ عوام میں نہیں پایا جاسکتا اور میں نے آخر فتاوی ابن حجر فقیہ میں ان میں سے بعض مسائل کی تصریح دیکھی ہو کیونکہ اُن سے نسفی کی عبارت مذکورہ کے متعلق سوال کیا گیا تھا پھر اُنھوں نے لکھا کہ ائمہ شافعیہ کا یہی مذہب ہے پھر کہا کہ یہ اس ضعیف خیال پر مبنی ہو کہ زیادہ جاننے والے کی تقلید واجب ہے نہ دوسرے کی اور صحیح یہ ہے کہ ہر شخص جسکی چاہے تقلید کرے چاہے وہ مفضول ہو اور معتقد بھی اُسکو مفضول ہی خیال کرے اور اس وقت یہ امر ناممکن ہے کہ تعین یا ظن کرے اس بات کا کہ میں حق پر ہوں بلکہ مقلد پر اپنے امام کے مذہب کے محتمل حق ہونیکا اعتقاد ضروری ہو ابن حجر نے کہا ہے کہ میں نے محقق ابن ہمام کے کلام میں دیکھا ہے کہ اُنھوں نے اسکی صراحۃً تائید کی ہو چنانچہ شرح ہدایہ میں کہا ہے کہ اگر عامی نے اُس بات کو اختیار کیا جو اُس کے قلب مین

صحیح و درست معلوم ہوئی تو یہ اچھا ہے اور اس بنا پر اگر کسی عامی نے دو مجتہدوں سے کسی مسئلہ میں فتوی لیا اور
اُن دونوں میں اختلاف ہوگیا تو اچھا یہ ہے کہ جسکی جانب اُسکا قلب مائل ہو اُسے اختیار کرے اور اگر
اُسکے قول کو اختیار کیا جس کی جانب اُسکا قلب مائل نہیں ہی تو بھی جائز ہی کیونکہ اُسکا میل اور عدم میل
دونوں برابر ہیں اور اُسپر مجتہدوں میں سے کسیکی تقلید واجب ہے اور وہ اُس نے کرہی لی انتہی۔
سیّد احمد طحطاوی نے حواشی درمختار میں لکھا ہے۔ قولہ خطاء یحتمل الصواب یہ اس بات پر مبنی ہے
کہ حق مذہب ایک ہی ہی اور یہی مشہور ہی اور مخالف کی خطا کا فروع میں ہمکو اسلئے یقین نہیں کہ (جیسا اوپر
بیان ہوا) مجتہد غلطی بھی کرتا ہے اور درست بات بھی کہتا ہے اور مراد یہ ہے کہ جس جانب ہمارے امام
گئے ہیں وہ اس کے نزدیک درست ہی غلطی کا احتمال رکھتا ہی اسلیے کہ ہر مجتہد غلطی بھی کرتا ہے اور درست
بات بھی کہتا ہے باعتبار نفس الامر کے لیکن ہمالے اعتبار سے چاروں اپنے اپنے اجتہاد میں درستی پر ہیں
پس ہر مقلد یہی کہیگا اگر اس سے اُسکے امام کے مذہب کے متعلق جسکا وہ مقلد ہی پوچھا جائے۔ یہ مطلب
نہیں ہی کہ ہر مقلد دوسرے مجتہد کے کہ جس کا یہ مقلد نہیں ہے خطا کے اعتقاد کا مکلف ہی اسلیے کہ اُسکو
کسی امام کی اماموں میں سے تقلید کی ضرورت کے مطابق ہی تقلید جائز ہے اور وہ ضرورت
یہ ہے کہ مقلد احکام ظنیہ کے استنباط کے لئے دلیلوں میں نظر کرنے سے قاصر ہے لہذا محض عمل میں
اُسکی تقلید کرے انتہی **جواب سوال دوم** ابن مبارک کے ان اشعار میں امام شافعی کا
قول ہی (بقول بعضو نکے نزدیک) اس میں جو لعنت اور حکم لعنت کا ذکر ہے وہ ابن مبارک کا قول ہی
نہ امام شافعی کا کیونکہ بعضے محدثین مثلاً خطیب و نووی و ابن حجر وغیرہ نے کہا ہے کہ امام شافعی نے
فرمایا ہی جو فقہ میں متبحر ہو وہ امام ابو حنیفہ کا عیال ہی اور انکا یہ قول بہت مشہور ہے اور اسیکو
ابن مبارک نے نظم کرکے کہا ہے وقد قال الخ لیکن۔ فلعنۃ ربنا البیت میں اشکال ہی کیونکہ کسی
مسلمان پر بلکہ مرنے کے بعد خاص معین کافر پر بھی لعنت جائز نہیں ہی اور بعض ائمہ بعض کی تردید کیا ہی
کرتے ہیں اور یہ کوئی بُری بات نہیں سمجھی جاتی خصوصاً جب احقاق حق منظور ہو تو کیا وجہ ہے
کہ تردید امام حنیفہ خاصکر موجب لعنت ہو اور ان اشکالات کا جواب (جیسا کہ میں نے مقدمہ
عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ اور اپنے دوسرے رسائل میں وضاحت سے بیان کیا ہی) یہ ہی کہ لعنت
کبھی رحمت خدا سے محروم ہو جانے کے معنے میں مستعمل ہوتی ہے اور یہ لعنت مسلمانوں پر بھیجنا جائز

نہیں اور کبھی خدا کی اس رحمت سے دوری کے معنوں میں آتی ہو جو نیکوں کے ساتھ خاص ہے اور یہ
گنہگاروں اور فاسقوں کے لیے جائز ہے اخبار صحیحہ میں شراب پینے پلانے بنانے اور بیچنے اور اٹھانے
والے پر اور رشوت لینے اور دینے والے پر اور سود لینے اور دینے اور اس پر شہادت دینے
اور اسکے لکھنے والے پر اور غیر خدا کے نام پر ذبح کرنے والے اور خلق خدا کو اذیت پہونچانیوالے پر
اور انسانوں کے بال اپنے بالوں میں جوڑنے و جوڑانے والی اور گوندھنے اور گوندھوانے والی عورت اور
عورتوں کے مشابہ بننے والے مرد اور مردوں کے مشابہ بننے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہو جیسا کہ
صحاح ستہ وغیرہ کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہو اب رد امام ابو حنیفہ کا موجب فسق ہونا جو موجب لعن ہو
مستبعد نہیں ہو پھر رد سے مراد مطلق رد نہیں ہو کہ مباحثہ ائمہ کا اعتراض وارد ہو بلکہ اُن کو حقیر جانکر
اُن کی قدر و منزلت کو کم کرکے اُن کے رتبے میں طعن کرکے اور اُن کے مقلدین کو ایذا پہونچاکر
تردید کرنا جیسا کہ اکثر عوام بلکہ بعضے خواص کی بھی جو عوام کے مثل ہیں عادت ہو اور اسطرح
کے رد کرنے والے کے فاسق جائز اللعنۃ (بمعنے ثانی) ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہو اور شعر کسی معین شخص
پر لعنت کا فائدہ نہیں دیتا ہے بلکہ غیر معین شخص پر بس اس کے جائز ہونے میں کوئی شک و شبہہ
نہیں۔ اور اس سے حواشی درمختار میں حلبی کے اس قول کی تصحیح ہوتی ہو السراد من قولہ رد
محقر الہ منکرا ان یکون فیہ قوۃ الاجتھاد والا فلم تزل الائمۃ تردا قوال بعضھم مع انھم
مثابون علی ذلک نظرا انظرۃ الحق بحسب ظنھم وکان الاسلم ان یقول علی من حط قدر
ابی حنیفۃ انتھی واما قول الطحطاوی فی حواشیہ ردا علی الحلبی وفیہ ان غایۃ من ردہ
بھذہ الصفۃ المتقدمۃ ان یکون قد ارتکب محرما وھو لا یلعن بل لا یجوز لعن کافر
مخصوص اھ فباطل لما اسلفنا وقال ابن عابدین الشامی فی رد المحتار ای علی من رد ما قالہ
من الاحکام الشرعیۃ محقرا لھا فان ذلک موجب للطرد والابعاد لا بمجرد الطعن فی
الاستدلال لان الائمۃ لم تزل یرد بعضھم قول بعض ولا بمجرد الطعن فی الامام
نفسہ لان غایتہ الحرمۃ فلا یوجب اللعن لکن لیس فیہ لعن شخص معین فھو کلعن
الکاذبین ونحوھم من العصاۃ انتھی یعنی مصنف کے قول سے یہ مراد ہے کہ اُن میں قوت
اجتہاد کے پائے جانے کا انکار کرے اور اُنکے قول کو حقیر جانے ورنہ ائمہ ایک دوسرے کی تردید کیا ہی

کرتے ہیں اور اس پر ثواب بھی پاتے ہیں اسلئے کہ انکا مقصد حق کی مدد ہوتا ہی بس اچھا یہ تھا کہ کہتے علی من حط قدر ابی حنیفۃ یعنے لعنت اُس پر ہے جو ابو حنیفہ کا مرتبہ گھٹاوے۔ لیکن طحطاوی کا قول رد حلبی میں (دفیان غایۃ الخ یعنے اور اس میں یہ خرابی ہے کہ جس نے اسطرح رد کی وہ زیادہ سے زیادہ حرام کا مرتکب ہوا اور وہ لعنت کا مستحق نہیں ہی بلکہ کسی خاص معین کافر پر بھی لعنت جائز نہیں) باطل ہے جیساکہ پہلے بیان ہوا اور ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں لکھا ہے یعنے اُسپر جس نے احکام شرعیہ محررہ امام ابی حنیفہ کی تردید اُن کو حقیر جان کر کی اسلئے کہ یہ موجب الحاد ہے نہ محض استدلال میں طعن کرنے سے کیونکہ ائمہ ہمیشہ ایک دوسرے کی تردید کرتے رہے اور نہ محض نفس امام میں طعن سے کیونکہ یہ زائد سے زائد حرام ہے تو بھی موجب لعن نہیں ہے کیونکہ اس میں کسی شخص معین پر لعنت نہیں بلکہ ویسی ہی ہی جیساکہ جھوٹوں یا اور دوسرے گنہگاروں پر لعنت بھیجی جاتی ہے واللہ اعلم **سوال** کھانا یا کپڑا یا اور کوئی چیز خدا کی راہ پر کسی کو دی یا نفل نماز پڑھی اور نفل حج ادا کر کے کسی کو اسکا ثواب بخشا تو پہونچتا ہے یا نہیں **جواب** عبادت مالی ہو یا بدنی خواہ دونوں سے مرکب ہو اگر اسکا ثواب کسی کو بخشا جائے تو پہونچتا ہے **سوال** حضرت شاہ بو علی قلندر کے فاتحہ کے لیے سویوں کا کھانا مقرر کرنا یا اسیطرح کسی اور کے فاتحہ کے لیے کسی دوسری خاص چیز کو مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں پس ثواب پہونچنے میں کسی معین کھانے کی تخصیص ہی کہ بغیر اُسکے ثواب نہ پہونچے یا کچھ تخصیص نہیں **جواب** ایصال ثواب میں طعام معین کی تخصیص نہیں ہی بلکہ جو چیز للہ دیجائے اُسکا ثواب ملتا ہے اور جس کو اُسکا ثواب بخشے پہونچتا ہے **سوال** پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کی شفاعت گنہگاران اُمت کے لیے ہوگی یا نہیں **جواب** پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت حق ہے ضرور ہوگی اور قبول شفاعت کا دعویٰ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہو چکا ہے اُس میں بھی کچھ تردد نہیں پس اسکا انکار کرنا بدعت اور ضلالت ہی جیساکہ خوارج اور بعض معتزلہ اسکے قائل ہیں۔ شفاعت کرتے وقت حضور حمد کرتے ہوے سجدے میں جائیں گے اور جبتک اللہ کی طرف سے ارفع راسک سل تعطہ اشفع تشفع یعنے سر اُٹھایئے اور مانگیے دیا جائیگا اور شفاعت کیجیے قبول کیجائیگی۔ ارشاد نہوگا آپ سر نہ اُٹھائیں گے ایسے ہی صحیح حدیثوں میں ہے اور حدیث میں ہی کہ جب آیت ولیسوف

بدعلمی سوالات متعلقہ ایصال ثواب و شفاعت

یعطیك ربك فترضیٰ یعنے عنقریب تمکو تمھارا رب عطا کریگا پس تم راضی ہو جاؤ گے) نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا جبتک میں اپنی اُمت کے ایک ایک شخص کو نہ بخشوالوں گا ہرگز راضی نہونگا۔ اسیطرح فتح العزیز میں ہے۔ اور حدیث شریف میں ہو شفاعتی لاھل الکبائر من امتی رواہ احمد وغیرہ یعنے میری شفاعت اپنی اُمت کے اہل کبائر کے لیے ہے اور کتاب الوصیۃ مولفہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ میں ہو کہ شفاعت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اہل جنت کے لیے اگرچہ صاحب گناہ کبیرہ ہوں حق ہو **سوال** اہل خیر جیسے علما شہدا وغیرہ بھی شفاعت کرینگے یا نہیں **جواب** اہل خیر کی شفاعت بھی حق ہے تصیدۂ امالیہ میں ہو ومرجو شفاعۃ اھل خیر لاصحاب الکبائر کالجبال یعنے اہل کبائر سے خواہ پہاڑوں نکے برابر گناہ کیے ہوں بہتوں کے لیے اہل خیر کے شفاعت کی اُمید ہے **سوال** خدا کو رحیم سمجھکر بے خوف ہو جانا یا اُسکو قہار سمجھکر نا اُمید ہونیکا کیا حکم ہے **جواب** کفر ہے ایمان خوف اور رجا کے بیچ میں ہے حدیث میں ہو لووزن خوف المومن ورجاؤہ لاعتدلا اگر مومن کا خوف اور رجا تولا جائے تو دونوں برابر نکلینگے اور کتب عقائد میں ہے الیاس من اللہ کفر والامن من اللہ کفر یعنے اللہ سے مایوس ہو جانا اور بے خوف ہو جانا کفر ہے **سوال** جس نے تمام عمر نماز نہ پڑھی ہو اور ایمان قلبی رکھتا ہو اور ایمان کے منافی کوئی کوئی فعل اُس سے صادر نہوا ہو اور ایمان پہ کھڑا ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا **جواب** وہ مومن ہو اللہ کو اختیار ہے اگر چاہے بخشدے کیونکہ اُس نے فرمایا ہے ان اللہ لایغفر ان یشرك بہ ویغفر مادون ذلك لمن یشاء یعنے شرک کے سوا جس گناہ کو اللہ چاہے گا بخشدیگا۔ اور اگر چاہے سزائے اعمال دینے کے بعد جنت میں بھیجے کیونکہ اس بات پر اجماع قائم ہے کہ مومن لوگ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہینگے ایسے ہی کتب عقائد میں ہو **سوال** غرغرہ کے وقت جو ڈر کا اور فرشتوں کے دیکھنے کا وقت ہے اگر کوئی کافر ایمان لائے یا مسلمان توبہ کرے تو کیا حکم ہے **جواب** ایمان یاس مقبول نہیں ہے اور ظاہر حدیث سے جسکو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اور اُن حدیثوں سے جنکو ابن جریر اور بخاری نے تاریخ میں اور حاکم اور ابن منذر وغیرہ نے روایت کیا ہے ثابت ہو کہ جبتک روح باقی رہتی ہے توبہ قبول ہوتی ہو اسی لیے توبہ یاس قبول ہونے میں اختلاف ہوا ہے اور امام زاہد کہتے ہیں کہ ایمان یاس باجماع مقبول نہیں اور

اہل خیر کی شفاعت

خدا سے بے خوف ہونا یا نا امید ہونا کفر ہے

ایمان قلبی رکھنے والا بے نمازی بھی مومن ہے

ایمان یاس مقبول نہیں ہے

توبہ باس اسکی مشیت میں ہر چاہے اپنے فضل سے قبول کرے چاہے تاخیر توبہ کی وجہ سے بلحاظ عدل نہ قبول کرے. ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں فی الخلاصۃ ایمان الیاس غیر مقبول وتوبۃ الیاس المختار انہا مقبولۃ انتہی ولا یخفی ان ھذہ الروایۃ مخالفۃ لظاھر الدرایۃ حیث ورد قولہ علیہ السلام اللہ یقبل توبۃ العبد ما لم یغرغر بل النص الصریح فی قولہ سبحانہ وتعالی ولیست التوبۃ للذین الایۃ انتہی یعنے خلاصہ میں ہے خوف کا ایمان مقبول نہیں اور خوف کی توبہ مختار یہ ہر کہ مقبول ہر انتہی اور یہ پوشیدہ نہیں ہر کہ یہ روایت ظاہر درایت کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہر کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جبتک کہ اُسکے گلے سے غرغر کی آواز نہ نکلنے لگے بلکہ نص صریح میں ہر ولیست التوبۃ للذین الایۃ اور مشکوٰۃ شریف میں ہر عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ یقبل توبۃ العبد ما لم یغرغر رواہ الترمذی وابن ماجۃ انتہی یعنی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ سلم نے فرمایا ہے اللہ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جبتک گلے سے غرغر کی آواز نہ نکلے اسکو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہر اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ موت کے وقت توبہ کفر سے ہو خواہ معصیت سے قبول نہیں ہوتی اور ظاہر آیۂ کریمہ کا بھی یہی ہے مگر بعض علما کہتے ہیں کہ توبہ معصیت سے صحیح ہے اور کفر سے صحیح نہیں پس اُن کے نزدیک ایمان یاس غیر مقبول اور توبہ یاس مقبول ہر اور دُرِّ منثور میں ہر اخرج ابن جریر عن الحسن قال بلغنی ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ان ابلیس لما رای ادم اجوف قال وعزتک لا اخرج من جوفہ ما دام فیہ الروح فقال اللہ تبارک وتعالیٰ وعزتی لا احول بینہ وبین التوبۃ ما دام الروح فیہ واخرج ابن المنذر عن ابن عمرو قال ما من ذنب مما یعمل بین السماء والارض یتوب منہ العبد قبل ان یموت الا تاب اللہ علیہ واخرج احمد والبخاری فی التاریخ والحاکم وابن مردویۃ عن ابی ذر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ یقبل توبۃ عبدہ او یغفر لعبدہ ما لم یقع الحجاب قیل وما وقوع الحجاب قال تخرج النفس وھی مشرکۃ انتہی یعنے ابن جریر نے حسن سے روایت کی ہر کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب شیطان نے آدم علیہ السلام کو اندر سے کھوکھلا پیٹ خالی دیکھا تو کہا تیری عزّت کی قسم میں اس کے

جوف سے جبتک اس میں روح رہے گی نہ نکلونگا پس اللہ تعالےٰ نے فرمایا میری عزت کی قسم جبتک اسمیں روح رہے گی اُس کے اور توبہ کے درمیان کچھ حائل نہ ہوگا اور ابن منذر نے ابن عمرو سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ کوئی گناہ جو آسمان و زمین کے درمیان کیا جائے اور بندہ اس سے قبل مرنے کے توبہ کرے نہیں ہے مگر یہ کہ خدا تعالےٰ اُس سے توبہ کو قبول کرتا ہے اور احمد و بخاری نے تاریخ میں اور حاکم و مردویہ نے ابی ذر سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور اپنے بندے کو بخشدیتا ہے جبتک کہ حجاب نہ واقع ہو پوچھا گیا کہ حجاب کا واقع ہونا کیا ہے آپنے فرمایا کہ روح بحالت شرک نکلے انتہی اور تفسیر احمدی میں ہے قد اختلف فی قبول ایمان الباس عن الکافر وتوبۃ الباس عن العاصی ولم یفصل حکامہا احد مثل ما فصلہ الامام الزاھد حیث اورد ھھنا کلامًا طویلاً حاصلہ ان ایمان الباس یکون غیر مقبول بالاجماع وتوبۃ الباس فی مشیۃ اللہ تعالیٰ ان شاء قبل لشرف ایمانہ وکان فضلا منہ وان شاء لم یقبل لتقصیرہ فی الخیر وکان عدلا وما من مومن الا ویتوب عند الباس من المعاصی کما انہ ما من کافر الا ویوب عن الکفر وقت الباس لقولہ تعالےٰ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ وایمان الباس ھو الذی لا یکون مسموعا لاحد حتی لو سمع منہ فی تلک الحالۃ لا یکون ایمان باس بل یکون ایمان اختیار ولکن مع ھذا لا یثبت کونہ من اھل الجنۃ لانہ تعالےٰ یعلم باطنہ وظاھرہ فان وافق بالباطن ظاھرہ یقبل والا لا وان رای الملک عیانا وارتفع عنہ حجاب اللہ تعالیٰ لا یقبل ایمانہ لانہ ایمان الباس فلا یقبل لقولہ تعالیٰ فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا باسنا وما اشتہر من ان العبرۃ فی الایمان والکفر بالخاتمۃ فلیس ذلک باعتبار الباس بل باعتبار حالۃ الاختیار وتوبۃ الباس ان قلنا لم تقبل کما ذھب الیہ اھل خراسان ابطلنا حرمۃ الایمان وان قلنا تقبل سوینا بین حالۃ الاختیار والاضطرار واثبتنا الامان لکل فاسق من العذاب فیؤل الی مذھب المرجیۃ فالاولی ھو التعلیق بمشیۃ اللہ تعالیٰ کما قلنا ھذا حاصل کلامہ انتہی یعنے خوف کی حالت میں کافر کے ایمان اور گنہگار کی توبہ قبول ہونے میں اختلاف ہے اور ان کے احکام کی

امام زاہد کی طرح کسی نے تفصیل نہیں کی ہے انھوں نے اس جگہہ ایک بہت بڑی بحث لکھی ہے جسکا
حاصل یہ ہے کہ ایمان خوف بالاتفاق غیر مقبول ہے اور توبہ خوف مشیت الٰہی پر موقوف ہے اگر چاہے
تو شرف ایمان کے بدولت قبول کرے اور یہ اُسکا فضل ہوگا اور اگر چاہے تو اُسکی تاخیر و تقصیر
کی بدولت نہ قبول کرے اور یہ اُسکا عدل ہے اور ہر مومن خوف کے وقت گناہوں سے توبہ
کرتا ہے جیسا کہ ہر کافر خوف کے وقت کفر سے توبہ کرتا ہے کیونکہ خدا نے فرمایا ہے نہیں ہے کوئی اہل
کتاب مگر یہ کہ مرنے کے قبل خدا پر ایمان لائیگا اور ایمان خوف وہ ہے جسے کسی نے سنا ہو یہاں
تک کہ اس حالت میں اگر کوئی اس سے ایمان لانے کو سن لے تو وہ ایمان خوف نہوگا بلکہ ایمان اختیار
ہوگا لیکن باوجود اسکے اسکا اہل جنت سے ہونا ثابت نہیں کیونکہ خدا اُسکے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے
پس اگر اُسکا ظاہر باطن کے موافق ہوگا تو ایمان قبول کر لیا جائے گا ورنہ نہیں اور اگر فرشتوں کو دیکھ لیا
اور اُس سے خدا کا حجاب اُٹھ گیا تو اُسکا ایمان مقبول نہیں کیونکہ اُس وقت یہ ایمان یاس ہے پس مقبول
نہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پس اُنکو اُن کا ایمان نفع نہ دیگا جبکہ اُنھوں نے ہمارے خوف کو دیکھ
لیا اور یہ جو مشہور ہے کہ ایمان و کفر میں خاتمہ کا اعتبار ہے تو یہ خوف کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ حالت
اختیار کے اعتبار سے ہے اور توبۂ خوف اگر ہم کہیں کہ مقبول نہیں ہے جیسا کہ اہل خراسان
کا مذہب ہے تو ہم حرمت ایمان کو باطل کر دینگے اور اگر ہم کہیں کہ مقبول ہے تو اختیار و اضطرار
کی حالت کو مساوی کر دینگے اور ہر فاسق کے لیے عذاب سے امان ثابت کریں گے تو یہ مذہب
مرجیہ کی جانب لوٹ آئیگا پس اولیٰ خدا کی مشیت پر معلق کرنا ہے جیسا کہ ہم نے کہا یہ امام زاہد کے
کلام کا حاصل ہے۔ واللہ اعلم **سوال** جو اعتقاد رکھے کہ ارواح مشائخ کے حاضر ہیں اور سب کچھ
جانتے ہیں اُسکے لئے کیا حکم ہے **جواب** وہ کافر ہے بزازیہ میں ہے من قال ارواح المشائخ حاضرۃ
یعلمون یکفر انتھے جو شخص کہے کہ ارواح مشائخ کے حاضر ہیں جانتے ہیں وہ کافر ہے واللہ اعلم
سوال جو شخص مرتکب کبیرہ کو کافر جانے اور اُس کے پیچھے نماز نا جائز سمجھے اُسکو سنی المذہب
سمجھنا چاہیے یا نہیں **جواب** سنی نہیں ہے کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہ مومن کو ایمان سے
خارج نہیں کرتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صلوا خلف کل بر و فاجر ہر نیک اور
فاجر کے پیچھے نماز پڑھو واللہ اعلم **سوال** رحلت نبوی کے بعد جن ازواج مطہرات نے انتقال

ارواح مشائخ کو حاضر جاننے والے کا حکم

مرتکب کبیرہ کو کافر جاننے والا

فرمایا وہ کے تھیں اور اُن کے نام کیا کیا ہیں **جواب** نو تھیں سوؔدہ بنت زمعہ آپ نے شوال کے مہینہ میں ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا آپکا نکاح مکہ معظمہ میں ہجرت سے دو سال یا تین سال پہلے شوال کے مہینے میں ہوا اور نکاح کے وقت آپ چھ برس کی تھیں اور نو برس کے سن میں مدینہ میں آپ ہمبستر نبوی ہوئیں اور ۵۶ھ یا ۵۷ھ میں سترھویں رمضان کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور بقیع میں دفن ہوئیں حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا ہجرت کے تیسرے سال نکاح ہوا اور ۴۵ھ میں انتقال فرمایا ایسا ہی ابن حجر نے کہا ہے ام حبیبہ بنت ابی سفیان آپکا نکاح کیوقت حبشہ میں تھیں اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انکا مہر چار سو دینار ادا کیا آپ نے ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا ام سلمہ آپنے ۶۲ھ میں ازواج میں سب سے بعد انتقال فرمایا اور بعض کے نزدیک آپنے ۵۹ھ میں انتقال فرمایا ایسا ہی ابن حجر نے کہا ہے زینب بنت جحش آپنے ازواج میں آنحضرتؐ کے بعد سب سے پہلے ۲۰ھ میں انتقال فرمایا جویریہ بنت حارث آپ کی وفات ۵۶ھ میں ہوئی صفیہ خیبر کی لڑائی میں آپ اسیر ہو کے آئی تھیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو آزاد کیا اور آزاد کرنے کو آپکا مہر قرار دیا ۵۰ھ میں انتقال فرمایا میمونہ آپنے ۵۱ھ میں وفات فرمائی اور سرف میں دفن ہوئیں۔ واللہ اعلم **سوال** حضورؐ کے سامنے معاشرت کے بعد آپ کی کتنی بیبیوں نے انتقال فرمایا تھا **جواب** تین نے خدیجہؓ بنت خویلد نے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا سن اُن سے نکاح کرتے وقت پچیس برس دو مہینے دس دن کا تھا حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے پہلے وفات فرمائی زینبؓ بنت خزیمہ نے کہ انکا نکاح ہجرت کے تیسرے سال ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو یا تین مہینے زندہ رہیں۔ ماہ بنت الصلت آپ نے خلوت صحیحہ سے پہلے انتقال فرمایا واللہ اعلم **سوال** جن بیبیوں کو حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے اپنی زندگی میں جدا کر دیا تھا کے تھیں **جواب** آٹھ تھیں (۱) فاطمہ بنت ضحاک تھیں آپنے اس بات کا اختیار دیا تھا کہ چاہے حضور کی خدمت میں رہیں چاہے دنیا کو اختیار کرلیں انھوں نے دنیا کو اختیار کیا بس حضور نے انھیں جدا کر دیا (۲) سراف خواہر دحیہ کلبی (۳) خولہ بنت ہذیل (۴) اسماء جونیہ (۵) عمرہ بنت یزید (۶) قبیلۂ غفار کی ایک عورت (۷) عالیہ بنت

تقلید و اجتہاد کے جواز کی بحث

ظبیان ان سب کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل ہم بستری کے طلاق دی (۸) اور ایک عورت سے جب آپ نے قربت کا ارادہ فرمایا تو اُس سے کہا اپنا نفس مجھے دے اُس نے کہا کوئی رئیسہ اپنے نفس کو بازاری شخص کے حوالے نہیں کرتی پس آپ نے اُسکو جدا کر دیا **سوال** تقلید اور اجتہاد کو اچھا جاننا چاہیئے یا بُرا **جواب** مسائل شرعیہ کے نکالنے میں کوشش کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں اور اجتہاد جناب سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے پسند فرمایا ہے۔ بخاری نے روایت کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اجتہد و اصاب فلہ اجران ومن اجتہد فاخطأ فلہ اجر واحد یعنے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے جس نے اجتہاد کیا اور صحیح کیا اُسکے لئے دو اجر ہیں اور جس نے اجتہاد کیا اور غلط کیا اسکے لئے ایک اجر ہے۔ اور اجلۂ صحابہ نے جیسے حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق و عبد اللہ بن مسعود و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اجتہاد کیا ہے اور تقلید کہتے ہیں اقوال اور افعال میں حق ہونے کا عقیدہ کر کے اور دلیل میں غور و تامل نہ کر کے اپنے غیر کی پیروی کرنے کو اور یہ ایسا امر ہے جسکا حکم خدا اور رسول نے بھی دیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم یعنے اطاعت کرو اللہ کی اور اُسکے رسول کی اور اپنے میں سے یعنے مسلمانوں میں سے صاحب حکم کی اور تفسیر احمدی میں ہے والحق ان المراد کل اولی الحکم اماما کان او امیرا سلطانا کان او حاکما عالما کان او مجتہدا قاضیا کان او مفتیا علی حسب مراتب التابع والمتبوع لان النص مطلق فلا یتقید من غیر دلیل الخصوص انتہے وروی الترمذی و احمد انہ علیہ السلام قال واطیعوا اذا امرکم وقال اللہ تعالے فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنے اور حق یہ ہے کہ مراد ہر صاحب حکم ہے امام ہو یا امیر سلطان ہو یا حاکم عالم ہو یا مجتہد قاضی ہو یا مفتی تابع اور متبوع کے مراتب کے موافق کیونکہ نص مطلق ہے تو بلا دلیل خصوص مقید نہ کیجائے گی انتہی اور ترمذی اور احمد نے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اطاعت کرو اپنے حکم والوں کی اور اللہ تعالے نے فرمایا ہے پس دریافت کرو اہل ذکر سے اگر تم نہ جانتے ہو **سوال** شب قدر افضل ہے یا بقول بعض محدثین شب میلاد نبوی افضل ہے **جواب** تمام راتوں پر شب قدر کی بزرگی منصوص اور کئی طرح سے ثابت ہے (۱) اس رات میں ارواح اور ملائکہ کا نزول زمین پر ہوتا ہے

شب قدر اور شب میلاد کی فضیلت

(۲) شام سے صبح تک تجلی باری تعالیٰ آسمان اول پر ہوتی ہے (۳) لوح محفوظ سے آسمان اول پر نزول قرآن اسی رات میں ہوا۔ اور انھیں بزرگیوں کی وجہ سے تسکین اور تسلی امت محمدیہ کے لئے اس ایک رات کی عبادت ثواب میں ہزار مہینوں کی عبادت سے زائد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیلۃ القدر خیر من الف شہر شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے اور حدیث میں بھی اس رات کے جاگنے کی تاکید آئی ہے اور بعض محدثین نے جو شب میلاد کو شب قدر پر فضیلت دی ہے تو ان کا یہ منشا نہیں ہے کہ شب میلاد کی عبادت ثواب میں شب قدر کی عبادت کے ہزار ماہ سے زیادہ ہے کیونکہ ثواب اور عقاب توفیقی چیز ہے کہ جب تک شارع کی جانب سے کوئی نص اس بارہ میں نہ پائی جائے کسی کام کو باعث ثواب نہیں قرار دے سکتے مگر شب میلاد کو شب قدر پر اپنے افتخار ذاتی سے خدا کے سامنے فضیلت حاصل ہے قصیدہ ہمزیہ فی احوال خیر البریہ میں ہے مصرع تتباھی بك العصفور آپ پر چڑیاں فخر کرتی ہیں۔ وقال الشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی رحمہ اللہ فی ما ثبت من السنۃ ثم اذا قلنا انہ ولد لیلا فتلك اللیلۃ افضل من لیلۃ القدر بلاشبہۃ لان لیلۃ المولد لیلۃ ظھورہ صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر معطاۃ لہ وما تشرف بظھور ذات المشرف من اجلہ اشرف مما شرف بسبب مما اعطیہ ولان لیلۃ القدر تشرف بنزول الملائکۃ فیھا ولیلۃ المولد شرفت بظھورہ صلے اللہ علیہ وسلم ولان لیلۃ القدر وقع التفضیل فیھا علی امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولیلۃ المولد الشریف وقع التفضیل فیھا علی سائر الموجودات انتھے وقال الشیخ المحدث الحافظ ابن حجر الازمنۃ والامکنۃ تتشرف بشرف من یکون فیھا وما یکون فیھا من المزایا و الکمالات ولذا قال بعضھم ان لیلۃ مولدہ صلے اللہ علیہ وسلم افضل من لیلۃ القدر انتھے یعنے اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ ماثبت من السنہ میں لکھتے ہیں پھر جب ہم کہتے ہیں کہ حضور کسی شب میں پیدا ہوئے تو یہ رات شب قدر سے بلاشبہ افضل ہے کیونکہ شب میلاد آپ کے ظہور کی رات ہے اور شب قدر آپ کو دی گئی ہے اور جسے ذات مشرف کے ظاہر ہونیکے سبب سے شرف ہو وہ اس وجہ سے اشرف ہے اس سے جسے عطیہ ہونے کی وجہ سے شرف حاصل ہوا اور اس وجہ سے کہ شب قدر کو نزول ملائکہ کی وجہ سے شرف حاصل ہے اور شب میلاد کو حضور

سرورِ کائنات علیہ فضل اسلام والتحیات کی وجہ سے اور شبِ قدر میں اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کو فضیلت حاصل ہوئی اور شبِ میلاد میں تمام موجودات کو انتہیٰ اور حافظ ابن حجر محدث
رحمہ اللہ نے کہا ہے زمانوں اور مکانوں کو اُن لوگوں کی وجہ سے شرف حاصل ہوتا ہے جو
اُن میں ہوتے ہیں اور اُن چیزوں کی وجہ سے جو اُن میں خوبیاں اور کمالات ہوتے ہیں اور
اسی وجہ سے بعضوں نے کہا ہے کہ شبِ میلاد شبِ قدر سے افضل ہے **سوال** امامت کیا
چیز ہے اور امام کون ہے اور اس حدیث کے کیا معنے ہیں من لم یعرف امام زمانہ فقد
مات میتۃ الجاہلیۃ یعنے جس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا وہ جاہلوں کی موت مرا اور یہ جو وارد ہوا ہے
کہ ہر سیکڑے کے شروع میں کوئی مجدد دین ہوگا تو اس زمانہ میں کون اسکا مصداق ہے **جواب**
امامت عبارت ہے خلافت رسول سے دین کے قائم رکھنے میں اور دنیا کے انتظام کی حفاظت کرنے
میں اور امام اُسے کہتے ہیں جسکی فرمانبرداری تمام لوگوں پر واجب ہو ایسا ہی شرح مواقف میں اور
اُسکی شرح میں ہے پس کسی گاؤں کا امیر یا شہر کا امیر امام نہیں ہو سکتا ہے اور امام کو ظاہر ہونا چاہیے
تاکہ لوگوں کو اُس سے فائدہ پہونچے پوشیدہ نہ ہونا چاہیے اور امام کے لئے مسلمان مرد آزاد عاقل
بالغ قریشی ہونا شرط ہے اور معصوم ہونا شرط نہیں ہے یا یہ کہ امام زمانے کے لوگوں میں سب سے
افضل ہو اور عامہ مسلمین کو واجب ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا امام بنائیں اور جس وقت
عوام کو ضرر پہونچتا اور فتنہ عظیم برپا ہوتا ہو تو ان شرطوں کا معدوم کرنیوالا بھی امام ہو سکتا ہے
اور لوگوں پر واجب ہے کہ سوائے امور نامشروعہ کے تمام امور میں اُسکی فرمانبرداری کریں لقولہ
علیہ السلام لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق یعنے خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت
نہیں ہے فی شرح المسائرۃ لابن الہمام واذا قضینا بنفوذ قضایا اہل البغی فی بلادہم التی
غلبوا علیہا لمسیس الحاجۃ فکیف لا نقضی بصحۃ الامامۃ مع فقد الشروط عند لزوم الضرر
العام یعنے ابن ہمام شرح مسائرہ میں لکھتے ہیں اور جبکہ ہم نے اہل بغی کے احکام کے نافذ ہونے کا
حکم اُن بلاد میں جن پر وہ غالب ہیں حاجت کی وجہ سے دیا تو پھر ہم ضرر عام کی صورت میں بدون
شرائط صحت امامت کا کیونکر حکم نہ دینگے انتہی وفی المرقاۃ لا تصح خلافۃ العبد لقولہ علیہ السلام
الائمۃ من قریش قلت لکن یصح امارتہ مطلقا وکذا خلافتہ تسلطا کما ہو فی زماننا فی

امامت کیا چیز ہے اور امام کون ہے

جمیع البلدان انتھی یعنے اور مرقاۃ میں ہی کہ غلام کی خلافت صحیح نہیں ہی کیونکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام قریش سے ہیں میں کہتا ہوں لیکن اسکی امارت مطلقاً اور اسیطرح اُسکی خلافت تسلّطاً صحیح ہے جیساکہ ہمارے زمانے میں آجکل تمام جگھہ ہوئی ہی۔ اور حدیث من لم یعرف الخ میں امام سے نبی مراد ہی جیساکہ خلخالی نے ذکر کیا ہے یا قرآن مراد ہی کیونکہ یہود کے زمانے میں توریت اور نصاریٰ کے زمانے میں انجیل امام تھی اور اُمت محمدیہ کے زمانے میں قرآن امام ہی اور بعض متکلمین نے حدیث کے معنی یوں لکھے ہیں فمن لم یعرف امام زمانہ مع انہ فی ظل امامتہ فقد عاش عیشا لجاھلیۃ فیموت میتۃ جاھلیۃ انتھی یعنے جس شخص نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ جانا باوجودیکہ وہ امامت کے سایہ میں رہا پس اُس نے جاہلیت کی زندگی بسر کی اور وہ جاہلیت کی موت مریگا اور بعض متکلمین نے حدیث کے معنے یوں لکھے ہیں من لم یعرف امام زمانہ ای الامام الذی بایعہ المسلمون واھل الحل والعقد وجعلوہ اماما فمن لم یعرف انہ امام وانکر امامتہ وتخلف عن بیعتہ فقد مات میتتہ جاھلیۃ انتھی یعنے اور جس شخص نے اپنے زمانے کے امام کو نہ جانا یعنے اُسے جسکے ہاتھ پر مسلمانوں اور اہل حل وعقد نے بیعت کی ہی اور اُسے امام کیا ہے نہ پہچانا کہ یہی امام ہے اور اُسکی امامت کا انکار کیا اور اُس کی بیعت کو توڑ ڈالا پس وہ جاہلیت کی موت مرا اور ہر صدی کے شروع میں مجدد دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیدا ہوتا ہے اور اُسکو قطعی طور پر خدا ہی جانتا ہی ہر وہ شخص کہ صاحب برکات ہوا اور اُس سے دین قایم ہوا اور عالم میں اُسکا فیض پہونچے وہ مجدد دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصداق ہوسکتا ہی

سوال اللہ کا کلام کہ اُسکی صفت ہی اور قدیم ہے اور اسے کلام نفسی کہتے ہیں اسکا نزول اور تنزیل کیونکر ہوا۔ **جواب** کلام نفسی حرف وصوت کی قسم سے نہیں ہی اور اس صفت قدیم کا نازل ہونا محال ہی مولانا یعقوب بنبانی رحمہ اللہ تہذیب الکلام کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں ذھب اھل الحق الی ان کلامہ تعالی لیس من جنس الاصوات والحروف بل ھی صفۃ ازلیۃ قائمۃ بذات اللہ تعالی منافیۃ للسکوت والآفۃ انتھی اہل حق اس جانب گئے ہیں کہ خدا کا کلام جنس اصوات وحروف سے نہیں ہے بلکہ یہ صفت ازلی ہی جو خدا کی ذات سے قائم ہے اور سکوت اور آفت کے منافی ہی انتھی۔ مگر کلام لفظی جسکی قراء تلاوت کرتے اور حفاظ حفظ کرتے اور کاتب لوگ اُسکے

نقوش اور آیۃ کو لکھتے ہیں اور علماے اصول کی اصطلاح اور عرف شریعت میں اُسی کو قرآن کہتے ہیں غیر کلام نفسی ہو اور دال ہو کلام نفسی پر جو صفت الٰہی ہے اور روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام اسی کو لائے اور اسی کو حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے سامنے پڑھا اور حضور کے گوش مبارک میں پہونچایا اور اسی کو حضرت سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات نے سمجھا یاد رکھا اور پڑھا اور لوگوں کو سنایا فی التفسیر الکبیر اذا قلنا لھذہ الحروف المتوالیۃ والاصوات المتعاقبۃ انھا کلام اللہ کان المراد انھا الفاظ دالۃ علی الصفۃ القدیمۃ القائمۃ بذات اللہ تعالیٰ واذا قلنا کلام اللہ تعالیٰ قدیم لم نرد بہ الا تلک الصفۃ القدیمۃ انتہی یعنے تفسیر کبیر میں ہو اور جبکہ ہم ان حروف متوالیہ اور اصوات متعاقبہ کو یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا کا کلام ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہو کہ یہ الفاظ صفت قدیمہ پر جو خدا کے ساتھ قایم ہے دلالت کرتے ہیں اور جب ہم کہتے ہیں کہ خدا کا کلام قدیم ہو تو ہم اس سے یہی صفت قدیمہ مراد لیتے ہیں۔ اور طرق نزول میں کئی احتمال لکھے گئے ہیں (۱) اللہ تعالےٰ نے جبریل علیہ السلام کو اپنا کلام سنوایا اور انھیں اُس عبارت پر قادر کردیا جو اس کلام قدیم کی تعبیر کرے (۲) اللہ تعالےٰ نے لوح محفوظ میں اس نظم کی کتابت کو خلق کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے اُسے پڑھا اور یاد کرکے خدمت نبوی میں لائے (۳) اللہ تعالےٰ نے اصوات اور ٹکڑے ٹکڑے الفاظ کو پیدا کیا جبریل علیہ السلام نے اُسے لیا اور انھیں علم ضروری حاصل ہوا اس بات کا کہ یہی عبارت کلام قدیم پر دال ہو قال الامام الرازی انّ جبریل علیہ السلام سمع فی السماء کلام اللہ تعالیٰ فنزل علی الرسول فان قیل کیف یسمع جبریل علیہ السلام کلام اللہ وکلامہ لیس من الحروف والاصوات عندکم قلنا یحتمل ان یخلق اللہ تعالیٰ سماعا لکلامہ ثم اقدرہ علی عبارۃ یعبر بھا عن ذلک الکلام القدیم ویجوز ان یکون اللہ تعالیٰ خلق فی اللوح المحفوظ کتابۃ بھذا النظم فقراہ جبریل فحفظ ویجوز ان یخلق اصواتا مقطعۃ بھذا النظم المخصوص فتلقفہ جبریل ویخلق علما ضروریا بانہ ھو العبارۃ المودیۃ لمعنی ذلک الکلام القدیم انتہی وقال القاضی البیضاوی والانزال نقل الشئ من اعلیٰ الی سفل وھو انما یلحق المعانی بتوسط لحوقہ الذوات

الحاملة لها ولعل نزول الکتب الالٰھیۃ علی الرسل بان یتلقفہ الملک من اللہ تلقفا روحانیا او یحفظہ من اللوح المحفوظ وینزل بہ فیلقیہ علی الرسول انتہٰی یعنے امام رازی نے کہا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آسمان پر خدا کا کلام سنکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوے پس اگر کہا جائے کہ جبرئیل علیہ السلام نے خدا کا کلام کیونکر سنا حالانکہ خدا کا کلام تمھارے نزدیک حروف واصوات سے نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ احتمال ہے کہ خدا اپنے کلام کے سننے کا کوئی طریقہ پیدا کردے پھر انکو اسکی قدرت دے کہ وہ اس کلام قدیم کو الفاظ سے تعبیر کریں اور جائز ہے کہ اللہ تعالےٰ نے لوح محفوظ میں اسکو لکھدیا ہو اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پڑھکر یاد کرلیا اور جائز ہے کہ اس نظم کے لئے آوازوں کے ٹکڑے پیدا کردیے ہوں پس انکو جبرئیل علیہ السلام یاد کرلیتے ہوں اور علم ضروری پیدا کردیا ہو اس بات کا کہ یہی وہ عبارت ہے جو کلام قدیم کو ادا کرتی ہے انتہٰی اور قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ انزال نیچے کو اوپر سے نیچے لانے کو کہتے ہیں اور معانی کے اندر اوپر سے نیچے لانا ان معانی کے لانیوالوں کے واسطے سے پائے جاتے ہیں (یعنی حقیقت میں تو ان معانی کی لانیوالی ذاتیں نازل ہوتی ہیں انکے واسطے سے وہ معانی بھی) اور شاید کہ رسولوں پر کتب الٰہیہ اس طرح نازل ہوتے ہوں کہ فرشتے اُسے روحانی طرح پر یاد کرلیتے ہوں یا لوح محفوظ سے یاد کرتے ہوں اور انکو لیکر نازل ہوتے ہوں اور رسولؐ پر اُسکا القا کردیتے ہوں انتہٰی **سوال** بدن سے نکلنے کے بعد مومنین اور کفار کی روحیں کہاں رہتی ہیں **جواب** فتح العزیز میں ہے کہ علیین ایک مقام ساتوں آسمان کے اوپر ہے اس علیین کے نیچے کا حصہ سدرۃ المنتہٰی سے ملا ہوا اور اوپر کا حصہ عرش کے داہنے پائے سے ملا ہوا ہے نیکوں کی روحیں قبض ہونیکے بعد وہاں رہتی ہیں اور مقربین بارگاہ حضرت رب العزت یعنے انبیا اور اولیا وہاں رہتے ہیں اور عوام صلحا کی روحیں آسمان دنیا میں یا آسمان زمین کے بیچ میں یا چاہ زمزم میں رکھی جاتی ہیں جیسا جسکا مرتبہ ہو اور پہلے اعمالنامے لکھوا کر پہونچا دیے جاتے ہیں اور قبر کے ساتھ بھی روحونکا تعلق باقی رہتا ہے۔ اور ساتویں زمین کے نیچے ایک کالا بودار پتھر ہے کہ اُس سے دھواں بھی نکلتا ہے ابلیس اور دوسرے شیاطین جب اذکار وانوار سے بھاگتے ہیں وہیں جاتے ہیں کفار فجار کی روحوں کو قبض ہونے کے بعد پہلے آسمان تک لے جاتے ہیں آسمان کے نگہبان فرشتے ان روحوں

کے لئے دروازہ نہیں کھولتے اور روحوں کو آنے نہیں دیتے ہیں پھر اُن روحوں کو زمین پر لاتے ہیں جب یہاں بھی کوئی جگہ انھیں قبول نہیں کرتی تو ساتویں زمین کے اسی پتھر کے نیچے اس روح کو پہونچاتے ہیں وہاں یہ روحیں طرح طرح کے عذابوں میں پھنسی رہتی ہیں وفی خزانۃ الروایات ناقلا عن العقیدۃ المعینیۃ النسفیۃ اما ارواح الانبیاء علیہم السلام فتخرج من جسدھم وتصیر مثل صورتہا من المسک والکافور وتکون فی الجنۃ وتاکل وتتنعم وتاوی باللیل الی قنادیل معلقۃ بالعرش واما ارواح الشہداء فتخرج من جسدھم وتدخل فی اجواف طیر خضر فی الجنۃ تاکل وتتنعم وتاوی باللیل الی قنادیل معلقۃ بالعرش واما ارواح المطیعین من المؤمنین فی ربض الجنۃ لا تاکل ولا تمتع ولکن تنظر فی الجنۃ واما ارواح العصاۃ من المؤمنین فھما مابین السماء والارض فی الھواء واما ارواح الکفار فھی فی اجواف طیر سود فی السجین تحت الارض السابعۃ انتھے وفی العقائد السنیۃ فی منہاج العمال ان ارواح المؤمنین فی السماء السابعۃ ینظرون الی منازلھم فی الجنۃ انتھے یعنی اور صاحب خزانۃ الروایات نے عقیدۂ معینیہ نسفیہ سے نقل کرکے لکھا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی روحیں اُنکے جسموں سے نکلتی ہیں اور اپنی صورت کے مثل مشک اور کافور سے بنجاتی ہیں اور جنت میں رہتی ہیں اور کھاتی ہیں اور نعمتوں سے حظ اٹھاتی ہیں اور رات کو قندیلوں میں جو عرش میں لٹکتی رہتی ہیں شہدا کی روحیں جب اُنکے جسم سے نکلتی ہیں تو سبز پرندوں کے پیٹوں میں داخل ہوجاتی ہیں جو جنت میں رہتی ہیں اور وہاں کھاتی ہیں اور نعمتوں سے حظ اٹھاتی ہیں اور رات کو قندیلوں میں جو عرش میں لٹکتی ہیں رہتی ہیں اور مومن اطاعت کرنے والوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں نہ کھاتی ہیں نہ فائدہ اُٹھاتی ہیں لیکن جنت کو دیکھتی رہتی ہیں اور نافرمانبردار مومنوں کی روحیں آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں رہتی ہیں اور کفار کی روحیں سیاہ پرندوں کے جوف میں داخل ہوکر سجین میں جو ساتویں زمین کے نیچے ہے رہتی ہیں اور صاحب عقائد سنیہ منہاج العمال سے نقل کرکے لکھتے ہیں مومنین کی روحیں ساتویں آسمان سے اپنے اُن مکانوں کو دیکھتی ہیں جو جنت میں اُن کے لئے ہیں

سوال مرنے کے بعد کسی کو جنتی یا دوزخی اعتقاد کرنا چاہیئے یا نہیں **جواب** کسی کے باطن یا اُس کے خاتمہ کا حال سوا خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہے لہذا اعتقاد نہ کرنا چاہئے

کہ فلاں آدمی جنتی ہے یا دوزخی یہ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص نے جنت میں جانے کے کام کیے اور فلاں شخص نے دوزخ میں داخل ہونے کے اعمال کیے **سوال** اہل سنت کا عقیدہ ہے الصحابۃ کلھم عدول یعنے سب صحابی عادل تھے پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ عدالت سے کیا مراد ہے **جواب** یہ عقیدہ نہ عقائد کی پرانی کتابوں میں ہے نہ علم کلام میں بلکہ اس فقرہ کو محدثین اصول حدیث کے اندر راویوں کے عادل ہونے کے بیان میں لاتے ہیں جس شخص نے اس فقرہ کو عقائد میں داخل کیا ہے وہ وہیں سے اسکو لایا ہے اور عدالت روایت میں جھوٹ کے قصد سے بچنے کو کہتے ہیں اور اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ تمام صحابہ ایسی عدالت کے ساتھ موصوف تھے اور حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا پر جھوٹ الزام لگانے کو سخت گناہ جانتے تھے **سوال** اصحاب کہف کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا کیا عقیدہ ہے **جواب** مشہور اور معتبر مذہب یہ ہے کہ اصحاب کہف زندہ ہیں اور امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ اُٹھیں گے اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ شب معراج میں جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جماعت اصحاب کہف پر گزر کیا اور وہ لوگ آپ پر ایمان لاکے پھر سو رہے **سوال** پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا واجب القبول ہے یا نہیں **جواب** جو دعا الہام یا امر الٰہی یا لوازم و متعلقات نبوت سے ہو واجب القبول ہے ورنہ نہیں **سوال** رافضیوں کو کافر جاننا چاہیئے یا مسلمان **جواب** یہ مسئلہ اختلافی ہے تحقیق یہ ہے کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیں وہ بدعتی ہیں کافر نہیں ہیں اور جو لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکر ہوں یا انکو خلافت کا مستحق نہ جانتے ہوں یا شیخین کو گالی دینا حلال جانتے ہوں اُنھیں اکثر فقہانے کافر لکھا ہے فی الخلاصۃ والرافضی ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع ولو انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر انتھے یعنی رافضی اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دوسرے خلفا رضوان اللہ علیہم اجمعین پر فضیلت دے تو وہ مبتدع ہے اور اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے اور بعضوں نے روافض کو مرتد لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی توبہ قبول نہو گی اس لئے کہ تقیہ کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور بعض فقہا روافض کے اسلام کے قائل ہیں اور کہتے ہیں جو شخص نص کے معنے کو نص کے معنے جانکر بلا تاویل انکا انکار کرے اور کہے کہ گو نص قطعی وارد ہوئی ہے

مگر میں اُسے قبول نہیں کرتا یہ تو کفر کو خود لازم کرنا ہے اور جو بتاویل نص کا انکار کرے اگرچہ وہ تاویل تاویل ہونیکے لائق نہ ہو بلکہ نص کے ظاہری معنی کا انکار کرے تو یہ لزوم کفر ہے اور لزوم کفر کفر نہیں ہے بلکہ التزام کفر کفر ہے اور روافض نے التزام کفر نہیں کیا ہے کیونکہ شیخین کو محبوب رسول اور خلیفہ سمجھکر گالی نہیں دیتے بلکہ شیخین کو رسول کے وصی کے مخالف اور دشمن اہل بیت نبوت اعتقاد کرکے نصوص میں تاویل کرتے اور گالیاں دیتے ہیں پس یہ لزوم کفر ہے التزام کفر نہیں **سوال** ایمان اور کفر کسے کہتے ہیں اور کفر کی کتنی قسمیں ہیں **جواب** اُن چیزوں کی تصدیق کرنا جو رسول لائے ہیں ایمان ہے اور عدم ایمان کفر ہے کفر کی چار قسمیں ہیں (۱) کفر جہل یعنی نبی کو جھوٹا جاننا دعوی نبوت میں جیسے ابوجہل کا کفر (۲) کفر جحود و عناد یعنی نبی کو نبی سمجھکر جھٹلانا جیسے اہل کتاب کا کفر قال اللہ تعالی وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اُن سے انکے دل منکر ہوگئے حالانکہ اُنکے دل اُسکا یقین رکھتے ہیں (۳) کفر شک جیسے اکثر منافقین کو تھا (۴) کفر تاویل یعنی نبی کے کلام کو غیر محل پر یا تقیہ پر یا مراعات مصالح پر محمول کرکے کافر ہونا **سوال** فقہا اس امر کے قائل ہیں کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے یا شیخین کو گالی دے وہ کافر ہے اور بعض فقہانے معتزلہ کو کافر کہا ہے اور اہل سنت کے قواعد میں سے لا یکفر احد من اہل القبلۃ ہے یعنی اہل قبلہ میں سے کوئی کافر نہ ٹھہرایا جائے پس اس کے واقعی معنے کیا ہیں **جواب** مولانا شمس الدین خیالی رحمہ اللہ نے اس قاعدہ کی تاویل میں لکھا ہے معنی ہذا القاعدۃ ان لا یکفر فی المسائل الاجتہادیۃ اذ لا نزاع فی تکفیر من انکر ضروریات الدین یعنے اس قاعدے کے معنے یہ ہیں کہ مسائل اجتہادیہ میں کسی کو کافر نہیں ٹھہرایا جائے کیونکہ منکر ضروریات دین کے کافر ہونے میں کوئی جھگڑا نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس قاعدے میں اہل قبلہ سے وہی لوگ مراد ہیں جو ضروریات دین کے منکر نہوں اور جو ضروریات دین کے منکر ہوں وہ اہل قبلہ ہی نہیں ہیں پس اُنکی تکفیر ہو جائیگی **سوال** ضال اور مبتدع فرقے کو نجات حاصل ہوگی یا نہیں **جواب** اگر ضلال اور بدعت کفر اور انکار ضروریات دین کی حد تک نہ پہونچے ہوں تو نجات کی اُمید رکھنا چاہیئے **سوال** حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں اہل سنت کے علما کا کیا عقیدہ ہے **جواب** بعضوں نے اُنھیں کافر اور ناری کہا ہے اور بعض کے نزدیک یہ جنتی

ہیں اور اسمیں تین مسلک ہیں (۱) یہ کہ انکی وفات کفر اور شرک پر ہوئی لیکن سزا نہ پائیں گے اسلئے
کہ زمانہ فترت میں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی بعثت سے پہلے وفات کر گئے قال اللہ تعالیٰ
وما کنا معذبین حتے نبعث رسولا اللہ تعالیٰ فرماتا ہی جبتک ہم رسول نہیں بھیج لیتے کسی گروہ
پر عذاب نہیں کرتے (۲) یہ کہ انکی وفات کفر اور شرک پر ہوئی لیکن پھر زندہ کیے گئے اور حضور سرور عالم
صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لائے (۳) یہ کہ ان دونوں نے اپنی عقل سے یا دین ابراہیمی سے
سنکر شرک کی برائی کو جانکر اسکو ترک کیا اور توحید کا اعتقاد کرکے بتوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور
حضور کی تشریف آوری کی خبر سنکے آپ کے ولادت کے انتظار میں رہے اور قطعی ارادہ کر لیا تھا
کہ اگر آپکے بعثت کے زمانے کو پائینگے تو ایمان لائینگے پس گو ایمان تفصیلی ان حضرات کا ثابت نہیں
مگر ایمان اجمالی ثابت ہی اور امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ کا فقہ اکبر میں والدا رسول اللہ ماتا علی الکفر
(یعنے جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات کے ماں باپ نے کفر کی حالت میں وفات
فرمائی) کہدینا اس مسلک کے منافی نہیں ہی کیونکہ ممکن ہی کہ ایمان تفصیلی نہ پائے جانے کیوجہ سے
کفر کا لفظ استعمال کیا ہو **سوال** شیاطین کا آدمی کے بدن میں تصرف کرنا جسے آسیب کہتے
ہیں سچ ہی یا نہیں **جواب** اکثر فرق اسلام کے نزدیک مسلم ہی اور معتزلہ نے اس میں اختلاف
کیا ہی یتخبطہ الشیطان من المس کے تحت میں صاحب تفسیر نیشاپوری نے لکھا ہے
واکثر المسلمین علی ان الشیطان قادر علی الفزع والقتل والایذاء بتقدیر اللہ تعالیٰ
اور اکثر مسلمانوں کا خیال ہی کہ شیطان ڈرانے اور قتل کرنے اور دکھ دینے پر خدا کے قادر کرا دینے
سے قادر ہی **سوال** انسان مرنے کے بعد انسان کے جسم میں تصرف قتل یا ایذا کے ساتھ کرتا
ہی یا نہیں **جواب** علماء اہل سنت کا اس مسئلہ میں اختلاف ہی بعض نے اس تصرف کا انکار کیا ہی
اس دلیل سے کہ اگر انسان صالح ہی تو یہ ایذا اسکی صلاح کے منافی ہی اور اگر فاسق یا کافر ہی تو
موکلان عذاب کے ہاتھ سے کیونکر چھوٹ سکیگا جو کسی کو ایذا پہنچائے اور بعض نے اس تصرف کا اقرار
کیا ہی مگر اقرار کرنیوالوں میں بھی دو گروہ ہوگئے ہیں ایک گروہ کہتا ہی کہ انسان کافر ہو یا مومن ظالم ایذا
دینے والا یا باعلان زنا کرنیوالا ہو یا متمرد غیر تائب مرنے کے بعد عالم برزخ میں ارادہ الٰہی سے
مسخ ہو کے جن ہو جاتا ہی خصوصاً جبکہ جنابت کی حالت میں مرے تو جن ہو کے انسان کے جسموں

میں تصرف کرتا ہے اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اگرچہ آپکی امت کا عالم
شہادت میں مسخ ہونا بند ہے مگر عالم برزخ میں عذاب دینے کے طور پر ہوگا اور ایسا نہیں ہے کہ ہر
کافر یا ہر بدکار مومن مسخ ہوجائے بلکہ جسے اللہ چاہے گا وہ مسخ ہوجائیگا اور صلحا اور اتقیا کو جنابت
کی حالت میں مریں مسخ نہیں ہوتے ملا معین نے برزخ میں اس مقام کو بہت تفصیل سے
لکھا ہے اور دوسرے فرقے کا قول ہے کہ نہ انقلاب ہوتا ہے نہ مسخ بلکہ یہ ایک قسم ہے افعال اور حرکات کی کہ مختلف
قسموں کو آپس میں حاصل ہے موافق قول من تشبہ بقوم فھو منھم جسنے مشابہت کی کسی قوم
سے وہ انھیں میں سے ہی کے جو آدمی جنون کا کام کرتا ہے اسے عرف میں بھوت کہتے ہیں **سوال**
میزان قیامت کے دن پلصراط پر گزرنیکے بعد رکھی جائیگی یا پہلے **جواب** پلصراط پر گزرنے سے
پہلے کیونکہ میزان اس پہچان کے لئے ہے کہ کون جنتی اور کون دوزخی ہے اور پلصراط پر گزرجانا جنت
اور دوزخ میں جانے کا وسیلہ ہے جو حکم میں دخول ہی کے ہے اور یہ جو حدیث ام المومنین حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے ان لم تجدینی عند الصراط فاطلبنی عند المیزان یعنے
حضور روحی فداہ نے فرمایا ہے اگر تم مجھے صراط کے قریب نہ پاؤ تو میزان کے قریب ڈھونڈھو اسکے
مخالف نہیں ہے کیونکہ حضور کی غرض یہ ہے کہ میں ان تین جگھوں میں سے کسی ایک جگہ میں ضرور ہونگا
پس حضور صلے اللہ علیہ وسلم امت کو دوزخ سے چھڑانیکے لیے پلصراط اور میزان پر کئی بار آئینگے پس اسکی
صورت یہ ہوگی کہ آپ پہلے صراط کے قریب ہونگے جب امت کا گروہ وزن اعمال سے نجات پاکر
جنت کیطرف جانے لگے گا راہ میں پلصراط پر پاؤں لڑکھڑائیگا انھیں بچانے کے لئے آپ وہاں
تشریف لیجائینگے جب وہاں سے فارغ ہونگے پھر میزان کے پاس آکھڑے ہونگے اور بقیہ امت کو اس
دشواری سے چھڑائینگے جب یہ گروہ پلصراط طے کرنے لگے گا آپ پھر تشریف لیجائینگے علی ہذا القیاس
چند مرتبہ یہی صورت پیش آئیگی جیسے ہم دنیا میں لڑائی یا تقریبوں میں دیکھتے ہیں کہ کام کرنیوالے اور امرا
کبھی اس کام کیلئے ادھر آتے ہیں کبھی دوسرے کام کیلئے دوسری طرف جاتے ہیں اور یہ آمد و رفت انکی
مقتضائے ریاست ہے کیونکہ ہر قسم کی ذمہ داری ان ہی کے ذمہ ہے **سوال** اصحاب مذاہب اربعہ تابعی تھے یا تبع
تابعی اور مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب پر عمل کرنا برا ہے یا نہیں **جواب** امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن
حنبل رحمہم اللہ تبع تابعی ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ بعض کے نزدیک تابعی ہیں قال فی التجنیس و المزید صح ان ابا حنیفۃ کان

من التابعین روی عن عدۃ من الصحابۃ انتھی یعنے صاحب تجنیس ومزید فرماتے ہیں اور
یہ صحیح ہی کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں انھوں نے بہت سے صحابہ سے روایت کی ہی اور بعض
کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے زمانے میں کئی صحابی زندہ تھے مگر امام صاحب اُنسے مل نسکے حاصل
کلام کا یہ ہی کہ ائمہ اربعہ نے بڑی کوشش سے مسائل کو قرآن اور حدیث اور اجماع سے نکالا ہی جہاں
صریح نص نہیں ملی وہاں رعایت شرائط کے ساتھ اجتہاد کیا اور انمیں سے کسی ایک نے یہ نہیں کیا
کہ حدیث صحیح کو ترک کرکے اپنی رائے پر عمل کیا ہو اور اب ہمیں سوا تقلید مجتہد کے کوئی چارہ ہی نہیں ہی
اور اسی پر اجماع ہی کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب پر عمل نہ کرے فی الاشباہ وما خالف الائمۃ
الاربعۃ مخالف للاجماع وان کان فیہ خلاف لغیرھم فقد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد
علی عدم العمل بمذہب مخالف للاربعۃ لانضباط مذاہبہم وانتشارھا وکثرۃ اتباعہم انتھی
یعنی اشباہ میں ہی اور جو ائمہ اربعہ کے خلاف ہو وہ اجماع کے خلاف ہی اگرچہ انکے علاوہ سب کا اختلاف
ہو کیونکہ تحریر میں اس کی تصریح ہی کہ اجماع اس بات پر منعقد ہے کہ مذاہب اربعہ کے خلاف مذہب
پر عمل نہ کرنا چاہیئے کیونکہ انکے مذاہب منضبط اور مشہور اور متبعین بہت ہیں

مکہ اور مدینہ میں کون افضل ہے

سوال مکہ افضل ہی یا
مدینہ زاد اللہ شرفہما الی یوم القیامۃ **جواب** مکہ سے مدینہ کے افضل ہونے یا مدینہ سے مکہ کے
افضل ہونے میں اختلاف ہی جو لوگ مدینہ کو مکہ پر فضیلت دیتے ہیں حدیث کو سند میں پیش کرتے
ہیں منجملہ انکے وہ حدیث ہی جسکو بخاری اور مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہی کہ حضرت سرور
عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی اللھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ما جعلت بمکۃ من البرکۃ انتھی
یعنے اے اللہ مدینہ کو مکہ سے دوچند برکت دے۔ اور وہ حدیث ہی جسکو شیخین نے حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہی کہ فرمایا حضور سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات نے
اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد انتھی یعنے اے اللہ محبوب کردے ہمارے لئے
مدینہ کو جیسا کہ محبوب کردیا تو نے ہمارے لئے مکہ کو یا اس سے بھی زائد اور جو لوگ مکہ کو مدینہ سے
افضل جانتے ہیں وہ بھی حدیثوں کو سند میں لاتے ہیں منجملہ ان کے وہ حدیث ہی جسکو ترمذی
اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہی کہ جناب خاتم النبیین
صلواۃ اللہ وسلامہ الی یوم الدین نے مکہ کیجانب مخاطب ہوکر فرمایا ہی واللہ انک لخیر ارض اللہ

الی اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ ولولا انی اخرجت منک ماخرجت انتہی یعنے خدا کی قسم تو خدا کی زمین میں سب سے اچھی زمین ہے اور خدا کو اس کی زمین میں سب سے زائد محبوب ہے اور اگر میں تجھسے نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔ اور فتح العزیز میں ہے ہر شہر میں تمام اقسام کے لوگ سپاہی سوداگر پیشہ ور مالدار فقیر عورت و مرد وغیرہ ہوتے ہیں اور تجارتیں اور عمارتیں اور مقابر اولیا وانبیا اور مساجد وغیرہ بھی ہوا کرتے ہیں اور قسم قسم کے نباتات اور طرح طرح کے جانور پرند اور چرند وہاں پرورش پاتے ہیں لیکن کعبہ کے سوا کسی شہر میں خدا کا ایسا گھر نہیں ہے جہاں تجلی دائمی ہوتی ہو اور خلق اللہ کی عبادت کا قبلہ سوا کعبہ کے کوئی دوسرا شہر نہیں ہے ان تمام مراتب کے ساتھ ایک شرف مکہ کو یہ بھی حاصل ہے کہ یہیں حضور روحی فداہ پیدا ہوئے اور یہیں مبعوث بہدایت ہوئے پس یہی شہر اسرار وحی محمدی کا جامع ہے **سوال** یزید کے حق میں کیسا اعتقاد رکھنا چاہیے **جواب** بعض لوگ یزید کے ساتھ افراط اور موالات کی راہ سے کہتے ہیں کہ جب یزید مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہوگیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام پر اسکی اطاعت واجب ہوگئی اور یہ نہیں جانتے کہ باوجود حضرت امام حسینؓ کی مخالفت کے امیر ہوگیا تو مسلمانوں کا اتفاق ہی کب ہوا ایک جماعت صحابہ اور اولاد صحابہ کی اسکی اطاعت میں داخل نہیں ہوئی تھی اور جن لوگوں نے اسکی اطاعت قبول کی تھی انہیں سے بہتوں نے جب اسے شرابی اور تارک صلوٰۃ اور زانی اور دوسری حرام چیزوں کو حلال جانتے دیکھا تو مدینہ منورہ میں پلٹ آئے اور بیعت سے پھر گئے یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا نہ حکم دیا تھا نہ اسپر راضی تھا اور قتل کے بعد بھی وہ یا اسکے اہلبیت اس خبر سے خوش نہیں ہوئے غلط ہے قال العلامۃ التفتازانی فی شرح العقائد النفسیۃ والحق ان رضی یزید بقتل الحسینؓ واستبشارہ بذالک واہانۃ اہلبیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احاداً انتہی یعنی علامہ تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں اور حق یہ ہے کہ یزید کا امام حسین علیہ السلام کے قتل اور اسکی بشارت اور اہانت اہل بیت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راضی ہونا ان چیزوں میں سے ہے جنکے معنے متواتر ہیں اگرچہ تفاصیل احاد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امام حسینؓ کا قتل گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے اور لعنت کا فرد نکے لئے مخصوص ہے اور یہ نہیں جانتے کہ کفر تو ایک طرف ہے خود ایذائے رسولؐ

لعنهم الله فی الدنیا والاخرۃ واعد لهم عذابا مهینا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کو اذیت پہونچاتے ہیں اُن پر خدا دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُن کے لئے سخت عذاب مقرر کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یزید کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں ممکن ہے کہ اُس نے اس کفر اور معصیت کا ارتکاب کرکے اُس سے توبہ کرلی ہو اور توبہ کرکے مرا ہو اسی جانب امام غزالی نے احیاء العلوم میں میل کیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ احتمال توبہ احتمال ہی احتمال ہے ورنہ اس بے سعادت نے ایسا برا کام کیا ہے جو اس اُمت میں کسی نے نہ کیا ہوگا حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل و اہانت اہل بیت کے بعد مدینۂ منورہ کے ویران کرنے کو اور اہل مدینہ کے مار ڈالنے کے لیے لشکر بھیجا تھا جسکی بدولت تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوسکی نہ نماز پھر حرم اور مکہ پر اُس نے لشکر کشی کی اور اسی جنگ کی بدولت حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حرم کے اندر شہید ہوے اور یزید ایسے ہی مشاغل میں مشغول تھا کہ مرگیا اُسکے بیٹے معاویہ نے منبر پر کھڑے ہوکر اپنے باپ کی برائیاں کیں واللہ اعلم بما فی الضمائر۔ اور بعض لوگ بیباکانہ اُسپر لعنت کرنے کو جائز جانتے ہیں سلف اور اس اُمت کے بلند پایہ حضرات میں سے امام احمد حنبل وغیرہ نے یزید پر لعنت کی ہے اور ابن جوزی نے جو سنت اور شریعت کی محافظت کی بڑی طرفداری کرتے ہیں اپنی کتاب میں سلف سے اُسپر لعنت کرنے کو نقل کیا ہے اور علامہ تفتازانی نے اُسپر اور اُسکے ساتھیوں پر بڑے جوش و خروش سے لعنت کی ہے اور بعض بالکل خاموش رہے ہیں نہ اُسے اچھا کہتے ہیں نہ برا سب سے اچھا مسلک یہ ہے کہ اُس شقی کو ترحم اور مغفرت سے یاد نہ کرے اور لعنت جو کافروں کے لئے مخصوص ہے اُس سے بھی اپنی زبان کو آلودہ نہ کرے کیونکہ باوجود کفر کے شیطان پر بھی لعنت نہ کرنا برا نہیں ہے صاحب قصیدہ امالیہ فرماتے ہیں ولم یلعن یزید بعد موته ٭ سوی المکثار فی الاغراء غال ٭ یعنے یزید پر مرنے کے بعد بہت برانگیختہ کرنے والے اور اس قسم کی باتوں میں منہمک رہنے والے کے سوا کوئی لعنت نہیں کرتا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

محمد عبد الحی ابوالحسنات

سوال عالم جو ذات و صفات کے سوا کا نام ہے قدیم ہے یا حادث ہے تو شیخ اکبر کے اس کلام کا کیا مطلب ہے کہ میں عالم کے لئے کوئی مدت نہیں جانتا **جواب** عالم نسبت سے مہت ہوا ہے اور شیخ اکبر کے کلام کا جو مطلب ہے وہ اسکے مخالف نہیں کیونکہ ابتداے آفرینش کی تاریخ قطعی طور پر کسی کو معلوم نہیں

اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ علم خداوندی کے اعتبار سے عالم قدیم ہے اور وجود خارجی کے اعتبار سے حادث لہذا اس اعتبار سے عالم کی مدت معلوم نہیں شیخ اکبر کا قول اسی بنا پر ہے۔

کتاب القرآن

سوال قرآن شریف کے رسم خط کے قاعدے سے صیغہ مفرد کے بعد الف لکھتے ہیں جیسے سورۂ رعد میں ہے الیہ یدعوا والیہ ماٰب اور اسیطرح سورۂ جمعہ میں رسولًا بتا وا علیھم اور کہیں واؤ زائد جیسے اولٰئک میں اور کہیں ہے زائد لکھتے ہیں یہ قاعدہ نحویوں کے قواعد کے خلاف ہے پس اسے بدل دینا چاہیئے یا جیسا مصحف عثمانی میں ہے باقی رکھنا چاہیئے **جواب** مصحف عثمانی کے رسم خط کی رعایت کرنی چاہیئے اور جیسا ہے ویسا ہی رہنے دینا چاہیئے اور بدلنا درست نہیں ہے علامہ جلال الدین سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں القاعدۃ العربیۃ ان اللفظ یکتب بحروف ھجائہ مع مراعاۃ الابتداء بہ والوقف علیہ وقد مھد النحاۃ لہ اصولا وقواعد وقد خالفھا فی بعض الحروف خط مصحف الامام وقال اشھب سئل مالک ھل کتب المصحف علی ما احدثہ الناس من الھجاء فقال لا الا علی الکتبۃ الاولی رواہ الدانی فی المقنع ثم قال ولا مخالف لہ من علماء الامۃ وقال فی موضع اٰخر سئل مالک عن الحروف فی القراٰن مثل الواو والالف الا تری ان یغیرا اذا وجد فیہ کذلک قال لا قال ابو عمرو یعنی (عثمان الدانی ۱۲) الواو والالف المزیدتین فی الرسم المعدومتین فی اللفظ نحو اولوا قال الامام احمد یحرم مخالفۃ خط مصحف عثمان فی واو او یاء او الف او غیر ذلک وقال البیھقی فی شعب الایمان من کتب مصحفا فینبغی ان یحافظ علی الھجاء الذی کتبوا فیہ تلک المصاحف ولا یخالفھم فیہ ولا یغیر مما کتبوا شیئا فانھم کانوا اکثر علما واصدق قلبا ولسانا واعظم امانۃ منا فلا ینبغی ان نظن بانفسنا استدراکا علیھم انتھے یعنی عربی کا قاعدہ یہ ہے کہ لفظ اپنے حروف ہجا سے لکھا جائے اور ابتدا و وقف کا لحاظ رکھا جائے اور نحویوں نے اسکے لیے بہت سے اُصول و قواعد بنائے ہیں اور بعض حروف میں خط مصحف امام ان قواعد کے خلاف واقع ہوا ہے اور اشہب نے کہا ہے کہ مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا قرآن لوگوں کے نکالے ہوئے حروف ہجا کے موافق لکھا گیا ہے پس

اُنھوں نے کہا نہیں بلکہ کتابت کے پہلے طریقہ پر لکھا گیا ہے روایت کیا ہی اسکو دانی نے مقنع میں اور علمائے اُمت میں کوئی انکا مخالف نہیں ہی اور دوسری جگہ کیا ہے امام مالک سے قرآن میں حروف (مثل واو و الف) کے متعلق پوچھا کہ اگر وہ اس طرح (یعنے خلاف قاعدہ) پائے جائیں تو کیا اُن میں تغیر کیا جائیگا اُنھوں نے فرمایا نہیں ابو عمرو (عثمان الدانی) نے کہا ہے یعنے واؤ اور الف زائد خط میں جو لفظ میں نہیں مثلاً اولوا امام احمد نے کہا ہے مصحف عثمان رضہ کے واؤ یا ہمزہ الف۔ یا اور کسی حرف میں مخالفت حرام ہے بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہی کہ جو مصحف کو لکھے تُسے اُن ہجار کا یاد رکھنا جن میں مصاحف لکھے گئے ہیں ضروری ہی اور اُن کی مخالفت نہ کرے اور جو کچھ لکھا ہے اُسکو نہ بدلے کیونکہ وہ علم میں زائد قلب و زبان کے سچے امانت میں ہم سے بڑے تھے تو ہمکو اپنے دل سے اُسپر زیادتی کا گمان نہ کرنا چاہیئے۔ اور امام موصوف نے دوسری جگہہ لکھا ہے وقال الکرمانی فی العجائب کانت صورۃ الفتحہ فی الخطوط قبل الخط العربی الفا وصورۃ الضمۃ واوا وصورۃ الکسرۃ یاء فکتب لااوضعوا بالالف مکان الفتحہ وایتاء ذی القربیٰ بالیاء مکان الکسرۃ واولئک ونحوہ بالواو مکان الضمۃ لقرب عہدہم بالخط الاول انتھے یعنے کرمانی نے عجائب میں کہا ہے فتحہ کی صورت خط عربی کے قبل کے خطوں میں الف کی تھی اور ضمہ کی صورت واؤ کی اور کسرہ کی صورت یار کی پس لااوضعوا میں الف کو فتحہ کی جگہہ اور ایتاء ذی القربیٰ میں ی کو کسرہ کی جگہ اور اولئک وغیرہ میں واؤ کو ضمہ کی جگہ لکھا ہے کیونکہ انکا زمانہ خط اول کے زمانہ سے قریب تھا **سوال** جو شخص قرآن شریف کے کسی حرف کو دوسرے حرف سے بدل دے یا کم کردے یا زائد کردے وہ کافر ہے یا نہیں **جواب** کافر ہے فی الشفــــاء للقاضی عیاض قد اجمع المسلمون علی من نقص من القرآن حرفاً قاصدا لذلک او بدلہ بحرف آخر مکانہ او زاد فیہ حرفا آخر مما لم یشمل علیہ المصحف الذی وقع الاجماع علیہ واجمع علی انہ لیس من القرآن عامدا لکل ھذا انہ کافر انتھے یعنے قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں مسلمانوں نے اس پر اجماع کرلیا ہی کہ جو شخص قرآن میں قصداً کوئی حرف کم کرے یا اُسکو دوسرے حرف سے بدل کر اُسی جگہ لکھ دے یا کوئی اور حرف بڑھا دے جو مجمع علیہ مصحف میں نہیں پایا جاتا ہے اور اُس کے قرآن میں نہونے پر اجماع ہو وہ کافر ہے **سوال** قرأت صحیحہ کیا ہی اور ضعیف اور شاذ اور باطل کون ہے **جواب**

ابن جزری نے نشر میں لکھا ہے کہ جو قرأت کسی طریقہ سے بھی عربیت کے موافق ہو یا کسی ایک مصحف
عثمانی سے مطابقت رکھتی ہو اگرچہ احتمالاً ہی ہو اور اُسکی سند صحت کو پہونچی ہو تو وہی قرات صحیح ہے
اُسکا انکار درست نہیں ہے خواہ قرار سبعہ سے منقول ہو یا قراء عشرہ سے اور جو قرأت اس شروط
ثلثہ کے مخالف ہو وہ ضعیف یا شاذ یا باطل ہے ایسا ہی صاحب اتقان نے دانی اور ابو شامہ
اور کواشی وغیرہ سے نقل کیا ہے سوال ایک قرأت کو دوسری قرأت سے کسی آیہ یا سورہ
میں ملا دینا مثلاً قرأت حفص کو قرأت ابن عامر سے ملانا درست ہے یا نہیں جواب ابن صلاح
اور نودی نے کہا ہے کہ قرارت سبعہ یا عشرہ میں سے جس قرأت میں پڑھنا شروع کیا ہو تو اولی
یہ ہے کہ اُسی قرارت میں تمام کرے اور اگر ایک پورا جملہ اس قرارت میں پڑھکے دوسرے جملہ کو دوسری
قرارت میں شروع کیا تو بھی جائز ہے اور بعض ائمہ نے مطلقاً ایک قرأت کو دوسری قرأت سے
ملا دینے کو منع کیا ہے اور ابن جزری کہتے ہیں کہ اگر دو قرارتوں کے ملا دینے سے ایسا کلام پیدا ہو جائے
جو عربیت اور لغت کے اعتبار سے مہمل ہو تو قرارتوں کا ملا دینا جائز نہیں ہے جیسے فتلقی ادم من
ربہ کلمات یعنی آدم نے اپنے رب کے کلمات پائے ۔ ابن کثیر کی قرأت کے لحاظ سے کلمات کا پیش
اور غیر ابن کثیر کی قرأت سے آدم کا پیش لینے سے کلام مہمل ہو جائیگا لہذا یہ صورت درست نہیں
اور اگر بہ لحاظ روایت ہے پس جس راوی یا قاری کی قرأت کا التزام کیا ہے وہی پڑھے اگر ملا دے گا
تو روایت میں کذب لازم آئیگا اور یہ ممنوع ہے اور اگر تلاوۃ پڑھتا ہے تو ملا دینا جائز ہے اس لئے
کہ سب قرآن ہے ایسا ہی اتقان میں ہے سوال قرارت سبعہ متواترہ ہے یا مشہورہ جواب
بعض قرائتیں حد تواتر کو پہونچ گئی ہیں کیونکہ اُن کی نقل کرنے والی ایسی جماعت ہے جس کا کذب پر
متفق ہو جانا محال ہے اور ابتدا سے انتہا تک یہی حالت ہے اور بعض قرائتیں مشہورہ ہیں کہ رسم
عثمان اور عربیت کے موافق ہیں اور سند بھی صحیح رکھتی ہیں اور قراء میں مشہور ہیں لیکن تواتر کے درجہ کو
نہیں پہونچی ہیں اور قاریوں میں سے کسی نے اُسکو غلط یا شاذ نہیں کہا ہے جیسے وہ قرائتیں جو قراء سبعہ سے باختلاف
طرق نقل منقول ہیں کہ بعض ناقل ایک طرح روایت کرتے ہیں اور بعض دوسری طرح اور کتب قرات
میں اس قسم کی باتیں بہت ہیں اور اس طرح کی قرأت میں بہت سی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں
جیسے دانی کی تیسیر اور قصیدہ شاطبی اور اوعیہ نشر اور تقریب نشر وغیرہ اور بعض احاد ہیں کہ صحیح

قرات قراء مختلفہ کو ملانا جائز ہے یا نہیں

قرات سبعہ متواترہ ہے یا مشہور

سند رکھتی ہیں مگر رسم خط یا عربیت کے مخالف ہیں یا مشہور نہیں ہوئیں ایسا ہی صاحب اتقان نے ابن جزری سے نقل کرکے لکھا ہے اور یہیں سے معلوم ہوگیا کہ جزئی جزئی قرائیں جو ائمۂ سبعہ سے منقول ہیں چاہے اسکے نقل کرنے والے متفق ہوں یا مختلف متواتر نہیں ہوسکتیں بلکہ جن قراء تونکے نقل کرنیوالوں نے بالاتفاق قراء سبعہ سے نقل کیا ہے متواتر ہیں اور مختلف الفاظ جو قراء سبعہ نقل ہوئے ہیں متواتر نہیں ہیں جیسا کہ ابو شامہ نے کہا ہے زرکشی نے برہان میں لکھا ہے کہ قرأت سبعہ کا تواتر قراء سبعہ سے صحیح ہے مگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر غیر مسلم ہے کیونکہ قراء سبعہ کی نقل بہ نسبت قرأت سبعہ کے کتب قرأت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل واحد کی واحد سے ہے تو تواتر کی صورت کیسے بن سکتی ہے اور بعض بڑے لوگ تواتر کے بھی قائل ہوئے ہیں۔

سوال شاطبی اور تیسیر میں قرأت سبعہ متواتر ملتی ہیں یا نہیں **جواب** شاطبی اور تیسیر میں متواتر کا التزام نہیں ہے بلکہ قرأت مشہورہ بھی ان کتابوں میں بہت درج ہیں اور قرأت مشہورہ کا انحصار اس کتاب میں نہیں ہے اور ائمہ قرأت نے جو شخص اس کتاب میں انحصار قرأت مشہورہ کا دعویٰ کرتا ہے اسکا سختی کے انکار کیا ہے جیسا کہ اتقان میں ہے **سوال** جو عالم یا حافظ قراء عشرہ میں سے کسی ایک کی قرارت پڑھے اسکو خاطی کہنا درست ہے یا نہیں **جواب** نہیں کیونکہ جب قرأت عشرہ مشہورہ بسند ثابت ہیں اور صحیح الروایت ہیں تو اسپر عمل کرنے والے کو خاطی کہنے سے صحابہ اور تابعین کا خاطی ہونا لازم آتا ہے **سوال** سورۂ یوسف میں جو لا تامنا ہے وہ ہندوستان میں بادغام صریح مشہور ہے اور بعض قاری ساتھ فصل ایک نون کے نون آخر سے صحیح کہتے ہیں اسمیں سچ کیا ہے **جواب** لا تامنا جو سورۂ یوسف میں ہے اور صیغہ نفی کا ضمیر متکلم مع الغیر کے ساتھ ہے باعتبار ادغام واظہار کئی احتمال رکھتا ہے (۱) اظہار صریح بغیر ادغام یعنی نون اول کو دوم نون سے علیحدہ کرکے اور قراء سبعہ بلکہ عشرہ میں سے کوئی قاری اس قرأت کا قائل نہیں ہے کیونکہ رسم خط کے خلاف ہے اور زیادہ ثقیل ہوجاتا ہے مگر قراء اربعہ عشر میں سے اعمش اور طلحہ نے بغیر ادغام باظہار صریح پڑھا ہے جیسا کہ صاحب مفتاح رحمانی نے مجمع السرور سے نقل کیا ہے اور ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں الادغام فی کلمتین اتفق علیہ القراء فی لا تامنا انتھٰی لا تامنا میں دو کلموں میں ادغام پر قراء کا

متفق ہیں اور اتقان میں اجمع الائمۃ العشرۃ علی ادغام مالک لا تامنا علی یوسف
انتھی دسوں اماموں نے مالک لا تامنا علی یوسف میں ادغام پر اجماع کیا ہے (۲) دونوں
نون کا فصل بلا ادغام کے اسطرح پڑھتے ہیں کہ حرکت پہلے نون کی اس طرح اخفا کے ساتھ
پڑھی جائے کہ ساکن کا شبہہ ہو اور اسی اخفا کو سیوطی نے اتقان میں روم سے تعبیر کیا ہے اور صاحب
تیسیر نے اسکو اشمام کہا ہے قال کلھم قرؤ لا تامنا با دغام النون الاولی فی الثانیۃ واشمامھا الضم
وحقیقۃ الاشمام فی ذلک ان یشار بالحرکۃ الی النون لا بالعضو الیھا فیکون ذلک اخفاء
لا ادغاما صحیحا لان الحرکۃ لا تسکن رأسا بل یضعف الصوت فیفصل بین المدغم
والمدغم فیہ لذلک ھذا قول عامۃ ائمتنا وھو الصواب لتأکد دلالتہ وصحتہ فی القیاس
کذا نقل المحقق الشروانی فی حاشیۃ تفسیر البیضاوی صاحب تیسیر کہتے ہیں کہ سب نے لا تامنا با دغام
نون اول در ثانی و اشمام ضمہ پڑھا ہے اور اس میں اشمام کی حقیقت یہ ہے کہ حرکت سے
نون کی جانب اشارہ کریں نہ کہ عضو سے پس یہ اخفا ہوگا نہ ادغام صحیح کیونکہ حرکت بالکل ساکن
نہیں ہوتی ہے بلکہ آواز صرف ضعیف ہو جاتی ہے اور مدغم اور مدغم فیہ میں اسی سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے
یہ ہمارے عام ائمہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اسکی دلیل قوی ہے اور قیاس اسکو صحیح بھی سمجھتا ہے
ایسا ہی نقل کیا ہے محقق شروانی نے حاشیۂ تفسیر بیضاوی میں اور شاطبی نے اپنے قصیدے
میں کہا ہے وتامننا للکل یخفی مفصلا یعنی تمام قراء سبعہ تامنا کو باخفاء حرکت نون اول
بفک ادغام پڑھتے ہیں اور شیخ ابو البقا علی بن عبد اللہ بن عثمان بن محمد بن احمد بن الحسین
القاصح نے قصیدہ سراج القاری المبتدی کی شرح اور تذکرہ المقری المنتہی میں لکھا ہے
اخبر ان کل القراء یعنی السبعۃ قرؤا مالک لا تامنا باخفاء حرکۃ النون ای باظہار
النون الاولی واختلاس حرکتھا ثم قال مفصلا یعنی ان الاخفاء یفصل احدی النونین
عن الاخری بخلاف الادغام انتھی یعنے خبر دی گئی ہے کہ تمام قراء یعنے قراء سبعہ نے مالک
لا تامنا کو اخفاء حرکت نون سے پڑھا ہے یعنے پہلے نون کو ظاہر کرکے اسکی حرکت کو اڑا کر
پڑھنا پھر کہا ہے مفصلا یعنے اخفا ایک نون کو دوسرے نون سے جدا کر دینا ہے برخلاف
ادغام کے اور محقق شروانی نے حاشیۂ تفسیر بیضاوی میں جعبری شارح قصیدہ سے نقل کیا ہے

کہ حاصل کلام قصیدہ کا یہ ہے کہ تمام ناقلین نے اخفا کو مع فصل کے قرا سبعہ سے نقل کیا ہے
اور واقع میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اہل عراق اسکے خلاف پر متفق ہیں اور مفتاح میں اس مصرع
کے نقل کرنے کے بعد تعریضًا لکھا ہے اور اس وجہ کو اولی کہا ہے جیسا کہ اکثر کا مذہب ہے
قال الشروانی قال الجعبری شارح القصیدۃ یرید بقولہ اخفاء الحرکۃ واختلاسہا
ومعنی مفصلا فصل احدی النونین عن الاخری وھو حقیقۃ الاظہار وھذا معنی قول
ابی علی الفارسی ویجوز ان یبین ولا یدغم ویخفی الحرکۃ وھو ان یختلسہا ومفہوم
ھذا البیت ان کلا من النقلۃ رووہ عن السبعۃ ولیس کذلک لاطباق العراقیین علی
خلافہ انتہی یعنے شروانی نے کہا ہے کہ جعبری شارح قصیدہ کہتے ہیں کہ صاحب قصیدہ کی مراد
اپنے قول سے حرکت کا اخفا اور اس کا اڑا دینا ہے اور مفصلا کے معنے دونوں نون میں سے
ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنے کے ہیں اور یہی حقیقت اظہار ہے اور یہی ابو علی فارسی کے
قول کے معنے ہیں اور جائز ہے کہ نون ظاہر کیا جاوے اور ادغام نہ کیا جاوے اور حرکت پوشیدہ رکھی
جاوے یعنے اڑا دیجاوے اور اس بیت کا مفہوم یہ ہے کہ ناقلین میں سے ہر ایک نے اس روایت
کو قرا سبعہ سے روایت کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اہل عراق اسکے خلاف پر متفق ہیں
(۳) یہ کہ پہلے نون کو دوسرے نون میں ادغام کرکے باشمام ضمہ اور عین ادغام کی حالت سے
پڑھیں اور اسکو اسکے بعض اہل ادا نے جیسے ابن مجاہد قرا سبعہ سے روایت کیا ہے اور اسی کو
آسانی کی وجہ سے اکثر اہل ادا نے اختیار کیا ہے جیسا کہ مفتاح رحمانی میں ہے اور یہ وجہ تیسیر
میں نہیں لکھی ہے اور اس اشمام کی حقیقت یہ ہے کہ دونوں مونٹھ آپس میں ملجائیں اور فقط
عضو کے اشارے سے بغیر آواز اور حرکت نکلے ہوئے نون کے ضمہ کو لب کے اشارہ سے
ظاہر کریں اور حرکت پیدا نہونے پاوے جیسا کہ شروانی نے جعبری شارح قصیدہ سے نقل کیا ہے
اور کنز المعانی میں ہے وھذا الاشمام ان تضم شفتیک من غیر صوت انتہی یعنے اور اشمام یہ ہے
کہ دونوں ہونٹوں کو بغیر آواز نکالے ہوے ملالو اور شاطبی نے قصیدہ میں کہا ہے ع وادغم مع
اشمامہا البعض عنہم یعنے اور ادغام کی روایت کی ہے مع اشمام کے بعضوں نے قرا
سبعہ سے اور ابن قاصح نے اس قصیدہ کی شرح میں لکھا ہے ثم اخبر ان لبعض اھل الاداء

کابن مجاھد ادغم النون الاولیٰ فی الثانیۃ مع اشمام الضم عنھم ای عن السبعۃ وھذا الوجہ لیس فی التیسیر وھذا الاشمام کالاشمام السابق فی الوقف وھو ضم الشفتین من غیر احداث شئ فی النون انتھیٰ یعنے پھر خبر دی گئی ہے کہ بعض اہل اداء (مثلاً ابن مجاہد) نے نون اولیٰ کی نون ثانیہ میں ادغام کی روایت مع اشمام ضمہ کے قراء سبعہ سے کی ہے اور یہ وجہ تیسیر میں نہیں ہے اور یہ اشمام مثل پہلے اشمام کے ہے وقف میں اور وہ ہونٹوں کا ملا لینا ہے بغیر اسکے کہ کوئی آواز نون میں پیدا کیجائے (۳) یہ کہ پہلے نون کو دوسرے نون میں ادغام کرکے فقط صریح ادغام کیساتھ بغیر اشمام اور اشارہ ضمہ کے پڑھیں قراء سبعہ میں سے ابو جعفر نے اسی کو اختیار کیا ہے جیساکہ اتقان میں ہے اور یہ صورت بھی تیسیر میں نہیں ہے اور صاحب مفتاح رحمانی نے لکھا ہے قراء سبعہ نے لاتامنا میں ادغام محض اس لئے نہیں کیا ہے کہ لائے نہی سے جو حرف جازم ہے التباس نہوجائے مگر صاحب سراج القاری لکھتے ہیں کہ بغیر اشمام کے صریح ادغام بھی قراء سبعہ کی قراءت ہے اخفا اور ادغام مع اشمام کی مانند یہ تینوں وجہ بھی قراء سبعہ کی قرأت ہیں عبارتہ ھٰکذا وفی کلام الناظم اشارۃ الی وجہ ثالث وھو الادغام الصریح بدون اشمام لانہ لما قال وادغم مع اشمامہ البعض عنھم دل علی ان البعض ادغم من غیر اشمام فھذہ ثلثۃ اوجہ قراءات لکل واحد من السبعۃ وھذا لوجہ الثالث لیس فی التیسیر ایضا ونص ابن جبارۃ علی الاوجہ الثلثۃ انتھیٰ یعنی انکی عبارت یہ ہے اور ناظم کے کلام میں اشارہ ہے تیسرے طریقہ کی جانب اور وہ ادغام صریح ہے بغیر اشمام کے کیونکہ جب اس نے کہا وادغم مع اشمامہ البعض عنھم تو اس نے دلالت کی ہے کہ بعض نے ادغام کیا ہے بغیر اشمام کے پس یہ تینوں وجہیں ہر ایک کی ساتوں قاریوں میں سے قرأت ہیں اور تیسری وجہ تیسیر میں بھی نہیں ہے اور ابن جبارہ تینوں وجوں پر دلیلیں لائے ہیں۔ الحاصل جو لوگ لاتامنا با دغام صریح بغیر اشمام اور روم کے پڑھیں انھیں ملامت نہ کرنا چاہیئے۔

سوال قرآن شریف کے ختم کے وقت سورۂ اخلاص کا تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہے یا نہیں

جواب مستحسن ہے شرح منیہ میں ہے قراءۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القران لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیۃ ابو اللیث ھذا شئ استحسنا اھل القران و

ختم قرآن پر تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا

ایمۃ الامصار فلا باس بہ الا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزیدہ علی مرۃ انتھی یعنے قرآن کے ختم کرتے وقت قل ھو اللہ احد کا تین مرتبہ پڑھنا بعض مشائخ نے مستحسن نہیں جانا ہے اور فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اُسے اہل قرآن اور آئمہ نے مستحسن جانا ہے پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر یہ کہ ختم اگر فرض نماز میں ہو تو ایک مرتبہ سے زائد نہ پڑھے سوال تفسیر جلالین میں ہے کان مزاجھا ما تمزج بہ کافور یعنے اس شراب کا مزاج یعنے جس میں وہ ملائی جاتی ہے کافور ہے اور صاحب کمالین لکھتے ہیں یرید انہ اسم کالامام لما یؤتم بہ انتھی یعنے اس سے یہ مراد ہے کہ یہ اسم ہے جیسے امام مایؤتم بہ کے معنی میں ہے کہ جس کی پیروی کی جائے ان عبارتوں کی توجیہ کیا ہے کیونکہ یہ تفاسیر متداولہ کے خلاف ہیں جواب مزاج معنے میں ما یمزج بہ الشئ کے لغت اور تفسیر کی کتابوں میں آیا ہے تفسیر الکواشی میں ہے مزاجھا ما تمزج بہ انتھے یعنے شراب کا مزاج وہ ہے جس سے وہ ملائی جائے۔ اور محمد بن ابی بکر رازی نے تفسیر غرائب القرآن میں لکھا ہے مزاج الشراب ما تمزج بہ انتھے شراب کا مزاج وہ ہے جس سے وہ ملائی جائے اور صاحب فیوضات آلہیہ لکھتے ہیں المزاج ما یمزج بہ انتھے مزاج وہ ہے جس سے وہ ملائی جائے اور تفسیر کشاف میں ہے مزاجھا ما تمزج بہ انتھے شراب کا مزاج وہ ہے جس سے ملائی جائے اور اس لفظ کے امثال بھی اسی جیسے معنے رکھتے ہیں مثلاً قوام ما یقام بہ الشئ کے معنے میں مستعمل ہے جیسا کہ فیوضات آلہیہ میں ہے یعنے جسکے ساتھ کوئی چیز قائم کی جائے اور ختام ما یختم بہ کے معنے میں آیا ہے یعنی جس سے کوئی چیز ختم کیجائے جیسا کہ تفسیر کواشی میں ہے اور ریراد اُس چیز کے معنے میں ہے کہ جس سے ادھوڑی کو سیتے ہیں جیسا کہ منتہی الارب میں ہے اور اس بات کی صراحت کہ مزاج اسم آلہ ہے کتب حاضرہ میں میری نظر سے نہیں گذری مگر اس وزن پر آنے والے دوسرے الفاظ کا شمار اسم آلہ میں کیا گیا ہے رضی شرح شافیہ میں ہے وجاء الفعال ایضاً للاٰلۃ کالخیاط والنظام اور فعال بھی آلہ کے لیے آیا ہے جیسے خیاط اور نظام اسم آلہ ہیں۔ اور اسم آلہ کی تعریف بھی اس لفظ پر صادق آتی ہے اور عینی شرح شافیہ میں لکھتے ہیں ھو اسم مشتق من فعل لیستعان بہ فی ذلک الفعل انتھی یعنے وہ اسم ہے جو فعل سے مشتق ہو تاکہ اُس سے اس کام میں مدد لیجائے اور جاربردی نے شافیہ کی شرح میں لکھا ہے الاٰلۃ کل اسم اشتق من فعل اسما لما یستعان

به فی ذلك الفعل کالمفتاح فانه اسم لما یفتح به وقد یطلق علی ما یفعل فیه اذا کان
مما یستعان به فی المعنی کالمحلب انتھی یعنے آلہ ہر وہ اسم ہی جو فعل سے مشتق ہو نام ہو اس
چیز کا جس سے اُس فعل میں مدد لیجائے جیسے مفتاح اس لئے کہ وہ نام ہے اُس چیز کا جس سے تالے
کھولی جائے اور کبھی اُسپر بھی اطلاق ہوتا ہے جس میں کام کیا جائے جبکہ اُن چیزوں میں سے ہو جن سے
مدد لی جائے شلاً محلب۔ ان وجوہ سے مزاج کو اسم آلہ کہہ سکتے ہیں۔ **سوال** اگر قرآن شریف
کا تلاوت کرنیوالا ایک ایک آیت یا ایک ایک رکوع پڑھتا جائے اور فارسی یا اُردو میں ترجمہ
کرتا جائے تو اس سے کلام باری میں دوسرے کلام کی شرکت ہوتی ہی یا نہیں اور اگر شرکت ہوتی ہی
تو کیا حکم ہی بینوا توجروا **جواب** جبکہ اُسکا مقصد فقط قرآن پڑھنا ہی نہیں ہی بلکہ اُسکے معانی
کا سمجھنا ہے تو کوئی حرج نہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ
عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** اگر کوئی شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھے اور پڑھنے والے کے
ادھر اُدھر جو لوگ بیٹھے ہیں وہ کسی وجہ سے کان لگا کر نہ سنیں یا دنیاوی کاموں میں پھنسے ہونے
کی وجہ سے نہ سن سکیں تو کیا ایسی صورت میں پڑھنے والے کو چپکے سے پڑھنا لازم ہوگا یا نہیں اگر
اُسے چپکے سے پڑھنا لازم ہو مگر وہ چپکے سے نہ پڑھے تو کیا حکم ہے **جواب** سامعین پر قرآن
شریف کا سننا فرض ہی اگر لوگ کاموں میں پھنسے ہوں اور قرآن شریف کے سننے کی طرف متوجہ
نہو سکیں تو پڑھنے والے کو چاہیئے کہ چپکے سے پڑھے اور بلند آواز سے پڑھکے حاضرین کو گنہگار بنانے
کا باعث نہو۔ علامہ منقاری زادہ نے اپنے رسالہ الاتباع فی مسئلۃ الاستماع میں جو اُنھوں نے مسئلہ
سماع قرآن کے لیے تصنیف کیا ہی اور اسکی پوری تفصیل کی ہی لکھا ہی فی المحیط یکرہ رفع الصوت
بقراءۃ القرآن عند المشتغلین لان فیہ منع غیرہ عن شغلہ یعنے محیط میں ہے
قرآن شریف کے پڑھنے میں آواز بلند کرنا کاموں میں مشغول رہنے والے لوگوں کے پاس مکروہ ہے
کیونکہ اس میں غیر کو اُسکے شغل سے روکنا ہی و فی شرح التحفۃ نقلا عن ظھیر الدین التمرتاشی لا یقرأ
القرآن جھرا عند المستغلین بالاعمال لما فیہ من قطعھم عن الاعمال و ترك الاستماع
و فی المنیۃ امرأۃ تغزل فی البیت لیس لاحد ان یقرأ القرآن عندھا جھرا انتھی ملخصاً یعنے
اور شرح تحفہ میں ظہیر الدین تمرتاشی سے نقل کیا ہی کہ جو لوگ کاموں میں مشغول ہوں اُن کے سامنے

قرآن شریف زور سے نہ پڑھا جائے کیونکہ اُس میں یا تو اُنھیں کاموں سے روکنا ہے یا قرآن نہ سننا اور منیہ میں ہے جو عورت گھر میں سوت کاتتی ہو اُسکے پاس زور سے قرآن شریف پڑھنا کسی کو جائز نہیں ہے انتہیٰ ملخصاً واللہ اعلم حررہٗ ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد رحمت اللہ عفی عنہ۔ (مہر: محمد عبدالحی ابوالحسنات)

کتاب الجنۃ

سوال۔ بی نکاحی عورت جو مر جاتی ہے جنت میں کسکو دیجائے گی جواب جسے وہ پسند کریگی اُسکے ساتھ نکاح ہوجائیگا اور اگر انسانوں میں سے کسی کو وہ پسند نہ کرے گی تو اللہ تعالےٰ حورعین میں سے ایک مرد کو پیدا کرکے اُسکے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیگا غرائب میں ہے ولو ماتت قبل ان یتزوج تخیرا یضاان رضیت بآدمی زوجت منہ وان لم ترض فاللہ یخلق ذکرا من الحور العین فیزوجہا منہ انتہےٰ یعنے اور اگر شادی ہونے سے پہلے کوئی عورت مرجائے تو اُسے بھی اختیار دیا جائیگا چاہے تو کسی آدمی سے راضی ہوجائے اور اُسکے ساتھ شادی کرے اور اگر نہ راضی ہو تو خدا اُسکے لیے حورعین سے ایک مرد پیدا کرکے اُسکے ساتھ اُسکی شادی کریگا سوال جس عورت نے دنیا میں ایک شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے شادی کی ہے وہ جنت میں کسکو دیجائے گی جواب بعض کے نزدیک اُس عورت کو اختیار دیا جائے گا دونوں میں سے جسکو پسند کرے گی اُسکے پاس رہے گی اور بعض کہتے ہیں کہ شوہر آخر کو دیجائے گی غرائب میں ہے اختلف الناس فی المرأۃ التی یکون لہا زوجان فی الدنیا لایہما تکون فی الاخرۃ قیل تکون لاخرہما وقیل تخیر فتختار ایہما شاء انتہےٰ یعنے اور لوگوں کا اختلاف ہوا ہے اُس عورت کے متعلق جسکے دنیا میں دو شوہر ہوں کہ وہ آخرت میں کسکو ملے گی بعضوں کے نزدیک دوسرے شوہر کو ملیگی اور بعضوں کے نزدیک اُسے اختیار دیا جائیگا جسکو چاہے اختیار کرے سوال حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام جس جنت سے نکالے گئے ہیں حساب وکتاب کے بعد مومنین اُسی جنت میں داخل کیے جائیں گے یا کسی اور جنت میں اور قبر میں جنت اور دوزخ کی جو کھڑکیاں ہوتی ہیں اُسی جنت کی

بے نکاحی عورت جنت میں کس کو ملیگی

دو شوہر والی عورت جنت میں کسکو ملیگی

کھڑکیاں ہیں یا کسی اور کی ان مندرجہ ذیل امور کا اعتقاد رکھنے والا کیسا ہے اور اسکے اعتقاد کو قرآن اور حدیث سے مطابقت ہے یا نہیں (۱) جنت دو قسم کی ہے (۱) صغری (۲) کبری۔ صغری جبل یاقوت پر ہے اسکو جنت برزخ بھی کہتے ہیں (۲) کبری میں قیامت کے بعد مستحقین داخل ہونگے اور وہ بالفعل اللہ کے علم میں محفوظ اور موجود ہے (۳) حضرت آدم علیہ السلام جس جنت سے نکالے گئے ہیں وہی جنت البرزخ ہے قیامت کے بعد لوگ اسکے علاوہ ایک اور جنت میں جسکا نام کبری ہے داخل کیے جائینگے (۴) قبر میں جنت اور دوزخ کی جو کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں یہ بھی جنت و نار صغری کی کھڑکیاں ہیں کبری قیامت سے پہلے کسی کو نہیں مل سکتی ھو الملھم للصواب

جواب سیکڑوں حدیثوں اور آثار سے جو کہ بدور سافرہ فی احوال الآخرہ مصنفہ سیوطی اور شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور مولفہ سیوطی اور تفسیر سیوطی موسومہ بدر منثور اور تفسیر ابن جریر طبری وغیرہ مین مبسوط ہیں اور کتب صحاح ستہ اور مسانید و سنن اور معاجم محدثین انکی تخریج سے پر ہیں بلکہ آیات قرآنیہ سے بھی یہ امر بلا شبہہ ثابت ہے کہ جس جنت میں حساب و کتاب کے بعد اہل اسلام داخل ہونگے وہی جنت ہے جس میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام رہے تھے اور بسبب گناہ صادر ہونے کے جہاں سے زمین پر بھیجے گئے تھے اور اسی جنت کا دریچہ قبر میں کھولا جاتا ہے اور اس کا مقام ساتویں آسمان پر ہے ولقد راٰہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتھی عندھا جنۃ الماوی یعنے اور بیشک اس فرشتے کو دیکھا تھا ایک بار اور بھی سدرۃ المنتھی کے پاس اسکے نزدیک جنت آرامگاہ ہے۔ اور جہنم بھی ایک ہے جسکا مقر فی الحال ساتویں زمین کے نیچے ہے اس میں کفار بطور خلود کے اور اہل اسلام فساق داخل ہونگے اور اسیکا دریچہ قبر میں کفار کے واسطے کھلتا ہے اور سوائے اسکے دوسری جنت و دوزخ کا قرآن و احادیث و آثار صحابہ و کتب علمائے شریعت سے نشان نہیں معلوم ہوتا ہے اور یہ اعتقاد کہ جنت و نار دو قسم کی ہیں اور مسکن حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا جنت البرزخ میں تھا اور دریچہ قبر میں اس جنت و نار سے جو مقر جن و انس بعد حساب کے ہونگے نہیں کھولا جاتا ہے بلکہ صغری سے جہالت ہے بلکہ بعد وضوح دلائل ضلالت ہے ہاں یہ قول بعض اہل کشف سے منقول ہے مگر چونکہ قرآن و حدیث کے بالکلیہ مخالف ہے بالضرورۃ خطائے کشفی پر محمول ہوگا اور بمقابلہ آیات و احادیث و آثار کہ جن میں جبل یاقوت کا پتہ نہیں اور نہ نار و جنت صغری کا صراحۃً یا اشارۃً تذکرہ ہے ہرگز

مسموع نہوگا اور شاید اگر ایسے اعتقاد رکھنے والے کو اشتباہ عبدالوہاب شعرانی کے خاتمہ میزان کبریٰ سے واقع ہو کہ اُس میں یہ مرقوم ہے ثم اعلم یا اخی ان الجنۃ التی کان فیھا آدم لیست بالجنۃ الکبریٰ المدخرۃ فی علم اللہ کما قد یتبادر الی الاذھان وانما ھی جنۃ البرزخ التی فوق جبل الیاقوت کما قال اھل الکشف الخ یعنے پھر جان تو اے میرے بھائی کہ وہ جنت جس میں حضرت آدم علیہ السلام تشریف رکھتے تھے جنت کبریٰ (جسکا علم خدا ہی کو ہے) نہیں ہے جیساکہ ذہنوں میں آتا ہے بلکہ وہ جنت برزخ ہے جو جبل یاقوت پر ہے جیساکہ اہل کشف نے کہا ہے تو اسکا رفع یوں سمجھنا چاہیے کہ خود شعرانی کے نزدیک یہ قول معتبر نہیں ہے اور نہ یہ قول جملہ ارباب کشف کا ہے بلکہ بعض کا ہے خود شعرانی اپنی تالیف کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں لکھتے ہیں المبحث الاولیٰ والسبعون فی بیان ان الجنۃ والنار حق وانھما مخلوقتان قبل خلق آدم علیہ السلام کما تقدم بسطہ فی المبحث الثانی من الکتاب فی حدوث العالم وذکرنا ھناک ان خلق الجنۃ والنار متاخر عن خلق الدنیا بتسعۃ الاف سنۃ ولذلک وسمیت الجنۃ بالآخرۃ لتاخر خلقھا عن خلق الدنیا وھما مخلوقتان مھیئتان لاصحابھم قبل خلقھم وزعم اکثر المعتزلۃ انھما یخلقان یوم الجزاء ودلیلنا علیھم النصوص الصریحۃ الصحیحۃ الدالۃ علی انھما مخلوقتان قبل یوم الجزاء نحو قولہ تعالیٰ اعدت للمتقین واعدت للکافرین وقصۃ آدم وحواء واسکانھما الجنۃ واخراجھما منھا ونحو ذلک کحدیث یفتح للمؤمن فی قبرہ کوۃ فینظر منھا الی الجنۃ ویدخل علیہ من روحھا ونعیمھا ویفتح للکافر کوۃ الی النار فیدخل علیہ حرھا وسمومھا وکحدیث لما خلق اللہ جنۃ عدن بیدہ ودلی فیھا ثمارھا وشق فیھا انھارھا قال لھا تکلمی فقالت قد افلح المؤمنون رواہما البخاری وغیرہ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت الجنۃ والنار فی عدۃ احادیث وکان الشیخ محی الدین ابن عربی یقول الجنۃ والنار مخلوقتان لکنھما لا یکمل بناؤھما الا بانتھاء الدنیا والفضاء زمن التکلیف فھما بمثابۃ سور الدار الذی بناہ الملک ثم بعد ذلک یشتق المجدران ویبنی حتی ینتھی البناء لانھما یبنیان من اعمال المکلفین من خیر او شر فمن نظر الی السور

من خارج قال فرغ من بنائهما ومن دخل السور وجد هما ناقصتين بقدر ما بقی من اعمال المكلفين فی هذه الدار ويدل على ذلك حديث ان الجنة عذبة الماء طيبة التربة وانها قيعان وغراسها سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر الحديث فان القيعان هی التی لا بناء فيها ولا شجر وفی الحديث ايضا من صلى كل يوم ثنتی عشرة ركعة بنى الله له بيتا فی الجنة ومن قال سبحان الله غرس له شجرة فی الجنة انتهى ای كلام ابن عربی وقال الخريطی ليست الجنة التی خرج منها آدم هی الجنة الكبرى لمدخر فی علم الله تعالى فان تلك لا يصح فيها معصية لآدم لكونها حضرة الله الخاصة التی لا حجاب فيها وانما هی جنة البرزخ التی هی فوق جبل الياقوت فالجنة الكبرى لا يدخلها الناس الا بعد انتهاء الحساب والمرور على الصراط قال وجنة البرزخ هی التی تری فی الدنيا وكذلك نار البرزخ فانه صلى الله عليه وسلم قال رايت جهنم والنار فی مقامی هذا وذكر انه رأى عمرو بن يحيى الذی سيب السوائب فی النار ورأى المرأة التی حبست الهرة حتى ماتت جوعا ومعلوم ان هولاء لم يدخلوا النار الكبرى الى الآن وانما هو محبوس فی البرزخ كذا قال فليتامل ويتحرى انتهى یہ بحث اکثر وں اس بیان میں کہ جنت و نار حق ہیں اور وہ حضرت آدم علیہ السلام سے قبل پیدا کی گئی تھیں جیسا کہ اسکی وضاحت کتاب حدوث عالم کی بحث ثانی میں گذری ہے اور وہاں ہم نے بیان کیا ہے کہ جنت و دوزخ دنیا کی پیدائش کے نو ہزار برس بعد پیدا کی گئی ہیں اور اسی وجہ سے جنت کو آخرت کہتے ہیں کیونکہ اسکی پیدائش دنیا کے بعد ہے اور وہ دونوں اپنے اصحاب کے لئے انکے قبل سے مہیا اور پیدا کی گئی ہیں اور اکثر معتزلہ نے گمان کیا ہے کہ وہ دونوں قیامت کے دن پیدا کی جائیں گی اور ہماری دلیل نصوص صحیحہ صریحہ ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت و دوزخ قیامت سے پہلے پیدا کی گئی ہیں مثلاً خدا کا فرمان اعدت للمتقين اور اعدت للكافرين اور قصہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا اور انکا جنت میں رہنا اور اس سے نکالا جانا اور ان کے مثل مثلاً یہ حدیث کہ مومن کے لئے اسکی قبر میں ایک کھڑکی کھولدی جاتی ہے جس سے وہ جنت کی طرف دیکھتا ہے اور اسپر جنت کی نعمتیں اور خوشبو ئیں نازل ہوتی ہیں اور مثلاً یہ حدیث کہ جب اللہ نے جنت عدن کو اپنے

ہاتھ سے پیدا کیا اور اُس میں پھل اُگائے اور نہریں جاری کیں پس اُس سے کہا کہ بول سو وہ بولی کہ فلاح پا گئے ہیں ایمان لانیوالے اِن دونوں کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے اور رسول اللہ صلعم نے مختلف احادیث میں فرمایا ہے کہ میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی کہتے تھے کہ جنت اور دوزخ پیدا کی گئی ہیں لیکن اُنکی بنا کامل نہوگی تا وقتیکہ دنیا کی انتہا نہو جاے اور تکلیف کا زمانہ نہ گذر جائے پس وہ دونوں بمنزلہ اس گھر کی چار دیواری کے ہیں جسے بادشاہ نے بنایا ہو پھر اُسکے بعد دیواریں شق کردی جائیں اور بنائی جائیں یہانتک کہ بنا ختم ہو جائے کیونکہ جنت اور دوزخ مکلفین کے اچھے بُرے اعمال سے بنائی گئی ہیں پس باہر سے جو چار دیواری کو دیکھے گا وہ خیال کریگا کہ اسکی بنا سے فراغت حاصل ہوگئی ہے اور جو چار دیواری میں داخل ہوگا جس قدر کہ اس دنیا میں اعمال مکلفین باقی ہیں اُسقدر اُسے ناقص پائے گا اور اسی پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جنت کا پانی شیریں ہے وہاں کی مٹی پاک ہے اور وہ چٹیل میدان ہے درخت لگانا اس میں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہے آخر حدیث تک اسلیے کہ میدان وہ ہے جس میں عمارت اور درخت نہوں اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو شخص ہر دن بارہ ۱۲ رکعتیں پڑھتا ہے خدا اُس کے لئے جنت میں ایک گھر بناتا ہے اور جسنے سبحان اللہ کہا ہے اُسکے لئے جنت میں ایک درخت اُگاتا ہے ابن عربی کا کلام ختم ہوا اور خریطی نے کہا ہے کہ وہ جنت جس میں سے حضرت آدم علیہ السلام نکالے گئے تھے جنت کبریٰ (جسکا علم خدا ہی کو ہے) نہیں ہے کیونکہ اُس میں حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ کا صادر ہونا صحیح نہیں ہے اسلیئے کہ وہ خاص خدا کا حضور ہوتا ہے اور وہاں حجاب نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ جنت برزخ ہے جو جبل یاقوت پر ہے پس جنت کبریٰ میں لوگ حساب کے ختم ہونے اور صراط پر سے گذرنے کے بعد داخل ہونگے اور کہا ہے کہ جنت برزخ وہ ہے جو دنیا میں دکھائی دیتی ہے اور ایسا ہی نار برزخ اسلیے کہ جناب رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے کہ میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے اپنی اس جگہ میں اور ذکر کیا گیا ہے کہ آپنے عمرو بن یحییٰ کو جس نے سانڈ چھوڑنے کی رسم بد ایجاد کی اور اُس عورت کو جس نے بلی کو بند کر رکھا تھا یہانتک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی دوزخ میں ملاحظہ فرمایا اور یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ اُس وقت تک نار کبریٰ میں داخل نہوے بلکہ برزخ میں محبوس ہیں ابن عربی

اور مخزیطی نے ایسا ہی کہا ہی بس غور اور زخری کی جائے انتہی۔ اس عبارت سے صاف واضح ہی
کہ معتقد شعرانی کا وہی ہی جو معتقد اہل حق ہی اور حضرت محی الدین بن عربی اور مخزیطی کا کلام
اسکے نزدیک مخدوش ہی کیونکہ یواقیت کے دیباچہ میں شعرانی نے لکھا ہی اعلم یا اخی انی
طالعت من کلام اہل الکشف ما لا یحصی من الرسائل ما رایت فی عبارتہما اوسع من
عبارۃ الشیخ محی الدین بن العربی فلذلک شیدت ہذا الکتاب بکلامہ من الفتوحات
وغیرہا لکنی رایت الفتوحات مواضع لم افہمہا فذکرتہا لینظر فیہا علماء الاسلام
ویحققوا الحق و یبطلوا الباطل ان وجدوہ فلا تظن یا اخی انی ذکرتہا لکونی اعتقد صحتہا
وارضاہا فی عقیدتی کما یقع فیہ المتہورون فی اعراض الناس فیقولون لولا انہ
ارتضی ذلک الکلام ما ذکرہ فی مؤلفہ معاذ اللہ ان اخالف الجمہور المتکلمین
واعتقد صحۃ کلام من خالفہم من بعض اہل الکشف الغیر المعصوم فان فی الحدیث
ید اللہ مع الجماعۃ ولذلک اقول غالباً عقب کلام اہل الکشف انتہی فلیتامل وتحری
ونحو ذلک اظہار التوقف فی فہم علی مصطلح اہل الکلام وکان شیخنا شیخ الاسلام
زکریا الانصاری یقول لا یخلو کلام ایمۃ الصوفیۃ عن ثلاثۃ احوال لانہ اما ان
یوافق صریح الکتاب والسنۃ فہذا یجب اعتقادہ جزما واما ان یخالف صریح الکتاب والسنۃ
فہذا یحرم اعتقادہ جزما واما ان لا نظہر لنا موافقتہ ولا مخالفتہ واحسن احوالہ
الوقف انتہی یعنی جانو تم اے میرے بھائی کہ میں نے اہل کشف کے بہت سے رسالے دیکھے ہیں لیکن
شیخ محی الدین بن عربی کی عبارت سے زیادہ وسیع کسی کو نہ پایا اس لئے میں نے اپنی کتاب کو
اُن کے کلامات سے جو فتوحات مکیہ وغیرہ میں ہیں مزین کیا لیکن میں نے فتوحات مکیہ میں بہت
سی عبارتیں ایسی دیکھی ہیں جنکو میں نہیں سمجھا تو میں نے اُنکو ذکر کردیا ہے کہ علمائے اسلام اسمیں
غور فرمائیں اور صحیح کو صحیح رکھیں اور اگر اس میں باطل کو پائیں تو باطل کردیں پس اے میرے
بھائی تم یہ نہ گمان کرو کہ میں نے اُن کے کلام کو صحت کے اعتقاد رکھنے یا اپنے خیال میں اُنپر
راضی ہونے کی وجہ سے لکھا ہی جیسا کہ لوگوں کی آبروؤں میں دلیری کرنے والوں کی عادت ہی کہ وہ
کہتے ہیں کہ اگر وہ اس کلام سے راضی نہوتا تو اپنی کتاب میں کیوں ذکر کرتا پناہ بخدا اس امر سے

کہ میں جمہور متکلمین کی مخالفت کروں اور اہل کشف (جو معصوم نہیں ہیں) کے قول کی اتباع
کروں جو اُن کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں ہے اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور اسی وجہ سے
میں اکثر اہل کشف کے کلام کے بعد انتہی فلیتامل و یتحری وغیرہ حسب اصطلاح اہل کلام
سمجھنے میں توقف ظاہر کرنے کے لیے لکھدیتا ہوں ہمارے شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ
فرمایا کرتے تھے کہ کلام ائمہ تین حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو موافق صریح کتاب وسنت کے
ہوگا تو اسکا اعتقاد واجب ہے یقیناً یا صریح کتاب وسنت کے مخالف ہوگا تو اس کا اعتقاد
یقیناً حرام ہے یا یہ کہ ہمپر اُسکی موافقت و مخالفت ظاہر نہوگی تو اُس صورت میں توقف کرنا
اچھا ہے۔ پس جبکہ کلام مخریطی اور ابن عربی کا اُنھوں نے نقل کرکے فلیتامل و یتحری لکھدیا
تو معلوم ہوا کہ یہ قول اُن کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے الحاصل تعدد جنت و نار کسی دلیل
سے ثابت نہیں بلکہ ادلۂ شرعیہ صحیحہ توحد پر دلالت کرتے ہیں پس اعتقاد تعدد کا لغو و باطل ہے
واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی　ابو الحسنات محمد عبد الحی

کتاب العلم والعلماء

سوال۔ انگریزی علم سیکھنا کیسا ہے جواب لغت انگریزی کا پڑھنا یا انگریزی لکھنا سیکھنا اگر
بلحاظ تشبہ و محبت ہو تو ممنوع ہے اور اگر اسلئے ہو کہ ہم انگریزی میں لکھے ہوئے خطوط پڑھ سکیں اور
اُن کی کتابوں کے مضامین سے آگاہ ہوسکیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ
حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کا خط سیکھنے
کے لیے حکم فرمایا اور اُنھوں نے تھوڑے دنوں میں اُسے سیکھ لیا سوال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے علما ہی ہوتے
ہیں اور آجکل بہت سے عالم کچھ خوف نہیں رکھتے اور ربیا کا نہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں پس آیت
کے معنے کیا ہیں۔ جواب علمائے بے عمل شارع کے نزدیک قبولیت کا درجہ نہیں پاتے
اور دراصل انکا شمار علما میں نہیں ہے اگرچہ بظاہر عالم ہوں فی تنبیہ الفقیہ ابی اللیث
عن ابی الدرداء قال ویل للذی لا یعلم مرۃ وویل للذی یعلم ولا یعمل سبع مرات

یعنے نقیہ ابو اللیث بروایت ابو دردا اپنی تنبیہ میں لکھتے ہیں اُسپر ایک مرتبہ ہلاکت ہو جو نہیں جانتا ہے
اور اُسپر سات مرتبہ جو جانتا ہوا ور عمل نہ کرتا ہو وفی تظہیر یۃ وقیل الذی یعلم الناس ولا یفعلہ
بمنزلۃ الاعمی یضئ السراج ولا یستضئ بہ یعنے اور ظہیریہ میں ہے جو شخص لوگون کو بتائے اور خود
عمل نہ کرے اُس اندھے کے مثل ہے جو چراغ جلائے اور خود اُس سے روشنی نہ حاصل کر سکے۔ مگر وہ
باعمل علما جو شارع کے نزدیک عالموں کے زمرے میں شمار کیے جاتے ہیں اللہ سے ڈرتے ہیں اور آیۂ
مذکورہ میں علما سے علمائے باعمل ہی مراد ہیں۔ مروی ہے کہ کسی نے شعبی رحمہ اللہ سے پوچھا عالم کون ہے
آپ نے جواب دیا جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ **سوال** جو عالم غیر مجتہد کہتا ہے کہ میں جو بات قرآن
میں پاؤنگا اُسپر عمل کروں گا اور اگر قرآن میں نہ پاؤں گا تو جو بات حدیث میں پاؤں گا
اُسپر عمل کرونگا اور اگر حدیث میں بھی نہ پاؤں گا تو جو بات ایمہ مجتہدین کے اقوال میں پاؤنگا
اُسپر عمل کروں گا اور اگر ایمہ مجتہدین کے اقوال میں بھی نہ پاؤں گا تو بات حنفی یا شافعی رحمہما
اللہ کی فقہ میں پاؤں گا اُسپر عمل کروں گا اور اسی وجہ سے اپنے کو حنفی یا شافعی کہتا ہے اور اپنی رائے
سے کسی مسئلہ کا جواب نہیں دیتا اور قرآن اور حدیث کے معانی سمجھنے میں بھی اپنی رائے پر عمل
نہیں کرتا وہ حق پر ہے یا خطا پر **جواب** ایسا عالم حق پر ہے بشرطیکہ کامل مہارت رکھتا ہو
اور ناسخ و منسوخ اور صحیح و موضوع وغیرہ میں تمیز کر سکتا ہو اور علمائے متقدمین کا اور فضلائے ماہرین کا یہی طریقہ تھا
تھا عارف ربانی عبد الوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں لکھتے ہیں سمعت سیدی علیا
الخواص یقول اعتقادنا فی جمیع الاکابر من العلماء انھم ما سلموا البعضھم لبعض الا
لعلمھم بصحۃ اقوالھم ومستنداتھم لا بحسن الظن فیھم من غیر ان یطلعوا
علی صحتھا وقد تقدم ان بعض اتباع المجتھدین وصل الی شھود عین الشریعۃ وقال کل
مجتھد مصیب کابن عبد البر المالکی والشیخ ابی محمد الجوینی وقد صنف ابو محمد کتابا
المسمی بالمحیط ولم یتقید فیہ بمذھب وکذلک الشیخ عبد العزیز الف کتابا
سماہ الدرر الملتقطۃ فی المسائل المختلفۃ افتی فیھا علی المذاھب الاربعۃ انتھی
یعنے میں نے اپنے سید علی خواص سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا اعتقاد تمام اکابر علما کے بارے
میں یہ ہے کہ اُن میں سے بعض نے بعض کو صرف اُن کے اقوال و سندونکے صحیح ہونیکی وجہ سے مانا ہے

نہ بغیر صحت پر مطلع ہوئے محض حسن ظن سے اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بعض مجتہدوں کا اتباع
کرنے والے سرچشمۂ شریعت کا مشاہدہ کرچکے ہیں اور انھوں نے کہا ہے کہ ہر مجتہد درستی پر ہے مثلاً
ابن عبدالبر مالکی اور ابو محمد جوینی اور انھوں نے کتاب بھی تصنیف کی ہے جسکا نام محیط رکھا ہے
اس میں کسی مذہب کی قید نہیں کی ہے اور اسیطرح شیخ عبدالعزیز نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جسکا نام
الدر الملتقط فی المسائل المختلفہ رکھا ہے اس میں چاروں مذہبوں پر فتویٰ دیا ہے - غرض
شریعت غرا اور اسکے اصول مانند چشمے کے ہیں اور مذاہب اربعہ مثل نہروں کے پس جو عالم اصول
ائمہ اربعہ سے واقف ہو اُسے اسکی ضرورت نہیں رہتی کہ کسی ایک امام کا متبع ہو اور اربعہ کی فقہ
کی کتابیں دیکھے ہاں جو اس مرتبہ پر نہ پہونچا ہو اُسے فی زماننا کسی ایک کا متبع ہونا ضروری ہے کیا
تم نے اہل حدیث و تفسیر کا طریقہ نہیں دیکھا ہے کہ چونکہ وہ لوگ ائمہ اربعہ کے مسائل کے اصول سے
آگاہ ہوتے ہیں اور صحیح کو سقیم سے پہچانتے ہیں لہذا انھیں اسکی حاجت نہیں ہے کہ کتب خلافیات دیکھیں
اور اگر حنفی یا شافعی کی فقہ میں حدیث صحیح کے خلاف کوئی مسئلہ دیکھتے ہیں تو اُسپر عمل نہیں کرتے
بخلاف علماء مابعد کے کہ انھیں یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے اسی لیے جو شخص شریعت سے پورا واقف
ہو اُسے کتب خلافیات کی حاجت نہیں رہتی اور اگر تعصب کی نظر یا اس خیال سے تقلید کو ترک
کردے کہ ائمہ نے مسائل خلاف شرع استخراج کیے ہیں سو وہ گنہگار ہو گا انما لکل امرئ
ما نوی واللہ یعلم ما ظہر وما خفی ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی اور
اللہ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے سوال جو شخص کنز الدقائق کو ضلالت یا سفر السعادت
کو گمراہی کا سبب جانے کیسا ہے جواب جو شخص ان دونوں کتابوں کو اس وجہ سے گمراہی
کا سبب جانے کہ ان میں کتاب و سنت و اجماع و قیاس کے موافق مسائل ہیں وہ دائرۂ
اسلام سے خارج ہے لانہ اہان الدین ومن اہان الدین فقد کفر کیونکہ اس نے دین
کی اہانت کی اور جس نے دین کی اہانت کی وہ کافر ہے۔ تمام فقہا اسکی تصریح کرتے ہیں
علامہ حافظ الدین بزازی اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں واذا القی الفتوی علی الارض وقال عند
ردیۃ الفتوی ردی او قال این چہ شرع است یکفر لانہ رد حکم الشرع انتہی جبکہ فتوے
زمین پر پھینکدیا یا فتوی کو دیکھکر کہا یہ ردی ہے یا کہا یہ کون شرع ہے تو کافر ہو گیا کیونکہ اُس نے

شرع کا حکم رد کیا انتہی۔ اور یہی اگر موجب ضلالت اسلیے جانتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں دوسرے
عالموں کی تصنیف کی ہوئی ہیں تو بھی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا کیونکہ علماء کا ٹھٹھا
اور اُنکی توہین کفر ہے۔ علامہ ابن حجر مکی ہیتمی شافعی نے اسکی تحقیق اپنے رسالہ اعلام
بقواطع الاسلام میں اچھی طرح کی ہے اور اگر ضلالت کا سبب ان کتابوں کے مصنفوں کی
کم استعدادی سمجھتا ہے تو ان دونوں کا حال سُننا چاہیے کہ صاحب کنز رئیس الفقہا
ابو البرکات عبد اللہ بن احمد الملقب بہ حافظ الدین نسفی منار اور وافی وغیرہ کے مصنف ہیں اور
۷۱۰ھ میں انکی وفات ہے ان کے بعد والے علما انکے مداح رہے اور کنز الدقائق کو معتبر کتاب اسم
بامسمیٰ سمجھا کیے علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح میں لکھتے ہیں اما بعد فانی لما رأیت المختصر المسمے
بکنز الدقائق احسن مختصر فی الفقہ حاویا لما یحتاج الیہ من الواقعات من لطافۃ حجمہ واختصار
نظمہ حببت ان یکون لہ شرح متوسط الخ یعنے حمد و صلوٰۃ کے بعد جب میں نے مختصر موسوم
بہ کنز الدقائق کو بہت اچھا مختصر فقہ میں ضروری واقعات کو حاوی پاکیزہ حجم اور عبارت
مختصر کے ساتھ دیکھا تو میں نے چاہا کہ اسکی ایک متوسط درجہ کی شرح ہونی چاہیے اور سفر السعادۃ
کے مصنف شیخ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب شیرازی ہیں جنکی وفات ۸۱۷ھ میں ہوئی
یہ شافعی المذہب اور زبردست فقیہ بطرز اہل حدیث تھے حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے
انکو آٹھویں صدی کا مجدد مانا ہے اُن کی تصانیف بڑے نفع دینے والی اور ہدایت کرنے
والی ہیں لیکن بعض مسائل میں تعصب بھی کیا ہے اور سفر السعادت میں اکثر اقوال مجتہدین کے مذہب کے
خلاف بھی لکھے ہیں اور اسکے خاتمہ میں ابن جوزی کی اقتدا کرکے احادیث صحاح کو لکھا ہے
کہ ثابت نہیں ہوئیں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں جابجا گرفتیں کی
ہیں پس متدین عالم کو چاہیے کہ اچھے کو بُرے سے تمیز کرکے عامل ہو اور محض جاہل کو اس کتاب کے
دیکھنے سے روکے مگر مسامحات کی وجہ سے کتاب پر ضلالت کا حکم کرنا نہ چاہیے کیونکہ غلطی انسان
سے ہوتی ہے دیکھنا چاہیے کہ ابن جوزی نے حدیث میں تعصباً صحاح کی حدیثوں کو موضوع کہدیا ہے
چنانچہ حافظ ابن حجر وغیرہ نے اسکی صراحت کی ہے اور موضوع کو غیر موضوع سے تمیز دلائی ہے
اسیطرح اکثر حنفیہ نے شافعیہ کے مقابلے میں اور شافعیہ نے حنفیہ کے مقابلے تعصب کیا ہے

مگر پھر بھی کسی ایک نے دوسرے کو گمراہ نہیں کہا اس زمانے میں علما کو چاہیے کہ عوام کو جو چوپایوں
کے مثل ہیں بلکہ اُن خواص کو بھی جو عوام کے مثل ہیں ایسی بے ادبی کے کلموں سے روکیں
اور اگر کوئی شخص کنز الدقائق کو اس لیے موجب ضلالت جانتا ہے کہ یہ کتاب حنفی فقہ میں ہے
اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں تو وہ شخص گنہگار رہے
اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر یہ محض افترا ہے کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے تھے۔ عارف
ربانی عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں لکھتے ہیں اعلم ان هذا الکلام صدر من
الجاهل المتعصب وقد روى الامام ابو جعفر بسنده المتصل الى ابى حنيفة انه كان
يقول كذب على الله تعالى وافترى علينا من يقول اننا نقدم القياس على النص اعتقادنا
واعتقاد كل منصف فى الامام ابى حنيفة انه لو عاش حتى دونت الاحاديث وابعد رحيل
الحفاظ فى جمعها من البلاد وظفر بها لترك كل قياس لكن لما كانت ادلة الشرع متفرقة
فى عصره كثر القياس فى مذهبه بالنسبة الى الائمة الاخرى وقد صح عنه وعن الائمة كلهم
اذا صح الحديث فهو مذهبنا انتهى یعنے جاننا چاہیے کہ یہ کلام جاہل متعصب سے صادر ہوا ہے
امام ابو جعفر نے بسند متصل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ
پر جھوٹ باندھا اور ہم پر افترا کیا جس نے کہا کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں ہمارا اور منصف
کا امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے یہاں تک کہ حدیثیں جمع ہو جاتیں اور حفاظ
حدیث کو جمع کرنے کے لیے شہروں میں سفر کر چکے ہوتے اور امام صاحب اُن حدیثوں کو پاتے
تو قیاس کو بالکل ترک کر دیتے لیکن جبکہ شرع کی دلیلیں اُن کے زمانے میں متفرق تھیں تو انکے
مذہب میں بہ نسبت دوسرے اماموں کے قیاس زیادہ ہے امام صاحب اور دوسرے ایمہ سے
یہ روایت صحیح ہے کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی ہمارا مذہب ہے انتہیٰ واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات
محمد عبدالحی عفی عنہ سوال محرم میں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی شہادت کا بیان کرنا
اور فضائل صبر اور محاسن شہدا کا تذکرہ کرنا اور نوحہ اور سینہ زنی اور دیگر بدعات مروجہ محرم کی
ممانعت کرنا اور سر الشہادتین کی روایت کے موافق فضائل استرجاع یعنے انا للہ وانا الیہ الآیۃ
پڑھنے کے بیان کرنا اور فضائل عاشورا در روایات صحیحہ سے بیان کرنا جائز ہے یا نہیں اور

بعض لوگ ذکر شہادت کو حرام کہتے ہیں اور امام غزالی کا قول اور مولوی اسمٰعیل شہید کے اس قول کو جو صراط مستقیم میں ہے دلیل لاتے ہیں۔ کیسا ہے امام غزالی کی عبارت یہ ہے یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ قتل الحسن والحسین وحکایاتہ وما جری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یہیج الی بغض الصحابۃ والطعن فیہم انتہی یعنی واعظ پر حسنین کی شہادت اور صحابہ کے درمیانی مناقشوں اور لڑائیوں کا بیان کرنا حرام ہے کیونکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے اور ان پر طعنہ زنی کرنے کا باعث ہوتا ہے اور صراط مستقیم کی عبارت یہ ہے ذکر قصۂ شہادت بشرح وبسط وعقد مجلس کردن باین قصد کہ مردم بشنوند و تاسف نمایند وحسرتہا فراہم آورند وگریہ وزاری کنند ہر چند در نظر ظاہری خللے دراں ظاہر نمی شود امافی الحقیقت این ہم مذموم ومکروہ است تا آخر یعنی قول تفصیل کے ساتھ شہادت کا واقعہ بیان کرنا اور مجلس مقرر کرنا اسلیے کہ لوگ سنیں اور افسوس کرکے روئیں گو بظاہر برا نہیں ہے مگر فی الحقیقت یہ بھی برا اور مکروہ ہے یہانتک کہ اخیر میں فرمایا یہ لوگ راندۂ درگاہ آنجناب ہیں اس سوال کا انتہائی جواب مع تاویل عبارت منقولہ زیب قلم فرمائیں ثواب جمیل حاصل ہوگا جواب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے ذکر کی کئی صورتیں ہیں (۱) یہ کہ واعظ اور حاضرین مجلس ماتم کریں اور اپنے جسم پھاڑیں یا ان افعال شنیعہ کے مرتکب ہوں جو خواص روافض ہیں بلاشک یہ واعظ اور عقد مجلس حرام ہے علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں وایاہ ثم ایاہ ان یشتغل فی یوم عاشوراء ببدع الرافضۃ من الندب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاتہ صلے اللہ علیہ وسلم اولی بذلک واحری انتہی یعنی ڈرو اور پھر ڈرو اس بات سے کہ عاشورہ کے دن چیخنے چلانے اور رنج کرنے میں جو رافضیوں کی بدعتیں ہیں مشغول ہو کیونکہ یہ باتیں مومنیں کے اخلاق میں سے نہیں ہیں ورنہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن اس کے بہت لائق تھا اور ابو الرجاء مختار بن محمود زاہدی برہان الدین بخاری سے نقل کرتے ہیں خرق لفاص نیابہ فی مقتل الحسین یوم عاشوراء تاسفا علی المصیبۃ وامرہم بالقیام والتشنیع فھل یجب علی الولاۃ ان یزجروہ فکتب برہان الدین یمنع ذلک انتہی یعنے اور قصہ بیان کرنے والے کا کپڑوں کو پھاڑنا عاشورے کے دن قتل امام حسین کے

بیان میں مصیبت پر رنج کرکے اور لوگونکو کھڑے ہونے اور قاتلیں پر منترض ہونیکا حکم دینا گیا والیوں
پر واجب ہے کہ ایسے قصہ گو کو اس سے زجر کریں پس لکھا برہان الدین نے کہ یہ روک دیا جائے (۲)
یہ کہ واعظ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا ذکر اخبار موضوعہ اور اکاذیب مندا ولہ سے
بیان کرے اور اپنے وعظ کو اہل اسلام کی اہانت سے اور سلف صالح پر اتہام لگانے سے
بھرے یہ بھی حرام ہے اور امام غزالی نے جو ذکر شہادت کو حرام لکھا ہے وہ بھی اسی صورت
پر محمول ہے جیسا کہ صواعق محرقہ میں ابن حجر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے قال الغزالی وغیرہ
یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین وحکایاتہ وما جری بین الصحابۃ
من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیھم والطاعن فیھم
مطعون طاعن فی نفسہ ودینہ انتھی کلام الغزالی ملخصًا وما ذکرہ من حرمۃ
روایۃ قتل الحسن والحسین وما بعدھما لا ینافی ما ذکرتہ فی ھذا الکتاب لانّ
ھذا البیان الحق الذی یجب اعتقادہ من جلالۃ الصحابۃ وبراءتھم من کل نقص
بخلاف ما یفعلہ الوعاظ الجھلۃ فانھم یاتون بالاخبار الکاذبۃ الموضوعۃ ونحوھا
ولا یبینون المحامل والحق الذی یجب اعتقادہ فیوقعون العامۃ فی بغض الصحابۃ
وتنقیصھم انتھی یعنے غزالی وغیرہ نے کہا ہے کہ واعظ پر روایت مقتل حضرات حسنین
اور صحابہ کے درمیانی مناقشوں اور لڑائیوں کا بیان کرنا حرام ہے کیونکہ صحابہ سے بغض
رکھنے اور ان پر طعنہ زنی کا باعث ہوتا ہے اور صحابہ پر طعن کرنے والا مطعون ہے یعنے اپنی ذات
پر اور اپنے دین پر طعنہ کرنے والا ہے انتہی اور جو کچھ کہ حرمت روایت قتل حسنینؓ کی بابت
امام موصوف نے بیان کیا ہے اُسکے منافی نہیں ہے جو میں نے اس کتاب میں ذکر
کیا ہے کیونکہ صحابہ کی بزرگیوں کا بیان اور ہر نقص سے بری ہونے کا بیان حق ہے اسکا اعتقاد
واجب ہے برخلاف اس وعظ کے جو جاہل واعظ بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ اخبار کاذبہ موضوعہ
کو بیان کرتے ہیں اور ان کے محل صحیح اور حق واجب الاعتقاد کو بیان نہیں کرتے جس کی بدولت
عوام کے دلوں میں بغض صحابہ اور اُن کے مراتب کی کمی کو پیدا کرا دیتے ہیں اور ملا احمد رومی
مجالس الابرار میں لکھتے ہیں القاص الذی یذکر الناس قصۃ القتل یوم عاشوراء

بخرق ثيابه ويكشف راسه ويامرهم بالقيام والتشنيع تا سفا على المصيبة يجب على ولاة الدين ان يمنعوهم والمستمعون لا يعذرون فى الاستماع قال الامام الغزالى وغيرهم يحرم على الواعظ وغيره رواية مقتل حسينؓ وحكايات ما جرى بين الصحابة من التشاجر والتخاصم فانه يهيج على البغض للصحابة والطعن فيهم هم وعلامة تلقى ائمة الدين عنهم وتلقنا عنهم فالمطاعن فيهم طاعن فى نفسه ودينه وقد روى عن النبى صلے اللہ عليہ وسلم الله الله فى صحابى لا تتخذوهم غرضًا من بعدى من احبهم فبحبى احبهم ومن ابغضهم فببغضى ابغضهم ومن اذاهم فقد اذى الله تعالى فعلى هذا يجب على المؤمن تعظيمهم وذكرهم بالخير وكف اللسان عن الطعن فيهم اذ بسبب قتل عثمانؓ وقتل حسينؓ جرت فتن كثيرة واكاذيب كثيرة وظهرت اهواء وبدع وصارت الاكاذيب والاهواء لا تزال تزداد انتهى ملخصًا یعنی قصہ بیان کرنیوالا جو لوگوں سے قصہ قتل یوم عاشوراء کو اپنے کپڑے پھاڑ کر اور سر کھول کر بیان کرے اور اُن کو قیام کا حکم دے مصیبت پر رنج ظاہر کرے تو والیوں پر واجب ہے کہ انکو روکدیں اور سننے والے سننے میں معذور نہیں ہیں امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہو کہ واعظ پر روایت مقتل حسین اور حکایت باہمی جنگ و مناقشہ صحابہ کا بیان کرنا حرام ہو کیونکہ اسکا نتیجہ صحابہ سے بغض اور اُنپر طعنہ زنی ہے اور صحابہ پر طعنہ کرنا بڑے غم کی بات ہو اس دلیل سے کہ دین کے اماموں نے صحابہ سے علوم دین حاصل کیے اور ہم اُن اماموں سے حاصل کرتے ہیں پس اُنپر طعنہ کرنیوالا اپنے نفس اور دین پر طعنہ کرنے والا ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہو میرے اصحاب کے بارے میں خدا سے ڈرو انکو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ جو انکو دوست رکھتا ہو وہ میری محبت کی وجہ سے دوست رکھتا ہو اور جو اُن سے بغض رکھتا ہو وہ میرے بغض کیوجہ سے بغض رکھتا ہو اور جس نے انکو اذیت پہونچائی اُس نے خدا کو اذیت پہونچائی پس بنا بریں مومن پر اُن کی تعظیم کرنا اور اُنکا اچھائی سے ذکر کرنا اور اُنکے بارے میں زبان کو طعنہ زنی سے روکنا واجب ہے کیونکہ حضرت امام حسین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کی وجہ سے بہت سے فتنے اور جھوٹ پھیل گئے ہیں اور بدعتیں اور ہوا و ہوس بڑھ گئی ہیں اور جھوٹ وغیرہ کو برابر ترقی

ہوتی جاتی ہے انتہیٰ اس عبارت سے صاف ظاہر ہو کہ امام غزالیؒ نے مطلق ذکر شہادت کو حرام نہیں کہا ہے بلکہ اُس ذکر کو حرام کہا ہو جس میں روایت واہیہ اور مناقشات صحابہ کا برُے طور سے تذکرہ ہو اور خود دلیل کہ کلام غزالیؒ میں حرام ہونیکی منقول ہو وہ اُسکی دلیل واضح ہو کہ مطلق ذکر کو منع نہیں کیا کیونکہ صحیح روایات سے صحابہ کا بغض اور سلف پر طعنہ زنی لازم نہیں آتی البتہ جو مضمون کہ واہیات ولغویات کو شامل ہوؤہ ضرور سلف پر طعن کا موجب ہوگا پس اگر عبارت مذکورہ میں حرمت سے مطلق حرمت مراد ہو تو دلیل کا دعویٰ پر منطبق نہ ہونا لازم آتا ہے جو بالکل نظر سے ساقط ہے (۳) یہ کہ روافض کی طرح ذکر شہادت کے لیے ایک دن مقرر کرکے مجلس کی جائے یہ بسبب تشبہ کے مکروہ ہو اسی لیے صاحب جامع الرموز نے لکھا ہو وازاد ذکر مقتل الحسین ینبغی ان یذکر اولا مقتل سائر الصحابۃ لئلا یشابہ الروافض کما فی لعون انتہیٰ یعنے اگر امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا ذکر بیان کرنے کا قصد کرے تو پہلے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادتوں کے واقعات بیان کرے تاکہ روافض سے مشابہت نہوئے پائے جیساکہ عون میں ہو اور مولوی اسمٰعیل رحمہ اللہ کی جو عبارت سوال میں منقول ہو اسی پر محمول ہو کیونکہ عقد مجلس کا لفظ اسی بات پر دلالت کرتا ہے (۴) یہ کہ واعظ اخبار صحیحہ سے بغیر افراط وتفریط کے واقعہ شہادت کو اس طرح بیان کرے کہ جس سے نہ صحابہ کی اہانت ہو نہ اُنکی جانب سے سامعین کو سوء ظن پیدا ہوا ور روافض کی طرح نہ بدعات کرے نہ دن مقرر کرے واعظ کی غرض فقط معائب اور اُسپر صبر کرنے کا ذکر کرنا ہو تو یہ امر مشروع ہے صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں قد روی احمد و ابن ماجۃ عن فاطمہ بنت الحسین عن ابیہا الحسین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مسلم یصاب بمصیبۃ فیذکرھا وان تقادم عھدھا فیحدث لھا الاسترجاع الا کتب اللہ لہ اجرہ مثلھا یوم اصیب وھذا الحدیث رواہ عن الحسین بنتہ فاطمۃ التی شہدت مصرعہ وقد ثبت فی علم اللہ تعالیٰ ان المصیبۃ بالحسین یذکر مع تقادم العھد فکان من محاسن الاسلام ان تحری ھذہ السنۃ کلما ذکر تلک المصیبۃ بان یسترجع لھا فیکون للانسان من الاجر الذی کان لمن استرجع یوم اصیب المسلمون بھا انتہیٰ یعنے احمد اور ابن ماجہ نے حضرت

فاطمہ بنت حسین رض سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ہو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو کہ کوئی مسلمان جسے مصیبت پہونچے اور اُسے یاد کرے گو وسے بہت عرصہ ہوگیا ہو اور اُس پر استرجاع یعنے انا للہ وانا الیہ راجعون کہے نہیں ہو مگر یہ کہ اللہ لکھتا ہو اُسکے لیے اجر مثل اُس مصیبت کے اجر کے جو اُس دن اُسکے لیے لکھا تھا کہ جس دن اُسکو وہ مصیبت تازہ پہونچی تھی اور اس حدیث کو روایت کیا ہو امام حسین علیہ السلام نے اور اُن سے اُنکی صاحبزادی حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جو معرکہ کربلا میں حضرت امام علیہ السلام کے ہمراہ تھیں اور ثابت ہے کہ اللہ کو یہ معلوم تھا کہ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت ذکر کیجائے گی باوجود عرصہ دراز گذر جانے کے پس اسلام کے محاسن سے ہے کہ یہ طریقہ جاری رہو کہ جب یہ مصیبت ذکر کی جائے تو اُسپر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جائے پس انسان کو وہ اجر ملے جو اُس شخص کے لیے تھا جسنے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اُس دن جس دن کہ مصیبت پہونچائی گئی مسلمانوں کو اس واقعہ سے انتہیٰ یہ وہ ہے جو دل میں آیا ہے اور اللہ حقیقت حال جانتا ہے ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال سنن ابی داؤد اور مسند حسن بن سفیان اور مسند بزار اور معجم اوسط طبرانی اور کامل ابن عدی اور مستدرک حاکم اور حلیہ ابو نعیم اور مدخل بیہقی وغیرہ میں یہ حدیث مروی ہو ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لہا امر دینہا یعنے اللہ اس امت کے لیے ہر صدی کے شروع میں ایک شخص بھیجتا ہو جو اُن امور کو درست کر دیتا ہے جنھیں اس اُمت نے سست کر دیا ہے اس حدیث میں راس سے آخر صدی مراد ہو یا شروع صدی اور ہر صدی کے شروع میں جو مجدد آتا ہے اُسکی کیا پہچان ہو اور پہلی صدی سے اس وقت تک کون کون مجدد ہوے ہیں اور مولوی اسمٰعیل شہید اور سید احمد بریلوی اُن کے پیر مجدد ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ **جواب** راس مائۃ سے باتفاق محدثین آخر صدی مراد ہے اور مجدد دین کے علامات اور شروط یہ ہیں علوم ظاہری و باطنی کا عالم ہو اُسکی تدریس تالیف تذکیر سے عام فائدہ ہو سنن کے قائم رکھنے اور بدعات کے مٹانے میں خوب کوشاں ہو اور ایک صدی کے آخر میں اور دوسری صدی کے شروع میں اُسکے علم کی عالم میں شہرت ہوئی ہو پس اگر آخر صدی کو نیا یا ہو یا پایا ہو مگر اشاعت دین و شریعت کا فائدہ اُس وقت اُس سے حاصل نہ ہوا ہو تو وہ مجدد نہو گا شیخ الاسلام بدر الدین

مرسلہ مولوی ابو علی جاجلد لو ... از سلہٹ محلہ ہوا پارہ ۱۲۹۹ھ درباره پہچان مجدد

ابدال رسالۂ مرضیہ فی نصرۃ مذہب الاشعریہ میں لکھتے ہیں اعلم ان المجدد انما ھو بغلبۃ الظن ممن عاصرہ بقرائن احوالہ والانتفاع بعلمہ ولا یکون المجدد الا عالما بالعلوم الدینیۃ الظاھرۃ والباطنۃ ناصر السنۃ قاطعا للبدعۃ ثم قد یکون واحد فی العالم کلہ کعمر بن عبدالعزیز فی المائۃ الاولی لانفرادہ بالطلاقۃ وکالامام الشافعی علی راس المائتین لاجماع المحققین علی انہ اعلم اھل زمانہ وقد یکون اثنین وجماعۃ ان لم یحصل الاجماع علی واحد بعینہ ثم قد یکون فی اثناء المائۃ من ھو افضل من المجدد وانما کان التجدید علی رأس المائۃ لانتمام علماء الامۃ غالبا والدراس السنن وظھار البدع فیحتاج حینئذ الی تجدید الدین فیاتی اللہ بالخلف عوض السلف انتھی یعنے جاننا چاہیے کہ مجدد وہ ہے جس کی طرف معاصرین کا غلبۂ ظن ہو احوال کے قرائن اور علوم کے منافع کے لحاظ سے اور مجدد وہی ہوتا ہے جو علوم دینیہ ظاہری و باطنی کو جانتا ہو سنت کا مددگار اور بدعت کا مٹانے والا ہو پھر کبھی تمام عالم میں ایک ہی مجدد ہوتا ہے مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پہلی صدی میں کیونکہ طلاقت لسانی انھیں میں پائی جاتی تھی اور جیسے امام شافعی رحمہ اللہ دوسری صدی کے شروع میں کیونکہ محققین کا اسپر اجماع ہے کہ وہ اپنے زمانے میں سب سے زائد جاننے والے تھے اور کبھی دو اور اس سے بھی زائد ہوے اگر کسی ایک پر اجماع نہ ہو اور کبھی صدی کے درمیان میں ایسا شخص بھی پایا جاتا ہے جو مجدد سے افضل ہوتا ہے اور مجدد صدی کے اخیر میں اس لیے ہوتا ہے کہ عموماً اس وقت علماء امت تمام ہو جاتے ہیں اور سنتیں مٹ جاتی ہیں اور بدعتیں ظاہر ہو جاتی ہیں تو اس وقت دین کی تجدید کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ سلف کے عوض میں خلف کو ظاہر کرتا انتھی اور جلال الدین سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابوداؤد میں لکھتے ہیں قال ابن الاثیر اختلف العلماء فی تاویل ھذا الحدیث کل واحد فی زمانہ واشاروا الی القائم الذی یجدد للناس دینھم علی راس کل مائۃ سنۃ وکان کل قائم قد مال الی مذھبہ وذھب بعض العلماء الی ان الاولی ان یحمل الحدیث علی العموم فان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من یجدد لھا دینھا لا یلزم منہ ان یکون المبعوث علی راس المائۃ واحدا بل قد یکون

واحدا وقد یکون اکثر فان انتفاع الامۃ بالفقہاء وان کان انتفاعا عاما فی امور الدین
فان انتفاعھم بغیرھم ایضا اکثر مثل ولی الامر واھل الحدیث والقراء والوعاظ
واصحاب الطبقات فی الزھد ینفعون بفن لا ینفع بہ الآخر اذ الاصل فی حفظ الدین حفظ
قانون السیاسۃ واشاعۃ العدل الذی بہ ضبط الروایات والزھاد ینفعون
بالمواعظ والحث علی لزوم التقوی والزھد فی الدنیا فالاحسن والاجود ان یکون
ذلک اشارۃ الی حدوث جماعۃ من الاکابر المشھورین علی راس کل مائۃ سنۃ
یجددون للناس دینھم ویحفظونہ علیھم فی اقطار الارض ولکن الذی ینبغی ان یکون
المبعوث علی راس المائۃ رجلا مشھورا معروفا مشارا الیہ فی فن من ھذہ الفنون و
وقد کان قبل کل مائۃ ایضا من یقوم بامر الدین وانما المراد بالذکر من انقضت
المائۃ وھو حی عالم مشھور مشار الیہ انتھی ابن اثیر نے کہا ہے کہ تمام علمانے اس حدیث کی
تاویل میں اپنے اپنے زمانوں میں اختلاف کیا ہے اور اس جانب اشارہ کیا ہے کہ مجدد ہر وہ شخص
ظاہر ہونیوالا ہے جو لوگوں کے لیے اُن کے دین کی تجدید کرے ہر صدی کے شروع میں اور تمام
دیندار لوگ اُسکے مذہب کی جانب مائل ہو جائیں اور بعض علما اس جانب گئے ہیں کہ حدیث کا حمل
بطریق عام اولیٰ ہے اسلیے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا من یجدد لھا دینھا فرمانا اس بات
کو لازم نہیں کرتا کہ مبعوث صدی کے سرے پر ایک ہو بلکہ کبھی ایک ہوگا اور کبھی زائد ہونگے
کیونکہ امت اس ہی کے نفعوں سے نفع حاصل کریگی گو کہ نفع امور دین میں عام ہو پس نفع کا حاصل
کرنا غیر مجددین مثلاً حکام اہل حدیث قرا و واعظ زاہد سے بھی بہت ہوگا کیا نہیں ہے ہر ایک کا نفع دوسرے
کے نفع سے علیحدہ ہی کیونکہ اصل مقصود حفظ دین سے حفظ قانون سیاست ہے اور اشاعت عدل ہو کہ جس سے
ضبط روایات حاصل ہوتا ہے اور زاہد وعظوں سے اور زہد تقویٰ پر برانگیختہ کرنے سے فائدہ پہونچائیں گے
پس اچھا یہ ہے کہ یہ قول اکابر کی ایک جماعت کیجانب اشارہ ہو جو ہر صدی کے شروع میں تجدید دین
اور اُسکی حفاظت کے لیے اقطار ارض میں پیدا کیجائے لیکن جو صدی کے سرے میں مبعوث ہو اُسے
مشہور آدمی ہونا چاہیے جسکے جانب فنون مذکورہ میں سے کسی فن میں انگلیاں اٹھتی ہوں اور صدی
کے قبل بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اقامت امر دین کرتے ہیں لیکن یہاں وہ لوگ مقصود ہیں جو صدی

ختم ہونے کے بعد بھی زندہ عالم مشہور مشار الیہ ہوں ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سید احمد بریلوی جو سنہ ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوے ہیں اور اُن کے مرید مولانا اسمٰعیل دہلوی بھی اس حدیث کے مصداق میں داخل نہیں ہیں کیونکہ مجدد کے لیے ضروری ہو کہ ایک صدی کے آخر میں اور دوسری صدی کے شروع میں ان اوصاف کا پایا جائے کہ اُس سے لوگوں کو عام فائدہ پہونچے اور وہ خود مشہور ہوا اور ان حضرات کا شہرہ تیرھویں صدی کے وسط میں ہوا ہو اور بعد کچھ مدت کے دور ہو گیا جن علما نے مجددین کا تعین کیا ہو اس صفت کا لحاظ رکھا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے فوائد الجمة فی من یبعثہ اللہ لہذہ الامة میں اور جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ تنبیہ بمن یبعثہ اللہ علی راس المائة میں ان مباحث کی تفصیل کی ہو اور انھیں رسائل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ہیں اور دوسری صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ ہیں اور تیسری کے مجدد قاضی ابو العباس ابن شریح شافعی اور ابو الحسن اشعری اور محمد بن جریر طبری رحمہم اللہ ہیں اور چوتھی صدی کے مجدد ابو بکر بن باقلانی اور ابو الطیب صعلوکی وغیرہ ہیں اور پانچویں صدی کے مجدد امام غزالی ہیں اور چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین رازی ہیں اور ساتویں صدی کے مجدد تقی الدین بن دقیق العید ہیں اور آٹھویں صدی کے مجدد زین الدین عراقی اور شمس الدین جزری اور سراج الدین بلقینی رحمہم اللہ ہیں اور نویں صدی کے مجدد جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی اور شمس الدین سخاوی رحمہم اللہ ہیں اور خلاصة الاثر فی اعیان قرآن الحادی عشر وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی کے مجدد شہاب الدین رملی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ وغیرہ ہیں۔ اور لیس واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال مصافحہ جو ملاقات کے وقت مسنون ہو زید کہتا ہے کہ ایک ہاتھ سے مسنون ہے اور جامع ترمذی والی اس حدیث کو سند میں لاتا ہو فیاخذہ بیدہ ویصافحہ قال نعم یعنی پس کیا اُسکا ہاتھ پکڑتے اور اُس سے مصافحہ کرتے تھے آپنے فرمایا ہاں پس کیا اسکا قول صحیح ہو اور مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں **جواب** جمہور فقہا کے نزدیک دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہیے مجالس الابرار میں ہو والسنة ان تکون بکلتا یدیہ اور سنت یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو ایسا ہی درمختار اور جامع الرموز وغیرہ میں ہو اور معجم طبرانی

میں بروایت ابو امامہ جو یہ حدیث مذکور ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصافح المسلمان لم تفرق اکفہما حتی یغفر لہما یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو انکے ہاتھ جدا نہیں ہوتے مگر اس وقت کہ انکے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہیئے کیونکہ اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہوتا تو اکفہما کی جگہ پر جو کف کی جمع ہے کفاہما تثنیہ کا لفظ لایا جاتا صحیح بخاری میں ہے وصافح حماد بن زید بن المبارک بیدیہ یعنے حماد بن زید بن مبارک نے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے زمانہ میں بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا جاری تھا اور صحیح بخاری میں جو یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشہد کما یعلمنی السورۃ من القران التحیات للہ والصلوات والطیبات الحدیث یعنے مجھے رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے تشہد سکھایا حالانکہ میرا ہاتھ اُن کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں تھا جیساکہ سکھائی مجھے سورہ قرآن التحیات للہ والصلوٰت والطیبات الحدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے وہ مصافحہ جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے مراد نہیں ہے بلکہ یہ ہاتھ میں ہاتھ لے لینا ویسا ہے جیساکہ بزرگ چھوٹوں کو کوئی چیز تعلیم کرنے کے وقت ہاتھ میں ہاتھ لے لیتے ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس سے وہی مصافحہ مسنونہ مراد ہے تو بھی اس حدیث سے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور حضرت ابن مسعود کے ایک ہاتھ کا ذکر اس بات کی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ دوسرا ہاتھ شامل نہ تھا کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کف بمعنی جنس مستعمل ہوا ہے اور کف سے دونوں ہاتھ مراد لیے گئے ہیں استعمال عرب اور آیات قرآن واحادیث نبوی میں یہ بات بکثرت پائی گئی ہے کہ ید کا استعمال جنس ید پر آتا ہے جو ایک ہاتھ اور دو ہاتھ دونوں کو شامل ہے اور اکثر مقامات پر دو ید کی جگہ ایک ید کا استعمال ہوا ہے اسی بنا پر جن حدیثوں میں اخذ بالید وارد ہوا ہے اُن سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا قطعی ثابت ہے بلکہ وہ حدیثیں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے پر محتمل ہیں پس جب کوئی ایسی حدیث نہ پائی جائے جس سے صراحۃً ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت ہو تب فقہا کے اقوال کو ترک کرنا ضروری ہے اور جب

تک اسکی تصریح صریح نہ پائی جائے اُس وقت تک فقہا کے اقوال پر عمل چاہیئے واللہ اعلم
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال کہتے ہیں کہ نفس اور روح ایک شے
ہے جسکو متصوفین دل کہتے ہیں اگر واقعی روح اور نفس ایک ہے تو میں علماء کرام سے دریافت کرتا
ہوں کہ اکثر کتب میں نفس کی مذمت اور روح کی توصیف سے کیا مراد ہے جیسے نفس کی مذمت
میں مولانا روم فرماتے ہیں ؎ دوزخ است این نفس دوزخ اژدہاست + کو بدریاہا نگردد کم و
کاست + اور روح کے لیے کہ جسکو عالم علوی کی طرف نسبت دیتے ہیں اور اُس کے اوصاف
حسنہ میں قصے لکھتے ہیں فرماتے ہیں ؎ امر ربم روح کردہ نام ما + کردہ پُر ساقی وحدت جام ما + اور
کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کا نفس زندہ اور دل مردہ ہے اور کسی کو اُسکے برعکس کہتے ہیں کہ فقرا نفس کشی میں
بہت کوشش کرتے ہیں پس اگر نفس سے روح مراد ہے تو نفس کے مرنے کے بعد سوا کالبد خاکی کے کیا باقی
رہ سکتا ہے. اور اگر نفس برا اور روح اچھی ہے تو دونوں ایک کیونکر ہوسکتے ہیں اور اجتماع ضدین
ایک ذات میں کیونکر ہوسکتا ہے اور اب جو کچھ میرے قیاس میں آتا ہے پیش کرتا ہوں کہ عناصر
اربعہ حقیقت میں متاثر اور قابل ہیں اور روح حیوانی اُسکی فاعل ہے اسلیے اوس سے ایک کیفیت
اور قوت کہ اُسکی وجہ سے مزاج میں ایک جبلی عادت اور خواہش دی ہے کہ اُسکو یقین جاننا چاہیے
ظاہر ہوتی ہے چونکہ اُسکے مادہ کی ترکیب عالم سفلی سے ہوئی ہے اس لیے زیادہ تر اُسکا میلان اپنی
ذات کی طرف ہے اس تقدیر پر اگر روح وعقل اُسکے تابع ہے تو وہ نفس امارہ ہے اور اگر وہ روح
وعقل کا تابع ہے تو وہ نفس لوامہ ہے اور اگر روح وعقل اُسپر غالب آگئے ہیں جیساکہ اُسکی جبلی
اور طبعی عادت ہے تو وہ نفس مطمئنہ ہے بینوا توجروا **جواب** نفس اور روح ایک چیز ہے اور
اوصاف کا مختلف ہونا احوال کے اختلاف کیوجہ سے ہے اور صوفیہ جو نفس کی بُرائی کرتے ہیں تو نفس سے
اُنکی مراد وہی شے ہے اُسکی تحقیق احیاء العلوم اور کیمیاے سعادت وغیرہ کتب تصوف میں موجود
ہے ضرورت کے موافق احیاء العلوم کی تھوڑی عبارت لکھی جاتی ہے جس سے نفس اور روح اور قلب
اور عقل کے معانی معلوم ہوجائیں گے اللفظ الاول لفظ القلب وھو یطلق لمعنیین احدھما اللحم
الصنوبری الشکل المودع فی الجانب الایسر من الصدر والمعنی الثانی ھو لطیفة ربانیة
روحانیة لھا بھذا القلب الجسمانی تعلق وتلک اللطیفة ھی حقیقة الانسان وھو

المدرك العالم العارف من الانسان وهو المخاطب والمعاتب والمعاقب والمطالب اللفظ الثاني الروح
وهو ايضاً يطلق لمعنيين احدهما جسم لطيف منبعه تجويف القلب الجسماني فينتشر بواسطة
العروق الضوارب الى سائر اجزاء البدن والاطباء اذا طلقوا لفظ الروح ارادوا به
هذا المعنى الثاني هو اللطيفة العالمة المدركة من الانسان وهو الذي شرحناه في احد
معاني القلب وهو الذي اراده الله بقوله قل الروح من امر ربي اللفظ الثالث النفس وهو ايضاً
مشترك بين معاني ويتعلق بغرضنا منه معنيان احدهما انه يراد به المعنى الجامع لقوة
الغضب والشهوة في الانسان وهذا الاستعمال هو الغالب على اهل التصوف لانهم يريدون
بالنفس الاصل الجامع للصفات المذمومة من الانسان فيقولون لابد من مجاهدة النفس و
كسرها واليه الاشارة بقوله عليه الصلوٰة والسلام اعدى عدوك نفسك التي بين
جنبيك المعنى الثاني هي اللطيفة التي ذكرناها التي هي بالحقيقة و
هي نفس الانسان وذاته ولكنها توصف باوصاف مختلفة بحسب خلاف احوالها فاذا
سكنت تحت الامر وزايلها الاضطراب بسبب معارضة الشهوات سميت النفس المطمئنة والنفس
بالمعنى الاول لا يتصور رجوعها الى الله فانها مبعدة عن الله وهي من حزب الشيطان
واذا لم يتم سكونها لكنها صارت مدافعة للنفس الشهوانية ومعترضة عليها سميت
النفس اللوامة وان تركت الاعتراض واذعنت واطاعت لمقتضى الشهوات ودواعي
الشيطان سميت النفس الامارة بالسوء انتهى ملخصاً پہلا لفظ قلب ہے اور اسکا اطلاق
دو معنو پر ہوتا ہے ایک صنوبری شکل کا گوشت جو سینے کے بائیں جانب رکھا گیا ہے اور دوسری ربانی
روحانی پاکیزگی جو اس جسمانی قلب میں ہے اور یہی لطیفہ انسان کی حقیقت ہے اور یہی مدرک عالم اور
عارف ہے اور یہی مخاطب ہے اور اسی پر عقاب و عتاب کیا جائیگا اور اسی سے مطالبہ کیا جائیگا
اور دوسرا لفظ روح ہے اور اُسکا بھی دو معنو پر اطلاق ہوتا ہے ایک جسم لطیف جسکا منبع جوف قلب
جسمانی ہے اور اسی سے بواسطہ رگوں کے تمام اجزاء بدن میں پھیلتا ہے اور اطبا جب لفظ روح کا اطلاق
کرتے ہیں تو اس سے یہی معنی ثانی مراد لیتے ہیں اور وہ انسان کا جاننے اور ادراک کرنیوالا لطیفہ ہے
جس کی شرح ہم نے قلب کے ایک معنی میں کی ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے قل الروح من امر ربی

سے مراد لیا ہے تیسرا لفظ نفس ہو اور وہ بھی مشترک ہے کئی معنوں میں اور ہماری غرض سے اُسکے دو معنی متعلق ہیں ایک یہ کہ اُس سے مراد وہ معنی ہوں جو انسان میں قوت غضب و شہوت کے مجامع ہیں اور یہی استعمال اہل تصوف پر غالب ہے کیونکہ وہ نفس سے وہ اصل مراد لیتے ہیں جو انسان کے بڑے صفات کو جامع ہو پس وہ کہتے ہیں کہ مجاہدہ نفس اور کسر نفس کی ضرورت ہو اور اسی جانب اس حدیث میں اشارہ ہے (جس کے معنے یہ ہیں) تمھارے دشمنوں میں سے ایک تمھارا نفس ہے جو تمھارے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہو دوسرے معنے وہ لطیفہ ہو جسے ہم نے ذکر کیا جو فی الحقیقۃ نفس و ذات انسان ہو لیکن یہ احوال کے اختلاف کے مطابق اوصاف مختلفہ سے متصف ہوتا ہے پس جب کہ امر کے ماتحت وہ سکون پذیر ہو جائے اور شہوات کے مقابلہ کی بدولت اسکا اضطراب زائل ہو جائے تو اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور نفس بمعنی اول کا رجوع اللہ کیجانب نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ سے دور اور شیطان کے گروہ سے ہے اور جب اسکا سکون تو نہ تمام ہو لیکن نفس شہوانیہ کے مدافع اور اُسپر معترض ہو تو اُسے نفس لوامہ کہتے ہیں اور اگر اعتراض کو چھوڑکر شہوات اور دواعی شیطان کا مطیع و منقاد ہو جائے تو اسے نفس امارہ کہتے ہیں **سوال** زید کا قول اثبات توحید وجودی میں صحیح ہے یا نہیں اور اسکی عقلی نقلی دلیل صحیح ہے یا غلط اس کا قول یہ ہو کہ توحید وجودی کی حقیقت بدلائل عقلیہ و نقلیہ ثابت ہو تفصیل کیلئے تو دفتر چاہیے مختصراً ایک دلیل عقلی اور ایک نقلی لکھے دیتا ہوں عقلی یہ ہو کہ کوئی شئے غیر اللہ موجود نہیں ہو سکتی کیونکہ حکمت میں ثابت ہو چکا ہو کہ وجود عین ذات واجب ہو اور وجود کا غیر سوائے عدم کے کچھ نہیں پس عدم کے سوا کوئی چیز واجب کا غیر نہیں اور عدم موجود نہیں ہو سکتا پس غیر واجب بمعنے غیر اللہ موجود نہیں ہو سکتا اور دلیل نقلی کلمۂ توحید ہو کہ جسکا حاصل یہ ہو کہ ہر آلہ عین اللہ یعنی ہر موجود عین اللہ ہو اسلیے کہ ہر موجود مصداق آلہ ہو اس واسطے کہ آلہ کہتے ہیں معبود کو اور معبود اسے کہتے ہیں جسکی کوئی عبادت کرے اور عبادت تابعداری کرنے کو کہتے ہیں اسی لیے تابعدار کو عبد اور بندہ کہتے ہیں جیسے عبد الدینار عبد الدرہم (پیسٹ کا بندہ روپیہ کا بندہ) اور جسکا کوئی تابعدار ہو اُسے معبود اور آلہ کہتے ہیں جیسے اللہ تعالے کے قول اِلٰہَہٗ ھَوَاہُ میں ہوا کو آلہ کہا بالجملہ اطلاق آلہ کا ہر اُس شئے پر آتا ہو جسکا کوئی تابعدار ہو اور کوئی موجود موجودات میں ایسا نہیں جس کا کوئی تابع نہیں پس غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر موجود مصداق آلہ کا ہے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اسپر دال ہو

کہ جو مصداق آلہ کا ہے وہ عین اللہ ہے پس ثابت ہوا کہ ہر موجود عین اللہ ہے **جواب** زید کا یہ
کلام من اولہ الی آخرہ مغالطہ وسفسطہ ہے اور اسکی ہر تقریر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اُسے علم معقول
اور منقول دونوں میں کافی استعداد نہیں ہے ورنہ ایسی تقریر اس سے نہ صادر ہوتی چند وجوہ سے
کل تقریر غلط ہے تطویل کے لیے تو ایک دفتر چاہیئے مختصر بیان سمجھ لینا چاہیئے وجہ اول یہ کہ زید نے جو دلیل
عقلی قائم کی بعد صحت اُسکے مقدمات کے وہ منتج اس امر کو ہے کہ کوئی شئے غیر اللہ کے موجود نہیں ہو سکتی ہے
اور کسی چیز کو سوائے ذات وحدہٗ لاشریک کے وجود کا حصہ نہیں مل سکتا ہے بلکہ عدم محض ہر چیز کو سوائے
اللہ کے حاصل ہے اور دلیل نقلی بعد تسلیم اُسکے مقدمات کے منتج اس امر کو ہے کہ ہر چیز عین اللہ کی ہے اور
پھر ظاہر ہے کہ اللہ موجود ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیز عین موجود کی ہوگی وہ بالضرورۃ موجود ہوگی
کیونکہ عینیت بین الشیئین مستلزم تشارک وجودی ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ ہر چیز موجود ہے پس ایک
دلیل تو مثبت عدم محض تمام اشیاء سوا اللہ کے ہے اور دوسری دلیل مثبت وجود جمیع اشیاء ہے وھل
ھذا الا تھافت وتساقط وجہ دوم یہ کہ دلیل عقلی کا یہ مقدمہ کہ وجود عین ذات واجب ہے اس سے
کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ وجود مصدری جسے بودن اور ہستی کہتے ہیں عین ذات پروردگار ہے
تو محض غلط ہے شرح مسلم قاضی مبارک اور حاشیہ قدیمہ وغیرہ کتب منطق وحکمت کے معائنہ سے یہ امر واضح
ہوتا ہے کہ عین ذات واجب فلاسفہ کے نزدیک وجود بمعنے ما بہ الموجودیۃ ہے نہ معنی مصدری اور جس نے
معنی مصدری کی عینیت کا حکم کیا ہے اُسکی مراد یہ ہے کہ منشاء انتزاع وجود مصدری واجب میں نفس
ذات واجب ہے کسی وصف اور حیثیت کو اُس میں مداخلت نہیں ہے بخلاف ممکنات کے کہ مصداق وجود مصدری
ان میں ذوات ممکنات ہیں بحیثیت استناد الی الجاعل وغیرہ اور یہ مذہب کسی عاقل کا نہیں ہے
کہ وجود مصدری عین ذات واجب ہے بعینیت بحتہ اور کیونکر یہ مذہب کسی عاقل کا ہو سکتا ہے
ہر عاقل جسکو ادنی بھی تمیز ہے سمجھ سکتا ہے کہ وجود مصدری قبیل انتزاعیات سے ہے اور ذات واجب
موجودات خارجیہ سے ہے پس اگر یہ دونوں بالکلیہ متحد ہوں تو لازم آتا ہے کہ معنے مصدری موجود
خارجی ہو جائے یا موجود خارجی عین مصدری ہو جائے وبطلانہ ظاھر علی کل عاقل فضلا عن ماھر
اور اگر یہ مراد ہے کہ وجود بمعنے ما بہ الموجودیت عین واجب ہے یا یہ کہ منشاء انتزاع وجود مصدری کا
نفس ذات واجب ہے تو صحیح ہے مگر مفید مطلب نہیں کیونکہ اس سے اگر ثابت ہوگا تو یہ ہوگا کہ غیر واجب

مابہ الموجودیۃ نہیں ہی اور نفس ذات اسکی منشا انتزاع وجود مصدری نہیں اور اس سے یہ نہیں لازم آتا ہی
کہ غیر واجب معدوم محض ہو جائے وجہ سوم یہ کہ دلیل عقلی کا یہ مقدمہ کہ غیر وجود نہیں مگر عدم محض غلط
ہے کیونکہ غیر وجود مصدری تمام موجودات خارجیہ اور ذہنیہ ہیں صرف غیرت وجود عدم کے ساتھ
خاص نہیں ہی ہر طفل مکتب سمجھ سکتا ہے کہ زید و عمر و بکر و فرس و حمار و حجر و شجر و سما و ارض و شمس و قمر وغیرہ جتنی
چیزیں مخلع بخلعت وجود و مشاہدہ ہیں یہ سب غیر وجود مصدری ہیں اور اگر غیر نہوں تو لازم آتا ہی کہ یہ سب
عین وجود مصدری ہوں یا عین مابہ الموجودیۃ ہوں اور بطلان اسکا ظاہر ہے کہ وجود مصدری
انتزاعی غیر موجود خارجی و غیر مشاہد ہی اور یہ اشیاء محسوسہ موجودہ وجہ چہارم یہ کہ یہ نتیجہ مقدمتین
مذکورتین کہ غیر واجب نہیں مگر عدم محض باطل ہی ہر گاہ دونوں مقدمۂ سابق باطل ہوے اس نتیجہ
کے ابطال میں کیا شبہہ رہا وجہ پنجم یہ کہ یہ مقدمہ دلیل عقلی کا کہ عدم موجود نہیں ہو سکتا ہے
بھی باطل ہی اس وجہ سے کہ عدم موجودات ذہنیہ سے ہے اور حصر وجود کا اسکو عارض ہے
جیسا کہ حواشی میر زاہد میں جو شرح مواقف وغیرہ پر ہیں بتفصیل تمام مذکور ہے اور اگر عدم موجود
نہو تو لا محالہ معدوم ہوگا اور عدم العدم مستلزم وجود ہے الحاصل اس دلیل عقلی کا ہر مقدمہ
محض باطل و لغو ہے اگر کتب مطولہ حکمیہ سے قطع نظر کر لی جائے اور کتب مختصرہ متداولہ ہی پر نظر کیجاوے
تو بطلان ان سب کا مخفی نرہے گا وجہ ششم یہ کہ دلیل نقلی کا یہ مقدمہ کہ ہر موجود مصداق اللہ
کا ہے اس واسطے کہ اللہ کہتے ہیں معبود کو اور معبود کہتے ہیں اسکو جس کی کوئی عبادت کرے محض لغو ہے
اس وجہ سے کہ الٰہ نام مستحق عبادت کا ہے نہ ہر ایسی چیز کا کہ جسکی کوئی عبادت حماقت سے کرنے لگے
جیسا کہ معائنۂ کتب لغت سے یہ امر واضح ہے پس مصداق الٰہ کا موجودات میں وہی ہوگا جو مستحق
عبادت ہی نہ ہر عبادت کردہ شدہ وجہ ہفتم یہ کہ یہ قول کہ عبادت کہتے ہیں تابعداری کو دال ہے
علوم شرعیہ اور علوم لغویہ کی ناواقفیت پر مطلق تابعداری معنی عبادت کے نہیں ہیں بلکہ معنے عبادت کے
پرستش اور غایت خضوع کے ہیں ہر کس و ناکس اس امر سے واقف ہے کہ تابعداری اور چیز ہے اور جگہ
پرستش اور چیز ہے ہاں غیر پرستش پر اطلاق عبودیت کا مبالغۃً کیا جاتا ہے خلاصہ یہ ہی کہ اس دلیل
نقلی کا ہر مقدمہ خلاف لغت و عرف و شرع ہی ہر گاہ دونوں دلیلیں مزخرف ٹھہریں ثبوت دعوی ندارد
ہوگیا۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عنہ

مرسلہ مولوی عزیز حسن صاحب از علی گڑھ ضلع سہارن ۱۳۲۹

ذنبہ الجلی والخفی **سوال** ہندوستان جہانتک عملداری انگریزوں کی ہے دارالحرب ہے یا نہیں
اور اگر ہے تو صرف صاحبین رح کے مذہب کے مطابق یا ابوحنیفہ رح کے مذہب کے موافق بھی **جواب**
ہندوستان دارالحرب نہیں ہے بلکہ دارالاسلام ہے چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے
خزانۃ المفتیین مین ہے دار الاسلام لا تصیر دار الحرب الّا باجراء احکام الشرک فیھا
وان یکون متصلا بدار الحرب لا یکون بینھا وبین دار الحرب مصر آخر للمسلمین
وان لا یبقی فیہ مسلم وذمی منا بالامان الاول فما لم توجد ھذہ الشرائط لا تصیر
دار الحرب ومعنی قولنا ان لا یبقی مسلم او ذمی منا بالامان الاول ان لا یبقی فیھا
مسلم او ذمی منا علی نفسہ لا بامان المشرکین وقالا اذا اجروا فیھا احکام الشرک فانھا
تصیر دار الحرب سواء کانت متصلۃ بدار الحرب او لم تکن بقی فیھا مسلم او ذمی امن
بالامان الاول ولم یبق بدار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا وان لم
غلبۃ اھل الاسلام کذا فی شرح سیر الاصل وفی سیر الاصل لابی الیسران دار الاسلام لا تصیر
دار الحرب ما لم یبطل جمیع ما صارت بہ دار الاسلام لان الحکم اذا ثبت
لعلۃ فما بقی من العلۃ شئ یبقی ببقائہ وفی المنثور دار الاسلام باجراء احکام
الاسلام فما بقی علقۃ من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام انتہی یعنی دار الاسلام
دار الحرب نہیں ہوتا ہے مگر احکام شرک کے جاری ہونے اور دار الحرب کے اسقدر متصل ہونے سے کہ اسکے
اور دار الحرب کے بیچ میں کوئی دوسرا شہر مسلمانوں کا باقی نہ رہے اور مسلمان اور کسی امان یافتہ ذمی کے باقی
نہ رہنے سے پس جبتک کہ یہ شرائط نہ پائے جائیں وہ دار الحرب نہوگا اور ہمارے قول مسلمان و کسی امان یافتہ
بامان اول ذمی کے نہ باقی رہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس ملک میں کوئی مسلمان یا ذمی بلا امان مشرکین کے
نہو اور صاحبین کہتے ہیں کہ کفار جب احکام شرک جاری کردیں تو وہ دار الحرب ہو جائیگا خواہ دار الحرب
کے متصل ہو یا نہو اس میں کوئی مسلمان یا امان یافتہ ذمی باقی ہو یا نہو اور دار الحرب اجراے احکام اسلام
سے دار الاسلام ہو جاتا ہے گو اہل اسلام کا غلبہ جاتا رہے ایسا ہی شرح سیر الاصل میں ہے اور ابو الیسر
کی سیر الاصل میں ہے کہ دار الاسلام دار الحرب نہیں ہوتا ہے جبتک وہ تمام باتیں نہ جاتی رہیں جن
سے دار الاسلام ہوا تھا کیونکہ حکم جب کسی علت سے ثابت ہوتا ہے تو جبتک کچھ بھی علت باقی رہتی ہے

شئے اُسکے باقی رہنے سے باقی رہتی ہو اور منثور میں ہو کہ ملک دار الاسلام احکام اسلام کے جاری ہونکی بدولت ہو پس جب تک کہ اسلام سے کچھ بھی تعلق باقی رہیگا جانب اسلام ہی کو ترجیح دیجائیگی اور بزازیہ میں ہو قال السید الامام والبلاد التی فی ید ی الکفرۃ الیوم لا شک انها بلاد الاسلام بعد ایصالها ببلاد الحرب لم یظهروا فیها احکام الکفر بل القضاۃ مسلمون واما البلاد التی علیها وال مسلم من جهتهم فیجوز فیها اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاۃ وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیه واما البلاد التی علیها ولاۃ کفار فیجوز فیها ایضا اقامۃ الجمع والاعیاد والقاضی قاض بتراضی المسلمین وقد تقرر ان ببقاء شیٔ من العلۃ یبقے الحکم وقد حکمنا بلا خلاف فان هذه الدیار قبل استیلاء التتار کان من دیار الاسلام وبعد استیلائهم اعلان الاذان والجمع والجماعات والحکم بمقتضے الشرع والفتوی والتدریس شائع بلا نکیر من ملوکهم فالحکم بانها من دار الحرب لا جهۃ له نظرا الی الدراسۃ والدرایۃ واعلان بیع الخمور واخذ الضرائب والمکوس والحکم من النقص برسم التتار کاعلان بنی قریظۃ بالیهود وطلب الحکم من الطاغوت فی مقابلۃ محمد صلے الله علیه وسلم فی عهده بالمدینۃ ومع ذلک کانت بلدۃ اسلام بلا ریب وذکر الحلوائی انما تصیر دار الحرب باجراء احکام الکفر وان لا یحکم فیها بحکم من احکام الاسلام وان یتصل بدار الحرب وان لا یبقے فیها مسلم ولا ذمی امنا بالامان الاول فاذا وجدت الشرائط کلها صارت دار الحرب وعند تعارض الدلائل والشرط یبقے ما کان او یترجح جانب الاسلام احتیاطا

انتھی یعنے سید امام نے کہا ہو کہ وہ شہر جو آجکل کافروں کے قبضے میں ہو بیشک دار الاسلام ہو اُس کے دار الحرب سے ملجانے کے بعد بھی اگر وہ اُس میں احکام کفر جاری نہیں کرتے ہیں بلکہ قاضی مسلمان ہیں اور وہ شہر جن میں اُن کی جانب سے مسلمان والی ہیں اُن میں نماز جمعہ و عیدین پڑھنا اور خراج لینا اور قاضیون کی تقلید کرنا اور نکاح بیوگان درست ہو استیلاء مسلم کی وجہ سے اور وہ شہر جنکے والی کافر ہیں اُن میں بھی جمعہ اور عیدین کی نماز درست ہو اور مسلمانوں کے راضی ہونے سے قاضی بھی قاضی ہو اور یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ علت کے باقی رہنے سے حکم باقی رہتا ہو اور ہم نے بلا خلاف

اس بات کا حکم کیا ہو کہ یہ شہر تتاریوں کے غلبہ سے پہلے دار الاسلام تھے اور بعد استیلا کفار بھی اعلان اذان اور جمعہ اور جماعتوں کا اور شرع کے موافق حکم اور فتوے وتدریس بلا انکار بادشاہ شائع ہو پس اس حکم کرنے کی کہ وہ دار الحرب ہے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اور شراب کا بالا علان بیچا جانا اور خراج لینا اور ٹکس وصول کرنا اور رسم تتار کے تو ڑنیکا حکم ویسا ہی ہے جیسا بنی قریظہ کا اعلان یہود اور طلب حکم کا طاغوت سے بمقابلہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں تھا اور باوجود اسکے بلا شک وہ شہر اسلام تھا اور حلوائی نے کہا ہو کہ دار الاسلام اجرار احکام کفر سے اور اسلام کے کسی حکم کے نہ جاری ہونے سے اور دار الحرب سے متصل ہو جانے سے اور کسی مسلمان اور امان یافتہ ذمی کے نہ باقی رہنے سے دار الحرب ہو جاتا ہے پس جب تمام شرائط پائے جائیں گے تو دار الحرب ہو جائے گا اور جب شرائط ودلائل معارض ہوں تو اپنی اصل پر باقی رہیگا یا جانب اسلام احتیاطا ترجیح دیجائے گی اور عتابی نے شرح زیادات میں لکھا ہو دار الاسلام انما تصیر دار الحرب بثلاث شرائط احدها اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتہار والثانی ان تکون متاخمة بلاد الحرب ای متصلة لا یتخلل بینهما بلدة من بلاد المسلمین والثالث ان لا یبقی فیها مسلم او ذمی امنا بالامان الاول فشرط هذه الشرائط لیکون علما علی تمام القهر والاستیلاء اذ دار الاسلام محتاط لاثباتها وعندهما یصیر دار الاسلام دار الحرب باجراء احکام الکفر فیها انتہی یعنے دار الاسلام تین شرطوں سے دار الحرب ہو جاتا ہے اول اجراے احکام کفار باشتہار دوم اتصال دار الحرب اس طرح پر کہ بیچ میں سلمانون کا کوئی شہر نہ واقع ہو سوم کسی مسلمان یا امان یافتہ ذمی کا باقی نہ رہنا پس ان شرائط کی شرط لگائی گئی تاکہ پورے ظلم اور استیلا کی علامتیں پائی جائیں کیونکہ دار الاسلام کے لیے دار الحرب کا حکم ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہو اور صاحبین کے نزدیک دار الاسلام اجرار احکام کفر سے دار الحرب ہو جاتا ہے اور طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہو قوله باجراء احکام الشرك ای علی الاشتهار وان لا یحکم فیها بحکم اهل الاسلام ۔ هندیة ۔ وظاهره انه لو اجریت احکام المسلمین واحکام اهل الشرك لا تکون دار حرب انتہی یعنے قول مصنف کا باجرار احکام الشرک یعنی باشتہار احکام شرک کے اجرا اور اہل سلام کے کسی حکم کے نہ جاری ہونے سے (دار الاسلام دار الحرب ہو جاتا ہو) اور اس سے

ظاہر اُسمجھا جاتا ہے کہ اگر احکام مسلمین اور احکام اہل شرک دونوں جاری ہوں تو وہ دار الحرب نہو گا انتہیٰ ان عبارات سے اور اُن کے امثال سے واضح ہے کہ دار الاسلام کے دار الحرب ہونے میں یہ شرط ہی کہ احکام کفر علانیہ جاری ہوں اور احکام اسلام بالکلیہ موقوف کر دیے جائیں اور شعائر اسلام اور ضروریات دین میں کفار مداخلت کرنے لگیں اور یہ شرط اتفاقی ہی اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسکے سوا اور بھی دو شرطیں زائد کی ہیں ایک یہ کہ اس بلدہ میں اور دار الحرب میں کوئی بلدہ مملکت اہل اسلام کا باقی نہ رہے دوسرے یہ کہ امان اول اُٹھ جائے اور بادان کفار اقامت کی نوبت آئی ہو اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہی اسلیے کہ شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہی اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلاف اسلام احکام جاری کرتے ہیں مگر بہت سے امور میں فتاوی اہل اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں پس ہندوستان امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دار الحرب نہیں ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی سوال ایک شخص جو اچھی طرح صرف ونحو بھی نہیں جانتا شرع شریف کے اصول سے صرف بوساطت ترجمہ مروجہ کتب فقہ سے واقف ہی مگر کم علمی کی وجہ سے حق وباطل میں تمیز نہیں کر سکتا اور نہ صحیح مطالب سے واقف ہو سکتا ہے فقط اس غرض سے کہ جہال اُسے عالم سمجھیں اور دام میں پھنسکر اطاعت کریں مسجد میں وعظ کہتا ہی جس میں ہزاروں غلطیاں ہوتی ہیں اور قرآن وحدیث کے خلاف باتیں بیان کرتا ہی اور اسی دھوکے میں ڈالکر بغیر کسی کامل پیر کی اجازت کے لوگوں کو مرید بھی کرتا ہی اور اپنے ذاتی فائدے کے لیے ایک فی الواقع واقف اصول فقہ وحدیث عالم کو وعظ سے اور امامت کرنے سے روکتا ہے اور خود امام بنتا ہے اس کے علاوہ روافض سے میل جول رکھنے کی وجہ سے ذکر میلاد نبوی میں قصداً حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر نہیں کرتا اور سنی مذہب کے لوگوں کو روافض کے اتحاد کی وجہ سے بالکل ترک کیے ہوے ہے تعزیت مردگان ودیگر مراسم مثل نکاح وشادی میں روافض کے کہنے سے شریک نہیں ہوتا آیا ایسا شخص عند اللہ گنہگار ہے یا نہیں اور ایسے شخص کو ایک عالم کی موجودگی میں وعظ کہنا اور امامت کرنا درست ہی یا نہیں اور بغیر پیر کی اجازت کے اُسکا مرید کرنا جائز ہے یا نہیں واضح رہے کہ شخص مذکور طہارت وغیرہ کا بھی پورا پابند نہیں ہی اور مال وزمین وغیرہ غصب کر کے لوگوں

کو اکثر رنج بھی پہونچا تا ہے **جواب** ایسا شخص گنہگار ہوگا اور اُسکو درصورت موجودگی عالم کے امامت اور وعظ کا استحقاق نہیں ہے اور جبکہ اُس شخص میں نامشروع افعال موجود ہیں تو لوگوں کو اُسکے مرید ہونے سے پرہیز کرنا چاہیئے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** ریل کی مسافت کو بعض علما اگنبوٹ پر حمل کرتے ہیں اور بعض سیر ابل پر حمل کرتے ہیں اور دلیلیں فریقین کی مختلف ہیں پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ ریل کو اگنبوٹ کے ساتھ بہت زائد مناسبت ہے اسلئے کہ دونوں میں آگ جلائی جاتی ہے اور دوسرے گروہ کی دلیل ہے کہ ریل کی مسافت کو ابل سے زیادہ مناسبت ہے اسلیے کہ دونوں خشکی کی سواریاں ہیں اگرچہ ریل تیز زائد ہوتی ہے **جواب** بحر الرائق میں ہے فی السراج الوهاج اذا كانت المسافة ثلاثة ايام ولياليها با سير المعتاد فسار البريد سيرا مسرعا او على الفرس جريا حثيثا فوصل فى يومين قصر انتهى والمراد بسير البر والجبل ان يكون بالابل ومشى الاقدام والمراد بالابل القافلة دون البريد واما السير فى البحر فيعتبر فى البحر ما يليق به وهو ان يكون مسافة ثلثة ايام فيما اذا كانت الرياح معتدلة وان كانت تلك المسافة بحيث تقطع فى البر بيوم كما فى الجبل يعتبر كونها من الجبل بالسير الوسط ثلثة ايام وان كانت تقطع من طريق السهل بيوم والحاصل انه تعتبر المدة من اى طريق اخذ فيه انتهى یعنے سراج وہاج میں ہے کہ جب مسافت تین دن رات کی ہو متوسط سیر سے تو قاصد اگر تیز رفتاری سے گیا یا گھوڑے پر متوسط حال سے چلا پس دونوں میں پہونچ گیا تو وہ قصر کرے انتہی اور خشکی اور پہاڑ پر چلنے سے مراد اونٹ پر یا پیادہ چلنا ہے اور اونٹ سے مراد قافلہ کا اونٹ ہے نہ ڈاک کا اونٹ اور دریا کی سیر میں اُسکے مطابق اعتبار کیا جائیگا یعنے تین دن کی رفتار جبکہ ہوا معتدل ہو اور اگرچہ یہ مسافت ایسی ہو کہ خشکی میں ایک دن میں قطع ہو جائے جیسا کہ جبل میں درمیانی چال سے تین دن کا اعتبار ہے اگرچہ وہ نرم زمین میں ایک ہی دن میں قطع ہو جائے اور حاصل یہ ہے کہ مدت کا اعتبار اُس راستہ سے کیا جائے گا جس راستے سے اُس نے سفر شروع کیا ہے اس عبارت سے اور ایسی ہی اور عبارات فقہیہ سے واضح ہے کہ سیر بری اور بحری ہر ایک میں سیر متوسط اُسی سیر کی لیجاویگی اور دوسری سیر کا اعتبار نہ کیا جائیگا اور اس باب میں سرعت سیر کا بطور کا اعتبار نہیں ہے بلکہ متوسط کا ہے پس ریل اگرچہ اگنبوٹ سے مشابہ ہے مگر چونکہ یہ بری اور وہ بحری سواری ہے

اسلئے ریل کی رفتار میں رفتار گھنٹوں کا لحاظ نہ کیا جائیگا **سوال** نورالانوار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت اور انجیل منسوخ نہیں ہوئیں اور شیخ سعدیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہی کہ منسوخ ہوگئیں چنانچہ انکا یہ شعر ہے کہ شعر نہ از لات وعزیٰ برآورد گرد ؎ کہ توریت وانجیل منسوخ کرد ؎ دونوں میں تعارض کیوں ہی **جواب** توریت وانجیل کے تمام احکام منسوخ نہیں ہوئے ہیں کیونکہ شریعت محمدی میں بعض احکام ملت بنی اسرائیل کے موافق بھی ہیں البتہ بہت سے احکام اور مشقت کی باتیں اس شریعت میں منسوخ ہوگئی ہیں قال اللہ تعالیٰ فی صفۃ نبینا صلے اللہ علیہ وسلم یامرھم بالمعروف وینہاھم عن المنکر ویحل لہم الطیبات ویحرم علیہم الخبائث ویضع عنہم اصرھم والاغلال التی کانت علیہم یعنی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور انکے لئے عمدہ چیزیں حلال اور بری چیزیں حرام کرتے ہیں اور انکے بوجھوں اور قید وں کو اٹھاتے ہیں **سوال** بخیال مصلحت وقت مثلاً روز جمعرات یا شب جمعہ کو ایک جلسہ مقرر کیا جائے کہ ہر ہفتہ کو لوگ جمع ہوا کریں اور وعظ بذریعہ قراۃ ترجمہ قرآن یا احادیث ومسائل نماز روزہ وغیرہ مسائل دینیات کا بیان ہوا کرے اور کسی دینی اور دنیاوی معاملہ کا جھگڑا اسمیں نہو صرف قرآن اور حدیث کا ذکر ہوا کرے اسلئے ایک دن صرف اس غرض سے مقرر کیا جائے کہ سب لوگ بغیر اسکے کہ اطلاع دیجائے روز معلومہ کو بوقت ومقام معلومہ پر خود بخود مجلس وعظ میں شریک ہوا کریں جیسا کہ دہلی میں وعظ مولوی حفیظ اللہ خانصاحب کا بروز دوشنبہ بوقت معین صبح یا وعظ مولوی عبدالرب صاحب کا بروز معینہ جمعہ بمقامات معینہ ہوتا ہی اور شوقین بلا اطلاع دینے کے وقت معلومہ پر شریک ہوجایا کرتے ہیں ایسا کرنا گناہ ہے یا نہیں پھر ایسے وعظ میں اگر بایام گرمی شربت یا برف کا پانی یا موسم سرما میں چاہے وغیرہ حاضرین کو پلائی جائے اور رسوم جہال کی پابندی کا کچھ خیال نہ رکھا جائے تو جائز ہے یا نہیں اسی طرح رمضان المبارک کی کسی شب میں بروز ختم کلام مجید حاضرین کو بلانیت کسی رسم ورواج کے کھانا کھلانا یا شیرینی تقسیم کرنا یا اسوقت خواہ بوقت افطار شربت پلانا جائز ہے یا نہیں **جواب** یہ سب جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے جو صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام میں ابوسعید خدریؓ سے مروی ہی قال جاءت امرأۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ذھب الرجال

مرسلہ مولوی نظام الدین صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ علی احمد پور نزد تحصیل [illegible] بہار

وعظ اور دینی مسائل بیان کرنا دن تاریخ مقرر کرکے

بحد یثك فاجعل لنا من نفسك یوما ناتیك فیه تعلمنا مما علمك اللہ فقال اجتمعن
فی یوم کذا وکذا فی مکان کذا وکذا فاجتمعن فاتاھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فعلمھن مما علمہ اللہ الحدیث یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت
آئی اور اُس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرد آپ سے حدیثیں حاصل کر لیتے ہیں
پس آپ ہمارے لئے ایک دن مقرر فرمائیں جس میں مخصوص ہمکو اُس کی تعلیم دین جو اللہ
نے آپ کو بتلایا ہے پس حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ جمع ہو اِس دن اور اِس
دن اُس جگہ اور اِس جگہ پس عورتیں جمع ہوئیں اور آپ نے تشریف لاکر ان کو وہ سکھایا
جو اللہ نے آپ کو سکھایا تھا اور بھی صحیح بخاری کی کتاب الدعوات میں عکرمہ سے مروی ہے
عن ابی وائل قال کان عبد اللہ بن مسعود یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ
رجل یا ابا عبد الرحمٰن انك ذکرتنا کل یوم قال اما انہ یمنعنی من ذلك انی اکرہ ان
املکم وانی اتخولکم بالموعظۃ کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بھا مخافۃ السآمۃ
علینا انتھی یعنے ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر پنجشنبہ
کو وعظ کہتے تھے پس اُن سے ایک شخص نے کہا کہ تم ہم سے روز وعظ کہا کرو انھوں نے کہا
کیا مجھکو اس سے یہ بات روکتی ہے کہ میں تمکو ملال میں ڈالوں یعنی میں روز اس لئے وعظ نہیں
کہتا کہ کہیں سننے والوں کو دشوار نہو جائے اور میں ناغہ کرکے وعظ اس لئے کہتا ہوں کہ
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے اسی طرح ناغہ کرکے وعظ کہا کرتے تھے
ہمارے تنگ دل ہونیکے خوف سے انتہی ان اخبار سے انعقاد مجلس وعظ کے لئے تعیین
مکان وزمان ثابت ہوا اور حضار مجلس کو جب وہ ایک مکان پر جمع ہوں رمضان میں مجلس
ختم میں یا غیر رمضان میں مجلس وعظ میں بلا لحاظ رسم ورواج والتزام ضروری واہتمام
غیر شرعی کوئی چیز کھلانا پلانا یا تقسیم کردینا بھی درست ہے اصل اسکی یہ حدیث ہے جو صحیح
بخاری میں کتاب الجہاد میں باب الطعام عند القدوم میں مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لما قدم المدینۃ نحر جزورا وبقرۃ انتھی یعنے جب حضور سرور عالم مدینہ میں تشریف لائے تو اونٹ اور گائے
کی قربانی کی اور بھی کتاب الاطعمہ میں قصہ عتبان ابن مالک میں مروی ہے قال عتبان فغدا علی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وابوبکر حین ارتفع النہار فلم یجلس حتی دخل البیت فقال
این تحب ان اصلی من بیتک فاشرت الی ناحیۃ فقام فکبر فصففنا وصلے رکعتین ثم سلم
فجلسناہ علے خزیرۃ صنعناھا لہ الحدیث یعنے عتبان نے کہا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ
وسلم اور حضرت ابوبکرؓ میرے یہاں آئے جبکہ آفتاب بلند ہوچکا تھا پس نہ بیٹھے یہانتک
کہ گھر میں تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز
پڑھوں میں نے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا آپ نے وہاں کھڑے ہوکر تکبیر کہی پس ہمنے
صف باندھی اور دو رکعتیں پڑھیں پھر آپ نے سلام پھیرا اور ہمنے آپ کو ایک کھانیکے لئے جو
خاص آپ کے لئے تیار کیا تھا روک لیا واللہ اعلم اور اسی کتاب میں مروی ہے کہ ان عائشۃ
کانت اذا مات المیت من اھلھا فاجتمع لذلک النساء ثم تفرقن الا اھلھا وخاصتھا امرت
برمۃ من تلبینۃ فطبخت ثم صنع ثرید فصبت التلبینۃ ثم قالت کلن منھا الحدیث یعنے جب حضرت
عائشہؓ کے گھر میں کوئی وفات ہوجاتی تھی اور عورتیں اکٹھی ہوکر جاتی تھیں اور صرف حضرت عائشہؓ
کے گھر کی اور دوسری مخصوص عورتیں رہجاتی تھیں تو آپ کے حکم سے تلبینہ کا کھانا پکایا جاتا تھا اور
بعد میں ثرید بناکر تلبینہ اسمیں ڈالدیا جاتا تھا پھر اُن عورتوں کو کھانے کا حکم دیتی تھیں واللہ اعلم
عبدالحی **سوال**۔ اگر شارع نے کسی علت سے کوئی حکم بیان کیا بعد مدت کے وہ علت جاتی
رہی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکم باقی نہ رہے چنانچہ ابن عباسؓ نے طواف میں رمل کے
سنت ہونے کا انکار کیا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے باوجودیکہ زوال علت کا یقین تھا پھر فرمایا کہ
جو ہم حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کرتے تھے اُسے نہ چھوڑیں گے تو یہ
معلوم ہونا چاہیئے کہ زوال علت سے زوال حکم ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو یہ قاعدہ کلیہ
ہے یا اس کا کوئی خاص موقع ہے **جواب** احکام شرعیہ کے مناشی و بواعث
شریعت کے ارتفاع سے احکام کا ارتفاع نہیں ہوتا اکثر مناشی علل کے ساتھ مشتبہ ہوجاتے ہیں
اسوجہ سے بعض احکام شرعیہ کے بقاء و عدم بقا میں اشتباہ ہوتا ہی نظائر اسکے بہت ہیں منجملہ اسکے حکم رمل ہی
کہ منشاء اسکی شرعیت کا مشرکین کا دفع خیال تھا مگر بعد اس منشاء کے ارتفاع کے بھی یہ حکم باقی رہا اسیوجہ سے حجۃ الوداع
میں بھی رمل کیا گیا باوجودیکہ وہ منشا باقی نہ رہا منجملہ اسکے حکم غسل روز جمعہ ہی کہ بعد ارتفاع اسکے منشاء شرعیت کے

جوکہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہی باقی رہا اور علل احکام کے ارتفاع سے ارتفاع حکم بالضرور ہوگا مگر بدو شرط ایک یہ کہ شرعًا یہ امر ثابت ہو کہ اس حکم کی یہ علت ہی دوسرے یہ کہ یہ بھی معلوم ہو کہ اس حکم کی اسکے سوا کوئی اور علت نہیں ہی ورنہ ممکن ہی کہ ایک شے معلول بعلل شتی ہو بس ایک علت کے عدم سے عدم اسکا نہ لازم آویگا اور اگر علت کی علیت قطعی نہو بلکہ اجتہادی ظنی ہو تو اسکی ارتفاع سے ارتفاع حکم بھی ظنی ہوگا ہذا ہوالاصل واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** زبان انگریزی کی تعلیم آیا شرعًا جائز ہی یا ناجائز اور آیا اسکے عدم جواز پر من تشبہ بقوم فہو منہم (یعنے جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ انھیں میں سے ہی) استدلال ہوسکتا ہی یا نہیں اور بعض احادیث میں جو وارد ہی کہ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نے بعض صحابہ کرام کو توریت یا انجیل پڑھتے دیکھکر انکو اُس کے پڑھنے سے منع فرمایا آیا اس روایت سے تعلیم زبان انگریزی کا شرعًا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں **جواب** نفس تعلم زبان انگریزی کا شرعًا جائز ہی کیونکہ موافق علم اصول کے اصل حلت ہے پس تا وقتیکہ منع شرعی ثابت نہ ہو ہر شئے شرعًا جائز سمجھی جاوے گی من تشبہ بقوم الخ اور دوسرے روایت سے انگریزی سیکھنا ممنوع نہیں ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں تشبہ بالنصاریٰ نہیں ہے اور نہ انگریزی زبان میں توریت وانجیل ہے حررہ اشرف علی عفا اللہ عنہ **ھو المصوب** فی الواقع نفس تعلم زبان انگریزی شرعًا ممنوع نہیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کا حکم کیا جیسا کہ جامع ترمذی وغیرہ میں مروی ہے اور ملا علی قاری مکی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ لا یعرف فی الشرع تحریم تعلم لغۃ من اللغات سریانیۃ کانت او عبرانیۃ ھندیۃ کانت او ترکیۃ فارسیۃ کانت او غیرھا انتھی یعنے شرع نے زبانوں میں سے کسی زبان کے سیکھنے کو حرام نہیں کیا ہے سریانی ہو یا عبرانی ہندی ہو یا ترکی فارسی ہو یا کوئی اور زبان۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قرأت توریت سے منع کرنا اسلئے نتھا کہ کفار کی زبان میں ہی بلکہ اس غرض سے تھا کہ کہیں اس امت کے لوگ قرآن کو چھوڑ کے کتب سابقہ کیطرف متوجہ نہو جائیں اور اپنے دین کو غارت نہ کردیں اُسکی تفصیل کتب حدیث میں موجود ہی اور حدیث من تشبہ کو تعلم زبان سے کچھ علاقہ نہیں ہے

اور اوضاع خاصہ و اطوار خاصۂ کفار کو طعام و شراب و لباس و مشی وغیرہ میں اختیار کرنا
داخل تشبہ ہے نہ کسی زبان کو سیکھنا واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی [ابو الحسنات محمد عبد الحی]

سوال- جواز تعلیم زبان انگریزی بشمول دیگر السنہ میں علما کا کیا حکم ہے جن کی تعلیم کی غرض
سے نواب صاحب بہادر والی سورت نے ایک مدرسہ خاص مسلمانوں کی تعلیم کے لئے جاری
فرمایا ہے ہر چند کہ خاص شہر جوناگڈھ میں مکتب گجراتی اردو وغیرہ کے ہیں اور ہائی اسکول
بھی جس میں انگریزی تعلیم عموماً ہندو مسلمان کو ہوتی ہے موجود ہے مگر خاص بغرض تحفظ دین
و عقائد اہل اسلام نواب صاحب نے یہ مدرسہ قائم کیا ہے اور ایک متقی پرہیزگار عالم کو اس کا
پرنسپل مقرر کیا ہے کہ تعلیم علوم دینی و دنیاوی باحسن وجوہ ہو تو اس صورت میں علمائے دین اسطور
کی تعلیم انگریزی کو جس میں خیال دین مقدم ہے جائز فرماتے ہیں یا نہیں بینوا توجروا **جواب**
اسطور سے تعلیم زبان انگریزی کی جس میں خیال دین مقدم ہو درست ہے شرعاً کسی زبان کے
سیکھنے کی اگرچہ وہ زبان کفار کی ہو ممانعت نہیں وارد ہے بلکہ جب منجر کسی مفسدہ کی طرف ہو
اور اس سے انسان کے اطوار شرعیہ و عقائد دینیہ میں تخلل واقع ہو منع ہے حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے خود بعض صحابہ کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کی اجازت دی ہے جامع ترمذی میں زید
بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم
السریانیة وفی روایة امرنی ان اتعلم کتاب یهود وقال انی ما امن یهود علی کتاب
قال فما مربی نصف شهر حتی تعلمته فکان اذا کتب الی یهود کتبت واذا کتبوا الیه
قرأت له کتابهم انتهی یعنی مجھے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سریانی سیکھوں اور
ایک روایت میں ہے مجھے حکم دیا کہ میں یہود کی کتاب سیکھوں اور فرمایا کہ میں یہود کی کسی تحریر سے بےخوف
نہیں ہوں (یعنی اس پر اعتماد نہیں کرتا)، انھوں نے کہا کہ نصف ماہ سے کم میں میں نے اسے سیکھ لیا جب
یہودیوں کو خط لکھا جاتا تو میں لکھتا اور جب انکا خط آتا تو میں پڑھتا تھا ملا علی قاری کی مرقاة شرح مشکوة میں لکھتے
ہیں قیل فیه دلیل علی تعلم ما هو حرام فی شرعنا للتوقی عن الوقوع فی الشر کذا ذکره الطیبی بل
فی ذیل کلام المظهر وهو غیر ظاهر اذ لا یعرف فی الشرع تحریم تعلم لغة من اللغات سریانیة کانت او عبرانیة هندیة
کانت او ترکیة فارسیة کانت او غیرها نعم یعد من اللغو ومالا یعنی وهو مذموم عند ارباب الکمال الا اذا ترتب علیه فائدة

فیستحب کما یستفاد من الحدیث انتہٰی یعنے کہا گیا ہے کہ اس میں دلیل ہے اُس چیز کے سیکھنے پر جو ہماری شریعت میں حرام ہے شر میں پڑنے سے بچنے کے لئے ایسا ہی ذکر کیا ہے طیبی نے کلام مظہر کے ضمن میں اور یہ ظاہر نہیں ہے کیونکہ شرع سے کسی زبان کا سیکھنا حرام ثابت نہیں ہوتا ہے سریانی ہو یا عبرانی ہندی ہو یا ترکی فارسی ہو یا کوئی اور دوسری زبان ہاں جو بیکار شے ہے وہ لغو سمجھی جائیگی اور یہ ارباب کمال کے نزدیک مذموم ہے مگر جبکہ اُس سے کچھ فائدہ حاصل ہو تو مستحب ہے جیسا کہ حدیث سے سمجھا جاتا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال عورتوں کو لکھنا سکھانا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز ہے احادیث اور عبارات فقہا اور تعامل اکابر علما اسپر شاہد ہیں حیوۃ الحیوان میں ہے اخرج ابوداؤد والحاکم وصححہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال للشفا بنت عبد اللہ علمی حفصۃ رقیۃ النملۃ کما علمتہا الکتابۃ والنملۃ قروح یخرج فی الجنب من البدن ورقیتہا شئ کانت تستعملہ النساء انتہٰی یعنی ابوداود اور حاکم نے اس کو نکالا ہے اور اس کی تصحیح بھی حاکم نے کی ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفا بنت عبد اللہ سے کہا کہ حفصہ کو نملہ کا منتر سکھاؤ جیسا کہ تم نے انھیں کتابت سکھائی اور نملہ دانے ہیں جو پہلو میں نکلا کرتے ہیں اور رقیۃ النملہ ایک شئے ہے جسکو عورتیں استعمال کرتی ہیں اس صحیح روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شفا جو صحابیہ تھیں کتابت میں ماہر تھیں اور حضور روحی فداہ نے انھیں حضرت حفصہؓ کو کتابت سکھانے کے لئے مقرر کیا تھا اور خزانۃ المفتیین میں ہے الحائض والجنب اذا کانا یکتبان الکتاب الذی فی بعض سطورہ آیۃ القرآن یکرہ لہما ذلک وان کانا لا یقران لانہما منہیان عن مس القرآن وفی الکتابۃ مس لانہ یکتب بقلمہ وہو فی یدہ وہو صورۃ المس انتہٰی یعنے حائض اور جنب جب اُس کتاب کو لکھیں جس کی بعض سطروں میں قرآن کی آیت ہے تو اُنکے لئے یہ مکروہ ہے اگرچہ وہ اُسے نہ پڑھیں کیونکہ انھیں قرآن چھونے سے بھی منع کیا گیا ہے اور کتابت میں چھونا ہے کیونکہ وہ اپنے قلم سے لکھتا ہے اور قلم اسکے ہاتھ میں ہے اور یہی چھونے کی صورت ہے۔ اور ایسا ہی عینی شرح ہدایہ اور بہت سی کتب حنفیہ میں اور کفوی طبقات حنفیہ میں علاء الدین محمد سمرقندی مولف تحفۃ الفقہاء کے حالات میں لکھتے ہیں کانت لابنتہ فاطمۃ الفقیہۃ زوجۃ ابی بکر صاحب البدائع

وکانت تفقہت علی ابیہا وحفظت تحفۃ وکان زوجہا یخطے فتردہ الی الصواب وکانت الفتوی تاتی فتخرج علیہا خطہا وخط ابیہا فلما تزوجت بصاحب البدائع کانت تخرج وعلیہا خطہا وخط ابیہا وزوجہا انتہے یعنی انکے ایک لڑکی تھی فاطمہ جو فقیہہ تھی اور ابوبکر صاحب بدائع کی بی بی تھی اس لڑکی نے فقہ اپنے باپ سے حاصل کی تھی اور انکی تصنیف تحفۃ الفقہاء کو زبانی یاد کیا تھا جب انکے شوہر غلطی کرتے تو انھیں صحیح مذہب پر لوٹالیتی تھیں اور فتوے آتا تھا جب نکلتا تھا تو اسپر انکے اور ان کے باپ کی تحریر ہوتی تھی پس جب صاحب بدائع سے انکی شادی ہوگئی تو جب استفتا نکلتا تھا تو اس پر ان کی اور ان کے باپ اور شوہر کی تحریر ہوتی تھی اور یہ جو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کا لکھنا سیکھنا چونکہ مفاسد کی طرف منجر ہے اس لیے ضرور مکروہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک غالب گمان منجر الی المفاسد کا نہو مباح شئے حرام نہیں ہوتی ہاں جب غالب گمان ہو تو اس سے احتراز اولی ہوتا ہے حرمت اسوقت بھی ثابت نہیں اور مطلقاً حرام ہونے پر جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو دلیل میں لاتے ہیں وہ بھی کئی وجہوں سے قابل قبول نہیں ہے قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنزلوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ وعلموھن الغزل وسورۃ النور خرجہ ابن مردویہ والبیہقی فی شعب الایمان یعنے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ فرمایا حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ عورتوں کو نہ اتارو کھڑکیوں میں اور انکو کتابت نہ سکھاؤ اور انھیں سوت کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور کی تعلیم دو اس کو ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ روایت ضعیف ہے چنانچہ سیوطی وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے پس حدیث جواز کے ساتھ قابل معارضہ نہیں ہے دوسری بالاتفاق اس حدیث سے کراہت تنزیہیہ ثابت ہے جسکا حاصل ترک اولی ہونا ہے پس حرمت یا کراہت تحریمی کا اس سے ثبوت نہیں ہوسکتا تیسرے اگر کراہت تحریمی کا ثبوت اس سے مان بھی لیا جاوے تو لازم آدیگا کہ سورۂ نور عورتونکو سکھائی جاوے اور سورۂ یوسف یا تمام قرآن نہ سکھایا جائے بلکہ انکا سکھانا مکروہ تحریمی یا حرام ہو کیونکہ بعض کتب میں یون بھی روایت پائی گئی ہے علموھن سورۃ النور ولا تعلموھن سورۃ یوسف وھذا خلاف الاجماع یعنی عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو اور سورۂ یوسف کی تعلیم نہ دو یہ خلاف اجماع ہے

غرض عورتوں کو لکھنا سکھانا نہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی بلکہ ضرورتوں کے لحاظ سے استحباب سے خالی نہیں مگر جبکہ فساد کا خوف ہو حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** عورتوں کو لکھنا سکھانا جائز ہے یا نہیں۔ **جواب** عورتوں کو لکھنا سکھانے کے جواز میں حدیث شفا کافی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا علمی حفصة رقية النملة کما علمتها الکتابة یعنی حفصہ کو نملہ کا منتر سکھاؤ جیسا کہ تمنے اُنھیں لکھنا سکھایا۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت کا احتمال جیسا کہ محدث دہلوی نے شرح مشکوۃ میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دوسری حدیثوں میں عورتوں کو لکھنا سکھانے کی ممانعت آئی ہے اور ولا تعلمهن الکتابة عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ ارشاد ہوا ہے اور اس حدیث سے لکھنا سکھانے کا جواز ثابت ہوتا ہے شاید یہ حدیث ممانعت سے پہلے کی ہو اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ ازواج مطہرات نبوی سے خوف فتنہ نہیں ہے اس لئے ان کے لئے جائز ہے اور عام عورتوں کے لئے ناجائز ہے کیونکہ انسے فتنے کا خوف ہے انتہی ترجمہ کلام الفارسی اور ملا علی قاری مشکوۃ کی شرح میں لکھتے ہیں قال الخطابی فيه دليل على ان تعليم النساء الکتابة غير مكروه قلت يحتمل ان يكون جائز للسلف دون الخلف لفساد النسوان في هذا الزمان ثم رأيت قال بعضهم خصت به حفصة لان نساءه صلى الله عليه وسلم خصصن بالنساء قال تعالیٰ یا نساء النبی لستن کاحد من النساء وخبر لا تعلمن الکتابة يحمل على عامة النساء خوف الافتتان عليهن انتهى یعنی خطابی نے کہا ہے کہ اسمیں اس کی دلیل ہے کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا مکروہ نہیں ہے میں کہتا ہوں احتمال ہے کہ اگلوں کے لئے جائز اور پچھلوں کے لئے ناجائز ہو کیونکہ آجکل عورتیں خراب ہوگئی ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اسکے ساتھ خاص ہیں کیونکہ ازواج مطہرات بہت سے باتوں کے ساتھ خاص ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بیبیو تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو اور کتابت نہ سکھاؤ والی خبر عام عورتوں پر محمول ہے فتنہ میں پڑ جانے کے خوف سے انتہی مخدوش ہے اس وجہ سے کہ فتح الباری اور دوسرے شرح صحیح بخاری اور کتب حدیث میں متعدد جگہوں پر لکھا ہے الخصائص لا يثبت بالاحتمال خصوصیتیں احتمال سے ثابت نہیں ہوتیں پس محض احتمال سے جب کہ کوئی نص قطعی نہیں پائی جاتی یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ صرف ازواج مطہرات ہی

مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب از بمبئی ۱۰ جمادی الثانی

کے لئے کتابت کی تعلیم جائز ہے اور ظاہر ہو کہ اگر ازواج مطہرات کے علاوہ مطلقاً عورتوں کے لئے تعلیم
کتابت مکروہ ہوتی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنت عبد اللہ کو بھی منع کرتے اور
جب آپ نے ایسا نہین کیا تو معلوم ہوا کہ غیر ازواج مطہرات کے لئے بھی تعلیم کتابت جائز ہے
حاصل کلام کا یہ ہو کہ جو جواز کی حدیث ہو اُسکی تصحیح حاکم وغیرہ نے کی ہو اور جو عدم جواز کی حدیث ہے
وہ ضعیف ہو پس اس حدیث سے عام طور پر حرمت یا کراہت ثابت نہین ہو سکتی اور بالفرض محال اگر اس
ضعیف حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو کراہت تنزیہی کا ثبوت ہو سکتا ہو جس کا حکم یہ ہو کہ ترک اولی ہو اور
ممانعت والی حدیث اگرچہ مختلف الفاظ کے ساتھ پائی جاتی ہو کہ ترجمہ شیخ عبد الحق مین لفظ لا تعلم
الکتابۃ ہے اور ملا علی قاری نے لا تعلمن الکتابۃ کہا ہے اور مفتی بغداد و سید نعمان کی غالیۃ
المواعظ میں ہے کہ سیوطی نے اپنی کتاب الجزل فی الغزل مین حضرت عائشہ سے روایت کی ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ان عورتون کو بالاخانون مین نہ بٹھاؤ اور نہ
اُن کو لکھنا سکھاؤ البتہ کاتنا اور سورۂ نور سکھاؤ لیکن یہ اختلافات نہ بہ سبب تعدد روایت ہے
بلکہ نقل ناقلین کے اختلاف سے اور اصل حدیث اُس لفظ کے ساتھ ہے جسکو سیوطی نے رسالۂ
مذکورہ میں لکھا ہے اور دُر منثور مین بروایت عائشہ رض بیان کیا ہے اور بیہقی اور ابن مردویہ کی
طرف اس روایت کے اخراج کی نسبت کی ہو اور کتب تواریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ
سابق میں اکثر عورتین لکھنا جانتی اور سیکھتی تھین اور علماے عصر میں سے کسی نے اُنھیں نہیں روکا
سیوطی اپنے رسالہ نزہۃ الجلساء فی اشعار النساء میں شہدہ بنت احمد دینوری کا حال لکھتے ہوے
لکھتے ہیں کانت ذات دین وورع وعبادۃ سمعت الکثیر وعمرت وکتبت الخط المنسوب
علی طریقۃ المکاتبۃ وما کان فی زمانہا من یکتب مثلہا وکان لہا الاسناد العالی ماتت
سنۃ اربع وسبعین وخمسمائۃ انتہی وہ دین اور تقوی اور عبادت والی تھین بہتون سے
اُنھون نے حدیث کو سنا ہے اور بہت طویل العمر ہوئین اور وہ لکھنے کے قاعدہ سے لکھتی تھین
اور اُن کے زمانے مین کوئی اُن کے مانند لکھنے والا نہ تھا اور اُن کے لئے بڑی سندین تھیں
۵۷۴ھ میں اُنھوں نے انتقال کیا۔ اور عائشہ بنت احمد قرطبی کے حال میں لکھتے ہیں۔ قال ابن
حیان فی المقتبس لم یکن فی زماننا فی جزائر الاندلس من یعدلہا علما و فہما وادبا و

شعرا وفصاحة تمدح ملوك الاندلس وتخاطبهم بما يعرض لها من حاجة وكانت حسنة الخط تكتب المصاحف ماتت عذراء لم تتزوج سنة اربعه انتهى یعنے ہمارے زمانہ میں جزائر اندلس میں کوئی وہ شخص نتھا جو علم وفہم اور ادب و شعر اور فصاحت میں اُنکا مقابلہ کرسکے وہ بادشاہان اندلس کی تعریف کرتی تھیں اور اُن سے بیان کرتی تھیں وہ جو اُسے اپنے ساتھی کی جانب سے پہونچتا تھا اور وہ خوشخط تھیں اور قرآن کی کتابت کرتی تھیں اُنھون نے کنوارپن میں سنہ ۴۰۰ھ میں انتقال کیا۔ اسیطرح اُنھون نے ولادہ بنت مستکفی باللہ محمد المروانی اور مریم بنت ابی یعقوب الانصاری القیصوی وغیرہا کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ لکھنا جانتی تھیں اور علامہ عبدالقادر عبدروس نے نور سافر فی اخبار القرن العاشر نے ۹۰۴ھ کے حوادث میں لکھا ہے وفی عشية يوم الاربعاء فى ربيع الاول توفيت السيدة الصالحة اسماء بنت الفقيه العلامة كمال الدين موسى بمدينة زبيد وكانت عابدة صالحة قارية القران تقرأ كتب التفسير والحديث وتسمع النساء وتعظهم وكان لقولها وقع في القلوب وربما كتبت الشفاعات الى السلطان والقاضى الامير فتقبل شفاعتها انتهے اور ربیع الاول میں شب چہار شنبہ کو نیک بی بی اسماء نے انتقال کیا جو فقیہ علامہ کمال الدین موسٰی کی صاحبزادی تھیں شہر زبیدہ مین اور عابدہ صالحہ تھیں قرآن پڑھی تھیں اور تفسیر و حدیث کی کتابیں پڑھتی تھیں اور عورتوں سے (حدیث) سنتی تھیں اور عورتیں آپکی تعظیم کرتی تھیں اور اُنکی بات دلپر لگتی تھی اور ربسا اوقات اُنھوں نے بادشاہ اور قاضی امیر کے پاس سفارشیں لکھدیں اور وہ قبول کرلی گیئن انتہی۔ اور ۹۱۱ھ کے حوادث میں لکھا ہو بہا توفيت فاطمة بنت القاضي محمود بالقاهرة ولدت تقريبًا سنة خمس وخمسين وثمانمائة وشات فتعلمت الكتابة وماتيسر انتهے یعنے اس سال فاطمہ بنت قاضی محمود نے قاہرہ میں انتقال کیا تقریبًا ۸۵۵ھ میں پیدا ہوئیں اور کتابت اور دوسری وہ چیزیں حاصل کین جو اُن کو میسر ہوئیں یعنی حاصل ہوسکیں اور ابن قیم نے زاد المعاد میں حدیث شفا ذکر کرنے بعد لکھا ہے وفي الحديث دليل على جواز تعليم النساء الكتابة انتهے یعنے اور حدیث میں دلالت ہی تعلیم کتابت کے جائز ہونے پر انتہی اب حدیث نہی کا حال لکھا جاتا ہے کہ اسکی اسنادیں وضع اور متروک اور ضعف سے خالی نہیں ہیں کوئی اسکو

ضعیف کہتا ہے کوئی متروک اور کوئی موضوع۔ علامہ ابن جوزی کتاب الموضوعات میں بسند خود تا ابن حبان روایت کرتے ہیں قال ابن حبان محمد بن عمرو انبانا محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم حدثنا یحیی بن زکریا بن یزید الدقاق حدثنا محمد بن ابراھیم ابو عبد اللہ الشامی حدثنا شعیب بن اسحٰق الدمشقی عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تسکنوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ وعلموھن الغزل وسورۃ النور انتھی یعنی ابن حبان محمد بن عمرو نے بسلسلۂ محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم بروایت یحیی بن زکریا بن یزید دقاق بروایت محمد بن ابراہیم ابو عبد اللہ شامی بروایت شعیب بن اسحٰق دمشقی بروایت ہشام بن عروہ بروایت والد خود۔ روایت کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے کہا کہ عورتوں کو کھڑکیوں میں نہ ٹھہراؤ اور اُن کو کتابت نہ سکھاؤ اور اُن کو کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور کی تعلیم دو انتہی اسکو نقل کرنیکے بعد پھر خود ابن جوزی لکھتے ہیں لا یصح محمد بن ابراھیم الشامی کان یضع الحدیث وقد ذکر الحاکم ھذا الحدیث فی صحیحہ والعجب کیف خفی علیہ امرہ انتھی یعنے یہ حدیث صحیح نہیں ہے محمد بن ابراہیم شامی حدیثوں کو وضع کرتے تھے اور حاکم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے اور تعجب ہے کہ یہ بات انپر کیونکر پوشیدہ رہی اور پھر بسند خود تا ابن حبان روایت کرتے ہیں قال ابن حبان حدثنا جعفر بن سھل حدثنا جعفر بن نصر حدثنا حفص بن غیاث عن لیث عن مجاھد عن ابن عباس مرفوعًا لا تعلموا نساءکم الکتابۃ ولا تسکنوھن الغرف وقال خیر لھو المومن السباحۃ وخیر لھو المرأۃ الغزل انتھی یعنے کہا ابن حبان نے حدیث بیان کی مجھسے جعفر بن سہل نے وہ کہتے ہیں حدیث بیان کی مجھسے جعفر بن نصر نے وہ کہتے ہیں حدیث بیان کی مجھسے حفص بن غیاث نے اُنھوں نے روایت کی لیث سے اُنھوں نے مجاہد سے اُنھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ اپنی عورتوں کو کتابت نہ سکھاؤ اور انکو کھڑکیوں میں نہ ٹھہراؤ اور کہا کہ مومن کا اچھا کھیل تیرنا اور مومنہ کا اچھا کھیل کاتنا ہے انتہی پھر خود کہتے ہیں لا یصح جعفر بن نصر حدث عن الثقات بالبواطیل انتھی یعنے یہ حدیث صحیح نہیں ہے جعفر بن نصر نے ثقات سے غلط باتیں روایت کی ہیں اور سیوطی نے لآلی المصنوعہ

فی الاحادیث الموضوعہ کی کتاب النکاح میں ابن جوزی کا کلام نقل کرکے زیر حدیث عائشہ رض
لکھا ہے قلت الحاکم ما اخرجہ من طریق ھذا الوضاع حتی یتعجب منہ بل قال ابنا نا
ابو علی الحافظ حدثنا محمد بن سلیمان حدثنا عبدالوھاب بن الضحاک حدثنا
شعیب بن اسحق فذکرہ وقال صحیح الاسناد و اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان عن
الحاکم من ھذا الطریق ثم قال انبانا ابو نصر بن قتادۃ ابنا نا ابوالحسن محمد بن حسن
السراج حدثنا سفیان حدثنا محمد بن ابراھیم الشامی حدثنا شعیب بن
اسحق فذکرہ باسنادہ نحوہ وھذا الاسناد منکر ھذا کلام البیہقی فافادان طریق
محمد بن ابراھیم ھی المنکرۃ وانہ بغیر ھذا الاسناد لیس بمنکر نعم قال الحافظ
ابن حجر فی الاطراف بعد ذکر قول الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد بل عبدالوھاب
متروک وقد تابعہ محمد بن ابراھیم الشامی عن شعیب بن اسحق وابراھیم رواہ ابراھیم
بالوضع انتہی یعنی میں کہتا ہوں کہ حاکم نے ان وضع کرنے والوں سے ان احادیث کا اخراج نہیں
کیا ہے یہانتک کہ اس سے تعجب ہو بلکہ انھوں نے کہا ہو ابنا نا ابو علی الحافظ حدثنا محمد بن
سلیمان حدثنا عبدالوہاب بن ضحاک حدثنا شعیب بن اسحق پس اسکو انھوں نے
ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہو اور بیہقی نے شعب الایمان میں حاکم سے اسطرح روایت
کی ہو پھر کہا ہو ابنا نا ابو نصر بن قتادہ ابنا نا ابوالحسن محمد بن حسن سراج حدثنا سفیان حدثنا
محمد بن ابراہیم الشامی حدثنا شعیب بن اسحق پس اسکو ذکر کیا ہو اسکے اسناد کے ساتھ اور یہ اس
اسناد کے ساتھ منکر ہے یہ بیہقی کا کلام ہو پس اس سے حاصل یہ ہوا کہ محمد بن ابراہیم کا طریقہ منکر ہے
اور بدون اس اسناد کے منکر نہیں ہو ہاں حافظ ابن حجر نے اطراف میں قاسم کے قول کو ذکر کرنے
کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہو بلکہ عبدالوہاب متروک ہیں اور محمد بن ابراہیم شامی
عن شعیب بن اسحاق وابراہیم اسی کے تابع ہو اور ابراہیم نے اسے وضع کرکے روایت کیا ہے
انتہی یہاں یہ بات معلوم ہوگئی کہ شیخ محدث دہلوی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ نے جو یہ لکھا
کہ تعلیم کتابت کا جواز اس بات کو محتمل ہو کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص
باوجود اسکے کہ کوئی نص اس خصوصیت پر دلالت کرنے والی نہیں ہے۔ محض لغو ہو کیونکہ اس

قول کا مدار نہی کے ثبوت پر ہے اور نہی کی حدیث اپنے تمام طرق سے قابل استدلال نہیں یہ بات تو میری سمجھ میں آئی ہو اور شاید کسی کی سمجھ میں مجھسے بھی بہتر آئے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** من ترك الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر جس نے نماز کو قصداً ترک کیا وہ کافر ہے صحیح حدیث ہو یا نہیں. **جواب** صحیح ہو لیکن تشدید پر محمول ہو حررہ محمد عبدالحی غفرلہ **سوال** الغناء اشد من الزنا غنا شدید تر ہو زنا سے - جہان وارد ہو وہاں لاھلہ حلال ولغیرہ حرام کہ اُس کے اہل کے لئے حلال اور غیر اہل کے لیے غنا حرام ہو. بھی یہ صحیح ہے یا نہیں. **جواب** دونوں حدیثیں موضوع ہیں کسی حدیث کی کتاب میں اسکا نشان نہیں ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی - **سوال** ان ملکوں میں رواج ہو کہ لڑکے ابتدائے درس میں چند پارے قرآن شریف کے اُستاد سے پڑھکے دوسرے علوم حاصل کرنے لگتے ہیں جب حصول علم کر لیتے ہیں تو بغیر اُستاد کے سنے ہوئے اور بغیر اجازت اور سند کے پورے کلام اللہ کی تلاوت کرنے لگتے ہیں ایسی تلاوت مشروع ہے یا نہیں **جواب** مشروع ہو جلال الدین سیوطی اتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں -

ادعی ابن خیر الاجماع علی انہ لیس لاحد ان ینقل حدیثا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما لم یکن لہ بہ روایۃ ولو بالاجازۃ نہل یکون حکم القرآن کذلك فلیس لاحد ان ینقل اٰیۃ و یقرأھا ما لم یقرأھا علی الشیخ او فی ذلك نقلا ولذلك وجہ من حیث ان الاحتیاط فی اداء الفاظ القرآن اشد منہ فی الفاظ الحدیث ولعدم اشتراطہ وجہ من حیث ان اشتراط ذلك فی الحدیث انما ھو لخوف ان یدخل فی الحدیث ما لیس منہ او یتقول علی النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ما لم یقلہ والقرآن محفوظ منہ وھذا ھو الظاھر انتھی یعنے ابن خیر نے اسپر اجماع کا دعویٰ کیا ہو کہ کسی کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث نقل نہ کرنا چاہیئے تاوقتیکہ اُسکے ساتھ روایت نہو گو کہ صرف اجازت ہو پس کیا قرآن کا حکم بھی ایسا ہی ہو پس کسی کو یہ نہ چاہیئے کہ کوئی آیت نقل کرے یا اُسے پڑھے جبتک کہ شیخ سے نہ پڑھے مین نے اسکے متعلق کوئی نقل نہیں دیکھی اور ایسا ہونا ممکن ہو کیونکہ اداء الفاظ قرآن مین زائد احتیاط کرنا چاہیئے اداء الفاظ حدیث سے اور ایسا نہونا بھی

ممکن ہی کیونکہ حدیث میں تو شرط لگانے کی یہ وجہ ہی کہ اس میں خوف ہی کہ کوئی شخص حدیث میں
وہ باتیں بڑھا وے جو اُس میں نہوں یا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب
ایسی باتیں منسوب کردے جو آپنے نفرمائی ہوں اور قرآن شریف اس سے محفوظ ہی اور یہ ظاہر ہے
انتہیٰ اور اُسی کتاب میں ہی الاجازۃ من الشیخ غیر شرط فی جواز التصدی للقراءۃ والاقراء
فمن علم من نفسہ الاھلیۃ جاز لہ ذلک وان لم یجزہ احد وعلی ذلک السلف الاولون
والصدر الصالحون وکذٰلک فی کل علم وفی الاقراء والافتاء انتھٰی یعنے قراء کی اتباع کرنے اور اُن سے
فائدہ حاصل کرنے کے لیے شیخ کی اجازت شرط نہیں ہی پس جو اپنے کو اہل جانے اُسکے لیے جائز ہے
گو کسی نے اُسے اجازت ندی ہو اور اسی کے سلف صالح اور قدما قائل ہیں اور یہی تمام علوم اور
افتاء اور پڑھانیکی حالت ہی **سوال** علماء متبحرین نے حدیث موضوع کی پہچان کا یہ قاعدہ لکھا ہی
کہ جس حدیث میں ثواب و عقاب کثیر کا وعدہ یا وعید بیان کرنے میں حد سے زیادہ تجاوز
کیا ہو وہ موضوع ہی حالانکہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس حدیث کو نقل کیا ہی کل حسنۃ
بعشر امثالھا الی سبعمائۃ ضعف الا الصوم ہر نیکی کا بدلہ اُسکے دس مثلوں سے
لے کر سات سو مثلوں تک ملتا ہی سوا روزے کے اور بعض محدثین نے یہ دوسری حدیث نقل
کی ہی من صام یوم سبعۃ وعشرین من رجب کتب اللہ لہ صیام ستین شھرا یعنے
جس نے ستائیسویں رجب کو روزہ رکھا اللہ نے اُسکے لئے ساٹھ مہینہ کے روزونکا ثواب لکھدیا
پس معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دونوں حدیثیں کیسی ہیں اور موضوع حدیث کے پہچاننے کا کیا قاعدہ
ہے **جواب** پہلی حدیث کو بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت
کیا ہی علامہ زین الدین ابو الفضل عبد الرحیم عراقی کتاب المغنی میں حمل الاسفار فی الاسفار
بتخریج ما فی الاحیاء من الاخبار سے اس حدیث کی شان میں لکھتے ہیں اخرجاہ من حدیث
ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انتھٰی صحیحین میں اس حدیث کا اخراج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
سے کیا ہی اور دوسری حدیث گو صحاح ستہ میں نہیں ہی مگر بعض محدثین نے اسکو روایت کیا
ما ثبت من السنہ میں ہی وفی جزء ابی معاذ الشاۃ المروزی فی فضائل رجب لعبد العزیز
من طریق ضمیرۃ عن مطر الوراق عن شھر بن حوشب عن ابی ھریرۃ موقوفا من

صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب الله له صیام ستین شهرا وهو الیوم الذی هبط فیه جبرئیل علی محمد صلی الله علیه وسلم بالرسالة وهذا مثل ماورد فی هذا المعنی انتہی یعنے عبدالعزیز نے جزء ابی معاذ شاۃ المروزی میں رجب کے فضائل میں بطریق ضمیرہ ومطرو راق سے انھوں نے شہر بن حوشب سے انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے کہ جسنے روزہ رکھا ستائیسویں رجب کو اللہ تعالیٰ اسکے نام ساٹھ مہینے کے روزوں کا ثواب لکھتا ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رسالت کا پیغام لیکر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے اور یہ مثل ہے اُن کے جو اس معنے میں وارد ہوئی ہیں اور قاعدہ مذکورہ کی تصریح اگرچہ شراح شرح نخبہ وغیرہم نے کی ہے مگر یہ تصریح کسی حدیث سے مطابق نہیں ہوتی کہ جسکو ماہرین فن نے حدیث کرکے روایت کیا ہو البتہ جس حدیث کو ماہر فن نے حدیث کرکے نہ روایت کیا ہو اور یکلخت کسی ماہر فن حدیث کے کان میں پڑی ہو تو اس قاعدہ سے وہ ماہر فن اس طرح کی موضوع حدیث کے موضوع ہونیکو جان سکتا ہے۔

سوال کل دخانٍ حرامٌ ومن اکل من البنج لقمة فکانما زنی بامه ہر دخان حرام ہے اور بھنگ کا استعمال کرنا ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنا۔ حدیث ہے یا نہیں۔ **جواب** معتبر کتابوں میں یہ حدیث نظر سے نہیں گذری اور فقط کسی شخص کے حدیث کہدینے کا اعتبار نہ کرنا چاہیے بلکہ محدث کے قول کا یقین کرنا چاہیے کیونکہ وہ حدیث کو سند سے بیان کرتے ہیں البتہ بعض واعظ غیر معتبر حدیثیں ڈرانے یا رعب دلانے کو ذکر کردیتے ہیں اور ان حدیثوں کے حالات سے آگاہ نہیں ہوتے **سوال** اذا تحیرتم فی الامور فاستفتوا باصحاب القبور جب تم کسی کام میں پریشان ہو تو اہل قبور سے دریافت کرو۔ حدیث ہے یا نہیں **جواب** حدیث نہیں ہے بلکہ کسی کا قول ہے اور اسکے تفصیلی معنی یہ ہیں کہ جب تمھیں کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے میں شبہہ ہو تو اپنے اجتہاد پر عمل نہ کرو بلکہ اُن قدما کی جو اس وقت قبروں میں سورہے ہیں تقلید کرو اور ہو سکتا ہے کہ یہ معنی ہوں جب تم دنیاوی امور میں پریشان ہو تو اصحاب قبور پر نظر کرو جنھوں نے دنیا کو چھوڑ کر آخرت کا سفر اختیار کیا ہے اور تمھیں بھی یہ سفر کرنا اور اس دنیا کو

کو چھوڑنا ہی پڑیگا۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ معنی ہوں جب تم اپنی مقصد برآری میں عاجز ہوجاؤ تو صحاب قبور کے وسیلہ سے اللہ تعالی سے دعا مانگو تاکہ ان کی برکت سے تمھاری دعا قبول ہو جائے نہ یہ کہ اُنکو مستقل طور سے حلال مشکلات یا تدبیر عالم میں اللہ کا شریک جانو کیونکہ یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر: محمد عبد الحی ابو الحسنات]

کتاب الطہارت

سوال کیا فرماتے ہیں کہ قوم مٹھر یا ڈوم یا چمار یا دوسا دھ جو ہند کا فرمردار خوار ہوتے ہیں اور چوہا بلا گوہ کیکڑا اور اس کے مثل دوسری حرام چیزیں بھی کھاتے ہیں پس ان کے یہاں کی چیزیں از قسم حلال پکی ہوئی کھانا یا اُن کے ہاتھ کا پانی کنوئیں یا دریا سے نکالا ہوا پینا کہ جس میں کوئی شبہ تلویث اشیاء حرام یا نجاست وغیرہا کا نہ ہو شرعاً ممنوع ہے یا جائز اور ان کے ہاتھ سے چیزیں مثل روٹی اور گوشت یا خشکہ اور دال پکوانا یا یہ سب چیزیں ان لوگوں کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی مسلمانوں کو کھانا روا ہوگا یا نہیں بینوا توجروا۔ **جواب** جب تک کوئی نجاست ظاہری یقیناً اعضائے ظاہرہ کافر پر نہ ہو اُسکے ہاتھ سے کھانا پکوانا یا پانی نکلوانا سب درست ہے اسلئے کہ کافر کی نجاست اعتقادی ہے نہ ظاہری جیسا کہ بحر الرائق میں ہے لما انزل النبی صلی اللہ علیہ سلم بعض المشرکین فی المسجد ومکنہ فی المبیت فیہ علی ما فی الصحیحین علم ان المراد بقولہ تعالی انما المشرکون نجس النجاسۃ فی اعتقادہم جبکہ حضرت رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے بعض مشرکین کو مسجد میں ٹھہرایا اور انھیں اس میں رہنے کی جگہ دی جیسا کہ صحیحین میں ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے قول انما المشرکون نجس سے اُن کے اعتقاد کی نجاست مراد ہے اور بھی اُسی میں ہے سور الآدمی طاہر لا فرق بین الجنب والطاہر والحائض والنفساء والصغیر والکبیر والمسلم والکافر والذکر والانثی یعنی ان الکل طاہر طہور من غیر کراہۃ انتہی یعنے آدمی کا جھوٹا پاک ہے اس میں جنب طاہر حائض نفساء بڑے چھوٹے مسلمان کافر مرد عورت سب یکساں یعنے پاک اور بلا کراہت پاک کرنے

والے ہیں۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی واقعی ادا ہو گا جبتک نجاست کا یقین نہ ہو کتاب فتاوی حمادیہ میں مذکور ہے ولا طعمۃ التی یتخذ ھا اھل الشرک الخ یعنے جو کھانے کہ مشرک لوگ بناتے ہیں اوران میں نجاست پڑجانے کا وہم بھی ہوتا ہے سب کے پاک ہونیکا حکم ہے جب تک اُن کی نجاست کا یقین نہ ہو حررہ ابوالاجابر محمد نعیم عفاعنہ

سوال نمدہ اور گدا وغیرہ ایسے بچھونوں پر جن میں غبار محسوس نہو بلکہ فقط تیمم کے لیے ہاتھ مارتے وقت ہوا میں کوئی چیز معلوم ہو تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں اوران اشیا میں سقدر غبار ہونا جس سے تیمم جائز ہو کیونکر پہچانا جائیگا۔ جواب جب ہاتھ مارتے وقت ہوا میں غبار محسوس ہوا تو تیمم جائز ہی چاہے غبار ہاتھ پر محسوس ہو یا نہو۔ اور نمدے وغیرہ پر بغیر ہاتھ مارے ہوے غبار معلوم ہو یا نہو عینی شرح کنز میں ہر یجوز التیمم ایضا بالنقع بان نقض ثوبا وحصیرا طاھرا ثم تیمم بغبارہ جاز یعنے غبار سے تیمم جائز ہی اسطرح پر کہ کسی پاک کپڑے کو جھاڑا پھر اُسکے غبار سے تیمم کیا تو جائز ہے۔ اور خزانۃ المفتیین میں ہر لو نقض لبدۃ او ثوبا والانشیاء الطاھرۃ فتیمم بغبارھا جاز و صورتہ ان ینقض ثوبہ اولبدہ حتی یرتفع غبارہ فرفع یدیہ فی الھوا وقربا منہ فرفع الغبار علی یدہ وتیمم ولو ضرب یدہ اللبد والثوب وارتفع غبارہ فرفع یدہ وتیمم جاز یعنے اگر اپنے لبادے یا کپڑے یا اور پاک اشیا کو جھاڑا اور اُس کے غبار سے تیمم کیا تو جائز ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ اپنے کپڑے یا لبادے کو جھاڑے جب اُسکا غبار بلند ہوا تو اپنے ہاتھ ہوا میں اُسکے پاس اونچے کیے اسطرح کہ غبار ہاتھ پر پڑا اور اُن سے تیمم کیا اور اگر اپنے ہاتھ لبادے یا کپڑے پر مارے اور غبار اونچا ہوا پھر اُس نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور تیمم کیا تو یہ جائز ہی اور رد المحتار میں ہے قال الرملی الظاھر التفصیل ان استبان اثر الغبار جاز والا فلا لوجود الشرط خصوصا فی ثیاب ذوی الاشغال یعنے رملی نے کہا ہے کہ ظاہر تفصیل ہے یعنے اگر غبار کا اثر ظاہر ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں شرط کے پائے جانے کے لیے خصوصًا اُن لوگوں کے کپڑوں میں جو کام کاج کرتے ہیں اور بہت سی کتب فقہ میں اسی طرح ہے اور غبار کے نمدہ وغیرہ پر بغیر ہاتھ مارے محسوس ہونے یا غبار کے دو ہاتھوں پر محسوس ہونیکی شرط کسی معتبر فقہ کی کتاب سے ثابت نہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال منجن ملنے سے جو ریخ دانتوں میں جمع ہوجاتی ہے

اُسکے موجود رہنے سے غسل جائز ہے یا نہیں هوالموفق اگر اُسکا دور کرنا ممکن ہو تو دور کر لے کیونکہ کتب فقہ میں ہے کہ جب دانتوں کے بیچ میں کچھ اجزا الطعام کے باقی رہیں تو اُنکا دور کرنا ضروری ہے لیکن بعض فقہا نے لکھا ہے کہ ضرورت اور حرج کیوجہ سے غسل جائز ہے واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد۔ هوالمصوب اگر ریخ کے نیچے غسل کا پانی پہونچ جائے تو غسل جائز ہے ورنہ نہیں مراقی الفلاح میں ہے لا بد من زوال ما یمنع وصول الماء للجسد کشمع وعجین ایسی چیز کا دور کرنا ضروری ہے جو پانی کو جسم تک پہونچنے سے روکے جیسے موم اور آٹا واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفا اللہ عنہ **سوال** مرد اور عورت ایک بچھونے پر سوتے تھے جب جاگے تو بچھونے پر منی کا نشان پایا اور ہر ایک کہتا ہے کہ مجھے احتلام نہیں ہوا پس غسل کس پر واجب ہوگا **جواب** اگر منی کا نشان زرد اور پتلا ہے تو عورت پر غسل واجب ہوگا اگر سفید اور گاڑھا ہے تو مرد پر اور اگر کچھ تمیز نہو تو دونوں پر فتح القدیر میں ہے لو وجد الزوجان بینہما ماء دون تذکر ولا تمیز بان لم یظہر غلظہ ورقتہ ولا بیاضہ وصفرتہ یجب علیہما الغسل صححہ فی الظہیریۃ ولم یذکر والقید فقالوا یجب علیہما وقیل ان کان غلیظا ابیض فعلیہ او رقیقا اصفر فعلیہا فیقید ونہ بصورۃ نقل الخلاف والذی یظہر تقییل الوجوب علیہما بما ذکرنا فلا خلاف اذن انتہی یعنے اگر میاں بی بی کے بیچ میں کچھ منی پائی جائے اور کسی کو کچھ یاد نہ ہو اور پتلے اور گاڑھے ہونے یا زرد و سفید ہونے کی کچھ تمیز نہو سکے تو دونوں پر غسل واجب ہے اور بعض کے نزدیک اگر گاڑھی اور سفید ہو تو مرد پر اور اگر زرد اور پتلی ہو تو عورت پر غسل واجب ہے پس یہ لوگ قید لگاتے ہیں نقل خلاف کی صورت کی اور جو ظہیریہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ دونوں پر وجوب غسل کا فائدہ دیتا ہے اُس صورت میں جسے ہم نے ذکر کیا ہے پس اب کچھ خلاف نہیں ہے **سوال** مسلمان دھوبی کے گھر کی پکی ہوئی چیز کھانا درست ہے یا نہیں اور جس پانی یا پانی کے برتن کو مسلمان دھوبی چھوئے تو اُس پانی یا برتن سے وضو کرنا یا پینا جائز ہے یا نہیں۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ **جواب** مسلمان دھوبی کے گھر کا پکا ہوا کھانا کھانے میں بشرطیکہ وہ طاہر ہاتھوں سے پاک برتن میں پکایا گیا ہو شرعا کوئی وجہ ناجوازی اور ممانعت کی معلوم نہیں ہوتی مگر چونکہ دھوبیوں کے یہاں ہر قسم کے کپڑے دھونے کو

آتے ہیں کہ اُنمیں اکثر حیض و نفاس والی عورتوں کے کپڑے بھی رہتے ہیں اور دھوبیوں کی عورتیں اُن کو اکثر اوقات چھوتی اور دھوتی رہتی ہیں اور اُنھیں ہاتھوں سے کھانا بھی پکاتی ہیں گو نجاست کا خیال فی الجملہ اُن کو بھی رہتا ہے اسلیے غالبًا ہاتھ دھوکے کھانا پکاتی اور برتن چھوتی ہونگی لیکن چونکہ ہر وقت بشرائط تطہیر اُنکا ہاتھ دھونا محال عادی ہو اسلیے اس دیار کے مسلمان دھوبیوں کے گھر کے برتنوں کے طاہر ہونے کا کامل وثوق نہین ہوسکتا بلکہ غالب اور ظاہر عدم طہارت ہی مگر چونکہ اصل اشیا میں طہارت ہو اور شک مثبت حکم نہیں ہوسکتا اور یقین شک کو زائل نہیں کرتا اسلیے مسلمان دھوبیوں کے گھر کے پکے ہوئے کھانے کو قطعًا ممنوع اور ناجائز بھی نہیں کہہ سکتے غایت یہ کہ وقوع شک سے کراہت کا حکم دیا جائیگا اور عمومًا دھوبیون کے گھر کا پکا ہوا کھانا مکروہ ٹھیریگا جیساکہ غایط کھانیوالی مرغیون کے جھوٹے کو فقہا نے مکروہ لکھاہے چونکہ نجس ہونے کے شک کی وجہ سے بس حاصل کلام کا یہ ٹھہراکہ اگر قطعی طور پر معلوم ہو کہ یہ کھانا مسلمان دھوبی کے گھر سے باعتبار پاک کرآیا ہے یعنے پکانے کا برتن اور پکانے والی دھوبن یا دھوبی کا ہاتھ پاک تھا تو وہ کھانا کھانا تو بلا کراہت جائز ہوگا - اور اگر برتنون اور پکانیوالون کے طہارت کا تیقن نہو تو وہ کھانا قطعًا منع اور حرام ہو اور اگر فقط شک عدم احتیاط کا بقرائن حالیہ ہو تو مکروہ ہوگا اس سے احتراز اولی ہو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے من اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام جو شخص شبہہ چیزوں سے بچا اُسنے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچایا اور جو انمیں پڑا حرام میں پڑگیا نصاب الاحتساب میں ہے خصوصًا مشرکوں کے برتنون میں کھانے پینے کے بیان میں لکھا ہو یکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل لان الغالب الظاہر من اوانیہم النجاسۃ وانہم یستحون الخمر و یاکلون ویطعمون فی قدورھم و فی قصاعھم واوانیھم فکرہ الاکل فیہا قبل الغسل اعتبارا للظاہر کما کرہ التوضی من سور الدجاجۃ لانہا لا تتوقی من النجاسۃ غالبًا الا ان الاصل فی الاشیاء الطہارۃ وتشککنا فی النجاسۃ فلم یثبت النجاسۃ بالشک ھذا اذا لم یعلم نجاسۃ الاوانی فاذا علم فانہ لا یجوز ان یشرب فیہا قبل الغسل ولو اکل وشرب کان اکلا وشاربا حراما ھذا حاصل ما ذکر فی الذخیرۃ یعنے مشرکین

کے برتنوں میں بے دھوئے ہوئے کھانا پینا حرام ہے کیونکہ غالب اور ظاہر یہ ہے کہ اُن کے
برتن نجس ہوتے ہیں اور وہ شراب کو مباح جانتے ہیں اور اپنی ہانڈیوں اور پیالوں اور برتنوں
میں کھاتے ہیں تو بے دھوئے ہوئے اُنمیں کھانا حرام ہوا باعتبار ظاہر کے جیسا کہ مرغی کے
جھوٹے سے وضو مکروہ ہے کیونکہ وہ عموماً نجاست سے نہیں بچتی مگر یہ کہ اصل اشیا میں طہارت ہے اور
ہمیں نجاست میں شک ہے تو نجاست شک سے نہ ثابت ہوگی یہ اُس صورت میں ہے جبکہ برتنوں
کی نجاست کا علم نہوا اور جب معلوم ہو تو ان میں کھانا پینا بے دھوئے ناجائز ہے اور جس نے کھایا
یا پیا تو وہ حرام کا کھانے یا پینے والا ہوگا یہ اُسکا حاصل ہے جو ذخیرہ میں ذکر کیا گیا ہے اور مسلمان
دھوبی اگر پانی یا پانی کا برتن چھوے اور چھوتے وقت اُسکا ہاتھ نجاست حقیقی سے ملوث نتھا جس سے
چھوئی ہوئی چیز کا نجس ہونا لازم آوے گو دوسرے اعضا ملوث بہ نجاست ہوں تو وہ پانی یا پانی
کا برتن نجس نہوگا۔ بلکہ طاہر رہیگا وضو اور پینا دونوں کام اُس سے جائز ہیں اور نظیر اور دلیل
اس مسئلہ کی وہ ہے جو احادیث صحیحہ قولیہ وفعلیہ بخصوص جواز اختلاط جنب وحائض ونفساء
وطہارت اشیا ملموسہ انھوں کے صحاح میں موجود ہیں کہ ہر چند زن حائض کا موضع خروج
دم نجس رہتا ہے اور جنب بھی بنجاست حکمی نجس ہوتا ہے مگر باایں ہمہ حائض وجنب ونفساء کے چھوئی ہوئی
چیز نجس نہیں ہوتی اور انکا جھوٹا حرام اور مکروہ نہیں ہو جاتا قال الامام النووی فی شرح صحیح المسلم
فی باب الاضطجاع مع الحائض قال العلماء لا یکرہ مضاجعۃ الحائض ولا قبلتها ولا الاستمتاع
بما فیها فوق السرۃ ولا تحت الرکبۃ ولا یکرہ وضع یدها فی شیئ من المائعات ولا یکرہ غسلها
راس زوجها وغیرہ من محارمها وترجیلہ ولا یکرہ طبخها وعجینها وغیر ذلک من الصنائع
وسورها وعرقها طاهران وکل هذا متفق علیہ وقد نقل الامام ابو جعفر محمد بن جریر
فی کتابہ فی مذاهب العلماء اجماع المسلمین علی هذا کلہ ودلائلہ من السنۃ ظاهرۃ
مشهورۃ انتهی وقال ایضا فی باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس فاذا ثبت طهارۃ الادمی
مسلما کان او کافرا فعرقہ ولعابہ ودمعہ طاهرات سواء کان محدثا او جنبا او حائضا او نفسا
وهذا کلہ باجماع المسلمین کما قدمتہ فی باب الحیض انتهی مختصراً یعنے شرح مسلم میں
امام نووی نے باب الاضطجاع مع الحائض میں لکھا ہے کہ علما نے کہا ہے کہ حائضہ عورت کے

ساتھ سونا اور اُسکا بوسہ لینا اور اُسکے ناف کے اوپر اور گھٹنوں کے نیچے کے حصے سے نفع
اُٹھانا مکروہ نہیں ہے اور اُسکا ہاتھ بہنے والی چیزوں میں رکھنا مکروہ نہیں ہے اور اُسے اپنے شوہر
یا دوسرے محرموں کا سر دھونا اور کنگھی کرنا مکروہ نہیں ہے اور اُسکا پکایا ہوا کھانا اور گوندھا ہوا آٹا
اور اُسکے علاوہ اُسکی بنائی ہوئی دوسری چیزیں مکروہ نہیں ہیں اور اُس کا جھوٹا اور اُس کا
پسینہ پاک ہے اور یہ سب باتیں متفق علیہ ہیں اور امام ابو جعفر محمد بن جریر نے اپنی کتاب مذاہب
علما میں لکھا ہے کہ ان تمام باتوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس کی دلائل سنت سے
ظاہر اور مشہور ہیں انتہی اور صاحبین نے باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس میں کہا ہے کہ جب آدمی
کی طہارت مسلم ہو یا کافر ثابت ہو گئی تو اُسکا پسینہ اور تھوک اور آنسو پاک ہیں خواہ وہ
محدث ہو یا جنب یا حائض اور نفسا اور ان سب پر مسلمانوں کا اجماع ہے جیسا کہ ہم نے باب
الحیض میں بیان کیا ہے انتہی مختصرا یہ ہم نے کتابوں کے مطالعہ سے سمجھا ہے اور صحیح و حق جواب
اللہ کو معلوم ہے واللہ اعلم حررہ ابو المفتقر الی حرمۃ خالق العرش صانہ اللہ عن الطرد والبطش الجواب صحیح والرأی
نجیح واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

محمد عبد الحی ابو الحسنات

سوال اکثر کتب فقہ میں دیکھا جاتا ہے کہ آدمی کا جھوٹا مسلم ہو یا کافر پاک ہے آیا اس
قیاس پر اگر کوئی ہندو مسلمان کا حقہ یا برتن سہواً یا قصداً جھوٹا کر دے اور پھر مسلمان
بے دھوئے استعمال میں لائے تو کیا حکم ہے اُسکے اسلام میں تو کوئی ضرر نہیں آتا ہے **جواب**
فی الواقع کافر کا جھوٹا اور تھوک پاک ہے پس اُسکا جھوٹا حقہ پینا یا اُسکے جھوٹے برتن میں کھانا کھانا
بے دھوئے درست ہے جبتک کسی نجاست کا اختلاط معلوم نہو ہاں اگر کافر نے شراب پی اور
فی الفور کسی چیز کے ساتھ اُسکا تھوک لگ گیا یا فوراً اُس کے منہ میں حقہ دیا گیا تو نجاست کا حکم
دیا جائیگا کنز الدقائق اور اُسکی شرح بحر الرائق میں ہے سؤر الآدمی والفرس وما یوکل لحمہ
طاہر اما الآدمی فلان لعابہ متولد من لحم طاہر ولا فرق بین الجنب والطاہر والحائض والنفساء
والصغیر والکبیر والمسلم والکافر والذکر والانثی کذا ذکرہ الزیلعی یعنی ان الکل
طاہر طہور من غیر کراہۃ وفی الخلاصۃ والتجنیس رجل شرب الخمر ان تردد فی فیہ من
البزاق بحیث لو کان الخمر علی ثوب طہرہا ذلک البزاق لا ینجس والکراہۃ انما ہو فی

اشرب من ساعتہ فان سورہ نجس لا لنجاستہ لحمہ بل لنجاستہ فمہ ولو مکث قدر ما یغسل فمہ بلعابہ ثم شرب لا ینجس انتھے مختصراً یعنے آدمی اور گھوڑے اور اُن چیز ونکا جھوٹا پاک ہے جنکا گوشت کھایا جاتا ہے لیکن آدمی پس اسلیے کہ اُسکا تھوک پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور جنب اور طاہر حائض اور نفساء چھوٹے اور بڑے مسلمان اور کافر مرد اور عورت میں کچھ فرق نہیں ہے ایسا ہی زیلعی نے ذکر کیا ہے۔ یعنی یہ تمام اشیا پاک ہیں اور پاک کرنے والے ہیں بلا کراہت اور خلاصہ اور تجنیس میں ہے کہ جس آدمی نے شراب پی اگر اپنے منہ میں تھوک کو پھراتا رہا اس قدر کہ اگر یہ شراب کپڑے پر ہوتی تو تھوک اُسے پاک کر دیتا تو اُسکا جھوٹا نجس نہیں ہے اور کراہت شراب پیتے ہی فوراً جس چیز کو جھوٹا کر دے اس میں ہے) پس اُسکا جھوٹا نجس ہے لیکن اُس کے گوشت کے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس کے منہ کے نجس ہونے کی وجہ سے اور اگر اتنی دیر ٹھہرا کہ اُسکا منہ اُسکے تھوک سے دھل گیا پھر اُس نے (پانی پیا تو) اُسکا جھوٹا نجس نہیں ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال کتب فقہ میں لکھا ہے اذا مات الحمار فی الملحۃ فصار ملحا او وقع الروث فی البیر فصار حماۃ زالت النجاستہ وطہرت عند ابی حنیفۃ ومحمد خلافا لابی یوسف والفتوی علی قول محمد یعنے جب گدھا نمک کی کان میں مرگیا اور نمک ہوگیا یا گوبر کنویں میں گرا اور کیچڑ ہوگیا تو نجاست زائل ہوگئی اور طہارت آگئی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسکے خلاف ہیں اور فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے اس باب میں کوئی نقلی دلیل شارع سے پائی جاتی ہے یا نہیں اور اس صورت میں اور شراب یا بول کے قطرے گرنے میں جسکی وجہ سے مفتی لوگ جو برسر ہدایت ہیں کنویں کے نجس ہوجانیکا حکم دیتے ہیں کیا فرق ہے

جواب نجس شے کی حقیقت بدل جانے کی وجہ سے اسکی طہارت کے باب میں کوئی صریح نص نظر نہیں آئی اس حکم کا استخراج ان نظائر سے ہے جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے قول محمد ھو المختار لان الشرع رتب وصف النجاستہ علی تلک الحقیقۃ وتنتفی الحقیقۃ بانتفاء بعض اجزاء مفھومھا فکیف بالکل فان الملح غیر العظم واللحم فاذا صار ملحا ترتب علیہ حکم الملح ونظیرہ فی الشرع النطفۃ نجسۃ وتصیر علقۃ وھی نجسۃ و

(حاشیہ:) [illegible]

تصیر مضغۃ فتطہر و العصیر طاہر فیصیر خمرا فینجس و یصیر خلا فیطہر فعرفنا ان استحالۃ
العین تستتبع زوال الوصف المرتب علیہ انتہی یعنے اور محمد رحمہ اللہ کا قول اختیار کیا گیا ہے
کیونکہ شرع نے وصف نجاست کو اس حقیقت پر مرتب کیا ہے اور حقیقت اپنے مفہوم کے بعض اجزا
کے معدوم ہوجانے سے منتفی ہوجاتی ہے چہ جائیکہ کل کیونکہ ہڈی اور گوشت جب نمک ہوگئے تو اُسپر
نمک ہی کا حکم مرتب ہوگا اور شرع میں اسکی مثال نطفہ کی ہے کہ نجس ہے پھر وہ جم جاتا ہے اور وہ بھی نجس ہے پھر وہ
گوشت کا لوتھڑا ہوجاتا ہے اور وہ پاک ہے اور نچوڑ (انگور وغیرہ کا) پاک ہے پھر وہ شراب ہوجاتا ہے اور وہ
نجس ہے پھر وہ سرکہ ہوجاتا ہے اور وہ پاک ہے پس ہمیں معلوم ہوا کہ عین کا بدلنا تابع ہے اُس وصف کے زوال کے
جو اسپر مرتب ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں اور نجس چیز کے کنوئیں میں پڑنے میں یہ فرق ہے کہ اس
صورت میں حقیقۃً تغیر ہوجاتا ہے جو وصف نجاست کے تغیر کو مستلزم ہے اور اس صورت میں
اختلاط کامل کی وجہ سے گو تمیز باقی نہیں رہتی مگر یہ نہیں کہ وہ نجس بعینہ پانی ہوجاتا ہے فافہم حررہ
الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** درمختار نے جو اسبیجابی کے قول کو نقل کیا ہے وقیدہ الاسبیجا
بان یستبین اثر التراب بمد یدہ علیہ اور اسبیجابی نے اس میں اس بات کی قید لگائی ہے کہ
مٹی کا اثر اسپر ہاتھ کے کھینچنے سے ظاہر ہو۔ تو اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز زمین کی جنس سے
نہیں ہے مثل کپڑا اور نمدہ او رتکیہ اور توشک وغیرہ کے اسپر تیمم جبھی جائز ہے جب ہاتھ مارنے سے مٹی کا نشان
ظاہر ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے اور بانات اور توشک وغیرہ پر تیمم جائز ہی نہیں جیسا کہ بحر
میں اسبیجابی کی عبارت کے لکھا ہے وبھذا یعلم حکم التیمم علی جوخۃ او بساط علیہ غبار
فالظاہر عدم الجواز بقلۃ وجود ھذا الشرط فی نحو الجوخۃ فلیتنبہ لہ اور اسی سے تیمم کا حکم بانات
یا ایسے بچھونے پر ظاہر ہوگیا کہ جس میں غبار ہو بس ظاہر نا جائز ہونا ہے کیونکہ یہ شرط بانات کے مثل میں
بہت کم پائی جاتی ہے بس اس پر آگاہ ہو اور ابراہیم شاہی میں لکھا ہے او ضرب یدیہ
علی اللبد وارتفع غبارہ فرفع یدیہ وتیمم جاز انتہی یا اپنے دونوں ہاتھونکو لبادہ پر مارا اور
اُس سے غبار بلند ہوا پس اپنے دونوں ہاتھونکو بلند کیا اور تیمم کیا تو جائز ہے اور تاتارخانیہ میں لکھا ہے وصورۃ
التیمم بالغبار ان یضرب بیدہ ثوبا او نحوہ من الاعیان الطاہرۃ التی علیہا غبار فاذا وقع الغبار علی
یدیہ تیمم اور غبار سے تیمم کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی کپڑے پر یا اُس کے
مثل اور کسی غبار والی چیز پر مارے جب غبار دونوں ہاتھوں پر پڑ جائے تو تیمم کرے اور ایسا ہی
محیط اور فتاوی عالمگیری میں ہے ان کتابوں کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کپڑے

یا ندے یا تکیہ وغیرہ پر ہاتھ مارے اور غبار ہاتھوں پر پڑے تو تیمم جائز ہے نشان پڑنے کی شرط ان کتابوں کی عبارت سے ثابت نہیں ہوتی تو اسبیجابی کے قول کی تطبیق عبارت کتب مرقومہ بالا سے ہو سکتی ہی یا نہیں اگر ہو سکتی ہی تو کس طرح اور اگر نہیں ہو سکتی تو فتوی کس عبارت پر دیا جائے **جواب** عبارت اسبیجابی اور محیط وغیرہ میں تعارض نہیں ہی کیونکہ اس مقام پر مد کا لفظ بجائے ضرب کے ہے جیساکہ بعض کتب میں لفظ وضع کا قائم مقام ضرب کے آیا ہے پس اسبیجابی کے قول کی تطبیق عبارت کتب مرقومہ سوال سے یوں ہو سکتی ہی کہ بان یستبین اثر التراب آہ کے یہ معنی ہیں باین طور کہ ظاہر ہوا ثر تراب کا ساتھ مارنے ہاتھ اوپر اسکے تو جب نمدہ یا بانات اور تکیہ اور توشک اور لحاف وغیرہ پر ہاتھ مارنے سے غبار اڑا تو اثر تراب کا ظاہر ہوا کیونکہ مقصود اس عبارت سے بھی غبار کا ظاہر ہونا ہے اس شے میں جسپر ہاتھ مارا اور نشان پڑنا موضع ضرب پر مقصود نہیں اور حقیقت میں اس عبارت کا وہ مطلب ہے جو صورۃ التیمم بالغبار ان یضرب بیدیہ ثوبا الخ کا مطلب ہے اور اسیواسطے طحطاوی میں جو معتبر شرح درمختار کی ہی اسبیجابی کے قول کے بعد اسی عبارت صورۃ التیمم الخ کو نقل کر دیا ہے تو معلوم ہوا کہ صاحب طحطاوی کے نزدیک اسبیجابی کے قول کے یہی معنے ہیں جو صورۃ التیمم الخ کے معنے ہیں تو ظاہر ہو گیا کہ اُس کا یہ قول کہ بمدیدیہ تاویل شدہ ہی یعنے اپنے ہاتھ کی ضرب سے اور اگر اسبیجابی کی عبارت سے نشان اور خط پڑنا کل اشیاے غیر جنس الارض پر شرط مراد لیجائے تو محیط وغیرہ کی روایت سے تطبیق نہو گی اور عدم تطبیق کی صورت میں محیط اور تاتارخانیہ وغیرہا کتب معتبرہ کی عبارت کے موافق فتوے دیا جائیگا تین وجہوں سے (۱) اسبیجابی نے گیہوں وغیرہ سب چیزوں پر نشان پڑنے کی شرط لگائی ہی اور محیط میں نشان پڑنے کی شرط نہیں لگائی اور محیط کی روایت مفتیٰ بہ ہی اسمیں افتا اور تصحیح کی علامت صریحًا موجود ہی قال صاحب المحیط وقالوا ایضا فی الحنطۃ والشعیر وسائر الحبوب اذا کان علیہا غبار جاز التیمم عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ وانہ صحیح یعنے کہا صاحب محیط نے کہ کہا فقہا نے گیہوں اور جو اور تمام دانوں پر جبکہ اُنپر غبار ہو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تیمم جائز ہی اور یہی صحیح ہی اور اُسکے بعد پھر محیط میں لکھا ہی ولو تیمم بغبار ثوبہ او غیر ذلک اجزأ فی قول ابی حنیفۃ والصحیح قول ابی حنیفۃؒ اور اگر اپنے

نہ دے جیسا کہ آداب المفتی میں ہے اذا ذیلت بالصحیح او المأخوذ او بہ یفتی و علیہ الفتویٰ لم یفت بمخالفہ یعنی جسکے ذیل میں صحیح یا ماخوذ بہ یا بہ یفتی یا علیہ الفتویٰ لکھا ہو اُسکے خلاف فتویٰ نہ دے اور طحطاوی میں لکھا ہے لان مقابل ھولاء ضعیف وغیر ماخوذ بہ وغیر مفتی بہ کیونکہ اُنکا مقابل ضعیف اور غیر ماخوذ بہ اور غیر مفتی بہ ہے کیونکہ صحیح کا مقابل ضعیف اور ماخوذ بہ کا مقابل غیر ماخوذ بہ اور بہ یفتی اور علیہ الفتویٰ کا مقابل غیر مفتی بہ ہے اور صاحب در المختار نے اسبیجابی کی روایت کے آخر میں کوئی علامت ترجیح کی نہیں لکھی ہے نہ ترجیح صریح نہ ضمنی باوجودیکہ اُنکی عادت ہے کہ روایت مفتی بہ کے آخر میں لفظ بہ یفتی اور علیہ الفتویٰ کا لکھتے ہیں (۲) جب فقہا کے اقوال میں اختلاف ہوتا ہے تو جو قول حوال ناس کے موافق اور ارفق اور قوی الوجہ ہو اور جسپر عمل درآمد ہو اُسپر فتویٰ دیا جاتا ہے جیسا کہ دُرمختار میں ہے فان قلت قد یحکون اقوالا بلا ترجیح وقد یختلفون فی التصحیح قلت یعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغیر العرف و احوال الناس وما ھو الاوفق و ما ظھر علیہ التعامل وما قوی وجھہ ولا یخلو الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لا ظنا یعنی پس اگر تم کہو کہ کبھی علما اختلاف کو بلا ترجیح بیان کرتے ہیں اور کبھی تصحیح میں اختلاف کرتے ہیں تو ہم کہینگے کہ عمل کیا جائیگا عرف اور احوال ناس کے بدلنے کے اعتبار سے اور اُسپر جو آسان ہو اور جسپر عملدرآمد ہو اور جسکی وجہ قوی ہو جیسا کہ اُنھوں نے عمل کیا تھا اور کوئی نہ کوئی ایسا ضرور موجود ہوگا جو اسکی درحقیقت تمیز کرے نہ صرف ظن ہی سے پس اس قاعدے کے اعتبار سے محیط وغیرہ کی عبارت ارفق ہے اور اُسپر لوگوں کا عملدرآمد ہے اور اسبیجابی نے جو نشان پڑنے کی شرط لگائی ہے تو اس شرط کا پایا جانا ہر وقت مشکل اور بہت دشوار ہے اور اُس میں تنگی اور حرج متصور ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما جعل علیکم فی الدین من حرج یعنی تمپر دین میں تنگی نہیں کی (۳) یہ کہ روایت محیط اور تاتارخانیہ وغیرہا کی متون کے موافق ہے اور متون معتبر ہوتے ہیں شرح سے اور شروح فتاوے سے شامی میں ہے والعمل بما فی المتون لانہ اذا تعارض ما فی المتون والفتاوی فالمعتمد ما فی المتون کما فی انفع الوسائل وکذا یقدم ما فی الشروح علی الفتاوی یعنی جو متون میں ہو اُسپر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ جب متون اور فتاوی متعارض ہوں تو متون ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے جیسا کہ انفع الوسائل میں اور ایسا ہی جو شروح میں ہے وہ

فتاوی پر مقدم ہے اور اصحاب متون معتمدہ جیسے صاحب کنز ووقایہ ومختار وغیرہم نے نشان پڑنے کی شرط کو ذکر نہیں کیا ہے اور یہ لوگ چھٹے طبقے کے فقہا ہیں اقوی اور قوی کے درمیان میں تمیز کرتے ہیں اور ان کتب کی روایتیں بہت معتبر اور قوی ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے جیسا کہ صاحب ردالمحتار نے کہا ہے وشانهم ان لا ينقلوا الاقوال المردودة والروايات الضعيفة اور اُن کی شان یہ ہے کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہ کریں۔ اور یہ بھی ہے کہ متون کالمتواتر ہیں شامی میں ہے فالحكم بما فی المتون كذا لايخفى لانها صارت متواترة حکم اُسی پر ہے جو متون میں ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں کیونکہ وہ متواتر ہیں۔ اور متون سے مطلقاً غبار سے تیمم بغیر کسی شرط اور قید کے جائز ثابت ہے جیسا کہ کنز میں لکھا ہے وبہ بلا عجز یعنے غبار سے تیمم جائز ہے اگرچہ مٹی سے عاجز نہ بھی ہو اور وقایہ میں لکھا ہے وعلیہ مع قدرته علی الصعید یعنی مٹی پر قدرت رکھنے کی حالت میں بھی غبار پر تیمم جائز ہے اور تنویر الابصار میں ہے وبہ مطلقاً غبار سے تیمم مطلقاً جائز ہے مٹی سے عاجز ہویا نہ ہو تو متون کی عبارتوں سے جواز تیمم کا غبار سے مطلقاً ثابت ہوا اور اگر جائز ہونا تیمم کا نشان پڑنے کی شرط پر موقوف تھا تو متون والوں نے کیوں اس شرط کو چھوڑ دیا حالانکہ شرط کے فوت ہونے سے مشروط فوت ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ اصحاب متون کے نزدیک نشان پڑنا شرط نہیں ہاں یہ البتہ کہہ سکتے کہ مختار ایسی جانب کا اقرب باعتبار احتیاط اور تقویٰ کے ہے اگر کوئی سوال کرے کتنے غبار سے تیمم جائز ہے تو ہم کہینگے جتنے پر غبار کا اطلاق ہو سکے کیونکہ شرع میں عرف کا اعتبار ہے جیسا کہ شامی میں ہے والاحكام يتبنى على العرف نيعتبر فی كل اقليم وفی كل عصر عرف اهله احکام کی بنا عرف پر ہے پس ہر اقلیم اور ہر زمانے میں اُنکی اہالی کے عرف معتبر ہونگے اور ہدایہ میں ہے وكذا يجوز بما الغبار مع القدرة على الصعيد عند ابی حنيفة ومحمد رحمهما الله اور ایسا ہی غبار سے تیمم جائز ہے گو کہ مٹی پر قدرت ہو امام ابوحنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک۔ صاحب ہدایہ کی عبارت سے بھی نشان پڑنا نہیں سمجھا جاتا اور صاحب ہدایہ پانچویں طبقے کے فقہا اور اصحاب ترجیح میں سے ہیں اور عالمگیری میں ہے ویجوز بالغبار مع القدرة علی الصعيد كذا فی السراج الوهاج وهو الصحيح غبار سے تیمم جائز ہے اگرچہ مٹی پر قدرت حاصل ہو ایسا ہی سراج وہاج میں ہے اور یہ صحیح ہے اور قاضی خان

میں ہے ولو نفض ثوبه او لبده او سرجه فتیمم بغباره جاز اور اگر اپنے کپڑے یا لبادے یا زین کو جھاڑا اور اُسکے غبار سے تیمم کیا تو جائز ہے اور اس کے بعد لکھا ہو ۔ ضرب یدہ علیه و لزق به تراب فتیمم به جاز وکذا لو ضرب یدہ علی حنطة او شعیر فلزق التراب او الغبار بیدہ بذلک جاز اور اگر اپنے ہاتھ کو اُس پر مارا اور اُس میں مٹی لگ گئی پس تیمم کیا تو جائز ہو اور ایسا ہی اگر اپنے ہاتھ کو گیہوں یا جو پر مارا اور مٹی یا غبار اُسکے ہاتھ میں لگ گیا تو اُس سے تیمم جائز ہے۔ اس سے بھی نشان پڑنا ثابت نہیں ہوتا اور تیمم کرنے کی کیفیت جو امام سے منقول ہے یہ ہے فی الشامی روی ان ابا یوسف قال سألت ابا حنیفة من التیمم فقال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین فقلت کیف هو فضرب بیدیه علی الصعید فاقبل بهما وادبر ثم نفضهما ثم مسح بذلک ظاهر الذراعین وباطنهما الی المرفقین شامی میں روایت کی گئی ہو کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا تیمم کیا ہی تو انھوں نے کہا دو ضربیں ہیں ایک منھ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک میں نے پوچھا کیونکر پس اُنھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارا اور اُنکی ہتیلیاں سامنے کرکے لائے پھر اُنکی پشتیاں اپنے سامنے کیں پھر اُنھیں جھاڑ دیا پھر اُن سے ظاہر اور باطن ذراعین کا مسح کہنیوں تک کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رح کے نزدیک تیمم کرنے کی یہی کیفیت ہو اور مٹی اور غبار اُن کے نزدیک ایک ہی چیز ہے ہدایہ میں ہے لانه تراب رقیق کیونکہ وہ باریک مٹی ہو۔ پس اشیائے غیر جنس الارض پر ہاتھ رکھ کے کھینچنے سے نشان پڑنا اور ہاتھوں پر غبار کا محسوس ہونا جواز تیمم کے لئے شرط نہیں رقیق ہونے کی وجہ سے غبار اکثر ہاتھوں پر محسوس نہیں ہوتا فقط مرتفع اور ظاہر ہونا غبار کا بعد ضرب الید موضع ضرب کافی ہو واللہ اعلم حررہ الراجی الی رحمة ربه الصمد فقیر احمد بن علی الجونپوری عفا اللہ عنهما

هو المصوب

عبارات کتب فقہیہ سے علی الخصوص عبارات متون میں اشتراط ظہور اثر تراب کا اس طرح پر کہ ہاتھوں پر محسوس ہو یا اس چیز پر جسپر غبار رہے نشان پڑجائے پتہ نہیں چلتا بلکہ عبارت عینی سے شرح ہدایہ میں ویجوز التیمم بالغبار بان نفض ثوبه او لبده وارتفع فتیمم منه یجوز عندهما اور غبار سے تیمم جائز ہو اس طرح پر کہ اپنے کپڑے یا لبادے کو جھاڑا اور اُس سے غبار بلند ہوا پس اس سے تیمم کیا تو صاحبان

کے نزدیک جائز ہے اور ایسی ہی اور فقہا کی عبارات سے صرف ارتفاع غبار کافی معلوم ہوتا ہے اور ظاہر امر و اسبیجابی کے کلام (بیتبین اثر التراب بمد یدہٗ علیہ مٹی کا اثر اسپر ہاتھ کھینچنے سے ظاہر ہو) سے یہی مراد ہے کہ اُسپر ہاتھ مارنے یا ہاتھ کھینچنے سے غبار مرتفع ہوا اور اثر غبار متیقن ہو نہ یہ کہ خواہ مخواہ ہاتھ پر محسوس ہو یا اُس چیز پر نشان پڑ جائے اگر بالفرض عبارت اسبیجابی اور فقہا کے مخالف ہو تو باب افتا میں جمہور فقہا کا اعتبار کیا جائیگا اور چونکہ غبار سے تیمم کا جائز ہونا اسپر مبنی ہے کہ یہ تراب رقیق ہے جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالے کے قول فتیمموا صعیدا طیبًا پس پاک مٹی سے تیمم کرو میں صعید کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے پس جب غبار بھی داخل صعید طیب ہوا تو ضروری ہے کہ اس سے بغیر شرط زائد کے تیمم جائز ہوگا ہاں وجود غبار کا تیقن ضروری ہے اور وہ صرف ارتفاع غبار میں موجود ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر: محمد عبدالحی ابوالحسنات]

سوال وضو میں کوئی چیز واجب ہے یا نہیں اگر ہے تو کے اور کیا کیا چیز واجب ہے

جواب نور الانوار وغیرہ میں مذکور ہے کہ لا واجب فی الوضوء وضو میں کچھ واجب نہیں اور جمہور فقہا بھی وضو میں فرائض سنن مستحبات لکھتے ہیں اور واجب کا ذکر نہیں کرتے لیکن ابن ملک شرح منار اور صبح صادق شرح منار وغیرہ میں مقدمہ لا واجب فی الوضوء وضو میں کوئی چیز واجب نہیں کو چند وجوہ سے مخدوش کیا گیا ہے اور ابن ہمام نے وضو کے شروع میں بسم اللہ کہنے کو واجب لکھکر اس مقدمہ کو مردود کر دیا ہے اُنکی عبارت فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں بعد تفصیل حدیث تسمیہ عند الوضوء کے یہ ہے فادی النظر الی وجوب التسمیۃ فی الوضوء وعنوان صحتہ لا یتوقف علیہا لان الرکن انما یثبت بالقاطع وما قیل من انہ لا مدخل للوجوب فیہ لانہ شرط تابع فلو قلنا بالوجوب یساوی التبع الاصل غیر لازم اذ اشتراکہما ثبوت الواجب فیہا لا یقتضیہ لثبوت عدم المساواۃ بوجہ آخر وھو ان الوضوء لا یلزم بالنذر بخلاف الصلوٰۃ مع انہ لا مانع من الحکم بان واجبہ الوضوء رتبۃ من واجب الصلوٰۃ کفرضہ بالنسبۃ الی فرضہا انتہٰی یعنے پس پہونچی نظر وجوب میں بسم اللہ کے واجب ہونے تک اور اسکا صحیح ہونا اسپر موقوف نہیں ہے کیونکہ رکن دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور یہ جو کہا گیا ہے

وضو میں کوئی واجب نہیں ... مولوی سبحان علی صاحب ...

کہ وجوب کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے اسلئے کہ یہ وضو تابع شرط نماز ہے تو اگر ہم اسکے وجوب کے قائل ہونگے تو تبع کا اصل کے مساوی ہوجانا لازم آئے گا کیونکہ ثبوت واجب میں مشترک ہونا مساوات کو نہیں چاہتا کیونکہ عدم مساوات دوسرے طریقہ پر پائی جاسکتی ہے یعنی یہ کہ وضو نذر سے لازم نہیں ہوتا برخلاف نماز کے باوجودیکہ اس حکم سے کوئی مانع نہیں ہے کہ واجب وضو کا مرتبہ واجب صلوٰۃ سے کم ہو جیسا کہ فرض وضو فرض صلوٰۃ سے اور اس بحث کی زیادہ تفصیل میرے رسالہ احکام القنطرہ فی احکام البسملہ میں موجود ہے جسکو شوق ہو اُسکا مطالعہ کرے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** جب معذور جو غسل کرنے سے عاجز اور غسل سے مرض کی زیادتی کا احتمال ہے اور وضو کرنے میں کچھ ضرر نہیں پس وہ وضو کرکے نماز پڑھے یا تیمم کرکے **جواب** جبکہ وضو کرنے سے عاجز نہیں تو تیمم جنابت کرے اور وضو کرکے نماز ادا کرے مدار اباحت تیمم عجز ہے اصل سے جیسا کہ کتب فقہ میں مبسوط ہے واذ لیس فلیس واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی

محمد عبدالحی ابوالحسنات

اصاب المجیب کتبہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ **سوال** استنجا پانی سے ہو یا پتھر سے سُنت مؤکدہ ہے یا نہیں جیسا کہ شامی نے (وھو سنۃ موکدۃ مطلقا اور وہ مطلقاً سنت موکدہ ہے) کے تحت میں لکھا ہے سواء کان بالماء او بالحجر برابر ہے خواہ پانی سے ہو یا پتھر سے اور دونوں کو جمع کرنا سنت غیر مؤکدہ یعنے مستحب اور افضل ہے یا نہیں جیسا کہ عالمگیری میں تبیین سے نقل کیا ہے والافضل ان یجمع بینھما اور دونوں کو جمع کرنا افضل ہے۔ اور صرف پانی سے استنجا جائز ہے یا نہیں اور اگر قسم اوسط استنجا کے ادائے سنت کا ثواب اور اسکی فضیلت اسی سے حاصل ہے یا نہیں جیسا کہ شامی نے امداد وغیرہ سے نقل کیا ہے ثم اعلم ان الجمع بین الحجر والماء افضل ویلیہ فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیہ الاقتصار علی الحجر وتحصل السنۃ بالکل وان تفاوت الفضل یعنی پھر جانو کہ پتھر اور پانی میں جمع افضل ہے اور اسی کے قریب فضیلت میں پانی پر اقتصار ہے اور اسکے قریب پتھر پر اقتصار ہے اور سنت سب سے حاصل ہوتی ہے گو کہ فضل مختلف ہے اور جو لوگ عالمگیری کی اس عبارت سے دلیل ہو (ای الجمع بین الحجر والماء) سنۃ فی زماننا وقیل علی الاطلاق وھو الصحیح وعلیہ الفتوی کہا گیا ہے کہ وہ یعنے پتھر اور پانی میں جمع ہمارے زمانے میں سنت ہے اور کہا گیا ہے کہ علی الاطلاق ہر زمانے میں سنت ہے اور یہی صحیح ہے

اور اسی پر فتوی ہے) یہ سمجھے ہیں کہ جمع بین الحجر والماء کے علاوہ صرف پانی یا صرف پتھر پر اقتصار
کرنے سے سنت کا ثواب نہ ملے گا سچ سمجھے ہیں یا جھوٹ اور شامی کی عبارت مذکورہ کو کہ
کبھی دفع حرج اور پتھر نہ موجود ہونے کے وقت پر حمل کیا اور کبھی خود شامی کو عالمگیری
اور ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز اور عینی وغیرہا کے مقابلہ میں معتبر جانا حالانکہ شامی اور
عالمگیریہ اور کتب مذکورہ میں کوئی اختلاف اس بارے میں نہیں ہے خود اس کی طرف سے
ہے یا نہیں **جواب** جب نجاست مخرج سے متجاوز نہوئی ہو تو اسکی تطہیر پانی یا پتھر سے
جسے استنجا کہتے ہیں سنت موکدہ ہے اور اگر نجاست مخرج سے متجاوز ہوگئی ہو تو اسکو مثل
دوسری حقیقیہ نجاستوں کے پانی ہی سے دھونا فرض ہے علامہ زین بن نجیم بحر الرائق شرح کنز الدقائق
میں لکھتے ہیں والمراد الاستنجاء لا يكون الا سنة وصرح في النهاية بانه سنة موكدة فلا يكون
فرضا وعلى هذا فما ذكر في السراج الوهاج من ان الاستنجاء خمسة انواع اربعة فريضة
وواحدة سنة فالاول من الحيض والنفاس والجنابة والنجاسة اذا تجاوزت مخرجها وواحد سنة
وهو ما اذا كانت النجاسة مقدار المخرج تسامح فان الثلاثة الاول من باب ازالة الحدث
وان لم يكن شيء على المخرج وان كان شيء فهو من باب ازالة النجاسة الحقيقية من البدن
فلا يكون من باب الاستنجاء وان كان على احد السبيلين فهو سنة لا فرض والرابع من
من باب ازالة النجاسة عن البدن وقد علمت انه ليس من باب الاستنجاء فلم يبق الا القسم
المسنون انتهى یعنے مگر استنجا سنت ہی ہے اور نہایہ میں اسکی تصریح کی ہے کہ سنت مؤکدہ ہے تو فرض
نہوگا اور اس بنا پر جو سراج وہاج میں ہے کہ استنجا پانچ قسم کا ہے چار فرض ہیں اور ایک سنت ہے
پس اول حیض اور نفاس اور جنابت اور نجاست سے جب اپنے مخرج سے متجاوز ہو جائے استنجا ہے
اور ایک سنت ہے اور وہ جب نجاست بمقدار مخرج ہو) پس تسامح ہے کیونکہ پہلے تین باب ازالہ
حدث سے ہیں اگر مخرج پر کچھ بھی نہ ہو اور اگر مخرج پر کچھ ہو تو باب ازالہ نجاست حقیقیہ سے ہیں پس
باب استنجا سے نہوں گے اور اگر احد السبیلین پر ہوں تو وہ سنت ہے فرض نہیں ہے اور چوتھا
باب ازالہ نجاست عن البدن سے ہے اور تمھیں معلوم ہے کہ وہ باب استنجا سے نہیں ہے پس
صرف قسم مسنون باقی رہی۔ اور فقہائے حنفیہ کی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ استنجا فقط پانی

یا فقط پتھر سے بھی درست ہے اور یہ کہ استنجا مطلقاً بغیر پانی اور پتھر کی خصوصیت کے سنت مؤکدہ ہے اور پانی پر اکتفا کرنا جو مطہر حقیقی ہے پتھر پر اکتفا کرنے سے جو مخفف اور منقی ہے افضل ہے اور دونوں کو جمع کرنا دونوں سے افضل ہے شامی کی عبارت جو سوال میں مذکور ہے اسی پر دلالت کرتی ہے ایسے ہی دوسری کتابوں کی عبارت ہے لیکن محققین محدثین حنفیہ کہتے ہیں کہ پانی اور پتھر دونوں کو جمع کرنا بھی سنت مؤکدہ ہے پس صرف پانی یا صرف پتھر پر اکتفا کرنے والا اگرچہ نفس استنجا ادا کرنیوالا ہوگا لیکن سنت جمع کا تارک ہوگا۔ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں عن انس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدخل الخلاء فاحمل انا وغلام نحوی اداوۃ من ماء فیستنجی بہ متفق علیہ ظاھر فی فی المواظبۃ بالماء ومقتضاہ کراھۃ ترکہ وکذا ما روی ابن ماجۃ عن عائشۃ قالت ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من غائط قط الا مس ماء انتھے یعنے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی ضروریات سے فراغت کرنے تشریف لیجاتے تو میں اور میری طرح ایک اور غلام پانی کے ایک برتن کو لیے کھڑا رہتا تھا پس آپ اس سے استنجا فرماتے تھے اور یہ متفق علیہ ہے جو ظاہر ہے پانی سے استنجا کرنیکی ہمیشگی میں اور اسکا مقتضے کراہت ترک استنجا بالماء ہے اور ایسی ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کو کبھی پاخانہ سے بے پانی چھوے نکلتے نہیں دیکھا۔ اور اسی کتاب میں ایک صفحے کے بعد لکھا ہے النظر الی ما تقدم من حدیث انس وعائشۃ یفید ان الاستنجاء بالماء سنۃ موکدۃ فی کل زمان لافادتہ المواظبۃ انتھے یعنے جو حدیثیں حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذری ہیں اُن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی سے استنجا ہر زمانے میں سنت مؤکدہ ہے کیونکہ یہ حدیثیں ہمیشگی پر دلالت کرتی ہیں اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں لکھا ہے اختلف فی الغسل بالماء فقیل مستحب وقیل الجمع سنۃ فی زماننا لان اھل الزمان الاول کانوا یبعرون بعرا لانھم کانوا یاکلون الا قلیلا واھل زماننا یاکلون کثیرا فیتسلطون وقیل سنۃ علی الاطلاق وھو الصحیح وبہ الفتوی انتھے یعنے پانی سے دھونے میں اختلاف ہے پس بعضوں نے مستحب کہا ہے اور بعضوں نے جمع کو سنت کہا ہے۔ ہمارے زمانے میں کیونکہ پہلے زمانے والے کم کھانے کی وجہ سے

پاخانہ بھی کم پھرتے تھے اور اب لوگ چونکہ زائد کھاتے ہیں اس لیے پاخانہ بھی زائد پھرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ سنت ہے علی الاطلاق اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے الحاصل مطلق استنجا بالاتفاق سنت ہے اور استنجا بالماء میں اختلاف ہے بعض اسے مستحب کہتے ہیں اور بعض ازمنۂ متاخرہ میں سنت کہتے ہیں اور بعض ہر زمانے میں سنت کہتے ہیں اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع بین الماء والحجر پر ہمیشگی فرمائی ہے اور ہر تقدیر پر جو لوگ عالمگیری کی عبارت سے یہ سمجھے ہیں کہ جمع بین الماء والحجر کے علاوہ تنہا پانی یا تنہا پتھر سے استنجا بطرز مسنون ادا نہوگا غلط سمجھے ہیں کیونکہ بالاتفاق ہر تین صورتوں میں استنجا بطرز مسنون ادا ہوجائے گا البتہ برمذہب سنیت جمع دوسری سنت کا ترک لازم آئیگا یہ بحث استنجاے غائط کی تھی لیکن استنجائے بول میں جمع بین الماء والحجر کسی کسی حدیث میں نظر سے نہیں گذرا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** میت کو پہلے کلوخ یا حجر سے پھر پانی سے استنجا کراتے ہیں یہ مشروع ہے یا نہیں **جواب** استنجا آب یا حجر سے از قبیل احتیاطات ہے میت کے لئے بھی جائز ہے رد المحتار میں ہے عندھما یستنجی وعند ابی یوسف لا وصورتہ ان یلف الغاسل خرقۃ علی یدہ ویغسل السوءۃ لان مسہا حرام کالنظر جوھرۃ یعنے طرفین کے نزدیک استنجا کرے اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں اُسکی صورت یہ ہے کہ غسل کرنیوالا دستانہ اپنے ہاتھ پر لپیٹ کے شرمگاہ کو دھوئے کیونکہ اُسکا چھُونا ویسا ہی حرام ہے جیسا کہ اُسکا دیکھنا ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** جس نے استنجاے بول میں پانی پر اکتفا کی اور ڈھیلے وغیرہ نہ لیے اُسکے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں **جواب** بول کے بعد ڈھیلے لینا نہ فرض ہے نہ واجب سنت رسائل الارکان میں ہے ولیس ان یستنجی للبول والغائط بالحجر پیشاب اور پاخانے کے لیے پتھر سے استنجا مسنون ہے اور ڈھیلے اور پانی کو جمع کرنا افضل اور عالی مرتبہ ہے پس اگر کسی نے پانی ہی پر اکتفا کی اور دفع نجاست کا تیقن اُسکو ہوگیا تو طہارت حاصل ہوجائے گی۔ فان الماء قالع النجاسۃ کذا فی البحر الرائق کیونکہ پانی نجاست کو دور کرتا ہے ایسا ہی بحر الرائق میں ہے لہذا اُسکی اقتدا جائز ہے **سوال** اگر براز کے بعد طہارت کے لئے کسی نے فقط پانی پر اکتفا

کی اور ڈھیلے نہ لیے تو اُسکی نماز صحیح ہے یا نہیں جواب صحیح ہے کفایہ میں ہے الاستنجاء
بالاحجار سنۃ موکدۃ عندنا حتی لو ترکہ وصلی بغیر استنجاء اجزتہ صلوتہ وقال الشافعی
بانہا فریضۃ لو ترک بالاحجار وبما یقوم مقامہ لم تجز صلوتہ والمسألۃ فرع لمسألۃ اخری
وھوان النجاسۃ اذا کانت علی قدر الدرہم او اقل ھل تفرض ازالتھا لجواز الصلوۃ اولا
فعندنا لا تفرض وعندہ تفرض کما لو کانت ھذہ النجاسۃ علی موضع اخر الا ان فی ھذا الموضع
یطھر بالحجر المدر وفی سائر المواضع لا یطھر الا بالماء یعنی پھر پتھر سے استنجا ہمارے نزدیک سنت موکدہ
ہے حتی کہ اگر اُس نے چھوڑ دیا اور بلا استنجا نماز پڑھی تو نماز جائز ہوجائیگی اور امام شافعی نے
کہا ہے کہ وہ فرض ہے اگر پتھروں یا اُس کے قائم مقام چیزوں سے استنجا نہیں کیا تو نماز نہ
جائز ہوگی اور یہ مسئلہ دوسرے مسئلہ کی فرع ہے اور وہ یہ کہ نجاست جب بقدر درہم
کے یا اُس سے کم ہو تو جواز صلوۃ کے لیے اُسکا دفع کرنا ضروری ہے یا نہیں تو ہمارے
نزدیک ضروری نہیں ہے اور اُن کے نزدیک ضروری ہے جیسا کہ یہ نجاست اگر کسی دوسری
جگہ ہو مگر یہ کہ اس جگہ پتھر اور ڈھیلے سے بھی طہارت حاصل ہے اور دوسری جگھوں میں صرف
پانی سے اور رد المختار میں ہے۔ ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل ویلیہ فی الفضل الاقتصار علی
الماء ویلیہ الاقتصار علی الحجر وتحصل السنۃ بالکل وان تفاوت الفضل کما افادہ فی
الامداد وغیرہ پھر جاننا چاہیے کہ پانی اور پتھر دونوں سے استنجا زائد افضل ہے اور
اس کے بعد صرف پانی سے اُسکے بعد صرف پتھر سے اور سنت سب سے حاصل ہوجاتی ہے اگرچہ
فضل میں تفاوت ہے ایسا ہی امداد وغیرہ میں ہے سوال بول وبراز میں ڈھیلے نہ لینا اور
پانی پر اکتفا کرنا روافض کے خصائص میں سے ہے پس اس میں اُنکی مشابہت ہوتی ہے جواب
برے فعل میں مخالفت دین کی مشابہت کرنا یا اوسکو بقصد تشبہ کرنا ممنوع ہے ان دو صورتوں
کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں ہے طحطاوی میں ہے قال فی البحر اعلم ان التشبہ باھل الکتاب لا یکرہ
فی کل شیء فانا ناکل ونشرب کما یفعلون انما الحرام التشبہ فیما کان مذموما وفیما یقصد
بہ التشبہ بحر میں ہے ہر بات میں اہل کتاب کی مشابہت مکروہ نہیں ہے کیونکہ ہم کھاتے پیتے
ہیں جیسا کہ وہ کرتے ہیں بلکہ تشبہ اُن چیزوں میں حرام ہے جو بری ہوں یا جن میں اُنکی تشبہ

مقصود ہو **سوال** پہلے ڈھیلے سے پھر پانی سے براز کے بعد استنجا کرنا کیسا ہے
جواب ڈھیلے اور اس چیز سے استنجا کرنے کے بعد جو خشک اور صفائی کرنے والی ہو سُنّت
موکدہ ہے نقایہ میں ہے الاستنجاء من کل حدث غیر النوم والریح نحو حجر حتی ینقیہ سنۃ
ریح اور خواب کے علاوہ ہر حدث سے استنجا پتھر وغیرہ سے سنت ہے اور ڈھیلے وغیرہ لینے کے
بعد پانی سے دھونا بعض کے نزدیک سنت ہے اور مختار یہ ہے کہ ادب اور افضل ہے کیونکہ اہل
مسجد قبا کی عادت تھی کہ براز کے بعد پتھر سے استنجا کرکے پانی سے طہارت کرتے تھے اللہ تعالےٰ نے
انکی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی فیہ رجال یحبون ان یتطہروا اس میں بہت سے لوگ ہیں جو
خوب طہارت کو دوست رکھتے ہیں اور یہ ثابت نہیں ہوا کہ اہل مسجد قبا بول کے بعد بھی
پتھر سے استنجا کرکے پانی سے طہارت کرتے تھے جیسا کہ ذیل کی روایات سے واضح ہوگا تفسیر احمدی
میں ہے لما انزل اللہ ھذہ الاٰیۃ و بالغ فی وصفھم بالطھارۃ بصیغۃ المبالغۃ مشی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ المہاجرون حتی وقفوا علی باب مسجد قباء فاذا الانصار جلوس فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٴمؤمنون انتم فسکت القوم ثم اعادھا ثانیًا
فقال عمر رضی اللہ عنہ انھم لمؤمنون وانا معھم فقال علیہ السلام اترضون بالقضاء فقالوا
نعم فقال علیہ السلام اتصبرون علی البلاء قالوا نعم قال علیہ السلام اتشکرون علی الرضاء
قالوا نعم قال علیہ السلام انتم مومنون ورب الکعبۃ فجلس ثم قال یا معشر الانصار ان اللہ تعالےٰ
قد اثنیٰ علیکم فما الذی تصنعون عند الوضوء وعند الغائط فقالوا یا رسول اللہ نتبع الغائط
الاحجار الثلث ثم نتبع الاحجار الماء فتلا النبی صلعم فیہ رجال یحبون ان یتطھروا ھکذا ذکرہ المفسرون اللہ تعالےٰ
نے جب اس آیت کو نازل کیا اور اُن لوگوں کے وصف طہارت کو بصیغۂ مبالغہ ذکر کیا تو
حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہی مہاجرین روانہ ہوئے جب مسجد قبا کے دروازہ
پر پہونچے تو آپ نے بہت سے انصار کو بیٹھے پایا پس آپ نے پوچھا کیا تم لوگ مسلمان ہو
وہ سب چپ ہوگئے پھر آپ نے یہی پوچھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں
اور میں بھی اُن کے ساتھ ہوں آپ نے پوچھا کیا تم قضائے الٰہی پر راضی ہو اُنھوں نے کہا ہاں آپ نے

پوچھا کیا تم مصیبت پر صبر کرو گے انھوں نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کیا تم رضائے الٰہی پر شاکر رہو گے انھوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا برب کعبہ تم لوگ مسلمان ہو پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا اے گروہ انصار اللہ نے تمھاری تعریف کی ہے تم وضو اور پاخانے کے وقت کیا کرتے ہو انھوں نے کہا یا رسول اللہ ہم پاخانہ سے فارغ ہو کر تین پتھروں سے طہارت کرتے ہیں اسکے بعد پانی لیتے ہیں پس آپ نے یہ آیت پڑھی فیہ رجال یحبون ان یتطھروا ایسا ہی مفسرین نے ذکر کیا ہے اور تفسیر بیضاوی وغیرہ میں ہے وروی ابن ماجۃ والدارمی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا لکم مثل الوالد لولدٖ اعلمکم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا الغائط ولا تستدبروھا وامر بثلثۃ احجار انتھٰی وروی ابو داؤد والنسائی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذھب احدکم الی الغائط فلیذھب معہ بثلثۃ احجار۔ ابن ماجہ اور دارمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمھارے لیے ویسا ہی ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لیے میں تمکو بتلاتا ہوں کہ جب تم پاخانے جاؤ وہاں نہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھو اور نہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے پھر آپ نے تین ڈھیلے لینے کا حکم فرمایا انتھٰی اور ابوداؤد و نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لیے جائے تو اپنے ساتھ تین ڈھیلے لیتا جائے اور ہدایہ میں ہے الاستنجاء سنۃ لان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام واظب علیہ ویجوز فیہ الحجر وما قام مقامہ و غسلہ بالماء افضل لقولہ تعالٰی فیہ رجال یحبون ان یتطھروا نزلت فی اقوام یتبعون الحجارۃ الماء ثم ھو ادب وقیل ھو سنۃ فی زماننا استنجا سنت ہے کیونکہ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نے ہمیشہ اسکی پابندی کی ہے اور استنجا پتھر اور اسکے قایم مقام دوسری چیزوں سے کرنا جائز ہے اور پانی سے دھونا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے فیہ رجال یحبون ان یتطھروا انہیں وہ لوگ ہیں جو پاکی کو دوست رکھتے ہیں۔ اور یہ آیت اُن اقوام کے بارے نازل ہوئی ہے جو پتھر سے طہارت کے بعد پانی لیتے تھے، علاوہ بریں یہ تہذیب ہے اور بعضونکے نزدیک تو ہمارے زمانے میں سنت ہے اور کفایہ میں ہے الاستنجاء بالماء ادب لان رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یستنجی بالماء مرۃ ویترکہ اخریٰ وھذا ھوالادب پانی سے استنجا کرنا تہذیب ہے کیونکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ پانی سے استنجا کرتے اور ایک مرتبہ ترک کرتے تھے اور یہی ادب ہے اور فتاوی قاضی خان میں ہے الاستنجاء بالماء بعد الاستنجاء بالحجر ادب عندنا ہمارے نزدیک ڈھیلے لینے کے بعد پانی سے استنجا کرنا ادب ہے، **سوال** بول کے بعد ڈھیلے لینا پھر پانی سے طہارت کرنا کیا حکم رکھتا ہے **جواب** صراحۃً ثابت نہیں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بول کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کیا بلکہ ابو داؤد اور نسائی نے ایک حدیث حکم بن سفیان سے روایت کی ہے کان رسول اللہ علیہ وسلم اذا بال توضأ ونضح ترجمہ یعنے حضور پیشاب کے بعد وضو کیا کرتے اور شرمگاہ پر پانی چھڑک لیا کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ اس سے ازار کا وہ حصہ مراد ہے جو شرمگاہ کے لیے خاص ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ آپ شرمگاہ کو پانی سے دھویا کرتے تھے یعنے بول کے بعد پانی سے استنجا پھر وضو کیا کرتے تھے ایسا ہی کہا ہے شیخ دہلوی رح نے اگر تو کہے کہ احادیث میں استنجا بحجر جابجا مذکور ہے اور استنجا عام ہے بول کے بعد ہو یا براز کے بعد تو ہم کہیں گے کہ استنجا سے طلب طہارت بعد براز مراد ہے نہ طلب طہارت بعد بول بمقام حشفہ کہ اسکو استبراء کہتے ہیں اور بعض تصانیف شہاب الملۃ والدین سے یہ ہی سمجھا جاتا ہے اسکو تفسیر احمدی میں نقل کیا ہے اور بعض فقہا اس بیان کے بعد کہ ڈھیلے سے استنجا کرنا سنت ہے استنجا بعد براز کی تفصیل بلحاظ موسم گرما و سرما یوں کرتے ہیں المرأۃ تدبر بالحجر الاول وتقبل بالثانی وتدبر بالثالث فی کل حال وھکذا یفعل الرجال ان کان الزمان صیفا ویعکس ان کان شتاء یعنے عورت پہلا پتھر پیچھے کی طرف لیجاوے اور دوسرا آگے کی طرف لائے اور تیسرا پیچھے کیطرف لیجائے ہر حال میں اور مرد اگر جاڑے کا زمانہ ہو تو ایسا ہی کرے اور اگر گرمی کی فصل ہو تو اسکا عکس کرے یہ عبارت بھی اس قول کی تائید کرتی ہے کہ استنجا سے طلب طہارت بعد براز مراد ہے نہ بعد بول اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ براز کے بعد استنجا چونکہ محتاج تفصیل تھا اس لیے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا اور پیشاب کے بعد کا استنجا چونکہ محتاج تفصیل نہیں اسلئے اُسکی توضیح ترک کی گئی تفسیر احمدی میں ہے ما ذکرا ھل الاصول یدل علی ان یعما لتطہیر الذی بعد البول والتطہیر

پیشاب کے بعد ڈھیلے اور پھر پانی سے استنجا کرنا

الذی بعد الغائط والحجر ان مراد الفقہاء ایضا اعم کما یدل علیہ قولہم والاستنجاء من کل حدث ای خارج من السبیلین سنۃ غایۃ ما فی الباب ان الاستنجاء بعد الغائط لما احتاج الی زیادۃ تفصیل عقبوہ بقولہم یدبر بالحجر الاول ویقبل بالثانی من غیر اظہار ان ھذا طریق الاستنجاء المخصوص یعنے اور اہل اصول کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم پیشاب اور پاخانہ دونوں کے بعد والی طہارت کو شامل ہے اور درست یہ ہے کہ فقہا کی مراد بھی عام ہے جیساکہ اسپر انکا یہ قول دلالت کرتا ہے اور استنجا ہر حدث یعنی خارج عن السبیلین سے سنت زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ چونکہ استنجا براز زائد محتاج تفصیل ہے اسلئے براز کے بعد استنجا کے طریقہ کو ذکر کر دیا کہ پہلے ڈھیلے کو پیچھے لیجاوے اور دوسرے کو پیچھے سے آگے لاوے بغیر یہ ظاہر کیے ہوئے کہ یہ کس خاص استنجا کا طریقہ ہے لیکن بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرتے تھے مولانا عبد العلی رسائل الارکان میں تحریر فرماتے ہیں ولیس ان یستنجی لبول والغائط بالحجر اذا لم یجف تجاوز النجاسۃ عن قدر الدرہم لولم یستنج واذا خاف ذلک یفترض الاستنجاء بعد الحجر بالماء وقد روی البیہقی عن مولی امیر المومنین رضی اللہ عنہ قال کان عمر اذا بال قال ناولنی شیئا استنجی بہ فاناولہ العود والحجر او یاتی حائطا یمسح بہ او یمسہ الارض قال البیہقی ھذا اصح ما فی الباب کذا نقل الشیخ عبد الحق ویفھم منہ جواز الاستنجاء بالعود ولعلہ یکون بعض الاعواد بحیث یکون جاذبا یعنے اور سنت یہ ہے کہ پیشاب اور پاخانہ دونوں کے لیے پتھر سے استنجا کرے جبکہ اُسے ایک درہم سے زائد نجاست کے بڑھجانے کا ڈر نہو ورنہ پتھر کے بعد پانی سے بھی استنجا فرض ہے بیہقی نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام سے روایت کی ہے کہ جب آپ پیشاب کرنے جاتے تو فرماتے مجھے کچھ دو جس سے میں استنجا کروں پس میں آپکو لکڑی یا پتھر دیتا یا آپ کسی دیوار کے پاس تشریف لیجاتے یا زمین پر رگڑ لیتے بیہقی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ سب سے زیادہ صحیح روایت ہے ایسا ہی محدث دہلوی نے نقل کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ لکڑی سے استنجا کرنا بھی جائز ہے اور ممکن ہے کہ یہ حکم اُن بعض لکڑیوں کا ہو جن میں قوت جاذبہ ہوتی ہے اور طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں بھی ایسی ہی روایت کی ہے جسکو محدث دہلوی نے فتح المنان فی تائید مذہب النعمان میں لکھا ہے سوال بول یا براز کے بعد کے بار استنجے کی جگہ

کو دھونا چاہیے اُسکے لیے کوئی عدد معین ہی یا نہیں **جواب** کوئی سنون عدد مقرر نہیں ہی بلکہ استنجا کرنے والے کی راے کے حوالے کر دیا گیا ہے کہ اتنی دفعہ دھوئے کہ اُسے پاکی کا یقین ہو جائے لیکن مراقی اور شکی آدمی کے لیے تین بار کا دھونا مقرر کیا گیا ہے علامۂ حلبی شرح منیہ میں لکھتے ہیں ولیس فیہ ای فی الغسل عدد مسنون من الثلث او السبع او غیر ذلک ومنھم من شرط الثلث ومنھم من شرط السبع ومنھم من شرط العشر منھم من عین فی الاحلیل ثلث وفی المقعد الخمس والصحیح انہ مفوض الی رایہ فیغسل حتی یقع فی قلبہ انہ قد طھر الا ان یکون موسوسا فیقدر فی حقہ بالثلث کما فی کل نجاستہ غیر مرئیۃ وقیل بسبع اور دھونے میں تین یا سات وغیرہ کوئی عدد مسنون نہیں ہی اور بعضوں نے تین کی شرط کی ہی اور بعضوں نے سات کی اور بعضوں نے دس کی اور بعضوں نے پیشاب کے مقام میں تین کی اور پاخانہ کے مقام میں پانچ کی تعین کی ہی اور صحیح یہ ہی کہ استنجا کرنے والے کی راے پر ہے اُسے اتنا دھونا چاہیے کہ طہارت کا یقین ہو جاے البتہ اگر شکی مزاج ہو تو اُسے بعض کے نزدیک تین مرتبہ دھونا چاہیے جیسا کہ اور نجاسات غیر مرئیہ میں کیا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک سات مرتبہ **سوال** بول یا براز کے بعد فقط ڈھیلے پر اکتفا کرنا اور پانی نہ لینا کافی ہے یا نہیں **جواب** کافی ہی لیکن ایسا کرنے والا تارک ادب ہو گا ابو عیسیٰ ترمذی اپنی جامع میں لکھتے ہیں اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم راؤا ان الاستنجاء بالحجارۃ یجزی وان لم یستنج بالماء اذا انقی اثر الغائط والبول اکثر اہل علم اصحاب نبی کی راے میں صرف پتھروں سے استنجا کافی ہی جبکہ پیشاب اور پاخانے کا اثر جاتا رہے اگرچہ پانی سے استنجا نہ کرے اور بحر الرائق میں ہی وھو القیاس فی محل الاستنجاء الا انہ ترک فیہ لورود النص علی خلاف القیاس فلا یتعدا ہ یعنے اور عدم کفایت کلوخ قیاس کے موافق ہی مگر اسکا ترک یعنی صرف کلوخ کو نا کافی نہ ٹھہرانا اس وجہ سے مختار ہی کہ آیت خلاف قیاس ہی پس اسکا حکم محل مخرج سے تجاوز نہ کریگا - اور دوسری جگہ لکھا ہے اذا اقتصر علی الحجر کان مقیما للسنۃ واذا اقتصر علی الماء کان مقیما لھا ایضا وھو افضل من الاول واذا جمع بینھما کان افضل من الکل یعنے جس نے صرف پتھر پر اکتفا کی وہ متبع سنت ہی اور جس نے صرف پانی پر اکتفا کی وہ بھی متبع سنت ہی مگر یہ اول سے افضل ہی اور سب سے افضل یہ ہی کہ پتھر اور پانی

اگر نجاست مخرج سے تجاوز کرے تو پانی ضروری ہے

دونوں سے استنجا کرے **سوال** استبرا کا کیا حکم ہی **جواب** اولی اور مندوب ہی اور بعض
فقہا اُسکو واجب کہتے ہیں اور لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں جس وقت پیشاب کے قطرے
بند ہو کر اطمینان ہوجاے اس وقت استنجا کرے اور وسواسی آدمی کا کوئی اعتبار نہیں شرح
منیہ میں ہی وینبغی ان یستنجی بعدہ خطا خطوات وھو الذی یسمی استبراء دو چار قدم
چلنے کے بعد استنجا کرنا چاہیے اور اسی کو استبرا کہتے ہیں اور شرح غرر میں ہی ویجب الاستبراء
بالمشی او التنحنح او النوم وکالاضطجاع علی شقہ الایسر حتی یستقر قلبہ علی انقطاع
العود کذا فی الظہیریۃ وقیل یکتفی بمسح الذکر واجتذابہ ثلث مرات والصحیح ان طباع
الناس وعاداتھم مختلفۃ فمن فی قلبہ انہ صار طاھرا جاز لہ ان یستنجی لان کل احد اعلم بحالہ
کذا فی التاتارخانیہ اور استبرا چلکر یا کھکار کر یا سو کر یا بائیں کروٹ لیٹکر واجب ہی تاکہ اُسکا قلب
قطرات یا بقیہ کے آنے سے مطمئن ہوجائے ایسا ہی ظہیریہ میں ہی اور بعضوں کے نزدیک مسح ذکر
اور تین بار قطرات کا جذب کر لینا ہی کافی ہی اور صحیح یہ ہی کہ لوگوں کی طبیعتیں اور عادتیں مختلف
ہیں پس جب اُسکا یقین ہوجائے کہ میں طاہر ہوگیا استنجا کر لینا جائز ہی کیونکہ ہر ایک اپنے اپنے
حال کو زائد جانتا ہی ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہی **سوال** ایک شخص نے استنجا ہی نہیں کیا اگر مقعد
یا راس احلیل پر مانع نماز نجاست بھی نہیں ہی اگر وضو کرکے نماز پڑھے تو جائز ہوگی یا نہیں۔
جواب نماز ہوجائے گی مگر ترک سنت کی وجہ سے گنہگار ہوگا بحر الرائق میں ہی ولو ترکہ
صحت صلوتہ قال فی الخلاصۃ بناء علی ان النجاسۃ القلیلۃ عفو عندنا وعلماؤنا
فصلوا بین النجاسۃ التی علی موضع الحدث والتی علی غیر موضع الحدث اذا ترکہا
یکرہ وفی موضعہ اذا ترکہا لا یکرہ یعنے اگر کوئی شخص استنجا ترک کردے تو اُسکی نماز درست
ہوگی خلاصہ میں ہی کیونکہ نجاست خفیفہ معاف ہی اور ہمارے علمانے نجاست کی تفصیل کی ہی اور
کہا ہی ایک نجاست وہ ہی جو اپنے محل میں ہو اور دوسری وہ جو اپنے محل میں نہو پس اگر اُس نجاست
کو باقی رہنے دیا جو اپنے محل میں نہیں ہی تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر اُس نجاست کو رہنے دیا جو اپنے
محل میں ہی تو مکروہ نہو گی **سوال** اگر نجاست راس احلیل یا حلقہ دبر سے تجاوز کرکے اطراف میں
پہونچ جائے تو اُسکا ازالہ کیونکر کرنا چاہیے **جواب** یہ تجاوز دو حال سے خالی نہیں ہی

اگر درہم سے زائد ہے تو بغیر پانی سے دھوئے ہوئے ڈھیلے وغیرہ سے طہارت نہیں ہوسکتی اور اتنی نجاست چونکہ مانع صلوٰۃ ہے جبتک دھوئی نہ جاے نماز جائز نہ ہوگی اور اگر درہم سے کم ہے تو پانی سے دھونا سنت ہے اور اگر ڈھیلے وغیرہ سے طہارت کرلے تو نماز بکراہت تحریمی ہوگی اگر وقت باقی ہے تو پانی سے طہارت کرنے کے بعد نماز دہرائے رسائل الارکان میں ہے والحاصل ان النجا ان لم یجاوز المخرج فالماء بعد الحجر سنة مندوبة وان جاوز وکان اقل من قدر الدرهم فالماء بعد الحجر سنة واجبة لکن لو لم یتبع الماء یجوز الصلوٰة معه ویعاد ان بقی الوقت کما هو الحکم فی النجاسة القلیلة من مقدار الدرهم وان جاوز البول والغائط اکثر من قدر الدرهم فلا یجزی الاحجار بل لابد من الغسل فلا یجوز الصلوٰة بلا نہ حاصل یہ ہے کہ اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہیں ہے تو پتھر کے بعد پانی مستحب ہے اور اگر متجاوز ہے اور ایک درہم سے کم ہے تو پتھر کے بعد پانی سنت واجب ہے اگر پانی نہ لیگا تو بھی نماز درست ہوجائے گی اور اگر وقت باقی ہے تو اعادہ کرنا چاہیئے جیسا کہ ایک درہم سے کم ہر نجاست کا حکم ہے اور اگر پیشاب یا پاخانے کی مقدار ایک درہم سے زائد ہے تو پتھر کافی نہیں ہیں بلکہ پانی سے دھونیکی بھی ضرورت ہے اور نماز اسکے بغیر ناجائز ہوگی اور دوسری جگہ لکھا ہے واذا جاوز البول والبراز المخرج ولم یجاوز الدرهم یسن استعمال الماء بعد الحجر ثم الظاهر عند هذا العبد ان مراده بالسنة الطریقة المسلوکة الواجبة لما قد عرفت ان النجاسة ان کانت اقل من قدر الدرهم یکن الصلوٰة معها ویجب الاعادة فی الوقت وهذا یوذن بان الکراهة کراهة التحریم فان النجاسة القلیلة یجب ازالتها یعنے جب بول براز مخرج سے متجاوز اور ایک درہم سے زائد ہوں تو پتھر کے بعد پانی سے دھونا سنت ہے میرے نزدیک بظاہر سنت سے مراد واجب طریقہ ہے کیونکہ تم کو معلوم ہے کہ نجاست اگر ایک درہم سے کم ہو تو نماز اُسکے ساتھ مکروہ ہوتی ہے اور اگر وقت باقی ہو تو اعادہ واجب ہوتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے کیونکہ نجاست قلیلہ کا ازالہ واجب ہے اور بحر الرائق میں ہے ویجب غسل المحل بالماء ان تعدت النجاسة المخرج لان للبدن حرارة جاذبة لاجزاء النجاسة فلا یزیلها المسح بالحجر وهو القیاس فی محل الاستنجاء الا انه ترک فیه لورود النص علی خلاف القیاس فلا یتعداه واراد بالمجاوز ان یکون اکثر من قدر الدرهم وح فالمراد بالوجوب الفرض اور نجاست کی جگہ کو

پانی سے دھونا واجب ہے اگر مخرج سے تجاوز ہو کیونکہ بدن کی حرارت اجزائے نجاست کو جذب کر لیتی ہے پس پتھر اُسے زائل نہیں کر سکتا اور یہی قیاس ہے محل نجاست میں مگر اسمیں یہ حکم نص کے وارد ہونیکی وجہ سے برخلاف قیاس ترک کر دیا گیا پس حکم نص اصل سے متجاوز نہوگا اور تجاوز سے مراد ایک درہم سے زیادتی ہے پس وجوب سے مراد فرض ہے **سوال** استنجا کرنے کے بعد اگر انگلیوں میں بو باقی رہے تو اُسکا بدن پاک ہے یا نہیں **جواب** عین نجاست اور جرم نجاست کے زائل ہونے سے بدن پاک ہو جاتا ہے لیکن نجاست کا اثر یعنے رنگ اور بو اگر باقی ہے تو پانی سے دھو لینا چاہیئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم استنجے کے بعد دست مبارک کو دھوتے اور دیوار پر ملا کرتے تھے تاکہ کوئی اثر باقی نہ رہے البتہ اگر اُس بو کا ازالہ ناممکن سا ہو تو مضائقہ نہیں اور شارح ابو الکلام شرح نقایہ میں لکھتے ہیں یطهر الشئی بدنا کان او ثوبا او مکانا او غیرهما عن نجس بالفتح مرئی وهو ما لجرم وغیره بزوال عینه وان بقی اثر یشق زواله دلیل علی ان الاثر ان لم یشق زواله یزال یعنی بدن یا کپڑا یا مکان اور جو کچھ ہو نجس مرئی اور غیر مرئی سے پاک ہو جاتا ہے نجاست کے دفع ہو جانیسے گو اُسکا اثر باقی رہے اور اُس کا اثر کا دفع کرنا دشوار ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اثر کا دفعیہ دشوار نہو تو وہ بھی دفع کیا جائے اور دوسری جگہ لکھا ہے فسر الاثر باللون والریح والمشقة بالاحتیاج الی شئی اخر کالصابون یعنے اثر کی تفسیر رنگ و بو سے کی گئی ہے اور مشقت سے کسی دوسری چیز کیطرف احتیاج مراد ہے جیسے صابون **سوال** پیشاب کی ننھی ننھی چھینٹیں اگر بدن پر پڑ جائیں تو کیا حکم ہے **جواب** معاف ہیں صحیح بخاری کی شرح میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری پیشاب کرتے وقت اس لحاظ سے کہ چھینٹیں اُڑ کر بدن پر نہ پڑیں شیشے کے اندر پیشاب کرتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا ایسا نہ کیا کرو کیونکہ میں نے رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا کو ایستادہ پیشاب کرتے دیکھا ہے جس میں چھینٹیں پڑنیکا زائد احتمال ہے **سوال** استنجا پتھر اور ڈھیلے ہی پر موقوف ہے یا پانی سے بھی ادا ہو سکتا ہے اور عدد اور استبراء اور اُسکے دوسرے تعلقات کا کیا حکم ہے **جواب** پتھر اور ڈھیلے وغیرہ سے جو مجفف اور منقی ہو استنجا کرنا سنت مؤکدہ ہے کنز میں ہے وسن الاستنجاء بنحو حجر منق اور استنجا پاک کرنا پتھر سے سنت ہے اور نقایہ میں ہے الاستنجاء من کل حدث غیر النوم والریح بنحو حجر حتی ینقیه سنة نوم اور ریح کے سوا ہر حدث سے استنجا پتھر سے جو صفائی کر دے سنت ہے اور بحر الرائق میں ہے دار المصنف بالسنة السنة

المؤکدۃ کما ھو مذکور فی الاصل اور سنت سے مصنف کی مراد سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ اصل میں مذکور ہے
اور در مختار میں ہے وھو سنۃ مؤکدۃ مطلقا ای سواء کان بالماء او بالحجر کذا فی ردالمحتار اور استنجا
سنت مؤکدہ ہے مطلقاً پانی سے ہو یا پتھر سے ایسا ہی ردالمحتار میں ہے بعضے متون فقہیہ میں استنجاے
براز کی کیفیت بلحاظ موسم گرما و سرما شرح لکھی ہے اور استنجاے بول سے چشم پوشی کی ہے اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ پتھر یا ڈھیلے وغیرہ سے فقط استنجاے براز ہی مسنون ہے لیکن روایات فقہ اور اصول کے
خلاف ہیں بلکہ اُن سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ پتھر اور ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرنا جو مسنون ہے
یہ عام ہے بول اور براز دونوں کے لیے تفسیر احمدی میں ہے ما ذکرا ھل الاصول یدل علی انہ یعم
التطھیر الذی بعد البول والتطھیر الذی بعد الغائط والحق ان مراد الفقھاء ایضا اعم کما یدل
علیہ قولھم والاستنجاء من کل حدث ای خارج من السبیلین سنۃ فا یتما فی الباب ان
الاستنجاء بعد الغائط لما احتاج الی زیادۃ تفصیل عقبوہ لقولھم یدبر بالحجر الاول والقبل
بالثانی من غیر اظھار ان ھذا طریق الاستنجاء المخصوص یعنی اہل اصول نے جو لکھا ہے اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ استنجا پیشاب اور پاخانہ دونوں کے بعد کی طہارت کو شامل ہے اور حق یہ ہے کہ فقہا کی
مراد بھی عام ہے جیسا کہ اُنکا یہ قول دلالت کرتا ہے اور ہر حدث یعنی خارج عن السبیلین سے استنجا
سنت ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ پاخانہ والا استنجا زائد تفصیل کا محتاج ہے اسکے بعد استنجے کے طریقہ
مذکورۂ سابقہ کو ذکر کر دیا بغیر یہ ظاہر کیے ہوے کہ یہ کسی خاص استنجے کا طریقہ ہے اور ملا علی قاری شرح نقایہ میں
لکھتے ہیں من کل حدث ای خارج من احد السبیلین کالبول والغائط ہر حدث سے یعنی
خارج میں احد السبیلین سے مثل پیشاب اور پاخانہ کے اور رسائل الارکان میں ہے ولسن ان یستنجی
للبول والغائط بالحجر پتھر سے استنجا کرنا پیشاب اور پاخانہ کے بعد سنت ہے۔ پاخانہ کے بعد پتھر سے
استنجا کرنا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوامی عادت تھی جیسا کہ صحاح میں مروی ہے اور
پیشاب کے بعد حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا پتھر وغیرہ سے استنجا کرنا آپکے فعل سے اثبات کو
نہیں پہونچا مگر بیہقی نے روایت کی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ پتھر وغیرہ سے استنجا کرتے
تھے چونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم پر میرے اور میرے خلفاے
راشدین کی سنت ہے لہذا اُسکا سنت ہونا بھی متحقق ہو گیا شرح نقایہ میں ملا علی قاری لکھتے

ہے روی البیہقی وقال انہ اصح ما فی الباب اعلاہ ای سندا عن مولی عمر قال کان عمر اذا
بال قال ناولنی شیئا استنجی بہ فاناولہ العود او الحجر او یاتی حائطا یتمسح بہ او یمسہ
الارض یعنی بیہقی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ اسباب میں باعتبار سند کے سب سے زائد صحیح
اور اعلیٰ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلام سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب پیشاب کو جاتے
تو مجھ سے فرماتے کوئی چیز لاؤ جس سے میں استنجا کروں پس میں آپ کو لکڑی یا پتھر دیدیتا یا آپ کسی دیوار
کے پاس جاتے یا زمین سے کام لیتے۔ رسائل الارکان میں ہے و فی البول احتمال الخروج فلابد من
الاستنجاء بالحجر الی ان یغلب علی ظن المستنجی انقطاع ذلک الاحتمال ففی البول الاستنجاء
بالحجر الزم وقد روی البیہقی عن مولی امیر المومنین عمرؓ قال کان عمر اذا بال قال ناولنی
شیئا استنجی بہ فاناولہ العود او الحجر او یاتی حائط یمسح بہ او یمسہ الارض قال البیہقی ھذا
اصح ما فی الباب یعنی پیشاب کے بعد قطرہ آنیکا احتمال ہے تو پتھر سے استنجا ضروری ہے یہانتک کہ مستنجی
کا ظن قطرہ نہ آنے پر غالب ہوجائے پس پیشاب کے بعد پتھر سے استنجا ضروری ہے اور بیہقی نے
امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی غلام سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب
پیشاب کرتے تو مجھ سے فرماتے مجھے کچھ دو جس سے میں استنجا کروں پس میں آپ کو لکڑی یا پتھر دیتا
یا آپ کسی دیوار کے پاس جاتے یا زمین سے کام لیتے بیہقی نے کہا ہے کہ اس باب میں سب سے زائد
صحیح روایت یہی ہے اور طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں بھی اسی کے مانند روایت کی ہے
ایسے ہی فتح المنان فی تائید مذہب النعمان مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
میں ہے اور ڈھیلے وغیرہ سے کام لیکر محل استنجا کو پانی سے دھونا بہتر اور مستحب ہے اور شرح غرر میں ہے
والغسل بعدہ ای الحجر اولی اور پتھر سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے دھو ڈالنا اچھا ہے اور
قاضی خاں میں ہے والاستنجاء بالماء بعد الاستنجاء بالحجر ادب عندنا یعنی ہمارے نزدیک پتھر سے
استنجا کرنے کے بعد ادب یہ ہے کہ پانی سے بھی دھو ڈالے اور محل استنجا کو دھونے کے لئے کوئی عدد
سنت نہیں ہے بلکہ استنجا کرنے والے کی رائے پر موقوف ہے کہ جب اس کو طہارت حاصل ہوجائے
اطمینان قلب ہوجائے البتہ وسواسی کے حق میں تین بار کی تعیین ہے۔ اور علامہ حلبی شرح منیہ میں
لکھتے ہیں ولیس فیہ ای فی الغسل عدد مسنون من الثلث او السبع او غیر ذلک ومنھم من شرط

الثلث ومنہم من شرط السبع ومنہم من شرط العشر ومنہم من عین فی الاحلیل الثلث وفی المقعد الخمس والصحیح انہ مفوض الی رایہ فیغسل حتی یقع فی قلبہ انہ قد طہر الا ان یکون موسوسا فیقدر فی حقہ بالثلث کما فی کل نجاست غیر مرئیۃ وقیل بسبع یعنے دھونے میں تین یا سات وغیرہ کوئی عدد مسنون نہیں ہو بعض نے تین بعض نے سات بعض نے دس کی شرط کی ہو اور بعض کے نزدیک پیشاب کے بعد تین بار دھونا اور پاخانے کے بعد پانچ بار دھونا چاہیئے اور صحیح یہ ہو کہ استنجا کرنے والے کی رائے پر ہے اُسے اتنا دھونا چاہیے کہ طہارت کا یقین ہوجائے البتہ اگر وہمی مزاج ہو تو اُسے تین مرتبہ دھونا چاہیے جیسا کہ اور نجاسات غیر مرئیہ میں حکم ہے اور بعض کے نزدیک سات مرتبہ دھونا چاہیے اور بحر الرائق میں ہو المراد بالاشتراط الاشتراط فی حصول السنۃ والا فترک الکل لایضر عندہم یعنے اشتراط سے حصول سنت میں اشتراط مراد ہو ورنہ کل کا ترک اُن کے نزدیک ضرر نہیں پہونچاتا ۔ اور جو شخص ڈھیلے وغیرہ پر اکتفا کرتا ہے اور اُسکے بعد پانی سے نہیں دھوتا ہے اُسے ڈھیلوں پر اکتفا کرنا کافی ہو مگر یہ شخص تارک ادب ہوگا ابو عیسیٰ ترمذی اپنی جامع میں لکھتے ہیں اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدہم رأوا ان الاستنجاء بالحجارۃ یجزی وان لم یستنج بالماء اذا انقی اثر الغائط والبول یعنے اور اکثر اہل علم اصحاب نبی کی رائے میں صرف پتھروں سے استنجا کرنا کافی ہو جبکہ پیشاب اور پاخانے کا اثر جاتا رہے اگرچہ پانی سے استنجا نہ کرے ۔ اور بحر الرائق میں ہو وھو القیاس فی محل الاستنجاء الا انہ ترک فیہ لورود النص علی خلاف القیاس فلا یتعداہ اور پتھر کا کافی ہونا محل استنجا میں قیاس کے موافق ہو مگر چونکہ نص خلاف قیاس موجود ہے اس وجہ سے قیاس متروک ہو اور اسی وجہ سے حکم نص محل نجاست سے متجاوز نہیں ہوسکتا اور صرف پانی پر اکتفا کرنے سے بھی سنت ادا ہوجاتی ہو شرح منیہ میں علامہ حلبی آداب وضو میں لکھتے ہیں وان یغسل مخرج النجاسۃ بعد الاحجار اودونہا مبالغۃ فی التنظیف والغسل بالماء وان کان ادبا لکن قد دیت بہ سنۃ الاستنجاء اور یہ کہ دھوئے مخرج نجاست کو پتھروں کے بعد یا پتھروں کے بغیر طہارت کی زیادتی کے لیے اور پانی سے دھونا گو کہ ادب ہے مگر اس سے سنت استنجا ادا ہوتی ہو ۔ اور بعض صرف پانی ہی سے دھونے کو افضل جانتے ہیں ڈھیلے وغیرہ پر اکتفا کرنے سے اور ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا کرنا سب سے افضل ہے اور کنز میں ہو وغسلہ بالماء احب پانی سے دھونا پسندیدہ ہو اور بحر الرائق میں ہو ای غسل المحل بالماء

افضل لانہ قالع للنجاسۃ والحجر مجفف لہا فکان الماء اولی کذا ذکرہ الشارح الزیلعی وظاہر
ما فی الکتاب یدل علی ان الماء مندوب سواء کان قبلہ الحجر ام لا فالحاصل انہ اذا اقتصر
علی الحجر کان مقیما للسنۃ واذا اقتصر علی الماء کان مقیما لہا ایضًا وھو افضل من الاول واذا جمع بینہما
کان افضل من الکل یعنے محل نجاست کو پانی سے دھونا افضل ہے کیونکہ پانی دافع نجاست ہے اور پتھر اُسے سکھا دیتا ہے
ایسا ہی شارح زیلعی نے کہا ہے اور ظاہر کتاب اس سے دلالت کرتا ہے کہ پانی مستحسن ہے خواہ اُس کے پہلے پتھر
ہو یا نہو پس حاصل یہ ہے کہ جب صرف پتھر پر اکتفا کرے تو سنت ادا ہو جائے گی اور اگر صرف پانی پر اکتفا
کرے تو بھی سنت ادا ہو گی مگر یہ افضل ہے اور پانی اور پتھر دونوں سے استنجا کرنا سب سے افضل ہے رد المحتار
میں ہے ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل ویلیہ فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیہ الاقتصار
علی الحجر وتحصل السنۃ بالکل وان تفاوت الفضل کما افادہ فی الامداد وغیرہ پھر جاننا چاہیے کہ پتھر اور پانی
دونوں سے استنجا افضل ہے اور اُسکے بعد صرف پانی سے اور اُسکے بعد صرف پتھر سے اور سنت سب سے
حاصل ہوتی ہے گو کہ فضل مختلف ہے ایسا ہی امداد وغیرہ میں ہے **سوال** بول کے بعد ڈھیلے سے ترک استنجا کرنا
رفضۂ فجرہ کا خاصہ ہے اس کے ترک کرنے میں ان سے پوری مشابہت لازم آتی ہے اور حدیث میں ہے
من تشبہ بقوم فھو منھم جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ اُنھیں میں سے ہے **جواب** مخالف
دین کی مشابہت فعل مذموم میں اور جو کام بقصد مشابہت کرے اس میں بھی ممنوع ہے اور ان دو صورتوں
کے علاوہ میں کچھ حرج نہیں ہے طحطاوی نے کہا کہ اہل کتاب کی مشابہت ہر شے میں مکروہ نہیں کیونکہ ہم کھاتے اور پیتے ہیں
جس طرح وہ کھاتے اور پیتے ہیں بلکہ حرام ہے انکی مشابہت کیلئے قصداً کوئی کام کرنا یا کسی بُرے کام میں مشابہت کرنا اور
چند قدم چلکر استبرا یا مٹھیار کر یا پیشاب گاہ کو سونت کر اولی اور مستحب ہے اور بعض فقہا وجوب کے
لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں جب پیشاب کے قطرات بند ہو کر دلکو اطمینان
ہو جائے تب استنجا کرے اور وہمی آدمی کا کوئی اعتبار نہیں اور شرح منیہ میں ہے کہ چند قدم چلکر استنجا کرنا
مناسب ہے اسی کو استبرا کہتے ہیں در شرح غرر میں ہے ویجب الاستبراء بالمشی او التنحنح او النوم او
الاضطجاع علی شقہ الایسر حتی یستقر قلبہ علی انقطاع العود کذا فی الظہیریۃ وقیل یکتفی
بمسح الذکر واجتذابہ ثلث مرات والصحیح ان طباع الناس وعاداتہم مختلفۃ فمن فی غلبۃ انہ صار طاہرا
جاز لہ ان یستنجی لان کل احد اعلم بحالہ کذا فی التاتارخانیۃ اور استبرا چل کے یا کھکھار کے

یا سو کے یا بائیں کروٹ لیٹ کے واجب ہے تاکہ قلب مطمئن ہو جائے اور بقیہ کے پھر آنے کا خیال نہ رہے
ایسا ہی ظہیریہ میں ہے اور بعض کے نزدیک مسح ذکر اور تین مرتبہ قطرات کو جذب کر لینا ہی کافی ہے
اور صحیح یہ ہے کہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں پس جب طہارت کا یقین ہو جائے استنجا کر لینا جائز ہے
کیونکہ ہر ایک اپنے حال کو زائد جانتا ہے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے اور فتاوی قاضی خان میں ہے وینبغی
ان یمشی ثم یستنجی اور چند قدم چلنے کے بعد استنجا کرنا چاہیئے۔ اور بعض فقہا کے نزدیک نفس
استبرا فرض ہے یہاں تک کہ دل کو یقین ہو جائے کہ اب قطرہ نہ آئیگا اور کھکھارنا وغیرہ مختلف فیہ ہے
درمختار میں ہے یجب الاستبراء بمشی او تنحنح او نوم علی شقہ الایسر ویختلف بطباع الناس استبرا
چل کے اور کھکھار کے یا بائیں پہلو پر سو کے واجب ہے اختلاف طبائع کی وجہ سے۔ اور صاحب ردالمحتار
نے تحت قولہ ویختلف الخ لکھا ہے ھذا ھو الصحیح فمن وقع فی قلبہ انہ صار طاھرا جاز لہ ان
یستنجی لان کل احد اعلم بحالہ اور یہی صحیح ہے پس جس کو یقین ہو جائے کہ وہ طاہر ہے اسے استنجا کرنیکی
اجازت ہے کیونکہ ہر شخص اپنے حال کو زیادہ جانتا ہے پس جبکہ نفس استنجا سنت مؤکدہ اور استنجا کے بعد
پانی سے دھونا ادب اور دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے تو اس شخص کی نماز یا امامت
جس نے ڈھیلے یا پانی پر اکتفا کیا جائز ہے بلکہ اگر کسی نے سرے سے استنجا نہیں کیا نہ ڈھیلے سے نہ پانی
سے مگر موضع حدث یا اسکے ادھر ادھر مانع نماز نجاست نہیں ہے تو اگرچہ وہ تارک سنت مؤکدہ ہونیکی
وجہ سے مستحق ملامت ہوگا مگر اسکی نماز جائز ہوگی کیونکہ اسکی فقہا نے تفصیل کی ہے چلپی حاشیہ شرح وقایہ
میں لکھتے ہیں فان ما علی المخرج ساقط وان کثر فلا یکرہ ترکہ کیونکہ جو مخرج پر ہے اسکا اعتبار نہیں
اگرچہ بہت ہو پس اسکا ترک مکروہ نہیں اور اگر غیر موضع حدث پر ہو تو اسکے ترک سے نماز میں کراہت
پیدا ہوگی بحرالرائق میں ہے ولو ترکہ صحت صلوتہ قال فی الخلاصۃ بناء علی ان النجاسۃ القلیلۃ عفو
عند نا وعلمائنا فصلوا بین النجاسۃ التی علی موضع الحدث والتی غیر موضع الحدث
اذا ترکھا یکرہ وفی موضعہ اذا ترکھا لا یکرہ اور اگر اسے چھوڑ دیا تو نماز درست ہے ایسا ہی
خلاصہ میں ہے کیونکہ نجاست قلیلہ معاف ہے ہمارے نزدیک اور ہمارے علما نے نجاست کی تفصیل کی ہے
(۱) جو موضع حدث پر ہو (۲) جو موضع حدث پر نہو اور اسکے ترک سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور جو موضع
حدث پر ہو اسکے ترک سے نماز مکروہ نہیں ہوتی یہ حکم نفس استنجا کا ہے جبکہ نجاست مخرج مثلاً سوراخ

ذکر سے آگے نہ بڑھے اور اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر کے ادھر ادھر لگ جائے تو وہ یا درہم سے زائد ہوگی
یا کم اگر زائد ہو تو فقط ڈھیلے لینا کافی نہیں بلکہ لازماً اس نجاست کو پانی سے دھونا چاہیئے جبتک پانی سے
نہ دھوئے گا نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ اسقدر نجاست لگی ہوئی ہے جو نماز سے مانع ہے اور اگر نجاست متجاوز ایک
درہم سے کم ہو تو ڈھیلے لینے کے بعد پانی سے دھونا سنت ہے اور بغیر پانی سے دھوئے ہوئے بھی نماز
بکراہت تحریمی ادا ہو سکتی ہے لیکن اگر وقت باقی ہے تو دوہرانا چاہیئے رسائل الارکان میں ہے والحاصل انہ
ان لم یجاوز المخرج فالماء بعد الحجر سنة مندوبة وان جاوز وکان اقل من قدر الدرهم فالماء
بعد الحجر سنة واجبة لکن لو لم یتبع للماء یجوز الصلوٰة معه ویعاد ان بقی الوقت کما هو الحکم فی النجاسة
القلیلة من مقدار الدرهم وان جاوز البول والغائط الاکثر من قدر الدرهم فلا یجزی الا الحجار بل
لابد من الغسل فلا یجوز الصلوٰة بدونه اور حاصل یہ ہے کہ اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہو تو پتھر کے
بعد پانی لینا سنت مندوبہ ہے اور اگر متجاوز ہوا اور ایک درہم سے کم ہو تو سنت واجبہ ہے لیکن اگر پانی نہیں لیا
تو نماز جائز ہوگی اور اگر وقت باقی ہو تو اعادہ کرنا چاہیئے جیسا کہ ایک درہم سے کم نجاست کا حکم ہے اور
اگر پیشاب پاخانہ موضع حدث سے متجاوز ہوا اور ایک درہم سے زائد ہو تو پتھر کافی نہیں بلکہ پانی سے دھونا
ضروری ہے بغیر دھوئے نماز جائز نہ ہوگی۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے واذا جاوز البول والبراز المخرج ولم
یجاوز الدرهم بین استعمال الماء بعد الحجر ثم الظاهر عند هذا العبد ان مراد هم بالسنة
الطریقة المسلوکة الواجبة لما قد عرفت ان النجاستان کانت اقل من الدرهم یکره الصلوٰة
معها ویجب الاعادة فی الوقت وهذا یؤذن بان الکراهة کراهة التحریم فان النجاسة القلیلة
یجب ازالتها اور جب پیشاب اور پاخانہ مخرج سے متجاوز ہوں اور ایک درہم سے زائد نہ ہو تو پتھر کے
بعد پانی لینا سنت ہے اور میرے خیال میں سنت سے مراد واجب طریقہ ہے کیونکہ تم جانتے ہو کہ اگر نجاست
ایک درہم سے کم ہو تو نماز مکروہ ہے اور اگر وقت باقی ہو تو اعادہ واجب ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت
تحریمی ہے کیونکہ نجاست قلیلہ کا دفعیہ واجب ہے۔ اور بحر الرائق میں ہے ویجب غسل المحل بالماء ان تعدت
النجاسة المخرج لان للبدن حرارة جاذبة لاجزاء النجاسة فلا یزیلها المسح بالحجر وهو القیاس فی محل الاستنجاء الا انه
ترک فیه لورود النص علی خلاف القیاس فلا یتعداه الی ما زاد بالمجاوزة یکون اکثر من قدر الدرهم ومنه فالمراد بالوجوب الفرض
اور نجاست کی جگہ کو پانی سے دھونا واجب ہے اگر نجاست مخرج سے متجاوز ہو کیونکہ بدن میں ایک ایسی

حرارت ہی جو اجزاے نجاست کو جذب کرلیتی ہو پس پتھر اُسے زائل نہیں کرسکتا اور محل استنجا میں بھی قیاس یہ ہی ہو مگر وہاں نص کی بدولت یہ حکم ترک کردیا گیا پس حکم نص اصل کے سوا اور کہیں نہ مانا جائیگا تجاوز سے مراد ایک درہم سے زیادتی ہے پس وجوب سے مراد فرض ہی۔ اور خلاصہ میں ہے ولو اصاب طرف الاحلیل من البول اکثر من قدر الدرھم لا یجوز صلوتہ ھو الصحیح اور اگر سوراخ ذکر کے کناروں میں پیشاب ایک درہم سے زائد رہگیا تو نماز درست نہو گی اور یہی صحیح ہی۔ اور درمختار میں ہی ویجب ای یفرض غسلہ ان جاوز المخرج نجس مانع ویعتبر القدر المانع لصلوٰۃ فیما وراء موضع الاستنجاء لان ما علی المخرج ساقط شرعا وان کثر ولھذا لا تکرہ الصلوٰۃ معہا ورواجب ہے یعنے فرض ہی دھونا اگر نجاست مانع صلوٰۃ مخرج سے متجاوز ہوا ور مانع صلوٰۃ کا اعتبار موضع استنجا کی علاوہ دوسری جگہوں میں ہوتا ہے کیونکہ جو مخرج پر ہے وہ شرعًا ساقط ہے گو کہ کثیر ہو اور اسی لیے اُس سے نماز مکروہ نہیں ہوتی اور ذخیرہ میں ہی ثم الاستنجاء بالاحجار انما یجوز اذا اقتصر النجاسۃ علی موضع الحدث واما اذا تعدی عن موضعہا بان جاوزت المخرج اجمعوا علی ان ما جاوز المخرج من النجاسۃ اذا کان اکثر من قدر الدرھم انہ یفرض غسلہا بالماء فلا یکفیہ الازالۃ بالاحجار وکذا اذا اصاب طرف الاحلیل من البول اکثر من قدر الدرھم یجب غسلہ وان کان ما جاوز موضع التنیج اقل من قدر الدرھم او قدر الدرھم الا انہ اذا ضم الیٰ ما فی موضع التنیج کان اکثر من قدرھا فازالہا بالحجر ولم یغسلہا فعلی قول ابی حنیفۃؒ وابی یوسف یجوز ولا یکرہ وعلی قول محمدؒ لا یجوز الا ان یغسلہ بالماء وھکذا روی عن ابی یوسفؒ ایضًا واذا کانت النجاسۃ علی موضع الاستنجاء اکثر من قدر الدرھم واستنجی بثلثۃ احجار وانقاھا ولم یغسلہا بالماء کان الفقیہ ابو بکر یقول لا یجوز وعن ابن شجاع انہ یجوز وھکذا حکی عن الطحاویؒ قال الفقیہ فی الفتاوی وبہ ناخذ۔ یعنے پھر استنجا بالاحجار جائز ہی جب نجاست موضع حدث ہی پر ہو لیکن جب موضع حدث سے متجاوز ہو یعنے مخرج سے متجاوز ہو تو اسپر اجماع ہی کہ متجاوز عن المخرج جب ایک درہم سے زائد ہو تو اُسے پانی سے دھونا فرض ہی اور پتھر سے دفع کردینا کافی نہیں ہی اور ایسا ہی جب سر ذکر کے اطراف میں ایک درہم سے زائد پیشاب ہجائے تو اُسکا دھونا واجب ہی اور اگرچہ اصل سوراخ سے جو تجاوز ہے وہ ایک درہم سے کم یا ایک درہم کے برابر ہو مگر جب اُسکے ساتھ وہ نجاست جو سوراخ پر ہے

ملا لیجائے تو اُسکی مقدار ایک درہم سے بڑھجائے پس اُسکو پتھر سے دفع کرنا اور پانی سے نہ دھونا امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک نماز کو مکروہ کرتا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز کو ناجائز کرتا ہے اور دھوڈالنا ضروری ہوا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی ایسی ہی روایت کی گئی ہو اور جب نجاست موضع استنجا پر ایک درہم سے زائد ہو تو تین پتھروں سے استنجا کرنا اور پانی سے نہ دھونا فقیہ ابو بکر کے نزدیک جائز نہیں اور ابو شجاع کے نزدیک جائز ہے اور ایسا ہی طحاوی سے منقول ہی فقیہ نے فتاوی میں کہا ہے کہ ہم اسکو لیتے ہیں **سوال** پُرانا جوتا پہنکر جس میں بارہا غلاظت بھری اور جھوٹ گئی مسجد میں جانا اور پہنے ہوے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں **جواب** نجس جوتا پہنکر مسجد میں جانا حرام ہی اور اُسے پہنے ہوے نماز بھی درست نہیں ہی اور اگر پاک ہو تو درست ہی مگر بحسب عادات زمان خلاف ادب ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

محمد عبد الحی ابو الحسنات

صح الجواب اللہ اعلم بالصواب حررہٗ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ **سوال** حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اس قول کے موافق (تحت کل شعرۃ جنابۃ ہر بال کے نیچے جنابت ہی) نہاتے وقت مرد کو تمام بدن کے بالوں کو دھونا اور اُنکی جڑوں میں پانی پہونچانا واجب اور اگر جسم کے بالوں میں نیل ملا ہوا ہو تو بیسن وغیرہ سے اُنکو اچھی طرح صاف کرنا ضروری ہی یا نہیں **جواب** یہ حضرت علی کا قول نہیں ہی ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے فرمایا رسول اللہ علیہ التحیۃ والثنا نے تحت کل شعرۃ جنابۃ فاغسلوا الشعر وانقوا البشرۃ یعنے ہر بال کے نیچے ناپاکی ہی پس بالوں کو دھوؤ اور جلد کو صاف کرو اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے اسی حدیث کے مضمون کو دریافت کرکے حلق راس کی عادت ڈالی اور فرمایا فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی یعنے اسلئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی۔ اسی سبب یعنی اپنے سر سے دشمنی کی اسی لئے میں اپنے سر سے دشمنی کی ابو داؤد نے ایسی ہی روایت کیا ہی اور واقعی مرد کو بالوں کی جڑوں میں پانی پہونچانا اور بالوں کو پانی سے بھگونا سر کے بال ہوں یا داڑھی کے ضروری ہی اسکے بغیر غسل جنابت ادا نہیں ہوتا رسائل الارکان میں ہی ویفترض علی الرجل نقض الضفیرۃ ان کان لہ ضفیرۃ وایصال الماء الی البشرۃ تحت الشعر بل الشعر ایضاً بحیث لا یبقی شعر لم یمر علیہ الماء وھذا عام فی کل شعر شعر الراس کان او شعر اللحیۃ او غیرھما ولا یجتزئ غسلہ بدون ذلک انتہی یعنے مرد پر فرض ہی کہ اگر اُسکے جوڑا ہو تو کھولڈالے اور بالوں کے نیچے تک پانی

پہونچائے بلکہ بالوں کو بھی تر کرے کوئی بال خشک نہ رہے اور یہ حکم تمام بالونکا ہے سر کے ہوں یا داڑھی کے یا اور کہیں کے مرد کا غسل بغیر اسکے پورا نہو گا لیکن اگر بدن پر تیل ملا ہوا ہو یا بالوں میں پڑا ہو تو دفعاً للحرج والمشقة لئے بیسن وغیرہ سے چھڑانا لازمی نہیں ہے بلکہ اُسی پر پانی بہا دینا کافی ہے فی الدر المختار ولا یمنع الطہارة دھن ودسومة انتہے ملخصاً درمختار سے تیل یا چربی مانع طہارت نہیں ہے اور شرح وقایہ میں ہے المعتبر فی هذا الحرج فاذا ادهن فامر الماء فلم یصل یجزی انتہے اعتبار حرج کا ہے پس اگر تیل لگایا پھر پانی بہایا اور پانی جلد تک پہونچا تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور اشباہ میں ہے المشقة تجلب التیسیر انتہے مشقت کھینچتی ہے آسانی کو ابو المکارم نے کہا ہے وفسر المشقة بالاحتیاج الی شئ آخر کالصابون انتہے اور مشقت کی تفسیر کسی دوسری چیز مثلاً صابون سے کی گئی ہے **سوال** عورتونکو مسی لگانا جائز ہے یا نہیں اور درصورت استعمال وضو اور غسل کرتے وقت دانتوں میں خلال وغیرہ کرکے مسی کو صاف کرنا واجب ہے یا نہیں **جواب** کوئی شک نہیں کہ زینت کے لئے عورتونکو مسی لگانا جائز ہے اور وضو میں تخلیل ضروری نہیں ہے کیونکہ مضمضہ اسمین فرض نہیں ہے باقی رہا غسل پس اُسکا حال سننا چاہیے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے ولو بقی العجین فی الظفر فاغتسل لا یکفی وفی الدرن والطین یکفی لان الماء ینفذ ولذا الصبغ والحنا اور اگر ناخن میں آٹا بھرا اور غسل کرلیا تو یہ غسل ناکافی ہے اور اگر مٹی اور میل رہگیا تو کافی ہے کیونکہ پانی اندر تک پہونچ سکتا ہے اور ایسا ہی رنگ اور مہندی اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز مانع پانی پہونچنے سے ہو غسل میں اسکا ازالہ ضروری ہے اور جو چیز مانع پانی پہونچنے سے نہو اُسکا ازالہ ضروری نہیں ہے ایسے ہی خزانة الروایہ میں ہے فی الذخیرة قال الفقیه ابو اللیث قد قیل فی القروی یکون فی ظفره کالشئ انه یجوز وضوءه وغسله وفی المدنی لا یجوز لان القروی یکون فی اظفاره الطین ولا یمنع وصول الماء فاما المدنی یکون فی اظفاره دسومة تمنع وانما تمنع وصول الماء ذخیرہ میں ہے کہ فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے اگر دیہاتی کے ناخن میں کوئی چیز رہجائے اور وہ نہائے تو اُسکا وضو اور غسل ہوجائیگا اور شہری کا نہو گا کیونکہ دیہاتی کے ناخن میں مٹی ہوتی ہے جو پانی کے پہونچنے کو مانع نہیں اور شہری کے ناخن میں چکناہٹ ہوتی ہے اور وہ پانی کے پہونچنے کو مانع ہے اور تنویر الابصار مع درمختار ورد المحتار میں ہے ولا یمنع الطہارة ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته لان الاحتراز عنه غیر ممکن حلیة وحناء ولو جرمه به یفتی صرح به فی المنیة عن الذخیرة فی مسألة الحناء والطین والدرن معللا بالضرورة قال فی شرحها ولان الماء ینفذ لتخلله

وعدم لزوجته وصلابته والمعتبر فی جمیع ذلک نفوذ الماء ووصول الماء ودرن ووسخ عطف تفسیر وکذا دھن ودسومۃ وتراب وطین ولو فی ظفر مطلقا ای قرویا او مدنیا علی الاصح بخلاف نحو عجین ای کعلک وشمع وقشر سمک وخبز ممضوغ متلبد جوھرۃ لکن فی النھر ولو فی ظفارہ طین او عجین فالفتوی علی انہ مغفور قرویا کان او مدنیا انتہی نعم ذکر الخلاف فی شرح المنیۃ فی العجین واستظھر لان فیہ لزوجۃ وصلابۃ تمنع وصول الماء ولا یمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانہ او فی سنہ المجوف بہ یفتی وقیل ان صلبا منع وھو الاصح صرح بہ فی شرح المنیۃ وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورۃ والحرج یعنے مچھر اور مکھی کا غلیظ جسکے نیچے تک پانی نہ پہونچ سکے مانع طہارت نہیں ہی کیونکہ اس سے بچنا ناممکن ہے اور مہندی بھی مانع طہارت نہیں ہی گو اسکی تہ جمی ہو اسی پر فتوی ہی اسکی تصریح منیہ میں مسئلہ حنا وطین دورن میں ذخیرہ سے نقل کرکے کی ہی اور اس کی علت ضرورت بیان کی ہی اور شرح میں ہی کیونکہ ان میں مسامات موجود ہیں اور چیکا کو اور سختی نہیں ہی اسلیے پانی اندر تک سرایت کرسکتا ہے اور ان سب میں پانی کے اندر تک پہونچنے کا اعتبار ہی اور میل ور چکنا ہٹ ور مٹی بھی مانع طہارت نہیں ہی اگرچہ ناخن میں ہو خواہ کسی دیہاتی کے ہو یا شہری کے مذہب صحیح پر برخلاف آٹے کی مانند چیزوں کے مثلاً موم یا چبائی ہوئی روٹی جو چپکتی ہو اور نہر میں ہی اگر ناخن میں مٹی یا آٹا ہو تو فتوی اسی پر ہے کہ وہ معاف ہی دیہاتی ہو یا شہری انتہی البتہ شرح منیہ میں آٹے کے متعلق خلاف تحریر کیا ہے اور وجہ منع یہ بیان کی ہی کہ اس میں چپکا ؤ اور سختی ہی جو پانی کے پہونچنے کو مانع ہی اور رنگریز کے ناخن پر جو کچھ ہو مانع طہارت نہیں ہی اور نہ وہ کھانا جو دانتوں کے بیچ میں ہو یا جو کھوکھرے دانت میں رہجائے اسی پر فتوی ہے اور بعضوں کے نزدیک اگر آٹے یا اُس کھانے میں سختی آجائے تو وہ مانع طہارت ہی اور یہی اصح ہی اسکی تصریح شرح منیہ میں کی ہی اور کہا ہی کہ اسکا سبب پانی کا اندر نہ پہونچنا اور ضرورت و حرج کا مفقود ہونا ہی۔ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہی ولا بد من زوال ما یمنع وصول الماء للجسد کشمع وعجین اُن چیزوں کا زائل کردینا ضروری ہے جو جسم تک پانی کے پہونچنے میں مانع ہوں جیسے موم اور آٹا۔ پس اگر کسی کا جسم دانتوں میں اُس کثرت سے ہو کہ دانتوں کے جسم تک پانی پہونچنا اُسکی وجہ سے بالکل ناممکن ہو تو غسل ادا نہوگا واللہ اعلم سوال اگر کسی کو احتلام ہونیکا علم کئی دن کے بعد ہوا

تو اتنی مدت کی نماز قضا کرنا ہوگی یا نہیں **جواب** اگر یہ علم ہوگیا کہ فلاں دن مجھے احتلام ہوا تھا
تو اُس دن سے جنابت کا حکم جاری ہوگا اور اگر دن کی تعیین کا علم نہوا ہو فقط یہی علم ہوا ہو کہ
مجھے احتلام ہوا تو احتلام کا حکم اُس آخری نوم سے دیا جائیگا جس کے بعد سے نہ سویا ہو **سوال**
کیا عورت کو چوٹی کھول کے نہانا چاہیئے **جواب** اگر بالوں کی جڑیں بھیگ جاویں تو چوٹی کھولنے
کی ضرورت نہیں ہے **سوال** ننگے نہانا تنہائی میں درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے شرح منیہ میں ہے
کشف العورت لا یجوز عند احد فی الصحیح و فی الخلوۃ قیل یاثم و قیل لا باس بہ و قیل یجوز ان
یتجرد للغسل و یتجرد زوجتہ للجماع یعنے ستر کا کھولنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور تنہائی میں ایسا کرنے سے
بعض کے نزدیک گناہگار ہوگا اور بعض کے نزدیک کچھ حرج نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ غسل کیلئے ننگا ہونا
اور اپنی بی بی کو جماع کے لیے ننگا کرنا جائز ہے **سوال** مرد و عورت کو کھڑے ہوکر غسل کرنا سنت ہے
یا بیٹھکر **جواب** غسل کی جو سنتیں کہ متون معتبر اور دوسری کتابوں میں شمار کی گئی ہیں نہ کھڑے
ہوکر سنت لکھا ہے اور نہ بیٹھکر اور نہ شریعت میں کسی ایک سے ممانعت آئی ہے لہذا دونوں درست
ہیں **سوال** اگر نہانے کی ضرورت ہے اور شرعی عذر کی وجہ سے اُس نے تیمم کیا تو یہ تیمم ایک مرتبہ کافی
ہوگا۔ یا ہر نماز کے لیے کرنا ہوگا **جواب** جو تیمم غسل کے عوض میں کیا ہو وہ اُنھیں باتوں سے ٹوٹتا ہے
جن سے غسل واجب ہوتا ہے اور ہر نماز کے لیے تیمم کرنے کی ضرورت نہیں **سوال** مسجد کی دیوار یا چھت
پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز ہے لیکن خلاف ادب ہے کیونکہ مسجد معظم ہے اور معظم چیز سے نجاست
حکمیہ کا دور کرنا لازم آویگا اشباہ و نظائر میں ہے منہا مع اخذ شئ من اجزائہ قالوا فی تراب
ان کان مجتمعا جاز الاخذ منہ و مسح الرجل علیہ والا لا مسجد کے اجزا میں سے کچھ لینا جائز ہے
اُسکی مٹی کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر بہت سی جمع ہوگئی ہو تو اُس میں سے لے لینا اور اُس سے تیمم کرنا جائز ہے
ورنہ نہیں **سوال** مسافر یا مقیم کتنی دور پانی ہونے کی وجہ سے تیمم کرے **جواب** اگر ایک میل کے بقدر
پانی دور ہونیکا ظن ہو تو تیمم جائز ہے ورنہ نہیں بحر الرائق میں ہے قال فی البدائع ولم یذکر حد البعد
فی ظاہر الروایات فعن محمد التقدیر بالمیل فان تحقق کونہ میلا جاز لہ التیمم وان تحقق کونہ
اقل او ظن انہ میل او اقل لا یجوز قال فی الھدایۃ والمیل ھو المختار فی المقدار لانہ یلحقہ الحرج
بدخول المصر والماء معدوم حقیقۃ بدائع میں ہے کہ حد بُعد ظاہر روایت میں مذکور نہیں ہے اور امام محمد

نے ایک میل مقرر فرمائی پس اگر بعد ایک میل یقینی ہو تو تیمم جائز ہے اور اگر کم یقینی ہو یا ایک میل کا گمان ہو یا اُس سے کم کا گمان ہو تو ناجائز ہے ہدایہ میں ہے کہ مقدار بعد میں ایک ہی میل مختار ہے اسواسطے کہ شہر تک جانے میں حرج ہے اور پانی درحقیقت موجود نہیں ہے **سوال** میل کسے کہتے ہیں **جواب** بحرالرائق میں ہے والمیل فی کلام العرب منتھی مد البصر وقیل لاعلام المبنیۃ فی طریق مکۃ امیال لانھا بنیت علی مقادیر منتھی البصر کذا فی الصحاح والمغرب المراد ھنا ثلث الفرسخ و الفرسخ اثنا عشر الف خطوۃ وکل خطوۃ ذراع ونصف بذراع العامۃ وھو اربع وعشرون اصبعا کذا فی البنابیع وعن الکرخی ان کان فی موضع یسمع صوت اھل الماء فھو قریب فان کان لا یسمع فھو بعید وبہ اخذ اکثر مشائخنا کذا فی الخانیۃ وعن ابی یوسف اذا کان بحیث لو ذھب الیہ وتوضأ فذھب القافلۃ ویغیب عن بصرہ فھو بعید ویجوز لہ التیمم واستحسن المشائخ ھذہ الروایۃ کذا فی التجنیس وغیرہ الا ان ظاھرہ انہ فی حق المسافر لا المقیم وھو جائز لھما ولو فی المصر لان الشرط ھو العدم فاینما تحقق جاز التیمم نص علیہ فی الاسرار یعنے میل کلام عرب میں منتہائے نظر کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ نشانات جو مکہ کے راستہ میں لگے ہوے ہیں میلوں کے ہیں کیونکہ وہ منتہائے نظر کی مقدار پر بنائے گئے ہیں ایسا ہی صحاح اور مغرب میں ہے اور یہاں مراد ثلث فرسخ ہے ایک فرسخ بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے ہر قدم عام گزوں سے ڈیڑھ گز کا ہوتا ہے اور عام گز چوبیس انگل کا ہے ایسا ہی ینابیع میں ہے اور کرخی سے مروی ہے کہ آدمی اگر ایسی جگہ ہو جہاں سے پانی والونکی آواز سن سکتا ہے تو وہ قریب ہے ورنہ بعید اور اسی کو ہمارے اکثر مشائخ نے اخذ کیا ہے ایسا ہی خانیہ میں ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر آدمی ایسی جگہ ہو جہان سے پانی کے پہونچنے اور وضو کرنے میں قافلہ جاتا رہے اور اسکی نظر سے غائب ہو جائے تو وہ بعید ہے اور اُسے تیمم کر لینا جائز ہے اور مشائخ نے اس رائے کو پسند کیا ہے ایسا ہی تجنیس وغیرہ میں ہے مگر یہ حکم بظاہر مسافر کے ساتھ خاص معلوم ہوتا ہے حالانکہ تیمم مقیم اور مسافر دونوں کے لیے جائز ہے گو کہ مقیم مصر میں ہو کیونکہ شرط تو پانی کا نہونا ہے بس جہاں پانی نہوگا وہاں تیمم جائز ہوگا اسپر اسرار میں دلیل لائی گئی ہے **سوال** تیمم میں دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک مسح کرنا کسی امام کے نزدیک جائز ہے یا نہیں **جواب** امام مالک کے نزدیک گٹوں تک فرض اور اس سے زائد مختار ہے عینی شرح ہدایہ میں ہے قال الداعی التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین الی الکوعین والفرض عند مالک الی الکوعین والاختیار الی

المرفقین اوزاعی نے کہا ہے تیمم دو ضربیں ہیں ایک منہ کے لیے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لیے گٹّوں تک اور امام مالکؒ کے نزدیک فرض گٹّوں تک مگر مختار کہنیوں تک ہے **سوال** جنب اگر کنوئیں کے کنارے پر کنوئیں سے پانی کھینچ کر وضو کر رہا ہے اور اسکے جسم سے پانی کے قطرے ٹپک کر کنوئیں میں گرے تو کنواں نجس ہوتا ہے یا نہیں **جواب** کنواں نجس نہیں ہوتا نزح منیہ میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے جنب نزح من البیر دلوا فصب علی راسہ ثم استسقی دلوا آخر فتقاطر عن جسدہ فی البیر لا یتنجس علی تقدیر نجاسة الماء المستعمل ایضًا للضرورة لان التحرز عن مثلہ متعذر او متعسر ایک جنب نے کنوئیں سے ڈول کھینچا اور اسے اپنے سر پر بہا لیا پھر دوسرا ڈول ڈالا اور اس کے جسم سے قطرے ٹپک کر کنوئیں میں گرے تو اگر ماء مستعمل نجس مان لیا جائے تو بھی ضرورت کیوجہ سے کنوئیں کا پانی نجس نہ ہوگا کیونکہ ایسی باتوں سے بچنا ناممکن یا دشوار ہے **سوال** کنوئیں کا سب پانی کھینچنے کا کیا مطلب ہے **جواب** اتنا پانی کھینچا جائے کہ ڈول آدھے سے زائد بھرا ہوا نہ نکلے اسوقت اس کنوئیں کے پاک ہونیکا حکم دیا جائیگا اور کنوئیں کے سب پانی کھینچنے کا یہی مطلب ہے قنیہ میں ہے و نزح البیران ینزح حتی لا یمتلی من الدلو الا نصفہ فتطہر کنوئیں کا سارا پانی کھینچنے کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ اتنا پانی کھینچا جائے کہ جب ڈول ڈالا جائے تو آدھے سے زائد نہ بھرے پھر وہ کنواں پاک ہو جائیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (محمد عبدالحی ابو الحسنات) **سوال** کسی کنوئیں کے پانی سے میت کو غسل دیا پھر نماز پڑھکر دفن کر دیا گیا پھر معلوم ہوا کہ وہ کنواں پلید تھا تو کیا شرعاً درست ہے کہ میت کو قبر سے نکالکر دوبارہ غسل دیکر نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں **جواب** اس صورت میں میت کو قبر سے نکالنا درست نہیں ہے درمختار میں ہے کہ لا یخرج منہ بعد اہالة التراب الا لحق آدمی کان یکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة یعنی مٹی ہموار کرنے کے بعد میت کو قبر سے بجز کسی حق آدمی کے نہ نکالا جائے شامی میں کہا ہے کہ اس سے حق اللہ نکل گیا مثلاً بلا غسل یا بلا نماز جنازہ دفن کر دیا گیا ہو تو قبر سے میت کو نہ نکالا جائے ایسے ہی جب رو بقبلہ یا دائیں کروٹ پر میت کو نہ رکھا گیا ہو تو تب بھی قبر سے نہ نکالا جائے۔

باب الحوض

سوال حوض میں کہ دہ دردہ کا اعتبار کیا جاتا ہے ذراع کرباس معتبر ہے یا ذراع مساحت جواب
روایت مختار اور مفتی بہ کے لحاظ سے ذراع کرباس معتبر ہے اگرچہ بعضوں نے ذراع مساحت کا بھی
اعتبار کیا ہے فتاوی قاضی خان میں ہے وعامۃ المشائخ قالوا ان عشر وعشر فھو کبیر یعتبر فیہ ذراع
المساحۃ لا ذراع الکرباس ھو الصحیح لان ذراع المساحۃ بالممسوحات اور عامہ مشائخ نے کہا ہے
اگر دہ دردہ ہو تو کبیر ہے اس میں ذراع مساحت کا اعتبار ہے نہ ذراع کرباس کا اور یہی صحیح ہے کیونکہ
مساحت کی چیزوں کے مناسب پیمائش کا گز ہے اور عالمگیری میں ہے والمعتبر ذراع الکرباس کذا فی الظہیریۃ
وعلیہ الفتوی کذا فی الھدایۃ اور معتبر ذراع کرباس ہے ایسا ہی ظہیریہ میں ہے اور اسی پر فتوی ہے
ایسا ہی ہدایہ میں ہے وفی الھدایۃ قدروا بالمساحۃ عشرا فی عشر بذراع الکرباس توسعۃ للامر
علی الناس وعلیہ الفتوی ناپ دہ دردہ کو ذراع کرباس سے مقرر کیا ہے لوگوں پر آسانی اور وسعت
کی غرض سے اور اسی پر فتوی ہے اور درمختار میں ہے بذراع الکرباس اور مجمع البرکات میں خانیہ سے
نقل کیا ہے ھو المختار سوال ذراع مساحت اور ذراع کرباس میں کیا فرق ہے جواب ذراع مساحت
سات مٹھی اور ایک کھڑے انگوٹھے کے بقدر ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک سات مٹھی مع سات کھڑے انگوٹھوں
کے برابر ہوتا ہے اور مٹھی ہاتھ کی چار بند کی ہوئی انگلیوں کو کہتے ہیں پس پہلے قول کے موافق ذراع
مساحت اٹھائیس انگل اور ایک کھڑے انگوٹھے کے برابر اور دوسرے قول کے موافق اٹھائیس انگلی اور
سات کھڑے انگوٹھے کا ہوا برجندی شرح نقایہ میں لکھتے ہیں کہ پیمائش کا گز سات مٹھی کا ہوتا ہے
مگر ساتویں مٹھی میں انگوٹھا کھڑا رکھا جائے اور بقول بعض ہر مٹھی میں انگوٹھا کھڑا رکھا جاوے اور
عالمگیری میں ذرع کرباس کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ عام لوگوں کا گز ہے یعنے سات
مٹھیوں کا جسکی چوبیس انگشت مقدار ہے تبیین میں بھی اسیطرح ہے سوال حوض اگر گول
ہو تو اسکا دور کتنا ہونا چاہیے کہ وہ دہ دردہ کہا جائے جواب بعض کے نزدیک اڑتالیس گز اور بعض
کے نزدیک چوالیس گز ہے اور بعض نے چھتیس کا اعتبار کیا ہے اور یہی صحیح اور مفتی بہ اور قواعد حساب کے
موافق ہے رسائل الارکان میں ہے اما فی المدور فیعتبر ثمانیۃ واربعون مساحۃ دورہ وقیل اربع
واربعون وقیل ستۃ وثلثون قال الشیخ عبد الحق الاول احفظ والاخر ادق بقواعد الحساب
لیکن گول حوض میں مساحت کے گز سے اڑتالیس گز کا دورہ ہونا چاہیے اور بعض کے نزدیک جو البرکا

اور بعضوں کے نزدیک چھتیس کا شیخ عبد الحق نے کہا ہے کہ پہلے قول میں حفظ زیادہ ہے اور آخری قول قواعد حساب کے
زائد موافق ہے اور ابو المکارم نے شرح نقایہ میں لکھا ہے وان کان مدورا ففی الملتقط انہ ینبغی ان
یکون حولہ ستا وثلثین ذراعا فی الخزانۃ ہو الصحیح وعلیہ فتوی الہ بناری فی الخلاصۃ
ثمانی واربعین ذراعا وفی الکبری قدرہ بعض باربع واربعین فعلی الاول یکون قطرہ
احد عشر ذراعا ونصفہا تقریبا وعلی الثانی خمس عشر ذراعا وربعہا تقریبا والاول اشد
اذ حینئذٍ یحصل مساحۃ عشر فی عشر مع زیادۃ ما وعلی الثانی یتفاحش الزیادۃ وذلک
لما عرف من ان حول المدور ثلثۃ امثال قطرہ مع سبعہ وانہ اذا ضرب نصف القطر فی نصف
حولہ فالمبلغ الحاصل مقدار مساحۃ المدور وفلیتدبر انتہی اور اگر حوض گول ہو تو ملتقط میں ہے
کہ اسکا دور چھتیس گز کا ہونا چاہیے خزانہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور اسی پر بناری کا فتوی ہے اور خلاصہ میں
اڑتالیس گز اور کبری میں ہے کہ بعضوں نے اسکی مقدار چوالیس گز بیان کی ہے پس اول پر اسکا قطر تقریبا
ساڑھے گیارہ گز ہوگا اور دوسرے پر سوا پندرہ گز اور اول زائد درست ہے کیونکہ اسمیں دہ در دہ کی
مقدار مع تھوڑی سی زیادتی کے پائی جاتی ہے اور دوسری میں زیادتی بہت زائد ہو جاتی ہے اور یہ
اسواسطے کہ گول چیز کا دور اسکے قطر کے سہ گنے میں اس کے ساتویں حصہ کے جوڑنے سے حاصل ہوتا ہے
اور جب نصف قطر کو نصف دور میں ضرب دو تو اس گول چیز کی پوری ناپ حاصل ہوتی ہے تو سوچنا
چاہیئے **سوال** اگر حوض دہ در دہ تھا اور پانی کم ہو جانے پر اس میں نجاست پڑی پھر حوض میں پانی
آگیا اور وہ بھر گیا اور کوئی چیز اس پانی میں سے جاری ہو کر باہر نہیں نکلی تو وضو اس حوض کے
پانی سے درست ہے یا نہیں **جواب** بعض کے نزدیک درست اور بعض کے نزدیک نہیں درست ہے
صغیری شرح منیہ میں ہے حوض کبیر فیہ نجاسات فامتلأت قیل ہو نجس تنجس الماء شیئا فشیئا او
قیل لیس بنجس لکونہ کبیرا وبہ ای بعدم التنجس اخذ مشائخ بخارا ذکرہ فی الذخیرۃ ایک
بڑے حوض میں نجاستیں تھیں پس وہ پر ہوگیا تو بعضوں کے نزدیک وہ نجس ہے کیونکہ پانی تھوڑا تھوڑا
نجس ہوتا رہا ہے اور بعضوں کے نزدیک نجس نہیں ہے کیونکہ حوض کبیر ہے اور یہی مشائخ بخارا کی رائے ہے
جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے حوض عشر فی عشر قل ماؤہ فوقعت فیہ نجاسۃ ثم
دخل الماء حتی امتلأ الحوض ولم یخرج منہ شئ لا یجوز التوضی منہ لانہ کلما دخل الماء تنجس کذا فی

کنز العباد ایک دہ در دہ حوض کا پانی کم ہوگیا اور اُس میں نجاست پڑگئی پھر پانی آگیا اور حوض بھر گیا مگر حوض سے کوئی چیز باہر نہیں نکلی تو اُس سے وضو ناجائز ہے کیونکہ جب اُس میں پانی گیا نجس ہوگیا۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے **سوال** دہ در دہ حوض اگر بدبودار ہو جائے مگر نجاست معلوم نہو تو وضو اُس سے درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے عالمگیری میں ہے یجوز التوضی فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم یعلم نجاستہ کذا فی فتاوی قاضی خان حوض کبیر بدبودار کے پانی سے جبکہ نجاست معلوم نہوتی ہو تو وضو کرنا جائز ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبد الحی

باب الانجاس

سوال۔ آجکل انگریز جو مٹھائی کی تجارت کرتے ہیں ہڈیاں حیوانات مردہ ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کی جلا کر کوئلہ قند اور شکر صاف کرنے میں استعمال کرتے ہیں اس طرح پر کہ اُس کوئلہ کو کوٹ کر ظرف سوراخدار میں بھر کر اور پوٹری خواہ راب اور گڑ پانی میں گھولکر اُس شربت کو اُس ظرف سے کہ جس میں کوئلہ پڑا ہوا ہے گذران کر دیگ میں پہونچاتے ہیں پھر جوش دیکر اُسکا قند اور شکر بناتے ہیں اس طریقہ سے وہ قند یا شکر نہایت شفاف اور سفید ہو جاتا ہے اور رنگ اور بو میں کسی طرح کا تغیر واقع نہیں ہوتا مگر جو مزدور یا ملازم ہڈیاں جمع کرنے اور جلانے کے لئے مقرر ہیں وہ اتنے تمیز دار نہیں ہوتے ہیں کہ سور وغیرہ جانوروں کی ناپاک ہڈیاں دیگر حیوانات ماکول اللحم کی پاک ہڈیوں میں سے نکال لیں پس قطعی احتمال ہے کہ ان میں نجس العین جانوروں کی ہڈیاں بھی مخلوط ہیں پس مطلع فرمایئے کہ اس قند اور شکر کا استعمال کرنا مخلوط نہ ہونے کی صورت میں کیسا ہے اور مخلوط ہونے کی صورت میں کیسا ہے **جواب** صورت مسئولہ میں بر تقدیر اول یعنے مخلوط نہونے ہڈیوں خنزیر کے قند اور شکر مذکورہ در سوال پاک ہے اور اسکا کھانا جائز ہے اس لیے کہ سور کے سوا دوسرے حیوانات ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کی ہڈیاں محرق ہوں یا نہوں پاک ہیں جیسا کہ شرح وقایہ میں فصل بیرمیں ہے و شعر المیتۃ و عظمہا و حافرہا و قرنہا و شعر الانسان و عظمہ طاھر مردے کے بال ہڈی ناخن اور سینگ اور انسان کے بال اور ہڈی پاک ہے اور درمختار کے باب المیاہ میں ہے و شعر المیتۃ غیر الخنزیر علی المذہب و عظمہا و عصبہا الی قولہ طاھر

مردے کے بال سور کے علاوہ ایک مذہب پر اور اسکی ہڈی اور پٹھے سب طاہر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگر ہڈیاں
مردہ جانور کی سوائے خنزیر کے پانی خواہ اور شے طاہر میں واقع ہوں تو وہ پانی اور شے پاک ہے اُس سے
وضو اور غسل کرنا اور کھانا پینا سب درست ہے اور اگر جب وہ اور ہڈیوں کے ساتھ جلائی گئی اور
کوئلہ ہونے کے بعد بطرز مذکورہ سوال استعمال میں آئی تو وہ استعمال کے قبل پاک ہو گئی جیسا کہ
کتب معتبرہ سے ظاہر ہوتا ہے درمختار کے مسائل شتے میں ہے والحرق کالغسل من المطھرات
اور جلانا دھونی کی طرح پاک کر دیتا ہے اور اسی کتاب کے باب الانجاس میں ہے ولا یکون نجسا
رماد قذر والا لزم نجاسۃ الخبز فی سائر الامصار ولا ملح کان حمارا او خنزیرا ولا قذر
وقع فی بیر فصار طینا لانقلاب العین بہ یفتی اور گوبر کی راکھ نجس نہیں ہے ورنہ تمام شہروں میں
روٹیاں نجس ہو جائینگی اور نہ نمک جو گدھا یا سور تھا اور گوبر جو کنوئیں میں گر کر مٹی ہو گیا ماہیت کے
بدل جانے کی وجہ سے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور بھی اُس قند اور شکر کی طہارت کی وجہ دیگ میں اُسکا
جوش ہے شربت کی ہڈیوں سے گزرنیکے بعد یعنے اگر بالفرض وہ شربت ہڈی اور کوئلہ کے ملجانیکی وجہ سے
نجس ہو گیا تو اُسکے بعد دیگ میں جوش دینا طاہر کر دیتا ہے کیونکہ جوش بھی مطہرات سے ہے جیسا کہ
درمختار کے باب الانجاس میں ہے یطھر لبن وعسل ودھن یغلی ثلثا دودھ شہد، تیل تین مرتبہ
جوش دینے سے پاک ہو جاتا ہے فتاوی شامی حاشیہ درمختار میں ہے وقال فی فتاوی الخیریۃ ظاھر
کلام الخلاصۃ عدم اشتراط تثلیث وھو مبنی علی ان الظن الغالب مجزیۃ عن التثلیث
اور فتاوی خیریہ میں ہے کہ خلاصہ کا ظاہر کلام تین بار کی قید نہ لگانا ہے اور یہ اسپر مبنی ہے کہ ظن غالب
بعوض تین بار کے کافی ہے اور بھی مٹھائی کی طہارت عموم بلوہ پر مبنی ہے مثل غلہ گندم وغیرہ
یعنے غلہ گندم وغیرہ جو بدون حیوانات کی پامالی کے کاہ سے جدا نہیں ہوتا اور اُس میں بول
وبراز حیوانات کا پہونچنا لازمی ہے باوجود اسکے شرع نے اُسکو بسبب ضرورت اور احتیاج خلق کے پاک
اور کھانا اُسکا جائز کر دیا ہے علی ہذا القیاس مٹھائی کے اقسام میں بھی اول سے آخر تک طرح طرح کی
نجاستیں لاحق ہوتی ہیں باوجود اسکے وہ ایسی مرغوب اور محبوب خلائق ہے کہ کسی کو اُس سے
چارہ اور نفرت نہیں یہ اسکے اکل وشرب کا جواز قطع نظر دیگر ادلۂ جواز کے عموم بلوہ پر بھی مبنی
ہو سکتا ہے پس صورت مسئولہ میں قند اور شکر پاک اور طاہر اور اسکا اکل وشرب جائز ہے واللہ

بالصواب کتبہ عبدالرحمن عفی عنہ [عبدالرحمن] فی الواقع خنزیر کے سوا ہر جانور کی ہڈی پاک ہے اور کوئلہ ہو جانے کے بعد خنزیر کی ہڈی بھی انقلاب ذات کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہے پس شکر اور قند مذکور جو اس کوئلہ سے صاف کی جاتی ہے طاہر اور اُسکا کھانا جائز ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابوالحسنات محمد عبدالحی]

سوال ایک تالاب شہر کے کنارے واقع ہے جسکا عرض اور طول قریب ڈیڑھ سو گز نمبری ہے اور چاروں طرف سے سیکڑوں من غلیظ اُس تالاب میں پڑتا رہتا ہے اور سیکڑوں سور ہر وقت چاروں طرف اُس میں غوطے لگایا کرتے ہیں اور گرمی کے زمانے میں خشک بھی ہو جاتا ہے پس ایسے تالاب میں نہانا جائز ہے یا نہیں

جواب جائز نہیں ہے کیونکہ اس تالاب کی اصل نجس ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابوالحسنات محمد عبدالحی]

کتاب المساجد

سوال پہلے ایک خام مسجد مائل عن القبلہ تھی پھر اُس میں اور زمین شامل کر کے اور اسکو منہدم کر کے اسطرح پر پختہ مسجد بنوائی گئی کہ اُس مسجد خام کا ایک جزو بعینہ اشیاے مسجد مثلاً لوٹا رسی وغیرہ کے لیے خارج کر دیا گیا تو آیا اب اس جزو پر جو حجرے کے مثل قرار دیا گیا ہے احکام مسجد کے جاری ہونگے یا نہیں یعنی جنبی وغیرہ اُس میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں بحوالہ کتب تحریر فرمایئے ماجور ہونگے

جواب مسجد کے جمیع اجزا دائما مسجد کے حکم میں ہیں کسی جزو کو مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں اور اُسپر مسجد کے احکام ہمیشہ نافذ ہونگے بحر الرائق میں ہے لا یجوز للمقیم ان یجعل شیئاً من المسجد مستغلاً ولا مسکنا مقیم کو مسجد کے کسی حصہ کو جاے شغل یا جاے سکونت بنانا جائز نہیں ہے اور نیز اُسی میں ہے کہ قال ابو یوسف ہو مسجد ابداً ای قیام الساعۃ لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ولا نقل مالہ الی مسجد سواء کانوا یصلون کذا فی الحاوی القوی یعنی ابو یوسف نے کہا کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی ہے قیامت تک کہ کبھی میراث نہیں بن سکتی اور نہ اُسکو اُسکے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا درست ہے

سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منبر داہنی یا بائیں جانب یا وسط میں تھا اور محراب اور منبر کے درمیاں میں کتنا فرق تھا جواب مع حوالہ کتاب عربی لکھو

جواب مسجد نبوی میں حضرت

سرورِ انبیا علیہ التحیۃ والثنا اور حضرات خلفا رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں محراب نہ تھی جیسا کہ سمہودی نے
وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ میں لکھا ہے المسجد الشریف لم یکن لہ محراب فی عہدہ صلی اللہ علیہ
وسلم ولا فی زمن الخلفاء رضی اللہ عنہم بعدہ وان اول من احدث ثم عمر بن عبدالعزیز
فی عمارۃ الولید زمانۂ نبوی اور زمانۂ خلفا میں مسجد نبوی میں محراب تھی سب سے پہلے محراب حضرت عمر
بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے زمانۂ خلافت ولید میں بنائی ہے اور منبر مقام قیام امام کے داہنے طرف
تھا جیسا کہ وفاء الوفا میں ہے قال النووی فی مناسکہ وفی احیاء علوم الدین انہ ای المصلی
یجعل عمود المنبر حذاء منکبہ الایمن ویستقبل الساریۃ التی الی جانبہا الصندوق
فذلک موقف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مناسک نووی اور احیاء علوم الدین میں ہے
کہ نماز پڑھنے والوں کو چاہیے کہ عمود منبر کو اپنے داہنے شانے کے مقابل کریں اور منھ اُس ستون کی
طرف کریں جس کے کنارے پر صندوق ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونیکی
یہی جگہ تھی۔ اور منبر اور مقام مصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیچ میں چودہ گز ایک بالشت
کا فرق تھا جیسا کہ وفاء الوفا میں ہے قال ابن زبالۃ ان ما بین المنبر ومقام النبی صلے اللہ علیہ
وسلم الذی کان یصلے فیہ حتی توفی اربعۃ عشر ذراعا وشبرا ابن زبالہ نے کہا ہے کہ منبر اور
اُس مقام کا درمیانی فاصلہ جہاں رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے اپنی وفات تک نماز پڑھی
چودہ گز ایک بالشت تھا۔ اور منبر وسط مسجد میں تھا اور فاصلہ درمیان اُس کے اور درمیان
چھت قبلہ کے بقدر ایک گز کے تھا جیسا کہ وفاء الوفا میں ہے قد روی یحیی فی ترجمۃ ماجاء فی زیادۃ
الولید ان عمر بن عبدالعزیز حضر رجالا من قریش فاروہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الذی زاد فیہ عثمان فعلم عمر بن عبدالعزیز المسجد الاول الذی کان فی عہدہ
صلے اللہ علیہ وسلم فکان جدار القبلۃ من وراء المنبر ذراعا واکثر من ذراع یحیی نے ولید کی
زیادتوں کے بیان میں کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز قریش کے لوگوں کے پاس گئے پس اُنھوں نے
آپ کو مسجد نبوی دکھلائی اور اس میں جو زیادتی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی دکھائی پس
عمر بن عبدالعزیز کو اصلی مسجد جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھی معلوم ہو گئی اس میں قبلہ رخ
دیوار منبر سے ایک گز یا کچھ زائد پیچھے کو ہٹی ہوئی تھی۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے موضع المنبر لم یغیر

ویبعد کل البعد ان یحول النبی صلی اللہ علیہ وسلم موضع منبرہ فی طرف مسجدہ ولا بتوسط اصحابہ منبر کی جگہ بدلی نہیں گئی اور یہ بات بہت بعید ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوات منبر کی جگہ اپنی مسجد کے کنارے میں مقرر فرمائیں اور وسط اصحاب میں اُسے نہ رکھوائیں **سوال** ایک ویران محلے میں دو مسجدیں تھیں اس میں سے ایک مسجد بارش میں منہدم ہوگئی اور ایک مسجد اسکے قریب باقی ہے اور وہاں کے اہل محلہ اکثر شیعہ ہیں اور وہ محلہ بھی بالکل گر گیا ہے اور محلہ کی آبادی کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی پس اس صورت میں اسباب مسجد منہدمہ کا لیکر اگر دوسری جگہ کسی مسجد کی مرمت میں صرف کیا جائے یا دوسرے محلہ میں اُسی اسباب سے کوئی مسجد بنائی جائے تو جائز ہے یا نہیں **جواب** بعض فقہا جیسے قاضی خان اپنے فتاوے میں اور ملا خسرو درر میں اور غزی تنویر الابصار میں ایسی صورت میں لکھتے ہیں کہ جب مسجد خراب ہو جائے اور اُسکی آبادی کی کوئی صورت نہو تو دوسری مسجد کی مرمت کے لئے اُس منہدمہ مسجد کا اسباب منتقل کرنا جائز ہے لیکن مفتی بہ یہ ہے کہ جائز نہیں کیونکہ مسجد منہدمہ کا اسباب وقف ہے اور وقف میں کسی کو تصرف کرنا جائز نہیں اہل اسلام کو لازم ہے کہ بقدر ہمت و وسعت اُسی مسجد منہدمہ کی تعمیر کر دیں اور اُسکا اسباب اُسی میں لگا دیں کہ ادھر سے گزرنے والے مسلمان اُس میں نماز ادا کریں بلکہ نئی مسجد کے بنانے سے پرانی مسجد کو درست کرنے میں زائد ثواب ہے۔ بحر الرائق میں ہے قال محمدؒ اذا خرب المسجد ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ فانہ یعود الی ملک الواقف وقال ابو یوسفؒ ھو مسجد ابدا الی قیام الساعۃ لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اٰخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا وعلیہ الفتوی کذا فی الحاوی القدسی امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب مسجد خراب ہو جائے اور کوئی اُسے تعمیر کرنے والا نہو اور لوگ اُس سے مستغنی ہوں تو وہ ملک واقف میں عود کرآتی ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ تا قیام قیامت ہمیشہ مسجد رہے گی کبھی میراث نہوگی اور اُس کے یا اُسکے مال کی نقل دوسری مسجد کے جانب خواہ لوگ نماز پڑھتے ہوں یا نہیں ناجائز ہے اور اسی پر فتوی ہے ایسا ہی حاوی قدسی میں ہے اور شرنبلالی سعادۃ الساجد لعمارۃ المساجد میں لکھتے ہیں فی یتیمۃ الدھر سئل علی بن احمد عن مسجد خرب مات اھلہ ومحلۃ اخری فیہا مسجد ھل لاھلہا ان یصرفوا وجہ المسجد الخراب الی ھذا المسجد قال لا انتہی واذا علمت ھذا

فما ذکرہ فی الدر رد فتاوی قاضیخان من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف
ما علیہ الفتوی کما ھو المذکور فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانۃ المفتیین وقد مشی
الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتی بہ من عدم نقل بناء المسجد
یتیمۃ الدہر میں ہے کہ علی بن احمد سے اس مسجد کے متعلق پوچھا گیا جو خراب ہو گئی ہو اور اُسکے اہل مر گئے ہوں
اور دوسرے محلے میں مسجد موجود ہو تو کیا اہل محلہ کو خراب مسجد کا مال اُس مسجد کی جانب نقل کر لینا جائز ہے
تو انھوں نے کہا کہ نہیں انتہٰی اور جب تمھیں یہ معلوم ہوا تو جو کچھ درر اور فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ نقل
مسجد جبکہ وہ خراب ہو جائے جائز ہے مذہب مفتی بہ کے خلاف ہے جیسا کہ حاوی میں ہے اور خلاف مذہب
صحیح ہے جو خزانۃ المفتیین میں مذکور ہے اور شیخ امام محمد بن سراج الدین حانوتی قول مفتی بہ کی جانب
گئے ہیں کہ بنائے مسجد کی نقل ناجائز ہے۔ اور علامہ مختار بن زاہد نے مجتبی میں تصریح کی ہے کہ اکثر مشائخ
حنفیہ فتوی عدم جواز نقل کا دیتے ہیں **سوال** زید کسی علت کی وجہ سے اسلامیہ مدرسہ سے چھڑا دیا گیا
چونکہ کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں تھا اسلئے مسجد میں قیام کر کے لڑکوں کو پڑھانے لگا اور اسی کو اپنے اور بعض غیر مستطیع
طلبہ کے لئے وجہ معاش مقرر کر لیا کچھ دنوں کے بعد دوسری آباد مسجد میں اُسکی مدورفت بڑھی اُس نے خیال کیا
کہ اگر اس مسجد میں جمعہ کی نماز اور اُسکے بعد وعظ ہوا کرے تو بہتری آمدنی خوب ہو جائے گی یہ خیال کر کے اس مسجد کے
بعض نمازیوں سے دوستی بڑھا کر پرانے اماموں سے دو تین جمعہ کے لیے اجازت لیلی جب زید کو قدیم اماموں
نے کم علمی کے سبب اجازت دیدی اور جمعہ کی نماز کا امام کر دیا اور خود بھی اُسکے پیچھے پڑھنے لگے تب زید
کا مسجد میں آنا جانا ہو گیا تو اُسکے سب شاگرد ایک ایک کر کے اُس مسجد میں آکے رہنے لگے اور قدیم اماموں
اور موذن کی موجودگی اور عدم موجودگی میں جو کچھ نقد وجنس مسجد میں آتا اُسپر قبضہ کرتے اور محلہ کے
لوگوں نے بھی زید کی خدمت کرنا شروع کی پرانے اماموں کو دینا بند کر دیا اس سے اُن کو خیال ہوا
کہ زید نے محلہ والوں سے اتحاد پیدا کر لیا ہے کیا عجب ہے کہ ہم کو یہاں سے نکلوا دے اس خیال سے انھوں نے
زید کو امامت سے جو درحقیقت اُنھیں کا حق تھا روکا اور کہدیا کہ اگر تمکو نماز جمعہ پڑھنے کا شوق ہے تو فلاں مسجد
میں جہاں جمعہ ہوتا ہے امام کے پیچھے پڑھا کرو ہم زید کو امام بنانا کسیطرح پسند نہیں کرتے زید کے مددگاروں
نے بہت کوشش کی کہ زید ہی امام رہے مگر اُن لوگوں نے منظور نہ کیا زید نے اُسکو اپنی توہین سمجھکر
پرانے اماموں سے پرخاش پیدا کی اور زید کے اغواء سے اہل محلہ بھی جو اُسکے ہمخیال ہو گئے تھے پرانے

اماموں سے خلاف ہوگئے اور کہا اگر تم زید کو امامت نہ کرنے دو گے تو ہم تمہیں مسجد سے نکالدیں گے چونکہ کچھ لوگ پرانے اماموں کے بھی موافق تھے اُنھوں نے زید کے موافقین سے کہا کہ اگر تم مثل سابق کے پرانے اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہو تو پڑھو ورنہ جہاں زید امامت کرے تم بھی وہیں پڑھو ہم یہاں کسطرح زید کو امامت نہ کرنے دینگے جب زید کو آسانی سے امامت نہ مل سکی تو اُسکے طرفداروں نے تھانہ میں رپٹ لکھوائی کہ ہم لوگ فلاں محلہ میں زید کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اب پرانے امام زید کو امامت نہیں کرنے دیتے کل جمعہ ہے ہم زید کو امام بنائینگے اور اگر پرانے اماموں نے روکا تو کشت وخون ہوگا۔ ملازمین سرکاری مثلاً تھانہ دار وغیرہ نے کہا کہ جب وہ لوگ پرانے امام اور مسجد کے بانی اور متولی ہیں تو اُنکی بلا رضامندی دوسرا امام مقرر کرنا تمھاری طرف سے بناء فساد نہیں تو اور کیا ہے بلکہ مزید کہا کہ پرانے اماموں کو اس سے امامت سے ازالہ حق ہے اگر تم اُنکی مخالفت کروگے تو خود ملزم ہوگے مگر ہوا خواہان زید نے نہ مانا اور کہا کچھ ہو ہم کل زید کو امام ضرور بنائیں گے پولیس نے اپنے افسروں کو اطلاع دی حاکم وقت نے بلوے کے خوف سے پولیس کو حکم دیا کہ مسجد کے سامنے حاضر رہے جس گروہ کی زیادتی دیکھے اُسے گرفتار کرے جب تھانہ والے یہ حکم پایا دونوں فریق کو بلا کر سمجھایا زید حاکم کے حکم سے ڈر گیا اور اپنے ہوا خواہوں سے کہا کہ پرانے اماموں کے پیچھے نماز پڑھ لو اسکے بعد اسی مسجد کے پاس ایک دوسری مسجد بناوئیں لوگوں کو نئی مسجد میں نماز پڑھنے کی رغبت دلاؤنگا یہ پرانی مسجد آپ ہی ویران ہو جائے گی زید کے جانبدار قدیم اماموں سے برگشتہ تھے ہی اُنھوں نے جو تعداد میں دس بارہ آدمی تھے زید کے کہنے پر عمل کیا اور قدیم اماموں کے پیچھے نماز ترک کردی جماعت کے وقت علیحدہ بیٹھے رہتے تھے بعد میں جماعت سے یا تنہا نماز پڑھتے تھے پھر باوجودیکہ اُس محلہ میں چار مسجدیں اور موجود تھیں پھر بھی اس مسجد سے دس گز کے فاصلہ پر ایک مسجد اور تیار کرنے کے لئے چندہ جمع کیا اور ایک مسجد کی بنیاد ڈالکر تعمیر شروع کردی غرضکہ ایسا ہی کیا اگرچہ علمانے بھی منع کیا اور کہا یہ نئی مسجد مسجد ضرار ہوگی مگر زید نے ایک نہ مانی اور اپنے دل سے چند عذر نامعقول گڑھ کے اپنے ہوا خواہوں سے کہا کہ یہ مسجد بنانا جائز ہے اور اسپر ضرار کا حکم ثابت نہیں ہوسکتا (۱) آیت ضرار کا حکم خاص ہے عام نہیں ہے (۲) ضرار کے بانی منافق تھے اور تم لوگ مسلمان ہو (۳) چونکہ پرانے اماموں نے اقامت جمعہ سے اور زید کے پیچھے نماز ادا کرنے سے روکا ہے اسلئے اس مسجد پر مسجد کا حکم باقی نہیں رہا پس اُسکے پہلو میں جو مسجد بنائی جائیگی وہ مسجد ضرار نہیں ہوسکتی

ہدم اور احراق مسجد ضرار کا حکم اس وجہ سے دیا گیا تھا کہ اُس مسجد میں بت رکھے گئے تھے ضرار یت کی وجہ سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا پس زید ضد کی وجہ سے اس آیت سے نذر ہو کر ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا (تم کو کسی قوم کی عداوت اس امر میں کہ اُنھوں نے تمھیں مسجد حرام سے باز رکھا ہے حد سے تجاوز کرنے پر آمادہ نہ کرے) پرانی مسجد کے خراب کرنے میں کوشش کرتا ہے پس ایسی حالت میں کیا حکم ہے **جواب** اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ نئی مسجد جو نفسانیت اور عداوت اور قدیم مسجد کو ضرر پہونچانے کی غرض سے تیار ہوئی ہے مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے ایسی مسجد بنانے میں سوا گناہ کے کوئی ثواب نہیں ہے تفسیر کشاف اور مدارک میں زیر آیت ضرار لکھا ہے قیل کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاء وسمعۃ اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار (کہا گیا ہے کہ جو مسجد فخر یا مکاری یا بناوٹ یا رضاء الٰہی کے علاوہ کسی اور غرض سے بنائی گئی ہو حلال مال سے نہ بنائی گئی ہو اُسکا حکم مسجد ضرار کا ہے) اور یہی کشاف میں ہے عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی ید عمر امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی المدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ عطا نے بیان کیا ہے کہ جب خدا کے فضل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے ملک فتح کیے تو آپنے لوگوں کو حکم دیا کہ مسجدیں بناؤ مگر کسی شہر میں ایک سے زائد نہ بناؤ کیونکہ زائد مسجدیں میں ایک دوسرے کو ضرر پہونچاتی ہے۔ اور تفسیر احمدی میں ہے فالعجب من المشائخین المتعصبین فی کل ناحیۃ مسجد طلبا للاسم والرسم واستعلاء لشانھم واقتداء بآباءھم ولم یتاملوا مافی ھذہ الآیۃ والقصۃ من شناعۃ حالھم سواء انعالھم پس تعجب ہے کہ ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ ہر محلہ میں محض اپنے نمود اور نام اور برتری اور آبا واجداد کی تقلید میں مسجدیں بناتے ہیں اور اس آیت کے معانی پر غور نہیں کرتے اور اس قصے میں جو انکی بدبختی اور بداعمالی بیان کی گئی ہے اُسے نہیں دیکھتے۔ اور بانی مسجد جو عذر پیش کرتا ہے وہ ہرگز قابل التفات نہیں ہے پہلا عذر اس وجہ سے کہ یہ دعوے بلا دلیل ہے کہ حکم ضرار خاص ہے ہم نے مفسرین و محدثین و فقہا میں سے کسیکو اس کا قائل نہیں دیکھا بلکہ ہر کس و ناکس اُسکے عموم کا قائل ہے اور قول بلا دلیل مردود ہے اور دوسرا عذر اس وجہ سے کہ گو بانیان مسجد ضرار منافق تھے مگر موافق العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب کے یعنے لفظ کے عموم کا اعتبار ہے سبب کے خصوص کا اعتبار نہیں ہے جو تمام کتب میں موجود ہے یہ حکم عام ہے اور تیسرا عذر اس وجہ سے

کہ اقامت جماعات سے منع کرنا ایسا فعل نہیں ہے جسکی وجہ سے وہ مسجد جس میں اقامت جماعات سے کسی
کو روکا ہو مسجد کے حکم سے نکلجائے اور چوتھا عذر اس وجہ سے کہ مسجد ضرار کے قصہ کو بہت سے محدثین نے
روایت کیا ہے کسی میں بھی یہ نہیں ہو کہ ہدم اور احراق مسجد ضرار کا اسوجہ سے تھا کہ اُسمیں بت رکھے
گئے تھے بلکہ صاف طور سے یہ بات ظاہر ہے کہ احراق دفع ضرار کے لئے کیا گیا تھا واللہ اعلم حررہ
ابو الحسنات محمد عبدالحی واقعی یہ مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہو اور اُسکے بانیوں کو ثواب نہ ہوگا اور آیت کا حکم
عام ہو اور زید کے دلائل غیر معتبر واللہ اعلم حررہ ابو الاحباب محمد نعیم **سوال** کسی بزرگ نے محلہ میں مسجد
بنوائی تھی اور مُدت دراز کے بعد وہ احاطہ مسجد منہدم ہوگیا اب بانی مسجد کی اولاد سے چند شخص
ملکر یہ چاہتے ہیں کہ اس قدیم مسجد کو بنوا کر آباد کریں چنانچہ آدھی سے زائد تیار بھی ہو چکی ہو اب اہل
محلہ میں سے ایک شخص جو بانی مسجد کی اولاد میں سے نہیں ہو مانع ہوتا ہے اور کہتا ہے ہمیں اس بات کا
حق حاصل ہو کہ اس مسجد کو توڑ ڈالیں کیونکہ میرے دادا نے اسکو بنایا تھا میرے سوا اور کسی کو اُسکے بنانے
یا توڑنے کا حق نہیں ہو اور اصلی کیفیت یہ ہو کہ مسجد قدیم کے منہدم ہوجانے کے بعد جد مانع مسجد قدیم
اس ردیہ سے (جو ایک بیوہ عورت نے کہ بانی مسجد کی معتقدین میں سے تھی) مسجد منہدمہ کی
تعمیر شروع کی لیکن وہ ادھوری رہکر ایک عرصہ میں مسمار ہوگئی پھر پدر مانع مسجد قدیم نے ایک مکان
جدید بنام نہاد مسجد انھیں اشخاص کی زمین مشترکہ میں جو اب تعمیر مسجد قدیم کی کرتے ہیں بنایا اور اُس میں
دو صورت علم کی جس میں چند تیغیں نصب ہیں اور عشرۂ محرم میں پھول اور سہرہ اُن تیغوں میں چڑھتا ہے
اور دسویں محرم کو تعزیہ کی طرح وہ پھول اور سہرہ دفن ہوتا ہے اور بانی مسجد جدید یعنی پدر مانع
و قامع مسجد قدیم کا عقیدہ یہ ہو کہ معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دینا ہو بلکہ اپنے بعض
تصانیف میں لکھا ہو (ہر کہ لعنت براو نکند لعنت برآنکس باد) اسلئے بعض اشخاص محلہ اور مالک زمین
مشترکہ مسجد جدید جو اب تعمیر مسجد قدیم کرتے ہیں اس جدید مسجد میں نماز نہیں پڑھتے اور مانع مسجد قدیم بھی
صورت علم کو منہدم نہیں کرتا اور کہتا ہو کہ یہ صورت علم میرے باپ نے بنائی ہو اور دو تین آدمی کہتے ہیں ہم اسے نہ توڑیں گے
اور جو توڑے گا اُس سے مزاحمت کرینگے اور اب تھوڑے زمانے سے مانع مسجد قدیم اس محلہ سے دوسرے محلہ
میں چلا گیا ہے تو ایسی صورت میں بنانا اس مسجد قدیم کا اُن لوگوں کو جو اولاد بانی مسجد قدیم ہیں بحیثیت وراثت
یا بحیثیت حق اسلام جائز ہو یا نہیں اور وہ مسجد جدید جسمیں صورت علم ہے اور زمین مشترکہ میں بلا رضامندی

دیگر شرکا تیار ہوئی ہو مسجد کے حکم میں ہو یا نہیں اور مانع مسجد قدیم کو جواب نصف سے زیادہ تیار ہے
حق انہدام کا ہے یا نہیں اور حق میں تمام مسجد یعنے توڑنے والے کے علماء دین کیا حکم دیتے ہیں ان
سب امور مستفسرہ کو کتب سے مفصل بیان فرمائیں اور مانع مسجد قدیم یہ بھی کہتا ہو کہ عرس حضرت
خواجہ عثمان ہارونی میں جو میری طرف سے ہوتا ہے اور فقرا اگر مسجد میں بیٹھتے ہیں اس واسطے ہم اُس
کو منہدم کر دینگے تو کیا نشست فقراء چند روز سے مسجد میں ہونے لگی ہے باعث انہدام مسجد ہے
جواب وہ مسجد جو مشترک زمین پر بلا رضامندی شرکا تیار ہوئی ہو حکم مسجد میں نہیں ہو کیونکہ صحت
وقف کے شرائط میں سے مملوک ہونا بھی ہو جیسا کہ بحر الرائق میں ہو ومن شرائطہ ملك الواقف وقت
الوقف اور وقف کی شرطوں میں سے واقف کا وقف کے وقت مالک ہونا بھی ہو اور قدیم مسجد کی
تعمیر کا حق اہل محلہ اور بانی مسجد کو حاصل ہو اور کسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہو ردالمحتار میں ہے اما ھلھا ای اھل المحلۃ
فلھم ان یھدموہ ویجددوا بناءہ ویفرشوا الحصیر ویعلقوا القنادیل لکن من مالھم لا من مال
المسجد ویضعوا حیضان الماء للشرب والوضوء ان لم یعرف للمسجد بان والا فالبانی اولی ولیس
لورثتہ منعھم من نقضہ والزیادۃ فیہ اہل محلہ کو حق ہو کہ مسجد کو کھود کر پھر سے بنائیں اور چٹائی بچھائیں
اور قندیلیں لٹکائیں مگر اپنے مال سے مسجد کے مال سے نہیں اور پینے اور وضو کرنیکے لئے حوضیں بنائیں اگر مسجد کے بانی کا علم نہو
اور اگر بانی معلوم ہو تو وہ زائد مستحق ہو اور اسکے ورثہ کو توڑنے اور زیادتی کرنیسے روکنے کا حق نہیں ہو جبکہ تعمیر کرنیوالے
اہل محلہ اور بانی قدیم کی اولاد سے ہیں تو انھیں استحقاق تعمیر کا حاصل ہو اور مانع کو ممانعت حرام ہو اور
تعمیر شدہ مسجد کو گرا دینا سخت گناہ ہو اللہ تعالی فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان
یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا۔ اور کون زائد ظلم کرنیوالا ہو اُس شخص سے جس نے خدا کی
مسجدوں میں مسلمانوں کو اُسکا نام لینے سے روکا اور اُن کی خرابی کی کوشش کی حررہ ابو الحسنات
محمد عبد الحی **سوال** اراضی جس میں ہندو اور مسلمان دونوں کا حصہ ہو اور ابتک وہ اراضی تقسیم نہیں ہوئی
اگر کوئی شخص بلا اجازت ہنود اس اراضی پر مسجد بنا لے تو درست ہو یا نہیں **جواب** بحر الرائق میں ہو
من شرائطہ ملك الواقف عند الوقف وقف کی شرطوں میں سے واقف کا وقف کے وقت مالک
ہونا بھی ہو پس جو مسجد مشترک زمین پر بلا اجازت شرکا بنائی جاویگی وہ شرعا مسجد نہوگی اور اُس
میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہ ہوگا صدر شہید کتاب الواقعات میں لکھتے ہیں بنی مسجدا

علی سور المسجد لا ینبغی ان یصلے فیھا لان السور حق لعامۃ فلا یجعل خالصا للہ وصار کما لو بنی المسجد
علی ارض الغصب جو مسجد دوسری مسجد کی دیوار پر بنائی جائے اُسمیں نماز نہ پڑھنا چاہیئے کیونکہ دیوار عامۂ ناس کا
حق ہو پس وہ خدا کا خالص حق نہیں ہوسکتا اور اُسکی حالت وہی ہو جو غصب کی ہوئی زمین پر بنی ہوئی
مسجد کی ہو **سوال** حجرۂ مسجد جو صحن یعنی مسجد کے چبوترے میں واقع ہو اور نماز جماعت کے وقت اُس حجرے
کے محاذی نماز پڑھنے والے کھڑے ہوتے ہیں اُس حجرے میں ایک شخص تجارت کا کاروبار کرتا ہے اور کفار از سر
صحن مسجد سے ہو کر اُس حجرے میں جاتے ہیں اور اسباب مسجد کی حجرہ خالی نہ ہونے کیوجہ سے حفاظت بھی نہیں ہوسکتی
نہ کوئی مسافر اور طالبعلم بوجہ رکھنے اشیاء تجارت کے وہاں رہ سکتا ہو پس یہ فعل جائز ہے یا نہیں **جواب**
اگر وہ حجرہ مسجد میں داخل ہو تو اُس میں خرید فروخت کرنا خصوصًا اسباب تجارت رکھنے کے ساتھ مکروہ ہو
درمختار میں ہو ویکرہ کل عقد الا لمعتکف بشرط اور تمام عقود مکروہ ہیں مگر معتکف کے لئے ایک شرط سے
اور شرط کی تفصیل صاحب ردالمختار نے یہ کی ہو قولہ بشرط ھو ان لا یکون للتجارۃ بل یکون ما یحتاجہ
لنفسہ او عیالہ بدون احضار السلعۃ اور شرط یہ ہے کہ تجارت کے طریقے پر نہو بلکہ اس مقدار کی
بیع ہو جسکی اُسے یا اُس کے اہل و عیال کو احتیاج ہو اور جو چیز فروخت کی جارہی ہو وہ وہاں نہ لائی گئی ہو
اور بھی درمختار کے باب الاعتکاف میں ہو وکرہ ای تحریمًا احضار مبیع فیہ کما کرہ فیہ مبایعۃ غیر المعتکف
مطلقًا انتھے مبیع کا مسجد میں لانا مکروہ تحریمی ہو جیسا کہ غیر معتکف کا مطلقًا بیع کرنا مکروہ تحریمی ہے نہی کے
سبب سے صاحب ردالمختار اسی قول کے تحت میں مطلقا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای سواء احتاج الیہ
لنفسہ او عیالہ او کان للتجارۃ احضرام لا خواہ اُسے اپنے لئے ضرورت ہو یا اپنی اولاد کے لئے یا تجارت
ہو اور وہ چیز لائی گئی ہو یا نہ لائی گئی ہو اور جامع ترمذی میں ہو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نھی عن الشراء والبیع فی المسجد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بیع و شراء سے
ممانعت فرمائی ہو اور کفار کا مسجد میں داخل ہونا اگرچہ حنفیہ کے نزدیک درست ہو لیکن کسی جزو مسجد کو
راستہ بنانا اور اس میں کاروبار دنیاوی کے لئے آمد و رفت کرنا جائز نہیں وکرہ تحریمًا اتخاذہ طریقًا
لغیر عذر بغیر کسی عذر کے مسجد کو راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی
ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** مسجد کی تعمیر میں ہندو کا روپیہ لگانا جائز ہے یا نہیں خواہ اُن سے
کوئی چندہ کی تحریک کرے یا بغیر کسی تحریک کے دونوں صورتوں میں فتویٰ کیا ہے **جواب** نہیں

کیونکہ معتبر کتابوں میں ہے کہ ہندو کا مال معابد اہل اسلام میں لگانا منع ہے **سوال** مکان کی چھت کو مسجد کا صحن بنانا جائز ہے یا نہیں صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مکان بقدر کرسی اونچی کر کے اُس پر مسجد تعمیر کرائی ہے اور کرسی کے سامنے مسافرخانہ کے طور پر مکانات تعمیر کیے ہیں تو اُن مکانوں کی چھت کو مسجد کا صحن بنایا ہے **جواب** اگر مکان بھی مسجد ہی کے نفع کے لئے ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں صحن مذکور صحن مسجد کے حکم میں نہ ہوگا **سوال** ایک مسجد کے متولیوں میں سے تین شخص موجود ہیں اور تینوں غنی صاحب نصاب ہیں منجملہ ان کے ایک شخص چاہتا ہے کہ جائداد جو مسجد کے چندہ سے مسجد کے دروازہ وغیرہ پر بنی ہے اُسکی آمدنی سے بایں وجہ کہ اس نے چندہ میں کوشش کی ہے بعوض تولیت یا وعظ کوئی تنخواہ لے اور بلا اجازت دیگر متولیان مکان مسجد میں بلا کرایہ خود سکونت اختیار کرے یہ جائز ہے یا نہیں **جواب** متولی کو مکانات مسجد میں رہنا اور تنخواہ لینا درست نہیں ردالمحتار میں ہے وفی الجواھر القیم اذا لم یراع الوقف یعزلہ القاضی وفی خزانۃ المفتیین اذا زرع القیم لنفسہ یخرجہ القاضی من یدہ قال البیری یؤخذ من الاول ان الناظر اذا امتنع من اعارۃ الکتب الموقوفۃ کان للقاضی عزلہ ومن الثانی لو سکن الناظر دار الوقف ولو باجر المثل لہ عزلہ لانہ نص فی خزانۃ الاکمل انہ لا یجوز لہ السکنیٰ ولو باجر المثل جواہر القیم میں ہے کہ جب متولی وقف کی رعایت نہ کرے قاضی اُسے بدل دیگا اور خزانۃ المفتیین میں ہے کہ جب متولی اپنے لئے زراعت کرے تو قاضی وقف کو اُس کے ہاتھ سے نکال لیگا بیری نے کہا ہے کہ اول قول سے یہ امر اخذ کیا جاتا ہے کہ ناظر جب لوگوں کو وقفی کتابوں کے عاریت دینے سے باز رہے تو قاضی کو چاہیئے کہ اُسے معزول کردے اور دوسرے سے یہ بات اخذ کیجاتی ہے کہ ناظر اگر مکان وقف میں سکونت اختیار کرے گو کہ وہ دوسرے ہی کے برابر کرایہ دے تو قاضی کو لازم ہے کہ اُسے معزول کردے کیونکہ خزانۃ الاکمل میں ہے کہ ناظر کے لیے مکان وقف میں سکونت کرنا گو کہ وہ دوسرے ہی کے برابر کرایہ دے ناجائز ہے البتہ متولی کو اتنی تنخواہ لینا جو واقف نے مقرر کی ہو اور اگر نہ مقرر کی ہو تو بقدر اجر مثل لینا درست ہے درمختار میں ہے لیس للمتولی اخذ زیادۃ علی ما قررہ الواقف اصلا ویجب صرف جمیع ما یحصل من نماء وعوائد شرعیۃ وعرفیۃ لمصالح الوقف الشرعیۃ الکل من قنیۃ وللمصنف قلت لکن سیجیٔ فی الوصایا ومر ایضا ان للمتولی اجر مثل عملہ انتہی ملخصاً متولی کے لیے جتنا واقف نے مقرر کر دیا ہے اُس سے زائد لینا قطعاً ناجائز ہے اور تمام زیادات

ومنافع شرعی وعرفی کو وقف کے مصارف شرعی میں خرچ کرنا چاہیئے (یہ فتاوی مصنف سے ماخوذ ہے) میں کہتا ہوں کہ عنقریب مسایل کے بیان میں آئیگا اور اوپر بھی گذر چکا ہے کہ متولی جتنا کام کریگا اتنی ہی اُسے اُجرت ملے گی درمختار کی عبارت کا خلاصہ ختم ہوا حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال نمازیوں کی راحت اور زینت مسجد کے خیال سے مسجد مین فرشی پنکھا لگانا اور اوقات مناسب پر اُسکا استعمال جائز ہے یا نہیں جس طرح مسجد کی زینت عمدہ فرش اور شامیانہ سے کی جاتی ہے

جواب مسجد میں فی نفسہ پنکھا لگانا مباح ہے کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں ہے اور نہ کوئی روایت فقہیہ معتبرہ اس میں نظر سے گذری البتہ ابن الحاج مالکی نے مدخل میں تحریر کیا ہے ینبغی لہ ان یتحفظ من ھذہ المراوح ان کان فی المسجد اذ انہا بدعۃ وقد انکر مالک الاشیاء التی تعھد فی البیوت ان تعھد فی المساجد لانہا لم تکن من فعل السلف وان کانت مباحۃ فی غیرہ موذن کو پنکھوں سے پرہیز کرنا چاہیے اگر وہ مسجد میں ہو کیونکہ یہ بدعت ہے اور امام مالک نے مسجد میں ان اشیا کے لانے کو ناپسند فرمایا ہے جو عموماً گھر کے کاموں کے لیے ہوا کرتے ہیں کیونکہ یہ زمانہ سلف میں نہ تھا گو مباح ہے لیکن ظاہر ہے کہ اُسکا بدعت شرعیہ ہونا جو موجب ضلالت ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ بدعت شرعیہ عبادات میں ہوتی ہے نہ مباحات میں اسی وجہ سے طرق مباحہ ملبس ومسکن ومطعم وغیرہ میں بالاتفاق باعث ضلالت نہیں گو مستحدثات سے ہوں البتہ بدعت لغویہ بدعت مباحہ ہے پس بلحاظ کمال اتباع سلف صالح اُسکا ترک اولی ہوگا اور اسکا ارتکاب موجب ضلالت یا کراہت نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ اُس سے نمازیوں اور حاضرین مجلس کو آرام پہونچانا مقصود ہو کیونکہ انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی کہ ہر شخص کے اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر آدمی کو اُسکی نیت کے موافق ثواب یا عذاب ہے اور بہت نظیریں موجود ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں جن چیزوں کا وجود نہ تھا اور ضرورت کی وجہ سے پھر اُن کے جواز کا فتوی دیا گیا حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال محلہ کے چند بوڑھے اور معذور لوگوں نے اپنے مکان کے قریب ایک مختصر سی مسجد اسلیے بنائی ہے کہ اُس میں پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھیں اور دور والی مسجد میں نہ جاسکنے کی وجہ سے نماز جماعت کے ثواب سے محروم نہوں اور اس مسجد بنانے سے کسی مسجد کا اضرار مقصود نہیں ہے اور اس جدید مسجد کے ادھر ادھر رہنے والے وقتاً فوقتاً اُس پرانی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور اگرچہ دونوں مسجد والے کے [illegible] استعداد ہیں کہ نمازی

جماعت کے ساتھ ہو مگر پھر بھی پرانی مسجد میں جماعت بڑی اور نئی مسجد میں چھوٹی جماعت ہوتی ہے تو
کیا اس صورت میں یہ نئی مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں اور گانؤں کے چند لوگ اس مسجد کو مسجد ضرار کا
حکم دیتے اور والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا الآیۃ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں اور
جدید مسجد کے بانی کہتے ہیں کہ ہم نے یہ مسجد ریاکاری یا فخر یا کسی ورناجائز غرض سے اسکو نہیں بنایا ہے
اور اُن سب باتوں کا نہ ہونا مسجد کی حالت سے ظاہر بھی ہے اور ان دونوں مسجدوں کے بیچ میں چار
پانچسو قدم کا فاصلہ ہے **جواب** اس صورت میں نئی مسجد بنانا جائز اور امتثال امر نبوی ہے عن عائشۃ
رضی اللہ عنہا قالت امر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف
ویطیب رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر محلہ اور ہر سرا اور ہر قبیلے میں مسجد بنانے کا حکم دیا ہے بشرطیکہ قصد
ضرار نہو تاکہ ہر محلہ کے لوگ اپنے محلہ میں جماعت سے نماز ادا کر سکیں اور آپ نے فرمایا ہے کہ اپنی مسجدوں کو
پاکیزہ اور خوشبو دار رکھو اُنکی ذاتی عظمت کے لحاظ سے اور ملائکہ کی حاضری اور نشاط مومنین کے
خیال سے جب اس مسجد کے بنانے سے پنجوقتہ نماز پڑھنے والوں کا ثواب اہل مسجد کو ملتا ہے تو ضرور ہے
کہ اُنکی نیت ٹھیک ہو گی اور اس جدید مسجد کا بانی اُس ثواب کا مستحق ہے جو حضور روحی فداہ نے
ارشاد فرمایا ہے من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ اُسکے
کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے اور مسجد جدید کی ضراریت پر آیہ کریمہ والذین اتخذوا مسجدا ضرارا
وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا
الا الحسنے واللہ یشہد انہم لکاذبون اور جنھوں نے بنائی ایک مسجد ضد اور کفر اور مسلمانوں میں پھوٹ
ڈالنے کے لیے اور واسطے انتظار اُس شخص کے جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور رسول سے آگے سے اور اب قسمیں کھائینگے
کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں) سے استدلال لانا غلط ہے تفاسیر میں اس
واقعہ کا بیان یوں لکھا ہے کہ حضور کے مکہ سے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے ابو عامر ایک راہب قبیلہ خزرج کے
شرفا میں سے تھا جو علوم توراۃ وانجیل سے واقف اور دین عیسائی رکھتا تھا ہمیشہ حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اہل مدینہ کے سامنے کیا کرتا لوگ آپ کے اوصاف سننے کے لئے جوق جوق ہر طرف
سے روز آکر اُسکے پاس جمع ہوتے جب حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا خود مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے

تو مدینہ کے تمام لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے اور اُس راہب کے یہاں جانا ترک کر دیا چونکہ آپ کی تشریف آوری سے اُسکی وجاہت میں فرق آ گیا اسلئے عناداً اُس نے مدینے کے لوگوں کو حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے اتباع اور محبت سے روکنا شروع کیا لوگوں نے کہا تو پہلے انھیں کی مدح کرتا تھا اب کیوں مخالفت پر آمادہ ہے اُس نے جواب دیا کہ یہ میرے ممدوح نہیں ہیں بلکہ میرے ممدوح کے مشابہ ہیں جب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو بلا کر اسلام کی دعوت کی تو وہ اپنے حب جاہ سے ایمان نہ لایا اور پوچھا جو دین تم لائے ہو کون دین ہے آپ نے فرمایا میں دین ابراہیمیہ حنیفیہ لایا ہوں ابو عامر نے کہا میں اُسی دین پر ہوں آپ نے فرمایا تو اُس پر نہیں ہے اُس نے کہا میں اُسی دین پر ہوں مگر تم نے اس دین کو اصلی حالت پر نہیں رکھا ہے بلکہ اُسکے سوا دوسرے دینوں کی چیزیں ملا دی ہیں آپ نے فرمایا میں نے ایسا نہیں کیا ہے بلکہ اُس دین کو غیر حق کی آمیزش سے پاک اور صاف لایا ہوں۔ ابو عامر راہب نے کہا ہم دونوں میں سے جھوٹے کو اللہ تعالیٰ تنہا بحالت سفر خانماں سے دور موت دے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی اور اُسی وقت سے آپ نے فاسق اُس کا نام رکھدیا۔ آخر کار جب جنگ حنین میں قبیلۂ ہوازن ہزیمت کھا کر بھاگے تو ابو عامر فاسق شام کی طرف بھاگا اور منافقین کو یہ کہلا بھیجا کہ لڑائی کا سامان قوت اور سلاح سے مہیا کرو اور میرے لئے ایک مسجد بناؤ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور اُس سے لشکر لے کے آتا ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کو مدینہ سے باہر کر دونگا پس بارہ منافقوں نے جن میں ودیعہ بن ثابت اور خذام ابن خالد اور ثعلبہ بن حاطب اور حارثہ بن عامر اور اُسکے دو بیٹے مجمع اور زید اور معتب بن قشیر اور عباد بن حنیف اور ابو حبیبہ ابن الازعر اور نبتل بن الحارث اور مجرح اور بجاد بن عثمان کے دو بیٹے تھے ایک مسجد مسجد قبا کے پہلو میں بنائی اور حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے جب آپ غزوۂ تبوک کا سامان کر رہے تھے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے ایک مسجد اسلئے بنائی ہے کہ سردی اور بارش کی رات میں ہم اور دوسرے معذور لوگ بھی وہاں نماز پڑھ سکیں ہم سب کی تمنا ہے کہ حضور وہاں تشریف لیچلیں اور اس مسجد میں امامت کریں ہم سب مقتدی ہوں اور حضور ہمارے لئے بعد نماز برکت کی دعا فرمائیں آپ نے جنگ تبوک کے نہیّہ کا عذر کیا اور تبوک سے پلٹنے کے بعد وہاں تشریف لانے کا وعدہ کر لیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک سے

واپس ہو کر مقام ذی اوان میں مقیم تھے تو منافقوں نے پھر آکر وہی درخواست کی آپ نے اُس مسجد میں جانے کے لئے قمیص منگایا خدا تعالے نے اُس وقت آیت مذکور نازل فرمائی آپ نے مالک بن دخشم اور معن اور عامر کو اُس مسجد کے ڈھانے کا حکم دیدیا چنانچہ اُس مسجد کو ڈھا کر آگ دیدی اور اُس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالا گیا۔ اور ابو عامر راہب اکیلا سفر میں بے خانماں ہو کر مر گیا۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

قال الواحدی قال بن عباس و مجاهد و قتادة و عامة اهل التفسیر رضی الله عنهم الذین اتخذوا مسجدا ضرارا کانوا اثنی عشر رجلاً من المنافقین بنوا مسجدا یضارون به مسجد قباء اقول انه تعالی وصفه بصفات اربعة الاولی ضرارا والضرار محاولة الضرر کما ان الشقاق محاولة ما یشق وقال الزجاج وانتصب قوله ضرارا لانه مفعول له والمعنی اتخذوه للضرار ولسائر الامور المذکورة بعده فلما حذفت اللام اقتضاه الفعل فنصب قال وجائز ان یکون مصدرا محمولا علی المعنی والتقدیر اتخذوا مسجدا ضروا به ضرارا والصفة الثانیة قوله وکفرا قال بن عباس رضی الله عنهما یرید به ضرار المؤمنین وکفرا بالنبی علیه السلام وبما جاء به وقال غیره اتخذوه لیکفروا فیه بالطعن علی النبی علیه السلام والاسلام والصفة الثالثة قوله وتفریقا بین المؤمنین ای یفرقون بواسطته جماعة المؤمنین وذلك لان المنافقین قالوا نبنی مسجدا فنصلی به ولا نصلی خلف محمد فان اتانا فیه صلینا معه وفرقنا بینه وبین الذین یصلون فی مسجده فیودی ذلك الی اختلاف الکلمة وبطلان الالفة انتهی بقدر ضرورة واحدی نے کہا ہے

کہ ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ اور عامہ اہل تفسیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بارہ منافقوں نے مسجد ضرار بنائی تھی جسکی وجہ سے مسجد قبا کو ضرر پہونچانا اُنکا مقصد تھا میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو چار وصفوں سے موصوف کیا ہے (۱) ضرارا زجاج نے کہا ہے کہ ضرارا مفعول لہ ہے اسی لئے منصوب ہے اور اسکے معنی ہوے کہ اُن لوگوں نے ضرر کے قصد اور خواہش سے مسجد بنائی جس طرح شقاق قصد ہے اُسکا جو دشوار ہو زجاج کہتے ہیں کہ ضرارا مفعول لہ ہونیکے سبب منصوب ہے اصل میں اسپر لام تھا پھر لام حذف کرکے منصوب کردیا اصل میں عبارت یون تھی کہ اتخذوا مسجدا ضروا به ضرارا (۲) وکفرا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان لوگون نے اس لیے بنائی تاکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کریں اور آپکے ساتھ اور آپکے لائے ہوئے احکام کے ساتھ کفر کریں (۳) وکفرا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُن لوگوں نے اسلئے بنائی تاکہ اُس میں نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم پر طعن کریں (۳) تفریقاً بین المؤمنین یعنے اُس مسجد کے ذریعہ سے مسلمانوں میں تفرقہ
ڈالیں کیونکہ منافق کہتے تھے ہم نے مسجد بنائی ہے اُس میں نماز پڑھیں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے پیچھے نہ پڑھیں گے پس اگر آئیں گے تو ہم نماز پڑھیں گے اور حضور اور مسجد نبوی میں اور آپ کے اور آپکی
مقتدیوں کے درمیان ہم تفرقہ ڈالیں گے پس امر بطلان الفت باہمی و رخلاف کا باعث ہوا بقدر ضرورت
عبارت کبیر کی ختم ہوئی پس جاننا چاہیے کہ منافقین نے مسجد ضرار ابو عامر راہب کی رائے سے بنائی تھی اور اُسکی بنا کی
غایت اللہ تعالیٰ نے چار امر بیان فرمائے ہیں اور اُس میں نماز نہ پڑھنے کا حکم دیا ہے جو لا تقم فیہ ابداً
سے ظاہر ہے قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لا تصل فیہ منع اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان یصلی فی مسجد الضرار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اُس مسجد میں نماز نہ پڑھو اللہ تعالیٰ
نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی پھر وہ مسجد ڈھا کر جلادی گئی اور اُسکی کوڑا گھر
بنایا گیا قال فیہ روی انہ لما کان انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تبوک ونزل بذی
اوان موضع قریب من المدینۃ اتوہ فسألوہ اتیان مسجدہم فدعا بقمیصہ یلبسہ
ویاتیہم فنزل علیہ القرآن فاخبرہ اللہ تعالیٰ خبر مسجد الضرار وما ہموا بہ فدعا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مالک ابن الدخشم ومعن بن عدی وعامر بن السکن ووحشیا قاتل حمزۃ
وقال لہم انطلقوا الی ہذا المسجد الظالم اہلہ فاہدموہ واحرقوہ فخرجوا سریعاً حتی
اتوا بنی سالم بن عوف وہم رہط مالک بن الدخشم فقال مالک انظرونی حتی اخرج الیکم
بناء من اہلی فدخل اہلہ فاخذ سعفاً من النخل واشعل فیہ ناراً فخرجوا یشتدون حتی
دخلوا المسجد وفیہ اہلہ فحرقوہ وہدموہ وتفرق عنہ اہلہ وامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ان یتخذ ذلک کناسۃ تلقی فیہ الجیف والنتن والقمامۃ انتہی بنقلہ بقدر الضرورۃ جب
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک سے مراجعت فرمائی اور ذی اوان میں قیام کیا جو مدینہ کے قریب
ایک موضع ہے تو وہاں کے لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اپنی مسجد میں تشریف لیجانے کی درخواست کی
پس آپنے پہننے کے لئے اپنا کرتا مانگا تاکہ وہاں تشریف لیجائیں مگر فوراً ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسجد ضرار کے
واقعہ اور منافقین کے قصد سے آگاہ کر دیا پس آپنے مالک بن دخشم اور معن بن عدی اور عامر بن سکن اور
وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہم کو طلب کیا اور اُن کو حکم دیا کہ اُس مسجد میں جاؤ اور اُسے گرا کر جلا دو

وہ لوگ جلدی سے روانہ ہوے اور سالم بن عوف کے یہان پہونچے جو مالک بن دخشم کا قبیلہ ہو مالک نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے گھر ہو آؤن جب وہ وہان سے واپس آئے تو سینگو نکا ایک گٹھا لیتے آئے جس میں اُنھون نے آگ لگا لی اور تیزی سے روانہ ہوے یہان تک کہ مسجد میں پہونچے اور وہان کے لوگ اُس میں موجود تھے اُن لوگوں نے اُسے گرا دیا اور لوگون کو منتشر کر دیا پھر حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے حکم دیا کہ یہ مقام کوڑا گھر بنایا جاے اور یہان کوڑا اور غلاظت اور مردار چیزین پھینکی جاویں۔ پس ایسی حالت میں اس آیت سے دلیل لاکر مسجد جدید پر ضرار کا حکم نہ کرنا چاہیے کیونکہ مسجد ضرار کی پہلی صفت مسلمانوں کو ضرر رسانی ہی جو اللہ و رسول کی مخالفت کے سبب تھی اور مسجد جدید اس صفت سے بہت دور بلکہ سوال میں مطلق ضرر کی نفی مندرج ہی اور صفت ثانی و ثالث یعنی کفر بنی اور آپ پر طعن اور جماعت مومنین کی تفریق کہ مقصد اُس سے شریعت کی سکی اور اختلاف کلمہ ہے جیسا کہ سابق سے ظاہر ہوا کوئی صفت اس میں پائی نہیں جاتی کیونکہ بظاہر اُسکے بانی شرع کے پابند ہیں اور مسجد قدیم میں عجز کیوجہ سے نہ حاضر ہو سکنا اس مسجد جدید کی بنا کا باعث ہوا ہے کیونکہ پرانی مسجد سے اس کا فاصلہ چار سو قدم کا ہے بہر کیف کوئی صفت اوصاف اربعہ میں سے اسکے اندر موجود نہیں البتہ اگر مسجد جدید سے مسجد قدیم کو ضرر دینا مقصود ہوتا تو اسکا بنانا منع ہوتا اور جب حضرت عمرؓ نے شہروں کو فتح کیا تو مسجدوں کے بنانے کا حکم دیا مگر ضرر والی مسجد سے منع کیا ایسے ہی معالم میں بہ عطا سے اور بھی اس آیت سے مفہوم ہوتا ہی کہ مسلمانوں میں رفق پیدا کرنے اور ضعیفوں پر آسانی کرنے کے لیے دوسری مسجد بنانا جائز ہی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ محمد فدا حسین الرضوی الحنفی عفا عنہ ربہ القوی صح الجواب جو مسجد بقصد ضرار و تفریق مسلمین بنائی جائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہی تفسیر مدارک میں ہی قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء و سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار جو مسجد فخر یا ریا یا مکر کی غرض سے بنائی جائے یا اُسکی بنا سے رضاے الٰہی مقصود نہو یا وہ مال حلال سے نہ بنائی گئی ہو تو اُسکا حکم مسجد ضرار کا ہی اور کشاف مین ہی لما فتح اللہ الامصار علی ید عمر امر المسلمین ان یبنوا المساجد و ان لا یتخذ وا فی المدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے شہر فتح کرائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانون کو حکم دیا کہ مسجدین بناؤ مگر ایک شہر میں ایسی دو مسجدین نہ بناؤ جو ایک دوسرے کو ضرر پہونچانے والی ہون اور جو مسجد بقصد اضرار و تفریق مسلمین

نہ بنائی جائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں داخل نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبدالحی ابوالحسنات] **سوال** مسجد کے نیچے اسطرح کہ مسجد چھت پر اور نیچے خلا رکھکے دکانیں بنواکر مسجد پر وقف کر دینا جائز ہے یا نہیں اور اس صورت میں اسکی مسجدیت میں کچھ فرق تو نہیں آتا۔ اور یہ جو فقہانے کہا ہے کہ مسجد کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسکا تحت و فوق مسجد ہی ہو اس سے کیا مراد ہے **جواب** فقہا کے قول شرط کونہ مسجدا ان یکون سفلہ و علوہ مسجدا لینقطع حق العبد عنہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تحت و فوق کا حقیقۃً بجمیع الوجوہ مسجد ہونا ضروری ہے اس طور پر کہ جمیع احکام مسجد کے اسپر مترتب ہوں جیسے حرمت دخول جنب و حائض وغیرہ بلکہ غرض یہ ہے کہ تحت و فوق دونوں کا حقوق عباد و املاک سے منقطع ہونا ضروری ہے اگر تحت یا فوق کسی کی ملک میں رہیگا تو البتہ مسجد کی مسجدیت میں تخلل ہوگا پس اگر تحت و فوق مسجد کی متعلقات پر وقف کر دیے جائیں تو حق العبد اُن سے منقطع ہو جائیگا اور مسجد کی مسجدیت میں خلل نہ واقع ہوگا زیلعی شرح کنز میں ہے ومن جعل مسجدا تحتہ سرداب وفوقہ بیت وجعل بابا الی الطریق وعزلہ او اتخذ وسط دارہ مسجدا واذن بالناس بالدخول فیہ یجوز لہ بیعہ ویورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالیٰ لبقاء حق العبد فیہ والمسجد لا یکون الا خالصا للہ لما تلونا ومع بقاء حق العبد فی سفلہ او علاہ او فی جوانبہ محیطا بہ لا یتحقق الخلوص کلہ اما اذا کان السفل مسجدا فلان لصاحب العلو حقا فی السفل حتی لا یکون لصاحب السفل ان یحدث فیہ شیئا من غیر رضی صاحب العلو واما اذا جعل العلو مسجدا فلان ارض العلو ملک لصاحب السفل ولیس لہ من التصرفات من غیر رضی صاحب السفل کالبناء وغیرہ بخلاف مسجد بیت المقدس فان السرداب فیہ لیس بمملوک لاحد بل ہو لمصالح المسلمین حتی لو کان غیرہ مثلہ تقول [illegible] مسجد واما اذا اتخذ وسط دارہ مسجدا فلان ملکہ محیط بجوانبہ فکان لہ حق المنع من الدخول والمسجد من شرطہ ان لا یکون لاحد فیہ حق المنع انتہی اور جس نے مسجد بنائی جسکے نیچے تہ خانہ اور اوپر گھر ہے اور اُسکا دروازہ راستہ کی طرف رکھا یا گھر کے بیچ میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اُس میں داخل ہونیکی اجازت دی تو اُسے حق بیع حاصل ہے اور وہ اسکی میراث ہوگی اسلئے کہ حق عبد باقی ہونیکی وجہ سے وہ خدا کا خالص نہیں ہے اور مسجد صرف حق اللہ ہی ہوا کرتی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور جبکہ اوپر نیچے یا اطراف میں حق عبد اس کا احاطہ کیے ہوسے ہو تو خالص حق

نہیں رہا اگر سفل مسجد ہو تو اسلئے کہ ارض علو صاحب سفل کی ملک ہے اور مالک علو کو بلا اجازت مالک سفل حق
تصرف حاصل نہیں بخلاف مسجد بیت المقدس کے کہ اُسکا تہ خانہ کسی کی ملک نہیں ہے بلکہ وہ مصالح مسلمین
کے لئے ہے حتی کہ اگر ایسی ہی حالت کسی اور مسجد کی ہو تو ہم اُسے مسجد کہیں گے اور اگر اپنے وسط مکان کو مسجد
بنایا تو اس لئے کہ وہ اُسکے جوانب کے احاطہ کا مالک ہے اُسے حق ہے کہ وہ لوگوں کو داخل ہونے سے
روندے اور مسجد کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی کو حق منع حاصل نہو زیلعی کا کلام ختم ہوا اور عینی کی شرح کنز
میں ہے فان قلت مسجد بیت المقدس تحتہ سرداب قلت السرداب فیہ لیس بمملوک لاحد بل ھو
لمصالح المسجد حتی لو کان غیر مثلہ نقول بانہ مسجد اگر تم کہو کہ مسجد بیت المقدس کے نیچے تہ خانہ ہے
تو اُسکا جواب یہ ہے کہ وہ تہ خانہ کسی کی ملک نہیں بلکہ محض مصالح مسجد کے لیے ہے حتی کہ اگر ایسا کسی اور
مسجد میں ہو تو وہ مسجد کہلائے گی اور اُسکی شہادت اُس سے بھی ہوتی ہے جو در مختار میں ہے کہ
لو بنی بیتا فوقہ للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد
البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق اگر مسجد کے اوپر امام کے لئے گھر بنایا تو کوئی حرج
نہیں ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد سے ہے اور اگر مسجد ہو چکنے کے بعد اسکا قصد کیا تو وہ روکا جائے گا گو وہ
یہ بھی کہے کہ میں امام کے لیے بنانا چاہتا ہوں اور رد المحتار میں ہے یوخذ من التعلیل ان محل عدم
کونہ مسجدا فیما اذا لم یکن وقفا علی مصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال واذا کان
السرداب او العلو لمصالح المسجد او کان وقفا علیہ صار مسجدا اور تعلیل سے یہ بات اخذ
کیجاتی ہے کہ وہ مسجد اُس وقت نہو گی جب مصالح مسجد پر وقف نہو اسعاف میں اسکی تصریح کی ہے کہ جب
تہ خانہ یا اوپر کا حصہ مصالح مسجد کے لئے ہو یا اُسپر وقف ہو تو وہ مسجد ہو جائیگا انتہی ان عبارتوں سے
یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسجد کے نیچے اگر خلا ہو یا دکانیں ہوں اور وہ مسجد کے مصالح کے لیے وقف ہوں تو
اُسکی مسجدیت میں خلل نہوگا اور رد المحتار کی عبارت اسکی مؤید ہے بقی لو جعل الواقف تحتہ بیتا
للخلاء ھل یجوز کما فی مسجد محلۃ الشحم فی دمشق لم ارہ صریحا نعم سیأتی متنا فی کتاب
الوقف انہ لو جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز رہا یہ کہ اگر وقف کرنے والا مسجد کے نیچے
بیت الخلاء بنائے تو یہ جائز ہے یا نہیں جیسا کہ دمشق کے محلہ شحم کی مسجد میں ہے تو میں نے
اسکے متعلق کہیں تصریح نہیں پائی ہاں کتاب الوقف میں یہ مسئلہ آئیگا کہ اگر مسجد کے نیچے مصالح مسجد کے لئے

تہ خانہ بنایا تو جائز ہی اور در مختار کی اس عبارت ولا یجوز اخذ الاجرۃ منہ ولا ان یجعل شئ منہ مستغل ولا سکنی اور مسجد سے اُجرت حاصل کرنا یا اُسکے کسی حصہ کو کام مین لانا یا جائے سکونت بنانا جائز نہیں ہی کو اسپر دلیل لانا کہ دکانیں بنانا منع ہی باطل ہی کیونکہ اس عبارت کی غرض یہ ہی کہ نفس مسجد کے کسی قطعے کو کرایہ پر دینا اور اُسے مسکن بنانا درست نہیں ہی چنانچہ منہ کا کلمہ اسپر دلالت کرتا ہے اور یہ امر ما نحن فیہ سے علیحدہ ہی کیونکہ ما نحن فیہ میں نفس مسجد کے کسی جزو کو کرایہ پر دینا نہیں ہی بلکہ دکانین زیر مسجد مسجد سے خارج اُسی کے مصالح کے واسطے بنائی گئی ہیں پس اُنکو کرایہ پر دینا بلا تردد درست ہوگا کیونکہ واقف اور بانی مسجد نے اُنکو مسجد سے خارج رکھا ہی مگر چونکہ مسجد پر وقف کر دیا ہی اس وجہ سے مسجد کی مسجدیت میں خلل نہوگا اور یہ خیال کہ زیر مسجد خلا اسباب مسجد کے رکھنے کی نیت سے درست ہے اور کرایہ پر دینا درست نہیں ہی خیال خام ہی کیونکہ اسعاف وغیرہ کی عبارت یوں ہی کہ اذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کان وقفا علیہ صار مسجدا جب تہ خانہ یا اوپر کا حصہ مصالح مسجد کے لئے ہو یا مسجد پر وقف ہو تو وہ مسجد ہو جائیگا۔ اور اس میں لو کان وقفا علیہ کو لمصالح المسجد کی صورت پر بحرف او معطوف کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہ خانہ اور بالاخانہ کا مصالح مسجد کے واسطے بنوایا جانا اور صورت ہی اور اُن دونوں کا مسجد پر وقف کیا جانا اور صورت ہی اور دونوں صورتوں میں مسجد کی مسجدیت میں خلل نہوگا اسی بنا پر جب دکانیں مسجد کے نیچے وقف کی نیت سے بنوائی جائیں تو اُنکو کرایہ پر دینا درست ہوگا اور بسبب اسکے کہ وہ دکانیں ملک بانی سے خارج ہو گئیں اُن سے علو کی مسجدیت میں خلل بھی نہوگا اگر یہ شبہ ہو کہ مسجد کے نیچے دکان بنانے سے اور اُس میں کرایہ دار رکھنے سے مسجد کی حرمت میں خلل آتا ہے اور یہ ناجائز ہی کیونکہ عالمگیری میں ہے کہ قیم المسجد لا یجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمتہ وھذا لا یجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی متولی مسجد مسجد یا فنائے مسجد میں دکانیں نہیں بنا سکتا کیونکہ جب مسجد دکان اور مسکن بنا دیجائے تو اُسکی حرمت فنا ہو گئی اور مسجد کی حرمت کا فنا کرنا جائز نہیں ہی اور فنائے مسجد مسجد کا تابع ہی پس فنائے مسجد کا حکم مسجد کا سا ہوگا محیط السرخسی میں یوں ہی ہی اور اسی طرح اور کتب معتبرہ میں بھی موجود ہے ذخیرہ میں ہی قیم المسجد اذا اراد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لا یجوز اما المسجد فلانہ اذا جعل المسجد مسکنا تسقط حرمۃ المسجد و اما الفناء فلانہ تبع لمسجد متولی مسجد اگر حد مسجد

یا فنائے مسجد میں دکانیں بنانیکا ارادہ کرے تو جائز نہیں ہو مسجد تو اس وجہ سے کہ جب وہ مسکن بنجائے گی
اسکی حرمت جاتی رہیگی اور فنا مسجد اسوجہ سے کہ وہ مسجد کے حکم میں ہے اور حمادیہ میں ہے لو قیم المسجد
اراد ان یبنی حوانیت فی حریم المسجد و فنائه قال الفقیه ابو اللیث لا یجوز ان یجعل شیئا
من المسجد مسکنا و مستغلا اگر مسجد کے متولی نے ارادہ کیا کہ حریم مسجد یا فنائے مسجد میں دکانیں
بنائے تو فقیہ ابو اللیث نے کہا ہو کہ مسجد کے کسی حصہ کو مسکن یا جائے شغل بنانا جائز نہیں ہو۔ ایسا ہی
فتاوی قاضیخان وغیرہ میں ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان عبارتوں سے ممانعت دکان بنانے
کی نفس مسجد اور اسکے حریم اور فنا میں ثابت ہوتی ہو نہ ممانعت بنائے دکان کی زیر مسجد اور یہ
اور یہ بات ظاہر ہے کہ زیر مسجد نہ تو حقیقۃً مسجد ہو خصوصًا جبکہ بانی مسجد نے اسکے نیچے خلا رکھا ہو اور اسکو
وقف علی المسجد کیا ہو کیونکہ وقف علی المسجد اور شے ہو اور مسجد اور شے ہو اور نہ فنائے مسجد ہو کہ جسکا حکم عزت
اور حرمت میں مثل مسجد کے ہے کیونکہ فنائے مسجد کی تعریف اسپر صادق نہیں آتی رد المحتار میں ہو قوله کفناء
مسجد هو المکان المتصل به لیس بینه و بینه طریق فنائے مسجد وہ مکان ہو جو مسجد سے متصل ہو
اور مسجد اور اسکے بیچ میں راستہ نہو۔ اور اگر ایسا ہی اعتبار عزت اور حرمت کا کیا جائے اور
اسپر عدم جواز کا فتوی دیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اگر مسجد کے نیچے خلا نہو بلکہ متصل مسجد دکانیں بنوائی
جائیں تو وہ بھی ناجائز ہوں اور اسکا کوئی قائل نہیں ہو اور یہ گمان کہ اگر مسجد کے نیچے دکانیں بنانا
اور کرایہ دار رکھنا جائز ہو تو لا محالہ وہاں بول و براز اور جماع کرنا بھی درست ہوگا (حالانکہ یہ امور
مسجد کے نیچے اور اوپر جائز نہیں) در مختار میں ہو کرہ تحریمًا الوطی فوقه والبول والتغوط لانه مسجد
الی عنان السماء مسجد کے اوپر جماع یا پیشاب کرنا اور پاخانہ پھرنا مکروہ تحریمی ہو اسلئے کہ مسجد آسمان
تک ہے اور رد المحتار میں ہو وکذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجابی اور ایسا ہی تحت الثری
تک جیساکہ بیری میں اسبیجابی سے نقل کیا ہو) باطل ہو اسوجہ سے کہ یہ حکم اُس وقت ہو جب نیچے مسجد
اور بالائے مسجد بانی مسجد نے کوئی مقام خارج از وقف علی المسجد نہ کیا ہو ایسی ہی صورت میں فقہا لکھتے ہیں
کہ مسجد کا فوق آسمان تک اور تحت ثری تک سب مسجد کے حکم میں ہو نہ ہر صورت میں عبارت سابقہ
در مختار سے واضح ہو کہ مسجد کے اوپر اگر بانی مسجد نے کوئی مکان امام کے رہنے کے واسطے بنایا
تو درست ہو حالانکہ نفس مسجد کو مسکن بنانا بالاتفاق درست نہیں ہو پس اگر یہ حکم کہ مسجد کا فوق اور تحت

سب مسجد ہو ہر صورت میں ہوتا تو امام کے رہنے کے لیے بالاخانہ مسجد کے اوپر بنانا اور اُس میں امام کا رہنا کسی طرح جائز نہوتا حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** ایک چھت کی منہدم اور مسمار مسجد ایک جنگل و قبرستان میں ہے اور اُسکی کرسی اتنی بلند ہے کہ بغیر زینے کے کوئی وہاں نہیں جاسکتا اور زینہ اُس مسجد میں نہیں ہو اب اُس میں پرندرہتے ہیں اور یہ قبرستان میں جیسی مسجد تعمیر کرنیکا رواج ہے اُسکے مطابق ہو اگر کوئی شخص اُسکی اینٹیں ایسی مسجد میں لگائے جہان نماز بھی ہوتی ہو تو جائز ہو یا نہیں **جواب** اگر اُس کے اسباب کے ضائع ہوجانیکا احتمال ہو تو دوسری مسجد میں لیجانا جائز ورنہ ناجائز ہے **سوال** عوام کہتے ہیں کہ ایک مسجد سے دوسری مسجد تک اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ ایک مسجد کی اذان کی آواز دوسری مسجد تک پہونچے اور ایک محلہ میں دو مسجدیں نہوں صحیح ہو یا نہیں **جواب** یہ عوام کا کلام ہے کتب معتمدہ میں اسکا پتہ نہیں ہاں دوسری مسجد کو ضرر پہونچانے کی غرض سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے تفسیر کشاف میں حضرت عطا سے منقول ہو کہ جب حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر فتوحات ہوئیں تو مسلمانوں کو مسجد بنانیکا حکم دیا اور یہ کہ ایک شہر میں دو مسجدیں ایسی نہ بنائیں کہ ایک مسجد دوسرے کے لیے ضرررساں ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** دوامی سودخوار کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا اور اُسکے بنوائے ہوے کنویں سے پانی پینا اور اُسکے لگائے ہوے باغ سے پھل کھانا جائز ہے یا نہیں **جواب** مکروہ ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی۔
سوال چوری اور فریب کے روپے سے ایک شخص آدھی مسجد بنوا کر چلتا ہوا اب اُس کی تعمیر کامل کرنا چاہیے یا نہیں **جواب** نہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** مسجد یا مکان مقدس کا توڑنے والا کیسا ہے۔ **جواب** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا اولئک ما کان لہم ان یدخلوھا الا خائفین لہم فی الدنیا خزی ولہم فی الاخرۃ عذاب عظیم اور کون شخص اُس سے زیادہ ظالم جو خدا کی مسجدوں میں اُسکا نام لینے سے روکے اور مسجدوں کے خراب کرنے کی کوشش کرے ایسوں کو نہیں پہونچتا کہ بیٹھیں اُن میں مگر ڈرتے ہوے اور انھیں کے لیے دنیا میں خواری اور عقبیٰ میں عذاب عظیم ہے واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد فی الواقع مسجد کو خراب کرنا گناہ کبیرہ ہو اُسکا مرتکب ظالم اور فاسق ہو اور اسپر توبہ کرنا لازم ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو

ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبد الحی ابو الحسنات] **سوال** زید نے کہا میں ایک مسجد بناتا ہوں اور کچھ روپیہ لاکر اُس نے رکھدیا عمرو نے کہا میں بھی شریک ہوتا ہوں اور عمرو نے بھی کچھ روپیہ لاکر رکھدیا ابتداءً دونوں نے باتفاق وبخلوص نیت جماعت مومنین کے سامنے اقرار کیا اور کہا کہ ہم نے یہ روپیہ اللہ کے لئے دیدیا ہے اسکے بعد مسجد کی نیو بھی پڑی اب زید براہ بخل اپنے قول سے منحرف ہوکر کہتا ہے کہ میرا روپیہ مجھکو پھیر دو کیونکہ عمرو نے اپنی دُکان کے سامنے مسجد کی بنا ڈالی ہے اور بہان میں شریک ہونا نہیں چاہتا اگر اور جگہ مسجد بنائی جائے تو میں شریک ہوں عمرو کہتا ہے مجھے اتنا مقدور نہیں ہے کہ اکیلا مسجد بناؤں اب اس صورت میں زید کا روپیہ واپس دیا جائے یا نہیں **جواب** جو روپیہ اللہ تعالےٰ کے نام پر نکالا گیا ہے اُسکو واپس کرنا نہ چاہیئے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبد الحی ابو الحسنات] اصاب المجیب حررہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ **سوال** زانیہ یا مغنیہ نے اپنی ناجائز آمدنی سے مسجد بنائی اُسپر مسجد کا حکم دیا جائیگا یا نہیں **جواب** نہیں مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اللہ طیب لا یقبل الا طیبا اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے **سوال** زانیہ نے اپنی حرام کمائی سے جو مسجد بنائی تھی اسکے مرنے کے بعد ترکہ میں تقسیم ہوگئی اسی لئے کہ حرام مال سے وقف جائز نہیں ہے لہذا اُس کا حکم دوسرے مالوں کا سا ہوگیا اب اس ملک کی تبدیل کے بعد وہ مسجد جن ورثا کو ملی ہے اگر اپنی طرف سے وقف کر دیں تو جائز ہے یا نہیں یا وارث اُسکو کسی کے ہاتھ بیچ ڈالے اور خریدنے والا اپنے حلال مال سے خرید کر وقف کر دے تو اُسپر مسجد کا حکم دیا جائیگا یا نہیں **جواب** جو مال زانیہ نے اپنے کسب سے حاصل کیا ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال اور صاحبین کے نزدیک حرام ہے حسن چلپی ذخیرۃ العقبی میں لکھتے ہیں ما اخذ تہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارۃ فحلال عند الامام الاعظم لان اجر المثل طیب وان کان السبب حراما وحرام عندہما وان کان بغیر عقد فحرام اتفاقا لانہا اخذتہ بغیر حق کذا فی المحیط انتہی جو مال زانیہ نے عقد اجارہ سے حاصل کیا ہے وہ امام اعظمؒ کے نزدیک حلال ہے اسلیے کہ اجر مثل پاک ہے اگرچہ سبب حرام ہو اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حرام ہے اور اگر بلا عقد ہو تو بالاتفاق حرام ہے کیونکہ اُس نے بلا حق لیا ہے ایسا ہی محیط میں ہے اور صاحبینؒ کے قول کی تائید وہ حدیثیں کرتی ہیں جو صحاح وغیرہ میں دی

ہیں جن میں صراحتاً اس مال کے حرام ہونے کو بیان کیا ہے روی البخاری والترمذی عن ابی مسعود الانصاری قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم عن ثمن الکلب و مھر البغی وروی مسلم والترمذی عن رافع ابن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم قال مھر البغی خبیث بخاری اور ترمذی نے ابو مسعود انصاری سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے داموں اور زنا کے مہر سے ممانعت فرمائی ہے اور مسلم اور ترمذی نے رافع بن خدیج سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا کہ زنا کا مہر خبیث ہے اور سید جمال الدین محدث نے خبیث کی تشریح میں ای حرام لکھا ہے اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں مھر البغی خبیث ای حرام اجماعاً لانھا تاخذہ عوضا عن الزنی المحرم ووسیلۃ الحرام حرام وسماہ مھرا مجازا لانہ فی مقابلۃ البضع مہر زنا خبیث ہے یعنی حرام ہے اجماعاً کیونکہ زانیہ اُسے زنا کے عوض میں لیتی ہے جو حرام ہے اور وسیلۂ حرام حرام ہے اور اُسے مہر مجازاً کہتے ہیں کیونکہ بضع کے مقابلہ میں ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں انہ حرام قطعاً مہر زنا قطعی حرام ہے پس جو مسجد زانیہ نے زنا کی آمدنی سے بنائی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ مسجد ہے کیونکہ مال حلال سے بنائی گئی ہے لیکن صاحبین کے نزدیک جنکا مذہب قوی ہے مسجد کا حکم نہ رکھے گی اُنکے نزدیک مال حرام سے وقف جائز نہیں ہے کیونکہ وقف میں منفعت کا صدقہ ہوتا ہے اور اُس سے غرض اُخروی اجر ہوتا ہے اور مال حرام کا صدقہ قبول نہیں ہوتا درمختار میں ہے ھو حبس العین علی ملك الواقف والتصدق بالمنفعۃ وعندھما ھو حبسھا علی حکم ملك اللہ تعالی وصرف منفعتھا علی کل من احب سبب ارادۃ محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب وفی الاخرۃ بالثواب وقف کسی چیز کا واقف کی ملک میں منا اور اسکی منفعت کا تصدق ہے اور صاحبین کے نزدیک وقف کسی کا بحکم ملک خدا کا رہنا اور اُسکی منفعت کا اُس شخص پر صرف کرنا ہے جو چاہے اور اُسکا سبب دنیا میں احباب کے درمیان اور عقبیٰ میں بذریعہ ثواب خواہش نفس کو پانا ہے وروی مسلم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا اور مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہا ابو ہریرہؓ نے کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک ہے پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور شیخ عبدالحق شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالی پاک ہے اور حلال رزق کو پاک ہونے کی وجہ سے چونکہ اُسکی پاکی کے ساتھ ایک نسبت حاصل ہے اللہ تعالے

کا قرب حاصل ہو سکتا ہے اور حرام چونکہ پاکی کا ضد ہے لہذا پاک کی جانب منسوب کیے جانے کے قابل نہیں
اور دوسری جگہ فرماتے ہیں حرام مال سے تصدق کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کوئی ثواب نہیں ملتا
وروی مالکؒ فی الموطا عن سعید بن یسار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال من تصدق
بصدقۃ من کسب طیب ولا یقبل اللہ الا طیبا کان انما یضعھا فی کف الرحمن امام مالکؒ نے
مؤطا میں سعید بن یسار سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے
جس شخص نے اپنی حلال کمائی سے کچھ صدقہ دیا (اور خدا صرف پاک ہی چیز قبول کرتا ہے) تو گویا
اُس نے خدا کے ہاتھ میں رکھدیا اور محلی شرح مؤطا میں ہے فیہ نص علی ان غیر الحلال غیر مقبول اس
میں اسکا ثبوت ہے کہ حرام مال مقبول نہیں مولانا رفیع الدین دہلوی اپنی بعض تحریروں میں لکھتے ہیں یہ معلوم
ہے کہ حنفیہ کے نزدیک زمین مغصوبہ پر نماز ادا کرنے سے نماز ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے پس فاحشہ کی بنوائی
ہوئی مسجد میں نماز پڑھنے سے بھی ذمہ سے ساقط ہوجائے گی لیکن مصلے کے ثواب میں نقصان آئیگا
اور زانیہ ثواب سے محروم رہے گی حدیث میں ہے لایصل الی اللہ الا الطیب خدا تک اچھی ہی چیزیں پہونچتی ہیں
پس جب یہ زانیہ کی بنوائی ہوئی مسجد نہیں ہوئی تو اُسکے مرنے پر دوسری متروکات کی طرح وہ مسجد بھی وراثت میں
وارثوں پر منتقل ہوگی اور جو خبث اُس میں پہلے تھا انتقال میراث کی وجہ سے دفع ہوجائیگا الاشباہ
والنظائر میں ہے الحرمۃ تتعدی فی الاموال مع العلم بھا الا فی حق الوارث فان مال مورثہ حلال
لہ وان علم بحرمتہ منہ من الخانیۃ وقیدہ فی الظھیریۃ بان لایعلم ارباب الاموال حرمت کا
اثر بحالت علم اموال پر پڑتا ہے مگر وارث کے حق میں کہ اُسکے لئے مورث کا مال حلال ہے گو اُسے
حرمت کا علم ہو یہی خانیہ میں ہے اور ظہیریہ میں یہ قید لگائی ہے کہ ارباب اموال کو علم نہو پس اب اگر
وارث اس مسجد کے جدید وقف کریں تو جائز ہوگا اور وہ مسجد کے حکم میں آجائے گی لیکن بعض فقہا کی تحریر
کے موافق جو مورث کے حرام مال کو وارث کے پاس وراثۃً آجانے سے حلال نہیں جانتے (جیسا کہ درمختار
میں ہے لکن فی المجتبیٰ مات وکسبہ حرام فی المیراث حلال ثم رمز وقال لا ناخذ بھذہ الروایۃ وھو حرام
مطلقا علی الورثۃ لیکن مجتبیٰ میں ہے کہ ایک شخص مرگیا اور اُس نے میراث میں حرام مال چھوڑا تو وہ
وارثوں کے لئے حلال ہے پھر اُس نے کہا ہے ہم اس روایت سے اخذ نہیں کرتے یہ مال مطلقاً وارثوں
پر حرام ہے) اگر خود وارث وقف کریگا تو وہ مسجد کے حکم میں نہوگی لہذا چاہیے کہ وارث بیچے اور مشتری

اپنے حلال مال سے بعقد صحیح خرید کر کے وقف کر دے تاکہ مسجد مقبول ہو جائے قنیہ میں ہے غلب علی ظنہ ان اکثر بیاعات اھل السوق لا تخلو عن الفساد فان کان الغالب ھو الحرام یتنزہ عن شراۂ ولکن مع ھذا لو اشتراہ یطیب لہ المشتری شراء فاسدا اذا کان عقد المشتری لا خیر صحیحا غالب ظن یہ ہے کہ اکثر بازاری چیزوں کی بیع اور شرا فساد سے خالی نہیں پس اگر غالب ظن حرمت کا ہو تو اسکے خریدنے سے باز رہے لیکن اگر باوجود اسکے بھی خرید لیا تو وہ چیز جو شراے فاسد خریدی گئی ہے اسکے لئے حلال ہے جبکہ مشتری اخیر کا عقد صحیح ہو **سوال** اگر مغنیہ یا زانیہ نے قرض دیکر مسجد بنائی پھر اپنے حرام مال سے قرض ادا کیا تو کیا حکم ہے **جواب** وہ مسجد مسجد ہوگی اور قرض بھی ادا ہو جائیگا سراجیہ میں ہے المغنیۃ اذا قضت دینھا من کسبھا اجبر الطالب علی الاخذ گانیوالی عورت اگر اپنا قرض اپنے کسب سے ادا کرے تو قرضخواہ لینے پر مجبور کیا جائیگا

سوال غیر معتکف کو مسجد میں سونا یا مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** مکروہ ہے درمختار میں ہے یکرہ فی المسجد اکل ونوم الا لمعتکف والکلام المباح قیدہ فی الظھیریۃ بان یجلس لاجلہ لکن فی النھر الاطلاق اوجہ مسجد میں معتکف کے علاوہ اور سب کے لئے کھانا سونا مکروہ ہے اور کلام کرنا مباح ظہیریہ میں جواز کلام کے لئے اس بات کی قید لگائی ہے کہ وہاں صرف باتیں ہی کرنے کی غرض سے بیٹھا ہو یعنے اگر نماز کی غرض سے مسجد میں آیا ہے تو باتیں کرنا جائز ہے لیکن نہر میں ہے کہ اطلاق ہی زائد مناسب ہے

سوال مسجد کو پھر سے بنانے کے لئے توڑنا جائز ہے یا نہیں **جواب** اگر مسجد کے منہدم ہو جانیکا خوف ہے تو اہل محلہ کو جائز ہے نہ غیر اہل محلہ کو سراج المنیر میں ہے ولا یجوز ان یھدم المسجد لیبنیہ احکم الا ان یخاف ینھدم فیجوز لاھل ھذہ المحلۃ لا لغیرھم اذا بنوا من مال انفسھم لا من مال الوقف الا بامر القاضی کما فی ابراھیم شاھی کسی مسجد کو اس غرض سے گرانا کہ اُس سے زائد مضبوط بنائی جائے درست نہیں مگر جبکہ اُسکے گرجانے کا خوف ہو تو اہل محلہ کو حق ہے کہ خود اپنے مال سے بنوائیں اور مال وقف بلا اجازت قاضی نہ بنائیں اور غیر اہل محلہ کو حق نہیں ایسا ہی براہیم شاہی میں ہے **سوال** اگر اہل محلہ پر مسجد تنگ ہے اور اہل محلہ میں اُسے بڑھانیکی بھی وسعت نہیں اور کوئی شخص جو اُس محلہ کا ہمسایہ ہے چاہتا ہے کہ مسجد کو اپنے مکان میں داخل کرکے اُسکے بدلے میں ایک وسیع مکان دیدے تو اہل محلہ کو یہ معاوضہ لینا درست ہے یا نہیں **جواب** نہیں عالمگیریہ میں ہے لو کان مسجد فی محلۃ ضاق علی اھلہ ولا

یسعهم ان یزید وا نیه فسألهم بعض الجیران ان یجعلوا ذلك المسجد له لیدخل هو فی داره ویعطیهم مکانا عوضا ما هو خیر لهم فیسع فیه اهل المحلة قال محمد لا یسعهم ذلك کذا فی الذخیرة اگر مسجد کسی ایسے محلہ میں ہو جسکے لوگ اس میں سما سکتے ہوں اور انکو وسیع کرنیکی قدرت نہو اور ان سے انکے پڑوسی نے کہا کہ یہ مسجد مجھے دیدو تاکہ میں اسے اپنے مکان میں داخل کرلوں اور تمھیں اسکے عوض میں اس سے بڑا مکان دیدوں اور وہ مکان مسجد سے اچھا ہو اور تمام اہل محلہ اسمیں سما سکتے ہوں پس امام محمد نے کہا ہے کہ اہل محلہ کو اسکا اختیار نہیں ہے ایسا ہی ذخیرہ میں ہے **سوال** اگر راستہ چوڑا ہے اور اہل محلہ نے اس راستہ کی تھوڑی زمین کو اسطرح مسجد بنالیا جس سے مخلوق کو راستہ چلنے میں کچھ دشواری پیدا نہیں ہوئی تو درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے حمادیہ میں ہے فی فتاوی ابی اللیث الطریق اذا کان واسعا فبنی اهل المحلة مسجدا ولا یضر ذلك بالطریق فلا باس به فتاوی ابی اللیث میں ہے اگر راستہ وسیع ہو اور اہل محلہ ایک مسجد بنائیں جس سے راستہ کو کچھ ضرر نہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اور طحطاوی میں ہے اطلق فی الطریق فشمل النافذ وغیرہ وفی عباراتهم ما یوید ذلك راستہ عام ہے نافذ ہو یا غیر نافذ اور فقہا کی عبارتیں اسکی تائید کرتی ہیں **سوال** مسجد کے آباد کرنے کی فکر کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے **جواب** وہ شخص مومن اور عادل ہے بکمال ایمان وایقان ترمذی اور ابن ماجہ ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اذا رایتم الرجل یتعاهد المسجد فاشهدوا له بالایمان فان الله یقول انما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الاخر کسی کو مسجد کی خبرگیری کرتے ہوئے پاؤ تو اسکے ایمان کی شہادت دو کیونکہ خدا نے کہا ہے اللہ کی مسجد کی درستی وہی لوگ کرتے ہیں جو خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور مسجد کی خبرگیری میں حضرت محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں ان چیزوں کو بیان کیا ہے (۱) دیکھ بھال مسجد کی اور خبرگیری کرنا اور ہمیشہ حفاظت رکھنا (۲) مرمت کرنا (۳) جھاڑو دینا (۴) نماز پڑھنا (۵) عبادت کرنا (۶) ذکر کرنا (۷) علوم دینی کا درس دینا وغیرہ **سوال** بے مرمتی کی وجہ سے اگر کوئی مسجد خراب ہو کر نماز کے قابل نہ رہی ہو یا جس محلہ میں مسجد تھی وہ ویران ہوگیا ہو اور مسجد سے استغنا حاصل ہوگیا ہو پس وہ مسجد مملوک ہو جائے گی یا نہیں **جواب** شیخین کے نزدیک قیامت تک مسجد کا حکم رکھے گی اور امام محمد کے نزدیک بانی یا اسکے وارثوں کی ملک ہو جائے گی اور امام ابو یوسف سے ایک روایت میں منقول ہے کہ قاضی کی اجازت سے دوسری مسجد کی جانب اسکو نقل کر دینا چاہئے

در مختار میں ہے ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ
وبہ یفتی حاوی القدسی عاد الی الملک ای ملک البانی او ورثتہ عند محمد وعن الثانی ینقل
الی مسجد آخر باذن القاضی اور اگر مسجد کے اطراف ویران ہو گئے اور اسکی کچھ ضرورت نہ رہی تو امام ابو حنیفہ
اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ہمیشہ تا قیام قیامت وہ مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوی ہے
حاوی قدسی اور پھر ملک ہو جائے گی یعنی بانی یا اُسکے ورثہ کی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف
رحمہ اللہ سے بھی ایک میں باجازت قاضی مسجد کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے اور طحطاوی میں
یہ لکھا ہے کہ اگر مسجد کا ماحول یا خود مسجد ویران ہو جائے **سوال** اللہ تعالے فرماتا ہے انما یعمر مساجد
اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ خدا کی مسجدوں کو وہی آباد
کرتا ہے جو خدا پر اور قیامت پر ایمان لایا ہوا ور نماز پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا ہوا ور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو اور
اس دنیا میں ایسے شخص کا موجود ہونا محال ہے جو درندوں اور زہریلے جانوروں سے عادۃً نہ ڈرتا ہو **جواب**
لم یخش الا اللہ سے مراد یہ ہے کہ امر دین میں غیر خدا سے نہ ڈرتا ہوا اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ اوامر الٰہی
کو غیر اللہ کے خوف سے ترک نہ کرتا ہو بہر حال سباع و سمیات سے عادۃً ڈرنا کچھ ضرر نہیں رکھتا واللہ
اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی محمد عبد الحی ابو الحسنات **سوال**
جو مسلمان مسجد ویران کرنے کے درپے ہو اسکا کیا حکم ہے **جواب** معبود کی تعظیم اُسکی عبادت کی تعظیم
کو مستلزم ہے اور عبادت کی تعظیم عبادت گاہ کی تعظیم کو پس عبادتگاہ کو ویران کرنا انکار عبادت کی دلیل
ہے اور انکار عبادت معبود کے انکار کی علامت ہے جب کسی کا فعل اُسکی زبان کے خلاف ہو تو نفاق
کی علامت اُس میں ثابت ہے خدا تعالے فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ الخ کہ اُس سے
زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو روکے اس سے کہ اُن میں اُس کا نام لیا جائے اور اُسکو
ویران کرنے کے درپے ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

کتاب الصلوٰۃ

سوال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر نماز برائیوں سے روکتی ہے باوجود
اسکے ہزاروں مسلمان جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں فحشا اور فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں پس اس آیت کے معنے

کیا ہوئے **جواب** اس آیت میں صلوٰۃ سے قرآن مراد ہے اور ابن عون نے فرمایا ہے کہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ نماز مصلی کو فحشا یعنے اعمال قبیحہ اور منکر یعنے اعمال غیر معروفہ فی الشرع سے جب تک کہ وہ نماز میں ہے روکتی ہے اور بعض نے کہا ہے جو نماز ظاہر اور باطن کی موافقت اور خشوع خضوع اور اطمینان قلب اور احسان کے ساتھ جسکی تعلیم حدیث جبریل میں ہے ادا کی جاتی ہے وہ فحشا اور منکر سے روکنے والی ہوتی ہے نہ ہر نماز کہ جسکے ارکان ظاہر میں ادا ہو جائیں اور توجہ باطن سے خالی ہو اگرچہ فرض ادا کرنیکے لئے وہ نماز کافی ہے لیکن اس سے قرب الٰہی کا ثمرہ حاصل نہیں ہوتا ایسے ہی ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے **سوال** حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام اذان یا غیر اذان میں سنکر انگوٹھے چومنا کیسا ہے **جواب** بعض فقہا کے نزدیک مستحب ہے جامع الرموز میں ہے اعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشہادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقال اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابہامین علی العینین فانہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون قائدا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد جاننا چاہیے کہ اذان میں پہلی شہادت کو سنکر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری کو سنکر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ اور پھر اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر کہنا مستحب ہے اُسکے بعد دونوں ہاتھوں کے دونوں ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو جنت میں لیجائینگے ایسا ہی کنز العباد میں ہے **سوال** ظہرین اور عشائین کی ابتدا کس وقت سے ہے اور کس وقت سے کراہت کی ابتدا ہے **جواب** نصف النہار آفتاب کا زوال ظہر کی ابتدا ہے اور ہر شے کا سایہ اصلی کے کہ نصف النہار کے وقت ہوتا ہے اُسکی انتہا ہے یہ امام اعظم کا مذہب ہے اور صاحبین اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور زفر اور امام اعظم سے بھی ایک روایت میں ظہر کی انتہا ہر شے کے سایہ کا سایۂ اصلی کے سوا ایک مثل تک پہونچنا ہے صاحب بدائع نے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کو صحیح لکھا ہے اور صاحب غیاثیہ نے مختار کہا ہے اور برہان میں صاحبین کے مذہب کو اظہر لکھا ہے اور امام طحاوی نے اُسکو ماخوذ بہ کہا ہے درمختار میں ہے ووقت الظہر من زوالہ ای میل ذکاء عن کبد السماء الی بلوغ الظل مثلیہ وعنہ مثلہ وھو قولہما وزفر والائمۃ الثلثۃ قال الامام الطحاوی وبہ ناخذ وفی غرر الاذکار وھو الماخوذ بہ وفی البرھان وھو الاظھر لبیان جبرئیل وھو نص فی الباب وفی الفیض وعلیہ عمل

انگوٹھے چومنا اذان

وقت اداء نماز

الناس بیوم وبہ یفتی سوی فئ یکون للاشیاء قبیل الزوال ظہر کا وقت زوال یعنے آفتاب کے وسط آسمان سے ہٹ جانے کے بعد سے سائے کے دُگنے ہونے تک ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اسی کے مثل مروی ہے اور یہی صاحبین اور زفر اور ائمہ ثلثہ کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے اور عزرالاذکار میں ہے اور یہی مفتی بہ ہے اور برہان میں ہے کہ یہی اظہر ہے حضرت جبریل علیہ السلام کے بیان سے اور اس باب میں وہی دلیل ہے اور فیض میں ہے کہ لوگوں کا عملدرآمد آجکل اسی پر ہے اور اسی پر فتوی ہے یعنی ظہر کا وقت سایہ کے دونے ہونے تک ہے اس سایہ کے علاوہ جو قبل زوال ہوا کرتا ہے۔ اور عصر کے وقت کی ابتدا ظہر کے وقت کی انتہا سے تولین مذکورین کے اختلاف کے موافق ہوتی ہے اور عصر کے وقت کی انتہا غروب آفتاب ہے اور جب آفتاب متغیر ہو جائے اور اسپر نگاہ ٹھہرنے لگے تو عصر کی نماز مکروہ ہے خلاصہ میں ہے اول وقت العصر حین یخرج وقت الظہر وآخر وقتہا تغرب الشمس ویکرہ التاخیر الی تغیر الشمس و اختلفوا فی التغیر قال بعضہم التغیر فی ضوء الشمس الذی یکون علی راس الحیطان وقال بعضہم ہو التغیر فی قرصہا وانما یعرف التغیر بان ینظر الناظر الی قرصہا ان امکنہ ان ینظر الی القرص ولم تحز عیناہ علم ان الشمس قد تغیرت وان لم یمکنہ علم ان الشمس لم تتغیر انتہے وفی البحر الرائق والخلاف فی آخر وقت الظہر جاء فی اول وقت العصر خلاصہ میں ہے کہ عصر کے وقت کی ابتدا ظہر کے وقت کی انتہا سے ہے اور عصر کے وقت کی انتہا غروب آفتاب ہے اور اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب متغیر ہو جائے مکروہ ہے تغیر کے معنی میں اختلاف ہو گیا ہے بعضوں کے نزدیک دھوپ میں تغیر مراد ہے اور بعضوں کے نزدیک قرص آفتاب میں تغیر مراد ہے اور یہ اس طرح پر معلوم ہو گا کہ دیکھنے والا قرص آفتاب کو دیکھے اگر وہ اُسے دیکھ سکے اور اسکی آنکھ ماند نہ پڑے تو جان لے کہ آفتاب متغیر ہو گیا ہے اور اگر اس طرح دیکھنا ناممکن ہو تو جان لے کہ ابھی متغیر نہیں ہوا اور بحر الرائق میں ہے اول وقت عصر میں آخر وقت ظہر والا اختلاف پایا جائیگا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ علاوہ سایہ اصلی کے اُسکی ایک مثل تک پہونچ جانے سے ظہر کا وقت نکل جاتا ہے اور عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا جب تک کہ ہر چیز کا سایہ اپنی دو مثل کو نہ پہونچے پس آخر وقت ظہر اور ابتدائے وقت عصر کے مابین کچھ بیکار وقت بھی ہے دوران ہی اختلافات کے باعث بعض فقہائے لکھا ہے کہ ایک مثل سے پہلے ظہر کی نماز ادا کر لی جائے

اور دو مثلوں کے بعد عصر کی تاکہ سب کے نزدیک نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔ اور مضمرات شرح قدوری میں ہے وروی اسد عن ابی حنیفۃ انہ قال اذا صار ظل کل شئ مثلہ فقد خرج وقت الظہر و لا ید خل وقت العصر حتی یصیر الظل مثلیہ ووقت مہمل لیس بوقت الفرض کالوقت الذی بین طلوع الشمس و بین الزوال انتہی وفی البحر الرائق وذکر شیخ الاسلام ان الاحتیاط ان لا یؤخر الظہر الی المثل وان لا یصلے العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلوتین فی وقتیہما بالاجماع کذا فی السراج انتہے اسد نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ جب ہر شے کا سایہ اُسکے مثل ہوجائے تو ظہر کا وقت جاتا رہا اور عصر کا وقت نہ آئیگا یہاں تک کہ سایہ دونا ہوجائے اور اُن کے درمیان کا وقت خالی ہے کسی فرض کا وقت نہیں جیسا کہ وہ وقت جو طلوع وزوال آفتاب کے درمیان ہے اور بحر الرائق میں ہے اور شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ ظہر میں اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ سایہ مثل شے کے ہوجائے اور نہ عصر کی نماز سایہ کے دونے ہونے تک پڑھے تاکہ دونوں نمازیں بالاجماع اپنے اوقات پر ادا ہوں۔ کتب احادیث کے تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کا اول میں ادا کرنا احادیث قولیہ سے پایا جاتا ہے ترمذی نے اُم فروہ سے روایت کی ہے قالت سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال الصلوٰۃ لاول وقتہا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا تمام اعمال میں کون عمل اچھا ہے آپنے فرمایا نماز کا اول وقت میں ادا کرنا اور اس حدیث کے راویوں میں عبد اللہ بن عمر عمری ہیں جو بڑے عابد تھے اگرچہ یحییٰ بن سعید نے اُنکے حفظ اور ضبط میں کلام کیا ہے اور ترمذی نے اُن کے باب میں لکھا ہے ولیس ہو بالقوی عند اہل الحدیث اور یہ اہل حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہیں مگر راوی مذکور متروک الحدیث نہیں ہیں کیونکہ بخاری کے علاوہ اور کتب صحاح میں ان سے روایتیں موجود ہیں اور اس حدیث کو احمد اور ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے اور ابن مالک نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ مرقاۃ میں ہے دوسری حدیث ترمذی کی جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اُنھوں نے کہا حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے الوقت الاول من الاوقات المستحبۃ من الصلوٰۃ رضوان اللہ والوقت الآخر عفو اللہ نماز کا اول وقت (اوقات مستحبہ میں سے) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخر وقت اُس کی معافی ہے اس حدیث کے راویوں میں سے یعقوب بن ولید مدنی ہیں جنکی تکذیب امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے حفاظ نے کی ہے ایسا ہی

[illegible]

تقریب التہذیب اور نقایہ میں ہے مگر یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ کی ہے قال ابن حجر وھو ضعیف من
منسائر طرقہ فلیحمل تحسین من حسنہ علی انہ حسن لغیرہ کذا فی المرقاۃ ابن حجر نے کہا ہے
یہ حدیث اپنے تمام طرق سے ضعیف ہے پس جس نے حسن کہا ہے اُسکے اس کہنے کو حسن لغیرہ پر محمول کرنا چاہیے
جیساکہ مرقاۃ میں ہے تیسرے ترمذی کی حدیثیں جو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہیں
ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لہ یا علی ثلث لا توخرھا الصلوٰۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت
والایم اذا وجدت لھا کفوا حضرت سرور کائنات علیہ السلام والتحیات نے فرمایا کہ اے علی تین
چیزوں میں دیر نہ کرنا (۱) جب نماز کا وقت یعنی مستحب آجائے نماز ادا کرنے میں دیر نہ کرنا (۲) جب جنازہ
آئے تو اُسکی نماز پڑھنے میں دیر نہ کرنا (۳) جب بے خاوند کی عورت کا کفو ملجائے تو اُسکے نکاح میں دیر
نکرنا- اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے رواہ الترمذی بسند رجالہ ثقات قالہ میرک
ترمذی نے اُسکی روایت ایسی سند سے کی ہے جسکے سب رجال ثقہ ہیں یہ میرک نے کہا ہے- اور محدثین احناف
نے ان احادیث کی تاویل کرکے انصاف کی داد دی ہے جسکی صراحت احادیث کے کتب میں موجود
ہے البتہ محض فعلی کا لفظ مخالف کی گفتگو کا مقام ہوسکتا ہے اگر ان حدیثوں اور اُن کی تاویلات
کی طرف اشارہ ہوتا تو اچھا ہے اور اُن کا یہ قول کہ امام شافعیؒ سے یہ ہی منصوص ہے الخ ترمذی
نے جو تاخیر ظہر کے باب میں امام شافعی سے نقل کیا ہے وہ اس کے مخالف ہے کہ حدیث ابراد اُن لوگوں
کے لئے رخصت پر محمول ہے جو دور سے مسجد میں آتے ہیں اور گرمی کی تکلیف اُٹھاتے ہیں اور نیز ترمذی وقت
اول کی فضیلت میں لائے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اول وقت افضل ہے اور حدیث میں اسکی
دلیل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا اول وقت کو اختیار کرنا
ہے اور بخاری نے انس کی حدیث کو نماز جمعہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ جب سردی ہوتی تھی تو نماز اول
وقت پڑھتے تھے اور گرمی ہوتی تھی تو ابراد کرتے تھے اور مشکوٰۃ کے اندر جو روایت نماز کو جلد پڑھنے کی ہے
اگرچہ عام ہے جمعہ اور ظہر دونوں کو جیساکہ مرقات میں ہے لیکن یہ دیکھنا ہے کہ جمعہ میں آنحضرت صلعم کسقدر
ابراد کرتے تھے تو بخاری اور مسلم نے کہا کہ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ ہم دوپہر کا کھانا بعد جمعہ کھایا کرتے
تھے ایسے ہی ابراد ظہر کی بھی کوئی حد ہوگی نصف وقت تک یا اُسکے بھی بعد تک اور اخیر صورت
میں لازم آتا ہے کہ آخر وقت ظہر میں اختلاف نہ ہو اس سب تفصیل کی ضرورت ہے ورنہ عوام دھوکہ میں

پڑینگے واللہ اعلم اور حسن بن زیاد کے نزدیک آفتاب کے زرد ہونے سے عصر کا وقت جاتا رہتا ہے بحر الرائق میں ہے وفی آخرہ خلاف ایضًا فان الحسن بن زیاد یقول اذا اصفرت الشمس فقد ذہب العصر اور عصر کے آخر وقت میں بھی خلاف ہے کیونکہ حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے تو عصر کا وقت جاتا رہتا ہے اور ہماری دلیل صحیحین کی روایت ہے کہ جس نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس نے عصر کی پوری نماز پالی اور مضمرات شرح قدوری میں ہے وللشافعی فیہ قولان فی قول اذا صار ظل کل شیٔ مثلیہ یخرج وقت العصر ولا یدخل وقت المغرب حتی تغرب الشمس فیکون بینھما وقت مھمل عندہ علی ھذا القول وفی قول اذا صار ظل کل شیٔ مثلیہ یخرج الوقت المستحب ویبقی اصل الوقت الی غروب الشمس اور اسمیں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ایک یہ کہ جب ہر شے کا سایہ دو مثل ہو جائے تو عصر کا وقت جاتا رہتا ہے اور مغرب کا وقت غروب آفتاب تک نہیں آتا تو بیچ میں خالی وقت نکلے گا اور دوسرے قول میں ہے جب ہر شے کا سایہ دو مثل ہو جائے تو مستحب وقت جاتا رہتا ہے اور اصل وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے **سوال** اگر کسی عضو پر دوا جس میں کوئی جزو شراب کا بھی ہو لگائے اور اُسکا دھونا اس عضو کو سخت نقصان رساں ہو تو ایسی حالت میں بغیر اُسکے دھوئے ہوئے نماز پڑھے یا نہیں **جواب** اگر دھونے سے عضو مذکور کے ضرر کا قطعی یقین ہے تو عذر کی وجہ سے بے دھوئے نماز ہو جائے گی اشباہ و نظائر میں ہے وقد تراعی المصلحۃ لغلبتھا علی المفسدۃ فمن ذلک الصلوٰۃ مع اختلال شرط من شرطھا من الطھارۃ او الستر او الاستقبال فان فی کل ذلک مفسدۃ لما فیہ من الاخلال بجلال اللہ تعالیٰ ذات لا یناجی الا علی اکمل الاحوال ومتی تعذر علیہ شیٔ من ذلک جازت الصلوٰۃ بدونہ تقدیما لمصلحۃ الصلوٰۃ علی ھذہ المفسدۃ اور کبھی مصلحت کا لحاظ کیا جاتا ہے بسبب خرابی پر غالب ہونے کے اسی وجہ سے نماز کی کسی شرط میں (طہارت ۔ ستر قبلہ رو ہونا وغیرہ) اگر خلل آجائے (تو گو کہ اس میں جلال الٰہی میں خلل اندازی کی وجہ سے خرابی ہے کیونکہ درگاہ الٰہی میں مناجات اکمل حالات پر ہونا چاہیے لیکن عذر موجود ہو تو ان کے بغیر نماز جائز ہو گی کیونکہ مصلحت اس خرابی پر مقدم ہے **سوال** نماز اور سجدۂ تلاوت اور سجدۂ سہو اور سجدۂ شکر بے طہارت ادا کرنا کیسا ہے **جواب** ناجائز ہے بلکہ بعض کے نزدیک بے طہارت نماز پڑھنا کفر ہے عالمگیریہ میں ہے من صلی بغیر طھارۃ فقد کفر جسنے بے طہارت نماز پڑھی وہ کافر ہو گیا ۔ اور صاحب کشف سجدۂ تلاوت کے بیان میں لکھتے ہیں وھو سجدۃ بین تکبیرتین

نماز کی شرطیں

شروط الصلوٰۃ من الطھارۃ وغیرھا سجدۂ تلاوت دو تکبیرونکے درمیان کا سجدہ ہی جس میں نماز کی تمام شرطون یعنے طہارت وغیرہ کو پایا جانا چاہیئے اور تاتارخانیہ میں ہی قال الاکثرون انھا لیست بقربۃ عندہ بل ھو مکروہ لا یثاب علیہ وترکہ اولیٰ وقال ھو قربۃ یثاب علیہ وثمرۃ الخلاف تظھر فی نتقاض الطھارۃ اذا نام فی سجود الشکر اکثر لوگون نے کہا ہے کہ اس میں کچھ تقرب الٰہی نہین ہے بلکہ یہ مکروہ اور اس کا ترک کرنا اولیٰ ہی اور بعض کے نزدیک اس میں تقرب الٰہی ہی اور اسپر ثواب ملیگا اور ثمرۂ اختلاف سجدۂ شکر میں سو جانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ آیا طہارت جاتی رہی یا نہیں۔

سوال نماز میں رکعتوں کے عدد کی نیت کرنا شرط ہے یا نہیں **جواب** نہیں عالمگیریہ میں ہی ولا یشترط نیۃ عدد الرکعات ھٰکذا فی شرح الوقایۃ عدد رکعات کی نیت شرط نہیں ہی ایسا ہی شرح وقایہ میں ہے **سوال** فجر اور مغرب و عشا میں عورتون پر بھی جہر واجب ہے یا نہیں **جواب** نہیں رسائل الارکان میں ہے ثم الجھر فی الصلوٰۃ الجھریۃ للرجال والاخفاء فی صلوٰۃ المخافتۃ واجب اما المرأۃ فیجب علیھا الاخفاء فی الصلوات کلھا لان صوتھا عورۃ پھر صلوٰۃ جہریہ میں جہر مردوں پر اور صلوٰۃ مخافتہ (یعنے آہستہ قرات والی نماز) میں اخفا واجب ہے اور عورتوں پر تمام نمازون میں اخفا واجب ہی کیونکہ اُنکی آواز بھی ستر ہے **سوال** نماز میں مردوں کو زیر ناف اور عورتوں کو زیر سینہ ہاتھ باندھنا کس حدیث سے ثابت ہی **جواب** عورتوں کے زیر سینہ ہاتھ باندھنے کی حدیث میری نظر سے نہیں گذری فقہانے بلحاظ ستر اسے تجویز کرلیا ہے شرح منیہ میں ہی واما المرأۃ فانھا تضعھا تحت ثدییھا بالاتفاق لانہ استر لھا عورت کو اپنے دونوں ہاتھ پستانوں کے نیچے رکھنا چاہئیں بالاتفاق کیونکہ یہ صورت اُسکے لیے زائد ساتر ہے۔ لیکن یہ جو فقہ میں لکھا ہے کہ مرد زیر ناف ہاتھ باندھیں وہ اس حدیث سے ثابت ہی جسکو ابو داؤد نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ یعنے ہاتھوں کا ہاتھوں پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہی اور رزین نے اس حدیث کو یون روایت کیا ہے السنۃ وضع الکف علی الکف ویضعھا تحت السرۃ ہاتھ کا ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہی لیکن امام نووی نے کہا ہی کہ یہ حدیث ضعیف ہی شرح منیہ میں ہی قال النووی اتفقوا علی تضعیفہ لانہ من روایۃ عبدالرحمٰن بن اسحٰق الواسطی وھو مجمع علی ضعفہ نووی نے کہا ہے کہ اس کا ضعف متفق علیہ ہے کیونکہ اس میں عبدالرحمٰن بن عوف واسطی کی

روایت ہے اور اُن کے ضعف پر اجماع ہے اور رسائل الارکان میں مولانا بحر العلوم ابن ہمام سے
سے نقل کرتے ہیں لم یثبت حدیث صحیح یوجب العمل فی کون الوضع تحت الصدر
و فی کونہ تحت السرۃ فیحال علی حال قصد التعظیم فی القیام والمعہود ھو کونہ
تحت السرۃ کوئی حدیث صحیح واجب العمل اس معاملہ میں محقق نہیں ہے کہ ہاتھ سینے کے نیچے باندھنا چاہئے
یا ناف کے نیچے پس قصد تعظیم کی حالت پر محول کیا جائے اور عمل درآمد (قصد تعظیم کے وقت) ناف ہی کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے

سوال تشہد میں رفع سبابہ سنت ہے یا کیا **جواب** بعض نے اسکو مکروہ لکھا ہے جیسے صاحب منیۃ
المفتی اور بعض نے حرام جسکی تصریح خلاصہ کیدانی میں موجود ہے اور بعض نے مستحب مانا ہے جیسے
رمز الحقائق میں تحفہ سے منقول ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عدم اشارہ مختار ہے جیسا کہ عالمگیریہ میں خلاصہ سے
نقل کیا ہے اور ان میں کوئی ایک بھی تحقیق کی راہ پر نہیں گیا ہے صحیح یہ ہے کہ سنت ہے اور صحیح حدیثوں سے
ثابت ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں لکھا ہے کہ یہی قول میرا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور صحابہ اور
علمائے سلف اور ائمہ اربعہ سے کوئی خلاف اس باب میں نہیں پایا گیا ہے اور جو شخص سنت کو حرام یا مکروہ کہتا ہے گنہگار ہے
اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھکر صاحب خلاصہ کیدانی کا بہت پیچھا لیا ہے
اللہ اُن کو اس کی اچھی جزا دے ملا علی قاری کہتے ہیں لم یعلم من الصحابۃ ولا من علماء السلف
خلاف فی ھذہ المسألۃ ولا فی جواز ھذہ الاشارۃ بل قال بہ امامنا الاعظم وصاحباہ
وکذا الامام مالک والشافعی واحمد وسائر علماء الامصار والاعصار اجمعین
علی ما ورد بہ صحاح الاخبار والآثار وقد نص علیہ مشائخنا المتقدمون والمتأخرون
فلا اعتداد لما علیہ المخالفون ولا عبرۃ لما ترک ھذہ السنۃ الاکثرون من سکان ماوراء
النہر واھل خراسان والعراق والروم وبلاد الہند انتھی وفی البحر الرائق ورجح فی فتح القدیر القول
بالاشارۃ وانہ مروی عن ابی حنیفۃ کما قال محمد فالقول بعدمہا مخالف للروایۃ والدرایۃ ودرواھا
فی صحیح مسلم من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی المجتبی لما اتفقت الروایات وعلم من اصحابنا
جمیعاً کونہا سنۃ وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الاخبار والآثار کان العمل بہا اولیٰ
صحابہ اور علمائے سلف میں اس مسئلہ اور اس اشارہ کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ
اور صاحبین اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ اور تمام علمائے زمانہ بھی اسی کے

قائل ہیں کیونکہ صحیح احادیث اور آثار اسکے مؤید ہیں اور اسپر ہمارے متقدمین اور متاخرین مشائخ دلیل
لائے ہیں تو اب مخالفین کی مخالفت کسی شمار میں نہیں اور اکثر علماے ماوراء النہر اور خراسان
اور عراق اور روم اور ہند کا اس سنت کو ترک کرنا قابل اعتبار نہیں انتہی اور بحرالرائق میں ہے کہ اور
فتح القدیر میں اشارے کے قول کو ترجیح دی گئی ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے جیسا کہ امام محمد رحمہ
اللہ نے کہا ہے پس اسکی ممانعت روایت اور درایت کی مخالفت ہے اور صحیح مسلم میں اسکو حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا فعل بیان کیا ہے اور مجتبیٰ میں ہے جبکہ روایات اسپر متفق ہیں اور ہمارے تمام اصحاب سے
اس کا سنت ہونا جاتا گیا اور اسیطرح کوفیین اور مدنیین سے منقول ہے اور اخبار اور آثار اسکے موافق بکثرت ہیں تو
اسپر عمل اولیٰ ہے **سوال** سبابہ سے کس وقت اشارہ کرنا چاہیے **جواب** لا الٰہ کہتے وقت اُٹھائے اور
الا اللہ کہتے وقت رکھدے ملا علی قاری فرماتے ہیں قالوا برفع المسبحة عند قوله لا الٰہ ویضعها
عند قوله الا اللہ لمناسبة الرفع للنفي وملائمة الوضع للاثبات حتى يطابق القول الفعل في
التوحيد والتفريد کلمہ کی اُنگلی لا الٰہ کہتے کے وقت اُٹھائے اور الا اللہ کہتے وقت رکھدے کیونکہ رفع
کو نفی اور وضع کو اثبات سے مناسبت ہے تاکہ توحید کے متعلق قول اور فعل مطابق رہیں اسیطرح
برہان اور کفایہ وغیرہ میں ہے **سوال** رفع سبابہ میں سبابہ کو حرکت دینا چاہیے یا نہیں **جواب** ابوداؤد
میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبابہ
کو حرکت نہیں دیتے تھے اور جو بعض روایت میں حرکت دینا وارد ہوا ہے تو اُس حرکت سے اُنگلی کو اپنی جگہ
سے اشارہ کے وقت اُٹھانا مراد ہے جو اسکو اُسکی جگہ حرکت دینے کو مستلزم ہے **سوال** اُنگلی اُٹھاتے وقت نظر
اُنگلی پر رکھے یا اور کہیں **جواب** حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا اُنگلی اُٹھاتے وقت نظر اُنگلی ہی
پر رکھتے تھے اور کسی دوسری طرف نہیں دیکھتے تھے ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ
عنہما سے مروی ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشیر باصبعه اذا دعا ولا یحرکها ولا یجاوز بصره
اشارته حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُنگلی سے اشارہ کرتے جب پکارتے اور اُنگلی کو حرکت نہ دیتے
اور آپ کی آنکھ اشارے سے متجاوز نہوتی **سوال** اشارۂ سبابہ کا طریقہ کیا ہے **جواب** کئی طریقہ ہیں (۱)
چھنگلیا اور اُسکے پاس والی اُنگلی کو بند کرے اور بیچ کی اُنگلی اور انگوٹھے کی نوک کو اسطرح رکھے کہ حلقہ
بنجائے اور کلمہ کی اُنگلی کو پھیلائے اور اشارہ کرے کفایہ میں فقیہ ابوجعفر سے اسی طریقہ کو نقل کیا ہے اور

رسائل الارکان میں اسے مختار نے لکھا ہے اور شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے ذکر ابو یوسف فی الامالی انہ یعقد الخنصر والاصبع التی تلیھا ویحلق الوسطی والابھام ویشیر بالسبابۃ انتھے وقال البرجندی فی شرح النقایۃ وقد جاء عن علمائنا فی بعض الروایات انہ یفعل کما یفعل الشافعی وھو ان یعقد الخنصر والبنصر ویحلق بین الوسطی والابھام براسھما ویشیر بالسبابۃ عند التلفظ بالشھادتین امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امالی میں ذکر کیا ہے کہ چھنگلیا اور اسکے پاس والی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرے انتہی اور برجندی نے شرح نقایہ میں کہا ہے ہمارے علماء سے بعض روایات میں منقول ہے کہ ویسا ہی کرنا چاہیئے جیسا امام شافعیؒ کرتے تھے یعنے چھنگلیا اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنائے اور کلمہ کی انگلی سے شہادتین کے ادا کرتے وقت اشارہ کرے (۲) داہنے ہاتھ کی ہتیلی کو ران پر اسطرح رکھے کہ انگلیوں کی نوکیں قبلہ کی طرف رہیں اور اشارہ کرتے وقت فقط کلمے کی انگلی اٹھاوے قبض و بسط و حلقہ کچھ نہ کرے صاحب برہان نے اسی طریقہ کو پسند کیا ہے اور درمختار میں درر البحار اور اسکی شرح غرر الاذکار سے نقل کیا ہے المفتیٰ عندنا انہ یشیر باسطا اصابعہ لکھا ہے نزدیک مفتی بہ یہ ہے کہ سب انگلیاں کھلی رکھے اور اشارہ کرے (۳) چھنگلیا اور اسکے پاس والی اور بیچ کی انگلی کو بند کرے اور انگوٹھے کی نوک شہادت کی انگلی کی جڑ سے ملا دے پھر کلمے کی انگلی سے اشارہ کرے یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور ایک روایت امام احمد حنبلؒ سے بھی ایسی ہی منقول ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے وفی الکفایۃ وفی قول المدینین یجب ان یعقد الثلث والخمسین ویشیر بالسبابۃ اور کفایہ میں ہے اور مدینین کی قول پر ترپّن کا عقد کرکے جس کا وہی طریقہ ہے جو ذکر ہوا اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرنا ضروری ہے (۴) سب انگلیوں کو بند کرکے اور کلمے کی انگلی کو کھولکے اشارہ کرے امام مالک رحمہ اللہ نے اسی طریقہ کو موطا میں لکھا ہے **سوال** بند اور کشادہ رکھنا انگلیوں کا جو اشارہ کے وقت ہوا ہے بعد اشارہ بھی اس بند و کشاد کو باقی رکھے یا پھر سب انگلیوں کھولکر رکھے **جواب** ملا علی قاری فرماتے ہیں والصحیح المختار عند جمھور اصحابنا انہ یضع کفیہ علی فخذیہ ثم عند وصولہ الی کلمۃ التوحید یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی والابھام ویشیر بالمسبحۃ رافعا لھا عند النفی وواضعا لھا عند الاثبات ثم یستمر علی ذلک لانہ ثبت العقد عند الاشارۃ بلا خلاف ولم یوجد غیرہ فالاصل بقاء الشئ علی ما ھو علیہ واستصحابہ

الی اخرہ اور صحیح اور مختار ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک یہ ہو کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے پھر جب کلمۂ توحید پر پہونچے تو چھنگلیا اور اُسکے پاس والی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی اُنگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور کلمہ کی اُنگلی سے اشارہ کرے اُسے اُٹھاتے ہوئے نفی یعنے لاالٰہ کے وقت اور رکھتے ہوئے اثبات یعنے الا اللہ کے وقت اور اسی کیفیت کو باقی رکھے کیونکہ عقد عند الاشارہ ثابت ہو اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہو اور اس کے خلاف کوئی قول نہیں پایا گیا اور اصل ہی کو علی حالہ باقی رکھنا چاہیئے **سوال** اشارہ کے وقت نظر انگلی پر رکھے یا اور کہیں **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارہ کے وقت اُنگلی پر نظر رکھتے تھے جیسا کہ ابو داؤد میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کے وقت اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اسکو حرکت نہیں دیتے تھے اور آپ کی نظر اشارہ سے تجاوز نہیں کرتی تھی **سوال** قعود میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے یا کیا کرے **جواب** رانوں پر عالمگیریہ میں ہے ووضع یدیہ علی فخذیہ وبسط اصابعہ کذا فی الھدایۃ ولا یاخذ الرکبۃ فی الاصح کذا فی الخلاصۃ اور ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیوں کو کھولے جیسا کہ ہدایہ میں ہو اور بر مذہب اصح گھٹنے نہ پکڑے ایسا ہی خلاصہ میں ہے **سوال** مقتدی آمین پکار کے کہے یا چپکے سے **جواب** آمین کہنا سنت ہے امام شافعی رحمہ اللہ جہر کے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اخفا کے قائل ہیں **سوال** اگر مقتدی ناظرہ خواں تراویح میں قرآن شریف دیکھ کے سنے اور اسی حالت میں لقمہ دیوے تو نماز صحیح ہے یا نہیں **جواب** امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقتدی کی نماز فاسد ہوگی اور اگر امام نے لقمہ لے لیا تو اُسکی نماز بھی فاسد ہوگی علامہ زیلعی شرح کنز میں قراءتہ من مصحف کے تحت میں لکھتے ہیں یعنے تفسد الصلوٰۃ عند ابی حنیفۃ وقالا لا تفسد بل یکرہ لما روی ان ذکوان مولی عائشۃؓ امھا فی رمضان وکان یقرأ من مصحف الا انہ یکرہ الصلوٰۃ لما فیہ من التشبہ باھل الکتاب ولابی حنیفۃ ان حمل المصحف ووضعہ عند الرکوع والسجود ورفعہ عند القیام وتقلیب ورقہ والنظر الیہ وفہمہ عمل کثیر یقطع من رآہ انہ لیس فی الصلوٰۃ ولانہ تلق من المصحف فاشبہ التلقن من غیرہ واثر ذکوان محمول علی انہ کان یقرأ قبل شروعہ فی الصلوٰۃ یعنے نماز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فاسد ہوجاتی ہو اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہوتی ہے کیونکہ روایت ہے کہ ذکوان مولیٰ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے رمضان میں اُنکی امامت کی اور وہ قرآن شریف سے دیکھ کے پڑھ رہے تھے اور یہ نماز مکروہ اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کا اُٹھانا اور رکوع و سجود کے وقت رکھنا اور پھر کھڑے ہوتے وقت اُٹھانا اور اوراق کو اُلٹنا اور اُس میں دیکھنا اور اُسے سمجھنا عمل کثیر ہے اور جو شخص ایسی حالت میں دیکھیگا وہ یقین کریگا کہ یہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے اور اس وجہ سے کہ یہ قرآن دیکھ کے پڑھ رہا ہے اور دوسرے شخص سے پڑھنے کے مشابہ ہے اور اثر ذکوان اس پر محمول ہے کہ قرأت قرآن کی نماز کے قبل تھی اور بحر الرائق میں ہے وصحح للمصنف الثانی وقال انہا تفسد بکل حال تبعا للسرخسی اور مصنف نے باتباع سرخسی دوسری وجہ یعنے قرآن شریف کو دیکھکر پڑھنے کو صحیح ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ نماز ہر حال میں فاسد ہوجائے گی **سوال** بے نمازی اگر نمازی کے پنکھا جھلے اور وہ نمازی اس سے راضی ہو تو اُسکی نماز فاسد ہوگی یا نہیں **جواب** بعض فتاوی میں لکھا ہے کہ نماز فاسد ہوگی مجمع البرکات میں ہے ولو روح غیر المصلے مصلیا ورضی بترویحہ یفسد صلوتہ عند مشائخنا وھو الاحوط لانہ یصیر مُرَوِّحًا فی الصلوٰۃ کذا فی الخزانۃ الجلالیۃ اور اگر غیر مصلی مصلی کے پنکھا جھلے اور وہ اُسپر راضی ہو تو ہمارے علما کے نزدیک نماز فاسد ہے اور اس میں زیادہ احتیاط ہے کیونکہ اس صورت میں راضی ہونیکی وجہ سے مصلی پنکھا جھلوانے والا ہوجاتا ہے ایسا ہی خزانہ جلالیہ میں ہے مگر یہ روایت درایت کے موافق نہیں ہے اور نہ اُسکی دلیل دعوے کے مطابق ہے ورنہ یہ لازم آئیگا کہ غیر مصلی کے جس فعل پر مصلی راضی ہو وہ مفسد نماز ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے **سوال** سجدہ کرتے وقت اگر زمین پر پاؤں نہ رکھے بلکہ اونچے کرلیے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں **جواب** اگر دونوں پاؤں زمین سے اُٹھا لیے تو نماز فاسد ہوگی اور اگر ایک اُٹھایا تو نماز مکروہ ہوگی عالمگیری میں ہے لو سجد ولم یضع قدمیہ علی الارض لا یجوز ولو وضع احدھما جاز مع الکراھۃ ان کان بغیر عذر کذا فی شرح منیۃ المصلے لامیر الحاج اور اگر سجدہ کیا اور دونوں پاؤں زمین پر نہ رکھے تو نماز جائز نہیں ہے اور اگر ایک پاؤں رکھا تو جائز ہے مگر مکروہ اگر بلا عذر ہو ایسا ہی امیر حاج کی شرح منیۃ المصلی میں ہے **سوال** اگر مقتدی نے غیر مقتدی سے لقمہ لیکر امام کو دیا اور امام لقمہ لیکر آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں **جواب** امام اور مقتدی کی نماز فاسد ہوگی قنیہ میں ہے لو سمع المؤتم ممن لیس فی الصلوٰۃ ففتحہ علی امامہ یجب ان یبطل صلوۃ الکل لان التلقین من الخارج اگر مقتدی نے ایک ایسے شخص سے

سنا جو جماعت سے خارج ہو اور وہی سنا ہوا امام کو بتا دیا تو دونوں کی نماز باطل ہوگی کیونکہ تعلیم خارج سے ہے
سوال شبینہ پڑھنے کے لئے مسجد میں فرش فروش ہانڈی فانوس وغیرہ کا سامان اسقدر کرتے ہیں کہ حد
اسراف تک پہونچ جاتا ہے اور قرآن شریف پڑھنے میں اسقدر جلدی کرتے ہیں کہ سوائے ایک آواز
کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ جائز ہے یا نہیں **جواب** شبینہ پڑھنا قرون ثلثہ اور فقہا کے زمانے میں تھا
فقہانے اسقدر لکھا ہے الختم مرۃ سنۃ والا ثنان فضیلۃ والثلثۃ افضل ایک ختم کرنا سنت اور
دو ختم کرنا فضیلت اور تین ختم کرنا افضل ہے اور فی زماننا جو شبینہ رائج ہے سامعین پر گران ہوتا ہے کیونکہ
بعض سامعین اخلاقاً اس وجہ سے چلے آتے ہیں کہ جو شبینہ کا منتظم ہے اس نے طلب کیا ہے بعض اسلئے آتے
ہیں کہ ان کے دوست احباب آتے ہیں اور یہ کراہت کا سبب ہے ایسا کوئی نہیں جو خوشی دل سے شبینہ سنے
الا ماشاء اللہ فقہانے اسکے مکروہ ہونے کی تصریح جا بجا کی ہے اختیار میں ہے الافضل فی التراویح فی زماننا
قدر ما لا یثقل علیھم ہمارے زمانے میں تراویح میں افضل اتنی مقدار ہے جو انپر گران نہو۔ اور علامہ
زاہدی رسالہ فضائل رمضان میں لکھتے ہیں انتہی ابو الفضل الکرمانی اذا قراء الفاتحۃ وآیۃ و آیتین
لا یکرہ ومن لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل ابو الفضل کرمانی نے کہا ہے کہ جب فاتحہ اور
دو یا تین آیتیں پڑھ لیجائیں تو کراہت نہیں ہے اور جو شخص اہل زمانہ کی حالت نہ جانے وہ جاہل ہے ایسے ہی بحر وغیرہ
میں ہے علاوہ بریں حفاظ شبینہ میں اسقدر جلدی کرتے ہیں کہ حرکات اور سکون میں نقصان پڑتا ہے اسی لئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن سے کم میں ختم قرآن کو منع فرمایا چنانچہ ابو داؤد میں عبداللہ
بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قال قال لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اقرأ القران فی شھر
قال انی اجد قوۃ قال اقرء فی عشرین قال انی اجد قوۃ قال اقرء فی خمس عشرۃ قال انی اجد قوۃ
قال اقرء فی عشر قال انی اجد قوۃ قال اقرء فی سبع ولا تزیدن علی ذلک رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے ابن عمرؓ سے فرمایا کہ قرآن ایک مہینہ میں پڑھو انھوں نے کہا میں اس سے زائد قوت
رکھتا ہوں آپنے فرمایا بیس دن میں پڑھو انھوں نے کہا میں اس سے زائد قوت رکھتا ہوں آپنے
فرمایا پندرہ دن میں پڑھو انھوں نے کہا میں اس سے زائد قوت رکھتا ہوں آپنے فرمایا دس دن
میں پڑھو انھوں نے کہا میں اس سے زائد قوت رکھتا ہوں آپنے فرمایا سات دن میں پڑھو اور
اس سے کم میں نہ پڑھو اور دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یفقہ القرآن من قرء فی اقل من ثلاث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص قرآن کو نہیں سمجھتا جو اُسے تین دن سے کم میں پڑھتا ہے ان روایتوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ منہی عنہ شرع میں جلدی پڑھنا ہے جو کراہت اور بے ادبی سے خالی نہیں پس شبینہ فی نفسہ مستحسن ہے فی زماننا مقتدی کی عدم توجہی اور امام کی جلدی وغیرہ سے مکروہ ہے پس اگر ایسا امام ہے جو قرآن شریف کو ایک شب میں باضباط بطرز مشروع اور قرأت کا لحاظ کرکے پڑھ دے اور سننے والے بھی اول سے آخر تک بطیب خاطر سنیں اور دل پر بار نہ ہو تو ایسی حالت میں ختم شبینہ موجب ثواب ہے اگرچہ اسکا وجود قرون ثلثہ میں نہیں ہے مگر یہ بدعات حسنہ سے ہے جیسے مدارس وغیرہ کا بنانا امام غزالی نے بہت سے زاہدوں سے نقل کیا ہے کہ وہ شبینہ پڑھتے تھے اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ رمضان شریف میں ہر دن میں ایک اور ہر رات میں ایک قرآن علاوہ تراویح کے ختم کرتے تھے مگر ان حضرات کے امور ضروریہ کی رعایت رکھنے میں کچھ شک نہیں ہے ایسے ہی امور مکروہہ سے بچنے میں لہذا اگر کوئی انکی پیروی کرے تو ثواب پائے کتبہ محمد عبدالحی الجواب صحیح محمد نور الحسنین **سوال** مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں **ھوالمصوب** مقبرہ کے اندر نماز پڑھنا شرک خفی اور کراہت سے خالی نہیں ہے حجۃ اللہ البالغہ میں ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کلھا مسجد الا المقبرۃ اقول الحکمۃ فی النہی عن المقبرۃ الاحتراز عن ان یتخذ قبور الاحبار والرھبان مساجدا بان یسجد لھا کالاوثان وھوالشرک الجلی او یتقرب الی اللہ بالصلوٰۃ فی تلک المقابر وھوالشرک الخفی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام زمین مسجد ہے مگر مقبرہ میں کہتا ہوں کہ اس میں مصلحت احتراز کرنا ہے احبار اور رہبان کی قبروں کو مساجد بنانے سے کہ اُن کے جانب سجدہ کیا جائے جیسے بت اور یہ ظاہر شرک ہے اور اس سے کہ ان مقابر میں نماز پڑھنا قرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جائے اور یہ شرک خفی ہے حررہ محمد لمعان الحق عفی عنہ۔ الجواب الصحیح حررہ محمد امان الحق عفی عنہ۔ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں ہے۔ الکراھۃ لقول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سبع مواطن لا تجوز الصلوٰۃ فیھا ظھر بیت اللہ والمقبرۃ الحدیث والمراد بعدم الجواز الکراھۃ فی غیر ظھر البیت بالاجماع فکذا فیہ اور کراہت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بدولت ہے کہ سات جگہوں میں نماز جائز نہیں ہے بیت اللہ کی چھت پر مقبرہ میں الحدیث

اور ظہر بیت اللہ کے علاوہ سب میں عدم جواز سے بالاجماع کراہت مراد ہے واللہ اعلم کتبہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم هو الموفق اوپر کے جواب میں اجمال ہے کہ کم سمجھ لوگوں کو خدشہ ہو سکتا ہے لہذا میں ایسی عبارات لکھتا ہوں جو خود مفصل ہیں میری تفصیل کرنیکی بھی ضرورت نہیں اشعۃ اللمعات اور مدارج النبوۃ میں محقق دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا (آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے ایک گروہ تھا جنھوں نے انبیا اور صلحا کی قبروں کو مساجد بنا لیا تھا اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا یہود اور نصاریٰ پر لعنت ہو جنھوں نے قبور انبیا کو مساجد بنا لیا اور دوسری روایت میں ہے کہ آپنے دعا کی اے اللہ میرے بعد میری قبر کو بت نہ بنانا اُس قوم پر اللہ کا سخت غصہ ہے جس نے قبور انبیا کو مساجد بنا لیا) بیشک میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں اور مقابر کو مساجد بنا لینے سے مراد یہ ہے کہ قبور کی طرف سجدہ کرنا اور اسکی دو صورتیں ہیں (۱) قبور کو سجدہ کریں اور انھیں کی عبادت مقصود ہو جیسے بت پرست کرتے ہیں (۲) عبادت خدا کی مقصود ہو مگر اعتقاد رکھتے ہیں کہ نماز اور عبادت میں قبور کی طرف متوجہ ہونا قرب و رضائے الٰہی کا سبب ہے اور یہ دونوں طریقے نامشروع ہیں پہلا شرک جلی اور کفر صریح ہے اور دوسرا بھی شرک خفی کو شامل ہونے کی وجہ سے حرام اور ممنوع ہے اور نبی یا صالح کی قبر کی طرف بقصد تبرک و تعظیم نماز پڑھنا حرام ہے اس میں کسی کا علما میں سے اختلاف نہیں ہے اونکی طرف مسجد بناویں یا نماز اونکی طرف کو ادا کریں تاکہ اُنکی روحانیت کی برکت سے خدا تعالیٰ عبادت کو قبول کرے یہ تمام ابن حجر نے شرح مشکوٰۃ میں بیان کیا ہے دوسرے یہ کہ بعض علماء بالکل ظاہر حدیث پر نظر کر کے منع کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قبر کی خاک پیپ اور خون وغیرہ سے پاک ہے تو نماز جائز ہے اور یہی مختار ہے غنیۃ المستملی میں ہے لاباس بالصلوٰۃ فی المقبرۃ اذا کان فیہا موضع اعد للصلوٰۃ ولیس فیہ قبر وھذا لان الکراھۃ معللۃ بالتشبیہ باھل الکتاب وھو منتف فی ماکان علی الصفۃ المذکورۃ انتہٰی وقال العلامۃ الشیخ احمد الطحطاوی فی حاشیۃ علی مراقی الفلاح قولہ فی المقبرۃ بتثلیث الباء لانہ تشبہ بالیہود والنصاری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنۃ اللہ علی الیہود والنصاری تخذوا قبور انبیائہم مساجد سواء کانت فوقہا وخلفہا وتحت ماھو واقف ویستثنیٰ مقابر الانبیاء فلا تکرہ الصلوٰۃ فیہا مطلقا منبوشۃ کانت اولا بعد ان لا یکون

القبر فی جهة القبلة لانهم احياء فی قبورهم الا ترى ان مرقد اسمٰعيل فی الحجر تحت الميزاب وان بين الحجر الاسود وزمزم قبر سبعين نبيا ثم ان ذلك المسجد افضل ما يتحرى للصلوٰة فيه بخلاف مقابر غيرهم افاده فی شرح المشكوٰة وفی زاد الفقير وتكره الصلوٰة فی المقبرة الا ان يكون فيها موضع اعد للصلوٰة لا نجاسة فيه ولا قذر فيه قال الحلبی لان الكراهة معللة بالتشبه وهو منتف حينئذ وفی القهستانی عن جنائز المضمرات لا تكره الصلوٰة الى جهة القبر الا اذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلوٰة الخاشعين وقع بصره عليه انتهى وفی العالمگيرية ان كانت القبور ما وراء المصلی لا يكره فانه ان كان بينه وبين القبر مقدار ما لو كان فی الصلوٰة ويمر انسان لا يكره مقبرہ میں نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے جبکہ اُسمیں کوئی جگہ نماز کے لیے مقرر ہو اور اُس میں کوئی قبر نہو کیونکہ کراہت کی علت اہل کتاب کی تشبیہ ہے اور یہ حالت مذکورہ میں منتفی ہے انتہی علامہ شیخ احمد طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں لکھا ہے قوله فی المقبرة اسلیے کہ اسمیں یہود اور نصاریٰ کی تشبیہ ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہے جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا خواہ قبر مصلے کے اوپر ہو یا نیچے یا پیچھے اور مقابر انبیا مستثنیٰ ہیں کیونکہ ہم اُن میں نماز مکروہ نہیں سمجھتے مطلقا قبر ظاہر ہو یا نہو لیکن جہت قبلہ میں نہونا چاہیئے اسلیے کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں کیا تمکو نہیں معلوم کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مزار میزاب کے نیچے پتھر میں ہے اور حجر اسود اور زمزم کے درمیان ستر نبیوں کی قبریں ہیں حالانکہ یہ مسجد نماز کے لیے دوسری مساجد سے افضل ہے بخلاف دوسروں کے مقابر کے جیسا کہ شرح مشکوٰۃ میں ہے اور زاد الفقیر میں ہے قبرستان میں نماز مکروہ ہے مگر یہ کہ اس میں ایسی جگہ مقرر ہو جس میں نماز پڑھی جائے اور اس میں نجاست اور گندگی نہو حلبی نے کہا ہے کیونکہ اُسکی علت تشبہ ہے اور وہ یہاں منتفی ہے اور قہستانی نے جنائز المضمرات سے نقل کیا ہے کہ قبر کی جانب نماز مکروہ نہیں مگر جب قبر اُسکے سامنے ہو کہ اگر خشوع و خضوع سے نماز پڑھے تو اُسکی نظر اُسپر پڑے اور عالمگیری میں ہے اگر قبریں نماز پڑھنے والے کے پیچھے ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہے کیونکہ اگر مصلی اور قبر کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہو کہ حالت نماز میں جب کوئی شخص اُسکے سامنے سے گذرنا چاہے تو گذر جائے تو نماز مکروہ نہو گی واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمدی محمد غفرلہ اللہ الاحد هو المصوب مقابر میں نماز ادا کرنے کی کئی صورتیں ہیں (۱) قبور کو اپنا قبلہ بنائے اور اہل قبور کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے یہ شرک جلی ہے (۲) قبروں کو کھود کے وہاں مسجد بنائے

اور اُس میں نماز پڑھے یہ حرام ہے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں انما حرم اتخاذ المسجد علیہا لان استنانا لسنۃ الیھود قال ابن مالک وقید علیہا یفید ان اتخاذ المسجد بجنبہا لا بأس بہ قبروں پر مسجد بنانا حرام ہے کیونکہ یہ یہود کی سنت کی اتباع ہی یہ ابن مالک نے کہا ہے اور اس میں ایک قید یہ بھی بڑھائی ہے کہ قبروں کے پہلو میں مسجد بنانے میں کچھ حرج نہیں ہے (۳) اگرچہ قبروں کو اپنا قبلہ نہ بنائے مگر قبریں اُسکے سامنے ہوں اس صورت میں اگر بیچ میں کوئی فاصل نہو تو نماز مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں اور اسیطرح اگر قبور پہلو میں یا داہنے بائیں ہوں۔ زیلعی نے لکھا ہے ویکرہ الصلوٰۃ الی القبور وبین القبور انتہی قبروں کی طرف اور قبروں کے بیچ میں نماز مکروہ ہے اور خزانۃ الروایۃ میں ہے فی مفید المستفید من الحاوی سئل ابو نصر عن ذلک فقال ان کان القبر وراء المصلی لا یکرہ فانہ ان کان بینہ وبین القبور مقدار ما لو مر انسان بین یدیہ لم لا یکرہ فکذا ھہنا والحد الفاصل موضع سجدہ مفید المستفید میں حاوی سے نقل کیا ہے کہ اسکے متعلق ابو نصر سے پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ قبر اگر مصلے کے پیچھے ہو تو نماز مکروہ نہیں ہے کیونکہ اگر مصلے اور قبور کا درمیانی فاصلہ اتنا ہو کہ حالت نماز میں گذرنے والا گذر سکے تو نماز مکروہ نہو گی اور یہی حالت یہاں بھی ہے اور حد فاصل جائے سجدہ ہے (۴) اگر قبریں مصلی کے پیچھے ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہے (۵) اگر مقبرے میں مسجد بنائی ہوا اور وہاں نماز ادا کیجائے تو بھی کوئی خلل نہیں ہے ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اسکی تصریح کی ہے واللہ اعلم بالصواب

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** چلتی ہوئی ریل میں نماز فرض اور واجب اور سنت فجر بلا عذر جائز ہے یا نہیں اور جان و مال یا سواری کا تلف ہونا اور ساتھیوں سے الگ ہو جانا عذر شرعی ہے یا نہیں اور ٹھہرنے کے وقت اُسپر نماز درست ہے یا نہیں اور نماز کی جگہ کا برقرار ہونا شرط ہے یا نہیں **جواب** سب نمازیں چلتی ہوئی ریل میں بلا عذر جائز ہیں۔ اسکے مطابق فقہ کی روایات اور اکابر حنفیہ و شافعیہ کی تصریحات ہیں اور جو عذر سوال میں مذکور ہیں وہ بلا شبہ شرعی عذر ہیں تصریحات فقہا کے مطابق ادائے نماز کی جگہ کا ٹھہرا ہوا ہونا بھی ضرور نہیں ہے پہلی بات کا بیان یہ ہے کہ معتبر روایتوں سے ظاہر ہے کہ اُس گاڑی پر بلا عذر نماز جائز ہے کہ جس کی کوئی جانب چوپایہ پر نہ رکھی ہو خواہ وہ گاڑی خود بخود چل رہی ہو یا کسی آدمی کے چلانے سے اور یا کوئی چوپایہ رسی کے ذریعہ اُسکو کھینچ رہا ہو نہر الفائق میں ہے والعجلۃ ان لم یکن طرفہا

علی الدابۃ فکالسریر اور گاڑی اگر کسی جانور پر نہ رکھی ہوئی ہو تو اُسکا حکم تخت کا ہے اور مختار الفتاوی میں ہے لو سجد علی العجلۃ ان کانت علی البقر لا یجوز وان کانت علی الارض یجوز اگر گاڑی پر سجدہ کیا اور وہ بیل پر رکھی ہوئی تھی تو نماز نہ جائز ہوگی اور اگر زمین پر رکھی تھی تو جائز ہوگی اور فتح القدیر میں ہے وعلی العجلۃ علی الارض کالسریر لا ان کانت علی البقر کالبساط المشدود بین الاشجار اور اُس گاڑی پر جو زمین پر رکھی ہو ویسی ہی نماز جائز ہے جیسے تخت پر اور اگر بیل پر ہو تو نہیں جیساکہ وہ بچھونا جو درختوں کے بیچ میں بندھا ہوا ہو اور عینی شرح کنز میں ہے والعجلۃ کالدابۃ ان کان طرفہا علی الدابۃ سواء کانت سائرۃ او لا وان لم یکن فکالسریر اور گاڑی کا حکم جانور کا ہے اگر وہ جانور پر رکھی ہو خواہ جانور چل رہا ہو یا نہ چل رہا ہو اور اگر جانور پر نہ رکھی ہو تو اُسکا حکم تخت کا ہے ان روایتوں سے ظاہر ہو گیا کہ جو گاڑی جانور پر نہ رکھی ہو چاہے وہ خود چلے یا کوئی آدمی کسیطرح چلائے یا رسی سے کھینچی جائے اُسپر نماز جائز ہے کیونکہ شق ثانی مطلق اور بجائے خود مصرح ہے المطلق یجری علی اطلاقہ یعنے مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے اگر اسپر بھی تفصیل کی حاجت ہو تو رد المحتار کو دیکھو کہ وہ درمختار کے قول لو دا فقہ کے تحت میں کیا کہتے ہیں کذا قیدہٗ فی شرح المنیۃ ولم اراہ لغیرہ یعنی اذا کانت العجلۃ علی الارض ولم یکن شئ منہا علی الدابۃ وانما لہا حبل مثلا تجرہا الدابۃ یصح الصلوٰۃ علیہا بلا عذر لانہا حینئذٍ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی ھذا التعلیل انہا لو کانت سائرۃ فی ھذہ الحالۃ لا تصح الصلوٰۃ علیہا بلا عذر وفیہ تامل لان جرہا بالحبل وھی علی الارض لا یخرجہا عن کونہا علی الارض ویفیدہ عبارۃ التاتارخانیۃ عن المحیط وھی لو صلی علی العجلۃ ان کان طرفہا علی الدابۃ وھی تسیر تجوز فی حالۃ العذر ولا یجوز فی غیرہا وان لم یکن طرفہا علی الدابۃ جازت وھی بمنزلۃ الصلوٰۃ علی السریر الخ فقولہ وان لم یکن الخ یفید ما قلنا لانہ راجع الی اصل المسئلۃ وقد قیدہا بقولہ وھی تسیر ولو کان الجواز مقیدا بعدم السیر نفیدیہ نتامل ایسی ہی شرح منیہ میں قید لگائی ہے لیکن یہ میں نے کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا ہے یعنے جب گاڑی زمین پر رکھی ہوئی ہو اور اُسکا کوئی حصہ کسی جانور پر نہو اور اُس میں کوئی رسی بندھی ہو جسے جانور کھینچ رہا ہو تو اُسپر بلا عذر نماز صحیح ہے اس لئے کہ ایسی حالت میں اُسکا حکم اُس تخت کا ہے جو زمین پر رکھا ہو اور مقتضای تعلیل تو یہ ہے

کہ اگر زمین پر رکھی ہوئی گاڑی چل رہی ہو تو اُس پر بلا عذر نماز جائز ہوا ور اُس میں کلام ہے کیونکہ رسی سے کھینچنا جبکہ گاڑی زمین پر رکھی ہوئی ہو اُسے زمین پر ہونے سے خارج نہیں کر سکتا اور یہی تاتارخانیہ کی محیط سے نقل کی ہوئی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر گاڑی پر نماز پڑھی اور وہ چلتے ہوئے جانور پر رکھی ہوئی تھی تو حالت عذر میں نماز جائز ہوگی اور بلا عذر نہ جائز ہوگی اور اگر وہ کسی جانور پر نہ تھی تو نماز جائز ہوگی اور بمنزلہ تخت پر نماز پڑھنے کے ہوگی الخ پس اُسکے قول ان لم یکن الخ سے ہمارا مقصود حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ اصل مسئلہ کیجانب راجع ہے اور اصل مسئلہ میں سواری کو چلتے ہوئے ہونیسے مقید کیا ہے پس اگر یہاں چلتی ہوئی نہ ہونیکی قید ہوتی تو قید لگا دیتا اور قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسبح علی الراحلۃ قبل ای وجہ توجہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم راحلہ پر نماز اُسیطرف پڑھتے جسطرف اُسکا رُخ ہوتا کے تحت میں لکھا ہے وھی سائرۃ فلو صلیت علی ھودج علیھا وھی واقفۃ صحت وکذا لو کان فی سریر یحملہ رجال ولو مشوا بہ درحالیکہ چل رہا تھا اور اگر ہودج میں نماز پڑھی جو کسی رکے ہوئے جانور پر تھا تو نماز صحیح ہوگی اور اسیطرح اُس تخت پر جسے لوگ لیے جا رہے ہیں۔ دوسری بات کا بیان یہ ہے کہ فقہا نے اعذار مذکورۂ سوال کو اعذار شرعیہ میں شمار کیا ہے ظہیریہ میں ہے لا یجوز المکتوبۃ الا بعذر من الاعذار ان یخاف من نزول الدابۃ بنفسہ علی نفسہ او دابتہ من سبع او لص او کان فی طین لا یجد علے الارض مکانا جافا او کانت الدابۃ جموحا لو نزل لا یمکنہ الا جمعین او کان شیخا کبیرا فرض نماز سواری پر بغیر عذر کے درست نہیں ہے اور اعذار میں سے یہ ہے کہ سواری پر سے اُترنے میں اپنی جان یا سواری کے متعلق کسی درندہ یا چور کا خوف ہو یا ایسی جگہ پر ہو جہاں کوئی حصۂ زمین خشک نہ ملے یا سواری سرکش ہو کہ بغیر دوسرے کی مدد کے اسپر سے اُتر نہ سکتا ہو یا بہت بوڑھا ہو۔ اور فتاوی قاضی خان میں مذکور ہے ومن الاعذار ان یخاف من نزول الدابۃ علے نفسہ او علی دابتہ من سبع او لص او کان فی طین وروغۃ لا یجد علے الارض مکانا یابسا اور اعذار میں سے یہ ہے کہ اُسے سواری سے اُترنے میں اپنی جان یا سواری کا چور یا درندہ سے خوف ہو یا ایسی کیچڑ وغیرہ کا مقام ہو جہاں خشک زمین نہ ملے اور صاحب درمختار نے بارش اور ساتھیوں کے

چلے جانے کو بھی عذر مانا ہے اور تیسری بات کا بیان یہ ہے کہ نماز کی جگہ کا برقرار ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ
ابھی معلوم ہوا کہ شامی نے اُس گاڑی پر نماز کو جائز رکھا جو رسی سے کھینچی جائے اور قسطلانی نے
اُس تخت پر نماز کو جائز رکھا جسکو لوگ اپنے کاندھوں پر رکھکر لے جا رہے ہوں تو جائے نماز کے برقرار
ہونے کے کیا معنے نیز معتبر روایت سے اُس کشتی پر نماز درست ہے جو کنارہ پر بندھی ہو خواہ زمین پر
برقرار ہو یا نہ ہو ایسے ہی ہدایہ اور بحر وغیرہ میں ہے حررہٗ خادم علما امیر احمد عفی عنہ **ھوالموفق**
اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز فرض ہو یا غیر فرض ریل گاڑی میں چلتی ہو یا رکی ہوئی ہو جائز ہے
اور اعذار مذکورہٗ سوال موکد جواز ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی
تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** عشا کی نماز آدھی رات کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا نہیں اور اگر
مکروہ تحریمی ہے تو واجب الاعادہ ہے یا نہیں اور اگر واجب الاعادہ ہے
تو کس وقت اعادہ کیا جائے **جواب** عشا کی نماز آدھی رات کے بعد پڑھنا مکروہ تحریمی ہے عینی
شرح ہدایہ میں ہے تاخیر الی النصف الاخیر مکروہ لما فیہ من تقلیل الجماعۃ وفی القنیۃ الکراہۃ
للتحریم عشا کی نماز میں نصف آخر تک تاخیر مکروہ ہے کیونکہ اس سے جماعت میں کمی ہو جاتی ہے اور
قنیہ میں ہے کہ کراہت تحریمی ہے اور شرنبلالی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں التاخیر الی ما بعد النصف
مکروہ والکراھۃ تحریمیۃ تاخیر نصف شب کے بعد تک مکروہ ہے اور کراہت تحریمی ہے اور قنیہ میں ہے
تاخیر العشاء الی ما زاد علی نصف اللیل والعصر الی وقت اصفرار الشمس والمغرب الی اشتباک
النجوم یکرہ تحریمًا عشا کی تاخیر آدھی رات سے زائد تک اور عصر کی آفتاب کے زرد ہونے تک اور
مغرب کی تاروں کے روشن ہونے تک مکروہ تحریمی ہے لیکن اعادہ پس اُسکے متعلق تمام فقہا نے
کلیہ قاعدہ لکھا ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تعاد وجوبًا جو نماز بکراہت تحریمی ادا کیجائے
اُسکو دہرانا واجب ہے اور خیر الدین رملی حواشی بحر الرائق میں اور ابن عابدین رد المحتار میں اسکی
تصریح کرتے ہیں کہ اعادہ کا وجوب بقاے وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے بل ھی واجبۃ فی الوقت
وبعدہ علی الاصح بلکہ اعادہ واجب ہے وقت میں اور بعد وقت کے بھی بروایت اصح اور یہ ظاہر ہے
کہ عشا کی اس نماز کا رات میں اعادہ کرنا جو نصف کے بعد پڑھی گئی ہے بیکار ہے کیونکہ یہ بھی اسی پہلی
نماز کی طرح مکروہ تحریمی ہو جائے گی۔ لہذا مصلی کو چاہیئے کہ وہ وقت گذر جانے پر طلوع صبح صادق کے

بعد اُسکو دہرائے اور اگر اُس عشا کی نماز کا اعادہ نہ کیا جو آدھی رات کے بعد پڑھی تو اُتنا گنا ہگار ہوگا جتنا واجب کے ترک سے ہوتا ہے نہ اُس قدر کہ جتنا فرض ترک کرنے سے ہوتا ہے کیونکہ فرض اُس نے اپنے وقت میں ادا کیا ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** جولاہوں میں جو نکاح ثانی بھی کرتے ہیں اگر کوئی عالم باعمل ہو تو اُسکی امامت جائز ہے یا نہیں اور نکاح ثانی کرنے والونکو رذیل کہنے اور اُن سے مراعات اسلامی ترک کرنے والے کیسے ہیں اور جو لوگ اپنے آپ کو شریف کہتے ہیں اگر کوئی اُن میں سے نکاح ثانی کی جرأت کرتا ہے تو شادی غمی میں اُسکی برادری کے لوگ شرکت نہیں کرتے یہ شرعاً کیسا ہے **جواب** فقہائے حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امامت کے لئے عالم باعمل جو فسق ظاہر سے بچتا ہو افضل ہے پس جولاہے کی امامت جو عالم باعمل ہو افضل اور احق ہے اور نکاح مسنون ہے اُسکو بُرا جاننے والا اور نکاح ثانی کرنے والوں سے مراعات اسلامی ترک کرنے والا گنہگار ہوگا بلکہ من حیث شرعی ہونے کے کسی امر شرعی کو جو شخص بُرا جانے اُسکے کفر کا خوف ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** بکر نے زید کو ہمیشہ اپنے ساتھ سفر میں رکھنے کے لئے نوکر رکھا پس زید ایسے سفر کی حالت میں قصر کرے یا نہیں اور ایسے نوکر کا قیاس اہل اخبیہ یعنی صحرائی آدمیوں پر ہوسکتا ہے یا نہیں **جواب** صورت مذکورہ میں زید قصر کرے جبتک بکر اقامت نہ کرے پھر اگر کسی جگہ بکر نے اقامت کی نیت کرلی تو زید بھی اُسکی تبعیت میں مقیم ہوجائیگا کیونکہ صورت مسئولہ میں زید اجیر ہے اور اجیر کو فقہا نے توابع میں شمار کیا ہے چنانچہ بحر الرائق اور مراقی الفلاح میں اُسکی تصریح ہے اور زید کا قیاس مردمان صحرائی پر نہیں ہوسکتا کیونکہ اخبیہ سے جنپر قصر واجب نہیں وہ لوگ مراد ہیں جو صحرا کے سوا کوئی دوسرا وطن اصلی رکھتے ہی نہوں بحر الرائق میں ہے ظاہر کلام البدائع ان اہل الاخبیۃ لا یحتاجون الی نیۃ الاقامۃ فالمفاز لہم کالامصار والاقامۃ اصل والسفر عارض وہم لا ینوون سفرا وانما ینتقلون من ماء الی ماء ومن مرعی الی مرعی ظاہر کلام بدائع یہ ہے کہ جنگلی آدمیوں کو نیت اقامت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جنگل ہی اُنکا گھر ہے جیسے کہ شہر اور اقامت اصل ہے اور سفر عارضی اور وہ نیت سفر نہیں کرتے بلکہ ایک پانی سے دوسرے پانی اور ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ تک جاتے رہتے ہیں بلکہ زید کا قیاس ملاح پر کرنا چاہئے جو وطن اصلی رکھنے کے ساتھ ہمیشہ سفر میں رہتا ہے زاہدی شرح قدوری میں لکھتے ہیں الملاح مسافر الا عند الحسن حسن کے سوا سب کے نزدیک ملاح مسافر ہے پس جبکہ ملاح پر قصر واجب ہے تو زید پر بھی قصر

واجب ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** شیعونکی مسجد میں سنیونکو
نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ اور رافضیوں کی مسجد کا حکم سنیوں کی مسجد کا سا ہے یا نہیں **جواب**
درست ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** زید مغرب یا عشا
کا امام ہوا اور عمرو اور خالد وغیرہ مقتدی ہوئے زید نے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ارأیت الذی
اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد الم ترکیف پڑھی پس نماز ہوئی یا نہیں مثلاً پہلی رکعت میں الحمد کے
بعد انا اعطینا اور دوسری میں الحمد کے بعد اذا جاء تو یہ آیتیں جو سلسلے سے نہیں پڑھیں اس سے نماز ہوئی یا نہ
ہوئی اور یوں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور فجر کی فرض پڑھنے کے بعد ایک شخص نے فجر کی سنتیں پڑھیں کیونکہ
وقت بہت تھا اور فرض سے پہلے سنتیں ترک ہو گئی تھیں تو اسکی نماز فرض ادا ہوئی یا نہیں **جواب**
صورت اول میں اگر عمداً اسطرح پڑھا ہے تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر عمداً نہیں پڑھا تو مکروہ نہو گی خلاصہ
میں ہے الجمع بین سورتین بینهما سورة واحدة فی رکعتین یکره وان کانت السورة طویلة لا یکره
کما اذا کانت بینهما سورتان قصیرتان وان قرأ فی رکعة واحدة سورة وفی اخری سورة اخری
فوق تلك السورة فهو مکروه الا اذا وقع من غیر قصد دو رکعتوں میں دو ایسی سورتیں پڑھنا جنکے
بیچ میں کوئی ایک سورت ہو مکروہ ہے اور اگر سورت بڑی ہے تو مکروہ نہیں ہے جیسا کہ درمیان میں دو
چھوٹی سورتیں ہوں اور اگر ایک رکعت میں ایک سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اس کے
قبل کی کوئی سورت پڑھی تو نماز مکروہ ہوگی لیکن اگر قصداً ایسا نہوا ہو تو مکروہ نہو گی اور فرض فجر کے
بعد سنت ادا کرنے سے نماز فرض میں کچھ فتور نہیں آتا حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی **سوال** بعض
جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی پڑھنا جیسا کہ اکثر لوگ اس زمانہ میں پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں اور اسکا ثبوت
صحابہ اور تابعی اور تبع تابعی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے یا نہیں **جواب** سلف سے جمعہ کے بعد ادائے ظہر منقول
نہیں ہے مگر اکثر فقہائے متاخرین نے ادائے ظہر کو احوط لکھا ہے اسلئے کہ تعدد جمعہ میں علما کا اختلاف ہے اور مصر
کی تعریف میں بھی جو وجوب جمعہ کے شرائط میں سے ہے اختلاف واقع ہے اور بعض اقوال میں اکثر شہر مصر نہیں
ہیں پس ادائے ظہر میں احتیاط ہے اور یہ فرضیت جمعہ کو منافی نہیں ہے اگرچہ مفتی بہ یہی قول ہے کہ ایک شہر میں
تعدد جمعہ جائز ہے اور مصر کی صحیح تعریف پر یہ بلاد مصر میں داخل ہیں تو ان کے اندر جمعہ کے فرض ہونے
میں شک نہیں صرف ظہر احتیاطی اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ کسی عالم کے نزدیک بھی تارک فرض نہ رہیں لیکن

اگر اداے ظہر احتیاطی کے وقت اداے جمعہ یا اُس کی فرضیت میں شک پیدا ہو تو شک دفع کرے اور ظہر احتیاطی نہ پڑھے **سوال** اگر کسی حافظ نے پہلے عشرۂ اولیٰ رمضان میں ایک کلام مجید کسی مسجد میں ختم کرکے ایسی دوسری مسجد میں جہاں پہلے عشرے میں قرآن شریف نہیں ہوا دوسرا قرآن شریف شروع کیا تو سنت مؤکدہ ان مقتدیوں کی اُس امام کے پیچھے جو سنت موکدہ ادا کرکے اب نفل ادا کر رہا ہے ادا ہوگی یا نہیں **ھو الموفق** ان مقتدیوں کا ختم ادا ہو جائیگا واللہ اعلم بالصواب کتبہ ابوالاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم **ھو المصوب** فقہا اس امر میں مختلف ہیں کہ ایک ختم کے بعد آیا تراویح سنت رہتی ہے یا نہیں بعض کے نزدیک سنت نہیں رہتی کیونکہ تراویح کی مشروعیت ختم کلام اللہ ہی کیلئے ہے لیکن مفتی بہ اور مختار محققین کا یہ ہے کہ تراویح الگ سنت ہے اور ختم الگ کوئی ایک دوسرے کا تابع نہیں پس ختم کلام اللہ کے بعد بھی تراویح سنت باقی رہے گی پس سوال مذکورہ میں قول اول کے موافق مقتدیوں کے ذمے سے ختم ساقط نہوگا بلکہ انکو ایسے امام کی اقتدا جائز نہیں کیونکہ قوی کا مقتدی ہونا ضعیف کے پیچھے لازم آتا ہے جو جائز نہیں خزانۃ الروایہ میں ہے فی السغناقی امام ختم فی التراویح مرۃ وختم ثانیا بغیر ھذا القوم لا یخرج ھذا القوم الثانی عن السنیۃ لان الامام خرج من السنیۃ فصار لہ نفلا فیلہ کون ثواب صلوۃ النفل ولابدہ کون ثواب صلوۃ التراویح وفی رسالۃ مولانا صدر الدین الحسام البنانی فی مسائل التراویح فان قلت ما تقول فی امام ختم فی التراویح ثم شرع فی الختم ثانیا ھل یجوز الاقتداء لمن لم یسمع الختم ولو اقتدی بہ ھل یکون ھذا الختم محسوبا قلت کانت ھذہ المسألۃ دائرۃ فی مجلس اساتذۃ الدھلی زمانا طویلا فقال بعضھم لا یجوز لانہ بناء القوی علی الضعیف اذ ھذا التراویح للمقتدی سنۃ مؤکدۃ ولم یبق فی حق الامام سنۃ مؤکدۃ بل صار فی حقہ تطوعا والسنۃ اقوی حالا منہ وقاسوہ علی اقتداء المفترض بالمتنفل وقال بعضھم یجوز وقد روی بعض اھل العلم من کنز الفتاوی رجل ام قوما فی التراویح وختم فیھا ثم ام قوما اٰخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولھم ثواب الختم وھذا الکتاب غیر مشھور بین العلماء فلا وثوق بہ مع انہ لا یفھم منہ سقوط سنۃ الختم سغناقی میں ہے کہ ایک امام نے ایک قرآن شریف تراویح میں ایک قوم کے ساتھ ختم کیا اور پھر دوسرا دوسری قوم کے ساتھ تو اس دوسری قوم کے ذمے سے سنت ساقط ہوگی کیونکہ امام کا دوبارہ ختم قرآن سنت نہیں ہے تو اُسکے لئے یہ نفل ہوگا پس مقتدی نفل کا ثواب پائینگے تراویح کا نہ

پائینگے اور رسالہ مولانا صدر الدین حسام میں مسائل تراویح میں ہے کہ اگر کوئی سوال کرے ایک امام کے
متعلق جس نے ایک قرآن شریف تراویح میں ختم کیا اور پھر دوسرا شروع کیا تو اُسکی اقتدا اُن لوگوں کو جائز ہے
جنھوں نے ختم نہیں سنا ہے اور اگر وہ لوگ اقتدا کریں تو یہ ختم محسوب ہوگا یا نہیں میں کہونگا کہ یہ مسئلہ سانحہ
دہلی کی مجلس میں ایک عرصہ تک زیر بحث رہا ہے بعض نے کہا کہ اقتدا درست نہیں کیونکہ اس میں قوی کی بنا
ضعیف پر لازم آئے گی کیونکہ مقتدی کی تراویح سنت موکدہ ہے اور امام کی سنت موکدہ نہیں بلکہ نفل ہے
اور نفل سے سنت زائد قوی ہے اور اُنھوں نے اس صورت کا قیاس کیا ہے اُس صورت پر جس میں فرض پڑھنے
والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرے اور بعضوں نے کہا جائز ہے اور بعضوں نے کنز الفتاویٰ سے نقل کیا ہے
کہ ایک شخص نے تراویح میں ایک قوم کی امامت کی اور اس میں قرآن شریف ختم کیا پھر دوسری قوم کی امامت
کی تو اس امام کو فضیلت کا ثواب ملیگا اور اُن مقتدیون کو ختم کا اور یہ کتاب علما میں مشہور نہیں ہے
اسی لئے قابل اعتماد نہیں علاوہ بریں اس سے سنت ختم کا ادا ہوجانا ثابت بھی نہیں ہوتا ہے۔ اور دوسرے
قول کے موافق اگرچہ تراویح مقتدیوں کے ذمے سے ساقط ہوجائے گی کیونکہ سنت تراویح میں امام اور
مقتدی دونوں برابر ہیں مگر سقوط ختم میں مشکل ہے کیونکہ ضعف نماز امام کو اگرچہ وہ ہی ایک رکن سے
ہو فقہا مانع اقتدا لکھتے ہیں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے اما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت
لا بعدہ فی ما یتغیر لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدۃ لو اقتدی فی الاولیین
او القراءۃ لو اقتدی فی الاخریین مسافر کا مقیم کی اقتدا کرنا وقت کے اندر صحیح ہے اور وقت کے بعد نہیں
کیونکہ قعدہ میں فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کا مقتدی ہوجائیگا اگر اول کی دونوں رکعتوں
مین اقتدا کی ہے اور قراءت میں اگر آخر کی دونوں رکعتوں میں اقتدا کی ہے۔ اس صورت میں باوجود
امام اور مقتدی دونوں نے فرض کا تحریمہ باندھا ہے اجزاے نماز امام کے ایک جزو کے ضعف کی
وجہ سے فساد اقتدا کا حکم دیا ہے اسی لئے صورت سوال میں بھی مقتدیوں کے عدم سقوط ختم کا حکم
دیا جائیگا اور سغناقی کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے پس جب اُسکے سقوط ختم اور عدم سقوط
میں اختلاف واقع ہوا تو امام کو چاہیئے کہ ختم ثانی کو مع تراویح اپنے اوپر نذر کرکے اختیار کرے اور
کہے للہ علی ان اختم القران فی صلوۃ التراویح خدا کی راہ میں میرے اوپر واجب ہے کہ میں ایک
قرآن نماز تراویح میں ختم کرون تاکہ امام کا ختم واجب اور مقتدیوں کی اقتدا درست ہوجائے اور اسکی

تفصیل خزانۃ الروایۃ میں مذکور ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ
عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** جس شخص نے فرض تنہا اور تراویح جماعت کے ساتھ پڑھی ہیں وہ وتر جماعت
کے ساتھ ادا کرے یا تنہا بعض فقہ کے مسائل سے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا جواز سمجھ میں آتا ہے
اور جامع الرموز میں منیہ سے اور در مختار میں ناجائز ہونا لکھا ہے **جواب** قنیہ میں عین الائمہ سے
اور تاتارخانیہ میں علی بن احمد سے مرقوم ہے کہ جس نے عشا جماعت کے ساتھ نہیں ادا کی ہے وہ وتر کو بھی جماعت
کے ساتھ نہ ادا کرے اور غنیہ وغیرہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے لیکن کوئی قوی وجہ عدم جواز کی معلوم نہیں
ہوتی بلکہ جواز حق معلوم ہوتا ہے ابو الحسنات عبد الحی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں ہے واذا لم یصل
الفرض مع الامام فعن عین الائمۃ الکرابیسی انہ لا یتبعہ فی الوتر ولا فی التراویح وکذا اذا لم یتابعہ
فی التراویح لا یتابعہ فی الوتر وقال ابو یوسف اذا صلی مع الامام شیئا من التراویح یصلی معہ
الوتر وکذا اذا لم یدرک شیئا وکذا اذا صلی التراویح مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ وھو الصحیح
ذکرہ ابو اللیث انتہی وفی مختصرہ واذا لم یصل الفرض مع الامام قیل لا یتبعہ فی
التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل مع التراویح لا یتبعہ فی الوتر والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ
فی ذلک کلہ اور جب فرض امام کے ساتھ نہیں پڑھی تو عین الائمہ کرابیسی نقل کرتے ہیں کہ تراویح اور
وتر کسی میں اسکی اقتدا نہ کرے اور ایسا ہی اگر تراویح اسکے ساتھ نہ پڑھے تو وتر میں اسکی اقتدا نہ کرے
اور امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ اگر اسکے ساتھ تراویح کی چند رکعتیں پڑھ لی ہیں تو وتر بھی اسکے ساتھ
پڑھ سکتا ہے اور یہی حکم ہے جب امام کے ساتھ اس نے کچھ نہ پڑھا ہو اور یہی حکم ہے جب تراویح دوسرے
کے ساتھ پڑھی ہو تو وہ وتر اس امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے اور یہی صحیح ہے ایسا ہی ابو اللیث نے ذکر کیا ہے
اور مختصر منیۃ المصلی میں ہے کہ جب فرض امام کے ساتھ نہیں پڑھے تو تراویح اور وتر میں اسکی اقتدا نہ کرے
اور جب اسکے ساتھ تراویح نہ پڑھی تو وتر میں اسکی اتباع نہ کرے اور صحیح یہ ہے کہ ان سب صورتوں
میں اسکی اتباع جائز ہے واللہ علیم حررہ ابو الاحیا محمد نعیم غفر لہ اللہ العلی الرب الحکیم **سوال** اصول
اور فقہ کے محققین میں سے کون اس عمل کے سنت مؤکدہ ہونیکا قائل ہے جسپر صحابہ نے مواظبت
کی ہو اور کس کتاب میں ہے کس حدیث سے مواظبت خلفاے راشدین بیس رکعت تراویح
پر ثابت ہے **جواب** جو مشہور ہے وہ السنۃ ما واظب علیہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے

لیکن مدققین نے اس تعریف کو ناقص جانکر ادالخلفا کا لفظ زائد کرکے اسکی صراحت کی ہے کہ جسطرح تارک سنت نبوی پر عتاب ہوگا اسیطرح تارک سنت خلفاے راشدین پر عتاب ہوگا بدرالدین عینی نہایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں سیرۃ العمرین لاشك فی ان فی فعلھا ثواب وفی ترکھا عقاب لانا امرنا بالاقتداء بھما لقوله علیه الصلوٰۃ والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الاقتداء بھما مامورا به یکون واجبا وتارك الواجب یستحق العقاب والعتاب اس میں شک نہیں کہ افعال حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا کرنا ثواب سے خالی نہیں بلکہ اسکے ترک میں عذاب ہے کیونکہ ہمیں ان دونوں حضرات کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اقتدا کرو اُن دو آدمیوں کی جو میرے بعد ہیں یعنے ابوبکرؓ اور عمرؓ پس انکی اقتدا ماموربہ اور واجب ہے اور واجب کا ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہے اور محقق کمال الدین بن ہمام تحریرالاصول میں لکھتے ہیں قسم الحنفیۃ العزیمۃ الی فرض ما قطع بلزومه وواجب ما ظن وسنۃ الطریقۃ الدینیۃ منه علیه الصلوٰۃ والسلام او الخلفاء الراشدین او بعضھما اور حنفیہ نے عزیمت کی تقسیم اس فرض کیجانب کی ہے جسکے لزوم کا یقین ہو اور اس واجب کیجانب جس میں شک ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاے راشدین سب کی یا اُن میں سے بعض کی دینی سنت کے جانب اور مولانا عبدالعلی بحرالعلوم شرح تحریر میں لکھتے ہیں ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ دینیۃ مستمرۃ فی الدین منه صلی اللہ علیه وعلی اله وسلم بان باشرہ اوکانت استمرار الناس علیھا باذنه او باذن الخلفاء چاہیے کہ عام مراد لیجاے خواہ دینی طریقہ ہو جسپر حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوات نے بطور دین اُس پر عمل کیا ہو اس طرح کہ آپ نے خود اُسپر عمل فرمایا ہو یا نہیں بلکہ لوگ آپکے یا خلفا کے حکم سے اسکے پابند رہے ہوں اور علامہ عبدالعزیز بخاری کشف اصول بزدوی میں لکھتے ہیں اما التراویح فی رمضان فانھا سنۃ الصحابۃ فانه لم یواظب علیھا رسول اللہ صلی اللہ علیه وعلی اله وسلم بل واظب علیھا الصحابۃ وھذا مما یندب الی تحصیله ویلام علی ترکه ولکنه دون ما واظب علیه الرسول صلی اللہ علیه وسلم فان سنۃ النبی اقوی من سنۃ الصحابۃ عندنا واصحاب الشافعی یقولون السنۃ ما واظب علیه النبی علیه السلام فاما النفل الذی واظب علیه الصحابۃ فلیس بسنۃ وھو علی اصلھم مستقیم فانھم لا یرون اقوال الصحابۃ

بحجۃ وعلی تا اقوالھم حجۃ تکون افعالھم سنۃ لانھا طریقۃ امرنا باحیائھا لقولہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ولقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اور رہگئی تراویح رمضان سو وہ صحابہ کی سنت ہے کیونکہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے اسکی پابندی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ نے ایسا کیا اور یہ اُن چیزوں میں سے ہے جس کے کرنے پر تعریف اور نہ کرنے پر ملامت کیجائے گی لیکن اسکا مرتبہ اس سے کم ہے جسپر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو کیونکہ سنت نبوی سنت صحابہ سے زیادہ قوی ہے یہ ہمارا خیال ہے مگر شافعیہ کے نزدیک سنت وہ ہے جسکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی کی ہو لیکن نفل جسکی صحابہ پابندی کریں سنت نہیں ہے اور یہ رائے مذہب شافعیہ پر درست ہے کیونکہ وہ اقوال صحابہ کو حجت نہیں مانتے اور ہمارے نزدیک اُن کے اقوال حجت ہیں تو اُن کے افعال بھی سنت ہونگے کیونکہ ہمیں اس طریقے کے احیا کا حکم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمھارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھی خصلتیں ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے تمکو میری اور خلفاے راشدین کی سنت کی تبلع ضروری ہے اور امیر کاتب اتقانی مؤلف غایۃ البیان تبیین شرح حسامی میں لکھتے اعلم ان السنۃ فی اللغۃ الطریقۃ حسنۃ کانت او سیئۃ یدل علیہ قولہ علیہ السلام من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ ومن سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ وفی عرف الشرع یراد بھا طریقۃ الدین اما للرسول او للصحابۃ حتی یقال سنۃ الرسول او سنۃ الخلفاء الراشدین فلا یختص مطلق السنۃ بسنۃ الرسول خلافا للشافعی وقال القاضی ابو زید یحتمل انہ لم یبلغہ استعمال السلف اطلاق السنۃ علی طریقۃ العمرین والصحابۃ لان کان بعد ابی حنیفۃ بقرون او بقرنین وحکمھا ان یطالب المرء باقامتھا ویعاقب علی ترکھا لانہ لا یخلو اما ان تکون طریقۃ للرسول او طریقۃ للصحابۃ وکل واحدۃ من الطریقتین امرنا باحیائھا ونھینا عن اماتتھا جاننا چاہیئے کہ لغت میں سنت کے معنے طریقے کے ہیں چاہے اچھا ہو یا برا حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے فرمایا ہے جس نے کوئی عمدہ طریقہ نکالا تو اُسے اُسکا اور قیامت تک جو لوگ اُسپر عمل کرینگے اُنکا ثواب ملیگا اور جس نے کوئی برا طریقہ نکالا اُسپر اُسکا اور قیامت تک جو لوگ اُسپر عمل کرینگے اُنکا گناہ ہوگا اور اصطلاح شرع میں سنت طریقۂ دین کو کہتے ہیں خواہ صحابہ کا ہو یا نبی صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور یہ خلفاء راشدین کی سنت ہے پس مطلق سنت سنت رسول کے ساتھ خاص نہو گی اور اس میں امام شافعی کو اختلاف ہے اور قاضی ابو زید نے کہا ہے احتمال یہ ہے کہ امام شافعی کو سلف کے اطلاق سنت کی طریقۂ عمرین وصحابہ پر خبر نہ پہونچی ہو کیونکہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ایک یا دو قرن بعد تھے سنت کا حکم یہ ہے کہ اسکے کرنیکا مطالبہ کیا جائے اور نہ کرنے پر عتاب ہو کیونکہ وہ یا تو طریقۂ رسول ہے یا طریقۂ صحابہ اور ہمیں دونوں کے احیا کا حکم دیا گیا ہے اور اہانت کی ممانعت کی گئی ہے اور علامہ فصیح الدین شرح وقایہ میں لکھتے ہیں السنۃ الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین بلا وجوب ولا افتراض وفسرھا بعضھم بما واظب مع الترک احیانا وذکر فی المحیط السنۃ سنتان سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسنۃ اصحابہ فسنۃ الرسول ھی الطریقۃ التی واظب علیہا کرکعتی الفجر وسنۃ الصحابۃ الطریقۃ التی واظبوا علیہا سنت وہ طریقہ ہے جس پر بلا کسی وجوب و فرضیت کے عمل درآمد رہا ہو اور بعضوں نے اسکی تعریف یہ کی ہے جس پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مواظبت کی ہو اور کبھی احیانا ترک بھی کر دیا ہو محیط میں ہے کہ سنتیں دو طرح کی ہیں ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دوسری اُن کے اصحاب کی سنت آپ کی سنت وہ ہے جس پر آپنے مواظبت فرمائی ہے جیسے فجر کی دو سنتیں اور صحابہ کی سنت وہ ہے جس پر اُنھوں نے مواظبت فرمائی ہو طحطاوی حاشیۂ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں السنۃ عند الحنفیۃ ما فعلہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم او صحبہ بعدہ قال فی السراج ما فعلہ النبی او واحد من الصحابۃ فان سنۃ اصحابہ امر علیہ السلام باتباعہا بقولہ علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین وقولہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم حنفیہ کے نزدیک سنت وہ ہے جسے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے یا آپ کے بعد آپکے اصحاب نے کیا ہے سراج وہاج میں ہے کہ سنت وہ ہے جسے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو یا آپ کے اصحاب میں سے کسی نے کیا ہو کیونکہ حضور روحی فداہ نے ہمیں سنت اصحاب کی اتباع کا حکم دیا ہے آپ فرماتے ہیں تم پر میری اور خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی ضروری ہے اور حضور روحی فداہ نے فرمایا ہے میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں جسکی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے علامہ عبد العزیز بخاری صاحب کشف تحقیق منتخب حسامی میں لکھتے ہیں ذکر ابو الیسر اما حکم السنن السنۃ فھو ان کل فعل واظب علیہ رسول اللہ علیہ السلام مثل التشھد فی الصلوات وا

الرواتب يندب الى تحصيله ويلام على تركه مع لحوق اثم يسير وكل نعل لم يواظب عليه بل تركه فى بعض الاحوال كالطهارة لكل صلوٰة و تكرار الغسل فى اعضاء الوضوء والترتيب فى الوضوء فانه يندب الى تحصيله ولا يلام على تركه واما التراويح فى رمضان فانها سنة الصحابة اذ لم يواظب عليها رسول الله بل واظب عليه الصحابة وهى مما يندب الى تحصيله ويلام على تركه ولكنها دون ما واظب عليه الرسول فان سنه النبى اقوى سنة الصحابة قال ابو اليسر وهذا عندنا واصحاب الشافعى يقولون السنة نفل واظب عليه الرسول فاما النفل الذى واظب عليها الصحابة فليس بسنة وهى على صلهم فانهم لا يرون اقوال الصحابة حجة فلا يرون افعالهم ايضًا سنة وعندنا اقوالهم حجة فيكون افعالهم سنة وذكر غيره انه لا خلاف فى ان السنة هى الطريقة المسلوكة فى الدين سواء كان للنبى صلے الله عليه وسلم اولغيره من اعلام الدين ولكن الخلاف فى ان اطلاق لفظ السنة ايقع على سنة رسول الله او يحتمل سنته وسنة غيره على ما عرف انتهٰى ابو الیسر نے کہا ہے کہ سنت کا تو یہ حکم ہے کہ وہ ہر فعل جسپر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی مثلاً نماز میں تشہد انکی تحصیل کی جانب توجہ دلائی جائے گی اور ترک پر ملامت کیجائے گی اور تھوڑا گناہ بھی ہوگا اور جس فعل پر آپنے مواظبت نہیں فرمائی بلکہ بعض اوقات ترک کردیا ہے جیسے ہر نماز کے لئے طہارت اور اعضاے وضو کو مکرر دھونا اور وضو میں ترتیب پس لوگوں کو اسکے کرنے کی ترغیب دیجائے گی اور نہ کرنے پر ملامت نہو گی لیکن رمضان کی تراویح تو صحابہ کی سنت ہو کیونکہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے اسکی پابندی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ نے پابندی فرمائی ہو اور یہ ان چیزوں میں ہے جنکے کرنے کی ترغیب دیجائے گی اور ترک پر ملامت کیجائیگی لیکن اسکا مرتبہ اُس سے کم ہے جسپر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہے کیونکہ سنت نبی سنت صحابہ سے زائد قوی ہو ابو الیسر نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک ہو لیکن امام شافعی کہتے ہیں کہ سنت ایک نفل ہو جسکی سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نے پابندی فرمائی لیکن وہ نفل جسکی صحابہ نے پابندی فرمائی وہ اُن کے قاعدے کے موافق سنت نہیں ہو کیونکہ وہ اقوال صحابہ کو حجت نہیں مانتے پس اُنکے فعل بھی حجت نہیں اور ہم اُن کے اقوال کو حجت مانتے ہیں تو اُن کے افعال بھی سنت ہونگے اور دوسرے لوگوں نے لکھا ہے کہ اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ سنت وہ طریقہ ہو جسپر دین میں پابندی کیجائے خواہ وہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہو یا بزرگان دین میں سے کسی اور کا لیکن اختلاف لفظ سنت کے اطلاق میں ہے کہ آیا صرف سنت رسول اللہ ہی اس سے مراد ہوتی ہے یا آپکی سنت پر سنت غیر کا بھی احتمال ہوتا ہے جیسا کہ معلوم ہوا اور علامہ ابن کمال باشا ایضاح شرح اصلاح میں لکھتے ہیں السنۃ ما واظب علیہ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام علی وجہ العبادۃ مع الترک فی الجملۃ ھذا ھو المشہور فی حدہ المسطور فی الکتب فیہ قصور لان ما واظب علیہ الخلفاء الراشدون ایضاً من السنۃ الا یری الی ما قال صاحب الھدایۃ فی التراویح والاصح انہا سنۃ لانہ واظب علیہ الخلفاء الراشدون والدلیل علی انہا سنۃ قولہ علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی انتھی سنت وہ ہے جسکی پابندی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطریق عبادت کی ہو اور کبھی کبھی ترک بھی کر دیا ہو یہی اسکی مشہور تعریف ہے جو کتابوں میں تحریر ہے مگر یہ ناقص ہے کیونکہ جسکی خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم نے پابندی فرمائی ہو وہ بھی سنت ہے کیا تم نے صاحب ہدایہ کا یہ قول نہیں دیکھا کہ صحیح یہ ہے کہ تراویح سنت ہے کیونکہ خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم نے اسکی پابندی فرمائی ہے اور اسپر دلیل حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا قول ہے کہ آپنے فرمایا تمپر میری اور میرے بعد خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی ضروری ہے۔ ایسا ہی نہر الفائق وغیرہ میں ہے ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ محققین کے نزدیک سنت خلفا کا تارک بھی عتاب کا مستحق ہوتا ہے اور سنت موکدہ جسطرح مواظبت رسول کی وجہ سے ہوتی ہے اسیطرح مواظبت خلفا کی وجہ سے بھی ہوتی ہے **جواب ۲** مواظبت نبوی جو سنت اور موکدیت کا سبب ہے، دو قسم پر ہے ایک یہ کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی فعل کے ارتکاب پر مداومت فرمائیں جیسے جماعت اور سنن رواتب وغیرہ دوسری یہ کہ حضور روحی فداہ نے کسی کام کے لئے ہمیشہ حکم فرمایا ہو اور ہمیشہ ترغیب دی ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اذان کو ہر جگہ کے علما سنت مؤکدہ لکھتے ہیں باوجودیکہ حضور نے خود ایکبار بھی اذان نہیں کہی اسیطرح مواظبت خلفا بھی دو قسم پر ہے ایک مواظبت فعلی دوسری مواظبت امری تشریعی اور اکثر علماء کے نزدیک ان چار قسموں میں سے ہر ایک کا تارک ملامت عتاب کا مستحق ہوتا ہے چنانچہ شرح تحریر میں بحر العلوم کی تحریر سے واضح ہے اور جمہور اصولیین نے اگرچہ اسکی صراحت نہیں کی ہے مگر اکثر مقام پر ان حضرات کے کلام سے یہ تفصیل سمجھی جاتی ہے اس تمہید کے بعد جاننا چاہیے کہ خلفاے بیس رکعت تراویح کے مواظبت پر کوئی صریح حدیث نہیں پائی گئی لیکن فقہا اور

اصولیین کے ایک بڑے گروہ نے اسکی تصریح کی ہے یہاں تک کہ ابن الہمام نے بھی صاحب ہدایہ کے اس قول کی شرح میں (والاصح انہا سنۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین) اور اصح یہ ہے کہ یہ واظبت خلفاء راشدین کی وجہ سے سنت ہے لکھا ہے فیہ تغلیب اذ لم یروبہ کلہم عمر وعثمان وعلی تھے اس میں غلبہ کی جانب اشارہ ہے کیونکہ سب نے پابندی نہیں فرمائی بلکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے پابندی فرمائی ہے اور دوسری جگہ لکھتے ہیں عن ابی یوسف ان امکنہ اداؤھا فی بیتہ مع مراعات سنۃ القراءۃ یصلیہا فی بیتہ لقولہ علیہ السلام بالصلوٰۃ فی بیوتکم وجوابہ ان قیام رمضان مستثنی من ذلک لما تقدم من فعلہ علیہ السلام والعذر فی ترکہ وفعل الخلفاء الراشدین امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ سنت قرارت کو باقی رکھکر گھر مین پڑھ سکے تو پڑھے کیونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھروں میں نماز پڑھنے کو فرمایا ہے اور جواب یہ ہے کہ قیام رمضان اس سے مستثنےٰ ہے جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور بعذر ترک اور خلفاے راشدین کے فعل سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بیس رکعت پر خلفا کی مواظبت تشریعی بہت سی روایات سے ثابت ہے اور اسی قدر اُسکے سنت مؤکدہ ہونے کے لئے اور اُسکے تارک کے مستحق ملامت ہونے کے لئے کافی ہے فروی البیہقی فی کتاب المعرفۃ عن السائب بن زید قال کنا نقوم فی زمان عمرؓ بعشرین رکعۃ والوتر وروی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس تقومون فی رمضان فی زمان عمرؓ بثلث وعشرین رکعۃ وروی البیہقی بسند صحیح انہم کانوا یقیمون علی عہد عمرؓ بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی مثلہ وروی اصحاب السنن عن عبد الرحمٰن قال خرجت مع عمرؓ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلے الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلے ویصلی الرجل فیصلے بصلوٰتہ الرھط فقال عمرؓ واللہ انی لااری لو جمعت ھؤلاء علی قاری واحد لکان امثل فجمعھم علی ابی بن کعب قال ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون لصلوٰۃ قاریہم فقال عمرؓ نعمت البدعۃ ھی بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں سائب بن زید سے روایت کی ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت اور وتر پڑھاتے تھے اور مالک نے یزید بن رومان سے روایت کی ہے کہ رمضان میں لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور بیہقی نے سند صحیح سے

روایت کی ہو کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور ایسا ہی
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور
اصحاب سنن عبدالرحمن سے روایت کی ہو کہ میں رمضان کے مہینے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے
ساتھ ایک مسجد میں گیا تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ متفرق ٹکڑے ہیں کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے اور
کسی کے پیچھے ایک آدمی پڑھ رہا ہے اور کسی کے پیچھے ایک قبیلے کا قبیلہ پڑھ رہا ہے حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں ان سب کو ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو زیادہ بہتر ہوگا پس آپ نے سب کو
ابی بن کعبؓ کا مقتدی بنایا پھر میں دوسری رات کو آیا تو میں نے دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قاری کے
پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بدعت بہترین بدعت ہو علامہ زرقانی
شرح موطا میں لکھتے ہیں قال عبدالبر فیہ ان عمرؓ کان لا یصلی معہم اما لشغلہ بامور الناس
واما لانفرادہ بنفسہ فی الصلوٰۃ ابن عبدالبر نے کہا ہے اس میں یہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے یا تو اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کے کاموں میں مصروف ہوتے
تھے یا اس وجہ سے کہ وہ اکیلے پڑھ لیتے تھے۔ اور عینی شرح ہدایہ میں ہو فی المغنی عن علی انہ امر رجلا
یصلی بھم فی رمضان بعشرین رکعۃ والوتر مغنی میں ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے
منقول ہو کہ انھوں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ رمضان میں ان کے ساتھ بیس رکعتیں اور وتر پڑھے
ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ زمانۂ خلفائے ثلٰثہ میں ان حضرات کے اذن اور ترغیب اور
رضا سے بیس رکعت تراویح پر مداومت تھی پس یہاں سے دو مقدمے پیدا ہوئے عشرون رکعۃ
مما واظب علیہ الخلفاء ولو تشریعًا ورضاءً وکل ما واظب علیہ الخلفاء فھو سنۃ مؤکدۃ
بیس رکعتیں ایسی ہیں جن پر خلفا نے مواظبت کی انکو شروع کرکے یا انپر رضامندی ظاہر کرکے اور جس
چیز پر خلفا مواظبت کریں وہ سنت مؤکدہ ہو۔ اور ان دونوں کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکلا عشرون
رکعۃ فی التراویح سنۃ مؤکدۃ ویضم تارک السنۃ المؤکدۃ معاتب وملام تراویح میں بیس رکعتیں سنت
مؤکدہ ہیں اور اسکے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ سنت مؤکدہ کا تارک معاتب ہے اور اسے ملامت کیجاۓ گی نتیجہ نکلیگا
تارک عشرین رکعۃ معاتب بیس رکعتوں کا ترک کرنیوالا معاتب ہو واللہ اعلم بالصواب وعندہ
ام الکتاب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی اور جو اسکی زیادہ تفصیل چاہے

تو وہ ہمارے رسالہ احیاء السنۃ بتحقیق تعریف السنۃ کا جس کا یہ نام بھی ہے کہ تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ الابرار مطالعہ کرے **سوال** زید اور بکر جو دونوں علم اور سن میں مساوی ہیں ایک مسجد میں آئے ہر ایک دوسرے سے امامت کرنے کو کہتا ہے اور وہ اپنا عذر پیش کرکے امامت کرنے سے انکار کرتا تھا بالآخر زید نے بکر سے کہا کہ اچھا ہم دونوں الگ الگ نماز پڑھینگے بکر نے اس پر راضی ہو کر نماز کی نیت باندھی زید نے فوراً اسکی اقتدا کرلی پس دونوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں اور ایسی اقتدا شرعاً جائز ہے یا نہیں **جواب** باوجود قابلیت کے امامت کو دوسرے پر ڈھالنا مکروہ اور قیامت کی علامتوں میں سے ہے قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان من اشراط الساعة ان یتدافع اهل المسجد لا یجدون اماما یصلی بهم رواه ابوداؤد وغیره نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ امامت میں تدافع ہو اور اہل مسجد کو کوئی امام نہ ملے جسکے ساتھ وہ نماز پڑھیں اسکو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے زید اور بکر کو امامت کا ایک دوسرے پر ڈالنا جائز نہیں مگر زید کی اقتدا بکر کے ساتھ صحیح ہے اور دونوں کی نماز ہوگئی حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات عبدالحی **سوال** زید برملا بیان کرتا ہے کہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے رفع یدین کرنا و تکبیر کہنا جو مروج ہے بدعت سیئہ ہے کیونکہ اس مقام میں ہاتھ اٹھانا اور تکبیر کہنا حدیث سے ثابت نہیں پس زید کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں اور درصورۃ عدم صحت کی صورت مذکورہ میں رفع یدین کرنا اور تکبیر کہنا سنت موکدہ ہے یا واجب یا مستحب **جواب** قنوت کے وقت تکبیر کہنا اور رفع یدین کرنا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور صاحب ہدایہ نے دلیل رفع یدین میں لکھا ہے لقوله علیه الصلوٰة والسلام لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن تکبیر الافتتاح وتکبیر القنوت وتکبیر العیدین والاربع فی الحج کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نے فرمایا ہے کہ ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے مگر سات مواقع پر تکبیر افتتاح میں تکبیر قنوت میں تکبیر عیدین میں اور چار حج میں علامہ بدرالدین عینی شرح ہدایہ میں بعد ذکر تخریج اس حدیث کے لکھتے ہیں فانظر الی روایاتهم هل تجد فیها ذکر رفع الیدین عند القنوت وانما یوجد هذا عند اصحابنا فی کتبهم منهم المصنف انتهى کلامه فی باب الصلوٰة تم انکی روایتوں پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ کیا کوئی حدیث قنوت کے وقت رفع یدین کے بارہ میں آئی ہے البتہ یہ ہمارے اصحاب کے پاس انکی کتابوں میں ملتی اور انھیں میں سے مصنف بھی ہیں اور باب الوتر میں لکھتے ہیں قد ذکر فی باب الصلوٰة انه لیس فی الحدیث

ذکر القنوت فی ما رواہ البخاری والبزار والطبرانی وانما ذکر تکبیر الافتتاح وقع فی باب صفۃ الصلوٰۃ من المصنف وھو للغریب ہمنے باب الصلوٰۃ میں ذکر کیاہے کہ حدیث میں بخاری اور بزار اور طبرانی کی روایات سے تو قنوت کا ذکر نہیں اور مصنف نے جو تکبیر افتتاح کا تذکرہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں کیاہے وہ عجیب ہے۔ اور مُلا معین لکھتے ہیں تو لھم بوجوب التکبیر قبل قنوت الوتر انی لم اجد لہ حدیثا مرفوعًا فضلا عن ان اجد ما یدل علی استمرارہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومواظبتہ علیہ حتی یصح القول بوجوبہ منھم ومع ھذا اعمل بہ واواظب علیہ من غیر ترک لحسن الظن بالامام ابی حنیفۃ ولکن لا اعتقد وجوبہ وقول ابی حنیفۃ بوجوب رفع الیدین عند تکبیر القنوت لم یثبت فی ذلک عندی اثر صحیح عن تابعی جلیل فضلا عن صحابی وفضلا عن فضل من حدیث صحیح وحالی فیہ کحالی فی التکبیر اعمل بہ ولا اعتقد وجوبہ کل ذلک لما مر لحسن الظن مع ابی حنیفۃ بل ومع علماء مذھبہ قبل قنوت کے وجوب تکبیر کے قائل ہوجانے پر مجھے کوئی مرفوع حدیث تک نہیں ملتی چہ جائیکہ ایسی حدیث جو استمرار اور مواظبت نبوی پر دلالت کرے تاکہ ایمہ کا قول وجوب صحیح ہو باوجود اسکے پھر بھی مین اسپر عمل اور مواظبت کرتا ہون امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حسن ظن کی وجہ سے لیکن اسکے وجوب کا اعتقاد نہین رکھتا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول وجوب رفع یدین قبل قنوت مین کسی تابعی جلیل القدر سے بھی کوئی اثر نہیں ثابت ہے صحابہ کا تذکرہ تو بعد کو ہے اور حدیث صحیح تو اُسکے بھی بعد ہے اور اس میں بھی میرا حال تکبیر قنوت کی طرح ہے عمل کرتا ہوں لیکن وجوب کا اعتقاد نہیں رکھتا اور اس سب کی وجہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے مذہب کے علما کے ساتھ حسن ظن ہے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ رفع یدین اور تکبیر صحابہ اور تابعین سے بھی ثابت نہیں حالانکہ امام محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم النخعی ان القنوت فی الوتر واجب فی شھر رمضان وغیرہ قبل الرکوع واذا اردت ان تقنت فکبر امام ابوحنیفہ نے حماد سے اور انھوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ ماہ رمضان اور دوسرے مہینوں کی وتر میں قنوت رکوع کے قبل واجب ہے اور جب تم دعاے قنوت پڑھنے کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو۔

اور غایۃ البیان میں ہے روی الطحاوی فی شرحہ للآثار مسندا الی النخعی قال ترفع الایدی فی سبعۃ
مواطن فی افتتاح الصلوٰۃ وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین وعند استلام الحجر
وعلی الصفا والمروۃ وعرفات وعند المقامین عند الجمرتین ذکرہ فی باب رفع الیدین عند
رویۃ البیت طحاوی نے اپنی شرح آثار میں نخعی سے مسنداً روایت کی ہے کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں
افتتاح صلوٰۃ میں تکبیر قنوت وتر میں عیدین میں حجر اسود کے چومتے وقت صفا اور مروہ اور عرفات پر
دونوں مقاموں میں کنکریاں مارتے وقت اسکو باب رفع الیدین عند رویۃ البیت میں ذکر کیا ہے اور عینی
شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں نقل عن المزنی انہ قال زاد ابوحنیفۃ تکبیرۃ فی القنوت لم یثبت فی السنۃ
ولا دل علیہ قیاس وقال ابو نصر الاقطع ھذا خطاء منہ فان ذلک روی عن علی وابن عمر والبراء
بن عازب والقیاس یدل علیہ ایضاً وقال ابن قدامۃ فی المغنی روی عن عمر انہ کان اذا فرغ من
القراۃ فی الوتر کبر مزنی نے کہا ہے کہ تکبیر قنوت کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے زائد کیا ہے نہ سنت اسپر دلالت
کرتی ہے نہ قیاس سے یہ ثابت ہے اور ابو نصر اقطع نے کہا ہے کہ یہ مزنی کی غلطی ہے کیونکہ یہ حضرات علی و ابن عمر
و براء بن عازب کی روایات میں موجود ہیں اور قیاس بھی اسپر دلالت کرتا ہے اور ابن قدامہ نے
مغنی میں کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ قرأت سے فارغ ہوتے تو
تکبیر فرماتے۔ اور ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں رفع تکبیر القنوت مروی عن
عمر وعلی و ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر والبراء بن عازب ذکرہ الاثرم والبیہقی فی سنتہ
الکبری رفع تکبیر قنوت کی روایت حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس اور حضرت
ابن عمر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہے اثرم اور بیہقی نے اپنی کتاب سنن کبری
میں لکھا ہے۔ الحاصل رفع یدین اور تکبیر وقت قنوت اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں
مگر جبکہ بعض صحابہ اور بعض تابعین سے اسکا ثبوت ابن قدامہ اور عینی اور حلبی وغیرہ کی تحریروں کے موافق
ہوا تو یہ امور بدعت سیئہ کیونکر ہونگے البتہ وجوب تکبیر و رفع یدین کا ثبوت جیسا کہ علماء حنفیہ لکھتے ہیں
البتہ مشکل ہے کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ اگر بہ نیت اقتدائے صحابہ
و تابعین کے تکبیر کہے اور رفع یدین کرے تو ثواب پائیگا اور اگر نہ کرے تو معاتب نہوگا۔ واللہ اعلم
بالصواب وعندہ حسن الثواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال

کیا ثواب جانکر دونوں عیدوں کے بعد یہ نماز پڑھے یا کسی عید کی تخصیص ہے اور وہ نماز یہ ہے کہ عیدین کے بعد چار رکعت نماز بکا بیر آکے اسطرح پڑھنا چاہیئے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبح اسم اور دوسری میں والشمس اور تیسری میں والضحیٰ اور چوتھی میں قل ہو اللہ پڑھی تو ساری خدائی کتابوں کے پڑھنے کا ثواب پادے اور تمام یتیموں کے پیٹ بھرنے کا اور پچاس برس کے گناہ اُسکے معاف ہوں اور تمام اہل زمین کے اُس روز نیک کام کیے ہوئن کا ثواب پادے اسکو ابن جوزی نے سلمان فارسی سے مرفوعا کتاب النور میں ذکر کیا ہے حافظ صلاحی نے اسکو عمل الیوم واللیلہ میں ذکر کیا ہے اور طحطاوی مسعودیہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص چار رکعت عیدین میں عیدگاہ سے واپس آکر سورۂ اعلیٰ اور شمس اور لیل اور ضحےٰ کے ساتھ اور ایک روایت کے موافق چوتھی رکعت میں تین بار سورۂ اخلاص کے ساتھ پڑھے اُسکو تمام روئیدگی عالم کے برابر ثواب دیا جائیگا یہ مفتاح الصلوٰۃ میں ہے **جواب** جو حدیث مفتاح الصلوٰۃ سے نقل ہوئی ہے وہ موضوع ہے اُسکے تو مضمون سے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس طرح کا کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماوینگے اور قاضی شوکانی فوائد مجموعہ میں لکھتے ہیں حدیث من صلے یوم الفطر بعد ما یصلے عیدہ اربع رکعات یرکع فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب و سبح اسم فی الثانیۃ والشمس و فی الثالثۃ والضحیٰ و فی الرابعۃ قل ھو اللہ احد فکانما قرأ کل کتاب نزلہ اللہ علی انبیائہ الخ وھو موضوع جس شخص نے یوم فطر کو عید کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھی اور پہلی رکعت میں سبح اسم اور دوسری میں والشمس اور تیسری میں والضحیٰ اور چوتھی میں قل ھو اللہ پڑھی تو گویا اُس نے وہ سب کتابیں پڑھ لیں جنکو خدا نے اپنے انبیا پر نازل کیا ہے الخ اور یہ حدیث موضوع ہے اور صاحب رسالہ فضل لیلۃ شعبان نے لکھا ہے حدیث من صلے یوم الفطر بعد ما یصلے اربع رکعات وذکر لھا ثوابا عظیما فی مسندہ جماعۃ لا یعرفون بل لا یحل ذکرہ فی الکتب کما قال ابن حبان بل نتوجی السیوطی فیما ان الذی وضعہ من صلی یوم الفطر بعد ما یصلی اربع رکعات والی حدیث اور اس مصلی کے لئے ثواب عظیم کا تذکرہ ایک غیر معروف جماعت نے اپنی مسند میں کیا ہے اسکا ذکر کتابوں میں نادرست ہے جیسا کہ ابن حبان نے کہا ہے بلکہ سیوطی کا خیال یہ ہے کہ اس حدیث کا واضع وہی ہے جو اسکو بیان کرے ۔ جبکہ اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہو گیا

تو نماز مذکور بیکار ہوئی اُسکو پڑھنا نہ چاہیے اور اُسکا غیر مسنون ہونا بھی ضروری ہر اور جو کتب صحاح
میں ہر یہ ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ خرج فی یوم عیدٍ فصلی بھم العید لم یصل قبلھا
ولا بعدھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
عید کے دن تشریف لائے اور لوگوں نے آپکے ساتھ نماز پڑھی اور آپنے اُسکے قبل یا اُسکے بعد کوئی
نماز نہیں پڑھی اور ابن ماجہ کی روایت سے عید کی نماز کے بعد بلا قید سورہ دو رکعتیں ثابت ہوتی ہیں
عن ابی سعید قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی قبل العید شیئاً فاذا رجع
الی منزلہ صلی رکعتین اور ابی سعید سے روایت ہر کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نماز عید
کے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے اور جب گھر واپس تشریف لاتے تو دو رکعتیں ادا فرماتے واللہ اعلم حررہ الراجی
عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبد الحی ابو الحسنات] الجواب صحیح نمقہ خادم
اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفرلہ اللہ الرحیم ابن مولانا علی محمد المرحوم و نماز ہذا دونوں عیدون میں مستحب ہے
مطابق عبارت مذکورۂ مفتاح اور اس عبارت کنز العباد فی شرح الاوراد کے قال الحجۃ ادرکت الصلحاء
والعباد یصلون فی المصلی بعد صلوٰۃ العید اربع رکعات وذلک بالاسناد عندی عن سلمان
الفارسی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی اربع رکعات یوم الفطر والاضحیٰ
بعد ما صلی الامام صلوٰۃ العید یقرأ فی اول الرکعۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ یعنی بعد الفاتحۃ
فکانما قرأ کل کتاب انزلہ اللہ علی انبیائہ وفی الرکعۃ الثانیۃ والشمس وضحٰھا فلہ
من الثواب مثل ما طلعت الشمس من مطلعھا الی مغربھا وفی الرکعۃ الثالثۃ والضحیٰ
فلہ من الثواب کانما اشبع جمیع الیتامی وارولھم وادھنھم والبسھم نیاباً نظیفاً وفی
الرکعۃ الرابعۃ قل ھو اللہ احد غفر اللہ لہ ذنوبہ خمسین سنۃ مقبلۃ وخمسین
سنۃ مدبرۃ حجت نے کہا ہے کہ میں نے صلحا وعباد کو عیدگاہ میں صلوٰۃ عید کے بعد چار رکعتیں
پڑھتے دیکھا ہے اور یہ حدیث میرے نزدیک باسناد صحیح سلمان فارسی سے مروی ہر کہ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے چار رکعتیں عید فطر و عید ضحیٰ کے دن نماز عید کے بعد پڑھیں اور پہلی رکعت
میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی تو گویا اُس نے وہ سب کتابیں پڑھ لیں جو خدا نے
اپنے انبیا پر نازل کی ہیں اور دوسری رکعت میں والشمس وضحٰھا پڑھی تو اُسے اتنا ثواب ملیگا

نماز مذکور مستحب ہے الصلوٰۃ اور ... العباد کی ... مستحب ... [illegible]

جتنا کہ آفتاب اپنے مطلع سے مغرب تک طلوع ہوتا ہے اور تیسری رکعت میں والضحیٰ پڑھی تو
گویا اُس نے یتامیٰ کے پیٹ بھر دیے اور اُن کو سیراب کر دیا اور اُن کے تیل لگایا اور اُنھیں
عمدہ کپڑے پہنائے اور چوتھی رکعت میں قل ھو اللہ پڑھی تو خدا اُسکے پچاس برس کے اگلے اور
پچاس برس کے پچھلے گناہ بخشدیتا ہے لیکن صاحب فوائد مجموعہ اسی حدیث کو موضوع لکھتے ہیں
البتہ ابن ماجہ کی روایت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیدین
کی نماز کے بعد مکان واپس آکر دو رکعتیں بلا قید سورہ پڑھی ہیں اور فتاوی عالمگیری میں ہے المستحب
ان یصلی اربعا بعد الرجوع الی منزلہ کذا فی الزاد تھے مستحب یہ ہے کہ گھر پر لوٹ آنے کے
بعد چار رکعتیں پڑھے ایسا ہی زاد میں ہے اور جامع الرموز میں ہے الا ان مشائخنا قالوا یستحب
ان یصلی اربعا فی بیتہ کیلا یظن ظان انہ سنت کما فی المضمرات مگر یہ ہمارے مشائخ کہتے ہیں
کہ گھر میں چار رکعتیں پڑھے تاکہ کوئی شخص یہ گمان نکرے کہ وہ سنت ہیں جیسا کہ مضمرات میں ہے
واللہ علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ اللہ العلی الرب الحکیم **سوال** حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اور اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین بعد نماز
عیدین کے دعا مانگتے تھے یا بعد خطبہ کے اور کھڑے ہوکر مانگتے تھے یا بیٹھ کر اور ہاتھ اُٹھا کر مانگتے تھے
یا بے ہاتھ اُٹھائے ہوے **جواب** روایات حدیث سے اسیقدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نماز عید سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے اور اُسکے بعد معاودت فرماتے تھے اور بعد نماز یا بعد خطبے
کے دعا مانگنا آپ سے ثابت نہیں اور اسیطرح صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اسکا ثبوت نظر سے نہیں
گذرا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی واقعی جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے دعا مانگنا بعد نماز یا خطبہ کے
عیدین میں کتابوں کے اندر اب تک نظر نہیں آیا واللہ اعلم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم عفی عنہ **سوال**
عورت کی آواز نماز میں ستر ہے یا نہیں اور نماز میں عورت کو سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے یا سینہ
اور ناف کے نیچے بھی اور عورت کو قعدۂ اولی اور جلسۂ اخیرہ مثل مرد کے سنت ہے یا تورک اور عورت
کو سجدہ میں اعضا کا کشادہ رکھنا مثل مرد کے سنت ہے یا بالعکس اور اگر عورت نے قعدہ میں
دونوں جلسے مثل مرد کے کیے اور تورک نہ کیا اور سجدہ میں مرد کیطرح اعضا کو پھیلائے رکھا پس

ترک سنت کیا یا اُسکے نماز فاسد ہوئی اور اگر عورتیں جمع ہوکر عورت ہی کو امام کرکے نماز پڑھنا چاہیں تو امام کہاں پر ہونا چاہیے یعنی درمیان صف میں یا آگے مرد کی طرح اور یہ جماعت جائز ہی یا مکروہ صحابیہ میں سے کسی نے عورتوں کو جمع کرکے خود امامت کی ہو یا نہیں اگر کی ہو تو تکبیر اور سمع اللہ لمن حمدہ وغیرہ بلند آواز سے کہے ہیں یا آہستہ اور کوئی حدیث اسکی تفصیل میں مروی ہو یا نہیں اگر ہے تو کیا ہے کونسی کتاب میں اور مجتہدین و محدثین کے اس میں کیا اقوال ہیں نیز حدیث مراسیل ابو داؤد کی مروی ہو یا نہیں کہ جو بحر الرائق اور شرح منہاج مولفہ ابن حجر عسقلانی میں محذوف السند مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو عورتوں پر جو نماز پڑھ رہی تھیں گذرے تو آپ نے فرمایا کہ جب تم سجدہ میں جایا کرو تو کچھ جسم زمین سے ملا دیا کرو کیونکہ عورت اس امر میں مرد کے مانند نہیں ہے تو اس حدیث کی سند مروی ہے یا نہیں اگر ہے تو کس طریق سے اور مراسیل ابو داؤد میں سند کے راوی کی تعدیل و توثیق کا کیا طریقہ ہے اور اس حدیث سے اُس حدیث کے عموم کی تخصیص ہو سکتی ہے یا نہیں کہ فرمایا نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اور مرسل حدیث سے مرفوع صحیح حدیث کے عموم کی تخصیص کن علماء کے نزدیک درست ہے اور اگر مرسل حدیث کے راوی مجہول العدالت ہوں اور دوسرے طریقہ سے موصول مروی ہو لیکن دونوں میں ایک راوی متروک حدیث ہو تو وہ حدیث مرسل حکم میں موصول کے ہوگی یا نہیں اور اگر کوئی شخص امام کو بحالت رکوع پا دے تو اُس نے وہ رکعت پائی یا نہیں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ مجھے اس رکعت کی سورۂ فاتحہ نہ ملی اسلئے یہ رکعت قابل اعتبار نہیں تو اُسکا یہ کہنا جمہور کے موافق ہے یا نہیں

جواب عورت کی آواز کے ستر ہونے میں فقہا کا اختلاف ہی صاحب محیط اور صاحب کافی اور قاضی خان نے اسکی تصریح کی ہو کہ صوت المرأۃ عورۃ عورت کی آواز ستر ہو اور عورت کی اذان کے عدم جواز کو سند میں پیش کیا ہے اور صاحب بحر اور اشباہ اور صاحب نہر اور در مختار نے کہا ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہو اور نوازل ابو اللیث میں ہو نغمۃ المرأۃ عورۃ عورت کا نغمہ ستر ہے اور صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں وعلی ھذا فلو قیل بانھا اذا جھرت بالقراءۃ فی الصلوٰۃ فسدت صلوٰتہا کان متجھا اور اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ جب نماز میں وہ قرأت جہر سے کرے تو اسکی نماز فاسد ہوگی۔ اور حق اس باب میں یہ ہو کہ مطلق

عورت کی آواز ستر نہیں ہو البتہ رفع صوت مع لبندی آواز وغیرہ ستر ہے شرنبلالی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں لکھتے ہیں تقدم فی الاذان ان صوتہا عورۃ ولیس المراد مجرد کلامہا بل ما یحصل من تلیینہ وتمطیطہ ولا یحصل لہ سماعہا باب اذان سے معلوم ہوچکا ہے کہ عورت کی آواز ستر ہے اس سے محض آواز مطلب نہیں ہو بلکہ آواز کے باریک کرنے اور گھٹانے بڑھانے سے جو حالت حاصل ہو اور مرد کو اسکا سننا جائز نہیں ہو۔ اور ابو العباس قرطبی کتاب السماع میں لکھتے ہیں لایظن من لا فطنۃ عندہ انا اذا قلنا صوت المرأۃ عورۃ انا نرید بذلک کلامہا لان ذلک لیس بصحیح فانا نجیز الکلام مع الاجانب محاورتہن عند الحاجۃ الی ذلک ولا نجیز لہن رفع صوتہن ولا تمطیطہا ولا تقطیعہا لما فی ذلک من استمالۃ الرجال الیہن وتحریک الشہوات ومن ھذا لم یجز ان تؤذن المرأۃ نا سمجھ لوگوں کو یہ شبہہ نہو کہ ہم نے جو کہا ہے کہ عورت کی آواز ستر ہے تو اس سے مراد گفتگو ہے کیونکہ یہ صحیح نہیں ہو ہمارے نزدیک ضرورت کے وقت اغیار کے پاس جانا اور اُن سے باتیں کرنا جائز ہے البتہ آواز کے بڑھانے گھٹانے اور اُسے سجانا موزوں کرنا اور سُر پر لانا ممنوع ہے کیونکہ اس صورت میں مردونکی طبیعتیں اُنکی طرف مائل ہونگی اور قوت شہوانیہ کو ہیجان ہوگا اسی لئے عورت کا اذان دینا جائز نہیں ہو اور اکثر حنفیہ کے نزدیک عورتونکی جماعت مکروہ ہے۔ مگر کوئی معتدبہ دلیل کراہت پر پائی نہیں جاتی اور جو دلیلیں فقہانے کراہت پر قائم کی ہیں وہ مخدوش ہیں چنانچہ فتح القدیر اور بنایہ شرح ہدایہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے اور اخبار و آثار سے اُس جماعت کی مشروعیت ثابت ہو جس میں عورتیں ہی عورتیں ہوں سنن ابوداؤد کی طویل حدیث میں ہے وکانت ای ام ورقۃ قد قرأت القرآن فاستاذنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تتخذ فی دارہا موذنا فاذن لہا وامرہا ان تؤم اہل دارہا اور ام ورقہ نے قرآن شریف پڑھا تھا اسی لئے اُنھوں نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں ایک موذن مقرر کرنے کی اجازت چاہی پس آپ نے اجازت دی اور حکم فرمایا کہ تم اپنے گھر والوں کی امامت کیا کرو۔ اور محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں لکھا ہے اخبرنا ابو حنیفۃ نا حماد عن ابراہیم عن عائشۃ انہا کانت تؤم النساء فی شہر رمضان فتقوم وسطہن خبر دی ہمکو امام ابو حنیفہؒ نے اُنکو حماد نے بروایت ابراہیمؒ کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہو کہ وہ ماہ رمضان میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں

اور ابن حجر عسقلانی تخریج احادیث شرح رافعی میں لکھتے ہیں اخرج ابن ابی شیبۃ ثم الحاکم من طریق ابن ابی لیلیٰ عن عطاء عن عائشۃ انھا کانت تؤم النساء فتقوم معھن فی الصف واخرج الشافعی و ابن ابی شیبۃ وعبد الرزاق عن ام سلمۃ انھا امت النساء فقامت وسطھن ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بسند حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرتیں اور اُن کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتیں اور شافعی اور ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے عورتوں کی امامت کی اور وسط میں کھڑی ہوئیں اور مستدرک حاکم میں مروی ہے ان عائشۃ کانت تؤذن وتقیم و تؤم النساء فتقوم وسطھن حضرت عائشہؓ اذان دیتیں اور اقامت کہتیں اور عورتوں کی امامت کرتیں اور وسط میں کھڑی ہوتیں اسکو عینی نے بنایہ میں بیان کیا ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو عورتوں کی امام ہو تو بیچ میں کھڑی ہو مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عورت امام ہو سکتی ہے تو اُسکو قرارت اور تکبیر بالجہر بھی کرنا مشروع ہے کیونکہ بغیر اسکے اقتدا نہیں ہو سکتی اور عورتوں کی آواز اگرچہ بعضوں کے نزدیک ستر ہے لیکن وہ مردوں کے حق میں ہے نہ عورتوں کے حق میں اور اس بحث کی پوری تحقیق جیسی ہونی چاہیئے میں نے اپنے رسالہ تحفۃ النبلاء فیما یتعلق بجماعۃ النساء میں کی ہے جو چاہے مطالعہ کرے اور نماز میں عورتوں کو سینے پر ہاتھ باندھنا مسنون ہے کیونکہ یہ دونوں باتیں عورت کیلیے باعث ستر ہیں ملا محمد قائم سندی فوز الکرام میں لکھتے ہیں لما تبین ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم ثبت عنہ الامران وضع الید بن علی الصدر و تحت السرۃ وکذا عن الصحابۃ والتابعین واجمعوا علی وسعہما والاصل فی اعمال النبی صلے اللہ علیہ وسلم التعبد و التعلیم والموافقۃ بین الرجال والنساء الا فیما استثنیت وروی ابو داؤد فی مراسیلہ عن یزید بن ابی حبیب ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مر علی مرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ لیست فی ذلک کالرجل قال البیہقی ھو احسن من موصولین فی ھذا الباب واستنبط المجتہدون منہ ان امرہ بضم اللحم لکونہا استر لھن مع اختیار العلمائنا فخص الرجل لوضع تحت السرۃ وخص المرأۃ الوضع علی الصدر لانہ استر لہا جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثناء سے ہاتھ کا سینے پر اور زیر ناف رکھنا دونوں ثابت

ہیں اور ایسا ہی صحابہ اور تابعین سے مروی ہے اور ان سب کا ان دونوں کے جواز پر اجماع ہے
اور افعال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل غرض عبادت اور تعلیم ہے اور مردوں اور عورتوں
کے احکام چند مستثنیٰ چیزوں کے سوا اور سب میں ایک ہی ہیں اور مراسیل ابی داؤد میں یزید بن
حبیب سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوات کا گذر دو عورتوں پر ہوا جو نماز
پڑھ رہی تھیں پس آپ نے اُن سے کہا کہ تم جب سجدہ کرو تو اپنے گوشت کے بعض حصے کو زمین سے ملاؤ
کیونکہ عورت اس بارہ میں مرد کی مانند نہیں بیہقی نے کہا ہے کہ یہ مرسل حدیث اس باب کی دو موصول
حدیثوں سے زائد بہتر ہے اور مجتہدین نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ آپ کا یہ حکم اسی لئے تھا کہ ایسی صورت
عورتوں کے لئے زائد ساتر ہے اور ہمارے علما کے نزدیک مرد کو ہاتھ ناف کے نیچے اور عورت کو
سینے پر باندھنا چاہئے کیونکہ یہ صورت بھی عورت کے لئے زائد ساتر ہے اور حافظ ابن حجر تخریج احادیث
رافعی میں لکھتے ہیں روی ابو داؤد فی المراسیل عن یزید بن حبیب انہ صلی اللہ علیہ وسلم
مر علی امرأتین تصلیان فقال ان سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ
فی ذلک لیست کالرجل ورواہ البیہقی من طریقین موصولین لکن فی کل منہما متروک
مراسیل ابو داؤد میں یزید بن حبیب سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر دو عورتوں
پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کے کچھ حصے کو زمین سے ملاؤ
کیونکہ اس معاملے میں مرد اور عورت کا حکم ایک نہیں ہے بیہقی نے اسکو دو موصول طریقوں سے
روایت کیا ہے مگر اُن دونوں میں متروک لوگ ہیں اور یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے مگر دوسرے دو
طریقوں سے اسکو تاکید حاصل ہے جو موصول ہیں اور اس صورت میں اُسکے اندر دو راوی متروک
ہونا کچھ باعث ضعف نہیں بلکہ اس قسم کی مرسل مقبول ہے اور حدیث موصول کی تخصیص اس سے
ہو سکتی ہے اور شمس الدین سخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے المرسل بالمسند یعتضد فیصیر دلیلاً
اخر فیرجح بہما الخبر عند معارضتہ خبراً لیس لہ الا طریق مسند وربما یکون المسند حسنا
فیرتقی المرسل بہ لکن ہذا انما یتأتی اذا کان المسند بمفردہ صالحاً للحجیۃ اما اذا کان مما
یفتقر الی اعتضاد فلا اذ کل منہما اعتضد بالآخر وصار بہ حجۃ قال شیخنا وحرفیکون
اعتضادہ بہذا المسند کاعتضادہ بمرسل آخر لاشتراکہما فی عدم الصلاحیۃ للحجیۃ

ولکن قد اجیب بان القوۃ انما حصلت من ھیأۃ الاجتماع اذ بالضمام احدھما الی
الاٰخر قوی الظن بان لہا اصلا مرسل کو مسند سے قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ ایک مستقل دلیل
ہوتی ہے اور صرف مسند حدیث کے مقابلہ میں اُسے ترجیح ہے اور بعض وقت حدیث مسند حسن ہوتی ہے
تو اسکی وجہ سے حدیث مرسل کا مرتبہ بڑھجاتا ہے مگر یہ اسوقت جبکہ حدیث مسند تنہا حجت ہوسکتی ہو ورنہ اگر
اُسے خود دوسری کی احتیاج ہو تو نہیں کیونکہ اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک تیسری کی مدد
پر حجت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ ایسی حالت میں حدیث مرسل کو اس حدیث سے
ویسی تقویت ہوگی جیسی کسی دوسری مرسل حدیث سے ہوتی ہے کیونکہ دونوں حدیثیں حجت نہ ہوسکنے میں
شریک ہیں لیکن بعض نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ تقویت دونوں کے اجتماع سے حاصل ہوجائے گی کیونکہ جب
ایک سے دو حدیثیں ہوئیں تو یہ خیال ہوگا کہ اسکی کچھ نہ کچھ اصل ہے اور عورت کو قعدہ میں تورک مسنون ہے اور
اگر مرد کے مثل قعدہ کیا تو بھی نماز صحیح ہوجائیگی حنفی لکھتے ہیں ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر انہ
سئل کیف کان النساء یصلین علی عھد رسول اللہ قال کن یتربعن ثم امرھن ان
یحتفزن امام ابو حنیفہ نافعؒ سے وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اُن سے پوچھا گیا کہ زمانہ نبوی میں
عورتیں نماز میں کسطرح بیٹھتی تھیں تو آپ نے کہا پہلے چوزانو بیٹھتی تھیں پھر آپ نے احتفاز (اعضا کو ملانا)
کا حکم دیا اور صحیح بخاری میں ہے کانت ام الدرداء تجلس فی صلوتھا جلسۃ الرجل وکانت فقیھۃ ام درداء
نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں حالانکہ وہ فقیہہ تھیں۔ اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں ان کانت امرأۃ
جلست علی الیتھا الیسری لان مراعاۃ الستر لھا اولی وکانت ام الدرداء تجلس جلسۃ الرجل
وھو قول النخعی ومالک وکانت صفیۃ ونساء ابن عمر تجلس متربعات لان ذلک
استر لھن اگر کوئی عورت بغرض ستر اپنی بائیں پنڈلی پر بیٹھے تو یہ اُسکی لئے زیادہ اچھا ہے اور اُم درداء
مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور یہ نخعی کا قول ہے اور صفیہ اور ابن عمر کی بیبیاں چوزانو بیٹھتی تھیں کیونکہ یہ
صورت زائد ساتر تھی اور امام کو رکوع میں پانے والا رکعت کو پانیوالا ہے اس رکعت کی سورۂ فاتحہ
نہ پڑھنے سے وہ رکعت غیر معتبر نہ ہوگی جمہور علما صحابہ و تابعین وغیرہم کا یہی ہے اور اُسکی تحقیق و تفصیل میں نے
اپنے رسالہ الکلام فیما یتعلق خلف الامام میں کی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات
محمد عبد الحی سوال ان مسائل میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں (۱) محراب میں امام کا قیام کرنا جائز ہے

کتب فقہ میں لکھا ہے سنت ہے یا مستحب یا مباح (۲) ایک مسجد میں کئی محرابیں بنانا جائز ہے یا نہیں اور
محرابوں کے بنانے کی ابتدا زمانۂ نبوی میں ہوئی یا زمانۂ خلفا میں تاتارخانیہ اور جامع الرموز اور صلوٰۃ
مسعودی اور درمختار اور عالمگیری وغیرہ میں ہے کہ محرابوں کا بنانا صحابہ اور تابعین سے صادر ہوا ہے
اور جذب القلوب اور سفر السعادت میں ہے کہ زمانۂ نبوی میں محرابیں نہ تھیں اور فتح القدیر اور کبیری
میں ہے فانہ بنیت فی المساجد المحاریب من لدن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ولولم تبنِ
کان السنۃ ان یتقدم فی محاذات ذلک المکان حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
مساجد میں محرابیں بنائی جاتی تھیں اگرچہ اُسکی تصریح نہیں ہے لیکن سنت یہ ہے کہ اس جگہ کے محاذات میں
کھڑا ہوا اور رد المحتار میں فوق بیت کے تحت میں لکھا ہے ای وضع اعد للسنن والنوافل بان
یتخذ لہ محراب وینظف ویطیب کما امر بہ صلی اللہ علیہ وسلم فہذا مندوب جو طریقہ
سنن ونوافل کے لئے مقرر کیا گیا باین طور کہ محراب بنائی جائے اور صفائی اور پاکی کا خیال رکھا جائے
جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے سو یہ مستحسن ہے اور غرائب میں ہے دیہ امر النبی صلی اللہ د
سلم اصحابہ لیتخذوا فی منازلھم محاریب لصلوتھم اور اسیکا حضور سرور کائنات علیہ افضل
الصلوٰۃ واکمل التحیات نے اپنے اصحاب کو حکم دیا ہے کہ وہ نماز کے لئے اپنے مکانات میں محرابیں بنالیں۔
پس محقق ان اقوال میں کیا ہے کتب ظاہر الروایت سے تلاش کر کے مع دلائل و تشریح تحریر فرمائیے **جواب**
محرابوں میں فقہا کی عبارتیں مختلف ہیں بعض اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انکا وجود زمانۂ نبوی میں تھا
اور بعض اسپر دلالت کرتی ہیں کہ محرابوں کی بنا محدث ہے اور جو کچھ کتب احادیث سے ظاہر ہوتا ہے
یہ ہے کہ جسطرح اب محرابیں بنتی ہیں یوں زمانۂ نبوی میں نہ تھیں بلکہ انکی اصل نصاریٰ سے ہے اور حضور
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور اس قطع کی محرابیں تابعین کے زمانے میں
حادث ہوئیں اور ایک جماعت صحابہ نے اُسکی مخالفت کی علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور میں
زیر آیۂ کریمہ فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب تحریر فرماتے ہیں اخرج الطبرانی
والبیہقی فی سننہ عن ابن عمران النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اتقوا ھٰذہ المذابح
یعنی المحاریب اخرج ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن موسی الجھنی قال قال رسول اللہ لاتزال
امتی بخیر مالم یتخذوا فی مساجدھم مذابح کمذابح النصاریٰ اخرج ابن ابی شیبۃ فی المصنف

عن ابی مسعود قال تقوا هذه المحاریب و اخرج ابن ابی شیبة عن عبید بن ابی الجعد قال کان اصحاب محمد یقولون ان من اشراط الساعة ان یتخذ المذابح فی المسجد یعنی الطاقات و اخرج ابن ابی شیبة عن ابی ذر قال ان من اشراط الساعة ان تتخذ المذابح فی المساجد و اخرج عن کعب انه کره المذبح فی المسجد

طبرانی اور بیہقی نے اپنے سنن میں ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان مذبحوں یعنے محرابوں سے بچو اور مصنف ابن ابی شیبہ میں موسیٰ جہنی سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے میری اُمت جبتک اپنی مسجدوں میں نصاریٰ کے مذبحوں کی طرح مذبح نہ بنائے گی اچھی رہیگی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابی مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے ان محرابوں سے بچو اور ابن ابی شیبہ نے عبید بن ابو الجعد سے روایت کی ہے کہ صحابہ فرماتے تھے آثار قیامت سے یہ ہے کہ مسجد میں مذبح یعنی طاق بنائے جائیں اور ابن ابی شیبہ نے ابی ذر سے روایت کی ہے کہ آثار قیامت سے یہ ہے کہ مسجد میں مذبح بنائے جائیں اور کعب سے مروی ہے کہ مسجد میں مذبح کا بنانا مکروہ ہے اور سیوطی کتاب الوسائل بمعرفۃ الاوائل میں لکھتے ہیں اول من احدث المحراب المجوف عمر بن عبد العزیز حین بنی المسجد النبوی ذکرہ الواقدی عن محمد بن هلال پہلے وہ شخص جنھوں نے جوف دار محراب بنائی عمر بن عبد العزیز ہیں جبکہ انھوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کرائی اسکو واقدی نے محمد بن ہلال سے نقل کیا ہے اور بھی سیوطیؒ نے اعلام الاریب میں لکھا ہے ان قوما خفی علیهم کون المحراب فی المساجد بدعة وظنوا انه کان فی مسجد النبی صلے اللہ علیه وسلم فی زمنه ولم یکن قط فی زمانه ولا فی زمان الخلفاء فمن بعدهم الی المائة الاولی وانما حدث فی اول المائة الثانیة مع ورود الحدیث بالنهی عن اتخاذه وانه من شان الکنائس وان اتخاذه فی المسجد من اشراط الساعة کچھ لوگوں کو مسجد میں محراب کے بدعت ہونیکا علم نہیں ہے اور انکا خیال ہے کہ زمانہ نبوی میں مسجد نبوی میں محراب تھی حالانکہ حضور کے زمانے میں ہرگز محراب نہ تھی اور خلفا کے زمانے میں تھی اور نہ اُنکے بعد پہلی صدی میں یہ دوسری صدی کے شروع میں ایجاد ہوئی ہے حالانکہ اس سے ممانعت کی حدیث موجود ہے اور یہ گرجوں کا طریقہ ہے اور اسکا مسجد میں ہونا علامات قیامت سے ہے پس سیوطی نے اس رسالہ میں اخبار اور آثار کا ذکر مع سند کیا ہے اور اسکے راویوں کی توثیق بھی کی ہے منجملہ انکے وہ اخبار ہیں جو درمنثور سے منقول ہیں اور منجملہ انکے یہ قول ابن مسعود کا ہے انما کانت المحاریب للکنائس فلا تشبهوا باهل الکتاب یعنی انه کره الصلوٰة فی الطاق خرجه البزار فی مسنده برجال ثقات محرابیں وہ ہیں جو گرجوں میں ہوا کرتی ہیں تم اہل کتاب کی مشابہت نہ کرو یعنی طاق میں نماز مکروہ ہے اسکو بزار نے

اپنی سند میں ثقہ لوگوں سے نقل کیا ہے تو جب تکو محرابوں کا بدعت ہونا معلوم ہوا پس متعدد محرابیں بنانا بوجہ اولی ناجائز ہوا اور اسی وجہ سے جب حرمین شریفین میں متعدد محرابیں بنائی گئیں تو اس زمانہ کے علما نے منع کیا مگر بادشاہوں سے انکی یہی ملا باقر آگاہ دالیقاظ النیام میں لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے سلف صالح میں جماعت کی تکرار اور محرابیں بنانا نتھا اور یہ تکرار جماعت حوادث زمانہ سے ہے اور ۳۰۷ھ میں یہ محرابیں مکہ معظمہ میں حادث ہوئی ہیں اور جماعت ثانیہ کا احداث مکہ معظمہ میں ۸۰۰ھ میں ہوا اور محراب ثانی کا حدوث ۹۴۰ھ میں ہوا ہر چند اس زمانہ کے علمانے کوشش کی مگر کامیاب نہوے کیونکہ یہ ہونیوالی بات تھی پس اس سے عوام جہال کا خیال ہو گیا کہ جب محرابوں کو اہل حرمین نے پسند کیا ہے تو یہ کوئی بھلا کام ہے جسکا حکم ہے انتہی جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تعدد محاریب بلکہ نفس احداث محراب عصر نبوی وعصر صحابہ میں تھا پس ضروری ہوا کہ اسمیں قیام سنت نہوگا اسی لئے اکثر فقہا اسکو لفظ لاباس سے یاد کرتے ہیں یعنی اسکا ترک کرنا اولی ہے البتہ صف پر امام کا تقدم اور اسکا ممتاز ہونا اور اسکا صف کے بیچ میں کھڑا ہونا سنت ہے جو احادیث مرفوعہ وغیرہ سے ثابت ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی

سوال علماے دین ان مسائل میں کیا فرماتے ہیں ۱سورۂ صاد کا سجدہ شافعیہ کے نزدیک واجب ہے یا نہیں اور انکے نزدیک یہ سجدہ حالت نماز میں درست ہے یا نہیں ۲تراویح میں اگر امام شافعی ہو اور مقتدی حنفی تو اسپر صاد کا سجدہ واجب ہوگا یا نہیں اور اگر مقتدی پر واجب ہوگا تو وہ اسے حالت نماز میں یا خارج نماز میں ادا کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر ادا نہیں کر سکتا تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے یا باقی رہتا ہے اور حالت اقتدا میں اگر ضمن رکوع وسجود صلوٰۃ میں نیت کرے تو ادا ہو سکتا ہے یا نہیں ۳تراویح میں اگر امام شافعی ہو تو اسلئے کہ صاد کا سجدہ اچھی طرح ادا کر لیا جائے اگر ایک ترویحہ کا امام حنفی شخص ہو جائے اور سجدۂ صاد کا رکوع پڑھکے سجدہ کرے اور شافعی اسکی اقتدا کرے تو جائز ہے یا نہیں اور تعدد امام سے تراویح میں کچھ خلل آتا ہے یا نہیں اور ایک ترویحہ میں حنفی کے امام ہونے سے شافعیہ کی تحقیر لازم آتی ہے یا نہیں

جواب ۱سورۂ صاد کا سجدہ شافعیہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ خارج نماز میں مستحب ہے اور حالت نماز میں حرام بلکہ مفسد صلوٰۃ ہے بشرطیکہ سجدہ کرنیوالا حکم حرمت سے واقف ہو اور پھر عمداً سجدہ کرے علامہ عسقلانی شافعی شارح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں یستحب السجود بص فی غیر الصلوٰۃ ویحرم فیہا فان سجد فیہا عامدا عالما بتحریمہا بطلت صلوتہ بخلاف ما اذا سجدھا سہوا وجہلا انتہی سورۂ صاد کا سجدہ غیر نماز میں مستحب اور نماز میں حرام ہے پس اگر کسی نے اسکی حرمت سے واقف ہونے پر بھی نماز میں سجدہ کیا تو اسکی نماز باطل ہو جائیگی اور اگر کسی ناواقف نے سہواً سجدہ کر لیا تو اسکی نماز فسد کیوجہ سے باطل نہوگی ۲وجوب سجدۂ تلاوت کے تین سبب ہیں ایک تلاوت آیت سجدہ دوسرے سماع

مرسلہ مولوی فضل الرحمن از [illegible]

آیت سجدہ نہیں سنی اقتدا اگرچہ سماع نہ بھی ہو جیسا کہ غنیۃ المستملی میں ہے یجب علی التالی وعلی السامع وعلی المؤتم بتلاوۃ امامہ وان لم
یسمعہا لوجوب المتابعۃ علیہ تلاوت کرنیوالے اور سننے والے اور مقتدی پر اگرچہ اُسنے آیت سجدہ نہ سنی ہو سجدہ متابعت امام کی وجہ
سے واجب ہے تمام ہوا اور وجوب سجدہ میں بوجہ سماع کے مذہب سامع کا معتبر ہے نہ مذہب تالی کا جیسا کہ بحر الرائق میں ہے وفی التجنیس
التالی والسامع ینظر کل واحد منہما الی اعتقاد نفسہ کالسجدۃ الثانیۃ فی سورۃ الحج لیس بموضع السجدۃ عندنا وعند
الشافعی ہو موضع السجدۃ لان السامع لیس بتابع للتالی تحقیقا حتی یلزمہ العمل برأیہ لانہ لا شرکۃ بینہما تجنیس
میں ہے کہ پڑھنے والا اور سننے والا دونوں اپنے اعتقاد پر نظر کر کے عمل کریں جیسا کہ سورۂ حج کے دوسرے سجدے میں جو
ہمارے نزدیک محل سجدہ نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک ہے کیونکہ سننے والا پڑھنے والے کا متبع نہیں ہے یہاں تک کہ اُسے
پڑھنے والے کی رائے کی اتباع ضروری ہو کیونکہ ان دونوں میں شرکت نہیں ہے بنا بر علیہ جب مقتدی حنفی نے آیت سجدہ
صاد کی امام شافعی سے سنی سجدہ اُس پر واجب ہو گیا نہ امام پر جیسا کہ حج کے سجدہ ثانیہ میں امر بالعکس ہے لیکن اس
واجب کے مقتدی کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے نہ نماز میں اور نہ خارج نماز میں لیکن نماز میں پس اسوجہ سے کہ مخالفت
لازم آتی ہے اور مقتدی کو امام کی متابعت ضروری ہے اسیوجہ سے جب امام حنفی ہو اور وہ باوجود وجوب سجدہ کے اُس پر
اور اُسکے مقتدی پر کسیوجہ سے سجدہ نہ کرے تو مقتدی کو بھی لازم ہے کہ سجدہ نہ کرے پس جب شافعی امام جس پر سجدہ واجب
ہی نہیں سجدہ نہ کرے تو مقتدی بدرجہ اولی سجدہ نہیں کر سکتا غنیۃ المستملی میں ہے لو لم یسجد الامام لا یسجدن منہما لانہ ملتزم
بالمتابعۃ وعدم المخالفۃ اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی بھی اُس آیت کے سبب سجدہ نہ کریں کیونکہ انہیں اتباع
اور عدم مخالفت کا حکم ہے اور بھی اسی میں ہے فی نظم الزندویسی خمسۃ اشیاء اذا لم یفعلہا الامام لا یفعلہا القوم
القنوت وتکبیرات العیدین والقعدۃ الاولی وسجود التلاوۃ وسجود السہو نظم زندویسی میں ہے کہ پانچ چیزیں
ہیں جنھیں جب امام نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے قنوت تکبیرات عیدین قاعدہ اولی سجدہ تلاوت سجدہ سہو اور بھی
اسمیں ہے الاصل فیہ وجوب متابعۃ الامام فی الواجبات فعلا وکذا ترکا ان کانت فعلیۃ او قولیۃ یلزم من فعلہا
المخالفۃ فی الفعل اسکی اصل واجبات میں اتباع امام کی فعلا و ترکا واجب ہونی چاہیے ہر واجب فعلی ہو یا ایسا قولی
ہو جسکے کرنے سے فعلا امام کی مخالفت لازم آئے اور سجدہ تلاوت صلوتیہ خارج نماز میں ادا نہیں ہو سکتا
بحر الرائق میں ہے ولم یقض الصلوتیۃ خارجہا لان السجدۃ المتلوۃ فی الصلوۃ افضل من غیرہا فلا یجزی اداؤہا خارج
الصلوۃ لان الکامل لا یتادی بالناقص اور سجدہ تلاوت صلوتی نماز کے بعد ادا نہ ہو گا کیونکہ وہ سجدہ جو نماز میں پڑھا گیا دوسرے
افضل ہے پس خارج نماز میں اسکا ادا کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ کامل ناقص سے ادا نہیں ہو سکتا اور در مختار میں ہے ومتابعۃ الامام یعنی فی المجتہد

فیما لا فی المقطوع بنسخہ او بعدم سنیتہ کقنوت فجر اور امام کی متابعت ضروری ہے یعنے امور اجتہادی میں نہ انمیں جنکے نسخ کا یقین ہی یا سنت نہونیکا یقین ہے جیسے قنوت فجر اور یہ ظاہر ہے کہ سجدۂ سورہ صاد کا مجتہد فیہ ہے جیسا کہ اس عبارت رد المحتار سے واضح ہے المراد بالمجتہد فیہ ما کان مبنیا علی دلیل معتبر شرعا بحیث یسوغ للمجتہد بسببہ مخالفۃ مجتہد غیرہ یعنے وہ امور مراد ہیں جو کسی شرعی معتبر دلیل سے ثابت ہوں جنکے بدولت مجتہد دوسرے کی مخالفت کر سکے پس اسمیں بھی متابعت امام شافعی کی ضروری ہے جیسا کہ سجدۂ ثانیہ حج میں متابعت امام شافعی کی ضروری ہے حواشی طحطاوی الدر المختار میں ہے قولہ للمتابعۃ وظاھرہ انہ یجب علیہ متابعۃ الشافعی فی سجود الثانیۃ من سورۃ الحج لوجود الشرکۃ بخلاف خارج الصلوٰۃ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی حنفی پر سورہ حج کے دوسرے سجدے میں شافعی کی اقتدا واجب ہے شرکت کیوجہ سے برخلاف خارج نماز کے جس سے معلوم ہوا کہ مقتدی حنفی سجدہ کو نہ خارج نماز ادا کر سکتا ہے نہ نماز میں متابعت امام کیوجہ سے پس بالضرورۃ یہ سجدہ مقتدی سے ساقط ہو جائیگا باقی رہا رکوع یا سجود نماز کے ضمن میں اسکا ادا ہونا پس حنفیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت رکوع میں نیت کیساتھ اور سجدہ میں بغیر نیت کے اور بعض کے نزدیک بشرط نیت کے ادا ہو جاتا ہے بشرطیکہ رکوع اور سجود بعد قرأت آیت سجدہ کے فی الفور ہو اور تین یا چار آیت کا فصل نہو بحر الرائق میں ہے ولو لم یرکع حتی طالت القرأۃ لم یجز ان نواہ عن السجدۃ ولکن السجدۃ الصلوتیۃ لا ینوب عنہا اذا طالت القرأۃ واذا لم تطل القرأۃ لا یحتاج الرکوع والسجود فی اقامتہا عن سجود التلاوۃ الی النیۃ ومن المشائخ من قال یحتاج الی النیۃ واکثر المشائخ لم یقدروا الطول القرأۃ بشیٔ وبعضہم قالوا ان قرأ آیۃ او آیتین لم تطل وان قرأ ثلاثا طالت والظاہر ان الثلث لا یعدم الفور اگر رکوع نہیں کیا یہانتک کہ قرأت طویل ہوگئی تو سجدہ ناجائز ہوگا اگرچہ نیت کرلے یعنے رکوع میں سجدہ تلاوت کے ادا کرنیکی) اور ایسا ہی نماز کا سجدہ قائم مقام نہو سکیگا اگر قرأت طویل ہو اور اگر قرأت طویل نہو تو رکوع یا سجدے کے قائم مقام سجدۂ تلاوت کرنیکے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے اور بعضے مشائخ نے کہا ہے کہ نیت کی احتیاج ہے اور اکثر مشائخ نے طول قرأت کی کوئی مقدار نہیں بیان کی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایک یا دو آیت کے پڑھنے سے طول نہیں ہوتا اور اگر تین پڑھیں تو طول ہوگیا اور ظاہر یہ ہے کہ تین کے پڑھنے سے بھی فور یعنی عدم طول معدوم نہیں ہوتا ہے اور بھی اسمیں شرح قول کنز ولو تلاہا فی الصلوٰتیۃ خارجہا میں ہے محل سقوطہا ما اذا لم یرکع لصلوتہ ولم یسجد صلوتیۃ اما اذا رکع او سجد صلوتیۃ فانہ ینوب عنہا اذا کان علی الفور محل سجدہ جبھی ساقط ہوتا ہے جب نماز کا رکوع نہیں کیا یا سجدہ صلوتی ادا نہیں کیا اور اگر رکوع یا سجدۂ صلوتی فوراً ادا کر لیا ہے تو وہ قائم مقام ہو جائیگا اور در مختار میں ہے ونواہ الامام فی رکوعہ ولم ینوہا المؤتم لم یجزہ ویسجد اذا سلم الامام ویعید القعدۃ ولو ترکہا فسدت صلوتہ کذا فی القنیۃ وینبغی حملہ علی الجہریۃ نعم لو رکع وسجد لہا فورا ناب بلا نیۃ اگر امام نے سجدہ کی نیت رکوع میں کر لی ہے اور مقتدی

نے نہیں کی تو مقتدی کے لئے امام کی نیت کافی نہیں ہے اور وہ سجدہ کرے جب امام سلام پھیر دے اور قعدہ
کا اعادہ کرے اور اگر اسے ترک کر دیا تو نماز فاسد ہو گی ایسا ہی قنیہ میں ہے اور اس حکم کو جہری نماز پر محمول کرنا
مناسب ہے ہاں اگر رکوع کیا اور پھر فوراً ہی سجدہ کیا تو وہ بلا نیت کافی ہو گا۔ اور حواشی طحطاوی میں
ہے قولہ نعم استدراک علی قولہ لم یجز یعنی ان عدم الاجزاء للمؤتم فیما اذا نواہا الامام فی الرکوع اما
اذا لم ینوہا فیہ بان نواہا فی السجود او لم ینوہا اصلا فلا شئی علی المؤتم نواہا او لم ینوہا۔ اس کا قول
نعم لو یجزے سے مطلب یہ ہے کہ مقتدی کی طرف سے نیت امام کا ناکافی ہونا اسی وقت ہے جبکہ جب امام
رکوع میں نیت کرے اور اگر رکوع میں نیت نہیں کی یعنی سجدہ میں نیت کی یا نیت ہی نہیں کی تو
مقتدی کے لئے کچھ حرج نہیں چاہے اسنے نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور رد المحتار میں ہے قولہ نعم لو رکع و
سجد لہا ای للصلوٰۃ فوراً وان لم ینو والظاہر ان المقصود بہذا الاستدراک التنبیہ علی انہ
ینبغی للامام ان لا ینویہا فی الرکوع لانہ اذا لم ینوہا فی الرکوع ونواہا فی السجود او لم ینوہا اصلا لا شئی
علی المؤتم لان السجود ہو الاصل فیہا یعنی اگر فوراً ہی نماز کا سجدہ و رکوع کر لیا تو کافی ہے گو نیت نہ کی ہو اور
بظاہر اس استدراک کا مقصد اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ امام کو رکوع میں نیت نہ کرنا چاہیے کیونکہ اگر وہ ایسا
نہ کریگا تو یا سجدے میں نیت کریگا یا نیت ہی نہ کریگا بہر حال مقتدی پر کچھ نہ واجب ہو گا کیونکہ اصل آیت سجدہ
میں سجدہ ہی ہے ان عبارتوں سے یہ معلوم ہوا کہ اگر امام فی الفور بغیر فصل طویل رکوع و سجدہ صلوتیہ کرے تو نیت ادائے
رکوع و سجود کی کرے نہ سجدہ تلاوت کی تو اسصورت میں بھی مقتدی کا سجدہ تلاوت سجدہ صلوتیہ کے ضمن میں ادا
ہو جائیگا نیت کریں یا نہ کریں اسی لئے شافعی امام کو بہتر ہے کہ بعد قرأت آیت سجدہ صاد کے دو تین آیت پڑھکے
رکوع اور سجدہ نماز بدون نیت سجدہ تلاوت کرے تاکہ مقتدیوں سے سجدہ تلاوت خود بخود ادا ہو جائے کیونکہ اگر سجدہ
تلاوت کی نیت کریگا تو اسکے مذہب کے موافق فساد ہو گا اور اگر فصل طویل کے بعد رکوع اور سجود کریگا تو مقتدی حنفی
سے سجدہ تلاوت فوت ہو جائیگا اور اس صورت میں کہ دو تین آیت کی بعد رکوع اور سجدہ کرے نہ بقصد سجدہ
تلاوت بلکہ بقصد اتمام رکعت کسی مذہب میں ایک نقصان نہ ہوگا۔ تراویح دو امام سے بھی پڑھنا درست
جیسا کہ فتاوے قاضیخان وغیرہ میں مصرح ہے لیکن اولی یہ ہے کہ ایک ایک ترویحے کم نہ ادا کرے فتاوی قاسم
بن قطلوبغا حنفی میں ہے اذا صلی الترویحۃ الواحدۃ امامان کل واحد منہما بتسلیمۃ اختلف المشائخ فیہ
قال بعضہم لا باس بہ والصحیح انہ لا یستحب ذلک ولکن کل ترویحۃ یؤدیہا امام واحد علیٰ اہل الحرمین

وغیرھم ویکون تبدیل الامام بمنزلۃ الانتظار جبکہ ایک ترویحہ دو اماموں نے ایک ہی تسلیمہ سے پڑھایا
تو شائع کا اسمیں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک کچھ حرج نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ مستحب نہیں ہے بلکہ ایک ترویحہ
کو ایک ہی امام پڑھائے اور اسیر اہل حرمین کا عمل ہے اور تبدیل امام بمنزلہ انتظار کے ہے اور ملا باقر نے اپنے رسالۂ مذکورہ میں
دو عبارتیں ایسی لکھی ہیں کہ انسے یہی ثابت ہوتا ہے پس اگر بقدر ترویحہ سجدۂ صاد کے امام حنفی کیا جاوے تو بہتر ہے کہ تراویح
کے ادا میں خلل نہو گا اور حنفیوں سے سجدہ بھی ادا ہوجائیگا اور شافعی کی نماز اور اقتدا میں بھی کچھ فتور نہو گا اور یہ خیال
کرنا کہ اسمیں شافعیہ کی تحقیر ہے از قبیل وساوس ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی۔
سوال ایک حافظ نے دس دن میں پہلا قرآن شریف ایک مسجد میں ایک قوم کے ساتھ پھر دوسرا قرآن
شریف دوسری مسجد میں دوسری قوم کے ساتھ پڑھا تو آیا تراویح سنت ختم مذکورہ ان دونوں کے لئے ادا
ہوگی یا نہیں اور ثواب پائنگے یا نہیں **جواب** ادا ہوگی خزانۃ الروایات میں ہے قد روی بعض اھل العلم عن
کنز الفتاوی رجل ام قوما فی التراویح وختم فیہا ثم ام قوما آخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولھم ثواب الختم
بعض اہل علم نے کنز الفتاوی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص جس نے تراویح میں ایک جماعت کی امامت کی
اور قرآن ختم کیا پھر دوسرے کی امامت کی تو اس شخص کو فضیلت کا ثواب ملیگا اور ان لوگونکو ختم کا واللہ
اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** نفل نماز بعد دو رکعت سنت ظہر و مغرب و عشا کی
اکثر عوام پڑھتے ہیں آیا اسکی اصل سنت و اجماع و قیاس سے ثابت ہے یا نہیں اور اسکا پڑھنا ثواب ہے یا سزا وار
بدعت لائق عذاب **جواب** حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کے
پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے سألت عائشۃ عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقالت کان یصلی ثلث عشرۃ رکعات ثم یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وھو جالس فاذا
اراد ان یرکع قام فرکع ثم یصلی رکعتین بین النداء والاقامۃ من صلوۃ الصبح حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا سے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ تیرہ رکعتیں
پڑھتے پھر آٹھ پڑھتے پھر وتر پڑھتے پھر دو رکعتیں بیٹھکر پڑھتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع
فرماتے پھر دو رکعتیں ندا و اقامت نماز صبح کے درمیان پڑھتے نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں الصواب ان ھاتین
الرکعتین فعلھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوتر جالسا لبیان جواز الصلوۃ بعد الوتر وبیان جواز النفل
جالسا ولم یواظب علی ذلک بل فعلہ مرۃ او مرتین او مرات قلیلۃ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں رکعتوں کو حضرت

سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنانے وتر کے بعد بیٹھکر اس غرض سے پڑھا ہو کہ معلوم ہو جائے کہ وتر کے بعد نماز جائز ہے اور نفل بیٹھکر پڑھنا جائز ہو اور اسپر آپ نے مواظبت نہیں فرمائی بلکہ ایک یا دو مرتبہ اسپر عمل کیا اور چند مرتبہ ترک کیا اور بعد دو رکعت سنت ظہر و مغرب و عشا کے آپ کا دو رکعت نفل پڑھنا ابتک نظر سے نہیں گزرا لیکن جو شخص بقصد ثواب بدون اعتقاد سنیت پڑھیگا وہ ثواب پائیگا کیونکہ حدیث میں ہو الصلوٰۃ خیر موضع فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیکثر نماز اچھا کام ہو جو چاہے اسمیں کمی کرے اور جو چاہے زیادتی کرے البتہ ان اوقات میں دو رکعت نفل کھڑے ہو کے پڑھنا چاہیئے نہ بیٹھکے کیونکہ صحیح مسلم اور موطا مالک وغیرہ کتب معتبرہ میں مروی ہو صلوٰۃ الرجل قاعدا نصف صلوٰۃ قائما بیٹھکر نماز پڑھنا کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا آدھا مرتبہ رکھتا ہو واللہ اعلم **سوال** علما اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ تمام احناف کی کتابوں میں مذکور ہو کہ سنت فجر کی قضا اسوقت پڑھی جائیگی جب فجر فرض بھی قضا ہو جائے اور اگر اگلی سنتیں نہ پڑھ سکے تو بالاجماع طلوع آفتاب کے قبل اسکی قضا نہیں کیجا سکتی کیونکہ صبح کے بعد طلوع شمس کے قبل نفل مکروہ ہو اسکی دلیل میں یہ حدیث پیش کیجا سکتی ہو لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس ولا صلوٰۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس رواہ ابوداؤد قبل طلوع آفتاب کے نماز صبح کے بعد کوئی نماز درست نہیں ہو اور نہ عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے کوئی نماز درست ہو اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہو مگر قیس عمر کی یہ حدیث اسکے معارض ہو رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی بعد صلوٰۃ الصبح رکعتین فقال صلوٰۃ الصبح رکعتین فقال الرجل انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلھما فصلیتھما الآن فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابوداؤد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا ہو تو آپ نے فرمایا کہ نماز صبح کی دو رکعتیں ہیں اس شخص نے کہا کہ میں نے نماز صبح کے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں انھیں اب پڑھ رہا تھا آپ نے اسپر سکوت فرمایا اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہو ان دو حدیثوں میں موافقت کیونکر ہوسکتی ہی **جواب** اسمیں شک نہیں کہ وہ تمام حدیثیں جو طلوع شمس کے قبل نماز صبح کے بعد اور غروب شمس کے قبل نماز عصر کے بعد نفلوں کی ممانعت کے بارہ میں آئی ہیں بالکل صحیح ہیں جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہو اور اسطرح وہ حدیث بھی جس سے نماز فجر کے بعد قبل طلوع شمس سنت فجر کا ادا کرنا ثابت ہوتا ہو قابل احتجاج ہو مگر چونکہ احناف نے یہ اصول مقرر کر لیا ہو کہ جب کسی چیز کے متعلق حلت و حرمت کی دو نصیں موجود ہوں تو نص حرمت

کو ترجیح دیجائے گی اور قول فعل و تقریر دونوں پر مقدم ہی لہذا ہمارے ائمہ نے نہی کی قولی احادیث پر جو نص حرمت ہیں عمل کر کے ممانعت کا حکم دیدیا عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں دو متعارض حدیثوں کو ذکر کر کے کہا ہی ان المبیح والحاظر اذا تعارضا جعل الحاظر متاخرا اباح کرنے اور منع کرنیوالی دو حدیثیں جب جمع ہو جائیں تو منع کرنیوالی حدیث متاخر ہو گی علاوہ بریں احادیث نہی بکثرت ہیں و اللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** مصر کی صحیح تعریف کیا ہی اگر یہ ہی کہ اسجگہ کے رہنے والوں سے اکبر مساجد بھر جائے تو رہنے والوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جنپر جمعہ واجب نہیں جیسے لڑکے عورتیں اندھے کفار وغیرہ تو ان لوگوں کا اعتبار ہو گا یا نہیں کتاب کے حوالہ سے بیان کیجیے اجر ملیگا **جواب** مصر کی تعریف میں فقہا کا اختلاف ہی اور مختار اکثر فقہا کا اور جمہور متاخرین کے نزدیک مصر کی مفتی بہ تعریف یہی ہی کہ اسجگہ کے رہنے والوں کو اکبر مساجد اسجگہ کی کافی نہو اور مراد ان لوگوں سے وہ لوگ ہیں جنپر جمعہ فرض ہی اور لڑکے وغیرہ جو جمعہ کے مکلف نہیں ہیں خارج از بحث ہیں برجندی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں و ما لا یسع اکبر مساجدہ اهله مصر وهذا التفسیر مروی عن ابی یوسف والمراد به علیهم الذین یجب علیهم الجمعة وعنه ایضا کل موضع فیه یسکن عشرة الاف رجل وعنه ایضا ان کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وهو اختیار الکرخی لکن فی الهدایة توالظاهر ان المراد باکبر المساجد هو المسجد الجامع لکن فی الخزانة ان ما قیل فی الباب انهم اذا کانوا بحال لو اجتمعوا فی اکبر مساجدهم لا یسعهم حتی احتاجوا الی بناء المسجد الجامع فهذا صریح فی ان المراد باکبر المساجد غیر المسجد الجامع وقد صرح فی فتاوی الزاهدی من ان المراد باکبر المساجد اکبر المساجد للصلوات الخمس وقال بعضهم هو ان یعیش کل محترف بحرفته من سنة الی سنة من غیر ان یحتاج الی حرفة اخری وقال بعضهم هو ان یکون بحال لو قصدهم عدو یمکنهم دفعه وقال بعضهم هو ان یولد فیه کل یوم ویموت فیه انسان وقال بعضهم هو ان لا یعرف عدد اهله الا بکلفة ومشقة جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں تمام لوگ نہ آسکیں وہ مصر ہی اور یہ تفسیر امام ابو یوسف سے مروی ہی اور اہل سے وہ لوگ مراد ہیں جنپر نماز جمعہ فرض ہے اور انھیں سے یہ بھی مروی ہی کہ مصر وہ ہے جہاں دس ہزار آدمی ہوں اور انھیں سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کریں اور حدود قائم کریں مصر ہی اور امام کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے ایسا ہی ہدایہ میں ہی پھر ظاہر یہ ہی کہ اکبر مساجد سے مراد جامع مسجد ہے لیکن

خزانہ میں ہے کہ اس باب میں سب سے بہتر یہ رائے ہے کہ جس جگہ اتنے لوگ ہوں کہ اگر وہ سب مجتمع ہوں تو
وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں اور انھیں ایک مسجد جامع بنانے کی ضرورت پڑے تو وہ
مصر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر مساجد سے مراد مسجد غیر جامع ہے اور فتاوی زاہدی میں اسکی
تصریح ہے کہ اکبر مساجد سے مراد پنجوقتہ نماز کی مسجد ہے اور بعضوں کے نزدیک مصر وہ ہے جہاں ہر پیشہ
والا سالہا سال بسر کرتا ہے بغیر اسکے کہ وہ کسی دوسرے پیشہ کو اختیار کرے اور بعضوں کے نزدیک
مصر وہ جگہ ہے جہاں کے رہنے والوں کی اتنی تعداد ہو کہ اگر انپر کوئی دشمن حملہ کرے تو وہ اسکو
دفع کر سکیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ مصر وہ ہے جہاں روزانہ کوئی نہ کوئی پیدا ہوا اور کوئی نہ کوئی
پیدا ہوا اور کوئی نہ کوئی مرے اور بعضوں کے نزدیک مصر وہ ہے جہاں کے رہنے والوں کی تعداد بآسانی نہ
معلوم ہو سکے اور تنویر الابصار اور در مختار میں ہے ھو مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین
بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء از مجتبیٰ مصر وہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں مکلفین جمعہ نہ سما سکیں
اور اسی پر اکثر فقہا کا فتویٰ ہے اور رد المحتار میں ہے قولہ المکلفین بھا احترز بہ عن اصحاب
الاعذار مثل النساء والصبیان والمسافرین عن الفھستانی قولہ وعلیہ فتوی اکثر
الفقہاء وقال ابو شجاع ھذا احسن ما قیل فیہ فی لولوا لجیۃ وھو صحیح۔ بحر۔ وعلیہ
مشی فی لوقایۃ ومتن المختار وشرحہ وقدمہ فی متن الدرر علی القول الاخر وظاھرہ
ترجیحہ وایدہ صدر الشریعۃ بقولہ لظھور التوانی فی احکام الشرع سیمانی
اقامۃ الحدود فی الامصار قولہ المکلفین بہا سے معذور خارج ہوگئے مثلاً عورت بچے اور مسافر
منقول از قہستانی، قولہ وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء۔ ابو شجاع نے کہا ہے کہ یہی سب سے زائد درست ہے
اور ولوالجیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے بحر۔ اور اسی پر صاحب وقایہ و ماتن و شارح مختار چلے ہیں اور درر میں
اسے دوسرے قول پر مقدم کیا ہے اور اس سے مقصد بظاہر صرف ترجیح معلوم ہوتا ہے اور اسکی تائید
صدر الشریعۃ نے اپنے اس قول سے کی ہے کہ شہروں میں احکام شرع کا پورا ہونا خاص کر
اقامت حدود کا ظاہر ہے اور بحر الرائق میں ہے فی المجتبیٰ عن ابی یوسف انہ اذا اجتمعوا فی اکبر
مساجد ھم للصلوات الخمس لم یسعھم وعلیہ الفتوی لاکثر الفقہاء وقال ابو شجاع
ھذا احسن ما قیل مجتبیٰ میں امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جب لوگ سب سے بڑی مسجد میں

پنجوقتہ نمازوں کے لئے جمع ہوں تو مسجد اتنی وسعت نہ رکھے اور اسپر اکثر فقہا کا فتوی ہر اور ابو شجاع نے کہاہے کہ یہ سب سے زائد اچھا ہر حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی سوال زید اپنی زوجہ کو نماز پنجگانہ ادا کرنے کا حکم کرتا ہے مگر وہ نہیں مانتی اور کبھی تو نماز ہی نہیں پڑہتی اور کبھی قصداً قضا کرکے پڑھتی ہے اس وجہ سے زید زوجہ سے ناراض ہر معلوم ہونا چاہیئے کہ شرعاً اُس سے صحبت ترک کرے یا اسے یا طلاق دے **جواب** تنبیہا اور زجر کی نیت سے مجوابی ترک کرنا اور تنبیہا اُسکے مارنا بھی مگر نہ اتنا مارنا کہ اُسکو زائد تکلیف ہو اور طلاق دیدینا بھی درست ہر ضروری نہیں اور اگر وہ عورت کسی طرح نہ مانے تو اُسکو اپنی زوجیت میں باقی رکھنا ممنوع نہیں ہر کیونکہ ذمہ شوہر کا نصیحت کیوجہ سے پاک ہوگیا عدم قبول نصیحت کا وبال عورت پر ہوگا اشباہ میں ہر للزوجات یضرب زوجتہ علی ترک الزینة بعد طلبها وعلی عدم اجابتها الی فراشہ وھی طاھرۃ من الحیض والنفاس وعلی خروجها من منزله بغیر حق وعلی ترک الصلوٰۃ فی روایة شوہر کو اسکا حق ہر کہ اپنی بی بی کو حکم دینے کے بعد بھی زینت کے ترک کرنے پر یا حالت طہارت میں انکار فراش پر یا بلا حق گھر سے باہر جانے پر یا (بروایتے) ترک صلوٰۃ پر مارے، حموی حواشی اشباہ میں علی ترک الصلوٰۃ فی روایة کے تحت میں لکھتے ہیں مشی علیہ فی الکنز تبعا للکثیرین وفی النہایة تبعا لما فی الحاکم انہ لا یجوز له لان المنفعة لا تعود الیہ بل الیہا اِسی پر کنز میں حکم دیا گیا ہے اکثر لوگو کی اتباع میں اور نہایہ میں حاکم کی اتباع میں لکھا ہے کہ یہ ناجائز ہر کیونکہ نفع زوجہ ہی کو حاصل ہوگا نہ شوہر کو، اور خزانۃ الروایۃ میں ہر فی الخانیة له ان یضربہا علی اربعة منها ترک الزینة اذا اراد الزوج الزینة والثانیة ترک الغسل من الحیض والنفاس والجنابة والثالثة ترک الصلوٰۃ والرابعة الخروج من منزله بغیر اذنه بعد ایفاء المهر وفی القنیة رجل له امرأۃ فاسقة لا تنزجر بالزجر لا یجب علیہ تطلیقها وفی الخانیة رجل له امرأۃ لا تصلی کان له ان یطلق خانیہ میں ہر کہ شوہر کو ان چار باتوں پر زوجہ کے مارنے کا حق ہر (۱) زوج زینت کا حکم دے اور وہ زینت نہ کرے (۲) حیض اور نفاس اور جنابت کے بعد نہائے (۳) نماز ترک کرے (۴) بعد ادائے مہر بلا اجازت شوہر گھر سے نکلے اور قنیہ میں ہر کہ اگر کسی شخص کی بی بی فاسقہ ہر اور وہ باوجود زجر کے بھی فسق سے، باز نہیں آتی تو اُسپر طلاق دینا واجب نہیں ہر اور خانیہ میں ہے کہ اگر کسی کی عورت نماز نہ پڑھتی ہو تو اُسے طلاق دیدینا چاہیئے واللہ اعلم حررہ

الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** ایک قصبہ میں ایک مسجد میں جمعہ کی نماز بجماعت کثیرہ ہوتی تھی اور اُن نمازیوں میں بعض بعض آدمی آمین بالجہر کہتے تھے اور برسوں سے اُنکا جھگڑا تھا اتفاقاً ایک جاہل نے آمین بالجہر کہنے والے اور رفع یدین کرنے والے کو مارا اور قبل مارنے کے بہت فساد تھا بعد مارنے کے کل فساد دفع ہوگیا تو اس صورت میں وہ مارنیوالا گنہگار ہوگا یا نہیں اور اس صورت میں اُس مسجد میں اذن عام ہے یا نہیں حالانکہ امام نے کسی کو وہاں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا لیکن عالم آمین بالجہر والے ماربیٹ کے سبب اُس مسجد میں نماز جمعہ ناجائز کہتے ہیں اور ماربیٹ کو عدم اذن عام کا سبب بتلاتے ہیں۔ کیا اس صورت میں نماز اُس مسجد میں ہوتی ہے یا نہیں **جواب** آمین بالجہر نہ کہنے والے کو بُرا کہنے والا اور آمین بالجہر کہنے والے کو مارنے والا دونوں گنہگار رہوے دونو پر توبہ لازم ہے فان اختلاف الایمۃ رحمۃ ولیس علی متبع احد ھم کا ئنًا ممن کان نقمۃ اختلاف ائمہ رحمت ہے اور انمیں سے کسی کے متبع پر کوئی الزام نہیں **سوال** وتر کی نماز کے بعد یہ دو سجدے جو اکثر لوگ کرتے ہیں اور اس میں سبوحٌ قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے یا مباح اور اسکی فضیلت میں بعض کتب فقہ میں جو ایک حدیث بروایت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے صحیح ہے یا موضوع **جواب** یہ دو سجدے وتر کے بعد بے اصل ہیں اور حدیث فاطمہ جو مشہور ہے موضوع ہے درمختار میں ہے سجدۃ الشکر مستحبۃ بہ یفتی لکنہا تکرہ بعد الصلوٰۃ لان الجھلۃ یعتقدونھا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ مکروہ سجدۂ شکر مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے لیکن نماز کے بعد مکروہ ہے کیونکہ جاہل یہ خیال کرتے ہیں کہ سنت ہے یا واجب اور ہر مباح جو سنت یا واجب سمجھا جانے لگے مکروہ ہے اور رد المحتار میں ہے قال فی شرح المنیۃ واما ما ذکر فی المضمرات ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لفاطمۃ ما من مومنٍ ولا مومنۃ یسجد سجدتین الخ فحدیث موضوع باطل لا اصل لہ شرح منیہ میں ہے کہ جو مضمرات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا نہیں ہے کوئی مومن یا مومنہ جو دو سجدے کرے الی آخرہ یہ حدیث موضوع ہے باطل ہے اسکی کچھ اصل نہیں ہے اور بھی اُسی میں ہے قال فی شرح المنیۃ عن شرح القدوری لزاھدی ما یفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجھال یعتقدونھا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فمکروہ شرح منیہ میں شرح قدوری زاہدی

سے منقول ہے جو نماز کے بعد کیا جائے وہ مکروہ ہے کیونکہ جاہل اسے سنت یا واجب سمجھتے ہیں اور ہر مباح جو اس مرتبہ تک پہونچ جائے مکروہ ہوجاتا ہے **سوال** ایک شہر میں لوگوں نے ۲۹ ذیقعدہ کو چاند بقرعید کا دیکھنا شروع کیا اور مطلع بھی صاف تھا اس شہر والوں کو چاند نہ دکھائی دیا اور اس شہر میں دوسرے شہر سے دو شخص آئے جو نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے اُن دونوں نے شہادۃ ایک مفتی کے پاس یہ بیان کیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے بتاریخ ۲۹ ذیقعدہ کو فلاں شہر میں بعدا دلے شہادت کے ایک کا یہ بیان ہے کہ ہم نے فلان شہر میں ایک دو منزلے مکان پر نماز پڑھی اور وہاں قریب سو دو سو آدمیوں کے نمازی جمع تھے سبھوں نے چاند دیکھا اور دوسرے کا بیان ہے کہ ہم اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ریل سے اُتر کر ایک میدان میں جارہے تھے عین مغرب کے وقت ہم سب نے چاند دیکھا اسکے بعد ایک دوسرے قصبہ سے ڈاک پر خط آیا اس میں بھی لکھا تھا کہ یہاں ۲۹ ذیقعدہ کو بہت لوگوں نے چاند دیکھا اور بھی چند جگہوں سے خبر آئی اسی لئے مفتی مذکور نے گواہوں کی گواہی قبول کی کیونکہ کثرت قرائن سے مفتی مذکور کو یقین کامل ہوا کہ بیشک ۲۹ کو چاند ہوا یہان کے لوگوں کا یہ قصور ہے کہ بتوجہ نہ دیکھا فتاوی قاضی خان کی عبارت تقاضے سے جو یہ لکھا ہے نوادر میں سے مروی ہے کہ بقرعید کے چاند کی شہادت رمضان کے چاند کی شہادت ہے کیونکہ بقرعید کے چاند کے ساتھ بھی امر دینی متعلق ہے اسلئے گواہی کو قبول کرکے نماز بقرعید کی پڑھی اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کسی کی نہیں ہوئی اور مفتی حنفی کے مذہب سے خارج ہوگیا حالانکہ بذریعہ تار برقی کے جہان شاہد نے چاند دیکھا تھا خبر بھی طلب کی جس سے اُس شہادت کا صحیح ہونا ثابت ہوا اب خلاصہ سوال یہ ہے کہ نماز صورت مذکورہ میں صحیح ہوئی یا نہیں اور مفتی حنفی رہا یا نہیں بینوا توجروا **جواب** نماز صورت مذکورہ میں درست ہوئی اور مفتی مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوا واللہ اعلم حررہ الراجی ابو الحسنات عبدالحی **سوال** علماان مسائل میں کیا فرماتے ایک شخص امام ہوتا ہے اور سلام کے بعد یہ دعا جو خاص اپنے نفس کے واسطے ہے پڑھتا ہے رب انت ولیی فی الدنیا والاخرۃ والحقنی بالصالحین اور رب اشرح لی صدری ویسرلی امری اور مقتدی سب اُسکے پیچھے آمین کہتے ہیں پس امام کا یہ فعل کہ دعا خاص اپنے لئے کرتا ہے بُرا ہے یا نہیں اور وہ خائن ہے یا امانت دار اور لایؤم عبد قوما الحدیث کے تحت میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں۔

دوسرا شخص امام ہوتا ہے اور وہ بعد سلام کے اسی دعا کو بلفظ جمع تلفظ کرتا ہے یعنے ربنا انت ولینا والحقنا رب اشرح لنا صدرنا ویسر لنا امورنا کہتا ہے اور سب مقتدی آمین کہتے ہیں پس دوسرا امام قابل ملامت ہے یا قابل مدح اور خائن ہے یا امانت دار اور ایسے امام کو قرآن کا اصلاح دینے والا کہیں گے یا کیا؟ حدیث لا یوم عبد قوما جو ترمذی میں بروایت ثوبان منقول ہے وہ حدیث موضوع ہے یا حسن اور اس حدیث کا محل یہ دعا جو بعد تسلیم کے مانگتے ہیں ہو سکتا ہے یا نہیں اور یہ حدیث اُن حدیثوں کی جن میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بوقت امامت نماز میں بلفظ مفرد دعا منقول ہے متعارض اور مخالف ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو اُسکی تطبیق ایک شخص یوں نقل کرتا ہے کہ حدیث ثوبان میں جو تخصیص کی ممانعت ہے وہ خارج صلاۃ بعد سلام مراد ہے کیونکہ سب مقتدی اس امام کو اپنی طرف سے طلب خیر کے لیے نائب کرتے ہیں اور خود آمین کہتے ہیں اور وہ اس صورت خاص میں خیانت کرکے محض اپنی بھلائی چاہتا ہے تو خائن ہوا اور نماز کے اندر تو امام اور مقتدی دونوں دعا مانگتے ہیں تو امام اُنکا نائب نہ ٹھہرا لہذا خائن بھی نہ ہوگا یہ صحیح ہے یا نہیں **جواب** چونکہ اکثر ادعیۂ صلوٰۃ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں بلفظ مفرد وارد ہیں اور حدیث ثوبان عدم جواز یا کراہت پر دال ہے بحالت امام اس لئے علما کی رائیں اس باب مختلف ہو گئیں بعض نے حدیث ثوبان کو موضوع کہا ہے اور مطلقاً افراد کو جائز رکھا ہے لیکن یہ قول محض غلط ہے حدیث مذکور جامع ترمذی وغیرہ میں موجود ہے اور اُس کے موضوع ہونے پر کوئی قوی دلیل نہیں ہے اور مجرد تعارض سے باوجود امکان جمع کے کسی حدیث کو موضوع کہنا درست نہیں ہے اور بعض نے مطلقاً ادعیۂ صلوٰۃ میں افراد کو منع لکھا ہے اور بعض محدثین نے یہ تحریر کیا ہے کہ حدیث ثوبان سے وہ دعا مراد ہے جو بلفظ جمع وارد ہے اور جو دعا بلفظ مفرد وارد ہو وہ اس سے خارج ہے اور اکثر محدثین کی یہ رائے ہے کہ تخصیص اُس دعا میں ممنوع ہے جسکے ساتھ امام متفرد ہو اور مقتدی آمین کہتا ہو جیسے دعاے قنوت صبح اور سوا اسکے اور ادعیہ ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں کو جائز ہیں تخصیص منع نہیں ہے فاضل یمنی بہجۃ المحافل میں لکھتے ہیں جمیع الادعیۃ المرویۃ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم رويت بلفظ التوحيد قال شيخ مشائخنا المجد الشيرازي فان قيل ورد من قوعًا لا يؤم عبد قومًا فيخص بدعوة دونهم فان فعل ذلك فقد خانهم

ثم نقل عن ابن خزیمۃ ان هذہ الحدیث موضوع وقال بعض العلماء ان ثبت هذا الحدیث
فیکون المراد دعاء ورد بلفظ جمع قلت وظهر لی واللہ اعلم ان کل دعاء ید عوابہ الامام و
المامو یکون بلفظ الافراد وکل دعاء یومن فیہ المأموم لدعاء امامہ یکون بلفظ الجمع فان نوّ
وقع فی النهی هذا اولی ما ذکرہ القاضی لان الحدیث الذی نقل عن ابن خزیمۃ وضعہ اخرجہ
ابوداؤد والترمذی تمام دعائیں جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں انمیں
واحد کے الفاظ ہیں شیخ المشائخ مجد شیرازی نے کہا ہے کہ یہ حدیث جو مرفوعًا مروی ہے کہ وہ شخص کسی
کی امامت نہ کرے جو ہر دعا صرف اپنے ہی لئے کرے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو اُسنے اُن لوگوں سے
خیانت کی ابن خزیمہ سے منقول ہے کہ یہ موضوع ہے اور بعض علما نے کہا ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو
اس سے مراد وہ دعا ہوگی جو بلفظ جمع وارد ہوئی ہے میں کہتا ہوں کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ہر دعا
جو امام یا مقتدی کرے لفظ واحد سے ہونا چاہیئے اور وہ ہر دعا جو امام کرے اور مقتدی اُس میں آمین
کہے لفظ جمع سے ہونا چاہیئے اور اگر امام اُسے بلفظ واحد کریگا تو اُس نہی کے تحت میں آجائیگا اور یہ
قاضی کے قول سے زائد بہتر ہے کیونکہ جس حدیث کا موضوع ہونا ابن خزیمہ سے منقول اُسے
ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور سراج الدین بن ملقن شرح سنن ابن ماجہ میں لکھتے ہیں
اما التخصیص بالدعاء فمقتضی کلام النووی فی الاذکار اطرادہ فی سائر ادعیۃ الصلوٰۃ وبہ
صرح غزالی فی الاحیاء ونقلہ ابن المنذر فی الاشراق عن الشافعی والصواب ان ما امر
الامام والمأموم بقولہ یقولہ الامام بصیغۃ الافراد وما امر الامام بقولہ کالقنوت
یاتی بہ بلفظ الجمع مگر مسئلہ تخصیص امام بدعا تو اُسکے متعلق اذکار میں نووی کے کلام سے
معلوم ہوتا ہے کہ حکم نماز کی تمام دعاؤں کو شامل ہے اور غزالی نے احیاء العلوم میں اسکی تصریح
کی ہے اور ابن منذر نے اشراق میں امام شافعی سے یہی نقل کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ جس دعا کے پڑھنے
کا حکم امام اور مقتدی دونوں کو ہے اُسمیں صیغۂ واحد لائے اور جس کے پڑھنے کا حکم صرف
امام کو ہے جیسے قنوت اُس میں صیغۂ جمع لائے اور ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں المحفوظ
فی ادعیتہ صلے اللہ علیہ وسلم کلها بلفظ الافراد کقولہ رب اغفرلی و
ارحمنی ومنها قولہ فی دعاء الاستفتاح اللهم اغسلنی من خطایای اللهم باعد

بینی وبین خطایای وروی الامام احمد واھل السنن من حدیث الثوبان مرفوعًا لایؤم عبد قومًا فیخص نفسہ بدعوۃ قال ابن خزیمۃ فی صحیحہ وقد ذکر حدیث اللھم باعد بینی فی ھذہ دلیل علی رد الحدیث الموضوع لایؤم عبد قومًا الحدیث و سمعت شیخ الاسلام ابن تیمیۃ یقول ھذہ الحدیث عندی فی الدعاء الذی یدعو بہ الامام لنفسہ وللمامومین کدعاء القنوت وغیرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دعاؤں میں لفظ مفرد منقول ہے جیسے رب اغفرلی وارحمنی اور جیسے استفتاح میں اللھم اغسلنی من خطایا اللھم باعد بینی وبین خطایای اور امام احمد و اہل سنن نے مرفوعا بروایت ثوبان بیان کیا ہے کہ کسی قوم کی امامت ایسا شخص کرے جو صرف اپنے ہی لئے دعا کرے صحیح ابن خزیمہ میں ہے کہ اللھم باعد بینی وبین خطایای سے حدیث موضوع لایؤم عبد قوما الحدیث کا رد ہو جاتا ہے اور میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث صرف اُس دعا کے بارے میں ہے جس میں امام کو اپنے ساتھ مقتدی کے لئے بھی دعا کرنا چاہیئے جیسے دعائے قنوت وغیرہ اور شمس الدین جزری مؤلف حصن حصین مفتاح حصن حصین میں لکھتے ہیں ھو من المنہیات لحدیث ثوبان والمعنی ان امامھم فی الدعاء کالقنوت وغیرہ لایخص نفسہ اذا دعاھم یؤمنون ویخص نفسہ بالدعاء وھم لا یعلمون فھو خیانۃ لھم واما اذا دعا فی السجود لنفسہ مثلاً او بین السجدتین او التشھد وھو امام فلیس بخیانۃ لان کل واحد من الماموین ینبغی ان یدعو لنفسہ انتھی یہ حدیث ثوبان سے منہی عنہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ امام قنوت وغیرہ کی دعاؤں میں تخصیص نہ کرے کیونکہ جب وہ دعا کرے گا مقتدی آمین کہینگے پس اگر اُس نے صرف اپنے ہی لئے دعا کی ہے اور مقتدی اس سے لاعلم ہیں تو خیانت لازم آئی البتہ اگر سجدہ میں یا دونوں سجدوں کے بیچ میں یا تشہد میں اپنے لئے دعا کی تو بحالت امامت بھی خیانت نہیں ہے کیونکہ ان مواقع پر مقتدیوں میں سے ہر ایک کو اپنے لئے دعا کرنا چاہیئے پس اکثر فقہا نے ان دونوں حدیثوں میں جو توافق کیا ہے اُسکا لحاظ کرکے بعد نماز کے جب امام دعا مانگے تو مقتدی آمین کہیں اُسکو تخصیص نہ چاہیئے بلکہ تعمیم چاہیئے جیسا کہ شیخ دہلوی نے تصریح کی ہے اگر وہ دعا جو امام سلام کے بعد کرتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں وہ بھی اس حدیث کا محل

ـــــہے یعنے افراد کے الفاظ سے دعا نہ کرے اور یہ دیانت کے خلاف ہے از شرح سفر السعادت اور جو امام ربنا انت ولینا فی الدنیا والآخرۃ پڑھتا ہے وہ قرآن کا بدلنے والا نہ ٹھہرے گا کیونکہ ادعیۂ قرآنیہ جب بطور دعا کے تلاوت کیے جائیں تو وہ قرآنیت سے خارج ہوجاتے ہیں اشباہ والنظائر کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے القرآن یخرج عن القرآنیۃ بقصد الثناء قرآن کی کسی آیت سے اگر دعا مقصود ہو تو وہ قرآن نہیں رہتی پس اُنکی تبدیلی قرآن کی تبدیل نہوگی اور حدیث ثوبان کو خاص دعا بعد الصلوٰۃ پر محمول کرنا نہیں صحیح ہے اسوجہ سے کہ یہ طریقہ جو فی زماننا مروج ہے کہ امام سلام کے بعد رفع یدین کے ساتھ دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نتھا جیساکہ ابن القیم نے زاد المعاد میں اسکی تصریح کی ہے بلکہ اولی یہی ہے کہ حدیث ثوبان عام سمجھی جائے اُس دعا میں جسمیں امام منفرد ہو اور مقتدی آمین گو ہوں اور یہ صورت بھی افراد عام میں داخل کیجائے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبدالحی **سوال** ایک گاؤں تقریبًا سَو گھر کا ہے جس میں ہندو زیادہ اور مسلمان کم ہیں اُس میں ایک پُرانے زمانے کی مسجد ہے جس میں پنجگانہ اور جمعہ ہوتا تھا اب دوسرے شخص نے پچاس ہاتھ کے فاصلے پر بلا ضرورت دوسری مسجد بنائی ہے اس صورت میں حق کس مسجد کا ادا کیا جائے **جواب** نماز دونوں مسجدوں میں جائز ہے لیکن فضل قدیم مسجد ہے درمختار میں ہے افضل المساجد مکۃ ثم المدینۃ ثم القدس ثم قبا ثم الاقدم ثم الاعظم ثم الاقرب افضل مساجد مکہ پھر مدینہ پھر بیت المقدس پھر قبا ہے پھر جو زیادہ قدیم ہو پھر جو زائد بڑی ہو پھر جو زائد قریب ہو اور شرح منیہ میں ہے ذکر فی الخانیۃ ومنیۃ المفتی وغیرھما ان الاقدم افضل فان استویا فی القدم فالاقرب خانیہ اور منیۃ المفتی میں ہے کہ قدیم مسجد زائد فضل ہے اور اگر دو مسجدیں قدیم ہونے میں مساوی ہوں تو جو قریب ہو وہ زائد افضل ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبدالحی **سوال** مقتدی چھت پر ہوں اور امام نیچے نماز پڑھتا ہو درست ہے یا نہیں اس کا جواب حدیثوں اور آثار صحابہ سے دینا چاہیئے **جواب** درست ہے حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں روی الشافعی عن ابراھیم بن محمد حدثنی صالح مولی التوامۃ انہ رای ابا ھریرۃ یصلی فوق ظھر المسجد بصلوٰۃ الامام فی المسجد رواہ البیہقی شافعی نے ابراہیم بن محمد سے بروایت صالح مولی توامہ روایت

سمعہ مولوی عبدالغفور صاحب ... [illegible]

کیا ہے کہ اُنھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسجد کی چھت پر نماز پڑھتے دیکھا بحالیکہ وہ جس امام کی اقتدا کر رہے تھے وہ مسجد کے اندر تھا۔ اس کو بیہقی نے حدیث قعنبی سے اُنھوں نے ابن ابی ذئب سے اُنھوں نے صالح سے روایت کیا اور سعید بن منصور نے بھی اسکو روایت کیا اور بخاری نے اسکو تعلیقاً روایت کیا انتہی حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال تسلیم صلوٰۃ میں وبرکاتہ کی زیادتی میں اختلاف ہے بعض اسے بدعت کہتے ہیں اور بعض استحسان کے قائل ہیں جیسا کہ درمختار میں لکھا ہے وجعلہ النووی بدعة وردہ الحلبی فی الحاوی انہ حسن نووی نے اُسے بدعت ٹھہرایا ہے اور حلبی نے اُسکی تردید کی ہے اور حاوی نے اُسے حسن لکھا ہے اس باب میں قول مختار کیا ہے **جواب** قول مختار اس باب میں اسکی زیادتی ہے اور بدعت والا قول غیر معتبر ہے صاحب ردالمحتار نے قولہ ردہ الحلبی کے تحت میں لکھا ہے۔ یعنی المحقق ابن امیر حاج فی الحلیۃ شرح المنیۃ حیث قال بعد نقلہ قول النووی انہ بدعة ما نصہ لکنہ متعقب فی ھذا بانھا جاءت فی سنن ابی داؤد من حدیث وائل بن حجر باسناد صحیح وفی صحیح ابن حبان من حدیث عبداللہ ابن مسعود ثم قال اللھم الا ان یجاب بشذوذھا وان صح مخرجھا کما مشی علیہ النووی فی الاذکار وفیہ تامل یعنے محقق ابن امیر حاج نے حلیہ شرح منیہ میں اسکی تردید کی ہے کیونکہ نووی کے قول انہ بدعة کے نقل کرنے کے بعد جو اُنھوں نے کہا ہے اُسکی تصریح یہ ہے کہ اس قول کی تردید یوں کیجاتی ہے کہ یہ حدیث سنن ابو داؤد میں بروایت وائل بن حجر باسناد صحیح اور صحیح ابن حبان میں بروایت عبداللہ بن مسعود مروی ہے ہاں جواباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شاذ ہے گو کہ اسکا مخرج صحیح ہے جیسا کہ نووی نے اذکار میں اسکی تصریح کی ہے لیکن یہ امر قابل غور ہے۔ اور حافظ ابن حجر تخیص الحبیر میں لکھتے ہیں وقع فی صحیح ابن حبان من حدیث ابن مسعود زیادة وبرکاتہ وھی عند ابن ماجہ وابی داؤد ایضاً من حدیث وائل عن قول ابن الصلاح حیث یقول ان ھذہ الزیادة لیست فی شئ من کتب الحدیث الا فی روایة وائل صحیح ابن حبان میں حدیث عبداللہ بن مسعود سے وبرکاتہ کی زیادتی ثابت ہے اور یہ ابن ماجہ اور ابی داؤد کے نزدیک بھی حدیث وائل سے ثابت ہے تو اب ابن صلاح کا یہ قول تعجب انگیز ہے کہ یہ زیادتی بجز روایت وائل کے کسی دوسری حدیث سے ثابت نہیں حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی۔

سوال ایک شخص نے ایک مسجد میں نماز عشا و تراویح و وتر کی امامت کی پھر دوسری مسجد میں جا کر انکی درخواست سے ایک یا دو ترویحوں میں وہاں کے لوگوں کی امامت کی اس خیال پر کہ تراویح اور دوسری سنتوں اور نفلوں کا حکم ایک ہی ہے جیسا کہ محمد ہاشم ٹھٹھوی کی بیاض میں یہ روایت متانۃ الروایات سے منقول ہے وصح اقتدا ئہم لان السنۃ والتطوع فی حکم واحد اور اُنکی اقتدا صحیح ہے کیونکہ سنت اور نفل ایک ہی حکم میں ہیں اور اُسکی دلیل میں وہ یہ امر پیش کرتا ہے کہ تراویح اور دوسری سنتوں میں جمہور اور عامہ مشائخ کے نزدیک نفلوں کی طرح مطلق نیت کافی ہے اسکے علاوہ وہ اسی بیاض کی ایک دوسری روایت جو شرح شرعۃ الاسلام سے منقول ہے پیش کرتا ہے اُسکا ترجمہ یہ ہے جب حلال اور حرام جمع ہوتے ہیں تو حرام غالب ہوتا ہے اور یہ ضابطہ معاملات میں ہے مگر عبادات جیسے نماز روزہ وغیرہ میں علما نے کہا ہے اگر عدم جواز کی روایت ہو اور جواز کی ایک روایت ہو تو مفتی کو چاہیے کہ جواز پر فتویٰ دے اور اس سے بھی دلیل پکڑتا ہے کہ کمال الدین بن ہمام نے کہا ہے ان نفس النیۃ یحصل بنفس الفعل علی الوجہ الذی فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وھو علیہ السّلام لم یکن ینوی السنۃ بل الصلوٰۃ للہ تعالیٰ علما ان وصف النیۃ ثبت بعد فعلہ علی ذلک الوجہ تسمیۃ منا لفعلہ لانہ وصف یتوقف حصولہ علی النیۃ انتھٰی نیت صرف اس طریقہ پر عمل کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے جس طریقہ پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس فعل کو کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ آپ سنت کی نیت نہیں کرتے تھے بلکہ صرف خدا کے لئے نماز کی نیت کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ اسطرح پر نیت اُس وقت سے ثابت ہوئی ہے جب سے کہ ہم نے آپکے فعل کا نام سنت رکھ لیا ہے نہ یہ کہ سنت ایک ایسا وصف ہے جو بغیر نیت کے ثابت ہی نہ ہو انتھٰی تو اب ایسی صورت میں اس قوم کی اقتدا اور اُس شخص کی امامت مکروہ ہے یا نہیں اور بنا ء قوی علی الضعیف لازم آتی ہے اور سنت مؤکدہ میں تعیین سنت مؤکدہ کی نیت کرنا بہتر ہے یا مطلق سنت کی نیت کرنا اور اس امامت اور اقتدا کے نہ صحیح ہونے کی وجہ صرف مخالفت سلف ہے جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے ولو صلی التراویح مقتدیا بمن یصلی مکتوبۃ او وترا او نافلۃ الاصح انہ لا یصح الاقتداء بہ لانہ مکروہ ومخالف لعمل السلف اگر تراویح میں اُس شخص کی اقتدا کی جو فرض یا وتر یا نفل پڑھ رہا ہے تو صحیح یہ ہے کہ یہ اقتدا نا درست ہے کیونکہ مکروہ اور مخالف عمل سلف ہے یا اسکے سوا اور بھی کوئی وجہ ہے جواب تفصیل کے ساتھ دو

جواب فقہائے حنفیہ اس باب کے دو امروں میں اختلاف رکھتے ہیں اول نیت تراویح میں۔ اس میں ایک مذہب تو وہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ تراویح اور تمام سنتوں میں محض نماز کی نیت کافی ہے جیسا کہ تجنیس اور ذخیرہ میں ہے اور صاحب ہدایہ نے مختارات النوازل اور ہدایہ میں اسکی تصحیح کی ہے اور فتح القدیر میں امام ابن ہمام نے اسکو اختیار کیا ہے اور اسکی خوب تحقیق کی ہے برہان شرح مواہب الرحمٰن میں طرابلسی نے اسکی اتباع کی ہے اور جامع مضمرات میں اسکی تصحیح کی ہے اور درمختار میں اسکو قابل اعتماد لکھا ہے اور خزانۃ الفتاوی اور منیۃ المصلی میں اسے مذہب مختار بنایا ہے اور دوسرا یہ کہ تراویح اور سنتوں میں متابعت رسولؐ اور ادائے سنت کی نیت ضروری ہے اور بعض مفتیوں نے اسکی تصحیح کی ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہے قال بعضھم یجوز اداء السنن بنیۃ الصلوٰۃ والتطوع قال بعضھم لا یجوز وھو الصحیح بعضوں کے نزدیک مطلق نماز یا نفل کی نیت سے سنتوں کا ادا کرنا جائز ہے اور بعضوں کے نزدیک نہیں اور یہی مذہب صحیح ہے اور صاحب بنایہ نے یہ فرمایا ان نوی فی التراویح مطلق الصلوٰۃ والنفل فالصحیح انہ لا یجوز لانھا سنۃ مخصوصۃ فیراعی صفتھا الخاصۃ للخروج عن العھدۃ واکثر المتاخرین علی ان التراویح والسنن تتادی بمطلق النیۃ اگر تراویح میں مطلق نماز یا نفل کی نیت کی تو صحیح عدم جواز ہے کیونکہ تراویح ایک خاص سنت ہے تو اُس کی اس خاص صفت کا لحاظ کیا جائے گا تا کہ وہ ذمہ سے ادا ہو اور اکثر متاخرین کا خیال یہ ہے کہ تراویح اور سنن مطلق نیت سے ادا ہو سکتی ہیں اور ظہیریہ وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے تو اب اس مسئلہ میں مذہب مرجح وصحیح میں اختلاف ہو گیا اس لئے صاحب سراجیہ صاحب منیہ و صاحب ظہیریہ اور ابن ہمام اور انکے شاگرد قاسم بن قطلوبغا وغیرہ نے کہا ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ مطلق نیت پر اکتفا نکرے دوم تراویح پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے اور دوبارہ تراویح پڑھنے والے کی اقتدا کے بارے میں تو بعضے اسے جائز رکھتے ہیں اور بعضے ناجائز قاضی خاں نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ نا جائز ہے اور صدر شہید نے اپنی کتاب واقعات میں لکھا ہے امام یصلی التراویح فی مسجدین علی الکمال لا یجوز ایک امام جو دو مسجدوں میں پوری پوری تراویح پڑھتا ہے اسکی امامت نادرست ہے۔ اور قاسم بن قطلوبغا نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے اذا صلی التراویح مقتدیا بمن یصلی المکتوبۃ او الوتر او نافلۃ غیر التراویح اختلف المشائخ فیہ منھم من بنی ھذا علی الاختلاف فی النیۃ فمن قال من المشائخ ان التراویح

لا یتأدی بمطلق النیۃ حتی ینویہا قال فہنا لا تصح لانہا لا تتأدی الا بنیتہا فلا تتأدی
الا بنیۃ الامام وہی بخلاف نیتہ ومن قال من المشائخ انہا تتأدی بمطلق النیۃ ینبغی
ان یقول فہنا یصح والا فہو انہ لا یصح وہو مکروہ اگر کسی نے تراویح پڑھی اور اُس شخص
کی اقتدا کی جو فرض یا وتر یا کوئی اور نفل تراویح کے سوا پڑھ رہا ہے تو مشائخ کا اس بارے میں
اختلاف ہے بعضوں نے اسے اختلاف نیت پر مبنی کیا ہے پس ان میں سے جو کہتے ہیں کہ تراویح مطلق
نیت سے ادا نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں کہ یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ ادائے تراویح کے لئے نیت تراویح
کی ضرورت ہے اور پس وہ بغیر امام کی نیت کے ادا نہ ہوگی اور امام کی نیت تراویح کی نیت کے خلاف
ہے اور جو کہتے ہیں کہ تراویح مطلق نیت سے ادا ہو جاتی ہے اُنکے خیال میں اس صورت کو درست
ہونا چاہئے اور اصح یہ ہے کہ یہ صورت درست نہیں بلکہ مکروہ ہے اور جامع مضمرات شرح مختصر قدوری
میں ہے فی الکبریٰ قوم صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوہا بعد ذلک یصلون فرادیٰ لانہ
تطوع وصلوٰۃ التطوع بجماعۃ لیست بمستحبۃ کبریٰ میں ہے کہ ایک گروہ نے تراویح پڑھی اور پھر
دوبارہ تراویح پڑھنے کا قصد کیا تو انکو علیحدہ علیحدہ پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ نفل ہے اور نفل میں جماعت
مستحب نہیں ہے اور خزانۃ الروایات میں رسالہ صدر الدین حسام نہالی سے نقل کیا ہے ہذہ التراویح
للمقتدی سنۃ مؤکدۃ ولم یبق للامام سنۃ مؤکدۃ بل صار تطوعا فی حقہ والسنۃ اقوی
حالا من التطوع وقاسوہ علی اقتداء المفترض بالمتنفل ویؤیدہ روایۃ المضمرات قوم صلوا
التراویح ثم ارادوا الخ وروایۃ نصاب الفقہ وصلی الامام التراویح فی المسجدین علی الکمال
لا یجوز لہ ان یفعل لان التراویح سنۃ والسنن لا تتکرر فی الوقت الواحد فاذا فعل
ذلک لا یکون سنۃ والفتوی علی ذلک وقال بعضہم یجوز لانہ اقتداء المتنفل بالمتنفل وکل سنۃ
نفل بالحقیقۃ یہ تراویح مقتدی کے لئے سنت مؤکدہ ہے اور امام کے لئے سنت مؤکدہ نہیں
رہی بلکہ نفل ہو گئی اور سنت نفل سے زائد قوی ہے اور اس کا قیاس اُس صورت پر کیا گیا ہے
جس میں فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرے اور مضمرات کی روایت سے اسکی
تائید ہوتی ہے کہ کچھ لوگوں نے تراویح پڑھی پھر اُنھوں نے ارادہ کیا آخر تک اور نصاب الفقہ
کی اس روایت سے کہ اگر امام نے دو مسجدوں میں پوری پوری نماز پڑھی تو یہ ناجائز ہے کیونکہ تراویح

سنت ہے اور ایک ہی وقت میں سنت کی تکرار نادرست ہے پس اگر اُس نے تکرار کی تو دوسری تراویح سنت نہو گی اور اسی پر فتویٰ ہے اور بعضوں کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ اس میں نفل پڑھنے والے نے نفل پڑھنے والے کی اقتدا کی اور ہر سنت حقیقۃً نفل ہے۔ اور اختلاف اول پر ایک غائر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اور دوسری سنتیں اور نفلیں مطلق نیت اور نیت نفل سے پوری ہو جاتی ہیں جیسا کہ ابن ہمام نے اسکی تحقیق کی ہے اور اختلاف ثانی پر غائر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تراویح پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرے تو تراویح ادا ہو جائیگی لیکن خالی از کراہت نہیں کیونکہ اس میں سلف کی مخالفت ہے پس ایسی صورت میں بہتر ہے کہ امام جتنا حصۂ تراویح کہ دوسری جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہتا ہے اُسکی نذر مان لے اور اس طرح اُسے اپنے اوپر واجب کرکے بناء القوی علی الضعیف کے شبہہ سے محفوظ ہو جائے واللہ اعلم حررہٗ ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر کوئی شخص فرض کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اور ضم سورہ سے پہلے یا فاتحہ اور ضم سورہ کے بعد قل ہو اللہ پڑھتا ہے تو اُسکی نماز بلا کراہت درست ہے یا بکراہت **جواب** اُسکی نماز بلا کراہت درست ہے ترمذی اور بزار اور بخاری نے بطور تعلیق اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کان رجل من الانصار یؤمهم فی مسجد قباء وکان یقرأ لهم فی الصلوٰة مما یقرء به وکلما افتتح سورة افتتح بقل هو الله احد حتی یفرغ منها ثم یقرء سورة اخری معها وکان یصنع ذلک فی کل رکعة فکلمه اصحابه فقالوا انک تفتتح بهذه السورة ثم لا تری انها تجزئک حتی تقرأ باخری فاما ان تقرأ بها واما ان تدعها وتقرأ باخری فقال ما انا بتارکها ان احببتم ان اؤمکم بذلک فعلت وان کرهتم ترکتکم وکانوا یرون انه من افضلهم وکرهوا ان یؤمهم غیره فلما اتاهم النبی صلی الله علیه وسلم اخبروه الخبر فقال یا فلان ما یمنعک ان تفعل ما یأمرک به اصحابک وما یحملک علی لزوم هذه السورة فی کل سورة فقال انی احبها فقال حبک ایاها ادخلک الجنة انصاریین سے ایک صاحب جو مسجد قبا کے امام تھے جب امامت کرتے تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے پڑھتے مگر جب سورت شروع کرنے تو اُسکے قبل قل ہو اللہ پڑھتے اور اُسکے ختم کرنے کے بعد دوسری سورت پڑھتے اور وہ ایسا ہر رکعت میں کیا کرتے تو اُن کے اصحاب نے کہا کہ تم ہمیشہ اس سورت سے شروع کرتے ہو اور کبھی تنہا اس سورت کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ اُسکے ساتھ دوسری سورت بھی ملایا کرتے ہو پس یا تو اس سورت کا پڑھنا

چھوڑ دو یا اُسکے ساتھ دوسری سورت نہ ملاؤ تو اُنھوں نے کہا میں اسے نہ چھوڑونگا اگر تم ایسی ہی صورت ہیں میری امامت کو پسند کرو تو میں تمھاری امامت کرونگا ورنہ نہیں وہ لوگ چونکہ انھیں کو سب سے افضل سمجھتے تھے اور اُن کے ہوتے ہوے دوسرے کو امام بنانا پسند نہیں کرتے تھے اسلئے جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوے تو حضور سے یہ واقعہ عرض کیا آپنے فرمایا اے فلاں تم اپنے اصحاب کے کہنے پر کیوں عمل نہیں کرتے اور ہر سورت کے قبل اس سورت کو کیوں پڑھا کرتے ہو اُنھوں نے جواب دیا کہ مجھے یہ سورت اچھی معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا یہ اچھا معلوم ہونا ہی تمکو جنت میں داخل کرا دیگا پس اس حدیث سے اس فعل پر حضور کی تقریر اور اُس صحابی کے فعل پر سکوت ثابت ہوا اور رفع کراہت میں اتنا ہی کافی ہے کیونکہ اگر مکروہ ہوتا تو حضور اُن صحابی کی توجیہ پر التفات نہ کرکے ضرور ممانعت فرماتے مگر چونکہ یہ طریقہ حضور اور جمہور صحابہ کے غالب طریقہ کے خلاف ہے اسلئے اسکا ترک اولی ہے فتح القدیر میں اسی وجہ سے لکھا ہے لو جمع بین سورتین فی رکعۃ لا ینبغی ان یفعل ولو فعل لا باس بہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع نہ کرنا چاہیئے اور اگر ایسا کرلیا تو کچھ حرج بھی نہیں ہے

سوال جماعت میں شریک ہونے کی وجہ سے اگر فجر کی سنتیں ترک کردیں پس طلوع آفتاب سے پہلے اُنکا ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔ **جواب** قیس کی اس حدیث سے جسکو ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے عدم کراہت ثابت ہے خرج النبی صلی اللہ فاقیمت الصلوۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلے اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مہلا یا قیس اصلاتان قلت انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذن حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز قائم کی گئی تو میں نے آپکے ساتھ نماز پڑھی پھر حضور لوٹے اور مجھے نماز پڑھتے ہوے پایا۔ تو فرمایا رکو اے قیس کیا تم دو نمازیں پڑھوگے میں نے عرض کیا کہ نہیں میں نے فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں آپنے فرمایا پس اس صورت میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور اُسکے اسناد کا ضعیف ہونا جس طرح ترمذی وغیرہ نے بیان کیا ہے وہ اس درجہ کا نہیں ہے کہ اس سے استدلال اس ضعف کے باعث نہ ہوسکے لیکن حنفیہ اصولی تقریر کی وجہ سے کراہت کا حکم دیتے ہیں عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں قلت استقرت القاعدۃ ان المبیح

والحاظر اذا تعارضا جعل لحاظر متاخرا وقد ورد النہی فی احادیث کثیرۃ میں کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ مقرر ہوگیا ہے کہ جب اباحت وحظر میں تعارض ہو تو دلیل حظر کو متاخر ماننے ہیں اور نہی بہت سے احادیث میں وارد ہے ولکل وجھۃ ھو مولیھا الخ یعنے اور ہر شخص کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہے لہذا تم تو بہتر کاموں کی طرف سبقت کرو **سوال** نفل نماز جو دو رکعت سے زائد ایک سلام سے ہو انکے درمیانی قعدہ میں صرف التحیات پڑھے یا درود بھی **جواب** اس میں فقہا کا اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک صرف التحیات اور بعض کے نزدیک درود بھی پڑھے مگر جمعہ اور ظہر کی سنتوں میں متاخرین کے نزدیک قول ثانی مختار ہے درمختار میں ہے ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولی فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی ویستفتح ویتعوذ فی القیام ولو نذرا لان کل شفع صلوۃ علیحدۃ وقیل لا یاتی فی الکل وصححہ فی القنیۃ انتہی ملخصاً اور قعدۂ اول میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر چار رکعت والی نماز میں ظہر اور جمعہ کے قبل و بعد صلوٰۃ نہ بھیجے اور باقی چار رکعتوں والی نمازوں میں صلوٰۃ بھیجے اور قیام میں اعوذ باللہ پڑھے گو کہ نماز نذر ہو کیونکہ ہر شفعہ علیحدہ نماز ہے بعضوں کے نزدیک یہ حکم ہر جگہ درست نہیں اور قنیہ میں اسکی تصریح کی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر مقتدی کو سہو ہو تو اسپر اعادۂ صلوٰۃ بہ سبب مجبوری کے لازم ہے یا متابعت امام کی وجہ سے سہو اس سے مرفوع ہے **جواب** نہر الفائق میں قواعد مقررہ کے مطابق اعادہ کا حکم دیا ہے پھر فقہا کے کلام کا مقتضے یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کرے کیونکہ جابر کے تعذر کے ساتھ کراہت ثابت ہے لیکن جو حدیث اس باب میں مستند ہے وہ عفو اور رفع سہو اور کفایت صلوٰۃ امام پر دلالت کرتی ہے علی متقی منہج العمال میں ذکر کرتے ہیں کہ امام اپنے مقتدیوں کے لیے کافی ہے پس اگر امام سے سہو ہو جائے تو اسپر دو سجدے سہو کے ہیں اور مقتدیوں پر اسکے ہمراہ سجدہ لازم ہے اور اگر کسی مقتدی کو سہو ہو جائے تو اسپر سجدۂ سہو لازم نہیں بلکہ اسکے لیے امام کافی ہے بیہقی نے اس حدیث کو حضرت عمر رضی سے اور انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات عبد الحی **سوال** ہندوستان میں جہاں نصاریٰ کی حکومت ہے جمعہ کی نماز واجب ہے یا نہیں اور اگر جمعہ پڑھے تو بعد اسکے چار رکعت ظہر احتیاطی پڑھے یا نہیں اور اگر پڑھے تو تنہا پڑھے یا بجماعت جو سنت مؤکدہ ہے **جواب**

بلاد ہند جو نصاریٰ کے قبضے میں ہیں دارالاسلام ہیں اور دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانیکے
شروط اُن میں موجود نہیں ہیں کیونکہ گو اُن میں کفار کا قانون جاری ہو مگر اصول و ارکان اسلام
بھی جاری ہیں اور حکام بعض امور میں علما کی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں بزازیہ میں ہو قال السید
الامام والبلاد التی فی ید ی الکفرۃ الیوم لا شك انہا بلاد الاسلام بعد ایصالہا
ببلاد الحرب وان لم یظہروا فیہا احکام الکفرۃ بل القضاۃ مسلمون واما البلاد التی
علیہا والٍ مسلم من جہتہم فیجوز بہا اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاۃ
وتزویج الایامی لاداملٍ واما البلاد التی علیہا ولاۃ کفار فیجوز فیہا اقامۃ الجمع والاعیاد
والقاضی قاضٍ بتراضی المسلمین وقد تقررات ببقاء شئ من العلۃ یبقی الحکم وقد حکمنا بلا خلاف
بان ہذہ الدیار قبل استیلاء التتار کان من دیار الاسلام وبعد استیلائہم اعلان الاذان
والجمع والجماعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی والتدریس شایع بلا نکیر من ملوکہم
فالحکم بانہا من دار الحرب لا جہۃ لہ الی الدراسۃ والدرایۃ واعلان. بیع الخمور واخذ
الضرائب والمکسوس والحکم من النقض برسم التتار کاعلان بنی قریظۃ لطلب الطاغوت
ومع ذلك کانت بلدۃ اسلام بلا ریب وذکر الحلوانی انما تصیر دار الحرب باجراء احکام
الکفر وان لا یحکم فیہا بحکم من احکام الاسلام وان یتصل بدار الحرب وان لا یبقی فیہا
مسلم ولا ذمی آمنا بالامان الاول فاذا وجدت الشرائط کلہا صارت دار حرب وعند تعارض
الادلۃ والشرائط یبقی ما کان ویترجح جانب الاسلام احتیاطًا سید امام نے کہا ہے کہ وہ شہر
جو آجکل کافروں کے قبضے میں ہیں گو وہ بلاد حرب سے ملحق ہیں اور اُن میں احکام کفر بہ ظاہر
نہیں ہیں بلکہ قاضی مسلمان ہیں بلا شک بلاد اسلام ہیں اور وہ شہر جن پر کافروں کی طرف
سے مسلمان والی ہیں اُن میں جمعہ اور عید کی نماز پڑھنا اور خراج لینا اور قاضیوں کی تقلید کرنا
اور رانڈ بیوائوں کی شادی کرنا جائز ہے اور وہ شہر جن پر کافر والی ہیں اُن میں بھی جمعہ اور عید کی نماز
جائز ہے اور وہاں بھی مسلمانوں کی طرف سے جو قاضی بنایا جائے وہ قاضی ہے اور یہ معلوم ہے
کہ اگر علت باقی رہے تو حکم باقی رہتا ہے اور بلا اختلاف حکم ہم نے دیا ہے کہ یہ بلاد قبل استیلاے
تاتار دیار اسلام تھے اور بعد استیلا اعلان اذان و جمعہ و جماعات اور شرع کے موافق احکام

اور فتویٰ اور تدریس شائع رہے اور اُن کے بادشاہوں میں سے کسی کو اس سے کچھ تعرض نہیں ہوا تو اُسکے دار الحرب ہونیکا حکم درایتہً اور درواستہً کچھ حقیقت نہیں رکھتا اور علی الاعلان شراب کے بکنے اور ٹکس لینے اور رسوم ناپاک کے بدولت دار الاسلام نہ رہنے کا حکم کرنا صحیح نہیں کیونکہ دیسا ہی ہے جیسے بنی قریظہ علی الاعلان باطل پرستی کرتے تھے اور پھر بھی مدینہ دار الاسلام رہا حلوانی نے کہا ہے کہ ہر جگہ دار الاسلام اجرائے احکام کفر اور عدم اجرائے احکام اسلام و اتصال دار الحرب اور کسی مسلمان ذمی آمن بامان اول کے باقی نہ رہنے سے دار الحرب ہو جاتا ہے تو جب تمام شرائط پائے جائینگے وہ مقام دار الحرب ہو جائیگا اور ادلہ و شرائط کے تعارض کی صورت میں علی حالہٖ باقی رہیگا البتہ احتیاطاً جانب اسلام کو ترجیح دیجائے گی۔ اور قاضی محمد اعلیٰ تھانوی رسالہ احکام الارضی میں لکھتے ہیں الحق ان ما فی ید ی الکفار من بلاد المسلمین فھو دار الاسلام بلا شک لانھا غیر متاصلۃ ببلادھم ولانھم لم یظھروا فیھا احکامھم صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے جو بلاد کافروں کے قبضے میں ہیں وہ بلاشک دار الاسلام ہیں کیونکہ وہ اُنکے بلاد اصلی نہیں ہیں اور اسمیں اُنھوں نے اپنے احکام ظاہر نہیں کیے ہیں اور خزانۃ المفتین میں ہے دار الاسلام لاتصیر دار حرب الا باجراء احکام الشرک فیھا وان یکون متصلا بدار الحرب لایکون بینھا وبین دار الحرب مصر اٰخر للمسلمین وان لا یبقی فیھا مسلم ولا ذمی بالامان الاول فسالم توجد ھذہ الشرائط الثلثۃ لاتصیر دار حرب معنی قولنا ان لا یبقی فیھا مسلما وذمیا منا بالامان الاول ان لا یبقی فیھا مسلم او ذمی آمنا علی نفسہ الا بامان المشرکین وقالا اذا اجروا فیھا احکام الشرک فانھا تصیر دار الحرب سواء کانت متصلۃ بدار الحرب ولم تکن بقی مسلم او ذمی بالامان الاول ولم یبق ودار الاسلام لاتصیر دار الحرب اذا بقی شئ من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اھل الاسلام ودار الحرب یصیر دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا وان بقی فیھا کافر اصلی ولم یکن متصلۃ بدار الاسلام کذا فی شرح سیر الاصل وفی سیر الاصل لابی الیسران دار الاسلام لایصیر دار حرب مالم تبطل بہ جمیع ما صارت بہ دار الاسلام لان الحکم اذا ثبت لعلۃ فما بقی شئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ وفی المنشور دار الاسلام انما صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فما بقی علقۃ من علائق الاسلام

بترجیح جانب الاسلام دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوتا مگر احکام شرک کے اجرا اور دارالحرب کے متصل ہونے اور اُسکے اور دارالحرب کے درمیان مسلمانوں کے کسی شہر کے باقی نہ رہنے اور کسی مسلمان یا ذمی آمن باامان اول کے باقی نہ رہنے سے پس جب تک یہ شرائط نہ پائے جائینگے دارالاسلام دارالحرب نہوگا اور ہمارے قول ان لا یبقے فیہا مسلم او ذمی آمنا بالامان الاول کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں کوئی مسلم اور ذمی بلاامان مشرکین باقی نرہا ہو اور صاحبین کہتے ہیں کہ جہاں کافر احکام شرک جاری کریں تو وہ مقام دارالحرب ہوجاتا ہے دارالحرب سے متصل ہو یا نہو وہاں کوئی مسلم یا ذمی آمن باامان اول موجود ہو یا نہو اور دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہاں کچھ حصہ بھی احکام اسلام کا باقی رہے اگرچہ اہل سلام کا غلبہ جاتا رہے اور دارالحرب صرف احکام اسلام کے جاری ہونے سے دارالاسلام ہوجاتا ہے اگرچہ اس میں کافر اصلی باقی ہوں اور وہ اسلام کے متصل نہو ایسا ہی شرح سیرالاصل میں ہے اور ابوالیسر کی سیرالاصل میں ہے کہ دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوتا تاوقتیکہ تمام امور جن سے وہ دارالاسلام بنا تھا زائل نہوجائیں کیونکہ جب کوئی حکم کسی علت سے ثابت ہوتا ہے تو جبتک کچھ حصہ بھی علت کا باقی رہتا ہے حکم باقی رہتا ہے اور منشور میں ہے کہ دارالاسلام اجرے احکام اسلام کی بدولت دارالاسلام رہتا ہے توجب تک کچھ بھی علاقہ اسلام سے باقی رہیگا جانب اسلام کو ترجیح دیجائے گی۔ عتابی شرح زیادات میں لکھتے ہیں دارالاسلام انما تصیر دارالحرب بثلاث شرائط احدھا اجراء احکام الکفر علے سبیل الاشتھار والثانی ان تکون متاخمۃ بدارالحرب ای متصلۃ لا تتخلل بینھما بلدۃ من بلاد المسلمین والثالث ان لا یبقے فیہا مسلم او ذمی آمنا بالامان الاول فشرط ھذہ الشرائط لیکون علما علی تام القھر والاستیلاء ودارالاسلام یحتاط لاثباتہ والاحتیاط فی اثباتہ لھا ان یکتفی باحد ہی ھذہ الشرائط تصیرورۃ دارالحرب دارالاسلام والاحتیاط فی ابقائھا ان تشترط ھذہ الشرائط الثلثۃ لصیرورۃ دارالاسلام دارحرب عندھما یصیر دارالاسلام دارحرب باجراء احکام الکفر فیھا دارالاسلام تین شرطوں سے دارالحرب ہوتا ہے اول اجرا احکام کفر بالاعلان دوم دارالحرب سے اسطرح اتصال کہ بیچ میں مسلمانوں کا کوئی شہر باقی نہ رہے سوم کوئی مسلم یا ذمی آمن باامان اول

باقی نہ ہے یہ تینوں شرطیں اس لئے لگائی گئی ہیں کہ کفار کا پورا غلبہ اور قہر و استیلا ثابت ہوجائے اور دارالاسلام کے اثبات میں احتیاط کی جاتی ہے اسلئے دارالحرب سے دارالاسلام ہوجانے کے لئے ان شرطوں میں سے کسی ایک کا ہونا کافی ہے اور اسیطرح دارالاسلام کے علی حالہ باقی رکھنے میں بھی احتیاط کی جاتی ہے پس دارالاسلام ہونے کے لئے یہ تینوں شرطیں لگائی گئیں اور صاحبین کے نزدیک اجراء احکام کفر ہی سے دارالاسلام دارالحرب ہوجاتا ہے طحطاوی حواشی درمختار میں قولہ باجراء احکام الشرك کے تحت میں لکھتے ہیں ای علی سبیل الاشتهار وان لا یحکم فیها بحکم اهل الاسلام هندیة وظاهره انه لو اجریت احکام المسلمین واحکام اهل الشرك لا تکون دار حرب یعنی علی الاعلان اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں احکام اسلام میں سے کوئی حکم بھی جاری نہ رہا ہو۔ ہندیہ۔ اور ظاہر یہ ہے کہ جہاں احکام اسلام اور احکام اہل شرک دونوں جاری ہوں تو وہ دارالحرب نہیں ہے ان عبارتوں سے واضح ہے کہ ہندوستان جہاں ابھی احکام اسلام جاری ہیں اور جمعہ جماعت اذان وغیرہ شعائر اسلام کی کفار کی طرف سے ممانعت نہیں دارالحرب نہیں ہے جبکہ یہ ثابت ہوچکا پس جاننا چاہیے کہ جمعہ کی فرضیت مثل نماز پنجگانہ کی فرضیت کے نصوص سے ثابت ہے کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ہے ہندوستان کے شہروں میں بھی اُسکی فرضیت پہلے کی طرح ثابت اور باقی ہے اور یہ جو عوام سمجھتے ہیں کہ کتب حنفیہ میں ادائے جمعہ کے شرائط میں سلطان مذکور ہے اور وہ یہاں مفقود ہے ان اقوال سے دفع ہوتا ہے جامع الرموز میں ہے والسلطان ای الخلیفة ای الوالی الذی فوقه وال عادلا کان او جائرا والاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط وهذا اذا امکن استیذانه والا فالسلطان لیس بشرط حتی لو اجتمعوا علی رجل وصلوا جاز کما فی الجلالی اور سلطان سے مراد خلیفہ ہے یعنے وہ والی جسپر کوئی اور والی بھی ہو عادل ہو یا ظالم اور اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام شرط نہیں ہے اور یہ اُس صورت میں ہے کہ جب اُس سے اجازت لینا ممکن ہو ورنہ سلطان شرط نہیں ہے حتی کہ اگر سب کسی شخص کے بارے میں متفق ہوجائیں اور اُسکے پیچھے نماز پڑھ لیں تو نماز جائز ہوگی جیسا کہ جلالی میں ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ صاحب معراج الہدایہ نے مبسوط سے نقل کیا ہے البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانهم لم یظهروا فیها

حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا و کل مصر له
وال فیه من جهتهم یجوز له اقامة الجمع والجماعات والحد وتقلید القضاۃ فلو کان الولاۃ کفارا
یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین وہ شہر جو کفار کے قبضے
میں ہیں بلاد اسلام میں بلاد حرب نہیں ہیں کیونکہ انمیں احکام کفر شائع نہیں کیے گئے ہیں بلکہ قاضی
اور والی مسلم ہیں تو بضرورت یا بلا ضرورت انکی اطاعت کرتے ہیں اور ہر وہ شہر جس میں کافروں
کی جانب سے والی ہو اسمیں جمعہ و جماعت اور قاضیوں کی تقلید جائز ہے پس اگر والی کافر ہوں تو بھی مسلمانوں
کو نماز جمعہ جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جائیگا۔ اور حجۃ اللہ البالغہ
میں ہے وان الامراء احق باقامة الصلوٰۃ الجمعة اور اقامت صلوٰۃ جمعہ کے لئے امراء احق
ہیں اور شاہ محمد فضل اللہ آبادی اپنے رسالۂ الاحوطیہ میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جسکا ترجمہ
یہ ہے کہ اکثر آیا ہے کہ اگر شہر کا والی مرجاے اور خلیفہ یا کوتوال یا قاضی لوگوں کی امامت
کرے تو نماز جائز ہے اور اگر انمیں سے بھی کوئی نہو اور لوگ کسی ایک شخص پر متفق ہوکر
اسکی اقتدا کریں تو بھی جائز ہے اور اوپر گذر چکا ہے کہ سلطان کی ضرورت اقامت جمعہ کے لئے
اس وجہ سے جائز ہے کہ رائیں مختلف ہیں اور وہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رایوں کا اتفاق ہو تو
جائز ہے جیسے ہر نماز میں پس ان احکام سے معلوم ہوا کہ سلطان کی ضرورت رایوں کو جمعہ کرنے کے
لئے ہوتی ہے اور جب اختلاف نہو تو جمعہ جائز ہے لیکن چار رکعت کا نماز جمعہ کے بعد بہ نیت
آخر ظہر ادا کرنا احتیاط پر مبنی ہے نہ اشتباہ پر گو بعض علما نے اسکے نہ ادا کرنے کا حکم بھی دیا ہے مگر
صحیح یہ ہے کہ احتیاطاً بے جماعت اسکا ادا کرنا مستحسن ہے کیونکہ ظہر کو جمعہ کے دن جماعت سے ادا کرنا منع
ہے اور یہ ظہر محض احتیاطی ہے اس میں بدرجۂ اولے جماعت مکروہ ہوگی اور اس سلسلہ کی تفصیل
کامل رسالہ احوطیہ فی جمع بین الظہر والجمعہ میں موجود ہے درمختار میں تعدد جمعہ کے اختلاف
اور جواز تعدد کی ترجیح کے بعد لکھا ہے وعلی المرجوح فالجمعة لمن سبق تحریمة وتفسد
بالمعیة والاشتباه فیصلے بعدها آخر ظهر کل ذلك خلاف المذهب فلا یعول علیه
کما حررہ فی البحر اور بر مذہب مرجوح جمعہ اسیکا ہوگا جسکا تحریمہ سابق ہے اور معیت و اشتباہ
کی صورت میں اسکے بعد دوسرے نماز ظہر کی پڑھنا چاہیئے اور یہ سب مذہب کے خلاف ہے پس

اسپر اعتماد نہ کرنا چاہیئے جیسا کہ بحر میں تحریر ہے اور رد المحتار میں ہے تفریعہ علی المرجوح بعید اذ
علی الراجح من جواز التعدد لا یصلیھا بناء علی ما قد منعن البحر انہ افتی بذلک مرادا
خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ اقول وفیہ نظر بل ھو الاحتیاط بمعنے الخروج
من العھدۃ بیقین لان جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیلا لکن فیہ شبہۃ
قویۃ مرجوح پر اُسکی تفریع بتا نی ہے کہ مذہب راجح یعنے جواز تعدد پر نماز مظہر نہ پڑھی جائے
جیسا کہ بحر سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب بحر نے اسپر کئی مرتبہ عدم فرضیت جمعہ کے اعتقاد کے
خوف سے فتوی دیا ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں نظر ہے بلکہ یقینی طور پر ذمہ سے ساقط ہونے
کے معنے میں احتیاط کی صورت بھی ہے کیونکہ جواز تعدد گو دلیل کے اعتبار سے ارجح واقوی ہے
لیکن اس میں قوی شبہہ ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی سوال چند آدمی دوسرے
محلہ کی مسجد میں قرآن سُننے اسلئے جاتے ہیں کہ محلہ کی مسجد میں موذن اور امام مقرر نہیں ہے اگرچہ
تراویح کو سورتوں سے پڑھ سکتے ہیں مگر وہاں قرآن میسر نہیں ہے اور یہ لوگ قرآن شریف خود نہیں
سنا سکتے تو جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی
سوال نماز میں ارسال یدین کی حدیث وارد ہوئی ہے یا نہیں جواب بعض روایات میں ارسال
وارد ہوا ہے طبرانی نے معاذ سے روایت کی ہے ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا کان
فی الصلوٰۃ رفع یدیہ قبال اذنیہ فاذا کبر ارسلھما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں
ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھاتے اور جب تکبیر فرماتے دونوں کو چھوڑ دیتے
اور ابن ابی شیبہ نے عمرو بن دینارؒ سے روایت کی ہے قال کان ابن الزبیر اذا صلے ارسل یدیہ
جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے اپنے دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دیتے لیکن جمہور کے
نزدیک اس ارسال سے وہ ارسال مراد ہے جو قبل وضع اور تکبیر تحریمہ کے بعد کسی قدر ارسال
مستحب ہے اور تمام قیام میں صرف ارسال ثابت نہیں ہے۔ شیخ دہلوی فتح المنان فی تائید مذہب
النعمان میں لکھتے ہیں مذھب ذلک ارسال الیدین وھو عزیمۃ عندہ والوضع رخصۃ
والعجب انہ لا یوجد حدیث یتمسک بہ لا فی جامع الاصول الذی جمع احادیث الکتب
بینھا الموطا ولا فی الجامع الکبیر وجمع الجوامع للسیوطی وقد ادعی احاطۃ الاحادیث

وجمعها من نحو خمسين كتابا كلامن رواية مالك ولامن رواية غيره امام مالک کا مذہب ارسال یدین ہے اور یہ انکے نزدیک عزیمت ہے اور وضع یدین رخصت اور تعجب ہے کہ کوئی حدیث ایسی موجود نہیں جس سے وہ تمسک کریں نہ جامع الاصول میں جس میں تمام کتابوں کی حدیثوں کو جن میں سب سے زیادہ ظاہر موطا بھی ہے جمع کیا ہے اور نہ جامع کبیر اور سیوطی کی جمع الجوامع میں جسکے متعلق انھوں نے دعوی کیا ہے کہ تمام احادیث اس میں ہیں اور جسے انھوں نے پچاس کتابوں سے جمع کیا ہے نہ تو امام مالک ہی کی روایت سے نہ کسی دوسرے کی روایت سے والله اعلم حرره الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال جسکے ہاتھ پاؤں اعضاے وضو کٹے ہوں اُسکی نماز کیونکر درست ہے **جواب** اعضاے وضو میں سے جو عضو کٹا ہوا ہو اُسے دھونا اُسکے ذمے سے ساقط ہے باقی اعضا کو دھو کے نماز پڑھے بحرالرائق میں ہے لو قطعت یده او رجله فلم یبق من المرفق والکعب شئ سقط الغسل ولو بقي وجب اگر کسی شخص کے ہاتھ یا پاؤں کٹ گئے اور کہنی اور ٹخنے باقی رہے تو اُسکے ذمہ سے انکا دھونا ساقط ہوگیا اور اگر کچھ باقی ہے تو اُسکا دھونا واجب ہے اور درمختار میں ہے مقطوع الیدین والرجلین اذا کان بوجهه جراحة يصلي بغير طهارة جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کٹے ہوے ہوں اور اُس کا چہرہ زخمی ہو تو وہ بلا طہارت نماز پڑھلے اور حاشیہ ردالمحتار میں قوله مقطوع الیدین کے تحت میں ہے ای من فوق المرفقین والکعبین والا مسح محل القطع قوله اذا کان بوجهه جراحة والا مسحه علی التراب ان لم یمکن غسله یعنے پاؤں ٹخنوں کے اور ہاتھ کہنیوں کے اوپر تک کٹے ہوں تو یہ حکم ہے ورنہ محل قطع کا مسح کرلے اسیطرح اگر چہرہ زخمی ہو تو اُسے مٹی سے چھوالے اگر دھونا ممکن نہو والله اعلم حرره الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال ہندوستان کی بعض عورتیں جب قومہ سے سجدہ میں جاتی ہیں تو پہلے دونوں پاؤں کو داہنی جانب کھینچکر بیٹھتی ہیں پھر سجدہ کرتی ہیں اور سب سجدہ اسیطرح کرتی ہیں بعض علما اسکا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عرب کی عورتیں ایسا نہیں کرتیں بلکہ سجدے میں مردوں کی طرح پاؤں کو کھڑا اور انگلیوں کو قبلے کی طرف رکھتی ہیں اور ہندوستان کی عورتوں کا یہ فعل بلا دلیل ہے اس میں جو حق ہو بیان فرمائیے **جواب**

جواب اصل یہ ہی کہ حدیثوں سے عورتوں کے لیے اس صورت کا اختیار کرنا ثابت ہے جو اُن کے لیے ستر ہو حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں اخرج ابو داؤد فی المراسیل عن یزید ابن ابی حبیب انہ صلے اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ فی ذلک لیست کالرجل ورواہ البیہقی بطریقین موصولین لکن فی کل منہما متروک ابو داؤدؒ نے مراسیل میں یزید بن ابی حبیب سے روایت کی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر دو عورتوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کا کچھ حصہ زمین سے ملا دو کیونکہ اس معاملہ میں عورت کا حکم مرد کا سا نہیں ہی اسکو بیہقی نے دو موصول طریقوں سے روایت کیا ہی لیکن دونوں میں راوی متروک ہیں۔ اور سند الامام شرح مسند الامام میں جو ملا علی قاری کی تصنیف ہی مذکور ہی ابو حنیفہ عن نافع ابن عمر انہ سئل کیف کان النساء یصلین علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن ھو بالحاء المھملۃ والفاء والزاء المعجمۃ ای یضممن اعضاءھن بان یتورکن ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نافعؒ سے انھوں نے ابن عمر سے روایت کی ہی کہ اُن سے پوچھا گیا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں کس طرح نماز پڑھتی تھیں تو انھوں نے جواب دیا وہ پہلے چوزانو بیٹھتی تھیں پھر انھیں احتفاز یعنے تورک کا حکم دیا گیا اور تورک اعضا کے ملانے کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے فقہا نے اپنی کتابوں میں عورتوں کے لئے فروع کثیرہ ذکر کیے ہیں جن میں مرد شریک نہیں ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہی کہ عورتیں مردوں کی طرح سجدے میں دونوں قدم کھڑے نہ کریں بحر الرائق میں ہی لا تنصب القدمین کما ذکرہ فی المجتبیٰ عورتیں پاؤں کھڑا نہ کریں جیسا کہ مجتبیٰ میں ہی اور جامع الرموز میں ہی والمرأۃ تخفض ای توقع الخفض المعھود فلا تنصب اصابع القدمین ولا تبدی الضبعین عورت پاؤں کو گرا دے اور پاؤں کی انگلیوں کو کھڑا نہ رکھے پس ہندستان کی عورتوں کا پاؤں کو کھڑا نہ کرنا اقوال فقہا کے موافق ہے پس جلوس تورک کی دونوں قعدہ تشہد میں عورتوں کے لیے مسنون ہے جیسا کہ حموی حاشیہ اشباہ میں قولہ تتورک کے تحت میں لکھتے ہیں ای فی حال جلوسھا للتشہد یعنے جب تشہد کے لیے بیٹھے نہ قومہ اور سجدہ میں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی

سوال قدوری میں ہے لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع او فی مصلے المصر ولا تجوز فی القرے یعنے جمعہ کی نماز مصر جامع میں یا مصلے مصر کے علاوہ اور گانوں میں صحیح نہیں ہوتی کیا یہ صحیح اور حنفیہ کے اصول مقررہ کے موافق ہے اور ہم مقلدین مذہب حنفیہ کو اسپر عمل کرنا لازم ہے یا نہیں جواب بیشک یہ قول مذہب حنفیہ کے اصول کے مطابق ہے اور فقہاے حنفیہ کا اسپر اتفاق ہے علاء الدین حسکفی درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں ویشترط لصحتہا سبعۃ اشیاء الاول المصر نماز جمعہ کے لئے سات شرطیں ہیں جن میں سے پہلے مصر ہے۔ اور کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے اما شروط الاداء فستۃ ایضاً الشرط الاول المصر او فناؤہ فلا تجوز فی القری عندنا وھو مذھب علی بن ابی طالب وحذیفۃ وعطاء والحسن بن ابی الحسن والنخعی ومجاھد وابن سیرین والثوری وسحنون خلافاً للائمۃ الثلثۃ لما روی ابن ابی شیبۃ عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ وصححہ ابن حزم فی المحلی وروی مرفوعاً وھو ضعیف ولکن الموقوف ومثل ھذا کالمرفوع لانہ من شروط العبادۃ وھی من احکام الوضع ولا مدخل للرای فیہا ادائے جمعہ کی چھ شرطیں ہیں پہلے شہر یا فناے شہر پس گانوں میں ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہ مذہب علی بن ابی طالب اور حذیفہ اور عطا اور حسن بن ابی الحسن اور نخعی اور مجاہد اور ابن سیرین اور ثوری اور سحنون کا ہے ائمہ ثلثہ کے خلاف کیونکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا ہے جمعہ اور تشریق اور صلوٰۃ عید الفطر اور صلوٰۃ عید الاضحیٰ نہیں مگر مصر جامع میں یا بڑے شہر میں اور اُسکو ابن حزم نے محلی میں صحیح کہا ہے اور مرفوعاً روایت ہے حالانکہ یہ ضعیف ہے مگر اس میں موقوف مرفوع کے مثل ہے کیونکہ یہ شروط عبادت میں سے ہے اور یہ وضع احکام سے ہے اور اس میں راے کو دخل نہیں ہے اور بھی علامہ شیخ احمد طحطاوی نے مراقی الفلاح شرح نور الایضاح کے حاشیہ میں یوں بیان کیا ہے وظاھر ما ذکرہ ان الحدیث مرفوع وھو الذی ذکرہ ابو یوسف فی الاملاء ومحمد فی الاصل ورواہ ابن ابی شیبۃ موقوفاً عن علی والموقوف فی مثلہ کالمرفوع قال الکمال وکفی بقول علی قدوۃ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یعنے وہ حدیث جسکو امام ابو یوسفؒ نے املا میں اور امام محمدؒ

نے اصل میں اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس قسم کے مسائل میں
موقوف اور مرفوع کا مرتبہ ایک ہی ہے کمال نے کہا ہے کہ اس مذہب کا مرتبہ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے اور عینی شرح بخاری میں ہے ثم استدل ابوحنیفۃ بما رواہ
عبد الرزاق عن علیؓ قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع وکذا رواہ ابن ابی شیبۃ
عن حجاج النخعی وروی ایضاً بسند صحیح نا جریر عن منصور الخ وما قال النووی حدیث
متفق علی ضعفہ فکانہ لم یطلع الاثر الذی فیہ الحجاج ولم یطلع علی طریق جریر عن منصور
فانہ سند صحیح ولو اطلع لم یقل بما قال یعنے پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث سے دلیل لائے
ہیں جسکو عبدالرزاق نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے مصر جامع کے
سوا اور کہیں نہ جمعہ ہے نہ تشریق ایسی ہی ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن نخعی سے روایت کی ہے اور یہی
بسند صحیح جریر نے منصور سے روایت کی ہے آخر اور جو نودی نے کہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث
کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ انھیں حجاج والی حدیث کا علم نہیں ہے اور جریر نے
جو بطریق منصور روایت کی ہے اسکی اطلاع نہیں ہے کیونکہ وہ سند صحیح ہے کہ اگر انکو اسکا علم ہوتا تو یہ نہ کہتے
بلکہ صحت جمعہ کے لیے خصوص مکان کا ہونا بالاجماع مراد ہے کیونکہ جمعہ جنگل اور میدان میں بالاتفاق
جائز نہیں ہے اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ادائے جمعہ صحیح نہیں سوائے ایسے گانوں کے
جہاں چالیس مرد آزاد مکلف بسے ہوں اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے اور امام مالک
کے پاس صحت ادائے جمعہ کے لیے وہ جگہ شرط ہے جہاں ملی ہوئی آبادی اور مسجد اور بازار ہوں
جیسا کہ اسپر وہ دلیل ہے جو امام عبدالوہاب شعرانی میزان میں لکھتے ہیں ومن ذلک قول الشافعی
لا تصح الجمعۃ الا فی ابنیۃ بستوطنہا من تنعقد بہم الجمعۃ من بلدۃ او قریۃ مع قول
بعضہم لا تصح الجمعۃ الا فی قریۃ اتصلت بیوتہا ولہا مسجد وسوق ومع قول ابی حنیفۃ
رحمہ اللہ تعالیٰ ان الجمعۃ لا تصح الا فی مصر جامع لہم سلطان یعنے امام شافعی کہتے ہیں کہ جمعہ
صرف اسی جگہ درست ہے جہاں اتنے آدمی رہتے ہوں کہ اُن سے جمعہ منعقد ہو سکے چاہے شہر ہو یا قصبہ
اور بعضوں کے نزدیک جمعہ اُس قریہ میں جائز ہے جسکی آبادی گنجان ہو اور اس میں مسجد اور بازار
ہو اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ اسی مصر جامع میں درست ہے جہاں سلطان ہو۔ اور وجوب

جمعہ کی آیت بھی مطلق نہیں یعنی ہر جگہ جائز ہونے کو شامل نہیں ہے جیسا کہ کبیری میں ہے ان قولہ تعالیٰ
فاسعوا الی ذکر اللہ لیس علی اطلاقہ اتفاقًا اذ لا یجوز فی البراری اجماعًا فہم قدروا القریۃ
ونحن قدرنا المصر وہو اولی لحدیث علی سیما ولا معارض لہ اذ لم ینقل عن الصحابۃ انہم
حین فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار وفی مراقی الفلاح ولم
ینقل عن الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین انہم حین فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر
والجمع الا فی الامصار دون القریٰ ولو کان لنقل ولو احادًا فلا بد من الاقامۃ بمصر وفی
حاشیتہ وکذا لم ینقل انہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باقامۃ الجمعۃ فی قری المدینۃ علی کثرتہا یعنی
خدا کا قول فاسعوا الی ذکر اللہ بالاتفاق مطلق نہیں ہے کیونکہ جنگلوں میں بالاتفاق جمعہ ناجائز ہے
تو دوسرے لوگوں نے قریہ کو مقرر کیا ہے اور ہم نے مصر کو اور یہی اولیٰ ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی حدیث سے خصوصًا ایسی صورت میں کہ کوئی دوسری حدیث اسکی معارض موجود نہیں کیونکہ
صحابہ سے یہ منقول نہیں ہے کہ جب شہر فتح کیے گئے تو شہروں کے علاوہ اور کہیں ممبر بنایا گیا اور جمعہ
مقرر کیا گیا مراقی الفلاح میں ہے اور صحابہ سے یہ منقول نہیں ہے کہ جب شہر فتح کیے گئے تو شہروں کے سوا
قریوں میں منبر بنائے گئے یا جمعہ مقرر کیا گیا ہو حتیٰ کہ نقل احاد تک نہیں ہے تو اقامت جمعہ شہر یا
اطراف شہر ہی میں ہونا چاہیے اسیطرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی
منقول نہیں کہ قصبات مدینہ میں باوجود کثرت کے آپنے جمعہ کا حکم فرمایا ہو پس جبکہ اس سے معلوم
ہو گیا کہ ہمارے علماے احناف کے پاس بالاتفاق واسطے صحت ادائے جمعہ کے مصر شرط ہے اس
لیے حکم دیدیں کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں کیونکہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط لازم آتا ہے صاحب
طحطاوی اور صاحب رد المحتار نے لکھا ہے قال فی النہر ولہا شرائط وجوب واداء منہا
ما ہو فی المصلی ومنہا ما ہو فی غیرہ والفرق ان الاداء لا یصح بانتفاء شرطہ ویصح بانتفاء
شروط الوجوب یعنی نہر میں ہے کہ جمعہ کے وجوب اور ادا کے لیے بہت سی شرطیں ہیں بعضی شرطیں نماز پڑھنے
والے کے لئے اور بعضی دوسروں کے لئے ہیں اور فرق یہ ہے کہ ادائے انتفائے شروط ادا سے صحیح نہیں
ہوتی اور انتفائے شروط وجوب سے صحیح ہوتی ہے و ذکر صاحب البنایۃ تصریحًا وتائید القول
الماتن ہو قولہ لا تجوز فی القریٰ وانما ذکرہ مع انہ مستفاد من قولہ السابق نفیا المذہب

الشافعی فانہ لا یشترط المصر بل یجوز فی کل موضع اقامہ سکنتہ اربعون رجلاً احراراو بہ قال احمد وقال مالک تقام باقل من اربعین اور صاحب بنایہ نے ماتن کے قول ولا تجوز فی القری کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس شرط کو ذکر کیا باوجودیکہ یہ کلام سابق سے سمجھی جاتی تھی امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی نفی کرنے کے لیے کہ وہ مصر کی شرط نہیں کرتے بلکہ ہر جگہ جمعہ کو درست ٹھہراتے ہیں جہاں چالیس آزاد مرد رہتے ہوں اور اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں اور امام مالکؒ کے نزدیک چالیس سے کم میں بھی نماز درست ہے پس اس عبارت سے قہستانی کی عبارت منافی نہیں جو مذکور ہے تحت قول ماتن کے وتقع الجمعۃ فرضاان صلاھا فاقذ ھا والکلام یشیر الی نہا تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا اسواق قال ابوالقاسم ھذا بلاخلاف اذا اذن الوالی اوالقاضی ببناء المسجد الجامع واداء الجمعۃ لان ھذا مجتہد فیہ فاذا اتصل بہ الحکم صار مجمعاً علیہ واذا لم یاذن بذلک لا تصح اقامتہا فیہا وعلیہ یحمل ما فی البحر لا تصح فی قریۃ ولا مفازۃ لقول علی رضی اللہ عنہ لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ ثم قال فلا تجب علی غیر اھل المصر کذا فی الطحطاوی وفیہ ایضاً ذکر المصنفؒ وعبارۃ القہستانی تفید انہ لابد من الاذن بالبناء وباداء الجمعۃ ونصبہ علیہ اور اگر جمعہ وہ شخص پڑھے جس میں یہ شرائط نہیں پائے جاتے ہیں تو اُسکی جانب سے فرض ادا ہو گا اور کلام میں اس جانب اشارہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور بڑے قصبوں میں جہاں بازار ہیں ہوں وہاں بھی فرض ہو جاتا ہے ابوالقاسم نے کہا ہے کہ اسمیں کچھ اختلاف نہیں ہے جب والی یا قاضی جامع مسجد بنانے اور جمعہ ادا کرنے کی اجازت دے کیونکہ مسئلہ اجتہادی ہے تو جب اسکے ساتھ والی کا حکم بھی شامل ہو جائے گا تو متفق علیہ ہو جائیگا اور اگر اجازت نہ دے تو درست نہیں ہے اور اسی پر محمول ہے وہ جو بحر میں ہے کہ قریہ اور جنگل میں نماز جمعہ صحیح نہیں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جمعہ اور تشریق اور صلوٰۃ عید الفطر اور صلوٰۃ عید الاضحیٰ مصر جامع یا بڑے شہر کے سوا اور کہیں درست نہیں ہے پس غیر اہل مصر پر واجب نہیں ایسا طحطاوی میں ہے اور بھی مصنف نے اسی میں ذکر کیا ہے کہ قہستانی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد بنانے اور ادا جمعہ اور نصب منبر کی اجازت ضروری ہے پس جب دلیہ مذہب سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صاحب قدوری کا قول حنفی مذہب کے مطابق ہے اور جمہور فقہائے محققین نے

اسکی پیروی کی اور اوپر کے طبقے والے مرجحین نے اُسکو ترجیح دی بلکہ حنفی مذہب کے کسی فقیہ نے ادائے جمعہ کے لئے اشتراط مصر کا انکار نہیں کیا تو مقلدین کو اس قول پر عمل کرنا لازم ہے جیسا کہ ابن عابدین نے رد المحتار میں فرمایا ہے فعلینا اتباعھم ویؤیدہ ما قدمہ الشارح فی رسم المفتی واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وما صححوہ کما لو افتونا فی حیاتھم الخ الحق بالاتباع یعنی پس ہمپر انکی اتباع ضروری ہے اور اُسکی تائید رسم المفتی میں شارح کے اس قول سے ہوتی ہے کہ لیکن ہمپر انکی اتباع واجب ہے جسکو اُنھوں نے ترجیح دیدی یا جسکو صحیح لکھدیا جیسا کہ وہ ہمارے لئے اپنی حیات میں فتوی دیتے حق اتباع کا زائد حقدار ہے۔ اور جو مقلد اسکے خلاف کرے وہ جائز نہیں - درمختار میں ہے۔ واما المقلد فلا ینفذ قضاؤہ بخلاف مذھبہ اصلا کما فی القنیۃ قلت ولا سیما فی زماننا یعنے مقلد کا حکم اُسکے مذہب کے خلاف نافذ ہوگا جیسا کہ قنیہ میں ہے میں کہتا ہوں کہ خصوصًا ہمارے زمانے میں۔ واللہ اعلم کتبہ الفقیر الحقیر الراجی لطف ربہ الغنی محمد عبد الواحد الحنفی - فی الواقع آیت فرضیت جمعہ بالاجماع مخصص ہے پس تقلید اُسکی بحدیث اولی ہے اور حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کو کہ مروی ہے مرفوعا وموقوفا والموقوف اصح اور اس باب میں مرفوع کا حکم رکھتی ہے مخصص ٹھہرایا ہے اور بحر درائے تخصیص نہیں کی اور اس مذہب میں کسی طرح مخالفت اصول کی نہیں ہے اسکی تفصیل فتح القدیر حاشیہ ہدایہ اور بنایہ شرح ہدایہ مولفہ عینی وغیرہ میں موجود ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال جس شخص نے عید کی نماز میں ایک جماعت کی امامت کی وہ دوسری جماعت کی امامت کرسکتا ہے یا نہیں وہ دوسری جماعت اسی دن ہو یا کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن ہو اسی مسجد میں ہو یا دوسری جگہ اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں خصوصًا اس حالت میں کہ پہلے اور دوسرے دن کی جماعتوں کا امام ایک ہی ہو جواب فقہائے حنفیہ کی تقریروں سے جو اُنکی تمام کتابوں میں لکھی ہیں ثابت ہوتا ہے کہ عید کی نماز واجب ہے اور انھیں کی تقریروں سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرض اور واجب ایکبار ادا کرنے کے بعد اگر دوبارہ ادا کیجائے تو نفل ہوجائیگی اور یہ قاعدہ مقرر ہے کہ فرض یا واجب ادا کرنے والے کو متنفل کی اقتدا کرنا ناجائز ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ادائے نفل بجماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے ان تمام باتوں کی تفصیل کتب فقہ میں درج ہے درمختار اور اُسکے حواشی بحر الرائق اور شرح منیہ وغیرہ میں موجود ہے

اگر قاضی مقلد اپنے امام کے قول کے خلاف فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا

اسلیے صورت مسئولہ میں جماعت اول کے امام نے جب ایک تنہ عید کی نماز ادا کر لی تو اُسکے ذمہ سے وجوب ساقط ہوگیا پس اسکو دوسری جماعت کی امامت کرنا ناجائز ہو کیونکہ جماعت ثانی کے مقتدی اگر عید کی واجب نماز ادا کرتے ہیں تو نفل پڑھنے والے کے پیچھے انکی واجب نماز ادا نہو گی اور اگر نفل ادا کر رہے ہیں تو ادائے نفل بجماعت علی سبیل التداعی لازم آئیگا اور اگر پہلے دن امام نے نفل کی تو بھی یہی دونوں فساد اس دن لازم آئیں گے اور عید کی نماز دوسرے دن بعذر جائز ہے اگر عید کے دن ادا نہوئی ہو۔ لیکن دو دن عید کی نماز کا جائز ہونا غیر ثابت ہے۔ حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ **سوال** زید نے محلہ کی مسجد میں عید کی نماز جماعت سے مفتی شرع کے فتوے کی مخالفت کر کے ایک قوم کے ساتھ ادا کی پھر دوسرے دن ایک امیر کے مکان میں زید نے لوگوں کے اصرار سے دوبارہ عید کی نماز کی امامت کی امام اور مقتدی دونوں نے روز اول کی نیت کی ہو یا روز دوم کی یہ امامت جائز ہے یا نہیں اور دونوں دن کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں **جواب** در مختار میں ہو ولو کانوا ببلدۃ لا حاکم فیہا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ یعنے اور اگر کسی ایسے شہر میں ہوں جہاں حاکم نہو تو ثقہ کے قول پر روزہ رکھیں اور دو عادل گواہوں کی خبر پر افطار کریں ضرورت کی وجہ سے اور رد المحتار میں قولہ صاموا کے تحت میں ہے ای افتراضا یعنے فرض روزہ رکھیں اور قولہ وافطروا کے تحت میں لکھتے ہیں عبارۃ غیرہ لاباس والظاہر ان المراد بہ الوجوب ایضا یعنے دوسرے لوگوں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ افطار میں کچھ حرج نہیں ہے اور ظاہر یہ ہو کہ اس سے بھی وجوب مراد ہو۔ پس سوال مذکور میں جبکہ مفتی نے افطار کا فتویٰ دیا تو تمام لوگوں پر افطار لازم ہوا اور عید کی نماز کا اُس دن ادا کرنا واجب ہوا۔ پس زید نے اگر پہلے دن مفتی کے فتویٰ کو نہیں مانا اور اپنے اوپر عید کی نماز کو واجب نہ جانکر امامت کی تو مقتدیوں کی نماز جو عید کی نماز ادا کرنے والے تھے اُسکی اقتدا کی وجہ سے فاسد ہوئی اور اُسکا وبال امام کی گردن پر ہوا اور اگر پہلے دن عید کی نماز کو اپنے اوپر واجب سمجھکر امامت کی تو دوسرے دن کی امامت فاسد ہوئی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** - جو نوافل عشا کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں اُن کے سوا اور اوقات میں بیٹھکر نوافل پڑھنا احادیث سے ثابت ہو یا نہیں **جواب** حضور سرور عالم صلے اللہ

علیہ وسلم سے نماز تہجد کبھی بیٹھکے پڑھنا ثابت ہے اور وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کے پڑھنا ثابت ہے باقی اور نوافل ظہر اور مغرب یا اور اوقات میں بیٹھکے پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ احادیث میں وارد ہے کہ بیٹھکے پڑھنے سے ثواب کم ملتا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** قاعدۂ اخیرہ یا اولی میں وقت شہادت کے سبابہ مرفوعہ الا اللہ کے بعد حلقہ توڑ کر رکھدے یا مع حلقہ مرفوعہ تا سلام رہنے دے **جواب** اسیطرح آخر تک حلقہ رہنے دے ملا علی قاری مکی نے رسالۂ تزئین العبارۃ میں لکھا ہے الصحیح المختار عند جمهور اصحابنا ان یضع کفیه علی فخذیه ثم عند وصوله الی کلمة التوحید یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی والابهام ویشیر بالمسبحة رافعا لها عند النفی واضعا لها عند الاثبات ثم یستمر علی ذلك لانه ثبت العقد عند ذلك بلا خلاف ولم یوجد الامر بتغییره فالاصل بقاء الشئ علی ما هو علیه واستصحابه الی اخر امره وما له الخ ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے پھر جب کلمۂ توحید پر پہونچے تو چھنگلیا اور اسکے پاس والی انگلی کو بند کرے بیچ والی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرے اسطرح کہ نفی پر اسے اٹھائے اور اثبات پر رکھدے اور آخر تک اسی حالت پر رہنے دے کیونکہ تشہد کے وقت اس طرح سے حلقہ بنانے کا ثبوت ہے اور اسکے بعد تغیر کا کوئی حکم موجود نہیں ہے اور اصل شئے کا اپنی حالت پر باقی رہنا اور آخر امر تک اسی حالت پر رہنا ہے **سوال** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شہر لکھنؤ کے اطراف جیسے رودلی سدھور سترکھا امیٹھی وغیرہ میں جو جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے تو اکثر لوگ بعد نماز فرض جمعہ کے چار رکعت نماز بہ نیت فرض ظہر یا بہ نیت ظہر کے بھی پڑھتے ہیں اور جمعہ کا خطبہ زبانی ہاتھ کھول کر پڑھتے ہیں اور خطبۂ جمعہ کے درمیانی جلسہ میں جو دعا یعنے اللھم طھر قلبی من الشرك والریاء وزین لسانی بالحمد والثناء پڑھی جاتی تھی اب نہیں پڑھتے اور ہر نماز کے التحیات میں تشہد پڑھتے وقت داہنے ہاتھ کے کلمے کی انگلی اٹھاتے ہیں پس یہ سب امور یعنے بعد نماز جمعہ چار رکعت اور پڑھنا اور خطبہ جمعہ کا ہاتھ کھولکر پڑھنا اور تشہد میں کلمہ کی انگلی اٹھانا جائز ہیں یا نہیں **جواب** قصبات میں بعد ادائے فرض جمعہ چار رکعت بہ نیت ظہر احتیاطاً پڑھ لینا اولی ہے ضروری نہیں ہے مگر چاروں رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی

سورۃ پڑھنا چاہیئے اور اُسکی نیت یوں کرے نویت ان اصلی اٰخر ظهرا درکۃ وقتہ ولم اصلہ یعنے چار رکعت آخر ظہر کی نیت کرتا ہوں میں جسکا وقت میں نے پایا اور اُسے نہیں پڑھا۔ اور بہتر ہے کہ بعد چار رکعت سنت جمعہ کے یہ چار رکعت پڑھے پھر دو رکعت سنت جمعہ ادا کرے صغیری شرح منیہ میں ہے الاولی ان یصلی بعد الجمعۃ سنتہا ثم الاربع بهذہ النیۃ ثم رکعتین سنۃ الوقت وینبغی ان یقرأ سورۃ مع الفاتحۃ فی هذہ الاربع یعنے اولی یہ ہے کہ جمعہ کے بعد جمعہ کی سنتیں پڑھے پھر اس نیت سے چار رکعتیں پڑھے پھر دو رکعتیں سنت جمعہ کی پڑھے اور ان چاروں میں بھی فاتحہ کے بعد سورت پڑھے اور رد المحتار میں ہے نقل المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشک فی کونہ مصرا ینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعۃ اربعا بنیۃ الظهر احتیاطا حتی انہ لو لم تقع الجمعۃ موقعها یخرجون عن عهدۃ فرض الوقت باداء الظهر یعنے مقدسی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ جس جگہ کے مصر ہونے میں شبہہ ہو وہاں جمعہ کے بعد احتیاطًا ظہر کی نیت کرکے چار رکعتیں پڑھے تاکہ اگر جمعہ درست نہو تو فرض وقتی سے عہدہ برآ ہوسکے اور قنیہ میں ہے لما ابتلی اهل مرو باقامۃ الجمعتین بها مع اختلاف العلماء فی جوازهما امر ائمتهم بالاربع بعدهما احتیاطا یعنے جب مرو میں دو جگہ جمعہ پڑھا جانے لگا اور علما کو ایک شہر میں دو جگہ جمعہ کے درست ہونے میں کلام تھا تو وہاں کے ائمہ نے حکم دیا کہ دونوں جمعوں کے بعد احتیاطًا چار رکعتیں پڑھی جائیں قنیہ کی عبارت کا خلاصہ ختم ہوا ۔[۲] ہاتھ باندھ کر خطبہ پڑھنے کا کتب معتبرۂ فقہ میں پتہ نہیں ہے اور کتب احادیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ باندھکر خطبہ نہیں پڑھتے تھے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے ان رسول اللّٰہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا خطب فی الحرب خطب علی قوس واذا خطب فی الجمعۃ خطب علی عصا یعنے حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوات جب جنگ میں خطبہ پڑھتے تو کمان پر زور دیکر پڑھتے اور جب جمعہ میں خطبہ پڑھتے تو عصا پر زور دیکر پڑھتے اور زاد المعاد میں ہے انما کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یعتمد علی قوس قبل ان یتخذ المنبر وکان فی الحرب یعتمد علی قوس وفی الجمعۃ یعتمد علی عصا یعنے منبر بنائے جانے کے پہلے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کمان پر زور دیکر کھڑے ہوتے تھے اور یہ آپ حرب میں کرتے تھے اور جمعہ میں عصا پر زور دیکر کھڑے ہوتے تھے ۔[۳] جلسہ ما بین الخطبتین میں اگرچہ آہستہ دعا پڑھنا کوئی دعا ہو یا کوئی ذکر کرنا درست ہے

مگر چونکہ اس وقت میں دعا منقول نہیں ہی لہذا اس کا ترک اولیٰ ہی۔ شیخ دہلوی سفر السعادت کی فارسی شرح میں لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہی حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا دو خطبوں کے بیچ میں تھوڑی دیر خاموش بیٹھے اور اس وقت میں حضور سے کوئی دعا صحت کو نہیں پہونچی انتہی پس اگر دعا مانگے بھی تو آہستہ مانگے اور ہاتھ نہ اٹھائے ہٰذا التحیات میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کے وقت داہنے ہاتھ کے کلمے کی انگلی اٹھانا چاہیے اس طرح پر کہ لا الہ پر اٹھائے اور الا اللہ پر رکھدے احادیث صحیحہ میں اٹھانا انگلی کا جو صحیح مسلم و سنن دارمی و سنن نسائی و سنن بیہقی و جامع ترمذی و موطا مالک وغیرہ میں مروی ہی آنحضرت صلعم سے ثابت ہی اور کتب فقہ میں بھی یہ امر مذکور ہی جیسے خانیہ و مختارات النوازل و محیط برہان شرح مواہب الرحمن و شرح منیہ وغیرہ سے بھی یہ امر ثابت ہی حررہ محمد عبدالحی سوال اب تحریم بیع و شرا اور فرضیت سعی الی ذکر اللہ میں جو آیت اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع سے ثابت ہی حنفیہ کے نزدیک اذان اول معتبر ہی اور شافعیہ کے نزدیک اذان ثانی معتبر ہی حالانکہ اذان اول مستحدثات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہی اور عہد نبوی اور عہد شیخین میں صرف ایک اذان خطبہ شروع ہونے کے وقت ہوتی تھی پس اذان اول آیت سے کیونکر مراد ہو سکتی ہی کیونکہ نزول آیت کے زمانے میں اس اذان کا کہیں نام و نشان نہ تھا اور اگر دوسری اذان مراد لیجائے پس ترتب سعی و ترک بیع وغیرہ کا اس اذان پر کیونکر ہو سکتا ہے اسلئے کہ اذان کے بعد بلا مہلت خطبہ شروع ہو جاتا ہے پس اگر اس اذان سے وجوب سعی اور حرمت بیع وغیرہ ہوا در اسکے قبل نہو تو اکثر لوگوں سے فوات خطبہ لازم آئیگا ۲ اذان اول جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے احداث کی ہی اسکا کیا حال ہی آیا خاص مدینے میں تھی یا اہل اسلام کے سب شہروں میں ۳ اذان دوم جو خطیب کے سامنے مسجد میں کہی جاتی ہی اسکی کیا سند ہی ابو داؤد کی روایت سے ثابت ہی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی جواب ۱ آیت اذا نودی الخ میں نہ اذان اول کا ذکر ہے نہ اذان ثانی کا بلکہ آیت سے اسی قدر ثابت ہی کہ جب نماز جمعہ کے لیے اذان ہو تو سعی واجب اور بیع و شرا حرام ہی اور اگرچہ مصداق اس اذان کا زمانہ نزول آیت میں اذان ثانی تھی لیکن اس سے یہ نہیں لازم ہی کہ لفظ نودی للصلوٰۃ سے خاص وہی اذان بوقت خاص مراد ہو جاوے مصادیق نصوص مطلقہ اگرچہ بصفات خاصہ زمانہ نزول نصوص میں پائی جاتی ہوں لیکن اس سے

از مولوی عبدالغفار صاحب ... خطیب ... مدراس

یہ لازم نہیں ہے کہ وہی مصادیق خاصہ اُن نصوص سے مراد ہوں اور نظائر اُسکے خارج ہوں پس چونکہ زمانۂ نبوی میں صرف یہی اذان تھی یہ احکام اُسی پر مرتب تھے اور خلافت عثمانی میں جب اذان اول کا احداث ہوا اُسپر بھی اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ کا صدق ہوگیا اور اُن احکام کا ترتب بالضرورۃ اُسپر ہوگیا اور یہی حنفیہ کا مذہب مختار ہے اور شافعیہ کے نزدیک بایں خیال کہ عہد نبوی میں صرف اذان ثانی تھی ترتب احکام قرآنیہ کا اُسی پر ہے لیکن اصل وجوب سعی نفس دخول وقت سے ہے اور اذان ثانی سے وجوب الاداء ہے پس وہ لوگ کہ اُنکا مکان مسجد سے دور ہے اور بعد اذان ثانی اُن کے پہونچنے میں خطبہ کے کل یا بعض کا فوت ہوجانا مظنون ہے اُن پر اُسکے قبل سعی وغیرہ واجب ہوگی اور اگر یہ حکم شافعیہ کے نزدیک نہو تو بلاشبہہ اُنکے قول پر ایراد وارد ہوگا۔ سب شہروں میں اسپر عمل ہوا جیسا کہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے فثبت الامر علی ذلک فی جمیع الامصار یعنی تمام شہروں میں اسپر عمل ثابت ہوگیا اور ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں اخذ الناس بفعلہ فی جمیع البلاد اذ ذاک لکونہ خلیفۃ مطاعا وقیل اول من احدثہ بمکۃ الحجاج وبالبصرۃ زیاد یعنے تمام شہروں میں لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فعل پر عمل کیا کیونکہ اُسوقت وہی خلیفہ تھے اور اُنکی اطاعت ضروری تھی بعضوں نے کہا ہے کہ مکے میں سب سے پہلے اسے حجاج نے اور بصرے میں زیاد نے ایجاد کیا۔ بلاشبہہ ابوداؤد کی روایت سے یہ امر ثابت ہے کہ اذان ثانی خارج مسجد روبروے خطیب ہوتی تھی کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد یعنی جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے تو آپکے روبرو مسجد کے دروازے پر اذان دیجاتی۔ اور بعض علما لکھتے ہیں کہ یہ اذان منارہ پر ہوتی تھی ہر حالت میں خطیب کے پاس نہ تھی مگر ہشام بن عبد الملک کے زمانے سے یہ اذان مسجد میں ہونے لگی ابن حاج مدخل میں لکھتے ہیں السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلک کان علی عہد النبی صلے اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدر من خلافۃ عثمان وکان المؤذن ثلثۃ یؤذنون واحد بعد واحد ثم زاد عثمان اذانا اٰخر بالزوراء وھو موضع بالسوق وابقی الاذان الذی کان علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی منار والخطیب علی المنبر اذ

ذالك ثم انه لما تولی هشام بن عبد الملك اخذ الاذان الذی فعله عثمان بالزوراء وجعله علی المنار وكان المؤذن واحدا یوذن عند الزوال ثم نقل الاذان الذی كان علی المنار عند صعود الامام علی المنبر بین یدیه وكانوا یوذنون ثلثة فجعلهم یؤذنون جماعة ویسترجون فقد بان ان فعل ذالك فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة وان اذانهم جماعة بدعة اخری فتمسك بعض الناس بهاتین وهما مما احدثه هشام بن عبد الملك یعنے اذان جمعہ میں سنت یہ ہر کہ جب امام منبر پر چڑھے تو مؤذن منارہ پر ہوا ایسا ہی زمانۂ نبوی اور زمانۂ شیخین اور شروع خلافت عثمان رضؓ میں تھا اور مؤذن تین تھے جو یکے بعد دیگرے اذان دیتے تھے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زوراء میں ایک اور اذان زائد کی اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو اذان اُس وقت ہوا کرتی تھی جب خطیب منبر پر چڑھتا تھا اُسے علی حالہ باقی رہنے دیا پھر جب ہشام بن عبد الملک والی ہوا اُس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زوراء والی اذان کو منارہ پر دینے حکم دیا اور موذن ایک کر دیا جو زوال کے وقت اذان دیتا تھا پھر منارہ والی اذان منتقل ہو کر امام کے سامنے دی جانے لگی اور اذان تین آدمی دیا کرتے تھے اب ایک جماعت کی جماعت اذان دینے لگی پس ظاہر ہو گیا کہ اذان کا خطیب کے سامنے ہونا بدعت ہر اور ایک گروہ کا اذان دینا بھی بدعت ہر اور بعض لوگوں نے ان دونوں پر عمل لے لیا ہے حالانکہ یہ دونوں ہشام بن عبد الملک کی ایجاد کی ہوئی باتیں ہیں اور دوسرے موضع میں لکھتے ہیں من السنة الماضية ان یؤذن المؤذن علی المنار فان تعذر فعلی سطح المسجد فان تعذر ذلك فعلی بابه یعنے سنت ماضیہ یہ ہر کہ مؤذن منارہ پر اذان دے اور اگر اُس میں دشواری ہو تو مسجد کی چھت پر اور اگر اُس میں بھی دشواری ہو تو مسجد کے دروازے پر واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال ضاد مشابہ ظاء کے ہے یا نہیں اگر ہے تو ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں اور اس زمانہ میں اکثر لوگ مشابہ ذ اور ز کے پڑھتے ہیں۔ اسکی کوئی دلیل کتب دینیہ میں ہر یا نہیں بر تقدیر نہونے کے ضاد کو ذ یا ز کے مشابہ پڑھنے سے نماز فاسد ہوتی ہر یا نہیں

جواب ماہرین شریعت غرا پر پوشیدہ نہ رہے کہ ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ظاء معجمہ کے ساتھ جملہ کتب تفسیر و فقہ و صرف و تجوید سے ثابت ہوتا ہے شاہ عبد العزیز صاحب فتح العـــزیز میں

وما ھو علی الغیب بضنین کے تحت میں ضاد کا ظا کے ساتھ مشتبہ الصوت ہونا لکھتے ہیں اور تفسیر کبیر میں ہے ثبت بما ذکرنا ان المشابھۃ بین الظاء والضاد شدیدۃ وان التمیز عسیر اذا ثبت ھذا فنقول لو کان ھذا الفرق معتبرا لوقع السوال عنہ فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی ازمنۃ الصحابۃ لاسیما عند دخول العجم فی الاسلام فلما لم ینقل وقوع السوال عن ھذہ المسألۃ البتۃ علمنا ان التمیز بین ھذین الحرفین لیس فی محل التکلیف یعنی پس ثابت ہو گیا کہ ضاد اور ظا میں بہت مشابہت ہے اور باہم تمیز دشوار ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ فرق معتبر ہوتا تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں خصوصاً جب عجمی لوگ اسلام لانے لگے تھے یہ سوال اٹھایا جاتا اور جب اس مسئلہ میں سوال منقول نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں حرفوں میں تمیز کرنا محل تکلیف نہیں ہے اور بیضاوی شریف کے حاشیہ پر ہے والباعث علی ھذا الاشارۃ الی ان اکثر الناس خصوصاً العجم کانوا فی الزمان الاول لا یعلمون الفرق بینھما یعنی اور اس اشارہ کا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگ خصوصاً عجمی اگلے زمانے میں ان دونوں کا فرق نہیں جانتے تھے اور رضی شرح شافیہ میں ہے وبعض الحروف اذا وقفت علیھا خرج معھا مثل النفخۃ ولم ینضغط ضغط الاول وھی الظاء والذال والضاد والزاء اور بعض حروف ایسے ہیں کہ جب تم ان پر وقف کرو تو پھونک کی طرح آواز نکلتی ہے اور ویسا جھٹکا نہیں پڑتا جیسا کہ ابتدا میں پڑتا ہے اور وہ ظاء ضاد ذال زا ہیں۔ جہد المقل میں مرقوم ہے الضاد والظاء والذال المعجمات الکل متشارکۃ فی الجھر والرخاوۃ ومتشابھۃ فی السمع وایضاً فیہ ویشبہ صوتھا (ای صوت الضاد المعجمۃ) صوت الظاء المعجمۃ بالضرورۃ یعنی ضاد ظاء ذال معجمات سب مجہورہ رخوہ ہیں اور آواز سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ضاد معجمہ کی آواز بالبداہۃ ظاء معجمہ کی آواز کے مشابہ ہے اور شرح شاطبی میں مذکور ہے ان ھذہ الثلث (ای الضاد والظاء والذال) متشابھۃ فی السمع والضاد لا تفترق من الظاء الا باختلاف المخرج وزیادۃ الاستطالۃ فی الضاد ولولا ھما لکانت احداھما عین الاخری یہ تینوں یعنی ضاد اور ظا اور ذال آواز سننے میں یکساں ہیں اور ضاد کو ظاء سے کوئی فرق بجز اختلاف مخرج اور طوالت کے نہیں ہے اور اگر یہ دونوں امور نہ ہوتے تو ان میں کچھ

فرق باقی نرہتا۔ اور محمد بن محمد الجزری تمہید فی علم التجوید میں لکھتے ہیں واعلم ان ھذہ الحرف لیس فی الحروف ما یعسر علے اللسان مثلہ فان الناس یتفاوتون فی النطق بہ فمنھم من یجعلہ ظاء لانہ یشارک الظاء فی صفاتھا کلھا ویزید علیھا بالاستطالۃ فلولا الاستطالۃ واختلاف المخرجین لکانت ظاء وھم اکثر الشامیین وبعض اھل المشرق یعنی جاننا چاہئے کہ یہ حروف ایسے نہیں کہ زبان سے انکا ادا ہونا دشوار ہو البتہ مختلف لوگ مختلف طریقوں پر انھیں ادا کرتے ہیں بعضے ظاء کی آواز نکالتے ہیں کیونکہ وہ تمام صفات میں اُسکے مساوی ہے البتہ یہ کھینچکر پڑھا جاتا ہے اور ظاء کھینچکر نہیں پڑھا جاتا اور اگر یہ نہوتا اور مخرج مختلف نہوتے تو اس میں اور ظاء میں کچھ فرق نہوتا اور یہ لوگ اکثر شامی اور بعض اہل مشرق ہیں اور رعایہ تصنیف ابو محمد کی مصنفہ ۴۲۰ہجری میں مذکور ہے کہ ضاد سننے میں ظاء کے مانند ہے اور شیخ جمال حنفی مکی کے فتوی میں ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے اور حاشیہ جہد المقل میں مسطور ہے فمنھم من یجعلھا ظاء ھذا لیس بعجب لثبوت التشابہ وعسر التمیز بینھما وفی تمھید لانہ یشارک الظاء فی صفاتھا کلھا ویزید علیھا بالاستطالۃ یعنے بعضے لوگ ضاد کو ظاء پڑھتے ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ تشابہ موجود ہے اور تمیز دشوار ہے اور تمہید میں ہے کہ یہ اسوجہ سے ہے کہ ضاد تمام صفات میں ظاء کے مشابہ ہے التباس میں درازی زائد ہے۔ اور کیمیائے سعادت میں ہے اگر ضاد اور زاء کے درمیان میں فرق نہو سکے تو جائز ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمام کتب فقہ و تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ ضاد ظاء کے مشابہ ہے اور کسیقدر ذال اور زاء کے بھی لیکن ظاء کے ساتھ بہت مشابہ ہے کیونکہ ضاد اور ظاء میں صرف ایک صفت کا فرق ہے یعنے ضاد مستطیل ہے اور ظاء قصیر اگر استطالت ضاد میں نہوتی تو عین ظاء ہو جاتا جیسا کہ تمہید وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوا بخلاف دال کے ضاد اور دال میں سات صفتوں کا فرق ہے ض رخوہ ہے اور دال شدیدہ ض ساکنہ ہے اور دال قلقلہ ض مطبقہ ہے اور دال منفتحہ ض مستعلیہ ہے اور دال مستفلہ ض مفخمہ ہے اور دال مرققہ ض مستطیلہ ہے اور دال قصیرہ ض منفوخہ ہے اور دال غیر منفوخہ اور ضاد کا ظاء کے ساتھ مشتبہ الصوت ہونا اتنی کتابوں سے ثابت ہے رعایہ جہد المقل منہیہ جہد جزریہ شرح جزریہ دوسری شرح علی قاری کی نشر منہاج طیبۃ النشر تمہید رسالہ مولانا عبد الرحیم رشحہ فیض شاطبی تفسیر کبیر اتقان کشاف بیضاوی حاشیہ بیضاوی عزیزی

حسینی فتاوی قاضیخاں۔ عالمگیری کبیری برہان تجنیس خلاصۃ الفتاوی درمختار طحطاوی شامی خزانۃ المفتیین خزانۃ اکمل حلیہ فتاوی نقشبندیہ بزازیہ عتابیہ تاتارخانیہ خزانۃ الروایات رسائل الارکان تہذیب ذخیرہ فتح القدیر خیریہ جامع الروایات مفتاح الصلوٰۃ محاسن العمل البیان الجزلی احیاء العلوم کیمیائے سعادت زاد الآخرۃ شافیہ رضی جاربردی فصول اکبری فتاوی برہنہ رسالہ نجم الدین مختار الفتاوی سمرقندی منیہ مجموعہ سلطانی بغیۃ المرتاد میزان حروف الجار ذخیرہ کردری اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ضاد مشابہ ظاء کے ہے تو جملہ کتب فقہیہ کا کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جن دو حرفوں میں بآسانی فرق ممکن ہے اس کے بدل جانے سے نماز فاسد ہوتی ہے اور اگر ان دونوں حرفوں میں فرق مشکل ہے تو اکثر کا یہ مذہب ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی اور متاخرین کا یہی مذہب ہے اور یہی معتدل اور پسندیدہ ہے اور متقدمین کا یہ مذہب ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہوجاتی ہے پس لفظ ولا الضالین کی جگہ ولا الظالین پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے اور ظاء پڑھنے سے اکثر کے نزدیک نہیں فاسد ہوتی اور اسی پر فتوی ہے پہلے اس قاعدہ کلیہ کے ثبوت کے لئے فقہ کی چند عبارتیں لکھی جاتی ہیں اسکے بعد اس ثبوت کی عبارتیں لکھی جائیں گی کہ دالین پڑھنے سے نماز فاسد ہوتی ہے رد المحتار میں ہے وان کان الخطاء بابدال حرف بحرف فان امکن الفصل بینہما بلا کلفۃ کالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مکان الصالحات فاتفقوا علی انہ مفسد وان لم یکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثرھم علی عدم الفساد لعموم بلوی ھکذا فی فتاوی قاضیخان وفتح القدیر ونہر الفائق یعنے جب کسی سے ایسی غلطی ہو جس میں ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے تو اگر وہ دونوں حرف ایسے ہیں کہ ان میں فصل باسانی ممکن ہے جیسے صاد اور طاء کہ صالحات کے جگہ طالحات پڑھ دیا تو بالاتفاق نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر بلا مشقت ممکن نہو جیسے ضاد و ظاء اور صاد و سین پس اکثر لوگوں کے نزدیک عموم بلوی کی وجہ سے نماز نہ فاسد ہوگی ایسا ہی فتاوی قاضیخان اور فتح القدیر اور نہر الفائق میں ہے اور عالمگیری میں ہے وان غیر المعنے فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوتہ عند الکل وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف

المشایخ قال اکثرھم لا تفسد صلوتہ اور اگر معنوں میں تغیر ہو جائے اور دونوں حرف ایسے ہوں جن میں بلا مشقت فصل ممکن ہو جیسے صاد اور طا پس صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بلا مشقت ممکن نہ ہو جیسے ضاد اور ظا اور صاد اور سین اور طا اور تا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اکثروں نے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور خانیہ میں مرقوم ہے الاصل فیما اذا ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی ان امکن الفصل بینھما بلا مشقۃ تفسد وان لم یکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المھملتین والطاء مع التاء قال اکثرھم لا تفسد یعنی جب ایک حرف دوسرے حرف کی جگہ پڑھا اور معنی بدل گئے تو اصل یہ ہے کہ اگر ان دونوں میں فصل بلا مشقت ممکن ہو تو نماز فاسد ہوگی اور اگر بلا مشقت ممکن نہ ہو جیسے ضاد اور ظا اور صاد اور سین اور طا اور تا تو اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اب دالین کے پڑھنے سے نماز فاسد ہونے کی دلیل میں عبارتیں لکھی جاتی ہیں قاضیخان میں ہے ولو قرأ الضالین بالظاء او بالذال لا تفسد صلوتہ ولو قرء الدالین تفسد یعنی اگر ضالین کو ظا یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دالین پڑھا تو فاسد ہوگی اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے ولو قرأ الضالین بالظاء والذال او بالزای لا تفسد یعنی اور اگر ضالین کو ظا اور ذال یا زا سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ مذکورۂ بالا تقریر کا حاصل یہ ہے کہ ضاد کا ظا کے ساتھ مشتبۃ الصوت ہونا بلا نزاع ثابت ہے اور جس شخص کو مخرج ضاد کا نہ آئے وہ ظا پڑھے اور اس سے نماز اکثر کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی وھو الحق والصواب یہی حق اور ٹھیک ہے اور ضاد کو مشابہ دال کے پڑھنے پر کوئی دلیل صرف اور تجوید اور فقہ اور حدیث سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ سب علوم اسکی غلطی پر دال ہیں اور ایک حرف دوسرے حرف سے بدلنا اسی سے ہوتا ہے کہ وہ اسکے مشابہ ہو اور ظاہر ہے کہ ضاد اور دال میں کچھ مناسبت بھی نہیں ہے نہ مخرج میں نہ صفات میں بلکہ ضاد اور دال سے سات صفتوں میں اختلاف ہے جیسا کہ اوپر گزرا جب یہ مسئلہ کتابوں سے ثابت ہوا پس مسلمانوں کو چاہیے کہ بہت جلد اسکے عامل ہو جائیں اور آپس میں جنگ و جدل جو بالاتفاق حرام ہے نہ کریں واللہ اعلم بالصواب۔ فی الواقع بمذہب مختار جمہور ضاد کی جگہ پر اگر ظا یا ذال پڑھے تو نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ فتاوی بزازیہ میں ہے قال غیر المغظوب بالظاء والذین بالذال او الظاء قیل

لاتفسد لعموم البلوی فان العوام لایعرفون مخارج الحروف وکثیر من المشائخ افتوا بہ اگر ضاد کو ظار سے اور ذالین ذال یا ظا سے پڑھا تو بعضوں کے نزدیک عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ عوام مخارج حروف سے ناواقف ہوتے ہیں اور بہت سے مشائخ نے اسی پر فتوی دیا ہے اور خزانۃ المفتین میں خلاصۃ الفتاوی سے منقول ہے ان ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنے فان امکن الفصل کالطاء مکان الصاد تفسد صلوتہ وان کان لایمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والطاء مع التاء والصاد مع السین الاکثر علی انہ لایفسد یعنی اگر کوئی حرف دوسرے حرف کی جگہ پر رکھدیا جسکے بدولت معنی بدل گئے تو اگر ان میں فصل ممکن ہو مثلاً طار کو صاد کی جگہ پڑھے تو نماز فاسد ہو جاوے گی اور اگر بلا مشقت دونوں حرفوں میں فصل نہ ممکن ہو جیسے ظار اور ضاد طار اور تار صاد اور سین تو اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال جمعہ اور عیدین کی نماز دیہات میں پڑھنا درست ہے یا نہیں جواب نماز پنجگانہ کی طرح نماز جمعہ بھی فرض ہے جو شرطیں اُن میں ہیں اس میں بھی ہیں فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے شہر ہو یا دیہات ہر جگہ بلا شرط شہر و بادشاہ یا اُسکے نائب کے بغیر کراہت صحیح ہے امام بخاری نے باب الجمعہ فی القری والمدن میں روایت کی ہے عن ابن عباس قال ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین یعنی ابن عباس سے مروی ہے کہ پہلا جمعہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے جمعہ کے بعد پڑھا گیا وہ عبد القیس کی مسجد والا جمعہ تھا جو بحرین کے ایک قریہ جواثی میں واقع ہے اور امام بخاری نے روایت کی ہے عن ابن عمر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کلکم راع وزاد اللیث قال یونس وکتب رزیق بن حکیم الی ابن شھاب وانا معہ یومئذ بوادی القری ھل تری ان اجمع ورزیق عامل علی ارض یعملھا وفیھا جماعۃ من السودان وغیرھم ورزیق علی ایلۃ فکتب ابن شھاب وانا اسمع یأمرہ ان یجمع الحدیث یعنی ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک نگہبان ہے اور لیث نے یہ زائد کیا ہے کہ یونس نے کہا ہے کہ رزیق بن حکیم نے ابن شہاب کو لکھا اور میں وادی قری میں اُن کے ساتھ تھا کہ اُنکے نزدیک میں وہاں جمعہ پڑھوں یا نہیں اور رزیق ہی وہاں کے عامل بھی تھے اور

سوڈانیوں اور دوسرے لوگوں کا ایک گروہ اور خود زریق کے اہل وعیال بھی موجود تھے تو ابن شہاب
نے جواباً تحریر کیا کہ جمعہ پڑھا جائے۔ حاصل ان حدیثوں کا یہ ہوا کہ جواثی میں کہ صحابہ نے زمانۂ نبوی میں نماز
جمعہ پڑھی اور تابعیوں نے بھی اور اُن کے زمانے میں برابر جاری رہی اور بعض نے جو قریہ کو شہر
کے معنے میں لیکر جواثی کو شہر لکھا ہو تو وہ قول مردود ہے کیونکہ جب امام بخاری اور ابو داؤد نے
جو افضل اور مقدم ہیں جواثی کو دیہات سے لکھا ہے اور اکابر محدثین نے بھی انکے بعد انکی اتباع کی ہو
پھر ان کے مقابلے میں متاخرین کے اقوال کب مسموع ہو سکتے ہیں اور اگر متاخرین کے اقوال صحیح
ان لیے جائیں تو بھی کچھ خرابی نہیں متقدمین اور متاخرین کے اقوال میں مطابقت یوں ہوگی کہ
جواثی زمانۂ قدیم صحابہ میں ایک چھوٹی سی بستی ہو پھر تھوڑے دلوں کے بعد بڑھتے بڑھتے شہر ہو گیا ہو
اسی ہندوستان میں دیکھو کہ پہلے جو چھوٹی بستیاں تھیں اب شہر ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں
اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت آئی ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کی طرف لکھ
بھیجا کہ جمعہ ادا کیا کرو جہاں ہو اور ابن خزیمہ نے اسکی تصحیح کی ہو اور جس جگہ کا لفظ شہر اور دیہات
دونوں میں شامل ہو اور بیہقی نے لیث بن سعد سے روایت کی ہو کہ اہل مصر و سواحل جن میں صحابہ
کی جماعت تھی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ان حضرات کے حکم سے جمعہ ادا کیا کرتے
تھے اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں آئی ہیں اور جناب خاتم المحدثین شاہ ولی اللہ دہلوی مصفا
شرح موطاے مالک میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہو کہ جمعہ کی نماز بڑی جماعت کے
ساتھ قریہ اور شہر میں بوقت ظہر دو رکعت ہو انتہیٰ اور در بارہ شرط ہونے شاہ یا نائب کے اسی
کتاب میں لکھتے ہیں اور رہا امام ہونا خلیفہ یا اُسکے نائب کا پس ہمیشہ سے جاری ہو تا کہ والی اپنے
محل ولایت میں امام بنے لہذا یہ اُسی وقت ہو کہ جب وہ موجود ہو اور یہ استحبابی شرط ہے جس
طرح اقرا کو اعلم پر مقدم کرنا اور حضرت علی کا اثر کہ اربع الی الامام الخ والی کے اپنے محل ولایت میں
مقدم کیے جانے کی اولویت اور استحباب پر محمول ہو اور جو صاحب ہدایہ نے لکھا ہو کہ جمعہ مصر جامع
یا اسکے مصلے کے علاوہ میں صحیح نہیں ہو اور دیہات میں جائز نہیں اس حدیث کی وجہ سے کہ جمعہ اور
تشریق اور عیدین غیر مصر جامع میں جائز نہیں ہو اور مصر جامع وہ جگہ ہے جہاں حاکم ہو اور قاضی ہو
جو احکام جاری کرتا ہو اور حدود قائم رکھتا ہو یہ روایت امام ابو یوسف سے مروی ہو اور انھیں سے

دوسری روایت مروی ہے کہ مصر جامع وہ مقام ہے جہاں کے رہنے والے اگر جمع ہوں تو وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں پہلی روایت کو کرخی نے اور دوسری کو بلخی نے اختیار کیا ہے اور جو شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ جمعہ ایسی جگہ ہو جہاں گلیاں اور بازار ہوں اور اُس میں والی ہو جو مظلوموں کا انصاف کرتا ہو ظالم سے اور ایک عالم ہو جسکی طرف حوادث میں لوگ رجوع کرتے ہوں تسلیم کے قابل نہیں ہیں کئی وجہوں سے ایک تو یہ کہ حدیث لا جمعة ولا تشریق الخ موقوف اور منقطع ہے اور کسی کتاب کی منقطع حدیث حدیث بخاری کی معارض نہیں ہوسکتی کیونکہ باتفاق جمہور محدثین معارضہ میں مساوات شرط ہے دوسرے یہ کہ مصر کی تفسیر درست نہیں ہے نہ کرخی کے موافق نہ بلخی کے موافق کیونکہ اسعد بن زرارہ نے صحابیوں کے ساتھ حضور کے حکم سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز پڑھی ہے حالانکہ اُس وقت آپکی حکومت مدینہ میں کچھ نہ تھی اور حدود و قصاص بالفعل جاری نہ تھے نہ اسکی قوت رکھتے تھے کیونکہ مسلمان مغلوب تھے نہ وہاں کئی مسجدیں تھیں جو بلخی کی تفسیر صادق آئے جیسا کہ تفسیر نیشاپوری وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لائے اور جمعہ کی نماز پہلے مسجد بنی سالم کی بطن وادی میں پڑھی اُسوقت بھی وہاں تسلط تام نہ تھا جو حدود و قصاص کے احکام جاری کرسکیں اور نہ کئی مسجدیں تھیں جیسا کہ بحر الرائق اور شمنی اور شرح نقایہ اور محلی شرح موطا سے مستفاد ہوتا ہے اور نہ تفسیر صاحب فتح القدیر کی صحیح ہے کیونکہ یزید شقی کے زمانے میں صحابہ جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے حالانکہ اُس وقت انصاف کا نام نہ تھا صحابہ کا خون بے دریغ ہوتا تھا اقامت حدود کا تو ذکر ہی کیا اور جس زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے اپنی رہائی کی قوت نہیں رکھتے تھے حکومت کیسی باوجود اسکے اصحاب نے جمعہ کی نماز پڑھی اسیطرح کی تقریر مولانا بحر العلوم لکھنوی نے بتفصیل تمام ارکان اربع میں کی ہے اور مصر کی تفسیر میں خوب جرح کی ہے جس کا جی چاہے اُنکا ارکان میں دیکھے یہاں باکثر روایات طول کے خوف سے نہیں لکھی گئیں تیسرے یہ کہ میں اس حدیث کو ندب پر محمول کرتا ہوں یعنے شرط بادشاہ اور مصر ہونیکی حالت میں نماز جمعہ عزہ اور مستحب ہوگی نہ یہ کہ بغیر ان شرطوں کے نماز ادا ہی نہ ہوگی جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی ان شرطوں کو اولویت کی شرطیں فتح المنان فی تائید مذہب النعمان میں لکھا ہے چوتھے یہ کہ اس حدیث پر عمل کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ مصر کی تعریف میں

اختلافِ اٹکل سے بیان کرتے ہیں اور وحی آسمانی آتی نہیں شارع سے اسکی تفصیل و تعیین پائی نہیں جاتی پھر کس تعریف کو ترجیح دیجائے جو معمولی بہا ہو سکے اب گویا یہ حدیث مضطرب بالمعنی ہوئی تخصیص آیت اس اٹکل سے کیونکر ہو سکتی ہے عمل تو دور رہا اور اگر یہی خود رائی ہے تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ مصر کے معنے گاؤں کے ہیں کیونکہ دلیل نہ اُن مفسروں کے پاس ہے نہ میرے پاس ہے وہ بھی اٹکل سے کہتے ہیں میں بھی پانچویں یہ کہ اگر بادشاہ اور مصر کا ہونا وجوب ادا کے لئے تسلیم بھی کرلیں تو بھی غیر مصر میں یا جہاں بادشاہ یا اسکا نائب نہو جمعہ کا فرض نہونا لازم نہیں آتا بلکہ فرض ہی باقی رہتا ہے کیونکہ کسی سے شروط وجوب ادا کے فوت ہوجانے سے بسبب عذر کے عین شے کا ساقط ہوجانا کلیتہً لازم نہیں آتا بلکہ عذر کے اندازے دیکھو کر فرائض پنجگانہ کے لئے طہارت اور ستر عورت وغیرہ شرطہیں مگر عذر کے وقت یہ شرطیں بلکہ اکثر نماز کے ارکان بھی جیسے قیام وغیرہ معاذ کے ساقط ہوجاتے ہیں حالانکہ نماز اُس سے ساقط نہیں ہوتی یہی حال جمعہ کی نماز کا ہے کہ اگر مصر اور بادشاہ نہو تو وہاں کے مسلمان اُن شرطوں سے معذور ہیں مصر یا بادشاہ کہاں سے پیدا کریں جیسے ننگا مفلس لنگڑا اکبڑا قیام کہاں سے لائے لاچار یہی کہوگے کہ نماز پڑھلے ہاں جن شرطوں میں معذور نہیں ہیں اُن کے نہ کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی یہی کیفیت نماز جمعہ کی بھی ہے کہ جہاں بادشاہ ہو وہاں نماز بغیر بادشاہ یا اُسکے نائب کے درست نہ ہوگی یا جو شخص مصر میں ہو پھر خاص کر اُس مصر کے متصل کسی گاؤں میں نماز جمعہ پڑھے تو اسکی نماز صحیح نہوگی غرض ہماری اس تقریر سے یہ ہے کہ جہاں ان شرطوں کا وجود ہو وہاں اُنکی رعایت واجب ہے اور اگر رعایت نہ کریگا تو نماز فاسد ہوگی اور جہاں ان شرطوں کا وجود نہو وہاں بلا رعایت نماز صحیح ہوگی کیونکہ وہاں کے مسلمان معذور ہیں اور معذور پر تکلیف مالایطاق شارع نے نہیں دی جمہور اہل تحقیق کا اس میں اتفاق ہے اور میری اس تحقیق کی تائید محققین حنفیہ کی تحریر بھی کرتی ہے گو اُن کا عنوان بیان ربطاً ہے بخوف عوام کالانعام کے اور ہے عالمگیری میں ہے لو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز کذا فی التہذیب یعنی جب امام وقت سے اجازت لینے میں مسلمان معذور ہوں پس جمع ہوکر اور کسی کو اپنا امام بنائیں اور وہ امام سب کو جمعہ کی نماز پڑھلائے تو جائز ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے اور بھی عالمگیری میں لکھا ہے بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی

قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلماً کذا فی معراج الدرایۃ یعنی ایسے
شہروں میں جہاں حاکم کافر ہوں مسلمانوں کو جائز ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز پڑھیں اور مسلمانوں کی رضامندی
سے قاضی قاضی ہو جائیگا اور اُن کو کافر حاکم سے درخواست کرنا چاہیے کہ اس شہر کے لیے مسلمان والی مقرر
کرے ایسا ہی معراج الدرایہ میں ہے اور رد المختار میں لکھا ہے ولذا لو مات الوالی او لم یحضر لفتنۃ
ولم یوجد احد ممن لہ حق اقامۃ الجمعۃ نصب العامۃ لہم خطیباً للضرورۃ کما سیاتی مع انہ
لا امیر ولا قاضی ثمہ یعنی اور اسی لیے اگر کسی فساد کی وجہ سے حاکم مرگیا ہو یا حاضر نہوا ہو اور جس شخص کے
لیے اقامت جمعہ کا حق ہے وہ نہ پایا گیا ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس میں مشورہ کرکے کسی خطیب مقرر کریں
ضرورت کی وجہ سے حالانکہ اس جگہ امیر اور قاضی نہیں ہے۔ ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عذر کے وقت
والی کے اذن سے یا امام معین کے ہونے سے نماز بلا ان شرطوں کے صحیح ہے اور شرطیں ساقط ہیں اور ولایت کفار
میں بھی جمعہ جائز ہے باوجودیکہ وہاں امام ہے نہ سلطان پس وہی میری تقریر صادق آئی کہ وقت عذر کے
ان شرطوں کا اعتبار نہیں پس مسلمانوں کو چاہیے کہ بہکانے میں نہ آویں اور نماز جمعہ کو ترک نہ کریں دیہات
اور شہر جہاں چاہیں جمعہ اور عیدین بلا دغدغہ پڑھا کریں اگرچہ کافروں کی ولایت میں ہوں مجمع الفتاویٰ
میں ہے غلب علی المسلمین ولاۃ الکفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً
بتراضی ویجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلماً یعنی جب کفار مسلمانوں پر غالب ہو جائیں تو مسلمانوں کو
جمعہ اور عیدین کا قائم رکھنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جاتا ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے
کہ والی مسلم کی درخواست کریں اور اسی طرح کتب حنفیہ جیسے بحر الرائق وغیرہ میں یہ تفصیل تمام لکھا ہے یہاں
سمجھانے کے لیے تھوڑی عبارتیں لکھی گئیں اہل فہم کو اسیقدر کافی ہے واللہ اعلم حررہ عبدالعزیز عبدالعزیز
جواب ہذا صحیح ہے۔ ہدایہ میں ہے لا یجوز اقامتہا الا للسلطان او لمن امرہ السلطان لانہا
تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعۃ فی التقدم والتقدیم وقد تقع فی غیرہ فلا بد منہ
تتمیما لامرہا یعنی اقامت جمعہ صرف سلطان یا وہ شخص جسے سلطان نے حکم دیا ہو کر سکتا ہے کیونکہ جمعہ میں بکثرت
مجمع ہوتا ہے امامت اور دوسرے امور پر جھگڑا ہو جایا کرتا ہے جسکے دفعیہ کے لیے سلطان کی ضرورت پڑتی ہے
محدث دہلوی فتح المنان میں لکھتے ہیں ہذا تقریب الہدایۃ وظاہرہ یفید الاولویۃ والاحتیاط
عقلاً لا الاشتراط وعدم جواز الصلوٰۃ بدونہ شرعاً یہ ہدایہ کی تقریر ہے اور بظاہر اس سے اولویت

اور احتیاط مفہوم ہوتی ہے نہ کہ اشتراط اور بغیر سلطان کے شرعاً نماز کا عدم جواز۔ اور مولانا بحر العلوم ارکان اربع میں لکھتے ہیں ولم اطلع علی دلیل یفید اشتراط امر السلطان وما فی الھدایۃ لانھا تقام بجماعۃ فعسے ان تقع منازعۃ فی التقدیم والتقدم آہ ھذا رای لا یثبت الاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعۃ ثم ھذہ المنازعۃ تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد وکما فی جماعۃ الصلوٰۃ عسی ان تقع المنازعۃ فی تقدیم رجل لکن تندفع باجماع المصلین فکذا فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المومنین عثمان وکان ھو اماما حقا محصورا ولم یعلم انھم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاھر عدم الاذن لان ھؤلاء الاشقیاء من اصحاب الشر لم یرخصوا ذلک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروط عندھم بالاذن لعل لھذہ الواقعۃ یرجع المشائخ عن ھذا الشرط فیما تعذر الاستیذان وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز کذا فی العالمگیریۃ ناقلاً عن التھذیب یعنے مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے جمعہ میں سلطان کی شرط لگائی جائے اور وہ جو ہدایہ میں ہے کہ جمعہ میں مجمع بہت ہوتا ہے اس لیے جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے الخ یہ ایک خیال ہے جس سے اشتراط نہیں ثابت ہوتا کیونکہ نصوص وجوب جمعہ مطلق ہیں علاوہ بریں یہ جھگڑا تو خود مسلمانوں کے اجماع سے دفع ہو سکتا ہے جسطرح کہ اور نمازوں میں بھی بعض اوقات جھگڑے کا خوف ہوتا ہے لیکن نماز پڑھنے والوں کے اجماع سے اُسکا دفعیہ ہو جاتا ہے (یعنے عام لوگ جسے امام بنا دیں وہی امام ہو جاتا ہے) صحابہ نے فتنۂ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نماز جمعہ پڑھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام برحق تھے اور یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ صحابہ نے آپ سے اجازت بھی لی بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجازت نہ لی ہوگی کیونکہ جو اشقیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوے تھے انھوں نے اُسکی اجازت نہ دی ہوگی پس معلوم ہوا کہ صحابہؓ کے نزدیک اقامت جمعہ میں سلطان کی اجازت شرط نہیں ہے اور شاید اسی وجہ سے مشائخ نے اجازت لینے کی دشوار ہونے کی صورت میں اس شرط سے رجوع کیا ہے اور فتوی دیا ہے کہ اگر امام سے اجازت لینا دشوار ہو تو لوگ جس شخص پر اتفاق کرلیں اسکی اقتدا کرکے نماز جمعہ پڑھ لیں ایسا ہی عالمگیری میں تہذیب سے نقل کیا ہے جاننا چاہیے کہ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الخ دو وجہوں سے قابل احتجاج نہیں ہے ایک یہ کہ مرفوع نہیں ہے بلکہ موقوف ہے حضرت علی کرم اللہ

وجہ پر دوسرے یہ کہ حضرت علی اللہ وجہہ سے روایت کرنے والا حارث اعور ہے اور وہ کذاب اور واہی ہے جیسا کہ مقدمہ صحیح مسلم اور میزان الاعتدال وغیرہ میں ہے قال الامام النووی حدیث لا جمعۃ الخ متفق علی ضعفہ یعنی امام نووی نے کہا ہے کہ حدیث لا جمعۃ الخ کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں روایت کی ہے اخبرنا معمر عن ابی اسحق عن الحارث عن علی قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع یعنی خبر دی ہم کو معمر نے ابی اسحق سے کہ انھوں نے حارث سے انھوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر مصر جامع میں اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے عن ابی اسحق عن الحارث عن علی قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او فی مدینۃ عظیمۃ یعنی ابو اسحق نے حارث سے انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ جمعہ اور تشریق اور عیدین کی نمازیں جائز نہیں ہیں مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں اور زیلعی تخریج احادیث ہدایہ میں لکھتے ہیں وھذا انما یروی عن علی موقوفاً فاما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یروی عنہ فی ذلک شئ انتہی عن الشعبی قال حدثنی الحارث الاعور وکان کذاباً یہ حدیث موقوفاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے لیکن خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بابت میں کچھ منقول نہیں ہے شعبیؒ نے کہا ہے کہ مجھ سے یہ حدیث حارث اعور نے بیان کی جو بڑا جھوٹا تھا صاحب صحیح مسلم نے اپنے مقدمے میں حارث کو کئی جگہ پر کذاب اور کاذب اور واہی لکھا ہے جو عالم پر مخفی نہیں ہے قال ابو داؤد فی المقدمۃ واما ابو اسحق عن الحارث عن علی فلم یسمع ابو اسحق من الحارث الا اربعۃ احادیث لیس فیہا مسند احد یعنی ابو داود نے مقدمہ میں لکھا ہے لیکن سند ابو اسحق عن الحارث عن علی تو ابو اسحق نے حارث سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں اور ان کی بھی سند ایک نہیں ہے الغرض کوئی حدیث شرط جمعہ میں مرفوع السند وارد نہیں ہوئی جو قابل سند ہو جیسا کہ ماہر منصف پر پوشیدہ نہیں واللہ اعلم کتبہ محمد نذیر عفی عنہ اشرف کونین سید شریف حسین دہلوی ابوالمحامد ٹونکی خادم شرع عزیز محمد خادم شریعت محمد لطف حسین شہود الحق عظیم آبادی طفیل نبی الٰہی بخش جو کچھ مجیب نے لکھا حق محمد شمس الحق صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر: محمد عبدالحی ابوالحسنات]

سوال ایک شہر کی کئی مسجدوں میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں **جواب** مفتی بہ قول کے موافق درست ہے در مختار میں ہے وتؤدی فی مصر واحد بمواضع

کثیرۃ مطلقاً علی المذہب علیہ الفتویٰ شرح المجمع العینی و امامۃ فتح القدیر دفعاً للحرج یعنے نماز جمعہ ایک شہر میں متعدد مقام پر ادا ہو جائے گی بغیر کسی قید کے مذہب کے موافق اور اسی پر فتویٰ ہے شرح مجمع عینی اور باب امامۃ فتح القدیر میں واسطے دفع حرج کے اور شامی لفظ مطلقاً کی شرح میں لکھتے ہیں سواء کان المصر کبیرا اولا وسواء فصل بین جانبیہ نہر کبیر کبغداد اولا وسواء قطع الجسر اوبقی متصلا وسواء کان التعدد فی مسجدین او اکثر یعنے برابر ہے کہ شہر بڑا ہو یا چھوٹا اُسکے بیچ میں ندی ہو جیسے بغداد یا نہو اُسکے بیچ میں کوئی پل ہو یا نہو اور برابر ہے کہ تعدد دو مسجدوں میں ہو یا زائد میں اور پھر لکھتے ہیں فقد ذکر الامام السرخسی ان الصحیح من مذہب ابی حنیفۃ جوازا قامتہا فی مصر واحد فی مسجدین او اکثر یعنے امام سرخسی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں صحیح یہی ہے کہ ایک شہر کی دو مسجدوں یا دوسے زائد میں اقامت نماز جمعہ کی جائے اور صاحب طحطاوی لکھتے ہیں وذلک لان فی التزام اتحاد المواضع حرجاً بیناً لاستدعائہ تطویل المسافۃ علی اکثر الحاضرین ولم یوجد دلیل عدم جواز التعدد بل قضیۃ الضرورۃ عدم اشتراط لا سیما اذا کان مصر اکبیر کمصرنا کما قالہ الکمال وقد قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا وما جعل علیکم فی الدین من حرج یعنے اور وہ اسلیے کہ ایک جگہ پر جمعہ کو لازم گرداننے میں حرج ظاہر ہے کیونکہ اسمیں اکثر حاضرین کو مسافت بعید طے کرنا پڑے گی اور کوئی دلیل عدم جواز تعدد کی نہیں پائی گئی ہے بلکہ ضرورت اسی کو مقتضی ہے کہ ایک مسجد میں نماز پڑھنا مشروط نہو خصوصاً جبکہ شہر بڑا ہو ہمارے شہر کی طرح جیسا کہ کمال نے کہا ہے اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ طاقت سے زائد کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ نے تیرے دین میں کسی طرح کی تنگی اور دشواری نہیں کی ہے اور فتاوی عالمگیری میں ہے تؤدی الجمعۃ فی مصر واحد فی مواضع کثیرۃ ھو قول ابی حنیفۃ ومحمد وھو الاصح یعنے جمعہ کی نماز ایک شہر میں بہت مقام ادا کیجا سکتی ہے اور وہ قول امام ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کا ہے اور وہ زیادہ تر صحیح ہے اور درمختار میں لکھا ہے کہ بربنائے قول مرجوح ایک شہر میں متعدد مقام پر جمعہ ہو تو اُس مسجد کا جمعہ جائز ہوگا جہاں تحریمہ آگے ہوا ہے اور اگر متعدد جگہوں میں ایک ہی وقت تحریمہ ہوا ہو جسکے تعین میں اشتباہ ہو تو سب کی نماز فاسد ہوگی اور اُس وقت نماز جمعہ کے بعد چار رکعت بہ نیت آخر ظہر پڑھنا چاہیے

اس قول میں صاحب درمختار فرماتے ہیں وکل ذلک خلاف المذھب فلا یعول علیہ یعنی یہ سب باتیں بالکل خلاف مذہب ہیں پس ان پر اعتماد نہ کیا جائے اور محشی شامی فیصلے بعدھا آخر ظہر کے تحت میں فرماتے ہیں تفریعہ علی المرجوح یفید انہ علی الراجح من جواز التعدد لا یصلیھا بناء علی ما قدامہ عن البحر من انہ افتی بذلک مرارا خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ وقال فی البحر انہ لا احتیاط فی فعلھا لانہ العمل باقوی الدلیلین یعنی قول مرجوح پر شارح کی تفریع اس بات کو مفید ہے کہ قول راجح پر جسکے بموجب متعدد جگہ نماز پڑھنا جائز ہے) چار رکعت بہ نیت آخر ظہر پڑھنا نہ چاہیئے جیسا کہ شارح نے بحر الرائق میں اسکے قبل نقل کیا ہے کہ چار رکعت بہ نیت آخر ظہر نہ پڑھنے کا بارہا فتوی دیا گیا ہے اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں اسکی وجہ سے عدم فرضیت جمعہ کا اعتقاد نہ ہو جائے اور صاحب بحر الرائق نے کہا ہے کہ اس چار رکعت کے پڑھنے میں کچھ احتیاط نہیں ہے کیونکہ متعدد جگہ میں نماز پڑھنا عمل باقوی الدلیلین ہے یعنے مذہب راجح مفتی بہ قول کے موافق ہے پس جواز تعدد میں شبہ نہیں تو کیوں چار رکعت نماز بہ نیت آخر ظہر احتیاطی پڑھیگا کیونکہ احتیاط محل شبہ میں ہے اس قول کے بعد محشی شامی نے ایک بڑی عبارت اس مدعا کے اثبات میں لکھی ہے کہ جہاں مصر ہونے میں شک ہو یا جہاں متعدد مقامات پر نماز پڑھی جاتی ہو وہاں چار رکعت نماز بہ نیت آخر ظہر پڑھنا احتیاط ہے مگر اسی کے آخر میں مقدسی سے نقل کیا ہے ثم قال وفائدتہ الخروج عن الخلاف المتوھم او المحقق وان کان الصحیح صحۃ التعدد فھی نفع بلا ضرر یعنے نماز بہ نیت آخر ظہر کا فائدہ یہ ہے کہ خلاف وہمی یا واقعی میں نہ پڑے اور اگر صحیح جواز تعدد ہے پس چار رکعت بہ نیت آخر ظہر پڑھنا نفع بلا ضرر ہے اور معلوم ہوا کہ شامی کی غرض اس طولانی عبارت سے یہ ثابت کرنا ہے کہ چار رکعت آخر ظہر کا پڑھنا احتیاط ہے اور جیسا کہ درمختار کے قول سے ضمنا بہ تبعیت قول بحر رائق کے اسکا نہ پڑھنا سمجھا جاتا ہے ویسا نہیں ہے مگر شامی نے پھر اس قول کے آخر میں یہ لکھدیا ہے کہ اگر چار رکعت بہ نیت آخر ظہر کا پڑھنا منجر بفساد ہو یعنے اسکے پڑھنے سے عدم فرضیت جمعہ کے اعتقاد کا خوف ہو تو ان رکعتوں کو علانیہ نہ پڑھے قال وانما اطلنا فی ذلک لدفع ما یوھمہ کلام الشارح تبعا للبحر من عدم فعلھا مطلقا نعم ان ادی الی مفسدۃ لا تفعل جھارا والکلام عند عدمھا ولذا قال المقدسی نحن لا نامر بذلک امثال ھذہ العوام بل ندل علیہ الخواص ولو

بالنسبۃ الیھم یعنے ہم نے اسباب میں کلام کو اس وجہ سے طویل کر دیا کہ شارح کے کلام سے جو بحر کی تبعیت میں چار رکعت آخر ظہر کا مطلقاً نہ پڑھنا سمجھا جاتا ہے وہ مندفع ہو جائے البتہ اگر یہ چار رکعت منجر الی الفساد ہوں تو علانیہ نہ پڑھے اور کلام عدم فساد میں ہے اسی لئے مقدسی نے کہا ہے کہ ہم ان چار رکعت کے پڑھنے کا خواص کو حکم کرتے ہیں نہ کہ عوام کو علاوہ ازیں اکثر بلاد اسلام میں مساجد متعددہ میں ادائے جمعہ ہوا کرتا ہے اور تعامل سے بلا انکار لحق با جماع ہذا حکم الکتاب واللہ اعلم حررہ محمد عبد اللہ مدرس مدرسۂ ڈھاکہ [محمد عبد اللہ] [محمد ابو یوسف علی] عبد الحکیم مدرس مدرسۂ ڈھاکہ۔ مبارک علی سلہٹی قد صح الجواب۔ محمد رمضان علی مدرس مدرسہ حال بدر الدین ڈھاکہ قد صح الجواب۔ محمد ابراہیم الجواب صحیح فقیر محمد فیض احمد امام وخطیب مسجد اکبری شہر آگرہ۔ الجواب صحیح محمد عبد اللہ واعظ جامع مسجد آگرہ

ھو المصوب جواز تعدد جمعہ وعدم جواز تعدد جمعہ میں مجتہدین اور فقہائے معتبرین میں بہت اختلاف ہے اور متاخرین حنفیہ کا فتویٰ مطلقاً جواز تعدد پر ہے مگر پھر بھی اولیٰ اور احوط انکے نزدیک یہی ہے کہ جمعہ کی نماز ایک جگہ ادا کی جائے کیونکہ یہ اظہار شوکت اسلام کا باعث ہے اور اس تو حدیں موافقت قرون ثلثہ متبرکہ بھی موجود ہے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں محصل الخلاف یرجع الی المنع مطلقاً والجواز مطلقاً وبعض من اجاز اطلق والبعض قیدا وکل ذلک منقول عن علماء العراق اما الشافعیۃ فقد نص الامام الشافعی علی ان الجمعۃ لا تقام فی البلدۃ ولو عظم وکثرت مساجدہ واھلہ ثم اخرج بعض تباعہ الی جواز التعدد للحاجۃ وقال بعض ھولاء متی زالت الضرورت بالثانیۃ لم تجز ثالثۃ واما الحنفیۃ فالمشھور عن الامام ابی حنیفۃ منع التعدد وروی عنہ جوازہ ثانیا للحاجۃ وعنہ جواز الکثر وقال ابو یوسف لا یجوز الثانی وھو الظاھر المشھور عنھم عدم جواز التعدد وفی روایۃ یجوز بقید الحاجۃ واما الحنابلۃ فالمشھور عنھم جواز التعدد بقید الحاجۃ وفی روایۃ عن احمد منع التعدد وذکر عنہ انہ قال لا اعلم التعدد فی بلاد المسلمین اقیمت بھا جمعۃ ان نقلۃ المراعات وفی شرح الھدایۃ واذا تقرر ھذا من القرن الثالث ظھر ان خیر القرون لم یقع فی زمانھم التعدد یعنے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ بعضے مطلقاً ناجائز سمجھتے ہیں اور بعضے مطلقاً جائز اور بعضے جائز کہنے والے حکم مطلق رکھتے ہیں اور بعضے قیدیں لگاتے ہیں یہ سب علمائے عراق سے منقول ہے لیکن شافعیہ پس امام شافعی نے اسکی تصریح کی ہے

جمعہ متعدد جگہ شہر میں نہ پڑھا جائیگا گو شہر بڑا ہو اور آبادی زائد ہو اور مساجد بہت ہوں پھر انکے
بعض تبعین نے بضرورت جواز تعدد کی جانب رجوع کیا ہے اُن میں سے بعضوں نے کہا ہو کہ اگر دو
جمعہ سے ضرورت دفع ہو جائے تو تیسرے کی ضرورت نہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک تو امام ابو حنیفہ
رحمہ اللہ سے منع تعدد منقول ہو اور بضرورت دو جمعوں کا جائز ہونا بھی منقول ہو اور انھیں سے بہت
مقام پر جمعہ کا جائز ہونا بھی منقول ہو اور امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ دوسرا جمعہ جائز نہیں ہی
اور حنفیہ کا ظاہر اور مشہور خیال عدم جواز تعدد ہو اور ایک روایت میں بضرورت تعدد جائز ہے
اور حنابلہ کے متعلق مشہور یہ ہو کہ وہ بضرورت تعدد کو جائز سمجھتے ہیں اور احمد سے ایک روایت میں تعدد
ممنوع ہے اور انھیں سے منقول ہو کہ مجھے مسلمانوں کے کسی ایسے شہر کا علم نہیں جس میں متعدد جمعے ہوتے ہوں
اور شرح ہدایہ میں ہو کہ جب یہ بات قرن ثالث میں معلوم ہو گئی تو ظاہر ہو گیا کہ خیر القرون میں تعدد نہ تھا
اور قہستانی جامع الرموز میں لکھتے ہیں شرط لادائھا ای لوجوب اداء الجمعۃ فی موضع واحد
والاکثر علی الخلاف وفی التمرتاشی لایستحب فی موضعین المصر شرطا داے جمعہ ہے یعنی شرط
وجوب اداے جمعہ ہے ایک جگہ میں یا مختلف جگھوں میں بربنائے اختلاف اور تمرتاشی میں ہو کہ ایک
شہر میں دو جگہ نماز جمعہ مستحب نہیں ہے۔ اور منیہ میں ہو اما من حیث جواز التعدد وعدمہ فالاولی
ھو الاحتیاط لان الخلاف فیہ قوی اذ الجمعۃ جامعۃ الجماعات ولم تکن فی زمن السلف الا فی
موضع واحد من المصر وکون الصحیح جواز التعدد للضرورۃ للفتوی لا یمنع شرعیۃ الاحتیاط
للتقوی یعنی جواز اور عدم جواز کا لحاظ کرتے ہوئے اولیٰ احتیاط ہو کیونکہ اختلاف قوی ہو اس لئے کہ جمعہ
جامع جماعات ہو اور زمان سلف میں ایک مصر میں ایک ہی جگہ ہوا کرتا تھا اور بضرور جواز تعدد کا صحیح ہونا
مشروعیت احتیاط کا منافی نہیں ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی
تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ واقعی نماز جمعہ ایک شہر کی دو مسجدوں یا اس سے زائد میں درست ہے
ذو الفضل المبین فصیح الملۃ والدین نے شرح وقایہ میں کافی اور شرح مجمع البحرین سے نقل کرکے لکھا ہے
وتودی فی مصر واحد فی موضع قال الامام السرخسی رحمہ اللہ فی المبسوط والصحیح من قول ابی
حنیفۃ ومحمدؒ انہ یجوز فی مصر واحد فی موضعین او اکثر وبہ ناخذ یعنے ایک شہر میں جمعہ متعدد جگہ
ادا کیا جا سکتا ہے امام سرخسی رحمہ اللہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا

صحیح قول یہ ہے کہ جمعہ ایک شہر میں دو جگہوں اور دو سے زائد جگہوں میں جائز ہے ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں اور جد ابی مولانا بحر العلوم والدین رسائل الارکان میں تحریر فرماتے ہیں ولاجل ان الجمعۃ جامعۃ للجماعات قال الامام ابو یوسف لا یجوز تعدد الجمع فی مصر واحد وھو روایۃ عن الامام ابی حنیفۃ وبہ قال الشافعی لانہ لو جاز التعدد لما کان واحد منھا جامعا للجماعات وقال الامام محمد ورواہ عن الامام ابی حنیفۃ ھذہ الروایۃ ھی المختارۃ وعلیہ الفتوی انہ یجوز تعدد الجمعۃ مطلقا اثنین او اکثر وقولھما الجمعۃ جامعۃ للجماعات ان ارادوا الجماعات التی لغیر الجمعۃ فسلم ولا یلزم منہ نفی التعدد وان ارادوا انھا جامعۃ للجماعات کلھا باسرھا بان لا یصح لھا الا جماعۃ واحدۃ فھو ممنوع لا بد لا بانۃ من دلیل ولنا ما صح عن امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ انہ امر بتعدد الجمعۃ وھذا الاثر صحیح صححہ ابن تیمیۃ فی منھاج السنۃ ثم فی مذھب الامام الشافعی حرج عظیم لانہ قد یکون طول المصر وعرضہ فراسخ لا تستطیع ان یجیء من طرف الی المسجد الجامع ثم یبیت باھلہ الا بحرج عظیم وھو مدفوع فی الشرع فلعلہ لھذا الحرج جوز الامام ابو یوسف تعددھا اذا کان فی المصر نھر عظیم فحینئذ یجوز جمعۃ فی مسجد وجمعۃ فی اخری بینھما نھر فنقول کذا یلزم الحرج اذا کان المصر طویلا وان لم یکن فیہ نھر ثم صلوۃ الجمعۃ فرض مثل سائر الصلوات فلا یتقید بالتوحید لم یفد الیہ دلیل سمعی ولا عقلی یعنی اور چونکہ جمعہ جامع جماعات ہے اسلئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک شہر میں متعدد جمعے ناجائز ہیں اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایت ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کیونکہ اگر تعدد جمعہ جائز ہو تو کوئی جمعہ جامع جماعات نہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے اور ایسا ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ یہی روایت مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ مطلقاً تعدد جمعہ جائز ہے دو ہوں یا اس سے زائد اور جمعہ کے جامع جماعات ہونے سے اگر یہ مراد ہے کہ جمعہ کے علاوہ دوسری جماعتوں کا جامع ہے تو یہ مسلم اور اس سے نفی تعدد جمعہ غیر لازم اور اگر یہ مراد ہے کہ جمعہ جمیع جماعات کا جامع ہے کہ اسکی ایک ہی جماعت ہو سکتی ہے تو یہ ممنوع ہے اسکا ثبوت محتاج دلیل ہے ہماری دلیل امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حکم تعدد جمعہ ہے اور یہ اثر صحیح ہے منہاج السنہ ابن تیمیہ نے اسکی تصحیح کی ہے اسکے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک

بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر شہر بڑا اور اسکا طول وعرض کئی فرسخ ہو تو ایک کنارے سے جامع مسجد تک پہونچنا اور پھر شام تک اپنے اہل وعیال میں پہونچ جانا بہت دشوار امر ہوگا حالانکہ شارع دشواریوں کا دفعیہ کرتا ہے اور غالبًا اسی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تعدد کو اس صورت میں جائز رکھا ہے جب شہر میں کوئی بڑی نہر ہو اس صورت میں جمعہ کے اندر تعدد کہ دو جمعہ ایسی مسجدوں میں ہوں جو نہر کے ادھر ادھر ہوں ہم کہتے ہیں کہ اسیطرح اگر شہر بڑا ہو اور اس میں نہر نہو تب بھی دشواری ہے اور نماز جمعہ پنجوقتہ نماز کی طرح فرض ہے تو اسیطرح اس میں بھی عدم تعدد کی قید نہ لگائی جائے گی خصوصًا جبکہ عقلی اور نقلی کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے واللہ علیم حررہ ابو الاحیار محمد نعیم غفرلہ اللہ العلی الرب الحکیم **سوال** ایک شہر میں جمعہ کی نماز متعدد مساجد میں ادا کرنا بہتر ہے یا ایک بڑی مسجد میں کہ سب نمازی اس میں باتفاق تام اور بلا تکلف جمع ہو سکتے ہیں **جواب** بہتر یہی ہے کہ پورے شہر کے نمازی ایک گنجائش والی مسجد میں باتفاق جمع ہو کر نماز جمعہ ادا کریں اگرچہ ایک شہر کی کئی مسجدوں میں ادائے جمعہ جائز ہے لیکن ایک روایت امام ابو حنیفہ اور امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ سے ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ کے ناجائز ہونے کی بھی آئی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ سے بھی ایک شہر کی متعدد مساجد میں نماز جمعہ کے عدم جواز کی روایت ہے ایسی حالت میں اختلاف علماء سے بچنا اور خصوصًا جس مسئلہ میں کہ مجتہدین کا اختلاف ہو تو اتفاقی صورت کو اختیار کرنا بہت بہتر ہے اور بسبب سستی اور کاہلی یا کسی نفسانی غرض کے اتفاق مجتہدین کی فضیلت و ثواب کو حاصل کرنے سے محروم نہ رہیں اس مسئلہ خاص میں اتفاق کی صورت یوں ممکن ہے کہ تمام مسلمانان شہر باتفاق ایک مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں اور خصوصًا اس شہر ڈھاکہ میں ایسی مسجد کہ جس میں سب شہر کے مسلمان جمع ہو کر نماز پڑھ سکیں سوائے مسجد لال باغ کے دوسری نہیں پس جملہ مسلمانوں کو بہ نیت تحصیل ثواب و فضیلت و احتیاط کی راہ سے لازم ہے کہ بخلوص واتفاق تام لال باغ کی مسجد میں اگر نماز جمعہ ادا کریں اور متعدد مساجد میں نماز پڑھنا شبہہ سے خالی نہیں اور ہر مسلمان کو شبہہ سے بچنا ضروری ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین کو پاک کیا اور وہ دو ثواب پاویگا ایک اپنے عمل خیر کا دوسرا رہنمائی کا کیونکہ الدال علی الخیر کفاعلہ اور جو سستی یا کسی دنیوی غرض سے

اس مسجد میں نہ آوے اور دوسروں کو بھی بہکاوے وہ خود بھی محروم ہے اور دوسروں کی محرومی کا باعث ہے اختلاف مجتہدین کی سند کے لیے کتب معتبرہ کی عبارت نقل کی جاتی ہے فتاوی شامی میں ہے لان جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیلاً لکن فیہ شبھۃ قویۃ لان خلافہ مروی عن ابی حنیفۃ ایضاً رحمہ اللہ واختارہ الطحاوی والتمرتاشی وصاحب المختار وجعلہ العتابی الاظہر وھو مذھب الشافعی والمشھور عن مالک واحدی الروایتین عن احمد کما ذکرہ المقدسی فی رسالتہ نور الشمعۃ فی ظھر الجمعۃ بل قال السبکی من الشافعیۃ انہ قول اکثر العلماء ولا یحفظ عن صحابی ولا تابعی تجویز تعددھا وقد علمت قول البدائع انہ ظاھر الروایۃ وفی شرح المنیۃ عن جوامع الفقہ انہ اظہر الروایتین عن الامام قال فی النھر وفی الحاوی القدسی علیہ الفتوی وفی التکملۃ للرازی وبہ ناخذ فھو حینئذ قول معتمد فی المذھب لاقول ضعیف ولذا قال فی شرح المنیۃ الاولی ھو الاحتیاط لان الخلاف فی جواز التعدد وعدمہ قوی وکون الصحیح الجواز للضرورۃ للفتوی لا یمنع شرعیۃ الاحتیاط للتقوی قلت علی انہ لو سلم ضعفہ فالخروج عن خلافہ اولی فکیف مع خلاف ھولاء الائمۃ وفی الحدیث المتفق علیہ فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ وعرضہ وفی القنیۃ لما ابتلی اھل مرو باقامۃ الجمعتین فیھا مع اختلاف العلماء فی جوازھا امر ائمتھم بالاربع بعدھا حتما احتیاطا وفی العینی شرح الھدایۃ وفی جوامع الفقہ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ روایتان والاظہر عنہ عدم الجواز فی الموضعین فان فعلوا فالجمعۃ للاولین وان وقعتا معاً او جھلت فسدتا وفی فتاوی قاضیخان ویجوز الجمعۃ فی الموضعین فی مصر واحد فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف لا یجوز فی ثلث مواضع وھکذا روی عن محمدؒ کیونکہ نماز جمعہ کا متفرق جگہوں میں جائز ہونا اگرچہ قوی دلیل کی رو سے ہے لیکن اس جواز میں قوی شبہہ ہے اسلئے کہ امام صاحب سے ایک شہر کی متفرق مسجدوں میں جمعہ کی نماز کا ناجائز ہونا مروی ہے اور طحاوی اور تمرتاشی اور صاحب مختار نے اس عدم جواز کی روایت کو جو امام صاحب سے مروی ہے پسند کیا ہے اور صاحب عتابی نے اسے بہت ظاہر ٹھہرایا ہے اور عدم جواز تعدد جمعہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی مذہب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی مشہور ہے

اور امام احمد حنبل رحمہ اللہ سے بھی اسیطرح کی ایک روایت مروی ہو جیسا کہ مقدسی نے نور الشمعہ فی
ظہر الجمعہ میں ذکر کیا ہو بلکہ سبکی نے جو شافعی المذہب ہیں کہا ہو عدم جواز تعدد جمعہ اکثر علما کا قول ہو اور
کسی صحابی یا و تابعی سے ایک شہر میں تعدد جمعہ ثابت نہیں ہوتا بیشک صاحب بدائع کا قول یعنے عدم
جواز نماز جمعہ امکنۂ متعددہ میں ظاہر الروایۃ ہے اور شرح منیہ میں جامع الفقہ سے منقول ہو کہ عدم جواز
کی روایت امام صاحب سے بہت ظاہر ہے یعنے امام صاحب سے دو روایتیں ہیں ایک جواز کی اور ایک عدم
جواز کی ظاہر تر روایت عدم جواز کی ہو اور یہی حاوی قدسی نے کہا ہے کہ فتوی عدم جواز پر ہے اور
تکملۂ رازی میں کہا ہے کہ اس عدم جواز کو ہم لوگ اختیار کرتے ہیں پس یہ عدم جواز قول معتمد مذہب
میں ہو نہ قول ضعیف اسی واسطے شرح منیہ میں کہا ہے کہ احتیاط بہتر ہے کیونکہ اختلاف جواز تعدد اور عدم
جواز میں قوی ہو اور جواز تعدد کا ضرورت فتویٰ کے لیے صحیح ہونا احتیاط تقوی کی مشروعیت کو منع
نہیں کرتا اگر عدم جواز کا ضعف مان بھی لیا جائے تو خلاف سے نکلنا بہتر ہے چہ جائیکہ مذہب مجتہدین کے
خلاف ہو اور متفق علیہ حدیث میں وارد ہو کہ جو شخص شبہات سے بچا اُس نے اپنے دین کو بچا لیا اور فتاوی قنیہ
میں ہو کہ جب اہل مرو مبتلا ہو گئے ساتھ اقامت نماز جمعہ کے دو جگہ میں تو اماموں نے حکم کیا کہ چار رکعت
ظہر جمعہ کے بعد احتیاطاً پڑھیں اور عینی شرح ہدایہ میں جامع الفقہ سے منقول ہو کہ امام صاحب سے دو روایتیں
آئی ہیں ظاہر تر روایت عدم جواز کی ہے دو جگہ میں اور اگر مصلیوں نے جمعہ کی نماز
دو جگہ پڑھی تو اگر دونوں جگہوں کے مصلیوں نے ایک ہی وقت نماز پڑھی یا یہ معلوم نہیں ہوا
کہ کس نے پہلے پڑھی تو سب کا جمعہ فاسد ہو جائیگا اور فتاوے قاضی خاں میں ہو
کہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ایک قول میں نماز جمعہ ایک شہر کی دو جگہوں
میں جائز ہے اور تین جگہوں میں جائز نہیں ہے اور اسیطرح پر امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہو اور سوائے
اسکے جواز اور عدم جواز جمعہ کا ایک شہر کی متعدد مساجد میں فتاوی عالمگیری اور قاضیخاں اور عینی شرح
ہدایہ اور طحطاوی حاشیہ درمختار اور کبیری شرح منیۃ المصلی اور برہان شرح مواہب الرحمن اور فتح القدیر
اور فتاوی منیہ کی کتاب الجمعہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جسکا جی چاہے دیکھ لے پس معلوم ہوا کہ اس
مسئلہ میں ایمۂ اربعہ اور علما کا اختلاف ہو اور جواز تعدد جمعہ میں شبہہ باقی ہو پس اگر ایک جگہ جامع مسجد میں
باتفاق تمام اہل شہر نماز جمعہ پڑھیں تو اس میں بہت سی خوبیاں ہیں ایک تو اختلاف ائمہ سے بچ جائیگا

اور بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب پائیگا اور آپس میں اتفاق و اتحاد بڑھیگا اور شوکت اسلام زیادہ ہوگی اسکے ساعی کو بھی ثواب ملیگا اور یہ کہنا کہ جب فلاں شخص جامع مسجد میں جائیگا تو ہم بھی جائینگے نہ چاہیے۔ واللہ اعلم حررہ الفقیر الی الرحمۃ والغفران محمد نعمان عفی عنہ اللہ المنان اس فتوی کا حکم اس شہر ڈھاکہ کے لیے مخصوص نہیں ہر بلکہ ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس فتویٰ پر عمل کریں اور اپنے شہر کی بڑی مسجد میں جمع ہوکر جمعہ کی نماز ادا کریں واللہ اعلم نمقہ دین محمد عفی عنہ۔ فی الواقع اگرچہ بحسب اختیار اکثر متاخرین تعدد جمعہ جائز ہر مگر اولی یہی ہر کہ ایک مقام پر جلوع اہل اسلام ہوکر جمعہ ہوا کرے اور اس وجہ سے کہ تعدد جمعہ کے جواز اور عدم جواز میں قدما سے خلاف مذکور ہے جیسا کہ عبارات سابقہ سے واضح ہر اور ایسے موقع میں خلاف اور احتیاط کی رعایت مستحب ہے کتب فقیہ مثل غنیہ شرح منیہ وغیرہ میں ہے تستحب رعایۃ مواضع الخلاف مواضع خلاف کی رعایت مستحب ہے ثانیاً اس وجہ سے کہ عدم تعدد میں قرون ثلثہ کے طریقے کی موافقت ہوتی ہر ابن حجر عسقلانی رسالہ تعدد جمعہ میں لکھتے ہیں ذکر الاثرم عن احمد انہ قال لا اعلم بلدا من بلاد المسلمین اقیمت فیہ الجمعتان الا تعدد هذا واحد من القرن الثالث ظهر ان خیر القرون لم یقع فی زمانهم التعدد یعنی اثرم نے احمد سے نقل کیا ہر کہ انھوں نے کہا میں نے مسلمانوں کا کوئی ایسا شہر نہین دیکھا جس میں دو جمعے ہوتے ہوں اور جب یہ بات ثابت ہوگئی اور احمد قرن ثالث میں تھے تو معلوم ہوا کہ خیر القرون مین تعدد نہ تھا پس جو شخص رفع تعدد اور تقریر توحد کا باعث ہوگا وہ ثواب عظیم پائیگا اور جو شخص توحد سے انکار کریگا وہ محروم رہیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

محمد عبد الحی ابو الحسنات

سوال عامۂ کتب فقہ میں لا یرفع بوجہه او الی وجهه شئ یسجد علیه باب صلوٰۃ مریض میں مرقوم ہر اور رفع کے معنے میں اختلاف ہوا ہے بعض کہتے ہیں کہ اُٹھایا نہ جاوے اور بعض کہتے ہیں کہ کوئی چیز اونچی نہ کیجاوے پہلی صورت میں احتمال پیدا ہوتا ہے کہ نمازی سجدہ کرنے لیے کسی چیز کو اپنے منھ کے قریب کرے یا ابتداء مدت سے انتہا تک اپنے ہاتھ میں اُس چیز کو اُٹھائے رکھے دونوں صورتوں میں خلاف قاعدۂ احناف عمل کثیر جو نماز کو باطل کردیتا ہے اور دونوں ہاتھوں کا چھوڑے رکھنا لازم آتا ہے صورت اصلی جو مقصود فقہا ہے کیا ہے جواب فقہا کی مراد اس سے ہر کہ مصلے کے منھ کی طرف کوئی چیز جسپر وہ سجدہ کرے اُٹھائی نہ جائے چاہیے

اٹھانے والا مصلی ہو یا کوئی دوسرا شخص یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی چیز بلند نہ کیجائے بظاہر اسکا حاصل سوا اسکے کچھ نہیں ہے کہ کوئی چیز مرتفع زمین پر نہ رکھی جائے گو یہ مراد نوعی ظاہر ہے محتاج بیان نہیں اور اسکا سوال اور اس میں اہل علم کا خلاف بعید ہے مگر چونکہ سوال کیا گیا ہے اسکے وجوہ لکھنا ضروری ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ یہ امر چند وجوہ سے ثابت ہے اول یہ کہ سید احمد طحطاوی حاشیۂ درمختار میں لکھتے ہیں قوله لا یرفع الی وجهه شیئا کعود و وسادة و فیه اشارة الی انه لو سجد علی موضوع علی الارض من غیر رفع لا یکره کما فی القهستانی قوله الا ان یجد حجم قوة الارض الاولی حذف حجم کما حذفه فی شرح الملتقی ثم ان هذا الاستثناء لم یصادف محلا لانه اذا رفع الیه شئ او رفع هو لا یتاتی ان یجد قوة الارض یعنے مثلاً لکڑی اور تکیہ اور اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اگر سجدہ کیا کسی ایسی چیز پر جو زمین پر رکھی ہوئی ہے بغیر اٹھائے ہوے تو نماز مکروہ نہیں جیسا کہ قہستانی میں ہے قوله ان یجد حجم قوة الارض اولی یہ تھا کہ لفظ حجم کو حذف کر دیتا جیسا کہ شرح ملتقی الابحر میں ہے پھر یہ کہ استثنا اپنے محل پر نہیں ہے یعنے درست نہیں ہے کیونکہ جب اسکی جانب کوئی چیز اٹھائی جائے یا وہ خود اٹھائے تو یہ صورت مذکورہ حاصل نہیں ہوتی۔ اور سید محمد امین حاشیۂ درمختار میں لکھتے ہیں اقول هذا محمول علی ما اذا کان یحمل الی وجهه شیئا یسجد علیه بخلاف ما اذا کان موضوعا علی الارض یدل علیه ما فی الذخیرة حیث نقل عن الاصل الکراهة فی الاول ثم قال فان کانت الوسادة موضوعة علی الارض وکان یسجد علیها جازت صلوته فقد صح ان ام سلمة کانت تسجد علی مرفقة موضوعة بین یدیها لعلة کانت بها ولم یمنعها رسول الله صلی الله علیه وسلم من ذلک اه (قوله الا ان یجد قوة الارض) هذا الاستثناء مبنی علی ان قوله ولا یرفع الخ شامل لما اذا کان موضوعا علی الارض وهو خلاف المتبادر بل المتبادر کون الموضوع محمولا بیده او بید غیره وعلیه فالاستثناء منقطع لاختصاص ذلک بالموضوع علی الارض یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ محمول ہے اس صورت پر جس میں اسکے چہرے کے جانب کوئی چیز اٹھائی جائے جسپر وہ سجدہ کرے برخلاف اس صورت کے کہ زمین پر کوئی چیز رکھی ہو جیسا کہ عبارت ذخیرہ اسپر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس نے صورت اولی میں کراہت نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اگر تکیہ زمین پر رکھا ہوا ور وہ اسپر سجدہ کرے تو نماز جائز ہوگی اور یہ بات صحیح ہے کہ ام سلمہ بیماری کی وجہ سے سجدہ کرتی تھیں اپنے

تکیہ پر جو اُن کے سامنے رکھا تھا اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اس سے منع نہیں
فرمایا الخ قولہ الا ان یجد قوۃ الارض یہ استثنا اسپر مبنی ہے کہ قول مصنف ولا یرفع الخ اس
صورت کو بھی شامل ہے جس میں وہ چیز زمین پر رکھی ہو اور یہ خلاف متبادر ہے بلکہ متبادر مرفوع کا ہاتھ
پر رکھکر خود یا دوسرے کا اُٹھائے ہوئے ہونا ہے پس استثنائے منقطع ہے کیونکہ یہ خاص ہے موضوع علی الارض
ساتھ دوسرے یہ کہ اثر عبد اللہ ابن مسعود و اثر ابن عمر جو اس مطلوب پر دلالت کرتی ہیں اسی پر دال ہیں
طحطاوی لکھتے ہیں روی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دخل علی اخیہ یعودہ فوجدہ یصلی ویرفع الیہ عود یسجد
علیہ فنزع ذلک من ید من کان فی یدہ وقال ھذا شیٔ عرض لکم بہ الشیطان اسجدوا علی الارض وروی ان ابن عمر رضی اللہ عنہما رأی ذلک من
مریض فقال اتتخذون مع اللہ الھۃ مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اپنے بھائی کی عیادت کو گئے
اُنھوں نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور اُنکی جانب ایک لکڑی اٹھائی گئی ہے جسپر وہ سجدہ کرتے
ہیں پس آپنے جس شخص کے ہاتھ میں وہ تھی اُس سے چھین لی اور کہا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے شیطان
نے تمھارے سجدہ کرنے کے لیے پیش کیا ہے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مریض کو اسحالت میں دیکھا پس
آپنے کہا کہ کیا تم عبادت میں خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو تیسرے یہ کہ بر تقدیر ارادہ معنی دوم
فقط ذکر وجہ لغو ہوتا ہے جو سمجھداروں پر پوشیدہ نہیں ہے چوتھے یہ کہ بر تقدیر ارادہ معنی دوم اتحاد عبارت
یہ تھی لا یوضع شئ مرتفع یسجد علیہ کما ھو الظاہر کوئی اونچی چیز نہ رکھی جائے جسپر وہ سجدہ کرے
جیسا کہ ظاہر ہے پانچویں یہ کہ بعض کتب فقہ میں یہ مسئلہ اس عبارت کے ساتھ مرقوم ہے ولا یرفع
الی وجھہ شیئا یسجد علیہ ما ینصب شیئا یعنی اپنے چہرہ کی طرف کوئی چیز نہ اٹھا دے کہ
اوسپر سجدہ کرے شیئا کے زبر کے ساتھ اور بر تقدیر معنے دوم اسکا استبعاد خود ہی ظاہر ہے چھٹے یہ کہ
مرتفع چیز جو زمین پر رکھی ہو اوسپر سجدہ بشروط معتبرۂ فقہا بلا کراہت جائز ہے اور بر تقدیر ارادۂ معنی دوم
کراہت لازم آتی ہے ساتویں یہ کہ رفع شئے بسوی وجہ ایک مسئلہ ہے اور زمین پر رکھی ہوئی اونچی چیز پر سجدہ
کرنا دوسرا مسئلہ ہے طحطاوی کہتے ہیں انما ھو استثناء من مسئلۃ اخری وھو انہ اذا سجد المریض
علی شئ موضوع علی الارض صح علی انہ سجود ان وجد قوۃ الارض کان ارتفاعہ اقل من نصف
ذراع والا فھو ایماء قالہ الحلبی یعنی یہ ایک دوسرے مسئلے سے استثنا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مریض
ایسی چیز پر سجدہ کرے جو زمین پر رکھی ہوئی ہو تو صحیح ہے اس بنا پر کہ وہ سجدہ ہے ایسی چیز پر

جو زمین کی قوت میں ہے اور اسکا ارتفاع نصف ذراع سے کم ہونا چاہیئے ورنہ وہ اشارہ سے سجدہ ہو جائیگا ایسا ہی حلبی نے کہا ہے۔ آور بر تقدیر ارادہ معنی دوم اتحاد مسالتین متغایرتین کا لازم آتا ہے آٹھویں یہ کہ رفع بمعنے وضع شئے مرتفع دیکھا نہیں گیا اور جو اسے جائز سمجھتا ہو اُسے ایسی دلیلیں پیش کرنا چاہئیں جن سے یہ امر ثابت ہو اور وہ جو پہلے معنی میں تشقیق کی گئی تو میں اُس میں کہتا ہوں کہ اگر اُٹھانیوالا ہی غیر ہے نمازی کا تو اس تشقیق کا بالکل اعتبار نہیں اور اگر خود نمازی ہی اُٹھانیوالا ہے تو میں پہلی شق کو اختیار کرتا ہوں یعنی نمازی ہر بار سجدہ کے لیے اُس چیز کو اپنے منہ کے قریب لاوے اور اس کا عمل کثیر ہونا تسلیم نہیں ہے اور جو دعویٰ کرے اُسپر دلیل لازم ہے بلکہ اُسکو عمل کثیر کہنا یا بدیہی البطلان ہے اور مظنون البطلان واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

محمد بشیر العمری جواب صحیح ہے اور اُسکی تائید غنیہ اور اُسکی شرح غنیہ کی عبارت بھی کرتی ہے لا یرفع الی وجھہ شیئا یسجد علیہ وکانت الوسادۃ علی الارض تسجد علیہا جازت لکن ان کان محل قوۃ الارض یکون صلوٰۃ بالرکوع والسجود والا فبالایماء یعنے مریض کی جانب کوئی ایسی چیز بلند نہ کی جاۓ جسپر وہ سجدہ کرے اور اگر تکیہ زمین پر رکھا ہو اُسپر وہ سجدہ کرے تو یہ جائز ہے لیکن اگر وہ چیز ایسی ہوگی جو زمین کی قوت میں ہے تو یہ نماز برکوع وسجود ہوگی ورنہ نماز باشارہ ہوگی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** مملکت نصاریٰ میں اگر کسی جگہ جسکی ابنیہ مناسے دو چند سہ چند ہوں باوجود عدم تعدد مساجد کے مسلمین متفق ہو کر ایک شخص کو امام جمعہ مقرر کرکے نماز جمعہ ادا کرلیویں تو موافق مذہب حضرت امام اعظمؒ کے صحیح ہوگا یا غیر صحیح اور درصورت صحت کے ظہر احتیاطی کا پڑھنا کیسا ہے دوسرے وہ لوگ بسبب اس جمعہ پڑھنے کے مستحق ثواب ہیں یا مبتدع اور آثم ہیں مثل مرتکب کبائر زنا وغیرہ کے تیسرے ہجو کے اشعار جن میں جمعہ اور جمعہ پڑھنے والوں کے حق میں سب اور دشنام ہوں دف پر گانے والوں کا کیا حکم ہے اور اُس مجلس میں بیٹھنے والے کیسے ہیں **جواب** ایسے مقام میں جسکے ابنیہ منا سے زیادہ ہوں اور وہاں کی بڑی مسجد وہاں کے لوگوں کو وسعت نہ کرتی ہو جمعہ کا ادا کرنا فرض ہے گو سلطان یا نائب سلطان نہو اور ایسے مقام میں جمعہ کے منع کرنے والے گنہگار ہیں اور اشعار ہجو کا پڑھنا اور سننا حرام ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے لو تعذر الاستیذان من الامام فاجمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز کذا فی التہذیب یعنے اگر امام سے اجازت دشوار ہو تو لوگ

ایک شخص پر اتفاق کرکے اُسکے پیچھے نماز جمعہ پڑھ لیں درست ہوگی جیسا کہ تہذیب میں ہے اور بھی اُسی
مین ہے بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ فیہ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی
المسلمین کذا فی معراج الدرایۃ یعنی وہ شہر جنپر کافر والی ہیں مسلمانوں کو اُن میں جمعہ پڑھنا جائز ہے
اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جائیگا جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔ اور درالمختار
مین ہے لو مات الوالی ولم یحضر لفتنۃ او لم یوجد احد ممن لہ حق التقدم فی اقامۃ الجمعۃ
نصب العامۃ لھم خطیبا للضرورۃ مع انہ لا امیر ثمہ ولا قاضی یعنی اگر والی مرگیا یا فتنے کی وجہ سے نہ آسکا
یا کوئی ایسا شخص نہ پایا گیا جسے جمعہ کی نماز پڑھالنے میں تقدم کا حق حاصل ہے تو عوام ضرورت کیوجہ سے
ایک خطیب مقرر کرلیں حالانکہ وہاں امیر اور قاضی موجود نہیں ہیں اور مجمع الفتاوی میں ہے
غلب علی المسلمین ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ والاعیاد یعنی اگر مسلمانوں پر کافر
حکام غالب آجائیں تو مسلمانوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور رسائل الارکان
میں ہے لم اطلع علی دلیل یفید اشتراط السلطان وما فی الھدایۃ لانھا تقام بجمع عظیم
نعسی ان تقع المنازعۃ فی التقدیم والتقدم الخ ھذا لا یثبت الاشتراط لاطلاق نصوص
وجوب الجمعۃ ثم ھذہ المنازعۃ تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما فی جماعۃ
الصلوۃ علی ان تقع المنازعۃ فی تقدیم رجل لکن تندفع باجماع المسلمین فکذا
فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان تنزبلوۃ عثمان رضی اللہ عنہ وکان
ھو امامًا حقًا محصورًا ولم یعلم انھم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاھر عدم الاذن
لان ھولاء الاشقیاء من اھل الشر لم یرخصوا فی ذلک فعلمنا ان اقامۃ الجمعۃ غیر
مشروطۃ عندھم بالاذن ولعل لھذہ الواقعۃ رجع المشائخ عن ھذا الشرط فیما
تعذر وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان فاجمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز
یعنی سلطان کے شرط لگانے کی کوئی دلیل نہیں ملی اور یہ جو ہدایہ میں ہے کہ جمعہ میں مجمع بہت
ہوتا ہے اس وجہ سے جھگڑے کا خدشہ ہوتا ہے الخ تو اس سے اشتراط نہیں ثابت ہوسکتا
کیونکہ نصوص وجوب جمعہ مطلق ہیں علاوہ بریں یہ جھگڑا مسلمانوں کے کسی ایک شخص پر
اتفاق کرلینے سے مرتفع ہوسکتا ہے جیسا کہ پنجوقتہ نماز کی جماعت میں امامت کے متعلق

جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن نمازیوں کے اتفاق سے اُسکا دفعیہ ہوجاتا ہے اسیطرح جمعہ میں بھی صحابہ نے فتنۂ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں نماز جمعہ پڑھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام برحق محصور تھے اور یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ صحابہؓ نے آپ سے اجازت بھی لی ہو بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجازت نہ لی ہوگی کیونکہ جو اشقیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوے تھے اُنھوں نے اسکی اجازت نہ دی ہوگی پس معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک اقامت جمعہ میں سلطان کی اجازت شرط نہیں ہے اور شاید اسی وجہ سے مشائخ نے اجازت لینے کے دشوار ہونے کے موقع میں اس شرط سے رجوع کیا ہے اور فتوی دیا ہے کہ اگر امام سے اجازت لینا دشوار ہو تو لوگ جس شخص پر اتفاق کرلیں اُسکی اقتدا کرکے جمعہ کی نماز پڑھ لیں **سوال** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح ومن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر یعنی جس نے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے فجر کی نماز پالی اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس نے عصر کی نماز پالی۔ موطا امام مالک ادراک کے معنے اگر کسی چیز تک پہونچ جانے کے ہیں تو بظاہر اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک رکعت پر اکتفا کرلے حالانکہ یہ بالاجماع مراد نہیں ہے جمہور نے اسکا یہ مطلب لیا ہے کہ اُس نے وقت کو پالیا اور جب اُس نے ایک رکعت پڑھی تو اُسکی نماز کامل ہوگئی اور بیہقی نے کہا ہے من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فليصل اليها اخرى یعنی جسنے طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالی اُسے چاہیے کہ دوسری رکعت بھی اُسکے ساتھ ملالے اور اس میں طحاوی کا رد ہے کیونکہ اُنھوں نے اس مسئلہ کی تخصیص احتلام صبی طہارت حائضہ اور اسلام کافر وغیرہ کے ساتھ لی ہو اس سے اُنکا مقصد اپنے مذہب کی تائید ہو کہ جو شخص نماز فجر پڑھ رہا ہو اور آفتاب طلوع ہوگیا تو اُسکی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ طلوع شمس کے وقت نماز نہ پڑھنے کے متعلق حدیثیں موجود ہیں اور یہ دعوی کہ حدیث سابق اس حدیث کی ناسخ ہے محتاج دلیل ہو کیونکہ محض احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہوتا اور دونوں حدیثوں میں جمع ممکن ہو اس طرح پر کہ احادیث نہی کو نوافل کے ساتھ خاص کردیں اور تخصیص بلاشک دعوی نسخ سے اولی ہے ابن عبد البر نے کہا ہے لا وجه لدعوى نسخ حديث الباب لانه لم يثبت فيه تعارض بحيث لا يمكن الجمع ولا تقديم حديث

النهی عن الصلوٰۃ عند طلوع الشمس وعند غروبها علیه لانه یحمل علی التطوع یعنے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس باب میں نسخ حدیث کا دعویٰ کیا جائے کیونکہ ایسا تعارض ثابت نہیں کہ جمع باحدیث نہی عن الصلوٰۃ عند طلوع الشمس کو مقدم رکھنا دوسری حدیث پر ممکن نہ ہو کیونکہ حدیث نہی کو نفل پر محمول کر سکتے ہیں سیوطی نے کہا ہے وجواب الشیخ اکمل الدین فی شرح المشارق عن الحنفیۃ یحمل الحدیث علی ان المراد فقد ادرک ثواب کل الصلوٰۃ باعتبار نیت لا باعتبار عمله ومعنی قوله فلیتم صلوته فلیات بها علی وجه التمام فی وقت اٰخر بعید یردہ بقیة طرف الحدیث یعنے حنفیہ کی جانب سے شرح مشارق میں شیخ اکمل الدین نے جو یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے پوری نماز کا ثواب پالیا نیت کی وجہ سے نہ عمل کی وجہ سے اور فلیتم صلوتہ کے معنی یہ ہیں کہ اس نماز کو دوسرے وقت پوری طرح پڑھے تو وہ بعید ہے حدیث کا باقی حصہ خود ہی اسکی تردید کرتا ہے از زرقانی شرح موطا امام مالک اور شیخ محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے اصول فقہ میں مقرر ہے کہ جب دو آیتیں ایک دوسرے کے معارض ہوں تو حدیث کیجانب رجوع کریں اور جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کی جانب رجوع کریں قیاس ترجیح دیتا ہے اس حدیث کو نماز عصر میں اور احادیث نہی کو نماز فجر میں کیونکہ فجر کی نماز کا پورا وقت کامل ہے اور اس میں نقصان نہیں ہے پس واجب ہوگی بصفت کمال اور چونکہ طلوع آفتاب کی وجہ سے نقصان طاری ہوا اُس طرح نماز ادا نہیں ہوئی جس طرح واجب ہوئی تھی پس غروب کی وجہ سے جو نقصان طاری ہوتا ہے اُس سے نماز فاسد نہ ہوگی اور جس طرح واجب ہوئی تھی اُسیطرح ادا ہوگی اب سوال یہ ہے کہ آپ زرقانی اور شیخ عبدالحق کے قولوں میں سے کس پر فتویٰ دیتے ہیں **جواب** قابل اعتماد اور درست زرقانی کا قول ہے **سوال** ملک نصاری ہیں نماز جمعہ کے بعد چار رکعتیں آخری ظہر کی نماز میں پڑھنا چاہییں یا نہیں **جواب** ہاں احتیاطاً پڑھ لینا چاہیے واجب نہیں ہے اس سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ سلطان کے نہونے کی وجہ سے ان ممالک میں نماز جمعہ کے صحیح ہونے میں شک ہے عالمگیری میں تہذیب سے نقل کیا ہے لو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بهم الجمعة جاز یعنے اگر امام سے اجازت لینا دشوار ہو تو لوگوں کو ایک شخص پر اجماع کر کے اُسکے پیچھے نماز پڑھ لینا چاہیے جمعہ درست ہو جائیگا۔ اور اسی میں معراج الدرایۃ

سے نقل کیا ہے بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ فیہا یعنی وہ شہر جن میں کافر والی
ہیں مسلمانوں کو اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ اور رد المحتار میں ہے ولذا لو مات الوالی اولم یحضر
لفتنۃ ولم یوجد احد ممن لہ حق اقامۃ الجمعۃ نصب العامۃ لہم خطیبًا للضرورۃ
کما سیاتی مع انہ لا امیر ولا قاضی ثمہ یعنی اسی لیے اگر والی مر جائے یا فتنہ کی وجہ سے نہ آسکے
اور کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جو اقامت جمعہ کا زائد مستحق ہو تو عوام کو بضرورت ایک خطیب
منتخب کر لینا چاہیئے جیسا کہ آئے گا باوجودیکہ امیر اور قاضی نہیں ہے۔ اور شیخ دہلوی فتح المنان فی
تائید مذہب النعمان میں لکھتے ہیں قال فی الہدایۃ لا یجوز اقامتہا الا السلطان او لمن
امرہ لانہا تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعۃ فی التقدم والتقدیم فلا بد منہ
تتمیمًا لامرہ وظاہرہ یفید للاولویۃ والاحتیاط عقلًا لا الاشتراط وعدم جواز
الصلوٰۃ بدونہ شرعًا انتہی مختصرًا یعنی ہدایہ میں کہا ہے کہ اقامت جمعہ کا حق صرف سلطان کو ہے
یا اس شخص کو ہے جسے سلطان نے حکم دیا ہو کیونکہ جمعہ میں مجمع بہت ہوتا ہے اسلیے امامت اور دوسرے
امور میں جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے تو اب سلطان کی ضرورت ہے تاکہ جھگڑے کو ختم کر دے اس سے
بظاہر صرف احتیاط اور اولویت حاصل ہوتی ہے نہ کہ اشتراط اور بدون سلطان نماز کا ناجائز ہونا۔
رسائل الارکان میں ہے ولم اطلع علی دلیل یفید اشتراط امر السلطان وما فی الہدایۃ لانہا
تقام بجماعۃ فعسی ان یقع منازعۃ فی التقدم والتقدیم لان کل انسان یطلب لنفسہ
فلابد من امر السلطان لیندفع ہذہ المنازعۃ فہذا رای لا یثبت الاشتراط المبطل
لاطلاق نصوص وجوب الجمعۃ علی من عدا المستثنیین ثم ہذہ المنازعۃ تندفع باجماع
المصلین علی تقدیم واحد ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المومنین
عثمان رضی اللہ عنہ وکان اماما حقا محصورا ولم یعلم انہم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ
بل الظاہر عدم الاذن لان ہولاء الاشقیاء لم یرخصوا ذالک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ
غیر مشروطۃ عندہم بالاذن ولعل لہذہ الواقعۃ رجع المشائخ عن ہذا الشرط فیما اذا
تعذر الاستیذان وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی
بہم الجمعۃ جاز یعنی مجھے کوئی دلیل نہیں ملی جسکی بنا پر حکم سلطان کی شرط لگائی جائے اور جو ہدایہ

میں ہے کہ جمعہ میں مجمع کثیر ہوتا ہے اسلئے امامت وغیرہ میں جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص رتبہ حاصل کرنیکا خواہاں ہوتا ہے تو حکم سلطان ضروری ہے تاکہ یہ جھگڑا دفع ہوجائے یہ ایک رائے ہے جس سے امر سلطان کا شرط ہونا کہ بدون اسکے نماز جمعہ باطل ہو ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وجوب جمعہ کے نصوص مطلق ہیں پھر یہ جھگڑا نماز پڑھنے والوں کے اجماع سے دفع ہوسکتا ہے فتنۂ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں صحابہ نے نماز جمعہ پڑھی تھی حضرت عثمان امام برحق تھے اور اس وقت محصور تھے اور یہ امر معلوم نہیں کہ اُنھوں نے اقامت جمعہ کی اجازت لی تھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اجازت نہیں لی تھی کیونکہ اُن اشقیا نے اسکی اجازت نہ دی ہوگی تو معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک اقامت جمعہ میں اجازت شرط نہیں ہے اور شاید اسی واقعے کے بدولت مشائخ نے اجازت کے دشوار ہونے کی صورت میں اس شرط سے رجوع کیا ہے اور اسپر فتویٰ دیا ہے کہ اگر امام سے اجازت لینا دشوار ہو تو لوگ ایک شخص پر اجماع کرکے اُسکے ساتھ نماز جمعہ پڑھ لیں درست ہوگی یہ عبارتیں اُسپر شاہد ہیں کہ سلطان کی شرط امر استحسانی ہے وجوبی نہیں اور اگر سلطان نہو تو بھی اقامت جمعہ جائز ہے بلکہ ظہر احتیاطی کے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ تعریف مصر اور تعدد جمعہ میں اختلاف ہوگیا ہے محیط میں ہے کل موضع وقع الشك فی کونہ مصرا ینبغی لھم ان یصلوا بعد الجمعۃ اربعًا بنیۃ الظھر احتیاطًا یعنی جس مقام کے شہر ہونے میں شک ہو وہاں جمعہ کے بعد بہ نیت ظہر احتیاطًا لوگوں کو چاہیئے کہ چار رکعتیں پڑھ لیں اور قنیہ میں ہے لما ابتلی اھل مرو باقامۃ الجمعتین فیھا مع اختلاف العلماء فی جوازھما امرا ئمتھم بالاربع احتیاطًا یعنے جب مرو میں دو جمعے ہونے لگے اور علما کو اسکے جواز میں اختلاف تھا تو ائمۂ مرو نے احتیاطًا چار رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سوال اذان کا قولًا وفعلًا جواب دینا دونوں واجب ہیں یا پہلا واجب اور دوسرا مستحب یا بالعکس۔ جواب اول واجب ہے برقول اصح اور بعضے زبان سے جواب دینے کو مستحب کہتے ہیں جیسا کہ میں نے سعایہ میں اسکو بسط سے لکھا ہے اور غنیۃ المستملی میں ہے اما الاجابۃ فظاھر الخلاصۃ وفتاوی قاضی خان والتحفۃ وجوبھا وقال الحلوائی الاجابۃ بالقدم فلو اجاب بلسانہ ولم یمش الی المسجد لا یکون مجیبًا ولو کان فی المسجد لیس علیہ ان یجیب باللسان وحاصلہ نفی وجوب الاجابۃ باللسان وبہ صرح جماعۃ انھا مستحبۃ یعنی خلاصہ اور فتاوی قاضی خان اور تحفہ کی

ظاہر عبارت سے اذان اول کی اجابت واجب ثابت ہوتی ہے اور حلوانی نے کہا ہے کہ اپنے
پاؤں سے جواب دینا چاہیے پس اگر زبان سے جواب دیا اور مسجد کی طرف روانہ نہ ہوا تو گویا اس نے
اذان کا جواب نہیں دیا اور جو مسجد میں موجود ہو اُسے زبان سے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے حاصل یہ ہے
کہ زبان سے جواب دینا واجب نہیں ہے اور ایک جماعت نے اسکی تصریح کی ہے کہ یہ مستحب ہے اور رد المحتار میں ہے
ما قاله الحلوانی مبنی علی ما کان فی زمان السلف من الصلوٰة بجماعة مرة واحدة وعدم تكرارها كما هو
فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء وقد علمت ان تكرارها مكروه فی ظاهر الروایة الا فی روایة عن
الامام وروایة عن ابی یوسف وسیاتی ان الراجح عند اهل المذهب وجوب الجماعة وانه یأثم بتفویتها
اتفاقاً فيجب السعی بالقدم لا لان حق الاداء فی ذلك الوقت فی المسجد بل لاقامة الجماعة والا لزم فوتها
او تكرارها فی مسجد وكلاهما مكروه فلذلك قال بوجوب اجابة القدم لا يقال يمكن ان يجمع اهله
فی بیته لانا نقول مذهب الحلوانی مبنی علی انه لا ینال بذلك ثواب الجماعة وانه یکون بدعة او
مکروهاً نعم الصحیح انه لا تکره تکرار الجماعة اذا لم تکن علی الهیئة الاولی والاصح انه
لو جمع باهله لا یکره وینال بذلك فضیلة الجماعة لكن جماعة المسجد افضل یعنی اگلے
زمانہ میں یہ رائج تھا کہ نماز بجماعت ایک ہی بار ہوتی تھی جیسا کہ زمانۂ نبوی اور زمانۂ خلفاء میں تھا
اور یہ معلوم ہے کہ تکرار جماعت مکروہ ہے ظاہر الروایت میں البتہ امام صاحب اور امام ابو یوسف
رحمہما اللہ کی ایک روایت میں جائز ہے اور عنقریب یہ معلوم ہوگا کہ جماعت واجب ہے اور فوت جماعت
بالاتفاق آدمی گنہگار ہوتا ہے اس صورت میں سعی بالقدم واجب ہے نہ اس وجہ سے کہ نماز مسجد میں
اوّل وقت میں ادا کرنا چاہیے بلکہ جماعت قائم کرنے کے لیے کیونکہ اگر سعی بالقدم نہ کریگا تو جماعت
جاتی رہیگی یا تکرار جماعت لازم آئے گی اور دونوں مکروہ ہیں اسی لیے حلوانی نے اجابت بالقدم
کو واجب کہا ہے اور جو یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ گھر کے لوگوں کو جمع کرکے وہ گھر ہی میں نماز
پڑھ لے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ مبنی مذہب حلوانی کا ثواب جماعت سے محروم رہنا ہے اور یہ صورت
بدعت ہے یا مکروہ ہے ہاں صحیح یہ ہے کہ تکرار جماعت مکروہ نہیں جبکہ پہلی جماعت کی ہیئت پر نہو اور اصح یہ ہے
کہ اگر اپنے گھر کے لوگوں کو جمع کرکے نماز پڑھ لے تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے اور فضیلت جماعت اس سے بھی
حاصل ہو جائیگی لیکن جماعت مسجد افضل ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اجابت بالقدم اور سعی الی المسجد

کے وجوب کی برائے صحیح کوئی وجہ نہیں ہر مگر یہ ہی کہ ترک سعی سے جماعت فوت ہوتی ہو اور اجابت لسانی سو اس حدیث سے اسکا واجب ہونا ثابت ہی کہ اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن یعنے جب اذان کی آواز سنو تو وہی کہو جو موذن کہ رہا ہو اسکو بخاری و مسلم و اصحاب سنن نے روایت کیا ہی و اللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی

سوال ایک حافظ کا داہنا ہاتھ کہنی کے پاس سے کٹا ہے تو اُسکے پیچھے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں اگر مقتدی علم میں یعنے مسئلہ وغیرہ جاننے میں اُس سے کم یا زیادہ یا برابر ہے تو ان حالتوں میں کب نماز مکروہ نہو گی اگر ایک شخص حافظ نہیں ہی مگر مسئلہ میں آگاہی رکھتا ہی بلکہ اس حافظ کے برابر جانتا ہے تو ایسی حالت میں اگر وہ اس حافظ کے پیچھے نماز پڑھے تو وہ مکروہ ہے یا نہیں **جواب** مکروہ نہیں ہی **سوال** بعض لوگ کہتے ہیں اگر مخاطبین عجمی ہوں کہ سب عربی نہ سمجھ سکتے ہوں یا بعض نہ سمجھ سکتے ہوں تو خطیب کو عربی خطبہ کا ترجمہ کر دینا چاہیے کیونکہ خطبہ کا مقصد تذکیر و ابلاغ ہی نہ صرف سُنا دینا پس اگر مطلب نہ سمجھا یا تو تذکیر اور ابلاغ کیسے حاصل ہوگا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین چونکہ عرب تھے وہ سب عربی سمجھتے تھے اسلئے انکو عجمیوں کی طرح ترجمہ کی احتیاج نہ تھی اور اب چونکہ ترجمہ کی حاجت ہے لہذا اگر ترجمہ نہو تو خطبہ بیکار ہو جاتا ہے اور اُسکا عدم اور وجود برابر ہوا جاتا ہے لہذا ترجمہ فرض ہی خطبہ بغیر اسکے درست نہیں ہی اب علماء دین کی خدمت میں سوال یہ ہی کہ قائل کا یہ قول درست ہی یا نہیں **جواب** الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالے فرماتا ہے ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین ما لم یاذن به الله یعنے کیا اُن لوگوں کے لئے شریک ہیں جنھوں نے اُن کے واسطے دین کی وہ باتیں شروع کی ہیں کہ جنکی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی پس جو شخص قرب الٰہی کے لیے خدا کی نہ مشروع کی ہوئی بات ایجاد کرے اُس نے ایسے امر کو مشروع کیا جسکی اجازت خدا نے نہیں دی اور اس سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے مجمعوں اور جمعوں کے خطبوں میں ڈرایا ہے صحیح مسلم میں جابر سے مروی ہے کان رسول الله صلے الله علیه وسلم اذا خطب احمرت عیناه وعلا صوته واشتد غضبه حتی کانه منذر جیش یقول صبحکم ومساکم ویقول بعثت انا والساعة کهاتین ویقرن بین اصبعیه السبابة والوسطے ویقول اما بعد فان خیر الحدیث کتاب الله وخیر الهدی هدی محمد و شر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة وفی روایة النسائی وکل ضلالة فی النار یعنے حضور سرور انبیا علیه التحیة والثنا جب خطبہ

پڑھتے آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں آواز تیز ہو جاتی اور غصہ زائد ہو جاتا ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں پھر فرماتے تم پر صبح کو یا شام کو غنیم چڑھائی کرے گا اور کہتے کہ میں اور قیامت دونوں اِن دونوں انگلیوں کی طرح قریب قریب بھیجے گئے ہیں اور کلمہ کی اور بیچ والی انگلیوں کو ملا دیتے اور فرماتے کہ بہترین گفتگو خدا کی کتاب ہے اور برترین ہدایت محمدؐ کی ہدایت ہے اور بدترین اُمور نئی باتیں ہیں اور نئی بات گمراہی ہے اور نسائی کی روایت میں ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے اور یہی صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد وفی لفظ الصحیحین من احدث فی امرنا ما لیس منہ فھو رد وفی الحدیث الصحیح الذی رواہ اھل السنن عن عرباض بن ساریۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ یعنے جسنے کوئی ایسا کام کیا جسکا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے اور صحیحین میں ہے جس نے ہمارے حکم میں کچھ زیادتی کی وہ مردود ہے اہل سنن نے ایک حدیث عرباض ابن ساریہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہیگا وہ عنقریب سخت اختلافات دیکھے گا اُسوقت تمہیں میری اور خلفاے راشدین کی سنت پر عمل کرنا چاہیے اُس سے تمسک کرنا چاہیے اور اُسے آگے کے دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہیے اور نئی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ ہر نئی بات گمراہی ہے۔ یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے جسے سنت اور جماع نے قرآن شریف کے بعد کیا ہے یہی واضح رہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا ارشاد کل بدعۃ ضلالۃ کلیہ ہے جو عام ہے اور اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضور فداہ ابی وامی کا مقصد بھی تعمیم ہے جس سے عدول کرکے اس حدیث میں کسی قسم کی تخصیص ناروا ہے اس حدیث سے بدعات سیئہ و حسنہ سب کا ضلالت ہونا ثابت ہوتا ہے پس اصل تو یہی ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر باقی رہے اور جس چیز کا حسن ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہے لہذا عموم بلا تخصیص باقی ہے اور جس چیز کے حسن میں ظن یا تردد ہو وہ اُسکے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ اُس کا اگر حسن ثابت ہو جائے تو وہ بدعت نہیں ہے ورنہ اس کلیہ میں داخل ہے اور ضلالت ہے عنقریب اسکی تفصیل کلام حضرت عمرؓ نعمت البدعۃ ھذہ کے معنے کے بیان

میں آئے گی اور اصل بات کہ جسپر امام احمدؒ وغیرہ نے اپنا مذہب مبنی کیا ہے یہ ہے کہ خلق کے اعمال دو طرح کے ہیں ایک عبادات جو دینی ہیں دوسرے عادات جو دنیاوی زندگی کے لیے ضروری ہیں پس عبادات میں تو جو کچھ خدا نے مشروع کیا ہے اُس سے زائد غیر مشروع ہے اور عادات میں جس سے خدا نے منع فرمایا ہے اسکے علاوہ کسی اور چیز کو ممنوع نہ کرنا چاہیے اور بدعت کا حمل منہی عنہ پر کرنا اس حدیث کو بیکار کر دینا ہے اور لفظ بدعت مع اپنے معنے کے محض بے اثر ہوا جاتا ہے اور نصوص کو بیکار کر دینا تحریف والحاد ہے تاویل نہیں ہے اور اسکا قائل تاویل کرنا نہیں چاہتا محض دھوکا دینا چاہتا ہے کیونکہ بدعت اور نہی خاص ہیں عموم و خصوص من وجہ ہے کیونکہ ہر بدعت منہی عنہ نہی خاص نہیں ہے اور ہر منہی عنہ نہی خاص بدعت نہیں ہے تو اب ایک بول کر دوسرا مراد لینا دھوکا نہیں تو اور کیا ہے یہ ویسا ہی ہے جیسے اسپ کہیں اور فرس مراد لیں یا بالعکس تو معلوم ہوا کہ یہ تاویل قطعاً فاسد ہے اسپر حدیث کو محمول کرنا جائز اور حدیث میں ہے کل امر لیس علیہ امرنا فھو رد اگر اسکو شکل کا کبریٰ بنا کر یوں کہو ھذا امر لیس علیہ امر النبی صلعم و کل امر لیس علیہ امرہ فھو رد تو نتیجہ یہی نکلے گا ھذا امر رد پس معلوم ہوا کہ کوئی فعل و قول و اعتقاد جو مشروع نہیں ہے مردود ہے جامع ترمذی میں ہے قال اسحٰق فی التثویب غیر ھذا قال ھو شئ احدثہ الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اذن المؤذن فاستبطأ القوم قال بین الاذان والاقامۃ قد قامت الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح وھذا الذی قال اسحٰق ھو التثویب الذی کرھہ اھل العلم والذی احدثوہ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وروی عن مجاھد قال دخلت مع عبد اللہ بن عمر مسجداً وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبد اللہ بن عمر من المسجد وقال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع ولم یصل فیہ وانما کرہ عبد اللہ بن عمر التثویب الذی احدثہ الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ سمعت عبد الرحمن بن مھدی یقول لو افتتح الرجل الصلوٰۃ بتسعین اسماً من اسماء اللہ تعالیٰ ولم یکبر لم یجزہ الا ان قال انما الامر علی وجھہ انتہی قال مالکؒ لا یصلح اخر ھذہ الامۃ الا ما اصلح اولھا وفی لسنن الدارمی اخبرنا الحکم بن المبارک اخبرنا عمرو بن یحیی قال

سمعت ابی یحدث عن ابیہ قال کنا نجلس علی باب عبد اللہ بن مسعود قبل صلوٰۃ الغداۃ فاذا خرج مشینا معہ الی المسجد فجاءنا ابو موسی الاشعری فقال اخرج الیکم ابو عبد الرحمٰن بعد قلنا لا فجلس معنا حتی خرج فلما خرج قمنا الیہ جمیعاً فقال لہ ابو موسی یا ابا عبد الرحمٰن انی رأیت فی المسجد انفا امرا انکرتہ ولم ار الحمد للہ الا خیرا قال فما ھو ان عشت فستراہ قال رأیت فی المسجد قوما حلقا جلوسا ینتظرون الصلوٰۃ فی کل حلقۃ رجل وفی ایدیھم حصی فیقول کبروا مائۃ فیکبرون مائۃ فیقول ھللوا مائۃ فیھللون مائۃ ویقول سبحوا مائۃ فیسبحون مائۃ قال فما ذا قلت لھم قال ما قلت لھم شیئا انتظار رأیک قال افلا امرتھم ان یعدوا سیئاتھم وضمنت لھم ان لا یضیع من حسناتھم شیء ثم مضی ومضینا معہ حتی اتی حلقۃ من تلک الحلق فوقف علیھم فقال ما ھذا الذی اراکم تصنعون قال یا ابا عبد الرحمٰن حصاء نعد بہ التکبیر والتھلیل والتسبیح قال فعدوا سیئاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیء ویحکم یا امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ما اسرع ھلکتکم ھؤلاء اصحاب نبیکم متوافرون وھذہ ثیابہ لم تبل وآنیتہ لم تکسر والذی نفسی بیدہ انکم لعلی ملۃ ھی اھدی من ملۃ محمد او مفتتحو باب ضلالۃ قالوا واللہ یا ابا عبد الرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید للخیر لم یصبہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا ان قوما یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیھم وایم اللہ ما ادری لعل اکثرھم منکم ثم تولی عنھم فقال عمرو بن سلمۃ رأینا عامۃ اولئک الحلق یطاعنونا یوم النھروان مع الخوارج۔

یعنی اسحٰق نے کہا کہ تثویب ایک شے ہے جسے لوگوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کیا اور وہ یہ ہے کہ جب مؤذن اذان دے چکے تو لوگ چپکے چپکے چلیں اور اذان و اقامت کے درمیان قد قامت الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہیں اور یہ جسے اسحٰق نے تثویب کہا ہے اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کی گئی ہے اہل علم کے نزدیک مکروہ ہے مجاہد سے روایت ہے کہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ایک مسجد میں گیا وہاں اذان ہو چکی تھی ہم نے نماز شروع کرنے کا قصد کیا تو دیکھا کہ مؤذن تثویب کر رہا ہے پس عبد اللہ بن عمر مسجد سے نکل آئے اور مجھ سے کہا کہ اس مبتدع کے پاس سے چلے آؤ اور اس مسجد میں نماز نہیں پڑھی عبد اللہ بن عمر تثویب کو جو حضور روحی فداہ

کے بعد ایجاد کی گئی ہے مکروہ جانتے تھے میں نے عبدالرحمن ابن مہدی سے اسکے بارے میں سنا ہے
کہ وہ کہتے تھے اگر کسی شخص نے خدا کا کوئی اور نام لیکر نماز شروع کر دی اور تکبیر نہ کہی تو یہ نا کافی ہے
یہان تک کہ اُنھوں نے یہ کہا کہ حکم اسی طریقے پر ہے انتہیٰ مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے اس امت کی آخری
اصلاح اُس سے ہوگی جس سے ابتدائی اصلاح ہوئی سنن دارمی میں ہے خبر دی ہمکو حکم بن مبارک نے
انکو عمرو بن یحییٰ نے کہا عمرو بن یحییٰ نے میں نے اپنے باپ سے سنا وہ اپنے باپ سے روایت کرکے کہتے تھے کہ ہم
ابن مسعود کے دروازے پر بیٹھے تھے وہ گھر سے نکلے اور ہم انکے ساتھ مسجد کو چلے تب ابو موسیٰ اشعری ہمارے
پاس آئے اور ہم سے پوچھا کیا ابو عبدالرحمن تمھارے پاس آئے تھے ہم نے کہا نہین وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے
کہ اتنے میں ابو عبدالرحمن آگئے اور ہم سب انکے پاس چلے گئے اور ابو موسیٰ نے اُن سے کہا اے ابو عبدالرحمن میں نے
مسجد میں ابھی ایک بُری بات دیکھی حالانکہ بحمد اللہ ابھی تک میں نے کوئی بُری بات نہیں دیکھی تھی ابو
عبدالرحمن نے پوچھا وہ بات کیا ہے اگر تم زندہ رہوگے تو عنقریب اور بُری باتوں کو دیکھوگے اُنھوں نے کہا میں نے
مسجد میں ایک گروہ کو دیکھا جو حلقہ باندھے بیٹھا نماز کا انتظار کر رہا تھا سب کے ہاتھوں میں سنگریزے تھے اور ہر حلقے کے
بیچ میں ایک آدمی تھا جو کہتا تھا سو مرتبہ تکبیر کہو سب سو مرتبہ تکبیر کہتے پھر وہ کہتا سو مرتبہ تہلیل کہو وہ سب سو مرتبہ
تہلیل کہتے پھر وہ کہتا سو مرتبہ تسبیح کہو اور وہ لوگ ایسا ہی کرتے ابو عبدالرحمن نے کہا کہ پھر تم نے اُن سے کیا کہا
ابو موسیٰ اشعری نے جواب دیا کہ میں نے اُن سے کچھ نہیں کہا میں تو تمھارے انتظار میں تھا ابو عبدالرحمن نے کہا
کہ تمھیں اُن سے کہنا چاہیئے تھا کہ بجائے اسکے وہ اپنی بدیاں شمار کریں اور میں اسکا ضامن ہوں کہ اُنکی نیکیان
کم نہونگی پھر وہ چلے اور ہم سب اُن کے ہمراہ ہوئے یہانتک کہ وہ ایک حلقے کے پاس پہونچے وہان کھڑے ہوئے
اور کہا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو جواب ملا کہ اے ابو عبدالرحمن یہ کنکریاں ہیں جن سے ہم تکبیر و تہلیل و تسبیح کو گنتے
ہیں اُنھوں نے کہا بجائے اسکے تم اپنے گناہوں کو گنو میں ذمہ داری کرتا ہوں کہ تمھاری نیکیان کم نہونگی اے
امت محمد (روحی فداہ) یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم اسقدر جلد ہلاک ہوگئے حالانکہ ابھی بہت سے صحابی موجود
ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپکے برتن بھی ابھی تک نہیں
ٹوٹے میں بخدا تم ملت ہدیٰ محمدی پر ہو جو دافع ضلالت ہے اُنھوں نے کہا اے ابو عبدالرحمن ہمارا مقصد نیک ہے
اُنھوں نے کہا کہ بسا اوقات آدمی نیکی کا قصد کرتا ہے اور اُس تک نہیں پہونچ سکتا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک قوم ایسی ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن اُنکے حلقوں کے نیچے نہ اُتریگا میرے

خیال میں تم جن کے اکثر اُنھیں میں سے ہیں پھر وہاں سے واپس چلے آئے تو عمرو بن سلمہؓ نے کہا کہ میں نے
ان حلقوں کے اکثر لوگوں کو یوم نہروان میں خوارج کے ساتھ ہم لوگوں سے نیزہ بازی کرتے دیکھا ہے انتہیٰ
اور کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ بعد کو جو امور نکالے گئے ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے اسکو مصلحت
جانا کر سبب اُس کا سخت احتیاج ہے اگرچہ اُسکا احداث زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
بعد ہی ہوا ہے تو وہ جائز ہے اگر اُسکا سبب کوئی ایسا امر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانے میں موجود تھا اُسپر کچھ زیادتی نہیں کی گئی ہے یا کوئی ایسا امر ہے جسے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ
والثنا نے کہا پھر کسی علت سے چھوڑ دیا جو حضور کی وفات کے بعد زائل ہو گئی تو ایسے عمل کا ایجاد بھی جائز
سمجھی جائیگی اور اگر اُس امر کے ایجاد کی کوئی مصلحت اور سبب نہیں ہے یا ایسا سبب ہے جو حضور سرور
کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے زمانے میں موجود نہ تھا یا موجود بلا معارض و مانع تھا لیکن پھر بھی آپ نے
اُس امر کو نہیں نکالا تو ایسے کام میں کوئی حسن نہیں ہے بلکہ وہ بدعت اور ضلالت ہے اسکے لیے کسی نہی کی
ضرورت نہیں ہے اور اگر ایسے امر میں مصلحت ظاہر ہو لیکن خرابی غیر معلوم ہو تو کہا جائیگا کہ اس میں لوگوں
کا نفع بھی ہے اور نقصان بھی لیکن نقصان زائد ہے ورنہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اسکو ضرور کرتے
اور جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو ترک کیا حالانکہ اُس کا مقتضی موجود اور مانع
زائل تھا تو اسکا ترک ہی سنت ہے اسکے مقابلے میں کوئی قیاس قابل سماعت نہیں ہے اب تراویح اسی
قسم میں داخل ہے جسے آپنے باوجود مقتضی موجود ہونیکے ایک مانع کی بدولت ترک کیا تھا جو آپکی وفات سے زائل ہو گیا [illegible]
لوگ مسجد میں اُس وقت الگ الگ نماز پڑھا کرتے تھے اور چوتھی یا تیسری رات [illegible]
میں اس خیال سے نہیں آیا کہ مبادا یہ تم پر فرض ہو جائے تو اب تم لوگ گھر ہی میں پڑھ لیا کرو
کیونکہ فرض کے علاوہ اور نمازیں مرد کی اُسکے گھر ہی میں افضل ہیں تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ [illegible]
وسلم نے اس طرح جمع ہو کر تراویح پڑھنے کی علت باوجودیکہ مقتضی موجود تھا خوف فرضیت کو بتایا جو آپکی
وفات کے بعد معدوم ہو گیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کو ہیئت موجودہ پر کر دیا تو اب
یہ بدعت محض لغت کے اعتبار سے ہوئی کیونکہ لغت میں ہر نئی بات بدعت ہے اور شرعاً بدعت نہیں ہوئی
کیونکہ سنت سے اُسکا عمل صالح ہونا ظاہر ہے اور معارض بعد وفات زائل ہے اور کلام رسول اور
کلام فاروقؓ میں کوئی معارضہ نہیں اور حضرت فاروقؓ نے بھی اسے باعتبار لغت ہی کے

بدعت فرمایا ہے نہ شریعت کے اعتبار سے کیونکہ لغت میں بدعت ہر بے مثال اور ابتدائی فعل کو
شامل ہر اور شرعاً بدعت وہی ہی جسپر کوئی شرعی دلیل موجود نہو تو جس فعل کے استحباب
پر یا بعد وفات ایجاب پر یا مطلقاً ایجاب پر دلیل موجود ہو مگر عمل بعد وفات ہی ہو مثلاً
کتاب صدقہ جسے حضرت ابوبکرؓ نے ایجاد کیا تو جب بعد وفات اسپر عمل کیا گیا تو باعتبار لغت
اسے بدعت کہہ سکتے ہیں لیکن یہ شرعاً بدعت نہیں کیونکہ کتاب یا سنت اسپر دال ہر تو باعتبار لغت
بدعت شرعی بدعت سے عام ہر اور یہ ظاہر ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے قول کل بدعۃ
ضلالۃ میں بدعت سے مطلقاً امر جدید مراد نہیں ہر ورنہ اسلام بلکہ ہر دین جسکو رسول لیکر آئے
ہیں جدید ہر اسیطرح جمع قرآن کہ اُسکے لئے بھی تا حیات نبوی مانع موجود تھا۔ کیونکہ وحی برابر نازل
ہوتی رہتی تھی اور خدا تعالےٰ اُس میں جو چاہتا تھا متغیر فرماتا تھا اور جو چاہتا تھا ثابت رکھتا
تھا پس اگر قرآن جمع کرلیا جاتا تو پھر تغیر و تبدل دشوار ہو جاتا۔ لیکن حضور کی وفات کے
بعد جب زیادتی و کمی سے اطمینان ہوگیا تب قرآن جمع کرلیا گیا تو حقیقتہً یہ سنت پر عمل ہر
گو لغتہً اُسے بدعت کہہ سکتے ہیں اور اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں باقی جس فعل کا مقتضی
بلا مانع زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھا لیکن پھر بھی اُسکو مشروع نہیں کیا وہ عیدین کی
اذان ہے جسکو بعض امرانے بعد میں بدعت کے طور پر جاری کیا مگر مسلمانوں نے بدعت کی وجہ سے
اسکا انکار کیا پس اگر اسکا بدعت ہونا دلیل عدم جواز نہ ہوتی تو کہہ سکتے تھے کہ اس میں
ذکر خداوندی ہر امر خیر کی جانب بلاتا اسکی مصلحت ہے تو یہ آیات واذکروا اللہ کثیرا اور من
احسن قولا ممن دعا الی اللہ کے تحت میں داخل ہر اور اُسکا قیاس جمعہ کی اذان پر بھی کیا جا سکتا
تھا تاہم باوجود اسکے چونکہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے جمعہ میں اذان دلوائی لیکن
عیدین میں ایسا نہیں کیا اسی لیے عیدین میں اُسکا ترک کرنا ہی سُنت ٹھہرا
اور اس میں زیادتی کرنا ویسا ہی ہے جیسے نماز و روزہ کی تعداد میں اور حج کے مہینوں میں
کچھ زیادتی کرنا اور جو کچھ مصلحتیں اور دلیلیں پیش کیجائیں گی وہ زمانۂ نبوی میں بھی موجود تھیں
مگر باوجود اسکے آپنے اس فعل کو اختیار نہیں کیا اسلئے جب بعضے امرانے عیدین میں اذان دلوائی تو
لوگوں نے اُسے بُرا سمجھا اور بدعت کہا اور عیدین کے قبل خطبہ پڑھنا بھی ایک بدعت ہر جسکا سبب

و مقتضی بھی زمانۂ نبوی میں موجود نہ تھا بعض امرا نے اسے ایجاد کیا اور جب یہ بدعت بنا یا گیا تو
یہ عذر پیش کیا کہ لوگ خطبہ سننے کے قبل ہی جانا شروع کر دیتے ہیں اور زمانۂ نبوی میں ایسا
نہیں ہوتا تھا اسکا جواب اُس امیر کو یہ دیا گیا کہ اسکا باعث تمہاری ہی زیادتی ہے کیونکہ حضور سرور
کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے خطبے کا منشا تبلیغ وہدایت ونفع مومنین ہوا کرتا تھا اور تمہارا
منشا اپنی ریاست کا اظہار ہوتا ہے اگر تم بھی صلاح دین کا قصد کرلو تو ایسا نہ ہو پس اب تم
اپنے ایک گناہ کی بدولت دوسرے گناہ کو کس طرح درست سمجھ لیتے ہو اسکا دفعیہ تو یوں ہو سکتا
ہے کہ تم توبہ کرو اور سنت رسول کی اتباع کرو اور اگر پھر بھی حالت درست نہو تو تم اپنے افعال کے
ذمہ دار ہو دوسروں سے تم سے کیا علاقہ کیونکہ تمہارا نفس ہی مکلف ہے تم سے تو صرف تمہارے
اعمال سے بازپرس ہوگی نہ دوسروں کے اعمال سے قرآن میں ہے علیکم انفسکم لا یضرکم من
ضل اذا اھتدیتم الآیۃ یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسھا الآیۃ یعنے تم اپنے نفس کو لازم پکڑو
تم کو وہ لوگ ضرر نہ پہونچا ئینگے جو گمراہ ہو گئے بشرطیکہ تم ہدایت پر ہو اور فرمایا کہ جس دن ہر نفس
اپنے نفس سے مجادلہ کریگا آخر تک اسیطرح عیدین اور جمعہ کے خطبوں کے متعلق اس تجویز کا حال ہے
کہ دوسری زبانوں میں ہو یا ترجمہ دوسری زبان میں ہو اور اُسکے متعلق یہ عذر کیا جاتا ہے کہ
مخاطبین زبان عربی سے ناواقف ہوتے ہیں عجمی زائد ہو گئے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اسکا باعث
کیا ہے ہم تعلیم عربی یعنے اُس زبان سے غافل ہو گئے ہیں جس میں خدا کا قرآن نازل ہوا
تو اب ہم اپنی ہی غلطی کی وجہ سے بدعت میں مبتلا ہو رہے ہیں صحابہؓ کو باوجودیکہ تذکیر و
تبلیغ کے ضروریات بہت تھے اور فتح بلاد فارس کے بعد انکے یہاں بھی عجمیوں کی تعداد بڑھ گئی
تھی لیکن غیر زبان عربی میں کبھی خطبہ یا اُسکا ترجمہ ثابت نہیں ہوا۔ اور اگر یہ مصلحت مان لیجائے
تو لازم آئیگا کہ صحابہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا تو تبلیغ کے طریقوں سے ناواقف تھے یا
اسلام کو کچھ لوگوں سے چھپانا چاہتے تھے یا تبلیغ و تذکیر میں جو خطبہ کا اصل مقصد ہے کوتاہی کرتے تھے
اور یہ سب امور جو لازم آتے ہیں باطل ہیں تو معلوم ہوا کہ مقتضی یعنی تبلیغ عام اور سب مخاطبوں کو
سکھانا خواہ عربی ہوں یا عجمی حضور کے زمانے میں موجود تھا اور کوئی مانع نہ تھا پھر بھی زبان
عربی کے کہ جو اسلام کا شعار اور قرآن کی زبان ہے باقی رہنے اور لغت کے فنا نہ ہونے کے لیے

اسپر عمل نہ ہوتا تھا اور اُسکی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عجمیوں کی زبان سے ممانعت
کرنے میں آجائیگی کہ آپ کا فرمان ہے کہ تم لوگ زبان عربی کو اختیار کرو اور اُسکو عجمی زبان
کے شائبہ سے صاف رکھو تو اب خطبہ کا عربی میں ہونا شرائط وسنن خطبہ میں سے ہوا کہ خطبہ
کا دوسری زبان میں ہونا یا اُسکا ترجمہ کرنا شر امور میں سے ہے اور اس سے خدا ورسول
راضی نہیں اس لئے اہل علم نے صحت خطبہ اور ادائے سنت کے لیے عربی زبان کی شرط کی ہے
امام نووی نے اذکار میں کہا ہے ویشترط کونہا یعنی خطبۃ الجمعۃ وغیرہا بالعربیۃ اور جمعہ
وغیرہ کے خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مصفٰی شرح موطا
میں لکھا ہے ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنہم وہلم جرا فتنقیحہا
وجود اشیاء فیہا الحمد والشہادتین والصلوٰۃ علی النبی والامر بالتقوی وتلاوۃ ایۃ
والدعاء للمسلمین والمسلمات وکون الخطبۃ عربیۃ الی ان قال اما کونہا عربیۃ فلاستمرار عمل المسلمین
فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین یعنی نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم اور خلفا رضی اللہ عنہم کے خطبوں پر غور کرنے سے اتنے امور مشترک نکلتے ہیں۔ حمد وصلوٰۃ شہادتین
امر بالتقوی۔ تلاوت قرآن۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا اور اس کا عربی زبان میں ہونا
پھر آگے چلکر کہتے ہیں کہ عربی میں ہونے پر مشرق ومغرب کے تمام مسلمانوں کا عملدرآمد ہے باوجودیکہ بہت سے
اقالیم میں مخاطبین عجمی تھے۔ بیہقی نے باسناد صحیح روایت کی ہے قال عمر رضی اللہ عنہ لا تتعلموا رطانۃ
الاعاجم ولا تدخلوا علی المشرکین فی کنائسہم یوم عیدہم فان السخط تنزل علیہم یعنی حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عجمیوں کی گفتگو نہ سیکھو اور مشرکوں کے کنیسوں میں اُنکی عید کے دن
نہ جاؤ کیونکہ خدا کا غضب اُنپر نازل ہوتا ہے۔ اور بیہقی نے باسناد محمد بن سیرین نے روایت کی ہے قال
اتی علی رضی اللہ عنہ بہدیۃ النیروز قال ما ہذہ قالوا یا امیر المؤمنین ہذا یوم النیروز
قال فاصنعوا کل یوم نیروز یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نوروز کے دن ہدیہ لایا گیا آپ نے
پوچھا یہ کیا ہے کہا گیا کہ آج نوروز کا دن ہے آپ نے فرمایا کہ تم ہر دن کو نوروز بنا لو۔ اسامہ کہتے ہیں کہ حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کہنا برا معلوم ہوا کہ آج نوروز ہے بیہقی نے کہا ہے وفی ہذا کراہیۃ لتخصیص یوم
بذلک لم یجعلہ الشرع مخصوصا بہ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ کسی دن کو مخصوص کر لینا جسے شرع نے مخصوص

نہ کیا ہو برا ہے۔ مالکؒ نے کہا ہے فی ما رواہ ابن القاسم فی المدونۃ لا یحرم بالعجمیۃ ولا یدعوا
ولا یحلف قال ونہی عمر رضی اللہ عنہ عن رطانۃ الاعاجم وقال نہا خبؤ یعنے ابن قاسم نے
مدونہ میں روایت کی ہے کہ زبان عجمی میں تحریمہ نہ کہے اور دعا نہ مانگے اور قسم نہ کھاوے اور اُنھوں نے
کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجمیوں کی گفتگو سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ عجم کی زبانیں مکر ہیں
اور ابو محمد کرمانی نے کہا ہے قلت لاحمد فان للفرس ایاما وشہورا یسمونہا باسماء لا نعرف فکرہ
ذلک اشد الکراھیۃ وروی عن مجاھد حدیثا انہ کرہ ان یقال حدما روی قلت فان کان
اسم رجل سمیہ فکرھہ وجہ ذلک کراھۃ ان یتعود الرجل النطق بغیر العربیۃ فان لسان
العربیۃ شعائر الاسلام واھلہ ولغات من شعائر الامم التی بہا تمیزون یعنی میں نے امام احمد
سے کہا کہ پارسیوں نے مہینوں کے نام ایسے رکھے ہیں کہ جنکو ہم نہیں جانتے انکو میری یہ بات سخت
ناگوار ہوئی اور اُنھوں نے مجاہد سے ایک حدیث روایت کی کہ اُنھوں نے عربی کے سوا دوسری
زبان کے الفاظ کو بُرا جانا حتی کہ اگر کسیکا نام عجمی زبان میں ہوتا تو بھی آپ پسند نہ فرماتے کہ مبادا آدمی
کو غیر عربی بولنے کی عادت ہو جائے کیونکہ زبان عربی شعائر اسلام سے ہے اسلئے کہ قوم کی زبان اُسکے
شعائر میں سے ہوا کرتی ہے اسلئے بہت سے فقہا نماز کی دعاؤں اور اذکار کو بھی دوسری زبانوں میں نادرست
سمجھتے ہیں اذکار صلوٰۃ کی دو قسمیں ہیں (۱) قرآن یہ تو غیر عربی میں پڑھا ہی نہیں جا سکتا جمہور کے نزدیک
تھوڑا سا بھی غیر عربی میں درست نہیں اور یہی ٹھیک ہے بلکہ بہتوں کے نزدیک تو کسی سورہ کا ترجمہ کرنا بھی نادرست
ہے اور امام ابو حنیفہ اور اُنکے اصحاب رضی اللہ عنہم میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے اگر پڑھنے والا عربی پر
قادر ہو تو امام ابو حنیفہ اور اُنکے اصحاب میں اختلاف ہے اور اذکار واجبہ جو قرآن کے اندر ہیں اُنکے
ترجمہ کے بارہ میں بھی اختلاف ہے تو اگر کوئی عربی پر قادر نہ ہو اصحاب احمد کے نزدیک اسمیں دونوں قول ہیں
ایک کہ وہ بھی ترجمہ نہیں کر سکتا اور یہی مالک اور اسحٰق کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی
رحمہم اللہ کے نزدیک ترجمہ کر سکتا ہے اور یہ امام احمد سے دوسرا قول ہے اور دوسری قسم اذکار امام مالک اور
اسحٰق اور بعض اصحاب شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک ترجمہ نہیں کر سکتا ہے اور خود امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عربی میں اذکار مکروہ ہیں ناجائز نہیں اور بعض اصحاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک
یہ حکم جب ہے کہ عربی نہ جانتا ہو مجھے گمان ہے کہ احمد سے فارسی میں نماز کی دعا کے متعلق پوچھا گیا

تو انھوں نے اُسے بُرا جانا اور کہا کہ بُری زبان ہے سلفی نے باسناد صحیح محمد بن عبداللہ بن حکم سے روایت کی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا یسمی اللہ الطالبین من فضلہ فی الشراء والبیع تجارا الی قولہ والسماسرۃ اسمہ من اسماء العجم فلا نحب ان یسمی رجل یعرف العربیۃ تاجرا الا تاجرا ولا ینطق بالعربیۃ فیسمی شیئا بالعجمیۃ وذلک ان اللسان التی اختار اللہ عزوجل لسان العرب یعنے اللہ نے اُن لوگوں کا نام جو بیع وشرا میں اُسکے فضل کے طالب ہوتے ہیں تاجر رکھا یہاں تک کہ آگے چلکر کہتے ہیں اور سماسرہ تاجر کا نام عجمی زبان میں ہے پس ہم اسکو پسند نہیں کرتے کہ عالم عربی کا نام کچھ اور بجز تاجر ہو اور وہ عربی میں گفتگو نہ کرے بلکہ کوئی عجمی لفظ بولے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی ہی زبان کو اختیار کیا ہی پس اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ عربی جاننے والے شخص کے لئے دوسری زبان میں نام رکھنا بُرا سمجھتے تھے اسیطرح عربی زبان میں دوسری زبانوں کے الفاظ کی ٹھوسم ٹھاس کو زبانی کمزوری خیال کرتے تھے اور یہ جو ائمہ نے کہا ہی صحابہ اور تابعین سے ثابت ہی اور ابو بریدہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا حضرت عمرؓ نے ما یعلم الرجل بالفارسیۃ الاخب ولا خب الا نقصت مروتہ یعنے آدمی فارسی سے صرف مکر سیکھتا ہی اور مکر سے مروت کم ہوجاتی ہی اور انھوں نے کہا ہی حدثنا وکیع عن ثور عن عطاء قال لا تعلموا رطانۃ الاعاجم یعنے حدیث بیان کی ہمسے وکیع نے اُن سے ثور نے اُن سے عطا نے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عجمیوں کی گفتگو نہ سیکھو اور انھوں نے کہا ہی حدثنا اسمٰعیل بن علیۃ عن داؤد بن ابی ھند ان محمد بن سعید بن ابی وقاص سمع قوما یتکلمون بالفارسیۃ فقال ما بال المجوسیۃ یعنے حدیث بیان کی ہمسے اسمٰعیل بن علیہ نے بروایت داؤد بن ابی ہند کہ محمد بن سعید بن ابی وقاص نے ایک قوم کو فارسی میں باتیں کرتے دیکھکر فرمایا کہ مجوسیوں کا بعد کو کیا حال ہوگا یعنے بُرا حال ہوگا) وقد روی السلفی من حدیث سعید بن علاء البرذعی حدثنا اسحٰق بن ابراھیم البلخی حدثنا عمر بن ھارون البلخی حدثنا اسامۃ بن زید عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من یحسن ان یتکلم بالعربیۃ فلا یتکلم بالعجمیۃ فانہ یورث النفاق ورواہ ایضا باسناد اٰخر معروف الی ابی سھل محمود بن عمر العکبری حدثنا محمد بن الحسن بن محمد المقری حدثنا احمد بن الخلیل ببلخ حدثنا اسحٰق بن ابراھیم الموبری حدثنا عمر بن

ھارون عن اُسامۃ بن زید عن نافع عن ابن عمرؓ عن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من کان یحسن ان یتکلم بالعربیۃ فلا یتکلم بالفارسیۃ فانہ یورث النفاق یعنے سلفی نے سعید بن علاء البرذعی کی حدیث سے روایت کی ہے حدیث بیان کی ہم سے اسحٰق بن ابراہیم بلخی نے اُن سے عمر بن ہارون بلخی نے اُن سے اُسامہ بن زید نے اُن سے نافع نے اُن سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت ابن عمر نے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بخوبی عربی بول سکتا ہو اُسے عجمی زبان میں بات نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے نفاق پیدا ہوتا ہے اسی حدیث کو انھوں نے دوسری اسناد سے یوں روایت کیا ہے حسن نسا اکہ جسمیں بجائے عجمی کے فارسی کا لفظ ہے کہ اُسے فارسی میں کلام نہ کرنا چاہیئے اور یہ کلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کے مشابہ ہے لیکن اسکا مرفوع ہونا البتہ کھٹکتا ہے اور صحابہ کے ایک گروہ سے منقول ہے کہ ہم دو چار فارسی الفاظ بول لیتے تھے لیکن عربی کے سوا دوسری زبان میں گفتگو کے عادی نہ تھے کہ عجمی زبان کسی کی گھریلو یا بازاری زبان نہ تھی اور نہ امرا اور اہل دیوان کی زبان تھی اور نہ احباب کی گفتگوؤں میں عجمی زبان سے کام لیا جاتا تھا کیونکہ یہ سب امور بلاشبہ مکروہ ہیں اسلئے کہ اسمیں عجمیوں سے تشبہ ہے جو مکروہ ہے اسلئے اگلے مسلمانوں نے جب مصر و شام میں (یہاں کے لوگوں کی زبان رومی تھی) اور عراق و خراسان میں (یہاں کے لوگوں کی زبان فارسی تھی)، اور عرض مغرب میں (یہاں کے لوگوں کی زبان بربری تھی) سکونت اختیار کی تو ان لوگوں کو عربی کا عادی بنایا حتی کہ مسلمان اور کافر سب کی زبان عربی ہی ہو گئی پہلے زمانے میں خراسان کا بھی یہی حال تھا لیکن بعد کو تساہل کیا گیا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ آج خراسان کی زبان فارسی ہے اور یہ مکروہ ہے بہتر یہ ہے کہ عربی ہی میں سب گفتگو کے عادی کیے جائیں اسکا طریقہ یہ ہے کہ لڑکوں کو مکتبوں اور گھروں میں عربی سکھائی جائے کیونکہ اس سے شعار اسلام ظاہر ہوتا ہے اور اسکی بدولت مسلمانوں کو کتاب و سنت کے معانی سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور جب کوئی شخص ایک زبان کا عادی ہو جائے تو پھر دوسری زبان کا بولنا دشوار ہو جاتا ہے جاننا چاہیئے کہ زبان عقل اور عادت اور دین پر بھی قوی اثر کرتی ہے زبان کے بولنے میں مسلمانوں کے ابتدائی زمانے کی مشابہت ہے یعنے صحابہ اور تابعین کے زمانے کی اور انکی مشابہت سے عقل اور دین میں زیادتی ہوتی ہے علاوہ بریں خود لغت عربی دین میں سے ہے اور اسکا سیکھنا واجب ہے کیونکہ کتاب و سنت کا حکم بغیر عربی لغت کے جانے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتا اور یہ واجب

اور جس کے بغیر واجب نہ تمام ہو وہ بھی واجب ہے تو زبان عربی کا سیکھنا بھی واجب ہے اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کی ہے حدثنا عیسٰے بن یونس عن ثور عن عمر عن عمر بن یزید قال کتب عمر الی ابو موسیٰ اما بعد فتفقھوا فی السنة وتفقھوا فی العربیة واعربوا القرآن فانہ عربی وفی حدیث اخر عن عمر قال تعلموا العربیة فانھا من دینکم یعنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ کو لکھا کہ سنت اور عربی زبان اور اعراب قرآن (کیونکہ یہ بھی عربی ہے) میں غور کرو اور حضرت عمر نے فرمایا ہے عربی سیکھو کیونکہ وہ تمھارے امور دینیہ سے ہے جو شخص عربیت کا تفقہ کرے اور شریعت کا اللہ تعالٰے دونوں کو جمع کر دیگا اسکی وجہ یہ ہے کہ دین میں یا اقوال ہیں یا اعمال اقوال تفقہ عربی سے سمجھے جاتے ہیں اور اعمال تفقہ سنت سے روی ابوداؤد من حدیث محمد بن اسحق عن داؤد بن حصین عن عبدالرحمن بن ابی عقبة وکان مولی من اھل فارس قال شھدت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم احدا فضربت رجلا من المشرکین فقلت خذ ھذا وانا الغلام الفارسی فالتفت الی فقال ھلا قلت خذھا منی وانا الغلام الانصاری یعنے ابوداود نے روایت کی ہے کہ ابن ابی عقبہ جو ایک فارسی غلام تھے کہتے ہیں کہ میں جنگ اُحد میں حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا جب میں ایک کافر مشرک کے پاس پہونچا تو میں نے اُس سے کہا یہ لے اور میں فارسی غلام ہوں تو حضور میری طرف متوجہ ہوے اور فرمایا کہ تمنے یہ کیوں نہیں کہا کہ میں ایک انصاری غلام ہوں اب دیکھنا چاہیئے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیة والثنا نے انصار کی جانب انتساب کو پسند کیا حالانکہ غلام انصار سے تھے اسلئے نسب غلامی کا تھا اور فارس کی طرف اُنکی حقیقی نسبت کو ناپسند فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکو کسقدر عربیت میں غلو تھا اکثر ھذا ماخوذ تلتقط من کتاب اقتضاء صراط المستقیم للشیخ ابن تیمیة مختصرا یعنے پس جب صحابہ عادةً عجمی زبانوں میں گفتگو کو اُس شخص کے لئے جو عربی جانتا ہو اسقدر ناپسند فرماتے ہیں اور حسب امکان عربی تعلیم کا حکم دیتے ہیں تو شعائر دین مثلاً اذان و نماز وغیرہ میں کسطرح پسند فرماسکتے ہیں اب خطبہ و تلبیہ جسکا منشا تذکیر و تبلیغ اور ترغیب و ترہیب ہے خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے اگر عجمی آج نہیں سمجھتے تو اس زمانے میں بھی نہیں سمجھتے تھے لیکن خطبہ پڑھنے والوں اور اذان دینے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو ترجمہ کرنیکی حاجت محسوس نہ ہوتی تھی اور نہ عجمی لوگ یونہیں ان امور سے آزاد چھوڑ دیے جاتے تھے بلکہ اُنکو عربی سیکھنے کی عادت ڈالی جاتی تھی لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ

المشرکون یعنی تاکہ تمام دینوں پر اس دین کو غلبہ رہے اگرچہ مشرک لوگوں کو کتنا ہی ناگوار ہو اور دین کے
مصالح کو سائل کے خیال پر ترجیح دیتے تھے والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا
عنہ یعنے وہ لوگ جنھوں نے انکا اتباع خوبی کے ساتھ کیا خدا تعالیٰ اُن سے خوش اور وہ خدا تعالےٰ
سے خوش ہوئے اور عربی وعجمی کو ملا دینے میں ایک اور یہ بھی خرابی ہے کہ خطبہ طویل ہو جائیگا جس سے حضورؐ
نے منع فرمایا ہے اور اسکی بدولت لوگ گھبرا جائینگے اور دوسری باتوں میں مشغول ہو جائینگے جس پر حضورؐ نے
اسقدر ناراضگی ظاہر کی ہے کہ اتنی اور کسی دوسرے امر پر نہیں ظاہر کی مسلم نے عمار سے روایت کی ہے
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من
فقہہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ یعنی میں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ نماز میں
طوالت اور خطبہ میں اختصار آدمی کی سمجھداری کی دلیل ہے پس نماز میں طوالت اور خطبہ میں اختصار
کرو ظاہر ہے کہ اس خطبے کے اختصار کرنے کا حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا حکم ہے جس کی مخالفت
باوجود علم کے مومن کی شان نہیں ہے۔ مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے ان عبد اللہ بن مسعود
قال لانسان انک فی زمان کثیر فقہاؤہ قلیل قراؤہ تحفظ فیہ حدود القرآن ویضیع
حروف قلیل من یسأل کثیر من یعطی یطیلون فیہ الصلوٰۃ ویقصرون الخطبۃ یبتدؤن اعمالھم
قبل اھوائھم وسیاتی علی الناس زمان قلیل فقہاؤہ کثیر قراؤہ یحفظ فیہ حروف القرآن و
تضیع حدودہ کثیر من یسأل قلیل من یعطے یطیلون فیہ الخطبۃ ویقصرون الصلوٰۃ یبتدؤن
فیہ اھوائھم قبل اعمالھم قولہ یقصرون الخطبۃ قال ابو عمر کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم یأمر بذالک دالے بقصر الخطبۃ) ویفعلہ وکان یخطب بکلمات قلیلۃ طیبۃ وکرہ التشدق
والموعظ انما المعتبر ما حفظ وذلک لا یکون الا مع القلۃ وقال ابن مسعود یتخولنا بالموعظۃ
مخافۃ السامۃ والعیان فی اھل الزمان علی صحۃ معنی ھذا الحدیث کالبرھان وربنا الرحمٰن
المستعان والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنے عبد اللہ بن مسعود نے ایک شخص سے کہا تم
ایسے زمانے میں ہو جس میں فقہا بہت قرا کم ہیں اور حدود قرآن کی حفاظت کیجاتی ہے حروف قرآن کا لحاظ نہیں
کیا جاتا سوال کرنے والے کم ہیں دینے والے بہت ہیں نماز طویل ہوتی ہے اور خطبہ مختصر پہلے کام کیا جاتا ہے
پھر اپنی خواہشیں پوری کی جاتی ہیں عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جس میں فقہا کم اور

قرا بہت ہونگے حروف قرآن کی تو حفاظت کی جائے گی مگر حدود قرآن ضائع کیے جائیں گے مانگنے والے بہت دینے والے کم ہونگے خطبے بڑے بڑے ہونگے اور نمازیں مختصر اپنی خواہشیں پہلے پوری کی جائیں گی اور اعمال بعد کو یقصرون الخطبۃ کے تحت میں حضرت ابو عمرؓ نے کہا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قصر خطبہ کا حکم دیتے اور خود بھی ایسا ہی کرتے کہ بہت کم اور صاف الفاظ میں خطبہ پڑھتے اور کھینچنے جاتے کو برا سمجھتے کیونکہ نصیحت وہی ہے جو یاد رہے پس جب تک مختصر نہو گی یاد کیسے رہے گی ابن مسعودؓ نے کہا ہے کہ آپ ہمکو نصیحت بہت مختصر الفاظ میں کرتے کہ مبادا دشوار ہو جائے زمانے کی حالت کا معاینہ خود ہی اسکی تصدیق کرتا ہے یہاں پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ابن حاج مالکی کے قول کو بھی نقل کر دیں جو انھوں نے اپنی کتاب مدخل صفحہ ۱۳۳ میں فرمایا ہے وہ کہتے ہیں۔ وینبغی بل یتعین ان لاینسخ الختمۃ بلسان العجم لان اللہ عزوجل انزلہ بلسان عربی ولو ینزلہ بلسان العجم ولقد سری ھذا بعض الناس فی ھذا الزمان حتی انھم لیعدون قرأۃ القران بالعجمیۃ ونسخ الختمۃ بھا من الفضیلۃ وبعضھم یجمع فی الختمۃ الواحدۃ بین رکنہا باللسان العربی واللسان العجمی فیکتب الآیتین والثلث باللسان العربی ثم یکتبہا بعدھا باللسان العجمی وھذا مخالف لما اجمع علیہ الصدر الاول والسلف الصالح والعلماء واذا کان ذلک کذلک فتعین علیہ ان لا یعرج علی قول من اجاز ذلک فلیحذر ذلک یعنے یہ ضروری ہے کہ قرآن عجمی زبان میں نہ لکھا جائے کیونکہ خدا نے عربی ہی میں نازل کیا ہے اور اس زمانے میں بعض لوگوں نے اسکی مخالفت کی ہے حتی کہ اُنکے خیال میں قرآن عجمی زبان میں پڑھنا اور لکھنا ہی افضل ہے اور بعضے لوگ کتابت اور رکن یعنے قرأت کو ایک ساتھ جمع کر دیتے ہیں پس دو یا تین آیتیں عربی میں لکھکے باقی عجمی زبان میں لکھتے ہیں اور یہ اجماع قرن اول اور سلف صالح اور علماء کے خلاف ہے پس جو لوگ اسے جائز سمجھتے ہیں اُنکے قول پر اعتماد نہ چاہیے واللہ اعلم۔ ما احسن ہذا الجواب القرین بالصواب واقعی خطبہ کا دوسری زبان میں پڑھنا کل ہو یا بعض مکروہ اور خلاف سنت ہے کیونکہ قرن اول میں ایسا ثابت نہیں ہے باوجودیکہ ضرورت اسوقت بھی تھی خصوصاً جب ممالک فتح ہوئے اور اسلام دوسری جگہوں میں پھیل گیا اور حاضرین کے نہ سمجھنے سے خطبہ میں تغیر نہیں ثابت ہوئی بلکہ تعلم زبان عربی کا ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے اور

جو لوگ نہ سیکھ سکیں اُن کے لئے خاموش بیٹھنا اور سننا ہی کافی ہے اس کی زائد تفصیل میرے رسالہ آکام النفائس فی ادا الاذکار بلسان الفارس میں مذکور ہے جسے ضرورت ہو اُسکا مطالعہ کرے واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** خطبہ عربی زبان میں پڑھنا چاہیئے یا فارسی اُردو وغیرہ میں تاکہ سامعین جو عربی سے واقف نہیں اسکا مطلب سمجھ لیں اور اگر کچھ عربی اور کچھ غیر عربی یا عربی پڑھکے اُسکا ترجمہ فارسی یا اُردو میں کرے تو درست ہے یا نہیں **جواب** خطبہ عربی میں پڑھنا سنت موکدہ ہے اسکو غیر عربی میں پڑھنا یا فارسی اُردو وغیرہ اُسکے ساتھ خلط کرنا نظم ہو یا نثر مکروہ ہے اور عوام کی تفہیم کے واسطے وعظ مقرر ہے خطبہ کو طریقہ ماثورہ سے بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں تفصیل اس مسئلہ کی میرے رسالہ آکام النفائس میں موجود ہے جسکو شوق ہو اسکا مطالعہ کرے **اعتراض اول** مولوی صاحب آپ فرماتے ہیں کہ اُردو خطبہ پڑھنا مکروہ ہے معلوم نہیں یہ کہاں اور کس مقام میں لکھا ہے شرح وقایہ عربی اور کنز فارسی میں تو صاف لکھا ہے کہ درست ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے اسکے علاوہ مفتی میاں جان احمد صاحب اپنے فتوے میں فرماتے ہیں کہ بیشک اُردو خطبہ پڑھنا درست ہے بالاتفاق اب اس صورت میں مولوی صاحب آپ فرمائیے کہ کس کو یقین جانیں کیونکہ ایک تو پڑھنے کا اور ایک نہ پڑھنے کا حکم دیتا ہے اب ہم جاہلوں کا کیا حشر ہو آپ ہی خیال فرمائیے بقول شخصے ذرا سی مسلمانی اسمیں بھی آناکانی **اعتراض دوم** جب لوگ عربی زبان سے واقف نہوں تو ہندی زبان میں جسے مسلمانی زبان کہتے ہیں خطبہ پڑھنا کیوں درست نہیں اگر خطبہ زبان اُردو میں خواہ نظم ہو خواہ نثر فارسی میں پڑھنا درست نہوتا تو اس آیت کا نزول کیوں ہوتا وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ اسکو کسی دلیل قوی اور کتب معتبرہ مع نشان صفحہ سے ثابت فرمائیے **اعتراض سوم** خطبہ سے مقصد اصلی کیا ہے اور خطبہ کس واسطے مقرر کیا گیا ہے اگر خطبہ پڑھنے سے یہ مقصد ہے کہ اس سے احکام دینی معلوم ہوں تو بیشک اُردو میں پڑھنا درست ہے کیونکہ زبان عربی میں پڑھنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ھو المصوب **جواب اعتراض اول** تمام کتب فقہ میں خطبہ پڑھنا بزبان غیر عربی فارسی ہو یا اُردو جائز لکھا ہے بعضوں نے اُسکو متفق علیہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا لکھا ہے اور بعضوں نے عاجز عن العربیہ کے حق میں جواز اتفاقاً اور قادر علی العربیۃ کے حق میں جواز صرف امام اعظم کے نزدیک لکھا ہے لیکن اس حکم میں اور کراہت میں کچھ منافات نہیں ہے صدہا جگہ فقہا بجوز و یصح لکھتے

ہیں اور غرض انکی نفس اجزاء و کفایت و جواز بالمعنے الاعم ہوتی ہے نہ اباحت مطلقہ خالیہ عن الکراہۃ چند عبارات
بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو جائیگا کہ فقہا کا صرف کسی فعل کو درست یا صحیح لکھدینا
اسکی کراہت کی نفی نہیں کرتا عبد النبی بن ملا عبد القدوس گنگوہی رسالہ صلوٰۃ مسعودی میں بحث تکبیر بالفارسیہ
میں لکھتے ہیں لم یثبت دلیل قاطع علی اشتراط العربیۃ فی التکبیر اذ المقصود الاصلی من التکبیر
ھو التعظیم وھو یحصل بای لغۃ کان ومع ھذا ذکر السغناقی انہ یجوز ویکرہ عند ابی حنیفۃ
انتہی یعنی نہیں ہے کوئی دلیل قطعی تکبیر کے عربی میں مشروط ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ تکبیر سے مقصود اصلی تعظیم
ہے اور وہ ہر زبان میں حاصل ہو سکتی ہے باوجود اسکے سغناقی نے لکھا ہے کہ یہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
کے نزدیک مکروہ ہے اور محمد امین شامی رد المحتار بحث دعا بالغیر العربیہ میں لکھتے ہیں لا یبعد ان
یکون الدعاء بالفارسیۃ مکروھا تحریما فی الصلوٰۃ وتنزیھا خارجھا فلیتامل ولیراجع فان
الظاھر ان الصحۃ عند الامام تنفی الکراھۃ عندہ یعنے یہ کچھ بعید نہیں کہ دعا بزبان فارسی نماز میں
مکروہ تحریمی ہو اور خارج نماز میں مکروہ تنزیہی ہو کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ صحت منافی کراہت نہیں ہے اور در مختار
کتاب البیوع میں ہے وکرہ تحریما مع الصحۃ البیع عند الاذان الاول یعنے اذان اول کے وقت
بیع مکروہ تحریمی ہے باوجودیکہ صحیح ہے۔ اور حموی حاشیہ اشباہ والنظائر کتاب الشرکۃ میں شرکت مع الکفار
کی تفصیل کی تحت میں لکھتے ہیں قال فی البدائع یکرہ للمسلمان یشارک الذمی ولو شارکہ شرکۃ
عنان جاز کما لو وکلہ انتہے وقولہ جاز ای صح مع الکراھۃ یعنی بدائع میں ہے کہ مسلمان کے لئے یہ مکروہ
ہے کہ وہ ذمی کے ساتھ شرکت کرے البتہ اگر شرکت عنان کرے تو جائز ہے جیسا کہ اُسے وکیل بنانا جائز
ہے یعنے بکراہت درست ہے رسالہ آداب المفتیین میں مرقوم ہے قد یذکر الجائز ویراد بہ جواز نفس الفعل
لا صحۃ الفعل یعنی کبھی جائز بولکر اُس سے مراد جواز نفس فعل لیتے ہیں نہ کہ صحت فعل اور بھی دوسرے
مقام میں ہے فی النہایۃ الکراھۃ یطلق علی الجائز وغیرہ وفی النہایۃ فی کتاب الطلاق الاباحۃ والجواز
شیئان مختلفان الا تری ان ضد الاباحۃ الکراھۃ وضد الجواز الحرمۃ فبضد تتبین الاشیاء
وینفک احدھما عن الاخر الا تری ان البیع وقت النداء جائز ولیس بمباح وذلک لان الاباحۃ
لما کانت عبارۃ عن عدم الکراھۃ احتمل ان یکون الشئ جائزا مع الکراھۃ التی ھی ضد الاباحۃ وھذا
کثیر النظیر فان جمیع صور النھی عن الافعال الشرعیۃ کذلک کالصوم یوم النحر وغیرہ وفی خزانۃ المفتیین طرح القملۃ

مباح ولکن یکرہ من طریق الادب یعنے نہایہ میں ہے کہ کراہت کا اطلاق جائز و غیر جائز سب پر ہوتا ہے
اور اسی کے کتاب الطلاق میں ہے کہ اباحت و جواز دو مختلف چیزیں ہیں ضد اباحت کراہت ہے
اور ضد جواز حرمت اور اشیا اپنے اضداد سے جانے جاتے ہیں اور اُن ہی کی بدولت وہ دوسری
اشیاء سے متمایز ہوتے ہیں بیع وقت ندا جائز تو ہے مگر مباح نہیں ہے کیونکہ اباحت عدم کراہت کو
کہتے ہیں اسلئے احتمال ہے کہ کوئی چیز جائز تو ہو مگر بکراہت جو اباحت کی ضد ہے اور اسکی مثالیں بہت
ہیں کیونکہ افعال شرعیہ سے جہاں کہیں نہی ہے ایسی ہی ہے مثلاً یوم نحر کا روزہ اور خزانۃ المفتیین
میں ہے کہ جوں کا پھینکنا مباح ہے لیکن مکروہ ہے لبطریق ادب - اور بھی دوسرے مقام میں ہے قد یطلق
الجائز علی النافذ لا ضد للحرمۃ انتہی یعنے جائز کا اطلاق بعض اوقات نافذ پر ہوتا ہے نہ کہ ضد حرمت پر
ان عبارات سے اور ایسے ہی اور عبارات فقہیہ سے صاحب علم وسیع و فہم صحیح پر مخفی نہ رہیگا کہ کتب فقہ میں
کسی فعل پر یجوز یا یصح موجود ہونے سے اُسکی کراہت تحریمیہ کی نفی نہیں ثابت ہوتی ہے پس اس بیان سے خوب
واضح ہوگیا کہ خطبۂ غیر عربیہ کی کراہت کا حکم مخالف اقوال فقہا کے کسی طرح سے نہیں کیونکہ اُن کی مراد حکم جواز
و صحت سے اس بحث میں صرف اسیقدر ہے کہ خطبہ جو نماز جمعہ کے واسطے شرط ہے وہ زبان عربی کے ساتھ
مقید نہیں غیر عربی میں اگر پڑھے گا تو نفس ادائے شرط کے واسطے کافی ہو جائیگا اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ
غیر عربی میں پڑھنا بالکلیہ مباح ہے کراہت سے منزہ ہے اور کراہت کی وجہ ظاہر ہے کہ مواظبت نبویہ صحابہ کے خلاف ہے
پس اُسکے خلاف سنت و بدعت ہونے میں کسکو شک ہے اور خلاف سنت مؤکدہ اور بدعت ضالہ کا مکروہ
تحریمی ہونا اصول فقہ میں مقرر ہے اگر یہ شبہ ہو کہ زمان نبوی و زمانہ صحابہ میں تبدیل خطبہ کی ضرورت نہ تھی اس لئے
کہ اہل اسلام عرب تھے تو اُسکا دفعیہ یہ ہے کہ بلاد عجم صحابہ کے زمانے میں فتح ہوئے یہانتک کہ شہر کابل حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کے عہد میں مفتوح ہوگیا تھا جیسا کہ سنن ابو داؤد وغیرہ میں اُسکی روایت موجود ہے اور پھر ظاہر ہے
کہ ان بلاد میں صدہا بلکہ ہزارہا عجمی وہ تھے جو زبان عربی نہیں سمجھتے تھے پس باوجود اسکے صحابہ کا خطبہ عربی زبان
سے نہ بدلنا اس امر پر مستحکم دلیل ہے کہ عربی میں خطبہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور غیر عربی میں بدعت اور خلاف
سنت ہے

جواب اعتراض دوم

(وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ کو ما نحن فیہ سے کچھ تعلق نہیں ہے
کیونکہ اس آیت کا مفاد اسیقدر ہے کہ ہر رسول پر جو کتاب نازل ہوئی وہ اُسی کی قوم کی زبان میں نازل
ہوئی گو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے اور تمام انس و جن آپ کی اُمت میں داخل ہیں مگر

آپ کی قوم عرب ہے اسی لئے کلام اللہ بھی عربی میں نازل ہوا تفسیر بیضاوی میں ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ الا بلغۃ قومہ الذی ہو منہم و بعث فیہم لیبین لہم ما امروا بہ فیفقہوہ عنہ بیسیر و سرعۃ ثم ینقلوہ و یترجموہ الی غیرہم فانہم اولی الناس الیہ بان یدعوہم واحق بان ینذرہم ولذلک امر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بانذار عشیرتہ اولا ولو نزل علی من بعث الی امم مختلفۃ کتب علی السنتہم استقل ذلک بنوع من الاعجاز ولکن ادی ذلک الی اختلاف الکلمۃ واضاعۃ فضل الاجتہاد فی تعلم الالفاظ ومعانیہا والعلوم المتشعبۃ منہا یعنی خدا نے جو رسول نازل کیا وہ اُس قوم کی زبان جاننے والا ہوتا تھا کہ جن میں کا وہ ہوتا تھا اور جس کی جانب وہ بھیجا جاتا تھا تاکہ اُن کو احکام خداوندی بتائے تاکہ اُن لوگوں کو بآسانی سمجھا سکے اور پھر وہ لوگ نقل و ترجمہ کر کے دوسروں تک پہونچا سکیں کیونکہ ہر رسول کی قوم اسکی زائد مستحق ہے کہ وہ رسول اُنھیں ڈرائے اور اُنھیں خدا کی طرف بلائے اسی واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اپنے خاندان کو ڈرانے کا حکم دیا گیا اور جو نبی امم مختلفہ کی جانب مبعوث ہوا گر اُسپر کتب مختلفہ نازل ہوں جو بطریق اعجاز پھیل جائیں تو اس میں اختلاف کلمہ لازم آتا ہے اور الفاظ و معانی اور اُن علوم کے سیکھنے میں کہ جو اُن سے نکلتے ہیں کوشش کی فضیلت اُٹھ سے جاتی ہے اور تفسیر ابن کثیر میں ہے قد قیل فی ہذہ الایۃ اشکال لان النبی صلے اللہ علیہ وسلم ارسل الی الناس جمیعا بل الی الجن والانس ولغاتہم متباینۃ والسنتہم مختلفۃ واجیب بانہ وان کان مرسلا الی الثقلین کما مر لکن لما کان قومہ العرب وکان اخص بہ واقرب الیہ کان ارسالہ بلسانہم اولی من ارسالہ بلسان غیرہم وہم یبینونہ لمن کان علی غیر لسانہم و یوضحونہ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں اشکال ہے کیونکہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا تمام لوگوں کی جانب بھیجے گئے ہیں بلکہ جن و انس کی جانب اور انکے لغات و السنہ مختلف ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ آپ اگرچہ سب کی جانب مرسل ہیں لیکن چونکہ آپ کی قوم عرب تھی اسکو آپ کے ساتھ خاص خصوصیت اور قربت حاصل تھی لہذا آپ کا ارسال اُنھیں کی زبان میں اولیٰ تھا بنسبت دوسری زبانوں میں ارسال کے پھر عرب لوگ دوسری زبان والوں سے اسکو بیان کر دینگے اور اُن کی وضاحت کر دینگے اور اسی طرح تفاسیر معتبرہ میں موجود ہے اور اگر قوم سے اس آیت میں مطلق

اُمت مراد لی جائے جیساکہ بعض مفسرین کی راے ہے پس باوجود اسکے کہ وہ قول ضعیف ہے اگر اُس سے
ثابت ہوگا تو اسیقدر ثابت ہوگا کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو ہر زبان پر قدرت
تھی اور ہر گروہ کو آپ اُسکی زبان مین سمجھا سکتے تھے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ جواز کار شعائر
اسلام کہ منجملہ اُسکے خطبہ بھی ہے زبان عربی مین منقول ہوئی اُسکی تغییر اور لوگوں کو جائز ہو اور اگر ایسے
ہی تغییر کا جواز ہو تو پہلے قرآن کی تغییر لازم ہوگی اس لئے کہ مقصود اُسکے انزال سے ہدایت عامہ ہے
پس لازم آتا ہے کہ اُسکا ترجمہ پڑھنا نماز میں درست ہو جائے **(جواب اعتراض سوم)** مقصود
اصلی خطبہ جمعہ وغیرہ سے نفس ذکر الٰہی ہے نہ تعلیم احکام دینیہ اس وجہ سے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے
اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ یعنی جب جمعہ کی نماز کی اذان دیجاے تو ذکر
الٰہی کی طرف کوشش کرو اور ہدایہ اور دُرمختار بلکہ فقہ کی تمام کتابوں میں وکفت تحمیدۃ او
تہلیلۃ او تسبیحۃ موجود ہے اور ایک تحمید یا تہلیل یا تسبیح کافی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے
کہ امام اعظم کے نزدیک اگر خطبہ میں صرف سبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ وغیرہ پر اکتفا
کریگا کافی ہوگا مگر کراہت لازم ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ذکر طویل ضروری ہے جسکو اس کی
تفصیل دیکھنے کا شوق ہو وہ درمختار اور ہدایہ اور اُسکے حواشی کا مطالعہ کرے پس اگر مقصود اصلی خطبہ
مین تعلیم احکام دینیہ وتبیین احکام شرعیہ ہوتا تو صرف ادنیٰ ذکر یا مجرد ذکر طویل سے کیونکر خطبہ ادا ہو جاتا
اور اللہ تعالےٰ صرف الی ذکر اللہ کے لفظ پر کیوں کفایت فرماتا اچھی طرح ظاہر ہے کہ اگر کوئی واعظ او ناصح
بغرض وعظ وامر بالمعروف ونہی عن المنکر منبر پر چڑھے اور صرف ذکر کرکے اُتر آئے کوئی اُسکو واعظ نہ کہے گا اور
اُسکے ذکر و فکر کو اگرچہ طویل ہو کوئی شخص وعظ نہ سمجھے گا اور اسی وجہ سے فقہا خطبہ میں تعلیم احکام دینیہ کو مندوب
لکھتے ہیں جیسے ذکر خلفاے راشدین و دعاے نصرت صحابہ وغیرہ کو نہ شرط خطبہ خلاصہ یہ ہے کہ مقصود اصلی جہاں
تعلیم احکام ہوں وہاں معلم کو زبان متعلمین میں تعلیم کرنا درست ہوگا اور خطبہ کا اصل مقصود ذکر ہے اور وہ زبان آنحضرت
وصحابہ وتابعین وغیرہم میں بزبان عربی ثابت ہے اور باوجود ضرورت و احتیاج کے کسی سے اسکی تغییر منقول
نہیں ہے پس خطبہ پڑھنا غیر عربی میں بلا ضرورت بدعت وخلاف سنت مؤکدہ ومکروہ ہوگا اور جو شخص اسکے
عدم کراہت کا مدعی ہو اسپر لازم ہے کہ کوئی دلیل معتد بہا اسکی بیان کرے اور استناد اُسکا فقہا کے قول یجوز
یا یصح وغیرہ سے محض لغو ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** خطبہ جمعہ اُردو یا

فارسی زبان میں یا اُردو فارسی اشعار میں **نظم** خواہ نثر میں پڑھنا درست ہے یا نہیں اور جو سبب ہو کس کتاب میں مذکور ہے **جواب** خطبۂ جمعہ اُردو زبان میں نثر ہو خواہ نظم اور اسیطرح فارسی زبان میں بھی نثر ہو یا نظم اور اسی قیاس پر جو خطبہ کہ کچھ عبارت اُسکی لغت عربی میں ہو اور کچھ زبان فارسی یا اُردو وغیرہا میں نظم ہو یا نثر مکروہ بکراہت تحریمی ہے کیونکہ سنت ہدی کے مخالف ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے علی الدوام خطبہ عربی زبان میں پڑھا ہے اور اُسوقت میں کسی سے غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنا منقول نہیں ہے جیسا کہ آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس میں مذکور ہے اور اُسکی یہ عبارت ہے الکراهة انما هی لمخالفة السنة لان النبی صلے اللہ علیه وسلم واصحابه قد خطبوا دائما بالعربیة ولم ینقل عن احد منهم انهم خطبوا خطبة ولو خطبة غیر الجمعة بغیر العربیة یعنے کراہت صرف مخالفت سنت کی وجہ سے ہے کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ عربی ہی زبان میں خطبہ پڑھا ہے اور کبھی کسی سے کوئی خطبہ بھی وہ غیر جمعہ ہی کا کیوں نہو غیر عربی میں ثابت نہیں ہے۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ باعث احداث خطبہ غیر عربیہ کا نہیں ہے مگر عجمیوں کا عبارات عربیہ کو نہ سمجھنا حالانکہ یہ امر قرون ثلثہ میں بھی موجود تھا اس واسطے کہ جب اطراف مختلفہ میں بلاد و امصار مفتوح ہوے اور فارس اور حبش اور روم کے اکثر لوگ مشرف باسلام ہوے وہ لوگ مجالس شعائر اسلام میں مثل جمعہ وعید وغیرہا کے حاضر ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ اُن لوگونکو بوجہ عدم وقوف لغت عرب کے شعور فہم عبارات عربیہ کا نتھا با این ہمہ کسی نے برعایت فہم اشخاص عجمیہ کے غیر زبان عربی میں خطبہ نہیں پڑھا باوجودیکہ تعلیم و تفہیم کہ خطبا و علما کی شان سے ہے اسکی مقتضی تھی جبکہ ایسا نہیں ہوا تو خطبۂ غیر عربیہ کے مکروہ ہونے میں جو ضلالت ادنیٰ کا مرتبہ ہے کچھ شک نہیں رہا جیسا کہ اسی کتاب میں مذکور ہے الخطبة بالفارسية التی احدثوها واعتقدوها وحسنوها لیس الباعث الیها الا عدم فهم العجم اللغة العربية وهذا الباعث قد كان موجودا فی عصر خیر البریة وان كان فيه اشتباه فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الائمة المجتهدين حيث فتحت الامصار الشاسعة والديار الواسعة واسلم اكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الاعجام وحضروا مجالس الجمع والاعياد وغيرها من شعائر الاسلام وقد كان اكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب احد منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث فی تلك

الا زمنۃ وفقدان المانع والتکاسل ونحوہ معلوم بالقواعد المبرھنۃ لم یبق الا الکراھۃ التی ھی ادنی درجات الضلالۃ انتھی یعنے اور فارسی میں جو خطبہ ایجاد کیا گیا ہے اور مستحسن سمجھا جاتا ہے اُسکا سبب صرف یہی ہے کہ عجمی لوگ عربی نہیں سمجھتے اور یہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تھا ورنہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تو ضرور ہی تھا جب دور دور کے ممالک فتح ہوئے اور روم وعجم کے اکثر لشکر ایمان لائے اور جمعون اور عیدوں کے خطبوں میں حاضر ہونے لگے اکثر لغت عربی سے ناواقف تھے پھر بھی خطبہ غیر عربی میں نہوا اور جب سبب زمانہ صحابہ میں ثابت اور موانع اور تکاسل کا معدوم ہونا قواعد مقررہ سے معلوم ہے تو اب بجز کراہت کے کہ جو ادنیٰ درجہ گمراہی کا ہے اور کچھ باقی نہ رہا انتھی تو یہ فعل ادنیٰ درجات ضلالت پر مانا جائے گا اور مکروہ کہلا ئیگا علاوہ بریں بعض روایات میں یہ تو البتہ وارد ہوا ہے کہ بعض عبادمیں جبکہ جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے اور آپ کو یہ گمان ہوا کہ دور بیٹھنے کے سبب سے عورتوں کے کان تک خطبہ کی آواز نہیں پہونچی تو آپ نے اُن کے پاس آکر خطبہ پڑھا اور اُنھیں وعظ ونصیحت فرمائی لیکن یہ کسی روایت میں بروایت افراد بھی وارد نہیں ہوا کہ غیر عرب جو مجالس خطب نبویہ میں حاضر ہوتے تھے اُن کی تفہیم کے لئے آپ نے علیحدہ مجلس منعقد فرماکر غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھا ہو اور اُن لوگون کو اُنکی زبان میں وعظ ونصیحت فرمائی ہو اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سوائے لغت عربی کے اور لغات سے ماہر نہ تھے ورنہ آپ بغرض تفہیم عجم کے غیر زبان عربی میں بھی خطبہ پڑھتے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ بعض صحابہ مثلاً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بلاشبہ عجمی رومی حبشی وغیرہ زبانوں سے آگاہ تھے اُنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ حکم دیا کہ وہ غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھیں اور اُن کو وعظ ونصیحت کریں الحاصل قرون مشہود لہا بالخیر میں تفہیم غیر عرب کے لئے اُنکی زبان میں خطبہ پڑھنے کی ضرورت تھی پھر بھی کسی نے نہیں پڑھا یہ اُردو اور فارسی وغیرہ زبانوں میں خطبہ کے مکروہ اور بدعت ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے چنانچہ اُسی کتاب میں مرقوم ہے وقد ورد ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لما فرغ من الخطبۃ فی بعض الاعیاد وظن انھا لم تصل الی ذات النساء بعد ھن حضرھن ووعظھن وخطبھن ولم یرد ولو من روایۃ الافراد انہ عقد لمن لم یکن یفھم العربی مجلسا علحدۃ ووعظھم وخطبھم بلغۃ غیر عربیۃ ولا یتوھم انہ لم یکن النبی صلے اللہ علیہ وسلم یعلم اللغۃ العجمیۃ وغیرھا من اللغات الغیر العربیۃ ولکنا

علمھا الخطب بھا لانا نقول بعد تسلیم ذلک ان بعض الصحابۃ کزید بن ثابت قد کان یعلم اللسان العجمی والرومی والحبشی وغیرھا من الالسنۃ کما صرح بہ فی الاعلام بسیرۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ من کتب الاعلام فلم لم یامرہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بان یخطبھم ویعظھم بالسنتھم وبالجملۃ فالاحتیاج الی الخطبۃ بغیر العربیۃ لتفھیم اصحاب العجمیۃ کان موجودا فی القرون الثلثۃ ومع ذلک فلم یروا احد ذلک من احد فی تلک الازمنۃ وھذا اول دلیل علی الکراھۃ یعنی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ جب عید کے خطبہ سے فارغ ہوے تو آپ کو خیال ہوا کہ عورتیں چونکہ دور تھیں اس وجہ سے وہ نہیں سن سکیں لہذا آپنے انکو بلایا اور خطبہ پڑھا اور کسی حدیث احاد تک سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپنے اُن لوگوں کے لئے کوئی علیحدہ مجلس منعقد کی ہو جو عربی نہیں سمجھتے تھے اور غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھا ہو اور یہ خیال کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا خود ہی عجمی زبانیں نہیں جانتے تھے تو پھر دوسرا خطبہ کیونکر پڑھتے اور اگر جانتے ہوتے تو آپ ایسا ہی کرتے محض لغو ہے کیونکہ بعض صحابہ مثلاً زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فارسی رومی حبشی وغیرہ زبانیں جانتے تھے جیساکہ الاعلام بسیرۃ النبی علیہ السلام اور اُسکے علاوہ بڑے بڑے حضرات کی کتابوں میں ہے آپنے انکو بھی حکم نہیں دیا کہ عجمیوں کی زبان میں اُن کے سامنے خطبہ پڑھیں الحاصل غیر عربی میں خطبہ کی احتیاج قرون ثلثہ میں بھی تھی مگر کسی زمانہ میں ایسا ثابت نہیں ہوا اور یہی کراہت کی پہلی دلیل ہے - اور تقریر بطریق حل یہ ہے کہ جس طرح خطبہ تعلیم سامعین کے لئے موضوع ہے اور خطبا و علما مامور بالتفہیم ہیں اسیطرح جہلا بھی منجانب شرع مامور بطلب علم ہیں اور تحصیل علم انپر فرض ہے جیساکہ حدیث شریف میں جسکو ابن عدی اور بیہقی نے حضرت انس اور خطیب نے حضرت امام حسین اور طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے وارد ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم اور جبکہ ہماری شریعت کا بیان عربی زبان میں ہے بنا بریں اہل اسلام پر بقدر حاجت اس زبان کا سیکھنا لازم اور واجب ہے کیونکہ جس چیز پر شے واجب کا امتثال موقوف ہے وہ چیز موقوف علیہ بھی واجب ہے اب اگر مسلمین حاضرین بوجہ عدم تعلم زبان عربی و فقدان تحصیل علم باوجود واجب و فرض ہونے کے خطبۂ عربیہ کو نہ سمجھیں تو اُسکے نہ سمجھنے کا الزام انھیں پر ہے نہ خطبہ پڑھنے والو نپر کیونکہ اُنپر یہ بات لازم نہیں کہ زبان عربی کو بدل کر اُس زبان میں خطبہ پڑھیں جسکو جہلا سمجھتے ہوں چنانچہ اسی کتاب میں ہے والحل فی ھذا المقام دبہ یتم الالزام انہ کما وضعت

الخطبۃ للتعلیم وامر الخطباء والعلماء بالتفہیم کذلک امر الجاھلون بطلب العلم حیث قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علے کل مسلم خرجہ ابن عدی والبیہقی من حدیث انس والخطیب من حدیث الحسین ابن علی والطبرانی من حدیث ابن عباس ولما کانت اکثرتہ یعنا بالعربیۃ یلزم علی الناس ان یتعلموا اللسان العربی بقدر ما یرتفع بہ الحاجۃ فان مالم یتم الواجب الا بہ واجب فاذا لم یفہم الحاضرون الخطبۃ العربیۃ فالزام عدم الفہم عائد الیھم لا الی الخطباء ولا یلزم ان یغیروا اللسان العربی ویخطبوا بلسان یفہم الجہلاء انتہی محصلاً

یعنے اصل بات کہ جس سے یہ مقام حل ہو اور الزام تام یہ ہے کہ جسطرح خطبہ کی وضع تعلیم کے لئے کی گئی ہے اور خطیبوں اور علما کو سمجھانے کا حکم دیا گیا ہے اسیطرح جاہلوں کو بھی طلب علم کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور جبکہ ہماری اکثر شریعت عربی میں ہے تو لوگوں پر فرض ہے کہ بقدر ضرورت عربی سیکھیں کیونکہ جس چیز کے بغیر واجب نہ تمام ہو وہ واجب ہے تو اب خطبۂ عربی کے نہ سمجھنے کا الزام خطیبوں پر عائد نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے ملزم وہ لوگ خود ہی ہیں پس خطیبوں کو زبان عربی کے تغیر کی ضرورت نہیں ہے اور نہ خطبہ کو ایسی زبان میں بیان کرنے کی جسے جہلا سمجھ سکیں۔ اگر کوئی کہے کہ جب خطبہ غیر عربی میں پڑھنا مکروہ ہوا تو قول فقہا یجوز الخطبۃ بالفارسیۃ کے کیا معنے ہیں تو اسکے جواب میں کہنا چاہیے کہ قول مذکور میں مطلق جواز ذکر کیا گیا ہے اور وہ عام ہے جواز بلا کراہت وجواز مع الکراہت کو اسی لئے قول مسطور مستلزم جواز بلا کراہت کو نہیں ہوسکتا پس خطبۂ غیر عربی کا مکروہ ہونا قول فقہا کے منافی نہیں ہے ہاں اگر کلام مذکور مقید بتقیید عدم کراہت ہوتا یعنے یوں کہا جاتا کہ یجوز الخطبۃ بالفارسیۃ بلا کراہۃ یعنے بلا کراہت خطبہ کا فارسی میں پڑھنا جائز ہے۔ تو البتہ منافی ہوتا اور اگر زیادہ تحقیق سننا ہو تو بگوش ہوش سننا چاہیے کہ خطبۂ جمعہ میں دو اعتبار ہیں اور ہر ایک کے لئے جداگانہ وصف ہے ایک یہ کہ خطبہ نماز جمعہ کی شرط ہے یعنے نماز جمعہ بدون اسکے صحیح نہیں دوسرے یہ کہ وہ فی نفسہا عبادت ہے دو وجہ سے (۱) خطبہ اللہ کا ذکر ہے اس لئے کہ آیہ کریمہ یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع میں ذکر اللہ سے خطبہ مراد ہے جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے (۲) خطبہ نماز کے قائم مقام ہے اسی وجہ سے سلام اور کلام وغیرہ سب خطبہ کے وقت ممنوع ہے اس تمہید کے بعد معلوم کرنا چاہیے کہ جواز خطبہ غیر عربیہ جو کلام فقہا سے مستفاد ہے اس سے مراد یہ ہے کہ خطبۂ مذکورہ لحاظ

اعتبار اول کی شرط کے ادا ہونے میں کفایت کرتا ہے یعنے خطبہ جو نماز جمعہ کی شرط ہے جب غیر عربی میں پڑھا گیا شرط پائی گئی اور نماز جمعہ صحیح ہوئی کیونکہ نماز جمعہ کی شرط مطلق ذکر ہے کسی زبان اور محاورہ کی اس میں قید نہیں ہو یہ سہر خطبۂ مذکورہ سے حاصل ہو لیکن بلحاظ اعتبار دوم کے بدعت اور مکروہ ہے کیونکہ جو عبادت جس ہیئت کے ساتھ سنت سے ثابت ہوا اسکو اسی ہیئت کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے اس ہیئت کے خلاف اسکا ادا کرنا بدعت اور مکروہ ہے اور مخفی نہ رہے کہ تضمین اشعار فارسیہ یا ہندیہ کا خطبہ عربیہ میں مکروہ ہونا اور اس خطبہ کا جس کی کچھ عبارت عربی اور کچھ فارسی یا اردو یا اور کوئی زبان ہو مکروہ ہونا بیان ماسبق سے ظاہر ہے اسی کتاب میں یہ بھی ہے وھذا نصہ و تحقیقہ ان فی الخطبۃ جھتین الاولی کونھا شرطا لصلوٰۃ الجمعۃ والثانیۃ کونھا فی نفسھا عبادۃ ولکلٍ منھما وصف علی حدۃ فمعنی قولھم یجوز الخطبۃ بالفارسیۃ انھا تکفی لتادیۃ الشرط وصحۃ صلوٰۃ الجمعۃ وھو لا یستلزم ان یخلو من البدعۃ والکراھۃ من حیث الجھۃ الثانیۃ وسئلت ایضًا ما اعتادہ اکثر خطباء زماننا من قراءۃ الخطبۃ بالعربیۃ وتضمینھا بعض الاشعار الفارسیۃ والھندیۃ ھل یجوز ذلک فاجبت بان قراءۃ الاشعار فیھا ان کان بالغناء الممنوع عنہ فی الشریعۃ فلا ریب فی کراھتھا وان کان بالعربیۃ وان لم یکن بالغناء فالکراھۃ لکونھا مخالفا للسنۃ داخلا فی اصناف البدعۃ وکذا قراءۃ بعض الخطبۃ بالعربیۃ وبعضھا بالفارسیۃ لا تخلو عن الکراھۃ للتقریرات السابقۃ فلیحفظ ھذا کلہ فان الناس عنہ غافلون یرتکبون امرا قبیحا ویحسبون انھم یحسنون انتھی مختصرًا یعنے اور تحقیق یہ ہو کہ خطبہ میں دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ وہ نماز جمعہ کی شرط ہی دوسرے یہ کہ وہ خود عبادت ہے اور ہر ایک کے علحدہ اوصاف ہیں پس یہ جو کہا گیا ہے کہ خطبہ فارسی میں جائز ہی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ نماز جمعہ کی درستی اور شرط کے ادا کرنے کے لئے یہ کافی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدعت بھی نہ رہے اور کراہت دوسری جہت کے اعتبار سے ہے اور یہی مجھ سے پوچھا گیا اس کے متعلق جو اس زمانے کے اکثر خطیبوں کی عادت ہو کہ خطبہ تو عربی میں پڑھتے ہیں مگر بیچ بیچ میں فارسی یا اردو اشعار بھی پڑھ دیتے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ یہ اشعار اگر گا کر پڑھے جائیں تو بیشک اس میں کراہت ہے چاہے عربی ہی میں کیوں نہوں ورنہ یہ چونکہ مخالف سنت ہے اسلئے اصناف بدعت میں داخل ہو لہذا مکروہ ہے

اسیطرح بعض خطبہ عربی میں پڑھنا اور بعض فارسی میں بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اُن ہی سابقہ تقریرون کے باعث پس چاہیئے کہ تمام حفظ کیا جاوے لیکن لوگ اس سے غافل ہیں کہ امر ناجائز کے مرتکب ہو کر بھی اپنے کو نیکو کار شمار کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب وعندہٗ ام الکتاب حررہ قاضی شیخ احمد غفرلہ اللہ الصمد [قاضی شیخ احمد] ہو العزیز العلیم قد اصاب من اجاب اللہ سبحانہٗ اعلم بالصواب وعندہٗ ام الکتاب حررہٗ محمد عامل (محمد عامل) ہو العلیم خطبہ جمعہ کا غیر زبان عربی میں فارسی ہو یا اردو وغیرہما معذور کو بالاتفاق جائز ہے اور غیر معذور کو بھی امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں اور در صورت جواز غیر معذور کے لیے مکروہ تنزیہی خلاف سنت متواترہ زائدہ اور خلاف طریقہ سلف صالحین ہے فی السراجیۃ ولو خطب بالفارسیۃ یجوز وفی الھدایۃ والتشھد والخطبۃ علی ھذا الاختلاف وفی النھایۃ فعندہ یجوز بالفارسیۃ وعندھما لا یجوز الا بالعربیۃ وفی الدر المختار کما صح لو شرع بغیر عربیۃ ای لسان کان (الی ان قال) شرطا عجزہ وعلی ھذا الاختلاف الخطبۃ وجمیع اذکار الصلوٰۃ وفی الطحطاوی قولہ وشرطا عجزہ الخ المعتمد قولہ انتھٰی وفی کام النفائس فی ذکر الدعاء نعم لا شبھۃ فی حرمۃ لا عجمیۃ المجھول مدلولھا والا عجمیۃ التی ینافی تعظیم الرب مدلولھا واما غیرھا فیکرہ تحریمًا فی الصلوٰۃ وتنزیھا خارج الصلوٰۃ لکن یشترط ان یکون قادرا علی العربیۃ قدرۃ کاملۃ والا فلا ایضًا فیہ وفی جامع المضمرات والمجتبٰی وغیرھما ان الخطبۃ علی الاختلاف یعنی انہ یجوز عند ابی حنیفۃ بغیر العربیۃ للقادر والعاجز کلیھما وعندھما لا احدھما ودلیل قولہ ھو اطلاق قولہ تعالٰی یا ایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ فان المراد بذکر اللہ ھو الخطبۃ علی ما ذکرہ اھل التفسیر وھو مطلق غیر مقید بالعربی فیکون کالتذکیر فی انہ لا یشترط فیہ خصوصیۃ لسان دون لسان ویجاب من قبلھما ان الخطبۃ تشابہ الصلوٰۃ بل کانھا قائمۃ مقام الصلوٰۃ فکما ان اذکار الصلوٰۃ لا یجوز لغیر العاجز بغیر العربیۃ کذلک لا تجوز الخطبۃ الا بالعربیۃ انتھٰی اقول ھذا الجواب سخیف جدا فانہ لا یستلزم من مشابھۃ الخطبۃ الصلوٰۃ ان یکون الخطبۃ کالصلوٰۃ فی جمیع الاحکام کیف ولا یشترط فیھا الطھارۃ والاستقبال وغیرھما بخلاف الصلوٰۃ ولیست المشابھۃ بینھما الا فی ایجاب الانصات والاستماع وترک ما یشتغل عنھا عند قرأتھا فقط علی ان اذکار الصلوٰۃ

ایضاً تجوز عند کلام بغیر العربیۃ کما نقلنا ہ عن الدر المختار سراجیہ میں ہے اور اگر فارسی میں خطبہ پڑھا تو جائز ہے اور ہدایہ میں ہے اور تشہد اور خطبہ میں بھی یہی اختلاف ہے اور نہایہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فارسی میں خطبہ جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف عربی میں جائز ہے در مختار میں ہے جیسا کہ اگر عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں شروع ہوتا اور آگے چلکر کہتے ہیں کہ صاحبین نے جواز میں عجز کی شرط لگائی ہے اور ایسا ہی خطبہ اور تمام اذکار میں اختلاف ہے اور طحطاوی میں تحت قول شرطا عجزا ہے کہ قابل اعتبار امام صاحب کا قول ہے اور آکام النفائس ذکر الدعا میں ہے بیشک وہ عجمی الفاظ حرام ہیں جنکا مطلب معلوم نہیں یا جنکا مطلب تعظیم الٰہی کے منافی ہے باقی رہے دوسرے الفاظ تو وہ نماز میں مکروہ تحریمی ہیں اور غیر نماز میں مکروہ تنزیہی ہیں بشرطیکہ متکلم عربی پر قدرت کاملہ رکھتا ہو ورنہ نہیں اور جامع المضمرات اور مجتبیٰ وغیرہ میں ہے کہ خطبہ میں اختلاف ہے یعنے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر عربی میں قادر اور عاجز سب کے لئے جائز ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف عاجز کیلئے امام صاحب کی دلیل یا ایہا الذین اٰمنوا الایۃ کا اطلاق ہے کیونکہ اسمیں ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے جیسا کہ اہل تفسیر نے بیان کیا اور یہاں مطلق چھوڑ گیا ہے عربی کی قید نہیں لگائی گئی ہے پس اسکی وہی حالت ہوگی جو ذکر کی سب کہ کسی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے صاحبین اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ خطبہ نماز کے مشابہ ہے بلکہ قائم مقام نماز کے ہے پس جیسا کہ غیر عاجز کے لئے اذکار غیر عربی میں درست نہیں ہیں اسیطرح خطبہ بھی انتہیٰ میں کہتا ہوں کہ یہ جواب کمزور ہے کیونکہ خطبہ کے مشابہ نماز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تمام امور میں نماز ہی کا سا حکم رکھے نماز میں طہارت و استقبال قبلہ شرط ہے اور خطبہ میں نہیں بلکہ مشابہت صرف سننے اور خاموش بیٹھے رہنے اور ان امور کے ترک کر دینے میں ہے جو نماز پڑھتے وقت نہیں کیے جاتے ہیں علاوہ بریں اذکار صلوٰۃ بھی امام صاحب کے نزدیک غیر عربی میں جائز ہیں جیسا کہ ہم نے درمختار سے نقل کیا ہے۔ اور غیر لسان عربیہ میں احیانا خطبہ پڑھنا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں لیکن قرأت خطبہ عربیہ پر یہ مواظبت بطور عادت اور بضرورت لسان اور حاجت تفہیم و تذکیر سامعین خطبہ تھی دوسرے احکام دین کی تعلیم و تذکیر کی طرح کہ سوا عربی کے دوسری زبان میں ثابت نہیں اور اسیطرح اشعار عربی یا فارسی وغیرہا کا خطبہ میں پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے خلاف سنت نا کمرہ ہے پس اولیٰ یہی ہے کہ غیر زبان عربی میں خطبہ نہ پڑھے تاکہ مخالفت

سُنت اور خلاف ایمہ سے محفوظ رہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم حررہ محمد عبدالغفار لکھنوی (محمد عبد الغفار)
ھوالمصوب قاضی شیخ احمد صاحب کا جواب نہایت صحیح اور درست ہے اور امام ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت مصفی شرح مؤطا امام مالک کی اسی کی تائید کرتی ہے وہ یہ کہ جب ہم نے رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفا اور اُن کے بعد والوں کے خطبے دیکھے تو اُن کا خلاصہ صرف چند چیزیں نکلیں ایک تو خدا تعالیٰ کی تعریف دوم رسالت و توحید کی شہادت تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام اور تقویٰ کا حکم اور تلاوت کسی آیت کی اور دعا عام مسلمانوں مرد وعورت کے لئے اور خطبہ کا بزبان عربی ہونا اسکے بعد اُسی میں لکھا ہے کہ ہر ملک کے مسلمانوں کا دستور العمل خطبہ کو عربی زبان میں پڑھنے کا رہا ہے حالانکہ بہت سی ولایتوں میں عجمی زبان کے لوگ موجود تھے اس حدیث کو ابو داؤد نے کتاب المراسیل میں اور بیہقی نے روایت کیا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (ابو الحسنات محمد عبدالحی)

سوال نماز پنجوقتہ کے بعد جو دعائیں احادیث میں آئی ہیں اُن کے سوا اور دعائیں جو کسی کو یاد ہوں خواہ وہ اپنی زبان میں خواہ دوسری زبان میں ہوں یا جو درود شریف چاہے پڑھے یا نہیں اور جو عورتیں خلاف وضع مردوں کے بدن کو سمٹا کر سجدہ کرتی ہیں اور دونوں پاؤں باہر نکالتی ہیں کس دلیل سے ثابت ہے **جواب** نماز فرائض وغیرہ کے بعد اختیار ہے جو دعا چاہے جس زبان میں ہو پڑھے افضل یہ ہے کہ عربی میں ہو۔ یزید بن ابی حبیب کی حدیث سے عورتوں کے سجدے کی وضع ثابت ہے ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ فی ذلک لیست کالرجل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر دو عورتوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کا کچھ حصہ زمین سے ملا دو کیونکہ اس معاملہ میں عورت کا حکم مرد کا ایسا نہیں ہے اس حدیث کو ابو داؤد نے کتاب المراسیل میں اور بیہقی نے روایت کیا **سوال** رفع یدین عیدین میں ہر تکبیر کے ساتھ اور نماز جنازہ میں احادیث سے ثابت ہے یا نہیں **جواب** بخاری کتاب رفع الیدین میں نافع سے روایت کی ہے کان ابن عمر اذا صلے علی الجنازۃ کبر ورفع یدیہ حضرت ابن عمر جب نماز جنازہ پڑھتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا دیتے اور بھی اُنہیں سے روایت ہے انہ قال یرفع یدیہ فی کل تکبیر علے الجنازۃ یعنی حضرت ابن عمر نے فرمایا ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ جنازہ کی ہر تکبیر میں اُٹھانے چاہئیں اور موسیٰ سے روایت ہے رأیت ان ابان بن عثمان یصلے علی الجنازۃ یرفع یدیہ فی اول التکبیر یعنی میں نے ابان بن عثمان کو دیکھا ہے کہ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے

تھے اور اسیطرح قیس بن ابی حازم اور عمر بن عبدالعزیز اور مکحول اور موہب بن منبہ اور زہری اور ابراہیم نخعی اور حسن رضی اللہ عنہم سے روایت ہے اور بیہقی نے عمرؓ سے نماز عیدین میں روایت کی ہے انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرات یعنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ہاتھ تکبیروں میں اُٹھاتے تھے

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی۔ **سوال** جمعہ کی جماعت ہو جانے کے بعد دس پندرہ آدمی آگئے یہ لوگ اُسی مسجد میں جمعہ مع خطبہ جماعت سے پڑھیں یا بجماعت ظہر ادا کریں **جواب** چونکہ تعداد جماعت جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اُسکو ظہر پڑھنا درست نہیں ہے اس لئے ان لوگوں کو چاہیئے کہ جمعہ بجماعت مع خطبہ ادا کریں مگر اگر اُسی مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو حررہٗ ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** مشرکین قبر پرست و تعزیہ پرست کی جماعت ہو رہی ہے کوئی اور شخص اُن کی جماعت ہونے کے باعث علیحدہ نماز پڑھے یا اُن کی جماعت کے بعد جمعہ مع خطبہ اُسی مسجد میں بجماعت ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں **جواب** چونکہ حدیث صلوا خلف کل بر و فاجر اسپر دلالت کرتی ہے کہ امام اگر فاجر بھی ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینا چاہیئے اور مؤید اسکا صحابہ کا نماز جمعہ و پنجوقتہ ادا کرنا ہے ان اشقیا کے پیچھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے اسلئے جو مبتدع درجۂ کفر تک نہ پہونچے اُسکی جماعت جب ہو رہی ہو تو اُس میں شریک ہو جائے تنہا نہ پڑھے اور نہ دوسری جماعت قائم کرے حررہٗ ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** کس مقدار مسافت کے سفر میں بحکم حدیث نماز قصر کرنا چاہیئے **جواب** اس باب میں کوئی حدیث مرفوع صحیح وارد نہیں ہوئی اور صحابہ اس میں مختلف رہے ہیں ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ سے دو روز کی مسافت میں قصر درست ہے جیسا کہ موطا مالک اور سنن بیہقی وغیرہ میں مروی ہے مگر حنفیہ نے تین روز کی مسافت کہی ہے سنن وغیرہ میں باسانید صحیحہ مروی ہے یمسح المقیم ای علی الخفین تمام یوم ولیلۃ والمسافر ثلثۃ ایام ولیالیھا یعنے مقیم اپنے دونوں موزوں پر ایک دن رات اور مسافر تین دن رات مسح کرے۔ کیونکہ اس حدیث سے مسح خفین کی اجازت ہر مسافر کو تین دن تک دی گئی اور یہ بدون اسکے ممکن نہیں کہ سفر شرعی اسقدر سے ہو حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** مشغولین معاملات دنیاوی کے لیے کس قدر آسانی اور رعایت وقت کے لحاظ سے ہو سکتی ہے بعض ہندوستانی مسلمان دودھ بیچتے ہیں اور وہ گوبر وغیرہ کی

چھینٹ پڑ جانے کی وجہ سے تارک الصلوٰۃ ہوجاتے ہیں اور انگریزوں کے خانساماں عدیم الفرصتی
کے علاوہ یہ عذر بھی رکھتے ہیں کہ صاحب لوگوں کو شراب دیتے وقت چھینٹیں گرتی ہیں یا سور کا
گوشت چھونا پڑتا ہے یا کچہری کے بعض ملازم یہ عذر رکھتے ہیں کہ اُس وقت حکام کے سامنے حاضر ہونا پڑتا ہے
اس عذر کے باعث وہ لوگ نماز ظہر و عصر کو ترک کرتے ہیں کہ خاص وہ وقت حضوری حکام و کثرت کار
کا ہوتا ہے کسی دن ظہر کے وقت اور کسی دن عصر کے وقت بدقت اتنی فرصت ملتی ہے کہ چار رکعت
نماز ادا کرلیں غرض دونوں نمازیں نہیں پڑھتے اگرچہ خوف معبود مطلق سکو لگا ہے اور سب اپنے معبود کی
پکڑ سے بچنا چاہتے ہیں مگر ساتھ میں تلاش رزق کی ضرورت بھی سمجھتے ہیں اگرچہ خدا رازق ہے مگر استقلال
وصبر اس درجہ کا نہیں تو ان لوگوں کی نجات کی شکل کیا ہے اور کیا عذر کے وقت جمع بین الصلوٰتین جائز ہے
یا نہیں اور ایسے پیشہ وروں کے لئے شرع نے کہاں تک آسانی کی ہے **جواب** اصحاب شغل و معاملات
کو جو بسبب اشغال کے چار رکعت سے زائد ادا نہیں کرسکتے اتنی آسانی ہے کہ جب فرصت نہ ملے تو فرائض
اور واجبات پر اکتفا کریں اور سنت فجر کے سوا دوسری سنن ترک کردیں کیونکہ فجر کی سنتوں کو حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور حضر میں کبھی نہیں چھوڑتے تھے اور جمع بین الصلوٰتین کی اجازت مرض اور سفر کے عذر
کے علاوہ میں نہیں ہے گو صحیح مسلم میں جمع بغیر سفر و لا مطر و لا عذر مروی ہے مگر اکثر کے نزدیک وہ جمع
صوری پر محمول ہے اور بعض محدثین اگرچہ بدون کسی عذر کے جمع حقیقی جائز رکھتے ہیں مگر وہ یہ شرط کرتے ہیں
کہ عادت نہ ہونے پائے احیاناً اگر ہو تو مضایقہ نہیں اور عوام کو اجازت دینے میں عادت کا قوی احتمال ہے
حررہ ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** عیدین کی نماز کے لیے خروج الی الجبانہ سنت مؤکدہ ہے یا نہیں
جواب سنت مؤکدہ ہے چنانچہ محشی شرح وقایہ مولوی عبدالحی صاحب دام فضلہ حاشیہ شرح وقایہ
موسوم بہ عمدۃ الرعایہ میں تحریر فرماتے ہیں قال فی شرح الوقایۃ جب یوم الفطران یاکل قبل صلوتہ ویستاک
ویغتسل ویتطیب ویلبس احسن ثیابہ ویودی فطرتہ ویخرج الی المصلی غیر مکبر جھرا فی طریقہ
انتھی یعنی صاحب شرح وقایہ نے کہا ہے عید الفطر کے دن مستحب یہ ہے کہ نماز کے پہلے کچھ کھائے اور مسواک اور غسل کرے
اور خوشبو لگائے اور اچھے کپڑے پہنے اور صدقۂ فطر دے اور مصلی کی طرف جائے اور راہ میں بالجہر تکبیر نہ کہے
قوله جب بصیغۃ المجهول من التحبیب والمراد بہا عم من السنۃ المؤکدۃ والمستحب بان بعض الامور
المذکورۃ عدہ من السنن المؤکدۃ کالغسل وغیرہ قوله بیستاک ھذا من السنن العامۃ عند

کل وضوء مستحب عند کل صلوٰۃ فیکون مستحب سنة ایضاً فی العیدین بالطریق الاولی قوله
تؤدی فطرة بالکسر ای صدقة الفطر وهو وان کان اداؤها واجب لکن اداؤها
قبل الخروج الی المصلی مسنون هو المنقول عن ابن عمر قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیه و
سلم یوم الفطر ان نؤدیها قبل خروج الناس الی الصلوٰۃ اخرجه البخاری ومسلم قوله یخرج
الی المصلی بصیغة المفعول هو موضع فی الصحراء یصلی فیه صلوٰۃ العیدین ویقال له الجبانة
ومطلق الخروج من بیته الی الصلوٰۃ وان کان واجباً بناء علی ان ما یتم به الواجب واجب لکن الخروج
الی الجبانة سنة مؤکدة وان وسعهم المسجد الجامع فان صلوا فی مساجد المصر من غیر عذر جاز
صلوتهم وترکوا السنة هذا هو الصحیح کما فی الظهیریة وفی الخلاصة والخانیة السنة ان یخرج
الامام الی الجبانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علی ان صلوٰۃ العیدین فی
موضعین جائزة بالاتفاق انتهی والاصل فیه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یخرج الی
المصلی ولم یصل صلوٰۃ العیدین فی مسجده مع شرف الامرة بعذر المطر کما بسط ابن القیم
فی زاد المعاد والقسطلانی فی المواهب اللدنیة وغیرهما والاحادیث فی هذا الباب
مخرجة فی کتب السنن وغیرها وقد وقع النزاع بین العلماء فی عصرنا فی ان الخروج الی المصلی
سنة مؤکدة ام مستحب فافتی اکثرهم بانه سنة مؤکدة وهذا هو القول المنصور الموافق لکتب
الاصول والفروع المطابق لما علیه الجمهور وقیل انه مستحب هو قول باطل لا وجه له وافرط
بعضهم فقال انه واجب وهو قول مردود کلا غیره به والتفصیل مقام آخر انتهی وقال فی
الدر المختار وندب یوم الفطر اکله الی قوله اداء فطرته صح عطفه علی اکله لان الکلام کله
قبل الخروج ومن ثم اتی بکلمة (ثم خروجه) لیفید تراخیه عن جمیع ما مر ماشیاً الی الجبانة
وهی المصلی العام والواجب مطلق التوجه والخروج الیها ای الی الجبانة لصلوٰۃ العید سنة وان وسعهم
المسجد الجامع وهو الصحیح قوله حبب مراد عام ہے خواہ سنت موکدہ ہو یا مستحب کیونکہ بعض امور کو کہ
سنت موکدہ ہیں مثلاً غسل وغیرہ قوله یستاک مسواک کرنا عام سنت ہے ہر وضو کے وقت اور ہر نماز
کے وقت مستحب ہے تو عیدین میں بدرجہ اولی مستحب ہوئی قوله ویؤدی اور صدقہ فطر ادا کرنا اگرچہ واجب ہے
مگر اسکو نماز عید سے پہلے ادا کرنا سنت ہے یہی ابن عمر سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ہمکو حکم دیا کہ نماز عید کے لئے لوگوں کے باہر جانے سے پہلے صدقۂ فطر دے دیا کریں اسکو بخاری و مسلم نے روایت کیا قولہ یخرج الی المصلی مصلی بصیغۂ اسم مفعول صحرا میں وہ جگہ ہے جہاں عیدین کی نماز پڑھی جائے اور اُسے جبانہ بھی کہتے ہیں اور محض اپنے گھر سے نماز کے لئے نکلنا بھی واجب ہے کیونکہ جس سے واجب تمام ہو وہ بھی واجب ہے لیکن خروج الی الجبانہ سنت مؤکدہ ہے اگرچہ مسجد جامع میں اتنی وسعت ہو کہ سب لوگ اسمیں سما سکیں پس اگر بلا عذر شہر کی مسجدوں میں نماز پڑھلی تو نماز درست ہو گی لیکن ترک سنت لازم آئیگا اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ظہیریہ اور خلاصہ ور خانیہ میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام جبانہ جائے اور کسی دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ بنایا جائے تاکہ شہر میں ضعیفوں کے ساتھ نماز پڑھے کیونکہ عیدین کی نماز بالاتفاق دو جگہوں میں جائز ہے انتہی دراصل یہ ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا مصلے کیجانب تشریف لیجاتے تھے اور مسجد میں عیدین کی نماز نہیں پڑھتے تھے باوجودیکہ مسجد نبوی کو شرف حاصل تھا البتہ ایک تبہ بعذر بارش آپ تشریف نہیں لے گئے جیسا کہ ابن القیم نے زاد المعاد اور قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اسکی تفصیل کی ہے اور اس بارے میں کتب سنن وغیرہ میں بکثرت احادیث موجود ہیں ہمارے زمانے کے علما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خروج الی المصلی سنت مؤکدہ ہے یا مستحب تو اکثر نے اس بات کا فتوی دیا ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور یہی قول مؤید اصول و فروع کے موافق اور مذہب جمہور کے مطابق ہے اور بعضوں کے نزدیک مستحب ہے اور یہ قول باطل ہے اور بعضوں نے بہت زیادتی کر کے واجب کہا ہے اور یہ قول مردود ہے قابل اعتبار نہیں اور اسکی تفصیل کے لئے دوسرا مقام ہے اور درمختار میں ہے قولہ وادا فطرتہ اسکا عطف اکلہ پر صحیح ہے کیونکہ یہ تمام امور قبل خروج کے ہیں اور اسی لئے ثم خروجہ کہا تاکہ تراخی پر دلالت کرے ماشیا الی الجبانۃ جبانہ مصلے عام کو کہتے ہیں اور واجب محض توجہ ہے اور خروج الی الجبانہ نماز عید کے لئے سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب سما سکیں اور یہی صحیح ہے۔ حررہ محمد عباس غفرلہ۔ الجواب صحیح حررہ الفقیر محمد محسن جونپوری۔ الجواب صحیح والرائے نجیح بلا شبہ مقتضائے ادلہ شرعیہ یہ ہے کہ خروج الی المصلی سنت مؤکدہ ہے اور قول استحباب قابل اعتماد نہیں حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر: محمد عبد الحی ابوالحسنات]

سوال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ہے یا نہیں کہ ظہر کا وقت سایہ کے دو مثل ہونے تک ہے **جواب** ہاں فقہا کے ایک گروہ نے تصحیح کی ہے اور چونکہ دلائل مثل قوی ہیں اسلئے حنفیہ کی ایک جماعت نے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے مذہب پر فتوی دیا ہے اور وقت ظہر کی انتہا سایہ کے ایک مثل ہونے کو بتایا ہے خزانۃ الروایات میں ملتقی البحار سے نقل کیا ہے

ان ابا حنیفة قد رجع فی خروج وقت الظہر و دخول وقت العصر الی قولہما امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خروج وقت ظہر اور دخول وقت عصر میں صاحبین کے قول کی جانب رجوع کیا ہے اور شیخ عابد سندی نے مواہب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ میں لکھا ہے قد الف ابن نجیم صاحب البحر رسالة لتائید مذہب ابی حنیفة فی ہذہ المسألة واستدل علی مطلوبہ بادلة متعددة واجاب عنہا ابو الحسن السندی فی حاشیة فتح القدیر لابن الہمام لکن لما رأیت رجوع ابی حنیفة الی قول الجمہور ما وسعنی ذکر شیء من الادلة والجواب عنہا وما للاختصار مع انہ روی فی المسألة روایات متعددة عن الامام فمنہا روایة صیرورة الظل مثلین ومنہا روایة المثل یعنی شیخ ابن نجیم صاحب بحر نے ایک رسالہ اس مسئلہ میں مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تائید میں لکھا ہے اور اس میں اپنے مطلوب پر متعدد دلیلیں پیش کی ہیں اور انکا جواب ابو الحسن سندی نے حاشیہ فتح القدیر میں دیا ہے لیکن جب میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول جمہور کی طرف رجوع کرنیکا حال جانا تو کوئی ضرورت اُن ادلہ اور جوابات کے نقل کی میرے لئے نہ رہی اختصار کے قصد سے حالانکہ امام صاحب سے اس مسئلہ میں مختلف روایتیں ہیں بعض سے دو مثل ثابت ہوتا ہے اور بعض سے ایک مثل مکہ معظمہ کے مفتی شافعیہ سید احمد دحلان اپنے رسالہ النصر فی ذکر وقت صلوٰۃ العصر میں لکھتے ہیں ممن نقل ایضاً رجوع الامام الی قول صاحبیہ صاحب الفتاوی الشامی صاحب کتاب الانیس وصاحب الجوہر المنیر شرح تنویر الابصار وذکرہ ایضاً فی زیادات الہندوانی علی مستدرک الشیبانی فی باب ما یحل اکلہ وما لا یحل قال وقد صح رجوع ابی حنیفة عن قولہ لا یحل اکل لحوم الخیل وخروج وقت الظہر وممن نقل الرجوع ایضاً صاحب الصراط القویم انتہی یعنی جن لوگوں نے امام صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف لکھا ہے اُن میں سے صاحب فتاوی شامی اور صاحب کتاب الانیس اور صاحب جوہر منیر شرح تنویر الابصار ہیں اور بھی اسکا ذکر زیادات الہندوانی علی مستدرک الشیبانی کے باب ما یحل اکلہ وما لا یحل میں ہے وہ لکھتے ہیں کہ گھوڑوں کا گوشت حلال نہیں ہے اور ظہر کا وقت اُس وقت ختم ہوتا ہے جب سایہ دو مثل ہوجائے ان دونوں سے امام صاحب نے رجوع کیا اور جن لوگوں نے رجوع کو نقل کیا ہے اُن میں سے صاحب صراط قویم بھی ہیں حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

سوال کرہ قطبین شمالی و جنوبی میں جہاں چھ مہینہ تک آفتاب نہیں ڈوبتا پھر چھ مہینے تک تاریکی رہتی ہے

آفتاب نہیں نکلتا فرائض صوم وصلوٰۃ کیونکر ادا کیے جائیں اور قرب وجوار قطب شمالی کے ممالک میں جہاں آبادی ہے اور بیس ساعت کا دن ہوتا ہے اگر ماہ رمضان المبارک ان ایام میں واقع ہو تو وہاں روزہ جو ہلاکت کا باعث ہے کیونکر رکھا جائے **جواب** صوم وصلوٰۃ وغیرہ کے احکام کے نصوص جمیع مکلفین کے لئے ہر شہر اور ہر زمانے میں عام ہیں لہذا اختلاف اقالیم اور طول نہار کی وجہ سے کوئی خلل نہ پڑیگا اور یہ خیال کرنا کہ جہاں دن بڑا ہوتا ہے وہاں روزہ رکھنا ہلاکت کا باعث ہے غلط ہے کیونکہ جبکہ اللہ نے اپنے احکام کو عام رکھا ہے اسیطرح جہاں روزہ رکھنا طاقت بشریہ سے خارج معلوم ہوتا ہے وہاں بنی آدم کا مسکن نہیں بنایا فن جغرافیہ کے محققین نے تصریح کی ہے کہ آخر عمارت جزیرۂ طولی ہے کہ اسکا عرض خط استوا سے ترسٹھ درجہ ہے اور بعضے ساڑھے چونسٹھ درجہ عرض میں وجود عمارت کے قائل ہیں اور ازمنہ متاخرہ میں چھیاسٹھ درجہ عرض میں عمارت کا نشان پایا گیا ہے جیسا کہ ناظورۃ الحق وغیرہ میں مصرح ہے اسکے علاوہ اقالیم وبلاد کی آب وہوا کے اختلاف سے قویٰ اور امزجۂ انسانیہ بھی مختلف ہوتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ بلغار جو اقلیم سابع میں واقع ہے اور اس اقلیم کے وسط میں دن کا طول اٹھارہ ساعت کا ہوتا ہے اور بلغار میں زمانۂ صیف میں رات اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ بعض اوقات غروب شفق کے ساتھ ہی صبح صادق کا طلوع ہوتا ہے وہاں مسلمان لوگ روزہ رکھتے ہیں رمضان جاڑے میں پڑے یا گرمی میں اور آفاقی بھی جو وہاں ہوتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور کوئی روزہ رکھنے کی وجہ سے نہیں مرتا مؤرخ مغربی ابن بطوطہ جو رجال مائۃ ثامنہ میں ہیں اپنے سفرنامہ موسومہ بہ تحفۃ النظار فی غرائب الامصار میں لکھتے ہیں وکنت سمعت بمدینۃ بلغار فاردت التوجہ الیہا لاری ماذکر عنہا من انتہاء قصر اللیلۃ بہا فوصلتہا فی رمضان فلما صلینا المغرب افطرنا واذن بالعشاء فی اثناء افطارنا فصلینا وصلینا التراویح والشفع والوتر وطلع الفجر اثر ذلک میں مدینۂ بلغار کے متعلق سنا کرتا تھا کہ وہاں رات بہت چھوٹی ہوتی ہے میں نے وہاں جانیکا قصد کیا اور جب میں وہاں پہونچا تو رمضان کا مہینہ تھا جب ہم نے مغرب کی نماز پڑھی تب افطار کیا اور اثنائے افطار ہی میں عشا کا وقت آگیا تب ہم نے عشا کی نماز پڑھی اور تراویح ووتر سے فراغت پائی ہی تھی کہ فجر طالع ہوگئی حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال بعض رسائل میں لکھا ہے کہ وتر کی پہلی رکعت فرض اور دوسری سنت اور تیسری واجب ہے یہ صحیح ہے یا نہیں۔

جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ وتر تین رکعت ایک نماز ہے اسکے بعض رکعات کا فرض اور بعض کا واجب اور بعض کا سنت ہونا ممکن نہیں کتب معتبرہ میں اسیقدر لکھا ہے کہ وتر کی تین رکعت نماز امام ابو حنیفہ رحمہ

اللہ کے نزدیک واجب اور صاحبین رحمہا اللہ کے نزدیک سنت ہی حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال جس شخص نے عمر بھر نماز نہ پڑھی ہو مرنے کے بعد اُس کے جنازے کی نماز پڑھنے کی نسبت کیا حکم ہی
جواب اُسکا غسل اور اُسکی نماز وغیرہ سب مسلمانوں کی طرح ہونا چاہیے کیونکہ حدیث میں ہی صلوا
علی کل بر و فاجر ہر نیک اور بد پر نماز پڑھو حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر عید الفطر کے
دن کثرت بارش کی وجہ سے مسلمانوں کا اجتماع نہو سکے تو دوسرے دن بھی عید کی نماز پڑھنا جائز ہی یا
نہیں اور اگر جائز ہے تو ادا کی صورت کیا ہے یعنے سو پچاس نمازیوں کے ساتھ جا سوقت مساجد میں
جمع ہو جائیں نماز پڑھ لیں یا دوسرے دن جمیع مسلمانان شہر و حوالی شہر کے ساتھ نماز پڑھیں دوسرے
دن جو نماز ہوگی وہ اپنے وقت پر ہوگی یا وقت کے بعد ادا ہوگی یا قضا یا اختلاف ہے اگر اختلاف ہے
تو ترجیح کس قول کو ہے **جواب** بعذر بارش وغیرہ اگر اول روز عید کی نماز نہو تو دوسرے دن
پڑھنا چاہیے مگر ادا اور قضا ہونے میں فقہا کے دو قول ہیں جامع الرموز میں ہی ولعلہ مبنی علی اختلاف
الروایتین ویویدہ ما فی زکوٰۃ النظم ان تصلوتہ یوما واحدا فی الاصول ویومین
فی مختصر الکرخی اور شاید یہ اختلاف روایتین پر مبنی ہو اور اُسکی تائید نظم کے باب الزکوٰۃ کی اس عبارت
سے ہوتی ہے کہ نماز عید کے لیے ایک دن ہی یہ اصول میں ہے اور دو دن ہیں یہ مختصر کرخی میں ہے
اور در مختار کتاب الاضحیۃ میں زیلعی وغیرہ سے قضا ہونے کا قول نقل کیا ہے اور باب العیدین میں
لکھا ہی وتکون قضاء لا اداء کما سیجئ فی الاضحیۃ وحکی القہستانی قولین یہ نماز قضا ہوگی ادا نہوگی
جیسا کہ اضحیہ کے بیان میں آئے گا اور قہستانی نے اس میں دو قول نقل کیے ہیں۔ پس اس اختلاف
کی وجہ سے اولی یہی ہوگا کہ اول ہی روز نماز عید ادا کی جائے اور فعل نبوی اسکا موید ہے کہ ایک دن حضور
سرور عالم بارش کی وجہ سے عیدگاہ تشریف نہ لیجا سکے تو اول ہی روز آپ نے مسجد میں عید کی نماز ادا فرمائی
جیسا کہ کتب حدیث و سیر میں اسکی تصریح ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی -
سوال تکرار جماعت ایک مسجد میں درست ہی یا نہیں **جواب** جماعت اولی کی فراغت کے بعد جماعت
ثانیہ کے جواز کی اصل یہ حدیث ہی جو سنن ابوداؤد وغیرہ میں ابوسعید خدری سے مروی ہے ان رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا یصلے وحدہ فقال الا رجل یتصدق علے ھذا فیصلے معہ فقام رجل
فصلے معہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کیا کوئی شخص نہیں

جواسکا شریک ہو جائے اور اُس کے ساتھ نماز پڑھے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اُسکے ساتھ نماز پڑھی۔ اور
اُسکی مؤید اثر حضرت انسؓ ہے جو سنن بیہقی اور مسند ابو یعلی وغیرہ میں مروی ہے اور صحیح بخاری میں بھی بطور
تعلیق کے مذکور ہے انه دخل مسجد بنی رفاعة قد صلی فیه فاذن واقام وصلی جماعة یعنے حضور سرور
انبیا علیہ التحیۃ والثنا مسجد بنی رفاعہ میں تشریف لے گئے وہاں نماز ہو چکی تھی آپ نے نماز پڑھی پس
وہاں اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی اور نماز با جماعت پڑھی گئی اور ظاہر الروایۃ حنفیہ کے نزدیک
اگرچہ تکرار جماعت کی کراہت ہے مگر مفتیٰ بہ یہ ہے کہ جماعت اولیٰ کی ہیئت وکیفیت پر اگر جماعت ثانیہ نہو تو بلا کراہت
درست ہے اور کراہت کی روایت بھی چند شروط کے ساتھ مقید اور مشروط ہے درمختار شرح تنویر الابصار میں ہے
یکرہ تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق ومسجد لا امام ولا موذن
محلہ کی مسجد میں تکرار جماعت مع اذان واقامت کے مکروہ ہے نہ کہ راستہ کی مسجد میں یا ایسی مسجد میں جسکا امام
اور موذن مقرر نہو۔ اور خزائن الاسرار شرح تنویر الابصار میں ہے یکرہ تکرار الجماعة فی مسجد محلة
باذان واقامة الا اذا صلی بهما فیه اولا غیر اهله او اهله لکن بمخافتة الاذان ولو کرر اهله بدونهما
او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس له امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیه فوجا فوجا اور محلہ کی
مسجد میں تکرار جماعت مع اذان واقامت کے مکروہ ہے مگر جبکہ باذان واقامت جو نماز پہلے پڑھی گئی ہے وہ غیر اہل محلہ
نے پڑھی ہو یا اہل محلہ نے پڑھی ہو مگر اذان آہستہ دی گئی ہو اور اگر بغیر اذان و اقامت کے نماز پڑھی یا مسجد راستہ پر
واقع تھی تو بالاجماع جائز ہے جیسا کہ اُس مسجد میں جہاں امام وموذن مقرر نہو اور لوگ مختلف ٹکڑیوں میں نماز پڑھتے
ہوں۔ اور منبع شرح مجمع میں ہے التقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز عن الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما
اذا صلی فی مسجد المحلة جماعة بغیر اذان حیث یباح اجماعا انتهی یعنے مسجد میں محلہ کی قید لگانے سے شارع
عام سے احتراز ہو گیا اور اذان ثانی کی قید سے اس صورت سے احتراز ہوا کہ مسجد محلہ میں پہلی جماعت بلا اذان
ہوئی ہو کیونکہ یہ بالاجماع مباح ہے اور رد المحتار باب الاذان میں ہے فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی
اهله فیه فانهم یصلون وحدانا وهو ظاهر الروایة ظهیریة وفی اٰخر شرح المنیة وعن ابی حنیفة
لو کانت الجماعة اکثر من ثلاثة یکره التکرار والا فلا وعن ابی یوسف اذا لم تکن علی الهیئة الاولی
لا تکره والا تکره وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة کذا فی البزازیة وفی التاتارخانیة
عن الولوالجیة وبه ناخذ پس اگر ایک جماعت مسجد میں آئی جبکہ اہل محلہ نماز پڑھ چکے تھے تو انھیں الگ

الگ نماز پڑھنا چاہیے۔ اور یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ ظہیریہ۔ اور آخر شرح منیہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے
مروی ہے اگر جماعت تین سے زائد ہو تو تکرار مکروہ ہے ورنہ نہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے
کہ اگر ہیئت اولیٰ پر نہو تو مکروہ نہیں ہے ورنہ ہے اور یہی صحیح ہے اور محراب کو چھوڑ دینے سے ہیئت بدل
جاتی ہے ایسا ہی بزازیہ اور تاتارخانیہ میں ولوالجیہ سے منقول ہے اور ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں۔ ان عبارات
سے ظاہر ہوگیا کہ جو لوگ مطلقاً جماعت ثانیہ کو مکروہ کہتے ہیں انکا قول غلط اور قول مفتی بہ کے مخالف ہے
اور یہ خیال کہ تکرار جماعت تقلیل جماعت اولیٰ کی طرف منجر ہے خیال باطل ہے اسلئے کہ یہ امر جب لازم آئیگا کہ
کسی مسجد میں تقرر تکرار جماعت کا کر دیا جائے کہ ہر وقت دو یا تین جماعتیں ہوا کریں اس حالت میں البتہ جماعت اولیٰ
کے اہتمام میں فرق ہوگا اور اگر تقرر ایک ہی جماعت کا ہوا اور اتفاقاً کچھ لوگ اُسمیں نہوے تو اُنکی جماعت کر لینے
کوئی مانع شرعی نہیں ہے خصوصاً جبکہ جماعت ثانیہ کا امام مقام قیام امام اولیٰ میں نہ کھڑا ہوا اور یہ گمان کہ اگر
شرعاً جماعت ثانیہ مشروع ہوتی تو حالت غزوات میں صلوٰۃ خوف بہ تغیر انتظام مشروع نہوتی کیونکہ ممکن تھا
کہ طائفہ بعد طائفہ جماعت سے نماز پڑھ لیا کرے محض لغو ہے اس وجہ سے کہ مقصود مشروعیت صلوٰۃ خوف سے یہ ہے
کہ سب مجاہدین ایک ہی وقت نماز سے فارغ ہوکے اور امور میں مصروف ہوں اور یہ امر تعدد جماعت سے نہیں ہو سکتا
اس سبب سے انتظام جدید صلوٰۃ خوف کے واسطے مقرر کیا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت ثانیہ تعاقبیہ کی کراہت کی کوئی
معتد بہ وجہ نہیں ہے خاص کر جبکہ جماعت اولیٰ کی ہیئت پر نہو۔ ومن ادعی فعلیہ البیان بواضح البرہان حررہ الراجی
عفو ربہ القوی محمد عبد الحی۔ استفتاء لکھنؤ میں سنہ ۱۲۸۳ھ میں یہ فتویٰ لکھا گیا کہ مجالس الابرار میں ہے کہ جب
نماز عید کا وقت آجائے تو امام لوگوں کے ساتھ دو رکعتیں بلا اذان واقامت پڑھے پہلے افتتاحی تکبیر کہکے
ہاتھ ناف کے نیچے باندھے اور سبحانک اللہم پڑھے پھر تین تکبیریں کہے اور ہر دو تکبیر کے درمیان میں بقدر
تین تسبیحوں کے فصل کرے کیونکہ عیدین میں مجمع بہت ہوتا ہے اور متواتر تکبیریں کہنے کی صورت میں جو لوگ
دور ہیں اُن کو اشتباہ واقع ہوگا اور ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اُٹھائے اور تکبیروں کے وسط میں چھوڑ دے
پھر تیسری تکبیر کے بعد ناف کے نیچے دونوں ہاتھوں کو باندھے اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ کہکر سورہ
فاتحہ پڑھے اُسکے بعد جو سورت جی چاہے پڑھے پھر تکبیر کہکے رکوع کرے اور جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو
تو قرأت سے شروع کرے پھر قرأت کے بعد تین تکبیریں کہے اور درمیاں میں فصل اتنا ہی کرے کہ جس کا ابھی ذکر
ہوا اور دونوں ہاتھوں کو اُٹھائے پھر چھوڑ دے ہر تکبیر کے وقت یہاں وضع یدین نہیں ہے پھر تکبیر کہکے ا

رکوع کرے بندۂ عاصی ابوالحسنات محمد عبدالحی کہتا ہے میں اس معاملہ میں عرصے مضطرب تھا کہ نماز عید کی دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنا چاہیے یا چھوڑنا میں نے اسکے متعلق اپنے زمانے کے علماء سے بھی دریافت کیا لیکن کوئی شافی جواب نہیں ملا حتیٰ کہ مجالس الابرار کی یہ حدیث ملی تو میں نے اسپر خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ اس میں تصریح موجود ہے کہ یہاں رفع یدین نہیں ہے اور میرے خیال میں اسکی تائید ایک اور قوی دلیل سے بھی ہوگئی اور وہ یہ کہ قیام جو دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد ہے اسمیں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اور ہر قیام جس میں ذکر مسنون نہ ہو اس میں ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہونا چاہیے پھر اس قیام میں بھی ہاتھ چھوڑ دینا چاہیے صغریٰ کی دلیل تو یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس میں کوئی ذکر منقول نہیں ہے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے لیس بین تکبیرات العید ذکر مسنون عندنا لانہ لم ینقل ہمارے نزدیک عیدین کی تکبیروں کے درمیان میں کوئی ذکر مسنون نہیں کیونکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ اور نہایہ شرح ہدایہ میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں یرسل بین تکبیرات العیدین والمراد بہا التکبیرات الزوائد التی لا ذکر فی ما بینہا ولا قراءۃ فلا یضع یدیہ عنہا باتفاق علمائنا الثلثۃ ولا ذکر بین التکبیرات ذکر مسنون ولا مستحب لانہ لم ینقل وبہ قال محمد وقال الکرخی التسبیح اولی ذکرہ فی القنیۃ وقال الشافعی یحمد ویہلل بین تکبیرتین یعنے عید کی تکبیروں کے بیچ میں ہاتھ کھول دیے جائیں گے اس سے مراد تکبیرات زوائد ہیں جنکے درمیان میں ذکر نہیں ہے اور نہ قرات تو تکبیرات میں ہاتھ نہ باندھے اس میں علمائے ثلثہ متفق ہیں اور تکبیرات کے درمیان میں کوئی ذکر مسنون اور مستحب نہیں ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نہیں ہے اور یہی امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں اور کرخی نے کہا ہے کہ تسبیح اولی ہے ایسا ہی قنیہ میں ذکر کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ دونوں تکبیروں کے بیچ کہے۔ میں کہتا ہوں کہ بہر حال تکبیروں کے درمیان میں جو ذکر ہے وہ سنت نہیں ہے لیکن عدم استحباب جیسا کہ عینی نے کہا ہے غالباً صحیح نہیں کیونکہ عدم نقل عدم استحباب کی دلیل نہیں بلکہ صرف عدم سنیت کی دلیل ہے واللہ اعلم باقی رہا کبری تو اسکی تصریح بہت جگہ ہے اور اسپر بہت سی تفریعین کی گئی ہیں اور اس سے قومہ مستثنے کیا گیا ہے کیونکہ اس میں باوجود ذکر کے مسنون ہونے کے ارسال ید کی تصریح ہے جامع مضمرات میں ہے المصلی اذا احرم الصلوٰۃ ورفع یدیہ لا یرسلہما بل یضع لان ہذا قیام لیس فیہ ذکر مسنون وکذا فی القنوت وصلوٰۃ الجنازۃ

یضع الیمین علے الیسریٰ وکذا کل قیام فیہ ذکر مسنون والمختار فیہ الوضع ومابین الرکوع والسجود
یختار فیہ الارسال انتھٰی یعنے مصلی جب تحریمہ کرے اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے تو انھیں چھوڑ نہ دے بلکہ باندھ
لے کیونکہ یہ ایسا قیام ہے کہ اس میں ذکر مسنون ہے ایسے ہی قنوت اور نماز جنازہ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے
اور ایسے ہی ہر اُس قیام میں کہ جسکے اندر کوئی ذکر مسنون ہو لیکن رکوع اور سجود کے درمیان کھڑے ہونے
میں ہاتھوں کا چھوڑنا پسند ہے اور نقایہ اور اسکی شرح جامع الرموز میں ہے ویرسل عند الجمہور
خلافا لاصحاب الفضلی فی قومۃ الرکوع وتکبیرات العیدین وفیہ دلالۃ علی ان لیس فیھما
ذکر مسنون اور جمہور کے نزدیک ہاتھ چھوڑ دیے جائیں گے اصحاب فضلی قومۂ رکوع اور تکبیرات عیدین
میں اسکے خلاف ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے۔ اور برجندی نے اسکی
شرح میں کہا ہے ویرسل فی قومۃ الرکوع کانہ استثناء مما تقدم فان فیھا ذکرا مسنونا ومع ذلک
سن فیھا الارسال وقیل ان الذکر الذی فیھا سنۃ الانتقال لاسنۃ القومۃ وبین تکبیرات
العیدین ای فیما بینھا وانما ذکرھا فی حیز الاستثناء مع انہ لیس فیھا ذکر مسنون علے
ماھو المختار اشارۃ الی ما ذکرہ صاحب الغنیۃ عن عین الائمۃ انہ قال التسبیح بین تکبیرات
العیدین اولی اور قومۂ رکوع میں ہاتھ چھوڑ دیے جائیں گویا کہ یہ ماسبق سے استثنا ہے کیونکہ قومۂ رکوع میں
ذکر مسنون ہے پھر بھی ارسال سنت ہے بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اس میں جو ذکر سنت ہے وہ سنت انتقال ہے نہ کہ
سنت قومہ اور تکبیرات عیدین میں اسے بھی استثنا میں ذکر کیا ہے باوجودیکہ بر مذہب مختار اس میں
کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اس جانب اشارہ کرنے کے لیے جو صاحب غنیہ نے عین الائمہ سے نقل کیا ہے
کہ تکبیرات عیدین کے درمیان میں تسبیح اولی ہے جب صغریٰ و کبریٰ ثابت ہو چکا تو بلاشبہ نتیجہ جو شکل
اول بدیہی الانتاج سے نکلا ہے ثابت ہے اور اگر ہم وضع یدین کو سنت کہیں تو کلیۂ مذکورہ کی مخالفت لازم
آئے گی فلیعمل علی الارسال والتوکل علی العزیز المتعال ہذا ما خطر بالبال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال سوال
نماز کے بعد دعا میں رفع یدین کرنا جیسا کہ ائمہ دیار کا معمول ہے حدیث سے ثابت ہے یا نہیں اگرچہ فقہائے حنفیہ نے تصریح
کی ہے اور مطلق دعا کے وقت رفع یدین کی احادیث وارد ہیں مگر اس وقت خاص یعنی بعد ادائے نماز میں بھی
کوئی خاص حدیث وارد ہے یا نہیں جواب خاص اس میں بھی حدیث وارد ہے چنانچہ حافظ ابوبکر احمد
بن محمد بن اسحٰق بن السنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں لکھتے ہیں حدثنی احمد بن حسن حدثنا ابو اسحٰق

یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی عن خصیف
عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ
ثم یقول اللھم الٰھی و الٰہ ابراھیم و اسحٰق و یعقوب و الٰہ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل
اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی و تنالنی برحمتک
فانی مذنب و تنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ
خائبتین حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص ہر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھتا ہے خدا اس کے
ہاتھوں کو کبھی ناکام نہیں کرتا دعا اللھم سے متمسکن تک ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اے خدا میرے اور ابراہیم و اسحٰق و یعقوب و جبرئیل
و میکائیل و اسرافیل کے میں تجھ سے اپنی دعا کی قبولیت کی درخواست کرتا ہوں کیونکہ میں سخت مجبور ہوں
تو مجھے میرے دین میں معصوم رکھیو کیونکہ میں خطرات میں مبتلا ہوں اور مجھ پر اپنی رحمت کیجیو کیونکہ میں گنہگار ہوں
اور مجھ سے میری محتاجی دور کیجیو کیونکہ میں مسکین ہوں اگر کہا جائے کہ اس روایت کی سند میں عبد العزیز بن
عبد الرحمٰن ہے اور وہ متکلم فیہ ہے جیسا کہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مصرح ہے تو کہا جائیگا کہ حدیث ضعیف
استحباب کے لیے کافی ہے چنانچہ فتح القدیر کتاب الجنائز میں ہے والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع
استحباب حدیث ضعیف غیر موضوع سے بھی ثابت ہوتا ہے **سوال** ایک شخص کو سردی کے زمانے میں ٹھنڈے
پانی سے نہانا مضر کرتا ہے اور پانی گرم کرنا وقت نماز کو فوت کرتا ہے اسلئے کہ وہ شخص اتنی رات سے نہیں بیدار
ہوتا کہ پانی گرم کرکے نہالے اور پھر نماز کا وقت باقی رہے یا اس وجہ سے کہ اس وقت دکانیں بند ہونے
کی وجہ سے لکڑیاں نہیں مل سکتیں یا اس کے پاس قیمت نہیں ہے پس اگر نہانے کے عوض میں تیمم کرے اور
وضو کرکے فجر کی نماز ادا کرے اور دن چڑھے دھوپ میں نہالے تو نماز فجر ادا ہو جائے گی یا نہیں اور نہانے
کے بعد نماز کو دہرائے یا نہیں اور اس وقت غسل کرکے نماز صبح ادا کرنا بہتر ہوگا یا قضا کرنا بہتر ہوگا کہ دن
چڑھے غسل کرے جب ہی پڑھے بحوالہ کتاب تحریر کریں **جواب** تیمم کرکے نماز پڑھ لے اور پھر اعادہ ضروری نہیں
دن چڑھے نہانا ضروری ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** ایک
مسجد کا طول اور عرض پچاس پچاس ہاتھ کا ہے اس میں نماز ہوتی ہے اور دو یا تین قبریں مسجد کے بیچ میں
چار یا پانچ صف کے بعد صحن میں ہیں تو جس صف کے روبرو دو قبریں پڑینگی اس صف کی نماز درست ہوگی
یا نہیں یا اس میں تقابل امام کا لیا جائے گا مقتدی کے آگے ہو یا نہ ہو یعنی جب امام کے آگے قبریں

پڑتنگی تب نماز مکروہ ہوگی اور مقتدی کے آگے ہونے سے حرج نہیں **جواب** جن مقتدیوں کے آگے یا داہنے بائیں وہ قرین پڑتنگی انکی نماز مکروہ ہوگی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال ایک حافظ ہاتھ پاؤں سے اسقدر معذور ہے کہ بول و براز بھی بقاعدۂ شرعیہ نہیں کرسکتا فقط براز میں کلوخ لے سکتا ہے اور آبدست ایک انگلی کے گوشہ سے کرسکتا ہے وضو اور تیمم خود نہیں کرسکتا اور دونوں پاؤں آگے کیطرف پھیلا کے بیٹھکر نماز پڑھتا ہے ایسے حافظ کی امامت تراویح یا نماز پنجگانہ یا عیدین میں درست ہے یا نہیں **جواب** مکروہ ہے رد المحتار میں ہے وکذا اعرج یقوم ببعض قدمہ فالاقتداء بغیرہ اولی۔ تاتارخانیہ ۔ وکذا اجزم برجندی ومحبوب حافن ومن لہ ید واحدۃ ۔ فتاوی الصوفیۃ عن التحفۃ ۔ والظاہر ان العلۃ النفرۃ ولذا قید الابرص بالشیوع لیکون ظاہرا ولعدم امکان اکمال الطہارۃ ایضا فی المفلوج والاقطع والمجبوب لکراہۃ صلوۃ الحاقن ای ببول ونحوہ یعنے اسیطرح لنگڑا جو اپنے پاؤں کے بعض حصے پر کھڑا ہوتا ہے پس اُسکے غیر کی اقتدا اولی ہے تاتارخانیہ ۔ اور ایسا ہی برجندی کا خیال ہے اور جسکا پاؤں کٹا ہوا اور جس کے پاؤں چلنے میں مڑ جاتے ہوں اور جسکا ایک ہی ہاتھ ہو اُسکے سوا دوسرے کی اقتدا اولی ہے فتاوی صوفیہ میں تحفہ سے نقل کیا ہے اور بظاہر اسکی علت نفرت ہے اسی لئے ابرص میں شیوع کی قید لگائی ہے یعنے برص ایسی جگہ ہو جو عام طور پر دکھائی دے یا سب کو اُس کے مبروص ہونے کا علم ہو یا اس واسطے کہ مفلوج اور ہاتھ یا پاؤں کٹے ہوئے آدمی کی طہارت کامل نہیں ہوتی اور جس کے پاؤں چلنے میں مڑ جاتے ہوں اُسکی نماز بول وغیرہ کی وجہ سے مکروہ ہے واللہ اعلم حررہ محمد جنید عبدالباسط انصاری غفرلہ اللہ الباری محمد جنید عبدالباسط انصاری الجواب صحیح حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی الجواب صحیح نمقہ خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفرلہ اللہ الرحیم ابن مولانا علی محمد مرحوم محمد ابراہیم

سوال خطبۂ جمعہ کے بعد اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ جو پڑھتے ہیں یہ مستحب ہی یا بدعت گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی **جواب** خطبۂ جمعہ کے بعد کوئی دعا وارد نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال کسی قصبہ کی مسجد میں ایک حافظ قوم عصار نماز جمعہ یا پنجگانہ میں امامت کرتا ہے اور کوئی دوسرا شریف القوم حافظ نہیں ہے البتہ بعض شرفائے غیر حافظ امامت کرسکتے ہیں اور اُس حافظ کی امامت سے اکثر لوگ متنفر ہیں اس صورت میں کسکو

امام بنانا چاہیے **جواب** جو مسائل شرعیہ متعلقہ نماز زیادہ جانتا ہو اس کی امامت اولیٰ ہے گو حافظ قرآن نہو **سوال** نماز میں بعذر یا بلاعذر کھانسنا اور بغیر عمامہ کے امامت کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** نماز میں بعذر کھانسنا جائز اور بلاعذر مفسد ہے اور عمامہ کے ساتھ امامت مستحب اور بغیر عمامہ بھی جائز ہے **سوال** زید مغرب یا عشا کی نماز کا امام ہوا اور عمرو اور خالد وغیرہ مقتدی ہوے زید نے پہلی رکعت میں ارأیت الذی اور دوسری میں الم ترکیف پڑھی یا اول میں قل ہو اللہ اور دوسری میں انا اعطیناک پڑھے تو غیر سلسلہ پڑھنے کی وجہ سے نماز ہوئی یا نہیں **جواب** صورت اول میں اگر عمداً کیا ہے تو نماز مکروہ ہوگی اور صورت ثانی میں کراہت نہیں ہے خلاصہ میں ہے الجمع بین السورتین بینہما سورۃ واحدۃ فی رکعتین یکرہ وان کانت السورۃ طویلۃ لایکرہ کما اذا کانت بینہما سورتان قصیرتان وان قرء فی رکعۃ واحدۃ سورۃ وفی اخرے سورۃ اخری فوق تلک السورۃ فھو مکروہ الا اذا وقع ذلک من غیر قصد یعنی دو رکعتوں میں دو ایسی سورتیں پڑھنا جن کے بیچ میں ایک سورۃ ہو مکروہ ہے البتہ اگر سورت طویل ہو تو مکروہ نہیں جیسا کہ جب دونوں کے بیچ میں دو چھوٹی سورتیں ہوں اور اگر پہلی رکعت میں ایک سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اُس کے اوپر کی سورت پڑھ دی تو یہ مکروہ ہے مگر جب کہ بلاقصد ہو **سوال** جماعت ثانیہ میں دوبارہ اقامت کہنا چاہیے یا نہیں **جواب** کہنا چاہیے **سوال** اگر کوئی شخص کسی دن سہواً نماز فجر وغیرہ نہ پڑھے اور نماز عشا وتراویح وغیرہ پڑھے تو عشا وتراویح جائز ہوتی ہے یا نہیں **جواب** اگر صاحب ترتیب ہے یعنے اُس کی پانچ نمازیں کبھی قضا نہیں ہوئیں اور اگر ہوئیں تو وہ اُنکو وقتیہ کے پہلے ادا کرتا رہا ہو ایسے شخص کے ذمہ جب تک ایک نماز کی قضا باقی رہے کہ عمداً اُسے چھوڑ دیا ہے ادا اس کی نہ درست ہوگی جب تک کہ اُس قضا کو نہ پڑھ لے اور اگر صاحب ترتیب نہیں ہے تو اس کی نماز ادا باوجود باقی رہنے قضا کے درست ہے **سوال** اگر کوئی امام جمعہ میں پہلا خطبہ شرع کے موافق تمام کرکے دوسرا خطبہ شروع کرے اور بعد ختم اسامی صحابہ کرام زینہ اول پر اتر آئے اور کچھ کلمات خطبہ داہنے جانب منھ پھیر کے اور کچھ بائیں جانب منھ پھیر کے پڑھے پھر زینہ دوم پر کھڑا ہو کر جہاں خطبۂ اول پڑھا خطبہ تمام کرے تو کیسا ہے **جواب** بدعت ہے یہ اس کا

چھوڑنا ضروری ہے ردالمحتار حاشیہ درمختار میں اس کی تصریح موجود ہے **سوال** عیدگاہ میں نماز ختم کرکے جب امام خطبہ پڑھتا ہے تو لوگ ایک ایک دو دو ہوکر امام کے پاس جاتے ہیں کوئی امام کو روپیہ دیتا ہے کوئی دوپٹہ کوئی عمامہ کوئی عبا دیتا ہے یہ درست ہے یا نہیں **جواب** خطبہ کے بیچ میں ان امور سے پرہیز کرنا چاہیئے **سوال** قدیم زمانے سے ہندوستان میں ضاد کی جگہ دال پڑھتے ہیں اور زمانہ حال میں اکثر لوگ ض کو ظ پڑھتے ہیں دونوں میں کون صورت درست ہے **جواب** ض مناسب اور مشابہ ہے ظ سے اور دال سے بعید ہے اور مخرج ض کا ظ اور ز اور ذال کے مغایر ہے حتی الوسع چاہیئے کہ اصلی مخرج سے نکالا جائے اور اگر دشوار ہو تو ظ یا ز سے پڑھنا بہتر ہے نہ دال سے **سوال** زید دوسری رکعت کے قعدہ میں سہواً التحیات پڑھکر درود شریف پڑھنے لگا تھوڑا سا پڑھنے کے بعد یاد آگیا اور کھڑا ہوگیا ایسی حالت میں سہو کا سجدہ زید پر واجب ہوا یا نہیں اگر ہوا اور زید نے ناواقفیت کیوجہ سے سجدہ نہیں کیا تو اُس کی نماز ہوئی یا نہیں **جواب** حنفیہ کے نزدیک دوسری رکعت میں درود پڑھنے سے جو تاخیر قیام کا باعث ہوتا ہے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے جب بقدر اللھم صل علی محمد کے پڑھے اور بعضوں کے نزدیک جب اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کے بقدر پڑھے زیلعی نے اولیٰ کو اور رملی نے ثانی کو ترجیح دی ہے اور جس نے سہواً سجدہ ترک کیا اُس پر اُس نماز کا اعادہ واجب ہے **سوال** ایک شخص کبھی نماز پڑھتا ہے اور کبھی غفلت سے نہیں پڑھتا اور دوسرا ہمیشہ نماز پڑھتا ہے مسئلہ دانی قرأت عمر وغیرہ میں دونوں برابر ہیں پس امامت کس کو کرنا چاہیئے **جواب** جو ہمیشہ نماز پڑھتا ہے وہی قابل امامت ہے تنویر الابصار اور درمختار میں ہے الاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ ثم الاحسن تلاوۃ و تجوید للقراءۃ ثم الاداعای الاکثر اتقاء للشبہات والتقوی اتقاء المحرمات یعنی امامت کے لیے احق وہ شخص ہے جو احکام نماز سب سے زائد جانتا ہو پھر وہ جو تلاوت و قرأت اچھی کرتا ہو پھر وہ جو شبہات سے زائد بچتا ہو شبہات سے بچنے کو ادا کہتے ہیں اور محرمات سے بچنے کا نام تقویٰ ہے **سوال** ایک شخص بارہا اپنے لڑکے کو نماز کی تاکید کرتا ہے لیکن وہ نہیں سنتا پس ایسے لڑکے کو گھر میں رکھنا چاہیئے یا نکالدینا چاہیئے اور اگر محبت پدری کیوجہ سے رکھے تو وہ شخص اپنی بے نمازی لڑکے کے لئے ماخوذ ہوگا یا نہیں **جواب** اگر ایسے لڑکے کو محبت پدری کی وجہ سے رکھیگا تو بقدر

طاقت نصیحت کرنے کیوجہ سے ماخوذ ہوگا **سوال** جو شخص حدیث رفع سبابہ کے رواۃ میں جو صحیح مسلم میں مروی ہے یہ شبہہ کرے کہ یہ راوی مسلم و عاقل تھے یا نہیں حالانکہ علما جانتے ہیں کہ انمیں سے اصحاب قرون ثلٰثہ اور اکابر ائمہ ہری ہیں جن میں سے اکثر کے اوصاف بالخصوص یا بالعموم احادیث سے ثابت ہیں اور اس شخص کو انکی بزرگی کتب رجال وغیرہا سے دکھائی بھی گئی پس اس شبہہ کی وجہ سے اس پر کیا حکم ہے **جواب** ایسا شخص جو رواۃ صحیح مسلم میں شبہہ کرے کہ مسلم و عاقل تھے یا نہیں وہ شخص یا تو شخص جاہل ہے فنون حدیث اور اسماء رجال سے مطلقاً واقفیت نہیں رکھتا ہے یا معاند و گمراہ ہے ائمہ حدیث نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ اصح الکتب کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری پھر صحیح مسلم ہے اور اس امر پر کہ رواۃ صحیحین کے سب قابل قبول اور مستجمع شرائط قبول ہیں بجز چند رواۃ بخاری و مسلم کے کہ ان پر دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے لیکن اکثر ان جرحوں کا دفع شراح حدیث نے خصوصاً حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں کر دیا ہے ملا علی قاری شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں رواتہما قد حصل الاتفاق علی القول بکونہم عدولا وضابطا وغیرہما من اوصاف الصحۃ غالبا بطریق اللزوم فہم ای البخاری ومسلم وصاحب شرطہما احالہما مقدمون علی غیرہم فی روایاتہم یعنی رواۃ صحیح بخاری و صحیح مسلم بالاتفاق عادل وضابط ہیں ور انمیں اکثر اوصاف صحت بطریق لزوم پائے جاتے ہیں اسلئے بخاری و مسلم اور وہ لوگ جنھوں نے بخاری و مسلم کی شرطوں کی اتباع کی ہے اپنی روایتوں میں دوسروں پر مقدم ہیں اور ایسا ہی شرح الفیۃ الحدیث للعراقی وللسخاوی وللانصاری اور مقدمہ ابن صلاح اور خلاصہ طیبی اور مختصر ابن جماعت الی غیر ذلک من کتب الاصول میں مذکور ہے

سوال زید کہتا ہے کہ تشہد میں رفع سبابہ جو حدیث میں آیا ہے میں جب کروں گا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا فرض یا سنت یا مستحب یا مباح پس اس کا یہ کہنا درست ہے یا جہالت و گمراہی پر مبنی ہے اور کہتا ہے کہ حدیث جب کہ متواتر یا مشہور ہو تو اسپر عمل کروں گا اور اگر خبر واحد ہے تو اس پر عمل کرنا واجب نہیں حالانکہ اصول فقہ میں خبر واحد کے متعلق مرقوم ہے وانہ یوجب العمل دون العلم والیقین یعنے خبر واحد عمل کو واجب کرتی ہے نہ علم اور یقین کو پس اصول حنفیہ کے موافق اس کا یہ کہنا صحیح اور حدیث کو بوجہ خبر واحد ہونے کے غیر معمول بہ ٹھہرانا جائز ہے یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو زید پر بوجہ اس قول و عقیدہ

کے کیا حکم دیا جائیگا **جواب** زید کے یہ دونوں قول اصول حنفیہ کے مخالف ہیں تمام کتب
اصول مختصرات سے مطولات تک اس امر کی تحقیق سے مالامال ہیں بلکہ خلاف آئمۂ ثلثہ امام
ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے بھی ہے کیونکہ امام ابو یوسفؒ نے امالی میں
سنت اشارہ کی تصریح کی ہے اور امام محمدؒ نے موطا میں بھی اسکو ذکر کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کی
طرف اسکو منسوب کیا ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** رفع سبابہ
کی جو حدیث باسانید متعددہ صحیح مسلم میں مروی ہے اسکے سب راوی تقریب میں مذکور ہیں یا نہیں
جواب رفع سبابہ کی جو احادیث صحیح مسلم میں ہیں انکے سب رواۃ کا حال تقریب میں مذکور ہے
اور احادیث رفع سبابہ کے سوا صحیح مسلم کے اور کتب حدیث مثل سنن ابو داؤد و سنن نسائی و سنن
دارمی و جامع ترمذی و سنن بیہقی و مسند احمد و موطا مالک و موطا محمد و مصنف عبد الرزاق و مسند
ابو یعلی و مصنف ابن ابی شیبہ و معجم طبرانی و سنن سعید بن منصور وغیرہ میں بھی بطرق متعددہ مروی
ہیں چنانچہ ملا علی قاری حنفی نے اپنے رسالہ تزئین العبادۃ لتحسین الاشارۃ میں ان سب روایات
کے ذکر کے بعد تحریر کیا ہے وبالجملۃ فھو مذکور فی الصحاح الست وغیرھا لما کاد ان یکون متواترا
بل یصح ان یقال انہ متواتر معنے فکیف یجوز لمومن باللہ ورسولہ ان یعدل عن العمل بہ
بالجملہ ویاتی التعلیل فی معرض النص الجلیل یہ صحاح ستہ وغیرہ میں مذکور ہے اور قریب بتواتر
ہے بلکہ اسے متواتر کہنا درست ہوگا تو جو شخص خدا اور اُسکے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ کس طرح اسپر
عمل کرنے سے اعراض کرسکتا ہے اور نص مقام میں قیاس سے کام لے اور اسکے بعد بتفصیل تمام
سنیت اشارت کو ثابت کیا ہے اور قول عدم رفع کو مردود کردیا ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی
ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر کچھ سورت ایک رکعت میں اور باقی دوسری رکعت میں پڑھے
تو مکروہ ہے یا نہیں **جواب** بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے لیکن
اولی یہ ہے کہ ایسا نہ کرے عالمگیری میں ہے لو قرأ بعض السورۃ فی رکعۃ والبعض فی رکعۃ قیل
یکرہ وقیل لا یکرہ وھو الصحیح کذا فی الظھیریۃ ولکن لا ینبغی ان یفعل ولو فعل لا باس بہ
کذا فی الخلاصۃ اگر ایک سورت کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور باقی دوسری رکعت میں پڑھا تو بعض
کے نزدیک نماز مکروہ ہوجائے گی اور بعض کے نزدیک نہیں اور یہی صحیح ہے ایسا ہی ظہیریہ میں ہے

مگر ایسا نہ کرنا چاہیئے اور اگر کر لیا تو کچھ حرج نہیں یہ خلاصہ میں ہے **سوال** زمین مغصوب پر نماز
ادا کرنا کیا حکم رکھتا ہے **جواب** مکروہ ہے لیکن پڑھ لینے کے بعد نماز ذمہ سے ساقط ہو جائیگی
کذا فی شرح المسلم لمولانا نظام الدینؒ **سوال** مقتدی کو ربنا لک الحمد آہستہ کہنا چاہیئے یا آواز
سے **جواب** اگر مقتدی مبلغ ہے تو وہ زور یعنی آواز سے کہہ سکتا ہے ورنہ آواز سے کہنا مکروہ ہے
درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں ہے اما التسمیع من الامام والتحمید من المبلغ وتکبیرات
الانتقال منهما اذا قصد بها ذکر الاعلام فقط فلا فساد للصلوٰۃ یعنے امام کے سمع اللہ لمن حمدہ
اور مقتدی مبلغ کے ربنا لک الحمد اور تکبیرات بلند آواز سے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی جب کہ اسکا
مقصد دوسرے مقتدیوں کو خبر کرنا ہو مگر بلا ضرورت تبلیغ کو طحطاوی میں مکروہ لکھا ہے اور وقت
ضرورت مستحب ہے فقط واللہ اعلم **سوال** جہری نماز میں امام یا منفرد کو ہر رکعت میں سورہ
فاتحہ کے پہلے بسم اللہ بجہر کہنا کیسا ہے **جواب** امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے
اور حنفیہ کے نزدیک خلاف سنت اور مکروہ ہے آہستہ کہنا چاہیئے شرح منیہ میں ہے ویکرہ للمصلی
ان یجهر بالتسمیة والتامین وکذا بالثناء والتعوذ لمخالفة السنة مصلی کے لئے بسم اللہ اور
آمین اور ایسی ہی اعوذ باللہ کہنا زور سے مکروہ ہے کیونکہ خلاف سنت ہے **سوال** مصلی کو
نماز میں پنکھے یا آستین سے ہوا لینا جائز ہے یا نہیں **جواب** جب تک عمل کثیر نہ ہو مکروہ ہے اور
جب عمل کثیر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں ہے **سوال** اگر امام
پگڑی باندھے ہو اور مقتدی فقط ٹوپی دیے ہوں تو نماز مکروہ ہے یا نہیں **جواب** مکروہ نہیں ہے
کیونکہ عمامہ سے نماز پڑھنا مستحب ہے تاتارخانیہ میں ہے والمستحب للرجل ان یصلی فی ثلثة اثواب
قمیص وازار وعمامة آدمی کو قمیص ازار عمامہ میں نماز پڑھنا مستحب ہے پس امام نے مستحب کو ترک
نہیں کیا اور مقتدیوں نے مستحب کو ترک کیا اور عمامہ میں امام اور مقتدی کا تخالف موجب کراہت
نہیں ہے **سوال** شرک و بت پرستی کے مقام میں جہاں بت اور تصویریں ہوں نماز درست ہے یا نہیں
جواب تمام روئے زمین پر جو طاہر ہو نماز جائز ہے اور جاندار کی تصویر اگر مصلی کے سامنے یا داہنے یا
بائیں ہو تو نماز مکروہ ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور آگ اگر مصلی کے سامنے روشن ہو تو مشابہت آتش
پرستان کی وجہ سے نماز مکروہ ہے جیسا کہ سراج منیر میں ہے اور محض اس مقام کا مقام شرک ہونا مانع نماز

نہیں ہے **سوال** اگر مصلے کے سر پر یا اسکے پیچھے تصویر ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں **جواب** ہوتی ہے رسائل الارکان میں ہے قال فی الھدایۃ اشدھا کراھۃ ان یکون امام المصلی ثم من فوق راسہ ثم یمینہ ثم شمالہ ثم خلفہ سب سے زائد مکروہ یہ ہے کہ تصویر مصلے کے سامنے ہو پھر اسکے سر پر پھر اسکے داہنی طرف پھر اسکے بائیں طرف پھر اسکے پیچھے **سوال** اگر مصلے کے سامنے سر پر یا اتنی چھوٹی تصویر ہو کہ کھڑے ہونے میں دکھائی نہ دیتی ہو تو نماز مکروہ ہے یا نہیں **جواب** نہیں رسائل الارکان میں ہے وان کانت الصورۃ صغیرۃ بحیث لا تبدو او ممحوۃ الراس او علی وسادۃ او بساط مفروش لا یکرہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ ظاہر نہ ہو یا اسکا سر مٹا ہوا ہو یا تکیے یا بچھے ہوے بچھونے پر ہو تو مکروہ نہیں ہے **سوال** قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا کیسا ہے **جواب** مکروہ ہے سراجیہ میں ہے یکرہ مد الرجل الی القبلۃ فی حالۃ النوم وغیرہ لانہ اساءۃ فی الادب سوتے یا جاگتے میں قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا بے ادبی کی وجہ سے مکروہ ہے **سوال** والضحیٰ سے ختم قرآن تک ہر سورت کے ختم کے بعد تکبیر کہنا یا ذکر جنت کی آیت پر جنت چاہنا یا ذکر دوزخ کی آیت پر دوزخ سے پناہ مانگنا یا سبح اسم ربک الاعلی پڑھتے وقت سبحان ربی الاعلیٰ کہنا فرض یا نفل نماز میں یا خارج نماز میں تلاوت کیوقت موافق مذہب حنفیہ وشافعیہ کیا حکم رکھتا ہے **جواب** احمدؒ اور ابوداودؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سبح اسم ربک الاعلی کی تلاوت کرتے تو سبحان ربی الاعلی فرماتے اور علامہ جلال الدین محلی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب والضحیٰ نازل ہوئی تو آپنے تکبیر کہی اور اس سورت اور اسکے بعد والی سب سورتوں کے آخر میں تکبیر کہنے کا حکم دیا اور علامہ سیوطی نے اتقان میں اسکی حدیثیں لکھی ہیں اور مسلم نے اپنی صحیح میں حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ ایک رات کو میں نے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے ساتھ ایک نماز پڑھی تو آپنے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران اور سورۂ نسا پڑھی اور جب ایسی آیت پر پہونچتے جس میں تسبیح ہوتی تو تسبیح کرتے اور جب ایسی آیت پر پہونچتے جس میں سوال ہوتا تو سوال کرتے اور جب ایسی آیت پر پہونچتے جس میں پناہ مانگنے کا ذکر ہوتا تو پناہ مانگتے اور ایسے امور تفاسیر اور کتب احادیث میں بہت ہیں اب انکا حال سننا چاہیئے کہ بعض شافعیہ نے انکو مستحب اور بعض نے مسنون لکھا ہے اور انکے نزدیک نماز اور خارج نماز اسمیں مساوی ہے علامہ سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں یستحب التکبیر

من الضحی الی آخر القرآن وھی قراءۃ المکیین سواء فی التکبیر الصلوٰۃ وخارجہا صرح بالسخاوی
وابوشامۃ والضحیٰ سے آخر قرآن تک تکبیر مستحب ہے اور یہ مکیین کی قرارت ہی برابر ہے کہ تکبیر نماز میں ہو
یا خارج نماز میں اسکی تصریح سخاوی اور ابوشامہ نے کی ہے اور علامہ سلیمان جمل حاشیہ تفسیر جلالین
میں لکھتے ہیں فالتکبیر سنۃ بعد ھذہ السور سواء قرأ القاری فی الصلوٰۃ او فی خارجہا
پس تکبیران سورتوں کے بعد سنت ہی برابر ہے کہ قاری نماز میں پڑھے یا خارج نماز میں۔ اور امام نووی
شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں ومذھبنا استحباب ھذہ الامور لکل قاری فی الصلوٰۃ او غیرھا
للامام والماموم والمنفرد اور ہمارا مذہب ان سب امور کا استحباب ہی ہر قاری کے لئے خواہ نماز
میں ہو یا خارج نماز میں امام اور مقتدی اور منفرد سب کے لئے یہی حکم ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک فرائض
اور واجبات اور تراویح میں بھی امام اور مقتدیوں کو ان کلمات کا کہنا مکروہ اور خلاف سنت ہے نہ
حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لیکن دوسرے
نوافل میں تراویح کے سوا جیسے رات کے وہ نوافل جس میں ایک یا دو مقتدی ہوں اگر یہ کلمے مقتدی
پر گراں ہوں تو امام کو نہ کہنا چاہیئے اور اگر مقتدی پر گراں نہوں تو نہ کہنا کہنے سے اولیٰ نہیں ہے
یہ تو جماعت کا حال ہی لیکن منفرد فرض میں نہ کہے اور تراویح اسی کے حکم میں ہی کیونکہ ان دونوں
میں ثابت نہیں ہے اور دوسرے نوافل میں اختیار ہی درمختار میں ہے ولکن الامام لایشغل
بغیر القرآن وما ورد حمل علی النفل منفردا اور ایسا ہی امام غیر قرآن میں مشغول نہو اور جو وارد
ہوا ہی وہ صرف نفل منفرد پر محمول ہی اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں حمل علی النفل منفردا
کے تحت میں لکھا ہے افاد ان کلا من الامام والمقتدی فی الفرض والنفل سواء قال
فی الحلیۃ اما الامام فی الفرائض فلما ذکرنا من انہ صلے اللہ علیہ وسلم لم یفعلہ
فیھا وکذا الائمۃ من بعدہ الی یومنا ھذا فکان من المحدثات ولانہ تثقیل علی القوم فیکرہ
واما فی التطوع فان کان فی التراویح فکذلک وان کان فی غیرھا من نوافل اللیل التی
اقتدی بہ فیھا واحد او اثنان فلا یتم ترجح الترک علی الفعل لما عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ
انہ قال صلیت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ الی ان قال وما مر بآیۃ
رحمۃ الا وقف عندھا فسأل ولا بآیۃ عذاب الا وقف عندھا وتعوذ اللھم الا اذا کان فی

ذلك تثقيل على المقتدی واما المأموم فلان وظيفته الاستماع والانصات فلا يشتغل بما يخله لكن قد يقال انما يتم ذلك فی المقتدی فی الفرائض والتراويح اما المقتدی فی النافلة المذكورة اذا كان امامه يفعله فلا لعدم الاخلال بما ذكر فليحمل علی ما عدا هذه الحالة انتهٰی

اس سے معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی کا حکم فرض اور نفل میں ایک ہی حالت میں ہے رہ گیا امام فرائض میں پس اسوجہ سے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے فرائض میں نہیں کیا اور آپ کے بعد ائمہ نے بھی آجتک نہیں کیا تو یہ نئی باتوں میں سے ہے اور اسواسطے کہ یہ قوم پر بار ڈالنا ہے پس مکروہ ہے رہ گیا نفل پس اگر تراویح میں ہو تو اسکا حکم یہی ہے اور اگر اسکے علاوہ کسی اور نفل میں ہو اور دو یا تین مقتدی ہوں تو ترک کو فعل پر ترجیح پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ حذیفہؓ نے کہا ہے کہ میں نے ایک رات نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ کسی آیۂ رحمت پر پہونچتے تو تھوڑی دیر توقف فرماتے اور رحمت طلب کرتے اور جب کسی عذاب کی آیت پر پہونچتے تو تھوڑی دیر توقف فرماتے اور پناہ مانگتے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب مقتدی پر بار ہو تو نہ کرنا کرنے سے مقدم ہے رہ گیا مقتدی پس اس لئے کہ اس کا منصب سننا اور خاموش رہنا ہے تو اُسے اِن باتوں میں مشغول نہ ہونا چاہیئے جو سننے میں خلل انداز ہوں مگر یہ صرف فرض و تراویح میں مقتدی ہونے والے کے لئے صحیح ہے اور مقتدی نوافل کی حالت (اگر اس کا امام ایسا کرے) تو یہ نہیں ہے کیونکہ اس میں خلل واقع نہیں ہوتا پس اس کا حل اس کے علاوہ دوسری صورتوں پر کرنا چاہیئے۔ اور طحطاوی حاشیہ درمختار میں تحت قول وکذا الامام کے لکھتے ہیں اما المنفرد ففی الفرض کذلك و فی النفل يسأل الجنة ويتعوذ من النار عند ذكرهما مگر منفرد پس فرض میں اس کی بھی یہی حالت ہے اور نفل میں اُسے جنت و نار کے ذکر کے وقت طالب جنت ہونا اور دوزخ سے پناہ مانگنا چاہیئے اور فتح القدیر میں علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں وكذا الامام لا يشتغل بغير القراءة سواء امر فی الفرض والنفل اما المنفرد ففی الفرض كذلك وفی النفل يسأل الجنة ويتعوذ من النار عند ذكرهما ويتفكر فی اٰية المثل وقد ذكروا فيه حديث حذيفةؓ صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة الليل

فما من آیة فیھا ذکر الجنة الا وقف وسأل اللہ تعالیٰ الجنة وما مر بآیة فیھا ذکر النار الا وقف وتعوذ من النار وھذا یقتضی ان الامام یفعلہ فی النافلة وھم صرحوا بالمنع الا انھم عللوا بالتطویل علی المقتدی فعلی ھذا الوا اما من یعلم منہ طلب ذلك یفعلہ اور ایسے ہی امام قرأت کے سوا دوسرے کام میں نہ مشغول ہو چاہے امام فرض کا ہو یا نفل کا اور منفرد کی بھی فرض میں یہی حالت ہے اور نفل میں اُسے جنت طلب کرنا چاہیے اور آگ سے پناہ مانگنا چاہیے جب جنت اور دوزخ کا تذکرہ آئے اور مثل کی آیت آوے تو اُس میں غور و فکر کرنا چاہیے اور اس بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی جاتی ہے کہ میں نے رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک نماز پڑھی پس جب کوئی ایسی آیت آتی جس میں جنت کا ذکر ہوتا تو آپ کچھ دیر توقف فرماتے پھر خدا سے جنت طلب کرتے اور جب کوئی ایسی آیت آتی جس میں دوزخ کا ذکر ہوتا ہے تو آپ کچھ دیر توقف فرماتے پھر اُس سے پناہ مانگتے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام اسے نفل میں کرے اور علماء نے اس سے صراحۃً روکا ہے اور علت مقتدی پر گران گذرنے کو قرار دیا ہے اب اس صورت میں اگر کوئی شخص ایسے کی امامت کرے جس کے متعلق اُسے علم ہے کہ وہ اُسکا خواہشمند ہے تو اُسے یہ کرنا چاہیے۔ اور جو محدث دہلوی ماثبت من السنہ میں تحریر فرماتے ہیں والمسنون المعمول علیہ فی الحرمین وسائر دیار العرب التکبیر عند الختم من والضحیٰ الیٰ آخر القرآن والمختار فیہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولو اکتفی باللہ اکبر صح یعنے اور مسنون طریقہ جس پر عرب کے تمام شہروں میں عملدرآمد ہے یہ ہے کہ ختم قرآن کے وقت والضحیٰ سے آخر تک تکبیر کہی جائے اور تکبیر مختار لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہے اور اگر صرف اللہ اکبر کہا تو بھی صحیح ہے ختم خارج صلوٰۃ پر محمول ہے تصریحات فقہائے حنفیہ کے قرینہ سے جنکا اوپر ذکر ہوا۔ اور میں رمضان ۱۳۰۹ھ ہجری میں مکہ معظمہ میں تھا اور مصلائے حنفی کی تراویح میں میں نے اس طریقہ کو نہیں پایا ہاں مجالس میلاد شریف میں کہ سورۃ والضحیٰ سے آخر تک پڑھتے ہیں ہر سورہ کے ختم کے بعد تکبیر کہی جاتی ہے اُن متبرک مجالس میں شریک ہو کر اُسکو میں نے خود دیکھا ہے مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور جدہ میں بھی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب سوال مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا کیسا ہے جواب شافعیہ کے نزدیک فرض ہے اور حنفیہ کہتے ہیں من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ یعنے مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے صرف امام کے قرأت کرنے پر دلیل ہے اور اسیطرح قرأت

سورہ بھی قرأت امام پر کفایت کرنے پر دلیل ہے کیونکہ حدیث لاصلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب نماز نہیں ہے مگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ۔ معمول بہ بقرأۃ امام ہے اور آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو۔ منع قرأت مقتدی پر دلالت کرتی ہے صلوٰۃ جہریہ میں اور اسیطرح سریہ میں بھی کیونکہ کوئی فصل کا قائل نہیں ہے سوال نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا واجب جواب شافعیہ فرضیت کے قائل ہیں لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کی وجہ سے اور حنفیہ وجوب کے قائل ہیں اور حدیث مذکور میں صلوٰۃ کامل کی نفی کی جانب اشارہ ہے اور عموم آیہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن اس حدیث کے معارض ہے اور تعارض کے وقت اس حدیث کی دلالت ظنی ہوگی نہ کہ قطعی اور فرضیت بغیر دلالت قطعی کے ثابت نہیں ہوتی اسی لئے حنفیہ وجوب کے قائل ہیں سوال گھر یا مسجد یا صحرا میں امام اور مقتدی کے بیچ میں کتنا فاصلہ جائز ہے جواب اگر امام محراب میں اور مقتدی مسجد کے کنارے پر ہوں تو نماز جائز ہے کیونکہ مسجد باوجود تباعد اطراف کے بقعہ واحد کا حکم رکھتی ہے اور گھر بھی مانند مسجد کے ہے اور صحرا میں دو صفوں کا فاصلہ ہونا چاہیئے سراج منیر میں ہے قدر ما ینبغی ان یکون بین الامام والقوم فی الصحراء ما یسع فیہ الصفان وعلیہ الفتوی کما فی الغیاثیۃ والبیت کالمسجد مع تباعد اطرافہ کبقعۃ واحدۃ فی حق الاقتداء وھو الاصح لما فی القنیۃ وخزانۃ المفتیین یعنی صحرا میں امام اور مقتدی کے درمیان میں زائد سے زائد دو صفوں کی گنجائش ہونا چاہیئے اور اسی پر فتویٰ ہے غیاثیہ میں ہے اور گھر مسجد کے مثل ہے کہ اقتدا کے بارے میں ایک ہی قطعہ زمین کے حکم میں ہے گو اسکی اطراف ایک دوسرے سے بعید ہیں اور یہی صحیح ہے جیسا کہ قنیہ اور خزانۃ المفتیین میں ہے اور قنیہ میں ہے قیل المسافۃ التی تمنع الاقتداء فی الصحراء تمنعہ فی البیت والاصح انہ یجوز فی البیت کالمسجد یعنی بعضوں کے نزدیک جو مسافت جنگل میں مانع اقتدا ہے وہی گھر میں بھی مانع اقتدا ہے اور صحیح یہ ہے کہ گھر میں مسجد کیطرح اقتدا جائز ہے اور سراجیہ میں ہے لو اقتدی من اقصی المسجد بالامام وھو عند المحراب جاز اگر امام محراب میں ہے اور مقتدی نے مسجد کے کنارے کھڑے ہو کر اسکی اقتدا کی تو یہ جائز ہے سوال صفوں کے بیچ میں کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے جواب احادیث میں اتصال صفوف اور باہم قرب کی بحد تاکید آئی ہے انھیں میں سے وہ حدیث ہے جسے حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے رصوا صفوفکم یعنی پیوستہ اور استوار رکھو اپنی صفوں کو وقاربوا بینھا اور نزدیکی کرو ان میں اور شراح نے اسکی تشریح یہ کی ہے کہ دو صفوں کے بیچ میں ایک صف قائم ہونیکی جگہ نہ ہو سیدنے

حاشیہ: بیان امام و مقتدی کے درمیان فاصلہ کا

شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے تاربوا بین الصفوف بحیث لایسع بینہما صف اٰخر حتی لا یقدر الشیطان ان یمر بین ایدیکم یعنی صفوں کو باہم اسقدر قریب رکھو کہ اُن کے بیچ میں دوسری صف کی جگہ نہ رہے تاکہ شیطان سامنے سے گذر نہ سکے سوال حنفی کا شافعی کی اقتدا کرنا کیسا ہے جواب اہل تحقیق کے اس بارے میں دو فرقے ہیں پہلا فرقہ مقتدی کا اعتبار کرتا ہے اور شامی میں اسی کو اصح کہا ہے بحر الرائق میں اسی وجہ سے کہا ہے کہ اگر مقتدی کو یقین ہو کہ امام اختلاف کے موقعوں پر احتیاط سے کام لیتا ہے تو اُسکی اقتدا مکروہ نہیں ہے اور اگر شک ہے تو مکروہ ہے اور اگر احتیاط نہ کرنیکا یقین ہے تو جائز نہیں اور احتیاط سے مراد شروط اور ارکان کی رعایت کرنا ہے اور دوسرا فرقہ امام کا اعتبار کرتا ہے صاحب نہایہ نے اسی کو اصح کہا ہے اس قول پر اگر امام شافعی المذہب محتاط نہ ہو تو بھی اُسکی اقتدا درست ہے چنانچہ امام ابو یوسف نے ہارون رشید کی اقتدا کی تھی عینی نے شرح کنز میں اسی کا قول لیا ہے جب تک کہ مفسد نماز کا تحقق امام سے نہ ہو واللہ اعلم سوال زوجہ اگر زوج کی اقتدا کرے تو جائز ہے یا نہیں جواب اگر برابر کھڑی ہو کر زوجہ نماز پڑھے گی تو دونوں کی نماز فاسد ہو گی اور اگر زوجہ اپنے پاؤں زوج کے کچھ پیچھے رکھے گی تو جائز ہو گی۔ بحر الرائق میں ہے۔ والمرأۃ اذا صلت مع زوجہا فی البیت ان کان قدمہا بحذاء قدم الزوج لا یجوز صلوٰتہما اگر زوجہ اپنی زوج کے ساتھ گھر میں نماز پڑھے اور اُسکے پاؤں شوہر کے پاؤں کے مقابل ہوں تو دونوں کی نماز فاسد ہو گی۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے وفی التتارخانیۃ والظہیریۃ المرأۃ اذا صلت فی بیتہا مع زوجہا ان کانت قدماہا خلف قدم الزوج الا انہا طویلۃ یقع رأسہا فی السجود قبل رأس الامام جازت صلوٰتہما لان العبرۃ للقدم انتہی یعنی خانیہ اور ظہیریہ میں ہے جب عورت اپنے گھر میں شوہر کے ساتھ نماز پڑھے تو اگر اُسکے پاؤں شوہر کے پاؤں کے پیچھے ہوں لیکن درازی قد کی وجہ سے اُسکا سر سجدے میں شوہر کے سر سے آگے نکل جاتا ہو تو دونوں کی نماز جائز ہے کیونکہ اعتبار پاؤں کا ہے سوال جو شخص کہ ائمہ اربعہ حقہ کا مقلد نہ ہو اور اپنے کو محمدی عامل بہ حدیث کہے اُسکے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں جواب اگر کسی بدعتی کی بدعت کفر تک پہونچا دے مثلاً حضرت ابو بکر صدیق کو صحابی نہ کہے تو اُسکی اقتدا درست نہیں ہے اور اگر بدعت کفر تک نہ پہونچا دے مثلاً اُسکی امامت کا منکر ہو تو اُسکی اقتدا درست ہے مگر مکروہ بہ کراہت تنزیہی اسی طرح درمختار میں ہے واللہ اعلم سوال شیعہ کی امامت درست ہے یا نہیں جواب اگر اُسکا تشیع کفر تک

نہ پہونچا ہو تو بوقت ضرورت اُسکی اقتدا میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ نماز اور وضو کے ارکان میں کوئی خلل نہ کرتا ہو ورنہ درست نہیں ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ لوگوں سے حضرت عثمان سے جبکہ وہ مکان میں مقید تھے عرض کیا کہ امامت جناب کا حق ہے اور آپ معذور ہیں اور باغیوں میں کا ایک شخص امامت کرتا ہے تو آپنے جواب دیا کہ جب لوگ نیک کام کرتے ہوں تو اُن کے شریک ہو جانا چاہیے لیکن اُنکی بدی سے بچنا چاہیے واللہ اعلم سوال ایک شخص قل ہو اللہ کو کل ہو اللہ پڑھتا ہے اور کہتا ہے جسے اہل ہندوستان پڑھتے ہیں وہ ترکی حرف ہے عربی نہیں ہے اور عربی میں یہ گاف کی شکل ہے اور تمام عرب گاف پڑھتے ہیں پس اُسکا کہنا صحیح ہے یا نہیں اور نماز اُسکے پیچھے جائز ہے یا نہیں جواب اُسکا قول صحیح نہیں ہے اور نماز اُسکے پیچھے جائز نہیں ہے کیونکہ قرا اور نحاۃ اور اہل ادب کے نزدیک قاف عربی حرف ہے ابو محمد مکی نقیہ مقری کتاب الرعایۃ لتجوید القراءۃ میں لکھتے ہیں القاف تخرج من المخرج الاول من مخارج الفم مما یلی الحلق من اقصی اللسان ومن فوقہ من الحنک والقاف حرف متمکن قوی لانہ من الحروف المجہورۃ الشدیدۃ المستعلیۃ ومن حروف القلقلۃ قریبۃ من مخرج الکاف فیجب علی القاری ان یفخم القاف تفخیما بالغا اذا اتت بعدہا الف کما یفعل بہا اذا حکاہا فی الحروف فقال قاف وذلک نحو قولہ تعالیٰ وقاموا وکذلک یبینہا بیانا خالصا ویفخمہا اذا انفردت مفتوحۃ او مضمومۃ نحو قلیلاً وقد منا وقد ورد وقولہ او شبہہ فاذا وقعت الکاف بعدہا او قبلہا وجب بیانہا لئلا یشوبہا شیٔ من لفظ الکاف لقربہا منہا ویشوب الکاف شیٔ من لفظ القاف نحو خالق کل شیٔ وخلقکم ورزقکم یعنے قاف مخارج فم میں مخرج اول سے نکلتا ہے یعنے حلق کے اُس حصہ سے جو نیچے زبان اور اوپر تالو سے متصل ہے اور قاف حرف متمکن ہے قوی ہے کیونکہ حروف مجہورہ شدیدہ مستعلیہ اور حروف قلقلہ میں سے ہے اور اسکا مخرج کاف کے مخرج کے قریب ہے پس قاری کو چاہیے کہ قاف کو زور سے پڑھے جب اس کے بعد الف واقع ہو جیسا کہ جب اُسے حروف میں گناتا ہے پڑھتا ہے پس کہتا ہے قاف الخ جیسے خدا کا کلام قاموا اور ایسے ہی اُسے وضاحت سے اور زور سے پڑھے جب وہ بلا الف کے ہو اور جب مفتوح یا مضموم ہو جیسے قلیلاً۔ قدمنا پس جب قاف کاف کے قبل یا بعد واقع ہو تو اُسکی وضاحت ضروری ہے تاکہ وہ کاف سے بہ سبب قرب مخرج کے نہ ملجائے یا کاف لفظ قاف سے ملجائے جیسے خالق

کل شئ۔ خلقکم ورزقکم۔ اور ظاہر ہے کہ صفات مذکورہ گاف فارسی میں پائے نہیں جاتے
لیکن آجکل جو عرب کے بازاریوں کی زبان اور ساکنان بلاد مشہورہ میں قاف کی جگہ گاف مستعمل ہو
اسکی وجہ عجمیوں کا اختلاط ہے لیکن قرآن و حدیث میں کبھی قاف کی جگہ گاف نہیں پڑھتے اور جاہل اور
دیہاتیوں کا اعتماد کچھ نہیں کیونکہ اُنکو مخارج کی کچھ تمیز نہیں اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے قرائنیں
بدل دینا کہ معنی میں تغیر ہو جائے جن میں بدون مشقت امتیاز ممکن ہو مفسد نماز ہی عالمگیری میں ہے
ان غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ کالصاد مع الطاء فقرأ الطالحات
مکان الصالحات تفسد صلوتہ عند الکل یعنی اگر معنی بدل جاتے ہوں اور بلا مشقت دونوں
حرفوں میں امتیاز ممکن ہو جیسے صاد اور طا پس صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دیا) تو سب کے نزدیک
نماز فاسد ہو جائیگی سوال اگر اقتدا کسی وجہ سے صحیح نہوئی اور مقتدی نے اُسی نیت سے نماز تمام کی
تو ادا ہوگی یا نہیں جواب امام محمدؒ کے نزدیک ادا نہوگی اور شیخین کے نزدیک ادا ہوگی برجندی شرح
نقایہ میں لکھتے ہیں اعلم ان فی کل موضع لا یصح الاقتداء لا یصیر المقتدی شارعا فی صلوٰۃ
نفسہ فی روایۃ باب الحدث حتی لو قہقہ لا ینتقض طھارتہ وفی روایات باب الاذان
یصیر شارعا قیل ما ذکر فی الحدث قول محمدؒ وما ذکر فی باب الاذان قولھما کذا
فی الظہیریہ یعنی جاننا چاہئیے کہ جہاں کہیں اقتدا صحیح نہیں ہے وہاں اُسی نیت سے علیحدہ اپنی
نماز پڑھتے رہنا بھی نا درست ہو روایت باب حدث میں ہو حتی کہ اگر قہقہہ مارا اُسکی طہارت
نہ زائل ہوگی روایت باب الاذان میں ہو ایسی صورت میں اُسکی مستقل نماز شروع ہو جائیگی
کہا گیا ہے کہ باب الحدث میں جو مذکور ہے وہ امام محمد کا قول ہو اور جو باب الاذان میں مذکور ہے
وہ صاحبین کا قول ہو ایسا ظہیریہ میں ہو سوال اگر مسبوق قعدۂ اخیرہ میں امام سے پہلے التحیات
پڑھ چکے تو کیا کرے جواب اولیٰ یہ ہو کہ ٹھہر ٹھہر کے پڑھے تا کہ امام کے سلام کے قریب ختم ہو اور
اگر قبل سلام پڑھ چکے تو بعض کے نزدیک چپ رہے اور بعض کے نزدیک دوبارہ پڑھے
اور بعض کے نزدیک درود اور دعا پڑھے حلبی شرح منیہ میں ہے اذا فرغ المسبوق من التشھد
قبل سلام الامام یکررہ من اولہ وقیل یکرر کلمۃ الشھادۃ وقیل یسکت وقیل یاتی
بالصلوٰۃ والدعاء والصحیح انہ یترسل لیفرغ عند سلام الامام یعنی اور جب مسبوق امام کے

سلام پھیرنے کے پہلے التحیات ختم کر چکے تو اُسے مکرر پڑھے اور بعض کے نزدیک صرف کلمہ شہادت کو مکرر پڑھے اور بعض کے نزدیک چپ رہے اور بعض کے نزدیک درود اور دعا پڑھے اور صحیح یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کے پڑھے تاکہ امام کے سلام کے ساتھ فارغ ہو سوال اگر مسبوق نے غلطی سے امام کیساتھ سلام پھیرا اور تھوڑی دیر کے بعد کسی نے اُس سے کہا کہ اپنی باقی رکعت ادا کرلے اور اُس نے ادا کی تو نماز ہوئی یا نہیں جواب اُسکی نماز فاسد ہوئی کیونکہ دوسرے نے اُسے تعلیم کی ایسا ہی درمختار میں ہے سوال اگر مسبوق نے سہواً یا عمداً امام کے ساتھ سلام پھیرا تو اُسکی نماز فاسد ہو گی یا نہیں جواب سہو کی حالت میں نماز فاسد نہو گی اور عمد کی حالت میں فاسد ہو گی مجمع البرکات میں ہے ولو سلم المسبوق لاتفسد صلوٰتہ لانہ سلام الساھی فلا یخرجہ عن حرمۃ الصلوٰۃ کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ ناقلاً عن شرح الطحاوی وان سلم مع الامام علی ظن ان علیہ السلام مع الامام فھو سلام عمد افتفسد کذا فی الظہیریۃ یعنے اگر مسبوق نے سلام پھیر دیا تو اُسکی نماز فاسد نہو گی۔ کیونکہ یہ سلام سہواً ہے پس وہ حرمت صلوٰۃ سے خارج نہ کریگا ایسا ہی فتاوی عالمگیری میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے اور اگر امام کے ساتھ یہ خیال کر کے سلام پھیر دیا کہ اُسے سلام پھیرنا چاہیئے تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ سلام عمداً ہے ایسا ہی ظہیریہ میں ہے سوال زید قعدۂ اخیرہ کے تشہد کے بعد سہواً کھڑا ہو گیا اور تکمیل رکعت کے پہلے اُسے یاد آیا تو کھڑے کھڑے سلام پھیرا اُسکی نماز کا کیا حکم ہے جواب کھڑے ہو کر سلام نہ پھیرنا چاہیئے کیونکہ شرعاً کھڑے ہو کر سلام پھیرنا بدعت ہے بلکہ بیٹھے اور سلام پھیرے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے اور اگر کھڑے ہو کر سلام پھیر لیا تو نماز صحیح ہو جائیگی دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے درمختار میں ہے ان تعد فی الرابعۃ مثلاً قدر التشہد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح یعنی اگر چوتھی رکعت میں بقدر تشہد مثلاً بیٹھا پھر کھڑا ہو گیا تو پھر بیٹھے اور سلام پھیرے اور کھڑے ہی ہونیکی صورت میں سلام پھیر دیا تو بھی نماز صحیح ہو گئی اور برجندی شارح مختصر لکھتے ہیں ولو سلم قائماً کما ھو جاز لکن لا ینبغی ان یسلم قائماً اگر کھڑے ہو کر سلام پھیر دیا تو نماز جائز ہے لیکن کھڑے ہو کر سلام نہ پھیرنا چاہیئے سوال قعدۂ اولی میں اگر تشہد کے بعد درود پڑھا تو سجدۂ سہو لازم آئیگا یا نہیں جواب لازم آئیگا حاشیۂ طحطاوی میں ہے ذکر فی البدائع انہ یجب علیہ السھو عندہ وعندھما لا یجب لانہ لو وجب لوجب لجبر النقصان ولا یعقل نقصان

فی الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووجہ قول الامام انہ لا یجب السہو بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل بتاخیر الفرائض وھو القیام الا ان التاخیر حصل بالصلوٰۃ وفی القہستانی علی الروضۃ وبقول الصاحبین افتی اھل زماننا وفی المحیط استقبح محمد السہو لاجل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونعم ما قال روح اللہ روحہ لکن فی المضمرات ان الفتوی علی قول الامام یعنی بدائع میں ہے کہ اسپر امام صاحب کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک واجب نہیں ہے کیونکہ اگر سجدۂ سہو واجب ہوتا تو نقصان کے پورا کرنے کے لئے واجب ہوتا اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے سے نماز میں کوئی نقصان متصور نہیں ہے اور امام صاحب کے قول کی وجہ یہ ہے کہ سجدۂ سہو درود بھیجنے کی وجہ سے لازم نہیں آتا بلکہ تاخیر کی بدولت لازم آتا ہے یہ ضرور ہے کہ تاخیر درود کی وجہ سے ہوئی اور قہستانی میں روضہ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانے کے لوگوں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور محیط میں ہے کہ امام محمدؒ نے درود کی وجہ سے سجدۂ سہو کے وجوب کو برا جانا ہے خدا اُنکی روح کو خوش رکھے اُنھوں نے کیا ہی عمدہ بات کہی ہے لیکن مضمرات میں یہ ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے سوال عیدین کی نماز میں سہواً تکبیرات عیدین کے چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے یا نہیں جواب لازم آتا ہے مختصر القدوری میں ہے و سجود السہو تلزم اذا زاد فی صلوتہ فعلا من جنسہا لیس منہا او ترک قراءۃ فاتحۃ الکتاب او القنوت او التشہد او تکبیرات العیدین یعنی اور سجدہ سہو اُس وقت لازم آتا ہے جب کہ نماز میں کوئی چیز جنس نماز سے زائد کیجائے جو وہاں پر نہیں ہے یا قرأت فاتحہ یا قنوت یا تشہد یا تکبیرات عیدین چھوٹ جائیں اور عالمگیری میں ہے ومنہا تکبیرات العیدین قال فی البدائع اذا ترکہا او نقص منہا اوزاد علیہا او اتی بہا فی غیر موضعہا فانہ یجب علیہ سجود السہو کذا فی البحر الرائق ویستوی فی الزیادۃ والنقصان القلیل والکثیر فقد روی عن الحسنؒ عن ابی حنیفۃؓ اذا سہی الامام عن تکبیرۃ واحدۃ فی صلوٰۃ العید یسجد للسہو کذا فی الذخیرۃ یعنی اور اُن میں سے تکبیرات عیدین ہیں بدائع میں ہے جب کوئی تکبیرات عیدین کو ترک کر دے یا کچھ کم تکبیریں کہے یا زیادہ کرے یا غیر محل میں تکبیریں کہے تو سجدۂ سہو واجب ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے اور زیادتی وکمی میں تھوڑا

اور بہت مساوی ہے حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ جب امام عید کی نماز میں ایک
تکبیر بھول جائے تو سجدۂ سہو کرے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اور فتاوی قاضیخاں میں ہے ولو سھی عن
تکبیرات العید یلزمہ السھو یعنی اور جو عید کی تکبیریں بھول جائے اُس پر سجدۂ سہو لازم ہے اور تنویر الابصار
میں ہے والسھو فی صلوۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ والتطوع سواء یعنے سہو عید اور جمعہ اور فرض
اور نفل سب نمازوں میں مساوی حکم رکھتا ہے سوال سہواً تکبیر قنوت چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو
لازم آتا ہے یا نہیں جواب نہیں بحر الرائق میں ہے ذکر فی الظھیریۃ انہ لو ترک تکبیرۃ القنوت
فانہ لا روایۃ بھذا وقیل یجب سجود السھو اعتبارا بتکبیرات العید وقیل لا تجب انتھے
وینبغی ترجیح عدم الوجوب لانہ لا اصل ولا دلیل علیہ بخلاف تکبیرات العید فان
دلیل الوجوب المواظبۃ مع قولہ تعالے اذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات یعنے ظہیریہ
میں ہے اگر قنوت کی تکبیر چھوٹ گئی تو اُسکے متعلق کوئی روایت نہیں ہے بعضوں کے نزدیک سجدۂ
سہو واجب ہے جیسا کہ تکبیرات عید میں اور بعضوں کے نزدیک واجب نہیں ہے انتہی اور عدم
وجوب کو ترجیح دینا چاہیے کیونکہ تکبیر قنوت کے وجوب پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے
برخلاف تکبیرات عید کے کہ وہاں دلیل وجوب مداومت اور خدا تعالی کا یہ ارشاد ہے کہ اذکروا
اسم اللہ فی ایام معلومات (مقررہ ایام میں خدا کا ذکر کرو) ہیں سوال سجدۂ سہو سلام پھیرنے کے بعد ہونا چاہیئے
یا سلام کی سجدۂ سہو کے لیے ضرورت نہیں ہے جواب سجدۂ سہو کے لئے پہلے سلام مسنون ہے اور اگر بغیر پہلے سلام
پھیرے ہوئے بھی سجدۂ سہو کر لیا تو جائز ہے مختصر القدوری میں ہے سجود السھو سنۃ فی روایۃ الحسن واجب
عند غیرہ وھو یلزم فی الزیادۃ والنقصان بعد السلام عندنا ولو سجد قبل السلام یجوز عندنا ولا
اعادۃ علیہ یعنے سجدۂ سہو حسنؒ کی روایت میں سنت ہے اور اُنکے علاوہ دوسروں کے خیال میں واجب ہے اور وہ کمی زیادتی
کی وجہ سے سلام کے بعد لازم آتا ہے اور اگر قبل سلام سجدہ کیا تو بھی جائز ہے ایسی صورت میں اعادہ کی حاجت نہیں
سوال اگر مسافر نے عمداً چار رکعتیں دو قعدوں سے پڑھیں تو اُسکی نماز کا کیا حکم ہے اور وہ گنہگار ہوگا یا نہیں جواب
پہلی دو رکعتیں فرض ہو جائینگی اور باقی دو نفل اور وہ گنہگار ہوگا شرح نقایہ میں ہے لو اتم مسافر اربعا وقعد
القعدۃ الاولی قدر التشھد تم فرضہ وھو الرکعتان اساء لتاخیر سلام قصدا وما زاد علیہ
نفل یعنی اگر مسافر نے چاروں رکعتیں پڑھیں اور قعدۂ اولیٰ میں بقدر تشہد بیٹھا تو فرض یعنے

دو رکعتیں صحیح ہیں اور وہ گنہگار ہوگا کیونکہ اُس نے قصداً سلام میں تاخیر کی اور باقی دو رکعتیں نفل ہیں سوال مسافر کا سفر کب تمام ہوتا ہے جواب جبکہ پندرہ دن یا اُس سے زیادہ کی اقامت کی نیت کرلے ہدایہ میں ہے ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامۃ فی بلدۃ او قریۃ خمسۃ عشر یوما واکثر یعنی مسافر سفر کے حکم میں رہیگا جب تک کہ کسی شہر یا قریہ میں پندرہ دن یا اُس سے زائد کی اقامت کی نیت نکرے سوال مسافر نے اگر کہیں نیت اقامت کی پھر وہاں سے کوچ کیا تو کتنی مسافت سفر معتبر ہے جواب تین دن کی رسائل ارکان میں ہے الحد الشرعی للسفر عند نا ثلثۃ ایام فاذا اراد ان یسیر من موضع اقامتہ الی موضع اخر بینہ وبین موضع الاقامۃ مسیرۃ ثلثۃ ایام یصیر مسافرا یعنی حنفیہ کے نزدیک سفر کی شرعی حد تین دن ہیں تو جب موضع اقامت سے دوسری جگہ جانیکا قصد کرے اور اُس جگہ اور موضع اقامت کے درمیان میں تین دن کی راہ ہو تو وہ مسافر ہو جائیگا انتہی سوال مسافر اگر مقیم کی اقتدا کرے تو چار رکعت کی نیت کرے یا دو رکعت کی جواب بہتر ہے کہ بے تعیین رکعات کے محض فرض کی نیت کرے جیسا کہ برجندی میں ہے اور اگر نیت کرے تو دو رکعت کی نیت کرے جامع الرموز میں ہے لو اراد نیۃ العدد نوی رکعتین یعنے اور اگر عدد رکعات کی نیت کرنا چاہے تو دو رکعت کی نیت کرے۔ سوال مغرب اور وتر کے بعد جو نفلیں پڑھی جاتی ہیں وہ بیٹھ کے پڑھی جائیں یا کھڑے ہو کر جواب نفل نماز کا کھڑے ہو کر پڑھنا زائد ثواب رکھتا ہے اور بیٹھ کے پڑھنا بھی بے کراہت جائز ہے اور وتر کے بعد والی دو رکعتیں بیٹھ کے پڑھنا چاہیئے سوال اگر ایک شخص نے ایک قرآن شریف تراویح میں ختم کیا تو باقی رمضان میں تراویح پڑھے یا نہیں جواب نفس تراویح کے سنت ہونے میں خلاف ہے بعض نفس تراویح کو سنت نہیں سمجھتے ہیں بلکہ بہ تبعیت ختم قرآن سنت جانتے ہیں اور بعض نفس تراویح کو الگ سنت کہتے ہیں اور قرارت یا سماعت قرآن کو الگ الگ سنت کہتے ہیں پس فرقہ اولیٰ کی رائے کے موافق ختم قرآن کے بعد سنت تراویح باقی نہیں رہتی اور فرقہ ثانیہ کی رائے کے موافق ختم قرآن کے بعد ایک سنت ادا ہوئی اور تراویح کا آخر رمضان تک سنت ہونا باقی رہا عالمگیری وغیرہ نے فرقہ ثانیہ کی رائے کو اصح لکھا ہے سوال تراویح میں ختم قرآن کے وقت تین بار قل ہو اللہ پڑھنا مستحسن ہے یا نہیں جواب مستحسن ہے شرح منیہ میں ہے قراءۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القران لم یستحسنہا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا شیئ استحسنہ اھل القران وائمۃ الامصار

فلا باس الا ان یکون المختوم فی المکتوبۃ فلا یزید علی مرۃ یعنی قل ہو اللہ احد ختم قرآن کے وقت تین مرتبہ پڑھنے کو بعض مشائخ نے مستحسن نہیں سمجھا ہے اور فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ اسے اہل قرآن اور ائمہ امصار نے مستحسن جانا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں البتہ فرض نماز میں ایک مرتبہ سے زائد نہ پڑھنا چاہیے اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے یکرہ تکرار قرأۃ السورۃ فی الفرض لا یکرہ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب النفل اوسع یعنی کسی سورہ کو نماز فرض میں مکرر پڑھنا مکروہ ہے اور نفل میں تکرار سورہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ باب نفل وسیع ہے سوال بسم اللہ جو سورہ نمل میں ہے جزو قرآن ہے اگر کسی حافظ نے اُسکے سوا تراویح میں بسم اللہ نہ پڑھی تو ختم قرآن کامل ہوا یا نہیں جواب ختم قرآن کامل نہیں ہوا کیونکہ بسم اللہ ایک آیت ہے جو ہر سورہ کے شروع میں جدا کرنے کے لیے مکرر کی گئی ہے پس ختم قرآن کے وقت تراویح میں ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اگر اسے ترک کیا تو ختم قرآن میں قصور ہے تنویر المنار میں بزبان فارسی لکھا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ ایک آیت ہے جو فصل سور کے لئے مکرر کی گئی ہے چونکہ قرآن میں ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں اور ایک آیت ہے پس ختم قرآن میں ایک بار بسم اللہ کہنا ضروری ہے جس سورہ کے شروع میں چاہے کہے اور بسم اللہ ہر سورہ کا جزو نہیں ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ سوائے سورۂ برأت کے ہر سورہ کے شروع کی ایک آیت ہے پس گویا قرآن میں بسم اللہ ایکسو تیرہ آیتیں ہیں اگر کسی ایک جگہ بسم اللہ کہی تو اس نے ختم قرآن کو ترک کیا سوال تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد جسے ترویحہ کہتے ہیں کتنا آرام لینا چاہیے جواب ایک ترویحہ کے بقدر آرام لینا مستحب ہے اسمیں چاہے تسبیح پڑھے یا قرآن یا درود یا نفل پڑھے چاہے چپ بیٹھا رہے اور کوئی خاص دعا منقول نہیں ہے شیخ محدث دہلوی ما ثبت من السنہ میں تحریر فرماتے ہیں المستحب ان یجلس بین کل ترویحتین مقدار ترویحۃ وکذا بین الخامسۃ والوتر وھو المروی عن ابی حنیفۃ وھو المروی عن السلف واھل الحرمین وکانوا مجمعین علی ذلک اما اھل مکۃ فانھم یطوفون اسبوعا واھل المدینۃ یصلون اربعا وکذا اھل کل بلد من بلاد المسلمین ثم ھو المخیر ان شاء سبح او ھلل او صلی او قرأ القرآن او سکت ولو ترك الاستراحۃ بین کل ترویحتین خفیف ولا باس بہ وقیل لا یستحب لانہ یخالف اھل الحرمین الشریفین زادھما ا

شرح فاولوا استراح مقدار اربع رکعات بقراءۃ معتدلۃ دون قدر ما صلے الترویحۃ لکفی ان شاء اللہ تعالیٰ ونرجو من اللہ القبول یعنے مستحب یہ ہر کہ ہر دو ترویحوں کے بیچ میں ایک ترویحہ کے بقدر بیٹھے اور اسیطرح پانچویں ترویحے اور وتر کے بیچ میں بھی بیٹھے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے اور ایسا ہی سلف اور اہل حرمین سے ثابت ہے سب کا اس پر اجماع ہے اہل مکہ اس میں سات شوط طواف کرتے ہیں اور اہل مدینہ چار رکعتیں پڑھتے ہیں اور ایسے ہی ہر شہر کے مسلمان پھر مصلی کو اختیار رہے چاہے تسبیح اور تہلیل کرے چاہے نماز یا قرآن پڑھے چاہے چپ رہے اور اگر استراحت کو ترک کیا تو بعضوں کے نزدیک کچھ حرج نہیں ہر اور بعضوں کے نزدیک خلاف استحباب ہے کیونکہ اس میں اہل حرمین کی مخالفت ہر اور اگر بقدر چار رکعتوں کے درمیانی درجہ کی قرارت سے نہ بقدر ترویحہ استراحت کی تو کافی ہر انشاء اللہ تعالیٰ اور ہم اللہ سے قبول کرنے کی اُمید رکھتے ہیں سوال حنفیہ تراویح کی بیس رکعتیں وتر کے علاوہ پڑھتے ہیں اور حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یعنے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں کبھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے پس بیس رکعت کی کون سند ہر جواب حضرت صدیقہ رض کی روایت نماز تہجد پر محمول ہر کہ رمضان اور غیر رمضان میں یکساں تھی اور غالبًا گیارہ رکعتیں مع وتر ہیں اور اس حمل پر دلیل یہ ہر کہ اس حدیث کے راوی ابو سلمہ رض ہیں جو اس حدیث کے تتمہ میں کہتے ہیں قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ تنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی کذا رواہ البخاری و مسلم یعنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے کے قبل آرام فرماتے ہیں آپ نے فرمایا اے عائشہ رض میری آنکھیں سوتی ہیں اور قلب نہیں سوتا اسکو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے اور اُس زمانے کے عرف میں تراویح کو قیام رمضان کہتے تھے اور صحاح ستہ میں بروایت صحیحہ مرفوعہ الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم تعین عدد قیام رمضان کی تصریح نہیں ہر فقط اتنا ہی ہے قالت عائشۃ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اتنی زحمت برداشت کرتے کہ کسی اور مہینہ میں نہیں برداشت کرتے تھے اسکو مسلم نے روایت کیا ہر لیکن مصنف

ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں بروایت ابن عباس وارد ہے کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر وروی البیہقی فی سننہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ یعنے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ رمضان میں بلاجماعت بیس رکعتیں پڑھتے اور وتر پڑھتے بیہقی نے سنن میں باسناد صحیح سائب بن یزید سے نقل کیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے **سوال** شارح حموی قول اشباہ (وقنت الامام فی الفجر اور امام فجر میں قنوت پڑھتا تھا) کے ذیل میں لکھتے ہیں اقول ینبغی ان یکون ذلک قبل الرکوع فی الرکعۃ الثانیۃ ویکبر لہ انتہی یعنے میں کہتا ہوں کہ یہ رکعت ثانیہ میں رکوع کے پہلے ہونا چاہیے اور اس کے لئے تکبیر کہنا چاہیے پس قابل دریافت یہ امر ہے کہ تکبیر ہاتھ اُٹھا کے کہی جائے یا بے ہاتھ اُٹھائے ہوئے **جواب** تکبیر قنوت میں رفع یدین کو فقہا سنت لکھتے ہیں تنویر الابصار میں ہے ولا یسن رفع یدیہ الا فی تکبیرۃ افتتاح وقنوت وعید یعنے رفع یدین صرف تکبیر افتتاح اور قنوت اور عید میں سنت ہے مگر وقوع نازلہ کے وقت کہ بعض فقہائے قنوت پڑھنے کو فجر میں بھی جائز رکھا ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس قنوت کی تکبیر کے وقت ہاتھ اُٹھانا بھی تھا بلکہ اکثر حدیثوں سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کر کے تسمیع وتحمید کے بعد قنوت پڑھتے تھے اور تکبیر کا ذکر بھی نہیں آیا ہے بخاری میں ابوہریرہ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یدعو علی احد او یدعو لاحد قنت بعد الرکوع فربما قال اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اللہم انج الولید بن الولید یعنی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کو دعا یا بددعا دینا چاہتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے پس بسا اوقات جب سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہتے تو فرمائے اللھم انج الولید بن الولید اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے۔ اور ابو داؤد نے ابن عباس سے روایت کی ہے قال قنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شہرا متتابعا فی الظہر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰۃ الصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فی الرکعۃ الاخیرۃ یدعو علی احیاء من بنی سلیم یعنے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے ایک ماہ کامل

ظہر عصر مغرب عشا فجر کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد بعض قبائل بنی سلیم کو بددعا دیتے ہوئے قنوت پڑھا اسیطرح دوسری روایتوں میں بھی آیا ہے سوال اگر کسی کو جنون ہو تو نماز ساقط ہو جائے گی یا نہیں جواب اگر جنون ممتد ہے اور ایک شبانہ روز سے زائد رہتا ہے تو اُسکے ذمے سے نماز ساقط ہو جائے گی منار میں ہے وحد الامتداد فی الصلوٰۃ ان یزید علی یوم ولیلۃ وفی الصوم باستغراق الشھر وفی الزکوٰۃ باستغراق الحول یعنے نماز میں حد امتداد یہ ہے کہ ایک دن اور ایک رات سے زائد ہو اور روزہ میں یہ ہے کہ پورا مہینہ رہے اور زکوٰۃ میں پورا سال سوال اگر کوئی شخص رکوع اور سجدہ پر قادر نہیں ہو اور کوئی چیز اُٹھا کر اُسکی پیشانی کے پاس لیجائیں اور وہ اُسپر سجدہ کرے تو سجدہ ادا ہو گا یا نہیں جواب اگر اُس نے اپنے سر کو جنبش دی اور ادنیٰ جھکاؤ متحقق ہو گیا تو سجدہ ادا ہو گا ورنہ نہیں محمود بن الیاس نے شرح نقایہ میں لکھا ہے ولا یرفع الیہ شئی للسجود علیہ فان فعل ذلک وھو یخفض راسہ للرکوع والسجود جاز بالایماء لا بوضع الراس علی ذلک الشئی وان لم یخفض راسہ لکن یوضع شئی علی جبھتہ لم یجز یعنی سکے جانب کوئی چیز سجدہ کرنے کو نہ اُٹھائی جائے اگر ایسا کیا گیا اور وہ اپنے سر کو رکوع وسجود کے لیے جھکاتا ہے تو جائز ہے ایما کی وجہ سے نہ اُس چیز پر سر رکھنے کی وجہ سے اور اگر ایسا نہیں بلکہ وہ چیز اُسکی پیشانی سے لگادی جاتی ہو تو نہیں جائز ہے سوال اگر عذر کیوجہ سے مقام سجدہ پر تکیہ رکھکے اُسپر سجدہ کرے تو جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے کفایہ میں ہے ولو وضع بین یدیہ وسائد فالصق جبھتہ علیھا ووجد فی الانحناء جاز ذلک من الایماء والا فلا یعنے اگر اُسکے سامنے تکیے رکھدیے گئے اور اُس نے اپنی پیشانی اُن سے ملادی اور معمولی جھکاؤ پایا گیا تو یہ جھکاؤ کی وجہ سے جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور اُسی شرح نقایہ میں ہے وان کانت الوسادۃ موضوعۃ علی الارض وھو یسجد علیھا جاز یعنے اگر تکیہ زمین پر رکھا ہو اور وہ تکیہ پر سجدہ کر رہا ہے تو جائز ہے سوال اگر کوئی شخص مرگیا اور اُسپر نماز اور روزے ہیں تو اُنکا کفارہ کیا ہے جواب ہر نماز کے عوض نصف صاع گیہوں ہے اور فرض اور واجب اس میں یکساں ہیں اور ایک روزہ کا حکم ایک نماز کا ہے پس اگر میت نے کفارہ ادا کرنے کی وصیت کی ہے تو

ثلث مال سے ادا کرنا واجب ہے اور اگر وصیت نہیں کی اور بعض ورثہ نے تبرعًا و احسانًا کفارہ ادا
کیا تو بھی جائز ہے حمادیہ میں ہے واذا مات وعلیہ صلوٰت فائتۃ واوصی بان یعطی کفارۃ صلوٰۃ
یعطی بکل صلوٰۃ نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم یوم نصف صاع وانما
یعطی من ثلث ماله یعنی اگر کوئی شخص مرا اور اسکے ذمہ نمازیں تھیں اور اُس نے کفارہ دینے کی وصیت کی تھی
تو اسکی طرف سے ہر نماز کے عوض میں نصف صاع گیہوں اور ہر وتر کے عوض میں نصف صاع
گیہوں اور ہر روزے کے عوض میں نصف صاع گیہوں دیے جائیں گے لیکن ثلث مال سے
اور فتاوی عالمگیری میں ہے وان لم یوص لورثتہ وتبرع بعض الورثۃ یجوز یعنی اور اگر اُس نے وصیت
نہیں کی اور بعض ورثہ نے کفارہ تبرعًا ادا کیا تو بھی جائز ہے **سوال** کفارہ صوم وصلوٰۃ کو مسجد
اور سڑک اور پل وغیرہ کے بنانے میں کہ اُن میں تملیک متصدق علیہ نہیں ہے صرف کرنا جائز ہے
یا نہیں **جواب** ابو المکارم کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے اور صاحب برہان کی تحریر سے
معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک تمام صدقات اور کفارات میں
متصدق علیہ کی تملیک شرط ہے ابو المکارم نے لکھا ہے اجازلہ اباحۃ الکفارات کلھا والضابطۃ
انّ کل ما ورد بلفظ الایتاء والاداء شرط فیہ التملیک وما ورد بلفظ الاطعام یشترط
فیہ الاباحۃ وعند الشافعی یشترط التملیک فی الکل انتہی یعنی تمام کفارات میں صرف اباحت کافی ہے
اور کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کہیں ایتاء اور ادا کا لفظ آیا ہے وہاں تملیک کافی ہے اور جہاں اطعام کا لفظ
آیا ہے وہاں اباحت شرط ہے اور شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک تملیک سب میں شرط ہے اور صاحب
برہان انما الصدقات کی شرح میں لکھتے ہیں انما للحصر فیقتضی قصر جنس الصدقات علی الاصناف
المعدودۃ واختصاصها بهم كانه قيل انما هي لهم لا لغيرهم یعنی انما حصر کے لئے ہے اور اسکا مقتضی
یہ ہے کہ جنس صدقات مختلف اصناف میں منحصر ہوں اور وہ سب ان لوگوں کے ساتھ خاص ہوں گویا
کہ یوں کہا گیا ہے کہ یہ سب قسمیں انھیں لوگوں کے لئے ہیں دوسروں کے لئے نہیں ہیں۔ اور تفسیر احمدی میں ہے
هذه الآية في بيان مصارف الزكوة لان المراد من الصدقات المفروضة منها وهي الزكوة
وقد جعلها الله تعالى في الآية ثمانية مذكورة مع الترتيب وحصر فيها بكلمة انما یعنی یہ آیت
مصارف زکوٰۃ کے بیان میں ہے کیونکہ صدقات سے مراد صدقات مفروضہ ہیں اور وہ زکوٰۃ ہے

مصرف اللہ تعالیٰ نے آیت میں آٹھ بتلائے ہیں جو بالترتیب مذکور ہیں اور کلمہ انما حصر کو ظاہر
کررہا ہے **سوال** ولایت اسلام نہونیکی وجہ سے اس دیار میں جس عالم متورع پر لوگ اعتماد کریں
وہ اقامت جمعہ اور خطبہ میں قاضی کا حکم رکھتا ہے یا نہیں **جواب** رکھتا ہے صاحب بحرالرائق نے
خلاصہ سے نقل کیا ہے والی مصر مات ولم یبلغ الخلیفۃ موتہ حتی مضت بھم جمع فان صلی بھم
خلیفۃ المیت او صاحب الشرط او القاضی اجزاھم ولو اجتمعت العامۃ علی تقدیم رجل
لم یامرہ القاضی ولا خلیفۃ المیت لم یجز ولم یکن جمعۃ ولو لم یکن ثمہ قاض ولا خلیفۃ المیت
فاجتمع العامۃ علی تقدیم رجل جاز للضرورۃ انتہیٰ یعنی اگر کسی شہر کا والی مرگیا اور خلیفہ کو اسکی موت
کی خبر نہیں پہونچی یہانتک کہ جمعہ آگیا تو اگر اُن کے ساتھ خلیفۂ میت یا کوتوال شہر یا قاضی نے نماز پڑھی
تو درست ہے ورنہ اگر عوام نے مجتمع ہوکر کسی شخص کو امام بنالیا اور قاضی اور خلیفۂ میت میں سے کسی نے
اُسے حکم نہیں دیا تو نماز درست نہوگی اور جمعہ ادا نہوگا اور اگر خلیفہ میت اور قاضی بھی نہو تو عوام
جس شخص پر اتفاق کرلیں اُسکے پیچھے نماز پڑھیں ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگی۔ اور درمختار میں ہے
ونصب العامۃ الخطیب غیر معتبر علی وجود من ذکر امامع عدمھم فیجوز للضرورۃ یعنی عوام کا کسی
کو خطیب بنالینا اگر مذکورین میں سے کوئی موجود ہو غیر معتبر ہے ورنہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اور عالمگیری میں ہے
لو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز کذا فی التہذیب
یعنی اگر امام سے اجازت لینا دشوار ہے اور لوگون نے کسی شخص پر اتفاق کرلیا اور اُس کے ساتھ نماز
جمعہ پڑھ لی تو جائز ہے ایسا ہی تہذیب میں ہے **سوال** مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ جمعہ میں
اسقاط فرض ظہر کی نماز جمعہ کی وجہ سے نیت کرے ورنہ فرض نماز ادا نہو گی یہ درست ہے یا نہیں
جواب کتب معتبرہ کے خلاف ہے صاحب درمختار نے صحت جمعہ کے لئے سات اور وجوب کے لئے
نو شرطیں لکھی ہیں۔ اور نیت اسقاط ظہر کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور نہ متون میں اس شرط کا پتہ ہے
سوال جمعہ ایک شہر میں کئی جگہ جائز ہے یا نہیں **جواب** امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ سے
اس میں مختلف روایتیں منقول ہیں (۱) ایک یہ کہ سوائے ایک جگہ کے درست نہیں شمنی نے شرح
نقایہ میں لکھا ہے عن ابی حنیفۃ لا یجوز فی اکثر من موضع واحد لان الجمعۃ من اعلام الدین
لا یجوز تقلیل جماعتھا وفی جوازھا فی مکانین تقلیلھا انتہیٰ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے

روایت ہے کہ جمعہ ایک جگہ سے زائد نا جائز ہے کیونکہ یہ اعلام دین میں سے ہے اس لئے اسمیں
تقلیل جماعت نا جائز ہوا اور اگر دو جگہ جائز کر دیا گیا تو ظاہر ہے کہ اس سے تقلیل جماعت لازم
آتی ہو (۲) دو جگہ بھی جائز ہے مگر دو جگہ سے زیادہ نا جائز ہو شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے
عن ابی حنیفة وصاحبیہ یجوز فی موضعین لا غیر یعنی امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ سے
مروی ہے کہ دو جگھوں میں جائز ہو اس سے زائد میں نہیں (۳) دو جگہ درست ہو بشرطیکہ
اس شہر میں کوئی نہر فاصل ہو. قال الشمنی والرابعة عن ابی یوسف انہ یجوز فی موضعین
اذا کان المصر کبیرا وحال بین الخطبتین نہر کبغداد شمنی نے کہا کہ چوتھی روایت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے
مروی ہے کہ جمعہ دو جگہ جائز ہے اگر شہر بڑا ہو یا بیچ میں نہر ہو جیسے نہر بغداد (۴) تین جگھوں تک درست
ہے اور یہ امام محمد رحمہ اللہ کی روایت ہو جسکو شارح نقایہ نے نقل کیا ہو (۵) مواضع کثیرہ
میں درست ہو اسکو امام سرخسی اور دوسرے اماموں نے امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ
سے نقل کیا ہے اسی پر فتوی ہو اور فقہا نے اسکو اصح اور صحیح لکھا ہے درر الحکام شرح غرر الاحکام
میں ہو جازت الجمعة فی مواضع من المصر وهو قول ابی حنیفة ومحمد وهو الاصح لان
فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینة کبیرة حرجا بینا یعنی جمعہ ایک شہر میں متعدد جگہ جائز ہے
اور یہ امام ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کا قول ہو اور یہی اصح ہے کیونکہ بڑے شہر میں سب کا ایک
جگہ جمع ہونا بہت دشوار ہے اور ذخیرۃ العقبیٰ میں ہو والصحیح من قول الاعظم الربانی
ان یؤدی فی مصر واحد فی مواضع کثیرة یعنی امام اعظم کا صحیح قول یہ ہے کہ نماز جمعہ ایک
شہر میں متعدد مواضع میں ادا کی جا سکتی ہو. اور برہان شرح مواہب الرحمن میں ہو وتعددها ای
الجمعة فی مواضع کثیرة فی مصر واحد جائز عند ابی حنیفة قال السرخسی فی الصحیح
من مذهبه وبه قال محمد یعنی اور تعدد جمعہ ایک شہر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک
جائز ہے سرخسی نے کہا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے صحیح مذہب پر ہو اور امام محمد رحمہ اللہ
اسی کے قائل ہیں. اور صاحب بحر الرائق نے امام سرخسی سے نقل کیا ہے ان الصحیح من مذهب
ابی حنیفة جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدین واکثر وبه ناخذ لاطلاق لا جمعة
الا فی مصر شرط المصر فقط یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہ ہو کہ ایک شہر کی دو مسجدوں

یا زمانہ میں اقامتِ جمعہ درست ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کیونکہ لا جمعۃ الا فی مصرٍ مطلق ہے
صرف مصر کی شرط ہے۔ اور درمختار میں ہے وتودی فی مصرٍ واحدٍ بمواضع کثیرۃٍ مطلقاً
علی المذھب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی اور ایک شہر میں نماز جمعہ بہت سی جگہ درست ہے
مطلقاً بر مذہب امام ابو حنیفہ اسی پر فتوی ہے شرح مجمع میں علامہ عینی نے یہی کہا ہے اور طحطاوی نے
حاشیہ میں مطلقاً کے تحت میں لکھا ہے سواء کان ھناک ضرورۃ اولا فصل بین جانبے
البلد نھر اولا یعنے چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو اور چاہے شہر کو نہر درحصول پر منقسم کرتی ہو یا نہ کرتی ہو
سوال غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنا اور خطبہ میں اشعار پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ایسے خطبہ سے
جمعہ کی نماز میں نقصان لازم آتا ہے یا نہیں جواب غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنا فارسی ہو یا کوئی
اور زبان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بلا عذر جائز ہے لیکن خلاف افضل ہے اور صاحبین رحمہما اللہ
کے نزدیک درست نہیں ہے درمختار میں ہے وشرطا عجزہ صاحبین رحمہما اللہ نے عجز کی شرط لگائی ہے
محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے افضل یہ ہے
کہ خطبہ عربی زبان میں ہو اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر عربی میں بھی جائز ہے خواہ
کوئی سی زبان ہو اور بعضوں کے نزدیک فارسی کے سوا کسی غیر عربی زبان میں خطبہ جائز نہیں ہے
عینی شرح ہدایہ میں ہے والخطبۃ یوم الجمعۃ والتشھد ای قراءۃ التحیات فی القعدات علی ھذا
الاختلاف یعنی یجوز عند ابی حنیفۃ خلافاً لھما یعنی خطبہ جمعہ اور تشہد یعنی قرأت التحیات میں بھی
اختلاف ہے یعنے امام صاحب کے نزدیک دوسری زبانوں میں جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک
نہیں لیکن خطبہ ایسی نظم میں جو کذب و مبالغہ اور سرود اور غنا سے خالی ہو لاباس یہ پڑھ لینے
اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جن اشعار میں مواعظ اور کتاب وحدیث کے مضامین ہوں اور
کذب ومبالغہ اور سرود وغنا سے خالی ہوں وہ مستثنیٰ ہیں اگرچہ اشعار کا مدار ہی تخیلات اور وہم پر ہے
اور جھوٹ میں مبالغہ اور غلو اسکو خوبصورت بنا دیتا ہے اسی لیے نظامی فرماتے ہیں کہ شاعری سے الگ رہنا چاہیے
کیونکہ شعر میں جس قدر جھوٹ زیادہ ہے اسیقدر خوبی زیادہ ہے لیکن سنت متوارثہ کی مخالفت کی
وجہ سے کراہت تنزیہی سے کوئی شعر خالی نہیں ہے دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ
عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے ھو کلام

فحسنہ حسن وقبیحہ قبیح شعر بھی ایک کلام ہے اگر اچھا ہو تو اچھا اور اگر بُرا ہو تو بُرا ہے. صاحب نصاب الاحتساب نے اُسکو حرام لکھا ہے هل للمذكر ان يقرأ على المنبر دو بيتي كما اعتاده تذكر زماننا ام لا الجواب فى الحديث من اشراط الساعة ان توضع الاخيار وترفع الاشرار وان تقرأ المثناة هى التى بالفارسية دو بيتى من الصحاح یعنے کیا خطیب منبر پر دوبیتی (رباعی) پڑھ سکتا ہے جیسا کہ فی زماننا خطیبوں کی عادت ہے اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ نیک لوگ رکھے رہیں اور بد لوگ بلند مرتبہ ہو جائیں اور مثناۃ پڑھی جاوے صحاح میں ہے کہ مثناۃ کو فارسی میں دوبیتی کہتے ہیں۔ بہر حال اگر خطبۂ منظوم میں اوصاف مذکورہ پائے جائیں تو جمعہ کی نماز میں نقصان لازم نہیں آتا سوال اگر پہلے خطبہ میں خلفاے راشدین کا ذکر ہو تو کیا حکم ہے جواب بہتر یہ ہے کہ پہلے خطبہ میں تسبیح وتہلیل وتحمید وقراءۃ قرآن اور درود اور دوسرے خطبہ میں مومنین صالحین اور خلفاے راشدین اور صحابہ کرام اور حضرت حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جاوے کہ یہی علماے شرق ومغرب کا معمول ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما راٰه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن یعنے جسکو مسلمان اچھا سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھا ہے پہلے خطبہ میں خلفاء راشدین وغیرہم کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اور اگر پہلے خطبہ میں خلفاے اربعہ کا ذکر کر دیا تو اس سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آتا رسائل الارکان میں ہے وينبغى ان يدعو للمسلمين ويبدأ بذكر الخلفاء الراشدين ومدحهم والدعاء لهم لان الرحمة تنزل بذكر الصالحين ويرجى قبول الدعاء للمسلمين ببركة ذكرهم وهو المتوارث من وقت التابعين الى الان ولم ينكر ذلك احد فهو امر مندوب قريب الى السنة للاجماع الفعلى على ذلك وهو من شعار الدين فلا يترك یعنے خطبہ میں مسلمانوں کے لئے دعا کرنا چاہیے اور خلفاے راشدین کا ذکر اور اُنکی مدح اور اُن کے لئے دعا کرنا چاہیے کیونکہ صالحین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے اور اُنکے ذکر کی برکت سے مسلمانوں کے حق میں بھی دعا کے قبول ہونے کی اُمید ہے اور یہ تابعین کے وقت سے ابتک جاری ہے کسی نے اسکا انکار نہیں کیا تو یہ امر مندوب قریب بسنت ہے اجماع فعلی کی وجہ سے جو شعار دین میں سے ہے پس ترک نہ کیا جائیگا اور عالمگیری میں ہے وذكر الخلفاء الراشدين

رضی اللہ عنہم مستحسن بذالک جری التوارث کذا فی التجنیس یعنی خلفاے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر مستحسن ہے اسی پر عملدر آمد ہے ایسا ہی تجنیس میں ہے سوال موذن کے اذان ختم کرنے تک جو خطیب منبر پر بیٹھتا ہے اگر اُسے ترک کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں جواب جلسۂ مذکورہ مسنون ہے ابوداوٗد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا دو خطبے پڑھتے تھے اور جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھے رہتے یہانتک کہ موذن فراغت پاتا۔ اور سنت موکدہ کا ترک مکروہ تحریمی کہلاتا ہے اسی طرح درمختار میں ہے سوال دونوں خطبوں کے بیچ میں بیٹھ کے دعا کرنا رفع یدین کے ساتھ ہو یا بلا رفع یدین دل سے ہو یا زبان سے جائز ہے یا نہیں جواب اگر دو خطبوں کے بیچ میں بیٹھنے وقت دل سے دعا ہو اور زبان کو حرکت نہو تو مباح ہے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ مین لکھتے ہیں کیف یدعو وھو مامور بالانصات لجبیب من شرط الدعاء التلفظ بل استحضارہ بقلبہ کافٍ یعنے خطیب دعا کیونکر کرسکتا ہے کیونکہ اُسے تو حالت جلوس میں خاموش رہنے کا حکم ہے اسکا جواب یہ ہے کہ دعا کے لئے تلفظ ضروری نہیں ہے بلکہ دعا کو صرف قلب میں لے آنا کافی ہے اور اگر دعا تلفظ کیساتھ زبان سے ہو عام اس سے کہ برفع یدین ہو یا بلا رفع یدین خطبوں کے بیچ مین ممنوع ہے حدیث سے اتنا ہی ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبوں کے درمیان ایک لحظہ سے زائد نہ بیٹھتے اور اس جلسہ میں آپ سے کوئی دعا ثابت نہیں مولوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ سلم اس جلسے میں خاموش رہتے تھے اور زبان سے کچھ نہ فرماتے تھے اور کوئی دعا اس موقع پر ایسی ثابت نہیں مشکوٰۃ شریف میں ہے عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب ثم یجلس فلا یتکلم ثم یقوم فیخطب یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ خطبہ پڑھتے تھے پھر بیٹھتے تھے اور کوئی بات نہیں کرتے تھے پھر کھڑے ہوتے تھے اور خطبہ پڑھتے تھے اور یہی امام ابوحنیفہ و محمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے کہ مطلق ذکر جو کچھ ہو جلسۂ بین الخطبتین میں مکروہ ہے حافظ الدین ابوالبرکات نسفی نے کافی شرح وافی میں لکھا ہے وکراھۃ الکلام غیر مقصود حال الخطبۃ عند ابی حنیفۃ حتی یکرہ الکلام عندہ فی حال الجلسۃ بین الخطبتین لاطلاق الحدیث یعنے کراہت کلام حالت خطبہ مین مقصود نہیں ہے یہانتک کہ حالت جلوس میں کلام اُن کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ حدیث مطلق ہے۔ اور برجندی شرح مختصر مین ہے والمراد بالکلام مطلق الکلام

سواء کان امرًا بالمعروف اوغیرہ وسواء کان ذکرا وقرآنا اوغیرھما انتہیٰ وقال الزیلعی فی شرح الکنز وعند محمد لایباح لہ اصلا انتہے وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج الامام فلاصلوٰۃ ولاکلام کذا فی الچلپی علی شرح الوقایۃ وھذا الکلام من غیر فصل یعنی کلام سے مطلق کلام مراد ہے خواہ وہ امر بالمعروف ہویا اور کچھ اور خواہ ذکر ہویا قرآن یا اور کچھ اور زیلعی نے شرح کنز میں کہا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کلام بالکل مباح نہیں ہے انتہی اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے روانہ ہوا اُسوقت سے نہ نماز درست ہے نہ کلام اور ابن ہمام کہتے ہیں کہ ابو بکر بن شیبہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ یہ حضرات خروج امام کے بعد صلوٰۃ اور کلام کو مکروہ جانتے تھے اور صحابی کا قول حجت ہے اور اُسکی تقلید ہمپر واجب ہے۔ اور یہ حدیث صحیح مسلم میں بروایت ابو موسیٰ اشعری اگرچہ مروی ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت سے نماز ختم کرنے کے وقت تک کے بیچ میں ایک ساعت دعا کے قبول ہونے کی ہے مگر اُس ساعت میں بحث ہے محققین علما کے نزدیک ابو موسیٰ اشعری کی حدیث سے زائد قوی وہ حدیث ہے جو عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ ساعات جمعہ میں سے آخر ساعت ساعتِ اجابت ہے اور اس ساعت کے تعین میں چالیس حدیثوں تک مروی ہیں سوال خطبہ میں اَللّٰھُمَّ اعزالاسلام کہتے وقت منبر سے نیچے آنا اور اَللّٰھُمَّ انصر کہتے وقت اوپر چڑھنا جائز ہے یا نہیں جواب بعض الفاظ خطبہ کے کہتے وقت نیچے آنا اور چڑھنا کتب فقہیہ میں نظر نہیں آیا اور ربطاً ہے اسکے جواز کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے سوال سلطان وقت کیلئے عدل اور احسان کی دعا کرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے سوال عیدگاہ میں جو غالبًا صحرا میں ہوتی ہے عیدین کی نماز کا کیا حکم ہے جواب حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی عادت سے یہ بات تھی کہ عیدین کی نماز کے لئے آپ مصلے کی طرف تشریف لیجاتے جو مدینۂ منورہ کے غربی جانب ایک مقام ہے اُسکے اور مسجد نبوی کے درمیان میں ہزار گز کا فاصلہ ہے جیسا کہ ابن حجر نے لکھا ہے اور کبھی آپنے مسجد شریف میں عید کی نماز نہیں پڑھی مگر ایک بار بارش کی وجہ سے آپنے مسجد شریف میں نماز پڑھی تھی جیسا کہ ابو داؤد اور ابن ماجہ سے مروی ہے باوجود مسجد شریف نبوی کی بزرگی کے جو ظاہر ہے آپ کا یہاں نماز نہ پڑھنا اور وہاں تشریف لیجانا تمام

نماز عیدین

کہ مصلے میں عیدین کی نماز پڑھنا افضل ہر بعض کہتے ہیں کہ حضور کے زمانے میں مسجد چھوٹی اور آبادی
بہت تھی سلئے آپنے عیدین کی نماز مسجد میں نہیں پڑھی اور اب چونکہ مسجد نبوی وسیع اور آبادی کافی ہر
لہذا اہل مدینہ اُسی میں نماز پڑھتے ہیں باہر نہیں نکلتے اور اہل مکہ پہلے ہی سے عادی ہیں کہ مسجد میں
نماز پڑھتے ہیں اور صحرا میں نہیں جاتے اور ایک اسیر ثابت قدم ہیں جیسا کہ مولانا عبد الحق محدث دہلوی
نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے اور شارح ابن ہمام کہتے ہیں کہ مصلے میں عیدین کی نماز پڑھنا سنت
ہے اور شارح صراط مستقیم نے کہا ہے کہ ایک شہر میں کئی جگہ عید کی نماز پڑھنا جائز ہے **سوال**
امرا کو اپنے گھر میں عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں **جواب** درصورت تحقق شروط ادا عیدین
کی نماز گھر میں پڑھی جاسکتی ہر شہر اور جماعت کا ہونا ضروری ہر اور جماعت میں امام کے علاوہ کم سے
تین آدمی کا ہونا ضروری ہے اور اذن عام یعنے جہان عیدین کی نماز پڑھی جائے وہاں آنے سے
وہ مرد جو نماز عید ادا کرنے کے قابل ہیں روکے نہ جائیں جیسا کہ برجندی شرح مختصر میں اور شروط ادائے
نماز عید میں مسجد نہیں ہر مگر جو فضیلت مسجد کی جماعت کو ہے وہ گھر کی جماعت کو حاصل نہیں جیسا کہ
کفایہ شرح ہدایہ میں ہر اور برجندی شرح مختصر میں لکھتے ہیں فلو اغلق السلطان او نائبہ ابواب
منزلہ او لم یاذن بالدخول فیہ وصلے فیہ باہلہ وعسکرہ لا یجوز یعنی اگر بادشاہ نے
اپنے مکان کے دروازے بند کر لیے یا اندر آنے کی ممانعت کردی اور مکان میں اہل وعیال
اور لشکر سمیت نماز پڑھ لی تو جائز نہوگی اور رسائل الارکان میں مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھتے
ہیں لو اغلق الامام باب حصنہ وصلے مع رفقائہ لم یجز یعنی اگر امام نے قلعہ کا دروازہ بند کرکے
اپنے رفقا سمیت نماز پڑھ لی تو جائز نہوگی **سوال** (۱) بعضے علما فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گاہے سینہ پر اور گاہے زیر ناف نماز میں ہاتھ باندھے ہیں اور آپ کا
رفع یدین کرنا اور آمین بالجہر کہنا بھی ثابت ہی پھر بعضے علما ان افعال سے کیون منع کرتے ہیں اور
کیوں کہتے ہیں کہ یہ طریقہ وہابی اور شافعیہ اور دوسرے فرقون کا ہے اور کیا وجہ ہے کہ حنفیہ
کے نزدیک ان اعمال کا ذکر کرنا جائز نہیں ہوا اور دوسرے ایمہ کے یہان مسنون ٹھہرا آیا یہ اعمال
زمانۂ نبوی میں پائے گئے ہیں یا نہیں اور اگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان افعال کو
کیا اور زمانۂ نبوی میں اسکا ہونا ثابت ہے تو پھر ایمہ اور علما باہم کیون مختلف ہوے کہ کوئی سنت

وجواز کا قائل ہوا اور کوئی ترک وممنوعیت کا فتویٰ دینے لگا وجہ اختلاف علما سے آگاہی بخشی جائے اور ہم لوگ عوام حنفیہ جو فہم اصول شرعیہ کی قدرت نہیں رکھتے ایسے حال میں کیا کریں آیا حسب معمول سابق ترک رفع یدین اور آمین بالجہر کے عامل رہیں اور ہاتھ زیر ناف باندھیں یا کیا کریں اور جو لوگ رفع یدین اور آمین بالجہر کہتے ہیں اور سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں انکو گمراہ اور مرتد اور کافر کہنا اور ان پر لعن کرنا روا ہے یا نہیں (۲) جو لوگ شافعی یا مالکی یا حنبلی ہوں اور نماز میں رفع یدین اور آمین بالجہر اور دیگر امور مذہب حنفیہ کے خلاف کرتے ہوں تو حنفی المذہب کو انکی اقتدا درست ہے یا نہیں اور ایسے لوگوں کے پیچھے ہم حنفیوں کو مستمر آیا احیاناً نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں جواب (۱) زمانہ نبوی میں مسائل جزئیہ مدون اور مدلل اور متفرع دلائل و براہین پر نہ تھے بلکہ صحابہ کرام کا عمل محض حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل پر تھا مثلاً ایک صحابی نے آپ کو ایک وقت وضو میں جملہ اعضاے وضو کو ایک ایک بار دھوتے دیکھا اسپر انھوں نے عمل کیا اور دوسرے صحابی نے دوسرے وقت دو دو بار ہر عضو کو دھوتے دیکھا انھوں نے اسکو اختیار کیا اور تیسرے صحابی نے کسی وقت آپ کو تین تین بار اعضاے وضو کو دھوتے دیکھا اسپر عامل اور آخذ ہوے علی ہذا کیفیت اداے نماز میں بھی صحابہ کا عمل مختلف رہا ہے اور روایتیں بھی مختلف ہوئیں مثلاً ایک صحابی نے آپ کو رفع یدین کرتے دیکھا اسکو مسنون خیال کیا اس پر عمل کیا اور اسکو روایت کیا اور دوسرے نے اسکا ترک دیکھا وہ عدم رفع کی سنیت کے قائل ہوے یہی کیفیت اختلاف صحابہ کی احادیث قولیہ میں ہوئی مثلاً ایک صحابی نے ایک وقت میں کسی مسئلہ کا حکم آپ سے پوچھا آپنے اس وقت کی مصلحت کے لحاظ سے ان کو جو جواب دیا انھوں نے اسپر عمل کیا اور اپنی سماع کی روایت کی دوسرے صحابی نے دوسرے وقت اسی مسئلہ کا حکم دریافت کیا اور آپ نے چونکہ وہ حکم منسوخ ہو چکا تھا یا کسی مصلحت تیسیر وبیان جواز وغیرہ مصالح وقت کے لحاظ سے دوسرے طور پر جواب دیا انھوں نے اس قول پر عمل کیا اور اسی کی روایت کی پھر وفات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اطراف وبلاد میں متفرق ہو گئے۔ اور افتا اور قضا کے مباشر ہوے تو جس شہر میں جو صحابی پہونچے وہاں انھوں نے اپنی سماع ورویت کے موافق حکم اور فتویٰ دیا اور جب کبھی صحابہ نے بین الاحادیث تعارض پایا یا حدیث مسموع اور اپنے استنباط میں تعارض پایا تو جس جانب ثبوت کا ظن غالب ہوا

اُس پر عمل کیا۔ اس وجہ سے بعض احادیث کو متروک العمل کر دیا اور بعض پر عمل لازم سمجھا جیسا کہ حضرت
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب ازواج مطہرات سے یہ سن لیا کہ جنب کو بحالت جنابت صبح کرنا
مفسد صوم نہیں ہے تو اپنے مذہب سابق سے رجوع کیا۔ اور حدیث مسموعہ سابق کو متروک العمل
کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث مروی فاطمہ بنت قیس کو بخصوص عدم وجوب نفقہ
وسکنی مطلقہ ثلثہ کے بوجہ مخالفت نص قرآنی کے مردود کر دیا اور بعضی حدیثیں جو کسی صحابی کو نہ پہونچی
تھیں اور واقعۂ جدیدہ کے درپیش ہونے کی وجہ سے حاجت پڑی اور تلاش کے بعد دوسرے
صحابی سے سُنا تو اُسپر عمل کر لیا اور باوجودیکہ خود کمال جلالت رکھتے تھے اور کثرت سے نبی اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھتے تھے احادیث کو اپنے علم پر مقصور نہ رکھا جیسا کہ بخصوص نصیب
جدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کا قول محمد بن سلمہ کی تصدیق کی وجہ سے
قبول فرمایا اور حسب روایت اُنکی جدہ کو سدس مال دیا اور جن صحابہ کو جو حدیثیں نہیں
پہونچیں وہ اُس پر عمل کرنے سے معذور رہے اور اپنے استنباط پر فتویٰ دیتے
رہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کو نہانے مین سب بالوں کے کھولنے
کا اور اُن کے نیچے پانی پہونچانیکا حکم دیا کرتے تھے اس وجہ سے کہ جس روایت سے یہ ثابت ہے
کہ عورتیں نہانے میں چوٹیاں نہ کھولیں وہ اُن تک نہیں پہونچی چنانچہ اسکو سنکر حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا نے انکار فرمایا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے اس قسم کے اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم کے درمیان بہت تھے اور یہی اختلاف صحابہ منجر باختلاف تابعین ہوا اور اختلاف تابعین
منجر باختلاف تبع تابعین ہوا اور بوجہ وقوع کثرت اختلاف اور وقائع کے تدوین کتب
اور ترتیب ابواب فقہیہ اور تفریع مسائل علے الادلہ کی نوبت پہونچی اور ہر مجتہد نے
بقدر وسعت اپنے اصول و قواعد تطبیق بین الاحادیث المختلفہ والآثار المتعارضہ
کے لئے قائم کیے اور جسکو جتنی حدیثیں پہونچیں اُنپر عمل کیا اور اُسی سے امور غیر منصوصہ کا
استنباط کرتے اور فتوے دیتے رہے اسی اختلاف کی وجہ سے زمانۂ سلف میں کسی امام اور
مجتہد خاص کی تقلید معمول نہ تھی جو شخص عامی ہوتا تھا اُسکو اختیار تھا کہ صحابہ اور تابعین
اور تبع تابعین اور ائمۂ مجتہدین کے زمانے مین جس عالم سے چاہے مسائل شرعیہ دریافت کرکے موافق

اُسکے عمل کرے کوئی اُسپر انکار نہیں کرتا تھا اور اُسکی وجہ یہی تھی کہ ایمۂ مجتہدین کا یہ اختلاف صحابہ کے اختلاف پر مبنی تھا اور حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم یعنے صحابی ہمارے مثل ستاروں کے منور منور ایمان و اسلام و احکام شرعیہ ہیں جو شخص اُن صحابہ سے کسی ایک کی اقتدا کریگا ہدایت پائیگا پس کسی صحابی کی اقتدا اہتدا سے خالی نہیں ہو سکتی لہذا زمانۂ سلف میں تقلید کے لئے کسی خاص امام کی تخصیص تھی اور نہ ایمہ کا اختلاف باعث الزام ہو سکتا تھا کیونکہ ہر شخص آثار صحابہ کا مقتدی تھا مگر مجتہدین اور اُن کے مذاہب کا زمانہ گذر جانے کے بعد علما اور صلحا کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ اہل سنت کے مذہب کا انحصار ایمۂ اربعہ امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد بن حنبل رحمہم اللہ پر ہے اور فی زمانا یہی چار مذہب شایع ہیں اور جو مسائل ان میں اختلافی ہیں وہ بے دلیل نہیں ہیں بلکہ اُن میں سے ہر ایک کے دلائل موجود ہیں اور اُن ایمۂ اربعہ میں سے ہر ایک آثار صحابہ اور احادیث نبویہ کا متبع ہے پس چاروں مقتدی اور مہتدی ہوے کسی پر طعن اور تشنیع جائز نہیں ہے چونکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رفع یدین کی ترجیح اور آمین بالجہر کا ثبوت نہیں ہوا بلکہ بعض صحابہ کی وساطت سے عدم رفع یدین اور اخفاے آمین کا ثبوت پہونچا لہذا امام صاحب نے ترک رفع یدین اور آمین بالجہر کا حکم دیا دوسرے ایمہ کو آثار صحابہ و احادیث نبویہ مثبتۂ رفع یدین و آمین بالجہر پہونچیں اور قوی معلوم ہوئیں وہ لوگ اُسکی سنت ہونے کے قائل ہوے اب اس امر میں علما کی رائیں مختلف ہیں کہ ایک امام خاص کی تقلید شخصی واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں وجوب اور ضلالت اور ہر ایک ان دو فریق سے اپنے اپنے اثبات مدعا کے لیے ادلۂ شتیٰ قائم کرتا ہے اور اس امر میں بکثرت رسائل تصنیف کیے گئے ہیں سائلین سوال ہذا کو جو عامی اور اصول شرعیہ سے ناواقف ہیں لازم ہے کہ اس منازعت سے الگ رہیں اور جس طرح پہلے سے کتب متداولۂ حنفیہ کے مسائل پر عامل ہیں اب بھی عامل رہیں رفع یدین اور آمین بالجہر کے جھگڑے میں نہ پڑیں رہا یہ کہ ہاتھ کہاں پر باندھے جائیں اس میں خود حنفیہ مختلف ہیں اور اکثر محققین کی تحقیق کے موافق اس بارے میں وسعت ہے چاہے زیر ناف ہاتھ باندھے چاہے بالاے صدر یا زیر صدر باقی جو لوگ آمین بالجہر اور رفع یدین کریں اُن پر طعن

وطعن کرنا اور اُنھیں مرتد کہنا ہرگز جائز نہیں ہے اس امر میں سائیں سوال کو بہت احتیاط کرنا چاہیے کیونکہ خود زمانۂ صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اکثر صحابہ رفع یدین کرتے تھے اور بعضے صحابہ نہیں کرتے تھے اسیطرح آمین بالجہر میں بھی طرق صحابہ مختلف مروی ہیں مگر ایک دوسرے پر طعن و لعن نہیں کرتے تھے نہ بُرا جانتے تھے یہ منازعت اِس زمانے میں کم علمی اور غلبۂ جہل اور عدم وقوف کیفیت زمانۂ نبوی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے کہ لوگ زمانۂ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زمانۂ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے واقف نہیں ہیں اللھم احفظنا من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا اے اللہ ہمکو نفسوں کے شروں اور اعمالوں کی برائیوں سے بچا (۲) اس مسئلہ میں علماے مذاہب اربعہ مختلف ہیں اور بعض علما نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں مذاہب اربعہ کے اختلافات کا حاصل چند اقوال کی طرف راجع ہے ۱ مطلقاً جواز اقتدا چاہے امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرے یا نکرے ۲ جواز اقتدا بشرطیکہ مقتدی یہ نہ جانے کہ امام طہارت و نماز میں کسی ایسے فعل کا مباشر ہوا ہے جو مقتدی کے مذہب میں مفسد نماز ہے ۳ جواز اقتدا۔ بشرطیکہ امام اُن امور کی رعایت کرے جنکی رعایت مقتدی کے مذہب میں واجب ہے ۴ عدم جواز اقتدا گو امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرتا ہو ۵ جواز اقتدا مع کراہت تنزیہی منجملہ اُن اقوال کے صرف قول اول محقق ومختار محققین ہے جیسا کہ ایقاظ الوسنان میں بعبارت فارسی تحریر ہے جسکا ترجمہ یہ ہے۔ قول اول جواز اقتدا بمخالف علی الاطلاق چاہے امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرے یا نہ کرے اور اس قول میں امام کے مذہب کی رعایت کا اعتبار ہے نہ مقتدی کے مذہب کی رعایت کا اور ہر مذہب کے محققین کی جماعت اسی کی قائل ہے اور یہی مذہب منصور اور یہی ہمارے نزدیک بھی مختار ہے۔ اور بھی اسی ایقاظ الوسنان میں ہے جو لوگ حنفیہ میں سے مطلقاً جواز کے قائل ہیں وہ بھی بہت ہیں منبع علوم دینی اور مجمع معارف یقینی شیخ محی الدین بن یوسف حنفی رومی اپنے رسالہ میں جو اُنھوں نے مخالف کی اقتدا میں لکھا ہے لکھتے ہیں کہ شیخ ابو بکر رازی رح اُسی قول کی طرف گئے ہیں اور ابن ہمام نے اپنے شیخ سراج الدین سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی قول ابو بکر رازی رح کے معتقد تھے یہان تک کہ اُنھوں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ مخالف کی اقتدا سے نماز فاسد ہوتی ہے اور بعض فضلا نے شیخ ابو بکر رازی رح کے قول کو

ترجیح دی ہو انتہی مختصراً اور شاہ ولی اللہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف میں لکھتے ہیں قد کان فی الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من یقرأ البسملۃ ومنھم من لا یقرأھا ومنھم من یجھر بھا ومنھم من لا یجھر بھا ومنھم من کان یقنت فی الفجر ومنھم من لا یقنت فی الفجر ومنھم من یتوضأ فی الحجامۃ والرعاف والقئ ومنھم من لا یتوضأ من ذلک ومنھم من یتوضأ من مس الذکر ومن لمس النساء بشھوۃ ومنھم من لا یتوضأ من ذلک ومنھم من یتوضأ مما مسہ النار ومنھم من لا یتوضأ من ذلک ومع ھذا فکان بعضھم یصلی خلف بعض مثل ما کان ابو حنیفۃ واصحابہ والشافعی وغیرھم رضی اللہ عنھم یصلون خلف ائمۃ المدینۃ من المالکیۃ وغیرھم وان کانوا لا یقرأون البسملۃ لا سرا ولا جھرا وصلی الرشید اماما وقد احتجم فصلی الامام ابویوسف خلفہ ولم یعد وکان افتاہ الامام مالک بانہ لا وضوء علیہ وکان الامام احمد بن حنبل یری الوضوء من الرعاف والحجامۃ فقیل لہ فان کان الامام قد خرج منہ الدم ولم یتوضأ ھل تصلی خلفہ فقال کیف لا اصلی خلف الامام مالک و سعید ابن المسیب صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے بعض تو بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے اور بعض زور سے پڑھتے تھے اور بعض آہستہ سے بعض نماز فجر میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے بعض پچھنے لگوانے اور قے آنے اور ناک سے خون آنے کی وجہ سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے اور بعض ذکر اور حالت شہوت میں عورت کو چھونے کی وجہ سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے اور بعض آگ پر پکائی چیزوں کے کھانے کو نواقض وضو میں شمار کرتے تھے اور بعض نہیں شمار کرتے تھے پھر بھی نماز میں ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی رضی اللہ عنہم وغیرہ کہ یہ لوگ مالکی ائمہ مدینہ وغیرہم کے پیچھے نماز پڑھنے میں کچھ باک نہیں کرتے تھے باوجودیکہ ان کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا ہی نہ چاہیئے نہ زور سے نہ چپکے سے ہارون رشید نے امام مالک رحمہ اللہ کے فتوے عدم لزوم وضو کے بنا پر پچھنے لگانے کے بعد بے جدید وضو کیے ہوئے امامت کی اور امام ابویوسف رحمہ اللہ نے انکی اقتدا کی اور نماز کا اعادہ نہیں کیا امام احمد حنبل رحمہ اللہ ناک سے خون آنے اور پچھنے کی وجہ سے وضو کو ضروری سمجھتے تھے

تو اُن سے پوچھا گیا اگر امام کے خون نکلے اور وضو نہ کرے تو کیا اُسکے پیچھے نماز پڑھ لیں گے
اُنھوں نے جواب دیا کہ میں امام مالک اور سعید بن المسیب رحمہما اللہ کے پیچھے کیونکر نماز پڑھونگا
اگرچہ وہ پچھنوں سے وضو کو لازم کہتے ہیں اس عبارت انصاف سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کو شافعیہ
مالکیہ حنبلیہ کی اقتدا کرنا مطلقاً جائز ہے اور امام کا رفع یدین کرنا یا آمین بالجہر کہنا مقتدی کی
نماز کو فاسد نہ کرے گا نہ یہ مانع جواز اقتدا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو خالق العرش والفرش
المدعو بمحمد قادر بخش السہسرامی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ۔ دونوں جواب صحیح ہیں اور جو ان مباحث
کی اور زیادہ تحقیق چاہے وہ انصاف اور الفاظ الابہام وغیرہ مولفات علماء ذی شان کا مطالعہ
کرے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

محمد عبد الحی ابو الحسنات

سوال ایک روز عید کے دن ایک مسجد میں سُنی اور روافض دونوں جمع ہوے پہلے
روافض نے عید کی نماز پڑھی پھر اہل تسنن نے اپنی جماعت سے عید کی نماز پڑھی تو اہل تسنن
کی نماز ہوئی یا نہیں اور دوسرا سوال یہ ہے ایک مسجد میں دو مرتبہ عید کی نماز جائز ہے یا نہیں
تفصیل اور حوالے کے ساتھ تحریر کریں جواب ظاہر عبارات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ تعدد نماز عید مطلقاً جائز ہے ایک موضع میں ہو یا دو موضع میں جیسا کہ طحطاوی حواشی
مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں تو قدر بعد الفوات مع الامام علے ادراکہا مع غیرہ فعل
للاتفاق علے جواز تعددہا انتہی کیونکہ تعدد نماز عید بالاتفاق جائز ہے۔ پس صورت مسئولہ میں
اہل تسنن کی نماز ہوگئی واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی سوال جو شخص جمعہ کے دن فرض
کے بعد چار رکعت آخری ظہر اس نیت سے پڑھے کہ یہ چار رکعتیں بھی فرض ہیں اور جو کوئی اس کے
پڑھنے کو یا فرض جاننے کو منع کرے تو اُسے گدھا اور گمراہ اور لا مذہب کہے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں
اُمید ہے کہ مدلل اور اُردو میں جواب دینگے جواب اس باب میں فقہا مختلف ہیں فقہا کی ایک
جماعت ادائے فرض جمعہ کے بعد چار رکعت کو بہ نیت آخر ظہر ادرکت ولم اصل بعد احتیاطاً
مستحسن لکھتے ہیں اس لیے کہ مصر کی تعریف میں جو حنفیہ کے نزدیک شرائط وجوب جمعہ سے ہے بہت
اختلاف ہوا ہے اور بعض شہر بعض تعریف کے موافق شہر نہیں ٹھہرتے اور نیز اس وجہ سے کہ ایک
شہر میں تعدد جمعہ میں اختلاف ہے اگرچہ صحیح جواز تعدد ہے خزانۃ الروایات میں ہے فی الکافی

ثم فی کل موضع وقع الشک فی جواز الجمعة لوقوع الشک فی المصر او غیرہ واقام اهل الجمعة ینبغی ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات وینووا بها الظهر حتی لو لم یقع الجمعة موقعها اخرج من عهدة فرض الوقت بیقین یعنی کافی میں ہے کہ جہاں کہیں مصر ہونے یا شرائط جمعہ میں سے کسی اور کے پائے جانے میں شبہ ہونے کی بدولت جواز جمعہ میں شک ہو وہاں جمعہ کے بعد لوگوں کو اگر وہ نماز جمعہ پڑھیں چار رکعت بہ نیت ظہر پڑھنا چاہییں تاکہ اگر جمعہ نہ ہوا ہو تو فرض وقتی انکے ذمے سے ساقط ہو جاوے اور ردالمحتار میں ہے هو الاحتیاط بمعنی الخروج عن العهدة بیقین لان جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیلا لکن فیه شبهة قویة یعنی یہی احتیاط ہے بمعنی خروج عن الذمہ کے کیونکہ جواز تعدد اگرچہ دلیل کے اعتبار سے ارجح و اقوی ہے لیکن اس میں شبہات بھی قوی ہیں۔ اور ایک جماعت فقہا کی بدین خیال کہ ظہر ادا کرنے میں عوام کا وہم عدم فرضیت جمعہ و ظہر کی طرف جاویگا منع کرتی ہے بحر الرائق میں ہے لیس الاحتیاط فی فعلها مع ما لزم من فعلها فی زماننا من المفسدة العظیمة وهو اعتقاد الجهلة لان الجمعة لیست بفرض لما یشاهدون من صلوٰة الظهر فیظنون انها الفرض وان الجمعة لیست بفرض فکان الاحتیاط فی ترکها وعلی تقدیر فعلها ممن لا یخاف علیه مفسدة منها فالاولی ان تکون فی بیته خفیة خوفا من مفسدة فعلها یعنی ظہر کے پڑھنے میں احتیاط نہیں ہے علاوہ بریں ہمارے زمانے میں یہ ایک خرابی واقع ہو گئی ہے کہ جہلا جب لوگونکو نماز جمعہ کے بعد ظہر کی نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ جمعہ فرض نہیں ہے بلکہ ظہر فرض ہے پس آجکل ظہر کے پڑھنے میں احتیاط نہیں ہے بلکہ ترک کرنے میں احتیاط ہے البتہ وہ لوگ جنکے فعل سے اس خرابی کا اندیشہ نہو اپنے گھر میں پوشیدہ طور پر نماز ظہر پڑھ لیں کیونکہ علی الاعلان کرنے میں اب بھی فساد کا خوف ہے انتہی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جنہوں نے اجازت دی ہے صرف احتیاطاً اجازت دی ہے نہ اس لحاظ سے کہ جمعہ فرض نہیں یا یہ چار رکعت فرض ہیں بلاد ہندوستان اور ایسے ہی بلاد بنگالہ وغیرہ میں جمعہ کے فرض ہونے اور اسکے ادا ہو جانے میں بمذہب صحیح کوئی شبہ نہیں ہے مگر بوجہ وقوع خلاف کے تعریفات مصر اور تعدد جمعہ میں

اگر احتیاطاً یہ چار رکعت ادا کی جائیں تو کچھ حرج نہیں مگر بشرطیکہ خیال اُنکی فرضیت کا اور عدم فرضیت یا عدم جواز جمعہ کا نہ آنے پائے اور اگر خیال آئے تو اُنکو نہ پڑھنا چاہیے واللہ اعلم حررہٗ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال زید بغیر عشا کی نماز پڑھے ہوے سو گیا اور فجر کو ایسے سویرے اُٹھا کہ پہلے اُس نے عشا اور وتر کی قضا پڑھی پھر فجر کی نماز ادا کی پھر نو بجے دن کے قریب اُس نے اپنے پائجامہ پر منی کا دھبہ دیکھا حالانکہ اُسکو احتلام یاد نہیں اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ دھبہ آج ہی شب کے احتلام کا ہے یا پہلے کا ایسی صورت میں اُن نمازوں کا اعادہ کیا جائیگا یا نہیں جواب اس صورت میں یہ احتلام اُسی شب کا مانا جائیگا نہ پہلے کا اور غسل کے بعد فجر اور عشا اور وتر کا اعادہ بہ نیت قضا واجب ہوگا اشباہ والنظائر میں ہے لورأی فی ثوبہ نجاسۃ وقد صلی فیہ ولا یدری متی اصابہ یعیدھا من اٰخر حدث احدثہ وفی المنی باٰخر رقدۃ ویلزمہ الغسل فی الثانیۃ عند ابی حنیفۃ ومحمد وان لم یتذکر احتلاما یعنے ایک شخص نے اُن کپڑون میں نجاست پائی جنھیں پہنکر وہ نماز پڑھتا ہے اور اُسکا علم نہیں ہوا کہ یہ نجاست کب لگ گئی پس آخر حدث جو اُسے لاحق ہوا تھا اُس کے بعد جتنی نمازیں پڑھی ہیں سب کا اعادہ کرے اور اگر منی ہو تو آخری مرتبہ جب سو کر اُٹھا ہے اُسکے بعد سے نمازون کا اعادہ کرے اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک دوسری صورت یعنی منی میں نہانا بھی واجب ہے سوال تہجد اور وتر ایک نماز ہے یا الگ الگ دو نمازین ہیں جواب احادیث مختلفہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کا اطلاق کبھی نماز تہجد پر اور ہر قیام لیل پر جو بعد وطاق ہو ہوتا ہے اور یہ وتر عین تہجد ہے چنانچہ حدیث ابی امامہ میں ہے قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یوتر بتسع رکعات اخرجہ احمد والطبرانی وغیرھما یعنی ابوامامہ نے کہا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی نو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اسکو احمد اور طبرانی وغیرہما نے روایت کیا ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اوتروا بخمس او بسبع وتسع او احدی عشرۃ اخرجہ الدارقطنی وابن حبان والحاکم بزیادۃ ولا توتروا بثلاث وتشبھوا بصلوٰۃ المغرب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم

علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے وتر کی پانچ یا سات یا نو یا گیارہ رکعتیں پڑھو اسکو دارقطنی اور
ابن حبان نے روایت کیا ہے اور حاکم نے یہ اور زائد کیا ہے کہ وتر کی تین نہ پڑھا کرو اور اُسے
نماز مغرب کے مشابہ نہ بناؤ۔ ابن حجر عسقلانی تلخیص الحبیر تخریج احادیث شرح الرافعی الکبیر میں
لکھتے ہیں رجالہ کلھم ثقات ولا یضر وقف من وقفہ انتھی وحدیث عائشۃ کان
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یوتر باربع وثلاث وثنتین وثلث وثمان وثلث
وعشر وثلاث اخرجہ ابوداؤد وحدیث ام سلمۃ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ و
سلم یوتر بثلث عشرۃ فلما کبر وضعف اوتر بسبع اخرجہ احمد والترمذی
والنسائی والحاکم وصححہ وحدیث ابی ھریرۃ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
اوتروا بخمس وبسبع او بتسع او باحدی عشرۃ او باکثر من ذلک اخرجہ ابن حبان
وابن المنذر والحاکم یعنی اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں اور جو بعضوں نے اسکو موقوف
ٹھہرایا ہے اس سے اس حدیث پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی
ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا وتر کی چار اور تین اور دو اور تین اور آٹھ اور تین اور
دس اور تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ
عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ وتر کی تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے
پس جب آپ ضعیف ہوگئے تو سات رکعتیں پڑھنے لگے اسکو احمد اور ترمذی اور نسائی اور
حاکم نے روایت کیا ہے اور اسکی تصحیح کی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے وتر کی پانچ یا سات یا نو یا گیارہ یا اس سے
زیادہ رکعتیں پڑھو اسکو ابن حبان اور ابن منذر اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور ان احادیث
کے نظائر کتب صحاح میں بہت ہیں جن میں وتر کا اطلاق مجموع صلوٰۃ تہجد پر جو معدود بعدد
وتر ہو واقع ہوا ہے ابن ہمام فتح القدیر باب الوتر میں اس حدیث کے ذکر کرنیکے بعد انہ صلے
اللہ علیہ وسلم قام بھم فی رمضان فصلے ثمان رکعات واوتر ثم انتظروہ من
القابلۃ فلم یخرج الیھم فسألوہ فقال خشیۃ ان یکتب علیکم الوتر اخرجہ ابن
حبان یعنی نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو آٹھ رکعتیں پڑھیں اور

وتر پڑھی پس دوسری رات کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کا انتظار کیا اور آپ تشریف نہ لائے جب لوگوں نے اسکی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا اس ڈر سے کہ کہیں وتر تم پر فرض نہ کر دیے جائیں اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے، لکھتے ہیں المراد مجموع صلوٰۃ اللیل المختتمۃ بوتر و ذلك انہم کانوا یطلقون علی صلوٰۃ اللیل کذلك لان المجموع فرد و ذلك وتر لا شفع یعنی مراد مجموعہ صلوٰۃ لیل ہے جسکا اختتام وتر پر ہوتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ صلوٰۃ لیل پر اسیطرح وتر کا اطلاق کرتے تھے کیونکہ مجموعہ فرد ہے اور وہ وتر ہے نہ کہ شفع۔ اور کبھی وتر کا اطلاق مستقل نماز غیر تہجد پر ہوتا ہے اور ائمہ وجوب اور سنیت وتر اور استنان قنوت وتر میں ہر زمانے میں یا اسکے عدم میں اور وتر کی رکعات کی تعیین میں کہ تین رکعتیں ایک سلام یا دو سلام سے ہیں یا ایک رکعت ہے اختلاف کرتے ہیں انکا مورد اختلاف یہی وتر ہے جو تہجد کے علاوہ مستقل نماز ہے اور اسکا وقت عشا کے بعد سے طلوع صبح تک ہے جیساکہ مروی ہے ان اللہ امدکم بصلوٰۃ ھی خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر جعل اللہ لکم فیما بین صلوٰۃ العشاء الی ان یطلع الفجر اخرجہ احمد و ابو داؤد والترمذی و ابن ماجۃ والدارقطنی والحاکم من حدیث خارجۃ مرفوعا وحدیث ابن عباس خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستبشرا فقال ان اللہ قد امدکم صلوٰۃ وھی الوتر اخرجہ الطبرانی والدارقطنی وحدیث ابی سعید مرفوعا ان اللہ زادکم صلوٰۃ وھے الوتر اسنادہ حسن قال الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیث الھدایۃ یعنے خدا نے ایک نماز فرض کرکے تم پر احسان کیا ہے جو تمھارے حق میں سرخ اونٹوں سے زائد بہتر ہے وہ وتر کی نماز ہے جسے خدا نے تم پر نماز عشا اور طلوع فجر کے درمیان میں فرض کیا اسکو احمد اور ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور دارقطنی اور حاکم نے خارجہ کی حدیث سے مرفوعا روایت کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے بشارت دی کہ خدا نے تم پر ایک اور نماز فرض کی ہے اور وہ وتر کی نماز ہے اسکو طبرانی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابو سعید نے مرفوعا روایت کی ہے اللہ نے تم پر ایک اور نماز یعنے وتر فرض کی اور اسکا اسناد حسن ہے ایسا ہی حافظ ابن حجر نے تخریج احادیث ہدایہ میں کہا ہے۔ اور انھیں روایتوں کے مثل ور

بھی روایتیں ہیں مثلاً معاذ بن جبل سے مسند احمد میں اور عمرو بن عاص اور عقبہ بن عامر سے معجم طبرانی میں اور ابو بصرہ غفاری سے احمد اور حاکم اور طحاوی کے نزدیک اور ابن عباس سے دارقطنی کے نزدیک اور ابن عمر سے ابن حبان کے نزدیک اور عبداللہ بن عمرؓ سے احمد اور دارقطنی کے نزدیک ثابت ہیں جن کے اسانید میں کلام ہے کما بسطہ الحافظ فی تخریج احادیث الرافعی وحدیث الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا اخرجہ ابوداؤد والحاکم وصححہ من حدیث بریدۃ مرفوعاً یعنے جیسا کہ تخریج احادیث رافعی میں حافظ نے بسط سے بیان کیا ہے حدیث وتر حق ہے جس نے وتر کی نماز نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے اسکو ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور بریدہ کی حدیث مرفوع سے اسکی تصحیح کی ہے۔ اور ان روایتوں کے مثل صحاح ستہ کی بہت سی روایتیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وتر اور تہجد میں مغایرت ہے اور وتر ایک مستقل نماز ہے واجب ہو یا سنت انھیں میں سے یہ حدیث ہے کان ابوبکر یوتر ثم ینام ثم یقوم ویتہجد وعمر کان ینام قبل ان یوتر ثم یقوم ویصلی ویوتر فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لابی بکر اخذت بالحزم وقال لعمر اخذت بالقوۃ اخرجہ ابوداؤد وابن خزیمۃ والطبرانی فی الکبیر والحاکم من حدیث ابی قتادہ وقال ابن القطان رجالہ ثقات والبزار وابن ماجۃ وابن حبان من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما یعنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وتر پڑھتے پھر سوتے پھر اُٹھتے اور تہجد پڑھتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وتر پڑھنے کے قبل سوتے پھر اُٹھتے اور نماز پڑھتے اور وتر پڑھتے تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے احتیاط کا کام کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے قوت اور بہادری کا کام کیا اس کو ابوداؤد اور ابن خزیمہ اور طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے حدیث ابو قتادہ سے روایت کیا ہے اور ابن قطان نے کہا ہے اس کے رجال ثقات ہیں اور بزار اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عمر کی حدیث سے اسے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کے شواہد اور طرق تلخیص الحبیر وغیرہ میں بسط سے مذکور ہیں اور انھیں میں سے یہ حدیث ہے من خاف منکم ان لا یستیقظ من اٰخر اللیل فلیوتر من اول اللیل ومن طمع منکم ان یستیقظ فلیوتر فی اٰخر اللیل فان صلوٰۃ اٰخر اللیل مشہودۃ وذلک

افضل اخرجہ مسلم واحمد من حدیث جابر مرفوعاً یعنے تم مین سے جسکو رات کے آخر حصے مین بیدار نہونے کا خوف ہو وہ وتر پڑھکر سو رہے اور جسے آخر شب میں جاگنے کی اُمید ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے کیونکہ آخر شب کی نماز مشہود ہے اور یہ افضل ہے اسکو مسلم اور احمد رحمہ اللہ نے حدیث جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور انھیں میں سے یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے من کل اللیل قد اوتر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من اول اللیل واوسطہ واخرہ وانتھے وترہ الی السحر اخرجہ البخاری ومسلم وغیرھما یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں نماز پڑھی ہے اول حصہ میں بھی اور اوسط حصہ میں بھی اور آخر حصہ میں بھی اور آپکی نماز وتر اخیر عمر میں سحر کے وقت ہوتی تھی اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے اور اسیطرح احادیث قنوت وتر جو کہ سنن وغیرہ مین مروی ہین مغایرت پر دلالت کرتی ہیں واللہ اعلم وعلمہ احکم سوال تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا الگ الگ اور جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح مع وتر اول شب میں پڑھ لی ہے تو اس کے بعد قولاً یا فعلاً تہجد کے لیے آپ کا اُٹھنا ثابت ہے یا نہیں جواب آپنے تراویح دو طرح ادا کی ہے (۱) بیس رکعتین بے جماعت قال ابن عباس کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر اخرجہ ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید والبغوی فی معجمہ والطبرانی والبیھقی یعنے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ بے جماعت تراویح کی بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے اسکو ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید اور بغوی نے اپنی معجم میں اور طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے اسکی تفصیل میں نے اپنے رسالہ تحفۃ الاخیار فی احیاء سنۃ سید الابرار میں اچھی طرح کی ہے زیلعی نے تخریج احادیث ہدایہ میں لکھا ہے ھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر ابن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ یعنے اس حدیث کی تعلیل ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی بدولت کی گئی ہے جو امام ابوبکر بن شیبہ کے دادا ہیں اور جنکے ضعف پر اتفاق ہے (۲) آٹھ رکعتیں اور تین رکعت وتر با جماعت اور یہ طریقہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تین راتون کے علاوہ کسی رات مین منقول نہیں ہے اور امت پر فرض ہو جانے کے خوف سے

بہ لحاظ شفقت آپ نے اسکا اہتمام نہیں کیا عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم خرج من جوف اللیل فصلی فی المسجد فصلی بصلوتہ ناس فاصبح الناس یتحدثون
بذلک فاجتمع اکثر منہم فخرج فی اللیلۃ الثانیۃ فصلوا بصلوتہ فاصبح الناس یذکرون ذلک فکثر
اھل المسجد فی اللیلۃ الثالثۃ فخرج فصلوا بصلوتہ فلما کانت اللیلۃ الرابعۃ عجز المسجد عن اھلہ
فلم یخرج الیہم حتی خرج لصلوۃ الفجر فلما قضی الفجر اقبل علی الناس ثم تشہد فقال اما بعد
فانہ لم یخف علی شانکم اللیلۃ لکنی خشیت ان تفرض علیکم صلوۃ اللیل فتعجزوا عنہا اخرجہ
مسلم وعن ابی ذرؓ صمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئا من الشہر
حتی بقی سبع فقام بنا حتی ذہب ثلث اللیل فلما کانت السادسۃ لم یقم بنا فلما کانت
الخامسۃ قام بنا حتی ذہب شطر اللیل فقلت یا رسول اللہ لو نفلتنا قیام ہذہ اللیلۃ
فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام لیلۃ فلما کانت الرابعۃ
لم یقم فلما کانت الثالثۃ جمع اھلہ ونساءہ فقام بنا حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح ای السحور
اخرجہ ابوداؤد واللفظ لہ والنسائی والترمذی وغیرہم وکذلک اخرجہ النسائی من حدیث
النعمان بن بشیر یعنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم شب کو تشریف لے گئے اور مسجد میں نماز پڑھی آپ کے ساتھ اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی اور
انھوں نے اسکا ذکر دوسروں سے کیا تو دوسری رات میں آدمی زائد آئے اور آپ تشریف لے گئے
پس آپ کے ساتھ سب نے نماز پڑھی پھر اسکا چرچا اور زیادہ ہو گیا یہانتک کہ چوتھی رات کو اتنا مجمع ہوا
کہ سب آدمی مسجد میں نہ سما سکے اور اُس شب کو آپ تشریف نہ لے گئے یہان تک کہ فجر کا وقت آگیا
اور آپ فجر کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد تشریف لے گئے جب فجر کی نماز سے فارغ ہوے تو لوگوں کی طرف
خطاب کر کے فرمایا کہ مجھے شب کا حال معلوم ہے مگر میں اس خیال سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر
فرض نہو جاے اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ اسکو مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت ابوذر
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ رکھا
پس آپ نے ہمارے ساتھ مہینے میں ایک دن بھی قیام نہ کیا حتی کہ سات دن باقی رہ گئے
پس آپ نے ہمکو لیا اور اتنا طویل قیام کیا کہ آدمی رات اُس قیام میں گذر گئی تو میں نے

کہا یا رسول اللہ آپ اس قیام کو ہمیں نفل کر دیجیے آپ نے فرمایا جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اسکے لیے ایک شب کا قیام لکھا جاتا ہے پھر جب چار دن رہ گئے تو آپ نے نہ قیام کیا اور جب تین دن رہگئے تو آپ نے اہل بیت اور عورتوں کو جمع کیا اور اتنا طویل قیام کیا جس سے ہم کو خوف ہوا کہ سحری جاتی رہے گی اسکو ابو داؤد اور نسائی اور ترمذی وغیرہم نے روایت کیا ہے اور ایسی ہی روایت نعمان بن بشیر کی حدیث سے نسائی نے کی ہے اور ابن حجر مکی ہیثمی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں قول بعض ایمتنا انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلے بالناس عشرین رکعة لعلہ اخذہ مما فی مصنف ابن ابی شیبة انہ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة وما رواہ البیھقی انہ صلے بھم عشرین رکعة بعشر تسلیمات لکن الروایتین ضعیفتان وفی صحیحی ابن خزیمة وابن حبان انہ صلے بھم ثمان رکعة والوتر لکن اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة یعنے ہمارے بعض ائمہ کا جو یہ قول ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھیں شاید یہ مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے ماخوذ ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور بیہقی کی اس روایت سے کہ آپ نے صحابہ کے ساتھ رمضان میں بیس رکعتیں دس سلاموں سے پڑھیں لیکن یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں اور ابن خزیمہ اور ابن حبان کی صحیحوں میں ہے کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھی البتہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسپر اجماع ہے کہ تراویح کی بیس ہی رکعتیں ہیں اور ابن حجر عسقلانی تلخیص الحبیر میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں واما العدد فروی ابن حبان فی صحیحہ من حدیث جابر رضی اللہ عنہ صلے بھم ثمان رکعات ثم اوتر یعنے عدد تراویح کے متعلق ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھی ہے لیکن طریق اول کی روایتوں میں اسکی صراحت نہیں ہے کہ یہ رکعتیں پہلی رات میں تھیں یا آخر رات میں مگر طریق دوم کی روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ قیام اول مرتبہ عشا کے بعد سے ثلث رات تک اور دوسری مرتبہ میں نصف رات تک اور تیسری مرتبہ میں سحر تک تھا اور یہ امر کہ یہ نماز تہجد کی نماز تھی یا کوئی اور نماز پس اسکی مقدار اسکی خبر دیتی ہے کہ یہ نماز تہجد کے مغایر نہ تھی کیونکہ آٹھ رکعتیں

اور تین رکعت وتر آپ کے تہجد کی مقدار تھی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے معلوم ہوتا ہے ما کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشر رکعۃ یصلے اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلے ثلثا اخرجہ مالک والبخاری ومسلم وغیرہم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی گیارہ رکعتوں سے زائد نہیں پڑھیں نہ رمضان میں اور نہ کسی اور مہینے میں پہلے چار رکعتیں پڑھتے جنکے حسن وطول کے متعلق کچھ نہ پوچھو پھر تین پڑھتے اُسکو مالک اور بخاری ومسلم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ اور علما کا اس بات میں اختلاف ہے کہ سنیت تہجد اور قیام لیل مطلق رات کی نماز سے اگرچہ سونے سے پہلے ہو ادا ہوتی ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں ادا ہو جاتی ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے روی الطبرانی مرفوعاً لابد من صلوٰۃ بلیل ولو حلب شاۃ وما کان بعد صلوٰۃ العشاء فهو من اللیل وهو یفید ان هذه السنۃ تحصل بالتنفل بعد صلوٰۃ العشاء قبل النوم یعنے طبرانی نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رات کی نماز پڑھنا ضروری ہے اگرچہ تھوڑی ہی ہو اور رات کی نماز وہ ہے جو عشا کے بعد پڑھی جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت عشا کے بعد سونے کے قبل نفلیں پڑھنے سے بھی حاصل ہوتی ہے پس اُنکی رائے کے موافق اسکے عین تہجد ہونے میں کوئی حرج نہوگا اور بعضوں نے تہجد کو سونے کے بعد مقید کیا ہے تلخیص الحبیر میں ہے قولہ ای الرافعی التهجد یقع علے الصلوٰۃ بعد النوم واما الصلوٰۃ قبل النوم فلا یسمے تهجدا رواہ ابن خیثمۃ من طریق الاعرج عن کثیر عن الحجاج بن عمرو قال یحسب احدکم ان قام من اللیل یصلے حتی یصبح انہ قد تهجد انما التهجد المرء ان یصلے الصلوٰۃ بعد رقدۃ ثم الصلوٰۃ بعد رقدۃ وتلک کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسنادہ حسن وفیه ابو صالح کاتب اللیث وفیه لین ورواہ الطبرانی وفی اسنادہ ابن لهیعۃ یعنے تہجد کا اطلاق اُس نماز پر ہوتا ہے جو سونے کے بعد پڑھی جائے اور جو نماز سونے کے پہلے پڑھی جائے وہ تہجد نہیں کہلاتی اسکو ابن خثیمہ نے روایت کیا ہے اعرج سے اُنھوں نے کثیر سے اُنھوں نے حجاج بن عمرؓ سے اور کہا ہے کیا تم میں سے کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر کوئی رات کو نماز شروع کرے اور فجر تک پڑھتا رہے تو اُس نے تہجد پڑھی (یعنے ایسا نہیں ہے) بلکہ تہجد یہ ہے کہ ایک نماز سونے کے

بعد اُٹھکر پڑھے پھر دوسری نماز (یعنے فجر کی نماز) سونے کے بعد اُٹھکر پڑھے یہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی اسکے اسناد حسن ہیں اور اسکے اسناد میں ابو صالح ہیں جو لیث کے کاتب ہیں اور اُن میں شبہہ ہے اور اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اُن کے اسناد میں ابن لہیعہ ہیں پس اس تقدیر پر نماز مذکور کو جو سونے سے پہلے پڑھی جائے تہجد میں شمار کرنا محل تامل ہوگا اور سرِ جات میں جن راتوں میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح بجماعت ادا کی تھی ان راتوں میں اس نماز کے علاوہ آپ سے تہجد ادا کرنا مروی نہیں ہے ممکن ہے کہ پہلی اور دوسری رات میں تھوڑی دیر ہونے کے بعد آپ نے نماز تہجد پڑھی ہو مگر تیسری رات میں تو تراویح ہی کو آپنے اس قدر طول دیا تھا کہ سحر کا وقت پہونچ گیا تھا واللہ اعلم وعلمہ اتم **سوال** اگر کسی شخص نے اس ملک کی عادت کے موافق تراویح اور وتر اول شب میں اور تہجد کی نماز آخر شب میں پڑھی تو سنت کے خلاف ہوگا یا نہیں **جواب** اگرچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تطویل تراویح ثلث اور نصف رات بلکہ سحر تک بھی ثابت ہے اور اُن راتوں میں ثبوت تہجد مغایر کا مروی نہیں ہے مگر باوجود اسکے اُسکا عدم ثبوت بھی خصوصًا شب اول ودوم میں مروی نہیں ہوا ہے ایسی حالت میں جو شخص تراویح اور وتر اول شب میں پڑھکے تہجد آخر شب میں پڑھے وہ مخالف سنت نہ کہا جائیگا بلکہ اگر اول شب میں تراویح کی بیس رکعتیں ادا کرکے آخر شب میں آٹھ رکعتیں تہجد کی پڑھیگا تو اقتداے نبوی اور اقتداے صحابہ رضی کی فضیلت کا جامع ہوگا اور اول شب میں وتر ادا کرنیکے بعد آخر شب میں تہجد ادا کرنا حضورؐ سے اور صحابہ رضی سے ثابت نہیں ہے جیساکہ پہلی بعض روایات اسپر دال ہیں واللہ اعلم وعلمہ اتم **سوال** نماز وتر خصوصًا تین رکعتیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیونکر ثابت ہیں یعنیہ مثل نماز مغرب کے ثابت ہیں یا دو رکعتیں جدا اور ایک رکعت جدا یا تینوں رکعتیں متصل آخر کے ایک تشہد سے اور درمیان میں تشہد حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے ثابت ہے یا نہیں قول یا فعل سے **جواب** وتر کی تین رکعتیں اسانید معتبرہ کے ساتھ حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا سے تین طرح منقول ہیں (۱) دو رکعتوں اور تیسری رکعت کے درمیان میں فصل سلام کے ساتھ قال ابن عمر کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یفصل بین الشفع والوتر اخرجه احمد

رواہ و ابن حبان و ابن السکن فی صحیحیھما والطبرانی کذا فی تلخیص الحبیر یعنی حضرت
ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ دو رکعتوں
اور ایک رکعت کے درمیان میں فصل کرتے تھے اسکو احمد نے روایت کیا ہے اور قوی بھی بتلایا ہے
اور طبرانی اور احمد اور ابن حبان اور ابن سکن نے اپنے صحیحوں میں اسکو روایت کیا ہے
جیسا کہ تلخیص الحبیر میں ہے (۲) تینوں رکعتیں ایک تشہد سے پڑھتے تھے یعنی تیسری ہی رکعت
میں تشہد پڑھتے تھے قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
یوتر بثلاث لا یجلس الا فی آخرھن اخرجہ احمد ونسائی والبیہقی والحاکم ولفظ
احمد کان یوتر بثلاث لا یفصل بینھن ولفظ الحاکم لا یقعد الا فی آخرھن یعنی
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ
وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے اور اُن کے آخر ہی میں نشست فرماتے تھا اسکو احمد اور نسائی
اور بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور احمد کی روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم تین رکعتیں پڑھتے اور اُن کے بیچ میں فصل نہیں کرتے تھے۔ اور حاکم کے الفاظ
کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تینوں رکعتوں کے ختم ہونے کے بعد قعود کرتے تھے
اور تیسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ تین رکعتیں دو قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ نماز مغرب
کیطرح پڑھتے تھے یہ روایت خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بسند غیر معتبر اور صحابہ
رضی اللہ عنہ سے معتبر سندوں کے ساتھ مروی ہوئی ہے تلخیص الحبیر و تخریج احادیث ہدایہ میں
لکھا ہے وتر اللیل ثلث کوتر النھار صلوٰۃ المغرب اخرجہ الدارقطنی من طریق یحیٰی
بن زکریا ابن ابی الحواجب عن الاعمش عن مالک بن الحارث عن عبد الرحمٰن
بن یزید عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وتر اللیل الخ قال
الدارقطنی تفرد بہ یحیٰی وھو ضعیف وقال البیہقی الصحیح وقفہ علے ابن مسعود ورواہ
الدارقطنی ایضاً من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا وفیہ اسمٰعیل بن مسلم المکی
ضعیف انتہی یعنے رات کی وتر تین رکعتیں ہیں جس طرح دن کی وتر مغرب کی نماز ہے اس کو
دارقطنی نے بطریق یحیٰی بن زکریا ابن الوالحواجب روایت کیا ہے اُنھوں نے اعمش سے اُنھوں نے

مالک بن حارث سے انھوں نے عبدالرحمن ابن یزید سے انھوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی وتر تین رکعتیں ہیں جیسے دن کی وتر مغرب کی نماز ہے دارقطنی نے کہا ہے یہ حدیث فقط یحیٰی نے روایت کی ہے جو ضعیف ہیں بیہقی نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث علی ابن مسعود پر موقوف ہے اسے دارقطنی نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اس میں اسمٰعیل بن مسلم کی ضعیف ہیں اور فتح القدیر میں ہے صح عن ابن مسعود وتر اللیل ثلث کوتر النهار صلوٰة المغرب انما ضعفوا رفعه یعنے رات کی وتر تین رکعتیں ہیں جیسے دن کی وتر نماز مغرب ہے یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح ہے البتہ اسکا مرفوع ہونا ضعیف ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

کتاب الجنائز

سوال میت کے لیے عمامہ سنت ہی یا مکروہ جواب اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے چنانچہ زاہدی نے شرح قدوری میں اسکی تصریح کی ہی اور ایسا ہی درمختار میں ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال زمانہ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم و زمانہ صحابہ و زمانہ تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں داہنی کروٹ میت کو لٹانا مروج تھا یا پشت پر قبلہ رو منھ کرکے اور فقہا کا اجماع اول پر ہی یا دوم پر جواب حنفیہ اور شافعیہ رحمہما اللہ کے نزدیک مسنون یہی ہے کہ داہنے پہلو پر میت لٹائی جائے اور اُسکے منھ کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جاے زمانہ نبوی سے اب تک یہی ہوتا آتا ہے ہدایہ میں ہی اذا احتضر الرجل وجه الی القبلة علی شقه الایمن اعتبارا بحال الوضع فی القبر یعنے جب آدمی قریب بمرگ ہو تو قبلہ رخ داہنے کروٹ پر لٹایا جائے جس طرح قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اور نہایہ میں ہی الاضطجاع علی ستة انواع فی حالة المرض علی شقه الایمن مرضًا للقبلة وفی حالة الصلوٰة وهو الاستلقاء وفی حالة النزع فانه یوضع کما یوضع فی حالة المرض وفی حالة الغسل بعد ما مضی بجنبه فلا روایة

فیہ عن اصحابنا کیف یوضع علی التخت الا ان العرف فیہ ان یوضع مستلقیاً علی قفاہ طویلاً نحو القبلۃ و فی حالۃ الصلوٰۃ علیہ معترضاً علی قفاہ و فی حالۃ اللحد کانہ یوضع علی شقہ الایمن انتہی یعنی لٹینے کے چھ طریقے ہیں (۱) داہنی کروٹ سے لٹینا حالت مرض میں (۲) استلقا یعنے حالت صلوٰۃ میں چت لیٹنا (۳) حالت نزع میں لیٹنا جس طرح حالت مرض میں لیٹتے ہیں (۴) حالت غسل میں لیٹنا اس کے متعلق ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں ہی مگر عام طریقہ پر پیٹھ کے بھل قبلہ رو لٹایا جاتا ہے (۵) اُس حالت میں پیٹھ کے بھل لیٹنا جبکہ اُس پر نماز پڑھی جا رہی ہو (۶) لحد میں داہنی کروٹ لیٹنا اور ایسا ہی صاحب محیط نے لکھا ہے اور ھکذا نوارث السنۃ سے مؤکد کیا ہی یعنی اسی طرح سنت چلا آیا ہے اور شیخ الاسلام بدر الدین عینی نے منحۃ السلوک شرح تحفۃ الملوک میں لکھا ہے ویضجع علی شقہ الایمن موجہاً الیہا ھکذا اجرت السنۃ یعنے قبلہ رُخ داہنی کروٹ سے لٹایا جائے اور یہی سنت ہی۔ اور علامہ حلبی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں یوجہ المیت الی القبلۃ فی القبر علی جنبہ الایمن ولا یلقی علی ظہرہ و قال السروجی فی شرح الھدایۃ ذکر فی کتب اصحاب الشافعی واحمد یوضع تحت راسہ لبنۃ وحجر و لم اقف علیہ من اصحابنا یعنے قبر میں میت قبلہ رخ داہنی کروٹ پر رکھی جائے پیٹھ کے بھل نہ رکھی جائے سروجی نے شرح ہدایہ میں کہا ہے کتب اصحاب شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ میں ہی کہ اُسکے سر کے نیچے اینٹ یا پتھر رکھدیا جائے مجھے اپنے اصحاب سے اسکے متعلق کوئی روایت نہیں ملی اور ابن ماجہ نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے قال اخذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قبل القبلۃ و استقبل استقبالاً یعنے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم قبلہ کے جانب لیے گئے اور قبلہ رخ کر دیے گئے اور علامہ برہان الدین طرابلسی برہان شرح مواہب الرحمن میں لکھتے ہیں یوجہ الی القبلۃ علی جنبہ الایمن لما روی ابو داؤد ان رجلاً قال یا رسول اللہ ما الکبائر قال تسع فذکر منہا استحلال البیت الحرام قبلتکم احیاء و امواتا و رواہ الحاکم فی المستدرک ایضاً یعنے داہنی کروٹ پر قبلہ رخ کر دیا جائے کیونکہ ابو داؤد نے روایت کی ہی کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے پوچھا کبائر کیا ہیں آپ نے فرمایا نو ہیں اُن میں سے فرمایا کہ بیت الحرام کو جو تمھارے مردوں اور

زندوں کا قبلہ ہی حلال جان لینا اسے حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کیا ہے اور بزار ابنی ملیکن معاذ بن جبل سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں شفاعت قرآن کے قصے میں فرمایا ہے ثم یضجعہ الملائکۃ فی القبر علی شقۃ الایمن مستقبل القبلۃ یعنی پھر اُسے ملائکہ قبر میں قبلہ رُخ داہنی کروٹ پر سلا دیتے ہیں۔ اب کلام اس میں باقی رہا کہ داہنے کروٹ پر لٹانا اور قبلہ کی طرف منھ کر دینا دونوں واجب ہیں یا مسنون صاحب تحفہ نے قبلہ کی طرف منھ کر دینے کو سنت لکھا ہے اور فقہا کی ظاہر عبارت اسکے وجوب پر دلالت کرتی ہی اور صاحب درمختار نے بھی اسی کی صراحت کی ہی اور یہی اصح ہے چنانچہ لفظ حدیث قبلتکم احیاء وامواتا بھی اسی پر دال ہی اور داہنی کروٹ پر لٹانا پس علمائے شافعیہ نے اسکے سنت ہونے کی تصریح کی ہے اور علمائے حنفیہ جیسے صاحب درمختار اور صاحب نہر اور صاحب بحرالرائق بھی لفظ ینبغی لائے ہیں اور محیط اور نہایہ سے بھی یہی مضمون مستفاد ہوتا ہے بلکہ اسکا استنباط ہدایہ کی عبارت سے بھی ممکن ہی اور میں نے اس مبحث کی تحقیق اپنے رسالہ رفع الستر عن کیفیۃ ادخال المیت وتوجیہہ الی القبلۃ فی القبر میں اچھی طرح کی ہے واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبدالحی الجواب صحیح محمد عنایت علی الجواب صحیح محمد نور الحسنین الجواب صحیح محمد مسیح الدین خان سوال ایک مسلمان اور ایک کافر ایک ہی جگہ آگ میں اس طرح جل گئے کہ دونوں میں کچھ تمیز باقی نہیں رہی اب مسلمان کی تجہیز و تکفین کیونکر کیجائے جواب اس صورت مین دونون کو غسل دیا جاے۔ البتہ دفن اور صلوۃ جنازہ میں اختلاف ہے غنیہ شرح منیہ میں ہی اذا اختلط موتی المسلمین وموتی الکفار فان وجدت علامۃ عمل بھا وان لم یوجد علامۃ وکان المسلمون اکثر غسل الکل وصلے علیہم وینوی المسلمین وان کان الکفار اکثر غسلوا ولم یصل علیہم وان کانوا سواء قیل یصلے علیہم وقیل لا واما الدفن فقیل یدفنون فی مقابر المسلمین وقیل فی مقابر المشرکین وقیل تتخذ بھم مقابر علیحدۃ وتسوی قبورھم ولا تسنم جب مسلمانوں اور کافروں کی لاشیں مخلوط ہو جائیں پس اگر کوئی علامت معلوم ہوگی تو اُسپر عمل کیا جائیگا ورنہ اگر مسلمان بہت ہونگے تو سب کو غسل دے کے سب پر نماز پڑھی جائیگی اور نیت مسلمانوں کے لئے

کیجائیگی اور اگر کافر بکثرت ہیں تو غسل دیا جائیگا اور نماز نہ پڑھی جاے گی اور اگر مساوی
ہیں تو بعضوں کے نزدیک نماز پڑھی جائے گی اور بعضوں کے نزدیک نہ پڑھی جائیگی اسی طرح
دفن میں بعضوں کے نزدیک مسلمانوں کے مقبرے مین دفن ہونگے اور بعضونکے نزدیک مشرکوں
کے مقبرے مین اور بعضونکے نزدیک انکی قبرین علیحدہ بناکر زمین کے برابر کردیجائینگی اور اونچی
کوہان کی طرح نہ کی جائینگی اور حلبہ شرح منیہ میں ہے ینبغی الصلوۃ علیھم فی احوال الثلثۃ بہ
قالت الائمۃ الثلثۃ وھو اوجہ یعنی تینون حالتون میں نماز پڑھنا چاہیے ائمہ ثلثہ نے ایسا ہی کہا ہے
اور یہی درست ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی سوال ایک شخص پرانا
مکان خرید کرکے عرصہ دس گیارہ برس سے اُس میں بود و باش رکھتا تھا مکان مذکور چونکہ
نہایت بوسیدہ تھا لہذا اُسے کھود کر پھر سے بنانا چاہا چنانچہ اسکی نیو کھدائی اور اکثر جانب مکان تعمیر تیاری کے
بھی ہوگیا اب ایک جانب کی جدید نیو میں جو مکان قدیم کے صحن میں پڑی ہے کہیں پر مردوں
کی کچھ ہڈی اور کہیں پر کھوپڑی نکلی اور پہلے سے وہاں پر کسی طرح سے قبر کے ہونیکا وہم وگمان نہ تھا
کیونکہ نہ تو وہاں قبرستان ہے اور نہ اُسکے قرب وجوار میں اور نہ موجودین میں سے کوئی
تبلاتا ہے کہ اس جگہ کوئی مردہ کبھی دفن ہوا ہے اب وہاں پر کوئی عمارت بنوانا اور اس مین
بود و باش رکھنا جائز ہے یا نہیں اور بہ تمسک حدیث جابر قال دفن مع ابی رجل فلم تطب
نفسی حتی اخرجتہ فجعلتہ فی قبر علیحدۃ رواہ البخاری والنسائی حضرت جابر رضی اللہ عنہ
نے کہا ہے کہ میرے باپ اور ایک شخص یکجا دفن کیے گئے تو مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا پس میں نے
اُسکی لاش کھود کر نکالی اور دوسری جگہ دفن کردی اسے بخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے
اس ضرورت کی حالت میں اُن ہڈیوں کو وہاں سے اُٹھاکر دوسری جگہ دفن کردینا اور وہاں پر
مکان بنانا جائز ہے یا نہین اور جو فتاوی عالمگیری وغیرہ میں مرقوم ہے لو بلی المیت وصار
ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ انتہی اگر لاش پرانی اور مٹی ہوگئی تو اُس
زمین میں دوسرے کو دفن کرنا اور اُسپر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے۔ اسکی شرعی
اصل کیا ہے اور اس صورت میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ

من ان یجلس علی قبر رواہ الجماعۃ الا البخاری والترمذی یعنی جابر رضی اللہ عنہ نے
کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے آگ پر بیٹھنا اور کپڑے کے جلنے کے بعد کھال
کا جل جانا قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے اسے بخاری اور ترمذی کے علاوہ سب نے روایت کیا ہے
اور حدیث عمر بن حزم قال رآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئاً علی قبر
فقال لا توذ صاحب ھذا القبر او لا توذہ رواہ احمد یعنی عمر بن حزم نے کہا ہے کہ مجھے
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ صاحب قبر کو اذیت
نہ دو یا اسے اذیت نہ دو) اور حدیث بشیر بن الخصاصیہ (ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم رآی رجلاً یمشی فی نعلین بین القبور فقال یا صاحب السبتیتین القھما
رواہ الخمسۃ الا الترمذی یعنی حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے ایک شخص کو
جوتا پہنے قبروں کے بیچ میں سے جاتے دیکھا تو فرمایا کہ جوتے اتار دو اسے ترمذی کے سوا اور پانچوں نے
روایت کیا ہے) اور حدیث جابر رضی اللہ قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص
القبور ان یقعد علیہ وان یبنی علیہ رواہ احمد ومسلم والنسائی وابوداؤد
والترمذی وصححہ ولفظہ نھی ان یجصص القبور وان یکتب علیھا وان یبنی علیھا وان
توطأ وفی لفظ النسائی نھی ان یبنی علی القبر او یزاد علیہ او یجصص او یکتب علیہ یعنی حضور
سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے قبر کے کھودنے اور قبر پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے
اسے مسلم نسائی ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کے گچ کرنے اور ان پر لکھنے اور ان پر عمارت
بنانے اور ان کو روندنے سے منع کیا ہے نسائی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے اور اس پر چڑھنے اور اس پر لکھنے کی ممانعت فرمائی ہے اس کا کیا جواب ہے
جواب ایسی صورت میں ان ہڈیوں کو دوسری جگہ دفن کر دینا اور وہاں عمارت بنانا جائز ہے
اس لئے کہ نقل میت واجزائے میت حقوق انسانیہ کی وجہ سے بالاتفاق درست ہے درمختار میں ہے
ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ
ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا

اور مٹی ہٹلانے کے بعد لاش نہ نکالی جائے مگر بوجہ حقوق انسانیہ کے مثلاً زمین مغصوب ہو یا حق شفعہ میں لی گئی ہو اور مالک کو لاش نکالڈالنے اور قبر کو زمین کے برابر کردینے کا اختیار حاصل ہے جیساکہ زراعت اور عمارت بنانا جائز ہے جب لاش پرانی اور مٹی ہوگئی ہو۔ اور ایسے ہی بحر الرائق اور خزانۃ الروایات وتبیین الحقائق وغیرہ میں ہے اور حکم جواز تعمیر و زراعت وغیرہ کا مقام قبر پر درصورتیکہ اجزاے مردہ منقلب بخاک ہوجائیں جو کتب فقہ میں مرقوم ہے اصل اسکے ضوابط انقلاب ماہیت ہیں کیونکہ بوجہ انقلاب ماہیت کے احکام شرعاً مبدل ہوجاتے ہیں پس جبکہ اجزاے انسانیہ باقی نہ رہے بلکہ مبدل بخاک ہوگئے بالضرور احکام مبدل ہوجاینگے اور وہ احادیث جس سے ممانعت قبر پر بیٹھنے اور ٹیک لگانے وغیرہ کی ثابت ہے وہ اسحالت پر محمول ہیں کہ اجزاے انسانیہ موجود ہوں پس جب اُنکا انقلاب ہوجاے اور بالضرورت نقل کردیے جائیں تو وہ مقام مثل اور مقامات کے خالی قبور سے ہوجائیگا اور اُسپر تصرفات درست ہوجائیں گے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی سوال مرد کو تین کفن ازار ولفافہ وپیراہن اور عورت کو سواے تین کفن کے دو زائد اوڑھنی اور سینہ بند جملہ پانچ کفن ہر کتاب سے ثابت ہیں پس اسکے علاوہ جو فی زماننا تہ بند وغیرہ دیا کرتے ہیں کیسا ہے اور مخنث کو مرد کا کفن دیا جائیگا یا عورت کا جواب خنثیٰ کو عورت کا کفن دیا جائیگا اور عورتوں کے واسطے جو پانچ کپڑے مسنون ہیں اور مرد کے واسطے تین کپڑے انپر زیادتی درست نہیں ہے سوال اس ملک کا رواج ہے کہ اہل سنت اور روافض میں غمی اور خوشی کے وقت ہر طرح کی شرکت امور دنیاوی میں رہتی ہے اور غمی میں یہ ہوتا ہے کہ سنی لوگ روافض کے یہاں جاکر کلمات تسکین وقت ماتم پرسی کے کہتے ہیں اور قبرستان تک ساتھ جاتے ہیں اور صرف مٹی دینے میں شرکت رہتی ہے اور نماز غسل وتکفین وغیرہ سے کچھ واسطہ نہیں علےٰ ہذا القیاس روافض کا بھی یہی قاعدہ ہے پس یہ جائز ہے یا نہیں جواب جو روافض غیر مرتدین وکافر ہیں اُن کے لئے جائز ہے ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولاتصل علےٰ احد منھم مات ابدا ولاتقم علےٰ قبرہٖ انھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون یعنی اُن میں سے کسی پر نماز نہ پڑھو اور نہ اُنکی قبر پر کھڑے ہو جنھوں نے خدا اور اُن کے رسول کا انکار کیا اور حالت فسق میں مرے۔ قاضی بیضاوی انوار التنزیل فی اسرار التاویل میں لکھتے ہیں۔ ولاتقم

علی قبرہ ولا تقف عند قبرہ للدفن او للزیارۃ یعنے اُنکی قبروں کے پاس دفن اور زیارت کے
لیے نہ کھڑے ہو۔ واللہ اعلم کتبہ العبد المسکین محمد المدعو بادریس النجرامی عفا اللہ عنہ [محمد ادریس]
صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ
عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات [محمد عبد الحی] الجواب صحیح نمقہ محمد امان الحق عفی عنہ سوال محرم اگر
حالت احرام میں مرجائے تو اُسکی تکفین عامۂ اموات کی طرح کیجائے یا کسی خاص طریقہ سے اگر عامۂ
اموات کی طرح کی جائے تو اس حدیث کا کیا جواب ہے کہ ایک شخص احرام کی حالت میں اونٹ پر سے گرا گرنے
سے گردن ٹوٹ گئی اور مرگیا اُسپر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اغسلوہ بماء وسدر
وکفنوہ فی ثوبیہ ولا تخمروا راسہ فانہ یبعث یوم القیمۃ ملبیا یعنے اُسکو سادے پانی اور بیری کے
پانی سے نہلاؤ اور اُسی کے کپڑوں کا کفن دو اور سر پر کچھ نہ باندھو کیونکہ یہ قیامت میں اسی طرح لبیک کہتا ہوا اٹھے
گا جواب ظاہر اس حدیث کا اس امر پر دال ہے کہ محرم کی تکفین عامۂ اموات کے مثل نہیں ہے
اور حنفیہ اُسکو خصوصیت پر محمول کرتے ہیں اور حدیث اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الا من
ثلاث یعنے جو آدمی مرتا ہے تو اُسکا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین امور میں سے استثنا ذکرتے ہیں واللہ
اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی سوال والدین کی قبر چومنا جائز ہے یا
نہیں جواب حرام ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے اسکی تصریح کی ہے سوال پختہ قبر بنانا کیسا ہے
جواب اولی یہ ہے کہ خام قبر بنائی جائے اور پکی اینٹ یا لکڑی کا داخل قبر میں رکھنا مکروہ ہے
اور ظاہر قبر پر نشان کے لیے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے وقایہ میں ہے ویکرہ الآجر والخشب
اینٹ اور لکڑی کا رکھنا مکروہ ہے اور ذخیرۃ العقبے میں ہے یعنے فی داخل اللحد یدل علیہ ما ذکرہ
فخر الاسلام فی الجامع الصغیر ولا یکرہ الآجر علی الظاہر لان النبی صلے اللہ علیہ وسلم
وضع علی قبر ابی دجانۃ حجرا فقال لاعرف بہ قبر اخی یعنے لحد کے اندر کیونکہ فخر الاسلام نے جامع صغیر
میں کہا ہے کہ قبر کے اوپر اینٹ کا رکھنا مکروہ نہیں ہے اسلیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی
دجانہ کی قبر پر پتھر رکھکر فرمایا یہ میں نے اسلیے کیا ہے کہ اپنے بھائی کی قبر پہچان سکوں سوال اگر
قبر کھودی جائے اور اُس میں ہڈیاں نکلیں تو کیا کیجائیں جواب وہیں دفن کیجائیں۔
غرائب میں ہے اذا حفر فوجد فیہ عظام الموتی لا یحرک العظام اگر قبر کھودی گئی اور

اس میں مردے کی ہڈیاں نکلیں تو انھیں حرکت نہ دی جائے سوال نشان کے لئے قبر پر لکھنا
کیسا ہے جواب کوئی حرج نہیں ہے ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے قال فخر الاسلام فان احتیج الی الکتابۃ
حتی لا یذھب الاثر فلا باس بہ ایضًا کذا فی البیانیۃ یعنے فخر الاسلام نے کہا ہے اگر نشان
باقی رکھنے کے لیے قبر پر کتابت کی ضرورت ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے سوال ٹہنی یا پھول
وغیرہ قبر پر ڈالنا کیسا ہے سنت ہے یا مستحب جواب بعض فقہا اسے مستحب لکھتے ہیں اور یہ
دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایکبار حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ دو قبروں کے پاس تشریف
لے گئے اُن دونوں صاحبان قبر پر عذاب ہو رہا تھا پس آپ نے درخت کی ایک ٹہنی منگائی اور اسے
بیچ سے پھاڑ کے آدھی آدھی ٹہنی دونوں پر ڈالدی اور فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی انکی
تسبیح کی برکت کی وجہ سے صاحبان قبر پر عذاب میں کمی رہے گی سوال قبر پر اُگی ہوئی گھاس
کو یا درخت کو اُکھاڑنا جائز ہے یا نہیں جواب جبتک تر ہیں تسبیح کرنے کی وجہ سے اُکھاڑنا
مکروہ ہے مگر خشک ہو جانے کے بعد اُکھاڑنا درست ہے سوال چالیسواں ششماہی برسی وغیرہ کے فاتحوں
کا کھانا جو برادری میں بٹتا ہے کیسا ہے جواب شیخ محدث دہلوی جامع البرکات میں بزبان فارسی لکھتے ہیں
جسکا ترجمہ یہ ہے کہ چہلم یا ششماہی یا برسی کا کھانا جو اس دیار میں پکا کر برادری میں بانٹا جاتا ہے اور اُسے
بھاجی کہتے ہیں لا اصل ہے اسکا نہ کھانا بہتر ہے سوال کھانا سامنے رکھکے ہاتھ اُٹھا کے فاتحہ دینا کیسا ہے
جواب فاتحہ اس خاص طریقے سے نہ زمانہ نبوی میں تھا نہ زمانہ خلفا اور قرون ثلثہ میں اور اب بھی حرمین
شریفین زاد اللہ شرفہما میں خواص کی عادت نہیں ہے لیکن اگر کسی شخص نے اس طریقہ سے فاتحہ دیا تو اس کے
سبب سے وہ کھانا حرام نہو گا اور اُسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس طریقہ سے فاتحہ دینے
کو ضروری جاننا برا ہے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو چاہے پڑھکے اُسکا ثواب میت کو بخشے اور بہ نیت
تصدق فقرا کو کھانا کھلائے اور اُسکا ثواب بھی میت کو بخشے سوال سوم پنجم میں بلائے یا بے
بلائے جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور سب مل کے کوئی بلند آواز سے اور کوئی چپکے سے قرآن شریف
پڑھتے ہیں اور ایک پیالہ میں گلاب ڈالا جاتا ہے اور تمام حاضرین اس میں پھول ڈالتے ہیں
اور بھی مختلف رسوم عمل میں لاتے ہیں انکا کیا حکم ہے جواب فتح العزیز میں بزبان فارسی ہی جسکا
ترجمہ یہ ہے کہ سوم کا مقرر کرنا اور اُسے ضروری سمجھنا شرعًا ثابت نہیں صاحب نصاب الاحتساب

[illegible]

نے اس کو مکروہ لکھا ہے اگر بلا تقرر یوم اور بغیر رسوم دنیاوی کے میّت کو ثواب پہونچائیں تو باعث خیر ہے اور میت اپنی موت کے قریب ثواب کی زیادہ محتاج ہوتی ہے جہانتک ہوسکے ثواب پہونچانا چاہیے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے اور عادت نہیں تھی کہ میّت کے لئے غیر وقت نماز میں جمع ہوں اور قرآن پڑھیں اور ختم کریں نہ قبر پر نہ اور کہیں اور یہ سب بدعت اور مکروہ ہے البتہ اہل میت سے تعزیت کرنا اور اُنھیں تسلی دینا اور صبر کی تعلیم کرنا سنت اور مستحب ہے لیکن تیجے کے دن اس مخصوص صورت سے جمع ہونا اور تکلفات مروجہ کرنا اور یتامیٰ کے مال سے بے وصیت مال صرف کرنا بدعت اور حرام ہے سوال سال بھر کے بعد عرس کرنا درست ہے یا نہیں جواب صاحب تفسیر مظہری نے ناجائز لکھا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ماثبت من السنہ میں اپنے شیخ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا یہ عرس زمانہ سلف میں نہ تھا متاخرین کے مستحسنات سے ہے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے مکاتیب میں لکھتے ہیں اور تعین عرس اس لئے ہے کہ وہ دن اُن کی موت کا یاد دلاتا ہے کہ آج کی تاریخ یہ صاحب دنیا سے رخصت ہوے ورنہ جس دن عرس کیا جائے فلاح ونجات کا باعث ہے اخرج ابن جریر عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلے اللہ علیه وسلم یاتی قبور الشهداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والوبکر وعمرؓ وعثمان مثلہ یعنے ابن جریر نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں قبور شہدا پر جاتے اور سلام آپ کہتے تم پر سلامتی ہو اسلیے کہ تم نے صبر کیا پس دار آخرت بھی کیا خوب ہے) فرماتے اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم آپکے ہمراہ ہوتے سوال عرسوں میں جو کھانا پکا کر ضیافتیں کی جاتی ہیں اُنکا کھانا جائز ہے یا نہیں جواب جو کھانا ضیافت کے لئے پکایا جائے اُسکا کھانا امیر اور غریب سبکو جائز ہے اور جو تصدق کے لئے پکایا جائے تاکہ اُسکا ثواب میّت کو پہونچے اُسکا کھانا فقرا کے سوا دوسروں کو ناجائز ہے کیونکہ تصدق فقرا کے لئے اور ہدیہ اغنیا کے لیے ہے اسیطرح جامع البرکات میں ہے سوال چارپائی پر نماز جنازہ درست ہے یا نہیں جواب درست ہے اور ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نعش کو سریر پر رکھ کے پڑھی

گئی تھی اور اہل عرب تخت اور چارپائی دونوں کو سریر کہتے ہیں قاموس میں ہی الشریط
خوص مفتول یشترط بہ السریر ونحوہ والخوص بالضم ورق النخل یعنی شریطہ بانڈھ
بارسی کے بٹے ہوئے کھجور کے پتوں (یعنے چٹائی) کو کہتے ہین جس سے تخت بنایا جاتا ہے اور خوص
کھجور کے پتوں کو کہتے ہیں سوال نجس چارپائی پر لاش کو رکھکر نماز پڑھنا درست ہی یا نہیں جواب
قنیہ میں ہی والطہارۃ من النجاسۃ فی الثوب والبدن والمکان وستر العورۃ شرط
فی حق الامام والمیت جمیعا یعنے مکان اور کپڑون اور بدن کی نجاست سے طہارت اور ستر
عورت امام اور میّت دونوں کے لئے شرط ہے۔ سوال بازار میں پکارنا کہ فلان شخص کے
جنازے کی نماز پڑھنے آؤ مکروہ ہے یا نہیں۔ جواب اگر عالم یا زاہد کسی ایسے شخص کا جنازہ
ہو جسکی نماز پڑھنے کے لوگ خواہشمند ہوں تو ندا کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ کفایہ حاشیۂ
ہدایہ میں ہی وقد استحسن بعض المتاخرین النداء فی الاسواق للجنازۃ التی یرغب الناس
فی الصلوۃ علیہا وکرہ ذلک بعضہم والاصح ہو الاول کذا فی الجامع الصغیر لقاضی خان
وقال الامام الہندوانی لا ینادی فی السوق لانہ عادۃ الجاہلیۃ الا ان یکون المیت عالما
او زاہدا وقال الامام الحلوانی وانما اورد ہذہ المسألۃ لان البعض کرہوا ذلک لانہ
اعلام بالمعصیۃ کذا ذکرہ التمرتاشی رحمہ اللہ بعض متاخرین نے نماز جنازہ کے لئے
گلی کوچوں میں پکروا دینا مستحسن جانا ہے تاکہ لوگوں کو نماز کی رغبت ہو لیکن بعضوں نے اسے
مکروہ جانا ہے اور پہلا ہی قول صحیح ہے ایسا ہی قاضی خان کی جامع صغیر میں ہی اور امام ہندوانی
نے کہا ہے کہ بازار میں نہ پکروانا چاہیئے کیونکہ یہ جاہلیت کی عادت ہی لیکن اگر عالم یا زاہد کی
میّت ہو تو بازار میں پکروانا چاہیے اور امام حلوانی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کو اسلیے ذکر کیا کہ بعضوں
نے اسے بُرا جانا ہے کیونکہ یہ اعلام بالمعصیۃ ہی ایساہی تمرتاشی نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عنہ ذنبہ الجلی والخفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

باب التجہیز والتکفین

سوال ایک حاملہ عورت دردزہ میں مرگئی اور بچہ بھی مرگیا گمر دائی کی بڑی تدبیر سے بچہ کو

ہاتھ باہر نکل آیا پس تدفین کیونکر کی جائے جواب دوسری عورتوں کیطرح اسے دفن کرنا چاہیے اور بچہ نکالنے کے لئے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہے البتہ اگر عورت مرگئی اور معلوم ہوا کہ بچہ زندہ ہے تو بائیں جانب سے پیٹ پھاڑ کے بچہ کو نکال لینا چاہیئے اور اگر عورت زندہ ہے اور بچہ مرگیا تو ہوشیار دائی کو چاہیئے کہ آسانی سے اعضائے طفل کو جدا جدا کر کے نکال لے سوال مرنے کے بعد عورت کو کون دفن کرے جواب اگر ذی رحم محرم ہوں تو انکہیں دفن کرنا حق ہے ورنہ اجنبی لوگوں کو صاحب نصاب الاحتساب شرح طحاوی سے نقل کرتے ہیں ذوالرحم المحرم اولی با دخال المرأة فی القبر من غیرھم وکل ذی رحم محرم اقرب منھا فھو اولی من الاجانب و لو لم یکن لھا ذو رحم محرم فلا باس للاجانب فی وضعھا فی قبرھا ولا یحتاج الی اتیان النساء للوضع یعنی عورت کو قبر میں اتارنے کے لیے ذو رحم محرم اولی ہے اور پھر ان میں بھی قرب بعد سے اولی ہے اور اگر ذو رحم محرم نہو تو اجنبی لوگ قبر میں اتارین انکیں کچھ حرج نہیں اور عورتوں کو میت قبر مین رکھنے کے لیے بلانے کی ضرورت نہیں ہے سوال ایک شخص کی دو بیٹیاں تھیں اور وہ شخص مرگیا اور ان لڑکیوں کی والدہ نے پہلے قضا کی لیکن جائداد مکانات وغیرہ جو کہ اسکے پاس تھے اسپر وہ دونوں بیٹیاں قابض رہیں چنانچہ اب بڑی بہن مرگئی اور چھوٹی بہن نے اپنی جائداد سے اسکا گور وکفن کیا اب بڑی بہن کے خاوند سے گور وکفن کا روپیہ مانگتی ہے آیا شرعاً یہ روپیہ اسکو ملنا چاہیئے یا نہیں جواب اگر بڑی بہن کے خاوند نے چھوٹی بہن سے گور وکفن کا حکم نہیں کیا بلکہ چھوٹی بہن نے خود خرچ کیا تو اسکا دعویٰ باطل ہے رد المحتار میں ہے لو کفنه الحاضر من ماله لیرجع علی الغائب منھم بحصته فلا رجوع له ان انفق بلا اذن القاضی کذا فی حاوی الزاھدی و استنبط منه الخیر الرملی علی انه لو کفن الزوجة غیر زوجھا بلا اذنه و اذن القاضی فھو متبرع انتھی یعنے اگر موجود نے کفن دیدیا تو غائب پر دعویٰ نہیں کر سکتا جبکہ بغیر قاضی کی اجازت کے اس نے کفن دیا ہے جیسا کہ حاوی زاہدی میں ہے اور اس سے خیر رملی نے استنباط کیا ہے کہ اگر عورت کو شوہر کے علاوہ کسی اور نے شوہر یا قاضی کی بے اجازت کفن دیدیا تو وہ متبرع ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

سوال مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر مرد اور مسلمان عورت سے بذریعہ زنا لڑکا یا

لڑکی پیدا ہو کر قبل بلوغ یا بعد بلوغ مرجائے تو اُن کی تجہیز وتکفین کا کیا حکم ہے جواب بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح اُنکی تجہیز وتکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ ولدالزنا نسب زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ زانی سے اور بحر وغیرہ میں ہے ھو تابع لاحد ابویہ الی البلوغ مالم یحدث اسلاما وھو ممیز یعنی وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع رہے یہاں تک کہ وہ سن تمیز کو پہونچکر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ ایام تمیز میں اسلام نہ لائیگا ماں کا تابع رہیگا۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

باب رویۃ الہلال

سوال اُنتیسویں شعبان کو رویت ہلال رمضان اور اُنتیسویں رمضان کو رویت ہلال شوال کا ثبوت فقط مسلمانوں کی تحریر یا تار کی وجہ سے جائز ہے یا نہیں اور دوسرے مہینوں کی رویت کا ثبوت بھی اسیطرح جائز ہے یا نہیں اور دو یا زائد شہروں کی رویت سے حکم جواز جو دیا جاتا ہے انکے درمیان میں کچھ مقررہ فاصلہ بھی مشروط ہے یا نہیں ھو الموفق بغیر قاضی کے سامنے شہادت دیے ہوے صرف تحریر سے رویت ہلال ثابت نہیں ہوتی اگرچہ تحریرات متواترہ ومتکاثرہ اور عام شہرت کو فقہانے معتبر جانا ہے اور اسپر فتوی دیا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمھم علی الصحیح من المذھب یعنی ہاں اگر دوسرے شہر تک خبر پہونچی تو مذہب صحیح کے موافق اُن لوگونکو چاند کا مان لینا ضروری ہے۔ اور طحطاوی میں نعم لو استفاض کے تحت میں لکھا ہے ای کثر الخبر واشتہر ولم یبینوا لہ حدا والظاھر انہ یعتبر فیہ تحدث اغلب اھل البلدۃ بہ اونصفھا یعنے خبر عام اور مشتہر ہوئی اور فقہانے اُسکی کوئی حد متعین نہیں کی ہر ظاہر یہ ہے کہ اس میں اکثر اہل بلد یا نصف اہل بلد تک خبر کا پہونچنا معتبر ہے اور جامع الرموز میں ہے والصحیح من مذھب اصحابنا انہ یلزم اذا استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری یعنے ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہ ہے کہ چاند کا ماننا ضروری ہے اگر دوسرے شہر میں خبر پھیل گئی۔ اور تار کا اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ کفار سے خبر ملتی ہے اور نیز الفاظ اشتہاد

مین اسلام بھی ہے اور وہ نہیں پایا جاتا جامع الرموز میں ہے والانہ یشترط الاسلام والعقل والبلوغ یعنی اسلام اور عقل اور بلوغ شرط ہے اور رویت ہلال میں بعد امصار کا اعتبار نہیں اگر اہل مغرب نے چاند دیکھا اور اہل مشرق کو اسکا ثبوت بطور اثبات صحیح ہوگیا تو انکو بھی ماننا لازم ہے۔ درمختار میں ہے فیلزم اهل المشرق برؤیۃ اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیۃ اولئك بطریق موجب یعنی اہل مشرق پر چاند کا ماننا لازم ہے اہل مغرب کے چاند دیکھنے سے اگر بطریق موجب انکے نزدیک رویت ثابت ہو۔ واللہ اعلم لمفہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد علی محمد۔ واقعی رویت ہلال میں خبر ونکی شہرت معتبر ہے اگر کسی شہر سے خبر آئی کہ گذشتہ رات میں وہان رویت ہوئی یا تار کے ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوئی تو جب تک اسکی شہرت نہو اور تحریرات کثیرہ اور اخبارات عدیدہ سے معلوم نہو اعتبار نہ کیا جائیگا اور اخبارات شکاۃ سے دوسرے شہر مین چاند ہوجانے کے ثبوت کی حالت میں فقہا کا اس باب مین اختلاف ہے کہ آیا یہ رویت دوسرے شہروں کے لیے بھی معتبر ہے یا نہیں بعض کے نزدیک معتبر نہوگی اور جہاں دیت ثابت ہوئی ہے وہیں اسکا اعتبار کیا جائیگا اور اکثر فقہا نے اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا ہے اور ایک شہر کی رویت کی وجہ سے دوسرے شہر میں ثبوت رویت کا فتویٰ دیا ہے اور محققین کے نزدیک یہ ہے کہ جو بلاد قواعد ہیأت کے اعتبار سے اختلاف مطالع رکھتے ہیں اُن میں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائیگا اور ایک شہر کی رویت سے دوسرے شہر میں رویت کا حکم نہ دیا جائیگا اور جو شہر اختلاف مطالع نہیں رکھتے ہیں اُن مین رویت کا حکم دیا جائیگا فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے الخبر اذا استفاض وتحقق فی ما بین اهل البلدتین یلزمهم حکم اهل هذه البلدۃ یعنی جب خبر شائع ہوجاے اور دونوں شہروں کے درمیان متحقق ہوجائے تو اُن کا حکم اُن شہر والونکا ایسا ہوگا جہان چاند دیکھا گیا ہے۔ اور نہر فائق میں ہے ویلزم اهل المشرق برؤیۃ اهل المغرب فی ظاهر المذهب علیه الفتوی کذا فی الخلاصۃ وقیل یعتبر فلا یلزمهم قال الشارح وهو الاشبه لکن قال فی الفتح الاخذ بظاهر الروایۃ احوط وعلی الاول لانه یلزمهم اذا ثبت عندهم رؤیۃ اولئك بطریق موجب یعنی ظاہر مذہب میں اہل مشرق کے چاند دیکھنے سے اہل مغرب کو مان لینا ضروری ہوجاتا ہے اسی پر فتوےٰ ہے ایسا ہی خلاصہ

میں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اُنپر مان لینا لازم نہیں ہی شارح نے کہا ہو کہ یہ قریب بحق ہو لیکن
فتح القدیر میں ہے کہ ظاہر روایت سے اخذ کرنے میں احتیاط ہے بر ندہب اول یہ حکم اسوقت ہے جب
اہل مشرق کو اہل مغرب کا چاند دیکھنا مثبت طریقہ سے معلوم ہوا در مراقی الفلاح میں ہے اذا ثبت
الهلال فی بلدة لزم سائر الناس فی ظاهر الرواية وعليه الفتوىٰ وهو قول اکثر
المشائخ فيلزم قضاء يوم على اهل بلدة صاموا تسعة وعشرين يومًا لعموم الخطاب
وهو صوموا لرؤيته وقيل يختلف باختلاف المطالع واختاره صاحب التجريد
كما اذا زالت الشمس عند قوم وغربت عند غيرهم فالظهر على الاولين
لا المغرب لعدم انعقاد السبب فى حقهم یعنے جب کسی شہر میں چاند ثابت ہو جائے تو ظاہر
روایت میں یہ ہے کہ تمام لوگوں پر مان لینا ضروری ہو جاتا ہے اسی پر فتویٰ ہے اور یہی اکثر مشائخ
کا قول ہے تو جس شہر کے لوگوں نے اُنتیس دن روزہ رکھا اُنپر ایک روزہ کی قضا لازم
اور بعضوں کے نزدیک اختلاف مطالع سے حکم بدل جاتا ہے اسی کو صاحب تجرید نے
اختیار کیا ہے جیسا کہ جب آفتاب ایک جگہ زوال پر ہوتا ہے تو دوسری جگہ سے غروب ہوتا ہے پس
پہلی جگہ کے لوگوں پر ظہر ہے نہ کہ مغرب کیونکہ اُنکے لئے سبب مغرب نہیں پایا گیا اور مفتی ابو السعود شرح
مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں قوله كما ذهب اليه صاحب التجريد وهو لا شبهة لان انفصال
الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الاقطار كما فى دخول الوقت وخروجه
وهذا مثبت فى علم الافلاك والهيأة . عينى وقل ما يختلف به المطالع مسيرة شهر
كما فى الجواهر یعنے جیسا کہ صاحب تجرید نے کہا ہے یہی مذہب اشبہ ہے چاند کا شعاع شمس سے
روشن ہونا مقامات کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے جیسا کہ دخول وقت اور خروج وقت علم الافلاک
اور ہیئت میں ثابت ہے عینی اور مطالع کا اختلاف کم از کم ایک ماہ کی راہ سے ہوتا ہے جیسا کہ جواہر میں ہے
اور تاتارخانیہ میں ہے اهل بلدة اذا رأوا الهلال هل يلزم فى حق كل بلدة اختلف المشائخ
فيه نبعضهم قالوا لا يلزمه فانما المعتبر فى حق اهل بلدة رؤيتهم وفى الخانية لا عبرة
باختلاف المطالع فى ظاهر الرواية وفى الظهيرية عن ابن عباس رضى الله عنه انه كان
يعتبر فى حق كل بلدة رؤية اهلها وفى القدورى ان كان بين البلدتين تفاوت

لا تختلف به المطالع یلزمه وذکر الشیخ شمس الائمۃ الحلوانی انہ الصحیح من مذھب اصحابنا
اگر ایک شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا تو کیا اسکے تمام لوگوں پر مان لینا ضروری ہو جاتا ہے اسمیں مشائخ کا
اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک لازم نہیں ہے کیونکہ ہر شہر کے لوگوں کے حق میں انھیں کی رویت معتبر ہے
اور خانیہ میں ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے ظاہر روایت میں اور ظہیریہ میں ابن عباس رضی اللہ
عنہما سے منقول ہے کہ وہ ہر شہر میں وہاں کے لوگوں کی رویت معتبر کرتے تھے اور قدوری میں ہے کہ اگر
دونوں شہروں مین اتنا فاصلہ ہو کہ مطالع نہ بدلتے ہوں تو مان لینا ضروری ہے اور شمس الائمہ حلوانی نے
کہا ہے کہ یہی ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب ہے اور زیلعی شرح کنز میں لکھتے ہیں اکثر المشائخ علی انہ لا
یعتبر اختلاف المطالع والاشبہ ان یعتبر لان کل قوم مخاطبون بما عندھم وانفصال
الھلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار والدلیل علی اعتبارہ ماروی
عن کریب ان ام الفضل بعثتہ الی معاویۃ رضی اللہ عنہ قال فقدمت الشام فقضیت حاجتھا
واستھل شھر رمضان وانا بالشام فرأیت الھلال لیلۃ الجمعۃ ثم قدمت المدینۃ
فی اخر الشھر الی ابن عباس رضی اللہ عنہ وذکرت الھلال فقال متی رأیتم الھلال
فقلت رأیناہ لیلۃ الجمعۃ فقال انت رأیت فقلت نعم وراٰہ الناس وصاموا وصام
معاویۃ فقال لکنا رأیناہ فی لیلۃ السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلثین یوما او
نراہ فقلت اولا نکتفی برؤیۃ معاویۃ وصیامہ فقال لا ھکذا امرنا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال فی المنتقی رواہ الجماعۃ الا البخاری وابن ماجہ یعنی اکثر
مشائخ کا یہ خیال ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے اور اشبہ یہ ہے کہ معتبر ہے کیونکہ ہر قوم اسی چیز
کی مخاطب ہے جو اسکے نزدیک ہے اور شعاع شمس سے چاند کی روشنی مقامات کے بدلنے سے بدلتی ہے
اور اسکے اعتبار کی دلیل کریب کی یہ روایت ہے کہ ام فضل نے مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
کے پاس بھیجا تو میں شام میں آیا اور انکی ضرورت پوری کی رمضان کا چاند جب دیکھا گیا میں
شام ہی میں تھا میں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا پھر ختم ماہ پر مدینہ میں آیا اور ابن عباس
رضی اللہ عنہ سے رویت ہلال کا ذکر کیا تو انھوں نے پوچھا کہ وہاں چاند کب دیکھا گیا
میں نے کہا جمعہ کی رات کو انھوں نے پوچھا کیا تم نے دیکھا تھا میں نے کہا ہاں میں نے

دیکھا اور سب لوگوں نے دیکھا اور روزہ رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا تب اُنھوں نے کہا کہ ہم نے تو ہفتے کی رات کو دیکھا اور ہم اسی طرح روزہ رکھتے رہیں گے یہانتک کہ تیس دن پورے ہوجائیں یا ہم چاند دیکھ لیں میں نے پوچھا کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رویت ناکافی ہے اُنھوں نے کہا نہیں ہمیں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے منتقی میں ہے کہ اسے بخاری اور ابن ماجہ کے سوا اور سب نے روایت کیا ہے۔ اور جواہر لفیسہ شرح درر منیفہ میں ہے لا عبرة باختلاف المطالع وعلیہ کثیر من المتون المعتبرة کصاحب الکنز قال الزیلعی والا شبہ ان یعتبر لان کل قوم مخاطبون بما عندھم یعنی اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے یہی اکثر متون معتبرہ مثلاً کنز وغیرہ میں ہے زیلعی نے کہا ہے اشبہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے کیونکہ ہر قوم اُسی بات کی مخاطب ہے جو اُسکے پیش نظر ہے اور مختارات النوازل میں ہے اھل بلدة صاموا تسعة وعشرین یوما بالرویة واھل بلدة اخری صاموا ثلثین یوما بالرویة فعلی الاولین قضاء یوم اذا لم تختلف المطالع بینہما واما اذا اختلف لا یجب القضاء یعنی ایک شہر کے لوگوں نے اپنی رویت کے حساب سے انتیس۲۹ دن روزہ رکھا اور دوسرے شہر کے لوگوں نے اپنی رویت کے حساب سے تیس۳۰ دن تو جن لوگوں نے انتیس۲۹ دن روزہ رکھا ہے اُنھیں ایک دن کی قضا کرنا چاہیئے اگر مطالع مختلف نہوں ورنہ اگر اختلاف مطالع ہو تو قضا واجب نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ۔

سوال ایک ملک کی رویت ہلال دوسرے ملک میں معتبر ہے یا نہیں اور اگر معتبر ہے تو وہ دونوں ملک کتنے بعد پر واقع ہوں اور اختلاف مطالع کا کتنی مسافت زمین میں معتبر ہے جواب حنفیہ کا اس باب میں اختلاف ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہیں ہے حتے کہ اہل مشرق پر رویت ہلال مغرب سے جب وہاں کی خبر شرعی طریقے سے پہونچ جائے روزہ واجب ہے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ جسقدر مسافت میں بحسب قواعد مبرہنہ علم ہیئت اختلاف مطالع ہوتا ہے اس قدر میں اختلاف مطالع معتبر ہے اور اس سے کم میں نہیں اور اختلاف مطالع کی ادنی مسافت ایک مہینہ کی

اختلاف مطالع کا بیان

راہ ہے پس جب ایک شہر میں مثلاً لکھنؤ یا اُسکے اطراف میں رمضان کا چاند دیکھا گیا پس جو شہر اُس سے ایک مہینہ کی یا زائد مسافت رکھتا ہے وہان کے لوگوں پر یہ حکم لازم نہوگا اور جو شہر اس سے کم مسافت رکھتا ہو وہان کے لوگون پر یہ حکم لازم ہوگا اور یہی مذہب محققین حنفیہ کا ہو اور ابن عباس کی حدیث اُس کے موافق ہو جو مسلم اور ترمذی میں مروی ہو تاتارخانیہ میں ہے اهل بلدة اذا رأى الهلال هل يلزمه فى حق كل بلدة اختلف المشائخ فيه فبعض قالوا لا يلزمه وفى الخانية لا عبرة باختلاف المطالع فى ظاهر الرواية وفى القدورى ان كان بين البلد تين تفاوت لا يختلف به المطالع يلزمه وذكر شمس الائمة الحلوانى ان الصحيح من مذهب اصحابنا يعنى ایک شہر کے لوگوں نے جب چاند دیکھا تو کیا اس سے تمام شہرون کے لوگوں پر مان لینا ضروری ہوجاتا ہے اس میں مشائخ کا اختلاف ہو بعضون کے نزدیک لازم نہیں ہو کیونکہ ہر شہر کے لوگون کے حق میں اُنھیں کی رویت معتبر ہے اور خانیہ میں ہو کہ ظاہر روایت مین اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہو اور قدوری میں ہے کہ اگر دونوں شہروں میں اتنا تفاوت ہو کہ مطالع مختلف نہو جایئں تو مان لینا لازم ہے اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہو کہ ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہو۔ اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں يختلف باختلاف المطالع واختاره صاحب التجريد وهو الاشبه لان انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الاقطار وهذا ثبت فى علم الافلاك والهيأة واقل ما يختلف به المطالع مسيرة شهر كما فى بحر الجواهر یعنی اختلاف مطالع سے حکم مختلف ہوجاتا ہے اسے صاحب تجرید نے اختیار کیا ہے اور یہی اشبہ ہے کیونکہ چاند کا سورج کی شعاعوں سے روشن ہونا مقامات کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور یہ علم افلاک وہیئت میں ثابت ہو اور مطلع کم از کم ایک ماہ کی مسافت پر بدلتا ہے جیساکہ بحر الجواہر میں ہے۔ اور زیلعی شرح کنز میں لکھتے ہیں اکثر المشائخ على انه لا يعتبر اختلاف المطالع والاشبه انه يعتبر لان كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الاقطار والدليل على اعتباره ما روى عن كريب ان ام الفضل بعثه الى معاوية قال فقدمت الشام وقضيت حاجتها واستهل

شهر رمضان واتينا الشام فرأينا الهلال ليلة الجمعة ثم قدمت المدينة فى آخر الشهر الى ابن عباس وذكر الهلال فقال متى رأيتم الهلال فقلت ليلة الجمعة فقال انت رأيته قلت نعم ورآه الناس وصاموا وصام معاوية فقال لكنها رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى تكمل ثلثين او نراه فقلت اولا تكتفى برؤية معاوية وصيامه قال لا هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فى المنتقى رواه الجماعة الا البخارى وابن ماجه یعنے اکثر مشائخ کا خیال یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے اور اشبہ یہ ہے کہ معتبر ہے کیونکہ ہر قوم انھیں امور کی مخاطب ہے جو اسکے پیش نظر ہیں اور شعاع آفتاب سے ماہتاب کی روشنی مقامات کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہے اور اسکی دلیل کریب کی یہ روایت ہے کہ ام فضل نے مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو میں شام میں آیا اور انکی ضرورت پوری کی رمضان کا چاند جب دیکھا گیا تو میں وہیں تھا میں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا پھر ختم ماہ پر مدینہ آیا اور ابن عباس سے رویت ہلال کا ذکر کیا انھوں نے پوچھا وہاں چاند کب دیکھا گیا میں نے کہا جمعہ کی رات کو انھوں نے پوچھا کیا تم نے دیکھا تھا میں نے کہا ہاں میں نے دیکھا اور سب لوگوں نے دیکھا اور سب نے روزہ رکھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی رکھا تب انھوں نے کہا کہ ہم نے تو ہفتہ کی رات کو دیکھا اور ہم یونہیں روزے رکھتے رہیں گے یہان تک کہ تیس دن پورے ہوجائیں یا ہم (عید کا) چاند دیکھ لیں میں نے کہا کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رویت کافی نہیں انھوں نے کہا نہیں ہمیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے منتقی میں ہے کہ اسے بخاری اور ابن ماجہ کے سوا سب نے روایت کیا ہے۔ اور مختارات النوازل میں ہے اهل بلدة صاموا تسعة وعشرين يومًا بالرؤية واهل بلدة اخرى صاموا ثلثين بالرؤية فعلى الاولين قضاء يوم اذا لم يختلف المطالع بينهما واما اذا اختلف لا يجب القضاء یعنے ایک شہر کے لوگوں نے اپنی رویت کے حساب سے انتیس روزے رکھے اور دوسرے شہر کے لوگوں نے اپنی رویت کے حساب سے تیس روزے رکھے تو پہلے شہر والوں کو ایک روزہ کی قضا کرنا چاہیئے اگر مطالع مختلف نہوں ورنہ قضا واجب نہیں ہے۔ اور یہ

جو عوام میں مشہور ہے لکل اہل بلد رؤیتہم یعنے شہر والوں کے لئے اُنکی رویت ہی اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مطلقًا ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ معتبر نہیں ورنہ لازم آیگا کہ اگر ایک شہر میں رویت ہوا ور دوسرے شہر میں جو اُس سے دو ایک منزل یا دو چار کوس دور ہو رویت نہو تو وہ رویت اُن لوگون کے حق میں معتبر نہو اور یہ کوئی عاقل (جسکو کتب حدیث کے ساتھ ممارست اور فن ہیأت کے ساتھ مناسبت ہی) تجویز نہ کریگا بلکہ اس کا قول یا تو کوئی جاہل کریگا یا گمراہ یا کند ذہن بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ جن دو بلاد مین اختلاف مطالع ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ ہلال دیکھا جائے اور دوسری جگہ نہ دیکھا جائے تو ایسے دو شہرون میں ایک کا حکم دوسری جگہ لازم نہوگا اور اگر ایسا نہ ہو جیسے دونون شہرون مین مسافت ایک مہینے سے کم ہو تو ضرور حکم ایک جگہ کا دوسری جگہ پر لازم ہوگا اور ایک روزہ قضا کرنا پڑیگا حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** دیوبند میں پانچ آدمیوں نے جمعہ کے دن (جسکا انتیس شعبان ہونا ایک شخص کی گواہی اور اطراف و جوانب مختلف متعدد خطوط سے ثابت ہو چکا تھا) باوجود ابر کے چاند دیکھا پھر اُنھون نے حاجی محمد انور صاحب کے پاس گواہی دی اور اُنھون نے اُنکی شہادت مان لی اور اُنکا در حاجی عابد حسین صاحب کے نزدیک ہر دو گواہوں کی عدالت بھی تحقیق تام کے ساتھ ثابت ہوئی اور باقی مستور الحال ہیں گواہی قبول ہونے کے بعد حاجی عابد حسین صاحب نے شہر میں منادی کرا دی اور اہل شہر نے ہفتہ کے دن روزہ رکھا پھر تیس روزے پورے ہونے کے بعد باوجودیکہ مطلع صاف تھا چاند نہیں دکھائی دیا ہمکو تو یوں بھی لازم تھا کہ ہم عید کرتے چنانچہ درمختار وغیرہ کی عبارت اسپر شاہد ہے بعد صوم ثلثین بقول عدلین یحل الفطر یعنے دو عادل آدمیوں کی گواہی کے بعد تیس روزے رکھکے فطر حلال ہے لیکن مغرب کی نماز کے بعد جو بلبیر آدمیوں نے جو خارج مصر سے چاند دیکھ کے آئے تھے مولانا محمد یعقوب صاحب کے سامنے رویت کی گواہی دی اور مولانا موصوف نے قبول کر لی اور شہر کے مختلف محلوں سے خبر آئی کہ فلان فلان مرد اور فلان فلان عورت نے چاند دیکھا اور فلان بلند مکان پر دو آدمیون نے دیکھا اگر جمع عظیم کا خیال ہو تو یہ عبارت درمختار کی ملاحظہ فرمایئے قبل بلا علۃ جمع عظیم یقع العلم بخبرہم

وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذھب وعن الامام انہ یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر وصحح فی القنیۃ الاکتفاء بواحد ان جاء من خارج المصر او کان علی مکان مرتفع واختارہ ظہیر الدین کہا گیا ہے کہ بلا علت جماعت عظیم کی خبر سے علم حاصل ہوتا ہے اور یہ امام کی رائے پر ہے کوئی عدد مقرر نہیں ہی بر مذہب صحیح۔ اور امام صاحب سے یہ مروی ہے کہ دو شاہد کافی ہیں اسی کو بحر میں اختیار کیا ہے اور قنیہ میں اسکی تصحیح کی ہے کہ ایک ہی شخص پر اکتفا جائز ہے اگر شہر کے باہر سے آیا ہو یا بلند جگہ پر ہو اسے ظہیر الدین نے اختیار کیا ہے انتہی۔ تو مولانا موصوف نے مجمع میں پکار کر کہا کہ ہمکو اس گواہی سے رویت کا تیقن ہو گیا اور کل عید کی نماز ضرور ہو گی اور اگر بالفرض یہ گواہ بھی نہ ہوتے تو ہم کو کل عید کرنے میں کچھ نقصان نہ تھا۔ جنکو کچھ شبہ ہو وہ کتب فقہ موجود ہیں دیکھ لیں اس وقت سب نے مان لیا اور چون وچرا نہ کی صبح کو قصبات سے چاند دیکھنے کی کثرت سے خبریں آئیں اور عید کی نماز پڑھی گئی مگر چند آدمیوں نے انکار کیا اور نماز میں شریک نہیں ہوئے دوسرے دن مخالفین نے مولوی عبدالحق صاحب کو جنھوں نے ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھی تھی نماز پڑھانے کے لئے بلا بادہ فوراً اُن کے ساتھ ہو لیے اتفاق سے وہاں ایک اور شخص آ گئے امامت اُنھوں نے کی اور خطبہ مولوی عبدالحق صاحب نے پڑھا اب معلوم ہونا چاہیئے کہ غلطی ہماری ہے یا انکار کرنے والے کی ہے یہ منافقانہ چال اُن سے ہوئی یا ہم سے اگر اُن سے ہوئی تو تحریر کریں وہ لوگ ہمارے حکم کو غلط کہتے ہیں۔ اور اگر ہم سے قصور ہوا ہو تو مطلع کریں۔ اور اگر ہم عنداللہ منکرین سے بغض رکھیں اور اعراض کریں تو جائز ہے یا نہیں۔ جواب ماہر ضوابط شرعیہ اور واقف کتب فقہیہ سے پوشیدہ نہیں کہ اس صورت میں خطا منکرین سے ہوئی اور وہی لوگ قابل ملامت ہیں بلکہ مفتی ثقہ کا حکم اور شہادت نہ ماننے کی وجہ سے گناہ ان پر لازم ہے مناسب ہے کہ وہ مناسب طریقہ سے سمجھائے جائیں اگر پھر بھی نہ مانیں تو آیۂ علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم یعنی تم اپنے نفس کے کاموں کے ذمہ دار ہو اگر تم ہدایت پا گئے تو دوسرے کی گمراہی تمھیں ضرر نہ پہونچائے گی کے مصداق اُسکا یہی زمانہ پر جہالت وفتن ہے اور حدیث دع عنك امر العوام یعنی اپنے کو عوام کے امور سے علٰحدہ کر لو۔ پر عمل کیا جائے حررہ الراجی

عفور بہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی سوال ایک شہر میں ۲۸ شعبان کو کہ بعض جگہ کے ایک خطہ سے اُس روز وہاں ۲۹ کا بھی خیال تھا چند شخصوں نے آکر رویت کی گواہی دی مفتی نے شہادت قبول کرکے روزہ کا حکم دیا جب تیس۳۰ روزے پورے ہوچکے اور اس روز مطلع صاف تھا مگر چاند کسی کو وہاں نظر نہیں آیا مگر جس محلہ کے لوگوں نے ہلال رمضان کی شہادت دی تھی اُسی محلہ کے چو بیس۲۴ آدمیوں نے رویت ہلال شوال کی گواہی دی مفتی نے افطار کا حکم دیا اور عید الفطر کی نماز پڑھی گئی مگر دو سو۲۰۰ آدمیوں نے اُس شہادت کو قابل سند نہ جانکر اُس دن روزہ رکھا اور دوسرے دن عید کی اُن لوگون کے واسطے کیا حکم ہے آیا وہ کافر ومنکر کہلا سکتے ہیں یا نہیں اور ایک شخص نے بنظر احتیاط دوسرے دن بھی عید کی نماز پڑھ لی۔ کیا اس فعل سے وہ کافر یا منافق ہوسکتا ہے اور جو لوگ پہلے دن افطار کرچکے تھے اُنپر جبکہ سب جگہ اُسدن روزہ تھا اُس روزے کی قضا لازم آئیگی یا نہیں جواب جب مفتی نے رویت مان لی تو سب پر اُسکے حکم کی تعمیل واجب ہے درمختار میں ہے لو کانوا ببلدۃ لا حاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ یعنی اگر لوگ کسی ایسے شہر میں ہوں جہاں حاکم نہو تو کسی ثقہ آدمی کے قول پر روزہ رکھ لیں اور دو عادل آدمیوں کے قول پر افطار کرلیں اگر ابر وغیرہ ہو ضرورت کی وجہ سے اور رد المحتار میں قولہ صاموا کے تحت میں ہے ای افتراضا قولہ وافطروا عبارۃ غیرہ لا باس والظاھر ان المراد بہ الوجوب یعنی روزہ اُنپر فرض ہے قولہ افطروا اور دوسری کتابوں میں بجاے اسکے لا باس ہے ظاہر یہ ہے کہ اس سے وجوب مراد ہے۔ بناءً علیہ جن لوگوں نے گواہی گذرنے اور مفتی کے حکم دینے پر بھی افطار نہیں کیا اور دوسرے دن عید کی وہ گنہگار ہوے اُن پر توبہ لازم ہے مگر اس سے کافر نہیں ہوے اور دوسرے دن جس نے نماز پڑھی باوجودیکہ پہلے دن پڑھ چکا تھا اُس نے جہالت اور حماقت کا فعل کیا کیونکہ دوسرے دن نماز عید نہیں چاہیئے مگر یہ کہ اول روز کسی وجہ سے نہ پڑھی گئی ہو اور فقط یہ عذر کہ اُسدن اور کہیں عید نہیں ہوئی تھی شہادت گذرنے اور مفتی کے حکم کے بعد لغو ہے اور جن لوگون نے مفتی کے حکم کے موافق افطار کیا اُنپر قضا اُس روزہ کی کہ اور مقامات میں روزہ تھا لازم نہیں

بلکہ اُنپر یہی لازم تھا جو انھوں نے کیا کسی جگہ عید نہ ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ جہاں شہادت گذر جائے وہاں بھی عید نہ ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی سوال ان چند سوالوں کا جواب مرحمت ہو (۱) جس دن آسمان پر ابر اور غبار ہو تو رویت ہلال رمضان کے لئے ایک عادل یا مستور الحال کی گواہی مقبول ہے پس اگر ایک سے زیادہ ہو تو بھی عدالت شرط ہے یا نہیں اگر نہیں تو ابر و غبار کے دن کتنے شخص ہونا چاہئیں (۲) ابر و غبار کے دن رویت ہلال شوال میں دو عادل مردوں کی گواہی معتبر ہے اگر دو سے زیادہ ہوں تو بھی عدالت شرط ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کتنے اشخاص کا ہونا لازم ہے اور مطلع صاف ہونے پر تو جمع کثیر کی شہادت چاہیئے کہ اقل درجہ پچاس آدمی ہوں لیکن ابر و غبار میں اگر تین آدمی سے لیکر دس آدمی تک کو رویت ہو تو بھی عدالت ضروری ہے یا محض اسلام کافی ہے (۳) ایک شہر میں شنبہ کو رویت ہلال رمضان ہوئی اور دوسرے میں یکشنبہ کو اور کسی نے اس شہر میں اپنے کسی دوست یا عزیز کو خط لکھا کہ یہاں شنبہ کو رویت ہوئی مگر خود مین نے چاند نہیں دیکھا یا لکھا کہ مین نے بھی دیکھا اس صورت میں خط کا اعتبار ہوگا یا نہیں اور شہادت خطوط سے ثبوت رمضانیت ہو سکتا ہے یا نہیں اگر ہو سکتا ہے تو عامی کا خط جو عامی کے نام ہے یا اخبار مطبوعہ کی خبر کا اعتبار ہوگا یا کتاب القاضی الی القاضی ضروری ہے چونکہ کتاب القاضی الی القاضی معاملات میں سوائے حدود و قصاص کے واسطے رفع حرج کے جواز رہے ہیں اس شرط سے مع دو گواہ کتابت اور مہر قاضی کی گواہی دین تو کیا ہلال کی شہادت کے نام کیا تحریر بھی یہ شرط ہے (۴) تار کی خبر سے رویت رمضان یا عید کی ثابت ہوگی یا نہیں (۵) مثلاً شہر میں سہ شنبہ کو عید کی نماز ہوئی اور عادت کے موافق توپیں چلیں دیہات میں توپ کی آواز سنکر افطار کا حکم ہے یا نہیں (۶) ایک یا دو آدمیوں نے دیہات میں خبر دی کہ کل عید کا چاند شہر میں ہوا اور آج وہاں عید ہے تو دیہاتیوں کو اُنکے کہنے سے افطار کرنا چاہیئے یا نہیں یا کسی نے کہا کہ شہر کے قاضی نے مجھے خبر کرنے کو بھیجا ہے کہ آج عید ہے پس دیہاتیوں کو اُسکے قول پر عمل کرنا چاہیئے یا نہیں (۷) حدیث لکل اہل بلد رویتہم پر عمل کرنا چاہیئے یا نہیں جواب

(۱) ظاہر کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ثبوت رمضان میں عدالت غیر مشروط ہے صرف مستور
کافی ہے ایک ہو یا زیادہ اور ابر وغیرہ کی حالت میں زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے (۲)
عید کے چاند میں بحالت ابر و غبار صرف دو عادل گواہ ضروری ہیں باقی اگر اور زائد غیر عادل
بھی ہوں تو کچھ حرج نہیں کیونکہ نصاب شہادت سے ہلال عید کا ثبوت ہو جائیگا اور باقی کا قول
اُنکے قول کی تائید سمجھا جائیگا (۳) و (۴) صرف تار یا تحریری خط کافی نہیں جبتک کتاب
القاضی الی القاضی نہو در مختار میں ہے فیلزم اہل المشرق برؤیۃ اہل المغرب اذا ثبت عندہم
رؤیۃ اولئک بطریق موجب یعنی اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر مان لینا ضروری ہو تا
جبکہ اُنھیں اہل مغرب کی رویت کا علم بطریق موجب ہو۔ اور رد المحتار میں ہے کان یتحمل ثنان
الشہادۃ او یشہد علی حکم القاضی ویستفیض الخبر یعنی مثلاً دو آدمی شہادت لیکر
جاویں یا حکم قاضی پر دو آدمی شہادت دیں یا خبر خود ہی پھیل جائے (۵) افطار کرنا درست
ہوگا کیونکہ توپوں کا چلنا عادت شائعہ کے موافق عید کا موجب ظن ہے اور غلبۂ ظن عمل کے لئے
کافی ہے رد المحتار میں ہے قلت والظاہر انہ یلزم اہل القری الصوم بسماع المدافع
اور رؤیۃ القنادیل من مصر لانہ علامۃ ظاہرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن
حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ یعنی میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ اہل قری کو توپوں کی آواز
اور شہر کی قندیلوں کو دیکھکر روزہ رکھ لینا چاہیے کیونکہ یہ ظاہر علامت ہے جو غلبۂ
ظن کو مفید ہے اور غلبۂ ظن حجت اور موجب عمل ہے جیسا کہ فقہا نے اس کی تصریح کی ہے۔
(۶) اگر دو شخصوں نے آکر یہ گواہی دی کہ شہر میں قاضی نے وہ شہادت جو رویت کی اُسکے
سامنے دی گئی تھی مان لی تو اہل قری کو بھی مان لینا چاہیے یا یہ کہ خبر مشہور ہو گئی اس طرح
پر کہ بہت سے لوگ آئے اور انھوں نے خبر دی کہ فلاں مقام پر چاند ہو گیا اور اگر صرف دو ایک
شخصوں نے خبر دی کہ فلاں مقام پر چاند ہو گیا اور اپنی رویت نہیں ذکر کی تو اسکا اعتبار
نہوگا در مختار میں ہے شہد وانہ شہد عند قاضی مصر کذا شاہدان برؤیۃ الہلال
فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بہ جاز لہذا القاضی ان یحکم بشہادتہما لان قضاء
القاضی حجۃ وقد شہد وابہ لا لو شہد وا برؤیۃ غیرہم لانہ حکایۃ نعم

لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمھم علی الصحیح من المذہب یعنی کچھ لوگوں نے شہادت دی کہ قاضی شہر کے پاس دو شاہدوں نے فلان شب کو چاند دیکھنے کی شہادت دی اور قاضی نے اسپر حکم دیدیا تو یہ جائز ہے کہ قاضی اُن دونوں کی شہادت پر پر حکم دیدے کیونکہ قضائے قاضی حجت ہے اور اُن لوگوں نے اسکی شہادت دی اور اگر دوسرے لوگوں کے چاند دیکھنے کی شہادت دیں تو اُسپر حکم نہیں دے سکتا کیونکہ یہ صرف حکایت ہی البتہ اگر خبر پھیلتی ہوئی دوسرے شہر تک پہونچ جائے تو اُن لوگوں کو بھی بر مذہب صحیح مان لینا لازم ہے (۷) یہ حدیث نہیں ہی بلکہ کسی کا قول ہے علمائے حنفیہ اس امر میں مختلف ہین بعض کے نزدیک اختلاف مطالع مطلقاً غیر معتبر ہے اور بعض کے نزدیک معتبر ہے اور تیسرا مذہب معتمد یہ ہے کہ جن دو مقاموں میں ایک مہینہ کی مسافت ہو ایسے مقاموں میں ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ لازم نہوگی اور اس سے کم میں حکم ایک مقام کا دوسرے مقام پر لازم ہوگا تاتارخانیہ میں ہی اھل بلدۃ اذا رأوا الھلال ھل یلزم فی حق کل بلدۃ اختلفوا فیہ فبعضھم قالوا لا یلزمہ فانما المعتبر فی حق اھل بلدۃ رویتھم وفی الخانیۃ لا عبرۃ باختلاف المطالع وقال القدوری ان کان بین البلدتین تفاوت لا یختلف بہ المطالع یلزمہ وذکر الحلوانی انہ صحیح من مذھب اصحابنا یعنی اگر ایک شہر کے لوگ چاند دیکھیں تو کیا تمام شہروں کے لوگوں پر لازم ہوتا ہے اس میں اختلاف ہی بعض علما کہتے ہیں کہ نہیں کیونکہ شہر کے لوگوں کے حق میں اُنھیں کی رویت معتبر ہے اور خانیہ میں ہی کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے اور قدوری میں ہی کہ اگر دونوں شہروں میں اتنا تفاوت ہو کہ مطالع مختلف نہوں تو ضروری ہی حلوائی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے مذہب کے موافق یہی صحیح ہے اور جامع الرموز میں ہے اقل ما یختلف بہ المطالع مسیرۃ شھر یعنی مطلع کم از کم ایک ماہ کی مسافت سے مختلف ہوتا ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی سوال رویت ہلال رمضان خواہ شوال میں تار کا اعتبار ہے یا نہیں درصورت اعتبار حکم صوم دیا جاوے یا نہیں باوجودیکہ ہمارے زمانے میں تار کی خبریں لاکھوں معاملات دنیوی میں برتی جاتی ہیں اور کبھی خبروں میں فرق نہیں ہوتا جواب بحسب ضوابط فقہیہ فقط تار کا اعتبار نہ کیا جائیگا درمختار میں ہر

فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت رؤیة اولئك بطریق موجب کان ینقل
اثنان الشهادة او یشهدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی سوال اگر
بھوپال میں ۲۹ شعبان یوم چہارشنبہ کو رویت ہلال رمضان ہوئی چنانچہ اسکی تحقیق
کے لئے مخصوص خط ایک معتبر شخص کے نام بھیجا گیا انھوں نے جواب لکھا ہی کہ ۲۹ شعبان
یوم چہارشنبہ کی رویت کی تصدیق پنجشنبہ کے دن دس بجے ہوئی اور اطلاع کے لئے
توپ سر کی گئی اور پنجشنبہ کو سب نے روزہ رکھا اور ملک اودھ میں ابر کی وجہ سے ۲۹ شعبان
کو رویت نہیں ہوئی بحساب اس ملک کے ۲۹ رمضان یوم جمعہ کو رویت ہلال ہوئی اور بحساب
بھوپال کے ۲۹ شعبان کو ہوئی تھی جبکہ ۳۰ رمضان تھی اب دریافت طلب یہ امر ہی کہ اگر جمعہ کو
بسبب ابر کے رویۃ نہوتی تو ہفتہ کو بھوپال کے حساب سے عید ہوسکتی تھی یا نہیں جواب
جہاں بھوپال کی رویت شرعی طریقے سے ثابت ہوگئی تھی وہاں عید ہوسکتی تھی۔ درمختار
میں ہی فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك
بطریق موجب یعنی اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر (روزہ خواہ عید) لازم ہے جبکہ
انکو اہل مغرب کی رویۃ کا علم بطریق موجب ہو۔ اور رد المحتار میں ہی قوله بطریق موجب
کان یتحمل اثنان الشهادة او یشهدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر یعنی مثلاً
دو آدمی گواہی لیکر آئیں یا حکم قاضی پر گواہی دیں یا خبر خود پھیل جائے۔ اور بھی اسی میں ہی
قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منهم
یخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤیة لا مجرد الشیوع من غیر علم
بمن اشاعه یعنی رحمتی نے کہا ہے کہ استفاضہ کے معنے یہ ہیں کہ اُس شہر سے متعدد گروہ آئیں اور
ہر ایک اس شہر کے لوگوں سے خبر بیان کرے کہ اس نے اپنی رویت پر روزہ رکھا ہے نہ یہ کہ
محض خبر شایع ہوجائے اور شایع کرنے والے کا علم نہو حررہ الراجی عفو ربه القوی ابوالحسنات
محمد عبدالحی سوال ان لکل اهل بلد رؤیتهم ہر شہر والوں کے لئے انھیں کی رویت
معتبر ہے یا لاعبرة لاختلاف المطالع اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ان دونوں میں سے
کونسا قول صحیح ہے جواب اختلاف مطالع میں فقہاے حنفیہ کے کئی قول ہیں بعض کے

نزدیک اختلاف مطالع معتبر ہے اور ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ہر شہر والوں کے لئے اُنھیں کی رویت معتبر ہے اور اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت کے موافق اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہیں ہے پس ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لئے کافی ہو گی جبکہ باعتبار شرع ایک شہر کی رویت کا ثبوت دوسرے شہر والوں کو ہو جائے اور محققین حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جن شہروں میں ایک مہینہ کی مسافت ہو اُن میں اختلاف مطالع معتبر ہے کیونکہ اہل ہیأت کے نزدیک اتنی مسافت میں مطالع کا اختلاف ہو جاتا ہے لہذا اُن شہرون میں سے ایک شہر کی رویۃ دوسرے شہر کے لئے لازم نہ ہو گی اور جن میں اس سے کم فاصلہ ہو اُن میں اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے لہذا ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لئے لازم ہو گی مراقی الفلاح میں ہے کہ جب کسی شہر میں ہلال ثابت ہو جاوے تو سب لوگوں پر لازم ہے اسی پر فتوی ہے اور اکثر مشائخ یہ ہی کہتے ہیں لہذا جس شہر والوں نے انتیس روزے رکھے ہونگے اُن سب پر ایک دن کی قضا لازم ہو گی اور بقول بعض مطالع اختلاف سے اُس کے ثبوت میں اختلاف رہیگا۔ اسیکو صاحب تجرید نے پسند کیا جس طرح ایک قوم پر آفتاب ڈھل جائے اور ایک پر غروب کر جائے تو اول پر ظہر کی نماز اور دوم پر مغرب کی لازم ہے اور طحطاوی حواشی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں کہ صاحب تجرید کا ہی قول اشبہ ہے کیونکہ چاند کے طلوع میں اختلاف اطراف سے اختلاف ہو جاتا ہے اور فتاوی تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر کسی شہر میں رویت ہو جائے تو کیا سب شہرون پر حجت ہو گی یا نہیں اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں نہیں کیونکہ ہر شہر والوں کو اُن ہی رویت معتبر ہے اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر روایت میں اختلاف مطالع معتبر نہیں اور قدوری میں ہے کہ اگر دو شہروں میں اتنا فصل ہو کہ مطالع کا اختلاف نہ ہو تو ایک کی رویت دوسرے کو لازم ہے اور صاحب ہدایہ اور صاحب مختارات النوازل کہتے ہیں کہ اگر کسی شہر والوں نے رویت سے انتیس روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے تیس تو پہلے شہر والوں پر ایک دن کی قضا ہے بشرطیکہ دونوں شہرون میں اختلاف مطالع نہ ہو ورنہ تو قضا نہیں ہے اور زیلعی تبیین الحقائق میں لکھتے ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں یعنی اگر کسی شہر والون نے

چاند دیکھا اور دوسرے شہر والوں نے نہ دیکھا تو نہ دیکھنے والوں کو بھی روزہ رکھنا چاہیے
اور جنکے نزدیک اختلاف مطالع معتبر ہے اُن کے نزدیک دیکھا جائے کہ دونوں
شہروں میں اتنا فاصلہ ہے کہ اختلاف مطالع ہو سکتا ہے تو ایک کے دیکھنے سے
دوسرے پر واجب نہیں اور اگر اتنا فاصلہ نہیں ہے تو واجب ہے اور اکثر مشائخ کے نزدیک اختلاف
مطالع معتبر نہیں ہے اور جو اختلاف مطالع کے قائل ہیں وہ کریب والی حدیث جو پہلے مذکور ہوئی سند
میں لاتے ہیں جسکو بخاری اور ابن ماجہ کے سوا ایک جماعت نے روایت کیا ہے کذا فی المنتقی انتہی خلاصہ یہ ہے کہ مذہب اعتبار
اختلاف مطالع مطلقاً اور عدم لزوم حکم رویت یک بلدہ ببلدۂ دیگر اگرچہ متقارب ہوں غیر معتبر ہے
اور مذہب عدم اعتبار اختلاف مطلقاً اور لزوم حکم رویت یک بلدہ ببلدۂ دیگر اگرچہ
متباعد بغایت بعد ہوں حدیث ابن عباس کے مخالف ہے اور عقلاً و نقلاً اصح المذاہب
یہ ہے کہ جن شہروں میں ایک مہینہ کی مسافت ہو اُن میں اختلاف مطالع معتبر ہے اور جنمیں
اس سے کم فاصلہ ہو اُنمیں اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے بشرطیکہ اُس کا ثبوت شرعی ہو جس
کا ذکر پہلے ہو چکا کہ دو آدمی گواہی دیں یا حکم قاضی پر شہادت دیں یا خبر مشہور
ہو جائے اور مشہور کے معنے گذر گئے عبد الحی سوال اگر زید اور عمرو جو بظاہر روزہ
نماز کے پابند ہیں کہیں سے تار پر خبر دیں کہ ہمنے چاند دیکھا تو اُس خبر پر عید کرنا درست ہے
یا نہیں اور اگر حیدر آباد سے خبر دیں جو دار الاسلام ہے تو کیا حکم ہے اور اگر نادانستگی میں کوئی
شخص اس خبر پر روزہ کھولڈالے تو اُسپر قضا لازم آئی یا کفارہ اور جو شخص جان بوجھکر
اس خبر پر روزہ کھولے اُسکا کیا حکم ہے جواب صرف ایک دو خبر پر روزہ نہ کھولنا چاہیئے
اور اگر افطار کریگا تو قضا لازم آئیگی نہ کفارہ ہاں اگر چند خبریں پہونچیں جس سے
ایک صورت شہادت کی بھی ہو جائز ہے عبد الحی سوال رویت ہلال ماہ رمضان و شوال کے
باب میں شرعاً خطوط اور تار کا اعتبار نہیں اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے لیکن فی زماننا
ہر مسلمان مطلق العنان اور آزاد ہے ہر شخص خود قاضی اور خود مفتی اور خود مجتہد
بنا ہوا ہے حکام زمان مسلمان نہیں اور جو ہیں بھی تو امور اسلامیہ میں سست اس لئے اکثر
ثبوت رمضان و عید میں فساد واقع ہوتے ہیں اور آدھی بستی میں شعبان اور آدھی میں رمضان

یا آدھی میں رمضان آدھی میں شوال ہوا کرتا ہے۔ اور مسلمانوں میں لڑائی جھگڑے اس کی وجہ سے ہوا کرتے ہیں پس دفع فساد کے لئے خطوط یا تار یا اہل توقیت کے اقوال کا جو اکثر سچ ہوتی ہیں اعتبار کر لینا درست ہے یا نہیں کیونکہ غلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل یعنی غلبہ ظن حجت واجب العمل ہے اور الاحکام تختلف باختلاف الزمان یعنی اختلاف زمانہ سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں بھی مشہور ہے اور ان وجوہات پر نظر کر کے شہادت مذکورہ پر تعمیل درست ہے یا نہیں جواب درباب اعتبار قول منجمین وارباب توقیت اگرچہ بعض فقہا نے فتویٰ دیا ہے چنانچہ قنیہ میں قاضی عبدالجبار معتزلی سے نقل کیا ہے کہ لا باس بالاعتماد علی قولھم یعنی انکے قول پر اعتماد کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور ابن مقاتل سے نقل کیا ہے انہ کان یسأ لھم ویعتمد علی قولھم یعنی وہ نجومیوں سے پوچھتے اور اُن کے قول پر اعتماد کرتے تھے اور سبکی شافعی نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے وشھد بینۃ برویۃ الھلال لیلۃ الثلثین من الشھر وقال الحساب بعدم امکان الرویۃ تلک اللیلۃ عمل بقول اھل الحساب فان الحساب قطعی والشھادۃ ظنیۃ یعنی اگر کسی شخص نے تیسویں تاریخ رویت ہلال کی شہادت دی اور محاسبینے کہا کہ قواعد حساب سے آجکی رات چاند کا دکھائی دینا ناممکن ہے تو اُس کے قول پر عمل کیا جائیگا کیونکہ حساب قطعی ہے اور رویت ظنی۔ مگر چونکہ احادیث صحیحہ بکثرت اس باب میں وارد ہیں کہ صوم اور افطار کا مدار رویت پر ہے اسلئے بدون رویت کے صرف ارباب توقیت کے قول پر اعتماد کرنا ناجائز ہوگا اور انھیں فقہا کا قول صحیح اور معتبر ٹھہریگا جو ارباب توقیت کے قول پر اعتماد نہیں کرتے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ فان اغمی علیکم فاکملوا العدد اخرجہ المسلم وقال صلی اللہ علیہ وسلم الشھر تسع وعشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدد ثلثین اخرجہ البخاری وقال صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ فان حالت دون عیانہ فاکملوا ثلثین یوما اخرجہ الترمذی وقال صلی اللہ علیہ وسلم انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا

وھٰکذا یسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ رویت پر روزہ رکھو اور رویت پر افطار کرو لیکن اگر ابر ہو تو پورے تیس دن گن لو اسکو مسلم نے روایت کیا ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہینہ انتیس راتوں کا ہوتا ہے پس روزہ نہ رکھو تا وقتیکہ چاند نہ دیکھلو اور اگر ابر ہو تو پورے تیس دن گن لو اسکو بخاری نے روایت کیا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چاند دیکھکر روزہ رکھو اور چاند دیکھکر افطار کرو اور اگر ابر حائل ہو جائے تو پورے تیس دن گن لو اسکو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم اُمی گروہ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں مہینہ کا کہ اتنا ہے اور اتنا ہے دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو کھولکر تین بار اشارہ کیا یعنے تیس دنکا۔ الغرض ان احادیث سے ثابت ہے کہ شرعاً مدار صوم و افطار رویت پر ہے نہ تیس دن پورے کرنا پس منجمین کے اقوال ملنے میں احادیث کی مخالفت لازم آتی ہے ہاں اگر رمضان کے روزے میں احتیاطاً کسی نے اُن کے قول پر عمل کر لیا مثلاً انتیس شعبان کو رویت نہیں ہوئی اور حساب صحیح متقضی رویت ہے پس احتیاطاً دوسرے دن روزہ رکھ لیا تو کچھ حرج نہو گا فان الاحتیاط امر مرغوب فی الدین کیونکہ دین میں احتیاط اچھی چیز ہے لیکن یہ حساب حجت ملزمہ باعث حکم عام نہو گا اور افطار کے بارے میں ترک افطار میں احتیاط ہے باقی شہادت خطوط یا تار برقی پس ہرچند فقہا ایسے مقامات میں الخط یشبہ الخط خطہ ایک کا خط دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے لکھتے ہیں مگر ایسی صورت میں کہ ظن حاصل ہو جائے اور قوی شبہ باقی نرہے اور تار یا خط کے ذریعہ سے بکثرت خبریں پہونچ جائیں تو اُسپر عمل ہو سکتا ہے اور بحسب مقتضائے انتظام زمانہ حال اُسپر حکم دے سکتے ہیں حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبدالحی سوال صوم رمضان اور افطار شوال کا مدار کس چیز پر ہے جواب رویت ہلال پر مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا اذا رأیتم الهلال فصوموا واذا رأیتموه فافطروا یعنے تم چاند دیکھکر روزہ رکھو اور چاند دیکھکر افطار کرو سوال ہر شخص کے لیے اپنی رویت ضروری ہے یا نہیں جواب نہیں ورنہ اندھے پر روزہ فرض نہو گا رسائل الارکان میں ہے رویۃ الکل غیر مشروط یعنی سب کا دیکھنا مشروط نہیں ہے سوال حافظ

قرآن کو رمضان میں اُجرت لیکر قرآن شریف سنا جائز ہے یا نہیں جواب درست ہے مگر خلاف اولیٰ ہے
واللہ اعلم عبدالحی عفی عنہ۔ سوال اگر ابر ہو تو ہلال رمضان کے ثبوت میں ایک شخص کی
گواہی کافی ہے یا نہیں جواب کافی ہے رسائل الارکان میں ہے تم یکفی فی الصوم رویة
واحد اذا کان فی السماء علة فشهادته تلزم الصیام علی المکلفین لما عن ابن عمر قال
تراای الناس الهلال فاخبرت رسول اللہ انی رأیته فصام وامر الناس بصیامه رواه
ابوداؤد یعنے پھر روزے کے لئے صرف ایک شخص کا چاند دیکھ لینا کافی ہے جب آسمان پر ابر یا غبار
وغیرہ ہو اور اُسی شخص کی شہادت سے مکلفین پر روزہ لازمی ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ
عنہما نے کہا ہے کہ لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی پس میں نے حضور سرور عالم صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے چاند دیکھا ہے آپنے خود روزہ رکھا اور لوگونکو
روزہ رکھنے کا حکم دیا اسکو ابوداؤد نے روایت کیا ہے سوال ہلال رمضان کا ایک شاہد
ہو تو اُس کا عادل ہونا ضروری ہے یا نہیں جواب ظاہر الروایۃ میں عدالت شرط ہے
اور امام حسن نے امام ابوحنیفہ سے جو روایت کی ہے اُس کے اعتبار سے عدالت شرط نہیں ہے
بلکہ مستور الحال کی شہادت بھی قابل قبول ہے اور یہی طحاوی اور شمس الائمہ حلوانی کا مذہب ہے
اور متاخرین نے بھی اسی کو صحیح لکھا ہے فی الدر المختار وقیل بلا دعوی ولفظ اشهد للصوم مع
علة کغیم وغبار خبر عدل او مستور علی ما صححه البزازی علی خلاف ظاهر الروایة
لا فاسق اتفاقا انتهی ملخصا وفی الحمادیة واما اذا کان مستور الحال فالظاهر ان
لا تقبل شهادته وروی الحسن عن ابی حنیفة یقبل شهادته وهو الصحیح انتهی،
وقال ابو المکارم فی شرح النقایة ولم یشترط الطحاوی العدالة تقبیل مراده ان العدالة
الحقیقیة لیست بشرط بل یکتفی بالظاهریة فی النوادرات شهادة المستور مقبولة
فی ذلك وبه اخذ الحلوانی انتهی وقال بحر العلوم فی رسائل الارکان ونحن نقول ان
شرط العدالة فی امثال هذا فی زماننا یخل باکثر الاعمال لا سیما فی الصیام فالاحری
ان یفتی بما عن الامام ابی یوسف رحمه اللہ ان کان الشاهد ذا مروة بحیث یغلب
علی الظن صدقه یقبل قوله لئلا یختل امر الصائمین یعنے درمختار میں ہے عادل یا مستور الحال کی

خبر بلا دعویٰ اور بلا الفاظ شہادت کے رمضان کے بارہ میں مقبول ہی جبکہ ابر یا غبار وغیرہ ہو جسکی تصحیح بزازی نے کی ہے ظاہر الروایۃ اسکے خلاف ہے اور فاسق کی خبر بالاتفاق نہ مانی جائے گی انتہی ملخصا اور حادیہ میں ہی اگر مخبر مستور الحال ہو پس ظاہر تو یہ ہے کہ اُسکی خبر قبول نہ کیجائے لیکن حسن نے امام ابو حنیفہ رض سے روایت کی ہی کہ اُسکی شہادت مقبول ہی اور یہی صحیح ہے انتہی اور ابو المکارم شرح نقایہ میں کہتے ہیں طحاوی نے عدالت کی شرط نہیں لگائی ہی بعضوں نے اسکا یہ مطلب لیا ہی کہ عدالت حقیقیہ شرط نہیں ہی بلکہ عدالت ظاہریہ کافی ہی نوادر میں ہی کہ شہادت مستور اس معاملہ میں مقبول ہی اور اسی سے حلوانی نے اخذ کیا ہے اور بحر العلوم رسائل الارکان میں لکھتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ شرط عدالت اس قسم کے معاملات میں ہمارے زمانے میں بکثرت خلل انداز ہوتی ہی خصوصًا رمضان کے معاملہ میں پس بہتر یہ ہی کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ اگر شاہد صاحب مروت ہو کہ بظن غالب سچا ہوگا تو اُس کا قول مان لیا جائے کہ روزہ دار کا معاملہ بگڑنے نہ پائے سوال اگر کسی نے گاؤں میں رمضان کا چاند دیکھا اور شہر میں نہ آیا اور اُس گاؤں میں قاضی یا حاکم نہیں ہی تو اُس شخص کے قول پر گاؤں کے لوگوں کو روزہ رکھنا چاہیئے یا نہیں جواب رکھنا چاہیئے سراجیہ میں ہی رجلٌ رأی ہلال رمضان برستاق لیس هناك قاضی ولا وال ولم یات المصر لیشهد فعلیهم ان یصوموا بقول هذا الرجل ان کان ثقة انتهی یعنی ایک شخص نے کسی ایسے قصبہ میں جہاں قاضی اور حاکم نہیں ہی رمضان کا چاند دیکھا اور وہ شہر میں بغرض شہادت نہیں آیا تو وہاں اُن لوگوں کو اُس شخص کے قول پر روزہ رکھنا چاہیئے بشرطیکہ وہ ثقہ ہو سوال اگر ابر کی حالت میں ایک شخص کی گواہی پر روزہ رکھا گیا اور تیس روزوں کے بعد بھی چاند دکھائی نہیں دیا تو عید کرنا چاہیئے یا نہیں جواب اگر ابر و غبار کی وجہ سے چاند نہیں دکھائی دیا تو عید کرنا چاہیئے اور اگر مطلع صاف ہونے کی حالت میں شوال کا چاند نہیں دکھائی دیا تو امام محمد کے نزدیک افطار کیا جائے اور امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اکتیسواں روزہ بھی رکھا جائے حموی شارح اشباہ لکھتے ہیں قال اذ خبرنا الواحد اذا شهد علی هلال رمضان عند القاضی قبل شهادة وامر الناس بالصوم فلما اتموا ثلثین یومًا غم هلال شوال قال ابو حنیفة وابو یوسف رحمه الله یصومون من الغد

کان یوم الحادی والثلثین یعنی لکونہ خروجًا عن العبادۃ یحتاط فیہ وقال محمد یفطرون قال شمس الایمۃ الحلوانی ھذا الاختلاف فیما اذا لم یروا ھلال شوال والسماء مصحیۃ فاما اذا کانت متغیمۃ فانھم یفطرون بلاخلاف یعنی ذخیرہ میں ہو اگر ایک شخص نے رمضان کے چاند کی گواہی قاضی کے سامنے دی اور قاضی اُسکی شہادت کو یہان کے لوگون کو روزہ رکھنے کا حکم دیدے پھر تیسویں رمضان کو عید کا چاند نہ دکھائی دے تو لوگون کو دوسرے دن روزہ رکھنا چاہیئے گو اکتیسویں تاریخ ہو کیونکہ اپنے ذمہ سے ایک عبادت کو ادا کرنا ہے اسلیے احتیاط کرنا چاہیئے یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ کا قول ہو اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک افطار کر لینا چاہیئے شمس الایمہ حلوانی کہتے ہیں کہ یہ اختلاف اُس صورت میں ہو جب آسمان صاف ہو اور پھر بھی شوال کا چاند نہ دکھائی دے لیکن اگر ابر ہو تو بالاتفاق افطار کر لینا چاہیئے سوال اگر ہلال رمضان کی دو شخصوں نے بحالتِ ابر وغبار گواہی دی اور لوگون نے تیس روزے رکھے اور پھر بھی عید کا چاند نہ دکھائی دیا تو افطار کیا جائے یا نہیں جواب افطار کیا جائے اور اُسکی صبح کو عید کے ارکان ادا کیے جائیں چاہے ابر ہو یا نہو۔ حموی شارح اشباہ لکھتے ہیں واما اذا شھد علی ھلال رمضان شاھدان والسماء متغیمۃ قبل القاضی شھادتھما وصاموا ثلثین یومًا فلم یروا الھلال ان کانت السماء متغیمۃ یفطرون من الغد بالاتفاق وان کانت مصحیۃ فکذلک یفطرون الیہ اشار فی القدوری والمنتقی وقیل فی فوائد القاضی الامام رکن الدین علی السغدی انھم لا یفطرون والاول اصح یعنے جب رمضان کے چاند پر دو آدمیون نے گواہی دی اور آسمان پر ابر تھا اور قاضی نے دونوں کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھنے کا حکم دیدیا اور تیس روزے رکھنے پر بھی عید کا چاند نہیں دکھائی دیا تو اگر آسمان پر ابر ہو تو دوسرے دن بالاتفاق افطار کر لیا جائے اور اگر آسمان صاف ہو تو بھی افطار کیا جائے اسی کی جانب قدوری اور منتقی میں اشارہ ہے اور کہا گیا ہے کہ فوائد قاضی امام رکن الدین علی سغدی میں ہے کہ افطار نہ کرنا چاہیئے اور اول اصح ہے

سوال ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لیے مفید ہوتی ہے یا اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جاتا ہے **جواب** اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ کے لئے مفید ہوتا ہے اگر رویت ہلال کی خبر مشہور ہو جائے درمختار میں ہے اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاہر الروایۃ وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی ظاہر روایت کے اعتبار سے اختلاف مطالع غیر معتبر ہے اور اسی جانب اکثر مشائخ گئے ہیں اور اسی پر فتوی ہے اور مجمع البرکات میں ہے لو صام اہل بلدۃ ثلثین یوماً للرویۃ واہل بلدۃ اخری تسعا وعشرین یوماً للرویۃ فعلم من صام تسعا وعشرین یوماً فعلیہم قضاء یوم یعنی اگر ایک شہر والوں نے تیس روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے انتیس ۲۹ تو جنھوں نے انتیس روزے رکھے ہیں انپر ایک یوم کی قضا واجب ہے اور درمختار میں ہے لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمہم علی الصحیح من المذہب یعنی اگر دوسرے شہر میں خبر مشہور ہو گئی تو بر مذہب صحیح انپر بھی اسکے موافق عمل کرنا لازم ہے اور جامع الرموز میں ہے وحکم احد البلدتین بالرویۃ لا یلزم الاخری وعن محمد انہ یلزم والصحیح من مذہب اصحابنا انہ یلزم اذا استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری یعنی ایک شہر کی رویت سے دوسرے شہر پر حکم نہیں دیا جا سکتا اور امام محمد سے منقول ہے کہ حکم لازمی ہے اور صحیح مذہب ہمارے اصحاب کا یہ ہے کہ لازمی ہے جب دوسرے شہر میں خبر مشہور ہو جائے سوال اگر گواہوں نے انتیس ۲۹ رمضان کو گواہی دی کہ ہم نے رمضان کا چاند ایک دن پہلے دیکھا ہے جس کے حساب سے آج اکتیسویں تاریخ ہے تو انکی گواہی مانی جائے گی یا نہیں جواب اگر یہ گواہ اسی شہر میں تھے اور پہلے رمضان سے جیکے رکھے انتیس ۲۹ تاریخ کو گواہی دی تو انکی گواہی قبول نہ کی جائے گی اور اگر دور کے سفر سے آکر گواہی دی ہے تو قبول کیجائیگی مجمع البرکات میں ہے اذا شہد الشہود علی ہلال رمضان فی الیوم التاسع والعشرین انہم راؤا الہلال قبل صومکم بیوم ان کانوا فی ہذا المصر ینبغی ان لا یقبل شہادتہم لانہم ترکوا الحسبۃ وان جاؤا من مکان بعید جازت شہادتہم لانتفاء التہمۃ کذا فی الخلاصۃ یعنی جب بہت سے گواہوں نے انتیسویں رمضان کو چاند

دیکھنے کی شہادت دی کہ انھوں نے دنیسویں کے حساب سے پہلی تاریخ کو آکر) کہا کہ ہم نے تمھارے اس روزہ کے ایک دن پہلے چاند دیکھا تھا تو انکی شہادت نہ قبول کرنا چاہئے کیونکہ انکے ذمہ جوبات ضروری تھی اُسے اُنھوں نے ترک کیا بشرطیکہ وہ اُسی شہر کے رہنے والے ہوں اور اگر باہر کے رہنے والے ہوں تو وہ معذور ہیں اور اُن کی شہادت جائز ہے کیونکہ اس صورت میں تہمت کا شبہ نہیں ہر جیسا کہ خلاصہ میں ہر سوال اگر تیسویں رمضان کو غروب آفتاب سے پہلے عید کا چاند دکھائی دیا تو فوراً روزہ کھول ڈالنا ضروری ہر یا غروب آفتاب کا انتظار چاہیئے جواب یہ چاند آنے والی رات کا مانا جائیگا لہذا غروب سے پہلے افطار نکرے اور دوسرے دن عید سمجھی جائے گی رسائل الارکان میں ہر وان رأی الهلال فی نهار ثلثین و لم یر قبله فالهلال للیلة الآتیة و یتموا صوم یوم رأی فیه الهلال سواء رأی قبل الزوال او بعده یعنے اگر تیسویں تاریخ آفتاب ڈوبنے سے پہلے چاند دیکھا اور اُسکی پہلی شب گذشتہ کو نہیں دیکھا تھا تو یہ چاند آنیوالی رات کا مانا جائیگا اور روزہ پورہ کرنا چاہیئے چاند قبل زوال دیکھا ہو یا بعد زوال - واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

کتاب الصوم

(سلخ ۱۲۸۶ھ رمضان) سوال ایک رمضان کی قضا جس شخص نے دوسرے رمضان کے آجانے تک ادا نہیں کی تو کیا دوسرے رمضان کے آجانے کی وجہ سے اُس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا فقط قضا جواب فقط قضا واجب ہے ہدایہ میں ہر ان اخره حتی دخل رمضان آخر صام الثانی لانه فی وقته و قضی الاول بعده و لا فدیة علیه لان وجوب القضاء علی التراخی حتی کان له ان یتطوع یعنی اگر ادائے قضا میں اتنی تاخیر کی کہ دوسرا رمضان آگیا تو دوسرے (ربیع الاول ۱۲۸۸ھ) رمضان کے روزے رکھے اور پہلے کی بعد کو قضا کرے اور اُسپر فدیہ نہیں ہر کیونکہ وجوب قضا تراخی ہے حتی کہ اسے نفل روزے رکھنے کا بھی حق حاصل ہر سوال اگر روزہ میں زوجہ سے مساس کیا اور انزال ہوا تو روزہ رہا یا جاتا رہا یا مکروہ ہوا جواب صورت مسئولہ میں

روزہ جاتا رہا فقط قضا واجب ہوگی خزانۃ المفتین میں ہے اذا قبل امرأۃ بشھوۃ او مس بشھوۃ فامنی علیہ القضاء دون الکفارۃ اگر کسی نے شہوت سے بوسہ لیا یا مساس کیا اور انزال ہوا تو اُسپر قضا لازم ہے نہ کفارہ حررہ محمد عبدالحی سوال اگر کسی نے جلق لگایا تو روزہ رہا یا جاتا رہا جواب روزہ جاتا رہا فقط قضا واجب ہوگی فتح القدیر میں ہے عامۃ المشائخ علی ان الاستمناء مفطر وقال فی التجنیس ھو المختار یعنی عامہ مشائخ کے نزدیک جلق سے روزہ جاتا رہتا ہے اور صاحب تجنیس نے کہا ہے یہی مختار ہے۔ کفارہ دینا چاہیئے یا فقط قضا۔ سوال زید نے مرض سخت کی حالت میں نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہوگیا تو ڈیڑھ برس کے روزے رکھونگا اب اُسکو صحت ہوگئی تو ایام بیض وغیرہ کے روزے رکھنے یا صدقہ دینے سے ڈیڑھ برس کے روزے اُسکے ذمے سے ساقط ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ جواب صدقہ دینے سے نذر مذکور ساقط نہیں ہوسکتی اتنے روزے رکھنا چاہیئے خواہ ایام بیض میں رکھے خواہ اور ایام میں سوائے عیدین اور تشریق کے لیکن اُس نے چونکہ نذر میں یہ نہیں کہا کہ علی الاتصال روزے رکھونگا اسلیئے وہ متفرق روزے بھی رکھ سکتا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال قضا کے روزے میں ایک شخص نے عمداً کھا پی لیا اس صورت میں کفارہ لازم آیگا یا نہیں جواب نہیں کیونکہ کفارہ فقط رمضان کے روزے میں ہے نہ قضا وغیرہ میں رد المحتار میں ہے فلا تجب بافساد قضاء رمضان او افساد صوم غیرہ لان الافطار فی رمضان ابلغ فی الجنایۃ فلا یلحق بہ غیرہ لورودھا فیہ علی خلاف القیاس یعنی قضائے رمضان کے توڑ ڈالنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا اسی طرح رمضان کے روزے کے سواکسی اور روزہ کے توڑ ڈالنے سے بھی کفارہ لازم نہیں ہوتا کیونکہ رمضان میں افطار انتہا درجہ کی خیانت ہے پس دوسری چیزوں کا حکم ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اسمیں کفارہ خود ہی خلاف قیاس ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال اگر زید رمضان میں قصداً افطار سے پہلے حقہ پیتا ہے تو اُسکا روزہ فاسد ہوگا یا نہیں۔ اگر ہوگا تو آیت یا حدیث یا ایمہ کے قول یا فقہ سے ثابت فرمایا جائے نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ زید کے ذمہ قضا ہی لازم ہوگی یا کفارہ بھی جواب اُسکا روزہ فاسد ہوگا درمختار میں ہے لو ادخل حلقہ الدخان افطر ای دخان کان ولو عودا او عنبرا لو ذاکرا لامکان التحرز عنہ یعنی اگر اپنی حلق میں دھواں دم ڈالنے سے روزہ جاتا رہتا ہے چاہے جو دھواں ہو اگر قصداً ایسا کیا ہے اور

رسائل الارکان میں ہے لو ادخل الدخان کما یعتادہ الیوم فی اکثر الناس فینبغی ان یفسد بہ الصوم خصوصاً دخان التنباک لانہ یورث الفرح و یحصل التسکین للمعتاذین اگر دھواں حلق کے نیچے اُتار لیا جیسا کہ آجکل اکثر لوگ کرتے ہیں تو اس سے روزہ فاسد ہو جانا چاہیئے خصوصاً تماکو کے دھوئیں سے کیونکہ اس سے فرحت اور جو لوگ پینے کے عادی ہیں انکو تسکین حاصل ہوتی ہے اور در المختار میں ہے و یلزمہ التکفیر لو ظن نافعاً وکذا ادافعاً لشہوات البطن الخ اور کفارہ لازم ہوگا اگر اس نے نفعمند اور دافع شہوات بطن کے خیال سے پیا ہے واللہ اعلم حررہ ابوالاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ واقعی اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا کیونکہ حدیث میں بروایت ابو یعلیٰ مروی ہے الفطر مما دخل روزہ ہر اس چیز سے جاتا رہتا ہے جو پیٹ کے اندر جائے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز پیٹ میں جائے چاہے وہ دھواں ہی کیوں نہ ہو اگر قصداً داخل کیجائے مفسد صوم ہے واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال خود بخود قے آنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں جواب نہیں اسیطرح رسائل الارکان میں ہے سوال جونک لگانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں جواب جونک مفسد صوم نہیں کیونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم حالت صوم میں پچھنے لگاتے تھے جیسا کہ صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے اور جونک بھی ویسی ہی ہے اور قیاس بھی موافق حدیث ابن عباسؓ ہے کیونکہ پچھنے سے بھی ایک چیز اندر سے باہر آتی ہے باہر سے اندر نہیں جاتی کذا فی اشعۃ اللمعات سوال ایک یا بس المزاج شخص روزہ رکھ سکتا ہے مگر گرمی کے زمانے میں اطبائے حاذق اُسے روزہ رکھنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم روزہ رکھنے سے سخت امراض میں مبتلا ہو جاؤگے تو کیا کرے جواب روزہ نہ رکھے اسیطرح درمختار کے باب عوارض مبیحہ افطار میں ہے۔ سوال ایک شخص روزہ رکھنے کے بعد افطار سے پہلے سخت مرض میں مبتلا ہوا اور روزہ ختم کرنے سے زیادتی مرض کا غالب گمان ہے تو افطار کرے یا نہیں جواب افطار کر ڈالے۔ رسائل الارکان میں ہے اذا حدث المرض فی نہار رمضان و یظن بالصوم الزیادۃ علی المرض یباح لہ الافطار الخ روزہ دار کو دن میں ایسا مرض لاحق ہوا کہ روزہ پورا کرنے سے زیادتی کا غالب گمان ہے تو اسے افطار کرنا مباح ہے سوال جس نے

خون نکلوانے سے افطار نہیں ہوتا ہے

زیادتی مرض کے خوف سے افطار کیا ہے اُسپر قضا لازم ہوگی یا کفارہ جواب قضا لازم ہوگی نہ کفارہ عالمگیری میں ہے ومنہا المرض المریض اذا خاف علی نفسه التلف او ذهاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادة العلة وامتدادہ فکذالک عندنا وعلیہ القضاء اذا افطر کذا فی المحیط یعنے مریض کو جب اپنی جان کا یا کسی عضو کے جاتے رہنے کا خوف ہو تو بالاجماع افطار کرے اور اگر زیادتی مرض یا امتداد مرض کا خوف ہو تب بھی ہمارے نزدیک افطار کرے اور جب افطار کرلیا تو اُسپر قضا واجب ہے جیسا کہ محیط میں ہے سوال اگر کوئی خاک یا سنگریزہ یا خستۂ خرما یا کلوخ یا پنبہ یا کاغذ وغیرہ کہ نہ غذا ہیں نہ دوا عادۃً نگل جائے تو قضا لازم آئے گی یا کفارہ بھی جواب قضا لازم آئے گی نہ کفارہ فی العالمگیریۃ اذا ابتلع مالا یتغذی به ولا یتداوی به عادة کالحجر والتراب لا یوجب الکفارة کذا فی التبیین انتہٰی وفی الخلاصه لو ابتلع حصاة او نواة او حجرا او مدرا او قطنا او حشیشا او کاغذة فعلیہ القضاء ولا کفارة یعنے عالمگیری میں ہے اگر اُن چیزون کو نگل گیا جن سے عادۃً غذا اور دوا کا کام نہیں لیا جاتا ہے جیسے پتھر اور مٹی تو کفارہ واجب نہیں ہے جیسا کہ تبیین میں ہے انتہیٰ اور خلاصہ میں ہے اگر کنکری یا گٹھلی نکل گیا یا پتھر یا ڈھیلا یا روئی یا کاغذ تو اُسپر قضا ہے کفارہ نہیں ہے سوال روزہ دار اگر حقہ پیوے تو اُس سے روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں اگر ٹوٹ جائیگا تو اُس سے فقط قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی جواب روزہ ٹوٹ جائے گا مگر صرف قضا لازم ہوگی نہ کفارہ سراج میں ہے کہ اگر اپنے اختیار سے دھوان پیٹ میں داخل ہو تو اُس سے روزہ ٹوٹ جائیگا جیسا کہ تماکو اور صرف قضا لازم ہوگی نہ کفارہ کیونکہ یہ غذا نہیں ہے لہذا کنکری اور گٹھلی کے حکم میں ہے فقط سوال روزۂ رمضان کے کفارے میں اگر غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کیونکر کھلاوے جواب اگر کبر سنی یا حدوث مرض کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو تو اُسے اختیار ہے چاہے ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلائے یا کچا غلہ دیدے اس طرح پر کہ ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا اُسکا آٹا یا ایک صاع جو یا انگور یا خرما دے اور نقد قیمت دینا بھی جائز ہے اور اگر چاہے کھانا پکا کر ساٹھ مسکینوں کو دو وقتہ کھلائے خواہ صبح و شام خواہ دو صبح خواہ دو شام اور دونون وقت اُن کو پیٹ بھر کر کھلائے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک

وقت کھانا کھلائے اور ایک وقت کی قیمت دیدے اور اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن دو وقتہ کھانا کھلائے تو بھی جائز ہے لیکن اگر ایک مسکین کو ساٹھ مسکینوں کا کھانا بکا کر دیگا تو کفارہ میں ایک دن محسوب ہوگا جیساکہ در مختار میں ہے اور اگر کچا غلہ ساٹھ مسکینوں کا حساب کرکے ایک مسکین کو ایک دن میں بدفعات دے تو مختلف فیہ ہے بعض کے نزدیک ایک مسکین سے کافی ہوگا اور بعض کے نزدیک پورا کفارہ ادا ہو جائیگا جیساکہ برجندی نے کہا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

باب صدقۃ الفطر والاعتکاف

سوال صدقۂ فطر میں گیہوں دینا مستحب ہے یا اُسکی قیمت جواب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک قیمت دینا مستحب ہے کیونکہ روپیہ سے بہت کام نکل سکتے ہیں سوال زکوٰۃ کی طرح صدقۂ فطر میں تملیک مصدق علیہ شرط ہے یا نہیں جواب شرط ہے ابو المکارم کہتے ہیں وشرط التملیک فی الفطرۃ والعشر ایضا یعنی فطرہ اور عشر میں بھی تملیک شرط ہے سوال زید عشرۂ اخیرۂ رمضان میں معتکف تھا اور رات کا گمان کرکے اُسنے سحر کھائی اور اصل میں سحر طالع ہو چکی تھی پس قضا لازم ہوگی اور امساک تمام دن کرے پس امساک اُن لوگوں کے نزدیک جو صوم کو اعتکاف کی شرط جانتے ہیں کافی ہوگا یا نہیں اور عدم کفایت کی صورت میں اس اعتکاف کا کیا حکم ہے جواب جبکہ یہ امساک صوم نہیں ہے اور قضا واجب ہے پس اعتکاف کے لیے کافی نہوگا اور اگر اعتکاف عشرۂ متصل کی نذر مانی ہے تو قضا لازم ہوگی اور اگر اعتکاف نفل ہے تو قضا لازم نہوگی در مختار میں ہے فلو نذر اعتکاف شہر رمضان لزمہ واجزاہ صوم رمضان عن صوم الاعتکاف وان لم یعتکف رمضان المعین قضی شہرا غیرہ بصوم مقصود واقلہ نفلا ساعۃ ولو شرع فی نفلہ ثم قطعہ لا یلزمہ قضاؤہ علی الظاہر اگر کسی نے شہر رمضان کے اعتکاف کی نذر مانی تو وہ اُسپر لازم ہے اور صوم رمضان کی بدولت صوم اعتکاف کی ضرورت نہیں ہے اور اگر رمضان معین میں اعتکاف ادا نہیں کیا تو کسی دوسرے مہینے میں اُسکی قضا کرے اور اسمیں روزہ رکھے اور اقل قضا اعتکاف ایک ساعت ہے اور اگر نفل کو شروع کرکے قطع کر دیا تو بر مذہب ظاہر قضا لازم نہیں ہے اور جامع الرموز میں ہے اور یہ اُس وقت ہے جب روزہ شرط نہوا اور اگر روزہ شرط ہو تو کم از کم ایک روزہ ہے اور قضا صورت افساد وقطع میں لازم ہے انتہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

کتاب الزکوٰۃ

سوال ادائے زکوٰۃ کے وقت اس بات کا اعلان اور اظہار کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے ضروری ہے یا نہیں جواب ادائے زکوٰۃ میں ادا کرتے وقت یا اُس مال کو اپنے مال سے جدا کرتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت ہونا ضروری ہے اور قصد قلبی کو نیت کہتے ہیں اور ادائے زکوٰۃ کے وقت اگر کوئی پوچھے تم کیا دیتے ہو تو فوراً کہدے میں زکوٰۃ دیتا ہوں لیکن اعلان اور اظہار ضروری نہیں ہے مگر افضل ہے کنز میں ہے وشرط ادائہا نیۃ مقارنۃ للاداء او لعزل ما وجب یعنے ادائے زکوٰۃ کی شرط یہ ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے وقت یا اپنے مال سے جدا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہو۔ اور عالمگیری میں ہے اذا کان فی وقت التصدق بحال لو سئل عما ذا تودی یمکنہ ان یجیب من غیر فکرۃ فذلک یکون نیۃ منہ یعنی اگر تصدق کے وقت اُس سے پوچھا جائے کہ تم یہ روپیہ کیسا دے رہے ہو اور وہ بے غور کیے ہوئے جواب دیدے تو نیت متحقق ہے اور بحر الرائق میں ہے وفی فتح القدیر الافضل فی الزکوٰۃ الاعلان اور فتح القدیر میں ہے کہ زکوٰۃ میں اعلان کرنا افضل ہے اور عالمگیری میں ہے اذا اراد الرجل الزکوٰۃ الواجبۃ قالوا الافضل الاعلان والاظہار وفی التطوعات الافضل ہو الاخفاء والاسرار کذا فی فتاوی قاضی خان یعنے جو شخص زکوٰۃ واجبہ کو ادا کرنا چاہے تو فقہا کے نزدیک افضل اعلان و اظہار ہے اور نفل میں افضل خفا اور اسرار ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے سوال عورتوں کے کپڑوں میں جو گوٹہ پٹھہ بنت وغیرہ کی ہوتی ہے اُس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں جواب نہیں کیونکہ یہ چیزیں من قبیل عروض ہیں اور عروض میں جبتک تجارت کی نیت نہو زکوٰۃ واجب نہیں ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے سوال اجنبی پر سسرالی قرابت دار مقدم ہیں یا کہ دونوں برابر ہیں جواب مقدم ہیں بحر الرائق میں ہے قال فی الفتاوی الظہیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذکر فی موضع آخر معزیا الی ابی حفص الکبیر لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج حتی یبدأ بہم فیسد حاجتہم یعنے فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ صدقات میں سب سے مقدم اقارب ہیں پھر موالی پھر پڑوسی اور دوسری جگہ ابو حفص کبیر کی جانب منسوب کر کے کہا ہے کہ جسکے اقربا محتاج ہیں اُسکا صدقہ قبول نہیں ہوتا تا وقتیکہ وہ اُنکی حاجت پوری نہ کرے۔ اور عالمگیری میں ہے والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذر الصرف اولا الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادہم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی اولادہم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی اولادہم ثم الی ذوی الارحام ثم الی الجیران ثم الی اہل حرفتہ ثم الی اہل مصرہ او قریتہ کذا فی السراج الوہاج یعنے زکوٰۃ اور فطرہ اور نذر صرف میں افضل یہ ہے کہ بھائیوں اور بہنوں کو دے پھر اُنکی اولاد کو پھر چچاؤں اور پھپھیوں کو پھر اُنکی اولاد کو پھر ماموؤں اور خالاؤں کو پھر اُنکی اولاد کو پھر ذوی الارحام کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے ہم پیشہ لوگوں کو

پھر اپنے شہر والوں کو یا اپنے گاؤں والوں کو ویسا ہی رواج و باج میں ہے سوال اگر کسی شخص کے پاس مکانات
یا دوکانیں یا اشیاے منقولہ ہیں اور وہ انھیں کرایہ پر چلاتا ہے یا اُسکے قبضے اور ملک میں ہیں تجارت کی
نیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے جواب اگر مکانات اور دوکانیں یا اشیاے منقولہ جیسے
دیگ وغیرہ رکھتا ہے اور اُنھیں کرایہ پر چلاتا ہے اور تجارت کی نیت نہیں رکھتا ہے یا اُن اشیا کے خریدتے
وقت تجارت کی نیت تھی پھر کرایہ پر یہ اشیا چلائے تو ان دونوں صورتوں میں ان اشیا پر زکوٰۃ نہیں ہے
مجمع البرکات میں ہے رجل اشتری اعیانا منقولۃ لیواجرھا مباومۃ ومشاھرۃ ومسانھۃ ویحصل لہ من
المنقولات مال عظیم لا یجب الزکوٰۃ فیہا لانہا لیست بمال التجارۃ فانہا یمسکہا و ینتفع بہا نوع
منتفاع فصار کالاستعمال فلم یجب فی ذلک شیٔ کذا فی خزانۃ الروایات یعنے اگر کسی نے کچھ اشیاء منقولہ خریدیں اور
اُنھیں یومیہ یا ماہوار یا سالانہ کرایہ پر چلاتا ہے اور اُن سے مال عظیم از قسم منقولات حاصل کرتا ہے تو اُسپر زکوٰۃ نہیں ہے
کیونکہ یہ تجارت کا مال نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہ اُسکے قبضے میں ہے وہ اُس سے نفع حاصل کرتا ہے تو اُسکا حکم ویسا ہی ہے
جیسا کہ خود اُسکے استعمال کرنیکا ہے تو اُسکے ذمے کچھ واجب نہوگا جیسا کہ خزانۃ الروایات میں ہے اور اسی کتاب میں
دوسری جگہ لکھا ہے لو اشتری الرجل دارا او عبدا للتجارۃ ثم اٰجرہ یخرج من ان یکون للتجارۃ ولو اشتری
قدرا من الصفر یمسکہا یواجرھا لا یجب فیہا الزکوٰۃ کما لا یجب فی بیوت الغلۃ کذا فی فتاوی قاضی خان یعنے
اگر کسی شخص نے کوئی گھر یا غلام تجارت کے لیے خریدا پھر اُسے کرایہ پر چلایا تو وہ مال تجارت نہیں رہا اور اگر دیگیں خریدیں
اور اُنکو اپنی ملک میں رکھا لیکن کرایہ پر چلاتا رہا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے جیسا کہ غلہ کے گھروں میں واجب نہیں ہے
ویسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے اور اگر مکانات اور دوکانیں اور اشیاے منقولہ اپنی ملک اور قبضہ میں
بلا نیت تجارت رکھے تو بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے مجمع البرکات میں ہے ولو کان لہ عبید للتجارۃ او دار
للسکنے ولم ینو التجارۃ لا یجب فیہما الزکوٰۃ وان حال علیہما الحول کذا فی شرح الوقایۃ یعنے اگر کسی کے
پاس بلا نیت تجارت غلام ہیں یا گھر ہیں جن میں نہ تجارت کی نیت ہے نہ رہنے کے لئے ہیں تو زکوٰۃ واجب
نہیں ہے اگرچہ سال گذر جاوے ایسا ہی شرح وقایہ میں ہے سوال اگر کسی شخص کے پاس آراضی ہے اور وہ
اس میں کھیتی کرتا ہے تو اُس آراضی اور اُسکی پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں جواب جبتک آراضی
میں تجارت کی نیت نہو زکوٰۃ واجب نہیں ہے کنز میں ہے وفی عروض تجارۃ بلغت نصاب ورق
او ذھب یعنے عروض میں زکوٰۃ جب ہی واجب ہوتی ہے جب تجارت کے لئے ہوں اور اُن کی قیمت

چاندی یا سونے کے نصاب کی برابر ہو اور ارکان اربعہ میں مولانا عبد العلی بحر العلوم فرماتے ہیں واما العروض
فانما یجب فیہا الزکوٰۃ اذا کانت للتجارۃ اذا بلغ قیمتہا نصابا من الفضۃ او الذھب و یجب فیہا
ربع العشر من قیمتہا ویشترط فیہا التجارۃ لما عن سمرۃ بن جندب قال اما بعد فان
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یامرنا ان نخرج من الصدقۃ من الذی نعدہ
للبیع رواہ ابوداؤد یعنی اسباب میں زکوٰۃ جب واجب ہوتی ہے جب تجارت کے لئے ہوں اور انکی قیمت
چاندی یا سونے کے نصاب کے برابر ہو اور اس میں ربع عشر قیمت کا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ تجارت کی نیت
ہو کیونکہ سمرہ بن جندب سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے کہ ہم اُن چیزوں
کی زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے بیع کے لئے رکھی ہیں اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور زمین کی پیداوار
جبتک کہ اُسکی قیمت نقد نہو جائے زکوٰۃ واجب نہیں اگرچہ حولان حول ہوجائے مجمع البرکات میں ہے اذا حصل
من ارضہ حنطۃ مثلاً یبلغ قیمتہا نصابا ونوی ان یمسکہا و یبیعہا وحال علیہا الحول فانہ
لا یجب فیہا الزکوٰۃ کذا فی البرجندی فی الحجۃ حتی ینقد ثمنہا و یحول الحول کذا فی
فتاوی قاضی خان یعنی اگر کسی کی زمین میں مثلاً گیہوں پیدا ہوئے اور انکی قیمت مقدار نصاب
کے برابر تھی اور اُس نے اُنکے فروخت کرنے کا قصد کیا اور اُنپر پورا سال گذر گیا تو اُنپر زکوٰۃ
واجب نہیں ہے یہ برجندی میں اور فتاوی حجت میں ہے تاوقتیکہ اُن سب کا ثمن نقد نہو جائے اور
اُسپر سال نہ گذر جائے زکوٰۃ واجب نہیں ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہے سوال اگر زر زکوٰۃ سے
غلہ یا کپڑا خرید کے مساکین کو دے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں جواب ادا ہوگی کیونکہ دلے مال زکوٰۃ
میں رکن تملیک ہے سوال پہننے کے کپڑوں میں سنہرا ہو یا سوتی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں جواب نہیں
ہدایہ میں ہے ولیس فی دور السکنی و ثیاب البدن واثاث المنزل ودواب الرکوب وعبید
الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ یعنی رہنے کے گھر اور پہننے کے کپڑے اور گھر کے سامان اور سواری
کے جانوروں اور خدمت کے غلاموں اور استعمال کے ہتھیاروں پر زکوٰۃ نہیں ہے سوال زوجہ کو
اپنے زیور کی جو اُسکی ملک ہے زکوٰۃ دینا چاہئے یا زوج کو جواب مال کی زکوٰۃ مالک پر ہے لیکن اگر
زوج زوجہ کی طرف سے زکوٰۃ دیدے تو ادا ہو جائے گی یہ کشف الحقائق میں ہے سوال اگر کوئی شخص
ایک نصاب کا مالک ہے اور سال بھی اُسپر گذر گیا اُس نے زکوٰۃ نہیں دی پھر دوسرا سال بھی گذرا اب اسے

ایک سال کی زکوٰۃ دینا چاہیے یا دو سال کی جواب پہلے سال کی زکوٰۃ واجب ہے نہ دوسرے سال کی رسائل الارکان میں ہے اذا ملك مائتی درھم وحال علیہ الحول ولم یود زکوتہ حتی حال علیہ حول اٰخر لا یجب الا زکوٰۃ الحول الاول دون الثانی لانہ کان علیہ اداء جزء المال فاذا کان جزء منہ مشغولا بالزکوٰۃ لم یبق الباقی نصابا یعنی اگر کسی شخص کے پاس دو سو درہم تھے اُس پر سال گذر گیا اور اُس نے زکوٰۃ نہ دی یہاں تک کہ دوسرا سال بھی گذر گیا اس پر صرف پہلے سال کی زکوٰۃ واجب ہے دوسرے سال کی نہیں کیونکہ اس پر جزء مال کی ادائی ضروری تھی تو جب جزء مال زکوٰۃ میں رکا ہوا تھا تو باقی بقدر نصاب نہ رہا۔ اور شارح وقایہ نے دین زکوٰۃ کو غیر مانع قرار دیا ہے اور یہ اُنکی غلطیوں میں سے ہے جیسا کہ شرح ابو المکارم میں ہے سوال قرضدار پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں جواب اگر وہ بالکل قرضہ میں گھرا ہوا ہو تو جبتک قرضدار ہے زکوٰۃ اُس پر واجب نہیں ہے اور اگر اُس قرضدار کا مال قرضہ سے زائد اور حوائج اصلیہ سے فاضل اور حد نصاب تک پہنچ گیا ہو تو اتنے مال میں زکوٰۃ واجب ہے ہدایہ میں ہے من کان علیہ دین محیط بمالہ فلا زکوٰۃ علیہ وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصابا یعنی اگر کسی پر اتنا قرض ہے کہ اُسکے سب مال کو شامل ہے تو اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر اُسکا مال قرضہ سے زائد ہے تو زیادتی پر زکوٰۃ ہے سوال مال حرام جیسے کسب غنا اور زنا پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں جواب نہیں قنیہ میں ہے لو کان الخبیث نصابا لا یلزمہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ یعنی مال حرام اگر بقدر نصاب ہے تو اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ اُس کل مال کا تصدق کر دینا واجب ہے تو اب بعض کے تصدق کے واجب کرنے سے کیا فائدہ سوال درمختار کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے الشام والمصر خراجیۃ وفی الفتح الماخوذ الآن من اراضی مصر اجرۃ لا خراج الا تری انہا لیست مملوکۃ للزراع یعنی شام اور مصر خراجی ہیں اور فتح القدیر میں ہے کہ آجکل جو کچھ مصر کی اراضی سے وصول کیا جاتا ہے وہ اُجرت ہے خراج نہیں کیونکہ زمین کاشتکاروں کی ملکیت نہیں ہے جواب اسکی توضیح یہ ہے کہ جو ملک لڑ کے فتح کیا گیا ہو اور لشکر اہل اسلام میں تقسیم نہ کیا گیا ہو خواہ وہیں کے کافر اُس میں مقیم ہوں یا دوسری جگہ کے کفار نقل مکان کر کے اُسمیں آگئے ہوں اور جو ملک صلح سے فتح کیا گیا ہو وہ دونوں خراجی ہیں علما اس امر پر متفق ہیں کہ مصر خراجی ہے البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ وہ لڑ کر فتح کیا گیا ہے یا صلح سے فتح کیا گیا ہے اور اس اختلاف سے خراجی ہونے پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ جبتک اس ملک کے لوگ اسلام نہ لے آئیں خواہ بجنگ فتح کرنے کے بعد وہانکے لوگوں پر احسان رکھکر خراج مقرر کیا جائے یا بصلح فتح ہوا ور جزیہ مقرر کیا جائے اور جب اراضی مصر

اسکے مالکان بلا وارث مرے تو یہ آراضی داخل بیت المال ہوئی اور سلطان نے اُسے کاشتکاروں کو دینا شروع کیا اور اُن سے دراہم لیے تو اب یہ دراہم ظاہر ہے کہ اُجرت ہیں عشر وخراج نہیں ہیں اور کاشتکار کرایہ دار ہیں لوز ایک علٰحدہ قسم ہے یعنے نہ عشری ہے اور نہ خراجی اس قسم کی زمینوں کو ارض مملکت یا آراضی حور کہتے ہیں یہ رد المحتار میں ہے سوال چاندی سونے کے زیور یا برتنوں پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں جواب واجب ہے ہدایہ میں ہے فی تبر الذہب والفضۃ وحلیہما وانیتہما الزکوٰۃ یعنی چاندی سونے کے ورقون زیوروں اور برتنوں پر زکوٰۃ ہے سوال بنی ہاشم کے لیے زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خمس الخمس مال غنیمت سے مقرر تھا اب وہ نہیں رہا پس بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں جواب ظاہر الروایہ اور ظاہر المذہب اور قول مفتی بہ کے موافق بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں البتہ غیر ظاہر الروایۃ میں بروایت نوادر ابو عصمۃ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اسکا جواز نقل کرتے ہیں اور دوسری روایت میں امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ سے ہاشمی کا ہاشمی کو زکوٰۃ دینا وارد ہے لیکن یہ دونوں روایتیں ظاہر الروایۃ اور ظاہر المذہب کے خلاف ہیں اور مفتی بہ قول کے موافق عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ تمام متون فقہیہ میں عدم جواز مذکور ہے اور فتویٰ متون کے قول پر ہوتا ہے اور بھی معتبر کتب فقہ میں عدم جواز کو ظاہر الروایۃ اور جواز کو خلاف ظاہر الروایۃ بلکہ خلاف صواب لکھا ہے عیون المذہب میں ہے لا الی بنی ہاشم بالاجماع مال زکوٰۃ بالاجماع بنی ہاشم کو نہ دیا جائیگا۔ اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے ولا تدفع الزکوٰۃ وسائر الواجبات الی بنی ہاشم وہم بنو العباس والحارث ابنی عبد المطلب وبنو عقیل وجعفر واولاد ابی طالب فی ظاہر الروایۃ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن اہل بیت لا تحل لنا الصدقۃ رواہ البخاری ولقولہ ان الصدقۃ لا ینبغی لآل محمد انما ہی اوساخ الناس رواہ مسلم وروی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ یجوز فی ہذا الزمان وانما کان ممتنعا فی ذلک الزمان وعنہ وعن ابی یوسف یجوز ان یدفع بعض بنی ہاشم الی البعض زکوتہم یعنی ظاہر روایت میں زکوٰۃ اور تمام واجبات بنی ہاشم کو نہ دیے جائینگے اور وہ عباس بن عبد المطلب اور حارث بن عبد المطلب اور عقیل وجعفر اور ابو طالب کی اولاد ہیں کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے ہم اہل بیت ہیں ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اسکو بخاری نے روایت کیا ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو صدقہ نہ لینا چاہیئے کیونکہ یہ لوگون کا میل ہے اسکو مسلم نے روایت کیا ہے اور ابو عصمۃ نے ابو حنیفہ رحمہما اللہ سے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں جائز ہے اور اُس زمانے میں ممنوع تھا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ابو عصمۃ نے روایت کی ہے کہ بنی ہاشم باہم ایک دوسرے کو زکوٰۃ دیسکتے ہیں اور ہدایہ میں مذکور ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے بنی ہاشم اللہ تعالےٰ نے تمپر لوگوں کی دھوون (زکوٰۃ) کو حرام کیا ہے فتح القدیر میں ہے

هذا ظاهر الروایة وروی ابو عصمة عن ابی حنیفة انه یجوز فی هذا الزمان وانما کان ممتنعاً فی ذلک الزمان یہ ظاہر الروایۃ ہے اور ابو عصمۃ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں جائز ہے اور اُس زمانے میں ممنوع تھا۔ اور صاحب مختار شرح ملتقی الابحر میں لکھتے ہیں عن الامام جواز دفع الهاشمی زکوته لمثله وعنه الجواز فی زماننا مطلقاً قال الطحاوی وبه ناخذ واقره القهستانی وغیره الا ان ظاهر الروایة اطلاق المنع امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ہاشمی ہاشمی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے اور انہیں سے منقول ہے کہ ہاشمی کو مطلقاً زکوٰۃ دینا جائز ہے طحاوی نے کہا ہے کہ ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں اور قہستانی وغیرہ نے اسکا اقرار کیا ہے مگر ظاہر الروایۃ سے مطلقاً عدم جواز ثابت ہے۔ اور بحر الرائق میں ہے اطلق الحکم فی بنی هاشم ولم یقیده بزمان ولا بشخص للاشارة الی رد روایة ابی عصمة عن الامام انه یجوز الی بنی هاشم فی زمانه وللاشارة الی رد الروایة بان الهاشمی یجوز له ان یدفع زکوته الی مثله لان ظاهر الروایة المنع مطلقاً مصنف نے بنی ہاشم کے متعلق عام حکم لکھا ہے کسی شخص اور کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے روایت ابو عصمۃ کی تردید کے جانب اشارہ کرنے کے لیے کہ اس زمانے میں ہاشمی کو زکوٰۃ دیجا سکتی ہے اور اس روایت کی تردید کے لیے کہ ہاشمی اپنے مال کی زکوٰۃ دوسرے ہاشمی کو دے سکتا ہے کیونکہ ظاہر الروایۃ مطلقاً منع ہونا ہے اور نہر فائق میں ہے روی ابو عصمة جواز اعطائهم الواجب فی زماننا بمنعهم خمس الخمس قال الطحاوی وبه ناخذ الا ان ظاهر الروایة اطلاق المنع ابو عصمۃ سے مروی ہے کہ اس زمانے میں ہاشمیوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اسکے بدولت وہ خمس الخمس سے محروم کر دیے جائینگے طحاوی نے کہا ہے کہ ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں مگر یہ کہ ظاہر الروایۃ مطلقاً منع ہے اور درمختار میں ہے ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع فقول العینی والهاشمی یجوز له دفع زکوته لمثله صوابه لا یجوز نہر ظاہر مذہب مطلق منع ہے پس عینی کا یہ قول کہ ہاشمی کو ہاشمی کا زکوٰۃ دینا جائز ہے اسمیں صحیح یوں ہے کہ جائز نہیں ہے اور شامی قوله اطلاق المنع کی شرح میں لکھتے ہیں ای فی کل الازمان کلها یعنی فی زمان النبی صلی اللہ علیه وسلم وبعده یہ حکم تمام زمانوں میں ہے یعنے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اور اسکے بعد بھی اور معدن شرح کنز میں ہے لا تدفع الزکوٰة الی بنی هاشم سواء کانوا مجاهدین او غیرهم وسواء کان الدافع هاشمیا او غیره عندنا وقال احمد یجوز اخذ الزکوٰة لهاشمی مجاهد کذا فی فتاوٰه ہمارے نزدیک زکوٰۃ بنی ہاشم کو نہ دی جائے گی چاہے وہ مجاہد ہوں یا نہوں اور چاہے زکوٰۃ دینے والا ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی اور احمد نے کہا ہے کہ ہاشمی مجاہد کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے ایسا ہی انکے فتاوے میں ہے اور سبب اشارت رد روایت نوادر جیسا کہ صاحب بحر نے کہا ہے یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ صدقہ اور لوگوں کا میل ہے جیسا کہ ہم نے اسکو احادیث صحیحہ معتبرہ سے اوپر ثابت کر دیا ہے پس جبتک زکوٰۃ صدقہ اور لوگوں کا میل رہیگی اُس وقت تک بنی ہاشم کو نہ دی جائے گی ہاں اگر زکوٰۃ صدقہ اور لوگوں کا میل کسی آنیوالے زمانے میں نہ رہے

تو بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا بھی ناجائز نہ رہیگا اور اسکی علت برابر موجود ہے اس تقریر سے وہ شبہ دفع ہوگیا جو بعض اذہان
میں تھا کہ تقرر خمس الخمس کی وجہ سے بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دیجاتی تھی اور اب بیت المال کے مفقود ہونیسے علت
مرتفع ہوگئی۔ کیونکہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ زکوٰۃ کا صدقہ اوروسخ ہونا ہے کہ صدقہ اوروسخ کو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ
والتسلیم نے اپنے اقارب اور اہل بیت پر حرام کیا ہے نہ تقرر خمس الخمس کو ورنہ اگر حرمت مذکورہ سے قطع نظر کیجائے
تو بیت المال کے زمانہ میں کوئی وجہ حرمت کی نہ تھی کیونکہ خمس الخمس کے باعث اگرچہ حاجت زکوٰۃ لینے کی نہ تھی لیکن
حرمت اور شے ہے اور حاجت نہ ہونا اور شے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانے میں اگر سادات کو زکوٰۃ نہ دیجائیگی
تو وہ دنیاوی سخت تکالیف میں مبتلا ہونگے تو اسکا جواب یہ ہے کہ فی زمانا مودیان زکوٰۃ خال خال نشان میں
پس مستحقین زکوٰۃ کا افکار دنیاوی میں مبتلا رہنا کیونکر ممکن ہے اسی لیے مودیان زکوٰۃ اور ہر اس شخص کو جو تطوع
پر قدرت رکھتا ہے چاہیے کہ تطوعات صدقات نافلہ و محافل و قاف اور ہدایا وغیرہ سے حضرات سادات کی
خدمت کرکے ثواب کثیر حاصل کرے درمختار میں ہے جازت التطوعات وغلۃ الاوقاف لھم ای لبنی ھاشم
سواء سماھم الواقف اولا علی ما ھو الحق کما حققہ فی الفتح تطوعات اور غلۂ اوقاف بر مذہب حنفی
بنی ہاشم کے لیے جائز ہیں خواہ واقف نے وقف کے وقت انکا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو اور قاضی ثناء اللہ
مالا بد منہ میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں۔ بنی ہاشم اور انکے موالی کو کچھ نہ دیا جائے سوا صدقہ
نفل کے اور صدقہ نفل پہلے بنی ہاشم کو ہی دینا چاہیے کیونکہ زکوٰۃ انکے لیے حرام ہے واللہ اعلم
بالصواب نمقہ محمد لطف اللہ عفا اللہ عنہ ماجناہ الجواب صحیح محمد سعد اللہ الجواب صحیح محمد نور النبی
الجواب صحیح ظہور الحق ہذا الجواب حق والمجیب محقق اکبر علی صاحب بما اجاب ظہور الحسن مذہب مختار یہی ہے
اور طحاویکا قول رد ہے انیم عبد الکریم اسی طرح ہدایہ اور عالمگیری میں ہے۔ امیر علی جواب میں شک نہیں
احمد حسن بلاشک جواب صحیح ہے رحمت علی الجواب صحیح۔ عبد القادر ہمارے تمام حضرات جیسے مولانا شاہ
عبد العزیز مولانا محمد اسحٰق شاہ غلام علی صاحب شاہ ابو سعید صاحب مولانا رفیع الدین صاحب
وغیرہم کبھی بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیتے تھے حررہ المسکین قطب الدین
الدہلوی ھو المصوب اکثر وہ حدیثیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ بنی ہاشم کے لیے
حرام ہے اس بات پر صاف صاف دلالت کرتی ہیں کہ یہ حرمت کسی زمانہ کے ساتھ متقید نہیں ہے
طبرانی نے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لا یحل لکم یا

اهل البیت من الصدقات شئ انما هی غسالة الایدی ان لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم اے اہلبیت تمہارے لیے صدقات حلال نہیں ہیں کیونکہ وہ ہاتھوں کا دھوون ہی تمہارے لیے خمس الخمس ہی میں وہ ہے جو تمھیں غنی کر دیتا ہے بس اس عبارت اور اُنکی مثل عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کی علت وسخ اور غسالہ ہے اور یہ صفت صدقے کے ساتھ ہمیشہ رہیگا پس حرمت بھی ہر زمانے میں ہوگی اسی لیے ارباب متون و شروح معتبرہ نے حرمت کو کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے اور طحاوی شرح معانی الآثار میں حرمت کو روایتوں سے مدلل کرنیکے بعد لکھتے ہیں فهذه کلها قد جاءت تحریم الصدقة علی بنی هاشم ولا یعلم سبب نسخها ولا عارضها من الآثار وهو قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ بنی ہاشم پر حرام تھا اور اُسکے نسخ کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوا اور نہ کوئی اثر اُسکے معارض ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا ہے پس معلوم ہوا کہ حرمت کی علت تقرر خمس الخمس نہیں ہے تاکہ اُسکے جواز کا فتویٰ دیا جاوے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ تقرر خمس الخمس حرمت کی علت ہے جیسا کہ مجاہد اور وکیع کے قول سے معلوم ہوتا ہے کان رسول اللہ صلے اللہ علیه وعلی آله وسلم واهل بیته لا یاکلون الصدقة فجعل لهم خمس الخمس اخرجه ابن ابی شیبة والطبری حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ اور اُن کے اہل بیت صدقہ نہیں لیتے تھے پس اُن کے لیے خمس الخمس مقرر کیا گیا اسکو ابن ابی شیبہ اور طبری نے روایت کیا ہے تو بھی انحصار حرمت اس تقرر میں ثابت نہوگا بلکہ کہا جائیگا کہ صدقہ کا بنی ہاشم پر حرام ہونا دو وجہوں سے ہے ایک وسخ دوسرے تقرر خمس الخمس اور اس زمانے میں اگرچہ خمس الخمس نہیں ہے مگر وسخ موجود ہے پس ضروری ہے کہ حرمت کا حکم باقی رہیگا اور ان دونوں کے مجموعہ کو علت سمجھنا عقل اور نقل کے خلاف ہے بلکہ ہر ایک اُن میں مستقل ایک علت ہے اس سے معلوم ہوا کہ طحاوی نے جو یہ لکھا ہے روی عن ابی حنیفة انه قال لا باس بالصدقات کلها علی بنی هاشم حدثنی سلیمان عن ابیه عن محمد عن ابی یوسف عنه وذهب فی ذلك عندنا الی ان الصدقات انما کانت حرمت علیهم من اجل ما جعل لهم فی الخمس فلما انقطع ذلك عنهم حل لهم ما کان حرم علیهم فبهذا ناخذ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ بنی ہاشم کے لیے صدقات لینے میں حرج نہیں ہے بیان کیا مجھسے سلیمان نے اُنھوں نے روایت کیا نقل کرکے اپنے باپ سے اُنھوں نے نقل کیا محمد سے اُنھوں نے نقل کیا ابو یوسف سے اُنھوں نے امام صاحب سے اور وہ اس راہ میں اسی طرف گئے کہ صدقات کی حرمت کیوجہ خمس الخمس کا تقرر تھا اور اب وہ نہیں ملتا تو صدقہ حلال ہو جائیگا ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں۔ اعتبار کے قابل نہیں ہے اسی لیے معتبرین فقہا میں سے کوئی فقیہ مثلاً الیاسی زادہ اور قہستانی اور برجندی شرح نقایہ میں اور شرنبلالی مراقی الفلاح میں بجز قول طحاوی کے کہ فبهذا ناخذ اور کوئی دلیل ذکر نہیں کرتے کسی نے اس روایت کے لحاظ سے جواز صدقہ کا فتویٰ نہیں دیا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربه القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبه الجلی والخفی

واقعی اس زمانے میں بھی بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے رسائل الارکان میں ہے واما انہ لا یعطے الہاشمی فلما عن عبد المطلب بن ربیعۃ بن الحارث قال ان ربیعۃ بن الحارث قال لعبد المطلب بن ربیعۃ والفضل بن عباس اتینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم فقولا استعملنا علی الصدقات فاتی علی ونحن علی تلک الحال فقال ان رسول لا یستعمل احدا منکم علی الصدقۃ فقال عبد المطلب فانطلقت انا والفضل حتی اتینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال لنا ان ہذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وقال لا یحل لمحمد ولا لآل محمد رواہ النسائی ورواہ المسلم فی روایۃ اطول منہ ایضًا ولا یجوز صرف زکوۃ الی بنی ہاشم لما روی عن ابی ہریرۃ قال اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمرۃ الصدقۃ فجعلہا فی فیہ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کخ کخ ارم بہا اما علمت انا لا نحل لنا الصدقۃ رواہ الشیخان باقی رہی یہ بات کہ صدقات ہاشمی کو نہ دیے جاویں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث نے بیان کیا ہے کہ ربیعہ بن حارث نے عبد المطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس سے کہا کہ تم مجھے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجو اور تم دونوں اُنسے کہو کہ ہمیں صدقات پر عامل کر دیں پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور ہم اسی حال میں تھے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تم میں سے کسی کو صدقات پر عامل نہ کرینگے عبد المطلب کہتے ہیں کہ میں روانہ ہوا اور فضل میرے ساتھ تھے یہاں تک کہ ہم حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے سامنے حاضر ہوے تو آپنے فرمایا کہ صدقات لوگوں کے میل ہیں اور فرمایا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد رضی اللہ عنہم) کے لیے حلال نہیں ہیں اور بھی اسی میں ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اسوجہ سے جو اوپر ذکر ہوئی اور ابو ہریرہ کی اس روایت کی وجہ سے کہ حسن علیہ السلام بن علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ صدقہ کے کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھو تھو اسے پھینکدو کیا تمھیں یہ نہیں معلوم کہ ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اسے بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اسکو نسائی اور مسلم نے بروایت طویل روایت کیا ہے اور اس بارہ میں احادیث بکثرت ہیں حتی کہ تواتر معنے کا دعوی کیا جا سکتا ہے فتح القدیر میں ہے روی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ انہ یجوز فی ہذا الزمان صرف الزکوۃ الی بنی ہاشم وان کان ممتنعًا فی ذلک الزمان لظہور شدۃ الحاجۃ فیہم لا یعطیہم احد صلۃ وقد افتی بعض المتاخرین بہذہ الروایۃ وہذا کلہ خطأ وغلط لانہ مخالف للنصوص القاطعۃ یعنی ابو عصمہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس زمانے میں ممنوع تھا کیونکہ سادات بکثرت محتاج ہیں اور کوئی اُن کے ساتھ نیکی نہیں کرتا اور بعض متاخرین نے اس روایت پر فتوی دیا ہے لیکن یہ سب غلط و خطا ہے کیونکہ نصوص قطعیہ کے مخالف ہے واللہ علیم حررہ ابو الاحیا محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم فی الواقع اس زمانہ میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینے کی حرمت پر نص قطعی موجود ہے

مگر قدرت والے مسلمانوں کو سادات کی خدمت مالی نفلی صدقات سے کرتے رہنا چاہیے ابو الحیا محمد عبد الحلیم مرقوم
بالا مضمون متون فقہیہ کے موافق ہیں لہذا بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے واللہ اعلم خادم اولیاء
اللہ الصمد علی محمد اور شرح الیاس میں لکھا ہے کہ کسی نے طحاوی کے قول پر فتوی ہونیکو نہیں لکھا سوال
سادات غربا اور علماء اغنیا کو زکوٰۃ کا مال لینا جائز ہے یا نہیں جواب علماء اغنیا کو زکوٰۃ کا مال لینا بالاتفاق
حرام ہے اور سادات کو ایک روایت کے اعتبار سے درست ہے لیکن دلیل کا مقتضی یہی ہے کہ ہر زمانے میں سادات کو زکوٰۃ لینا حرام
بحر الرائق میں ہے اطلق الحکم فی بنی هاشم ولم یقید بزمان ولا بشخص للاشارة الی الرد علی روایة ابی عصمة عن
الامام انه یجوز الی بنی هاشم فی زمانه وللاشارة الی الرد علی روایة انه یجوز للهاشمی ان یدفع زکوته الی
مثله لان ظاهر الروایة المنع مطلقا مصنف نے بنی ہاشم کے متعلق عام حکم لکھا ہے کسی شخص اور کسی زمانہ کے ساتھ
مخصوص نہیں کیا ہے روایت ابو عصمہ کی تردید کیجانب اشارہ کرنے کے لئے کہ ہر زمانہ میں ہاشمی کو زکوٰۃ دیجا سکتی ہے
اور اس روایت کی تردید کے لئے کہ ہاشمی اپنے مال کی زکوٰۃ دوسرے ہاشمی کو دے سکتا ہے کیونکہ ظاہر روایت مطلقا منع
ہے رسائل الارکان میں ابو عصمہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے وهذا کله خطاء وغلط لانه مخالف للنصوص
القطعیة یعنی یہ سب غلط اور خطا ہے کیونکہ نصوص قطعیہ کے خلاف ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی
سوال ایک شخص کے پاس زر موجب زکوٰۃ تھا اور سال بھی تمام ہوا ہنوز اسنے زکوٰۃ نہیں دی تھی کہ وہ زر صرف ہو گیا
اس صورت میں سال گذشتہ کی زکوٰۃ اسکے ذمے ہے یا نہیں جواب ذمہ پر ہے خزانة الروایات میں عتابیہ سے منقول ہے
اذا هلك النصاب بعد الحول تسقط عنه الزکوٰة وان استهلکه ضمن الزکوٰة فی ذمته فالاستهلاك اخراج النصاب
من ملكه یعنی اگر نصاب حولان حول کے بعد ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو گئی اور اگر خود ہلاک کیا تو زکوٰۃ کا ذمہ دار ہے
کیونکہ ہلاک کر دینے سے نصاب کو اپنی ملک سے نکالنا ہے عبد الحی سوال گانے کی اجرت میں جو مال حاصل ہو اس سے
خمس و زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں جواب ایسا مال حرام ہے اور اللہ حرام مال کو قبول نہیں کرتا واللہ اعلم حررہ الراجی
عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبه الجلی والخفی

کتاب الحج

سوال الحج اشهر
معلومات کے معنے معتبرین سلف کے نزدیک کیا ہیں اور اس آیت میں حج سے فقط عمرہ مراد ہے یا حج
مع عمرہ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یوم الحج اور ایام تشریق ہی
تھے جواب میں یا اور ایام تھے واقعہ اصحاب فیل جس کا مجملاً تذکرہ قرآن شریف میں ہے کس مہینے اور کس تاریخ میں واقع
ہوا تھا دلائل شرعیہ سے بیان کیجئے جواب آیہ مذکورہ میں صرف حج مراد ہے اور عمرہ اس زمانے میں برخلاف
اعتقاد ارباب جاہلیت جائز ہے مگر اس آیت سے ثابت نہیں اسکا ثبوت دوسری جگہ سے ہے عن ابن مسعود
انه سئل عن العمرة فی اشهر الحج فقال الحج اشهر معلومات لیس فیهن عمرة یعنے ابن مسعود
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے حج کے مہینوں میں عمرے کے متعلق پوچھا گیا

تو آپ نے فرمایا کہ حج کے مقرر مہینے ہیں اُن میں عمرہ نہیں ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں یوم حج اور ایام تشریق یہی تھے جواب میں لیکن کفار کے بعض مہینوں کو بعض سے مقدم موخر کر دینے کی وجہ سے اُنکا حج غیر ذیحجہ میں واقع ہوتا تھا حاکم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے سنن میں مسور کی روایت سے نقل کیا ہے خطبنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفتہ فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال اما بعد فان ھذا الیوم یوم الحج الاکبر الا وان اھل الشرک والاوثان کانوا یدفعون من ھھنا قبل ان تغیب الشمس وانا ندفع بعد ان تغیب الشمس وکانوا یدفعون من المشعر الحرام بعد ان تطلع الشمس وانا ندفع قبل ان تطلع الشمس مخالفاً ھدینا لھدی اھل الشرک واخرج وکیع وعبد بن حمید عن عطاء قال کان اھل الجاھلیۃ اذا نزلوا منی تفاخروا بآبائھم فی مجالسھم فذلک قولہ تعالیٰ فاذکروا اللہ کذکرکم آبائکم او اشد ذکرا واخرج عبد الرزاق وابن المنذر وابو الشیخ عن مجاھد فی قولہ تعالیٰ انما النسیء زیادۃ فی الکفر قال فرض اللہ الحج فی ذی الحجۃ وکان المشرکون یسمون الاشھر ذو الحجۃ والمحرم وصفر وربیع وربیع وجمادی وجمادی ورجب وشعبان ورمضان وشوال وذو القعدۃ وذو الحجۃ ثم یحجون فیہ ثم یسکتون عن المحرم فلا یذکرونہ ثم یعودون فیسمون صفر ثم یسمون رجب جمادی الاخر الی ان یسمون المحرم ذی الحجۃ ثم یحجون فیہ فکانوا یحجون فی کل عام شہرا حتی وافق حجۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ من العام ذی القعدۃ ثم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ التی حج فیھا فوافق ذا الحجۃ فذلک حین یقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبتہ ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن خطبہ پڑھا یعنی خدا کی حمد و ثنا کی اُس کے بعد فرمایا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ حج اکبر کا دن ہے اہل شرک و بت پرست یہاں سے قبل غروب آفتاب رجوع کرتے تھے اور ہم بعد غروب آفتاب اور مشعر حرام سے وہ بعد طلوع شمس رجوع کرتے تھے اور ہم قبل طلوع شمس کیونکہ ہمارے ہدے اہل شرک کی ہدے کے مخالف ہے اور وکیع و عبد بن حمید کہتے ہیں کہ عطا نے کہا ہے کہ اہل جاہلیت جب منیٰ میں آتے تو اپنے آبا اور مجالس پر فخر کرتے تھے یہی معنی ہیں خدا کے قول فاذکروا اللہ کذکرکم کے ویساہی خدا کا ذکر کرو جیسا کہ تم اپنے آبا کا ذکر کرتے تھے اس سے زائد) اور آیہ انما النسیء کے تحت میں مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذیحجہ میں حج فرض کیا اور مشرکین مہینوں کے یوں نام رکھتے تھے ذوالحجہ محرم صفر ربیع ربیع جمادی جمادی رجب شعبان رمضان شوال ذوالقعدہ ذوالحجہ پھر ذی الحجہ میں حج کرتے اور محرم کو چھوڑ جاتے اور اُسکا ذکر نہ کرتے پھر لوٹتے اور اُسکا صفر نام رکھتے پھر رجب جمادی الآخر کو کہتے حتی کہ محرم کا نام ذی الحجہ رکھتے اور اُس میں حج کرتے اسیطرح وہ ہر سال ایک نئے مہینے میں حج کرتے یہانتک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج کفار کے سال کے اعتبار سے ذیقعدہ میں کفار کے مطابق

ہوا پھر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کیا وہ ذی الحجہ میں کفار کے مطابق ہوا یہ وہ حج تھا جس میں حضور نے خطبہ میں فرمایا تھا کہ زمانہ گھوم کر اپنی ہیئت پر آگیا ہے جس پر وہ پیدائش کے دن تھا۔ اسیطرح یہ بات بہت روایتوں سے ثابت ہے جیساکہ سیوطی نے درمنثور میں اسکو لبسط سے لکھا ہے۔ اور اصحاب فیل کا واقعہ سال ولادت باسعادت کے ماہ محرم میں واقع ہوا تھا محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں لما کان المحرم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بطن امہ علی الصحیح حضر ابرھۃ بن الصلاح الاشرم یرید ھدم الکعبۃ یعنی جب صحیح محرم کا مہینہ تھا اور حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا حمل مادری میں تشریف فرماتھے کہ ابرہہ بن صلاح اشرم کعبہ کو منہدم کرنے آیا تھا۔ اور یہی لکھا ہے ھی عام ولادتہ علی اصح الاقوال وھو قول الاکثر وقال مقاتل قبل مولدہ باربعین سنۃ وقال الکلبی بثلاث وعشرین وقیل بثلاثین وقیل بخمسین وقیل بسبعین ولیس غیر ذلک باعتبار قول اصح اصحاب فیل کا واقعہ سنہ ولادت نبوی میں ہوا تھا اور یہی اکثر لوگوں کا قول ہے اور مقاتل کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چالیس برس پہلے اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا اور کلبی کہتے ہیں تئیس سال پہلے ہوا تھا اور بعضوں نے پچاس سال پہلے کہا ہے اور بعضوں نے ستر اور بعضوں نے اور کچھ کہا ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال زید نے انتقال کیا اور اولاد بعض بالغ بعض نابالغ ہے اور زید نے اتنا ترکہ چھوڑا ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد ہر شخص اپنی جائداد کا حصہ فروخت کرکے حج کو جاکر واپس بھی آسکتا ہے مگر ترکہ تقسیم نہیں ہوا اس صورت میں جو ورثا بالغ ہیں ان پر حج واجب ہوگا یا نہیں در صورت عدم وجوب کے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ جو ان میں سے بالغ ہیں بقدر مصارف آمد ورفت وغیرہ کے جائداد مشترک فروخت کرکے حج کر آئیں اور یہ ارادہ کرلیں کہ مقاسمہ کے وقت اس قدر اپنے حصہ میں سے وضع دیں جواب اس صورت میں جو لوگ بالغ ہیں ان پر حج فرض ہے اور جب وہ مقاسمہ کے وقت مجرا دینے کا ارادہ کرلیں تو بقدر اپنے حصہ کے انکو بیع کا اختیار ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال کسب حرام جیسے گانا وغیرہ سے جو روپیہ بہم پہنچا ہو اس سے حج وغیرہ اعمال کرنا درست ہے یا نہیں جواب نہیں حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال اگر ذی الحجہ کی نویں تاریخ جمعہ کے دن ہو تو حاجیوں کو زائد ثواب ملتا ہے یا نہیں جواب فقہا اس باب میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ اس حج کا ثواب اور حج سے زائد ہے بحرالرائق میں ہے ونقل قیل اذا وافق یوم عرفۃ یوم جمعۃ غفر لاھل کل الموقف وانہ افضل من سبعین حجۃ فی غیر یوم الجمعۃ کما ورد فی الحدیث الشریف یعنی اور کہا گیا ہے کہ جب عرفہ جمعہ کو پڑے تو موقف کے لوگوں کے گناہ بخشدیے جائینگے اور یہ حج ان ستر حجوں سے افضل ہوتا ہے جو جمعہ کے سوا کسی اور دن میں ادا کیے جائیں جیساکہ حدیث شریف میں ہے

تمت

جلد دوم

ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

معلّم الفقہ

ترجمۂ اردو

مجموعۃ الفتاویٰ

جناب مولٰنا مولوی محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مترجمۂ

جناب مولوی برکت اللہ صاحب رضا لکھنوی فرنگی محلی

میر محمد کتب خانہ

آرام باغ، کراچی

فہرست استفتاہائے فتاوے جلد دوم

کتاب النکاح

باب المہر

کتاب الرضاع

باب الجہاز

کتاب الطلاق

باب التصرف

کتاب الربوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب النکاح

سوال گونگے کا نکاح کیونکر ہوگا جبکہ وہ تلفظ پر قادر نہین ہے **جواب** اگر اپنا مقصد اشارے سے کہتا ہے اور اشارے سے دوسرے کا مطلب سمجھتا ہے اور اُسکے اشارے مقرر اور معلوم ہین تو اُسکا نکاح اشارے سے منعقد ہوگا عالمگیری مین ہے کما ینعقد بالعبارۃ ینعقد بالاشارۃ عن الاخرس ان کانت اشارتہ معلومۃ یعنے نکاح جسطرح عبارت سے منعقد ہوگا اُسیطرح گونگے کے اشارے سے منعقد ہوگا جبکہ اُسکا اشارہ معلوم ہو **سوال** غلام یا لونڈی اگر خود اپنا نکاح کرے یا مالک کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نکاح کر دے تو اُسکا کیا حکم ہے **جواب** مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اُسنے اجازت دیدی تو نافذ ہوگا ورنہ باطل۔ عالمگیری مین ہے نکاح القن والمدبر وام الولد والمکاتب بلا اذن السید موقوف ان اجازہ المولی نفذ وان ابطل بطل کذا فی الوقایہ یعنی قن اور مدبر اور اُم ولد اور مکاتب کا نکاح اگر مالک کی بے اجازت ہو جائے تو مالک کی اجازت پر موقوف رہیگا اگر اُسنے اجازت دیدی تو نافذ ورنہ باطل ہوگا اسیطرح وقایہ مین ہے اور ردالمحتار مین ہے واطلق النکاح یشمل مالو زوج بنفسہ وزوجہ غیرہ یعنے نکاح کو مطلق رکھا ہے تاکہ اگر خود اپنا نکاح کرے یا کوئی دوسرا اُسکا نکاح کر دے تو ان دونون صورتون کو شامل ہو جائے **سوال** اگر کوئی شخص بازاری عورت سے ناجائز تعلق رکھتا ہے اور دونون تائب ہو کر نکاح کرنا چاہین تو کیا مرید ہونا بھی ضروری ہے **جواب** مرید

ہونا جواز نکاح میں ضروری نہیں ہے بلکہ دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول بالذات یا
بوساطت نائب کریں **سوال** اگر زید کی زوجہ نے زنا کیا تو نکاح باطل ہوگا یا نہیں **جواب**
نہیں کذا فی رحمۃ الامۃ فی الاختلاف الائمۃ **سوال** اگر نکاح کے وقت گواہ حاضر نہیں ہیں اور
زوج نے کہا کہ میں نے خدا اور رسول و ملائکہ کو گواہ کرکے نکاح کیا تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں **جواب**
نہیں تاتارخانیہ میں ہے رجل تزوج امرأۃ ولم یحضرہ شہود فقال خدا و رسول را یا فرشتگان را گواہ
کردم بطل النکاح وکفر النا کح لاعتقادہ ان الرسول والملائکۃ تعلم الغیب وتسمع النداء بلا ریب یعنے
اگر کسی مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور گواہ حاضر نہ تھے پس کہا میں نے خدا اور رسول یا خدا کے
فرشتوں کو گواہ کیا تو نکاح باطل ہوا اور نکاح کرنیوالا کافر ہوگیا کیونکہ اُسنے اس امر کا اعتقاد کیا کہ رسول اور
ملائکہ غیب داں ہیں اور بیشک آواز سنتے ہیں **سوال** متعہ کسے کہتے ہیں اور یہ جائز ہے یا نہیں **جواب** متعہ
اُسے کہتے ہیں کہ مرد کسی عورت سے کہے میں تجھسے اتنی مدت تک اتنی اُجرت پر فائدہ اُٹھاؤنگا اور یہ
اوائل اسلام میں مباح تھا پھر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ساتویں برس ایام جنگ خیبر
میں اسکی ممانعت فرمادی بخاریؒ اور مسلمؒ اور ترمذیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت نقل کی ہے
پھر آپنے فتح کرکے بعد سال وطاس (ایک وادی کا نام ہے جہاں حضورؐ نے غنیمت حنین کو تقسیم فرمایا تھا)
میں تین دن تک متعہ کی اجازت دی پھر ممانعت فرمادی اُسکو مسلم اور احمد وغیرہا نے روایت کیا ہے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر
ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
کرتے ہیں اپنی بیبیوں اور لونڈیوں کے سوا دوسروں سے کیونکہ ان دونوں کے متعلق اُنکو ملامت نہ
کیجائیگی اور جس نے اُسکے علاوہ کچھ خواہش کی وہ حد سے گزرنیوالا ہے ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ سے
روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہر شرمگاہ سوا منکوحہ اور جاریہ کی شرمگاہوں کے حرام ہوگئی
اسکو ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسکو صحیح بھی بتلایا ہے عن ابی
ملیکۃ قال سئلت عائشۃ عن متعۃ النساء فقالت بینی وبینکم کتاب اللہ فقرأت والذین ھم
لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء
ما زوجہ اللہ او ماملکہ فقد عدی ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ سے میں نے متعہ کے متعلق

پوچھا تو آپنے فرمایا کہ میرے اور تمھارے درمیان قرآن حکم ہی پس والذین ھم الایۃ کو پڑھکر کہا کہ اب جو اپنی بی بی اور لونڈی کے سوا کسی اور کی خواہش کرے اُسنے حد سے تجاوز کیا **سوال** ہدایہ میں مذکور ہی کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک متعہ جائز ہی یہ صحیح ہی یا نہیں **جواب** صحیح نہیں ہی ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں کہ حرمت متعہ میں کسی مجتہد نے اختلاف نہیں کیا ہی اور علامہ علی شیعی احقاق الحق میں لکھتے ہیں کہ علمائے اربعہ حکم متعہ میں اختلاف رکھتے ہیں اور خود امام مالک نے مؤطا میں بروایت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ لکھا ہی ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن اکل لحوم الحمر الانسیۃ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے اور شہری گدھوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے دن منع فرمایا ہی اور صاحب ہدایہ نے جو لکھا ہی وہ شمس الائمہ کے قول سے اخذ کیا ہی اور اکثر محققین نے اس باب میں اُن کی خطا ثابت کی ہی یہ معراج الدرایہ میں ہی والمذکور فی الھدایۃ والمبسوط سھو والمذکور فی کتب مالک حرمۃ نکاح المتعۃ وھو الصحیح ہدایہ اور مبسوط میں جو مذکور ہی وہ سہو ہی اور کتب امام مالک میں حرمت متعہ مذکور ہی اور وہی صحیح ہی عینی شرح ہدایہ میں ہی وقال الاکمل ھذا سھو فان المذکور فی کتب مالک حرمۃ نکاح المتعۃ وقال فی المدونۃ ولا یجوز النکاح الی اجل قریبا او بعیدا وان سمی صداقا وھذہ المتعۃ اکمل نے کہا ہی یہ غلطی ہی کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کی کتابوں میں حرمت متعہ مذکور ہی اور مدونہ میں ہی کوئی مدت قریبہ یا بعیدہ مقرر کرکے نکاح کرنا جائز ہی اگرچہ اُسکا نام صداق رکھا جائے لیکن بہر حال یہ متعہ ہی **سوال** کتب شیعہ امامیہ میں حرمت متعہ کی روایت پائی جاتی ہی یا نہیں **جواب** استبصار میں جو امامیہ کی معتبر کتاب ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہی قال حرم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لحوم الحمر الاھلیۃ ونکاح المتعۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری گدھے کا گوشت اور متعہ کو حرام کیا ہی اور تہذیب میں بھی حرمت متعہ کی روایت موجود ہے **سوال** حضرت ابن عباس رض سے جو جلیل القدر صحابی ہیں حلت متعہ منقول ہی اسکی کیا وجہ ہی **جواب** حضرت ابن عباس رض ہجرت سے ایک یا دو برس پہلے پیدا ہوے اور آٹھ بلکہ نو برس تک مکہ معظمہ میں رہے اور مکہ معظمہ میں احکام شرعیہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجری کے آٹھویں سال میں غزوۃ الفتح کے لئے مکہ پہونچے تو حضرت ابن عباس رض کو مع ذریات اور مستورات کے آپنے مدینہ منورہ بھیجدیا پس غزوۂ خیبر حضرت ابن عباس رض کے مدینے میں آنے سے چند برس پہلے ہو چکا تھا اور غزوۂ اوطاس فتح مکہ کے بعد اُسکے متصل اُنکی غیبت میں واقع ہوا اُنھوں نے اِن دونوں کے حالات بچشم خود نہیں دیکھے لوگوں سے

جو کچھ سن لیا سن لیا اور جن نو برس حضرت ابن عباسؓ نے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی خدمت کی ہو اور آپ سے استفادہ حاصل کیا ہو اُس مدت میں کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جس میں حضور حکم حرمت متعہ کو پھر بیان فرماتے اسیوجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے خود حضورؐ سے اِس مقدمہ میں کوئی اطلاع نہیں پائی اور زمانہ فاروقی میں جبکہ یہ مسئلہ بحوث عنہا ہوا حضرت ابن عباسؓ نے آیہ حرمت پائی اور اباحت غزوہ اوطاس کو ضرورت اور حاجت پر محمول کیا اور دوسرے حکم تحریم کو جو بعد تین دن کے واقع ہوا تھا ارتفاع ضرورت کیوجہ سے انقطاع رخصت پر حمل کیا نہ تحریم مؤبد پر **سوال** اگر ہندہ اور زید میں ایجاب وقبول ہوا اور ہندہ نے قَبِلْتُ یا قبول کردم کہا اور گواہوں نے دونوں کا کلام ایک ساتھ سنا مگر ہندہ اس لفظ کے معنی نہیں جانتی اور یہ بھی نہیں جانتی کہ اس لفظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے پس نکاح منعقد ہوگا یا نہیں **جواب** منعقد ہوگا نقایہ اور اُسکی شرح قہستانی میں ہے ینعقد بایجاب وقبول لفظہما ماض کزوجت وتزوجت اوامر وماض کزوجنی فقال زوجت وان لم یعلما معناہ ای معنی لفظہما سواء کان عربیا او عجمیا وسواء علما انہ ما انعقد بالنکاح اولا وھذا فی الحکم واما فیما بینہ وبینہ تعالیٰ فلا ینعقد ان لم یعلما انہ ما ینعقد بہ کما فی قاضیخان لکنہ مما اختلف فیہ المشائخ کما فی الخزانۃ وذکر فی العمادی انہ لا یصح عقد من العقود اذا لم یعلما معناہ وقیل یصح الجمیع وقیل ان کان مما یستوی جدہ وھزلہ یصح کالنکاح والا فلا کالبیع انتہی یعنی نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے الفاظ ایجاب وقبول بصیغہ ماضی ہوں جیسے زوجت اور تزوجت یا ایک امر اور دوسرا ماضی ہو جیسے زوجنی اور زوجت اگرچہ طرفین کو ان الفاظ کے معنے نہ معلوم ہوں خواہ الفاظ عربی ہوں یا عجمی اور خواہ اُنکو اسکا علم ہو کہ اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہو یہ حکم شرعی اور قضاء قاضی کا معاملہ ہے لیکن عند اللہ اگر وہ نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے تو نکاح منعقد نہوگا جیساکہ قاضی خاں میں ہے لیکن اس معاملہ میں مشائخ کا اختلاف ہے جیساکہ خزانہ میں ہے اور عمادی میں ہے کہ کوئی عقد صحیح نہیں ہے تا وقتیکہ طرفین الفاظ کے معنے نہ جانتے ہوں اور بعضوں کے نزدیک تمام عقد درست ہو جاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک اگر عقد ایسا ہو کہ واقعہ اور مذاق دونوں سے نافذ ہو جاتا ہو تو صحیح ہوگا جیسے نکاح ورنہ نہیں جیسے بیع **سوال** زید مرگیا اور اُسکی زوجہ اُسی مکان میں عدت بیٹھی ہے جہاں زید کے مرتے وقت تھی پس بعذرورت یا بلا ضرورت وہ اُس مکان کے بیرونی حصہ میں اپنے خود یا اپنے شوہر کے اور عزیزوں کے یہاں جا سکتی ہے یا نہیں اور اُسکو اپنے مکان مسکونہ سے حرکت کرنا جائز ہے یا نہیں

اگر جائز ہی تو پیادہ جائے یا سواری پر اور اپنے عزیزوں کے مکان میں رات بھر رہنا جائز ہی یا نہیں اگر جائز ہی تو کے گھنٹے اپنے مکان سے علیحدہ رہ سکتی ہی پوری تفصیل سے مطلع فرمائیں اور جو کچھ ممنوعات شرعی ہوں جیسے حرکت سکون ظاہری زیبائش سرمہ حنا وغیرہ سب مصرح تحریر فرمائیے **جواب** معتدہ طلاق یا موت دونوں کو اُس مکان سے باہر جانا جائز نہیں ہی جہاں اُسپر عدت واقع ہوئی ہی مگر انہدام مکان یا خوف انہدام مکان یا تلف مال کی ضرورت کیوجہ سے یا جس مکان میں وہ ہی اُسکا کرایہ دینے کی قدرت نہو اوران ضرورتوں سے جب باہر جائے تو اقرب مکان میں جائے اور مکان کے اُس صحن میں جہاں اغیار رہتے ہوں نہ نکلے اور زینت کو ترک کرے یعنی زیور اور معصفر اور مزعفر نہ پہنے اور عطر اور تیل اور سرمہ اور حنا کا استعمال نہ کرے اور مہین کپڑے نہ پہنے لیکن اگر بضرورت ان اشیاء کا استعمال کرے تو کچھ حرج نہیں ہی ایسا ہی درمختار اور عالمگیری اور بحر الرائق وغیرہ میں ہی واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد **ہوالمصوب** معتدہ کو لازم ہی کہ مکان سکونت سے باہر نجائے لیکن جب مکان کے گرنے یا مال کے تلف ہونیکا خوف ہو یا مکان مسکونہ کا کرایہ نہ دے سکے دراں حالیکہ اسکا شوہر جس نے طلاق دی ہی غائب ہو یا کہیں معاش وغیرہ کی فکر میں ہو مگر بغیر ضرورت باہر نکلنا جائز نہیں ہی یہانتک کہ اگر صحن مکان میں اغیار رہتے ہوں تو وہاں بھی جانا درست نہیں اور بیرون مکان اگر غیر کی سکونت سے خالی ہو اور مسکون مکان سے اُسکا تعلق ہو تو وہاں نکلنا درست ہی ورنہ نہیں اور معتدہ کو ترک زینت لازم ہی اور اپنے خود یا اپنے شوہر کے عزیزوں کے گھر بلا ضرورت نہ جائے کذا فی النہر الفائق۔ والتبیین یعنی معتدۃ الطلاق اپنے گھر سے نہ نکلے اور رجعی یا بائن طلاق دی ہوئی کو اپنے گھر سے رات یا دن میں نکلنا نہ چاہیئے کیونکہ ارشاد ہی ولا تخرجوھن من بیوتھن الخ اور عدت وفات والی عورت دن کو اور رات کے کچھ حصہ میں نکل سکتی ہی کیونکہ وہ خرچ کی محتاج ہی اُسکا خرچ دینے والا مرگیا اور طلاق کی عدت گزارنے والی کا خرچ طلاق دینے والے کے ذمہ ہی لہذا اُسکو نکلنے کی ضرورت نہیں ہی واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** زید نے اختلاط کے وقت قصداً اپنی زوجہ کے پستان منہ میں رکھ لیے اور دودھ اسکے حلق سے اُتر گیا تو کیا زوجہ اُسپر حرام ہوگئی **جواب** حرام نہیں ہوئی خزانۃ الروایۃ میں ہی فی الخانیۃ اذا مص الرجل ثدی امراتہ وشرب لبنہا لم تحرم علیہ لما قلنا انہ لا رضاع بعد الفصال یعنی خانیہ میں ہی اگر کسی شخص نے اپنی بی بی کے پستان کو چوسا اور دودھ پی گیا تو وہ اُسپر حرام نہیں

ہوئی کیونکہ ہمنے کہا ہو دودھ چھڑانے کے بعد پھر رضاعت نہیں ہو واللہ اعلم حررہ الراجی غفر اللہ القوی ابوالحسنات عبدالحی **سوال** ایک شخص نے فریب اپنے کو سُنی ظاہر کرکے سُنی عورت کے ساتھ شادی کی بعد کو جب عورت اُسکے رفض پر واقف ہوئی تو اُسکی صحبت سے اُسنے نفرت کی اب عورت اپنے کام کی مالک ہے یا نہیں **جواب** جب عورت پر اُسکا خلاف ظاہر ہوا جو اُس مرد نے ظاہر کیا تھا تو اب عورت اپنے نفس کی مالک ہے حصکفی نے درمختار میں کہا ہو قلت وافاد البهنسی انه لو تزوجته علی انه حر او سنی او قادر علی مهر او النفقة فبان بخلاف او علی انه فلان بن فلان فاذا هو لقیط او ابن زنا کان لها الخیار فلیحفظ درمختار میں کہتا ہوں اور بہنسی نے بھی یہی کہا ہو کہ اگر کسی عورت نے کسی مرد سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ آزاد یا سُنی یا مہر اور نفقہ پر قادر ہو پھر اُسکے خلاف نکلا یا اس شرط پر کہ وہ فلاں بیٹا فلاں کا ہے اور وہ لقیط یا حرامی نکلا تو عورت کو اختیار ہو واللہ اعلم حررہ محمد محفوظ اللہ من لحفا والقاضی محمد ستار اللہ الپانی پتی جواب صحیح ہو کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط شرط کے فوت ہوجانے سے مشروط فوت ہوجاتا ہو اسکی دلیل ہو جب وہ رافضی ثابت ہوگیا تو عورت کے لئے خیار ثابت ہوگیا حررہ سید محمد نذیر حسین محمد عبدالرب عبد محمد قطب الدین خاں محمد لطف اللہ الجواب صحیح کتبہ محمد عبدالغنی **ہوالموفق** ایسے شخص کیساتھ عورت کا نکاح دو وجہوں سے صحیح نہیں ہوسکتا (۱) شخص مذکور کے کفر کیوجہ سے جیساکہ اکثر فقہا اور متکلمین روافض کے کفر کے قائل ہیں جیسے صاحب فتاوی ظہیریہ و خلاصہ و قنیہ و عالمگیری و جامع الرموز و درمختار و رد المحتار و فتح القدیر وغیرہ اور اگر کسی کے ذہن میں یہ خطرہ گزرے کہ کتب عقائد میں موجود ہو لا تکفر احدا من اهل القبلة اہل قبلہ میں سے کوئی ایک بھی کافر نہیں ہے۔ اور روافض اہل قبلہ ہیں اُنکو کافر کیونکر کہہ سکتے ہیں تو علامہ خیالی نے اپنے حاشیہ میں اور مولانا عبدالعزیز دہلوی نے اپنے فتاوے میں اور استاذ الاستاذ مرزا حسن علی محدث لکھنوی نے اپنے جوابوں میں اور علامہ ابوشکور سلمی نے تمہید میں اسکا جواب دیا ہو اور لکھتے ہیں (۱) کہ ایمان شرعا عبارت ہو جمیع احکام دین و ضروریات شرع سے اسطرح پر کہ جزم حاصل ہو اور اسلام عبارت ہے انقیاد سے نہ مجرد کلمہ کے تلفظ سے کیونکہ جمیع احکام شرع کی تصدیق کا نام ایمان ہو پس ایک جزو کا ترک کرنا بھی عدم ایمان ہو اور چونکہ ایمان اور کفر کے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہو پس عدم ایمان کفر ہوگا اور یہ باتیں روافض کے مذہب میں پائی جاتی ہیں اور اگر بفرض محال کسی کو روافض کے کفر میں شک ہو تو مبتدع فاسق ہونے میں کوئی کلام نہوگا (۲) مبتدع ہونے کی وجہ سے کیونکہ مبتدع اور فاسق سنیہ کا کفو نہیں ہو درمختار میں ہو فلیس فاسق کفو

الصالحة وفی الطحطاوی لمبتدع فانہ لیس بکفو الفاسق یعنی فاسق صالحہ کا کفو نہیں ہے طحطاوی میں ہے
مبتدع فاسق کا کفو نہیں ہے اور جامع الرموز میں ہے لو کان مبتدعا والمرأۃ سنیۃ لم یکن کفوء لہا کما فی التتمہ
اگر مرد مبتدع ہے اور عورت سنی تو وہ اسکا کفو نہیں ہے جیسا کہ تتمہ میں ہے جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مبتدع
سنیہ کا کفو نہیں ہے تو عقد مذکور بھی صحیح نہیں ہوا اور یہی فقہا کا مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ کفایہ
میں ہے امرأۃ لو زوجت نفسہا من غیر کفوء یصح ولکن للاولیاء حق الاعتراض وروی الحسن
عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقد وبہ اخذ کثیر من مشایخنا وقال شمس الائمۃ السرخسی ھذا
اقرب الی الاحتیاط فلیس کل ولی یحسن المرافعۃ الی القاضی ولا کل قاض یعدل یعنی اگر کسی عورت نے
غیر کفو کیساتھ اپنی شادی کرلی تو صحیح ہے لیکن اولیا کو حق اعتراض ہے اور حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت
کی ہے کہ نکاح منعقد نہوگا اور اسی سے ہمارے بہت سے مشائخ نے اخذ کیا ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے کہا
ہے کہ یہ اقرب الی الاحتیاط ہے کیونکہ ہر ولی قاضی تک معاملے کے لیجانیکو پسند نہ کریگا اور نہ ہر قاضی اسمیں
عدل سے کام لیگا اور فتاوی کافوری میں ہے امرأۃ زوجت نفسہا بغیر اذن ولیہا فان کان الزوج
کفوأ صح النکاح والا لا یصح ھو المختار یعنی ایک عورت نے ولی کی بے اجازت اپنی شادی کرلی
پس اگر زوج کفو ہے تو عقد صحیح ہے ورنہ نہیں اور یہی مذہب مختار ہے اور تعلیق الانوار حاشیہ درمختار میں قولہ
ھی حق الولی کے تحت میں ہے ای فلہ الاعتراض فی غیر الکفوء دفعا للعار عنہ ولو غیر محرم کابن العم
ولکن التفریق یتوقف علی القضاء فی ظاہر الروایۃ وتقدم ان روایۃ عدم النفاذ ھی المفتی بہا انتھی یعنی
ولی غیر کفو سے شادی کرنے پر اعتراض کرسکتا ہے اپنے سے عار کے دفع کرنے کے لئے اگرچہ وہ غیر محرم ہو
مثلاً چچازاد بھائی لیکن تفریق قضای قاضی پر موقوف ہے ظاہر روایت میں لیکن یہ اوپر معلوم ہوچکا
کہ عدم نفاذ ہی کی روایت پر فتویٰ ہے اور درمختار میں ہے تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح کفو ہونا لزوم نکاح
میں معتبر ہے اور طحطاوی قولہ للزوم النکاح کے تحت میں لکھتے ہیں ھذا علی ظاہر المذہب وقد افتی بہ
یہ ظاہر مذہب کے لحاظ سے ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور رد المحتار میں للزوم النکاح کے تحت میں ہے ای علی
ظاہر الروایۃ ولصحتہ علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتوی یعنی بر ظاہر روایت اور صحت نکاح میں معتبر ہے
بر روایت حسن جس پر فتویٰ دیا گیا ہے اور دوسری جگہ لکھا ہے قولہ الکفاءۃ معتبرۃ قالوا معناہ معتبرۃ فی اللزوم
حتی ان عند عدمہا جاز للولی الفسخ ۔ فتح ۔ وھذا بناء علی ظاہر الروایۃ من ان العقد صحیح والولی الاعتراض

اما علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتویٰ من انہ لا یصح فہو للصحۃ یعنی فقہانے کہا ہے کہ کفاءت لزوم میں معتبر ہے یہانتک کہ اگر کفاءت نہو تو ولی کو فسخ نکاح کا حق ہے یہ فتح میں ہے اور یہ ظاہر روایت پر مبنی ہے کہ عقد صحیح ہے اور ولی کو اعتراض کا حق ہے لیکن حسن کی روایت پر جو مفتی بہ ہے نکاح صحیح نہوگا تو کفاءت شرط صحت ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ عقد مذکور صحیح اور منعقد نہیں ہوا تو اب عورت کو اختیار ہے کہ جس کیساتھ چاہے نکاح کرلے واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد **ہو المصوب** پہلا جواب سوال کے مطابق نہیں ہے کیونکہ سائل یہ سوال نہیں کرتا ہے کہ سُنیہ کا نکاح رافضی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں بلکہ پوچھتا ہے وہ عورت اپنے کام کی مالک ہے یا نہیں اور مجیب نے اگرچہ مالک ہونے کا جواب دیا ہے مگر درمختار کی عبارت جواب کے مطابق نہیں ہے کیونکہ کان لہا الخیار کا یہ مطلب ہے کہ عورت کو تفریق کا اختیار ہے کہ حاکم کے سامنے مرافعہ کر کے مفارقت کر لے اور ایسی عبارتیں انھیں معنوں میں مستعمل ہوتی ہیں نہ اس معنی میں کہ نکاح نافذ نہیں ہے اور دوسرا جواب غلط ہے کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط کا قاعدہ معاملات میں ہے نہ نکاح میں علامہ عبد المولی دمیاطی شاگرد طحطاوی تعلیق الانوار میں کہتے ہیں کہ قولہ کان لہا الخیار اس میں یہ اعتراض ہے کہ جو کچھ ذکر ہوا وہ شرط ہے کہ جسکو عقد مقتضی نہیں لہذا نکاح صحیح ہے اور شرط باطل اور اگر یہ کہیں کہ شوہر نے دھوکا دیا تو دھوکا رجوع کو مستلزم نہیں اور تیسرا جواب بھی مناسب مقام نہیں ہے کیونکہ گو صاحب ظہیریہ وغیرہ نے سب شیخین کیوجہ سے روافض کے کفر کا حکم دیا ہے مگر اصح اسکے خلاف ہے چنانچہ ابوشکور سلمی اور ملا علی قاری وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے من انکر ضروریات الدین کفر ومن لم ینکر لا یعنی جسنے ضروریات دین کا انکار کیا وہ کافر ہے اور جسنے ضروریات دین کا انکار نہ کیا وہ کافر نہیں ہے پس بغیر اس تحقیق کے کہ وہ ضروریات دین کا منکر ہے یا نہیں کفر کا حکم لگا دینا مناسب نہیں ہے ہاں دوسری وجہ صحیح ہے کہ رافضی مبتدع اور فاسق ہیں اور فاسق صالحہ کا کفو نہیں ہے اور غیر کفو سے نکاح نافذ نہیں ہوتا روافض کا فسق ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اور صاحب فتح القدیر وغیرہ نے ثابت کیا ہے اور فاسق صالحہ کا کفو نہیں ہے اسکی تصریح نقایہ اور مجمع البحرین اور ملتقی الابحر وغیرہ میں ہے بلکہ جمہور فقہا اسکے قائل ہیں کہ فاسق صالحہ کا کفو نہیں ہے اور غیر کفو کیساتھ عدم نفاذ نکاح بحر الرائق اور مجمع الانہر وغیرہ میں بصراحت موجود ہے واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبد الحی **سوال** باوجود علم کے عنین کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں

جواب جائز ہے بحر الرائق میں ہے استفید من وضع المسألة ان تمام العنین صحیح فان علمت به وقت النکاح فلا خیار لها کما لو علم المشتری بعیب المبیع وان لم تعلم به وعلمت بعد کان لها الخصومة وان طال الزمان کما فی الخانیة اس مسئلہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عنین کا نکاح صحیح ہے اگر اسکا علم نکاح کے وقت ہوا تو عورت کو خیار نہیں ہے جیسا کہ اگر مشتری کو مبیع کا عیب معلوم ہوا اور اگر اسوقت علم نہیں ہوا بلکہ بعد کو علم ہوا تو اُسے خصومت کا حق ہے اگرچہ زمانہ زائد گزر گیا ہو جیسا کہ خانیہ میں ہے حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اُس مرد کے ایک لڑکا پہلی زوجہ سے ہے تو اُس لڑکے کا نکاح اس عورت کی بہن کے ساتھ جو اس رشتہ سے اُس لڑکے کی خالہ ہوتی ہے شرعاً درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** ایک شخص اور اسکی ہمشیرہ اور زوجہ اور والدہ زوجہ ایک تنگ تاریک مکان میں سوتے تھے اتفاقاً وہ شخص جاگا اور اپنے کو پُرشہوت پاکے اپنی ہمشیرہ کو اسلئے اُٹھانے لگا کہ وہ اُسکی زوجہ کو جگادے ناگاہ اُسکا ہاتھ زوجہ کی ماں کی ران پر پڑ گیا اور بدن کی حرارت بھی محسوس ہوئی فوراً اُسنے ہاتھ کھینچ لیا اس صورت میں مس ثابت ہوا یا نہیں اور شرعاً مس کی حد کیا ہے آیا حالت مس میں ایک یا دو تین انگشت کے لگنے سے بھی یا تمام اُنگلیوں مع کچھ ہتھیلی کے لگنے سے عورت ممسوسہ اور اسکے اصول و فروع نزدیک امام اعظمؒ کے سب حرام ہوگئے یا نہیں بینوا توجروا۔ اور اسکی زوجہ اُسپر حرام ہوئی یا نہیں **جواب** زوجہ حرام ہوگئی اُسکا ترک کرنا لازم ہے درمختار میں ہے قبل ام امرأته حرمت علیه امرأته ما لم یظهر عدم الشهوة وفی المس لا تحرم ما لم تعلم الشهوة یعنے جسنے اپنی زوجہ کی ماں کا بوسہ لیا اُسپر اُسکی زوجہ حرام ہوگئی جب تک کہ عدم شہوت ظاہر نہو اور مس سے حرام نہیں ہوتی جب تک شہوت معلوم نہو اور بھی اسی میں ہے ولا فرق بین اللمس والنظر بشهوة بین عمد ونسیان وخطاء واکراه یعنے چھونے اور بنظر شہوت دیکھنے میں عمد و نسیان و خطا و اکراہ کی صورت میں کچھ فرق نہیں ہے حررہ الراجی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** (۱) سُنی کو اپنے لڑکے یا لڑکی کا نکاح شیعہ کیساتھ کرنا جائز ہے یا نہیں اور نہ جائز ہونیکی صورت میں اگر عقد ہوچکا ہے تو کیا حکم ہے (۲) مذاہب اہل تشیع و سنت و جماعت میں ارکان نماز و کلمہ و طریقہ میں اتفاق نہیں ہے تو ایسی حالت میں خورد و نوش بشمول اہل تشیع جائز ہے یا نہیں **جواب** شیعوں کے بعض فرقے کافر ہیں اُنسے مناکحت و مواکلت و مجالست جائز نہیں۔ مثل اُن فرقوں کے جو کہتے

ہیں علیؓ خدا تھے یا جبرئیل نے خطا کی یا علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے اور ایسے ہی جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور بعض فرقے فاسق ہیں جیسے شیخین کو گالی دینے والے اُنسے مناکحت وغیرہ درست ہے مع الکراہت رد المحتار میں ہے الرافضی ان کان یعتقد الالوھیۃ فی علی وان جبرئیل خطأ وغلط الوحی او کان ینکر صحبۃ الصدیق فھو کافر لمخالفتہ القواطع المعلومۃ فی الدین بخلاف ما اذا کان یفضل علیا او یسب الصحابۃ فانہ مبتدع لا کافر یعنی رافضی اگر الوہیت حضرت علیؓ اور خطای جبرئیل کا قائل ہو یا صحبت حضرت صدیقؓ کا منکر ہو تو کافر ہے کیونکہ اُسنے قطعیات کی مخالفت کی برخلاف اسکے اگر حضرت علیؓ کو افضل جانتا ہو اور صحابہ کو گالیاں دیتا ہو تو مبتدع ہے کافر نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** ہندہ سنیہ نے اپنا عقد زید شیعہ کے ساتھ کیا اور صیغہ عقد بطریق اہل تشیع جاری ہوا پھر مواصلت و مباشرت کے بعد ہندہ زید سے اجازت لیکر اپنی ماں کے یہاں گئی اور بیٹھ رہی اور مہر معجل کی خواہاں ہے زید کو اُسکے خراب ہو جانیکا خوف ہے اس صورت میں زید اپنے مذہب کے موافق اسکو مہر معجل ادا کرنے سے پہلے لا سکتا ہے جیسا کہ صاحب شرائع الاسلام لکھتے ہیں و لھا ان تمتنع من تسلیم نفسھا حتی تقبض مھرھا سواء کان الزوج موسرا او معسرا وھل لھا ذلک بعد الدخول قیل نعم وقیل لا وھو الاشبہ لان الاستمتاع حق لزم بالعقد یعنے عورت کو حق حاصل ہے کہ اپنے کو شوہر کے سپرد نکرے تا وقتیکہ اُسکا مہر نہ ادا کیا جائے برابر ہے کہ شوہر مالدار ہو یا غریب اس میں اختلاف ہے کہ یہ اختیار اسکو دخول کے بعد بھی ہے یا نہیں تو بعضوں کے نزدیک ہے اور بعضوں کے نزدیک نہیں ہے اور یہی اشبہ ہے کیونکہ حق استمتاع عقد ہی سے ثابت ہو جاتا ہے اور ہدایہ سے جو سنیوں کی معتبر کتاب ہے اختلاف ثابت ہوتا ہے جیسا کہ لکھا ہے وللمرأۃ ان تمنع نفسھا حتی تاخذ المھر وتمنعہ ان یخرجھا ولو کان المھر کلہ مؤجلا لیس لھا ان تمنع نفسھا لاسقاطھا حقھا بالتاجیل کما فی البیع وفیہ خلاف ابی یوسف وان دخل بھا فکذلک عند ابی حنیفۃ وقالا لیس لھا ان تمنع نفسھا یعنے عورت کو اسکا حق ہے کہ اپنے کو شوہر کے سپرد نکرے اور شوہر کو باہر لیجانے سے روکے تا وقتیکہ اُسے مہر نہ ملجائے اور اگر مہر مؤجل ہو تو اُسے یہ حق نہیں ہے کیونکہ تاجیل سے اُسنے اپنا حق کھو دیا جیسا کہ بیع میں اور اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے اور اگر مرد اُسکے ساتھ صحبت کر چکا ہے تو بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اُسے حق ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں ہے اور زید نے رجوع بعدالت

کی ہے پس اس صورت میں حاکم عدالت کو کیا تصفیہ کرنا چاہیئے آیا موافق مذہب شیعہ کے کہ صیغۂ عقد اسی طریق پر جاری ہوا ہے اور شوہر ہندہ بھی شیعہ ہے ہندہ کو قبل ادا کرنے مہر معجل کے لا سکتا ہے یا موافق مذہب اہل سنت و جماعت کے مفصل لکھیے **جواب** اس صورت میں شوہر ہندہ ہندہ کو مہر معجل ادا کرنے سے پہلے لا سکتا ہے بحر الرائق میں ہے اذا وطیہا او خلا بہا برضاها فیہ خلاف قال ابو حنیفۃ لہا ان تمنع نفسہا وخالفاہ وفی شرح الجامع الصغیر للبزدوی کان ابو القاسم الصفار یفتی فی المنع بقول ابی یوسف و محمد فی السفر بقول ابی حنیفۃ ثم قال وہذا حسن فی الفتیا یعنی الذی لا یمنع نفسہا ولو امتنعت لا نفقۃ لہا ولا یسافر بہا ولہا الامتناع منہ لطلب المہر ولہا النفقۃ کذا فی غایۃ البیان یعنی جب زوجہ کے ساتھ اسکی رضامندی سے وطی کی یا خلوت کی تو اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اسے حق ہے کہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد نہ کرے اور صاحبین اسکے خلاف ہیں بزدوی کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ ابو القاسم صفار منع میں صاحبین کے قول پر اور سفر میں امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوی دیتے تھے اور یہی فتوے کے لئے مناسب ہے یعنی زوجہ زوج کو صحبت سے نہیں روک سکتی اور اگر ایسا کرے تو اُسے نفقہ نہ ملیگا البتہ اگر چاہے تو اسکے ساتھ سفر نہ کرے اور اُسے سفر سے بغرض طلب مہر روکدے اس صورت میں اُسے نفقہ ملے گا یہ غایۃ البیان میں ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** ایک شخص نے اپنی برادری کے لوگوں کو شرکت نکاح کی دعوت دی چنانچہ لوگ جمع ہو گئے اُسنے فیمابین لوگوں کے سامنے دادم اور پذیرفتم سے ایجاب قبول کیا تو مذہبا امام ابو حنیفہؒ میں یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور وہ عورت مرد کی منکوحہ ہوئی یا نہ ہوئی **جواب** فقہا کا اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور بعضوں کے نزدیک جب تک لے ور الفاظ بھی (مثلا بزنی دادم) لحق نہوں نکاح منعقد نہیں ہوتا پس مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ الفاظ صریحہ سے نکاح کیا جائے خزانۃ الروایات میں ہے فی الغیاثیۃ سئل نجم الدین النسفی عن قال لرجل دختر خویش فلانہ بمن دادی گفت دادم دی گفت پذیرفتم او قال لامرأۃ خویشتن بمن دادی او قال دہ فقال دادم فقال ہو پذیرفتم ہل ینعقد النکاح فیہ اختلاف المشائخ عند بعض لا ینعقد حتی یقول بزنی دادم وعند بعض یکون نکاحا بدون ذکر ذلک وہو الاصح لان لفظ الاعطاء ینبئ عن التملیک والنکاح بلفظ الہبۃ جائز عندنا فی

وفی الجمع النوازل عن نجم الدین النسفی ان قوله دختر خویش مرادادی اوبمن د لابد ان یقول بزنی ده ویقول الاخر بزنی وادم فاما بدون ذلک لاینعقد النکاح عند بعضهم وعند بعضهم ینعقد فلا بد من هذہ الزیادۃ لتصیر المسئلۃ متفقا علیہا انتہی عیانیہ میں ہی کہ نجم الدین نسفی سے پوچھا کیا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا دختر خویش فلانہ بمن دادی اسنے کہا دادم پھر اسنے کہا پذیرفتم یا ایسی عورت سے کہا خویشتن بمن دادی یا خویشتن بمن دہ اسنے کہا دادم پھر اسنے کہا پذیرفتم تو نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں انھوں نے جواب دیا کہ اسمیں مشائخ کا اختلاف ہی بعضوں کے نزدیک تا وقتیکہ بزنی دادم نہ کہے نکاح منعقد نہوگا اور بعضوں کے نزدیک بغیر یہ کہے ہوے ہوجائیگا اور یہی اصح ہی کیونکہ لفظ عطا سے تملیک ثابت ہوتی ہی اور ہمارے نزدیک تملیک سے نکاح جائز ہی اور جامع المضمرات شرح مختصر قدوری میں نسفی سے نقل کیا ہی جس شخص نے دوسرے سے گواہوں کی موجودگی میں کہا دختر خویش بمن دادی اور اسنے کہا دادم تو نکاح منعقد ہوجائیگا کیونکہ لوگوں میں اس لفظ سے تزویج رائج ہی اگرچہ نکاح کا استعمال نکیا جائے کیونکہ ہمارے نزدیک نکاح لفظ ہبہ سے منعقد ہوجاتا ہی امام شافعی کو اس میں اختلاف ہی اور مجمع النوازل میں نجم الدین نسفی سے نقل کیا ہی کہ دختر خویش مرادادی یا بمن دہ کے ساتھ بزنی دہ کہنا ضروری ہی اور اسیطرح دوسرے کو بزنی وادم کہنا چاہیئے اسکے بغیر بعضوں کے نزدیک نکاح منعقد نہیں ہوتا اور بعضوں کے نزدیک ہوجاتا ہی اسلیئے یہ لفظ بڑھا لینا چاہیئے تاکہ مسئلہ متفق علیہ ہوجائے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** بیوہ عورت کا نکاح کسی حالت میں ایام عدت میں ہوسکتا ہی یا نہیں اور اگر کسی نے ایسا کرلیا تو ناکح اور منکوحہ کیسے گنہگار ہونگے اور اس سے توبہ کیونکر کیجائے اور ایسی محفل میں شریک ہونا اور نکاح پڑھنا گناہ ہے یا نہیں

جواب حالت عدت میں کسی طرح سے نکاح درست نہیں ہی اور نص قرآنی اسکی حرمت ثابت ہی قال اللہ تعالی ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ اللہ تعالی فرماتا ہی اسوقت تک نکاح کا قصد نکرو جب تک کتاب کی مقرر کی ہوئی عدت پوری نہوجائے۔ اس فعل کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اسپر اسیطرح توبہ لازم ہی جس طرح کبائر سے توبہ ہوتی ہی اور ایسی محفل میں شریک ہونا اور باوجود اس امر کے علم کے نکاح پڑھنا حرام ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے سوا کسی مجتہد یا عالم کو جنھوں نے کوئی مسئلہ خلاف ائمہ اربعہ کے کہا ہو گمراہ کہنا

یا اُن کی تضلیل کرنا درست ہے یا نہیں اور گمراہ کہنے والے کے لئے شرعاً کیا حکم ہے اور یہ کہنا کیسا ہے کہ داؤد ظاہری چونکہ ظاہر پہ چلتا تھا اسلئے گمراہ ہے اور داؤد ظاہری کو مطلق گمراہ کہنا یا اس مسئلہ میں خاص کرکے جو داؤد ظاہری نے ربائبکم اللاتی فی حجورکم میں کہا ہے کہ اگر ربیبہ گود میں ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں اس کہنے کیوجہ سے اُسے گمراہ کہنا جائز ہے یا نہیں اور جسنے اسکا ایسا عقیدہ رکھا وہ بھی اُسکے ساتھ گمراہ ہوا یا نہیں اور اس عبارت سے تفسیر آیات الاحکام کا کیا مطلب اور مراد ہے پھر ربائب کی حرمت میں دو قیدین ذکر کی ہیں ایک اللاتی فی حجورکم دوسری من نسائکم اللاتی دخلتم بهن پہلی قید اتفاقی ہے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے اور داؤد نے کہا ہے کہ جو ربیبہ اُسکی گود میں نہو وہ حرام نہیں اور دوسری ربائبکم سے متعلق ہے الخ **جواب** اللاتی فی حجورکم کی قید بمذہب صحیح و مختار جمہور اتفاقی ہے اور داؤد کے نزدیک موافق روایت علیؓ کے اتفاقی نہیں ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے سواء کانت فی حجرہ او حجر غیرہ وھو مذھب الجمھور وشرط علی ورجع ابن مسعود الی قول الجمھور یعنے خواہ اُسکی گود میں ہو یا دوسرے کی گود میں ہو اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُسی کی گود میں ہونے کی شرط لگائی ہے اور ابن مسعود نے جمہور کے قول کی جانب رجوع کیا ہے۔ اور اگرچہ صحیح اس باب میں جمہور کا قول ہے مگر داؤد ظاہری کو اسکے خلاف سے گمراہ کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسائل شرعیہ کا اختلاف تفسیق و تضلیل کا باعث نہیں ہے تذکرۃ الحفاظ میں ہے قال یحیی بن سعید الانصاری اھل العلم اھل توسعۃ وما برح المفتون یختلفون فیحلل ھذا ویحرم ھذا فلا یعیب ھذا علی ھذا ولا ھذا علی ھذا یعنی یحیی بن سعید انصاری کہتے ہیں کہ اہل علم اہل وسعت ہیں مفتی ہمیشہ اختلاف کرتے رہتے ہیں کوئی حلال کہتا ہے کوئی حرام لیکن اس اختلاف کی بدولت کسیکو دوسرے کی برائی نہ کرنا چاہیئے اور شرح مقاصد میں ہے المحققون من الماتریدیۃ والاشاعرۃ لا ینسب احدھما الاخر الی البدعۃ والضلالۃ خلافا للمبطلین المتعصبین حتے ربما جعلوا الاختلاف فی الفروع ایضا بدعۃ وضلالۃ یعنے محققین ماتریدیہ و اشاعرہ میں سے کوئی دوسرے کی جانب بدعت و ضلالت کی نسبت نہیں کرتے برخلاف مبطلین متعصبین کے کہ وہ بسا اوقات فرعی اختلافات کو بھی بدعت و ضلالت کہنے لگتے ہیں اور کسی مجتہد کو اور ایسا ہی داؤد ظاہری کو کسی مسئلہ میں کہ انھوں نے جمہور یا ائمہ اربعہ کے خلاف کیا ہو اگر انکا وہ مسئلہ غیر مقبول و باطل ہو گمراہ کہنا درست نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** (۱) زید نے

بوجہ حرام ہندہ حاملہ ہوئی مگر چونکہ زید کو حمل کا علم نہ تھا لوگوں کے پند و نصیحت سے دونوں نے توبہ کرکے نکاح کرلیا اور نکاح کے بعد جماع بھی کرتا رہا اس صورت میں از روے قرآن و حدیث نکاح صحیح ہوا یا نہیں یا نکاح تو صحیح ہوا مگر زید صرف گنہگار رہا یا نکاح ہی نہ ہوا اور گنہگار بھی ہوا اور اگر زید کو حمل کا بھی علم تھا تو کیا حکم ہے نکاح باطل ہوا یا زید گنہگار رہوا یا دونوں باتیں ہوئیں یا کچھ نہ ہوا نیز جو حکم ہو اسکو قرآن و حدیث یا اقوال فقہا سے مدلل کیجیے۔ (۲) شرم و حیا کے باعث ایک سنیہ سبائی شیعہ سے منسوب ہوئی مگر ایجاب و قبول کے وقت بوجہ تشیع اور دیگر عیوب اُس مرد کے نہ زبان سے قبول کیا نہ دل سے مگر بوقت رخصت خاموش رہی ایک مہینہ بعد ناتفاقی ہوئی اور تازندگی قائم رہی اور مرد کے مرنے کے بعد عورت نے عدت گزرنے سے پہلے اس خیال پر نکاح کرلیا کہ میں نے تو نکاح قبول ہی نہیں کیا تھا عدت کیا بیٹھوں یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں اگر نہیں صحیح ہوا تو اب کیونکر نکاح کرے از سر نو عدت گزارے یا نہیں شوہر کو مرے تین سال ہو چکے ہیں (۳) اگر کسی شخص کی منکوحہ نے شرک خواہ کفر کیا تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اگر ٹوٹ جاتا ہے تو توبہ کے بعد لوٹ آتا ہے یا تجدید نکاح کی ضرورت ہوتی ہے **جواب** (۱) نکاح صحیح ہو گیا اور زید نکاح کے بعد وطی کرنے سے گنہگار نہیں ہوا ردالمحتار میں ہے وصح نکاح حبلی من زنا عندھما وقال ابو یوسف لا یصح والفتوی علی قولھما کما فی القہستانی یعنے جو عورت زنا سے حاملہ ہوئی اُسکا نکاح طرفین کے نزدیک درست اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نادرست ہے اور فتوی طرفین کے قول پر ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے۔ اور در مختار میں ہے لو نکح الزانی حل لہ وطیھا اتفاقا یعنے اگر زانیہ سے زانی نے نکاح کیا تو اُسکو بالاتفاق وطی حلال ہے (۲) اس عورت نے اگرچہ نکاح کے وقت قبول نہیں کیا لیکن جب شوہر کی مجامعت اور خلوت پر بلا اکراہ راضی رہی تو نکاح جائز ہو گیا بحر الرائق میں ہے لو خلا بھا برضاھا ھل یکون اجازۃ عندی ان ھذا اجازۃ اگر اُسکے ساتھ اُسکی رضامندی سے وطی کی تو میرے نزدیک نکاح جائز ہو گیا اور رد المحتار میں ہے التمکین من الوطی کالاقرار وطی کی اجازت مثل اقرار کے ہے۔ اور جب نکاح جائز ہوا تو شوہر کے مرنے کے بعد اُسپر عدت واجب تھی عدت گزرنے کے پہلے جو نکاح کیا وہ فاسد ہو گیا اِس نکاح کا فسخ کرنا دونوں پر اور شوہر ثانی کا ایسا لفظ کہنا جس سے ترک کا مضمون سمجھا جائے جیسے ترکتك یا خلیت سبیلك واجب ہے اور فسخ نکاح کے بعد مثل طلاق کے

عدت بیٹھنا عورت پر لازم ہی درمختار میں ہی ونکح واحد منہما فسخہ دخل بہا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ بل یجب علی القاضی لتفریق بینہما وتجب العدۃ بعد الوطی لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکۃ الزوج یعنی دونوں کو نکاح فسخ کر لینا چاہیئے خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو معصیت سے بچنے کے لئے بلکہ قاضی پر واجب ہے کہ دونوں میں تفریق کرادے اور طلاق کی عدت (نہ کہ موت کی) وطی کے بعد (نہ کہ خلوت کے بعد) واجب ہے وقت تفریق یا زوج کے ترک کرنے سے آور رد المحتار میں ہی تقدم فی باب المہر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ ومثل فی البحر بالتزوج بلا شہود ونکاح المعتدۃ یعنی باب مہر میں بیان ہو چکی ہی کہ نکاح فاسد موجب عدت ہی بحر میں اسکی مثال میں بلا گواہ نکاح اور معتدہ کا نکاح پیش کیا گیا ہی۔ اور عدت تمام ہونے کے بعد پھر شوہر ثانی کو تجدید نکاح کا اختیار ہی اور عورت کو اب شوہر اول کی موت کی عدت بیٹھنے کی تمادی ایام کیوجہ سے ضرورت نہیں ہی (۳) شرک یا کفر منکوحہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہی توبہ اور ایمان کے بعد تجدید نکاح لازم ہی **سوال** ہندہ نے اپنے شوہر زید کی وفات کے بعد تین مہینے کئی روز عدت میں رہی پھر کسی وجہ سے اُسی عدت کے اندر اُسنے عمرو سے نکاح کر لیا عمرو بارہ تیرہ دن اُسکے ساتھ خلوت میں رہا اور وطی بھی کی جب عمرو کو لوگوں نے جتلایا کہ حالت عدت میں نکاح نہیں ہوتا تجدید نکاح کر لو پھر عمرو کو عالموں سے معلوم ہوا کہ عدت کے اندر نکاح ناجائز ہی تو چونکہ قاضی تو وہاں کوئی تھا نہیں جو تفریق نکاح کرتا اسلئے خود بخود تنہائی میں ہندہ سے یہ کہکر جدا ہو گیا کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا بعد گزرنے عدت کے دوسرا نکاح کر لیں گے اور ایام عدت گزرنے کے بعد ہندہ سے نکاح کر لیا مگر ہندہ تفریق عمرو کی عدت نہیں بیٹھی یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں اور اس نکاح سے کئی لڑکے بھی ہو چکے ہیں اب یہ لڑکے حلالی کہلائینگے یا ولد الزنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے فاذا انقضت عدتہا من الاول تزوجہا الآخر ان شاء یعنی جب اسکی عدت زوج اول سے پوری ہو جائے تو دوسرا شخص اگر چاہے تو اُس سے شادی کر سکتا ہی معلوم ہوتا ہی کہ نکاح صحیح ہو گیا اور اسکی اولاد حرامی نہ قرار پائیگی کیونکہ اس قول میں زوج ثانی کی تفریق کی عدت بیٹھنے کا حکم نہیں ہی اور یہ قول خاص اسی مادہ میں ہی اسکو صاحب محلی شارح موطا نے تم لا یجتمعان ابدا کی شرح کے ضمن میں نقل کیا ہی اور یہ عبارت متن مؤطا کی ہی اور قول حضرت عمر کا چنانچہ الفاظ عبارت متن وشرح کے بعینہ نقل کرکے ارسال خدمت کرتا ہوں فی الموطا قال عمر بن الخطاب ایما امرأۃ نکحت فی

عدتها فان کان زوجها الذی تزوجها لم یدخل بها فرق بینهما ثم اعتدت بقیة عدتها من زوجها الاول ثم کان الاٰخر خاطبا من الخطاب وان کان دخل بها فرق بینهما ثم اعتدت بقیة عدتها من الاول ثم اعتدت من الاٰخر ثم لا یجتمعان ابدًا وقال سعید بن المسیب لها مهرها بما استحل منها یعنی موطا میں ہی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہی جس عورت نے عدت کے اندر نکاح کر لیا اگر اُسکے دوسرے شوہر نے اُسکے ساتھ صحبت نہیں کی ہی تو دونوں میں تفریق کرادیجائے پھر وہ اپنی عدت کا باقی زمانہ پورا کرے اُسکے بعد دوسرا شخص پیغام بھیجنے والے کے ہوگا اور اگر صحبت کی ہی تو تفریق کرادیجائے گی اور بقیہ عدت گزر جانے کے بعد پھر وہ دونوں کبھی جمع نہیں ہوسکتے اور سعید بن مسیب نے کہا ہی کہ عورت کو صحبت کیوجہ سے مہر کا حق ہوگا اور صاحب محلی شرح موطا میں قوله لا یجتمعا ابداً کے تحت میں لکھتے ہیں زجرا له وسیاسة فی حقهما لجزاء عن مبادرتهما الیه قبل نقضاء عدتها وهذا مما تفرد به عمر وعامة اهل العلم علی انه تحل له بعد الخروج عن العدة قال محمد وبلغنا ان عمر رجع عن هذا القول الی قول علی اخبرنا الحسن بن عمارة عن الحكم بن عيينة عن مجاهد قال رجع عمر الى قول علي في التي تزوج في عدتها وذلك ان عمر قال اذا دخل بها فرق بينهما ولم يجتمعا ابدًا واخذ صداقها فجعلها في بيت المال فقال علي لها صداقها بما استحل من فرجها فاذا انقضت عدتها من الاول تزوجها الاٰخر ان شاء فرجع عمر الى قول علي یعنی اسوجہ سے کہ اُنھوں نے جلدی کی اور انقضاء عدت کا انتظار نہیں کیا اسکا مقصد اُنھیں زجر و تنبیہ کرنا ہی یہ اکیلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہی اور عامہ اہل علم کے نزدیک وہ عدت گزرنے کے بعد حلال ہی امام محمدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے جانب رجوع کیا ہی حسن بن عمارہ نے حکم بن عیینہ سے نقل کیا ہی کہ مجاہد کہتے ہیں عدت کے اندر جس عورت نے نکاح کر لیا اسکے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کیجانب رجوع کیا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر صحبت کر لی ہی دونوں میں تفریق کرادیجائیگی اور پھر وہ کبھی جمع نہیں ہوسکتے اور اُسکا مہر وصول کرکے بیت المال میں رکھا جائے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک چونکہ مرد نے اُس سے نفع اُٹھایا ہی لہذا عورت کو مہر کا حق ہی اور جب پہلے شوہر کی عدت تمام ہوجائے تو دوسرا شوہر اُسکے ساتھ اگر چاہے نکاح کرسکتا ہی پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے جانب رجوع کیا ہی اب جو امر حضورؐ کے نزدیک صاف صاف مدلل برہان حق قرار پائے ارشاد ہو کر بموجب اُسکے تعمیل کیجائے یعنی اگر نکاح ہمی ہندہ کا عمرو کیساتھ جو پہلے شوہر کی عدت ختم ہونے پر جدید ہوا ہی نہ صحیح ہو تو دوبارہ

تفریق کرائی جائے اور اس تفریق کی عدت طلاق کی طرح گزارے بعدازاں جدید نکاح کرے اور اگر صحیح ہی تو بدلائل بیان کریں تاکہ لوگونکو سمجھا دوں اس مسئلہ میں جو شرع کا حکم ہو اُس سے مطلع فرمایئے جواب عمرو کا متارکہ صحیح ہو گیا اور شوہر اول کی ایام عدت گزرنے کے بعد اُسنے ایام عدت تفریق کے گزرنے سے پہلے جو نکاح کر لیا وہ نکاح صحیح ہو گیا کیونکہ تفریق کی عدت بہ نسبت دوسرے شخص کے واجب ہے نہ بہ نسبت اُسی شخص کے یعنی اگر تفریق عمرو کے بعد کوئی اور شخص اُس سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو یہ شخص بغیر ایام عدت تفریق کے گزرے ہوئے نکاح اُس عورت سے نہیں کر سکتا تھا اور عمرو نے جو صاحب تفریق ہی جب اُن ایام کے گزرنے سے پہلے نکاح کیا تو جائز ہو گیا اور اُس نکاح سے جو اولاد ہوئی حلالی ہی ملا علی قاری شرح موطا امام محمد رحمہ اللہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے تحت میں فاذا انقضت عدتها من الاول تزوجها الآخر ان شاء لکھتے ہیں اذ لا عدة ثانية بالنسبة اليه فان اراد ثالث ان يتزوجها فلا يجوز حتى تخرج من مدة الثاني ايضاً کیونکہ اس دوسرے شخص کیلئے دوسری عدت کی ضرورت نہیں ہی اور اگر اُسکے سوا کوئی اور شادی کرنا چاہے تو اُس وقت تک جائز نہیں ہی جب تک دوسرے شوہر کی عدت بھی پوری نہو جائے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی سوال کلو بوکالت محمد بخش نے نکاح کا منتا سے دعویدار ہوا اور منتا نے بوکالت محمد بخش اور نکاح کلو سے انکار کیا کلو نے محمد بخش وکیل نکاح اور ملا ابراہیم نکاح خواں اور امیر اللہ گواہ وکالت ننھے و محمد سعید خاں و محمد نبی خاں گواہاں جلسہ عقد مفروضی نے کو حاکم فوجداری کے سامنے پیش کیا حاکم نے سب کے اظہار قلمبند کیے محمد بخش وکیل نکاح نے کہا کہ کلو کا نکاح منتا کے ساتھ میری وکالت سے ہوا ہی منتا نے ننھے اور امیر اللہ کے سامنے مجھے اپنے نکاح کا وکیل کیا تھا اور کہا تھا کہ میرا نکاح کلو کے ساتھ کر دو اور مساۃ میرے اور اُن لوگوں کے سامنے آئی ہی پردہ نہیں ہی اور ملا ابراہیم نے میری اجازت سے نکاح پڑھا اور پانسو روپیہ اور پانچ اشرفی مہر مقرر ہوا اسکے بعد الٰہی بخش قلعی گر نے کہا کہ تمنے بغیر ہمسے دریافت کیے ہوئے کیوں نکاح کر دیا ہم اور طرف ثانی یعنی الٰہی بخش وغیرہ میں سخت گفتگو ہوئی ہم جوڑا پھیر لائے حاکم نے سوال کیا ایجاب و قبول طرفین سے ہو گیا تھا اور تین مرتبہ ایجاب ہوا تھا کلو نے کہا تھا کہ منتا دختر غوث محمد کو بعوض پانچسو روپیہ و پانچ اشرفی کے قبول کیا اور عورت باپ کے گھر عورتوں میں تھی اور نکاح منعقد ہوا تھا امیر اللہ شاہد وکالت نے بیان کیا کہ مساۃ منتا نے نکاح کا وکیل

خدابخش کو کیا تھا اور اُسنے مسماۃ کا نکاح اپنی وکالت سے کلو کے ساتھ کردیا اور ننھے و محمد سعید خاں و محمد نبی خاں اور ملا ابراہیم نے عقد مسماۃ مذکورہ کا بوکالت محمد بخش کے بیان کیا اور امیر اللہ نے پہلے تو خدابخش کو وکیل بیان کیا پھر بروقت تصدیق اظہار کے وکیل نے تغلیباً سوال کیا تو بجائے خدابخش کے محمد بخش بیان کیا اور ان سب نے فقط قبول منجانب کلو بیان کیا اور ایجاب منجانب وکیل نہیں بیان کیا اور مسماۃ کی ایسی تعریف نہیں کی جس سے جہالت رفع ہوتی اور ننھے نے جسکو محمد بخش وکیل نے اپنی وکالت کا شاہد بیان کیا ہے نہ اُسنے اور کسی شاہدان جلسہ نے سوائے امیر اللہ کے اثبات وکالت کیا اور مسماۃ مذکورہ ان تینوں آدمیوں سے پردہ کرتی ہے اور کوئی شبہ قریبہ یا بعیدہ بوجہ بے پردگی کے ہو نہیں سکتا اور جمال خاں رسالدار اور اہل محلہ میں سے تیرہ ثقہ آدمیوں نے اقرار کلو و محمد بخش اور پر عدم وقوع نکاح بعد تاریخ ارجاع دعویٰ کلو اور محمد بخش وغیرہ کے بیان کیا اور اہل محلہ میں سے اٹھائیس ثقہ آدمیوں نے بحلف متفق اللفظ بیان کیا کہ کلو کا نکاح منتا کے ساتھ نہیں ہوا ہے حاکم مرافعہ نے حکم حاکم فوجداری کا کہ اُسکا مدار اُن چھ آدمیوں کی شہادت پر تھا کہ دو ان میں سے یعنی محمد بخش وکیل نکاح اور ملا ابراہیم نکاح خوان کہ مباشر فعل ہیں اور ایجاب منجانب وکیل بیان نہیں کرتے اور تعریف مسماۃ کی نہیں کرتے اور باقی چار بھی ایجاب منجانب وکیل بیان نہیں کرتے اور محمد بخش کی وکالت کہ موقوف علیہ نکاح ہے بجز امیر اللہ ایک گواہ کے ثابت نہیں ہوتی کہ بحق کلو ہوا تھا تحقیق موقع کے بعد تیرہ آدمیوں ثقہ اہل محلہ مذکورین سے اوپر اقرار کلو و محمد بخش کے نکاح نہونے پر اور اٹھائیس آدمیوں مذکورین سے کلو کا نکاح منتا کے ساتھ نہونے پر کہ مجموعہ کل آدمیوں کا اکتالیس کو ہوتا ہے مسترد فرمایا اب بعض احباب نے بعض روایات ضعیفہ کہ ما نحن فیہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتی ہیں کیونکہ مدار دعویٰ وکالت محمد بخش ہے اور ان روایات سے ثبوت وکالت محمد بخش بشہادت یک کس مسمی امیر اللہ ثابت نہیں ہوتا خلاف فیصلہ حاکم مرافعہ کے تحریر کی ہیں صورت مسئولہ میں حاکم مرافعہ کا حکم صحیح ہے یا حاکم فوجداری کا **جواب** کلو کا نکاح منتا کے ساتھ ثابت نہیں کیونکہ موقوف علیہ نکاح منتا سے وکالت محمد بخش ہے اور منتا کو وکالت و نکاح دونوں سے انکار ہے صرف امیر اللہ کی گواہی سے محمد بخش کو منتا کا وکیل کرنا ثابت نہیں ہوتا پس اس صورت میں باقی گواہوں کی شہادت کے ساتھ کلو کے دعوے کو موافقت نہیں ہوئی لہذا روایت مداخلہ مجیب اول بحوالہ درمختار اوپر اثبات دعوے کلو کے ثبت عدم اثبات کی ہوئی عالمگیری میں ہے الشہادۃ ان وافقت الدعوی قبلت

والا فلا شہادت اگر دعوے کے موافق ہوگی تو قبول کیجائیگی ورنہ نہیں اور اسی کتاب میں دوسری جگہ
ہو وان تکون موافقة للدعوی اور یہ کہ دعوے کے موافق ہو اور در مختار میں ہو وموافقة الشہادة الدعوی
اور شہادت کا دعوے کے موافق ہونا اور بفرض محال اگر شہادت بقدر نصاب فرض بھی کیجائے تاہم متواتر
اور مشہور کے خلاف ہو جو عند القاضی مقبول نہیں کیونکہ اکثر لیس آدمی اس بات پر گواہی دیتے ہیں کہ منا کے
ساتھ کلو کا نکاح نہیں ہوا بحکم اس روایت کے البینة اذا اقامت علی خلاف المشہور المتواتر لا تقبل فہو ان
یشتہر ویسمع من قوم کثیر لا یتصور اجتماعہم علی الکذب تنقیح الحامدیہ میں ہو بینہ جب خلاف مشہور
متواتر پر قائم ہوں تو مقبول نہوں گے اور مشہور متواتر وہ ہو جو اتنا مشہور ہو جائے اور اتنی بڑی جماعت سے
سنا جائے جنکا کذب پر جمع ہونا ممکن نہو اور مجیب اول نے جو صحت شہادت وکیل نکاح اور نکاح خواں کی
لکھی ہو وہ قواعد کلیہ اور جزئیہ شرع کے خلاف ہو کیونکہ یہ شہادت علی نفسہ ہے جو بموجب روایات معتبرہ کے
مقبول نہیں انما تقبل شہادة المامور اذا لم یذکر انہ عقد لئلا یشہد علی فعل نفسہ در مختار وکذا الدلال
والوکیل لو باثبات النکاح اما لو شہد انہا امرأتہ تقبل والحیلة انہ یشہد بالنکاح ولا یذکر الوکالة رد مختار نقلا
عن البزازیة والتسہیل + الوکیلان بالبیع والدلالان اذا شہدا وقالا نحن بعنا ہذا الشیٔ من فلان لا تقبل
شہادتہما کذا فی الذخیرة + عالمگیری + شہدان فلانا امرہما بتزویج فلانة منہ او بخلعہا او اشتریا لہ عبدا
ففعلنا فاما ان ینکر الموکل الامر والعقد او یقر بالامر لا العقد او یقر بہما وکل علی وجہین اما ان یدعی الخصم
العقد مع الوکیل وینکر فان کان الموکل ینکر لا یقبل فی الفصول کلہا وان کان الامر یقر بہا والخصم
یقر بالعقد قضی بالاقرار لا بشہادتہما الخلع والنکاح والبیع فیہا سواء + عالمگیری یعنی امور کی شہادت اسوقت
معتبر ہوتی ہو جب وہ یہ ذکر نکرے کہ اُسنے عقد کیا ہو تا کہ اپنے فعل پر شہادت نہو + در مختار + اسیطرح دلال اور وکیل اگر
اثبات نکاح کے گواہ ہوں لیکن اگر اس بات کی شہادت دے کہ وہ اسکی بی بی ہو تو شہادت مقبول ہوگی
اور حیلہ یہ ہو کہ نکاح کی شہادت دے اور وکالت کا تذکرہ نکرے اسکو رد مختار نے بزازیہ اور تسہیل سے نقل
کیا ہو بیع کے دونوں وکیل اور دلال اگر شہادت دیں اور یہ کہیں کہ ہمنے اس چیز کو بیچا تو انکی یہ شہادت
مقبول نہوگی جیسا کہ ذخیرہ میں ہو + عالمگیری + دو آدمیوں نے اس بات کی شہادت دی کہ فلاں
مرد نے ہمیں فلاں عورت کیساتھ اپنا نکاح کرنیکا حکم دیا یا اپنے لئے غلام خریدنے کا حکم دیا اور ہمنے ایسا کیا
تو موکل یا تو حکم اور عقد دونوں کا انکار کریگا یا حکم کا اقرار کریگا عقد کا انکار کریگا یا دونوں کا اقرار کریگا نہیں سے

ہر ایک کی دو صورتیں ہیں یا تو خصم وکیل کیساتھ عقد کا دعوی کریگا یا انکار کریگا پس اگر موکل انکار کرے تو شہادت تمام صورتوں میں غیر مقبول ہے اور اگر امر دونوں کا اقرار کرے اور خصم عقد کا اقرار کرے تو قاضی حکم دیگا لیکن شہادت کیوجہ سے نہیں بلکہ اقرار کیوجہ سے خلع نکاح اور بیع کا اس معاملہ میں ایک ہی حکم ہے۔ عالمگیری۔ اور جو مجیب نے ترجیح ساتھ نفاذ حکم قاضی اول کے اس روایت نسبت صحت شہادت مباشر فعل کی بیان کی وہی نسبت نفاذ حکم قاضی اول کی ہے کیونکہ قاضی اول کا حکم کتاب اللہ کے خلاف ہے اللہ تعالے فرماتا ہے واستشھدوا شھیدین من رجالکم اور محمد بخش کی وکالت کا فقط ایک ہی گواہ ہے لہذا حاکم مرافعہ نے مسترد فرمایا اور جب قاضی اول کا حکم شرع کے خلاف ہو تو قاضی ثانی کو جاری نکرنا چاہیئے جیسا کہ یہ روایت درمختار میں ہے الا عری عن دلیل مجمع اوخالف کتابا اوسنۃ مشھورۃ او اجماعا یعنی دلیل سے خالی ہو یا کتاب یا سنت مشہورہ یا اجماع کے خلاف ہو۔ اور مباشر فعل کی عدم صحت شہادت کی تائید قرآن شریف سے بھی نکلتی ہے اللہ تعالے فرماتا ہے واشھدوا اذا تبایعتم اور جب تم سودا کرو تو شاہد کرلو یعنی اپنے معاملات پر گواہ کرلیا کرو نہ یہ کہ اپنے قول و فعل پر ہو جایا کرو پس اس سے معلوم ہوا کہ اصل شہادت گواہی دینا ہے دوسرے کے قول اور فعل پر اور اُسکے سوا محمد بخش جو مدعی کے ساتھ مدعا علیہم کے مقابلہ پر مخاصمانہ گفتگو کرتا ہے چنانچہ اُسنے اپنے اظہار میں لکھوایا ہے کہ اگر تم رخصت نہ کروگے تو ہم نالش کرینگے اور ہم میں اور طرف ثانی میں خوب رد و قدح ہوئی ایسے شاہد کی شہادت ہرگز مقبول نہیں چنانچہ درمختار میں ہے الا اذا اشتدت الخصومۃ وخاصمہ معہ مگر جبکہ خصومت سخت ہو جائے اور وہ بھی اسکے ساتھ مخاصمت کرے اور جو مجیب صاحب فرماتے ہیں اجازت دینا محمد بخش کا بھی ایجاب جانب محمد بخش سے ہے یہ سراسر فقہ کے خلاف ہے کیونکہ لفظ اجازت الفاظ نکاح سے نہیں ہے بلکہ الفاظ نکاح نکاح اور تزویج وغیرہ ہیں درمختار میں ہے انما یصح بلفظ تزویج و نکاح نکاح الفاظ نکاح و تزویج سے صحیح ہوتا ہے اور وکیل یوں بیان کرے زوجت موکلتی منک میں نے اپنے موکلہ کا نکاح تمھارے ساتھ کردیا۔ اور اگر بلفظ اجازت قبول کرے تو نکاح ہرگز منعقد نہیں ہوتا درمختار میں ہے ولا یصح بلفظ اجازۃ واعارۃ ووصیۃ وبالفاظ مصحفۃ کتجوزت الفاظ اجازت و اعارہ و وصیت اور الفاظ مصحفہ مثلا تجوزت سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ اگر اگر بالفرض محال مان بھی لیا جائے تو بھی نکاح جسکے لئے محمد بخش کی وکالت موقوف علیہ ہے وکالت ثابت نہونے کیوجہ سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا

اور مجیب نے جو لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ ملا ابراہیم نے نکاح باندھا ایجاب و قبول پر دلالت کرتا ہے اس طرز مجیب سے معلوم ہوا کہ عاقد کلو اور محمد بخش وکیل نہیں ہیں بلکہ ایجاب و قبول کا کام ملا ابراہیم نے کیا حالانکہ جن گواہوں کو کلو نے پیش کیا انکے اور نیز کلو کے اظہار سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول فقط کلو نے کیا اور مجیب جو لکھتے ہیں کہ یہ کیسی وکالت ہے جو پانچ آدمیوں سے ثابت نہیں ہوتی اگر محمد بخش وکالت کا مدعی لاکھ گواہ اثبات وکالت میں پیش کرے اور انمیں سے دو گواہ بھی یہ نہ بیان کریں کہ ہمارے سامنے منتا نے محمد بخش کو اپنے نکاح کا وکیل کیا جب بھی وکالت ثابت نہوگی نہ کہ پانچ گواہ ایسے اور وکالت اُن الفاظ سے منعقد ہوتی ہے میں نے تجکو اس بیع یا اس عقد میں وکیل کیا عالمگیری میں ہے واما رکنہا فالالفاظ التی تثبت بہا الوکالۃ من قولہ وکلتك ببیع ھذا البعیر او بشراءہ کذا فی السراج الوھاج ارکان وکالت وہ الفاظ ہیں جنسے وکالت ثابت ہو مثلاً یہ کہے کہ میں نے تجکو اس اونٹ کے بیچنے یا خریدنے کے لئے وکیل کیا جیسا کہ سراج وہاج میں ہے یہ جو مجیب کہتے ہیں کہ حد تک بیان کرنا کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ تعریف ہونا چاہیئے بیشک ایسا ہی ہے مگر گواہوں نے منتا کی ایسی صفت بیان نہیں کی جس سے رفع جہالت ہوتا اور مجیب نے جو یہ بیان کیا کہ اول تو تیرہ آدمیوں نے تعریف مشہود علیہ یعنی کلو کی نہیں کی ثانیا یہ کہ غایت اُن گواہوں کی یہ تھی کہ اقرار مدعی کا نسبت عدم وقوع نکاح ثابت ہوگا اور جب گواہوں سے نکاح ثابت ہوگیا تو شرع اس قول کی مکذب ہوگی اور یہ قول مکذب قرار پائیگا اور اقرار بالمحال باطل ہے فقط یہ کہنا کہ جب گواہوں سے ثابت ہوگیا اب عدم اثبات نکاح اقرار عدم نکاح سے اقرار بالمحال ہے باطل ہے حاصل جواب کا یہ ہے کہ محمد بخش کی وکالت گواہوں سے ثابت نہیں علاوہ بریں مشہود علیہ یعنی منتا کی تعریف نہ کی ایجاب کسی نے منجانب وکیل بیان نہیں کیا اس صورت میں کلو کا نکاح منتا کیساتھ کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بما کان حررہ العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ اللہ القوی المنان محمد تفضل حسین خاں عفا اللہ عن سیاتہ وادخلہ فی یوم البعث والنشور فی الجنان [محمد تفضل حسین خاں] إن ہذا الجواب مقرون بالحق والصواب خلافہ باطل محمد بشارت حسین ولد مفتی محمد سعد اللہ وہذا الجواب صحیح محمد عبد العلی مدرس مدرسہ رامپور الجواب صحیح محمد اکبر علی خاں ہو المصوب اس صورت میں شہادت ملا ابراہیم نکاح خوان کی معتبر نہیں کیونکہ وہ مباشر فعل ہے اور مباشر فعل کی شہادت جب وہ عین شہادت میں مباشر فعل کا ذکر کرے غیر معتبر ہے باقتضاے عبارت فتاوی قاضی خاں کے رجل تولی تزویج امرأۃ

من رجل ثم مات الزوج فانکرت ورثتہ نکاحہا یجوز للذی تولی العقد ان یشہد بالنکاح بینہما ان قال تزوجہا بحضرتی او لا ویشہد انہا امرأتہ ولا یذکر انہ باشر العقد یعنے ایک شخص ایک عورت کا ایک مرد کے ساتھ نکاح میں وکیل بنا پھر زوج مرگیا اور اُسکے ورثہ نے نکاح سے انکار کیا تو وہ شخص شہادت عقد دے سکتا ہی بشرطیکہ یہ نہ ذکر کرے کہ اُسکا بھی عقد میں دخل تھا۔ اور محمد بخش وکیل کی بھی شہادت غیر معتبر ہی عالمگیری میں ہی شہدا ان فلانا امرہما بتزویج فلانۃ او بخلعہا او ان اشتریا لہ عبدا ففعلنا فاما ان ینکر الموکل الامر والعقد ویقر بالامر لا العقد ویقر بہما وکل علی وجہین اما ان یدعی الخصم العقد مع الوکیل وینکر فان کان الموکل ینکر لا یقبل فی الفصول کلہا یعنے دو آدمیوں نے اِس بات کی شہادت دی کہ فلاں مرد نے ہمیں فلاں عورت کے ساتھ اپنا نکاح یا خلع کرنیکا حکم دیا یا اپنے لئے غلام خریدنے کا حکم دیا اور ہمنے ایسا کیا تو موکل یا تو حکم اور عقد دونوں کا انکار کریگا یا حکم کا اقرار اور عقد کا انکار کریگا یا دونوں کا اقرار کریگا انمیں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں یا تو خصم وکیل کیساتھ عقد کا دعوی کریگا یا انکار کریگا بس اگر موکل انکار کرے تو شہادت تمام صورتوں میں غیر مقبول ہی۔ اور باقی جن گواہوں نے مساۃ کی ایسی تعریف نہیں کہ جس سے رفع جہالت ہو اُنکی گواہی بھی مثبت نہوگی اشباہ میں ہی المشہود علیہ بشئ ان کان حاضرا کفت الاشارۃ الیہ وان کان غائبا فلا بد من تعریفہ باسمہ واسم ابیہ وجدہ ولا یکفی الاقتصار علی اسمہ الا ان یکون مشہورا وتکفی النسبۃ الی الزوج لان المقصود الاعلام یعنے مشہود علیہ اگر حاضر ہو تو اُسکی طرف اشارہ کافی ہی ورنہ اُسکا اور اُسکے باپ دادا کا نام لینا ضروری ہی صرف اُسکا نام لینا کافی نہیں ہی البتہ اگر مشہور ہو یا زوج کیجانب نسبت کافی ہو تو جائز ہی کیونکہ مقصود اعلام ہی اور فصول عمادیہ میں ہی الحاصل ان المعتبر انما ہو حصول المعرفۃ وارتفاع الاشتراک یعنے حاصل یہ ہی کہ حصول معرفت اور ارتفاع اشتراک معتبر ہی۔ اور جبکہ مساۃ وکالت اور عقد دونوں سے منکر ہے پس اثبات وکالت کے لئے دو گواہ ضروری ہیں بحر الرائق میں ہی ولغیرہا رجلان او رجل وامرأتان اطلقہ فیشمل المال وغیرہ کالنکاح والطلاق والوکالۃ والوصیۃ والعتاق والنسب یعنے اسکے علاوہ کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں اس سے مطلق رکھا ہی تاکہ مال اور غیر مال مثلاً نکاح طلاق وکالت وصیت عتاق اور نسب کو بھی شامل ہو جائے اور اس صورت میں سوا امیر اللہ کے کسی نے اثبات وکالت نہیں کیا صرف عقد کا ہونا و وکالت محمد بخش بیان کیا اسقدر بیان سے وکالت ثابت نہیں ہوئی جب تک یہ بیان نہ کریں کہ ہمارے سامنے مساۃ نے محمد بخش کو نکاح کا وکیل کیا تھا انھیں وجوہ سے صورت مذکورہ

میں نکاح ثابت نہیں ہوتا ہو اور ایک جم غفیر کی شہادت عدم نکاح کی اور اقرار مدعی و وکیل کا نکاح نہونے پر مرجح عدم ثبوت نکاح ہو اور بعد معائنہ تحریرات بعض علما جنھوں نے حاکم فوجداری کے حکم کی تائید کی ہو اور اعذار حاکم مرافعہ سے یہ امر محقق ہوتا ہو کہ اس صورت میں حکم حاکم مرافعہ کا درست ہو اور حاکم فوجداری کا حکم چونکہ خلاف شرع واقع ہوا ہو قابل امضا نہیں ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** ایک شخص چاہتا ہو کہ میں اپنا نکاح اپنے سالے کی پوتی یعنی زوجہ کے بھائی کی پوتی سے کروں اور یہ بات کن سے پائی جاتی ہو کہ بحالت زندگی پھوپھی کے اسکی بھتیجی کو نکاح میں رکھنا چاہیئے پس اگر اسکی زوجہ زندہ ہو تو اسکے بھائی کی پوتی سے نکاح کر سکتا ہو یا نہیں **جواب** نہیں کر سکتا ہو تنویر الابصار میں ہو وحرم الجمع نکاحا وعدۃ ووطیا بملک یمین بین امرأتین ایتہما فرضت ذکرا لم تحل للاخری انتہی نکاح اور عدت اور وطی بملک یمین میں دو ایسی عورتوں کو جمع کرنا حرام ہو جنمیں سے اگر ایک مرد فرض کیجائے تو وہ دوسرے پر حرام ہو انتہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** نکاح کے بعد خرمے محفل میں اچھالدینا جیسا کہ رسم ہو کہ کچھ نثار اور کچھ تقسیم کرتے ہیں کیسا ہو اور نکاح کے پہلے یا نکاح کے بعد معمول ہو کہ زوج کے یہاں کے کپڑے زوجہ کو پہنائے جاتے ہیں اور نکاح کے بعد حاضران مجلس کو کھانا کھلاتے ہیں انکی شرع میں کیا اصل ہو کیا زمانہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم یا عہد خلفاء راشدین میں یہ بات ہوتی تھی اور جو شخص کہے کہ یہ امور مشروع نہیں ہیں لیکن بطور تحفہ وہدیہ و اتحاد ان کا رواج ہو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں بلکہ اجر پاویگا **جواب** زوج کے یہاں کے کپڑے زوجہ کو پہنانا یا زوجہ کے یہاں کے کپڑے زوج کو پہنانا نہ شرعا ممنوع نہ بدعات سیئہ میں داخل ہو اور اسیطرح کھانا کھلانا اور خرمے اچھالنا بدعات سیئہ میں داخل نہیں جسکے ارتکاب سے گناہ لازم آئے بلکہ یہ امور مباح ہیں اور اکل وشرب ولباس کے باب میں جو باتیں مباح ہیں بنظر اتحاد و وداد و حسن اخلاق انکے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اگر انکو سنت جانے اور غیر مسنون کو مسنون تصور کرے تو گنہگار ہوگا یہ اسوقت ہو جب ان امور کا کسیطرح زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں ثبوت نہ ملسکے اور ان امور کا جو عبادات نہیں ہیں محض ان زمانوں میں نہونا بدعت کا باعث نہوگا اور بعض روایات سے خرموں کی تقسیم اور دولھن والونکا شرکائے محفل عقد کو کھانا کھلانا ثابت ہو جلال الدین سیوطی بہجۃ الزہار العروس باخبار الخدوش میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ذکر کرتے ہوے جو بولایت نجاشی شاہ حبشہ حبشہ میں ہوا تھا طبقات ابن سعد سے نقل

کرکے تحریر فرماتے ہیں ثم بعد الفراغ من النکاح ارادوا ان یقوموا فقال النجاشی اجلسوا فان سنۃ
الانبیاء اذا تزوجوا ان یوکل طعام علی التزویج فدعی بطعام فاکلوا ثم تفرقوا یعنی نکاح سے فراغت کے
بعد سب نے اُٹھ جانے کا قصد کیا تو نجاشی نے کہا بیٹھ جاؤ کیونکہ انبیاء کی سنت یہ ہے کہ جب شادی ہو جائے
تو کھانا کھلایا جائے پھر کھانا منگایا اور سب نے کھایا پھر متفرق ہو گئے۔ اور بیہقی اور معجم اوسط طبرانی میں مرقوم
ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک ای عقد نکاح فاتی باطباق علیہا جلوز ولوز وتمر فنثرت
فقبضنا ایدینا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لکم لا تاخذون فقال لانک نہیت عن النہبی
فقال انما نہیتک عن نہبی العساکر خذوا علی اسم اللہ یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عقد نکاح میں تشریف
لائے پس طباق لائے گئے جنمیں چلغوزہ شگوفہ اور کھجورے تھے جو چھینکے گئے ہمنے اپنے ہاتھ سمیٹ لیے تو حضور سرور انبیا
علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ تم لوگ کیوں نہیں لیتے ہو لوگوں نے کہا کہ آپ نے لوٹ سے منع فرمایا ہے تو آپ نے فرمایا
کہ میں نے لشکروں کی لوٹ سے منع کیا ہے انکو خدا کے نام پر لو لیکن ان روایتوں کی سند ضعیف ہے اور
بسند صحیح کوئی معتبر روایت اس باب میں خدشات سے خالی نہیں ہے حاصل یہ ہے کہ اگرچہ یہ امور زمانہ نبوی
اور زمانہ صحابہ میں بروایت صحیح بھی ثابت ہوں تو بھی بدعت سیۂ میں انکا شمار نہیں ہو سکتا بلکہ یہ امور بدعت
مباحہ ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** مدعی نے اپنے دعوے کے
اثبات میں تین وجہیں عدالت میں پیش کیں (۱) جلسہ نکاح کے شاہد (۲) اس بات کے شاہد کہ نکاح کے بعد
زوجہ نے مدعی کیساتھ نکاح پر اپنی رضامندی ظاہر کی (۳) اس بات کے شاہد کہ زید اور اُسکی زوجہ میں خلوت
صحیحہ ہوئی جلسہ نکاح کے شاہدوں نے عدالت میں شہادت ادا کی لیکن وکیل کے عدم ثبوت توکیل کیوجہ
سے نکاح ثابت نہو سکا تو کیا قاضی باقی دو شہادتوں پر نکاح کا حکم دے سکتا ہے اور درصورت ثبوت رضامندی
زوجہ یا خلوت صحیحہ صحت نکاح کی تکمیل ہو جائیگی یا نہیں **جواب** نکاح کی خبر پہونچنے کے بعد زوجہ کی رضامندی
اور خلوت صحیحہ کے ثبوت سے نکاح کی تکمیل ہو جاتی ہے عالمگیری میں ہے ولو اقام الزوج البینۃ انہا اجازت
العقد حین اخبرت واقامت البینۃ انہا ردت حین اخبرت کانت البینۃ بینۃ الزوج کذا فی السراج الوہاج
یعنے اگر شوہر نے اس بات پر گواہ قائم کیا کہ جب زوجہ کو نکاح کی خبر دیگئی تو اُس نے نکاح کی اجازت دیدی اور
زوجہ نے اسپر گواہ قائم کیا کہ جب اسکو خبر پہونچی تو اُسنے نکاح کو رد کر دیا پس زوج کا گواہ معتبر ہے ایسا ہی سراج
وہاج میں ہے اور اسی کتاب میں ہے کما یتحقق رضاہا بالقول کقولہا رضیت وقبلت واحسنت واصبت بارک اللہ

لك ولنا نحوه يتحقق بالدلالة كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطي كذا في التبيين یعنی جسطرح عورت کی رضامندی ان الفاظ سے ثابت ہوتی ہے مثلاً ان الفاظ کے کہنے سے رضيت قبلت احسنت اصبت بارك الله لك ولنا اسیطرح دلالت سے بھی ثابت ہوتی ہے مثلاً مہر و نفقہ طلب کرنا وطی کی اجازت دینا ایسا ہی تبیین میں ہے اور اسی کتاب میں ہے لوخلا بها برضاها لا رواية لهذه المسألة قال وعندي ان هذا اجازة كذا في الظهيرية یعنی اگر زوجہ کیساتھ اسکی رضامندی سے خلوت کی اسکے متعلق کوئی روایت نہیں ہے میرے نزدیک یہ اجازت ہے ایسا ہی ظہیریہ میں ہے۔ بناءً علیہ جب جلسہ نکاح کے شہود نے وقوع نکاح کی شہادت دی تو قاضی کو رضائے زوجہ اور خلوت صحیحہ کی شہادت ماننا چاہیئے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبدالحی

سوال ولی غیر جابر نے ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا بعد بلوغ اُسنے اپنے نکاح کو فسخ کر کے بلا تفریق قاضی دوسرے کیساتھ نکاح کر لیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں اور اگر صحیح نہیں ہو تو اُس نکاح کا فسخ باطل ہے یا باقی اور جہاں کفار کی سلطنت ہو وہاں قاضی کہاں سے لایا جائے جب یہاں قاضی نہیں ہے تو یہ فسخ بی تفرقہ قاضی کے قائم مقام ہے یا نہیں

جواب فسخ نکاح میں قضاء قاضی شرط ہے ردالمحتار میں ہے حاصله انه اذا زوج للصغير والصغيرة غير الاب والجد فلهما الخيار بالبلوغ او العلم به فان اختار الفسخ لا يثبت الفسخ الا بشرط القضاء یعنی حاصل یہ ہے کہ جب صغیر یا صغیرہ کی شادی کر دینے والا باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور ہو تو بعد بلوغ یا بعد علم نکاح انکو اختیار ہے اگر فسخ نکاح چاہیں تو اسکے لئے قضاء قاضی ضروری ہے اسلئے صورت مسئولہ میں نکاح دوم صحیح نہیں ہوا جامع الفصولین میں ہے لو اختار احدهما الفرقة ورد النكاح بخيار البلوغ لو يكن رد ولا يبطل العقد ما لم يحكم به القاضي فيتوارثان قبل الحكم یعنی اگر دونوں میں سے کسی ایک نے فرقت کو پسند کیا اور خیار بلوغ کی رو سے نکاح کو رد کرنا چاہا تو نکاح رد نہوگا اور عقد باطل نہوگا تاوقتیکہ قاضی اسکا حکم نہ دیدے تو قاضی کے حکم کے قبل ایک دوسرے کا وارث ہے۔ اور جہاں کفار کی حکومت ہو اور قضائے قاضی مفقود ہو اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو صاحب معاملہ کو چاہیئے کہ بلاد اسلامیہ جیسے بلاد حجاز بلاد روم وغیرہ اور ہندستان میں رامپور بھوپال خیرپور جہاں قاضی موجود ہو جا کر فیصلہ کرالے یا بذریعہ تحریر قضاة بلاد اسلام سے فسخ نکاح کا حکم منگالے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبدالحی

سوال اُن دراہم و دنانیر کا کیا حکم ہے جو لڑکے والے لڑکی والوں سے قبل نکاح کے نسبت کیوقت لیتے ہیں جیسا کہ اکثر بلاد ہند میں رائج

جواب جو دراہم و دنانیر وغیرہ کہ شوہر زوجہ کے رشتہ داروں سے قبل نکاح لیتا ہے اسکے متعلق درمختار میں

ہو اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة یعنی لڑکی والوں سے اگر کچھ لیا ہو تو زوج کو واپس لے لینا چاہیے کیونکہ وہ رشوت ہے، اور رد المحتار میں تحت قول عند التسلیم کے لکھا ہے ای بان ابی ان یسلمها اخوها ونحوه حتی یاخذ شیئا وکذا لو ابی ان یزوجها فللزوج الاسترداد قائما او هالکا لانه رشوة یعنی اگر رخصتی کے وقت بھائی یا کسی اور نے بے کچھ لیے ہوئے رخصت کرنے سے انکار کیا یا اسیطرح اگر نکاح ہی سے انکار کیا تو زوج کو وہ مال اگر دیا ہو واپس لینا چاہیے کیونکہ وہ رشوت ہے اور اسی کتاب کے باب الحظر میں ہے ومن السحت ما یاخذه الصهر من الختن بطيب نفسه جو سسر داماد سے اسکی رضامندی سے وصول کرتا ہے وہ کسب حرام ہے پس جو زوج لڑکی والوں سے قبل شادی کے لے اُسے تو بدرجہ اولی واپس لے لینا چاہیے کیونکہ یہ رشوت ہے جیسا کہ رد المحتار باب المہر میں ہے حبطت المال علی نفسها عوضا عن النكاح وفی النكاح العوض لا یکون علی المرأة جو مال عورت اپنے نکاح کے عوض میں دے وہ مال ضائع ہے کیونکہ نکاح میں عوض عورت کے ذمے نہیں ہوتا ہمارے ملک کے لوگ اپنی زبان میں اس روپیہ کو کنکور کہتے ہیں جسکا عربی ترجمہ رشوت ہے تو اسکا واپس لینا ضروری ہے خواہ موجود ہو یا ہلاک ہوگیا ہو کیونکہ رشوت پر قبضہ سے ملک ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ درمختار میں ہے فالرشوة يحرم اعطاؤها واخذها رشوت کا دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔ واللہ اعلم افقر العباد الی اللہ شیخ یوسف بن قادر احمد عفی عنہ صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سوال شخص ہندی فاروقی صدیقی کا یا ہندوستانی سید کا یا ہندی شیخ کا یا ہندی شیخ ہندی پٹھان کا کفو ہے یا نہیں اور اسیطرح پٹھان کا نکاح اُس ہندی عورت کیساتھ جو سیدہ ہو درست ہے یا نہیں

جواب عرب میں کفاءت باعتبار حسب نسب کے معتبر ہے اور عجم میں باعتبار حریت اور اسلام اور دیانت اور حرفہ کے اور عجمی سے مراد وہ شخص ہے جسکو کسی قبیلہ عرب سے انتساب نہو اور جسکا نسب قبیلہ عرب سے متصل ہو وہ حکم عرب میں ہے درمختار میں ہے تعتبر الکفاءة نسبا فقریش بعضهم اکفاء لبعض وبقیة العرب بعضهم اکفاء بعض هذا فی العرب اما فی العجم فتعتبر حریته واسلامه وديانته وحرفته یعنے کفاءت باعتبار نسب کے ہے تو قریش بعض بعض کے کفو ہیں اور بقیہ عرب بعض بعض کے کفو ہیں یہ عرب میں ہے اور عجم میں حریت اسلام دیانت اور حرفت کا اعتبار ہے اور رد المحتار میں ہے المراد بالعجم من لم ینتسب الی احدی قبائل العرب ویسمون الموالی والعتقاء وعامة اهل القری والامصار فی زماننا منهم سواء تکلموا بالعربیة او غیرها الا من کان له نسب معروف کالمنتسبین الی احد الخلفاء الاربعة او الی الانصار ونحوهم یعنے عجم سے مراد وہ لوگ

ہیں جو قبائل عرب میں سے کسی کی جانب منسوب نہوں ایسے لوگ موالی اور عتقار کہلاتے ہیں اور عوام دیہاتی اور شہری آجکل ایسے ہی لوگ ہیں چاہے وہ عربی بولتے ہوں یا نہ بولتے ہوں البتہ وہ لوگ جنکا نسب معروف ہے مثلاً خلفاء اربعہ یا انصار رضی اللہ عنہم میں سے کسی کیجانب منسوب ہوں تو وہ عرب ہیں اور بھی درمختار میں ہے العجمی لایکون کفواللعربیۃ عجمی عربوں کا کفو نہیں ہے اور فتح القدیر اور بزازیہ وغیرہ میں ہے العالم العجمی یکون کفوا للعربی الجاهل والعلویۃ لان شرف العلم فوق شرف النسب یعنی عالم عجمی جاہل عربی اور سید کا کفو ہوسکتا ہے کیونکہ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھکر ہے ان عبارتوں سے یہ امر ثابت ہوا کہ اہل ہند جنکا نسب کسی قبیلہ عرب سے ملتا ہے جیسے صدیقی فاروقی شیخ انصاری سید وغیرہ ان سب کے آپسمیں کفارت ثابت ہے اور جس قوم کا نسب کسی قبیلہ عرب سے نہ ملتا ہو وہ ان لوگوں کا کفو نہیں ہے مگر یہ کہ عالم ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** اعلان نکاح کے لیے طبل کا بجانا مباح ہے یا نہیں **جواب** اعلان نکاح کیواسطے دف کا بجانا مباح ہے حدیث میں ہے اعلنوا النکاح ولو بالدف اخرجہ الترمذی وغیرہ بالفاظ متقاربۃ یعنی اعلان نکاح کرو اگرچہ دف ہی کیوں نہو اسے ترمذی اور دوسروں نے روایت کیا ہے الفاظ سب کے قریب قریب ہیں اور اسکے سوا اور مزامیر طبلہ یا طنبور وغیرہ بنصوص صریحہ صحیحہ ممنوع ہیں اسی لیے حنفیہ بھی نکاح میں صرف دف کی اجازت دیتے ہیں اور اسکو بھی اس امر کیساتھ مشروط کرتے ہیں کہ اسمیں جھانجھ نہو خزانۃ الروایات میں ہے فی الغیاثیۃ ضرب الدف فی النکاح اعلانا وتشهیرا سنۃ وفی خلاصۃ لاباس بالدف لیلۃ العرس یعنی غیاثیہ میں ہے کہ شادی میں بغرض اعلان و شہرت دف بجانا سنت ہے اور خلاصہ میں ہے کہ شادی کی رات کو دف بجانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور بھی اسمیں ہے یجب ان یکون بلا سنجات وجلاجل واجب ہے کہ دف سنجات اور جھانجھ کے بغیر ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ دف کے سوا اور کسی باجے کے بجانے کی اجازت اعلان نکاح کے لئے نہ تو احادیث سے ثابت ہے نہ کسی معتبر حنفی نے اسکی تصریح کی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** اعلان نکاح کے لئے دف کا بجانا مباح ہے یا مستحب بوقت نکاح یا بعد نکاح دف بجانا مستحب ہے یا سنت مزامیر و ملاہی مثل نقارہ یا ہندوستانی باجہ یا انگریزی نوبت کا مع زیر و بم و شہنائی شادی میں بجانا جائز ہے یا نہیں اور امام شافعی کے نزدیک نوبت و شہنائی بجائے دف کے جائز ہے یا حرام اور بجائے دف کے باجا نوبت و شہنائی وغیرہ پر قیاس کرنا درست ہے یا نہیں کتب تفسیر و حدیث سے تحریر فرمادیں **جواب** احادیث صحیحہ سے جملہ مزامیر کی حرمت ثابت ہے

نوٹ: اس حدیث کی مزید تحقیق کیلئے ملاحظہ فرمائیں فتاوی رضویہ قدیم جلد دہم حصہ اول

اور دف کی حلت بوقت نکاح یا دوسرے مجالس سرور میں بھی ثابت ہے اور یہی مختار محققین حنفیہ و شافعیہ کا ہے
کہ مجلس نکاح میں بغرض اعلان دف بجانا درست ہے نہ کہ اور کوئی باجہ انگریزی ہو یا ہندوستانی جامع ترمذی وغیرہ
میں مروی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تکون فی امتی خسف و مسخ اذا ظہرت القینات والمعازف
یعنی حضور سرور کائنات علیہ السلام والتحیات نے فرمایا ہے کہ میری امت میں خسف اور صورت کا بگڑنا اُس وقت سے
شروع ہوگا جب گانیوالی عورتیں اور باجے شروع ہو جائینگے اور مسند احمد میں ہے ان اللہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ
اللہ نے شراب اور جوا اور کوبہ دباجہ کا نام ہے کو حرام کیا ہے اور بھی اسیمیں ہے ان اللہ امرنی ان امحق المزامیر
خدا نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ باجون کو مٹا دوں۔ اور سنن ابو داؤد وغیرہ میں مروی ہے عن نافع
قال سمع ابن عمر مزمارا فوضع اصبعیہ فی اذنیہ ونأی عن الطریق وقال یا نافع ھل تسمع شیئا فقلت
لا فرفع اصبعیہ وقال کنت مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم فسمع مثل ھذا فصنع مثل ھذا یعنی نافع سے
مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک باجے کی آواز سنکر اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں رکھ لیں اور اُس راستہ سے
دور ہو گئے اور پوچھا اے نافع تمکو کچھ سنائی دیتا ہے میں نے کہا نہیں آپنے اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں
اور فرمایا کہ میں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے ساتھ تھا تو انھوں نے ایسی ہی آواز سنی اور ایسا ہی کیا
اور جامع ترمذی وغیرہ میں مروی ہے اعلنوا النکاح واضربوا علیہ بالغربال نکاح کا اعلان کرو اور غربال بجاؤ
اور ابن حجر مکی شافعیؒ کتاب الزواجر میں لکھتے ہیں یحرم ضرب و استماع کل مطرب کطنبور وعود ورباب و
جنگ کمنجۃ ودریج وصنج ومزمار عراقی ویراع وھو الشبابۃ وکوبۃ وغیر ذلک من الاوتار والمعازف وصح
من طرق فقد علقہ البخاری ووصلہ الاسمٰعیلی واحمد وابن ماجۃ وابو نعیم وابو داؤد باسانید صحیحۃ لا
مطعن فیھا انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیکونن فی امتی قوم یستحلون الحر ھو الفرج والحریر والخمر
والمعازف وھذا صریح ظاھر فی التحریم جمیع الات اللھو المطربۃ یعنی ہر وجد میں لانیوالی چیز کا سننا اور بجانا حرام
ہے مثلاً طنبورہ عود رباب جنگ منجہ دریج صنج مزار عراقی یراع یعنی شبابہ اور کوبہ اور دوسرے باجے اور ستار
وغیرا اسکی تصحیح متعدد طرق سے ہے بخاری نے اسکی تعلیق کی ہے اور اسمٰعیلی و احمد و ابن ماجہ و ابو نعیم و ابو داؤد
نے باسانید صحیحہ روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری قوم میں ایسے لوگ ہونگے
جو کھیل کود کو ریشم کو شراب کو اور باجوں کو حلال سمجھیں گے اس سے یہ امر ظاہر ہے کہ تمام آلات لہو و طرب
حرام ہیں الحاصل مجالس نکاح میں دف کے علاوہ کسی باجے کا بجانا درست نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی

ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** مالابد کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے اور یہ بھی ارشاد ہو کہ اس عبارت سے طبل اور دف کی اباحت اعلان نکاح میں ثابت ہوتی ہے یا نہیں مالابد کی عبارت یہ ہے ملاہی و مزامیر و طنبور و نقارہ و دف وغیرہ بالاتفاق حرام است مگر طبل غازی یعنی نقارۂ ہنگام جنگ یا دف برائے اعلان نکاح ایک صاحب نے یہ جواب لکھا ہے واضح ہو کہ مالابد کی عبارت کی تشریح یہ ہے کہ اسمیں اولاً ملاہی و مزامیر و طنبور و دہل و نقارہ و دف پر حکم حرمت کا ثابت کیا ہے پھر چونکہ یہ امور علی الاطلاق حرام نتھے بلکہ بعض صورت میں جائز بھی تھے اسلئے حرف مگر لاکر اُس سے دو چیزوں کا استثنا کیا ایک طبل یعنی نقارہ اور دوسری دف اور ان دونوں چیزوں پر بھی مطلقاً اباحت کا حکم نہیں کیا ہے بلکہ جنگ و اعلان نکاح کیساتھ مقید کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طبل اور دف بھی بقصد لہو حرام اور بقصد جنگ و اعلان نکاح جائز ہیں اور طبل کو جنگ سے کچھ خصوصیت نہیں ایسے ہی دف کو اعلان نکاح سے بھی خصوصیت نہیں ہے بلکہ جنگ میں طبل اور دف دونوں جائز ہیں اور اعلان نکاح میں بھی طبل اور دف دونوں جائز ہیں لیکن مالابد کی کتاب مختصر رہنے سے اُسمیں پوری تفصیل نہیں ہے اسی لیے دھوکا ہوتا ہے دوسری بڑی کتابوں میں جیسے طحاوی شامی وغیرہ اسکی تفصیل موجود ہے واللہ اعلم اور دوسرے صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں مالابد کی عبارت کچھ ایسی پیچ نہیں ہے جسمیں اسقدر خلاف واقع ہوا سکے معنی صاف ظاہر ہیں کہ اشیائے لہو و لعب مزامیر اور طنبور اور نقارہ اور دف بالاتفاق حرام ہیں اور طبل غازی یعنی نقارہ جنگ کیوقت اور دف اعلان نکاح کیلیے حلال ہے یہی فتاوی کبری اور حمادیہ اور ہدایہ وغیرہ کتب حنفیہ میں بالتصریح موجود ہے واللہ اعلم بالصواب چونکہ ان دونوں جوابوں میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے لہذا آپ تصفیہ فرمائیں **جواب** فتاوی اور شروح معتبرہ حنفیہ میں مصرح ہے کہ دف کے سوا جملہ مزامیر حرام ہیں البتہ بعض حنفیہ نے نقارۂ جنگ کی اباحت کی تصحیح کی ہے اور دف بغرض اعلان نکاح کو مباح لکھتے ہیں مالابدمنہ کی عبارت کا صحیح مطلب یہی ہے کہ یہ سب چیزیں حرام ہیں صرف دف بغرض اعلان نکاح اور نقارۂ جنگ کیوقت حلال ہے نہ یہ کہ نکاح کے وقت نقارہ بھی حلال ہے اور اگر بفرض محال مالابدمنہ کی عبارت اسپر دال بھی ہو تو یہ کلام بمخالفت اور حنفیہ کے مقبول نہوگا کتب معتبرہ میں نکاح کے وقت کہیں نقارہ کی اجازت نہیں ہے بلکہ صراحتہً ممانعت ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** کچھ تمہید کے بعد یہ سوال پیش کیا ہے کہ فرض کیا جائے کہ زید پسر نابالغ کا نکاح بولایت پدر ہندہ نابالغہ کیساتھ بے رضامندی و اطلاع پدر ہندہ مادر ہندہ نے کردیا چند ماہ

کے بعد جب پدر ہندہ آیا اور نکاح سے مطلع ہوکر ساکت رہا اور پدر ہندہ نے اور خود ہندہ نے بعد بلوغ کوئی دعوی انفساخ کا نہیں کیا تو وہ نکاح جائز سمجھا جائیگا یا نہیں الراقم پنڈت کشن نرائن منصف اترولہ ضلع گونڈہ **جواب** اس صورت میں یہ نکاح جائز سمجھا جائیگا اگرچہ بعد بلوغ ہندہ کو فسخ کا اختیار تھا مگر وہ اختیار فوری ہوتا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اذا بلغت وھی عالمۃ بالنکاح او علمت بہ بعد بلوغھا فلابد من الفسخ فی حال البلوغ او العلم فلو سکتت ولو قلیلا بطل خیارھا ولو قبل تبدیل المجلس یعنی جبکہ عورت بالغ ہوئی اور اُسے نکاح کا علم تھا یا بلوغ کے بعد اُسے نکاح کا علم ہوا تو بلوغ یا علم کے وقت فسخ نکاح ضروری ہے اور اگر کچھ دیر بھی سکوت کیا تو اُسکا خیار باطل ہوگیا اگرچہ یہ سکوت تبدیل مجلس کے قبل ہی ہو پس جبکہ بعد بلوغ ہندہ نے کچھ تعرض نہیں کیا تو اب اسکو خیار فسخ باقی نہیں رہا اور اگرچہ لڑکوں کے نکاح کی ولایت عصبات کو حاصل ہے جیسے باپ دادا چچا وغیرہ اور انکی موجودگی میں بغیر اُنکی رضامندی کے ماں کا نکاح کردینا نافذ نہیں ہوتا مگر جب ولی اقرب باپ وغیرہ اپنی رضا ظاہر کردے اور مطلع ہونیکے بعد تعرض نکرے تو وہ نکاح نافذ سمجھا جائیگا درمختار میں ہے ولا یبطل تزویجہ السابق ای تزویج الولی الابعد حال غیبۃ الاقرب بعود الاقرب یعنی ولی کی تزویج سابق صرف ایک صورت میں باطل ہوتی ہے اور وہ یہ کہ کوئی ولی اقرب موجود ہو اور وہ لوٹ گئے۔ پس جبکہ آنے کے بعد بھی باپ نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور کچھ اعتراض نہیں کیا تو وہ نکاح جائز رہا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** دختر ہمشیرہ زادی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز نہیں ہے عالمگیری میں ہے وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن انتہی یعنی اسیطرح بھائی اور بہن کی لڑکیاں اگرچہ نیچی ہوں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** جو شخص نہ نماز پڑھتا ہو نہ روزے رکھتا ہو تمام سال میں شاید اُسکو ایک روزہ اور دس نماز کا اتفاق ہوجاتا ہو اور یہ ترک صوم و صلاۃ بلا اخفا بلا سبب اور بلا عذر شرعی کے محض بیباکی کیوجہ سے ہو مسائل شرعی اور امور دین کے ساتھ استہزاء اور استخفاف کرتا ہو جھوٹ اور فریب اور غیبت اور سب و شتم مسلمانان اور فحش کلام اور مسخراپن سے ہرگز اجتناب نکرتا ہو بلکہ اکثر اوقات اسمیں مبتلا رہتا ہو جمعہ و جماعات بلا عذر ترک کرتا ہو لپنی رنڈی بازی اور بدکاری اور ارتکاب دیگر کبائر کو قصۃً اپنے جلسوں میں فخریہ بیان کرتا ہو مسلمانوں کا مال مار لیتا ہو جھوٹی قسم کھانے میں تامل نکرتا ہو نقض عہد اور خلف وعدہ کرتا ہو بد خلقی اور ارتکاب امور خلاف مروت و تہذیب کیوجہ سے عموماً شہر والے

اُس سے ناراض ہوں اور اسکو بُرا سمجھتے ہوں اور انھیں بداعمالیوں کی وجہ سے اسکے خاندان والوں نے اپنے
یہاں اُسکا نکاح کرنا گوارہ نکیا ہو ایسا شخص دیانۃً کسی عورت صالحہ بنت صالح یا فاسقہ بنت صالح کا جسکے
آباواجداد تقویٰ اور صلاح مروت اور تہذیب وغیرہ صفات حمیدہ میں مشہور ہوں اور اسکا ولی اس مرد کیساتھ
نکاح کرنے کو سخت عار سمجھتا ہو شرعاً کفو ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر کفو نہیں ہے تو وہ عورت کبیرہ سیہ مطلقہ ثلاثہ
بعد انقضائے عدت اگر بلا اجازت اور سراسر بلا رضامندی اپنے ولی کے بعد علم اس بات کے کہ ولی اس
فعل سے سخت ناراض ہے خود نکاح کرلے اور اپنے ننگ و عار اور اپنے اور تمام خاندان کی رسوائی کا لحاظ نکرے
اور ولی کی ممانعت کو نہ مانے تو یہ نکاح شرعاً درست اور قابل اعتبار ہے یا نہیں اور نکاح اگر تحلیل زوج اول کیلئے
کیا ہو تو اس نکاح سے بعد وطی وہ عورت پہلے شوہر کیواسطے نکاح ثانی کے ذریعہ سے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں اور
شرعاً یہ نکاح فاسد ہے بعد اعتراض ولی حکم حاکم وقت سے تفریق ہونی چاہیے یا نکاح باطل ہے ابتداءً اس نکاح
کا انعقاد ہی نہیں ہوا اور بغیر تفریق قاضی بوجہ عدم انعقاد نکاح کے عورت خود اس مرد سے جدا ہو سکتی ہے
یا نہیں **جواب** مطلق فسق کے ثابت ہونے سے مرد کی کفارت بنت صالح کے ساتھ شرعاً باطل ہو جاتی
ہے خواہ بنت صالحہ ہو یا فاسقہ چہ جائیکہ فسق بالاعلان تو اس سے بطریق اولی باطل ہو جائیگی اور ایک امر
جس سے مطلق فسق ثابت ہو سقوط کفارت کیواسطے کافی ہے اور سوال میں بہت سے امور ذکر ہیں جن سے شرعاً
فسق بالاعلان ثابت ہوتا ہے کیونکہ مطلق فسق کی تعریف فتاویٰ شامی میں یہ لکھی ہے والفاسق من فعل
کبیرۃ او اصر علی صغیرۃ فاسق وہ ہے جو گناہ کبیرہ کرے یا گناہ صغیرہ بار بار کرے۔ اور قاضی خاں میں ہے
وتکلموا فی الفسق الذی یمنع الشهادۃ اتفقوا علی الاعلان بکبیرۃ یمنع الشهادۃ و فی الصغائر ان کان معلنا
نوع فسق مستشنع یسمیه الناس بذلك فاسقا مطلقا لا تقبل شهادته یعنے اُس فسق کے متعلق جو مانع
شہادت ہے اختلاف ہے اس امر میں سب متفق ہیں کہ گناہ کبیرہ علی الاعلان کرنا مانع شہادت ہے اور صغائر
اگر علی الاعلان کرتا ہو تو یہ ایک قسم کا قبیح فسق ہے جسکی بدولت لوگ اُسے فاسق کہیں گے اور اُسکی شہادت
مقبول نہوگی۔ اور ہدایہ میں ہے لا تقبل شهادۃ من یاتی بابا من الکبائر التی یتعلق بها الحد للفسق یعنے
اُس شخص کی شہادت مقبول نہیں جس سے ایسے گناہ کبیرہ صادر ہوں جو مستوجب حد ہوں کیونکہ ایسا
شخص فاسق ہے ہدایہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صرف ایک گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے فسق ثابت ہو جاتا
ہے اور یہاں تو بعض امور مثل استخفاف و استہزاء حد کفر تک پہونچاتے ہیں پس لامحالہ یہاں کفارت دیانۃً باطل

ہو گئی درمختار میں ہے ودیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوء الصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان
اولا علی الظاہر دیانۃً فاسق صالحہ یا اُس فاسقہ کا کفو نہیں ہے جو صالح کی لڑکی ہو خواہ فاسق معلن ہو یا
غیر معلن ظاہر روایت کے مطابق۔ اور شامی نے لفظ معلنا اولا کے نیچے لکھا ہے اما اذا کان معلنا فظاہر
واما غیر المعلن فہو بان یشہد علیہ بانہ فعل کذا من الفسقات وہو لا یکرہ فیفرق بینہما الطلب
الاولیاء یعنی معلن میں تو ظاہر ہے اور غیر معلن کی صورت یہ ہے کہ اُسکے متعلق اس امر کی شہادت دیجائے کہ اُس نے
یہ فسق کی باتیں کی ہیں اور وہ اس بات کو ناگوار نہ مانے تو ان دونوں صورتوں میں اولیا کے مطالبہ پر تفریق
کرادیجائے گی۔ اور عالمگیری میں ہے ومنہا الدیانۃ تعتبر الدیانۃ فی الکفایۃ ہذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف
رحمہما اللہ وہو الصحیح کذا فی الہدایۃ فلا یکون الفاسق کفوء لصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح کذا فی المجمع
سواء کان معلن الفسق ولم یکن کذا فی المحیط یعنی کفارت میں دیانت بھی معتبر ہے یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف
رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے تو فاسق صالحہ یا اُس فاسقہ کا کفو نہو گا جسکا باپ
صالح ہے جیسا کہ مجمع میں ہے خواہ وہ فسق علی الاعلان کرتا ہو یا علی الاعلان نکرتا ہو جیسا کہ محیط میں ہے اور
اسی مقام پر ہدایہ میں لکھا ہے والدیانۃ ای عندہما وہو الصحیح اور دیانۃ یعنی شیخین (امام ابو حنیفہ اور امام ابو
یوسف رحمہما اللہ) کے نزدیک اور یہی صحیح ہے۔ ان روایتوں سے جب کفارت باطل ہو گئی تو غیر کفو ہونا اُس مرد
کا ثابت ہوا اور غیر کفو میں کبیرہ ثیبہ کا نکاح بغیر اذن ولی کے جائز نہیں ہوتا اور شرعاً کفارت دفع عار کیواسطے معتبر
ہوتی ہے اور وہ اولیا کا حق ہے پس عورت اگر فاسقہ ہو اور اسوجہ سے کفارت کی پروا نکرے تو حق اولیا کا جو ثابت
ہے ساقط نہیں ہوتا درمختار میں ہے وہی حق الولی لا حقہا کفارت ولی کا حق ہے خود عورت کا حق نہیں ہے پس
اگر بغیر اذن صریحی ولی کے عورت نے نکاح کیا ہے تو وہ نکاح فاسد نہیں ہے بلکہ باطل ہے اور تفریق قاضی کی
ضرورت نہو گی بلکہ وہ نکاح کالعدم اور غیر منعقد سمجھا جائیگا چنانچہ درمختار میں کبیرہ ثیبہ کے حق میں حکم صغیرہ
بیان کرنیکے بعد لکھا ہے ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وہو المختار للفتوی لفساد الزمان یعنی غیر کفو
کیساتھ مطلقاً نکاح کے ناجائز ہونیکا فتوٰی دیا گیا ہے اور فساد زمانہ کیوجہ سے یہی مختار ہے۔ فتاوی شامی
باب الولی میں اس قول کی شرح میں لکھا ہے قولہ بعدم جوازہ اصلا ہذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وہذا اذا
کان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ بحر۔ وقول البحر لم یرض بہ یشمل ما اذا لم یعلم
اصلا فلا یلزم التصریح بعدم الرضی بل السکوت منہ لا یکون رضی کما ذکرنا فلا بد حینئذ لصحۃ العقد

من رضاہ صریحا او علنا فلو سکت قبلہ ثم رضی بعدہ لا یفید یحیی نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت
کی ہے اور یہ اُس صورت میں ہے کہ عورت کا ولی موجود ہو اور وہ قبل عقد اس نکاح سے ناراض ہو تو بعد نکاح
رضامندی بے سود ہے بحر اور بحر کا قول لم یرض بہ اُس صورت کو بھی شامل ہے کہ ولی کو علم ہی نہو تو نارضامندی
کی صراحت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ سکوت بھی نارضامندی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ہمنے اوپر ذکر کیا تو بہانپر
صحت عقد کے لئے صراحۃً ولی کی رضامندی ضروری ہے پس اگر قبل نکاح سکوت کیا اور بعد نکاح کے رضامندی
ظاہر کی تو بے سود ہے۔ درمختار کے قول وھو المختار للفتوی کے نیچے شامی نے لکھا ہے وقال الشمس الائمۃ وھذا
اقرب الی الاحتیاط شمس الائمہ نے کہا ہے کہ یہ اقرب الی الاحتیاط ہے اسیطرح تصحیح علامہ قاسم میں ہے اور عالمگیری
میں ہے ثم المرأۃ اذا زوجت نفسہا من غیر کفوء صح النکاح فی ظاہر الروایۃ عن ابی حنیفۃ وھو قول ابی یوسف
آخرا وقول محمد آخرا ایضا حتی ان قبل التفریق یثبت فیہ حکم الطلاق والظہار والایلاء والتوارث وغیر
ذلک ولکن للاولیاء حق الاعتراض وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقد وبہ اخذ کثیر من
مشائخنا کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایۃ الحسن وقال الشیخ الامام شمس الائمۃ السرخسی روایۃ
الحسن اقرب الی الاحتیاط کذا فی فتاوی قاضیخان یعنی عورت اگر غیر کفو سے شادی کرے تو ظاہر روایت میں
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے اور یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا آخر قول ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کا بھی
آخر قول ہے حتی کہ قبل تفریق حکم طلاق و ظہار و ایلاء و توارث وغیرہ ثابت ہوگا لیکن اولیا کو اعتراض کا حق ہے اور
حسنؒ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ نکاح منعقد نہوگا اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ نے اخذ کیا
ہے جیسا کہ محیط میں ہے اور آجکل حسنؒ کی روایت فتوے کے لئے پسندیدہ ہے شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ حسنؒ
کی روایت اقرب الی الاحتیاط ہے جیسا کہ فتاوی قاضیخاں میں ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اُس عورت نے
اگر بلا اذن صریح ولی کے اُس شخص کیساتھ نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے اور قول مفتی بہ کے موافق سرے سے
نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوا بس بغیر تفریق قاضی یا حاکم وقت کے عورت اُس مرد سے خود جدا ہو سکتی ہے اور حکم
قاضی سے بطریق اولی ضرور جدا ہو سکے گی اور یہ نکاح اگر تحلیل زوج اول کیواسطے کیا جائے تو اسکے ذریعہ سے
وہ عورت شوہر اول کے لئے بذریعہ نکاح ثانی حلال نہیں ہو سکتی چنانچہ درمختار میں قول ویفتی فی غیر الکفو
بعدم جوازہ اصلا پر تفریع کرکے اسکے آگے لکھا ہے فلا تحل مطلقۃ ثلاثا نکحت غیر کفوء بلا رضی ولی بعد
معرفتہ ایاہ یعنی جس عورت نے ولی کی بے رضامندی غیر کفو سے نکاح کیا اُسے اگر تین مرتبہ طلاق دیجائے تو بھی

وہ شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اور شامی نے اس قول کی شرح میں لکھا ہے قولہ نکحت نعت لمطلقۃ وقولہ بلا رضی متعلق بنکحت وقولہ بعد ظرف للرضی الضمیر فی معرفتہ للولی وفی ایاہ لغیر الکفو وقولہ بلا رضی نفی منصب علی المقید الذی ھو رضی الولی وعلی القید الذی ھو بعد معرفتہ ایاہ فیصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمہما وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلاثۃ لا تحل انما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلک یعنی نکحت مطلقہ کی صفت ہے اور بلا رضی نکحت کے متعلق ہے اور بعد رضا کا ظرف ہے اور معرفتہ میں ضمیر ولی کیجانب اور ایاہ کی ضمیر غیر کفو کیجانب راجع ہے اور بلا رضی کی نفی مقید یعنی رضائے ولی اور قید معرفتہ ایاہ کے ساتھ قائم ہے تو یہ صادق آئیگا جبکہ معرفت کے بعد رضامندی نہو یا معرفت معدوم ہو یا رضامندی موجود ہو اور معرفت معدوم ہو تو ان تینوں صورتوں میں وہ شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوسکتی البتہ چوتھی صورت یعنی ولی غیر کفو کے ساتھ نکاح کی اجازت دے اور اُسے علم ہو ان روایتوں سے ثابت ہوگیا کہ اس نکاح کے ذریعہ سے وہ عورت شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوسکتی یعنی شوہر اول کیواسطے اُسوقت میں حلال ہوتی جب نکاح شرعاً جائز ہوتا جب نکاح شرعاً بالکل منعقد ہی نہیں ہوا تو تحلیل کہاں ہوئی (فلا تحل) قول درمختار میں جو تفریع ہے اسکے یہی معنی ہیں جب نکاح بالکل باطل ہوا تو زنا کا اطلاق شرعاً متعاقدین کے اوپر سے ساقط نہیں ہوسکتا واللہ اعلم بالصواب انتہی صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال اگر زید کسی بالغہ عورت سے اسطرح نکاح کرے کہ ایسی زبان میں جسے عورت نہیں جانتی کہے کہ میں نے بعوض اتنے مہر کے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا اور اسی زبان میں عورت سے ایسے الفاظ کہلائے جو قبول کردم یعنی میں نے قبول کیا کے معنی رکھتے ہوں۔ اور ایسے دو شخصوں کو گواہ کرے کہ وہ بھی اُس زبان سے واقف نہوں یا واقف ہوں پس دونوں صورتوں میں کسی صورت میں زید کا نکاح اس عورت کیساتھ صحیح ہوگا یا نہیں

جواب ایسی صورت میں فقہا کا اختلاف ہے خلاصۃ الفتاوے میں ہے لقنت المرأۃ زوجت نفسی بالعربیۃ وھی لا تعرف بشیٔ من ھذا وقبل فلان وذلک بمحضر من الشہود والشہود یعلمون او لا یعلمون صح النکاح کالطلاق وقیل لا یصح کالبیع یعنی عورت کو عربی زبان کے الفاظ زوجت نفسے سکھا دیے گئے اُسے اُسکے معنے وغیرہ معلوم نہ تھے جب اُسنے یہ الفاظ کہے تو کسی نے کہا قبلت یعنی میں نے قبول کیا یہ واقعہ بہت سے لوگوں کے سامنے ہوا جو اُسکے معنی جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے تو طلاق کیطرح نکاح صحیح ہوگا اور بعضوں کے نزدیک بیع کیطرح صحیح نہوگا پس

ایسی صورت سے کہ جس میں ایک جماعت فقہا کے قول کے موافق حرام کا ارتکاب ہوتا ہو احتراز واجب ہے
واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** ایک شخص نے اپنی منکوحہ کیساتھ
اغلام کیا نکاح باقی رہا یا نہیں اور شرعاً اسکے لیے کیا سزا ہے **جواب** نکاح رہا لیکن سخت گناہ ہوا وہ شخص
مستحق تعزیر ہے اور اسپر توبہ واجب ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** مسماۃ
ہندہ کے حرام کا حمل نامعلوم شخص سے تھا اسکی نانی نے حمل کو چھپا کر زید نابالغ کیساتھ اسکی ماں کی اجازت
سے نکاح پڑھوا دیا اور نکاح کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے نانی ہندہ کو بھگا لیگئی اور باہر ہندہ کے لڑکی پیدا ہوئی
اب کئی سال کے بعد اسکی نانی آسے لیکر آئی ہے اور چاہتی ہے کہ زوج و زوجہ آپس میں ملجائیں اور زید جواب بالغ
ہو چکا ہے کہتا ہے کہ یہ عورت خراب ہے میں اسکو رکھنا نہیں چاہتا اور حالت نابالغی میں میرا نکاح حمل کی موجودگی
میں ہوا تھا وہ جائز نہیں ہوا اور نہ ابتک خلوت صحیحہ ہوئی ہے تو اس صورت میں کسطرح ملوں اسلیے مجھپر مہر
بھی واجب نہیں بلکہ اس خرچہ کے پانے کا مستحق ہوں جو میری شادی میں فریب ہی کیوجہ سے ہوا تھا
لہذا نکاح اس زانیہ کا حالت حمل میں بحالت نابالغی زید کیساتھ درست ہوا یا نہیں اور زید پر مہر واجب ہے
یا نہیں اور زید دلا پانے خرچہ شادی کا مستحق ہے یا نہیں **جواب** نکاح درست ہوا اور زید پر نصف مہر
واجب الادا ہے اور زید کو اختیار ہے کہ اب خواہ وہ نکاح باقی رکھے یا فسخ کردے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی
محمد عبد الحی **سوال** زید کو ہندہ نا کتخدا کیساتھ موافقت تھی اب ہندہ بخوشی زید کے یہاں اسکے ایما سے
آکر رہی تو زید نے باستر ضاے ہندہ گھر سے باہر نکل کے چار آدمیوں سے بیان کیا کہ میں اپنی طرف سے
اصالتاً اور ہندہ کیطرف سے وکالتاً بیان کرتا ہوں کہ میں نے اسکے ساتھ دس دینار مہر پر نکاح کیا اور اسنے
مجھسے نکاح کیا اور راضی ہے تم اسکے گواہ رہنا اور ہندہ نے عورتوں کے مجمع میں علانیہ بیان کیا کہ زید کیساتھ
میرا نکاح ہو گیا اور وہ چاروں گواہ زید اور ہندہ سے بخوبی واقف ہیں نکاح درست ہوا یا نہیں اور تھوڑے دنوں کے
بعد ہندہ کے بطن سے مسمی بکر پیدا ہوا پس بکر حلالی ہے یا حرامی ہے اور بکر زید کی ریاست اور دیگر اموال منقولہ و غیر
منقولہ کا ازروے شرع محمدی بعد زید کے مالک و وارث ہوگا یا نہیں **جواب** اس صورت میں نکاح نہیں ہوا اور بکر
زید کا وارث نہیں ہوسکتا ہاں اگر ایک ہی مجلس میں گواہوں نے دونوں کا اقرار سنا ہو تو البتہ نکاح ہو جائیگا
واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** ایک عورت نے زید کو اپنا نکاح پڑھانے کے
لیے ولی مطلق کیا اور عمرو اور بکر زید کی وکالت کے گواہ ہوئے اور زید نے بکر کیساتھ عورت اور ولی کی بے اطلاع

اپنی اجازت سے نکاح پڑھوا دیا تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں **جواب** اگر نکاح پڑھانے کے وقت زید بھی موجود تھا تو درست ہوا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** نابالغہ لڑکی جسکا نانا اور بہن موجود ہے اور عصبات میں سے کوئی عصبہ زندہ نہیں ہے تو اسکے نکاح کی ولایت بہن کو ہے یا نانا کو فقہا کے اس بارہ میں دو قول ہیں انہیں سے ترجیح کسکو ہے **جواب** پوشیدہ نہیں کہ فقہا کی عبارتوں میں عصبہ سے جسکو نکاح کی ولایت ہے عصبہ بنفسہ مراد ہے نہ مطلق عصبہ اور ذوالارحام سے جسکو عصبہ کے بعد ولایت ہے مطلق صاحب قرابت مراد ہے نہ وہ جو اہل فرائض میں مشہور ہے شرح وقایہ میں ہے والولی العصبة والمراد بالعصبة بنفسہ ای من یتصل بالمیت بلا توسط انثی لا العصبة بالغیر کالبنت اذا صارت عصبة بالابن فلا ولایة لها علی امها المجنونة وکذا العصبة مع الغیر کالاخت مع البنت لا ولایة لها علی اختها المجنونة یعنے ولی عصبہ ہے عصبہ سے عصبہ بنفسہ مراد ہے یعنے وہ مرد جسے میت سے بلا توسط کسی عورت کے قرابت ہو عصبہ بالغیر مثلاً لڑکی جب لڑکے کیساتھ ملکر عصبہ ہوجائے تو اسے اپنی مجنونہ ماں پر ولایت حاصل نہیں ایسا ہی عصبہ مع الغیر مثلاً بہن جو لڑکی کیساتھ عصبہ ہوجائے اُسے اپنی مجنون بہن پر ولایت نہیں ہے اور اس عبارت کی محققانہ تحقیق میں نے عمدۃ الرعایہ میں کی ہے برجندی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں المراد ههنا العصبة بنفسه یہاں مراد عصبہ بنفسہ ہے اور مصنف کے قول ثم ذو الرحم کی شرح میں لکھتے ہیں لم یرد به ما هو المتعارف عند اصحاب الفرائض یعنے اس سے وہ مراد نہیں جو اہل فرائض میں مشہور ہے اسی طرح ملتقی الابحر اور اسکی شرح مجمع الانہر اور تنویر الابصار اور اسکی شرح منح الغفار اور بحر الرائق وغیرہ میں ہے اور اس تمہید کے بعد جانو کہ جس صورت میں نابالغہ کی ایک ہمشیر اور نانا موجود ہو تو پھر ہمشیر کی ولایت کو نانا کی ولایت پر اس وجہ سے مقدم کرنا کہ ہمشیر عصبہ بن جاتی ہے اور نانا ذوی الارحام میں سے ہے فاسد پر مبنی ہے کیونکہ ہمشیر جو عصبہ ہوجاتی ہے تو عصبہ بنفسہ نہیں ہوتی اور نانا اگرچہ فرائض والوں کی اصطلاح میں ذوی الارحام میں سے ہے اور ہمشیر اُس سے خارج ہے مگر اس بات کیوجہ سے جو ولایت میں ملحوظ ہے ہمشیر بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور ہر چند کہ اسمیں فقہا کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ نانا بہن پر مقدم ہوگا اور بعض کے نزدیک بہن نانا پر مقدم ہوگی لیکن دلائل پر نظر کرکے معلوم ہوتا ہے کہ نانا کی ولایت مرجح ہے بحر الرائق میں ہے ظاهر کلام المصنف ان الجد الفاسد مؤخر عن الاخت لانه من ذوی الارحام و ذکر المصنف فی المستصفی انه اولی منها عند ابی حنیفة وعند ابی یوسف الولایة لهما کما فی المیراث وفی فتح القدیر قیاس ما صحح فی الجد والاخ من تقدیم الجد تقدیم الجد الفاسد علی الاخت فثبت بما ان الدی

ان الجد الفاسد بعد الام قبل الاخت یعنی مصنف کا ظاہر کلام یہ ہے کہ نانا بہن سے موخر ہے کیونکہ وہ ذوی الارحام سے ہے مصنف نے مستصفی میں کہا ہے کہ نانا بہن سے اولیٰ ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کو ولایت کا حق ہے جیسا کہ میراث میں اور فتح القدیر میں ہے کہ جب دادا و بھائی میں دادا کا مقدم ہونا صحیح مانا گیا ہے تو قیاس کا مقتضے یہی ہے کہ نانا اور بہن میں نانا مقدم ہو اس سے معلوم ہوا کہ مذہب یہ ہے کہ نانا کا مرتبہ ماں کے بعد اور بہن کے قبل ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے قلت وجہ القیاس انہم ذکروا ان الاصح ان الجد باب الاب مقدم علی الاخ عند الکل وان اشترک مع الاخ فی الارث عندھما لان الولایۃ تبتنی علی الشفقۃ و شفقۃ الجد فوق شفقۃ الاخ وحینئذ یقاس علیہ الجد الفاسد مع الاخت فان الشفقۃ اقوی منہا یعنی میں کہتا ہوں وجہ قیاس یہ ہے کہ فقہا نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ دادا بھائی پر مقدم ہے سب کے نزدیک اگرچہ صاحبین کے نزدیک وراثت میں دادا بھائی کیساتھ شریک ہے مگر ولایت شفقت پر مبنی ہے اور دادا کی شفقت بھائی کی شفقت سے زیادہ ہے لہٰذا اس صورت میں نانا کو بہن کیساتھ ہونیکے وقت اسی پر قیاس کیا جائے کہ نانا کی شفقت بہن سے زیادہ ہے اور فتح القدیر کی بحث ولایت عصبات میں ہے ذکر الکرخی ان الاخ والجد یشترکان فی الولایۃ عندھما و عندہ یقدم الجد کما ھو الخلاف فی المیراث والاصح ان الجد اولی بالتزویج اتفاقا یعنی کرخی نے لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک بھائی اور دادا ولایت میں مشترک ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دادا مقدم ہے جیسا کہ میراث میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ نکاح کے معاملے میں بالاتفاق دادا ہی کو ولایت اولیٰ ہے۔ اور بحث ولایت غیر عصبات میں ہے قیاس ما صحح فی الجد والاخ من تقدم الجد الفاسد علی الاخت یعنی دادا اور بھائی میں جو کہا گیا ہے اسی قیاس کیے نانا بہن پر مقدم ہے **سوال** ماں کو جو پرورش کا حق حاصل ہے وہ کس عذر سے ساقط ہوتا ہے **جواب** اگر وہ مرتد یا فاجرہ ہو زنا یا غنا یا سرقہ یا نوحہ وغیرہ کی وجہ سے یا پرورش نہ کرے بلکہ اکثر بچے کو اکیلے گھر میں چھوڑ کر گھر سے باہر چلی جاتی ہو یا دختر کے غیر محرم سے نکاح کرلے تو پرورش کا حق باقی نہیں رہتا درمختار میں ہے الحضانۃ تثبت للام ولو بعد الفرقۃ الا ان تکون مرتدۃ او فاجرۃ فجورا یضیع الولد بہ کزنا وغناء وسرقۃ ونیاحۃ کما فی البحر وغیرہ مامونۃ ذکرہ فی المجتبی بان تخرج کل وقت وتترک الولد ضائعا او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر یعنی حق حضانت ماں کے لئے ثابت ہے فرقت کے بعد بھی مگر جبکہ مرتد ہو جائے یا اس سے اس قسم کے فسق و فجور صادر ہوں جس سے لڑکا ضائع ہو جائے مثلاً زنا غنا سرقہ نوحہ کرنا جیسا کہ بحر میں ہے یا جن سے لڑکا غیر محفوظ ہو جائے مجتبی میں اسکی تفصیل یوں کی ہے کہ مثلاً وہ ہر وقت پھرا کرتی ہے اور لڑکا اکیلا پڑا رہتا ہو یا اُسنے صغیرہ کے

ماں کا حق پرورش کس عذر سے ساقط ہوتا ہے

نامحرم سے شادی کرلی ہو انتہی **سوال** عصبات کو حضانت کا حق ہی یا نہیں **جواب** جب ماں
اور خالہ اور نانی وغیرہ نہوں یا ہوں مگر کسی عذر کیوجہ سے اُنکا حق ساقط ہوگیا ہو تو عصبات کو پرورش
کیلئے بچہ دیا جائیگا عالمگیری میں ہی واذا وجب الانتزاع من النساء او لم یکن للصبی مرأة من اهله یدفع
الی العصبة یعنی جب عورتوں سے بچہ چھین لینا واجب ہو یا بچے کے اہل میں کوئی عورت نہو تو بچہ عصبہ کو دیا جائیگا
سوال صغیرہ کو بیاہ دینے سے ماں کا حق حضانت ساقط ہوتا ہی یا نہیں **جواب** نہیں قنیہ میں ہی
الصغیرة اذا لم تکن مشتهاة ولها زوج لا یسقط حق الام فی حضانتها ما دامت لا تصلح للرجال وفی
روایة عن ابی یوسف اذا کانت تصلح للاستیناس بها یعنی صغیرہ اگر شہوت والی نہو اور اسکا زوج موجود ہو تو
ماں کا حق پرورش ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ وہ مرد کے لائق نہو جائے مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے
ایک روایت اسکے خلاف ہی جس صورت میں کہ لڑکی اس قابل ہو جائے کہ مرد یعنے اُسکے شوہر کو اُس سے انسیت
اور محبت ہونے لگے **سوال** ماں اور نانی کے حق میں صغیرہ کی حق پرورش کی کتنی مدت ہی **جواب**
جبتک وہ نو برس کی نہو جائے برجندی نے شرح نقایہ میں لکھا ہی وعن محمد ان الام والجدة احق بها حتی تشتهی
ای تبلغ حد الشهوة وهو المعتمد لفساد الزمان یعنی امام محمد رحمة اللہ سے مروی ہی کہ ماں اور دادی کو حق پرورش ہی
یہانتک کہ وہ حد شہوت کو پہونچ جائے اور فساد زمانہ کیوجہ سے یہی قول معتمد ہی اور درمختار میں ہی وقدر بتسع
اور کبھی اسمیں وسعت دیجاتی ہی **سوال** صغیر کے پرورش کی کتنی مدت ہی **جواب** جبتک وہ سات برس
کا نہو جائے **سوال** لڑکی جب نو برس کی اور لڑکا سات برس کا ہو جائے تو کیا اُسے اختیار ہی کہ ماں
باپ میں سے جسکے ساتھ رہنا پسند کرے رہے **جواب** بلوغ تک اختیار نہیں ہی بلکہ باپ یا دادا اپنے پاس
رکھے گا اور بلوغ کے بعد اُسے اختیار ہی جہاں چاہے رہے واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال**
ماں اور بہن کے ہوتے دادی کو حق حضانت ہی یا نہیں **جواب** نہیں ہی درمختار میں ہی کہ ماں کے مرنے یا
پرورش کو قبول نکرنے یا کسی باعث اُسکے حق کے ساقط ہو جانے یا کسی غیر مرد سے نکاح کر لینے کے بعد
نانی کو حق ہی درجہ بدرجہ اُسکے بعد دادی کو درجہ بدرجہ انتہی حررہ الراجی عفو ربه القوی محمد عبد الحی

باب المهر

سوال ہندہ پانی بھرنے کنویں پر گئی اتفاقاً اُسکا پانوں پھسلا کنویں میں گری اور مرگئی اب اُسکا

شوہر مہر کسکو دیکر قرضہ سے سبکدوش ہو **جواب** ہندہ کا مہر سہام شرعیہ کے موافق اُسکے ورثا کو ادا کریں واللہ اعلم حررہ ابو الاحیا محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم الجواب صحیح واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** زید نے وفات پائی اپنی زوجہ اور لڑکیوں کو وارث چھوڑا اب کل جائداد پر زوجہ ہندہ قابض ہے لڑکیاں اپنا حق مانگتی ہیں زوجہ کہتی ہے کہ میں اپنے مہر کے عوض میں تمام جائداد پر قابض ہوں کیا وہ قبضہ کر سکتی ہے **جواب** زوجہ بتر کہ شوہر بقدر اپنے دین مہر کے قبضہ کر سکتی ہے خزانۃ الروایۃ میں ہے فی الخلاصۃ من کتاب الوصایا المرأۃ یاخذ مھرھا من الترکۃ من غیر رضاء الورثۃ ان کانت الترکۃ دراھما ودنانیروان کانت شیئا مما یحتاج الی البیع تبیع ما کان اصلح وتستوفی فی صداقھا سواء کانت وصیۃ من جھۃ زوجھا اولم تکن وتاخذ من غیر رضاء الورثۃ یعنی عورت بے رضاء ورثہ ترکہ سے اپنا مہر لے لیوے اگر وہ ترکہ دراہم یا دنانیر ہوں اور اگر ایسی چیز ہو جو محتاج بیع ہے عورت اسکو بیچے گی جو اصلح ہوگی اور اپنا مہر پورا کر لے گی خواہ شوہر کی طرف سے وصیت ہو یا نہو اور بغیر وارثوں کی رضامندی کے لے گی **سوال** (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم مہر کی تلقین فرمائی ہے یا زیادہ کی اور کم مہر والی عورت کی تعریف کی ہے یا زیادہ مہر والی کی (۲) اب مسلمانوں کو بھی اپنی لڑکیوں کا مہر کم مقرر کرنا چاہیے یا زیادہ کس میں فضیلت زیادہ ہے (۳) جو شخص کم مہر باندھنے کو سنت جانتا ہے لیکن آبائی طریقہ چھوٹنے کی وجہ سے اُسپر عمل نہیں کرتا اُسپر کیا حکم کیا جائیگا بلکہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر اُنسے کہا جاتا ہے کہ کم مہر باندھنا سنت ہے تو جواب دیتے ہیں کچھ ہو ہم کم نکریں گے ہمارے باپ دادا کے وقت سے زیادہ ہی چلا آتا ہے اور بعض فقط یہی کہتے ہیں کچھ ہو ہم کم نکریں گے انکا کیا حکم ہے **جواب** اگرچہ مہر کی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں مگر اتنا مہر باندھنا جسکو کسیطرح شوہر ادا نہ کر سکے جیسا کہ اکثر بلاد میں دستور ہے اس امر کیطرف منجر ہوتا ہے کہ ادا کرنیکی نیت نہیں ہوتی اور حدیث میں ہے جو شخص مہر ادا نہ کرنے کی نیت رکھے گا وہ حکم زانی کا رکھتا ہے ابن حجر مکی زواجر عن اقتراف الکبائر میں لکھتے ہیں السابعۃ والستون بعد المائتین ان یتزوج امرأۃ وفی عزمہ ان لا یوفیھا صداقھا لو طلبتہ اخرج الطبرانی بسند رجالہ ثقات انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما رجل تزوج امرأۃ علی ما قل من المھر او کثر ولیس فی نفسہ ان یؤدی الیھا حقھا فمات ولم یؤد الیھا حقھا لقی اللہ یوم القیمۃ وھو زان یعنی دو سو سڑسٹھواں مسئلہ اس شخص کے متعلق جو کسی عورت سے نکاح کرے اور اُسکا قصد یہ ہو کہ مہر نہ ادا کرے اگر عورت طالب ہو طبرانی نے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

[illegible]

جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے (مہر کم مقرر کرے یا زیادہ) اور اسکا قصد یہ ہو کہ عورت کا حق نہ ادا کریگا تو اگر وہ بغیر مہر ادا کیے ہوے مرگیا تو اللہ کے سامنے وہ زانی ہو کر حاضر ہوگا اس حدیث کی سند کے رجال ثقات ہیں اور شرعاً کم مہر باندھنا سنت کے موافق اور زیادہ خلاف سنت ہے تفسیر درمنثور میں ہے اخرج سعید بن منصور وابو یعلی بسند جید عن مسروق قال رکب عمر بن الخطاب علی المنبر وقال یا ایہا الناس ما اکثارکم فی صداق النساء وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ انما الصدقات فیما بینہم اربع مائۃ درہم فادون ذلک ولو کان الاکثار فی ذلک تقوی عند اللہ ومکرمۃ لم تسبقوہم الیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا اے لوگو تم مہروں میں کیوں زیادتی کرتے ہو حالانکہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انکے اصحاب نے مہر چار سو درم اور اس سے کم رکھا ہے پس اگر مہر میں زیادتی تقوی و کرمت ہوتی تو تم اس معاملہ میں ان پر سبقت نہ پاسکتے۔ اور جو لوگ اس سنت سے انکار کرتے ہیں اور آباواجداد کی رسم نہیں چھوڑتے اور مروجہ طریقہ کو اچھا اور شرعی طریقہ کو برا جانتے ہیں وہ گنہگار ہونگے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** نکاح کیوقت اگر مہر معجل یا مؤجل بیان نہ کیا جائے صرف تعداد بیان کردیجائے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں **جواب** صحیح ہوگا اور تعجیل و تاجیل میں عرف کا اعتبار کیا جائیگا خزانۃ الروایات میں ہے فی الوقایۃ المعجل والموجل ان بینا فذلک والا فالمتعارف وفی السغناقی ای ینظر الی المرأۃ والی المہر المذکور فی العقد انہ کم یکون المعجل لمثل ہذہ المرأۃ من مثل ہذا المہر فیجعل ذلک القدر معجلا وانما ینظر الی المتعارف لان الثابت عرفا کالثابت شرعاً یعنی نکاح میں جو مہر معجل و مؤجل کے متعلق اگر بیان کردیا جائے تو خیر ورنہ عرف عام پر عمل کیا جائیگا اور سغناقی میں ہے یعنے عورت اور مہر کی حالت کا اندازہ کیا جائیگا کہ اس قسم کی عورت کے لئے اتنے مہر میں سے کتنا معجل ہوگا پھر اسی کے موافق معجل کیا جائیگا اور عرف عام کا خیال اسوجہ سے کیا جاتا ہے کہ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ ویسی ہی ہے جیسے جو چیز شرع سے ثابت ہو حررہ محمد عبد الحی **سوال** زید کا نکاح ہندہ کیساتھ پندرہ ہزار روپیہ مہر پر منعقد ہوا اور مہر زید کے ذمہ باقی رہگیا آخر کو زید نے اپنے مرض موت میں بدرستی ہوش و حواس یہ اقرار کیا کہ ہندہ یعنی ہماری بیوی کا مہر پندرہ ہزار روپیہ ہم پر باقی ہے لہذا میں فلاں فلاں مواضع زمینداری مالیتی تیرہ ہزار اسکے مہر میں دیتا ہوں باقی وہ دو ہزار میری دوسری جائداد سے وصول کرلے یہ اقرار صحیح ہے یا نہیں

ارث پر مقدم ہے یا نہیں **جواب** زید کا یہ اقرار صحیح ہے اور دین مہر ارث پر مقدم ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ **سوال** زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے رخصت کرا لینے کے لئے عدالت میں نالش کی ہندہ جو عاقلہ بالغہ ہے دو عذر پیش کرتی ہے اول یہ کہ زید عنین ہے دوسرے یہ کہ مہر معجل تھا اور اُسنے ابھی تک ادا نہیں کیا پس وہ شرعاً مجبور کیجا سکتی ہے یا نہیں **جواب** اس صورت میں دوسرے عذر کا اعتبار کیا جائیگا اور تا ادائے مہر معجل عورت شوہر کے گھر جانے پر مجبور نہ کیجائے گی درمختار میں ہے ولہا منعہ من الوطی ودواعیہ والسفر بہا ولو بعد وطی وخلوۃ رضیتہما لاخذ ما بین تعجیلہ من المہر کلہ او بعضہ او اخذ قدر ما یعجل لمثلہا عرفا بہ یفتی لان المعروف کالمشروط یعنی اس صورت میں زوجہ شوہر کو وطی اور دواعی وطی اور سفر سے روک سکتی ہے مہر کی جتنی مقدار معجل تھی وہ کل یا بعض یا اسقدر مہر معجل یا لینے کیلئے جو اس جیسی عورت کے لئے ہوا کرتا ہو اگرچہ وطی خلوت دونوں کی رضا سے ہو چکی ہو اور یہی مفتی بہ ہے کیونکہ عرف مثل مشروط کے ہے اور طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں قولہ والسفر کی تحت میں لکھا ہے الاولی التعبیر بالاخراج کما عبر بہ فی الکنز لیعلم الاخراج من بیتہا کما قال شارحوہ یعنی اولیٰ ہے کہ سفر کی جگہ لفظ اخراج استعمال کیا جائے جیسا کہ کنز میں ہے تا کہ گھر سے باہر لیجانیکو بھی شامل ہو جائے جیسا کہ شارحین کنز نے کہا ہے اور بحر الرائق میں ہے اطلق المصنف الاخراج فیشمل الاخراج من بیتہا ومن بلدہا فلیس لہ ذلک یعنی مصنف نے اخراج کو مطلق رکھا تا کہ گھر یا شہر سے اخراج کو بھی شامل ہو جائے کیونکہ شوہر کو اسکا بھی حق نہیں ہے اور عذر اول رخصتی کو مانع نہیں ہے بلکہ مسئلہ عنین کا حکم دیا جائیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ابو الحسنات محمد عبد الحی

کتاب الرضاع

سوال اہل اسلام کو ہنود سے یا یہود و نصاریٰ سے اور مجوسی سے سود لینا جائز ہے یا نہیں اور زید کی دختر صالحہ کو ہندہ زوجہ برادر ماموں زاد زید نے دودھ پلایا پس خالد پسر ہندہ سے برادر حقیقی زید کا عقد کرنا جائز ہے یا نہیں اور خالد ہمشیرہ رضاعی صالحہ ہے یا نہیں اور زید پر حرام ہے یا نہیں **جواب** دار الحرب میں اہل اسلام کو کفار سے ہنود ہوں یا یہود و نصاریٰ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سود لینا

جائز ہے ہدایہ میں ہے لاربوا بین المسلم والکافر فی دار الحرب لیکن بلاد ہند جو قبضۂ نصاریٰ میں ہیں دار الحرب نہیں ہیں ان میں کافر سے سود لینا جائز نہیں ہے اور خالدہ ہمشیرۂ رضاعی صالحہ ہوئی لیکن ہندہ زید پر حرام ہے نہ اُس کے برادر پر جیسا کہ درمختار میں ہے وقس علیہ یعنی فی الحل اخت ابنہ وبنتہ یعنی اسی پر اسکے لڑکے اور لڑکی کی بہن کا قیاس کرنا چاہیئے۔ یعنی حلت میں واللہ اعلم حررہ الراجی عبد الحی عفی عنہ **سوال** ہندہ کی لڑکی نے سلیمہ کا دودھ پیا اُس حالت میں کہ جب اُس لڑکی کی عمر دو برس سے زائد تھی خواہ دو تین مہینے خواہ دو تین روز لیکن چھ مہینہ کی زیادتی نہ تھی تو اس صورت میں ہندہ کی لڑکی کا نکاح سلیمہ کے لڑکے کیساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں اور شرعًا رضاعت ثابت ہوئی یا نہیں **جواب** جو رضاعت دو برس کے بعد ہو اُس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور شرعًا رضاعت کا بھی حکم نہیں ہوتا موطا امام محمد رحمہ اللہ میں ہے لایجوز الرضاع لاماکان فی الحولین فماکان فیہما من الرضاع وان کان مصۃ واحدۃ حتی تحرم کما قال عبد اللہ بن عباس وسعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر وماکان بعد الحولین لم یحرم شیئا لان اللہ عزوجل قال والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ فتمام الرضاعۃ الحولان فلا رضاعۃ بعد تمامہا تحرم شیئا یعنی رضاعت درست نہیں مگر وہ جو دو برس کے اندر ہو تو اُس میں جتنی رضاعت ہوگی اگرچہ وہ ایک ہی مرتبہ چوسنا کیوں نہ ہو اتنی ہی سے حرمت ثابت ہوجائیگی جیسا کہ عبد اللہ بن عباس اور سعید بن مسیب و عروہ ابن زبیر نے کہا ہے کہ جو دو برس کے بعد ہو اُس سے تحریم نہیں ثابت ہوتی کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مائیں اپنے بچوں کو کامل دو برس دودھ پلائیں جو رضاعت کو تمام کرنا چاہے تو تمام رضاعت دو برس ہیں اسکے بعد کی رضاعت سے کچھ حرام نہیں ہوتا واللہ اعلم حررہ الراجی عبد الحی عفی عنہ **سوال** ہندہ نے نہیدہ کو دودھ پلایا بعد انقضائے مدت رضاعت زید نے ہندہ سے زنا کیا پس اب زید نہیدہ کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر زید و نہیدہ کا نکاح اسکے علم سے قبل ہوچکا تو اب کیا کریں آیا اُنکو جدا ہوجانا چاہیئے یا بلا امتناع شرعی نکاح قائم رہیگا **جواب** زید نہیدہ کیساتھ نکاح نہیں کرسکتا بحر الرائق میں ہے اراد بحرمۃ المصاہرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمۃ اصولہا وفروعہا علی الزانی نسبا ورضاعا کما فی الوطی الحلال یعنی حرمت مصاہرت سے چار محرمات مراد ہیں عورت کا زانی کے اصول و فروع نسبی رضاعی پر حرام ہونا اور اصول و فروع

نسبی و رضاعی عورت کا مرد پر حرام ہونا جیسا کہ وطی حلال میں ہے اور رد المحتار میں ہے فی البزازیۃ المفارقۃ فی الفاسد بعد الدخول لا یکون الا بالقول کتخلیت سبیلک او ترکتک یعنی بزازیہ میں ہے کہ نکاح فاسد میں مفارقت دخول کے بعد بغیر قول کے نہیں ہو سکتی مثلاً خلیت سبیلک یا ترکتک کہے **سوال** ہندہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے زید کو دودھ پلایا ہے اور اپنے دعوے پر ذکور واناث سے کوئی گواہ نہیں رکھتی ہے تو اسکا دعوی ثابت ہوگا یا نہیں **جواب** نہیں کیونکہ رضاعت ایک عورت کے قول سے ثابت نہیں ہوتی کنز میں ہے تثبت الرضاع بما یثبت بہ المال یعنی رضاعت اسی سے ثابت ہوتی ہے جس سے مال ثابت ہوتا ہے۔ اور اسکے تحت میں صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے وھو شہادۃ رجلین عدلین اور رجل وامرأتین فلا یثبت بشہادۃ امرأۃ واحدۃ یعنی اور وہ دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہے پس رضاعت ایک عورت کی شہادت سے نہ ثابت ہوگی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** ہندہ نامی ایک عورت کے دو دختر اور دو پسر موجود تھے بعدہ پسر کلاں کے ایک پسر پیدا ہوا اور خود ہندہ کے ایک تیسری دختر پیدا ہوئی ہندہ نے پسر پسر مذکور کو دودھ پلایا کہ جس سے رضاعت ثابت ہے بعدہ ہندہ کی دختر کلاں کی ایک دختر پیدا ہوئی اب مابین پسر پسر کلاں مذکور جسکو ہندہ نے دودھ پلایا ہے اور دختر دختر کلاں مذکورہ کے عقد مناکحت ازروئے مذہب حنفیہ صحیح ہے یا بوجہ اسکے کہ از جانب تیسرہ ہمہ خویش شوہر دونوں میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی جواب مسئلہ کا مطابق مذہب حنفی کتب معتبرہ کی صریح روایات کے موافق مع مہر اور دستخط علماء سے مزین فرما کر تحریر کریں **جواب** نکاح پسر پسر مذکورہ کا ساتھ دختر دختر مذکورہ کے بوجہ حرمت رضاعت کے نہیں درست ہے فتاوی عالمگیری میں ہے المرضعۃ لو ولدت من ھذا الرجل وغیرہ قبل ھذا الارضاع او بعدہ فالکل اخوۃ الرضیع واخوانہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ یعنی مرضعہ کی جو اولاد اس شخص کے یا کسی دوسرے سے قبل یا بعد دودھ پلانے کے ہو وہ سب دودھ پینے والے کے بھائی اور بہن ہیں اور انکی اولاد بھائی اور بہن کی اولاد ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** ستر برس کے سن میں جبکہ دودھ بالکل سوکھ چکا تھا زید کی ماں نے ہندہ کے منہ میں بہلانے کے لئے اپنا پستان دیدیا اور زید کی ماں قسم کھا کر کہتی ہے کہ دودھ نہیں نکلا تو رضاعت زید اور ہندہ میں ثابت ہوگی یا نہیں **جواب** رضاعت ثابت نہ ہوگی اشباہ النظائر میں ہے لو ادخلت المرأۃ حلمۃ ثدیہا

فی فم رضیعة ووقع الشك فی وصول اللبن الی جوفها لم تحرم لان فی المانع شکا کافی الولوالجیة
وفی القنیة امرأة کانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلك فیما بینهم ثم تقول لم یکن فی ثدیی لبن
حتی القمتها ثدیی ولا یعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة یعنی اگر عورت نے
کسی لڑکے کے منہ میں اپنا دودھ دیا اور اسمیں شک ہوا کہ اسکے پیٹ میں دودھ گیا یا نہیں تو وہ عورت
حرام نہو گی کیونکہ مانع میں شک ہے جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے اور قنیہ میں ہے کہ ایک عورت نے اپنا پستان
ایک لڑکی کے منہ میں دیا اور اسکی شہرت ہوگئی پھر اسنے کہا کہ میرے پستان میں دودھ نتھا اور اسکا علم
سوا اسکے کہنے کے دوسرے طریقے سے نہیں ہوسکتا ہے تو اسکے لڑکے کو اس لڑکی کیساتھ نکاح کرنا درست
ہے واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** زید کے گھر میں غیر منکوحہ عورت سے لڑکا پیدا ہوا اور اس
عورت نے کسی دوسرے شخص کی لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو زید کے بھائی کا نکاح اس لڑکی کیساتھ جائز ہے
یا نہیں **جواب** حرامی دودھ کے موجب تحریم ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے ایک گروہ عدم تحریم
کا قائل ہے جیسے صاحب بحر اور شارح منیہ وغیرہ اور ایک گروہ تحریم کا قائل ہے جیسے صاحب فتح القدیر وغیرہ
لیکن انھوں نے صراحت کی ہے کہ رضیعہ حرامی دودھ سے زانی پر اور اسکے اصول و فروع پر حرام ہوتی ہے
فتح القدیر میں ہے لبن الزنا کالحلال فاذا ارضعت به بنتا حرمت علی الزانی وآبائه وابنائه وان سفلوا
وفی التجنیس عن الجرجانی والعم الزانی التزوج بها کالمولودة من الزنا لانه لم یثبت نسبها من الزنا والتحریم
علی آباء الزانی واولاده للجزئیة ولا جزئیة بینها وبین العم اذ اثبت هذا فی المتولدة من الزنا فکذا فی
الموضعة بلبن الزنا یعنی حرامی دودھ حلالی دودھ کیطرح ہے پس جس لڑکی کو پلایا گیا تو وہ زانی پر اور اسکے آباء
ابناء پر حرام ہو گئی جہانتک نیچے ہوں اور تجنیس میں جرجانی سے منقول ہے کہ زانی کا چچا اسکے ساتھ
شادی کرسکتا ہے جیسا کہ وہ زانی کی پیدا کی ہوئی لڑکی سے کرسکتا ہے کیونکہ زنا سے اسکا نسب ثابت
نہیں ہوتا اور آباء و ابناء پر جزئیت کی وجہ سے حرمت ہے اور اس لڑکی اور زانی کے چچا میں جزئیت
موجود نہیں ہے اور جب یہ زنا کی پیدا کی ہوئی لڑکی میں ثابت ہے تو اسیطرح زنا کا دودھ پلائی ہوئی لڑکی
میں بھی ثابت ہے انتہی۔ پس صورت مسئولہ میں اس روایت کے لحاظ سے زید کا اور اسکے اصول و
فروع کا نکاح اس رضیعہ کیساتھ درست نہیں ہے مگر زید کے بھائی کا نکاح درست ہے واللہ اعلم حررہ محمد
عبد الحی انتہی **الجواب** اس باب میں فقہائے حنفیہ سے مشتبہ اقوال منقول ہیں بعض کے کلام سے

مفہوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی زید کے لئے بھی حلال ہے پس اُسکے اصول و فروع کے لئے بدرجہ اولی حلال ہوگی اور بعض کہتے ہیں محل خلاف زید کے فروع و اصول ہیں اور زید پر بالاتفاق حرام ہے اور بعض کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دودھ حلال و دودھ کیطرح موجب حرمت ہے اور یہی اصول حنفیہ کے موافق اور دلیل مطابق ہے اور اسی پر علما کو فتوی دینا چاہیئے کیونکہ اصول کے فن میں یہ بات اچھی طرح ثابت کردیگئی ہے کہ جہاں حرمت اور حلت متعارض ہوں وہاں حرمت کو ترجیح دیجائیگی اسی بنا پر زید کے بھائی کا نکاح اُس لڑکی کیساتھ جائز نہیں ہے اور اسکا ثبوت کئی طریقوں سے ہے پہلے یہ کہ فی الدر المختار حرم على المتزوج ذكرا كان او انثى نكاح اصله و فرعه علا او نزل و بنت اخيه و اخته و بنتها ولو من زنا انتهى وفيه ايضا وحرم الكل مما مر تحريمه نسبا ومصاهرة رضاعا انتهى و فى البحر الرائق نقلا عن الفتح ودخل فى البنت بنته من الزنا فتحرم عليه بصريح النص لانها بنته لغة والخطاب انما هو باللغة العربية مالم يثبت نقل كالصلوة ونحوه فيصير منقولا شرعيا وكذا اخته من الزنا وبنت اخيه و بنت اخته وابنه منه انتهى و فى قاضيخان اما المحرمات بالنسب ما نص الله تعالى فى قوله تعالى حرمت عليكم امهاتكم الاية والمزنية حرام وكذلك الجدة القربى والبعدى من قبل الاب والام وكذا البنت واولاد البنت وان سفلت وبنات الابن كذلك المخلوقة من ماء الزنا حرام عندنا وكذلك الاخوات من اى جهة كن وبنات الاخوات وان سفلن وكذلك بنات الاخ وان سفلن وكذا العمات و الخالات من الجهات الثلثة وعمات الاصول و خالاتهم اما العمة حرام وعمة العمة لاب و ام او لاب كذلك فاما عمة العمة لام لا تحرم واما المحرمات بالرضاعات فما يحرم بالنسب يحرم بالرضاع یعنی درمختار میں ہے کہ متزوج پر مرد ہو یا عورت یہ حرام ہے کہ اپنے اصول یا فروع سے خواہ اوپر جاویں یا نیچے اور اپنی بھتیجی یا بھانجی یا بہن سے شادی کرے خواہ یہ رشتہ زنا ہی سے کیوں نہوں اور اُسی میں ہے اور جو نسبا و مصاہرۃ حرام ہیں وہ رضاع سے بھی حرام ہیں اور صاحب بحر الرائق نے فتح القدیر سے نقل کیا ہے بنت میں بنت زنا بھی داخل ہے پس بصراحت نص وہ بھی حرام ہے کیونکہ لغۃ وہ بھی اُسکی بنت ہے اور خطاب لغت عربی میں ہے تا وقتیکہ نقل ثابت نہ ہو جیسا کہ صلوۃ وغیرہ کہ یہ منقول شرعی ہے اسیطرح اخت زنا اور بنت اخت اور ابن الزنا اور قاضیخاں میں ہے محرمات بالنسب وہ ہیں جنکو اللہ تعالے نے اپنے قول حرمت علیکم امہاتکم الآیۃ میں بیان فرمایا اور مزنیہ حرام ہے اور اسیطرح جدہ قریبہ و بعیدہ خواہ ماں کیجانب سے ہوں جیسے نانی پرنانی

وغیرہ) یا باپ کیجانب سے (جیسے دادی پردادی وغیرہ) اسیطرح بنت اور اولاد بنت پوتیاں اسیطرح جس کی
پیدائش زنا سے ہو ہمارے نزدیک زانی پر حرام ہے اور ایسی ہی بہنیں جس جہت سے ہوں اور بہنوں کی
لڑکیاں اگرچہ نیچے تک جاویں اسیطرح بھائی کی لڑکیاں اگرچہ نیچے تک جاویں اسیطرح پھوپیئیں اور
خالائیں تینوں طریقوں (یعنے نسب اور رضاعت اور زنا) سے اور عمات اصول و خالات اصول اور
ام عمہ حرام ہے اور پھوپھی کی پھوپھی لابدام یا لاب حرام ہے لیکن عمۃ العمۃ لام حرام نہیں ہے اور محرمات
بالنسب رضاعت سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ بھائی کی لڑکی اگرچہ
زنا سے ہو محرمات نسبیہ میں داخل ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو نسب سے حرام ہوتی ہیں رضاع سے بھی
حرام ہوتی ہیں پس دونوں کلاموں کے ازدواج سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بھائی کی رضاعی لڑکی جو زنا سے
پیدا ہو محرمات میں داخل ہے دوسرے یہ کہ فتاوی سراج المنیر میں ہے ولو زنی بامرأۃ فولدت عنہ
فارضعت بھذا اللبن صبیۃ لا یجوز لھذا الزانی ان تزوج بھذہ الصبیۃ ولا لبنہ ولا لابائہ ولا
لابنائہ ولا لاولادہ یعنے اگر کسی عورت کیساتھ زنا کیا پس اس زنا سے اولاد ہوئی اور وہ دودھ زانیہ نے
کسی لڑکی کو پلایا تو اس لڑکی سے زانی کو نکاح کرنا درست نہیں ہے اور اسکے لڑکے کے لیے (اگر لڑکا
ہو) اور اسکے آبار و ابنار اور اولاد کے لئے بھی ناجائز ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے ولبن الزنا کالحلال فاذا
ارضعت بہ بنتا حرمت علی الزانی وابائہ وابنائہ وان سفلوا انتہی رجل زنی بامرأۃ فولدت منہ فرضعت
بھذا اللبن صغیرۃ لا یجوز لھذا الزانی ولا لاحد من ابائہ واولادہ نکاح ھذہ الصبیۃ یعنے زنا کے دودھ
کا حکم حلال کے دودھ کیطرح ہے تو اگر کسی لڑکی کو زنا کا دودھ پلایا تو وہ زانی اور اسکے آبار اور ابنار پر حرام
ہے ایک شخص نے ایک عورت کیساتھ زنا کیا اس زنا سے اولاد پیدا ہوئی اور اس عورت نے ایک
لڑکی کو دودھ پلایا تو اس لڑکی کا نکاح زانی اور اسکے آبار و اولاد میں سے کسی کیساتھ درست نہیں
کفایہ میں مذکور ہے ولو زنی بامرأۃ فولدت منہ فارضعت بھذا اللبن صبیۃ لا یجوز لھذا الزانی تزوج
بھذہ الصبیۃ ولا لابائہ ولا لابنائہ واولادہ لوجود البعضیۃ بین ھؤلاء وبین ھذا الزانی یعنی اگر کسی
عورت کے ساتھ زنا کیا پس اس زنا سے اولاد ہوئی اور وہ دودھ زانیہ نے کسی لڑکی کو پلایا تو اس لڑکی
سے زانی کو نکاح کرنا درست نہیں ہے اور اسکے لڑکے کیلیے (اگر لڑکا ہو) اور اسکے آبار اور ابنار اور اولاد کیلئے
بھی ناجائز ہے کیونکہ انمیں اور زانی میں جزئیت موجود ہے۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رضیعہ اس

زانی کے لئے حلال نہیں ہے اور نہ اُسکے فروع واصول کے لئے حلال ہے اور کوئی علت اُسکے حرام ہونیکی سوا اسکے نہیں ہے کہ وہ شبہتاً زانی کی جزو ہے کہ جیسا حلال میں اور اصول کے لئے عدم حلت کی علت یہ ہے کہ وہ رضیعہ اصول کے جزو کے جزو کی شبیہ ہے اور فروع کے لئے عدم حلت کی علت یہ ہے کہ وہ رضیعہ اُنکے باپ کے جزو کی شبیہ ہے پس معلوم ہوا کہ شبیہ جزا لجزء ہونا گو زنا کے دودھ سے ہو حرمت رضاعت میں کافی ہے پس صورت مسئولہ میں وہ صبیہ زید کے بھائی کے باپ کے جزو کا جزو ہے پس زید کے بھائی کے لئے بھی حرام ہوگی اسکے علاوہ اگر صورت مرقومہ سراج المنیر فتح القدیر و قاضیخان و کفایہ میں صبیہ کی جگہ صبی فرض کریں تو ظاہر ہے کہ صبی کے لئے فروع واصول زانی جو جنس اناث سے ہیں حرام ہونگے کیونکہ فارق کچھ نہیں ہے پس زانی کا لڑکا اور زانی کی لڑکی بھی اسپر حرام ہوگی اور اُسکی حرمت محض اس سبب سے ہے کہ وہ لڑکی اُس صبی کی رضاعی برادر زادی دختر ہے مگر زنا سے اسیطرح صورت مسئولہ میں بھی دختر مذکورہ زید کے بھائی کے لئے زنا کی رضاعی برادر زادی ہے لہذا حرام ہوگی تیسرے یہ کہ حنفیہ کے نزدیک علت حرمت قرابت حقیقۃ البعضیۃ ہے اور علت حرمت رضاع شبہۃ البعضیۃ ہے جیسا کہ کفایہ میں ہے وحرمۃ الفرج مما یحتاط فیہا حتی ان شبہۃ البعضیۃ بسبب الرضاع قامت مقام حقیقۃ البعضیۃ فی اثبات الحرمۃ یعنی شرمگاہ کی حرمت اُن اشیاء میں سے ہے جن میں احتیاط کیجاتی ہے یہانتک اگر رضاعت کے سبب سے بعضیت کا اشتباہ ہو تو وہ حقیقی بعضیت کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے اثبات حرمت میں و ہدایہ کی کتاب الرضاع میں ہے واذا نزل للبکر لبن فارضعت صبیا تعلق بہ التحریم لاطلاق النص ولانہ سبب النشو فتثبت بہ شبہۃ البعضیۃ یعنی اگر کسی باکرہ کے دودھ اُتر آیا اور اُسنے ایک لڑکے کو پلایا تو حرمت کا حکم دیدیا جائیگا کیونکہ آیت مطلق ہے اور اسوجہ سے کہ دودھ سبب نشو ہے تو اُس سے شبہ بعضیت متحقق ہوگا۔ اور اُسمیں ہے ولنا ان السبب ہو شبہۃ الجزئیۃ وذلک فی اللبن بمعنی الانشاء والانبات وہو قائم باللبن یعنی ہماری دلیل یہ ہے کہ سبب شبہ جزئیت ہے اور یہ لبن میں بمعنی نشو و نما اور اُگانے کے ہے اور یہ دودھ سے متعلق ہے۔ اور مدار البعضیت اور شبہ بعضیت کا اسجگہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا جزو ہو ورنہ لازم آتا ہے کہ اصول و فروع کے علاوہ کوئی دوسرا محرمات میں سے قرابۃً و رضاعاً نہو بلکہ مراد عام ہے خواہ وہ عورت اُس مرد کی جزو یا وہ مرد اُس عورت کا جزو ہو یا وہ مرد کے قریب کی جزو اصل ہو جیسے اخوات یا بنات الاخوۃ یا اصل بعید کی جزو صلبی ہو جیسے عمات و خالات اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ جسطرح لبن حلال موجب شبہ بعضیت ہے

اور اصل اور فروع کیساتھ مخصوص نہیں ہے اسیطرح لبن حرام بھی موجب شبہ بعضیت ہے اور زانی کے اصول و فروع کیساتھ مخصوص نہیں ہے اور وہ صورت مسئولہ میں موجود ہے پس جب علت ثابت ہے تو حکم حرمت کا ثابت ہونا بھی ضروری ہے چوتھے یہ کہ حرمت رضاعت زنا کے باب میں اصل حدیث ہے کہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب رضاعت سے وہی حرام ہے جو نسب سے حرام ہے اور یہ حکم عام ہے زانی یا زانی کے اصول و فروع سے خصوصیت نہیں رکھتا پس یہ تخصیص بلا دلیل ہے کیونکہ تجنیس میں جو مرقوم ہے ولعم الزانی لتزوج بھا کما لو کانت ولدت لہ من الزنا والحال مثلہ لانہ لم یثبت نسبھا عن الزانی حتی یظھر فیھا حکم الجزئیۃ والتحریم علی ابی الزانی واولادہ واولادھم لاعتبار الجزئیۃ ولا جزئیۃ بینھا وبین العم یعنی زانی کا چچا اسکے ساتھ شادی کر سکتا ہے جیسا کہ وہ زنا سے پیدا کی ہوئی لڑکی کیساتھ کر سکتا ہے کیونکہ اسکا نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا اور آباء اور اولاد پر حرمت جزئیت کی وجہ سے ہے اور اس لڑکی اور زانی کے چچا میں جزئیت کا سلسلہ موجود نہیں ہے پس اولاً در مختار اور فتح القدیر اور بحر الرائق کی عبارتوں کے معارض ہے اور ثانیاً اسوجہ سے محل نظر ہے کہ اگر یہ مراد ہے کہ صبیہ اور عم زانی میں ایسی جزئیت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کا جزو ہو پس مسلم ہے لیکن اس لڑکی میں اور زانی کی اولاد میں بھی ایسی جزئیت نہیں ہے پس چاہیئے کہ وہ لڑکی زید کے بھائی پر بھی حرام ہو اور یہ صاحب تجنیس کی تصریح کے خلاف ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ جو ادنیٰ جزئیت حرمت کے لئے کافی ہوتی ہے وہ پائی نہیں جاتی تو غیر مسلم ہے کیونکہ وہ لڑکی زانی کے چچا کے باپ کا جزو ہے اور یہ حرمت کے لئے کافی ہے جیسے لبن حلال فتح القدیر میں ہے ذکر الوبری ان الحرمۃ تثبت من جھۃ الام خاصۃ ما لم یثبت النسب فح یثبت من النسب کن اذکرہ الاسبیجابی وصاحب الینابیع وھو اوجہ لان الحرمۃ عن الزنا للبعضیۃ و ذلک فی الولد نفسہ لانہ مخلوق من مائہ دون اللبن اذ لیس اللبن کائنا من منیہ لانہ فرع التغذی وھو لا یقع الا لما یدخل من اعلی المعدۃ لا من اسفل البدن کالحقنۃ فلا انبات فلا حرمۃ بخلاف ثابتۃ النسب لان النص تثبت الحرمۃ منہ واذا ترجح عدم حرمۃ الرضاع بلبن الزنا علی الزانی فعدمھا علی من لیس اللبن فیلو لہ وبری نے کہا ہے کہ حرمت صرف ماں کی جانب سے ہے جبتک کہ نسب ثابت ہو اور جب ثابت ہوگا تو حرمت نسب کیجانب سے بھی ہوگی اسبیجابی اور صاحب ینابیع نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور یہی اوجہ ہے کیونکہ حرمت عن الزنا بعضیت کی وجہ سے ہے اور یہ خود لڑکے میں ہے کیونکہ وہ اسکے پانی سے پیدا ہے نہ کہ

دودھ میں کیونکہ لڑکا اُسکی منی سے بنا ہی لیکن دودھ اُسکی منی سے نہیں بنا کیونکہ وہ فرع تغذی ہی اور تغذی انھیں اشیا سے ہوتی ہی جو معدے کے اوپر سے آئیں نہ کہ بدن کے حصہ زیریں سے جیسے حقنہ سے تو حرمت ثابت نہوگی کیونکہ اُگنا اور نشونما پایا جائیگا برخلاف ثابت النسب کے کہ نص نے دودھ سے اُسکی حرمت کو ثابت کیا ہی اور جب عدم حرمت برضاعت خود زانی کے لئے مرجح ہی تو دوسروں کے لئے کہ جن سے دودھ ہی پیدا نہوا ہو بدرجۂ اولیٰ ایسا ہی ہوگا۔ یہ اولاً تو عبارات منقولہ کے معارض ہی اور ثانیاً اس سے معلوم ہوتا ہی کہ حرمت رضاعت اُس لبن سے غیر معلل ہی حالانکہ حنفیہ کے نزدیک شبہ بعضیت جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور وہ غیر ثابت النسب میں بھی موجود ہی پس تعدیہ حکم غیر ثابت النسب کیطرف بھی ضروری ہی اور یہ جو کہا ہی کہ لبن میں جزئیت نہیں ہی تو یہاں سے حقیقۃً جزئیت کا نہونا ہی مسلم ہی مگر اُسکی علت حرمت رضاعت کے لئے غیر مسلم ہی بلکہ علت حرمت رضاعت شبہ بعضیت ہی جیسا کہ ابھی ظاہر ہوچکا اور وہ دودھ میں موجود ہی اور یہ جو کہا کہ دودھ منی سے پیدا نہیں ہی سو شبہ بعضیت کے منافی نہیں ہی کیونکہ منی دودھ اترنے کا سبب ہی اور وہ شبہ بعضیت کے اثبات کو کافی ہی جیسا کہ ہدایہ کی کتاب الرضاع سے ثابت ہی کہ لانہ سبب النزول الخ واللہ اعلم انتہی **ہو المصوب** فقہائے حنفیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہی ایک گروہ کہتا ہی کہ رضیع زنا کے دودھ سے زانی پر اور اسکے اصول و فروع پر حرام ہی فی خزانۃ الفتاوی او زنی بامرأۃ فولدت منہا فارضعت بہذا اللبن صبیۃ لا یجوز لہذا الزانی ان یتزوج لہذا الصبیۃ ولا لابنہ ولا لابیہ واجدادہ وفی الخلاصۃ لو زنی بامرأۃ فولدت منہا فارضعت بہذا اللبن صبیۃ لا یجوز لہذا الزانی ولا لاحد من ابائہ واجدادہ ان یتزوج بہذہ الصبیۃ وفی الظہیریۃ رجل زنی بامرأۃ فولدت منہ فارضعت بہذا اللبن صغیرۃ لا یجوز لہذا الزانی ولا لاحد من ابائہ واولادہ نکاح ہذہ الصبیۃ علی ما عرف من اصول اصحابنا وفی العنایۃ لیس حلۃ الوطی شرطا للحرمۃ حتی لو زنی بامرأۃ فولدت منہ فارضعت بہذا اللبن صبیۃ لا یحل للزانی ان یتزوج بہذہ الصبیۃ ولا لابائہ ولا لابنائہ ولا لابناء اولادہ لوجود البعضیۃ بین ہؤلاء وبین الزانی وفی مجمع الانہر لبن الزنا کالحلال حتی لو زنی بامرأۃ فارضعت بہ بنتا حرمت علی الزانی وآبائہ وابنائہ وابناء ابنائہ وان سفلوا وفی البزازیۃ لو زنی بامرأۃ فولدت فارضعت بہذا اللبن صبیۃ تحرم علی الزانی وکذا لو حبلت من الزنا ووضعت ولدا لا بدا للزانی حرم علی الزانی نکاحہا وفی خزانۃ المفتیین رجل زنی بامرأۃ فولدت منہ فارضعت بہذا اللبن صغیرۃ لا یجوز لہذا الزانی ولا لاحد من ابائہ واولادہ ہذہ الصغیرۃ وفی البرجندی تقیید الابوۃ بناء علی الغالب

والمراد حرمة الرضيعة علی رجل یکون لبن الرضیعة منہ سواء کان بالنکاح او السفاح حتی لو زنی بامرأۃ فولدت فارضعت صبیۃ لا یجوز لھذا الزانی ولا لاحد من آبائہ واولادہ ان یتزوج ھذہ الصبیۃ یعنی خزانۃ الفتاوی میں ہے اگر کسی عورت کیساتھ زنا کیا اُس زنا سے اُسکی اولاد ہوئی اور دودھ اُسنے ایک لڑکی کو پلایا تو اُس لڑکی سے نکاح کرنا اُس زانی کے لیے درست نہیں ہے اور اُسکے بیٹے اور باپ اور دادا کے لئے بھی جائز نہیں ہے اور خلاصہ میں ہے اگر کسی عورت کیساتھ زنا کیا اور اُس زنا سے اُسکے اولاد ہوئی اور وہ دودھ اُسنے ایک لڑکی کو پلایا تو اُس لڑکی سے نکاح کرنا زانی کے لئے درست نہیں ہے اور نہ اُسکے آبا و اجداد کو اُس لڑکی سے نکاح کرنا درست ہے اور ظہیریہ میں ہے اگر مرد نے کسی عورت کیساتھ زنا کیا اور اُس زنا سے اولاد ہوئی اور اُسنے وہ دودھ کسی لڑکی کو پلایا تو زانی کو اور اُسکے آبا اور ابنا کو اس لڑکی سے نکاح کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ ہمارے اصحاب کے اصول سے معلوم ہوتا ہے اور عنایہ میں ہے حرمت کیلئے ہمبستری کا حلال ہونا شرط نہیں ہے یہانتک کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس سے اولاد ہوئی اور عورت نے وہ دودھ ایک لڑکی کو پلا دیا تو زانی اور اُسکے باپ دادا اور اُسکے لڑکوں اور لڑکوں کی اولاد کو اُس سے نکاح کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اُنمیں اور زانی میں بعضیت پائی جاتی ہے اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے زنا کا دودھ حلال کی طرح ہے حتی کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس سے اولاد ہوئی اور اُس عورت نے وہی دودھ کسی لڑکی کو پلا دیا تو وہ لڑکی زانی اور اُسکے باپ دادا اور اولاد پر اگرچہ کتنے ہی نیچے درجے کی اولاد ہو حرام ہے اور بزازیہ میں ہے ایک عورت کیساتھ زنا کیا اور اُس زنا سے اولاد ہوئی اور وہی دودھ عورت نے کسی لڑکی کو پلا دیا تو وہ زانی پر حرام ہو گئی اور ایسے ہی اگر دوسرے سے حاملہ ہوئی اور لڑکی کو دودھ پلایا نہ لبن زانی سے تب بھی زانی پر وہ لڑکی حرام ہے اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے ہمبستری کی جس سے کوئی بچہ پیدا ہوا پھر اُس عورت نے وہ دودھ کسی صغیرہ کو پلایا تو اس زانی اور اُسکے آبا اور اولاد کو اُس صغیرہ سے نکاح درست نہیں انتہی اور برجندی شرح نقایہ میں ہے ابوت کی قید غلبہ پر مبنی ہے ورنہ مطلب یہ ہے کہ دودھ پینے والی لڑکی اُس شخص پر حرام ہو جاتی ہے جو دودھ کا سبب ہے خواہ نکاح ہو یا بلا نکاح پس اگر کسی نے زنا کیا اور اُس سے اولاد ہوئی اور عورت نے وہی دودھ ایک لڑکی کو پلایا تو زانی اور اُسکے باپ دادا اور اُسکی اولاد کو اُس لڑکی سے نکاح کرنا درست نہیں ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ رضیعہ مذکورہ زانی پر حرام ہے نہ اُسکے

اصول و فروع پر اور یہی محققین کے نزدیک مفتی بہ ہے چنانچہ الیاس زادہ شرح نقایہ میں لکھتے ہیں فی ذکر الزوج
اشارۃ الی انہ لو زنی بامرأۃ فولدت فارضعت بهذا اللبن صبیۃ فاراد الزانی ان یتزوج بهذہ الصبیۃ یجوز
وقال القهستانی فی جامع الرموز فیہ اشعار بانہ لو زنی بامرأۃ فولدت فارضعت صبیۃ جاز لہ ان یتزوجها
کما فی شرح الطحاوی لکن فی الخلاصۃ انها تحرم فلعل فیہ روایتین و فی بحر الرائق المعتمد فی المذهب ان لبن
الفحل الزانی لا یتعلق بہ التحریم و فی رد المحتار والحاصل کما قال فی البحر ان المعتمد فی المذهب ان لبن الزانی
لا یتعلق بہ التحریم و ظاهر المعراج والخانیۃ ان المعتمد ثبوتہ قلت و ذکر فی شرح المنیۃ انہ لا یعدل عن
الدرایۃ اذا وافقها روایۃ وقد علمت ان لوجہ مع روایۃ عدم التحریم و فی فتح القدیر ذکر الوبری ان الحرمۃ تثبت
من جهۃ الام خاصۃ ما لم یثبت النسب فحینئذ تثبت من الاب و کذا ذکر الاسبیجابی و صاحب الینابیع و هو
وجہ لان الحرمۃ من الزانی للبعضیۃ و ذلک فی الولد نفسہ لانہ مخلوق من مائہ دون اللبن اذ لیس
اللبن کائنا من منیہ لانہ فرع التغذی بخلاف الولد و التغذی لا یقع الا بما یدخل من اعالی المعدۃ
لا من اسفل البدن کالحقنۃ فلا ابانۃ فلا حرمۃ بخلاف ثابت النسب لان النص و هو حدیث یحرم من الرضاع
ما یحرم من النسب اثبت الحرمۃ و فی الدر المختار الوطی تشبہ کالحلال قیل و کذا الزنا و الا وجہ لا و قال الطحطاوی
فی تعالیق الانوار علی الدر المختار قولہ و الاوجہ لا ای درایۃ لا روایۃ کذا فی الشرنبلالیۃ و فی النہر الفائق قید
بالزوج لانہ لو زنی بامرأۃ فولدت منہ و ارضعت صبیۃ جاز لاصول الزانی و فروعہ التزوج بها کذا اختارہ
الوبری و علیہ جری الاسبیجابی و صاحب الینابیع و جعلہ فی المحیط کالحلال و الجزم بہ قاضیخان والاول
اوجہ یعنی زوج کے ذکر کرنے سے اسطرف اشارہ ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُسنے وہی دودھ کسی
لڑکی کو پلا دیا پھر زانی نے ارادہ کیا کہ اُس لڑکی سے نکاح کرے تو جائز ہے اور قہستانی نے جامع الرموز میں
کہا ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس سے اولاد ہوئی اور اُسنے وہی دودھ
ایک لڑکی کو پلا دیا تو اب اگر یہ چاہے تو اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے جیسا کہ شرح طحاوی میں ہے لیکن خلاصہ
میں ہے کہ یہ حرام ہے شاید اس میں دو روایتیں ہیں اور بحر الرائق میں ہے مذہب معتمد یہ ہے کہ مرد زانی کے دودھ
سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے اور رد المحتار میں ہے حاصل جیسا کہ بحر میں ہے یہ ہے کہ باعتبار مذہب معتمد مرد زانی
کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور معراج اور خانیہ سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مذہب معتمد ثبوت حرمت
ہے میں کہتا ہوں کہ شرح منیہ میں ہے کہ جب درایت روایت کے موافق ہو تو اس سے اعراض کیا جائیگا اور یہاں

درایت روایت کیساتھ ہی عدم تحریم میں اور فتح القدیر میں ہی وبری نے کہا ہی کہ حرمت صرف ماں کی جانب سے ہی جبتک کہ نسب ثابت ہو اور جب ثابت ہوگا تو نسب کیجانب سے بھی حرمت ہوگی اسبیجابی اور صاحب ینابیع نے بھی ایسا ہی کہا ہی اور یہی اوجہ ہی کیونکہ حرمت عن الزنا بعضیت کیوجہ سے ہی اور یہ خود لڑکے میں ہی کیونکہ وہ اُسکی منی سے پیدا ہوا ہی نہ کہ دودھ میں کیونکہ دودھ اُس کی منی سے نہیں بنا ہی اسلئے کہ وہ فرع تغذی ہی اور تغذی انھیں اشیاء سے ہوتی ہی جو معدے اور سے آئین نہ کہ بدن کے حصۂ زیرین سے جیسے حقنہ کیونکہ اُسمیں انبات اور نشو نہیں ہی تو حرمت نہیں ثابت ہوگی برخلاف ثابت النسب کے کہ نص نے کو (یا بت حرمت رضاعت ہانے دودھ سے اُسکی حرمت کو ثابت کیا ہی اور وہ نص یہ ہی کہ رضاعت سے وہی حرام ہی جو نسب سے حرام ہی اور درمختار میں ہی وطی حلال کے مشابہ ہی کہا گیا ہی اور ایسے ہی زنا اور اوجہ یہ ہی کہ نہیں چنانچہ اسکی عبارت کا ترجمہ یہ ہی کہ زنا کا دودھ حلال کیطرح ہی تو جب عورت نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا تو وہ لڑکی زانی اور اسکے آبا و اولاد پر حرام ہوگئی اور دمیاطی تعالیق الانوار حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں قولہ والاوجہ لا یعنی درایۃً نہ کہ روایۃً جیسا کہ شرنبلالیہ میں ہی اور نہر الفائق میں ہی زوج کی قید اسلئے لگائی ہی کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اُس زنا سے اولاد ہوئی اور زانیہ نے وہی دودھ کسی لڑکی کو پلا دیا تو زانی کے اصول و فروع اُسکے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں اسے وبری نے اختیار کیا ہی اور اسبیجابی اور صاحب ینابیع کا یہی خیال ہی محیط میں اسے مثل حلال کے لکھا ہی اور قاضیخان نے اسکا یقین کیا ہی اور اول اوجہ ہی جب یہ امر محقق ہوگیا تو میں کہتا ہوں کہ زید کے بھائی کو اس رضیعہ سے نکاح کرنا باتفاق فقہا جائز ہی لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک پس جواز ظاہر ہی اسلئے کہ جب رضیعۂ مذکورہ زانی پر اور اُسکے اصول و فروع پر حلال ہوئی تو اسکے بھائی پر بدرجۂ اولی حلال ہوگی لیکن گروہ اولی کے نزدیک پس ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں فی التجنیس من علامۃ الناطفی عن الشیخ ابن عبد اللہ الجرجانی انہ کان یقول فی الدرس لا یجوز للزانی ان یتزوج بالصبیۃ المرضعۃ ولا لآبائہ ولاجدادہ ولا لاحد من اولادہ ولعم الزانی التزوج بہا کما یجوز بالصبیۃ التی ولدت من الزانی لانہ لم یثبت نسبہا من الزانی حتی یظہر فیہا حکم القرابۃ والتحریم علی آبائہ واجدادہ لاعتبار الجزئیۃ والبعضیۃ لیس بینہا وبین العم یعنی تجنیس میں علامۂ ناطفی سے نقل کیا ہی کہ شیخ ابن عبد اللہ جرجانی درس میں کہتے تھے کہ زانی کو اُس لڑکی سے شادی نہ کرنا چاہیئے جسے وہ دودھ پلایا گیا ہی جو اُسکے زنا کا نتیجہ ہی اور نہ زانی کے آبا و اجداد و اولاد کو البتہ زانی کا چچا اُس سے شادی کر سکتا ہی

جیسا کہ اُس لڑکی سے کر سکتا ہے جو خود زانی کی پیدا کی ہوئی ہے کیونکہ اُسکا نسب ثابت نہیں ہے حتی کہ
حکم قرابت ظاہر ہو اور آبا و اجداد پر تحریم جزئیت کی وجہ سے ہے اور اُس لڑکی اور عم زانی میں جزئیت نہیں ہے
اور ظاہر ہے کہ بھائی اور چچا میں کوئی فرق نہیں ہے جب طائفہ اولی کے نزدیک رضیعہ مذکورہ عم زانی پر حلال
ہوئی تو برادر زانی پر حلال ہونے میں کون شک باقی رہا اور صاحب تحریر نے زانی کے چچا اور ماموں
کے لئے حلت میں اتفاق نقل کیا ہے اُنکی عبارت یہ ہے ظاہر کلامہم ان ہذہ الصبیۃ لا تحرم علی عم الزانی
وخالہ اتفاقا لانہ لم یثبت نسبہا من الزانی حتی یظہر فیہا حکم القرابۃ والتحریم علی ولادہ عند القائلین بہ
لاعتبار الجزئیۃ والبعضیۃ ولا جزئیۃ بینہا وبین عم الزانی والخال ولو اثبت ہذا فی حق المتولد من الزنا
فکذلک فی حق الرضیعۃ بلبن الزنا کذا فی النہر الفائق یعنی ظاہر یہ ہے کہ یہ لڑکی زانی کے چچا اور ماموں پر
بالاتفاق حلال ہے کیونکہ اُسکا نسب زانی سے ثابت نہیں ہے حتی کہ حکم قرابت ظاہر ہو اور اولاد پر تحریم
قائلین حرمت کے نزدیک جزئیت اور بعضیت کے سبب ہے جو اُس لڑکی اور عم زانی اور خال زانی
کے مابین متصور نہیں ہے اور اگر حکم قرابت زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے اُسکے لئے ثابت ہو تو اُس لڑکی
کے لئے بھی ثابت ہوگا جس نے زنا کا دودھ پیا ہے ایسا ہی نہر الفائق میں ہے اور اگر اسپر بھی کفایت نہ
سمجھی جائے اور صاف جزئیہ ہی مطلوب ہو تو شامی موسوم بہ رد المحتار کے اس قول سے جو حرم
الکل مما مر تحریمہ نسبا ومصاہرۃ ورضاعا یعنی جتنی چیزیں اوپر گزریں وہ سب نسبا و مصاہرۃ و رضاعا
حرام ہیں اُسکے تحت میں واقع ہے ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے مقتضی قولہ والکل رضاعا مع قولہ سابقا ولو من
زنا حرمۃ فرع المزنیۃ واصلہا رضاعا وفی القہستانی عن شرح الطحاوی عدم الحرمۃ ثم قال لکن فی النظم
وغیرہ انہ یحرم کل من الزانی والمزنیۃ علی اصل الاخر وفرعہ رضاعا ومقتضی تقییدہ بالفرع والاصل انہ
لا خلاف فی عدم الحرمۃ علی غیرہما من الحواشی کالاخ والعم اُسکا قول والکل رضاعا اگر اگلے قول
ولو من زنا میں ملایا جاوے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ رضاعۃً فروع واصول مزنیہ بھی حرام ہیں قہستانی میں شرح
طحاوی سے عدم حرمت نقل کی ہے اور کہا ہے نظم میں ہے کہ زانی اور مزنیہ میں سے ہر ایک دوسرے کے
رضاعی اصل و فرع پر حرام ہے فرع و اصل کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے متعلقین پر مثلاً چچا اور بھائی
پر حرام نہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہ تو میرا جواب ہے اور اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے اب مجیب
مذکور کے مسامحات لکھتا ہوں مجیب نے لکھا ہے قولہ وبعض محل خلاف الخ اقول اس تقریر کو

صاحب بحر نے ذکر کیا ہے لیکن صاحب ردالمحتار نے اسکو فتح القدیر کے حاصل کلام سے یوں رد کیا ہے ان فی حرمۃ الرضیعۃ بلبن الزنا علی الزانی وکذا علی اصولہ وفروعہ روایتین کما صرح بہ القہستانی ایضا وان الاوجہ روایۃ عدم الحرمۃ وان ما فی الخلاصۃ من انہا لو ارضعت لا بلبن الزانی تحرم علی الزانی مردود لان المسطور فی الکتب المشہورۃ ان الرضیعۃ بلبن غیر الزوج لا تحرم علی الزوج وما فی الفتاوی اذا خالف ما فی المشاہیر من الشروح لا یقبل ہذا تقریر کلام الفتح وقد وقع فی فہمہ خبط کثیر منہا ما ادعاہ فی البحر من ان محل الخلاف اصول الزانی وفروعہ انہا لا تحل للزانی اتفاقا یعنی زانی اور اصول و فروع زانی پر زنا کا دودھ پینے والی لڑکی کی حرمت میں دو روایتیں ہیں جیسا کہ اسکی تصریح قہستانی نے بھی کی ہے اور اوجہ روایت عدم حرمت ہے اور یہ جو خلاصہ میں ہے کہ اگر زانی کے سوا دوسرے کا دودھ پلایا تو بھی زانی پر لڑکی حرام ہو گی غیر مقبول ہے کیونکہ کتب مشہورہ میں یہ لکھا ہے کہ غیر زوج کا دودھ اگر عورت کسی لڑکی کو پلا دے تو وہ لڑکی زوج پر حرام نہیں ہوتی اور فتاوی اگر مشاہیر شروح کے خلاف ہوتے ہیں تو مقبول نہیں ہوتے یہ کلام فتح کی تقریر ہے لیکن اسکے سمجھنے میں بہت گڑبڑ ہو گئی ہے چنانچہ بحر میں اس سے یہ مطلب لیا گیا ہے کہ محل خلاف اصول و فروع زانی میں خود زانی کے لئے بالاتفاق حلال نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ اس قول میں فقہا کے دو ہی قول ہیں جو اوپر ذکر ہوئے اور تیسرا قول انکے کلام سے ثابت نہیں ہے **قولہ** اور بعض کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ لبن زنا الخ **اقول** یہ اسی گروہ کا قول ہے جو رضیعہ لبن زنا کو زانی اور اسکے اصول و فروع پر حرام کہتے ہیں اور باوجود اسکے تصریح کرتے ہیں کہ اسکے بھائی اور چچا اور ماموں پر حلال ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزر چکا ہے **قولہ** واوفق بالدلیل **اقول** سابقا تعالیق الانوار سے منقول ہے کہ اوفق بالدرایت عدم حرمت ہے اور فتح وغیرہ کی عبارتیں اوپر گزریں کہ عدم حرمت اوجہ ہے **قولہ** اور اسی پر فتوی دینا چاہیے **اقول** جبکہ صاحب فتح اور صاحب بحر اور صاحب نہر جیسے محققین کا قول عدم حرمت پر موجود ہے تو اب پھر رائے دینے کا موقع باقی نہیں رہا ردالمحتار میں [illegible] لکھا ہے

الله اذا اختلف التصحيح والفتوى فالعمل بما وافق المتون اولى وكذا لو كان احدهما فی الشروح والآخر فی الفتاوى لما صرحوا به من ان ما فی المتون مقدم على ما فی الشروح وما فی الشروح مقدم على ما فی الفتاوى لكن هذا عند التصريح بتصحيح كل من القولين او عدم التصريح اصلا اما لو ذكرت مسئلة فی المتون ولم يصرحوا بتصحيحها بل صرحوا بتصحيح خلافها فقد افاد العلامة قاسم ترجيح الثانی لانه

تصحیح صریح جب تصحیح اور فتوی میں اختلاف ہو تو جو متون کے موافق ہو اُسپر عمل کرنا چاہیے اسیطرح
اگر ایک حکم شروح میں اور دوسرا فتاوے میں ہو یعنی اُسوقت بھی شروح پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ یہ امر مصرح ہے
کہ متون شروح پر اور شروح فتاوی پر مقدم ہیں لیکن یہ اُسوقت ہے جب دونوں کے صحیح ہونے کی تصریح
ہو یا مطلقاً تصریح نہو لیکن اگر متون کی تصحیح کی تصریح نہو بلکہ اُسکے خلاف کی تصحیح کی تصریح ہو تو علامہ قاسم
نے کہا ہے کہ دوسرے کو ترجیح دینا چاہیے کیونکہ اُسکے صحیح ہونے کی تصریح ہے اور ظاہر ہے کہ لبن زنا کا حلال کے
مثل ہونا اگرچہ متون اور بعض فتاوی میں مذکور ہے لیکن شراح محققین نے عدم حرمت کے قول کو منفی بہ کہا ہے
اور ارباب متون نے حرمت پر فتوی نہیں لکھا ہے بلکہ صرف لبن الزنا کالحلال لکھنے پر کفایت کی ہے پس ضروری
ہوا کہ شراح کا فتوی معتبر ہو اور انھیں کے موافق فتوی دیا جائے نہ لبن الزنا کالحلال پر جو فتوے سے
معری ہے **قولہ** کیونکہ اصول میں ثابت ہے الخ **اقول** تعارض میں متعارضین کی مساوات شرط ہے
اور مانحن فیہ میں حلت کی دلیل قوت رکھتی ہے جیساکہ عبارات سابقہ سے واضح ہے اور دلیل حرمت ضعیف
ہے جیساکہ ہم ثابت کریں گے پس تعارض نہیں ہوا اور تحریم کی ترجیح بھی نہیں پائی گئی **قولہ** اسی لئے زید
کے بھائی کا نکاح اُس لڑکی سے جائز نہیں ہے **اقول** یہ عدم جواز کا حکم بنا بر مذہب حنفیہ جو دلائل سے
مستغنی ہے بالکل غلطی ہے کیونکہ جملہ فقہا اس قول پر متفق ہیں کہ زانی کے بھائی اور چچا اور ماموں پر یہ لڑکی
حلال ہے اور جو تحریم کا حکم دیتے ہیں وہ اس حکم کو زانی اور اُسکے فروع و اصول کیساتھ مخصوص کرتے ہیں
جیساکہ بحر اور ردالمحتار وغیرہ میں تصریح کیساتھ موجود ہے اور اگر عدم جواز کا حکم تصریحات فقہائے حنفیہ
سے قطع نظر کرکے دیا گیا ہے پس اس میں گفتگو نہیں ہے کیونکہ سائل مذہب حنفیہ کے موافق حلت اور حرمت
کے حکم کا استفسار کرتا ہے نہ بمجرد عقل نقل سے قطع نظر کرکے **قولہ** اول یہ کہ درمختار میں ہے الخ **اقول**
صاحب درمختار نے لو عن زنا کی زیادتی میں مصنف درمختار کی شرح منح الغفار کی اتباع کی ہے اور صاحب
منح الغفار نے اُس بحر کی عبارت سے جو مجیب نے نقل کی ہے اخذ کیا ہے اور صاحب بحر نے فتح القدیر سے
نقل کیا ہے اور یہ سب عبارتیں فصل المحرمات میں واقع ہوئی ہیں اور خود صاحب فتح اور صاحب بحر نے کتاب الرضاع
میں ولد زنا کو عم اور خال زانی پر حلال بتایا ہے اور اسی قول کا وجہ لکھا ہے پس معلوم ہوا کہ فصل المحرمات کی
عبارتیں مشہور کے موافق ہیں اور معتمد یہی اقوال ہیں جو بحث رضاع میں واقع ہیں فان المسألة اذا کانت
مصرحۃ فی موضع بغیر علامۃ فتوی وکان خلافہا مصرحا فی موضع اٰخر بعلامۃ الفتوی کان الاعتماد

علی هذا الا اذاک کما لا یخفی علی من طالع رسم المفتی یعنی کیونکہ جب مسئلہ کی بلا علامت فتوی کسی جگہ تصریح ہو اور اُسکے خلاف مع علامت فتوی تصریح ہو تو اسی تصریح پر اعتماد کیا جائیگا نہ اُسکے غیر پر جیسا کہ جس شخص نے رسم مفتی کا مطالعہ کیا ہے اُسپر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور جو فتاوی قاضی خاں میں منقول ہے اُسمیں علامت فتوی نہیں ہے ولا اعتبار لما فی الشروح لا لما فی الفتاوی لاسیما اذا کان ما فی الشروح معلما بالفتوے صرح ابن فی مواضع یعنی جو شروح میں ہے معتبر ہے نہ وہ جو فتاوے میں ہے خصوصاً جب شروح میں علامات فتوی بھی موجود ہوں اسکی تصریح متعدد جگہوں میں ہے **قولہ** اس عبارت سے ظاہر ہے الخ **اقول** بیشک ان عبارات سے زنا کی دختر برادر سے نکاح حرام ہونا ظاہر ہے لیکن شراح محققین کا فتوے اسکے خلاف ہے اور اس مسئلہ کا بھید یہ ہے کہ باب حرمت میں قرابت کیوجہ سے بعضیت معتبر ہے حقیقۃً اور چونکہ ولید زنا حقیقۃً جز زانی ہے پس اسپر ضرور حرام ہوگی لیکن چونکہ شرعاً بعضیت غیر معتبر ہے لہذا ولید زنا کا نفقہ زانی پر واجب نہوگا اور نہ یہ کہ زانی سے میراث پائے گی حاصل کلام یہ ہے کہ شرعاً بعضیت کے احکام اُسپر جاری نہیں ہیں پس یہ بعضیت زانی کے بھائی اور چچا اور ماموں میں منجر بشبہ بعضیت ہوئی اور وہ باب قرابت میں موجب حرمت نہیں ہے **قولہ** اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو نسب سے حرام ہے رضاع سے بھی حرام ہے الخ **اقول** اگر کلیۃً مراد ہے تو غلط ہے کیونکہ فقہا نے ایک صورت کے نسب کو اس حدیث سے مستثنی کیا ہے جیسا کہ شرح وقایہ اور درمختار وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر جزئیۃً مراد ہے پس شکل اول میں منتج نہیں ہے **قولہ** دوسرے یہ کہ الخ **اقول** اسکا کسیکو انکار نہیں ہے کہ کوئی فقیہ لبن زنا سے زانی اور اصول و فروع زانی پر حلت رضیعہ کی طرف نہیں گیا ہے کہ حرمت پر دلالت کرنیوالی عبارتوں کا نقل کرنا مفید ہو بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگرچہ فقہا کا ایک گروہ حرمت کیطرف گیا ہے لیکن ارباب تحقیق کے نزدیک مفتی بہ حلت ہے اور بھی رضیعہ کی حلت برادر اور عم اور خال پر متفق علیہ ہے جیسا کہ اوپر مفصلاً گزرا **قولہ** پس معلوم ہوا کہ شبہ جزء الجزء الخ **اقول** ردالمحتار اور بحر وغیرہ سے رضیعہ مذکورہ کی حلت برادر و عم زانی پر منقول ہے اور فتوی نقل پر دینا چاہیئے نہ عقل پر سائل نے کہ حلت اور حرمت دریافت کی ہے تو اس سے اُسکا منشا یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک حلت ہے یا حرمت نہ یہ کہ یہاں مفتی کا جو کچھ جی چاہے لکھدے البتہ اگر مسئلہ مسئولہ کا جزئیہ نہ ملے تو عقل سے استنباط ہو سکتا ہے ردالمحتار میں ہے البحث فی المنقول غیر مقبول منقول میں بحث کرنا قابل قبول نہیں ہے۔ اسکے علاوہ فی نفسہ اس تقریر میں بھی نظر ہے کیونکہ لبن زنا اور نطفۂ زنا کا شرعاً اعتبار نہیں پس عم اور خال اور حواشی

وغیرہ میں شبہۃ البعضیۃ منجر بشبہۃ الشبہہ ہوتی ہی ہدایہ وغیرہ میں ہی الاعتبار للشبہۃ لا للنازل منہا شبہہ کا اعتبار
ہی نہ اسکا جو شبہہ کا شبہہ ہو۔ پس یہ شبہۃ الشبہہ حواشی کے لیے سوجب حرمت نہوگا **قولہ** اسکے علاوہ **اقول**
یہ علاوہ بالکل غلط ہی کیونکہ جب صورت مذکورہ میں صبیہ کی جگہ صبی فرض کیا گیا تو اسپر بنت ابن الزانی
کی حرمت اگر ابن الزانی سے وہی ابن مراد ہی جو مزنیہ کے بیٹے سے پیدا ہوا ہی اسوجہ سے ہی کہ ابن مزنیہ
اُس رضیع کے لئے برادر رضاعی ہی اور اسکا نسب ام کیجانب سے ثابت ہی پس بنت ابن الزانی دختر برادر
رضیعہ رضاعی ہی اور برادر رضاعی کی اولاد برادر رضاعی پر اگرچہ دونوں کا رضاع زنا سے ہو حرام ہی کیونکہ
دونوں ماں کے جزو ہیں نہ یہ کہ وہ لڑکی اُس صبی کی برادر زادی رضاعی ہی جیسا کہ صاحب علاوہ نے بیا
کیا اور ہماری گفتگو برادر حقیقی کے اُس دختر میں ہی جسکو زنا کا دودھ پلایا گیا ہی جسے دختر ہونیکا وصف ملا یعنی
رضاعی دختر نہیں اور دونوں میں بڑا فرق ہی اور اگر ابن زانی سے مراد اسکا ابن نکاحی ہی تو اسکی دختر کی حرمت
رضیع مذکور پر اور عدم حرمت ہماری بحث سے خارج ہی لہذا ہماری بحث کو اس صورت پر قیاس کرنا ٹھیک
نہیں **قولہ** ہمارے حنفیہ کے نزدیک آہ **اقول** فی الواقع نسب کے باب میں حقیقت بعضیت اور رضاع
میں شبہہ بعضیت معتبر ہی مگر چونکہ لبن حرام میں شبہہ بعضیت منجر بہ شبہۃ الشبہہ ہی اسلئے اسکا اعتبار نہوگا
قولہ زنا کی حرمت رضاعت کے باب میں **اقول** حرمت رضاعت ثابت کرنیوالی حدیث مذکور
عام مخصوص البعض ہی جیسا کہ فقہا و محدثین نے تصریح کی ہی اور عام مخصوص کی تخصیص قیاس سے
جائز ہی جیسا کہ تلویح اور دوسری کتب اصول میں ہی **قولہ** اولا معارض ہی **اقول** جب فقہا کی عبارت
میں تعارض واقع ہو تو مفتی کو لازم ہی کہ محققین کے فتوے پر عمل کرے اور چونکہ تجنیس کی تحریر پر اعلام فقہا
نے فتوی دیا ہی تو صاحب درمختار وغیرہ کی عبارتوں کا تعارض جو صاحب تجنیس سے مماثلت نہیں
رکھتے کیا ضرر پہونچائیگا **قولہ** محل نظر ہی اسوجہ سے **اقول** چونکہ رضاع میں شبہہ بعضیت معتبر ہی
اور حرام دودھ میں شبہہ شبہۃ الشبہہ پیدا ہوتا ہی اسلئے اسکا اعتبار چاہیے اسی لئے فقہائے عظام نے
زانی کے اصول و فروع کے لئے بھی حلت کا حکم دیا ہی اور قائلین تحریم احتیاطا حرمت کے قائل ہیں پس
مجیب کا یہ قول کہ حرمت لبن کے لئے کافی ہی جیسا کہ ... حلال میں غیر مسلم ہی **قولہ** اولا عبارات
منقولہ کے معارض ہی **اقول** مفتی بہ اور غیر مفتی بہ کا تعارض عجائبات عالم سے ہی **قولہ** اس سے
معلوم ہوتا ہی الخ **اقول** نہیں نہیں بلکہ صاحب فتح نے بھی حرمت رضاعت کو معلل بہ شبہہ بعضیت

جاتا ہے لیکن شبہۃ الشبہۃ کا اعتبار نہیں کیا ہے ہذا ما خطر خاطری من الایرادات علی المجیب و علی اللہ التوکل فی کل ما اتکلم والیہ انیب و انا الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی و حفظ عن موجبات الغی [ابو الحسنات محمد عبد الحی]

سوال مسماۃ محفوظن کی گود میں ایک لڑکا مسمی زید شیر خوار ہے اور مسماۃ شریفن نے ایک لڑکی ہندہ کو جنا مسماۃ محفوظن نے زید کا دودھ ایک یا دو یا تین بار مسماۃ ہندہ کو پلایا تو اس صورت میں زید اور ہندہ دودھ شریک بھائی بہن ہو سکتے ہیں یا نہیں بشرط ہونیکے پھر اگر ہندہ کی ماں نے دوسری لڑکی زینب کو جنا جسنے زید کا دودھ نہیں پیا ہے تو زید اور زینب کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر زید و زینب کا نکاح اور اولاد بھی ہو چکی ہو تو کیا کیا جائے اور دودھ پلانے کی گواہی صرف مادر رضاعی اور مادر رضیعہ پر تمام ہو سکتی ہے یا نہیں

جواب دودھ پینے والے پر مرضعہ کی سب اولاد اور شوہر مرضعہ کی اور اولاد جو دوسری سوجہ سے ہو حرام ہو جاتی ہے اور دودھ پینے والے کے بھائی بہن کیطرف سے حرمت نہیں آتی لہذا زید کا نکاح ہندہ کیساتھ ناجائز اور زینب کیساتھ جائز ہے خزانۃ الروایات میں ہے اذا ارضعت تد لیلہ تحرم ہذہ الصبیۃ علی زوجہا و علی ابائہ و اولادہ و علی المرضعۃ و علی اولادہ والاصل ان اقرباء المرضعۃ و اقرباء زوجہا اقرباء للرضیع و اقرباء الرضیع لیسوا اقرباء للمرضعۃ یعنی جب کسی نے اپنا دودھ پلایا تو یہ لڑکی مرضعہ کے شوہر اور اسکے آباء و اولاد اور مرضعہ کے باپ اور اسکی اولاد پر حرام ہو گئی اصل یہ ہے کہ اقرباء مرضعہ اور اقرباء زوج مرضعہ رضیع کے اقربا ہیں اور رضیع کے اقربا مرضعہ کے اقربا نہیں ہیں انتہی اور رضاعت کے باب میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت رضاعت کے لئے ضروری ہے فقط مرضعہ یا مادر رضیع کا قول ثبت نہیں ہو سکتا مگر اس صورت میں اجتناب و تنزہ احوط و لازم ہے فتاوی خانیہ میں ہے رجل و امرأۃ فشہدت امرأۃ انہا ارضعتہما لا تثبت الحرمۃ بقولہا وان کانت عدلۃ وان تنزہ کان افضل و کما لا یفرق بینہما بعد النکاح لا تثبت الحرمۃ بشہادتہن فکذلک قبل النکاح یعنی ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور ایک عورت نے شہادت دی کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اسکے کہنے سے حرمت ثابت نہ ہوگی اگرچہ وہ عورت عادل ہو البتہ علیحدگی افضل ہے اور جیسا کہ ان دونوں میں نکاح کے بعد تفریق نہیں ہو سکتی اسیطرح نکاح کے پہلے عورتوں کی شہادت سے حرمت نہیں ثابت ہوگی انتہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال ایک بوڑھی عورت ہے جسکا دودھ بالکل سوکھ چکا ہے اور سات سال سے اسکے اولاد نہیں ہوئی ہے مگر جب پستان کو زور سے ملتی ہے تو کوئی غلیظ چیز دودھ

کی طرح پستان کے سر پر آجاتی ہے پس اگر یہ عورت کسی لڑکے کے منہ میں پستان دے مگر اُسکو کامل یقین
نہو کہ دودھ نکلا اور لڑکے کے حلق میں گیا کیونکہ اسکے دودھ ہی نہیں ہے اور جو لزج چیز پستان سے نکلتی
ہے وہ بھی بہت زور سے ملنے سے نکلتی ہے اور عورت کو اسکا بھی یقین نہو کہ وہ لزج شے نکلکر لڑکے کے
حلق میں اُتری پس لڑکے کے حلق میں دودھ نہ پہونچنے کی صورت میں محض شک ہے پس حرمت ثابت ہوگی
یا نہیں **جواب** اگرچہ باکرہ اور عجوزہ کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے مگر صورت سوال میں
اس رطوبت کے حلق میں پہونچنے کا یقین نہونیکے باعث حرمت ثابت نہ ہوگی اشباہ میں ہے ولو کان ظاهره
شک لم یعتبر ولهذا قالوا لو ادخلت المرأة حلمة ثديها فی فم رضيعة ووقع الشك فی وصول اللبن
الى جوفها لم تحرم لان فی المانع شكا كما فی الولوالجية وفی القنية امرأة كانت تعطى ثديها صبية واشتهر
ذلك فيما بينهم ثم تقول لم يكن فی ثديی لبن حين القمتها ولا يعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها
ان يتزوج بهذه الصبية یعنی اگر حرمت میں شک ہو تو معتبر نہیں ہے اسی وجہ سے فقہا کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت
نے اپنا پستان کسی شیر خوار بچے کے منہ میں ڈالا اور پیٹ تک دودھ پہونچنے میں شک ہوا تو اس سے حرمت
ثابت نہوگی کیونکہ مانع میں شک ہے جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے اور قنیہ میں ہے کہ ایک عورت نے ایک بچے کو
اپنا پستان چُسایا اور یہ بات عام طریقہ سے مشہور ہوگئی پھر اُسنے کہا کہ جب میں نے دودھ چُسایا تھا تو
میرے دودھ نہ تھا اور اسکا علم اُسکے سوا اور کسیکو نہیں ہو سکتا تو اسکے لڑکے کے لئے جائز ہے کہ اس لڑکی
کیساتھ شادی کرے **سوال** ہندہ نے اپنے ایام رضاعت میں زینب کا دودھ جو اُسکے شوہر سے تھا پیا
عرصہ کے بعد زید نے زینب سے زنا کیا پس زید کا نکاح ہندہ کیساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں **جواب** اسمیں فقہا کا اختلاف
ہے بحر الرائق اور جامع الرموز کی عبارتوں سے حرمت ثابت ہوتی ہے بحر الرائق میں ہے اراد بحرمة المصاهرة
الحرمات الاربع حرمة المرأة على اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها على الزانی
نسبا ورضاعا كما فی الوطی الحلال یعنی حرمت مصاہرت سے چار حرمتیں مراد ہیں عورت کا نسبی و رضاعی
اصول و فروع زانی پر حرام ہونا اور عورت کے اصول و فروع کا زانی پر حرام ہونا جیسا کہ وطی حلال میں ہے
عبارت جامع الرموز کی یہ ہے کہ لیکن نظم وغیرہ میں یہ ہے کہ ہر ایک زانی اور مزنیہ سے دوسرے کی اصل پر اور
فرع پر رضاعا حرام ہے انتہی اور بھی اسی کتاب میں ہے قدمنا ان فروع المزنی بها من الرضاع حرام على الزانی
وكذا قال فی الخلاصة وكذا الولد تحبل من الزنا وارضعت لا بلبن الزنا فانها تحرم على الزانی كما تحرم

من النسب علیہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مزنی بہا رضاعی فروع زانی پر حرام ہیں جیسا کہ خلاصہ
میں ہے اسیطرح اگر زنا سے حاملہ نہیں ہوئی اور زنا کا دودھ نہیں پلایا تو بھی وہ زانی پر حرام ہو جائیگی جس طرح
کہ حقیقی لڑکی حرام ہو جاتی ہے انتہی اور صاحب درمختار نے لکھا ہے الوطی بشبھۃ کالحلال قیل ولکن الزنا
والاوجہ لا۔ فتح۔ شبہہ میں جو وطی ہو جاے وہ مثل حلال کے ہے بعضوں کے نزدیک یہی حال زنا کا ہے اور
انسب یہ ہے کہ زنا کا یہ حال نہیں ہے جیسا کہ فتح میں ہے اور اسی قول کی شرح میں صاحب رد المختار لکھتے ہیں وذلک
حیث قال ای صاحب الفتح لبن الزنا کالحلال فاذا ارضعت بہ بنتا حرمت علی الزانی وآبائہ وابنائہ و
ان سفلوا وفی التجنیس عن الجرجانی ولعم الزانی ان یتزوج بھا کالمولودۃ من الزانی لانہ لم یثبت نسبھا
من الزانی والتحریم علی آباء الزانی واولادہ للجزئیۃ ولا جزئیۃ بینھا وبین العم واذا ثبت ھذا فی المتولدۃ
من الزانی فکذا فی المرضعۃ بلبن الزنا قال فی الخلاصۃ وکذا لو لم تحبل من الزنا وارضعت لا بلبن
الزنا یحرم علی الزانی کما تحرم بنتھا علیہ وذکر الوبری ان الحرمۃ تثبت من جھۃ الام خاصۃ ما لم یثبت
النسب فح تثبت من الاب وکذا ذکرہ الاسبیجابی وصاحب الینابیع وھو اوجہ لان الحرمۃ من الزنا للبعضیۃ
وذلک فی الولد نفسہ لانہ مخلوق من مائہ دون اللبن اذ لیس اللبن کائنا من منیہ لانہ فرع التغذی
وھو لا یقع الا بما یدخل من اعلی المعدۃ لا سفل البدن کالحقنۃ فلا اثبات فلا حرمۃ بخلاف ثابت النسب
لان النص اثبت الحرمۃ عند واذا ترجح عدم حرمۃ الرضیعۃ بلبن الزانی فعدمھا علی من لیس اللبن
منہ اولی خلافا لما فی الخلاصۃ لانہ یخالف المسطور فی الکتب المشھورۃ اذ یقتضی تحریم بنت المرضعۃ
بلبن غیر الزوج علی الزوج بالطریق الاولی انتھی کلام الفتح ملخصا وحاصلہ ان فی حرمۃ الرضیعۃ بلبن
الزنا علی الزانی وکذا علی اصولہ وفروعہ روایتین کما صرح بہ القھستانی ایضا وان الاوجہ روایۃ عدم الحرمۃ
وان ما فی الخلاصۃ مردود لان المسطور فی الکتب المشھورۃ ان الرضیعۃ بلبن غیر الزوج لا تحرم علی الزوج
وکلام الخلاصۃ یقتضی تحریمھا بالاولی ما فی الفتاوی اذا خالف ما فی المشاھیر من الشروح لا یقبل
ھذا تقریر کلام الفتح وقد وقع فی فھمہ خبط کثیر منہ ما ادعاہ فی البحر من ان محل الخلاف اصول الزانی
وفروعہ انھا لا تحل للزانی اتفاقا والحاصل کما قال فی البحر ان المعتمد فی المذھب ان لبن الزانی لا یتعلق بہ
التحریم وظاھر المعراج والخانیۃ ان المعتمد ثبوتہ قلت وذکر فی شرح المنیۃ ان لا یعدل عن الدرایۃ اذا
وافقھا روایۃ وقد علمت ان الاوجہ عدم روایۃ عدم التحریم یعنی یہ اسوجہ سے ہے کہ صاحب فتح نے کہا ہے

لبن زنا مثل حلال کے ہے پس اگر لبن زنا کسی لڑکی کو پلایا تو اُسکی وجہ سے وہ لڑکی زانی اور اُسکے آبا وابنا پر حرام ہو اگرچہ وہ نیچے درجے کے ہوں اور تجنیس میں جرجانی سے نقل کیا ہو کہ زانی کے چچا کو اُسکے ساتھ شادی کرنا حرام نہیں ہو جسطرح کہ زنا سے جو اولاد پیدا ہو کیونکہ زانی سے اُسکا نسب بھی ثابت نہیں ہو اور آبا اور ابنا زانی پر تحریم اُسکی جزئیت کیوجہ سے ہو اور اس لڑکی اور عم زانی میں جزئیت متحقق نہیں ہو اور جب یہ اُس لڑکی کے متعلق متحقق ہو جو زنا سے پیدا ہوئی ہو تو اُس لڑکی میں بھی متحقق ہوگا جسکو زنا کا دودھ پلایا گیا ہو خلاصہ میں ہو اسیطرح اگر وہ زنا سے حاملہ نہیں ہوئی اور لڑکی کو دودھ پلایا جو زنا کا تھا تو وہ زانی پر ویسی ہی حرام ہوگی جیسے زانیہ کی لڑکی اور وبری نے کہا ہو کہ حرمت ماں ہی کیجانب سے ثابت ہوتی ہو جبکہ نسب نہ ثابت ہوا اور جب نسب ثابت ہو جاتا ہو تو باپ کی طرف سے حرمت ثابت ہوتی ہو ایسا ہی اسبیجانی اور صاحب ینابیع نے کہا ہو یہ انسب ہے کیونکہ زنا کیوجہ سے جو حرمت ہوتی ہو اُسکی علت بعضیت ہے اور یہ خود اولاد میں ہو کیونکہ وہ خود اُسکی منی سے پیدا ہوتی ہو نہ کہ دودھ سے کیونکہ دودھ اُسکی منی سے نہیں بنا ہو بلکہ وہ غذا کی فرع ہو اور تغذی اُنھیں چیزوں سے ہوتی ہو جو اعلاے معدے آئیں نہ اُنسے جو اسفل میں سے داخل ہوں جیسے حقنہ تو اب انبات یعنی اُگنا اور بڑھنا پس حرمت بھی نہ ثابت ہوگی برخلاف ثابت النسب کے اسلیے کہ نص نے حرمت کو ثابت کردیا ہو تو جب ترجیح اسکو ہو کہ زانی کے زنا کا دودھ جس لڑکی نے پیا ہو اُسپر وہ حرام نہو تو جب اُسکے زنا کا دودھ نہو تو بدرجۂ اولی ہو یہ خلاصہ کے خلاف ہو اور جو خلاصہ میں ہو وہ کتب مشہورہ کے خلاف ہو کیونکہ اسکا مقتضی یہ ہو کہ مرضعہ نے جس لڑکی کو غیر زوج کا دودھ پلایا ہو وہ زوج پر بدرجۂ اولی حرام ہو انتہی کلام صاحب الفتح ملخصًا اسکا ماحصل یہ ہو کہ جسے لبن زنا پلایا گیا ہو اسکے زانی پر حرام ہونے اور اسیطرح اسکے اصول و فروع پر حرام ہونے میں دو روایتیں ہیں جیسا کہ قہستانی نے بھی اسکی تصریح کی ہو اور اوجہ روایت عدم حرمت ہو اور جو خلاصہ میں ہو وہ غیر معقول ہو کیونکہ کتب مشہورہ میں یہ تحریر ہو کہ جسے غیر زوج کا دودھ پلایا گیا وہ زوج پر حرام نہیں ہو اور خلاصہ کا کلام اسکی بدرجۂ اولی حرمت کو چاہتا ہو اور فتاوے اگر مشاہیر شروح کے خلاف ہوں تو قبول نہ کیے جائینگے ہذا تقریر کلام الفتح اسکے سمجھنے میں بہتوں نے گڑبڑ کردی ہو منجملہ اسکے وہ ہو جو بحر میں ہو کہ محل اختلاف اصول و فروع زانی ہیں اور خود زانی کے لیے وہ بالاتفاق حلال نہیں ہو بحر کے قول کا حاصل یہ ہو کہ باعتبار مذہب معتمد لبن زانی سے تحریم کا تعلق نہیں ہو اور معراج دخانیہ کا ظاہر یہ ہو کہ مذہب معتمد ثبوت تحریم ہو میں کہتا ہوں شرح منیہ میں ہو کہ جب روایت درایت کے موافق ہو

تو اُس سے عدول نکرنا چاہیئے اور تم جانتے ہو کہ روایت عدم تحریم کی روایت کے موافق ہو ان عبارتوں سے
معلوم ہوا کہ رضیعہ بلبن زنا زانی پر بر قول صحیح حرام نہیں ہو اور جبھی ایک شوہر کے لبن کی رضیعہ دوسرے
شوہر پر حرام نہیں پس رضیعہ بلبن غیر زانی بدرجہ اولی زانی پر حرام نہو گی اور چونکہ صاحب فتح القدیر ارباب
ترجیح میں سے ہیں بلکہ اجتہاد کرنیوالوں میں سے شمار کیے جاتے ہیں اسلیے اُنکا قول وھو الاوجہ روایات
فتاوی پر مقدم ہوگا اور جو وہم ہوتا ہو کہ غیر زنا کا دودھ پینے والی لڑکی مرضعہ کی رضاعی بیٹی بلا شبہہ ہو جاتی
ہو اور مزنیہ کیساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہو پس ضرور ہو کہ اُسکے تمام فروع بھی حرام ہوں تو وہ وہم اس
سے دور ہو سکتا ہو کہ حرمت مصاہرت کا منشا ثبوت جزئیت یا شبہہ جزئیت ہو اور وہ اس صورت میں
مفقود ہو اور یہ خیال کہ غیر شوہر کے دودھ سے شوہر پر دودھ پینے والی کا حرام ہونا اور زنا کے دودھ سے
پینے والی کا زانی پر حرام ہونا دونوں میں فرق ہو کیونکہ مرضعہ کے شوہر پر لڑکی کا حرام ہونا اور بہت سے ہو
اور زانی پر حرام ہونا اور اعتبار سے ہو سو زانی پر اُس لڑکی کا حرام ہونا حرمت مصاہرت کے سبب سے ہو
کہ اسمیں زانی کی جزئیت کو کچھ دخل نہیں ہو اور شوہر پر اس لڑکی کی حرمت صرف رضاعت کے سبب سے
صحیح نہیں ہو کیونکہ دونوں مقام برابر ہیں حرمت مصاہرت میں اور مصاہرت کا اعتبار اعتبار جزئیت پر
موقوف ہو اور یہیں سے یہ وہم بھی دور ہو گیا کہ زانی پر فروع مزنیہ کی حرمت سزا کے لیے ہو اور ظاہر ہو کہ جب
غیر زنا کے دودھ کو پینے والی زانی پر حرام ہے تو زنا کا دودھ پینے والی بدرجۂ اولی حرام ہو اور تم اس
بارہ میں عدم حرمت کا معتمد ہونا جان چکے پس جاننا چاہیئے کہ حرمت مصاہرت کا منشا ثبوت جزئیت
یا شبہہ جزئیت ہو اور وہ اس صورت میں مفقود ہو۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات
محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

باب الجہاز

سوال زید نے اپنی لڑکی کو مع اسباب جہیز اُسکے شوہر کے گھر بھیجدیا اُسکے بعد لڑکی مرگئی اب زید
کہتا ہو کہ اسباب جہیز میں نے عاریت دیا تھا اور عمرو کہتا ہو ہبہ کیا تھا پس کسکا قول معتبر ہو **جواب**
اگر زید اشراف اور بزرگ لوگوں میں سے ہو تو اسکا قول معتبر نہیں ہو اور اگر اوساط الناس سے ہو تو اُسکا
قول معتبر ہو مگر یہ کہ شوہر ہبہ کو ثابت کرے۔ عالمگیری میں ہو رجل جهز ابنته بماله وبعث الابنة مع الجهاز الی زوجها

فماتت الابنة فادعى الاب انه كان عارية وزوجها يدعى الملك اختلفوا فيه قال بعضهم القول قول الزوج والبينة على الاب وبه قال الشيخ الامام ابو بكر محمد ابو الفضل وقال بعضهم القول قول الاب لانه هو الدافع والمملك قال رضي الله عنه وينبغي ان يكون الجواب على التفصيل ان كان الاب من الكرام والاشراف لا يقبل قول الاب لانه هو الدافع وليس بمكن بقيما قال من حيث الظاهر كذا في فتاوى قاضيخان ایک شخص نے اپنی لڑکی کو اپنے مال میں سے جہیز دیکر اُسکے شوہر کے یہاں بھیجا اب جبکہ لڑکی مرگئی تو باپ کہتا ہی کہ یہ جہیز میں نے عاریۃً دیا تھا اور شوہر کہتا ہی نہیں بلکہ تملیکا دیا تھا تو اسمیں مشایخ کا اختلاف ہی بعض کہتے ہیں زوج کا قول معتبر ہی اور باپ کو بینہ قائم کرنا چاہیے اور یہی امام ابو بکر محمد بن فضل کا قول ہی اور بعض کہتے ہیں باپ کا قول معتبر ہی کیونکہ وہی دینے والا ہی امام صاحب کہتے ہیں کہ جواب بتفصیل ہونا چاہیئے اگر باپ اشراف میں سے ہی تو اُسکا قول معتبر نہیں ہی کیونکہ اُسکے ایسے لوگ عاریۃً دینے کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں اور اگر متوسط الحال لوگوں میں ہی تو باپ کا قول معتبر ہی کیونکہ وہی دینے والا ہی اور بظاہر جو کچھ وہ کہہ رہا ہی جھوٹ نہ کہتا ہوگا جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہی۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابو الحسنات محمد عبد الحی |

کتاب الطلاق

سوال اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ سے بدیں وجہ ناراض ہو کر بلا موجودگی زوجہ کے اہل برادری کے سامنے قسم کھا کر کہے کہ میں نے زوجہ کو طلاق دی کہ اُسنے میرے ساتھ جانے میں انکار کیا اس کے بعد شوہر چھبیس برس زندہ رہا لیکن زوجہ سے کچھ واسطہ نہیں رکھا اب اسکے مرنے کے بعد زوجہ کہتی ہی کہ اُسنے میرے مواجہہ میں طلاق نہیں دی تھی شرعاً طلاق مانی جائے گی یا نہیں **جواب** طلاق مان لی جائیگی طلاق میں زن و شوہر کا مواجہ شرط نہیں ہی بلکہ اُسوقت عورت کا علم بھی ضروری نہیں غنایہ میں ہی الزوج منفرد بالطلاق فرب الم تکن حالمتا بہ طلاق تنہا زوج کا حق ہی بسا اوقات عورت کو اسکا علم بھی نہیں ہوتا **سوال** اگر زید شوہر اپنی زوجہ ہندہ سے لڑا اور ہندہ نے شوہر کے گھر آنے سے انکار کیا اور زید نے قسم کھائی کہ ہمسے اور ہندہ سے واسطہ نہیں اور پھر زید اپنی قسم پر بیس برس تک تا وقت مرگ قائم رہا تو ہندہ سے واسطہ نہ رکھا تو اس انکار اور اتنی مدت تک احتراز سے طلاق ہوئی یا

جواب طلاق ہو گئی واللہ اعلم کتبہ ابو الحیش محمد مہدی عفا اللہ عنہ **ہو المصوب** اس لفظ سے طلاق بنیت سے ثابت ہی۔ خزانۃ المفتیین میں ہی لو قال لم یبق بینی و بینک عمل وانا بریٔ من نکاحک او ابعدی عنی ونوی الطلاق یقع یعنی اگر یہ کہا کہ مجھ سے تجھ سے کوئی کام نہیں ہی یا میں تیرے نکح سے بری ہوں یا اپنے کو مجھ سے دور رکھ اور طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابو الحسنات محمد عبد الحی] **سوال** زید نے غصہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دی اسطرح پر کہ تین بار لفظ طلاق زبان سے کہا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر واقع ہوئی تو اب کیونکر اُسکے ساتھ نکاح کرسکتا ہی **جواب** ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں اب بدون حلالہ کے اُسکا نکاح زید کیساتھ درست نہیں ہی حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** زید نے اپنی زوجہ کی خالہ سے بحالت غصہ جو بوجہ تکرار سابق مابین زن وشوہر کے بھڑکا ہوا تھا کہا کہ اس سے یعنی زوجہ سے کہدو کہ ہمنے اُسکو آج کی تاریخ سے طلاق دی طلاق دی اُسکی زوجہ کی خالہ نے کہا ایسی بات منھ سے نہ نکالو یہ فتویٰ وحدیث کی بات ہی تو زید نے کہا فتویٰ اور حدیث کو طاق پر رکھو ہمنے اُسکو طلاق دی طلاق دی پھر زن وشوہر کے پاس کچھ گفتگو کھانے پینے کی رہائی اب زید طلاق دینے سے انکار کرتا ہی اور اُس طلاق کو اُسکی زوجہ اور اُسکی خالہ اور چند اشخاص زوجہ کی برادری والوں نے خود سنا تھا پس اولا از روے مذہب حنفیہ زید کا یہ کہنا کہ طلاق نہیں دی معتبر ہوگا یا یہ قول عورت کا کہ طلاق دی ہی مانا جائیگا اور اگر طلاق واقع ہوگی تو کون طلاق واقع ہوگی اور پھر ان دونوں میں معاشرت کی کون صورت ہی یا زید کا یہ کہنا کہ فتویٰ اور حدیث کو طاق پر رکھو ارتداد کا کلمہ سمجھا جائیگا اور وہ مرتد مانا جائیگا اگر ایسا بھی ہو تو زید پھر اسلام لاکر اس عورت سے نکاح کرسکتا ہی یا نہیں اسکا جواب مطابق مذہب حنفی معہ حوالہ کتب فقہیہ معہ دستخط علمار تحریر فرمادیں **جواب** یہ قول کہ فتوے اور حدیث کو طاق پر رکھو موجب ارتداد ہی کیونکہ اس سے شریعت اور احکام شرعیہ کی توہین ہی ایسے الفاظ بولنا عند الفقہا باعث کفر ہی۔ کشف الوقایہ میں ہی اگر گوید من نماز را بطاق نہادم یکفر کذا فی خزانۃ المفتیین یعنی اگر کہے کہ میں نے نماز کو طاق پر رکھا تو کافر ہو جائیگا جیسا کہ خزانۃ المفتیین میں ہی اور بھی اُسی میں ہی لو قال شریعت را چہ کنم یکفر یعنی اگر کہا میں شریعت کو کیا کروں تو کافر ہو جائیگا اور عالمگیری میں ہی لو قال با من شریعت وایں حیلہا سود ندارد او قال در پیش نرود او قال شریعت را

جدکنم فھذا کلہ کفر یعنے اگر کہا میرے ساتھ شریعت اور یہ حیلے فائدہ نہیں رکھتے یا کہا چل نہیں سکتے یا کہا شریعت کو میں کیا کروں تو یہ سب کفر کے کلمے ہیں۔ پس ان پر ان کلموں کے کہنے ہی ارتداد کا حکم دیا جائیگا اور اس ارتداد سے فی الفور نکاح فسخ ہو جائیگا جیسا کہ کنز وغیرہ میں ہے وارتداد احدھما فسخ فی الحال یعنی دو میں سے کسی ایک کے مرتد ہوتے ہی نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور چونکہ مرتد ہو جانے سے پہلے وہ دو بار طلاق دے چکا تھا اور یہ فسخ حکم طلاق میں نہیں ہے اور بعد ارتداد کے جو دو مرتبہ اسنے طلاق دی اسکا نکاح باقی نہ رہنے کیوجہ سے اعتبار نہوا اسلئے از سر نو اسلام لا کے وہ شخص تجدید نکاح کر سکتا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** (۱) طلاق عربی لغت ہے اسکے معنے چھوڑ دینے کے ہیں اس صورت میں اگر زوج اپنی زوجہ کو بلغت ہندی کہے کہ ہمنے تجھکو چھوڑ دیا اور پھر زوج سال دو سال تک نان و نفقہ یا اور کسی طور سے زوجہ کا پرسان حال نہوا تو زوجہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں (۲) جبکہ زوج نے اپنی زوجہ کو اپنے گھر سے نکالدیا اور آپ دور دراز سفر کو چلا گیا اور زوجہ اپنے میکے چلی آئی اور دو سال یا اس سے زیادہ زمانہ گذر گیا کہ زوج کبھی پرسان حال نان و نفقہ یا خط کتابت سے زوجہ کا نہوا ایسے یا ایسی حالت میں زوجہ کے والدین کو اختیار ہوگا کہ نکاح جو زید کیساتھ ہوا ہے اسکو فسخ کر کے دوسرے کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں یا نہیں (۳) زن منکوحہ اپنے خاوند کے گھر سے نکلجائے اور علی الاعلان ہر ایک کیساتھ زنا کرے اور اسکو اپنا شعار بنالے اور اس حالت سے ہر خرد و کلاں بلکہ زوج بھی واقف ہو اور اسے پانچ سات برس کا زمانہ بھی گزر جائے اور زوج نے زانیہ زوجہ سے کچھ سروکار بھی نہ رکھا ہو اگرچہ زوج مذکور طلاق دینے سے انکار کرتا ہو تو زوجہ مطلقہ ہوگی یا نہیں اور مہر پانیکا اسکو حق حاصل ہوگا یا نہیں (۴) جبکہ زن منکوحہ بلا اجازت شوہر کے گھر سے نکلکر اپنے میکے یا ایک قریہ سے دوسرے قریہ میں چلی جائے تو ایسی حالت میں دین مہر زوجہ مذکورہ کا جو زوج کے ذمہ ہے باطل ہوگا یا نہیں **جواب** (۱) اس لفظ سے کہ ہمنے تجھکو چھوڑ دیا طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ یہ لفظ طلاق کے صریحی معنی ہیں (۲) اسصورت میں جب تک شوہر طلاق نہ دے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا (۳) اس صورت میں جب تک شوہر طلاق نہ دے عورت مطلقہ نہیں ہو سکتی اور مہر شوہر پر واجب الادا ہوگا (۴) ایسی حالت میں زوجہ کا نان و نفقہ زوج کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا لیکن دین مہر ساقط نہ ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** زید نے اپنی مدخولہ

عورت سے کہا لفظ واحد میں طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تب اُسنے پوچھا کہ تمنے کتنی طلاقیں دی ہیں اُسنے کہا صرف ایک طلاق کی تائید میں باقی لفظوں کو میں نے ادا کیا ہے پس معلوم ہونا چاہیے کہ عورت پر کے طلاقیں واقع ہوئیں **جواب** اس صورت میں اسکی تصدیق فیما بینہ وبین اللہ کیجائیگی لیکن قاضی اسکو تسلیم نہ کریگا۔ در مختار میں ہے کرر لفظ الطلاق وقع الکل ان نوی التاکید دین یعنے اگر لفظ طلاق کو مکرر کہا تو سب واقع ہونگی اگر اُسنے تاکید کی نیت کی ہے تو دیانۃً اسکی تصدیق کیجائے گی حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** ایک شخص کی چار بیبیاں ہیں اور چاروں ایک ہی مکان میں موجود ہیں دروازہ بند تھا شوہر نے باہر سے پکارا کسی بی بی نے اندر سے جواب دیا اور جواب دے کر چپ ہو گئی صبح کو مرد نے کہا کہ جس بی بی نے جواب دیا تھا اُسپر تین طلاقیں ہیں عورتوں سے پوچھا کہ کس نے جواب دیا تھا ہر ایک کہتی ہے کہ میں نے جواب نہیں دیا تھا اب طلاق کس پر واقع ہوگی **جواب** اس صورت میں اشتباہ کیوجہ سے سب سے وطی کرنا حرام ہے جبتک مطلقہ کی تعیین نہو جائے اشباہ میں ہے الاصل فی الابضاع التحریم فاذا تقابل فی المرأۃ حل وحرمۃ غلبت الحرمۃ ولھذا لا یجوز التحری فی الفروج واذا طلق احدی نسائہ بعینھا ثلاثا ثم نسیھا وکذلک ان میز کلھن الا واحدۃ لم یسعہ ان یقربھا حتی انھا غیر المطلقۃ یعنی اشباہ میں اصل تحریم ہے اسی لئے تحری جائز نہیں اور جب اپنی عورتوں میں سے کسی ایک معین کو تین طلاقیں دیں پھر بھول گیا یا ایک کے سوا سب کو پہچان لیا تو اُسے اُس ایک سے غیر مطلقہ سمجھکر قربت نکرنا چاہیے اور بھی اسی کتاب میں دوسرے مقام پر ہے لو اختلطت زوجتہ بغیرھا فلیس لہ الوطی ولا بالتحری یعنی اگر اسکی زوجہ دوسری عورت سے ملجائے یعنی وہ یہ نہ پہچان سکے کہ اُسکی زوجہ کون ہے تو اُسے وطی نکرنا چاہیے اور نہ تحری پر عمل حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کے بعد چھ مہینے تک ہندہ زید کے مکان میں رہی پھر بطیب خاطر میکے میں آئی پھر جتنی مرتبہ زید نے ہندہ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا ہر بار والد ہندہ نے کسی نہ کسی حیلہ سے ٹالدیا یہانتک کہ اسی لطائف الحیل میں ایک سال گزر گیا مجبور ہو کر زید نے عدالت میں دعویٰ کیا اور ہندہ کے والد نے شرارۃً اُسی عدالت میں خلع اور تفریق کی درخواست دی حالانکہ زید میں کوئی وہ عیب جو موجب خلع و تفریق ہو نہیں پایا جاتا بجز شرارت ہندہ یا والد ہندہ کے دوسری وجہ معلوم نہیں ہوتی اور نہ زید خلع و تفریق پر راضی ہے پس ایسی صورت میں حاکم وقت جبراً خلع و تفریق کر دینے کا مجاز ہے یا نہیں اگر ہے تو بشرط تراضی طرفین یا صرف برضاے ہندہ اگرچہ زید راضی نہ ہو

جواب چونکہ خلع طلاق بائن ہے اور طلاق بغیر رضائے شوہر کے اور اُسکے تکلم کے ساتھ الفاظ طلاق کے واقع نہیں ہوسکتی پس ایسے ہی خلع بھی بغیر رضا و قبول شوہر نہیں ہوسکتا۔ عالمگیری میں ہے شرطہ شرط الطلاق وحکمہ وقوع الطلاق البائن کذا فی التبیین یعنی شرط خلع شروط طلاق ہیں اور خلع کا یہ حکم ہے کہ اُس سے طلاق بائن ہوتی ہے جیسا کہ تبیین میں ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبدالحی **سوال** زید نے اپنی عورت سے غصہ کی حالت میں کہا میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی پس اس تین بار کہنے سے تین طلاقیں واقع ہونگی یا نہیں۔ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی مذہب میں مثلاً واقع نہوں تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس خاص صورت میں عمل کرنیکی اجازت دیجائے گی یا نہیں **جواب** اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اُس عورت کا علیحدہ ہونا اُس سے دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو اگر تقلید کسی اور امام کی کریگا تو کچھ مضائقہ نہو گا اسکی نظیر مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و عدت ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنیکو درست رکھتے ہیں چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ شخص کسی شافعی عالم سے پوچھ کے اُسکے فتوے پر عمل کرے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی **سوال** مریم مدعیہ باظہار وقوع سہ طلاق مغلظہ بدعوی تفریق ذات خود از زوجیت مدعا علیہ بنام جمعہ عدالت میں عوید ار ہوئی مدعا علیہ نے طلاق دینے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں طلاق دیتا تو کوئی نہ کوئی اہل برادری میں سے ضرور واقف ہوتا اور میں فارغخطی کی دستاویز مدعیہ کو لکھدیتا فقط جانب مدعیہ سے چھ گواہ تین مندرجہ عرضی دعوی اور تین غیر مندرج عرضی دعویٰ عدالت میں پیش ہوے جو تین گواہ مسمیان پیر بخش و جیند و باد اللہ مندرجہ عرضی دعویٰ عدالت میں مسموع ہوے انھوں نے ہنگام ادائے شہادت بدین تصریح باضافت الی الزوجہ کہ اے مریم میں نے تجھے طلاق دی اے مریم میں نے تجھے طلاق دی اے مریم میں نے تجھے طلاق دی بحوالہ بیان مدعی علیہ طلاق دہندہ بلفظ استشہاد ادائے شہادت کی اور تین گواہ مسمیان الٰہی بخش و ٹھوو کھن جو غیر مندرجہ عرضی دعوی تھے منجملہ انکے مسمی الٰہی بخش وہ شخص ہے جسکا نام باظہار مریم مدعیہ لکھا گیا ہے اور ٹھوو وہ شخص ہے جس کی نسبت خود مدعی علیہ نے روبروے حاکم عدالت یہ کہا کہ اس سے اس مقدمہ میں نسبت وقوع و عدم وقوع استفسار کیا جائے غرض ہر سہ گواہ مرقوم الصدر نے روبروے حاکم عدالت بلفظ اشہد بدین عبارت

بحوالۂ کلام مدعی علیہ طلاق دہند کہ اے مریم میں نے تجھے طلاق دی اے مریم میں نے تجھے طلاق دی بخطاب الی المریم زوجہ خود مریم زوجہ اپنی کو طلاق دی فقط حاکم عدالت نے بعد سماعت شہود مذکور الصدر جنکا بیان حسب تصریح بالا مندرجہ اظہار ہے بنظر ثبوت وقوع طلاق از جانب مدعی علیہ بمدعیہ حسب شہادت شہود بتفریق ذات مدعیہ از زوجیت مدعی علیہ حکم دیا ہنگام رجوع مرافعہ منجانب مدعا علیہ حاکم مرافعہ نے رائے عدالت مسترد کرکے اپنے فیصلہ میں وجہ استرداد یہ ظاہر کی کہ منجملہ کس گواہ مدعیہ مندرجہ عرضی دعوی مسموعہ عدالت پیر بخش گواہ نے عدالت میں الفاظ طلاق زبانی مدعی علیہ اسطرح ظاہر کیے کہ اے مریم میں نے تجھکو طلاق دی و برسر موقع زبانی طلاق دہندہ بجائے لفظ تجھکو تجھے کہا اور چند گواہ نے عدالت میں یہ الفاظ طلاق کہ جا مریم میں نے طلاق دی و برسر موقع بجائے لفظ جا اے بیان کیا بصورت ہذا اکثر یہ تزلزل بیانی موجب بطلان شہادت ہے باقی رہا داد اللہ ایک گواہ شرعا نصاب شہادت نہیں و منجملہ کس گواہ غیر مندرجہ عرضی دعوی مٹھو گواہ نے عدالت میں الفاظ طلاق زبانی مدعی علیہ یوں بیان کیے کہ اے مریم میں نے تجھکو طلاق دی و برسر موقع لفظ اے کہا و بجائے لفظ تجکو تجھے کہا اور الٰہی بخش گواہ نے بھی مطابق بیان مٹھو مخالفت کی اب بعد اظہار صورت نزاعی و تشریح بیان شہود و مبین تجویز حکام ماتحت علمائے دین کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ اس مقدمہ میں تجویز حاکم عدالت باثبات طلاق حسب بیان شہود شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور جو حاکم مرافعہ نے بوجوہ مصرحۂ الصدر رائے عدالت مسترد کی نسبت انکے شرعاً کیا حکم ہے آیا وہ مستلزم نقصان شہادت شہود حسب قاعدۂ شرع درباب ثبوت وقوع طلاق ہے یا نہیں **جواب** صورت مسئول عنہا میں تجویز حاکم عدالت باثبات طلاق حسب شہادت شہود مدعیہ شرعاً صحیح ہے اور اعتراض حاکم مرافعہ درباب نقصان شہادت و تجویز اُن کی متضمن استرداد فیصلہ عدالت ہرگز غیر صحیح اسلیے کہ طلاق دی میں نے تجھکو یا تجھے ترجمہ طلقتک منجملہ الفاظ طلاق صریح کے ہے ہدایہ میں ہے الطلاق علی ضربین صریح و کنایۃ فالصریح قولہ انت طالق و مطلقۃ و طلقتک یعنے طلاق کی دو قسمیں ہیں صریح اور کنایہ صریح جیسے انت طالق و مطلقۃ و طلقتک۔ اور جب کہ اضافت لفظ طلاق کی زوجہ کی طرف شوہر عاقل بالغ حر کیجانب سے پائی گئی تو طلاق واقع ہو گئی بایں روایت ہدایہ وغیرہ واذا اضاف الطلاق الی جملتہا او الی ما یعبر بہ عن الجملۃ وقع الطلاق لانہ اضیف الی محلہ مثل ان یقول انت طالق لان التاء ضمیر المرأۃ یعنی جب طلاق کی اضافت کل عورت یا ایسی چیزوں کی جانب کی جسے کل کی تعبیر کیجاتی ہے تو

طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ ان صورتوں میں طلاق کی اضافت محل طلاق کیجانب کی گئی ہے مثلاً کہا انت طالق کیونکہ ت مونث کی ضمیر ہے۔ اور فتاوی حمادیہ کی روایت سے بھی یہ مدعا ثابت ہے اسمیں لکھا ہے من الجواهر رجل قال لامرأته بر تو یک طلاق یک طلاق یک طلاق بغیر حرف العطف وهی مدخول بها طلقت ما شاء کقوله انت طالق طالق طالق یعنے ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا تجھکو ایک طلاق ایک طلاق ایک طلاق بغیر حرف عطف کے اور وہ عورت مدخول بہا ہے تو جتنی طلاقیں وہ شخص چاہے اس کہنے سے واقع ہو سکتی ہیں جیسے اگر کہے انت طالق طالق طالق اور لے مریم میں نے تجھکو طلاق دی یا تجھے طلاق دی اور لفظ جا مریم میں نے تجھکو یا تجھے طلاق دی یا شل اسکے جس میں لفظ طلاق کی اضافت پائی جائے سبکا ایک ہی مطلب ہے جس سے طلاق واقع ہو گئی لفظ لے اور لفظ جا کو بحالت پائے جانے اضافت صریح لفظ طلاق کے ایقاع طلاق میں کچھ مداخلت نہیں صرف اضافت طلاق ہی بے لحاظ لے وجا شوہر کی طلاق ہی یہانتک کہ نیت کی بھی ضرورت نہیں ظاہر ہے کہ اگر کہا جائے اے ہندہ یا جا ہندہ بے اضافت لفظ طلاق کے اُسکی طرف تو مجرد اس لفظ کے کہنے سے طلاق واقع نہوگی پس مدار وقوع صرف اثبات طلاق ہی پر ہے لفظ لے اور جا کا کہنا او نہ کہنا دونوں برابر ہے اس مدعا کی تصدیق حموی شرح اشباہ کی اس عبارت سے بخوبی ہوتی ہے مجرد ندائها باسمها لا یکفی فی وقوع طلاقها عند نیته توضیحه انه لو قال ان قدم زید یا زینب فانت طالق یا فاطمة مثلا کان قوله فانت طالق جزاء قوله ان قدم زید فیتعلق طلاق زینب بقدومه وح فبای لفظ یقع الطلاق علی فاطمة عند النیة لان قوله یا فاطمة لا یصلح للایقاع لکن اقیل قول وقع بقوله انت طالق حیث لواهابه کانوی زینب یعنی محض نام لیکر پکارنا وقوع طلاق کیلئے کافی نہیں ہے اسکی توضیح یہ ہے کہ مثلاً کسی نے کہا ان قدم زید یا زینب فانت طالق یا فاطمة تو اب انت طالق ان قدم زید کی جزا ہے پس اگر زینب پر زید کے آنے سے طلاق واقع ہو گئی تو فاطمہ پر کاہے سے طلاق واقع ہوگی کیونکہ صرف لفظ یا فاطمہ سے طلاق نہیں واقع ہو سکتی ہے میں کہتا ہوں کہ طلاق انت طالق کہنے سے واقع ہوئی کیونکہ اس شخص نے اس قول سے جسطرح زینب کو مراد لیا ہے اسیطرح فاطمہ کو بھی مراد لیا ہے پس اثبات طلاق کیلئے بیان اتفاقی گواہوں کا نقل منقولہ شوہر طلاق ہندہ میں بلفظ مریم میں نے طلاق دی تجھکو یا تجھے کہ دونوں کا حاصل ایک ہے شرعاً کافی اور وافی ہے لے اور جا کے بیان کی ضرورت نہیں اس صورت میں بعض گواہوں نے جو تعبیر مقولہ شوہر طلاق دہندہ کی اس عبارت سے کی کہ اے مریم میں نے تجھکو طلاق دی یا تجھے طلاق دی اور دوبارہ بر موقع

اس عبارت سے تعبیر کیا کہ جا مریم میں نے تجھکو یا تجھے طلاق دی اور بعض گواہ نے اس عبارت سے تعبیر کی کہ اے مریم میں نے تجھکو طلاق دی اور بر سر موقع لفظ اے کہا اور تجھکو کی جگہ تجھے ظاہر کیا یعنی مریم میں نے تجھے طلاق دی یہ سب گواہ اصل شہادت اثبات طلاق یا اضافہ میں کہ وہی ثبت طلاق ہو متفق اللفظ والمعنی ہیں اختلاف صرف نقل لفظ اے و لفظ جا و نیز لفظ تجھکو و تجھے میں ہو کہ دونوں کا حاصل خطاب ہو اور دونوں ایک ہی معنی میں بولے جاتے ہیں اور بیان لفظ اے اور لفظ جا کا ایک امر زائد و غیر ضروری ہے سلب شہادت و اصل شہادت میں داخل نہیں اور نیز لفظ مریم میں نے تجھکو طلاق دی موافق و ہم معنی اے مریم میں نے تجھے طلاق دی بحذف حرف ندا کے ہو اور حذف ندا کی صورت میں بھی معنی ندا کے مقدر کیے جاتے ہیں اللہ تعالے فرماتا ہو یوسف اعرض عن ہذا ای یا یوسف اعرض عن ہذا کذا فی التفاسیر کہ یوسف اسے اعراض کر یعنی اے یوسف اسے اعراض کر جیسا کہ تفاسیر میں ہو اور شرعاً اختلاف شہادت کا غیر سلب شہادت و غیر اصل شہادت یعنے امر زائد غیر ضروری ممکن التوفیق میں مانع قبول شہادت نہیں ہے بلکہ اصل مدعا کا مثبت ہو۔ کفایہ شرح ہدایہ میں ہو الاختلاف فیالیس من سلب الشہادۃ اذا کان علی وجہ یمکن التوفیق لا یمنع قبول الشہادۃ غیر سلب شہادت میں اختلاف جبکہ ممکن التوفیق ہو مانع قبول شہادت نہیں ہو۔ اور فصول عمادی میں لکھا ہو القاضی اذا سأل عن الشہود قبل الدعوی من لون الدابۃ المدعاۃ فقالوا کذا ثم عند الدعوی شہدوا علی خلاف ذلک اللون تقبل لان القاضی سأل الشاہد عما لا یکلف الشاہد بیانہ فکان ذکرہ وعدمہ بمنزلۃ یعنی قاضی نے شاہدوں سے قبل دعوے کے پوچھا کہ اس جانور کا رنگ کیسا تھا تو انھوں نے ایک رنگ بتادیا پھر جب دعوی کے وقت شہادت دی تو دوسرا رنگ بتایا تو یہ شہادت قبول کرلیجائیگی کیونکہ قاضی نے شاہد سے وہ بات پوچھی جسکا بیان ضروری نہیں ہو تو اسکے ذکر اور عدم ذکر کا حکم ایک ہی ہوگا۔ اور اکثر کتب معتبرہ فقہیہ سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہو بالجملہ تمام روایات معتبرہ منقولہ سے واضح ہو کہ صورت مسئول عنہا میں تجویز حاکم عدالت کی متضمن اثبات طلاق و تفریق مدعیہ شرعاً صحیح ہو اور حاکم مرافعہ کا اعتراض ہرگز مسلم نقصان شہادت شہود مدعیہ نہیں پس انکی تجویز بابت استرداد فیصلہ عدالت ضلع غیر صحیح ہو واللہ اعلم وعلمہ اتم انتہی ہو المصوب فی الواقع اس صورت میں حکم وقوع طلاق صحیح ہو اور اختلاف شہود امور زائدہ میں مضر نہیں۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہو فی لا تفرق الشہادۃ لو خالفت الدعوی بزیادۃ لا یحتاج الی اثباتہا او نقصان کذلک فان ذلک لا یمنع قبولہا یعنی تفرق میں

ہو اگر شہادت خلاف دعویٰ ہو اور اُس مخالفت کا باعث کوئی ایسی کمی یا زیادتی ہو جسکے اثبات کی احتیاج نہو تو یہ امر مانع قبول شہادت نہیں ہو انتہیٰ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** ترمذی کے باب ماجاء فی الخلع میں ہو عن الربیع بنت معوذ بن عفراء انہا اختلعت علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فامرہا النبی صلے اللہ علیہ وسلم او امرت ان تعتد بحیضۃ وعن ابن عباس ان امرأۃ ثابت بن قیس اختلعت من زوجہا علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعتد بحیضۃ یعنے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے مروی ہو کہ انھوں نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خلع کیا تو آپنے اُنکو حکم دیا یا اُنکو حکم دیا گیا کہ وہ ایک حیض عدت بیٹھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہو کہ ثابت بن قیس کی بی بی نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانے میں خلع کیا تو آپنے اُنکو ایک حیض عدت بیٹھنے کا حکم دیا۔ اسکے بعد یہ عبارت لکھی ہو واختلف اہل العلم فی عدۃ المختلعۃ فقال اکثر اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم ان عدۃ المختلعۃ عدۃ المطلقۃ وہو قول الثوری واہل الکوفۃ وبہ یقول احمد و اسحٰق وقال بعض اہل العلم من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم وغیرہم عدۃ المختلعۃ حیضۃ قال اسحٰق وان ذہب ذاہب الی ہذا فہو مذہب قوی یعنی اہل علم نے خلع لینے والی عورت کی عدت میں اختلاف کیا ہو اصحاب نبی میں سے اکثر اہل علم کا خیال ہو کہ اسکی عدت وہی ہو جو مطلقہ کی عدت ہو یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہو اور احمد اور اسحٰق بھی اسی کے قائل ہیں اور اصحاب نبیؐ میں سے بعض اہل علم نے کہا ہو کہ اُسکی عدت ایک حیض ہو اسحٰق نے کہا ہو کہ اگر کوئی مذہب کو اختیار کرے تو یہ مذہب قوی ہو اور کتب فقہ میں خلع کرنے والی عورت کی عدت مطلقہ کی عدت کے مثل ہو اس صورت میں حدیث نبوی و عمل صحابہؓ کے موافق خلع کرنیوالی عورت کی ایک حیض عدت ہوگی یا فقہ کیموافق تین حیض **جواب** موطا امام مالکؒ میں جمہان اسلمی سے مروی ہو ان ام بکر الاسلمیۃ اختلعت من زوجہا عبد اللہ بن اُسید ثم اتیا عثمان فقال ہی تطلیقۃ الا ان تکون سمت فہو علی ما سمت یعنی ام بکر اسلمیہ نے اپنے زوج عبد اللہ بن اُسید سے خلع لیا پھر وہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپنے فرمایا یہ ایک طلاق ہو البتہ اگر کچھ معین کر لیا ہو تو اُسکا حکم وہی معین ہو۔ اور مصنف عبد الرزاق میں سعید بن المسیب سے مروی ہو ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم جعل الخلع تطلیقۃ بائنۃ

یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کو طلاق بائن قرار دیا ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے مراسیل سعید لہا حکم الوصل الصحیح لانہ من کبار التابعین کبار التابعین قل ان یرسلوا الا من صحابی وان اتفق غیرہ نادرا فعن ثقۃ یعنی سعید کی مرسل حدیثوں کا حکم صحیح موصول حدیثوں کا ہے کیونکہ وہ کبار تابعین میں سے ہیں اور کبار تابعین غیر صحابی سے بہت کم ارسال کرتے ہیں اور اگر کبھی ایسا ہو بھی تو وہ ارسال ثقہ ہی سے کرتے ہیں۔ اور سنن دارقطنی اور بیہقی اور کامل ابن عدی میں بسند ضعیف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل الخلع تطلیقۃ بائنۃ یعنی نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے خلع کو طلاق بائن میں شمار کیا ہے۔ اور صحیح بخاری میں خلع ثابت بن قیس اور انکی زوجہ کے قصہ میں ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ وطلقہا یعنی آپ نے باغ کو قبول کیا اور انہیں طلاق دیدی انتہی۔ ان اخبار و آثار سے بھی ثابت ہے کہ خلع حکم طلاق میں ہے پس اسکی عدت بھی طلاق کی عدت ہوگی اور ظاہر قرآن بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ اور حدیث تعتد بحیضۃ نص صریح اسکے مخالف نہیں ہے بسبب اسکے کہ احتمال ہے کہ حیضۃ کی تنوین تنوین وحدت نہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** بعد تمہید سلام و آداب عرض کیا کہ زید نے اپنی بی بی کو ایک مجلس میں تین مرتبہ کہدیا کہ تجھپر طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے لیکن اسنے غصہ میں بلا نیت ایقاع ثلثہ اسکے معنی اور حکم سمجھے ہوئے کہا ہے پس تین طلاق واقع ہوں گی یا نہیں یہاں بعض کہتے ہیں کہ حکم ظاہر احادیث کے مطابق واقع نہوں گی اور بعض کہتے ہیں فقہائے محدثین کی تحقیق کے موافق واقع ہوں گی پس آپ فرمائیں کہ اس بارہ میں چاروں مذہب کا اختلاف ہے یا اتفاق اور کون حدیث سند ہے اور نہ واقع ہونے پر کون حدیث دلالت کرتی ہے اور پھر اس حدیث میں کیا علت تھی اور کون حدیث اسکے معارض ہوئی جو اہل مذہب نے چھوڑ دیا فقہ اور حدیث سے سب کے دلائل مع جرح و تعدیل روایات حدیث طرفین کے تحریر کیجیے اور جو امر مفتیٰ بہ ہے کہدیجیے **جواب** جو شخص تین طلاق دے اور اسکا مقصد دونوں مرتبہ اخیر سے تاکید نہو تو اس صورت میں جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ و اکثر مجتہدین و بخاری و جمہور محدثین کے مذہب کے موافق تین طلاق واقع ہوں گی البتہ بوجہ ارتکاب خلاف طریقہ شرعیہ کے گناہ لازم ہوگا۔ موطا امام مالک میں ہے ان رجلا قال لابن عباس انی طلقت امراتی مائۃ تطلیقۃ فماذا تری علی فقال لہ ابن عباس طلقت منک بثلث وسبع وتسعون اتخذت بہا آیات اللہ ہزوا یعنی ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

سے کہا میں نے اپنی بی بی کو سو طلاقیں دیں آپ کے نزدیک میرے اوپر کیا واجب ہوا آپنے فرمایا تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور ستانوے طلاقوں سے تمنے خدا کے کلام کو مذاق میں اڑایا۔ اور بھی مؤطا میں ہے ان رجلا جاء الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرأتی بمائتی تطلیقات فقال ابن مسعود فماذا قیل لک قال قیل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعود صدقوا یعنی ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اُسنے کہا میں نے اپنی بی بی کو دو سو طلاقیں دیں تو ابن مسعود نے کہا کہ تب تمسے کیا کہا گیا اُسنے کہا کہ مجھسے یہ کہا گیا کہ اُسپر طلاق بائن واقع ہوئی ابن مسعود نے کہا کہ اُنھوں نے سچ کہا۔ اور سنن ابو داود میں ہے طلق رجل امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها ثم بدا له ان ینکحها فجاء یستفتی عبد اللہ بن عباس و ابا هریرة فی ذلک فقالا لا نری ان تنکحها الا ان تنکح زوجا غیرک قال فانما طلاقی ایاها واحدة فقال ابن عباس انک ارسلت ما کان لک من فضل یعنی ایک شخص نے قبل وطی اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں پھر اُسنے اُس سے نکاح کرنے کا قصد کیا تو اُس نے اُس معاملہ میں عبد اللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا اُن دونوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک وہ تمسے اُسوقت تک نکاح نہیں کر سکتی جبتک کہ وہ کسی سے نکاح نہ کرلے اُسنے کہا میں نے تو اُسے ایک ہی طلاق دی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تمکو جو حق حاصل تھا تم اُسے استعمال کر چکے اور مصنف عبد الرزاق میں عبادہ بن صامت سے مروی ہے ان اباه طلق امرأة الف تطلیقة فانطلق عبادة قال عنه فقال رسول اللہ بانت بثلث فی معصیة اللہ وبقی تسع مائة وسبعة وتسعون عدوانا ظلم ان شاء عذبه وان شاء غفر له یعنی ابو عبادہ نے ایک عورت کو ایک ہزار طلاقیں دیں تو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوة نے فرمایا تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور باقی نو سو ستانوے ظلم کی ہیں جسپر چاہے خدا عذاب کرے اور چاہے بخشدے۔ اور ایسے ہی حکم کی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے وکیع نے روایت کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس امر پر اہتمام کرنا اور تینوں طلاق کے وقوع کا حکم دینا اگرچہ ایک جلسہ میں ہوں صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے اور یہی قول ظاہر قرآن کے موافق ہے باقی وہ حدیث جو صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے کان الطلاق علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و ابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلث واحدة فقال عمر ان الناس قد استعجلوا فی امر کان لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دو برس تک تین طلاقوں سے ایک طلاق واقع ہوا کرتی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اس بات میں جلدی کرتے ہیں جس میں اُنکو تاخیر کرنا چاہیئے پس اگر ہم اُنکو اسی راہ پر چلنے دیں گے تو وہ یوں ہی کیا کرینگے تو جمہور فقہا و محدثین کے نزدیک اسکی تاویل یہ ہے کہ اوائل میں تین مرتبہ طلاق کے الفاظ اگر کہتے تھے تو اُس سے تاکید منظور ہوتی تھی اسوجہ سے وہ ایک ہی طلاق مانی جاتی تھی نہ یہ کہ تین الفاظ سے تین طلاقیں بھی مقصود ہوں اور پھر وہ ایک ہی طلاق مانی جائے اسکو نودی اور ابن ہمام وغیرہما نے ذکر کیا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر غصے میں عورت نے مرد کو باپ یا بیٹا اس نیت سے کہا کہ اس سے طلاق ہوتی ہے یا مرد نے عورت کو اس نیت سے کہ اس سے طلاق ہوتی ہے ماں یا بیٹی بنایا تو طلاق ہوئی یا نہیں **جواب** عورت کا ایسے کلمات کہنا لغو ہے اور اگر مرد نے بارادۂ طلاق یہ الفاظ کہے ہیں تو طلاق کا حکم دیا جائیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** غصہ اور لڑائی میں زوج نے زوجہ سے کہا تو میری ماں اور بہن ہے اور تو چلی جا میں تجھکو اپنے گھر میں نہ رکھونگا اور یہ بھی کہا کہ اگر تجھکو رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں اس صورت میں کیا حکم ہے **جواب** اگر طلاق کی نیت تھی تو طلاق کا حکم دیا جائیگا۔ عالمگیری میں ہے ولو قال بعدی عنی ونوی الطلاق یقع کذا فی فتاوی قاضیخان ومن الکنایات تنحی عنی ونحوت عنی کذا فی فتح القدیر یعنے اگر کہا دور رہو اور طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائیگی جیسا کہ فتاوے قاضیخاں میں ہے اسیطرح تنحی عنی اور نحوت عنی بھی کنایات سے ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر کوئی شخص عاقل بالغ اپنی بیماری کی حالت میں اپنی زوجہ کو دوسرے شہر میں ہے چند آدمیوں کے سامنے طلاق دے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو اسکی زوجہ وراثت کی مستحق ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو یہ امر کسی نص صریح سے ثابت ہے یا نہیں اگر ہے تو اُس نص کو صاف صاف بیان کیجیے اگر نص سے ثابت نہیں ہے تو اقوال صحابہ سے ثابت ہوگا پس کل صحابہ اس میں متفق رہے یا بعض نے اسکے خلاف فتوی دیا ہے اور ائمہ اربعہ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے اور آخر الامر تحقیق کیا ہے **جواب** اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے عینی نے شرح ہدایہ میں چند قول تحریر کیے ہیں الاول انہ لا یقع طلاقہ ای المریض مرض الموت حکاہ ابن حزم عن عثمان البتی

بقع وترثه بشرط قيام العدة وهو قول عمر وابنه وابن مسعود وابی بن کعب وعائشة وبه قال المغيرة
والنخعي وابن سيرين وعروة وشريح والثوری وحماد بن ابی سليمان واصحابنا الحنفية الثالث ترثه
مالم تزوج زوجا غيره وان انقضت عدتها وهو قول ابن ابی ليلی واحمد واسحق الرابع ترثه وان تزوجت
عشرة ازواج وبه قال مالك والليث فی رواية الخامس ترثه ويرثها وبه قال الحسن البصری السادس
ان صح منه ومات من مرض اخر لا ترث عندنا وقال الثوری والزهری والاوزاعی واحمد واسحق ترثه ان مات
قبل انقضاء عدتها منه السابع ترثه ويرثها اذا كان لها حمل وقصد المضارة وهو قول عروة الثامن ترثه
وتنتقل عدتها الی عدة الوفاة مالم تنكح وبه قال الشعبی التاسع تعتد بابعد الاجلين من ثلث حيض
واربعة اشهر وعشر العاشر ترثه قبل الدخول وعليها العدة وهو قول الحسن واسحق الحادی عشر لا ترثه اصلا لا
قبل الدخول ولا بعده وهو قول الظاهرية والجديد للشافعی فی القديم عند الزوج فاروقی المیراث ثلثة
اقوال الاول قولنا الثانی مثل قول احمد الثالث مثل قول مالك ۱۲ منه ۔ اول یہ کہ مریض کی طلاق مرض موت
میں واقع نہیں ہوتی اسکو ابن حزم نے حضرت عثمانؓ سے روایت کیا ہے دوسرے یہ کہ طلاق واقع
ہو جائیگی اور زوجہ اسکی وارث ہوگی بشرط قیام عدت یہ حضرت عمر اور ابن عمر اور ابن مسعود اور ابی
بن کعب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور مغیرہ اور نخعی اور ابن سیرین اور عروہ اور شریح
اور ثوری اور حماد بن سلیمان اور اصحاب حنفیہ رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں تیسرے یہ کہ وہ وارث
ہوگی جب تک کہ دوسری شادی نہ کرے اگرچہ عدت ختم ہو جائے یہ ابن ابی لیلی اور احمد اور اسحق
رضی اللہ عنہم کا قول ہے چوتھے یہ کہ وہ وارث ہوگی اگرچہ دس شادیاں بھی کرلے اسے مالک اور
لیث نے ایک روایت میں کہا ہے پانچویں شوہر اسکا وارث ہوگا اور وہ شوہر کی وارث ہوگی اسکے
قائل حسن بصری رحمہ اللہ ہیں چھٹے اگر وہ اس مرض سے اچھا ہو گیا پھر دوسرے مرض میں مرا تو وارث
نہوگی ہمارے نزدیک اور ثوری اور زہری اور اوزاعی اور احمد اور اسحق رضی اللہ عنہم کے نزدیک وارث
ہوگی اگر انقضائے عدت کے پہلے مرگیا ساتویں اگر حاملہ ہو یا شوہر کا مقصد طلاق سے ضرر رسانی ہو
تو وہ اسکی وارث اور وہ اسکا وارث ہوگا آٹھویں وہ وارث ہوگی اور اگر نکاح نہیں کیا ہے تو بجائے عدت
طلاق کے عدت وفات بیٹھے یہ شعبی نے کہا ہے نویں تین حیضوں اور چار مہینے دس دن میں سے جو مدت
زائد ہو وہ بیٹھے دسویں اگر غیر مدخولہ ہے تو وارث ہوگی اور اسے عدت بیٹھنا ہوگی یہ حسن اور اسحق نے

عنہا کا قول ہے کہ یہ عورت وارث ہوگی خواہ خلوت ہو یا بغیر خلوت یہ ظاہریہ کا اور امام شافعی کا جدید قول ہے اور انکے قدیم قول میں زوج
قلد عن الارث قرار دیا گیا ہے اور میراث میں تین قول ہیں اول ہمارے موافق دوسرا امام احمد کے موافق اور تیسرا امام مالک کے موافق موطا امام محمد میں ہے
اخبرنا مالک اخبرنا الزهری عن طلحة بن عبد الله بن عوف ان عبد الرحمن بن عوف طلق امرأة وهو مریض
فورثها عثمان منه بعد ما انقضت عدتها اخبرنا مالک اخبرنا عبد الله بن الفضل عن الاعرج عن عثمان انه
ورث نساء ابن مکمل منه کان طلق نساءه وهو مریض قال محمد يرثنه ما دمن فی العدة فاذا انقضت
العدة قبل ان یموت فلا میراث لهن وکذلک ذکر هشیم بن بشیر عن المغیرة الضبی عن ابراهیم النخعی
عن شریح انه کتب الیه عمر بن الخطاب فی رجل طلق امرأته ثلثا وهو مریض ان ورثها ما دامت
فی عدتها فاذا انقضت عدتها فلا میراث لها وهو قول ابی حنیفة والعامة من فقهائنا یعنی خبر دی ہمکو
مالک نے انکو زہری نے طلحہ بن عبد اللہ بن عوف سے کہ عبد الرحمن بن عوف نے حالت مرض میں اپنی
بی بی کو طلاق دی تو انکو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ورثہ دلایا حالانکہ عدت ختم ہو چکی تھی خبر دی ہمکو
مالک نے انکو عبد اللہ بن فضل نے اعرج سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن کمل کی بیبیوں کو
ورثہ دلایا جنھیں انھوں نے حالت مرض میں طلاق دی تھی محمدؒ نے کہا ہے کہ جو عدت میں ہوں گی
وارث ہوں گی اور اگر عدت موت کے قبل ختم ہو جائے گی تو وارث نہوں گی ہشیم بن بشیر نے روایت
کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو اُس شخص کے متعلق جس نے حالت مرض
میں اپنی بی بی کو طلاقیں دیں یہ تحریر فرمایا کہ حالت عدت میں اُس عورت کو وارث بنا اور اُسکے بعد
وارث نہیں ہے یہ ہی امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہا رضی اللہ عنہم کا قول ہے واللہ اعلم حررہ الراجی
عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابو الحسنات محمد عبد الحی] واقعی
طلاق واقع ہوگی اور زوجہ عدت کے اندر ارث کی مستحق ہوگی اور آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کی رائے اس
مسئلہ میں مختلف ہے اور حضرات حنفیہ کرام نے امر مذکور پر فتوے دیا ہے اور حضرت عمر اور ابن عمر و ابن
مسعود اور ابی ابن کعب اور عائشہؓ اور مغیرہ اور نخعی اور ابن سیرین اور عروہ اور شریح اور ثوری اور حماد
بن ابی سلیمان علیہم رضوان الرحمن کا یہی قول ہے واللہ علیم حررہ ابو الاحیار محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم
صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ نظام الدین احمد عفا عنہ اللہ الاحد [نظام الدین احمد]

سوال زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ مجھکو تجھسے کام نہیں ہے بعد چند مدت کے بکر سے کہا کہ ہماری شادی کرا دو بکر نے

کہا تمھاری ایک بی بی تو موجود ہے اب دوسری شادی کر کے کیا کروگے زید نے کہا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دیدی ہے تب بکر نے مجمع عام میں اپنی برادری سے کہا کہ زید نے اپنی بی بی کو طلاق دی ہے لوگوں نے زید کو بلا کر پوچھا کیا تو نے واقعی اپنی بی بی کو طلاق دیدی ہے زید نے کہا ہاں اس صورت میں زید کے پہلے کلام سے بطریق انشا طلاق رجعی ثابت ہوئی پھر ایکبار بطریق اخبار پھر لفظ ہاں۔ یہ سب مکر طلاق مغلظہ ہوگی یا نہیں اور تفسیر احمدی میں ہے کہ تین طلاق خواہ رجعی ہوں یا بائن صریح ہوں یا کنایہ مغلظہ ہو جاتی ہیں جیسا کہ یہ عموم مفید تغلیظ کو ہے ویسا ہی بطریق اخبار اور بطور انشا مفید تغلیظ ہوگا یا نہوگا **جواب** زید کے اس لفظ سے کہ مجھکو تجھسے کچھ کام نہیں ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔ عالمگیری میں ہے لو قال لہا لم یبق بینی وبینك عمل ونوی یقع كذا فی العتابیہ یعنی کسی نے اپنی بی بی سے کہا کہ مجھے تجھسے کچھ سروکار نہیں ہے تو طلاق واقع ہو جائیگی اگر اُسنے نیت کی ہے یہ عتابیہ میں ہے۔ اور جبر طلاق سے اور جواب استفہام سے دوسری طلاق نہیں واقع ہوگی۔ عالمگیری میں ہے لو قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتہا او قال قلت ہی طالق فہی واحدۃ فی القضاء کذا فی البدائع یعنی اگر ایک شخص نے اپنی بی بی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے پھر اُس سے کسی نے پوچھا کہ کیا کہا اُسنے کہا کہ میں نے اِسے طلاق دی یا کہا اسکو طلاق ہے تو قضاءً ایک ہی طلاق واقع ہوگی جیسا کہ بدائع میں ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے لا حاجۃ الی جعلہ انشاء متی امکن جعلہ خبرا عن الاول یعنی جہانتک خبر بن سکے انشا نہ بنائی جائیگی۔ پس اس صورت میں تجدید نکاح لازم ہے اور تحلیل کی حاجت نہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** زید نے اپنی زوجہ کو غیر وطن میں طلاق دی اور اُسنے چند روز کے بعد بکر کے ساتھ نکاح کر لیا بکر اسکو نان ونفقہ نہیں دیتا تھا بلکہ وہ خود محنت مشقت کر کے کھاتی تھی تھوڑے دن کے بعد بکر نے چند آدمیوں کی موجودگی میں اُس سے کہا کہ میں تیرا منہ نہ دیکھوں گا اور اگر اپنے ماں باپ کا ہوں تو تجھ تک نہ آؤنگا یہ کہکر کسی طرف چلا گیا آیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں **جواب** صرف ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو لڑائی یا غصہ میں تین بار طلاق دے اور یہ کہے کہ اب تم بجائے میری ماں اور بہن کے ہو اور مجھسے کچھ واسطہ نہیں ہے اسکے بعد دونوں ایک ماہ تک الگ الگ رہے پھر کچھ عرصہ کے بعد چند اعزہ نے آکر ملاپ کرا دیا اور جسطرح پہلے باہم رہا کرتے تھے پھر رہنے لگے تو زوجہ عقد میں شرعًا رہی یا نہیں **جواب**

اس صورت میں زوجہ شوہر پر حرام ہوگئی اور اب وہ اسکے ساتھ نکاح بھی نہیں کر سکتا جبتک وہ عورت
دوسرا شوہر نکرے اور وہ بعد صحبت کے طلاق نہ دے اور جن اعزہ نے ملاپ کرایا وہ گنہگار ہوئے واللہ اعلم
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** زید نے مرنے سے نو برس پہلے بیان کیا
تھا کہ مجھے اپنی زوجہ سے جو اپنے میکے میں رہتی ہے کچھ کام نہیں ہے اور وہ میری زوجیت میں نہیں ہے
تین برس سے وہ ماں کے پاس ہے اس بیان کے بعد ایک وصیت نامہ لکھا جسمیں اسنے ایک حصہ
اسکا بھی لکھا اور کہا کہ وہ میری زوجہ ہے اور اسکے سوا کوئی اور برتاؤ زن و شوہر کا باہم واقع نہیں ہوا پس
وہ عورت مستحق میراث ہوگی یا نہیں اور مطلقہ مانی جائیگی یا نہیں **جواب** یہ الفاظ ہر کنایات
طلاق سے ہیں بدون نیت ان الفاظ سے طلاق نہ واقع ہوگی۔ عالمگیری میں ہے لو قال لم یبق بینی و
بینک عمل و نوی یقع کذا فی العتابیة اگر زوج نے زوجہ سے کہا مجھے اور تجھے کچھ سروکار نہیں تو اگر نیت
کی ہو طلاق واقع ہوگی جیسا کہ عتابیہ میں ہے اور بھی اسی میں ہے لو قال لامرأته لست لی بامرأة او قال ما انا
بزوجك ان قال نویت الطلاق فی قول ابی حنیفة یعنی اگر کسی نے اپنی بی بی سے کہا کہ تو میری بی بی
نہیں ہے یا میں تیرا شوہر نہیں ہوں پس اگر اسنے نیت طلاق کا اقرار کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک
طلاق پڑ جائیگی اور صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے ان الفاظ کے بعد وصیت نامہ میں اسکو اپنی زوجہ قرار
دیا اس سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے طلاق مقصود نتھی لہذا وہ عورت میراث پائیگی واللہ اعلم حررہ
الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** ایک شخص نے کسی کے سامنے کہا کہ میری
بی بی میری ماں کی جگہ ہے اور میرے کام کی نہیں ہے اب مجھسے کچھ واسطہ نہیں پھر دوسرے روز کہا
وہ اپنے فعل کی مختار ہے مجھسے کچھ سروکار نہیں پھر تیسرے روز کہا کہ وہ غیر مرد کے کام آئی اب میرے
کام کی نہیں ہے ان صورتوں میں طلاق ہوئی یا نہیں **جواب** اگر طلاق کی نیت کی ہے تو واقع
ہوگی ورنہ نہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** اٹھارہ برس کا
زمانہ ہوا کہ نواب بیگم کا نکاح محمد ہادی خاں کیساتھ ہوا تھا اور محمد ہادی خاں نے غیر کفو کی عورت کیساتھ
تعلق کیوجہ سے کبھی زوجہ منکوحہ کیجانب نہ التفات کیا نہ اسکی خبر لی۔ اور نہ زوجہ منکوحہ کو اسکی مادر کے گھر
سے اپنے یہاں بلایا بنا برعلیہ نواب بیگم مذکورہ ہمیشہ اپنی مادر کے پاس رہی اور اب تلک ہے عرصہ آٹھ برس کا
ہوا کہ محمد ہادی خاں نے رحیم بخش اور دو سیدانی عورتوں کے سامنے اپنی زوجہ سے غصہ میں کہا کہ ہمسے

تم سے کچھ واسطہ نہیں ہے تم جس کے ساتھ چاہو اپنا نکاح کر لو اس کلام کو گواہان مذکور نے اپنے کانوں سے سنا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں **جواب** اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق واقع ہوئی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** بکر زید کا مقروض ہے اور بکر کی دختر ہندہ زید کے نکاح میں ہے زید نے اکثر بکر سے اپنے روپیہ کا تقاضہ کیا مگر بکر نے صاف جواب دیا اسوقت زید نے اپنی بی بی سے کہا کہ اب تم میرے روپیہ کا تقاضہ اپنے باپ سے کرو شاید تمہارے کہنے سے وہ دیدیں ہندہ نے اپنے باپ سے تقاضہ کیا مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہوا پھر زید نے ہندہ سے تقاضہ کرنیکو کہا اُسنے غصہ میں کہا اب میں تقاضہ نکرونگی۔ زید نے بھی جھلا کے کہا اب اگر میں کہوں تجھے تو تقاضہ نکرنا اور اگر اب تقاضہ کرے گی تو تجھپر طلاق ہے عرصہ کے بعد زید کو خیال ہوا کہ اب اگر پھر ہندہ اپنے باپ سے تقاضہ کرے تو یقین ہے کہ روپیہ ملجائے۔ مگر اس خیال سے نہیں کہتا ہے کہ میں نے طلاق کا لفظ اپنی زبان سے نکالا تھا اور ہندہ نے بھی اُس غیظ آلود گفتگو کے بعد کبھی اپنے باپ سے تقاضہ نہیں کیا اب اگر زید اپنی بی بی سے تقاضہ کرنیکو کہے اور وہ تقاضہ کرے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں **جواب** اس صورت میں اگر ہندہ اپنے باپ سے تقاضہ کریگی تو طلاق رجعی واقع ہوگی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** زید کی شادی بکر کی لڑکی کے ساتھ ہوئی اور زید نکاح کے وقت سے ابتک اپنی زوجہ کا کفیل ہے اور کفالت کے علاوہ زید کوئی شرعی نقص بھی نہیں رکھتا مگر زید اور بکر ایک ہی مکان میں رہتے ہیں اور بکر کی عورت اکثر کہا کرتی ہے کہ بکر نے لڑکیوں کی تقدیر پھوڑ دی اور اگر کوئی امر زید کے خلاف مرضی ہوا اور وہ زوجہ پر خفا ہوا تو بکر اور اُسکی عورت زید سے لڑنے کو موجود ہو جاتے ہیں آخر کار ایک دن لڑائی کے وقت زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ میں نے ابتک تمکو کھانے یا کپڑے کی کوئی تکلیف نہیں دی مگر تمہاری ماں ایسا کہا کرتی ہیں اور ہمسے اس سے زیادہ خدمت بھی نہیں ہو سکتی ہے پس جو تمہاری والدہ کہیں تم وہ کرو ہمسے اور تمسے کچھ واسطہ نہیں ہے اور اُسیوقت پھر زید سے اور بکر اور بکر کی عورت سے تکرار ہوئی زید نے بکر اور اسکی عورت سے کہا کہ میں اس سے زیادہ خدمت نہیں کر سکتا اب تم وہ کرو جسمیں تمہاری لڑکی کی تقدیر نہ پھوٹے ہمسے کچھ واسطہ نہیں ہے اور یہ گفتگو زید نے کئی مرتبہ کی پس زید کی عورت اُسکے نکاح میں رہی یا نہیں اور زید کی بی بی کا مہر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر ہے کتنا روپیہ دینا چاہیے **جواب** اس لفظ سے اگر زید کا منشا طلاق دینے

کا تھا تو تین طلاق واقع ہوئی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر ایکسو آٹھ روپیہ سے کچھ زائد چاندی ہے زید کو چاہیئے کہ ایکسو نو روپیہ ادا کرے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی عبدالحی **سوال** ایک شخص نے ایک آدمی سے کہا تم اپنی لڑکی کیساتھ ہمارا نکاح کردو لڑکی کے باپ نے کہا تمھاری زوجہ منکوحہ موجود ہے ہم اپنی لڑکی کیساتھ تمھارا نکاح نکریں گے اُسنے جواب دیا کہ میری زوجہ منکوحہ قریب بمرگ ہے یقین ہے کہ امروز فردا میں مرجائیگی لڑکی کے باپ نے کہا تب ہم اپنی لڑکی کیساتھ تمھارا نکاح بھی کردینگے اسکے بعد اُس مرد کے باپ نے جو نکاح کا طلبگار تھا کہا کہ ہم اپنے بیٹے سے چار آدمیوں کے سامنے اُسکی زوجہ منکوحہ کو طلاق دلوادیں گے چنانچہ مرد طلبگار نکاح نے اپنے باپ کی مرضی کے موافق زوجہ منکوحہ کو طلاق دی اس لفظ کے ساتھ کہ میں وزیر کی بیٹی کو طلاق دیتا ہوں جو میری منکوحہ زوجہ ہے پس مرد طلاق نے اشارہ اپنی زوجہ منکوحہ کی طرف کیا اور زوجہ کے باپ کا نام تو طلاق کے وقت صحیح بیان کیا مگر اپنی زوجہ کا اصلی نام طلاق کے وقت نہیں لیا بلکہ طلاق کے وقت دوسری عورت کا نام لیا طالق کی زوجہ کا نام راجی تھا اور اُسنے بوٹنی کے نام سے طلاق دی حالانکہ بوٹنی رشتہ میں اسکی سالی ہوتی ہے اور طلاق کیوقت چار آدمی گواہ موجود تھے اور گواہ بھی اسکا اقرار کرتے ہیں کہ طلاق کیوقت اُسنے کہا میں اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق دیتا ہوں جو وزیر کی بیٹی میرے نکاح میں ہے مگر نام میں صرف فرق کردیا کہ بجائے راجی کے بوٹنی لیا پس یہ طلاق صحیح ہوئی یا نہیں **جواب** اگر مجلس طلاق میں راجی موجود تھی اور طالق نے اُسکی طرف اشارہ کرکے کہا کہ میری یہ زوجہ طالق ہے تو طلاق پڑجائیگی گو اُسنے نام غلط لیا ہو اور اگر راجی موجود تھی اور نہ اسکی طرف اشارہ کیا فقط اتنا ہی کہا کہ میں وزیر کی بیٹی اپنی زوجہ مسماۃ بوٹنی کو طلاق دیتا ہوں تو طلاق نہ پڑے گی۔ رد المحتار میں ہے قالوا لا تعتبر الصفة والتسمية مع الاشارة کما لو کان له امرأة بصيرة فقال امرأة هذه العمياء طالق واشار الى البصيرة صفت بیان کرنا اور نام لینا مع اشارہ کے معتبر نہیں ہے جیسا کہ اگر اسکی ایک بینا عورت تھی اور اُسنے کہا کہ یہ اندھی عورت مطلقہ ہے اور بینا عورت کی طرف اشارہ کیا تو طلاق واقع ہوجائیگی۔ اور اسی کتاب میں ہے لو حلف ان خرج من المصر فامرأته عائشة کذا واسمها فاطمة لا تطلق اذا خرج یعنی اگر کسی نے قسم کھائی جب میں شہر کے باہر جاؤں تو میری زوجہ عائشہ طالق ہے اور اسکی بی بی کا نام فاطمہ تھا پس جب وہ شہر کے باہر جائیگا تو اُسپر طلاق نہ پڑیگی اور درمختار میں ہے فی النهر قال فلانة طالق واسمها کذلک وقال عنيت غير هاذين ولو غيره صدق

قضاء وعلى هذا لو حلف لدائنه بطلاق امرأته فلانة واسمها غيرها تطلق یعنی نیز میں ہو اگر اُسنے کہا فلاں عورت طالق ہو اور در حقیقت اسکا یہی نام ہو اور یہ کہا کہ میں نے دوسری عورت مراد لی ہو تو دیانۃً اسکا قول معتبر ہوگا اور اگر اسکا یہ نام نہیں ہو تو قضاءً اسکا قول معتبر ہوگا اسیطرح اگر قرضدار سے اپنی فلاں عورت کی طلاق کی قسم کھائی اور اس عورت کا نام دوسرا تھا تو طلاق نہ پڑے گی۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

باب الظہار

سوال ظہار کیا ہی **جواب** ظہار اصطلاح شرع میں اُسے کہتے ہیں کہ ذات زوجہ کو یا اُن اعضا کو جنسے ذات مراد لیجاتی ہو اور اُنکی طرف طلاق کی نسبت ہوتی ہو جیسے سر اور مُنھ وغیرہ کو محارم کے کسی عضو کیساتھ اُن اعضا سے تشبیہ دے جن پر نظر کرنا حرام ہو جیسا کہ وقایہ اور نقایہ میں ہو اور عالمگیری میں ہو رکن الظهار هو قوله لامرأته انت على كظهر امی وما يقوم مقامه فى افادة معناه كذا فى النهاية اذا قال لها راسك على كظهر امی او وجهك او رقبتك او فرجك يصير مظاهرا واذا قال لها بدنك على كظهر امی او ربعك او نصفك ونحو ذلك من الاجزاء الشائعة كذا فى البدائع اذا ذكر جزء لا يعبر به عن جميع البدن كاليد والرجل لم يثبت الظهار كذا فى محيط السرخسى یعنی رکن ظہار شوہر کا اپنی بی بی سے یہ کہنا ہو انت علی کظہر امی یا اسکے قائمقام دوسرے الفاظ جو اسکے ہم معنی ہوں جیسا کہ نہایہ میں ہو اگر یہ کہا راسك على كظهر امی یا وجهك یا رقبتك تب بھی ظہار ہو جائیگا اور اسیطرح اگر بدنك على كظهر امی و ربعك او نصفك یا اسیطرح عام اجزا میں سے کسی جزء کا نام لیکر کہا تو ظہار ہوگا جیسا کہ بدائع میں ہو اور اگر کوئی ایسا جزء ذکر کیا جس سے جمیع بدن کی تعبیر نہیں کیجاتی مثلاً ید ورجل تو ظہار نہ ثابت ہوگا جیسا کہ محیط سرخسی میں ہو **سوال** اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا تو میری ماں کی مثل ہو تو ظہار ہوگا یا نہیں **جواب** ظہار نہوگا مگر یہ نیت ظہار ابوالمکارم شرح نقایہ میں لکھتے ہیں وقال انت مثل امی بدون على فان لم ينو شيئا لا يلزم شیٔ فی قولهم وان نوى ظهارا فظهار یعنی اگر مثل امی کہا اور علی نہ کہا پس اگر کچھ نیت نہیں کی ہو تو کچھ لازم نہ آئیگا اور اگر ظہار کی نیت کی ہو تو ظہار ہو جائیگا **سوال** اگر شوہر نے زوجہ سے کہا تو میری ماں یا میری بہن یا میری لڑکی ہو تو ظہار ہوگا یا نہیں **جواب** ظہار نہوگا اگرچہ ظہار کی نیت بھی کی ہو۔

ابو المکارم شرح نقایہ میں لکھتے ہیں ولو قال انت امی بدون اداۃ التشبیہ فالظاہر انہ مثل کامی علی ما عرف فی زیادات لکن فی فتاوی صدر الاسلام انہ لو نوی بہ الظہار فہو باطل لانہ کذب و ھکذا یروی عن محمد انتہی و فی العالمگیریۃ انت امی لا یکون مظاہرا و ینبغی ان یکون مکروھا و مثلہ ان یقول یا ابنتی و یا اختی و نحوہ یعنی اگر انت امی بغیر حرف تشبیہ کے کہا تو ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی انت کامی کی طرح ہے جیسا کہ زیادات میں ہے لیکن صدر الاسلام کے فتاوے میں ہے کہ اگر اس سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ کذب ہے اور ایسا ہی امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے انتہی اور عالمگیری میں ہے کہ انت امی سے ظہار نہیں ہوتا البتہ یہ کہنا مکروہ ہے اسیطرح اگر یا ابنتی اور یا اختی وغیرہ کہے اور جو شاہ عبد القادر دہلوی نے اپنے ترجمہ میں لکھا ہے اس ماں بہن کہنے کو ظہار کہتے ہیں انتہی روایات سابقہ کے مخالف ہے اور جو سورۂ مجادلہ کی آیت الذین یظاہرون الخ کی شان نزول میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے زمانۂ نبوی میں اپنی بی بی کو ماں کہا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی تفاسیر متداولہ کی تحریر کے مخالف ہے کیونکہ اس آیت کی شان نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانۂ نبوی میں ایک شخص نے ظہار کیا تھا یعنی اپنی بی بی سے انت علی کظہر امی کہا تھا اُسکے حکم میں یہ آیت نازل ہوئی۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ابو الحسنات محمد عبد الحی

باب ثبوت النسب

سوال اگر زید نے کہا کہ یہ میرے زنا کے نطفے سے پیدا ہوا ہے تو نسب ثابت ہوگا یا نہیں **جواب** نہیں عالمگیری میں ہے قال انہ منی من الزنا لا یثبت نسبہ ولا یرث منہ کذا فی الینابیع یعنی اگر کہا کہ یہ میرے زنا کے نطفے سے ہے تو نسب ثابت نہوگا اور وارث نہوگا جیسا کہ ینابیع میں ہے۔ اور خزانۃ الروایات میں ہے من الذخیرۃ اذا اقر انہ زنی بھٰذہ الحرۃ وان ھٰذا الولد ولد منہا من الزنا وصدقتہ المرأۃ فی ذلک لا یثبت الولد من الرجل یعنی جب اس بات کا اقرار کیا کہ اُسنے حرہ عورت سے زنا کیا اور اُسکا یہ لڑکا اُسی زنا سے ہے اور عورت نے اسکی تصدیق کی تو وہ لڑکا اُس آدمی کا لڑکا نہ مانا جائیگا **سوال** زید نے کہا اگر میں صالحہ کیساتھ نکاح کروں تو وہ طالق ہے پھر صالحہ کیساتھ نکاح کیا اور صالحہ نے چھ مہینے بعد لڑکا جنا تو اُس لڑکے کا نسب زید سے ثابت ہوگا یا نہیں **جواب** ثابت ہوگا۔ مواہب الرحمٰن میں ہے لو قال رجل ان

نکحت امرأۃ فھی طالق فنکح فولدت والدا بستۃ اشھر منذ نکحھا الزمناہ نسبہ خلافا لزفر یعنی جب کسی نے کہا اگر میں کسی عورت سے نکاح کروں تو اُسپر طلاق ہے پھر نکاح کیا اور نکاح کے چھ مہینے بعد اولاد ہوئی تو اسکا نسب اُس مرد سے ثابت ہوگیا امام زفر رحمہ اللہ اسکے خلاف ہیں **سوال** کسی شخص نے اپنے محارم سے نکاح کیا اور اولاد پیدا ہوئی تو اولاد کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں **جواب** امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نسب ثابت ہوگا اور صاحبین کے نزدیک نہ ثابت ہوگا۔ عالمگیری میں ہے رجل مسلم تزوج بمحارمہ فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منہ عند ابی حنیفۃ خلافا لھما بناء علی ان النکاح فاسد عند ابی حنیفۃ باطل عندھما کذا فی الظہیریۃ یعنی کسی مرد مسلمان نے اپنے محارم سے نکاح کیا اور اس سے اولاد ہوئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اولاد کا نسب ثابت ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ثابت ہوگا کیونکہ امام صاحب کے نزدیک نکاح فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک نکاح باطل ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

باب العقیقہ والختنۃ

سوال بچہ کا نام کس دن رکھنا چاہیے **جواب** شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے سنت یہ ہے کہ بچہ کا نام ساتویں دن رکھا جائے جیسا کہ عقیقہ میں بھی یہی سنت ہے ترمذی حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن بچے کے نام رکھنے کا حکم دیا انتہی اور سیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا نام پیدائش کے دن رکھا ہے اور ساتویں دن کا انتظار نہیں فرمایا۔ روضۃ الشہدا میں صاف لکھا ہے روی احمد فی مسندہ عن امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ قال لما ولد الحسن جاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال ارونی ابنی ما سمیتموہ قلت سمیتہ حربا قال بل ھو حسن فلما ولد الحسین قال ارونی ابنی ما سمیتموہ قلت حربا قال بل ھو حسین فلما ولد الثالث قال ارونی ابنی ما سمیتموہ قلت حربا قال بل ھو محسن وروی ھذا الحدیث الطبرانی والدارقطنی والحاکم والبیہقی وابن عساکر کذا فی سر الشہادتین یعنی احمد نے اپنی مسند میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضور سرور عالم صلے اللہ

علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے میرا لڑکا دکھادو اور بتاؤ کہ تمنے اسکا کیا نام رکھا ہے میں نے کہا حرب آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ حسن ہے پھر جب حضرت امام حسین علیہ السلام پیدا ہوے تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے میرا لڑکا دکھادو اور بتاؤ کہ اسکا تمنے کیا نام رکھا ہے میں نے کہا حرب آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ حسین ہے پھر جب میرے یہاں تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا مجھے میرا لڑکا دکھادو اور بتاؤ کہ اسکا تمنے کیا نام رکھا ہے میں نے کہا کہ حرب آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ محسن ہے اس حدیث کو طبرانی اور دارقطنی اور حاکم اور بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے جیسا کہ سر الشہادتین میں ہے **سوال** عبدالنبی یا اسکے مانند نام رکھنا درست ہے یا نہیں **جواب** اگر اس اعتقاد سے یہ نام رکھا جائے کہ یہ لڑکا نبی کا بندہ ہے تو شرک ہے اور اگر عبد سے غلام مملوک کے معنے مراد لیے جائیں تو بھی خلاف واقعہ ہے اور اگر مجازاً عبد بمعنی مطیع و منقاد لیا جائے تو کچھ حرج نہیں مگر خلاف اولیٰ ہے روی مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ علیہ وسلم قال لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عباد اللہ وکل نساء کم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی یعنی مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی عبدی اور امتی نہ کہے کیونکہ تم سب خدا کے بندے ہو اور سب عورتیں تمھاری خدا کی بندیاں ہیں بلکہ تمکو غلامی جاریتی فتائی فتاتی کہنا چاہیئے **سوال** بالغ جسکا ختنہ نہوا ہو یا کافر جو مسلمان ہوا ہو انکا ختنہ ضروری ہے یا نہیں **جواب** ختنہ فرض نہیں ہے بلکہ زیادہ صحیح قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے لہذا جوان کے ختنہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر بالغ خود ختنہ کرائے یا جاریہ ختانہ مول لے یا زن ختانہ کیساتھ نکاح کرے اور اپنا ختنہ کرائے تو مباح ہے اور جو کافر مسلمان ہوا ہو اسکا ختنہ کرنا چاہیئے خزانۃ الروایات میں ہے فی الذخیرۃ ان المسلم یختن مالم یبلغ فاذا بلغ لم یختن لان ستر عورۃ البالغ فرض والختان سنۃ فلا یترک الفرض للسنۃ والکافر اذا اسلم یختن بالاتفاق لمخالفۃ دین الاسلام وھو بالغ یعنی مسلمان کو بحالت نابالغی ختنہ کرالینا چاہیئے اور جب بالغ ہو جائے تو ختنہ نہ کرائے کیونکہ بالغ کو شرمگاہ کا چھپانا فرض ہے اور ختنہ سنت ہے بس سنت کے لئے فرض کو ترک نکرنا چاہیئے اور کافر جب اسلام لائیگا اسکا ختنہ کیا جائیگا کیونکہ وہ حالت بلوغ میں اسلام کا مخالف تھا۔ اور مجمع البرکات میں ہے وقیل فی ختان الکبیر اذا امکن ان یختن نفسہ فعل والا لم یفعل الا ان یمکنہ ان یتزوج او

بشتری ختانہ یعنی بڑے شخص کے لئے ختنہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر وہ خود اپنا ختنہ کر سکتا ہو تو کرے ورنہ اُسکا ختنہ نہو گا مگر یہ کہ وہ کسی ختنہ کرنیوالی عورت سے نکاح کرے یا کسی ختنہ کرنیوالی لونڈی کو خریدے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

باب حق الرجل علی المرأۃ

سوال اگر زوج نے امر شروع کا زوجہ کو حکم دیا اور زوجہ نے نہ مانکر زوج کو ناراض کیا تو زوجہ کے لئے کیا حکم ہے **جواب** بروایت ترمذی و ابن ماجہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عورت اپنے شوہر کو رنجیدہ کرتی ہے تو وہ حور جو شوہر کو جنت میں ملنے والی ہے اس عورت کو بددعا دیکر خطاب کرتی ہے کہ اے عورت اللہ تجھکو قتل کرے یہ مرد تھوڑے دنوں تک تیرے لئے ہے پھر تجھسے جدا ہو کر میرے پاس آئیگا تو اُسے کیوں رنجیدہ کرتی ہے۔ اور طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے سخط الزوج یوجب سخط الرب و رضاہ یوجب فی قضاء الشہوۃ فکیف اذا کان فی امر الدین یعنی شوہر کی ناراضی سے خدا ناراض ہوتا ہے اور شوہر کی رضامندی میں خدا کی رضامندی ہے حتی کہ شہوت کے پورا کرنے میں بھی تو پھر امر دین کا کیا کہنا ہے انتہی **سوال** جماع کے لئے زوج نے زوجہ کو بلایا اور زوجہ نے انکار کیا تو اسکے لئے کیا حکم ہے **جواب** جب تک اسکا شوہر اُس سے ناراض رہیگا اُسپر اللہ اور ملائکہ کی لعنت ہوگی بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے انہ صلے اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ ما من رجل یدعو امرأتہ الی فراشہ فتابی علیہ الا کان الذی فی السماء ساخطا علیہا حتی یرضی عنہا یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے جب شوہر اپنی بی بی کو جماع کرنے کے لئے بلاتا ہے اور وہ انکار کرتی ہے تو خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے یہانتک کہ شوہر اُس سے راضی ہو جائے اور نصاب الاحتساب میں ہے لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من النساء السلتاء والمرھاء فالسلتاء التی لا تختضب والمرھاء التی لا تکتحل ولعن المسوفۃ لغسلۃ والمسوفۃ التی اذا دعاھا زوجہا الی المباشرۃ فقالت سوف افعل والمغسلۃ التی اذا دعاھا زوجہا الی المباشرۃ فقالت انی حائض و لیست کذلک یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں میں سلتاء، مرہا، مسوفہ، مغسلہ پر لعنت کی ہے سلتاء وہ عورت ہے جو مہندی نہ لگائے اور مرہا وہ عورت ہے جو سرمہ نہ لگائے اور مسوفہ وہ عورت ہے جسے جب شوہر بغرض

مباشرت بلائے تو کہے عنقریب آتی ہوں اور مغسلہ وہ عورت ہے کہ جب اُسے شوہر مباشرت کے لئے بلائے تو کہے میں حیض سے ہوں حالانکہ اُسے حیض نہو **سوال** زوجہ اگر فاحشہ عورتوں کو بے شوہر کی اجازت کے اُسکے گھر میں بلائے تو شوہر منع کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر زوجہ پر تنبیہ کرے تو کر سکتا ہے یا نہیں **جواب** شوہر کو فاحشہ عورتیں گھر میں نہ آنے دینے کا حق ہے برجندی نے لکھا ہے المنزل ملکہ فلہ حق المنع یعنی گھر شوہر کی ملک ہے پس وہ ممانعت کر سکتا ہے۔ اور جو عورت امر منکر کی مرتکب ہو تو شوہر کو چاہیئے کہ پہلے اُسے سمجھائے اگر نہ مانے تو سختی سے کہے اگر پھر بھی نہ مانے تو اُسے مارے لیکن نہ منھ پر مارے نہ اسطرح کہ کوئی عضو ٹوٹ جائے شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ اگر بیوی سے کوئی فحش یا ترک فرض ظاہر ہو یا ادب دینے کی مصلحت پر ملے لیکن منھ پر نہ مارے تو جائز ہے مگر منھ پر مارنا منع ہے انتہی **سوال** اگر عورت بے شوہر کی اجازت کے اجنبی لوگوں سے ملے یا ان کی عیادت کرنے یا دعوت ولیمہ میں شریک ہونے کو جائے تو اسکے لئے کیا حکم ہے **جواب** گنہگار ہوگی۔ اور اگر شوہر اجازت دے تو وہ بھی گنہگار ہوگا درمختار میں ہے ویمنعہا من زیارۃ الاجانب و عیادتہم والولیمۃ وان اذن کانا عاصیین یعنے شوہر عورت کو اجنبیوں کی زیارت اور اُن کی عیادت سے اور اُنکے یہاں دعوت ولیمہ میں جانے سے روکے اور اگر شوہر اجازت دیگا تو دونوں گنہکار ہونگے **سوال** زوجہ کو زوج کی کتنی اطاعت کرنا چاہیئے اگر زوج زوجہ سے کہے کہ تم اپنے پھوپھیرے یا ممیرے بھائی کے سامنے نہ آؤ اور اُسکے والدین کہیں کہ سامنے آؤ۔ تو زوجہ کو کس کی اطاعت کرنا چاہیئے اور اگر زوجہ میکے گئی ہو اور زوج کے گھر آنیکا قصد نکرے تو زوج اُسکو لا سکتا ہے یا نہیں **جواب** زوجہ کو جمیع امور شرعیہ میں زوج کی اطاعت کرنا چاہیئے شرح شرعۃ الاسلام میں ہے وعلیہا ان تطیع زوجہا فی الامور الشرعیۃ ولو امرہا ان تنقل الحجر من جبل فی ان لا تخرج من بیتہ الا باذنہ یعنی زوجہ کو امور شرعیہ میں زوج کی اطاعت کرنا چاہیئے اگرچہ وہ اس بات کا حکم دے کہ پہاڑ سے پتھر ڈھولاؤ یا بلا اجازت گھر سے نہ نکلو۔ اور جب عورت میکے سے نہ آتی ہو تو شوہر جبراً اسکو لا سکتا ہے اور شوہر کی اطاعت دربارہ پردہ کے غیر محارم سے مقدم ہے۔ ردالمحتار میں ہے الذی ینبغی تحریرہ ان یکون لہ منعہا عن کل عمل یودی الی تنقیص حقہ او ضررہ او الی خروجہا من بیتہ **قابل تحریر امر یہ ہے** کہ زوج زوجہ کو ہر ایسے کام سے روک سکتا ہے جسکی بدولت اُسکا حق کم ہوتا ہو یا ضرر ہوتا ہو یا جسکی بدولت بی بی

کے گھر سے نکلجانیکا اندیشہ ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی　　ابو الحسنات محمد عبد الحی

باب التفریق بالاعذار

سوال اگر حاکم نے کسیکو قید کر کے حبس دوام یا چودہ برس کے لئے ضلع سے خارج کر دیا تو کیا اسمیں اور اسکی زوجہ میں تفریق کرا دینا چاہیے **جواب** نہیں۔ درمختار میں ہے ولا یفرق بینہما بعجزہ عنہا ولا العدم ایفاءہ لو غائبا حقہا ولو موسرا وجوزہ الشافعیؒ باعسار الزوج وتبضررہا بغیبتہ ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیا فقضی بہ نفذ اذا لم یرتش الآمر والمامور یعنے شوہر اگر بی بی سے ملنے سے عاجز ہو یا غائب ہونے کیوجہ سے ایفاے حق نہ کر سکتا ہو پس اگر خوشحال ہو تو تفریق نکرائی جائیگی اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے اسے جائز لکھا ہے زوجہ کی تنگدستی اور زوجہ کو غیبت زوج کی بدولت ضرر پہونچے کیوجہ سے اگر حنفی اسکا حکم دے تو اسکا حکم نافذ نہوگا اور شافعی اگر حکم دے تو اسکا حکم نافذ ہوگا اگر آمر و مامور نے رشوت نہ لی ہو **سوال** اگر زوج کو جنون ہو تو زوجہ کی درخواست پر تفریق کرا دیجائیگی یا نہیں **جواب** اگر جنون حادث ہو جیسے عنین تو ایک برس کی مہلت دیجائیگی پھر بھی اگر اچھا نہو تو زوجہ کو اختیار ہے اور اگر جنون مطبق ہے تو فوراً تفریق کرانا چاہیے مہلت دینے کی ضرورت نہیں ہے مجمع البرکات میں ہے ان کان بالزوج جنون او جذام او برص فلا خیار لہا وقال محمدؒ لہا الخیار دفعا للضرر عنہا کما فی الجب والعنۃ کذا فی الکافی قال محمدؒ ان کان الجنون حادثا یوما یؤجل سنۃ کالعنۃ ثم تخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرء وان کان مطبقا فہو کالجب وبہ نأخذ کذا فی فتاوی العالمگیریۃ ناقلا من الحاوی یعنی اگر شوہر کو جنون یا جذام یا برص ہے تو بی بی کو خیار نہیں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بغرض دفع ضرر خیار ہے جیسا کہ اگر زوج مقطوع الذکر یا یعنی نامرد ہو ایسا ہی کافی میں ہے امام محمدؒ کہتے ہیں اگر جنون حادث ہو تو ایک سال کی مہلت دیجائیگی جیسا کہ عنین کے معاملہ میں ہے پھر ایک سال بعد عورت کو خیار ہے اگر شوہر اچھا نہو اور اگر جنون مطبق ہے تو اسکا حکم مجبوب کیطرح ہے ہم اسی پر عمل کرتے ہیں ایسا ہی عالمگیری میں حاوی سے نقل کیا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی　　ابو الحسنات محمد عبد الحی

کتابُ المفقود

سوال ایک شخص چار پانچ برس یا اُس سے زائد ہوتے ہیں کہ مفقود ہے اسکی عورت جوان اور مرد کی خواہش رکھتی ہے اور نان ونفقہ کی محتاج ہے اندیشہ ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جائے تو ایسی صورت میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر اسکو عمل کر لینا چاہیے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے بلکہ یہ بھی مرقوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کیطرف رجوع کیا ہے اور اکثر صحابہ کا یہی مذہب ہے جیسا کہ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کتاب المفقود میں ہے **جواب** اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین مختلف ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک گروہ صحابہ کا اسطرف گیا ہے کہ مفقود کی زوجہ چار برس انتظار کرکے نکاح کرلے اور انھوں نے اسپر اجماع صحابہ نقل کیا ہے۔ امام مالکؒ مؤطا میں روایت کرتے ہیں ان عمر بن الخطاب قال ایما امرأۃ فقدت زوجھا فلم تدر این ھو فانھا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشھر وعشرا ثم تحل للازواج یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس عورت کا شوہر مفقود ہو جائے اور اُسے نہ معلوم ہو کہ کہاں ہے وہ چار برس انتظار کرے پھر چار مہینے دس دن عدت بیٹھکر دوسرے مرد کیساتھ نکاح کرسکتی ہے۔ اور محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں روی نحوہ عن عثمانؓ وعلیؓ وقیل اجمع الصحابۃ علیہ ولم یعلم لھم مخالف فی عصرھم وعلیہ جماعۃ من التابعین یعنی ایسا ہی حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور کہا گیا ہے کہ صحابہ نے اسپر اجماع کیا ہے اور انکے زمانے میں کوئی مخالف نہیں پایا گیا اور اسپر تابعین کی ایک جماعت ہے۔ اور بعض صحابہ مثل ابن مسعود وعلی رضی اللہ عنہم بنا بر ایک روایت کے اسطرف گئے ہیں۔ کہ زوجہ مفقود تادم ظہور موت شوہر انتظار کرے اور شعبی اور نخعی کا یہی مذہب ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے الحاصل ان المسألۃ مختلفۃ فی ما بین الصحابۃ فذھب عمر الی ما تقدم وذھب علی الی انھا امرأۃ حتی یاتیھا البیان وروی عبد الرزاق عن ابن جریج قال بلغنا ان ابن مسعود وافق علیا علی ان امرأۃ المفقود تنتظر ابدا واخرج ابن ابی شیبۃ عن ابی قلابۃ وجابر بن سعید والشعبی والنخعی کلھم قالوا لیس لھا ان تتزوج حتی یستبین موتہ یعنی الحاصل یہ مسئلہ صحابہ کے درمیان مختلف فیہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب اوپر بیان ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے [illegible]

وہ عورت اُس مفقود کی بی بی ہی جبتک موت کی خبر نہ پہونچے عبدالرزاق نے ابن ابی جریج سے روایت
کی ہی کہ حضرت ابن مسعود و حضرت علی رضی اللہ عنہم کے اس امر میں موافق ہیں کہ اُسکی بی بی ہمیشہ
انتظار کرے اور ابن ابی شیبہ نے کہا ہی کہ ابو قلابہ اور جابر اور ابن سعید اور شعبی اور نخعی سب کے نزدیک
جب تک موت ظاہر نہو عورت کو نکاح کرنیکا حق نہیں ہی اور اس باب میں ایک مرفوع حدیث
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رائے کے موافق وارد ہی لیکن اس حدیث کی سند میں ضعف ہی
چنانچہ زیلعی تخریج احادیث ہدایہ میں لکھتے ہیں اخرجہ الدار قطنی فی سننہ عن سوار بن مصعب حدثنا
محمد بن شرحبیل عن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأۃ المفقود امرأتہ
حتی یاتیہا البیان و وجدتہ فی نسخۃ اخری حتی یاتیہا الخبر وھو حدیث ضعیف قال ابن ابی حاتم فی
کتاب العلل سألت ابی عن حدیث رواہ سوار بن مصعب عن محمد عن المغیرۃ فی امرأۃ المفقود فقال
ابی ھذا حدیث منکر و محمد متروک الحدیث یروی عن المغیرۃ مناکیر اباطیل و ذکرہ عبد الحق فی احکامہ
من جہۃ الدار قطنی واعلہ بمحمد بن شرحبیل وقال انہ متروک و قال ابن القطان فی کتابہ سوار بن مصعب
اشہر فی المتروکین یعنی دار قطنی نے اپنی سنن میں لکھا ہی کہ سوار بن مصعب نے بسند محمد بن شرحبیل مغیرہ بن شعبہ
سے روایت کی ہی کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہی مفقود کی بی بی اُس کی بی بی ہی یہانتک
کہ اُسکا علم ہو جائے اور دوسرے نسخہ میں ہی یہانتک کہ اُس کی خبر پہونچ جائے یہ حدیث ضعیف
ہی ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں کہا ہی کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے متعلق پوچھا جسکو
سوار ابن مصعب نے محمد بن مغیرہ کیواسطے سے مفقود کی بی بی کے متعلق روایت کیا ہی تو میرے والد
نے کہا کہ یہ حدیث قابل اعتبار نہیں محمد متروک الحدیث ہیں اور مغیرہ سے جھوٹی بے اصل باتیں روایت
کیا کرتے ہیں اسے عبد الحق نے احکام مفقود میں دار قطنی سے نقل کیا ہی اور محمد بن شرحبیل کیوجہ سے
اس کی تعلیل کی ہی اور کہا ہی کہ وہ متروک ہیں اور ابن قطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہی کہ سوار
بن مصعب متروکین میں مشہور ہیں۔ اور اسی طرح بدر الدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تحریر کیا ہے
جب یہ امر ممہد ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ چونکہ حدیث مرفوع اس مسئلہ میں بطریق ضعیف وارد ہی اور
صحابہ خود مختلف ہیں لہذا ائمہ مجتہدین بھی اس مسئلہ میں مختلف ہو گئے ائمہ حنفیہ نے حضرت علی
کرم اللہ وجہہ کی رائے کو بضم حدیث مرفوع مرجح کیا اور ائمہ مالکیہ نے حضرت عمر اور حضرت عثمان

رضی اللہ عنہما وغیرہ کی رائے کو مختار کیا لیکن ائمہ حنفیہ تصریح کرتے ہیں کہ ضرورت کے وقت امام مالک کے قول پر فتویٰ دینا درست ہے جو ایک جماعت صحابہ کی رائے کے موافق ہے اور جب وقوع حرام کا خوف ہو تو امام مالک کے مسلک پر عمل کرنا جائز ہے جامع الرموز میں ہے قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ بعدھا کما فی النظم فلو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا باس بہ علی ما اظن یعنی مالک اور اوزاعی نے کہا ہے کہ چار برس انتظار کرکے اُسکی بی بی شادی کرے جیسا کہ نظم میں ہے اگر ضرورت کے وقت اسپر فتویٰ دیا جائے تو میرے خیال میں کچھ حرج نہیں ہے اور رد المحتار میں ہے ذکر ابن وھبان فی منظومتہ لو افتی بقول مالک فی موضع الضرورۃ یجوز فاعترضہ شارحھا ابن الشحنۃ بان لا ضرورۃ للحنفی الی ذلک وقال الشارح فی الدر المنتقی ھذا لیس باولی لقول قال القھستانی لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ لا باس علی ما اظن یعنی ابن وہبان نے اپنی منظوم میں کہا ہے کہ اگر ضرورت کے وقت امام مالک کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے اور ابن شحنہ نے اسکی شرح میں اعتراض کیا ہے کہ حنفی کو اسکی کچھ ضرورت نہیں ہے اور شارح نے در منتقی میں کہا ہے کہ یہ اولیٰ نہیں ہے اور قہستانی کہا ہے میرے نزدیک اگر ضرورت کیوقت اُسپر فتویٰ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی

سوال زید ساٹھ برس کی عمر میں ایک زوجہ تین بیٹے دو بیٹیاں چھوڑ کر مفقود الخبر ہو گیا اب تقسیم ترکہ میں کب تک انتظار ہونا چاہیے اور میعاد کے اندر اُسکے وارث کے درمیان میں ترکہ کا نفع کیونکر متصور ہوگا اور اُسکے انتظام کی کیا صورت ہوگی **جواب** تقسیم ترکہ میں تیس برس اور انتظار کرنا چاہیے تاکہ اُسکی عمر کے نوے برس پورے ہو جائیں۔ اسکے بعد ورثائے موجودہ پر ترکہ تقسیم ہوگا اور اتنی مدت تک مال اُسکے وکیل اور امین کے قبضے میں رہیگا اگر کسیکو امین یا وکیل کر گیا ہو ورنہ حاکم کسی محافظ کو مقرر کریگا اور ورثا اسکے مال سے نفع نہیں اٹھا سکتے در مختار میں ہے فی معروضات المفتی ابی السعود انہ لیس لامین بیت المال نزعہ من ید من امنہ علیہ قبل ذھابہ یعنی معروضات مفتی ابی السعود میں ہے امین بیت المال کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ امین سے جسکو مفقود خود اپنی موجودگی میں مقرر کر گیا ہے اُسکی جائداد کو علٰحدہ کرے اور تنویر الابصار میں ہے لا یقسم مالہ ونصب القاضی من یاخذ حقہ ویحفظ مالہ ویقوم علیہ عند الحاجۃ الی موت اقرانہ فی بلدہ علی المذھب یعنے اُسکا مال تقسیم نہیں کیا جائیگا بلکہ قاضی کو چاہیے کہ کوئی ایسا شخص مقرر کردے جو اُسکا حق لیتا رہے اور اُسکے مال کی حفاظت کرتا رہے

اور جب اسکے ہمعصر جو اسکے شہر میں ہوں مرجائیں تو بر مذہب صحیح اسکا مال اسکے ورثہ پر تقسیم کیا جائیگا
بردالمحتار شرح در المختار میں قیل یقدر بتسعین سنۃ من حین ولادتہ واختارہ فی الکنز وھو الارفق. ھدایہ
وعلیہ الفتوی. ذخیرہ یعنی بعض کے نزدیک اسکی مقدار ولادت سے نوے برس ہو اسے کنز میں
اختیار کیا ہو یہی نرم طریقہ ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہو اور اسی پر فتوی ہو جیسا کہ ذخیرہ میں ہو واللہ اعلم حررہ
الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** اہل تحقیق زوجہ مفقود کے لئے کیا فرماتے ہیں
کیا اسکے لئے یہ جائز ہو کہ چار برس انتظار کرکے چار مہینے دس دن عدت بیٹھے پھر دوسرے کیساتھ نکاح
کرلے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور علمای مدینہ رحمہم اللہ کا فتوی ہے
جواب صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا صحابہ اور تابعین کا ایک گروہ اسکا
قائل تھا کہ زوجہ مفقود کو خبر موت یا خبر طلاق کا انتظار کرنا چاہیئے جیسا کہ فتح القدیر میں ہو ذھب علی
الی انہا امرأۃ حتی یاتیہا البیان وروی عبدالرزاق عن ابن جریج قال بلغنا ان ابن مسعود وافق
علیا علی ان امرأۃ المفقود تنتظر ابدا واخرج ابن ابی شیبۃ عن ابی قلابۃ وجابر بن سعید والشعبی
والنخعی کلھم قالوا لیس لہا ان تتزوج حتی یستبین موتہ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک
اسے انتظار کرنا چاہیئے یہانتک کہ اسے خبر معلوم ہوجائے اور عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت
کی ہو کہ حضرت ابن مسعودؓ اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کے موافق ہیں کہ مفقود الخبر کی زوجہ کو تمام عمر
منتظر رہنا چاہیئے ابن ابی شیبہ نے ابو قلابہ سے روایت کی ہو کہ جابر بن سعید اور شعبی اور نخعی سب اسکے
قائل ہیں کہ اسے شادی نکرنا چاہیئے یہانتک کہ موت مفقود ظاہر ہوجائے حنفیہ کا یہی مذہب ہے
اسکی موت کے متعلق سخت اختلاف ہوگیا ہو جیسا کہ کتب حنفیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہو اور
اپنے مذہب کی تائید میں ایک مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہو امرأۃ المفقود امرأتہ
حتے یاتیہا البیان یعنی مفقود الخبر کی بی بی اسی کی بی بی سمجھی جائے گی یہانتک کہ اسے خبر پہونچ جائے
لیکن اس حدیث کی سند قابل احتجاج نہیں ہو زیلعی اور ابن حجر نے تخریج احادیث ہدایہ میں اور عینی نے
شرح ہدایہ میں لکھا ہو انہ خبر اخرجہ الدارقطنی فی سننہ عن سوار بن مصعب حدثنا محمد بن شرحبیل
عن المغیرۃ بن شعبۃ قال بن ابی حاتم فی العلل سألت ابی عن حدیث رواہ سوار عن محمد عن المغیرۃ
فقال ابی ھذا حدیث منکر ومحمد متروک الحدیث یروی عن المغیرۃ مناکیر واباطیل وذکرہ عبدالحق

فی احکامہ من طریق الدار قطنی وعللہ بمحمد بن شرحبیل وقال انہ متروک وقال ابن القطان فی کتابہ سوار اشہر فی المتروکین یعنی سنن دارقطنی میں یہ حدیث بسند سوار بن مصعب عن محمد بن شرحبیل عن مغیرہ بن شعبہ مروی ہے ابن ابی حاتم علل میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا انھوں نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور محمد متروک الحدیث ہیں مغیرہ سے جھوٹی باتیں روایت کیا کرتے ہیں عبد الحق نے احکام مفقود میں اس حدیث کو بطریق دارقطنی روایت کیا ہے اور محمد بن شرحبیل کی وجہ سے اسکی تعلیل کی ہے اور کہا ہے کہ وہ متروک ہیں ابن قطان نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ سوار متروکین میں بہت مشہور ہیں۔ اور ایک جماعت اس جانب گئی ہے کہ چار برس کے بعد چار مہینے دس دن عدت بیٹھکر اُسے نکاح کر لینے کا حق ہے اسے ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق اور دارقطنی اور مالک نے بطرق متعددہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور عبد الرزاق نے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ایسی ہی روایت کی ہے اسکی تفصیل ابن حجر اور زیلعی وغیرہ نے کی ہے اور یہی مالکیہ وغیرہ کا مذہب ہے اور یہ دلیل کے اعتبار سے قوی ہے اور اصول حنفیہ کا بھی مقتضی یہ ہے کہ اسی پر فتویٰ دیا جائے کیونکہ جن امور میں عقل کو دخل نہو انمیں صحابی کا قول مرفوع کے حکم میں ہوا کرتا ہے تو حنفیہ لا محالہ عند الضرورۃ اسپر فتویٰ دینے کو جائز رکھیں گے جیسا کہ جامع الرموز میں امام مالک کا مذہب ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے فلو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا باس بہ علی ما اظن یعنی اگر ضرورت کے وقت اسپر فتوے دیا جائے تو میرے خیال میں کچھ حرج نہونا چاہیے۔ اور ابن وہبان نے اپنے منظوم میں لکھا ہے انہ لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ یجوز یعنی ضرورت کے وقت اگر اسپر فتوے دیا جائے تو جائز ہے۔ اور ایسا ہی رد المحتار وغیرہ میں بھی ہے واللہ اعلم یہ مختصر کلام ہے اور تفصیل کے لئے بسط کی ضرورت ہے ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال (۱) جس عورت کا مرد پانچ یا چھ برس سے بے نشان ہے اُسکو دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے یا نہیں اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب چار برس گزر جائیں تو قاضی اُن دونوں کے درمیان میں تفریق کرا دے پھر عورت دوسرا نکاح کر لے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر تفریق کرا دینا جائز ہے تو اس پُر آشوب زمانے میں کہ نہ قاضی ہے نہ اُسکے احکام پر عمل ہوتا ہے کیا کیا جائے (۲) فسخ کے بعد عدت طلاق یا وفات عورت کو بیٹھنا چاہیے یا نہیں (۳) اگر ضرورتاً کسی مسئلے میں کوئی شخص امام شافعی یا امام مالک رحمہما اللہ کی تقلید کرے تو کیا ہر مسئلے میں اُنکی تقلید لازم ہو جائیگی حق جواب اول تو یہ بیان کیجیے

جواب عندم ضرورت

بعض مسائل میں امام شافعی و مالک رحمہما اللہ کی تقلید کرنا درست ہی بشرطیکہ اُس مسئلہ کے جملہ شروط و احکام پر عمل کرے۔ در مختار میں ہی ولا باس به بالتقليد عند الضرورة لكن بشرط ان يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الامام لما قدمنا ان الحكم الملفق باطل بالاجماع یعنے عند الضرورۃ تقلید میں کچھ حرج نہیں ہی لیکن اس شرط سے کہ اُن تمام اُمور پر عمل کرے جسکو اُس امام نے واجب ٹھہرایا ہو کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حکم ملفق بالاجماع باطل ہی۔ اور جسنے ایک خاص مسئلہ میں کسی امام کی تقلید کی اُس پر کل مسائل میں اُس امام کی تقلید لازم نہیں ہی۔ حسن شرنبلالی العقد الفريد لبيان الراجح من جواز التقليد میں لکھتے ہیں واعلم ايضا انه يجوز العمل بجملة مسائل كل منها على مذهب مستقل لما علمته ويقول المحقق ابن الهمام وهل يقلد غيره اي غير من قلده اولا في شئ في غيره اي غير ذلك الشئ كان يعمل اولا في مسئلة بقول ابي حنيفة وثانيا في اخرى بقول مجتهد اخر المختار كما ذكره الامدي و ابن الحاجب یعنی یہ جائز ہی کہ ہر مسئلہ میں ایک مستقل مذہب پر عمل کرے اور محقق ابن ہمام کہتے ہیں کہ ایک مسئلہ میں جسنے ایک شخص کی تقلید کی تھی وہ دوسرے مسئلہ میں دوسرے کی تقلید کر سکتا ہے مثلاً پہلے ایک مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا تھا اور دوبارہ دوسرے مسئلہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کیا مختار وہی ہی جیسے آمدی اور ابن حاجب نے لکھا ہی۔ اور مسئلہ مفقود میں حنفیہ کے نزدیک عند الضرورت بتقلید مالکیہ و شافعیہ چار برس کے بعد نکاح ثانی کر دینا درست ہے جامع الرموز میں ہی قال مالك والاوزاعي الى اربع سنين فتنكح عرس بعدها كما في النظم فلو افتى به في موضع الضرورة ينبغي ان لا باس به على ما اظن یعنے مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ چار برس تک انتظار کرے پھر زوجہ دوسرے سے نکاح کر لے جیسا کہ نظم میں ہی پس اگر ضرورت کیوقت اسپر عمل کیا جائے تو میرے خیال میں اس میں کچھ حرج نہیں ہی۔ اور رد المحتار میں ہی ذکر ابن وهبان في منظومته انه لو افتى بقول مالك في موضع الضرورة يجوز یعنے ابن وہبان نے اپنی منظوم میں لکھا ہی کہ ضرورت کے وقت اگر امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتوے دیا جائے تو جائز ہی۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چار برس گزرنے کے بعد عدت وفات لازم ہی اُسکے بعد نکاح جائز ہی نکاح کے بعد اگر زوج اول آجائے تو اُسکو کچھ حق نہوگا اگر زوج ثانی نے صحبت کی ہو موطا امام مالک اور شرح زرقانی میں ہی مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب ان عمر بن الخطاب قال

ایما امرأة فقدت زوجها فلم تدر این ہو فانہا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعة اشہر وعشرا ثم تحل للازواج وروی نحوہ عن علی وعثمان قال مالک وان تزوجت بعد انقضاء عدتہا فدخل بہا زوجہا اولم یدخل بہا فلا سبیل لزوجہا الاول الیہا اذا جاء او ثبت انہ حی لان الحاکم اباح للمرأة الزوج مع امکان حیاتہ قال مالک وذلک الامر عندنا فالعقد بمجردہ یفیتہا ثم رجع مالک عن ھذا قبل موتہ بعام وقال لا یفیتہا علی الاول الا دخول الثانی غیر عالم بحیاتہ واخذ بہ ابن القاسم واشہب قال فی الکافی ھو الاصح من طریق الاثر لانہا مسئلة قلد فیہا عمر یعنے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس عورت کا شوہر مفقود ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اُسے چار برس انتظار کرنا چاہیئے پھر چار مہینے دس دن عدت بیٹھکر وہ دوسرے کے لئے حلال ہو سکتی ہے ایسا ہی حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے امام مالک نے کہا ہے اگر عدت پوری ہونے کے بعد عورت نے شادی کر لی تو اس شوہر ثانی نے اُسکے ساتھ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو بہر حال پہلے شوہر کو اگر وہ آجائے یا اُسکے زندہ ہونیکا علم ہو جائے کہ اب کچھ حق نہیں ہے کیونکہ حاکم نے اُسکے لئے موجود شوہر کو حلال کر دیا ہے باوجودیکہ زوج اول کی حیات ممکن تھی امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ہمارے نزدیک ہے کہ عقد محقق اُسکی حیات کو گویا فوت کر دیتا ہے یعنے زوج اول اگر زندہ بھی ہو تو وہ اپنی زوجہ کے حق میں زندہ نہیں رہا پھر امام مالک نے اپنی موت سے ایک سال پہلے اپنے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ زوج اول کا حق فوت نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ زوج ثانی نے اُس کے ساتھ زوج اول کی حیات کو نہ جانکر صحبت کی ہو اور اسی سے ابن قاسم اور اشہب نے اخذ کیا ہے کافی میں ہے کہ یہی صحیح ہے بطریق اثر کیونکہ اس مسئلہ میں عمر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تقلید کی ہے انتہی الترجمہ پس حنفیہ بھی اسی کے موافق فتوے دے سکتے ہیں کوئی ضرورت تفریق قاضی وحاکم کی نہیں ہے اور ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عبد الرزاق اور بیہقی وغیرہ نے یہ بھی کی ہے کہ اُنھوں نے زوج اول کے آنے کے بعد اُس کو اختیار دیا کہ اپنی زوجہ لے لے یا مہر واپس کرالے اور اُس کو نہ لے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ابو الحسنات محمد عبد الحی

کتاب التولیۃ

سوال صغیرہ کے نکاح کی ولایت ماں کو ہے یا نہیں **جواب** عدم عصبات کی صورت میں ہے تنویر الابصار میں ہے وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ ولو ثیبا یعنے صغیر اور صغیرہ کے نکاح کردینے کا حق ولی کو حاصل ہے اگرچہ ثیبہ ہو اور دوسری جگہ لکھا ہے الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام یعنے نکاح میں ولی عصبہ بنفسہ ہے اور عصبہ نہونے کی حالت میں ماں کو ولایت حاصل ہے **سوال** اگر چھوٹی لڑکی کی ماں اور دادا موجود ہیں تو نکاح کی ولایت کس کو ہے **جواب** دادا کو نہ ماں کو شرح وقایہ میں ہے والولی العصبۃ علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریۃ وتکلیف و اسلام فی ولد مسلم دون کافر ثم الام یعنے ولی عصبات میں بترتیب حجب وارث اس شرط سے کروہ آزاد اور مکلف اور مسلمان ہوں مسلمان اولاد میں نہ کافر میں پھر ماں ہے **سوال** اگر دادا کی موجودگی میں ماں نے نکاح کردیا تو دادا کو فسخ کا حق حاصل ہے یا نہیں **جواب** حاصل ہے سراج منیر میں ہے واذا زوجت الام بنتها الصغیرۃ والعصبۃ رد نکاحها یرد النکاح یعنے چھوٹے لڑکے یا چھوٹی لڑکی کا نکاح ماں نے کردیا اور عصبہ اُسکے نکاح کو رد کریں تو نکاح رد ہوجائیگا **سوال** ولی اقرب کی موجودگی میں ولی بعد نے نکاح کردیا مگر ولی اقرب صغیر یا مجنون ہے تو نکاح جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز ہے عالمگیری میں ہے وان زوج الصغیرۃ او الصغیر ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وهو من اهل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازته وان لم یکن من اهل الولایۃ بان کان صغیرا او کان کبیرا مجنونا یعنی چھوٹے لڑکے یا چھوٹی لڑکی کا نکاح ولی بعید نے کردیا پس اگر ولی قریب موجود ہو اور ولی ہونے کی قابلیت رکھتا ہو تو نکاح اُسکی اجازت پر موقوف ہے اور اگر ولی ہونے کی قابلیت نہ رکھتا ہو مثلاً چھوٹا یا بڑا مگر مجنون ہو تو نکاح جائز ہے **سوال** ایک نابالغ یتیم لڑکی ہے اُسکا دادا بھی مرچکا ہے البتہ چچا اور ماں زندہ ہیں جو اُسکی شادی کرنا چاہتے ہیں اور یہ ہمارے امام شافعی کے مذہب پر دشوار ہے پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر اسکا ولی کون ہوگا اور کیونکر عقد درست ہوگا اور کن ارکان اور کن شروط کا اعتبار کرنا ہوگا **جواب** ہمارے ائمہ حنفیہ کے نزدیک نکاح میں وہ عصبہ ولی ہے جسمیں عورت کا واسطہ نہو بترتیب حجب وارث ہو اور اگر کوئی ایسا عصبہ موجود نہو تو ماں

پھر نانی پھر لڑکی پھر پوتی پھر نواسی پھر پوتے کی لڑکی پھر نواسی کی لڑکی وہکذا پھر نانا پھر اخت حقیقی پھر اخت لاب پھر اخت لام پھر ذوی الارحام ولی ہیں یہ بحر الرائق اور در مختار میں ہے پس صورت مسئولہ میں جبکہ چچا موجود ہے تو وہی اسکا ولی ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی

سوال اگر کسی دختر نابالغہ کا باپ جو اسکا ولی ہے فضول خرچ اور سفیہ ہو اور وہ نابالغہ کی جائداد برباد کرتا ہو تو نابالغہ کا شوہر یا کوئی اور قرابت دار ولی جابر اور املاک نابالغہ کا مہتمم شرعاً ہو سکتا ہے جو حفاظت جائداد نابالغہ کی کرے بمقابلہ باپ کے باوجودیکہ وہ فضول خرچ ہے یا نہیں **جواب** ایسی صورت میں حاکم وقت کو چاہیے کہ اسکے قبضے سے جائداد نکال کے کوئی وصی مقرر کردے جو جائداد کی حفاظت کرے تنقیح فتاوے حامدیہ میں ہے فی الولوالجیۃ والخلاصۃ لو کان الاب مبذرا متلفا مال ابنہ الصغیر فالقاضی ینصب وصیا ینزع مال ابنہ عن یدہ ویحفظ یعنی ولوالجیہ اور خلاصہ میں ہے اگر باپ مبذر اور متلف ہو جو صغیر کا مال تلف کرتا ہو تو قاضی کو چاہیے کہ وصی مقرر کرے جو جائداد کی حفاظت کرے اور باپ کے ہاتھ سے مال نکال لے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال مسماۃ اشرف النسا نابالغہ نا کتخدا ہے اور اسکے ماں باپ بھائی بہن دادا دادی نانا نانی خالو خالہ پھوپھا پھوپھی کوئی نہیں ہے مگر محمد حسین اور احمد حسین دو حقیقی ماموں اور مسماۃ صغری ایسی پھوپھی جسکا دادا اور اشرف النسا کے باپ کا دادا دونوں حقیقی بھائی تھے اور صغری کا لڑکا عزیز الدین جو اشرف النسا کی علاتی ہمشیر متوفی کا شوہر ہے اور اسی علاتی ہمشیر متوفی کا نابالغ پسر محمد اسحاق اور چند عصبہ اشرف النسا کے یعنے جد الجد کے جد کی پوتی کی پوتی کا لڑکا موجود ہے اس صورت میں اشرف النسا کے نکاح کا ولی کون ہے پھر وہ ولی اگر اس کا نکاح کسی بالغ یا نابالغ کیساتھ پڑھدے تو اشرف النسا کی پرورش اور اسکے مال کی حفاظت و انتظام کس مدت تک کون کریگا وہی پھوپھی یا ماموں یا عصبہ مذکورین یا اشرف النسا کا بالغ شوہر یا عزیز الدین یا کوئی اور اور جب پرورش اور حفاظت اور انتظام مال کی وہ مدت ختم ہو جائے تو اسکے بالغ ہونے تک کون کریگا **جواب** اشرف النسا کے نکاح کا ولی اسکا عصبہ ہوگا در مختار میں ہے الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ وھو من یتصل بالمیت بنفسہ بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم للبنت ثم لبنت الابن ثم لبنت البنت ثم لبنت ابن الابن ثم لبنت

بنت البنت وھکذا ثم للجد الفاسد ثم للاخت لاب وام ثم لاب ثم لولد الام ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال ثم الخالات ثم بنات الاعمام بھذا الترتیب واولادھم یعنے نکاح میں ولی عصبہ بنفسہ ہے یعنی حسب میت سے بلاواسطہ کسی عورت کے قریب ہو بترتیب ارث وحجب اور اگر عصبہ نہو تو ماں کو ولایت ہے پھر لڑکی کو پھر پوتی کو پھر نواسی کو پھر پوتے کی لڑکی کو پھر نواسی کی لڑکی کو وہکذا پھر نانا کو پھر حقیقی بہن کو پھر اخت لاب کو پھر ماں کی اولاد کو پھر ذوی الارحام میں سے پھوپھیوں کو پھر ماموں کو پھر خالاؤں کو پھر چچا کی لڑکیوں کو پھر اسی ترتیب سے اُن سب کی اولاد۔ اور مال کے انتظام کے متعلق رد المحتار میں ہے الولی فیہ الاب وصیہ والجد وصیہ القاضی نائبہ فقط یعنی اس باب میں ولی باپ ہے اور اسکا وصی اور دادا اور اُسکا وصی اور قاضی اور اسکا نائب۔ اور عالمگیری میں ہے نفقۃ الصبی بعد الفطام اذا کان لہ مال فی مالہ ھکذا فی المحیط یعنے لڑکے کا نفقہ دودھ چھوٹنے کے بعد اگر اُسکا مال ہو تو خود اُسکے مال سے دیا جائیگا یہ محیط میں ہے۔ اور بھی اسی میں ہے وان کان المیت ترک اموالا وترک اولادا صغارا کانت نفقۃ الاولاد من انصبائھم وکذا کل من یکون وارثا فنفقتہ فی نصیبہ وبعد ھذا ینظر ان کان المیت قد اوصی الی رجل فالوصی ینفق علی الصغار من انصبائھم وان کان لم یوص الی احد فالقاضی یفرض لکل واحد من الصغار فی نصیبہ بقدر ما یحتاج الیہ من النفقۃ علی قدر سعۃ اموالھم وضیقھا یعنے اگر میت نے مال اور صغیر اولاد چھوڑی ہو تو اُسکی اولاد کا نفقہ اُن کے حصوں میں سے دیا جائیگا اسی طرح ہر وارث کا نفقہ اُسکے حصہ میں سے دیا جائیگا اسکے بعد دیکھا جائیگا اگر میت نے کسی کے لئے وصیت کی ہے تو وصی ورثا کے حصوں میں سے اُن کے اوپر خرچ کرے ورنہ قاضی ہر ایک کے لئے اُسکے حصے میں سے بقدر ضرورت نفقہ کے لئے مقرر کردے اور اسکا اندازہ کرے کہ وہ خوشحال ہیں یا تنگ حال۔ پس صورت مسئولہ میں اشرف النسا کے نکاح کا متولی عصبہ ہوگا اور تا بلوغ اسکی پرورش اور صرف اور خرچ اُسی کے حصّے سے دیا جائیگا اور مال کی حفاظت اور اُسکا انتظام باپ یا دادا کے وصی کے متعلق رہیگا اگر پدر نے یا پدر پدر نے وصی کیا ہو اور اگر باپ یا دادا نے کسیکو وصی نہیں کیا ہے تو قاضی یا نائب قاضی کے متعلق رہیگا اور بلوغ کے بعد وہ مال اُسکے سپرد کردیا جائیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی **سوال** ہندہ مادر زید نے زید کی نابالغی کے زمانے میں بحیثیت ولایت زید کے

لئے موضع احمد آباد کو ساٹھ ہزار روپیہ دیکر بکر سے اکتوبر ۱۸۷۱ء میں خرید اور منجملہ زر ثمن کے بیس ہزار روپیہ ذات خاص نابالغ سے اور چالیس ہزار مسمی ولید مہاجن سے قرض لیکر زر ثمن ادا کیا اور چالیس ہزار روپے کے عوض میں موضع احمد آباد کو مہاجن مذکور کے پاس رہن بالوفا کر دیا اور رہن نامہ میں ایک قسم کا تاوان سالانہ تعدادی پانچسو روپیہ ولید کے لئے لکھدیا پھر ہندہ والدہ نابالغ نے لغایت ۱۴ فروری ۱۸۷۲ء وقتاً فوقتاً بابت قرضہ مزید و تاوان مندرجہ دستاویز مورخہ ۲ جنوری ۱۸۷۲ء جوڑ کر ایک دستاویز زر مزید بابت آٹھ ہزار روپیہ کے علاوہ دستاویز چالیس ہزار روپیہ کی ولید کے نام لکھدی اور اسکا بار موضع احمد آباد پر بشرائط رہن بیع بالوفا عائد کیا زید نابالغ ستمبر ۱۸۷۷ء کو بالغ ہوا اور اپنی ماں کی خریداری کو زید نے منظور کیا لیکن زید دعویدار ہو کر یہ بات ثابت کرتا ہے کہ پہلے جو چالیس ہزار روپیہ ہندہ نے قرض لیکر زر ثمن ادا کیا اسکے لینے کی اس وجہ سے ضرورت تھی کہ زید کی دوسری جائداد موجود تھی ادائے زر ثمن میں دوسری جائداد کو صرف کرنا چاہیئے تھا دوسرے اگر قرض لینے کی ضرورت تھی تو بوجہ اسکے کہ فعل ہندہ کا ایسا نہیں ہے جو ایک ہوشیار شخص اپنی ذات اور جائداد کے لئے کرتا تیسرے آٹھ ہزار روپیہ چالیس ہزار روپیہ کے علاوہ جو ہندہ نے احمد آباد پر بربنائے دستاویز ثانی عائد کیا ہے اسکے لینے کی کوئی ضرورت نتھی اور نہ نابالغ اور اسکی جائداد کو اس سے فائدہ ہوا بلکہ صریحی اُسکی جائداد کو نقصان پہونچا پس سوال یہ ہے کہ زید کا دعوی بہ نسبت بطلان دستاویز زر قرضہ چالیس ہزار روپیہ کے شرعاً جائز ہے یا نہیں اور آٹھ ہزار روپیہ والی دوسری دستاویز کی پابندی زید پر لازم ہے یا نہیں یا یہ کہ اگرچہ بلا ضرورت و بلا فائدہ ذات و جائداد نابالغ بوجہ اسکے کہ فعل خریداری مادر اپنی کو تسلیم و منظور کیا ہے لہذا اس فعل کو بھی جو مادر زید نے بعد بیعنامہ یا وقت بیعنامہ کے خود قرضدار احمد آباد پر عائد کیا ہے زید اس سے شرعاً انکار نہیں کر سکتا اور شرعاً ایسا فعل مادر زید کا زید کو پابند کرتا ہے یا نہیں بینوا بالکتاب توجروا بالحساب

جواب تصرفات مالیہ میں جیسے رہن اجارہ و استدانہ بیع شراء مال طفل میں ماں کو ولایت حاصل نہیں ہے اور طفل کو انکا مان لینا ضروری نہیں مگر یہ کہ بعد بلوغ اُسکے تصرفات کی اجازت دے جامع الفصولین میں ہے الولایۃ فی مال الصغیر الی الاب و صیہ ثم وصی وصیہ ولو بعد فلو مات ابوہ ولم یوص فالولایۃ الی اب الاب ثم وصیہ ثم الی وصی وصیہ فان لم یکن فالقاضی و من نصبہ القاضی یعنے مال صغیر میں ولایت باپ کو ہے اور اُسکے وصی کو پھر اُسکے وصی کے وصی کو و ہکذا پس

اگر باپ بغیر وصی کیے مر گیا تو اُسکے دادا اور دادا کے وصی کو اور دادا کے وصی کے وصی کو ولایت ہے اور اگر یہ بھی نہوں تو قاضی کو ولایت ہے اور اُسکے جسے وصی کیا ہو۔ اور عالمگیری میں ہے الام اذا رھنت مال طفلھا فانہ لا یجوز الا ان تکون وصیۃ او تکون ماذونۃ من جھۃ من یلی الطفل یعنے ماں اپنے لڑکے کے مال کو رہن نہیں کر سکتی لیکن جبکہ وہ وصی ہو یا لڑکے کے ولی نے اسکو اجازت دیدی ہو پس صورت مسئولہ میں زید پر بوجہ خریداری کے تسلیم دستاویز قرضہ رہن لازم نہیں اور ماں کے فعل کا اسپر الزام نہیں ہو سکتا حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** زید کے نام سلطان یا اُسکے نائب نے کچھ سالانہ وظیفہ بزرگان دین کی نذر و نیاز کے لئے مقرر کیا زید کی وفات کے بعد اُسکے بڑے بیٹے بکر کے نام وہ خدمت مقرر ہوئی اسیطرح وہ وظیفہ اکبر اولاد میں بکر کے پوتے خالد تک جاری رہا خالد کے مرنے کے بعد باوجودیکہ اُسکا بیٹا محمود موجود ہے اُسکے چچازاد بھائی کا بیٹا مسمٰی عمرو جبراً خدمت مذکورہ پر قابض ہو گیا تو اب شرعاً حق خدمت کس کو ہے چچا ہے محمود کو جو زید کا بڑا بیٹا ہے یا عمرو کو جابر کو پس اسکا حقدار محمود ہے یا عمرو **جواب** خدمت مذکورہ کا حقدار شرعاً اور عرفاً محمود ہے نہ عمرو۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے اذا مات من لہ وظیفۃ فی بیت المال لحق الشرع واعزاز الاسلام وللمیت ابناء یراعون ویقیمون حق الشرع کما یراعی ویقیم الاب فللامام ان یعطے وظیفۃ الاب لابناء المیت لا لغیرھم لحصول مقصود الشرع وانجبار کسر قلوبھم یعنے جسے بیت المال سے حق شرع یا اعزاز اسلامی کیوجہ سے وظیفہ ملتا ہو اگر وہ مرجائے اور اُسکے لڑکے ہوں جو باپ کی طرح رعایت اور اقامت حقوق شرعی کے کرتے ہوں تو امام کو باپ کا وظیفہ ابنائے میت کو دینا چاہیے نہ کسی اور کو تاکہ مقصود شرع حاصل ہو اور باپ کے مرنے سے جو اُنکے قلوب شکستہ ہو گئے ہیں اُنکو تسکین ہو۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابو الحسنات محمد عبد الحی |

باب الحلف

سوال۔ قرآن شریف کی قسم کھانا شرعی قسم ہے یا نہیں **جواب** قرآن شریف کی قسم کھانا اگرچہ بعضوں کے نزدیک قسم ہوتی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے لیکن ارباب متون نے اس کو قسم نہیں مانا ہے۔ وقایہ میں ہے لا بغیر اللہ کالنبی والقرآن والکعبۃ یعنی نہ خدا کے سوا کسی اور کی قسم

جیسے نبی اور قرآن اور کعبہ۔ اور عالمگیری میں ہو وقال محمد فی الاصل لو قال والقران لا یکون یمینا ذکرہ مطلقا یعنے امام محمد رحمہ اللہ نے اصل میں کہا ہو کہ اگر (والقران) کہا تو قسم نہوگی اسے انھوں نے مطلق ذکر کیا ہو **سوال** جب کوئی شخص کہے اگر میں ایسا کام کروں تو مجھپر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دے یا دوزخ میں ڈالدے بس یہ قول یمین ہو یا نہیں **جواب** نہیں جیسا کہ مبسوط میں ہے **سوال** اگر کسی نے خدا کی قسم کھا کے کہا کہ فلاں آدمی کو میں سبق نہ پڑھاؤں گا اور تعلیم خیر نہ دونگا تو کیا کرے **جواب** قسم کے خلاف کرے اور تعلیم خیر دے اور کفارہ دے بخاری اور مسلم میں ہو اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا منھا فکفر عن یمینک وات بالذی ھو خیر یعنے جب تم کسی بات کی قسم کھاؤ اور اسکے خلاف کو اچھا جانو تو اپنی قسم کا کفارہ دو اور جو بہتر ہو وہی کرو **سوال** اگر قسم کھائی کہ میں زید کے گھر میں قدم نہ رکھوں گا اور لیٹ کر زید کے گھر میں پاؤں پھیلائے تو حانث ہوگا یا نہیں **جواب** زید کے گھر میں داخل ہونیسے حانث ہوگا نہ قدم رکھنے سے درمختار میں ہو لا یضع قدمہ فی دار فلان حنث بدخولھا مطلقا ولو حافیا او راکبا لما تقرر ان الحقیقۃ متی کانت متعذرۃ او مھجورۃ صیر الی المجاز حتی لو اضطجع ووضع قدمیہ لم یحنث یعنے اگر قسم کھائی کہ میں فلاں کے گھر میں قدم نہ رکھونگا تو مطلق دخول سے حانث ہوگا چاہے ننگے پاؤں جائے چاہے سوار ہو کیونکہ یہ بات معلوم ہو کہ جب حقیقت دشوار یا متروک ہوتی ہو تو معنے مجازی مراد ہوتے ہیں حتی کہ اگر لیٹ کر اپنے دونوں پاؤں اُسکے گھر کے اندر پھیلائے تو حانث نہ ہوگا۔
سوال غیر خدا کی قسم کھانا درست ہو یا نہیں **جواب** نہیں ہدایہ میں ہو فالیمین باللہ دون غیرہ یعنی یمین خدا کیساتھ خاص ہو دوسرے کیساتھ نہیں **سوال** اللہ کے اوصاف کے ساتھ جیسے معذب الکاذبین اور عالم الغیب والشہادۃ یمین کی تاکید کرنا جائز ہو یا نہیں **جواب** جائز ہو ہدایہ میں ہو لو کن بذکر اوصاف۔ وھو التغلیظ یعنے قسم کی تاکید اوصاف کے ذکر سے ہوتی ہو اسکو تغلیظ کہتے ہیں **سوال** تغلیظ کے وقت اُس خاص انجیل کیطرف جو نصاریٰ کے ہاتھ یا اُس توریت کیطرف جو یہود کے ہاتھ میں رہگئی ہو اشارہ کرنا چاہیے یا نہیں **جواب** نہیں عالمگیری میں ہو ولا یحلف بالاشارۃ الی مصحف معین بان یقول باللہ الذی انزل ھذا الانجیل وھذہ التوراۃ لانہ ثبت تحریف بعضھا فلا یؤمن ان یقع الاشارۃ الی المحرف فیکون التحلیف بہ تغلیظا بالیس

ابکلام اللہ عزوجل ھکذا فی البدائع یعنے مصحف معین کی جانب اشارہ کرکے قسم کھائے مثلاً اُس خدا کی قسم جس نے یہ انجیل نازل کی یا یہ توارت نازل کی کیونکہ بعض آیات کی تحریف ثابت ہی اسلئے مصحف کیجانب اشارہ ہوجانا ممکن ہی تو قسم کی تغلیظ اُس سے ہوگی جو خدا کا کلام نہیں ہر جیسا کہ بدائع میں ہی **سوال** مدعی نے گواہ پیش کیے جنسے اُسکا دعویٰ ثابت نہو سکا پھر اور گواہ لانیسے عاجز ہوکر مدعی علیہ سے حلف چاہتا ہی تو اُسکو حلف یعنے کا حق ہی یا نہیں **جواب** ہی۔ ہدایہ میں ہی وان عجز عن ذلک وطلب یمین خصمہ ستحلف علیہا یعنے اگر بینہ قائم کرنیسے عاجز ہو اور خصم سے یمین کا طالب ہے تو وہ اُس سے حلف لے سکتا ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** قسم کا کفارہ کیا ہے **جواب** ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا ہر ایک کو اسقدر کہ اکثر بدن مسکین ڈھک جائے اور اگر ان تینوں سے عاجز ہو تو تین روزے پے در پے رکھے اسیطرح نقایہ میں ہے۔

کتاب الوقف

سوال کسی والی ملک نے ایک گانوں حضرت شیخ مخدوم عطاء اللہ حسینی قدس سرہٗ کے مزار کے اخراجات مثلاً عود اور پھول اور عرس اور فقراء کی مدد کے لئے موصوف کی اولاد اکبر کے نام جاری کیا اور وقف نامہ میں لکھا ہی کہ ہمیشہ یہ گانوں اولاد اکبر کے قبضہ میں ہیگا اب تک ایسا ہی ہوتا چلا آیا کہ اسکی آمدنی میں سے نہ اولاد اصغر کو کچھ ملا نہ لڑکیوں کو اب عمرو کا چھوٹا بھائی بکر اور اُسکے دیکھا دیکھی چار بہنیں بھی یہ چاہتیں ہیں کہ اُس میں ہمکو شرعی حصہ دیا جائے تو ازروئے شرع شریف اُس مال میں جو خرچ عود و پھول وغیرہ کے لئے دیا گیا ہی بھائی اور بہنوں کا ترکہ جاری ہی یا نہیں اور عبارت سند اسطرح پر ہی کہ موضع شیخو پور بموجب فرمان بیشین خدمت تولیت و سجادہ نشینی روضہ منورۂ بزرگ موصوف یعنے اسکے مزار کے اخراجات کے لئے حسب دستور مقرر کیا اور فلاں شخص کے نام اسکی ولایت لکھدی **جواب** یہ گانوں وقف ہی عمرو کی ملک نہیں ہی بلکہ عمرو والی ملک کیطرف سے فقط اسکا متولی ہی اور کتب فقہ میں اسکی صراحت موجود ہی کہ واقف کو اختیار ہے جسے چاہے

متولی کرے پس بکر اور اسکی بہنوں کا دعوی غلط ہے انکو کچھ نہ ملیگا واللہ اعلم کتبہ محمد عبدالحی عفی اللہ عنہ

سوال ایک پرانی بڑی مسجد کسی امیر کی بنوائی ہوئی ہے اور اسکے نیچے دوکانیں ہیں جن پر چند آدمی قابض ہیں اور کوئی اسکا بالمعائنہ گواہ موجود نہیں ہے کہ یہ دوکانیں صرف مسجد کے لئے وقف ہیں پس کیا شہادت بالتسامع اس باب میں کافی ہوگی **جواب** شہادت بالشہرت بالتسامع بغیر کسیکے دعوے کے اثبات وقف کے لئے کافی ہے فی الھندیۃ الشھادۃ علی الوقف بالشھرۃ تجوز وکذا الشھادۃ بالتسامع فلو انھما شھدا بالتسامع وقالا نشھد بالتسامع تقبل شھادتھما وان صرحا به لان الشاھد ربما یکون سنہ عشرین سنۃ وتاریخ الوقف مائۃ سنۃ فیتیقن القاضی ان الشاھد یشھد بالتسامع فاذن لا فرق بین السکوت والافصاح انتھی وفی وقف الدر المختار الشھادۃ بالشھرۃ لاثبات اصلہ وان صرحوا به ای بالتسامع فی المختار حفظا للاوقاف القدیمۃ عن الاستھلاک بخلاف غیرہ انتھی وفی شھادات لا یشھد احد بما لم یعاینہ بالاجماع الا فی النسب والموت والنکاح والدخول بزوجۃ وولایۃ القاضی واصل الوقف انتھی وفی الھدایۃ اما الوقف فالصحیح انہ تقبل الشھادۃ بالتسامع فی اصلہ دون شرائطہ لان اصلہ ھو الذی یشتھر انتھی وھذا استحسان والقیاس ان لا تجوز لان الشھادۃ مشتقۃ من المشاھدۃ وذلک بالعلم ولم یحصل فصار کالبیع وجہ الاستحسان ان ھذہ امور تختص بمعاینۃ اسبابہا خواص من الناس ویتعلق بھا احکام تبقی علی انقضاء القرون فلو لم تقبل فیھا الشھادۃ بالتسامع ادی ذلک الی تعطیل الاحکام وفی الاشباہ وحاشیتہ للحموی تقبل الشھادۃ حسبۃ بلا دعوی یعنی ویقضی بھا فی طلاق المرأۃ وعتق الامۃ والوقف یعنی ہندیہ میں ہے وقف پر شہادت بالشہرۃ اور شہادت بالتسامع جائز ہے پس اگر دو آدمیوں نے شہادت بالتسامع دی تو وہ مقبول ہوگی گر اس امر کی تصریح کردیں کہ ہم شہادت بالتسامع دیتے ہیں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاہد کی عمر بیس برس کی ہوتی ہے اور وقف کی تاریخ سو سال پہلے ہوتی ہے تو قاضی کو خود ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ شہادت بالتسامع ہے لہذا سکوت اور اظہار میں کچھ فرق نہیں ہے انتہی اور در مختار باب الوقف میں ہے شہادت بالشہرۃ سے اصل وقف پر مذہب مختار ثابت ہوجاتا ہے اگرچہ شاہد تسامع کی تصریح کرے اسکا منشا یہ ہے کہ اوقاف قدیمہ ہلاک ہونے پائیں بر خلاف دوسری چیزوں کے انتہی اور در مختار کے باب الشہادات میں ہے بغیر دیکھے معاملہ کی شہادت بالاجماع مانی نہ جائیگی مگر نسب اور موت اور نکاح میں اور زوجہ کیساتھ

وٹی میں اور ولایت قاضی میں اور اصل وقف میں اور ہدایہ میں ہے صحیح یہ ہے کہ وقف میں شہادت بالتسامع مقبول ہے اصل وقف کے معاملہ میں نہ کہ شرائط وقف میں کیونکہ اصل وقف عام طور پر مشہور ہوتا ہے انتہی یہ استحسان ہے اور قیاس کا مقتضے یہ ہے کہ ایسی شہادت نہ مانی جائے کیونکہ شہادت مشاہدہ سے مشتق ہے اور وہ علم سے حاصل ہوتا ہے جو یہاں حاصل نہیں ہوا پس مثل بیع کے ہوگا اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ان امور کے اسباب کا معائنہ خواص کرتے ہیں اور اُنسے جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ صدیوں تک باقی رہتے ہیں پس اگر انمیں شہادت بالتسامع مقبول نہو تو احکام میں تغیر کرنا پڑیگا اشباہ میں اور حموی نے اسکے حاشیہ میں لکھا ہے شہادت بلا دعوے کے مقبول ہے یعنی طلاق اور لونڈی کی آزادی اور وقف میں اسی پر حکم دیا جائیگا۔ اور اگر شہادت بالتسامع نہو تو عرف کے لحاظ سے دُکانوں کے وقف کا فتوے دیا جائیگا کیونکہ واقف کے نصوص نصوص شارع کے موافق ہوتے ہیں اور جب عدم نص شارع کی صورت میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے تو عدم نص واقف کی صورت میں بھی عرف کا اعتبار کیا جائیگا ورنہ بہت سے اوقاف قدیمہ باطل ہوجائیں گے اور رواج و عرف یہ ہے کہ جب واقف مسجد بناتا ہے تو دو کانیں وغیرہ بھی مصالح مسجد کے لئے بناتا ہے خصوصًا جبکہ بڑی مسجد اور کوئی امیر یا نواب بنواتا ہے۔ اشباہ میں ہے نصوص الواقف کنصوص من الشارع وفی ما لا نص فیہ من الاحوال لا روایۃ یعتبر فیہ العرف ولا خصوصیۃ للربوا وانما العرف غیرہ معتبر فی المنصوص علیہ یعنی نصوص واقف ویسے ہی ہیں جیسے نصوص شارع اور جہاں نص نہو وہاں عرف کا اعتبار ہے اور منصوص علیہ امور میں البتہ عرف غیر معتبر ہے انتہی اور جب دُکانوں کا وقف ثابت ہوگیا تو اُسکی تملیک بطریق بیع ہو یا بطریق ہبہ یا بطریق رہن جائز نہوگی۔ درمختار میں ہے فاذا تم ولزم لا یملک ولا یُملک ولا یعار ولا یرھن یعنے جب وقف تمام اور لازم ہوجائے تو اُسکا کوئی مالک نہیں ہوتا اور نہ اُسکی بیع درست ہے نہ عاریۃً دینا نہ رہن رکھنا واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد بشیر عفی عنہ **ہو الموفق للصواب** اگر شہادت بالمعائنہ نہو تو شہادت بالتسامع کافی ہے۔ درمختار میں ہے والذی تقبل فیہ الشہادۃ حسبۃ بدون الدعوی اربعۃ عشر منہا الوقف علی ما فی الاشباہ وتقبل فیہ الشہادۃ علی الشہادۃ والشہادۃ بالتسامع الرجال والنساء والشہرۃ لاثبات اصلہ وان صرحوا بہ ای بالسماع علی المختار والوقف علی معینین یعنی جن چیزوں میں بلا دعوے شہادت مقبول ہوتی ہے چودہ ہیں اُنمیں سے وقف بھی ہے جیسا کہ اشباہ میں ہے اور اس میں شہادت

پر شہادت اور مردوں کیساتھ عورتوں کی شہادت اور اصل وقف کے اثبات کے لئے شہادت بالشہرۃ بھی مقبول ہوتی ہے اگرچہ شاہد سماع کی تصریح کردے بر مذہب مختار اگرچہ وقف معین لوگوں پر ہو واللہ اعلم کتبہ محمد عبد اللہ الحسینی البلگرامی۔ قد اصاب المجیب بما اجاب حررہ العبد المفتقر الی اللہ محمد عظیم اللہ عفی عنہ ہو المصوب واقعی شہادت بالشہرۃ اور شہادت پر شہادت اور شہادت بالتسامع کا جواز اصل وقف کے ثبوت کے لئے کتب معتبرۂ فقہ سے ثابت ہے عالمگیری میں ہے تقبل الشہادۃ علی الشہادۃ فی الوقف وکذا شہادۃ النساء مع الرجال کذا فی الظہیریۃ وکذا الشہادۃ بالتسامع فلو انہما شہدا بالتسامع وقالا نشہد بالتسامع تقبل ان صح جاب۔ انتہی یعنے وقف میں شہادت پر شہادت مقبول ہے اور اسیطرح مردوں کیساتھ عورتوں کی شہادت بھی مقبول ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے اور ایسا ہی حال شہادت بالتسامع کا ہے پس اگر دو آدمیوں نے شہادت بالتسامع دی اور کہا کہ ہم شہادت بالتسامع دیتے ہیں تو یہ شہادت مقبول ہوگی اگرچہ انھوں نے شہادت تسامع کی تصریح کردی موجب ثبوت وقف کے لئے شہادت بالتسامع کافی ہوتی اور وقف ثابت ہوگیا تو دکانوں کو بھی بانی مسجد یا اُسکے ورثا یا کوئی دوسرا شخص بیع یا ہبہ یا رہن وغیرہ نہیں کرسکتا صاحب ردالمحتار لا یملک کے تحت میں لکھتے ہیں ای لا یکون مملوکا لصاحبہ یعنے وہ مال صاحب مال کی ملک میں نہیں رہتا اور لا یملک کے تحت میں لکھتے ہیں ای لا یقبل التملیک لغیرہ کالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ یعنے اور نہ صاحب مال اسکا کسیکو مالک بنا سکتا ہے بیع وغیرہ کے ذریعے سے کیونکہ جو چیز خود اسکی ملک سے خارج ہے دوسرے کو اسکا مالک کیونکر بنا سکتا ہے۔ واللہ اعلم حررہ الخامل محمد عادل عاملہ اللہ بفضلہ الشامل وجعلہ من الآمنین یوم الرجفۃ الزلازل ہو المصوب وقف میں شہادت بالتسامع اور شہادت بالشہرۃ مقبول ہے ذخیرہ میں ہے تقبل الشہادۃ علی الشہادۃ وکذا الشہادۃ بالتسامع من الرجال یعنے شہادت پر شہادت مقبول ہے اور اسیطرح مردوں سے جو شہادت بالتسامع ہو مقبول ہے۔ اور اسی کتاب میں ہے وتقبل الشہادۃ علی اصل الوقف بالشہرۃ یعنی اصل وقف میں شہادت بالشہرۃ مانی جاتی ہے۔ اور خزانۃ المفتیین میں ہے لو شہدا بالتسامع وصحابہ تقبل شہادتہما یعنی اگر دو آدمیوں نے شہادت بالتسامع دی اور اسکی تصریح بھی کردی تو دونوں کی شہادت مانی جائیگی۔ اور عرفاً

ایسی دکانیں مصالح مسجد کے لئے وقف ہی ہوا کرتی ہیں اور عرف مثل نص کے ہے شرح اشباہ میں مبسوط سے نقل کیا ہے لان الثابت بالعرف کالثابت بالنص اس لئے کہ جو عرفاً ثابت ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے نص سے ثابت ہو۔ اور ذخیرہ میں ہے اذا قال ارضی ھذہ للسبیل و لو یزد علیہ فان کان ھذا وقفا فی عرفھم وقف یعنی اگر کہا کہ میری یہ زمین راستہ کے لئے ہے اور اسکے سوا کچھ نہیں کہا تو اگر یہ الفاظ عرف عام میں وقف کے ہوں گے تو وقف ثابت ہو جائیگا۔ واللہ اعلم کتبہ محمد بشیر الدین ہو المصوب

اس میں کوئی شک نہیں کہ اثبات وقف کے لئے شہادت بالتسامع معتبر ہے اور جب شہادت بالعیان نہو تو یہ شہادت کافی ہو جائے گی فی جامع المضمرات فی النصاب ھل یجوز الشھادۃ علی الشھادۃ و بالتسامع المختار انہ یجوز فانہ لو لم یجز لادی ذلک الی استھلاک الاوقاف القدیمۃ و بہ اخذ الفقیہ ابو اللیث حتی استولی علی الوقف ظالم و انکر الوقف کان لاھل القریۃ ان یشھدوا بذلک انتھی و فی الفتاوی الخیریۃ و قد ذکر فی جامع الفصولین رامزا للعدۃ ینبغی ان یقبل فی الشھادۃ بالتسامع لو کان قدیما وقف مشھور قدیم لا یعرف واقفہ استولی علیہ ظالم فادعی المتولی انہ وقف علی کذا مشھورا و شھد کذلک فالمختار انہ یجوز انتھی و فی الکفایۃ قال الامام ظھیر الدین لابد من بیان الجھۃ بان تبین ان ھذا وقف علی المسجد و المقبرۃ او نحو ذلک حتی لو لم یذکر ذلک لم تقبل و تاویل قولھم لا تقبل الشھادۃ علی شرط الوقف انھم بعد ما شھدوا ان ھذا وقف علی فلان لا ینبغی لھم ان یشھدوا ابتداء من علتہ کذا و کذا انتھی نصاب میں ہے کہ شہادت علی الشہادۃ اور شہادت بالتسامع بر مذہب مختار جائز ہے کیونکہ اگر جائز نہو گی تو اوقاف قدیمہ ہلاک ہو جائیں گے اسکو فقیہ ابو اللیث نے لیا ہے حتی کہ اگر وقف پر کوئی ظالم متولی ہو اور وقف کا انکار کرے تو اہل قریہ کو وقف کی شہادت کا حق ہے اھ اور صاحب فتاوے خیریہ نے جامع الفصولین سے نقل کیا ہے کہ اگر وقف قدیم ہو تو شہادت بالتسامع کو مقبول ہونا چاہیئے ایک وقف مشہور قدیم ہے جسکا واقف معلوم نہیں اسپر کسی ظالم نے قبضہ کر لیا تو متولی نے دعوی کیا کہ یہ فلاں کام کے لئے وقف ہے اور یہ بات مشہور ہے یا اسپر شہادت دلوائی تو بر مذہب مختار یہ دعوی جائز ہوگا اور کفایہ میں ہے امام ظہیر الدین نے کہا ہے کہ بیان جہت ضروری ہے یعنی یہ بیان کر دینا کہ یہ مسجد یا مقبرہ یا کسی اور چیز پر وقف کیا گیا تھا حتی کہ اگر یہ نہیں بتایا تو شہادت مقبول نہو گی اور یہ جو کہا گیا ہے کہ شرط وقف پر شہادت مقبول

نہیں ہے اُسکی تاویل یہ ہے کہ جب اس بات کی شہادت دیدیں کہ یہ مال فلاں بات کے لئے وقف کیا گیا ہے تو پھر اسکی ضرورت نہیں ہے کہ شہادت کو نئے سرے سے شروع کریں کہ اسکی علت یہ تھی اور یہ تھی۔ اور جب اثبات وقف کیلئے شہادت بالتسامع کافی ہوئی تو اسکے بعد اُن دُکانوں کی بیع یا ہبہ وغیرہ ناجائز ہے شیخ الاسلام بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اذا صح الوقف لا یصح تملیکہ ولا بیعہ لما ذکر فی اول الکتب من قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لعمر تصدق باصلہا لا تباع ولا توھب ولا تورث یعنے جب وقف صحیح ہو جائے تو اُسکی تملیک و بیع درست نہیں ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے کہ اسکی اصل کو تصدق کردو کیونکہ نہ اسکی بیع درست ہے نہ ہبہ نہ اس میں وراثت ہے یہ خلاصہ مضمون ختم ہوا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** وقف کی املاک کسی کی ملک ہے یا نہیں اور اسمیں کوئی تصرف کرسکتا ہے یا نہیں **جواب** کسی کی ملک نہیں ہے مشہور ہے کہ الوقف لا یملک واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفر لہ اللہ الاحد **صح الجواب** جوہرہ میں ہے قال ابو یوسف و محمد الوقف عبارۃ عن حبس العین علی ملک اللہ علی وجہ تصل النفعۃ الی العباد فیزول ملک الواقف عنہ الی اللہ فیلزم و لا یباع ولا یوھب ولا یرتھن و لا یورث یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ وقف کسی چیز کو خدا کی ملک میں کر دینا ہے کہ اُس سے بندوں کو منفعت پہونچے پس وہ چیز واقف کی ملک میں نہیں رہتی بلکہ خدا کی ملک ہو جاتی ہے کہ نہ اسکی بیع درست ہے نہ ہبہ نہ رہن نہ اُسمیں وراثت ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال مثلاً زید نے کسی قدر روپیہ حسبۃً للہ ایک مسلمان کی دُکان میں اس غرض سے جمع کرادیا کہ اُس سے تجارت کا کاروبار ہو اور اُسکی اصل یا منافع سے مدرسۂ اسلامیہ کا جو فلاں جامع مسجد میں ہے خرچ چلتا رہے اور اس مضمون کا ایک وصیت نامہ بھی لکھکر چند اشخاص اہل اسلام کو جنکے مشورے سے مہمات مسجد مذکور مع چند دیگر مساجد کے انجام پاتے تھے اور منجملہ اُن اشخاص کے زید خود بھی تھا اس وصیت کے انصرام کے لئے مقرر کیا اور یہ اشخاص ممبران کمیٹی مساجد مذکور کہلاتے تھے بعدہ ممبران کمیٹی بصواب دید کثرت رائے کے اُس مدرسہ کے مدرس عربی کو مع طلبہ اُس مسجد سے اُٹھا کر دوسری مسجد میں لے گئے جسکے مہمات ممبران کمیٹی مذکور کے متعلق نہ تھے بلکہ اُسکے مہمات

صرف خالد کے اہتمام میں تھے جو اس کمیٹی کا افسر تھا مگر نام اُس جز مدرسہ کا جو مسجد آخر الذکر میں اُٹھ گیا وہی مدرسۂ اسلامیہ واقع مسجد اول الذکر قائم رہنے دیا اور ایک مدرس حافظ قرآن مع طلبہ مسجد اول الذکر میں رہنے دیا اور جو چندہ مدرسۂ اسلامیہ واقع مسجد اول الذکر کے نام سے وصول ہوتا تھا اُس سے دونوں مدرسوں کی تنخواہ دیجاتی تھی بعدہٗ زید فوت ہوا اور عمرو بجائے اسکے ممبر اُس کمیٹی کا بمشورہ جملہ ممبران کمیٹی باقی ماندہ کے مقرر ہوا بعدہٗ بکر منجملہ ممبران کمیٹی کے ایک شخص شرکت مجلس شورہ و مساجد مذکورے اور مدرس مذکور مداخلت مسجد مذکور یعنے مداخلت مسجد اول الذکر سے باتفاق جملہ بقیہ ممبران کمیٹی ممنوع کیے گئے مگر خالد افسر کمیٹی نے مسجد آخر الذکر میں اُسکو قائم رہنے دیا اور برخاست نہین کیا اسیوقت مسجد اول الذکر میں دوسرا مدرس عربی مقرر ہوا اور چندہ جو واسطے مدرسہ کے مسلمانوں سے وصول ہوتا تھا متفرق ہوگیا کچھ مسلمان مدرسۂ جدید واقع مسجد اول الذکر میں دینے لگے اور کچھ مسلمان مسجد آخر الذکر میں اور اہتمام دونوں مدارس کا علحدہ ہوگیا مدرسۂ مسجد اول الذکر باہتمام عمرو کے رہا اور مدرسہ آخر الذکر باہتمام بکر کے لیکن مدرس حافظ قرآن کی تنخواہ کسی مصلحت سے مسجد آخر الذکر کے چندہ سے بدستور ملتی تھی بعدہٗ مدرس حافظ قرآن متعینہ مسجد اول الذکر بہ ترک نوکری رخصت ہوے اور بجائے انکے دوسرے حافظ کو مقرر کرنا چاہا لیکن عمرو مہتمم مدرسۂ مسجد اول الذکر نے بنا منظوری اُسکے دوسرا حافظ مقرر کیا الا بکر نے اُسی حافظ کو جسے حافظ معزول نے مقرر کرنا چاہا تھا مسجد آخر الذکر میں مقرر کردیا اور مدرسہ حفظ قرآن وہاں بھی جاری کیا اور تنخواہ مدرس حافظ قرآن متعینہ مسجد اول الذکر کو جو چندہ مسجد آخر الذکر سے ملتا تھا موقوف کردیا اب دونوں مدارس کے چندے اور مصارف بالکل علحدہ ہوگئے ایک کی آمدنی اور مصارف سے دوسرے مدرسہ اور مسجد کو تعلق نہیں ہے پس اب وہ روپیہ جو زید نے واسطے مصارف مدرسہ مسجد جامع یعنی اول الذکر کے دُکان مذکور میں جمع کیا تھا کس مدرسہ کے مصارف میں شرعًا خرچ ہونا واجب ہے آیا ممبران کمیٹی کو صرف کرنا اُس روپیہ کا مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد میں واجب ہے یا مدرسۂ مسجد آخر الذکر میں اور اگر اُس روپیہ سے کوئی جائداد تعمیر ہوئی ہو تو شرعًا اُس کی آمدنی کس مدرسہ میں صرف ہونا چاہیئے اور کس مدرسہ میں صرف ہونے سے وصیت کی تعمیل ہوگی اور کس مدرسہ میں صرف ہونا خلاف تعمیل وصیّت ہے اور اس خلاف تعمیل وصیت سے ممبران کمیٹی جو اوصیا عند اللہ ہیں گنہگار ہونگے یا نہیں **جواب** چونکہ وقف کی شرط لازم العمل

ہے اور صورت سوال میں واقف نے مدرسۂ اسلامیہ واقع مسجد جامع کی تقیید کی ہے لہذا وہ روپیہ مدرسہ مسجد جامع میں صرف ہونا چاہیئے نہ مسجد آخر الذکر کے مدرسہ میں بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے فان قلت اذا کان له درس فی جامع والزم بانیه ان یکون عمله فی مدرسة هل یستحق المعلوم فی المدرسة قلت لا یستحق الا اذا باشر فی المکان المعین بکتاب الوقف لقوله فی شرح المنظومة اما لو شرط الواقف فی ذلک کله شروطا اتبعت یعنی اگر تم یہ کہو کہ جامع مسجد میں درس ہوتا ہو اور بانی مسجد نے یہ ضروری کر دیا ہو کہ اس مدرسہ میں جو کچھ خرچ ہو وہ وقف مسجد سے دیا جائے تو مدرسہ اسکا مستحق نہو گا تاوقتیکہ مقررہ مکان میں نہو جہاں تحریر وقف میں اسکی تصریح کی گئی ہے کیونکہ شرح منظومہ میں ہے اگر واقف نے وقف میں کچھ شرطیں لگائی ہیں تو انپر عمل کیا جائیگا حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر واقف نے کہ خود ہی متولی ہے یوں وقف کیا کہ جو جائداد موجود ہے وہ میں نے وقف کی اور جو جائداد آئندہ زمانہ تولیت میں پیدا کرونگا وہ بھی وقف ہوگی تو کیا بہ نسبت جائداد آئندہ کے وقف حال درست ہوگا یا نہیں **جواب** بہ نسبت جائداد آئندہ کے وقف حال درست نہ ہوگا کیونکہ موقوف کا بوقت وقف مملوک ہونا شرائط وقف سے ہے اور جب وقف کرتے وقت واقف موقوف کا مالک نہیں ہے تو وقف بھی درست نہو گا بحر الرائق میں خانیہ سے نقل کرکے لکھا ہے لو قال اذا ملکت هذه الارض فهی صدقة موقوفة لا یجوز لانه تعلیق والوقف لا یقبل التعلیق یعنی اگر کسی نے کہا جب میں اس زمین کا مالک ہو جاؤں تو یہ صدقہ ہے موقوف ہے تو یہ وقف جائز نہو گا کیونکہ یہ تعلیق ہے اور وقف تعلیق کو قبول نہیں کرتا **سوال** وقف مشاع جائز ہے یا نہیں خواہ حصہ واقف کا دوسرے شریکوں سے علحدہ نہو خواہ قسم موقوفہ درمیان موقوف علیہم کے منقسم اور معین نہو **جواب** وقف مشاع مشترک محتمل القسمة بقول مفتی بہ جائز نہیں ہے بحر الرائق میں ہے الحاصل ان وقف المشا [illegible]

ان کان مما لا یحتمل القسمة جاز اتفاقا والخلاف فیما یحتملها فلا یجوز وقف المشاع عند محمد و یجوز عند ابی یوسف وصرح فی الخلاصة من الاجارة بان الفتوی علی قول محمد فی وقف المشاع وکذا فی البزازیة والولوالجیة وفی شرح المجمع لابن ملک فی التجنیس به یفتی وتبعه فی غایة البیان یعنی حاصل یہ ہے کہ مسجد اور مقبرہ پر وقف مشاع مطلقا جائز نہیں ہے اتفاقا اور انکے علاوہ اگر اشیاء

میں جو محتمل تقسیم نہیں ہیں جائز ہے بالاتفاق اور جو محتمل تقسیم ہیں اُنمیں اختلاف ہے امام محمد رحمہ اللہ
کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے خلاصہ میں اجارہ سے نقل
کیا ہے کہ فتوے امام محمدؒ کے قول پر ہے ایسا ہی بزازیہ اور ولوالجیہ میں ہے اور شرح مجمع میں جو ابن ملک
کی تصنیف ہے اور تجنیس میں ہے کہ اسی پر فتوے ہے اور غایۃ البیان میں اس کی اتباع کی ہے واللہ اعلم
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** اگر واقف نے یوں وقف کیا کہ کسی
حاکم وقت کو اختیار نہوگا کہ اپنی رائے سے کسی دوسرے کو متولی مقرر کرے یا میرے مقرر کیے ہوے
متولیوں کو معزول اور کمی و بیشی کرے یا اُنپر کوئی خیانت کا جرم لگائے تو سوال یہ ہے کہ کیا اسوجہ سے
دست اندازی حاکم یا قاضی کی ممنوع ہوگی اسکا لحاظ رہے کہ موقوف علیہ اور متولی ایک ہی ہو
بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ الجلیل **جواب** اس شرط کی صورت میں قاضی اور حاکم کو دست
اندازی ممنوع ہوگی اور کوئی حاکم تغیر و تبدل نکر سکے گا لیکن اگر متولی کی خیانت صحیح طور سے ثابت
ہوجائے تو اُسوقت حاکم شرع کو تبدیل کا اختیار ہوگا اور شرط وقف کا اعتبار نکیا جائیگا بحر الرائق
شرح کنز الدقائق میں ہے ولایۃ القاضی توخر عن المشروط لہ ووصیہ یعنے قاضی کی ولایت واقف
کے وصی کے رد کرنے کے متعلق زمانی جائی گی اگر واقف نے اپنے وصی کو معزول نہ کرنے کی
شرط کردی ہو اور بھی اسی کتاب میں ہے یعزل القاضی المتولی لو کان خائنا نظرا للموقوف ولا اعتبار
لشرط الواقف ان لا یعزلہ القاضی والسلطان لانہ شرط مخالف بحکم الشرع یعنی قاضی وقف کی
مصلحت کا خیال کرکے متولی خائن کو معزول کردیگا اور اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ قاضی اور
سلطان اُسے معزول نہیں کرسکتے تو اس شرط کا اعتبار نہ کیا جائیگا کیونکہ یہ شرط حکم شرعی کے
مخالف ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** زید نے اپنی جائداد
غیر منقولہ کو عمرو پر وقف کیا اور اُسیکو متولی مقرر کیا اور یہ شرط کی کہ عمرو جسے چاہے موقوف علیہ اور
متولی اپنے بعد کرے تو آیا اس اختیار عطا کردہ واقف سے عمرو دوسرے کو موقوف علیہ اور متولی
کرسکتا ہے یا نہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ موقوف علیہ مالک نہیں ہے اور سوائے مالک کے دوسرا
شخص موقوف علیہ مقرر نہیں کرسکتا گو مالک نے اُسے اختیار دیا ہو بینوا توجروا **جواب** شرط
سے مملوک ہونا موقوف کا واقف کے لیے ہے اور شے موقوف ملک موقوف علیہ میں داخل نہیں

ہوتی جیسا کہ عالمگیری میں ہے واذا اخرج عن ملك الواقف لایدخل فی ملك الموقوف علیہ کذا
فی الکافی وھو المختار کما فی فتح القدیر یعنے جب ملک واقف سے نکلجائے تو موقوف علیہ کی ملک
نہیں ہوتی جیسا کہ کافی میں ہے اور یہی مذہب مختار ہے ایسا ہی فتح القدیر میں ہے انتہی اس لیے موقوف
علیہ کو اختیار وقف موقوف کا نائب حاصل نہیں ہوسکتا اور متولی کرنیکا اسکو اختیار ہے رد المحتار
میں ہے معنی العموم کما فی انفع الوسائل ان ولاہ واقامہ مقام نفسہ وجعل لہ ان یسندہ ویوصی بہ الی
من شاء ففی ھذا الصورۃ یجوز التفویض منہ فی حال الحیوۃ وفی حالۃ المرض المتصل بالموت یعنے
عموم کے معنی جیسا کہ انفع الوسائل میں ہے یہ کہ اُس نے متولی اور اپنا قائم مقام بنایا ہو اور اُسے
جسکو وہ چاہے وصی بنانیکا اختیار دیا ہو ان صورتوں میں وقف کو حالت حیات میں اس شخص
کے سپرد کرنا جائز ہے اسیطرح حالت مرض موت میں۔ اور در مختار میں ہے اراد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ
فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاما صح والا فان فوض فی صحتہ لایصح وان فی
مرض موتہ صح یعنی متولی نے کسی دوسرے کو اپنا قائمقام بنانا چاہا حالت حیات وصحت میں پس
اگر تفویض کسی عام شرط سے ہو تو صحیح ہے ورنہ اگر تفویض حالت صحت میں ہے تو صحیح نہیں ہے اور اگر مرض
موت میں ہے تو صحیح ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی **سوال** وقف
مبیع بیع بالوفا منجانب مشتری درست ہے یا نہیں کیونکہ اسمیں لزوم دوام نہیں ہے جو وقف کے
لئے ضروری ہے اسلئے کہ بائع زر ثمن مثل زر رہن کے دیکر جائداد سے واپس کرسکتا ہے اور ثانیا جائداد
بیع الوفا مشتری کی مملوک نہیں ہے مگر بعض لوگ کہتے ہیں بیع الوفا بحکم بیع ہے اسوجہ سے وقف
جائز ہے بینوا بالکتاب توجروا بیوم الحساب **جواب** بیع بالوفا کے باب میں فقہا کا اختلاف ہے
بعض بیع فاسد اور بعض رہن تجویز کرتے ہیں اور صاحب بحر نے اس میں آٹھ قول نقل کیے
ہیں اور قول ہشتم کے باب میں لکھا ہے الثامن القول الجامع لبعض المحققین انہ فاسد فی
بعض الاحکام حتی ملك کل منھما الفسخ وصحیح فی حق بعض الاحکام کحل الانزال والمنافع
ورھن فی حق البعض حتے لم یملك المشتری بیعہ من اخر ولا رھنہ یعنی آٹھویں بعض محققین
کا جامع قول ہے کہ بیع بالوفا بعض احکام میں فاسد ہے حتی کہ دونوں میں سے ہر ایک کو فسخ کا حق
ہے اور بعض احکام میں صحیح ہے مثلاً منافع کا حلال ہونا اور بعض کے حق میں رہن ہے حتی کہ مشتری

کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرلے اور رہن کرنے کا حق نہیں ہے انتہی۔ اور اسکے بعد لکھتے ہیں ینبغی ان لا یعدل فی الافتاء عن القول الجامع یعنی قول جامع پر فتوے دینے سے عدول نکرنا چاہیے بناء علیہ وقف بیع بزبیع الوفا کا نہ درست ہوگا واللہ تعالے عالم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** ایک قدیم مسجد کی پختہ دیواریں و محراب موجود ہے اور مسلمان محلہ میں آباد ہیں اب اسکی دیواریں گر گئے پانچ سات گز کے فاصلہ پر جدید مسجد بنانا اور مسجد قدیم کا اینٹ چونا مسجد جدید میں لگانا جائز ہے یا نہیں اور مسجد قدیم کی زمین میں نہریں بنانا جائز ہے یا نہیں اور مسجد قدیم جو منہدم کی گئی ہے اسکی اراضی کے لئے کیا حکم ہے **جواب** جو مسجد منہدم ہوجائے اور اسکی تعمیر اور ترمیم نہوسکے اور دوسری مسجد قریب ہولے یا اور کسی وجہ سے اُس مسجد سے استغنا بھی حاصل ہوجائے تو اُسکا اسباب دوسری مسجد میں نقل کرنا بمذہب صحیح و روایات مفتی بہ درست نہیں ہے جیسا کہ فاضل ربانی حسن شرنبلالی رسالہ سعادۃ الساجد بعمارۃ المساجد میں لکھتے ہیں لا یجوز نقل اوقاف المدرسۃ ولا تغییر ما شرط واقفها وکذلک المسجد علی المفتی بہ من المذہب وایضاح ذلک بما قالہ العلامۃ الشیخ زین فی البحر الرائق قال محمد اذا خرب المسجد ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس لبناء مسجد اخر او لخراب القریۃ او لم تخرب لکن خربت بنقل اهلها واستغنوا عنہ فانہ یعود الی ملک الواقف وقال ابو یوسف ہو مسجد ابداً الی قیام الساعۃ لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اخر سواء کان یصلون فیہ او لا یصلون وعلیہ الفتوی کذا فی الحاوی القدسی فی المجتبی واکثر المشائخ علی قول ابی یوسف ورجح فی فتح القدیر قول ابی یوسف یعنی اوقاف مدرسہ کو منتقل کر دینا یا شرط واقف میں کچھ تغیر کرنا جائز نہیں ہے یہی حال مسجد کا ہے اسکی وضاحت بحر الرائق میں علامہ زین نے یوں کی ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب مسجد خراب ہوجائے اور کوئی سامان ایسا نہو کہ اسکی تعمیر کیجاسکے اور دوسری مسجد کی وجہ سے یا مکانوں کے ویران ہوجانے کی وجہ سے اُس مسجد کی ضرورت نرہی ہو یا وہاں کے لوگ کہیں اور چلے گئے ہوں اسوجہ سے اُس مسجد کی ضرورت نرہی ہو تو وہ ملک واقف ہوجاتی ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے تا قیام قیامت کبھی میراث نہوگی اور نہ خود اُسکا یا اُسکے مال کا دوسری مسجد میں منتقل کرنا درست ہے خواہ اُس دوسری مسجد میں لوگ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے

ہوں اسی پر فتوی ہے جیسا کہ حاوی قدسی میں ہے اور مجتبی میں ہے کہ اکثر مشائخ امام ابو یوسف رحمہ اللہ
کے قول پر عمل کرتے ہیں اور فتح القدیر میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور
جب مسجد قدیم کی دیواریں وغیرہ باقی ہیں اور وہ آبادی میں واقع ہے تو ایسی مسجد کو منہدم کرنا اور
اسکا اسباب دوسری مسجد میں منتقل کرنا کسی طرح درست نہیں ہے بلکہ اسکا منہدم کرنیوالا ومن اظلم
ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا کی وعید شدید میں داخل ہوگا اور اسطرح
مسجد قدیم کی زمین کو نہر بنانا بھی جائز نہیں ہے تمام کتب فقہ میں مصرح ہے کہ لا یجوز تغییر شرط الواقف یعنی
واقف کی شرط میں تغیر کرنا درست نہیں تو جبکہ واقف نے اس زمین کو مسجد بنایا تو تا قیام قیامت
اسکا حکم مسجد کا سا رہیگا اور کسی طرح سے اس میں تصرف درست نہ ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ
القوی محمد عبد الحی **سوال** بسم اللہ الرحمن الرحیم جو علما و مفتیان شریعت لا یخافون لومۃ لائم
کی صفت سے موصوف ہیں ان سے عرض ہے کہ قریب پچاس سال سے ایک مسجد قصبہ کندیلی
میں آباد ہے اسکے اخراجات کیواسطے چند کمرے جن سے بارہ یا تیرہ روپیہ ماہوار کی آمدنی
ہوتی ہے ملصق مسجد ہیں اور ہمیشہ سے ایک مؤذن بھی سات روپیہ ماہوار پر مقرر رہا اب عرصہ ایک
سال سے ایک مدرسہ موسومہ بانجمن اسلامیہ فلاح عام چندہ اہل اسلام سے بقدر وسعت کے جاری کیا گیا ہے
منتظمین انجمن نے ایک مدرس پندرہ روپیہ ماہواری کا و نیز ایک نائب مدرس چھ روپیہ ماہواری کا اسطور سے کہ مؤذن سابق کو فضول
جان کر چار روپیہ مسجد سے اور دو روپیہ چندہ مدرسہ سے جملہ چھ روپیہ کرکے مقرر کیا ہے جسکے ذمہ نیابت مدرس اور اذان مسجد بھی
کی جب اس سے انتظام مسجد اور اذان کا نہو سکا تب ایک اور شخص مسجد کی آمدنی سے دو روپیہ ماہوار پر مقرر کیا گیا
اسپر زید اعتراض کرتا ہے کہ جو رقم آمدنی مسجد سے مدرسہ میں لیجاتی ہے بیجا ہے اسکے علاوہ کچھ افتادہ زمین پر جو مسجد کے
تا منجھی چند کمرے مدرسہ اور مسجد کی آمدنی سے بنائے گئے ہیں بکر کا مقولہ یہ ہے کہ نئے کمروں کی آمدنی مسجد میں
نہ جائیگی کیونکہ مدرسہ بھی کار خیر میں داخل ہے اسپر زید معترض ہے اور کہتا ہے حدیث مشارق الانوار میں ہے فی
البخاری عن خولۃ بنت ثامر ان رجالا یتخوضون فی مال اللہ لغیر حق فلہم النار یوم القیامۃ یعنی بخاری
میں خولہ بنت ثامر سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کے
مال کو ناحق لوٹے کھاتے ہیں انکے لئے قیامت کے دن آگ ہے اسپر فریقین کو عمل کرنا چاہیے
بکر کہتا ہے زید کو حدیث سمجھنے کی تمیز نہیں ممکن ہے کہ اس حدیث کی ناسخ کوئی اور حدیث ہو اور وہ زید

[illegible] ۱۲۹۹ھ

تک بھو نچی ہو مگر بکر کوئی ناسخ حدیث پیش نہیں کرتا صرف شبہ اور امکان بیان کرتا ہے اور جب
زید حدیث مذکور کی تنسیخ تحریری مانگتا ہے تو بکر انکار کرتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ اس مدرسہ کی تعلیم سرکاری
اسکولوں کی ضوابط پر ہوتی ہے صرف و نحو کے علاوہ کسی علم دین کی تعلیم نہیں ہوتی حتی کہ افسران
سررشتہ تعلیم کو امتحان دلایا گیا اور کچھ اوپر پچاس روپیہ سرکار سے انعام علاوہ مدرسہ کے چندے میں جمع
کیا گیا اب دو ماہ کے عرصہ سے مدرس مقررہ کی تنخواہ پندرہ روپیہ ماہواری میں پانچ کم قرار دیے
اور اہالیان انجمن میں سے ایک صاحب نے کھانا اپنے ذمے لیا ہے تو ایسے مدرسہ میں مسجد کا روپیہ لگانا
کیسا ہے بینوا توجروا مکرر آنکہ مولوی یوسف علی صاحب و منشی یعقوب علی صاحب دیوبندی کی
زبانی معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں مدرسہ اسلامیہ جو چودہ برس سے قائم ہے مولانا رفیع الدین صاحب
اور مولانا یعقوب صاحب مہتمم مدرسہ نے باوجود کثیر آمدنی مسجد مدرسہ کو مسجد سے متعلق نہیں رکھا اور
نہ مسجد کا روپیہ مدرسہ میں لگایا اور سرکار سے سو روپیہ ماہواری چندہ لینے سے بھی انکار کیا اور سرکار سے
کچھ تعلق نہیں رکھا **جواب** مسجد کے اوقاف میں سے مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔
درمختار میں ہے اتحد الواقف والجہۃ وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ بسبب خراب وقف احدھما
جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الآخر الیہ لانھما حینئذ کشئ واحد وان اختلف احدھما
بان بنی رجلان مسجدین او رجل مسجدا ومدرسۃ ووقف علیھما اوقافا لا یجوز لہ ذلک یعنی اگر
واقف اور جہت وقف متحد ہو اور بعض موقوف علیہ کی چہاردیواری خرابی کیوجہ سے جھک جائے تو
حاکم یہ کرسکتا ہے کہ دوسرے وقف کی بچت سے اُسے بنادے کیونکہ ایسی صورت میں دونوں ایک
ہی حکم میں ہیں اور اگر واقف یا جہت میں سے کوئی ایک بھی مختلف ہو تو مثلاً دو آدمیوں نے دو مسجدیں
بنائیں یا ایک شخص نے ایک مسجد اور مدرسہ بنایا اور اُن دونوں پر کچھ وقف کیا تو حاکم ایسا نہیں
کرسکتا واللہ اعلم مترجم غفرلہ عرض کرتا ہے کہ اس سوال کیساتھ دوسرا سوال خطبہ جمعہ کا ترجمہ اردو
میں یا کسی اور زبان میں عربی کے سوا کرنے کے متعلق تھا مگر چونکہ بعینہ یہی سوال و جواب کتاب الصلوۃ
میں نہایت بسط و تفصیل سے گزرا اسلئے اُسکو یہاں نقل نہیں کیا گیا **سوال** ایک زمین جس کے
مالک تین شخص باشتراک ہیں قبضے میں ایک رعیت کے اسطور پر ہے کہ وہ رعیت اس زمین کے کل
محاصل پر متصرف ہوتا ہے اور مالکان کو صرف خزانہ مقررہ سالانہ زمین دیدیا کرتا ہے اور جب تک رعیت

مذکور خزانہ مقررہ ادا کرتا چلا جائے مالکان از روے قانون انگریزی کے اُسکو بیدخل نہیں کرسکتے ہیں اور اُس زمین کو اس رعیت کے قبضہ و تصرف سے باہر نہیں کرسکتے ہیں ہاں اگر وہ رعیت خزانہ ادا نکرے تو البتہ مالکان اُسکو بیدخل کردینے کے قانوناً مجاز ہیں اور اس حالت میں اُس رعیت سے منتزع کرکے دوسرے کیساتھ بندوبست اُس زمین کے کردینے کے مختار ہیں اور اُس زمین کا بندوبست بعد پانچ سال کے متبدل ہوجایا کرتا ہے یعنے زمانہ مقررہ اُس کا گھٹ بڑھ جایا کرتا ہے اور جس وقت مالکان جمع سابق پر اضافہ کرتے ہیں رعیت مذکور اُسکو قبول کرکے ہمیشہ پانچ پانچ سال تک کا بندوبست اپنے ساتھ کرلیا کرتا ہے اور اُس حال میں اگر رعیت مذکور جمع زائد ادا نکرے بلکہ جمع سابق ہی دیتا جائے تو مالکان کو بجز زائد جمع کر لینے کے حق انتزاع زمین قانوناً حاصل نہیں ہے صرف انتزاع زمین کے مختار وہ لوگ اُسیوقت ہیں جب مطلق خزانہ دینا رعیت موقوف کردے ایسی زمین میں رعیت مذکور مسجد بلا اذن مالکان بنانا چاہتا ہے پس شرعاً وہ مختار ہے یا نہیں اور بلا اذن مالکان کے اگر وہ مسجد بنالیوے تو وہ مسجد شرعاً مسجد ہوگی اور احکام مسجد اُسپر مترتب ہونگے یا نہیں اور اگر مالکان ثلثہ سے دو یا ایک سے اجازت لے کل سے اجازت نہ لے تو شرعاً کیا حکم ہے اور اگر قبل بنجانے کے اُسنے کسی سے اجازت نہ لی یا لی تو بعض سے اور بعد تیار ہوجانے مسجد کے کُل شرکا نے اذن دیا تو اس تقدیر پر وہ شرعاً مسجد ہوگی یا نہیں اور بصورت اذن شرکا کے ثواب وقف زمین و تعمیر مسجد دونوں کا رعیت مذکور کو ہوگا یا صرف تعمیر کا ثواب پائیگا اور وقف زمین کا ثواب مالکان کو ملے گا جواب سرشتے کا بسند کتب معتبرہ مفصلاً درکار ہے

جواب شرائط صحت وقف سے یہ ہے کہ موقوف ملک واقف ہیں وقف کے قبل ہو یا بعد وقف کے مالک اجازت دیدے۔ رد المحتار میں ہے افاد ان الواقف لابد ان یکون مالکا وقت الوقف ملکا تاما ولو بسبب فاسد وان لا یکون محجورا عن التصرف حتے لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح وان ملکہ بعد الشراء او صلح ولو اجاز المالک وقف فضولی جاز یعنے اس سے یہ معلوم ہوا کہ وقف کے لئے یہ ضروری ہے کہ واقف کو اُسپر ملک تام وقف کے وقت حاصل ہونا چاہیئے اگرچہ اُسکا سبب فاسد ہو لیکن اُسے ممنوع التصرف نہونا چاہیئے تو اگر غاصب نے مغصوب کو وقف کیا تو درست نہوگا اگرچہ بعد شرا یا صلح وہ اُسکا مالک ہوجائے اور اگر مالک فضولی کے وقف کو جائز

کردے تو جائز ہو جائیگا۔ پس صورت مذکورہ میں رعیت اُس زمین میں مسجد بنانے کی مختار نہیں ہے کیونکہ وہ زمین اُسکی مملوک نہیں ہے ہاں اگر قبل تعمیر یا بعد تعمیر جملہ شرکا و مالکین اجازت دیدیں تو صحت وقف کا حکم ہوگا مگر اس صورت میں ثواب وقف کا اصل مالکوں کو ہوگا اور رعیت کو صرف تعمیر کا ثواب ملے گا اور درصورت عدم اذن مطلق اُس مسجد کا حکم حکم مساجد شرعیہ کا نہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال (۱) جو جانور ہنود بزعم خود اپنے بتوں کے نام سے وقف کرتے ہیں جیسے سانڈ وغیرہ اُسکا کھانا بلا اجازت مالک یا بالطریق شرا یا ہبہ کے غیر شخص مالک سے باوجود علم کے کیسا ہے (۲) جو جانور کہ ہنود بلا قطع یا بعد قطع بعض اعضا دریا میں یا کسی بت کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اُسکا کھانا بطریق مذکورۂ سوال اول کیسا ہے (۳) غیر ذی روح چیزیں جو کسی درگاہ یا امام باڑہ یا بت یا ایسے مقام پر کہ اُسکی پرستش شرعاً ناجائز ہے بہ نیت تقرب چڑھائے جاتے ہیں فی زماننا دو طریقے پر مروج ہے اول یہ کہ چڑھائی ہوئی چیز اسکے مقام پر چھوڑ دیجائیں دوسرے یہ کہ مالک کی طرف سے اُسی مقام پر تقسیم کر دیجائے اُسکا کھانا یا استعمال کرنا دونوں صورتوں میں کیسا ہے بینوا توجروا

جواب (۱-۲) اس قسم کے جانوروں کا کھانا بدون اجازت مالک کے حرام ہے نہ اسوجہ سے کہ وہ ما اہل لغیر اللہ ہے کیونکہ اہل لغیر اللہ وہ ذبیحہ ہے جو بقصد تقرب الی غیر اللہ ذبح کیا جائے نہ وہ کہ زندہ چھوڑ دیا جائے بلکہ اسوجہ سے کہ ایسا جانور اس قسم کے وقف کفار اور ارسال سے ملک مالک سے نہیں نکلتا پس اگر وہ اجازت دیدے تو اُسکا کھانا درست ہے ردالمحتار میں ہے المختار فی السیائبۃ انہ لا یملکہ اذا لم یبعہ وکذا فی الھدایۃ اذا سیبھا کما بسطہ الشرنبلالی فی شرحہ یعنی سانڈ کے لئے مختار یہ ہے کہ کوئی اُسکا مالک نہیں ہے تاوقتیکہ اُس کی بیع نہو جائے اور ایسا ہی ہدایہ میں ہے کہ جب اسکو سانڈ بناکر چھوڑ دے جیسا کہ شرنبلالی نے اُس کی شرح میں توضیح کی ہے۔ اور زیلعی کی شرح کنز میں مرقوم ہے ان کان مرسلا فھی مال الغیر فلا یجوز تناولہا الا باذن صاحبہ یعنی جو جانور چھوڑ دیا جائے وہ ملک غیر ہے بلا اجازت مالک اُسکا کھانا جائز نہیں ہے (۳) جس چیز میں نذر لغیر اللہ مقصود نہو بلکہ تقسیم کرنا اور اُسکا ثواب میت کو پہونچانا مقصود ہے وہ حلال ہے اور جس میں محض چڑھانا اور نذر الی غیر اللہ مقصود ہو جیسے وہ چیزیں کہ اکثر عوام قبروں یا تعزیہ وغیرہ پر چڑھا کے چلے آتے ہیں اور مقصود انکو صرف نذر کر دینا ہوتا ہے وہ حرام ہیں۔ درمختار میں ہے اعلم ان النذر الذی یقع للاموات

من اکثر العوام وما یوخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا وتنقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام ما لم یقصدوا صرفھا للفقراء الانام وقد ابتلی الناس فی ھذہ الاعصار وقد بسط العلامۃ قاسم فی شرح درر البحار یعنے اکثر عوام جو اموات کی نذر کیا کرتے ہیں اور جو دراہم اور شمعیں اور تیل وغیرہ خریدکے اولیا کے مقبروں پر بغرض اُنکے تقرب کے لیجاتے ہیں وہ بالاجماع باطل اور حرام ہیں جبتک فقرا پر اُسکے صرف کرنیکا قصد نہ کریں اس زمانے میں لوگ اس بلا میں بہت مبتلا ہوگئے ہیں اسکی توضیح علامہ قاسم نے شرح درر البحار میں کی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال بانسہ شریف میں سید شاہ عبد الرزاق رضی اللہ عنہ کی درگاہ ہے اور کئی پشت سے سید صاحب کی اولاد میں جانشین و مالک و متولی برابر ہوتے چلے آئے ہیں اور سید صاحب کے فرزند شاہ غلام دوست محمد صاحب نے گل شاہ کو واسطے جاروب کشی اور چراغ بتی اور خدمت گزاری درگاہ اور حاضرین و زائرین درگاہ کے مقرر و مامور کیا تھا چنانچہ گل شاہ کی بھی کئی پشت تک وہ تعلق برابر چلا آیا ہے اس زمانے میں جو لوگ مالک و متولی ہیں انلوگوں نے خادمین یعنی اولاد گل شاہ کو بوجہ قصور و تمرد کے موقوف کر دیا ہے پس ایسی صورت میں حق موقوفی کا مالکان و متولیان کو شرعاً حاصل ہے یا نہیں

جواب ظہور تمرد و قصور کیوجہ سے مالکوں اور متولیوں کو جو سید صاحب کی اولاد میں سے ہیں حق موقوفی حاصل ہے خصوصاً جبکہ اُنکے موقوف کرنے میں مصلحت ہو اور اُنکا موقوف کرنا بوجہ معتبر واقع ہوا ہو اشباہ میں ہے لیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الا بحق ثابت معروف یعنے امام یا قاضی وغیرہ کو حق نہیں ہے کہ کسی چیز کو کسی کے قبضے سے نکال لے اور اُسکو موقوف کردے مگر بوجہ شرعی معتمد اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے قال بیری زادہ ینبغی ان یقید بما اذا لم یکن فیہ فائدۃ للوقف اما اذا کان عزلہ خیرا عزلہ کما فی جامع الفصولین یعنے بیری زادہ نے کہا ہے کہ جو ناظر و مدیر و مہتمم مال وقف وغیرہ کا ہو اُسکا موقوف کرنا اُس وقت نا جائز ہے جب کہ اُس میں کوئی فائدہ و مصلحت متعلق اموال وقفیہ نہو اور اگر اُسکے موقوف کرنے میں کوئی بہتری ہو تو موقوف کرنا جائز ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال میں نے تحریر ایک تیقہ مرقومہ انیسویں اپریل ۱۸۸۴ء اپنی کل جائداد میں سب اپنی زوجات و اولاد کا حصہ بمقدار جداگانہ بنام وقف لکھدیا اور آج تک اُسپر قبضہ انکو یا اُنکے متولی کو

کو نہیں دیا ہے اور شرط بقاے عین حقیقت بحق اپنے لکھا لیا ہے اُنمیں دو لڑکے میرے حمد اللہ و محمد اللہ جو میری ایک عورت سے جسکا مہر فاطمی تھا اور ادا بھی کر دیا گیا تھا اور وہ مر بھی گئی ہیں وہ دونوں بھائی بزعم اُس تحریر کے کہ باپ سے جو کچھ ملنا تھا وہ لکھا ہی چکے اب اُنسے کیا غرض ہے براہ ناخلفی مجھسے منحرف ہو گئے آزادی و عیاشی میں مبتلا ہو رہے اپنی صورت دکھلانے اور سیدھی بات کرنے کے بھی روادار نہیں میری نافرمانی اور توہین کرتے اور میری باتونکو نہیں سُنتے اور جواب دلشکن دیتے رہتے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ باپ مرجاویں تو اُنکی سب جائداد پر قبضہ کر کے حد درجہ کی تمانتی مثل اپنے ناںہالی خاندان کے کر گزریں اب میں بحلف مذہبی اقرار کرتا ہوں کہ اُن دونوں کے بے پروائی و بدنیتی و دغابازی و خیانت و جبانت سے میں سخت عاجز اور تنگدل ہو رہا ہوں اور جب وہ مجھسے ایسی بیوفائی و کفران حقوق پرورش وغیرہ کر رہے ہیں تو اپنے سوتیلی ماؤں اور سوتیلے بھائیوں اور بہنوں کو کہ ایسوں میں بالطبع خصومت رہتی ہے کب گھر میں چین و آرام لینے دیں گے بلکہ یہی دونوں بھائی بد اطوار میرے بعد میری کل جائداد کا منافع بالا بالا لوٹ مار کر کے اپنے عیش و نشاط میں اُڑایا کریں گے اور میرے بچے جو ان میں کوئی بھی بالغ نہیں اور میری بیبیاں جو پردہ نشیں اور بے خویش و برادر و بیکس ہیں بھونکوں مریں گی یا بھیک مانگتی گھر سے باہر نکل جائیں گی لہذا ان دونوں بھائی حمد اللہ و محمد اللہ کے دست برد کے روکنے کے لئے اُن دونوں کے نام جو حصہ اس وثیقہ میں نامزد کیا ہے اسکو میں پھر اپنی طرف واپس کر لینا چاہتا ہوں کیونکہ عین جائداد تو خود اُس وثیقہ میں میری ملکیت دوام کے لئے میرے حق میں قائم رہنے کو مشروط ہو چکی ہے باقی بنظر منفعت قبضہ انکا بحسب قواعد تکمیل وقف کے اُنکو یا اُنکے متولی کو کہ اُس محمد اللہ کے نام تولیت لکھا تھا ابتک سپرد نہیں کیا ہے نہ اسکا نام سررشتہ سرکاری میں بطور داخل خارج کے لکھا گیا اور نہ اپنے وصیت نامہ میں اسکی تائید کی بلکہ میں بدستور قدیم اپنے طور پر اپنے نام کر بطور قبضۂ مالکانہ سب کارروائی خانگی و عدالتی کر رہا ہوں اور بارہا اُن کی نسبت فقط بے پروائی بطور دست برداری وہ دونوں بھائی حمد اللہ و محمد اللہ نے دستخطی خطوں میں لکھتے رہے ہیں بس ایسی حالات میں مجھ اصل مالک کو شرعاً اختیار واپسی اُس حصہ کا جو بنام اُنکے وثیقہ مذکور میں لکھا تھا حاصل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس دلیل پر بینوا توجروا الراقم محمد احمد اللہ خان جوا[illegible]

اس صورت میں واقف کو واپسی وقف کا اختیار ہے اسوجہ سے کہ شی موقوف سے ملک واقف نہیں
زائل ہوتی ہے جبتک کہ تسلیم الی المتولی نہو اور لزوم وقف بعد تسلیم الی المتولی ہوتا ہے جیسا کہ تنویر الابصار
میں ہے ولا یتم حتی یقبض ویفرز فاذا تم ولزم لا یملك ولا یملك ولا یعار ولا یرهن یعنے جب تک قبضہ
نہ کرا دیا جائے وقف تمام نہیں ہوتا اور جب وقف تمام ہو جاتا ہے تو مال موقوفہ کسی کی ملک نہیں
رہتا اور نہ وہ کسی کی ملک بنایا جا سکتا ہے اور نہ عاریت دیا جا سکتا ہے اور نہ رہن رکھا جا سکتا ہے۔ اور
در مختار میں ہے تسلیم کل شئ بما یلیق به ففی المسجد بالافراز وفی غیره بنصب المتولی وبتسلیمه ایاه یعنے
ہر شی کی تسلیم اسکے مناسب ہوا کرتی ہے مسجد کے سپرد مال کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ تقسیم کرکے ایک حصہ
اسکے لیے معین کر دیا اور دوسری چیزوں میں متولی مقرر کرکے اسکے سپرد کر دیا جائے پس جبکہ
واقف نے ہنوز جائداد موقوفہ پر متولی کا قبضہ نہیں کرایا بلکہ اپنا ہی دخل رکھا ہے تو وہ جائداد اسکی
ملک سے زائل نہیں ہوئی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال**
متولی وقف کو بعض وقف کا بیع کرنا بعض وقف کی ترمیم کے لئے جبکہ اور صورت سے مرمت نہ
کر سکتا ہو جائز ہے یا نہیں اور بعض وقف کو بیچنا اور دوسری چیز خرید کرکے وقف میں داخل کرنا جائز
ہے یا نہیں۔ اور عین وقف کو دوسری چیز سے بدل کے وقف کرنا درست ہے یا نہیں **جواب**
متولی کو بعض وقف کا بیع کرنا یا وقف کو بدلنا جائز نہیں ہے عالمگیری میں ہے متولی الوقف باع
شیئا منه او رهن فهو خیانة فیعزل ویضم الیه ثقة یعنے متولی وقف نے اگر کچھ بیچ لیا یا رہن رکھا
تو یہ خیانت ہے اس سے وہ معزول کیا جائیگا یا اسکے ساتھ کوئی اور ثقہ آدمی بھی متولی بنا دیا جائیگا
اھ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے ولو باع القیم دارا اشتراها بمال الوقف فله ان یقیل البیع
مع المشتری اذا لم یکن البیع باکثر من ثمن المثل وکذا اذا عزل ونصب غیره فللمنصوب
اقالته بلا خلاف کذا فی البحر الرائق یعنے محافظ نے اگر کوئی گھر جسے مال وقف سے خرید کیا تھا
بیچ ڈالا تو اس بیع کو مشتری سے اقالۃ واپس کر لینا چاہیے جبکہ بیع ثمن مثل سے زائد نہو اسیطرح
جب اسنے کسیکو معزول کیا یا کسیکو مقرر کیا تو جو مقرر کیا گیا ہے اسے فسخ بیع کا حق ہے بلا خلاف
جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے واذا خرب ارض الوقف واراد القیم
ان یبیع بعضها لیرم الباقی بثمن ما باع لیس له ذلك فان باع القیم شیئا من البناء

لم یهدم ولم یهدم او نخلة جنة لیقطع فالبیع باطل یعنے اور اگر وقف کی زمین خراب ہوگئی اور محافظ نے کچھ حصہ کے بیچ ڈالنے کا قصد کیا تاکہ باقی اسکی قیمت سے درست کرے تو اُسے اسکا حق نہیں ہے پس اگر محافظ نے عمارت کا کچھ حصہ جو منہدم نہوا تھا اسلئے بیچ ڈالا کہ وہ منہدم کردیا جائے یا سرسبز درخت اس لئے بیچ ڈالا کہ وہ کاٹ ڈالا جائے تو بیع باطل ہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے ارض وقف خاف القیم من وارث الواقف او من ظالم ان یبیعہ ویتصدق بالثمن کذا ذکر فی النوازل والفتوی علی انہ لایجوز کذا فی السراجیة یعنے کسی وقف کی زمین کے متعلق اگر متولی کو وارث واقف یا کسی اور ظالم کیجانب سے اندیشہ ہو تو اُسے بیچکر اُسکی قیمت کو صدقہ کرسکتا ہے جیسا کہ نوازل میں ہے اور فتوی اسپر ہے کہ یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے۔ اور جامع الرموز میں ہے ولا یملك الوقف بالبیع ونحوہ ولو لاحیاء الباقی یعنی بیع سے مال وقف پر ملک ثابت نہیں ہوتی اگرچہ اُسکا منشا باقی حصہ کا درست کرنا ہو۔ البتہ متولی غلہ وقف میں ترمیم اور اصلاح کرسکتا ہے ایسا ہی عامہ کتب فقہ میں ہے۔ اور در مختار میں ہے واما الاستبدال ولو للمساکین بدون الشرط فلا یملکہ الا القاضی یعنی البتہ استبدال اگر اُس میں مساکین کا نفع ہو تو اسکا حق بھی قاضی کے سوا کسی کو نہیں ہے انتہی **سوال** ایک شخص نے لکھدیا کہ میری تمام مملوکہ چیزیں یعنی دیہات وغیرہ وقف ہے اور تفصیل بیان نہیں کی اور محاصل کے لئے لکھا کہ اتنا میری لونڈیوں پر اور اتنا میرے غلاموں پر اور اتنا میرے متعلقین پر صرف ہوا یا یہ وقف درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے مجمع البرکات میں ہے ومن الشرائط عدم الجہالة فلو وقف من ارضہ شیئا ولم یسمہ کان باطلا ولو وقف جمیع حصتہ من ہذہ الدار ولم یسم السہام جاز استحسانا کذا فی البحر الرائق یعنے شرائط وقف میں سے عدم جہالت ہے تو اگر اپنی زمین کا کوئی حصہ وقف کیا اور تعین نہیں کی تو وقف باطل ہوگا اور اگر کسی خاص گھر میں اسکا حصہ تھا اُسے وقف کیا لیکن حصہ کو متعین نہیں کیا تو یہ وقف استحسانا جائز ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے اذا وقف ارضا او شیئا آخر وشرط کل الغلة لنفسہ وشرط البعض ما دام حیا وبعدہ للفقراء قال ابو یوسف الوقف صحیح ومشائخ بلخ اخذوا بقول ابی یوسف وعلیہ الفتوی ترغیبا للناس فی الوقف کذا فی المضمرات ولو شرط تمام الغلة او بعضہا لامہاتہ وعبیدہ فہو علی الخلاف بین ابی یوسف و محمد

یعنی اگر زمین یا کوئی دوسری چیز وقف کی اور تمام غلہ یا غلہ کا کوئی خاص حصہ اپنے حیات تک اپنے لئے اور اپنے بعد فقراء کے لئے مخصوص کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صحیح ہے اور مشائخ بلخ نے اسی کو لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے تاکہ لوگوں کو وقف کی طرف رغبت ہو جیسا کہ مضمرات میں ہے اور اگر اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے لئے تمام یا بعض غلہ کی شرط کی تو اسمیں امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہما اللہ کا اختلاف ہے **سوال** سلطان وقت نے خانقاہ کے خرچ کے لئے تھوڑی اراضی زید پر نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن وقف کی پس اولاد دختر اس میں داخل ہے یا نہیں اور اسکی تولیت جو زید کو اور اسکے بعد اسکی اولاد کو دی گئی تھی ایک وقت میں زید کی اولاد میں چونکہ ایک ہی لڑکی اور وہ بھی صغیر السن تھی اس لئے حاکم نے دوسرے کو متولی کیا پس بالغ ہونے کے بعد اس لڑکی کو یا اسکے مرنے کے بعد اسکی اولاد کو تولیت کا حق حاصل ہے یا نہیں **جواب** وقف مذکور میں لڑکی کی اولاد بھی داخل ہے اور دوسرے شخص کے متولی ہو جانے سے اُنکا حق تولیت باطل نہیں ہو سکتا۔ رد المحتار میں ہے لو قال علی ذریۃ زید و قال علی نسلہ ابدا ما تناسلوا یدخل فیہ ولدہ و ولد ولدہ و ولد البنین و ولد البنات فی ذلک سواء یعنی اگر کہا یہ ذریت زید کے لئے وقف ہے جبتک کہ اُسکی نسل باقی ہے تو اسمیں اُسکی اولاد اور اُسکی اولاد کی اولاد داخل ہو گی لڑکوں اور لڑکیوں سب کی اولاد کا حکم اس معاملہ میں یکساں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے و لو وقف علی نسلہ او ذریتہ دخل فیہ اولاد البنین و اولاد البنات قربوا او بعدوا یعنی اگر کسی کی نسل یا ذریت پر وقف کیا تو اسمیں لڑکوں اور لڑکیوں سب کی اولاد داخل ہو گی قریب ہوں یا بعید **سوال** اولاد البنات اولاد یا اولاد الاولاد میں داخل ہیں یا نہیں **جواب** علامہ ابن شبلی نے کہا ہے ذکرت ذلک لقاضی القضاۃ الطرابلسی فجنح الی ما اختارہ الخصافؒ فینبغی الافتاء بما اختارہ مع التنصیص علی ما اختارہ یعنی میں نے قاضی القضاۃ طرابلسی سے اسکا ذکر کیا تو وہ خصاف کے مذہب کیجانب مائل ہوئے تو فتویٰ انھیں کے اختیار کیے ہوئے مذہب پر دینا چاہیے مع اس مذہب کی تصریح کے کہ جسکو انھوں نے اختیار کیا۔ اور تعالیق الانوار حاشیہ درمختار میں ہے قال فی اغاثۃ السائل و اما الذریۃ والنسل فذکر الخصافؒ قال نسلہ و ولدہ و ولد ولدہ ابدا ما تناسلوا و ولد البنین والبنات سواء ثم قال لو وقف علی ذریۃ زید فالذریۃ والنسل سواء والحکم فیہما واحد ثم قال والنسل والذکر

والاناث ثم قال فاذا انقرضوا الاولاد البنت ایعطیها الغلۃ قال نعم و نقل عن بعضہم ان فی دخول البنات روایتین ونقلہ ایضا عن الخانیۃ وجزم الامام الناصحی بدخول اولاد البنات ولم یحک خلافا ولم یغیرہ روایۃ قال عبداللہ البر فتنبہ لذلک یعنے اغاثۃ السائل میں ہے کہ ذریت و نسل کے معاملہ میں خصاف نے کہا ہے کہ نسل اولاد اور اولاد کی اولاد کو شامل ہے اور لڑکے اور لڑکیوں کی اولاد اس معاملہ میں مساوی ہے پھر انھوں نے کہا ہے کہ اگر کسی نے ذریت زید پر کچھ وقف کیا تو ذریت و نسل برابر ہے اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے پھر کہا ہے اور نسل اولاد ذکور و اناث سب کو شامل ہے پھر کہا ہے کہ اگر سلسلہ منقطع ہو جائے اور نواسے کے سوا کوئی باقی نہ رہے تو کیا غلہ اُسی کو دیا جائیگا تو جواب یہ ہے کہ ہاں اور بعضوں سے منقول ہے کہ اس میں لڑکیوں کے داخل ہونے کے متعلق دونوں روایتیں ہیں اور اُسے خانیہ سے بھی نقل کیا ہے مگر امام ناصحی نے اولاد بنات کے داخل ہونیکو یقینی سمجھا ہے اور اس میں کسی اختلاف کی روایت نہیں کی ہے اور نہ بطور روایت کے اسکو نقل کیا ہے عبد البر نے کہا ہے کہ اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اور متولی ہونے کی صحت کے لئے بلوغ اور عقل شرط ہے۔ عالمگیری میں ہے ویشترط للصحۃ بلوغہ وعقلہ کذا فی البحرالرائق یعنی صحت تولیت کے لیے بلوغ اور عقل شرط ہے جیسا کہ بحرالرائق میں ہے۔ پس صبی اور ایسے ہی مجنون کی تولیت صحیح نہیں ہے ردالمحتار میں ہے ولو اوصی الی صبی تبطل فی القیاس مطلقا وفی الاستحسان ھی باطلۃ مادام صغیرا فاذا کبر یکون الولایۃ لہ یعنے اگر وقف کسی لڑکے کے سپرد کیا تو قیاسًا یہ باطل ہوگا اور استحسانًا جب تک وہ لڑکا رہیگا ولایت نہ ثابت ہوگی اور بعد بڑے ہونے کے وہی متولی وقف ہوگا۔ اور بحالت صغر سنی وہی لڑکی کہ زید کی نسل میں تھی حاکم نے جو اسکو متولی مقرر کیا بجا کیا۔ ردالمحتار میں ہے وفی انفع الوسائل عن وقف ھلال لو قال ولایتھا الی ولدی وفیھم الصغیر والکبیر یدخل القاضی مکان الصغیر رجلا وان شاء اقام الکبار مقامہ یعنے انفع الوسائل میں وقف ہلال سے نقل کرکے بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے اس موقوفہ شے کی ولایت اپنی اولاد کے سپرد کی اور اُسکے بعض لڑکے چھوٹے تھے تو قاضی کو اختیار ہے چاہے چھوٹے لڑکوں کی جگہ دوسرے آدمیوں کو مقرر کر دے چاہے بڑوں ہی کو انکا قائم مقام بنادے اور عالمگیری میں ہے فی الحاوی وفی نوادر ابن سماعۃ عن محمد رحمہ اللہ اذا اوصی الی ابنہ الصغیر جعل القاضی

له وصیا فاذا بلغ لم یکن له ان یخرجہ الوصی الا من القاضی کذا فی التاتارخانیہ یعنے حاوی میں ہے اور نوادر ابن سماعہ میں امام محمدؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر وقف کو اپنے چھوٹے لڑکے کے سپرد کیا تو قاضی اسکا ایک قائمقام مقرر کر دیگا اور وہ لڑکا بلا حکم قاضی اُسکو علیحدہ نہیں کر سکتا یہ تاتارخانیہ میں ہے اور چونکہ اصل واقف نے تولیت نسل زید پر مقرر کی تھی اور اُسکی نسل سے اگرچہ لڑکی ہی کی اولاد ہو اور وہ تولیت کی قابلیت رکھتی ہے تو حاکم کو چاہیئے کہ وقف کی تولیت اُنکے حوالے کرے۔ اور رد المحتار میں ہے قال فی شرح الملتقی معزیا الی الاشباہ لا یجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له النظر بلا خیانۃ ولو عزله لا یصیر الثانی متولیا۔ یعنی شرح ملتقی میں اشباہ کی جانب منسوب کرکے لکھا ہے کہ قاضی کو اُس ناظر کے معزول کرنے کا حق نہیں ہے جو وقف میں شرط ہوا گر اُس سے خیانت نہ صادر ہو اور اگر معزول کریگا تو دوسرا شخص متولی نہیں ہو سکتا انتہی **سوال** اگر واقف نے شرط کی کہ تا حیات منافع وقف میرے صرف میں رہیں گے اور میرے مرنے کے بعد فقراء کو دیے جائیں گے تو ایسا وقف صحیح ہے یا نہیں **جواب** صحیح ہے مجمع البرکات میں ہے اذا وقف ارضا و شیئًا آخر و شرط کل الغلة لنفسه او شرط البعض ما دام حیا و بعده للفقراء قال ابو یوسفؒ الوقف صحیح و مشائخ بلخ اخذوا بقول ابی یوسفؒ و علیه الفتوی ترغیبا للناس الوقف کذا فی المضمرات یعنے اگر زمین یا کوئی اور چیز وقف کی اور تمام آمدنی یا آمدنی کا کوئی خاص حصہ اپنی حیات تک اپنے لئے اور اپنے بعد فقراء کے لئے مخصوص کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہے اور مشائخ بلخ نے اسی کو لیا ہے اور اسی پر فتوی ہے تاکہ لوگوں کو وقف کی طرف رغبت ہو جیسا کہ مضمرات میں ہے **سوال** منفعت وقف کا غیر مساکین کے لئے بھی وقف کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** روایت راجحہ کے موافق منفعت موقوف کا صرف غیر مسکین پر بھی جائز ہے اور یہ صرف وقف کے منافی نہیں ہے جیسا کہ در مختار میں ہے **سوال** وقف کا کسی چیز سے بدلنا یعنی شئ موقوف کو فروخت کرکے اسکی قیمت سے دوسری چیز خرید کرکے وقف کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** اگر قاضی استبدال وقف میں مصلحت سمجھے تو کر سکتا ہے۔ اشباہ میں ہے شرط الواقف عدم الاستبدال فللقاضی الاستبدال اذا کان اصلح یعنے شرط وقف عدم استبدال ہے اور قاضی کو استبدال کا حق ہے اگر وہ استبدال کو اصلح سمجھے اور قاضیخان میں ہے اما بدون الشرط اشار فی السیر انه لا یملك الاستبدال

الا القاضی لورای المصلحۃ فی ذلک یعنی باقی رہا بلا شرط استبدال تو سیر میں اس جانب اشارہ کیا ہی کہ قاضی اگر اس میں مصلحت جانے تو اُسے استبدال کا حق ہی اور کسیکو اسکا حق نہیں ہی۔ اور اشباہ میں ہی استبدال لوقف العامر لا یجوز الا فی مسائل الاولی لوشرطہ الواقف الثانیۃ اذا غصبہ غاصب واجری الماء علیہ حتی صار بحرا لا یصلح للزراعۃ فیضمن القیمۃ القیمۃ ویشتری بہا ارضا بدلا الثالثۃ ان یجحدہ الغاصب ولا بینۃ وھی فی الخانیۃ الرابعۃ ان یرغب انسان فیہ ببدل اکثر غلۃ واحسن وصفا فیجوز علی قول ابی یوسف وعلیہ الفتوی کما فی فتاوی قاری الہدایۃ یعنی وقف آباد کا استبدال درست نہیں ہی مگر چند مسائل میں (۱) واقف استبدال کو شرط کر دے (۲) غاصب زمین کو غصب کرے اور اُسپر اتنا پانی ڈالدے کہ وہ مثل دریا کے ہو جائے اور زراعت کی صلاحیت نرکھے تو محافظ ضمان میں اُس کی قیمت دیگا اور اُس سے اُس زمین کے عوض میں دوسری زمین خریدی جائیگی (۳) غاصب غصب کرنے سے انکار کرے اور بینہ موجود نہو یہ خانیہ میں ہی (۴) استبدال پسند کیا جائے اسوجہ سے کہ دوسری زمین باعتبار آمدنی کے اُس سے بہتر اور باعتبار اوصاف کے اُس سے اچھی ہو ان صورتوں میں استبدال امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر جائز ہے اور اسی پر فتوی ہی جیسا کہ فتاوی قاری الہدایہ میں ہی **سوال** قرآن اور کتابوں وغیرہ اشیائے منقولہ کا وقف جائز ہی یا نہیں **جواب** مذہب مفتی بہ کے لحاظ سے جائز ہی۔ نقایہ میں ہی وصح عند محمد وقف منقول فیہ تعامل کالمصحف ونحوہ وعلیہ الفتوی یعنی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اُن منقولات کا وقف درست ہی جن میں عموماً وقف جاری ہو مثلاً قرآن شریف وغیرہ اور اسی پر فتوی ہی **سوال** اگر کسی مسجد پر قرآن شریف کو وقف کیا تو اُسی مسجد پر محصور ہوگا یا نہیں **جواب** نہیں درمختار میں ہی وقف مصحفا علی اھل مسجد للقراءۃ ان یحصون جاز وان وقف علی المسجد جاز و یقرأ فیہ ولا یکون محصورا علی ہذا المسجد یعنی اگر کسی نے قرآن شریف کسی مسجد کے لوگوں پر پڑھنے کے لئے وقف کیا تو جائز ہی اور اگر مسجد پر وقف کیا تو جائز ہی اور اُس قرآن میں تلاوت کیجائے گی اور یہ قرآن اُس مسجد کے ساتھ مخصوص نہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ابو الحسنات محمد عبد الحی

کتاب احکام اہل الذمۃ والمستامن

سوال اہل ذمہ متبنیٰ کو صلبی لڑکے کے برابر حصہ دلاتے ہیں پس جب انکا مقدمہ عدالت میں آئے تو کیونکر فیصلہ کیا جائے **جواب** بیع خمر وخنزیر کے علاوہ اہل ذمہ عقوبات اور معاملات میں اہل اسلام کے مطیع ہیں حاکم کو اپنی شرع کے موافق فیصلہ کرنا چاہیئے مسلم میں ہے واما بالعقوبات والمعاملات فاتفاق لعقد الذمۃ یعنی عقوبات اور معاملات میں اتفاق ہے عقد ذمہ کی وجہ سے اور مولانا محمد مبین رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں فان عقد الذمۃ و کون الکافر ذمیا ومطیعا للاسلام انما یقتضی ان یقام علیہم العقوبات کما یقام علینا وان یعمل معہم فی العقود والفسوخ کما یعمل معنا لانہم کحالنا یعنے کیونکہ عقد ذمہ اور کافر کا ذمی اور مطیع اسلام ہونیکا مقتضے یہ ہے کہ انپر بھی عقوبات قائم کیے جائیں ویسے ہی کہ جیسے ہمپر قائم کیے جاتے ہیں اور عقود وفسخ عقود میں انکے ساتھ وہی کیا جائے جو ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے پس انکا حال ہمارے حال کی طرح ہے۔ اور نصاب الاحتساب میں ہے ان فیما سوی الخمر والخنزیر ونکاح المحارم و عبادۃ غیر اللہ تعالی حال اہل الذمۃ کحال المسلمین ما یمنع عنہ المسلم یمنع عنہ اہل الذمۃ یعنی خمر وخنزیر ونکاح محارم اور عبادت غیر اللہ کے سوا اہل ذمہ کا حال مسلمانوں کی طرح ہے جس سے مسلمان روکے جائینگے اُس سے اہل ذمہ بھی روکے جاوینگے

سوال جو مسلمان طلب اماں کرکے دار الحرب میں داخل ہوا اُسکو حربیوں کے جان ومال سے تعرض کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** حرام ہے مگر جبکہ حربیوں کا حاکم اس مسلمان کا مال چھین لے یا اُسے قید کرے یا حربیوں میں سے اس مسلمان کے ساتھ کوئی ایسا ہی معاملہ اپنے حاکم کے علم سے کرے اور حاکم منع نہ کرے اسوقت اگر یہ مسلمان تعرض کرے تو مضائقہ نہیں ہے کیونکہ غدر کی ابتدا انھیں کی طرف سے ہوئی۔ در مختار میں ہے دخل مسلم دار الحرب بامان حرم تعرضہ لشئ من دم ومال یعنے مسلمان دار الحرب میں باامان داخل ہوا تو اُسپر جان ومال کسی چیز سے تعرض کرنا حرام ہے۔ اور طحطاوی نے اُسکے حاشیہ میں لکھا ہے لانہ ضمن بالاستیمان ان لا یتعرض لہم فالتعرض بعد ذلک یکون غدرا والغدر حرام الا اذا غدر بہم ملکہم فاخذ مالہ او حبسہ

وفعل ذلک غیرہ بعلمہ ولم یمنعہ لانھم الذین نقضوا العھد کیونکہ طلب امان سے وہ اس امر کا ضامن ہوگیا کہ اس سے کچھ تعرض نکریگا تو اب اسکے بعد تعرض غدر ہی اور غدر حرام ہی مگر جبکہ اسکے ساتھ وہاں کا بادشاہ غدر کرے اور اُسکا مال لیلے یا اُسے قید کرے یا بادشاہ کے سوا اُسکے علم میں کوئی اور شخص ایساہی کرے اور بادشاہ اُسے منع نکرے کیونکہ اُنھیں لوگوں نے نقض عہد کیا ہی **سوال** اگر مسلمان مستامن نے حربی کا مال سرقہ یا غصب یا لوٹ سے حاصل کیا تو مالک ہوتا ہی یا نہیں **جواب** جب تک کہ مستامن دار الحرب میں ہی اُسپر واجب ہی کہ مال مذکور واپس کرے اور جب اُس مال کو دار الحرب سے باہر نکال لایا تو اُسکا مالک ہوجائیگا مگر ملک خبیث ہی اُسپر واجب ہی کہ تصدق کرے در مختار میں ہی فلواخرج الینا شیئا ملکہ ملکا حراما للغدر فیتصدق بہ وجوبا قید بالاخراج لانہ لوغصب منھم شیئا ردہ علیھم وجوبا پس اگر مستامن دار الاسلام تک کچھ مال لیکر چلا آیا تو وہ اُسکا مالک ہوجائیگا لیکن ملک حرام کیونکہ اُسنے غدر کیا ہی لہذا اُس مال کو تصدق کردینا واجب ہی اخراج کی قید اسلئے لگائی ہی کہ اُسکی جو چیز دار الحرب میں غصب کرلی ہو اُس کا واپس کردینا واجب ہی اور طحطاوی نے قولہ ملکہ کے تحت میں لکھا ہی لانہ ظفر بمال مباح وانما کان حراما للغدر وانما یتصدق بہ لما فیہ من الخبث قولہ لانہ لوغصب منھم شیئا الخ الغصب لیس بقید اذ لوسرق واغار کان الحکم کذلک کما لایخفی قولہ ردہ علیھم اے ما دام فی دارھم کیونکہ اُسے مال مباح ملاہی اور حرمت غدر کیوجہ سے ہی اور تصدق اسوجہ سے ہوگا کہ اُس میں خبث ہی اور غصب کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں ہی بلکہ سرقہ اور لوٹ کا بھی یہی حکم ہی جیساکہ ظاہر ہی اور جب تک دار الحرب میں رہے اُسپر اُس مال کا واپس کردینا واجب ہے۔

کتاب البیع

سوال اگر زید نے اپنی ملک کو مالیت سے کم قیمت پر بقاے ملک کی مصلحت سے بیع کیا تو بیع نافذ ہوگی یا نہیں **جواب** اگر بیع کا اظہار محض مصلحت مذکورہ کے لئے ہے اور بائع خود بخود اقراری ہی کہ درحقیقت یہ بیع بیع نہیں ہی تو بیع مذکور بیع تلجیہ کی قسم سے ہی۔ نور الانوار میں اُس کی حقیقت یوں بیان کی ہی ان یلجئ شیئ الی ان یاتی امرا باطنہ بخلاف ظاھرہ فیظھر بظھوالخلق

انهما یعقد ان البیع بینهما لاجل مصلحة دعت الیہ ولم یکن فی الواقع بینهما بیع یعنے تلجیہ وہ بیع ہے جسکا ظاہر باطن کے خلاف ہو کسی مصلحت سے خلق کے سامنے تو یہ ظاہر کیا جائے کہ ان دونوں کے درمیان میں بیع منعقد ہورہی ہے اور فی الواقع وہ بیع نہو۔ اور اسکے حکم میں لکھا ہے یفسد البیع ولا یوجب الملك وان اتصل بہ القبض لعدم الرضا یعنی بیع فاسد ہوگی اور ملک نہ ثابت ہوگی اگرچہ قبضہ بھی متحقق ہوجائے کیونکہ رضامندی ثابت نہیں ہے اور اگر بنظر مصلحت مذکور فی الواقع بیع کی ہے تو بیع مذکور نافذ ہے **سوال** تیل یا گڑ کا خمیرہ جو نجس ہوگیا ہو اسکی بیع درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویجوز بیع الدھن المتنجس والانتفاع بہ فی غیر الاکل یعنی نجس تیل کا بیچنا اور اس سے نفع حاصل کرنا بشرطیکہ کھانے کی چیزوں میں (ڈالکر) نہ حاصل کیا گیا ہو جائز ہے **سوال** آموں کی بیع جو ابھی چھوٹے ہی چھوٹے ہوں درخت پر جائز ہے یا نہیں اور آخر فصل تک مشتری کو بائع کی اجازت سے درخت پر رہنے دینا جائز ہے یا نہیں **جواب** کچے آموں کی بیع جائز ہے اور وقوع بیع کے بعد بائع کی اجازت سے درخت ہی پر رہنے دے تو بھی جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے ومن باع ثمرة لم یبدأ صلاحها او قد بدا جاز البیع لانہ مال متقوم اما لکونہ منتفعا بہ فی الحال و فی الثانی وقد قیل لا یجوز قبل ان یبدو صلاحها والاول اصح وعلی المشتری قطعها فی الحال تفریغا لملك البائع هذا اذا اشتراها مطلقا او بشرط القطع وان اشترط ترکها علی الشجر فسد البیع لانہ شرط لا تقتضیہ العقد لو اشتراها مطلقا وترکها باذن البائع طاب لہ الفضل یعنے جسنے پھل بیچے اور وہ پکنا شروع نہیں ہوئے تھے یا پکنا شروع ہوگئے تھے تو بیع جائز ہے کیونکہ مال متقوم ہے اس سے اسوقت یا زمانہ آیندہ میں نفع حاصل کیا جاسکتا ہے اور بعضوں کے نزدیک جائز نہیں ہے تاوقتیکہ پھل پکنا شروع ہوجائیں اور اول اصح ہے اور مشتری کو فوراً پھل کاٹ لینا چاہیے تاکہ ملک بائع فارغ ہوجائے یعنے اُسکے درخت پھنسے نہ رہیں یہ اُس صورت میں ہے جب پھلوں کو بلا شرط یا بشرط قطع خریدے اور اگر اس شرط سے خریدے کہ وہ درخت پر لگے رہیں گے تو بیع فاسد ہوجائیگی کیونکہ یہ شرط ایسی ہے جسے بیع نہیں چاہتی اور اگر پھلوں کو بلا کسی شرط کے خریدا اور با جازت بائع درختوں پر لگا رہنے دیا تو یہ درست ہے **سوال** بیع تعاطی میں جو لینے اور دینے کے معنے میں ہے اگر بغیر تلفظ کے ہو تو اخذ دونوں جانب سے چاہیے یا ایک جانب سے کافی ہے **جواب** بیع تعاطی

میں اکثر مشائخ کا مختار ایک مجلس میں دونوں جانب سے اعطا ہے اور ابو الفضل کرمانی نے فقط تسلیم مبیع کو بیان ثمن کیساتھ ضروری خیال کیا ہے اور بعض فقہا نے قبض احد البدلین کا ثمن ہو یا مبیع بیع تعاطی میں اعتبار کیا ہے۔ عالمگیری میں ہے والشرط فی بیع التعاطی الاعطاء من الجانبین عند شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی الکفایۃ وعلیہ اکثر المشائخ وفی البزازیۃ هو المختار کذا فی البحر الرائق والصحیح ان قبض احدهما کاف لنص محمد ان بیع التعاطی یثبت بقبض احد البدلین وهذا ینتظم الثمن والمبیع کذا فی النهر الفائق یعنی بیع تعاطی میں جانبین سے اعطا شرط ہے شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک جیسا کہ کفایہ میں ہے اور یہ اکثر مشائخ کا خیال ہے اور بزازیہ میں ہے کہ یہی مذہب مختار ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ ایک کا قبضہ کافی ہے کیونکہ امام محمد نے اسے ثابت کیا ہے کہ بیع تعاطی احد البدلین پر قبضہ سے ثابت ہوجاتی ہے اور یہ ثمن و مبیع دونوں کو شامل ہے جیسا کہ نہر الفائق میں ہے اور در مختار میں ہے واکتفی الکرمانی بتسلیم المبیع مع بیان الثمن یعنی کرمانی نے تسلیم مبیع اور بیان ثمن ہی پر اکتفا کی ہے **سوال** اگر کوئی شخص گابھن بھینس جس نے ابتک دودھ نہیں دیا دودھ کیلئے خریدے تو درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے کیونکہ بیع کا رکن اور لازم موجود ہے **سوال** ادھار ثمن کیساتھ بیع جبکہ میعاد ادائگی ثمن معلوم ہو جائز ہے یا نہیں **جواب** ہدایہ میں ہے کہ یجوز البیع بثمن حال ومؤجل اذا کان الاجل معلوما یعنی بیع نقد ثمن اور ادھار سے جائز ہے جبکہ میعاد ادائے ثمن معلوم ہو **سوال** دس سیر گیہوں یا آٹا دس سیر گیہوں یا آٹے کے عوض میں مول لینا جائز ہے یا نہیں **جواب** امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ناجائز ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے در مختار میں ہے وما نص الشارع علی کونہ کیلیا کبر وشعیر وتمر وملح او وزنیا کذهب وفضۃ فهو کذلک لا یتغیر ابدا فلم یصح بیع حنطۃ بحنطۃ وزنا کما لو باع ذهبا بذهب او فضۃ بفضۃ کیلا ولو مع التساوی لان النص اقوی من العرف فلا یترک الاقوی بالادنی وما لم ینص علیہ حمل علی العرف وعن الثانی اعتبار العرف مطلقا ورجحہ الکمال وخرج علیہ سعدی افندی استقراض الدراهم عددا وبیع الدقیق وزنا فی زماننا یعنی بمثلہ وفی الکافی الفتوی علی عادۃ الناس بحر واقرہ المصنف یعنے شارع نے جس کے کیلی ہونے کو تبلادیا ہے مثلاً گیہوں جو کھجور اور نمک اور جسکے وزنی ہونیکو بتلادیا ہے

جیسے سونا چاندی تو وہ ہمیشہ اُس حالت پر رہیں گے پس گیہوں کو گیہوں کے عوض میں تول کے بیچنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ سونے کو سونے کے عوض میں اور چاندی کو چاندی کے عوض میں تاپ کے بیچنا صحیح نہیں ہے اگرچہ برابر ہوں کیونکہ نص عرف سے اقوی ہے تو ادنی کی بدولت اقوی ترک نہ کیا جائیگا اور جسپر نص نہ قائم ہو وہ عرف پر حمل کیا جائیگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک عرف مطلقاً معتبر ہے کمال نے اسکو ترجیح دی ہے اور سعدی آفندی نے اسی سے عدد اور دراہم کے قرض لینے کا اور ہمارے زمانے میں وزناً آٹے کے فروخت ہونیکا یعنی مثل کی مثل کے ساتھ استخراج کیا ہے اور کافی میں عادت ناس پر فتوے دیا ہے۔ بحر۔ اور مصنف نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے **سوال** اگر غلام کے مالک نے غلام کو بیچا اور طرفین سے ایجاب و قبول ہو گیا اور غلام بیع سے راضی نہیں ہے تو یہ بیع نافذ ہو گی یا نہیں **جواب** نافذ ہو گی کیونکہ غلام کا بیع پر راضی ہونا شرائط یا ارکان بیع سے نہیں ہے **سوال** اگر اسباب کو روپیہ یا اشرفی کے بدلے میں بیچا تو پہلے ثمن دینا چاہیے یا مبیع **جواب** شرح وقایہ میں ہے فی بیع السلعۃ بالثمن ای بالدراھم والدنانیر یسلم الثمن اولا لان السلعۃ تتعین بالبیع والدراھم والدنانیر لا تتعین الا بالتسلیم فلابد من تعینہ لئلا یلزم الربوا یعنے اسباب کو ثمن یعنی دراہم و دنانیر کے عوض بیچنے میں پہلے ثمن دیے جائیں کیونکہ اسباب بیع سے متعین ہو جاتا ہے اور دراہم و دنانیر بلا تسلیم متعین نہیں ہوتے اور انکی تعیین ضروری ہے تاکہ ربوا نہ لازم آئے **سوال** ثمن اور قیمت میں کیا فرق ہے **جواب** جامع الرموز میں ہے الثمن ھو ما یلزم بالبیع وان لم یقوم بہ یعنے ثمن وہ ہے جو بیع سے لازم آئے اگرچہ وہ جانچ میں نہ آئے۔ اور برجندی لکھتے ہیں القیمۃ ما قوم بہ مقوم والثمن قد یکون مساویا للقیمۃ وقد یکون زائدا وقد یکون ناقصا عنہ یعنے قیمت وہ دام ہیں جو دام لگانے والا لگائے ثمن کبھی قیمت کے مساوی ہوتا ہے اور کبھی زائد اور کبھی کم **سوال** زید کے پاس زمین اور ایک مکان خرید پانسو روپیہ کا اُسکے قبضہ میں سالہا سال رہا اور وہ خالد کا قرضدار چالیس روپیہ کا تھا خالد نے عدالت میں نالش کی سرکار نے وہ زمین اور مکان خالد کے روپیہ کی بابت مع خرچہ عدالت کے نیلام کرا ڈالا اور حامد کے نام وہ اکسٹھ روپیہ پر چھوٹا سرکار نے اسپر حامد کا مالکانہ قبضہ کرا دیا لیکن زید جو کہ مالک ہے وہ اس

نیلام پر راضی نہیں ہے پس ایسی زمین اور مکان سے بدون رضامندی زید کے نفع لینا یا قبرستان اور مسجد بنانا از روے شرع جائز ہے یا نہیں **جواب** اس صورت میں حامد کو اس زمین سے نفع لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اگر قرضدار کے مال کی بیع جبکہ وہ قرض ادا نکرے حاکم کو بلا اجازت جائز ہے بر قول اصح جیسا کہ ملتقی الابحر اور درمختار اور حامدیہ وغیرہا میں ہے مگر چونکہ یہ بیع نہایت نقصان سے ہوئی کہ پانچسو کی چیز آٹھ روپیہ کو بکی اور حاکم کی ولایت نفع اور شفقت پر مبنی ہے نہ ضرر و نقصان پر مثل صبی کی ولایت کے لہذا یہ بیع جائز نہوگی فتاوے خیریہ میں ہے الحاصل ان القاضی نصب ناظرا فینبغی له ان ینظر للمدیون کما ینظر للدائن فیبیع ما کان انظر له یعنی حاصل یہ ہے کہ قاضی نے ایک ناظر مقرر کیا تو اُسے چاہیئے کہ جس طرح دائن کی حالت کو دیکھتا ہے مدیون کی حالت کو بھی دیکھے تو جو اسکی حالت کے مناسب ہو اُسے بیچ ڈالے واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفا اللہ عنہ

۸ ذیقعدہ ۱۲۸۰ھ

سوال حیوانات مردار کی تر یا خشک کھال کی بلا دباغت کے بیع و شرا و تجارت جائز ہے یا نہیں **جواب** نہیں فتح القدیر میں ہے لا یجوز بیع جلود المیتة قبل ان تدبغ لانها غیر منتفع بها قال صلی اللہ علیه وعلی آله وسلم لا تنتفعوا من المیتة باهاب ولا خلاف فی هذا یعنی دباغت کے پہلے مردار کی کھال کو بیچنا درست نہیں ہے کیونکہ اُنسے انتفاع حاصل نہیں ہو سکتا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے دباغت مردار کی کھال سے نفع نہ اُٹھاؤ اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے انتہی واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفی اللہ عنہ

سوال زید نے اپنا مال بکر کے ہاتھ جا کڑ بیچکے اقرار کیا کہ بشرط عدم استعمال جب چاہے واپس کر دے پس بکر نے اُس مال کو دوسرے کے ہاتھ بیچا جو نفع اسکو اس فروخت سے حاصل ہوا وہ بکر کے لئے حلال ہے یا نہیں **جواب** حرام ہے کیونکہ جا کڑ مال بائع کی ملک سے باہر نہیں آتا نقایہ میں ہے لا یخرج مبیع عن ملك بائعه مع خیاره کالمقبوض علی سوم الشراء یعنی کوئی مبیع بائع کی ملک سے نہیں نکلتی اگر خیار ہو جیسے کہ مقبوض علی سوم الشرار۔ اور جب وہ مال ملک بائع سے باہر نہیں آیا تو اُس سے بکر کو نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفی اللہ عنہ

ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ

سوال زید نے بکر کو مال دیکے کہا کہ اس قیمت سے جو زائد ملے وہ تمہارا ہے پس بکر نے اسکو معینہ قیمت سے زائد کو بیچا یہ زیادتی بکر کے لئے حلال ہے یا نہیں **جواب** حلال ہے

واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفی اللہ عنہ **سوال** علمائے شافعیہ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں کہ اس شہر کے بعض لوگ سرکہ بنانے کے لئے شراب مول لینا جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نیت کیوجہ سے جو اُنکے نزدیک شرط ہے شراب کی حرمت اور نجاست مرتفع ہو جاتی ہے اُنکا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں کتب شوافع سے بتلایئے **جواب** شراب کا خریدنا جائز نہیں ہے اگرچہ سرکہ بنانے کے لئے بھی ہو اور کتب فقہ شافعیہ میں شراب کے خریدنے کا جواز کہیں پایا نہیں جاتا کیونکہ شراب حرام اور نجس ہے جیسا کہ مغنی میں ہے اور جو چیز نجس ہے اُسکا خریدنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بیع کی شرط نہیں پائی جاتی۔ پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شروط بیع میں سے معتبر ہے کہ مبیع نجس العین نہو بلکہ بالفعل پاک ہو یا دھونے سے اُسکا پاک ہو جانا ممکن ہو فتح المعین میں ہے وطهره او امكان طهره بغسل فلا يصح بيع نجس و جلد ميتة وان امكن طهرها بتخلل او دباغ یعنے اُسکا طاہر ہونا یا غسل سے طاہر ہو جانا ممکن ہو پس نجس اور مردار کی کھال کی بیع درست نہیں ہے اگرچہ طہارت تخلل یا دباغت سے ممکن ہے۔ لہذا سگ معلم و خنزیر کی بیع درست نہیں ہے اسیطرح شراب کی بیع بھی درست نہیں۔ احیاء علوم الدین میں ہے فيعتبر فيه ستة شروط الاول ان لا يكون نجسا في عينه فلا يصح بيع كلب و خنزير ولا يجوز بيع الخمر یعنی مبیع کے لئے چھ شرطیں ہیں اول یہ کہ نجس عین نہو پس کتے اور سور کی بیع صحیح نہیں ہے اور شراب کی بیع جائز نہیں ہے۔ اور منہاج میں ہے وللبيع شروط طهارة عينه فلا يصح بيع كلب و خنزير و خمر و المتنجس الذی لا يمكن تطهيره كالخل واللبن یعنی مبیع کی چند شرطیں ہیں ایک اُسکا خود طاہر ہونا تو کتے اور سور اور شراب اور اُس نجس کی بیع جسکا پاک ہونا ممکن نہو صحیح نہیں ہے مثلاً سرکہ اور دودھ اور زبد میں ہے کہ مبیع کا پاک ہونا شرط ہے انتہی۔ اور انوار میں ہے وله شروط الاول ان يكون طاهرا او يطهر بالغسل فلا يصح بيع كلب و خنزير و فروعهما والميتة كالعاج وجلدها قبل الدباغ والسرجين والخمر یعنی مبیع کے لئے بہت سی شرطیں ہیں اول یہ کہ خود طاہر ہو یا غسل سے طاہر ہو سکے تو کتے اور سور اور مردار اور اُسکی کھال (قبل دباغت) اور غلیظ اور شراب کی بیع صحیح نہیں ہے۔ اور مغنی میں بعبارت فارسی لکھا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے اور جو نجس العین ہے جیسے کتا اور خون اور مردار یہ چیزیں کسی طرح پاک نہیں ہو سکتیں مگر شراب جو خود بخود سرکہ ہو جائے

اور بھی اسی کتاب میں ہے اگر شراب کو نمک وغیرہ سے سرکہ بنایا تو یہ سرکہ پلید اور حرام ہے اور اسکی پاکی ممکن نہیں ہے لہذا جو شراب کہ بغیر تصرف کے سرکہ بنجائے پاک ہے اور اسکا مٹکا بھی پاک ہے اور جو چیز نجس العین ہے جیسے کتا اور خون اور مردار وہ کسی طرح پاک نہیں ہو سکتے البتہ شراب اگر خود بخود سرکہ بن جاوے یا مردار کا چمڑا جسکو دباغت دیدی جائے۔ اور منہاج میں ہے ولا یطہر نجس العین الا خمر تخللت وکذا ان نقلت من شمس الی ظل وعکسہ فی الاصح فان خللت بطرح شئ فلا یعنی نجس العین طاہر نہیں ہوتا مگر شراب جب وہ سرکہ ہو جائے یا دھوپ سے سایہ میں لائی جائے یا بر عکس بر مذہب اصح اور اگر اسمیں کچھ ڈالکر سرکہ بنایا جائے تو طاہر نہوگی۔ اور انوار میں ہے لا یطہر من نجس العین الا الخمر بالتخلل وجلد المیتۃ بالدباغ یعنی اور نجس العین بجز شراب کے جب سرکہ بنجائے اور مردار کی کھال جب دباغت کیجائے تو طاہر نہیں ہوتی مشکوٰۃ شریف میں ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الخمر وشاربہا وساقیہا وبایعہا ومتبایعہا وعاصرہا الحدیث وعن انس رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ فی الخمر عشرۃ عاصرہا ومعتصرہا وشاربہا وحاملہا والمحمولۃ الیہ وساقیہا وبائعہا واکل ثمنہا والمشتری لہا والمشتری لہ رواہ الترمذی وابن ماجۃ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے شراب اور اُسکے پینے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑنے والے سب پر لعنت کی ہے الحدیث اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے اسکے نچوڑنے والے اور نچڑوانیوالے اور پینے والے اور اُٹھانے والے اور منگوانے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور دام کھانے والے اور خریدنے والے پر اور جسکے لئے خریدی گئی ہے اُسپر اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ خادم العلماء الربانی فقیر شاہ رحمۃ اللہ قادری النقشبندی | حاجی شاہ محمد رحمت اللہ قادری | الجواب المرقوم صحیح سید علی رضا

ہذا الجواب صحیح لا شک فیہ میر تصدق حسین الجواب صحیح کتبہ خادم علمای دین متین محمد شہاب الدین قادری عفا عنہ وعن اسلافہ | محمد شہاب الدین | الجواب صحیح غلام قادر عفی عنہ

هو المصوب | سید مرتضیٰ | سید مرتضیٰ خادم شرع مصطفےٰ کتبہ اصاب اجاب من امن قادر علام
شافعیہ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے اور سرکہ بنانے سے اُسکی نجاست مرتفع نہیں ہوتی
البتہ اگر خود بخود سرکہ ہو جائے تو پاک ہے اور اشیائے نجسہ کی بیع حرام ہے امام محی الدین نووی شرح
صحیح مسلم میں لکھتے ہیں ممن قال بتحریم تخلیلها وانها لا تطهر به الشافعی واحمد ومالک فی
اصح الروایتین عنه وجوزه الاوزاعی واللیث وابوحنیفة ومالک فی روایة واما اذا انقلبت
بنفسها فلا تطهر عند جمیعهم الا ما حکی عن سحنون المالکی انه قال لا تطهر یعنی امام
شافعی اور امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ (بر صحیح روایتیں) کے نزدیک شراب کا
سرکہ بنانا حرام ہے اور وہ اس سے طاہر نہیں ہوتی اور اوزاعی ولیث و ابوحنیفہ و مالک رحمہم اللہ
(بروایت واحد) اسے جائز سمجھتے ہیں البتہ اگر خود بخود سرکہ ہو جائے تو سب کے نزدیک طاہر
ہو جاتی ہے لیکن سحنونؒ مالکی سے مروی ہے کہ طاہر نہیں ہوتی۔ اور بھی ان الذی حرم شربها حرم
بیعها کی روایت میں لکھا ہے وفیه تحریم بیع الخمر وهو مجمع علیه والعلة فیه عند الشافعی وموافقیه
کونها نجسة ولیس فیها منفعة مقصودة یعنی اس سے بیع خمر کی حرمت ثابت ہوتی ہے یہ مجمع
علیہ ہے امام شافعیؒ اور انکے موافقین کے نزدیک اسکی علت نجاست اور کسی منفعت مقصودہ
کا نہونا ہے۔ اور محمد خطیب شربینی شافعی اقناع شرح مختصر ابی شجاع میں لکھتے ہیں لا یصح بیع عین
نجسة سواء امکن تطهیرها بالاستحالة کجلد المیتة ام لا کالسرجین والکلب ولو معلما والخمر
الصحیحین انه صلی اللہ علیه وسلم نهی عن ثمن الکلب وقال ان اللہ حرم بیع الخمر والمیتة
والخنزیر یعنی نجس العین کی بیع صحیح نہیں ہے خواہ اُسکی تطہیر ممکن ہو مثلاً مردار کی کھال یا نا ممکن
ہو مثلاً غلیظ اور کتا اگرچہ اُسے تعلیم دی گئی ہو اور شراب کیونکہ صحیحین میں ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ التسلیم
نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ نے خمر اور میتہ اور خنزیر کی بیع حرام کی ہے۔ واللہ
اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابو الحسنات محمد عبد الحی |
الجواب صحیح نمقہ خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفر لہ اللہ الرحیم | محمد ابراہیم |
شیخ جلال الدین محلی شرح منہاج الفقہ میں لکھتے ہیں وللمبیع شروط خمسة احدها طهارة
عینه فلا یصح بیع الکلب والخمر وغیرهما من نجس العین لانه صلی اللہ علیه وسلم نهی عن

ثمن الکلب قال ان اللہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر رواہما الشیخان والمعنی فی المذکورات نجاسۃ عینہا فالحق بہا فانی نجس العین یعنی بیع کے لئے پانچ شرطیں ہیں اول یہ کہ طاہر عین ہو تو کتے اور شراب وغیرہ کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام الصلوٰۃ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اللہ نے بیع خمر ومیتہ وخنزیر سے ممانعت فرمائی ہے اسے شیخین نے روایت کیا ہے اور ان سب میں باعث نجس عین ہونا ہے لہذا ان تمام چیزوں کا حکم جو نجس العین ہیں یہی ہوگا۔ اور بیع خمر کے عدم جواز کا ہی حکم عامۂ اسلام شیوخ حنفیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ہے واللہ علیم حررہ ابوالاحیا محمد نعیم عفر لہ العلی الرب الحکیم **سوال** پوست حیوان مردار غیر مدبوغ کی بیع اور سرکہ بنانے کے لئے شراب خریدنا جائز ہے یا نہیں اور مردے کی ہڈی اور بال اور پر وغیرہ سے انتفاع جائز ہے یا نہیں اور حیوان کی جو کھال دباغت سے پاک ہوتی ہے ذبح سے بھی طاہر ہوتی ہے یا نہیں اور ذکاۃ کے کیا معنی ہیں **جواب** دباغت سے پہلے مردار کی کھال کی بیع جائز نہیں ہے کما قال فی العینی ولم یجز ایضا بیع جلد المیتۃ قبل الدبغ لما روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہی عن الانتفاع بجلد المیتۃ وعصبتہا رواہ ابوداؤد وغیرہ وبعد ای بعد الدبغ یباع لانہ طہر بالدبغ انتہی وفی شرح الوقایۃ ولا یبیع جلد المیتۃ قبل الدبغ انتہی وفی الہدایۃ قال ولا یبیع جلد المیتۃ قبل ان یدبغ لانہ غیر منتفع بہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا تنتفعوا من المیتۃ باہاب وہو اسم لغیر المدبوغ علی ما مر فی کتاب الصلوٰۃ انتہی وایضا فیہا ولا باس ببیعہا والانتفاع بہا بعد الدباغ لانہا طہرت بالدباغ یعنی جیسا کہ عینی میں ہے مردار کی کھال کا بیچنا بھی جائز نہیں ہے بغیر دباغت کیے ہوئے کیونکہ مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مردار کی کھال سے نفع اٹھانے کی ممانعت کی ہے اسکو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ بھی اسمیں ہے کہ دباغت کے بعد اس کی بیع درست ہے کیونکہ وہ دباغت سے طاہر ہو جاتی ہے یعنی مردار کی کھال کو دباغت سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں مردار کی کھال سے بغیر دباغت دیے فائدہ اٹھانے کی ممانعت آئی ہے اور دباغت کے بعد چونکہ پاک ہو جاتی ہے اسلئے اسوقت فائدہ اٹھانا درست ہے اسی طرح ہدایہ میں ہے انتہی اور شرح وقایہ میں ہے مردار کی کھال دباغت کے قبل نہ بیچی جائے انتہی

اور ہدایہ میں ہے مردار کی کھال دباغت سے قبل نہ بیچی جاوے کیونکہ وہ غیر منتفع بہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردار کی اہاب سے نفع نہ اُٹھاؤ اور اہاب اُس کھال کو کہتے ہیں جسکی دباغت نہ کی گئی ہو جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں گزرا اور اسی کتاب میں ہے دباغت کے بعد مردار کی کھال کے بیچنے میں یا اُس سے نفع اُٹھانے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ وہ دباغت کیوجہ سے طاہر ہوگئی و فی الدر المختار و بطل بیع مال غیر متقوم ای غیر مباح الانتفاع بہ، ابن کمال، فلیحفظ کخمر و خنزیر انتھی و فی الھدایۃ و اما بیع الخمر والخنزیر ان کان قوبل بالدین کالدراھم والدنانیر فالبیع باطل وان کان بعین فالبیع فاسد حتے یملک مایقابلہ وان کان لایملک عین الخمر والخنزیر انتھی و فی العینی بیع الباطل وھو غیر مشروع اصلا کبیع الخمر والخنزیر والمیتۃ والدم انتھی قال فی العالمگیریۃ لایجوز بیع الحر والخمر والخنزیر والمیتۃ کذا فی التھذیب انتھی و فی شرح الوقایۃ بطل بیع مال غیر متقوم کالخمر والخنزیر بالثمن انتھی و ایضا فیہ البیع فی الخمر باطل حتی لایملک عین الخمر انتھی اور درمختار میں ہے مال غیر متقوم کی بیع یعنی جس سے نفع حاصل کرنا مباح نہیں ہے باطل ہے، ابن کمال، مثلاً شراب اور سور اور ہدایہ میں ہے بیع خمر و خنزیر اگر قبول کیا جاے دین میں مثل دراہم و دنانیر تو بیع باطل ہے اور اگر بمعاوضہ عین کے ہو تو بیع فاسد ہے حتی کہ بائع معاوضہ کا مالک ہوگا گو خود خمر و خنزیر کا مالک نہ تھا اور عینی میں ہے بیع باطل وہ ہے جو بالکل غیر مشروع ہو مثلاً بیع خمر و خنزیر و میتہ و دم اور عالمگیری میں ہے آزاد اور شراب اور سور اور مردار کی بیع درست نہیں ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے انتہی اور شرح وقایہ میں ہے مال غیر متقوم کی بیع بمعاوضہ ثمن کے باطل ہے مثلاً شراب اور سور کی بیع انتہی اور اسی کتاب میں ہے بیع خمر میں باطل ہے حتی کہ عین خمر کا وہ شخص مالک نہوگا انتہی۔ حاصل یہ ہے کہ مال غیر متقوم کا بیچنا باطل ہے جیسے خون اور مردار وغیرہ اور اسکا خریدنا بھی باطل ہے۔ اور شرح وقایہ میں ہے بطل بیع بما لیس بمال کالدم والمیتۃ والحر والبیع بہ یعنی جو مال نہیں ہے مثلاً خون اور مردار اور آزاد اُسکی بیع باطل ہے۔ اور ملتقی الابحر میں ہے بیع مالیس بمال والبیع بہ باطل یعنی جو مال نہیں ہے اُسے فروخت کرنا یا اُس سے کچھ خریدنا باطل ہے جاننا چاہیے کہ بیع خریدنے اور بیچنے کو کہتے ہیں اور شرع میں بیع بتراضی مال کو مال

سے بدلنے کو کہتے ہیں جیساکہ ہدایہ میں ہے مردار کے پٹھے اور ہڈی اور سینگ اور پر اور بال اور اون اور سم اور چونچ اور ہر وہ شی جس میں زندگی حلول نہیں کرتی ہے پاک ہے اور اس سے نفع اٹھانا درست ہے بشرطیکہ اس پر چربی نہ لگی ہو۔ اور غنیہ المستملی میں ہے وعصب المیتۃ وعظمہا وقرنہا وریشہا وشعرہا وظفرہا وزلفہا وکذا حافرہا ومخلبہا وکل مالا تحل الحیٰوۃ منہا طاہر اذا لم یکن علیہ دسومۃ یعنے مردار کے پٹھے اور ہڈی اور سینگ اور روئیں اور بال اور پر اور کھر اور پنجے اور ناخن اور وہ چیزیں جن میں روح حلول نہیں کرتی طاہر ہیں جبکہ ان پر چربی نہ ہو اور جو جانور کہ بسم اللہ سے ذبح کیا جائے تو اسکی کھال اور گوشت اور چربی اور تمام اجزا پاک ہو جاتے ہیں سوائے خنزیر کے عام ہے کہ اس جانور کا گوشت کھایا جائے یا نہ کھایا جائے اور غنیۃ المستملی میں ہے کل حیوان اذا ذبح التسمیۃ طہر جلدہ ولحمہ وشحمہ وجمیع اجزاءہ سوی الخنزیر والادمی سواء کان ماکول اللحم او غیر ماکول اللحم یعنی سور اور آدمی کے سوا جو حیوان خدا کا نام لیکر ذبح کیا جائے اسکی کھال گوشت چربی اور تمام اجزا طاہر ہو جاتے ہیں خواہ وہ جانور ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ اور ہدایہ میں ہے وما یطہر جلدہ بالدباغ یطہر بالذکاۃ لانہ یعمل عمل الدباغ فی ازالۃ الرطوبات النجسۃ وکذلک یطہر لحمہ بالذکاۃ وان لم یکن ماکولا یعنی جس جانور کی کھال دباغت سے طاہر ہو جاتی ہے اسکی کھال ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے کیونکہ دباغت کی طرح ذبح کرنے سے بھی رطوبات نجسہ زائل ہو جاتے ہیں اسیطرح اسکا گوشت بھی ذبح کرنے سے طاہر ہو جاتا ہے اگرچہ کھایا نجائے اور درمختار میں ہے ای اہاب طہر بدباغ طہر بذکاۃ یعنے جو کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح کرنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے طحطاوی میں ہے الذکاۃ بالذال المعجمۃ الذبح یعنی ذکاۃ ذال معجمہ سے ہے اسکے معنے ذبح کرنے کے ہیں۔ اور درمختار میں ہے یشترط بطہارۃ جلدہ کون الذکاۃ شرعیۃ یعنے کھال کے طاہر ہونے میں شرط یہ ہے کہ ذبح شرعی ہو واللہ اعلم بالصواب نمقہ خادم العلماء الربانی فقیر شاہ رحمۃ اللہ قادری النقشبندی [حاجی شاہ محمد رحمت اللہ قادری] الجواب المرقوم صحیح سید علی رضا شافعی المذہب سید علی رضا اصاب من اجاب کتبہ سید مرتضی [سید مرتضی] الجواب صحیح کتبہ خادم علماء دین متین محمد شہاب الدین عفا عنہ وعن اسلافہ [محمد شہاب الدین]

ہذا الجواب صحیح حررہ میر تصدق حسین | میر تصدق حسین | الجواب صحیح بلا ارتیاب واللہ اعلم بالصواب
کتبہ غلام قادر عفا اللہ عنہ | غلام قادر | فی الواقع مردار کی کھال کی بیع دباغت سے پہلے جائز نہیں
ہے۔ قاضی القضاۃ بدر الدین محمود عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے لا یجوز بیع جلود المیتۃ قبل
الدباغ ولا تملیکہا ذکرہ فی المحیط وشرح الطحطاوی یعنی مردار کی کھال کو دباغت کے
پہلے فروخت کرنا یا کسی کو اسکا مالک بنا دینا جائز نہیں ہے یہ محیط اور شرح طحطاوی میں ہے اور
اسیطرح شراب کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے۔ مجتبیٰ شرح قدوری میں ہے اما بیع الخمر والخنزیر
ان کان الدین کالدراہم والدنانیر فالبیع باطل واتفقت الروایات علی ان ثمن الخمر
والمیتۃ غیر مملوکۃ وان قوبل بعین فالبیع فاسد حتی یملک ما یقابلہ وان کان لا یملک
عین الخمر والخنزیر یعنی شراب اور سور کی بیع اگر دین کے معاوضہ میں ہو مثل دراہم و دنانیر تو بیع
باطل ہے اور روایات اسپر متفق ہیں کہ شراب اور مردار کے ثمن کسی کے ملک نہیں ہیں اور اگر عین کے
معاوضہ میں ہو تو بیع فاسد ہے حتی کہ بائع معاوضہ کا مالک ہوگا اگرچہ شراب اور سور عین کا مالک تھا
اور ان اجزاے مردار کا استعمال درست ہے جن میں حیات نے حلول نہ کیا ہو شرح وقایہ میں ہے
وشعر المیتۃ وعظمہا وعصبہا وحافرہا وقرنہا وشعر الانسان وعظمہ طاہر یعنی مردار کے
بال اور ہڈیاں اور کھر اور سینگ اور انسان کے بال اور ہڈیاں طاہر ہیں۔ اور جو کھال دباغت
سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح شرعی سے بھی پاک ہو جاتی ہے شرح وقایہ میں ہے وما طہر جلدہ بالدباغ
یطہر بالذکاۃ وما لا فلا ای ما لا یطہر بالدباغ لا یطہر بالذکاۃ والمراد بالذکاۃ ان یذبح المسلم
او الکتابی من غیر ان یترک التسمیۃ عامدا یعنی جس کی کھال دباغت سے طاہر ہو جاتی ہے اسکی
کھال ذبح کرنے سے بھی طاہر ہو جاتی ہے اور جسکی کھال دباغت سے طاہر نہیں ہوتی اسکی کھال
ذبح سے بھی طاہر نہیں ہوتی اور ذکاۃ سے مراد مسلم یا کتابی کا ذبح کرنا ہے بشرطیکہ قصداً خداے تعالیٰ کا نام ترک
نہ کرے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی
| ابو الحسنات محمد عبد الحی | الجواب صحیح نمقہ خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفر لہ اللہ الرحیم | محمد
ابراہیم | جامع الرموز میں ہے ولا یجوز ولا یبطل بیع جلد المیتۃ قبل دبغ یعنے دباغت کے قبل
مردار کی کھال کی بیع نہ تو جائز ہے نہ باطل (بلکہ فاسد) ہے اور بھی اسی کتاب میں ہے وفی الاکتفاء

اشعار بجواز اجزاء غیرهما کالشعر وغیرہ ولو میتة وفی العصب روایتان کما فی المحیط یعنی انہیں دونوں پر اکتفا کرنے میں اس جانب اشارہ ہے کہ انکے علاوہ اور جانوروں کے اجزا مثلاً بال وغیرہ کی بیع جائز ہے اگرچہ وہ مردار ہوں اور پٹھوں میں دو روایتیں ہیں جیسا کہ محیط میں ہے اور غیرهما سے اس عبارت میں غیر آدمی و خنزیر کا ارادہ کیا ہے اور بھی اسی کتاب میں ہے وبطل بیع مال غیر متقوم بکسر الواو ای غیر منتفع بہ شرعا کالخمر فیمابین المسلمین ومسلم وکافر بالثمن وفیہ اشارة الی ان بیعها بالعرض غیر باطل یعنی مال غیر متقوم کی بیع باطل ہے اور مال غیر متقوم اس مال کو کہتے ہیں جس سے شرعاً نفع اٹھانا جائز نہو مثلاً دو مسلمانوں یا ایک کافر اور ایک مسلمان کے مابین شراب کی بیع بعوض ثمن کے ہو اسمیں اس جانب اشارہ ہے کہ بیع خمر بعوض عرض غیر باطل ہے۔ اور غیر باطل سے اس عبارت میں فاسد مراد لی ہے اور بھی اسی کتاب میں ہے وما ای حیوان طهر جلدہ بالدباغ طهر ذلك الحیوان جلدہ بالذکاة والذکاة الشرعیة الذبح من الاهل مع التسمیة یعنی وہ حیوان جسکی کھال دباغت سے طاہر ہوجاتی ذبح سے بھی اسکی کھال طاہر ہوجاتی ہے شرعاً ذکاۃ اسے کہتے ہیں کہ وہ شخص جو ذبح کرنے کا اہل ہے خدا کا نام لیکر ذبح کرے واللہ اعلم حررہ ابو الاحیار محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم

سوال

جس وقت بازار میں ایک ڈھیر بیس روپیہ کو بکتا ہو اسوقت ایک بازاری اس ڈھیر کو پچیس روپیہ میں اُدھار فروخت کرے یعنے تاخیر اور اُدھار کیوجہ سے پانچ روپیہ کا اضافہ کرے تو کیا اسصورت سے ثمن میں زیادتی جائز ہے یا نہیں اگر صاحب ہدایہ وکفایہ ونہایہ وشامی وطحطاوی رحمہم اللہ کے قول سے تمسک کیا جائے اور اجل کیوجہ سے ثمن کی زیادتی کو جائز سمجھا جائے تو یہ درست ہے یا نہیں جیسا کہ حاشیہ چلپی رحمہ اللہ میں ہے یجوزان یقدر الثمن فی المبیع بالموجل اکثر مما فی المعجل بحیث تقابل کثرة المؤجل تعجیل لقلیل یعنی یہ جائز ہے کہ کسی شی کی قیمت جبکہ دام جلدی ادا کیے جائیں کم مقرر کرے اور جب دیر میں ادا کیے جائیں زائد مقرر کرے یعنی جلدی کی کمی کو دیر کی زیادتی کے برابر کردے لیکن یہ باب صلح ہدایہ کی اس عبارت کے خلاف ہے الاعتیاض عن الاجل حرام فکذا الاجل وهذا لان حرمة ربوا النساء لیست الا لشبهة مبادلة المال بالمال یعنی اجل سے نفع اُٹھانا حرام ہے کیونکہ حرمت ربوا النساء صرف شبہہ

(حاشیہ: [illegible])

مبادلۃ المال بالمال کی وجہ سے ہر جواب زیادتی ثمن برائے اجل بلاشبہ درست ہر اسکا ثبوت ہدایہ کی کتاب المرابحہ کی عبارت سے اچھی طرح ہوتا ہر ہدایہ میں ہر الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل یعنی کیا تھیں یہ نہیں معلوم کہ مدت کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کی جاسکتی ہر اور ایسی ہی عبارتیں دوسرے کتب عدیدہ میں بھی موجود ہیں۔ فصیح الدین ہروی رحمہ اللہ شرح وقایہ کے کتاب المرابحہ میں لکھتے ہیں فی النسیئۃ یزاد الثمن لاجل الاجل یعنی نسیہ میں مدت کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کیجاسکتی ہر اور نہر الفائق شرح کنز الدقائق میں ہر الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجلہ کیا تھیں یہ نہیں معلوم کہ مدت کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کیجاسکتی ہر۔ اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہر لان للاجل شبہا بالمبیع الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل کیونکہ اجل کو بیع سے مشابہت ہر کیا تمکو یہ نہیں معلوم کہ اجل کیوجہ سے ثمن میں زیادتی کیجاتی ہر انتہی اور اسی کتاب میں چند سطروں کے بعد لکھا ہر الاجل فی نفسہ لیس بمال ولا یقابلہ شئی من الثمن حقیقۃ اذا لم یشترط زیادۃ الثمن بمقابلہ قصدا ویزاد فی الثمن لاجلہ اذا ذکر الاجل بمقابلۃ زیادۃ الثمن قصداً یعنی خود اجل تو مال نہیں ہر اور نہ اُسکے مقابل میں کچھ ثمن ہر جبکہ قصداً اسکے مقابل میں زیادتی ثمن کی تصریح نہ کردی جائے البتہ اُسکی وجہ سے ثمن پر زیادتی کیجاسکتی ہر جبکہ زیادتی کے مقابلہ میں مدت ذکر کردی جائے ان عبارتوں سے امر مسئول عنہ کا جواز اچھی طرح معلوم ہوا اور ایسا ہی فقہ کی بہت سی کتابوں میں ہر اور ہدایہ کی عبارت بھی عبارات سابقہ کے مخالف نہیں ہر۔ ہدایہ کی پوری عبارت یہ ہر لو کان لہ الف مؤجلۃ فصالحہ علی خمس مائۃ حالۃ لم یجز لان المعجل خیر من المؤجل وھو غیر مستحق بالعقد فیکون بازاء ما حطہ عنہ وذلک اعتیاض عن الاجل وھو حرام یعنی اگر کسی چیز کے دام ہزار درہم تھے جبکہ قیمت دیر میں دیجائے تو مشتری نے پانچسو پر صلح کی اس شرط سے کہ وہ دام ابھی دیدے گا تو یہ جائز نہوگا کیونکہ عجلت گو کہ تاخیر سے بہتر ہر لیکن عقد بیع سے اس کی کا حق حاصل نہ تھا تو اب دام کی کمی عجلت کے مقابلہ میں ہو جائے گی اور یہ اجل سے نفع اُٹھانا ہر جو حرام ہر کیونکہ مدت سے نفع اُٹھانا امر دیگر ہر اور مدت کیوجہ سے ثمن پر زیادتی امر دیگر ہر چونکہ اس مسئلہ میں پہلے سے مدت کا حق ثابت تھا اور پانچسو پر صلح حال میں واقع ہوئی تو مدت کا عوض لینا جو مال نہیں ہر لازم آیا اسی لئے حرمت کا حکم دیا گیا اور زیادتی ثمن کی صورت میں مدت

کے لئے حق اجل پہلے سے ثابت نہیں ہی بلکہ ابتداءً مقصود تاجیل ثمن زائد ہوا ہی پس اسکے جواز میں کوئی کلام نہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** تجارت تباکو خوردنی اور تباکو نوشیدنی کی درست ہی یا نہیں **جواب** درست ہی مگر چونکہ حقہ کے جواز میں اختلاف ہی اور اکثر اسکو مکروہ کہتے ہیں اسلیئے پینے کی تباکو کی تجارت سے پرہیز چاہئے حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** (۱) زید نے بکر سے ایک لونڈی یوں مول لی کہ عمرو نام ایک اپنے دوست کو روپیہ دیا کہ عمرو اُس مبیع کا ایجاب و قبول اپنے نام سے کرے اور روپیہ ادا کرے مگر اس خریداری سے مقصود تمتع زید کا ہو چنانچہ بکر نے کہا میں نے بیچا اور عمرو نے کہا میں نے خریدا اور بیع تمام ہوئی اور زر ثمن عمرو نے بکر کو دیا اب یہ لونڈی زید کی ملک ہوگی یا عمرو کی اور زید پر حلال ہونے کے لئے عمرو کیجانب سے تجدید تملیک کی ضرورت ہی یا نہیں خصوصاً جبکہ عمرو کہتا ہی کہ میں نے یہ لونڈی اپنے روپیہ سے اپنے لئے خریدی ہی اب اگر زید ثابت کرے کہ خریداری میرے ہی روپیہ سے ہوئی ہی تو زید عمرو سے روپیہ پا سکتا ہی یا لونڈی اور ادائے زر ثمن کے بعد اگر خالد دعویدار ہو کہ وہ لونڈی میری ملک تھی بکر کی ملک ہی نہ تھی چنانچہ بشہادت عدول اسکا دعویٰ ثابت ہوا اور قاضی نے ملک عمرو سے لونڈی کو خارج کر دیا تو عمرو اُسکا زر ثمن بکر سے واپس پانیکا مستحق ہی یا نہیں اور معاملات میں نیت اور مقصود عاقدین کو باوجود صریحی ایجاب و قبول کے کچھ دخل ہی یا نہیں ہی سوال دوم اگر اسی طرح زید کوئی زمین عمرو کے نام سے خریدے یعنے ایجاب بیع بقصد تمتع زید عمرو اپنے نام سے قبول کرے اور زر ثمن زید سے لیکر ادا کرے اور اسوجہ سے زید اپنے کو مشتری عقار سمجھے باوجود اسکے کہ ایجاب و قبول میں کچھ بھی زید کا ذکر درمیان میں نہیں آیا اور عمرو کو زید کے تمتع مقصود ہونے سے انکار بھی ہی اور زمین بوجہ دعویداری خالد بشہادت عدول ملک عمرو سے نکل جائے تو عمرو اصل بائع پر واپسی زر ثمن کا دعوے کر سکتا ہی یا نہیں اور مشتری ہونے کے احکام شرعاً و قضاءً عمرو سے متعین ہونگے یا زید سے **جواب** جواب سوال اول اس صورت میں عمرو لونڈی کے خریدنے کے واسطے زید کی طرف سے وکیل ہوا پس اگر توکیل جاریہ معینہ کی تھی اور عمرو نے اُسی کو خریدا تو وہ جاریہ زید کی ملک ہوگی اور عمرو کو اپنے واسطے اس کی خریداری درست نہیں اور زید پر وہ جاریہ حلال ہوگی تجدید تملیک کی کچھ حاجت نہیں ہی ہاں اگر عمرو نے زید کے سامنے اسی جاریہ

مول لیا اور تصریح کردی کہ میں اپنے لئے مول لیتا ہوں نہ زید کے لئے تو اُس صورت میں البتہ وہ جاریہ عمرو ہی کی قرار پائے گی اور اس صورت کے سوا کسی صورت میں وہ جاریہ عمرو کی نہیں ہو سکتی۔ ہدایہ میں ہے لو وکلہ لشراء شئی بعینہ فلیس لہ ان یشتریہ لنفسہ یعنے اگر ایک شخص نے کسیکو کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اُسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اُس چیز کو اپنے لئے خریدے۔ اور کفایہ میں ہے سواء نوی عند عقد لشراء لنفسہ او صرح بالشراء لنفسہ بان قال تشہدوا انی قد اشتریتہ لنفسی وھذا اذا کان المؤکل غائبًا فان کان حاضرًا و صرح الوکیل بالشراء لنفسہ یصیر مشتریا لنفسہ یعنی خواہ اپنے لئے خریدنے کی نیت کرے یا اس بات کی تصریح کردے کہ میں اپنے لئے خرید رہا ہوں مثلاً یہ کہدے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں اس چیز کو اپنے لئے خرید رہا ہوں یہ حکم یعنے اپنے لئے نہ خرید سکنا اُسوقت ہے جبکہ مؤکل موجود نہو اور اگر مؤکل موجود ہو اور وکیل اس امر کی تصریح کردے کہ میں اس چیز کو اپنے لئے خرید رہا ہوں تو اسکا یہ خریدنا درست ہوگا ایسے ہی تتمہ میں ہے۔ اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے الوکیل لشراء شئی بعینہ اذا اشتراہ لنفسہ بمثل الذی امر بحال غیبۃ المؤکل یکون مشتریا للمؤکل ولا یملک الشراء لنفسہ مالہ یخرج عن الوکالۃ وھو یملک اخراج نفسہ عن الوکالۃ عند حضرۃ المؤکل لا عند فی غیبتہ کذا فی الخانیۃ یعنی جو شخص کسی خاص چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا گیا اگر وہ مؤکل کی عدم موجودگی میں اُس چیز کو اپنے لئے خریدلے تو وہ چیز اُسی مؤکل کے حق میں خریدی ہوئی سمجھی جائے گی اور وکیل کو اس بات کا حق نہوگا کہ وہ اُس چیز کو اپنے لئے خریدے تاوقتیکہ وہ وکالت سے خارج نہو جائے اور اُسے اس بات کا حق ہے کہ مؤکل کی موجودگی میں اپنے آپ کو وکالت سے بری الذمہ کردے مگر اُسکی عدم موجودگی میں ایسا نہیں کرسکتا جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ پس جب زید ثابت کردے گا کہ یہ خریداری اُسی کے روپیہ سے ہوئی تو وہ عمرو سے لونڈی لے سکتا ہے اور در صورت استحقاق عمرو کو بکر سے واپسی زرثمن کی ضرورت ہوگی جیسا کہ درمختار میں ہے ویثبت رجوع المشتری علی بائعہ بالثمن اذا کان الاستحقاق بالبینۃ لما سیجئ انھا حجۃ متعدیۃ یعنے مشتری بائع سے زرثمن واپس لے گا جبکہ استحقاق بینہ سے ثابت ہو جائے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا کہ بینہ حجت متعدیہ ہے انتہٰی اور اگر توکیل جاریہ غیر متعینہ کے شرا کی کی تھی تو اگر عمرو نے زید کے روپیہ سے لونڈی خریدی یا خریدتے وقت زید

کے لئے لینے کی نیت کی تو وہ لونڈی زید کی ہوگی ورنہ عمرو کی جیسا کہ ہدایہ میں ہے ان وکل الشراء عنہ بغیر عینہ فاشتری عبدا فھو للوکیل الا ان یقول نویت الشراء للموکل او یشتریہ بمال الموکل یعنی اگر کسی کو غیر معین شیٔ کے خریدنے کا وکیل بنایا پھر اُسنے ایک غلام خریدا تو وہ غلام وکیل ہی کی ملک ہوگا مگر اس صورت میں کہ یہ کہدے میں نے موکل کے لئے اس غلام کے خریدنے کی نیت کی تھی یا غلام موکل کے مال سے خریدے جواب سوال دوم اس صورت میں عمرو کی وہ خریداری زید کی سمجھی جائے گی نتائج الافکار میں ہے ان تکاذبا ای الوکیل والموکل فی النیۃ یحکم النقد بالاجماع یعنی اگر وکیل اور موکل میں سے ہر ایک نیت میں ایک دوسرے کی تکذیب کرے تو وہ بیع بالاجماع نافذ ہوگی۔ اور حقوق عقد عمرو کی طرف راجع ہونگے۔ تنویر الابصار میں ہے حقوق عقد لابد من اضافۃ الی الوکیل کبیع یتعلق بہ یعنی حقوق عقد کی نسبت وکیل کی جانب ہوگی جس طرح بیع کا تعلق وکیل ہی سے ہوتا ہے۔ اور عمرو اصل بائع پر واپسی زر ثمن کا دعوی کر سکتا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** کھانے اور پینے کی تمباکو کی تجارت بغرض حصول منفعت و فراغت معاش کرنا درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے علامہ ابراہیم بن حسین رحمہما اللہ الشہیر بہ بیری زادہ حنفی مکی اپنے رسالہ رفع الالتباس فی حکم تعاطی شجرۃ التنباک میں لکھتے ہیں امّا بیعھا وشراؤھا فیجوز لامکان الانتفاع بھا فی غیر الشرب بدلیل تقییدا لاصحاب عدم الجواز فی مثلھا بما لا ینتفع بہ یعنی تمباکو کی بیع وشرا جائز ہے کیونکہ پینے کے علاوہ دوسرے منافع بھی اس سے حاصل کیے جاتے ہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ عدم جواز کے واسطے یہ قید ہے کہ اُس چیز سے نفع نہ اُٹھایا جاسکے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** (۱) چاروں اماموں کے نزدیک مذبوح اور غیر مذبوح کی کھال کا بلا دباغت بیچنا درست ہے یا نہیں سوال (۲) غلہ کی تجارت کیونکر حلال اور کس صورت میں حرام ہے سوال (۳) غلہ خریدنے کے لیے کھیتی کٹنے سے پہلے وزن طے کرکے روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں سوال (۴) زید نے بکر کو دو روپے دیے اور غلہ کا دینا کھیتی کٹنے کے وقت بہ تعین وزن وقت معین قرار پایا یا بلا تعین وزن بوقت معین نرخ بازار قرار پایا مگر زید کو غلہ نہیں ملا اور کھیتی کٹنے کے بعد غلہ وزن معینہ سے کم فروخت

ہوا تو زید نے اُسی حساب سے دو روپیہ کا تین خواہ چاربندگی بکر ٹھہرا کر اُسکا مطالبہ کیا اس میں حلت کا اطلاق ہے یا حرمت کا **جواب** (۱) کھال کی تجارت بغیر دباغت کے حرام ہے (۲) اور غلہ کی تجارت ہر طرح درست ہے جب تک کوئی معاملہ خلاف شرع نہو (۳-۴) غلہ خریدنے کے لئے کھیتی کے پہلے روپیہ دینا درست ہے مگر وزن کا طے کرنا اور غلہ کے وصف وجنس کا بیان کرنا ضروری ہے اور بے تعیین وزن اسطرح کہ جو بازار کا نرخ ہوگا لیں گے درست نہیں ہے اور جب روپیہ دینے والے کو غلہ نہیں ملا تو اُسے صرف اپنا روپیہ واپس کر لینا درست ہے یا اس قدر غلہ لینا جو وزن مقرر ہو گیا ہو زیادہ کم درست نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** علمائے ٹونک سے سوالات مفصلہ ذیل میں استفتا کیا گیا تھا جو جوابات مرسل خدمت ہے اگر صحیح ہو تو تصحیح کیجئے ورنہ صحیح جواب سے مطلع فرمایئے (۱) اگر کوئی شخص سوت تول کے نقد چھ روپیہ چھ آنہ کو کہ یہی اُسکی قیمت ہے مول لے اور دوسرے کے ہاتھ سات روپیہ سات آنہ یا چھ روپیہ چودہ آنہ یا چھ روپیہ بارہ آنے کو معینہ وعدہ پر قرض بیچے تو یہ بیع درست ہوگی یا نہیں (۲) عادت ہے کہ غلہ بازار کے نرخ سے کم نرخ پر قرض لیتے ہیں اور اپنے وعدے پر ثمن ادا کرتے ہیں پس یہ بیع جائز ہے یا نہیں (۳) مثلاً بقال سے روزانہ قرض غلہ لیتے ہیں اور وہ بازار کے نرخ سے کم دیتا ہے اور زر ثمن وعدہ پر پورا لیتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں **جواب** (۱) قبضے کے بعد مبیعہ میں تصرف کیلی ہو یا وزنی درست ہے اور قبضے کے پہلے درست نہیں ہے۔ تنویر الابصار میں ہے اشتری مکیلا بشرط الکیل حرم بیعه واکله حتی یکیله ومثله المعدود والموزون یعنی کسی شخص نے مکیلات میں سے کوئی چیز بشرط کیل خریدی تو جب تک اُسکا کیل نہ کر لیا جائے اُسکی بیع اور اکل حرام ہے اور یہی حال معدود اور موزون کا ہے پس جب سوت کو وزنا قیمت مذکورہ پر مول لے کے اپنے قبضے میں لے آیا تو اب جائز ہے کہ اُسے حالاً نسیۃً جس طرح چاہے بیچے اور ثمن کی زیادتی اجل کے مقابلہ میں جائز ہے جیسا کہ عینی میں ہے لانه یزاد فی الثمن لاجل الاجل یعنے مدت کے بدولت ثمن میں زیادتی کیجا سکتی ہے (۲) درست ہے عینی کی روایت کے موافق جو جواب سوال اول میں گزری (۳) اس سوال کا جواب بعینہ سوال اول کا جواب ہے انتہی۔ بعد نقل عبارت ہر سہ سوال وجواب

وہ خدشہ گزارش کیا جاتا ہے جو داعی اس تصدیع کا ہوا اولاً اس میں یہ خدشہ قابل گزارش ہے کہ مجیب صاحب کی عبارت منقولہ عینی غالباً عینی شرح ہدایہ کی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ عینی شرح کنز میں یہ عبارت نہیں ملتی پس اس کے ماسبق کا فقرہ جسکی دلیل میں لانہ مذکور ہے کیا ہے ثانیاً یہ کہ فتاوی قاضی خاں میں خاص بابت بیع و شراء حنطہ کے یہ جزئیہ منقول ہے لا یجوز بیع الحنطۃ بثمن النسیۃ اقل من سعر البلد فانہ فاسد واخذ ثمنہ حرام ایضا فی الایضاح ان بیع الحنطۃ بنقصان حکم البلدۃ فہو فاسد وان اخذ الثمن بعد مضی المدۃ فہو حرام لان الثمن متفاضل باحکم وھو الربوا یعنی بیع حنطہ بثمن نسیہ شہر کے نرخ سے کم پر جائز نہیں ہے کیونکہ فاسد ہے اور اُسکے دام لینا حرام ہیں الیضاح میں ہے کہ گیہوں کو شہر کے نرخ سے کم پر بیچنا فاسد ہے اور اگر دام مدت کے گزرنے کے بعد لے تو حرام ہے کیونکہ یہ قیمت فضل کے حکم میں ہے جو ربوا ہے۔ اس جزئیہ خاص سے مصرح معلوم ہوتا ہے کہ بیع حنطہ نسیہ اقل نرخ بلد سے جائز نہیں اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ کی بعض عبارت بھی اس کی مؤید ہے کہ حنطہ و شعیر وغیرہ مقیئات ماکولات کا حکم بسبب اسکے کہ اُن کی تصریح حدیث شریف میں وارد ہے اور اشیاے ربویہ سے مستثنیٰ ہے لہذا اُسکی قسم کا تفاضل اور شبہ ربوا اُن میں جائز نہیں اور ہدایہ میں تصریح ہے کہ شبہہ ربوا حکم میں عین ربوا کے ہے یہ سب قرائن اس بیع کے عدم جواز کے اور قاضی خاں کے قول کے مؤید ہیں اور علماے ٹونک نے اس قسم کی بیع کا خاص گندم اور جو و نخود وغیرہ میں حکم جواز لکھا ہے پس اِن دو اقوال متخالف میں صحیح کون قول ہے بنقل عبارت کتاب جواب ترقیم فرمائیے کہ یہ خدشات دفع ہوکے امر محقق دریافت ہوجائے **ہو المصوب**

عبارت عینی جو جوابات سابقہ میں مذکور ہے وہ عبارت عینی شرح ہدایہ کی کتاب المرابحہ میں ہے دونوں کی پوری عبارت یہ ہے ومن مشتری غلاماً بالف درھم نسیۃ فباع بربح مائۃ ولم یبین انہ اشتراہ بنسیۃ فعلم المشتری فان شاء ردہ وان شاء قبلہ لان الاجل شبہا بالمبیع الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل والشبہۃ فی ھذا الباب ملحقۃ بالحقیقۃ ای بحقیقۃ المبیع احتیاطاً فصار کانہ اشتری شیئین وباع احدھما بثمنہما ای بثمن الاثنین وذلک حرام یجب الاحتراز عنہ یعنی اگر کسی شخص نے ایک غلام ہزار درہم کو قرض

خرید اور سو روپیہ نفع لے کر بغیر یہ بیان کیے ہوئے کہ اُس نے قرض خریدا تھا بیچ ڈالا اور مشتری کو معلوم ہو گیا کہ اُس نے قرض خریدا تھا تو اُسے اختیار ہے کہ غلام واپس کر دے یا رہنے دے کیونکہ مدت مشابہ مبیع ہے چنانچہ تم کو معلوم ہے کہ اُدھار کی وجہ سے دام زائد کر دیئے جاتے ہیں اور اس معاملہ میں شبہہ حقیقت کا حکم رکھتا ہے یعنی شبہہ مبیع مثل حقیقت مبیع کے ہے احتیاطاً تو اب گویا کہ مشتری نے دو چیزیں خریدیں تھیں ایک غلام دوسرے مدت ادائے قیمت جن میں سے ایک کو دو کے داموں پر بیچا اور یہ حرام ہے اس سے احتراز واجب ہے اور اس عبارت کے موافق اور بھی عبارتیں موجود ہیں جن سے جوابات سابقہ کی صحت معلوم ہوتی ہے فصیح الدین ہروی رحمہ اللہ کے شرح وقایہ میں ہے فی النسیۃ یزاد الثمن لاجل الاجل یعنی بیع نسیہ میں قیمت مدت کی وجہ سے زائد ہو سکتی ہے۔ اور نہر فائق شرح کنز الدقائق میں ہے الاتری انہ یزاد فی الثمن لاجلہ کیا تمھیں یہ نہیں معلوم کہ ثمن میں اُدھار کی وجہ سے زیادتی کر دیجاتی ہے اور بحر الرائق میں ہے الاجل فی نفسہ لیس بمال ولا یقابلہ شیئ من الثمن حقیقۃ اذا لم یشترط زیادۃ الثمن بمقابلتہ قصداً ویزاد فی الثمن لاجلہ اذا ذکر الاجل بمقابلۃ زیادۃ الثمن قصداً یعنی خود اجل تو مال نہیں ہے اور نہ اُسکے مقابل میں حقیقۃً کچھ قیمت ہے جبکہ اسکے مقابل میں قصداً قیمت کی زیادتی کی تصریح نہ کر دیجائے اور اس کی وجہ سے قیمت زیادہ کیجا سکتی ہے جبکہ زیادتی کے مقابلہ میں قصداً مدت ذکر کر دیجائے اور یوسف چلپی رحمہ اللہ کے حواشی شرح وقایہ میں ہے یجوز ان یقدر الثمن فی المبیع بالمؤجل اکثر مما فی المعجل بحیث تقابل کثرۃ المؤجل تعجیل القلیل یعنی یہ جائز ہے کہ قیمت تاخیر کی صورت میں زائد رکھی جائے بہ نسبت ثمن نقد کی صورت کے اس طرح پر کہ زیادتی نقد کی کمی کے مقابل کر دیجائے۔ ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ قیمت کا زیادہ کر دینا بر تقدیر نسیہ درست ہے اور اُسکے جواز کا جزیہ کتاب الحجج تصنیف امام محمد رحمہ اللہ تلمیذ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ میں موجود ہے اُسکی عبارت یہ ہے قال محمد قال ابو حنیفۃ فی رجل یکون لہ علی رجل مائۃ دینار الی اجل فاذا حلت قال لہ الذی علیہ الدین سلعۃ یکون ثمنہا مائۃ دینار نقدا بمائۃ وخمسین الی اجل ان ھذا جائز لانہما لم یشترطا شیئا ولم یذکرا امرا یفسد بہ الشراء یعنی امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر ایک شخص کے سو دینار کسی شخص پر ہوں جن کے ادا کرنے کی ایک مدت مقرر تھی جب وہ مدت آگئی تو جس پر قرض تھا اُس نے کہا

کہ میرے پاس ایک چیز ہے جسکے دام اگر نقد دو تو سو روپیہ ہیں اور اگر ادا کی کوئی مدت مقرر کرو تو ڈیڑھ سو روپیہ ہیں تو یہ بیع جائز ہوگی کیونکہ انھوں نے بیع میں کوئی شرط نہیں لگائی ہے اور نہ کسی امر مفسد بیع کا ذکر کیا ہے اور اسی کتاب میں چند سطر کے بعد ہے وھکذا یتبایع الناس لانھم اذا اخروا ازدادوا ولا باس بھذا یعنی لوگ باہم یوں ہی بیع و شرا کیا کرتے ہیں کہ جب دام کی ادائی میں تاخیر ہو تو دام زائد کر دیتے ہیں اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے یہ جزئیہ جو خود امام محمد امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ سے نقل کرگئے جزئیہ قاضی خاں وغیرہ سے بالضرور مرجح ہے باقی رہا ربوا کا خدشہ وہ یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم و دنانیر کے فروخت کرنے میں ربوا نہیں ہے اور نہ شبہہ ربوا ہے اگر دو سیر گیہوں جو بازار میں دو آنے کو ملتے ہیں کوئی شخص بعوض ایک روپیہ کے نقد بیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہو جائے تو بھی درست ہے اسی وجہ سے شاہ عبد العزیز دہلوی اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں البیع الی اجل مع الزیادۃ فی الثمن یعنی اُدھار کے عوض بیع زیادہ قیمت کے ساتھ بلا شبہہ جائز ہے اور زیادتی قیمت کا مقابلہ اُدھار کے ساتھ اس جگہ مضر نہیں ہے کیونکہ تفاضل و میعاد اس صورت میں حرام ہے کہ دونوں جنسیں باہم متقابل ہوں یا ایسی کہ حکم میں متقابل کے ہوں انتہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** غلہ کی تجارت عموماً حرام ہے یا نہیں زید کہتا ہے کہ غلہ کی تجارت عموماً حرام ہے کیونکہ وہ احتکار ہے اور احتکار حرام ہے آیا زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں **جواب** زید کا قول بدیہی البطلان ہے کیونکہ غلہ کی تجارت عموماً ہر گز حرام نہیں ہے اور نہ وہ احتکار ہے البتہ غلہ وغیرہ کا خریدنا جو آدمیوں یا بہائم کا قوت ہو زمانہ گرانی میں تجارت کے لئے اور اُسکا روک رکھنا تاکہ گرانی میں فروخت کیا جائے احتکار ممنوع اور حرام ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ منہاج شرح صحیح مسلم ابن الحجاج رحمہ اللہ میں فرماتے ہیں قال اھل اللغۃ الخاطئ بالھمز ھو العاصی الاثم وھذا الحدیث صریح فی تحریم الاحتکار قال اصحابنا الاحتکار المحرم ھو الاحتکار فی الاقوات خاصۃ وھو ان یشتری الطعام فی وقت الغلاء للتجارۃ ولا یبیعہ فی الحال بل یدخرہ لیغلو ثمنہ یعنی اہل لغت کہتے ہیں کہ خاطی بہمزہ عاصی و آثم ہے اور یہ حدیث احتکار کی حرمت کی صراحت کرتی ہے ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ حرام احتکار وہ ہے جو قوتوں میں ہو یعنی کھانے کی چیزوں میں حالت گرانی میں تجارت کرنے کی غرض سے خریدے اور اُسے

یہ مسئلہ مجموعہ فتاوی مولانا صاحب مرحوم کے صفحہ ۲۳ جلد ۲ پر ہے

اُسوقت تک نہ فروخت کرے جب تک دام بڑھ نجائیں۔ اور طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مشکوٰۃ المصابیح
میں لکھتے ہیں الاحتکار المحرم ھو فی الاقوات خاصۃ بان یشتری الطعام فی وقت الغلاء ولا یبیعہ
فی الحال بل یدخرہ لیغلو ثمنہ انتہی یعنی احتکار صرف قوتوں میں حرام ہے یعنی یہ حرام ہے کہ ارزانی
کے وقت غلہ خرید کے جمع کرلے تاکہ قیمت بڑھنے کے وقت بیچے انتہی۔ اور مجالس الابرار میں ہے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احتکر فھو خاطئ ھذا الحدیث من صحاح المصابیح رواہ
عمرو بن عبداللہ ومعناہ ان من جمع الطعام الذی یجلب الی البلاد ویحبسہ لیبیعہ فی وقت الغلاء
فھو اثم لتعلق حق العامۃ بہ وھو فی الحبس والامتناع عن البیع یرید ابطال حقھم وتضییق الامر
علیھم وھو ظلم عام وصاحبہ ملعون کما روی انہ علیہ السلام قال الجالب مرزوق والمحتکر ملعون
فانہ علیہ السلام بین فی ھذا الحدیث ان الذی یجلب الامتعۃ والاقوات ویبیعھا لتحصیل الربح یحصل
للربح ولا اثم علیہ لان الناس ینتفعون بہ فینالہ برکۃ دعائھم والذی یشتری الطعام الذی یجئ
الی البلاد ویحبسہ لیبیعہ فی وقت الغلاء فھو ملعون بعید عن الرحمۃ ولا یحصل لہ البرکۃ مادام فی
ذلک الفعل انتہی وفی مجمع البحار من احتکر طعاما ای اشتراہ وحبسہ لیقل فیغلو والحکر والحکرۃ
الاسم منہ وفی موضع اٰخر من احتکر فھو خاطئ بالھمزۃ المحرم من الاحتکار ما ھو فی الاقوات
وقت الغلاء للتجارۃ ویؤخر للغلاء انتہی وفی الفتح فیہ اشعار بان الاحتکار انما یمنع فی حالۃ مخصوصۃ
یعنی حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے کہ جس نے احتکار کیا وہ گنہگار ہے یہ حدیث
مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اسے عمرو بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے اسکا مطلب
یہ ہے کہ جو شخص کھانے کی چیزوں کو خرید کے اس غرض سے دوسرے شہروں کو لیجائے یا جمع کرے
کہ اُسے گرانی کے وقت بیچے وہ گنہگار ہے کیونکہ اُس چیز کے ساتھ عوام کا حق متعلق تھا جسے اُس نے
روک رکھا ہے اور فروخت نہیں کرتا ہے اور اس طرح اُنکے حق کو باطل کرنا چاہتا ہے اور اُنپر تنگی کرنا چاہتا
ہے جو ظلم عام ہے اور ایسا شخص ملعون ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کہ جالب یعنی باہر سے غلہ لانے والے کو رزق دیا گیا ہے اور محتکر ملعون ہے اس حدیث مین نبی کریم
علیہ التحیۃ والتسلیم نے تصریح فرما دی ہے کہ جو کھانے کی چیزوں کو اور دوسری چیزوں کو خریدتا
اور بیچتا ہے تاکہ نفع اُٹھائے اُسے نفع ملتا ہے اور اُسپر گناہ نہیں ہوتا کیونکہ لوگ اس سے نفع حاصل

کرتے ہیں اور اُن کی دعا کی برکت سے اُسے بھی فائدہ ہوتا ہے اور جو کھانے کی چیزوں کو خریدتا ہے اور اس غرض سے روک رکھتا ہے کہ گرانی کے وقت بیچے وہ ملعون ہے خدا کی رحمت سے دور ہے اُسے برکت حاصل نہوگی جب تک وہ یہ کام کرتا رہیگا اور مجمع البحار میں ہے جس نے کھانے میں احتکار کیا یعنی کھانے کی چیز کو خریدکے رکھ چھوڑا تاکہ اُسکی کمی پڑے اور جب وہ گراں ہوجائے تب بیچے احتکر اسکا تلافی مجرد ہے اور حکرہ اُس سے اسم ہے اور دوسری روایت میں ہے جس نے احتکار کیا وہ گنہگار ہے احتکار حرام وہ ہے جو قوتوں میں ہو تجارت کے گراں ہونے کے وقت اور بال اُسوقت کے لئے روک رکھا گیا ہو کہ جب اور زیادہ گرانی ہو انتہیٰ اور فتح میں ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ احتکار ایک خاص حالت میں ممنوع ہے اور اگر بازار سے نہ خریدے بلکہ اُسکی زمین میں ہو یا زراعت میں خریدے اور اُس کو بے روکے ہوئے بیچڈالے یا گرانی میں خریدے اور اسکو روکے لیکن تجارت مقصود نہو بلکہ مصارف روزمرہ کے لئے مول لیا ہو یا جنس قوت بشر اور بہائم سے خارج ہو تو ان سب صورتوں میں تجارت مذکور حرام نہیں بلکہ باتفاق حنفیہ وشافعیہ جائز اور درست ہے قال النووی فی شرح صحیح مسلم فاما اذا جاءه من قريته او اشتراه فی وقت الرخص وادخره او ابتاع ليبيعه فی وقت الغلاء لحاجته الی اكله او ابتاع ليبيعه فی وقته فليس باحتكار ولا تحريم فيه واما غير الاقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال هذا التفصيل مذهبنا قال العلماء والحكمة فی تحريم الاحتكار دفع الضرر عن عامة الناس كما اجمع العلماء على ان لو كان عند انسان طعام واضطر الناس اليه ولم يجدوا غيره اجبر على بيعه دفعا للضرر عن الناس الی قوله وحملا للحديث على احتكار القوت عند الحاجة اليه والغلاء وكذا حمل الشافعی وابو حنيفة وآخرون وهو الصحيح انتهى وقال الطيبی فی شرح المشكوٰة فاما اذا جاء به من قرية او اشتراه فی وقت الرخص وادخره وباعه فی وقت الغلاء فليس باحتكار ولا تحريم فيه اما غير الاقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال انتهى بقدر الحاجة وفی المجالس ومن حبس غلة ارضه لا يكون محتكرا لانه خالص حقه لم يتعلق به حق العامة لكن لو كان للناس اليه حاجة فالافضل له ان يبيعه ولو امتنع عن البيع يكون مسيئا للقلة شفقته على المسلمين انتهى وفی موضع آخر وهذا فيما يضر حبسه عند الحاجة اليه مما هو قوت البشر والبهائم كالبر والشعير والتمر والتبن والزبيب وفی عمدة القاری شرح صحيح البخاری قال الكرمانی الحكرة احتكار

الطعام ای حبسہ یتربص بہ الغلاء هذا بحسب اللغۃ واما الفقهاء فقد اشترطوا لها شروطاً مذکورۃ فی الفقہ انتهی وفی مجمع البحار المحرم من الاحتکار ما هو فی الاقوات وقت الغلاء للتجارۃ ویؤخر للغلاء لا فیما جاء من قریتہ او اشتراہ فی الرخص وادخرہ او ابتاعہ فی الغلاء لیبیعہ فی الحال یعنی نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے اگر کسی شخص کے پاس غلّہ گاؤں سے آیا یا غلّہ کو اُسنے ارزانی کے زمانہ میں خریدا اور اُسے ذخیرہ کیا یا اس غرض سے خریدا کہ گرانی کے وقت اپنے کام میں لائے یا اس غرض سے خریدا کہ اُسے فوراً بیچے تو احتکار نہیں ہے اور نہ حرام ہے اور اقوات کے علاوہ دوسری چیزوں میں احتکار کسی حال میں حرام نہیں ہے یہ ہمارے مذہب کی تفصیل ہے علماء نے کہا ہے کہ تحریم احتکار میں حکمت یہ ہے کہ عوام الناس کو ضرر نہ پہونچنے پائے جیسا کہ علماء نے اجماع کیا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کھانا ہو اور لوگوں کو اُس کی ضرورت ہو اور اُسکے سوا کسی اور کے پاس نہو تو وہ شخص بیع پر مجبور کیا جائیگا تاکہ لوگوں کو نقصان نہ پہونچے (پھر آگے چلکر کہتے ہیں) یہ حدیث گرانی اور حاجت کے وقت قوت کے روکنے پر محمول کی جائے گی جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور دوسرے لوگوں نے محمول کیا ہے یہی صحیح ہے اور طیبی رحمہ اللہ نے شرح مشکوۃ میں کہا ہے اگر غلہ کسی دیہات سے لایا یا ارزانی کے وقت خریدا اور جمع کر رکھا تاکہ گرانی کے وقت بیچے تو یہ احتکار نہیں ہے اور نہ یہ حرام ہے اور غیر قوت میں احتکار کبھی حرام نہیں ہے انتہی بقدر ضرورت اور مجالس میں ہے جسنے اپنی زمین کے غلے کو روک رکھا وہ محتکر نہیں ہے کیونکہ یہ غلّہ اُسکا خالص حق ہے عوام کا حق اس سے متعلق نہیں ہے البتہ اگر لوگوں کو اُس کی ضرورت پڑے تو افضل یہ ہے کہ اُسے بیچ ڈالے اگر وہ نہ بیچے گا تو گنہگار ہوگا کیونکہ اُس نے مسلمانوں پر رحم نہیں کیا اور دوسری جگہ ہے یہ حکم اُن چیزوں میں ہے جن کا ضرورت کے وقت روک رکھنا مضر ہو مثلاً قوت بہائم و بشر جیسے گیہوں جو جھوہارے کشمش وغیرہ اور عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے کرمانی رحمہ اللہ نے کہا ہے حکرہ احتکار طعام کو کہتے ہیں یعنی کھانے کو روک رکھنا تاکہ گرانی میں اُس سے نفع اُٹھائے یہ تو تحقیق لغوی ہے اور فقہا اس میں شرطیں لگاتے ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں اور مجمع البحار میں ہے حرام وہ احتکار ہے جو بغرض تجارت غلہ کی گرانی کے وقت خرید کر اور زیادہ گرانی کے انتظار میں جمع کیا جائے نہ اُس میں جو کسی گانوں سے لایا جائے یا ارزانی میں خرید کے رکھ چھوڑا جائے یا حالت ارزانی میں خریدا جائے تاکہ

فوراً بیچ ڈالے۔ پس اگر صغریٰ میں احتکار سے مراد احتکار شرعی ہو تو صغریٰ ممنوع ہو کیونکہ تجارت گندم اور جو اور چنا بلکہ جمیع اقسام اقوات بشر و بہائم میں ہرگز احتکار شرعی نہیں ہو جیسا کہ مفصلاً معلوم ہوا اور احتکار لغوی مراد ہو تو مسلّم ہو لیکن کبرے میں احتکار سے کیا مراد ہو اگر احتکار شرعی مراد ہو تو حد اوسط مکرر نہیں چنانچہ خود ظاہر ہو اور اگر احتکار لغوی مراد ہو تو حد اوسط مکرر ہو لیکن کبریٰ ممنوع ہو کیونکہ احتکار لغوی ہرگز حرام نہیں بلکہ بلا دغدغہ جائز و درست ہو بلکہ خود خیر القرون میں موجود اور متحقق تھا حرام نہیں صحیح مسلم میں جو ثانی صحاح ستہ ہو اور بعض کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب اور صحیح بخاری پر مقدم ہو سعید بن مسیب سے منقول ہو فقیل لسعید فانک تحتکر قال سعید ان معمرا الذی کان یحدث ھذا الحدیث کان یحتکر یعنی سعید ابن مسیب سے کہا گیا کہ تم احتکار کرتے ہو تو انھوں نے کہا کہ معمر جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ خود احتکار کیا کرتے تھے۔ پس سعید بن مسیب تابعی جلیل الشان اور معمر بن عبداللہ راوی حدیث سید الانس والجان جو زیتون کے تیل کا احتکار کرتے تھے معاذ اللہ زید کے مذہب کے موافق حرام کے مرتکب ٹھہرتے ہیں اور یہ کوئی اسلام میں پہلی خرابی نہیں ڈالی گئی ہو بلکہ اس قسم کے مفسد بہت ہو چکے ہیں اور اکابر اہل سنت و جماعت ہرگز انکو اسکا مرتکب نہیں قرار دیتے بلکہ حدیث کو احتکار شرعی پر محمول کرتے ہیں اور انکے قول کو مخصوص باحتکار لغوی کرتے ہیں نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں واما ما ذکر فی الکتاب عن سعید بن المسیب و معمر راوی الحدیث انھما کانا یحتکران فقال ابن عبد البر وآخرون انما کان یحتکران الزیت وحملا الحدیث علی احتکار القوت عند الحاجۃ الیہ والغلاء وکذا حملہ الشافعی وابو حنیفۃ وآخرون وھو الصحیح یعنی کتاب میں جو سعید بن مسیب اور معمر راوی حدیث کے متعلق احتکار منقول ہو اسکے متعلق ابن عبد البر رحمہ اللہ اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ وہ دونوں زیتون میں احتکار کرتے تھے اور حدیث کو احتکار قوت پر محمول کرتے ہیں جبکہ اُسکی احتیاج اور گرانی ہو اسی پر امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اور دوسرے لوگوں نے محمول کیا ہو اور یہی صحیح ہو بس اس جواب سے ظالموں کی اصل کٹ گئی اور سب تعریف خدا تعالےٰ کے لیے ہے اور درود و سلام حضرت محمد اور اُنکی آل واصحاب پر جو کچھ ہم پر واجب تھا لکھدیا اور ہم قبول کی اُمید رکھتے ہیں واللہ اعلم نمقہ العبد الخامل الجانی السید

امیر احمد النقوی السہسوانی۔ صح الجواب حررہ العبد الضعیف المستجیر الی رحمۃ ربی القدیر ابو المجتبی السید عبد الرحمن یصلح شانہ المنان۔ الجواب صحیح کتبہ سید شریف حسین۔ اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد تلطف حسین۔ ہذا الجواب صحیح حررہ سید نذیر حسین۔ الجواب صحیح حررہ ابو البرکات حافظ محمد۔ اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب کتبہ سید احمد حسین فی الواقع مطلقاً تجارت غلّہ حرام نہیں ہی بلکہ احتکار شرعی حرام ہی جیسا کہ مفصلاً مجیب مصیب نے بیان کیا ہی۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** کفار سے مال خریدنے میں الکا یہ قاعدہ مقرر ہی کہ چاہے نقد لے چاہے قرض مگر دام ادا کرنے کے لئے مدت مقرر کرتے ہیں بغیر مدت مقرر کیے ہوے قیمت نہیں کرتے اور مدّت تین مہینہ سے کم نہیں ہوتی پھر جب قیمت طے ہوئی تو خریدار سے دستخط کرا لیتے ہیں یعنے اب خریدار کو مال لینا ضرور ہوگا اور مال کی نکاسی اُنکی کوٹھیوں سے دو صورت پر ہی ایک صورت یہ ہی کہ فوراً روپیہ دے اور دوسری صورت یہ ہی کہ تین مہینے کے بعد روپیہ دے مگر اُسکے کاغذ میں یہ لکھا رہتا ہی کہ ہم چاہیں نقد لیکر مال دیں چاہے مدت پر لیں پھر اگر کسیکو مدت پر دیا تو ایک تمسک تین مہینے کی میعاد کا لکھوا لیتا ہی پھر اگر خریدار کے پاس روپیہ بہم ہوا اور ایک یا دو مہینے کے اندر اُسنے دینا چاہا تو بائع کو اختیار باقی رہتا ہی کہ میعاد کے اندر روپیہ لیوے یا میعاد معینہ پر لے کیونکہ میعاد معینہ پر روپیہ لینے میں تفصیل مفصلہ ذیل بائع کا نفع ہی کہ اگر ایک مہینے کے بعد روپیہ وصول ہوا تو مدت میں سے کہ دو مہینے باقی رہے اُس دو مہینے کا فی سیکڑہ تین روپیہ کم لینا ہوگا اور اگر دو مہینے کے بعد وصول ہوا تو ایک مہینہ کا کم لیگا اگر پوری مدت پر کہ تین مہینے ہی میں وصول ہوا تو کچھ بھی کم نہ کریگا اور اگر قیمت کے طے ہوتے ہی زر قیمت وصول ہوا تو پوری مدت کا کہ تین مہینے ہیں فی سیکڑہ تین روپیہ کم لیگا پس ان صورتوں میں کہ فوراً روپیہ دینے میں اور ایک مہینے دو مہینے کے بعد دینے میں قیمت طے شدہ سے کچھ کم لیتا ہی خریدار کے حق میں جائز ہی یا نہیں **جواب** کفار سے اس طرح مال مول لینا کہ اگر نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت مقررہ بائع کو دینا ہوگی اور اگر ایک یا دو یا تین مہینے کے بعد روپیہ ادا کرے تو فی سیکڑہ تین روپیہ فی ماہ زیادہ دینا ہوگا فی الحقیقت نرخ مال کا بیان ہی یعنی اگر خریدار نقد خرید کرے تو مثلاً سو روپیہ قیمت دے اور اگر ایک یا دو یا تین ماہ

کے بعد قیمت ادا کرے تو مال کی قیمت ایک سو تین یا ایک سو چھ یا ایک سو نو روپیہ دے اور اس مضمون کا خریدار سے لکھوا لینا یادگاری اور توثیق کے لیے ہے پس خریدار کے حق میں یہ عقد شرعاً جائز ہے قال فی الهدایة ویجوز البیع بثمن حال و موجل اذا کان الاجل معلوما لاطلاق قوله تعالیٰ واحل الله البیع وعنه علیه السلام والصلوٰة انه اشتری من یهودی طعاما الی اجل ورهنه درعه یعنی ہدایہ میں ہے بیع نقد دام اور دیر میں دام ملنے کی صورتوں میں جبکہ مدت معلوم ہو جائز ہے کیونکہ خدا کا قول احل الله البیع مطلق ہے اور حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک یہودی سے کھانا خریدا دام کے ادا کرنے کی مدت مقرر کرکے اور اپنی ذرہ کو رہن کیا اور زیادتی ثمن کی فی سیکڑہ تین روپیہ ہر ماہ میں اسمیں بھی خریدار کو شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور ردالمحتار میں ہے ان الاجل یقابله قسط من الثمن یعنے مدت کے مقابل قیمت کا کچھ حصہ مقرر ہوتا ہے۔ اور اسکے بعد کہ بائع نے خریدار سے تین مہینے کا میعادی تمسک لکھوا کے مال دیا ہے پھر اگر خریدار درمیان میعاد مذکور کے روپیہ قیمت کا ادا کرے تو بائع کو تین مہینے کے بعد قیمت لینے کا اختیار ہے چاہے قیمت میعاد کے اندر لے چاہے میعاد پر لے کیونکہ اسکا رجع بائع کیجانب سے حط بعض قیمت کیطرف اور خریدار کیجانب سے حط اجل کی طرف ہوگا اور ان دونوں امروں میں شرعاً کچھ قباحت نہیں ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم العبد المجیب محمد ارشاد حسین عفی عنہ [محمد ارشاد حسین] الجواب صحیح محمد عبد القادر۔ الجواب صواب عنایت اللہ ولد حبیب اللہ۔ صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابو الحسنات محمد عبد الحی]

سوال بادشاہی زمانے میں بابت عہدہ قضا ایک سو بیگہ زمین و مبلغ ایک روپیہ سر ہی نکاح بندی و خلعت عیدین وغیرہ بنام زید مقرر رہا اور زید کے دو پسر ہوئے ایک عمرو دوسرا بکر اور زید کے فوت ہونیکے بعد اشیائے مذکورہ بالا نصف نصف ہر دو پسران مذکورین پر تقسیم ہوئے پھر عمرو فوت ہوا اسنے تین لڑکیاں اور ایک بی بی چھوڑی پھر بکر فوت ہوا اور اسنے دو لڑکے چھوڑے اب زوجہ عمرو نے نصف اشیائے مذکورہ کا نصف اپنے برادر کو دیا اور نصف اپنی چھوٹی لڑکی کو ہبہ کیا پھر زوجہ عمرو کے بھائی کے مرنے کے بعد اسکے بیٹوں نے وہ اشیا ایک شخص کے ہاتھ بیچ ڈالے یہ بیع اور وہ ہبہ بموجب شریعت غرا صحیح ہے یا نہیں **جواب** جو عطائے سلطانی بطور

(حاشیہ: [illegible])

انعام مؤبد کی ہو اور معطی لہ کے قبضے میں آجائے وہ معطی لہ کی ملک ہو جاتی ہی اور اُسکی بیع و ہبہ
وغیرہ جملہ تصرفات ملکیہ صحیح ہوتے ہیں اور جو بطور وظیفہ و مشاہرہ و تقرری کے ہو اُس میں معطی لہ
کی ملک نہیں ہوتی ہی جب تک اُسکا قبضہ نکرے ان عبارات سے یہ تفصیل واضح ہی فی خزانۃ
الروایات من لہ وظیفۃ فی بیت المال کاجر العاشر و الامامۃ والتاذین وساقی الماء وغیر ذلک
اذا قسمہ حال حیاتہ فقسمتہ باطل و فی جواہر الفتاوی لہ مشاھرۃ من مال الخراج یوصل الیہ
کل سنۃ فوھبہا لغیرہ ووکل لقبضہا لا یجوز لانہ لا یملکہا قبل القبض ولا یصح جعلہ ھبۃ
لغیرہ ولا یورث عنہ لانہ لا یملکہا و فی العالمگیریۃ اذا ماتت المرأۃ فتنازع الرجلان فی عطائہا
وادعی کل منہما انہا امہ واختہ فاصطلحا علی ان یکتب العطاء لاحدھما باسمہ الاخر علی ان
یعطیہ الاخر لجعلا علی ذلک فالعطاء لصاحب الاسم و فی الواقعات الانعام المخلد والمؤبد
بمنزلۃ الملک یجوز بیعہ وشراؤہ علی الصحیح و فی رسالۃ احکام الاراضی فی غیر المقبوض
قولان اظہرھما انہ لا یملک وھو قول الجمہور الموافق للقوانین الفقہیۃ فان الاصل
ان المعدوم لا یصح تملیکہ ولا التصرفات فیہ وایضا فیما لا یعلم للقول بالتملک فی غیر المقبوض
من الوظیفۃ اصل من الکتب المشہورۃ المعتبرۃ فصار قولا مرجوحا لا یعبأ بہ یعنی خزانۃ الروایات
میں ہی جسکا بیت المال سے وظیفہ مقرر ہو مثلاً عشر وصول کرنیوالا امام موذن یا پانی پلانیوالا
وغیرہ یہ لوگ اگر اپنی زندگی میں اپنے عہدے اور وظیفہ تقسیم کردیں تو یہ تقسیم باطل ہوگی اور
جواہر الفتاوی میں ہی مال خراج سے کسی کا مشاہرہ مقرر تھا جو اُسے ہر سال مال خراج سے
ملا کرتا تھا اُسنے وہ مشاہرہ دوسرے کو ہبہ کردیا اور اُسکو وکیل قبض بنادیا تو یہ جائز نہیں ہے
کیونکہ قبضے کے پہلے وہ خود اُسکا مالک نہیں ہی اور نہ اُسکا ہبہ کرنا درست ہی اور نہ یہ مشاہرہ مال
مورث سمجھا جا سکتا ہی کیونکہ یہ اُس کی ملک نہیں ہی اور عالمگیری میں ہی ایک عورت مرگئی تو
دو آدمیوں نے اُسکے عطا میں جھگڑا کرنا شروع کیا ہر ایک یہ کہتا تھا کہ وہ میری ماں تھی یا بہن
تھی اُسکے بعد دونوں نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ عطیہ ایک کے نام لکھدیا جائے اس شرط
سے کہ وہ دوسرے کو اسکا حصہ دیتا رہے پس وہ عطیہ اُسیکا ہوگا جس کے نام لکھا گیا ہی اور
واقعات میں ہی دائمی انعام بمنزلہ ملک کے ہی جسکی بیع و شرا بر مذہب صحیح جائز ہی اور رسالہ

احکام الاراضی میں ہے غیر مقبوض میں دو قول ہیں اظہر یہ ہے کہ وہ اُسکا مالک نہیں ہے یہی جمہور کا قول ہے اور قوانین فقہیہ کے مطابق ہے کیونکہ یہ اصل ہے کہ معدوم کی تملیک اور اس میں تصرف درست نہیں ہے یہ فتاوی علویہ سے لیا ہے اور اسی رسالہ میں ہے وظیفہ غیر مقبوضہ میں ملکیت کے قول کی کتب مشہورہ سے کوئی اصل نہیں ثابت ہوتی ہے بس یہ قول مرجوح ہے جو قابل اعتبار نہیں ہے۔ پس صورت سوال میں زمین معافی کی ہبہ و بیع نافذ ہے اور باقی حقوق کی ہبہ و بیع ناجائز ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** یہ نیلام معہود جو براہ جبر حکومت انگریزی ہوتا ہے کہ نہ مالک سے اذن لیا جاتا ہے نہ وہ اُسپر راضی ہوتا ہے ہزار روپیہ کی جائداد ہے اور پانسو روپیہ کا قرض اور جائداد اُسی پانسو میں بہادیجاتی ہے پس یہ نیلامی بیع ثبت ملک مشتری ہے یا نہیں اور قاضی شرع کو جو اختیار بیع مال مدیون مفلس کا ہے صاحبین کے نزدیک تو اُسکی شرط یہ ہے ان امتنع المفلس من بیعہ وقسمتہ بین غرمائہ بالحصص کذا فی الہدایۃ یعنی اگر مفلس مال کو فروخت نہ کرے اور اُسکے حصص کو قرضخواہوں پر تقسیم نہ کرے جیسا کہ ہدایہ میں ہے کا اُسکے مالک سے کہتے کہ تو بیع اور قرض ادا کر تو یہ ظلم نہوتا **جواب** یہ بیع نیلامی بلا تراضی ثبت ملک مشتری نہوگی اور قاضی کو بیع مال مدیون کا اُسوقت اختیار ہے جب متمرد و سرکش ہوکے خود وجہ قرض کی ادا نہ کرتا ہو فتح القدیر میں ہے التراضی شرط لثبوت حکمہ شرعا وھو الملک یعنی شرعاً ثبوت حکم بیع کے لئے تراضی شرط ہے یہی ملک کے معنے ہیں۔ اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے سئل فی مدیون امتنع من اداء الدین حتی حبس والحال ان لہ عقارا وغیرہ یمکنہ الوفاء من ثمنہ ای انہ متمرد ومتعنت فی بیع ذلک فھل یبیع القاضی علیہ حیث کان الحال ما ذکر الجواب نعم یعنی ایک قرضدار کے متعلق سوال کیا گیا جو قرض ادا نہیں کرتا تھا حتی کہ وہ قید کیا گیا حالانکہ اُسکے پاس زمین تھی یا کچھ اور مال جسکے داموں سے اُسکا قرض ادا ہوسکتا تھا اور وہ اُسکے بیچنے سے انکار اور سرکشی کرتا تھا ایسی صورت میں کیا قاضی اُسکے مال کو بیچ سکتا ہے پس جواب دیا گیا کہ ہاں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** نوٹ کی بیع وشرا کمی یا زیادتی پر جائز ہے یا نہیں **جواب** نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں ہے مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے بلکہ بعین ثمن سمجھا جاتا ہے اسوجہ سے کہ اگر سو روپیہ کا نوٹ کوئی ہلاک

مولوی محمد ... [illegible]

کردے تو اصل مالک سو روپیہ کا تاوان لیتا ہی اور سو روپیہ کا نوٹ جب بیچا جاتا ہی تو اُس سے اُس کاغذ کی قیمت ملنا مقصود نہیں ہوتی کیونکہ ظاہر ہی کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہی بلکہ مقصود سنو روپیہ کا بیچنا اور اُسکی قیمت لینا ہوتا ہی اور سو روپیہ کا نوٹ اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت ادا چاہے سو روپیہ کا نوٹ دے یا سو روپیہ دونوں صورتیں مساوی سمجھی جاتی ہیں اور دائن کو مدیون سے کسی ایک کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دے تو دائن نہیں لیتا بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر اُن کی یہ کیفیت نہیں ہی اگر ایک روپیہ کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور ادا کے وقت ایک روپیہ کے پیسے دے تو دائن یا فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہی کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اسپر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہی گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہو پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اُس میں ثمنیت کی صفت آگئی ہو پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا باب تفاضل میں اُسی بنا پر حکم دیا جائیگا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا فانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی یعنی اعمال کا مدار نیتوں پر ہی اور ہر شخص کے لئے ہی جو اُسکی نیت ہی۔ اور اگر اس میں حقیقۃً ربوا نہو تو شبہہ ربوا سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہی کہ شبہۃ الربوا باعث حرمت ہی اور اسکے علاوہ جو بیع وشرے نوٹ میں تفاضل اختیار کریگا مقصود بجز اسکے کہ بعوض کم روپیہ کے زیادہ روپیہ حاصل ہوجائیں اور کچھ نہوگا مگر حیلہ کے طور پر وہ نوٹ کا معاملہ کریگا اور ظاہر ہی کہ ایسے حیلوں کے ارتکاب سے حلت کا حکم نہیں ہو سکتا۔ تہذیب الایمان میں ہی انما التحریم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ما شرعہا اللہ لہ فیصیر مخادعا للہ بنیۃ لل الشرع فان مقصوده حصول الشئ الذی حرم اللہ بتلک الحیلۃ او اسقاط ما اوجبہ یعنی حرام یہ ہی کہ عقود شرعیہ سے اُن باتوں کا قصد ہو جو غیر مشروع ہیں پس ایسی صورت میں وہ دین کو دھوکا دینے والا اور شرع کے ساتھ مکاری کرنے والا ہوگا کیونکہ اُسکا مقصد یہ ہی کہ اس حیلہ سے وہ ایسا نفع حاصل

کرے جسے شرع نے اُسپر حرام کیا ہو یا ایسی چیز اپنے ذمے ساقط کردے جو اُسپر واجب تھی
انتہی۔ پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے
درست نہو گا کیونکہ کتب فقہ میں بیع عینیہ اور شرار باقل مما باع وغیر ذلک کی مُمانعت مذکور ہے
اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے ایسے حیلوں کی حرمت ثابت ہوتی ہو اگر
یہ شبہہ ہو کہ نوٹ جب ثمن خلقی نہیں ہی تو اُسکا حکم بعینہ کیونکر ہو سکتا ہی تو اسکا جواب یہ ہی کہ چونکہ
اعتقادہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اُسکے ساتھ متعلق ہوے پس باب
تفاضل میں اُسیکا اعتبار ہو گا خاص کر دیانۃً کیونکہ اُسکا تعلق مقاصد سے ہے گو کہ یہ مقاصد
پوشیدہ ہوا کرتے ہیں باقی رہا فتح القدیر کا قول لو باع کاغذہ بالف یجوز اگر کسی نے کاغذ سو
روپیہ کو بیچا تو درست ہی تو اُس سے یہ کاغذ مراد نہیں ہی جو عین ثمن خلقی سمجھا گیا ہی کیونکہ اُن کے
زمانے میں نوٹ کا وجود ہی نہ تھا بس سادہ کاغذ مراد ہی یہ تو مجھے ظاہر ہوا ہی واللہ اعلم بالصواب
حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** سلم فلوس رائجہ میں درست ہی یا نہیں **جواب**
امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک درست نہیں ہی
اور یہ اختلاف ایسا ہی کہ جیسا فلوس کی بیع میں تفاضل کے ساتھ اختلاف ہی اور معتبر متون دونوں
مسئلوں میں امام صاحب کے قول کا اعتبار کرتے ہیں۔ تنویر الابصار میں ہی دیصح السلم فیما امکن
ضبط صفتہ ومعرفۃ قدرہ کمکیل وموزون مثمن وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس و
لبن واجر بمکین معین یعنی بیع سلم اُس چیز کی درست ہی جسکی صفت کا منضبط کرنا اور جس کی
مقدار کا جاننا ممکن ہو مثلاً مکیلات اور موزونات ثمنیات اور عددی متقارب جیسے اخروٹ انڈا
پیسہ دودھ اور مکان معین کی اینٹیں۔ اور بحر الرائق میں ہی والفلس لانہ عددی ممکن ضبطہ
فصح ان یکون مسلما فیہ وقیل لا یصح عند محمدؒ لانہ ثمن مادام یروج وظاہر الروایۃ
عن الکل الجواز واذا بطل ثمنیتہا لا یخرج عن العددالی الوزن الا ان یہدرہ اہل العرف
یعنی پیسے کی بیع سلم جائز ہی کیونکہ وہ عددی ہی اور اُسکا ضبط ممکن ہی پس اس میں سلم بھی درست
ہی بعض کہتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک درست نہیں ہی کیونکہ پیسہ جب تک رائج رہے ثمن
ہی اور تمام آئمہ سے ظاہر روایت جواز کی ہی اور ثمنیت باطل ہونے کے بعد عددیت موزونیت

کی جانب منتقل نہیں ہو سکتی مگر جبکہ عوام اُسے بیکار سمجھنے لگیں۔ اور متون معتبرہ امام صاحب رحمہ کے قول پر ہیں **سوال** رنگون میں مسلمان قصاب اپنی گائے کیل گھر سارجن کے معائنہ کو لیجاتے ہیں جو سرکار کی طرف سے اِسی کام کے لئے مقرر ہی پھر اُس سے اجازت نامہ حاصل کرکے مسلمان گاؤ کُش سے جسے عرف میں ملّا کہتے ہیں ذبح کراتے ہیں پھر گوشت شہر میں لاکر ہندو اور مسلمانوں کی دُکان پر رکھدیتے ہیں اور بعض تھوڑا تھوڑا بھی فروخت کرتے ہیں شہر کے لوگ ہندو اور مسلمان دونوں کی دُکانوں سے اسوجہ سے خریدتے ہیں کہ انھوں نے مسلمان قصاب سے خریدا ہی یہ جائز ہی یا نہیں **جواب** کافر بیچنے والے سے گوشت خریدنا جائز ہی اگر وہ کافر کہے کہ یہ گوشت میں نے مسلمان سے خریدا ہی فی منتقی الابحر ویقبل فی المعاملات قول المفرد ولو انثی او عبدا او فاسقا او کافر کقول شریت اللحم من مسلم او کتابی فیحل ومن مجوسی فیحرم وفی شرحہ مجمع الانھر ھذہ العبارۃ اولی من عبارۃ الکنز وھو قولہ ویقبل قول الکافر فی الحل والحرمۃ لان شارحہ الزیلعی قال ھذا سھو لان الحل والحرمۃ من الدیانات وانما یقبل قولہ فی المعاملات خاصۃ للضرورۃ انتھی لکن حملہ علی المساھلۃ اولی من حملہ علی السھو ویکون المراد یقبل قول الکافر فیما یودی الی الحل والحرمۃ لانہ قال العینی اراد بالحل الحل الضمنی وبالحرمۃ الحرمۃ الضمنیۃ لانہ اراد حاصل مسئلۃ فی الھدایۃ وھو قولہ ومن ارسل اجیرلہ مجوسیا او خادما فاشتری لحما فقال اشتریتہ من یھودی او نصرانی او مسلم وسعہ اکلہ لان قول الکافر مقبول فی المعاملات لانہ خبر صحیح لصدورہ عن عقل ودین یعتقد فیہ حرمۃ الکذب والحاجۃ ماسۃ الی قبولہ لکثرۃ وقوع المعاملات وان کان غیر ذلک لم یسعہ ان یاکل منہ وفی مختصر الوقایۃ فان قال کافر اشتریت اللحم من مسلم او کتابی حل اکلہ ومن مجوسی حرم یعنی ملتقی الابحر میں ہی معاملات میں ایک ہی شخص کا قول معتبر ہی اگرچہ وہ عورت یا غلام یا فاسق یا کافر ہو پس اگر وہ یہ کہدے کہ میں نے یہ گوشت مسلمان یا اہل کتاب سے خریدا ہی تو وہ حلال ہوگا اور اگر کہے کہ مجوسی سے خریدا ہی تو حرام ہوگا اور اُس کی شرح مجمع الانہر میں ہی یہ عبارت کنز کی اس عبارت سے اچھی ہی کہ کافر کا قول حلت وحرمت میں معتبر ہی کیونکہ شارح زیلعی نے کہا ہی کہ یہ سہو ہی اسلئے کہ حلت وحرمت دیانات سے ہی اور

کافر کا قول صرف معاملات میں ضرورت کیوجہ سے معتبر ہے انتہی لیکن اسے مسامحہ پر محمول کرنا تسامح پر محمول کرنے سے زائد اچھا ہے اور مطلب یہ ہے کہ کافر کا قول اُن چیزوں میں معتبر ہے جو حلت و حرمت تک مفضی ہوں کیونکہ عینی نے کہا ہے کہ حلت سے حلت ضمنی اور حرمت سے حرمت ضمنی مراد ہے اسلئے کہ انھوں نے مسئلہ ہدایہ کا ماحصل اپنے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ اگر کسی نے ایک مجوسی مزدور یا نوکر کو گوشت خریدنے کے لئے بھیجا اور اس نے آکر کہا کہ میں یہ گوشت یہودی یا عیسائی یا مسلمان کے یہاں سے خرید کے لایا ہوں تو وہ شخص اس گوشت کو کھا سکتا ہے کیونکہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے اسلئے کہ یہ خبر صحیح ہے کیونکہ مخبر ایسا شخص ہے جو عقل رکھتا ہے اور ایسا دین رکھتا ہے جسمیں کذب حرام ہے اور ضرورت اسکے قول کے تسلیم کرلینے پر مجبور کرتی ہے کیونکہ معاملات بکثرت واقع ہوتے ہیں اور اگر ان کے سوا کسی اور سے خریدا ہے تو اُسے نہ کھانا چاہیئے اور مختصر وقایہ میں ہے اگر کسی کافر نے کہا کہ میں نے یہ گوشت کسی مسلم یا کتابی سے خریدا ہے تو اسکا کھانا حلال ہے اور اگر کہا کہ مجوسی سے خریدا ہے تو حرام ہے۔ اور ایسا ہی منح الغفار اور ہدایہ اور تنویر الابصار اور درمختار وغیرہ میں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** زید کسی شخص سے کنگھیاں مول لیتا ہے اور نرخ پانچ روپیہ سیکڑہ ہے تو کسی شخص نے مبلغ سو روپیہ پیشگی دیے اور مال والے نے اقرار کیا کہ میں ساڑھے چار روپیہ سیکڑہ دوں گا اور اس شرط سے دوں گا کہ وہ مال جب میں طیار کروں تب اپنے ہاتھ سے بیچکر اُس کا نفع جو کچھ ہوگا تجھکو دوں گا تو اُس شخص کو وہ نفع کھانا جائز ہے یا نہیں **جواب** ایسی شرط کیساتھ بیع ناجائز ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** تجارت کی غرض سے خریدنے کے واسطے کسی جنس کے پیدا ہونے کے قبل اُس کی بابت کوئی نرخ معین کرکے پیشگی قیمت دینا چاہیئے یا نہیں اگر فرض کیا جائے کہ اس طرح پر پیشگی روپیہ دینا جائز ہے تو نرخ کے تعین کی نسبت کیا حکم ہے یعنی بنا بجاو جو مقرر کیا جائے اُسکو موجودہ نرخ یا اُس شے کی فصل پر کے نرخ سے کوئی نسبت ہونی چاہیئے یا جو نرخ فریقین اپنی رضامندی سے مقرر کریں **جواب** درست ہے بشرطیکہ روپیہ دینے کے وقت نرخ مقرر کرلیا جائے کہ فی روپیہ اتنا لیں گے خواہ فصل میں نرخ کم ہو یا زائد واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی

سوال اکثر دیہاتوں میں رسم ہے کہ تالاب کے اندر مچھلی خریدتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں اور مشتری کو تالاب سے مچھلی نکال کے کھانا جائز ہے یا نہیں اور اگر مشتری کی اجازت سے کسی دوسرے آدمی نے شکار کھیلا اور مزدوری کے طریقے پر چند مچھلیاں مشتری نے اُسکو دیدیں تو وہ مچھلیاں شکار کھیلنے والے کو لینا اور کھانا درست ہے یا نہیں اور اگر مشتری مچھلیاں تالاب سے نکال کر فروخت کرے اور کوئی اُس سے خریدے تو اُس ثانی خریدار کو اُنکے کھانے میں کوئی بُرائی ہے یا نہیں

جواب مچھلی کا شکار سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے پس اگر اسکی بیع عرض واسباب کے عوض میں ہوئی ہے تو فاسد ہے اور اگر دراہم و دنانیر کے عوض میں بیع ہوئی ہے تو باطل ہے جیسا کہ درمختار میں ہے وفی البرجندی ذکرہ المصنف ان بیع السمک قبل ان یصطاد باطل ان کان بالدراھم والدنانیر وفاسد ان کان بالعرض یعنی اور برجندی میں ہے مصنف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ شکار سے پہلے مچھلی کو بیچنا اگر دراہم و دنانیر سے ہو تو باطل ہے اور اگر عروض سے ہو تو فاسد ہے اور اگر مچھلی کو پکڑ کر ایسی جگہ چھوڑ دیا کہ بغیر حیلے کے وہاں سے پکڑنا ممکن نہیں ہے تب بھی اسکی بیع جائز نہیں ہے اور وہ بیع فاسد ہے اور اگر بلا حیلہ پکڑنا ممکن ہو تو بیع درست ہے اور بیع باطل مفید ملک نہیں ہوتی اگرچہ مشتری قابض بھی ہو۔ اور بیع فاسد واجب الرفع ہے لیکن اگر مشتری بائع کی رضامندی سے قابض ہو تو مالک ہوجاتا ہے اور اُس مبیع میں مشتری کا تصرف جیسے ہبہ وغیرہ نافذ ہوگا اور کسی کے ہاتھ مشتری کا بیچنا بھی نافذ ہوگا مگر مشتری کو اُس مبیع کا کھانا درست نہیں ہے جیسا کہ نہایہ میں ہے فی الھدایۃ ولا یجوز بیع السمک فی الماء قبل ان یصطاد لانہ باع ما لا یملکہ ولا فی خطیرۃ اذا کان لا یوخذ الا بصید لانہ غیر مقدور التسلیم ومعناہ اذا اخذہ ثم القاہ فیہا ولو کان یوخذ من غیر حیلۃ جاز الا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولم یسد علیہا المدخل لعدم الملک انتہی وفی موضع اٰخر واذا قبض المشتری المبیع بالبیع الفاسد بامر البائع وفی العقد عوضان کل واحد منہما مال ملک المبیع ولزمتہ قیمتہ انتہی وفی موضع اٰخر ولکل واحد من المتعاقدین فسخہ رفعا للفساد فان باع المشتری نفذ بیعہ لانہ ملکہ فیملک التصرف فیہ ویسقط حق الاسترداد انتہی وفی الدر المختار واذا ملکہ یثبت کل احکام الملک الا خمسۃ لا یحل لہ اکلہ ولا لبسہ ولا وطؤہا ولا ان یتزوجہا منہ البائع ولا شفعۃ لجارہ لو عقارا۔ اشباہ۔ وفی الجوھرۃ وشرح المجمع والشفعۃ بہا فہی سادسۃ

یعنے ہدایہ میں ہو مچھلی کو شکار کرنے سے پہلے پانی میں بیچنا جائز نہیں ہو کیونکہ اُس میں اُس چیز کی بیع ہو جس کی ملک ثابت نہیں اُسی طرح تالاب میں بھی مچھلی کو فروخت کر ڈالنا درست نہیں ہو جبکہ بغیر شکار کے وہ پکڑی نہ جاسکتی ہوں کیونکہ تسلیم پر قدرت نہیں ہو اس کا مطلب یہ ہو کہ اگر مچھلیاں پکڑ کے تالاب میں ڈالیں تو اگر تالاب سے بلا کسی مدد کے نکالی جاسکتی ہیں تو یہ بیع جائز ہو مگر اُس صورت میں کہ مچھلیاں خود سے تالاب میں آئی ہوں پھر اُنکے واپس جانے کا راستہ روک دیا گیا ہو نا جائز ہو کیونکہ ملک ثابت نہیں ہو اور دوسری جگہ ہو اور جب مشتری بیع فاسد پر قابض ہو جائے بائع کے حکم سے اور عقد میں دو عوض ہوں اور دونوں مال ہوں تو مشتری مبیع کا مالک ہو جائیگا اور قیمت لازم ہوگی اور دوسری جگہ ہو اور متعاقدین میں سے ہر ایک کو حق فسخ ہو فساد کے رفع کرنے کے لئے اور اگر مشتری نے بیچ ڈالا تو اُس کی بیع نافذ ہوگی کیونکہ وہ اُس چیز کا مالک تھا تو تصرف کا بھی مالک تھا اور حق استرداد ساقط ہو جائے گا انتہی اور درمختار میں ہو اور مالک ہونے کے بعد اُس کے لئے پانچ کے سوا اور سب احکام ملک کے ثابت ہوں گے اُسے۔ کھانا پہننا وطی جائز نہیں اور بائع کے ساتھ اُس کی شادی کرنا اور پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ حاصل ہوگا اگر وہ زمین ہو انتہٰی اشباہ اور جوہرہ اور شرح مجمع میں ہو اور اُس میں شفعہ کا حق نہ حاصل ہوگا یہ چھٹا استثنا ہو **سوال** اگر بیع عین میں مدت بائع کیطرف سے یا ثمن میں مدت مشتری کیطرف سے مقرر ہوئی مگر مجہول تو کیا حکم ہو **جواب** یہ بیع فاسد ہو۔ محیط میں ہو اذا شرط الاجل فی المبیع العین فسد البیع واذا شرط الاجل فی الثمن والثمن دین فان کان الاجل معلوما جاز البیع وان کان مجهولا فسد البیع یعنے اگر مبیع عین میں اجل کی شرط کی تو بیع فاسد ہوگئی اور اگر ثمن میں اجل معلوم کی شرط کی تو بیع جائز ہو اور اگر اجل غیر معلوم کی شرط کی تو بیع فاسد ہو **سوال** اگر کوئی کہے یہ کتاب میں نے تیرے ہاتھ بیچی ہزار روپیہ کو فی الحال اور دو ہزار روپیہ کو ایک سال کے وعدہ پر اور مشتری نے کہا میں نے قبول کیا تو کتنی رقم مشتری پر لازم ہوگی **جواب** یہ بیع باطل ہو۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں کہتے ہیں واما البطلان فیما اذا قال بعتك بالف حالا وبالفین الی سنة فلجهالة الثمن یعنے اگر کہے بیچا میں نے ہزار روپیہ کو فی الحال اور دو ہزار روپیہ کو سال بھر کے وعدے پر تو جہالت ثمن کی وجہ سے یہ بیع باطل ہو **سوال** جو مسلم

یا مستامن دار الحرب میں داخل ہوکر دار الحرب میں حربیوں سے بیع فاسد کا معاملہ کرے یا جوا کھیل کے انکا مال لے لے تو یہ حلال ہے یا نہیں **جواب** حلال ہے در مختار میں ہے ولا بین حربی ومسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثم لان ماله ثمه مباح فیحل برضاه مطلقا بلا عذر خلافا للثانی والثلاثة انتہی وقال الطحطاوی فی حاشیته قوله ولو بعقد فاسد کما اذا باع منهم خمرا او خنزیرا او میتة او قامرهم واخذ المال کذا فی المنح یعنی حربی اور مستامن کے درمیان ربوا نہیں ہے گو عقد فاسد یا قمار ہو کیونکہ حربی کا مال مباح ہے تو اُسکی رضا سے مطلقاً بلا عذر مباح ہوگا نہ امام ابو یوسف اور آئمہ ثلثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اور طحطاوی میں ہے اگرچہ بعقد فاسد ہو مثلاً انکے ہاتھ شراب بیچے یا سور یا مردار بیچا یا اُنکے ساتھ جوا کھیلا اور اُس سے مال حاصل کیا ایسی ہی منح میں ہے **سوال** آزاد کی بیع دار الاسلام میں باطل ہے یا فاسد **جواب** آزاد چونکہ متبذل مال نہیں ہے لہذا اُسکی بیع باطل ہے لعدم تحقق رکن البیع وھو مبادلة المال بالمال کیونکہ بیع کا رکن یعنی مال کو مال سے بدلنا نہیں پایا گیا مگر امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ مخمصہ اور قحط کی حالت میں درست ہے یا جبکہ کوئی مدیون ہو اور ادائے دین کی کوئی صورت نہو تو اگر اپنے کو ادائے دین کے لئے بیچے تو درست ہے شیخ الہداد رحمہ اللہ نے شرح بزدوی میں محیط سے نقل کیا ہے لا یجوز بیع الحر الا ان یعجز عن اداء مال وجب فی ذمته او ھو مضطر وقع فی مھلکة ولا یری بقاء حیاته الا ببیع نفسه او فی مخمصه یحل له الجیفة یعنی حر کی بیع جائز نہیں ہے مگر اُس صورت میں کہ جو مال اُسکے ذمے واجب ہے اُسکے ادا کرنے سے عاجز یا مجبور ہو یا ہلاکت میں پڑ گیا ہو جس سے اپنے آپ کو بغیر اپنی جان بیچے ہوے نہ بچا سکے یا ایسے بھوک میں پھنس جائے جسکی وجہ سے اُسے مردار کھانا بھی جائز ہو جائے اور جبکہ بیع جائز ہوگی تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ جائز ہوگی کیونکہ اذا ثبت الشئ ثبت بلوازمه پس اگر مبیع عورت ہے تو اُس سے وطی کرنا بھی جائز ہوگی اور اُس کی اولاد بعد دعوی مولی کے ثابت النسب ہوگی **سوال** ایسی چیز مغصوب کا جو غاصب کے قبضے میں ہے کسی کے ہاتھ اُس شخص کا بیچنا جس سے غصب کی گئی ہے درست ہے یا نہیں **جواب** یہ بیع موقوف ہے پس اگر غاصب نے اقرار کیا یا انکار کیا مگر جس سے غصب کی گئی ہے اُسکے پاس گواہ موجود ہیں تو یہ بیع تمام اور لازم ہوگی اور اگر غاصب کے انکار کی صورت میں مغصوب منہ کے پاس گواہ نہیں ہیں اور غاصب نے مال

مغصوب کو تسلیم نہیں کیا یہانتک کہ مال مغصوب ہلاک ہوگیا تو بیع مذکور ٹوٹ جائیگی عالمگیری میں ہے اذا باع المغصوب من غیر الغاصب فهو موقوف هو الصحیح فان اقر الغاصب تم البیع ولزمه وان جحد وللمغصوب منه بینة فکذلك کذا فی الغیاثیة وان لم یکن له بینة ولم یسلم حتی هلك انتقض البیع کذا فی الذخیرة یعنے اگر مغصوب کی بیع غاصب کے علاوہ کسی اور کے ساتھ کی گئی تو یہ بیع موقوف ہوگی اور یہی صحیح ہے اگر غاصب نے اقرار کرلیا تو یہ بیع درست ہوگی اور اگر انکار کیا اور مغصوب منہ کے پاس کوئی بینہ ہے تو بھی بیع درست ہے جیساکہ غیاثیہ میں ہے اور اگر بینہ نہیں ہے اور غاصب نے مغصوب کو تسلیم نہیں کیا یہانتک کہ مغصوب ہلاک ہوگیا تو بیع درست نہوگی جیساکہ ذخیرہ میں ہے **سوال** اگر مشتری نے بیع کے وقت بیع پر اپنی دخل یابی کی شرط کی تو یہ شرط مفسد بیع ہے یا نہیں اور مفسد بیع کون شرط ہے **جواب** شرط مذکور جو مقتضائے عقد کے موافق ہے مفسد بیع نہیں ہے اور جو شرط مقتضاے عقد نہو اور اسمیں بائع یا مشتری یا مبیع آدمی کا فائدہ ہو مفسد عقد بیع ہے جیسے کسی نے کپڑا اس شرط سے خریدا کہ بائع اُسے سلا کے دیگا یا اس شرط پر گھر بیچا کہ بائع ایک مہینہ تک اسمیں رہیگا یا غلام اس شرط سے بیچا کہ مشتری اس غلام مبیع کو کبھی نہ بیچے. ہدایہ میں ہے المذهب فیه ان یقال کل شرط یقتضیه العقد کشرط الملك للمشتری لا یفسد العقد لثبوته بدون الشرط وکل شرط لا یقتضیه العقد و فیه منفعة لاحد المتعاقدین او للمعقود علیه وهو من اهل الاستحقاق یفسده اس میں مذہب یہ ہے کہ کہا جائے کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد ہو مثلاً ملک مشتری کی شرط مفسد عقد نہیں ہے کیونکہ وہ بلا شرط بھی ثابت تھی اور وہ شرط جو مقتضاے عقد نہیں ہیں اور اسمیں متعاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہے یا صرف معقود علیہ کا نفع ہے اور معقود علیہ اہل استحقاق ہے) مفسد عقد ہیں **سوال** سلم کا راس المال ایک درم قرار دیکر حوالہ کیا گیا اور زید نے اقرار کیا کہ فصل ربیع میں نرخ بازار کے موافق میں اس راس المال کے گیہوں دونگا یہ صورت جائز ہے یا نہیں **جواب** بیع سلم کی تمام شرطوں میں سے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو اگر کیلی ہو تو کیلا اور اگر وزنی ہو تو وزنا اور اگر عددی ہو تو عددا اور اگر ذرعی یعنی گز سے ناپی جاتی ہو تو گز سے مسلم فیہ کی تعیین کرنا چاہیے عالمگیری میں ہے والرابع ان یکون معلوم القدر بالکیل او الوزن او العدد او الذراع کذا

فی البدائع یعنے اور چوتھی شرط یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو کیل سے یا وزن سے یا عدد سے یا گز سے جیسا کہ بدائع میں ہے۔ اور ایسا ہی فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے اور صورت مسئولہ میں کہ کیلاً خواہ وزناً تعیین گندم نہیں ہوئی اور نرخ بازار روزانہ بدلتا رہتا ہے جہالت مسلم فیہ لازم آتی ہے اور اسکے نزاع باہمی پیدا کرنے میں کوئی شک نہیں ہے اور جو جہالت مفضی الی المنازعہ ہو وہ مفسد عقد ہے **سوال** بیس سیر گیہوں کو راس مال سلم قرار دیکے زید کو ہونچا دیے اور زید نے اقرار کیا کہ میں دو مہینے میں اتنی ہی گیہوں ہونچا دونگا یہ صورت جائز ہے یا نہیں **جواب** گیہوں اگرچہ اس دیار کی اصطلاح میں وزنی ہو گیا ہے مگر بنص شرعی کیلی ہے اور جو چیز نص شرعی کے اعتبار کیلی ہے وہ کیلی ہی رہیگی اگرچہ عرفاً وزنی ہو گئی ہو ہاں بعض ائمہ کے نزدیک کیلیت اور وزنیت کا مدار اہل دیار کے عرف پر ہے نص شرعی کا اعتبار نہیں ہے اسلئے کہ نص شرعی بھی بلحاظ عرف ہے پس ہر حال مین عرف کا اعتبار کیاجائے گا خواہ وزنی ہو یا کیلی جائز نہیں ہے کیونکہ کیلی کے عوض میں کیلی اور وزن کے عوض میں وزنی دینا بشرطیکہ دونوں متعینات سے ہوں جائز نہیں ہے عالمگیری میں ہے ولا یسلم مایوزن اذا کانا مما یتعینان فی العقد کالحدید فی الزعفران واما اذا اسلم الدراھم والدنانیر فی الوزنیات یجوز یعنے وزنیات کی بیع سلم وزنیات سے نہ کی جائے گی جبکہ دونوں ایسے ہوں کہ عقد سے متعین ہوتے ہوں مثلاً لوہے کی بیع سلم زعفران سے البتہ اگر وزنیات کی بیع سلم دراہم و دنانیر سے کیجائے تو درست ہے اور تاتارخانیہ میں ہے ولا یصح السلم الموزون فی الموزون والمکیل فی المکیل یعنے بیع سلم موزونات کی موزونات سے اور کیلات کی کیلات سے درست نہیں ہے **سوال** بیع سلم میں اقرار ہوا کہ میں فلاں مہینے میں فی روپیہ چالیس سیر گیہوں دونگا اور بازار کا نرخ فی الحال بیس سیر کا ہے تو یہ بیع درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے کیونکہ شرائط بیع سلم میں سے یہ بھی شرط ہے کہ مسلم فیہ کی مقدار اگر کیلی ہو تو کیلا اور اگر وزنی ہو تو وزنا مقرر کر دیجائے اور نرخ بازار سے اُس نرخ کا مساوی ہونا شرط نہیں ہے **سوال** شراب بنانے والے کے ہاتھ جبکہ یہ معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائیگا انگور کا شیرہ بیچنا جائز ہے یا نہیں **جواب** بیع جائز ہے مگر صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے بیع العصیر ممن یتخذ خمرا لا یکرہ عند ابی حنیفۃ وعندھما یکرہ ویجوز البیع

وبیع العنب ممن یتخذ الخمر علی ھذا الخلاف کذا فی الخلاصۃ یعنے انگور کے شیرہ کو شراب بنانے والے کے ہاتھ بیچنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور بیع جائز ہے اور انگور کو اس شخص کے ہاتھ بیچنا جو شراب بناتا ہے بھی اسی اختلاف پر ہے ایسے ہی خلاصہ میں ہے انتہی **سوال** بکری کافر کے ہاتھ بیچنا جبکہ یہ معلوم ہو کہ بت پر ذبح کیجائیگی جائز ہے یا نہیں **جواب** بیع جائز لیکن مکروہ ہے۔ ہدایہ میں ہے لانہ تسبیب الی المعصیۃ والبیع الذی ھو اکن امکروہ کیونکہ یہ معصیت کے سبب کا مہیا کرنا ہے اور جس بیع میں یہ بات پائی جائے وہ مکروہ ہے **سوال** جبکہ بازار میں ایک روپیہ کا بیس سیر گیہوں بکتا ہو اور کوئی شخص قرض سترہ سیر کا بیچتا ہے تو یہ بیع درست ہے یا نہیں **جواب** بیع مذکور نافذ ہے مگر مکروہ ہے۔ قنیہ میں ہے شری الشئ الیسیر بثمن غال اذا کان لہ حاجۃ الی القرض یجوز ویکرہ یعنی قرض لینے کی ضرورت سے اگر کسی نے معمولی چیز گراں قیمت پر خریدی تو جائز لیکن مکروہ ہے **سوال** افیون اور بھنگ کا بیچنا صحیح ہے یا نہیں اور بر تقدیر اول حلال ہے یا نہیں **جواب** بیع صحیح اور نافذ ہے لیکن حلال نہیں ہے۔ درمختار میں ہے وصح بیع الخمر مما مر ومفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون قلت وقد سئل ابن نجیم عن بیع الحشیش ھل یجوز فکتب لا یجوز فیحمل علی ان مرادھم بعدم الجواز عدم الحل قالہ المصنف یعنی بیع خمر صحیح ہے اسی وجہ سے جو گزری اور اسکا حاصل بھنگ اور افیون کی بیع کی صحت ہے میں کہتا ہوں کہ ابن نجیم رحمہ اللہ سے بھنگ کی بیع کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جائز نہیں ہے مصنف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ انکا مطلب عدم جواز سے حلال نہونا ہے **سوال** غلہ کے علاوہ اگر کسی نے گڑ اور لکڑی اور لوہا اور تانبا وغیرہ خریدکے گرانی کے انتظار میں کئی مہینے روکا پھر گراں ہونے کے وقت فروخت کیا تو یہ بیع جائز ہے یا نہیں اور یہ احتکار ہوا یا نہیں **جواب** یہ بیع جائز ہے کیونکہ یہ بالتراضی مال کا مال سے بدلنا ہے مگر اس روک رکھنے کے احتکار ہونے میں اختلاف ہے عالمگیری میں ہے والاحتکار فی کل ما یضر بالعامۃ فی قول ابی یوسفؒ وقال محمدؒ الاحتکار فی ما یتقوت بہ الناس والبھائم کذا فی الحاوی یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر احتکار انھیں اشیاء میں ہے جن کی بدولت عوام کو ضرر ہو اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک احتکار انھیں اشیاء میں ہے جن کو

انسان یا جانور اپنا کھانا اور روزی بنائیں اسی طرح حاوی میں ہے انتہی **سوال** اگر کوئی شخص گاؤں سے غلّہ شہر میں لایا اور شہر میں چند دن کے بعد نرخ بازار پر بیچا تو یہ بیع جائز ہے یا نہیں اور نفع اسکا جائز ہے یا نہیں **جواب** رکن اور شرط کے پائے جانے کیوجہ سے فی نفسہ بیع جائز ہے مگر یہ روک رکھنا اگر شہری لوگوں کے لئے ضرر رساں ہے تو مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے واذا اشترى من مكان قريب من المصر فحمل طعاما الى المصر وحبسه وذلك يضر باهله فهو مكروه وهذا قول محمدؒ وهو احدى الروايتين عن ابی یوسف وهو المختار كذا فی الغياثية وهو الصحيح كذا فی جواهر الاخلاطی یعنے اگر شہر سے کچھ دور غلہ خریدا پھر اُسے شہر میں لایا اور کچھ دن رکھکر بیچا اور اُس سے اہل شہر کا نقصان ہوا تو یہ مکروہ ہے یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہی مروی ہے اور یہی مختار ہے جیساکہ غیاثیہ میں ہے اور یہی صحیح ہے جیساکہ جواہر الاخلاطی میں ہے

باب التصرف

سوال شامی کے اس قول میں علماء کیا کہتے ہیں وفی الشرنبلالية عن الخانية لا يصح من قسمة الوهبانية + شعر + وليس لهم قال الامام تقاسم + بدرب ولم ينفذ كذا البيع يذكر قال ابن الشحنةؒ والمسئلة من التتمة عن نوادر ابن رستم قال ابو حنيفة فی سكة غير نافذة ليس لاصحابها ان يبيعوها ولو اجتمعوا على ذلك ولا ان يقسموها فيما بينهم لان الطريق الاعظم اذا اكثر الناس فيه كان لهم ان يدخلوا هذه السكة حتى يخف الزحام قال الناطفی وقال شداد فی دور بين خمسة باع احدهما نصيبه من الطريق فالبيع جائز وليس للمشتری المرور فيه الا ان يشتری دار البائع واذا ارادوا ان ينصبوا على راس سكتهم دربا وليس لاهل السكة ليس لهم ذلك لانها وان كانت ملكا لهم ظاهرا لكن للعامة فيها نوع حق انتهى ملخصا ثم افاد ان ما توهمه الناظم فی شرحه من اختلاف الروايتين مدفوع فان ما ذكره ابن رستم فی البيع الكل وما ذكره شداد فی بيع البعض والفرق ان الثانی لا يفضی الى ابطال حق العامة بخلاف الاول هذا وقد علمت مما قررناه سابقا ان ما فی الوهبانية غير ما

ذکرہ المصنفؒ لان مراد المصنف الطریق الخاص المملوک لواحد وھذا طریق مشترک فی سکۃ مشترکۃ انتھی یعنی شرنبلالیہ میں خانیہ سے نقل کیا ہے کہ بیع طریق صحیح نہیں ہے قسمت ہیانیہ میں ہے امام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل محلہ کو اس کا حق نہیں ہے کہ کوچۂ غیر نافذہ کے دروازے کو تقسیم کریں اسی طرح انھیں اسکا بھی حق نہیں ہے کہ اسے بیچڈالیں ابن شحنہ رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ مسئلہ تتمہ میں نوادر ابن رستم سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کوچۂ غیر نافذہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اسکے لوگوں کو اسکی بیع کا حق نہیں ہے اگرچہ وہ سب اس پر متفق ہوں اور نہ وہ لوگ آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں کیونکہ بڑی سڑک پر جب مجمع زائد ہوجائے تو لوگوں کو وہاں چلے آنے کا حق ہے جب تک کہ مجمع خفیف ہوجائے ناطفی رحمہ اللہ کہتے ہیں شداد رحمہ اللہ نے کہا ہے چند گھروں میں پانچ آدمی شریک تھے ایک نے اپنا راستے کا حصہ بیچڈالا تو یہ بیع درست ہوگی لیکن مشتری کو اُس حصہ پر چلنے کا حق نہوگا تاوقتیکہ وہ گھر بھی نہ خریدے اور اگر سب لوگ یہ چاہیں کہ گلی کے سرے پر دروازہ لگاکے اُسے بند کردیں تو انھیں اسکا حق نہیں ہے کیونکہ یہ گلی اگرچہ اُن کی ملک ہے لیکن عوام کو بھی اُس میں ایک طرح کا حق حاصل ہے پھر کہا ہے کہ ناظم نے جو اپنی شرح میں یہ خیال کیا ہے کہ اختلاف روایتیں ہیں تو یہ مدفوع ہے کیونکہ ابن رستم رحمہ اللہ نے جو ذکر کیا ہے وہ بیع کل کی صورت میں ہے اور جو شداد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے وہ بیع بعض کی صورت میں ہے اور فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں حق عوام کا ابطال لازم نہیں آتا ہے برخلاف پہلی صورت کے یہ تم جان چکے ہو کہ وہبانیہ میں اور بات ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے اور بات کہی ہے کیونکہ مصنف رحمہ اللہ کی مراد خاص راستہ ہے جو کسی ایک شخص کی ملک ہو اور یہ مشترک گلی کی مشترک راہ ہے آیا یہ روایت ملک مشترک میں وارد ہے یا ملک خاص میں شخص واحد کی اور اگر ملک مشترک میں وارد ہے تو اُس سے ملک خاص کا بھی حکم دربارۂ منع تصرف نکلتا ہے یا نہیں اور یہ قول ظاہر الروایۃ ہے یا نادر الروایۃ اور مفتی بہ ہے یا غیر مفتی بہ **جواب** یہ نوادر کی روایت ہے اور ملک مشترک میں ہے نہ ملک خاص میں اور ملک خاص میں مفتی بہ یہی ہے کہ مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے بشرطیکہ کسی غیر کا ضرر بین نہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **ھوالمصوب** پوشیدہ نہ

ر ہے کہ ملک خاص میں مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہو بشرطیکہ کسی غیر کا ضرر بین نہ ہو اور جس تصرف میں کہ دوسرے کا ضرر بین ہو اُس تصرف سے ممنوع رکھا جائے گا۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہو قال فی تنویر وشرحہ الدر المختار لا یمنع الشخص من تصرف فی ملکہ الا اذا کان الضرر بینا فیمنع من ذلک وعلیہ الفتوی کذا فی البزازیۃ واختارہ فی العمادیۃ وافتی بہ قارئ الھدایۃ وافتی بذلک ایضا الشیخ برھان الائمۃ وبہ یفتی کما فی شرح الوھبانیۃ لابن الشحنۃ نقلا عن کتاب الحیطان للصدر الشہید وفی حواشی الاشباہ لبیری زادہ لہ التصرف فی ملکہ وان تضرر جارہ فی ظاھر الروایۃ والذی استقر علیہ رای المتاخرین ان الانسان یتصرف فی ملکہ وان اضر بغیرہ مالم یکن ضررا بینا وھو ما یکون سببا للھدم وما یوھن البناء بسبب او یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو ما یمنع عن الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ والفتوی علیہ یعنی تنویر اور اس کی شرح درمختار میں ہو کہ کوئی اپنے ملک میں تصرف کرنے سے روکا نہیں جاسکتا بجز اس صورت کے کہ ضرر ظاہر ہو ایسی صورت میں وہ روکا جائیگا اسی پر فتوےٰ ہے جیسا کہ بزازیہ میں ہے عمادیہ میں اسی کو اختیار کیا ہو اور قاری ہدایہ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہو اور شیخ برہان الائمہ رحمہ اللہ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہو ابن شحنہ رحمہ اللہ شرح وہبانیہ میں صدر شہید رحمہ اللہ کی کتاب الحیطان سے نقل کیا ہو کہ اسی پر فتوےٰ ہو بیری زادہ رحمہ اللہ کے حواشی اشباہ میں ہو کہ ہر شخص کو اپنی ملک میں تصرف کا حق ہو اگرچہ اس سے اُسکے پڑوسی کو ضرر پہونچے یہ ظاہر الروایۃ میں ہو اور متاخرین کی رائے یہ قرار پائی ہو کہ انسان کو اپنی ملک میں تصرف کا حق ہو اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر پہونچے جب تک کہ ضرر بین نہو مثلاً انہدام یا کمزوری عمارت کا سبب ہو یا عمارت سے انتفاع ناممکن ہو جائے انتفاع کا ناممکن ہونے کا مطلب یہ ہو کہ مانع حوائج اصلیہ ہو جائے مثلاً اُس میں روشنی کا آنا بالکل رُکجائے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور جامع الفصولین میں ہو الحاصل ان القیاس فی جنس ھذہ المسائل ان من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع منہ ولو اضر بغیرہ لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیرہ ضررا بینا وقیل بالمنع وبہ اخذ کثیر من المشائخ یعنی حاصل یہ ہو کہ اس قسم کے مسائل میں قیاس کا مقتضیٰ یہ ہو کہ جو اپنی خالص ملک میں تصرف کرے گا وہ اس سے رُوکا نہیں جاسکتا اگرچہ وہ دوسرے کو

ضرر پہونچائے لیکن ایسی صورت میں جب کہ ضرر ین پہونچتا ہو تو اس ترک کر دیا جائے گا اور بعض لوگ اُسکے قائل ہیں کہ وہ ایسا کرنے سے روک دیا جائیگا اکثر مشائخ اسی طرف گئے ہیں انتہی۔ اور کوچہ غیر نافذہ میں جس میں ملک مشترک اور حق مرور علی سبیل التساوی ہوتا ہے کسی شخص کو بدون اجازت جملہ اہل سکہ کے تصرف نہیں جائز ہے اگرچہ دوسروں کو مضر نہو۔ تعلیق الانوار میں ہے وغیر النافذ لا یتصرف مطلقا ای باحداث شئی کالبناء او الحفر اما الانتفاع فجائز قال فی منیۃ المفتی اہل السکۃ ارادوا ان ینصبوا علی راس سکتھم دربا و یسد وا راس السکۃ لیس لھم ذلک لانہا وان کانت ملکا لہا لکن للعامۃ فیہا نوع حق وھو انہ اذا ازدحم فی الطریق کان لھم ان یدخلوھا حتی یخف الزحام وھذا فی المملوک فکیف بغیر المملوک فلا یجوز سدہ ومنع الناس منہ وفیہا سکۃ غیر نافذۃ احدث رجل فی اخر السکۃ شیئا لم یملک الا باذن جمیع اہل السکۃ الاعلیٰ والاسفل یعنی کوچہ غیر نافذہ سے نفع حاصل کرنا جائز ہے لیکن اس میں تصرف عمارت بنا کر یا زمین کھود کر نا درست نہیں ہے منیۃ المفتی میں ہے گلی والے اگر یہ چاہیں کہ اپنی گلی کے سرے پر دروازہ لگا دیں یا اُسکے سرے کو بند کر دیں تو انکو اسکا حق نہیں ہے کیونکہ وہ اگرچہ اُنکی ملک ہے لیکن اُس میں عوام کا حق ہے وہ یہ کہ جب راستہ میں مجمع زائد ہو جائے تو وہ اُس گلی میں آسکتے ہیں تاکہ مجمع کم ہو جائے اور جب مملوک کا یہ حال ہے تو غیر مملوک کو بند نہ کر سکنا اور لوگوں کو اس میں آنے سے روک نہ سکنا تو ظاہر ہے منیۃ المفتی میں ہے کہ کوچہ غیر نافذہ کے ختم پر کسی شخص نے اگر کچھ بنا لیا تو وہ بغیر تمام گلی والوں کی اجازت کے اسکا مالک نہیں ہو سکتا۔ اور مجمع البرکات میں ہے لو احدث ذلک فی طریق غیر نافذ لا یسعہ ذلک بلا اذن الشرکاء فی ذلک الطریق وان لم یضرھم یعنے اگر کسی نے کوچہ غیر نافذہ میں کچھ بنایا تو اُسے اُسکی اجازت نہوگی جب تک کہ اس گلی کے سب رہنے والوں سے اجازت نہ لے اور اگرچہ انکو کچھ ضرر نہ پہونچائے۔ اور برجندی کی شرح مختصر وقایہ میں ہے وفی غیر نافذ لا یسعہ احداث ذلک الا باذن الشرکاء اضرھم اولا لانہ مملوک للجمیع اور کوچہ غیر نافذہ میں کسی کو بلا اجازت شرکا کچھ بنا لینے کا حق نہیں ہے خواہ انکو ضرر پہونچے یا نہ پہونچے کیونکہ وہ گلی سب کی ملک ہے۔ اور تنقیح فتاوے حامدیہ میں ہے فی غیر النافذ لا یجوز ان یتصرف

باحداث مطلقا اضرّہم اولا الا باذنہم لانہ کالملک الخاص لہم یعنے بلا اجازت کوچہ غیر نافذہ میں کچھ بناکر تصرف کرنے کا حق مطلقا کسی کو نہیں ہے خواہ اُس گلی کے رہنے والوں کو ضرر پہونچے یا نہ پہونچے کیونکہ یہ زمین اُن کی ملک خاص کی طرح ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابو الحسنات محمد عبد الحی |

آج کاغذات مسل مقدمہ مولوی اعجاز حسین صاحب مدعی صدر مرافع بنام مسماۃ عمدہ بیگم مدعی علیہا یعنی دو قطعہ نقل استفتا اور ایک قطعہ نقل موجبات ناراضی گزرانندہ مدعی اور دو قطعہ نقول فیصلجات عدالت ومرافعہ ویک قطعہ نقشہ موقع متنازع فیہ میں نے عن اولہا الی آخرہا معائنہ کیے قبل اسکے کہ یہ کاغذات رامپور سے میرے پاس پہونچیں مدعی نے دو فتوے کہ جن کی نقل منسلک مسل ہے پیش کیے تھے اور استدعا تحریر جواب کے کی موافق انکی استدعا کے میں نے اس سوال پر جس میں روایت نوادر ابن رستم سے استفسار ہے لکھدیا کہ یہ روایت نوادر کی ہے اور ملک مشترک میں ہے نہ ملک خاص میں اور ملک خاص میں مفتی بہی ہے کہ صاحب اپنی ملک میں ہر طرح کا تصرف کرسکتا ہے مگر وہ تصرف کہ جس میں ضرر بیّن دوسرے کا نہ ہو فقط اور دوسرے سوال پر یہ لکھدیا کہ بعد تحقیق اس امر کے کہ وہ زمین ملک زید ہے زید جو کھٹ وغیرہ لگانے سے اس میں منع نہ کیا جائیگا مگر یہ کہ ہمسایہ کو اُس سے ضرر ظاہر پہونچے اور جبکہ زید مالک مانع مرور نہیں تو ضرر بیّن نہ ہوگا انتہی بحاصلہ اب بعد معائنہ کاغذ نقشہ وغیرہ ثابت ہوا کہ یہ دونوں فتوے مفید مدعی نہیں ہیں اور مدعی علیہا کو حق ممانعت پہونچتا ہے ایک تو اسوجہ سے کہ ضرر بیّن کا اعتبار ملک خاص میں ہے نہ کوچہ غیر نافذہ میں اور زمین متنازع فیہ ملک خاص مدعی نہیں ہے کوچہ غیر نافذہ کی زمین ہے کہ جس میں سب اہل کوچہ کو حق مرور برابر ہے پس اس میں چوکھٹ کواڑ وغیرہ لگانا بغیر اجازت تمام اہل کوچہ کے ممکن نہیں ہے جیسا کہ عبارات مذکورہ سے واضح ہے بلکہ بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اتفاق اہل کوچہ بھی ایسے امور کا تصرف بلحاظ حق عامہ نادرست ہے الحاصل یہ فیصلہ شرع کے مطابق ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

کتاب الربوا

سوال اگر کوئی شخص زر خطیر حربیوں کو سودی قرض دے اور سود وصول کرنے کے لئے اپنے وکیل کو دار الحرب میں مقرر کرے تو جائز ہے یا نہیں جواب دار الحرب میں حربیوں سے سود لینا جائز ہے وکیل وصول کرے یا مؤکل کیونکہ نائب مثل منیب کے ہے فی الدر المختار ولا ربوا بین حربی ومسلم ومستأمن ولو بعقد فاسد وقمار ثمه لان ماله ثمه مباح فیحل برضاه مطلقا بلا غدر خلافا للثانی والثلاثة وفی رد المختار قوله لان ماله ثمه مباح قال فی فتح القدیر لا یخفی ان هذا التعلیل انما یقتضی حل مباشرة العقد اذا کانت الزیادة ینالها المسلم والربوا اعم من ذلک اذ یشمل ما اذا کان الدرهمان فی بیع درهم بدرهمین من جهة المسلم والکافر وفی السیر الکبیر وشرحه اذا دخل مسلم دار الحرب بامان فلا باس بان یاخذ منهم اموالهم بطیب انفسهم بای وجه کان لانه انما اخذ المباح علی وجه عری عن الغدر فیکون ذلک طیبا لهم والاسیر والمستامن سواء حتی لو باعهم درهما بدرهمین او باعهم میتة بدراهم او اخذ مالا منهم بطریق القمار فذلک کله طیب له یعنی در مختار میں ہے مسلمان اور حربی کے درمیان ربوا نہیں ہے اگر عقد فاسد ہو یا قمار کے ذریعہ سے ہو کیونکہ مال حربی دار الحرب میں مباح ہے پس اس کی رضامندی سے اسکا مال ہر حال میں مطلقا مباح ہے بلا غدر امام ابو یوسف اور آئمہ ثلثہ رحمہم اللہ اسکے خلاف ہیں اور رد المختار میں ہے کہ صاحب فتح القدیر نے کہا ہے پوشیدہ نہیں ہے کہ اسی دلیل سے اس عقد کی صحت ظاہر ہوتی ہے جس میں مسلم کو نفع پہونچے ربوا اس سے عام ہے کیونکہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب ایک درہم کی بیع بمعاوضہ دو درہموں کے ہو مسلم وکافر دونوں کی جانب سے سیر کبیر اور اسکی شرح میں ہے جب مسلمان دار الحرب میں اماں لیکر داخل ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ جس طریقے پر چاہے کافروں سے انکا مال انکی رضامندی سے وصول کرے کیونکہ اسنے مال مباح کو ایسے طریقہ پر حاصل کیا ہے جو غدر سے خالی ہے تو یہ اسکے لئے درست ہوگا اور قیدی اور مستامن سب اس معاملہ میں برابر ہیں حتی کہ اگر ایک درہم دو درہم کے عوض میں بیچے اور مردار

چند درہموں کے عوض میں بیچے یا جوے سے اُن لوگوں سے وصول کرے تو یہ سب حلال ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد ہو المصوب۔ اگر مسلمان نے ربوا کا معاملہ حربی کے ساتھ دارالاسلام میں کیا اور اپنے وکیل کو قبضہ کرنے کے لئے دار الحرب میں بھیجا تو جائز نہیں ہے کیونکہ ربوا کا معاملہ دارالاسلام میں ممنوع ہے اور اگر دار الحرب میں کیا ہے تو البتہ جائز ہوگا۔ اشباہ میں ہے الربوا حرام الا فی ست مسائل بین المسلم والحربی ثمہ وبین المسلمین لم یہاجرا الینا یعنے ربوا بجز چھ صورتوں کے ہر جگہ حرام ہے اول مسلمان وحربی میں دار الحرب میں اور اُن دو مسلمانوں میں جو دار الحرب سے ہجرت کرکے ہمارے پاس نہ آئیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابو الحسنات محمد عبد الحی]

سوال زید نے دعوی دلا پانے زر کثیر کا کہ بعض سود اور بعض اصل ہے بوکالت بکر بنام ہندہ عدالت میں دائر کیا تھا وکیل زید نے قاضی کے سامنے وقت گفتگوے مقدمہ بہ نسبت زر دعوی کے یہ الفاظ بیان کیے کہ در اصل یہ تنازع مبیع رقم سود کے درمیان فریقین کے واقع ہوا آیا اس بیان وکیل زید سے وصول یابی زر اصل کی اور باقی رہنا سود کا سمجھا جاتا ہے یا نہیں اگر قاضی بیان مذکور کو وکیل زید سے وصول یابی زر اصل کی اور نزاع حال کو نزاع سود سمجھکر دعوے مدعی خلاف شرع تصور کرکے خارج اور نامسموع کردے تو بجا اور درست ہے یا نہیں۔ اور وکیل کا زر دعوے کی نسبت رقم سود کہنا مخالف اور متناقض قول مدعی کے کہ وہ بعض زر دعوی کو سود اور بعض زر دعوی اپنے کو اصل کہتا ہے ہو سکتا ہے یا نہیں یا وکیل کا قول بمنزلہ قول موکل قرار پاکے بحکم اس کے کہ بیان میں قول اخیر معتبر ہے چنانچہ حاشیہ فتاوی شامیہ آخر اوقف میں قاعدہ اصل یوں منقول ہے فان التعین اذا تعارضا عمل بالمتاخر منہا یعنے جب تعارض ہو جائے تو قول اخیر پر عمل کیا جائیگا یہ نزاع کل دعوے کی رقم سود کا سمجھا جائیگا اور وکیل کا قول بحکم اس روایت کے بمنزلہ قول موکل کے ہو سکتا ہے یا نہیں۔ درمختار میں ہے وصح اقرار الوکیل یعنی وکیل کا اقرار صحیح ہے اور ردالمحتار میں اس کی صراحت یوں کی ہے یعنی اذا ثبت وکالۃ الوکیل بالخصومۃ واقر علی موکلہ سواء کان موکلہ المدعی فاقر بانتفاء الحق او المدعا علیہ فاقر بثبوتہ علیہ

یعنی جب وکیل بالخصومت کی وکالت ثابت ہوگئی اور اسنے مؤکل کے خلاف اقرار کیا
خواہ مؤکل مدعی ہو اور وکیل استیفائے حق کا اقرار کرے یا مدعا علیہ ہو اور وکیل ثبوت حق کا
اقرار کرے **جواب** اس صورت میں وکیل نے کوئی ایسا کلمہ نہیں کہا جس سے زر
اصل سے برارت یا اقرار وصول وغیرہ سمجھا جائے کہ اُسکے قول کو بعینہٖ مؤکل کا قول سمجھکے
تناقض وغیرہ سمجھا جائے بلکہ وکیل کے قول کا مفہوم اسیقدر ہے کہ اصل خصومت سود کی
رقم میں ہے اسمیں یہ بھی احتمال ہے کہ رقم اصل اتفاقًا لازم ہو اور رقم سود میں نزاع ہو پس اس
صورت میں نہ تناقض ہے نہ اقرار وصول اصل وغیرہ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی
ابو الحسنات عبد الحی **سوال** ربوا کیا ہے **جواب** کیلًا یا وزنًا احد المتجانسین کی زیادتی
دوسرے پر معاوضۂ مالیہ میں بلا عوض ربوا ہے۔ بحر الرائق میں ہے ولیس المراد مطلق الفضل
بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد
فضل مخصوص، وهو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانسین
علی الاٰخر بالمعیار الشرعی ای الکیل او الوزن یعنے مطلق فضل مراد نہیں ہے بالاجماع
کیونکہ تمام مسلمانوں کے شہروں میں جو بازاریں قائم کی گئی ہیں اُنکا منشا محض نفع حاصل
کرنا اور زیادتی پانا ہے بلکہ زیادتی بلا عوض ہے کسی مال کو مال کے عوض دینے میں یعنے
متجانسین میں سے ایک کا دوسرے پر زائد ہونا بمعیار شرعی یعنے کیلًا و وزنًا **سوال**
ربوا کے حرام ہونے کی کیا وجہ ہے **جواب** کیل یا وزن باتحاد جنس اگر دونوں پائے
جائیں یعنی گیہوں کے عوض میں گیہوں بیچنا۔ ربوا جو عبارت فضل مخصوص سے ہے حرام ہے
اور نسیہ بھی یعنی صورت مساوات عوضین میں ایک کو وعدے پر رکھنا لیکن اگر دونوں معدوم
ہوں جیسے کپڑے کا ایک تھان دوسرے قسم کے دو تھان کے عوض میں بیچنا اسمیں تفاضل
اور نسیہ دونوں حلال ہیں۔ در مختار میں ہے وعلتہ ای علۃ تحریم الزیادۃ القدر المعهود بکیل او
وزن مع الجنس فان وجد احرم الفضل ای الزیادۃ والنساء بالمد التاخیر فلم یجز بیع
قفیز بر بقفیز منہ متساویا واحدهما نساء وان عدما بکسر الدال من باب علم ای هلکا
حل کهروی فی مرویین لعدم العلۃ فبقی علی اصل الاباحۃ یعنے علت تحریم کیل اور

وزن میں مقدار معہود کی زیادتی اور جنس کا متحد ہونا بس اگر یہ دونوں باتیں پائی جائینگی
تو ربوا متحقق ہوگا اور فضل یعنی زیادتی اور نسا یعنے ادھار دونوں حرام ہونگے لہذا گیہوں کے
بورے کو اسی کے مساوی دوسرے بورے کے عوض میں بیچنا جائز نہیں ہے اگر ایک بورا
ادھار ہو اور اگر دونوں ہلاک ہوجائیں تو بیع حلال ہے جیسا کہ ایک تھان ہروی دو تھانوں
مرویوں میں کیونکہ علت باقی نہیں رہی تو اصل اباحت پر باقی رہیگی **سوال** اعتبار ربوا
کے باب میں گیہوں کیلی مانا جائے گا یا وزنی **جواب** کیلی مانا جائیگا۔ درمختار میں ہے وانص
الشارع علی کونہ کیلیا کبر وشعیر وتمر وملح او وزنیا کذہب وفضۃ فہو کذلک لا یتغیر ابداً یعنے
شارع نے جسے کیلی بتادیا مثلاً گیہوں جو کھجور اور نمک یا وزنی بتادیا مثلاً چاندی سونا تو ہمیشہ اسی
حال پر رہیں گے ان میں کبھی کچھ تغیر نہوگا **سوال** ایک سیب کی بیع دو سیب کے عوض
میں یا ایک مٹھی گیہوں کی بیع دو مٹھی گیہوں کے عوض جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز ہے کیونکہ
شرعی معیار نصف صاع ہے نہ اس سے کم پس نصف صاع سے کم میں زیادتی درست
ہے۔ عالمگیری میں ہے یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین والتفاحۃ بالتفاحتین وما دون نصف
الصاع فی حکم الحفنۃ یعنی ایک لپ دو لپ کے عوض میں اور ایک سیب کو دو سیبوں کے
عوض میں بیچنا درست ہے اور نصف صاع سے کم لپ کے حکم میں ہے **سوال** ہندوؤں سے
سود لینا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز نہیں ہے کیونکہ دار الاسلام میں سود لینا اور دینا حرام
ہے اللہ تعالے نے فرمایا ہے احل اللہ البیع وحرم الربوا یعنی اللہ تعالے نے بیع کو حلال کیا ہے
اور سود کو حرام۔ اور اہل ذمہ معاملات میں مثل اہل اسلام کے ہیں۔ نصاب الاحتساب
میں ہے ان فیما سوی الخمر والخنزیر ونکاح المحارم وعبادۃ غیر اللہ تعالے حال اہل الذمۃ
کحال المسلمین ما یمنع عنہ المسلم یمنع عنہ اہل الذمۃ یعنے شراب اور سور کے احکام
میں اور محرموں سے نکاح کرنے اور خدا کے علاوہ دوسروں کے عبادت کرنے کے سوا
میں اہل ذمہ کا حال مسلمانوں کا سا ہے جس سے مسلمان روکے جائیں گے اس سے اہل
ذمہ بھی روکے جائیں گے **سوال** نصاریٰ کی عملداری میں کہ اہل اسلام نصاریٰ کے
پاس روپیہ جمع کرتے ہیں اور نصاریٰ سے اس کا سود لیتے ہیں اور اسے وثیقہ کہتے ہیں

درست ہے یا نہیں **جواب** دار الحرب میں مسلم اور کافر حربی کے معاملہ میں ربوا درست ہے
جیسا کہ نقایہ میں ہے ولا ربوا بین مسلم وحربی فی دارہ یعنے مسلمان اور ذمی کے درمیان
دار الحرب میں ربوا متحقق نہیں ہوتی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نصاریٰ کی عملداری چونکہ
شعائر کفر بے دغدغہ باعلان رواج پائے ہوئے ہیں دار الحرب ہے پس وثیقہ درست ہے اور امام
ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دار الاسلام کے دار الحرب ہونے میں تین شرطیں ہیں جب یہ
تینوں شرطیں نصاریٰ کی عملداری میں متحقق ہوجائیں تو وہ دار الحرب ہوجائے گی اور وثیقہ
جائز ہوگا۔ برجندی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے فعند ابی حنیفۃ لا یصیر دار الحرب الا بثلثۃ
اشیاء احدھا ان یکون متصلا بدار الحرب لیس بینھما موضع فی ید اھل الاسلام
والثانی ان یجری فیھا اھل الحرب احکامھم والثالث ان لا یبقے فیھا مسلم او ذمی آمن
بالامان الاول وعندھما اذا اجری اھل احرب فی بلدۃ احکامھم صارت دار حرب
کیفما کان کذا فی فتاوی قاضی خان یعنے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دار الاسلام
دار الحرب تین باتوں سے ہوتا ہے (۱) دار الحرب سے متصل ہو کہ اسکے اور دار الحرب کے
بیچ میں کوئی جگہ اہل اسلام کے قبضہ میں نہو (۲) اہل حرب اس میں اپنے احکام جاری
کریں (۳) اس میں کوئی مسلم یا ذمی آمن بامان اول باقی نہو اور صاحبین کے نزدیک
جب اہل حرب کسی شہر میں اپنے احکام جاری کردیں تو وہ دار الحرب ہوجاتا ہے چاہے
اس کی کوئی حالت ہو جیسا کہ فتاوے قاضی خاں میں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے قال محمد
فی الزیادات انما یصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ بشرائط ثلث
احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتھار وان لا یحکم فیھا بحکم الاسلام والثانی
ان تکون متصلۃ بدار الحرب لا یتخلل بینھما بلدۃ من بلاد الاسلام والثالث ان لا یبقے فیھا
مؤمن ولا ذمی آمنا بامانہ الاول الذی کان ثابتا قبل استیلاء الکفار للمسلم باسلامہ
وللذمی بعقد الذمۃ یعنے امام محمد رحمہ اللہ نے زیادات میں کہا ہے کہ دار الاسلام امام
ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دار الحرب تین شرطوں سے ہوتا ہے (۱) اجرائے احکام
کفار باعلان وعدم اجرائے حکم اسلام (۲) اتصال دار الحرب اسطرح کہ درمیان میں کوئی

ملک مسلمانوں کے قبضہ میں نہو (۳) کوئی مومن و ذمی امن بامان اول (جو قبل استیلائے کفار مسلمانوں کو اسلام کیوجہ سے اور ذمی کو عقد ذمہ کیوجہ سے تھا) باقی نہ رہے **سوال** اگر مسلم باستیمان دار الحرب میں جائے تو مسلم کو دار الحرب میں حربی سے سود لینا جائز ہی یا نہیں **جواب** امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہی اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہی فی الھدایۃ ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافا لابی یوسفؒ والشافعیؒ لھما الاعتبار بالمستامن منھم فی دارنا ولنا قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب ولان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیہ غدر بخلاف المستامن منھم لان مالہ صار محصورا بعقد الامان وقال برجندیؒ فی شرح النقایۃ ناقلا عن المبسوط ولا فرق بین ان یأخذ المسلم الدرھم بالدرھمین او الدرھم بالدرھمین فی دار الحرب لانہ طیب نفس الکافر بما اعطاہ واخذ مالہ بطریق الاباحۃ یعنی ہدایہ میں ہی مسلم اور حربی کے درمیان دار الحرب میں سود متحقق نہیں ہوتا امام ابو یوسفؒ اور امام شافعی رحمہما اللہ اسکے خلاف ہیں اُنکے نزدیک ہم میں کا جو اُن کے یہاں مستامن ہو اُسکا وہی حال ہی جو اُنکے یہاں کے جو ہمارے یہاں مستامن ہیں اُنکا حال ہی اور ہماری دلیل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہی کہ دار الحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان ربوا متحقق نہیں ہوتا اور یہ کہ حربی کا مال دار الحرب میں مباح ہی پس مسلمان جس طرح حاصل کرے بشرطیکہ غدر نہو مال مباح ہوگا برخلاف اُنکے مستامن کے کہ اُسکا مال عقد اماں کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہی اور برجندیؒ نے شرح نقایہ میں مبسوط سے نقل کیا ہی مسلمان ایک درہم دو درہموں کے عوض میں یا دو درہم ایک درہم کے عوض میں دار الحرب میں خریدے اِن دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہی کیونکہ اُسنے جو کچھ دیا ہی اُس سے کافر کے نفس کو خوش کیا ہی اور اسکا مال مباح طریقے سے لیا ہی **سوال** اگر حربی امن لیکر دار الاسلام میں داخل ہوا تو مسلمان کو اُس سے دار الاسلام میں ربوا کا معاملہ کرنا جائز ہی یا نہیں **جواب** جائز نہیں ہی **سوال** جہاں ہزاروں مسلمان سود کھاتے ہیں وہاں عموم بلوے کی وجہ سے اُس کی حلت کا حکم دیا جائیگا یا نہیں **جواب** احادیث میں مطلقا سود کی حرمت وارد ہوئی ہی مگر جو مستثنیٰ ہی اور عموم

بلوے طہارت اور نجاست میں اثر کرتا ہے نہ حلت اور حرمت میں۔

باب القرض والرشوۃ

سوال اگر کسی نے سودی روپیہ قرض لیا تھا اور سود اصل کے بقدر دے چکا ہے تو اب بری الذمہ ہوا یا نہیں **جواب** دارالاسلام میں سود دینا حرام ہے جو رقم سود میں دی ہے وہ اصل میں محسوب ہوگی **سوال** اگر کافر پر مسلمان کا قرض ہے اور مدیون ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو قیامت میں کیا ہوگا **جواب** محاسبہ کے وقت مدیون کے نیک اعمال دائن کو دلائے جائیں گے جیسا کہ سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے **سوال** مسلمان قرضدار اگر بے ادائے دین کے مر گیا تو معذب ہوگا یا نہیں **جواب** مدیون مقید رہتا ہے دین کی وجہ سے اور اپنے مقصود تک نہیں پہونچتا اپنی وحشت اور تنہائی اور قید اور صالحون اور شفیعون کی صحبت سے دور رہنے کی اللہ سے شکایت کرتا ہے جیسا کہ اُس حدیث میں مروی ہے جو براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **سوال** زید نے دس سیر گیہوں یا آٹا عمرو سے لیکر صرف کیا اور پھر اُتنا ہی ادا کیا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں **جواب** یہ معاملہ قرض کی قسم سے ہے اور جائز ہے استحساناً تنویر الابصار میں ہے القرض عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلی لاٰخر لیرد مثلہ وصح فی مثلی لا فی غیرہ یعنی قرض ایک خاص عقد ہے جسکا اسپر اطلاق ہوتا ہے کہ ایک شخص کو کچھ مال دیدیا تاکہ وہ کچھ عرصے کے بعد ویسا ہی واپس کردے یہ عقد اُن چیزوں میں درست ہے جن کا مثل ہو اور جن کا مثل نہیں ہے اُن میں درست نہیں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے فی نوادر ھشام عن ابی یوسفؒ انہ قال لا ضرورۃ ولا خیر فی قرض الحنطۃ والدقیق بالوزن وذکر فی الاصل اذا استقرض الدقیق وزنا لا یردہ وزنا ولکن یصطلحان علی القیمۃ وعن ابی یوسفؒ فی روایۃ یجوز استقراضہ وزنا استحسانا اذا تعارف الناس ذلک وعلیہ الفتوی کذا فی الغیاثیۃ یعنے نوادر ہشام میں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کوئی ضرورت اور خوبی گیہوں اور آٹے کو تولکر قرض لینے میں نہیں ہے اور اصل میں مذکور ہے کہ اگر آٹا تولکر قرض لیا ہے تو تولکر واپس نہ کرے بلکہ دونوں صلح کرلیں قیمت پر اور امام ابویوسف رحمہ اللہ سے

ایک روایت یہ بھی ہی کہ تو لکر قرض لینا استحساناً درست ہی جب کہ لوگوں میں متعارف بھی ہو اور اسی پر فتوے ہی جیسا کہ عنایتہ میں ہی **سوال** زید نے عمرو سے ایک روپیہ قرض لیا اور ادائے قرض کی مدت مقرر ہوئی اور دونوں میں یہ اقرار ہوا کہ مدت گزرنے کے بعد ایک روپیہ کے عوض میں ایک روپیہ اور مدت کے عوض میں چار آنے زائد دیے جائیں گے یہ درست ہے یا نہیں **جواب** حرام ہی۔ کفایہ میں ہی ان الشرع حرم ربوا النسیۃ ولیس فیہ الا مقابلۃ المال بالاجل فلان یکون مقابلۃ المال بالاجل حقیقۃ حراماً اولی یعنی شرع نے ربوا نسیہ اُدھار کے سود کو حرام کر دیا ہی حالانکہ اُس میں صرف مال کا مقابلہ مدت سے ہی لہذا مال کا مقابلہ مدت سے حقیقۃً بدرجۂ اولی حرام ہوا **سوال** اگر قرض دینے والا مدت پر راضی ہونے کے بعد مدت گزرنے سے پہلے تقاضہ کرے تو کر سکتا ہی یا نہیں **جواب** کر سکتا ہی۔ سراج منیر میں ہی وصح تاجیل کل دین عند العقد وبعدہ الا لقرض ولا یثبت الاجل فیہ وللمقرض ان یطالب حالاً کما فی المعدن یعنی ہر دین میں عقد کے وقت یا عقد کے بعد مدت مقرر کر لینا درست ہی سوا قرض کے کہ اسمیں مدت مقرر کرنا درست نہیں ہی اور قرض دینے والے کو اختیار ہی چاہے فوراً مطالبہ کرے جیسا کہ معدن میں ہی **سوال** قرض اور دین میں کیا فرق ہی **جواب** دین وہ ہی جو مدیون کے ذمے واجب ہو جیسے مہر اور ثمن مبیع اور قرض خود ظاہر ہی۔ سراج منیر میں ہی الفرق بین القرض والدین ان الدین ما وجب فی الذمۃ کالمھر وثمن المبیع والقرض ھو العین الذی یقرضھا انسان کما فی النہایۃ یعنی قرض اور دین میں یہ فرق ہی کہ دین ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو مدیون کے ذمے واجب ہو جیسے مہر اور ثمن مبیع اور قرض وہ عین ہی جسے انسان قرض لے جیسا کہ نہایہ میں ہی **سوال** اگر زید نے عمرو سے قرض لیا اور عمرو بے وارث چھوڑے مرگیا تو اب زید قرض کیونکر ادا کرے **جواب** فقرا اور مساکین کو دے کہ اُسکا ثواب عمرو کی روح کو پہونچائے **سوال** رشوت لینے والے اور دینے والے اور مقرر کرنے والے کا کیا حکم ہی **جواب** رشوت لینا دینا دونوں حرام ہیں اور حرام کا مرتکب دوزخ کا مستحق ہی اور جو حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ اور ترمذی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہی اُس میں ہی لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی یعنی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت کی ہی اور

رشوت مقرر کرنے والے یعنے راشی اور مرتشی کے درمیان میں ایک کے لیے زیادتی اور دوسرے کے لئے کمی کرنے والے کو عربی میں رائش کہتے ہیں بیہقی نے شعب الایمان میں ثوبان سے روایت کی ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے رائش پر بھی لعنت کی ہے اور رشوت لے جانے والا اگر نہیں جانتا کہ یہ مال رشوت کا مال ہے تو اُسپر کچھ مواخذہ نہیں ہے اور اگر جانتا ہے اور دانستہ اپنے کو فعل بد میں شریک اور معین بناتا ہے تو وہ بھی ماخوذ ہوگا اللہ تعالی فرماتا ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور حد سے تجاوز کرنے میں مدد مت کرو واللہ اعلم

کتاب الحظر والاباحة

سوال زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا مدت کے بعد زید اور اُسکے قرابت دار ایک اجنبی کے سامنے آنے پر اصرار کرتے ہیں اور ہندہ اور اُسکے قرابت داروں کو اس اجنبی کے سامنے آنا منظور نہیں ہے اس صورت میں ہندہ کو شرعًا شوہر اور اُسکے اہل قرابت کا کہنا ماننا چاہئیے یا نہیں

جواب صورت مسئولہ میں اجنبی آدمی کا غیر عورت کی ہتھیلی اور چہرہ دیکھنا اگر شہوت سے مامون بھی ہو درست نہیں ہے خاص کر اس زمانہ میں کیونکہ جوان مرد اور عورت کے فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہے البتہ مجبوری کے وقت جیسے قاضی اور حکیم اور نکاح کا ارادہ کرنیوالا دیکھ سکتا ہے ردالمحتار میں ہے والروایة وینظر من الاجنبیة الی وجہها وکفیها فقط للضرورة فان خاف الشهوة او شك امتنع نظره الی وجهها فحل النظر مقید بعدم الشهوة والا فحرام هذا فی زمانهم واما فی زماننا فمنع من الشابة کذا فی القهستانی وغیره الا النظر لا المس لحاجة کقاض وشاهد یحکم ویشهد علیها اه درمختار۔ قوله اما فی زماننا الخ لا لانه عورة بل لخوف الفتنة یعنے روایت یہ ہے کہ اجنبی عورت کا چہرہ اور دونوں ہاتھ صرف ضرورت کی وجہ سے دیکھ سکتا ہے پس اگر شہوت کا خوف یا شک ہو تو اُسکا چہرہ دیکھنے سے باز رہے لہذا اجازت نظر عدم شہوت کے ساتھ مقید ورنہ حرام ہے یہ اُن لوگوں کے زمانے میں تھا اور نہ ہمارے زمانے میں جوان عورت کے دیکھنے سے روکا جائیگا اور چھونے سے روکا جائے گا گو کہ ضرورت کیوجہ سے ہو مثلاً قاضی اور شاہد کہ اُنکو حکم اور شہادت دینا ہوتی ہے۔ درمختار۔ قوله اما فی زماننا الخ نہ سوجہ سے

کہ چہرہ ستر ہی بلکہ اسوجہ سے کہ فتنے کا خوف ہی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب کتبہ محمد مسیح الدین خاں مفتی حیدرآباد دکن محمد مسیح الدین خاں الجواب صحیح والمجیب نجیح واللہ اعلم وعلمہ احکم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال چند تمہیدی مقدموں کے بعد سوال کیا جاتا ہی **پہلا مقدمہ** یہ ہی کہ مستحسن صفت مامور بہ سے ہی خواہ لعینہ ہو یا لغیرہ اور استحسان بعد الامر ہوتا ہی ان الامر حکیم والحکیم لا یأمر بالفحشاء کما ذکر فی الاصول یعنے امر حکیم ہی اور حکیم بری باتوں کا حکم نہیں دیتا جیساکہ اصول میں ہی۔ پس جو مامور بہ نہیں ہی اسکا استحسان معلوم نہیں ہی **مقدمہ ثانیہ** یہ ہی کہ حدیث میں ہی من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو مردود یعنی جس نے ہمارے اس امر میں کوئی ایسی بات زائد کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہی اور امرنا سے مراد امر دین ہی اور اصول و فروع دینی ادلہ اربعہ سے ثابت ہوتے ہیں یعنی کتاب اور سنت اور اجماع اور مجتہد کے قیاس سے اور جو شخص ائمہ اربعہ کی طرح مستقل مجتہد نہیں وہ تقلید کے بھی لائق نہیں ہی اور اسکا قیاس معتبر نہیں اسی طرح اجماع بھی بعض یا اکثر علما کے تامل سے منعقد نہیں ہوتا بلکہ اجماع یہ ہی کہ جمیع مجتہدان عصر کا اتفاق ہو یا بعض کا فتوے اور اطلاع کے بعد تین دن تک دوسروں کا سکوت ہو اور غیر مجتہدین کے اجماع کا شرعاً اعتبار نہیں خصوصاً اس امر میں جو محتاج قیاس ہو جیساکہ اصول کی کتابوں سے ثابت ہی پس جو بات ادلہ اربعہ سے ثابت نہو بدعت ہی جیساکہ آنحضرت علیہ السلام کے ارشاد فھو رد سے معلوم ہوتا ہے **مقدمہ ثالثہ** یہ ہی کہ تمام اجزا کے فرداً فرداً جزر ہونے سے مجموع کی جزئیت لازم نہیں آتی کیونکہ افراد کا حکم فرداً فرداً دوسرا ہی اور مجموع کا حکم دوسرا ہی جیساکہ اپنے مقام پر ثابت ہی **مقدمہ رابعہ** یہ ہی کہ مفتی غیر مجتہد قول مجتہد سے فتوی دے سکتا ہی مگر اسکو کلیات مسائل استخراج کرنا جائز نہیں ہی **مقدمہ خامسہ** یہ ہی کہ اللہ تعالے کے قول ویتبع غیر سبیل المؤمنین الآیۃ اور کنتم خیر امۃ الآیۃ اور جعلناکم امۃ وسطا الآیۃ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول لا تجتمع امتی علی الضلالۃ اور ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اور من سنّ سنۃ حسنۃ وغیرہ میں لفظ مؤمنین اور امت سے مجتہدین مراد ہیں جیساکہ اصول کی کتابوں سے ثابت ہی اور سنّ بمعنے رواج ہی اور احداث اور رواج کا فرق ظاہر ہی پس علمائے غیر مجتہدین کا تامل چاہے وہ حرمین شریفین

کے ہوں یا فرشتے یا دوسرے ممالک کے حجت نہو گا **مقدمہ سادسہ** یہ ہو کہ حق سے سکوت علما کی شان نہیں ہو پس امر حق سے ہدایت فرمائیں ان تمہیدی مقدموں کے بعد سوال یہ ہو کہ زید میلاد شریف کی مجلس اس طرح کرتا ہو کہ کچھ لوگوں کو جمع کرکے ذکر میلاد مع دیگر حالات نبوی کے کرتا ہو اور سوا اسکے کہ لوگوں کو جمع کرتا ہو اور کوئی بات شرع کے خلاف نہیں کرتا پس یہ امر ادلۂ اربعہ شرعیہ کے لحاظ سے مستحسن ہو یا بلحاظ مقدمات مذکورہ بالا بدعت ضالہ ہو امید ہو کہ جواب مع حوالۂ کتاب بقید صفحہ عام فہم مرحمت فرمائیں گے **جواب** میں پہلے چند مقدمات کی تمہید کرتا ہوں پھر اصل مقصد لکھوں گا **مقدمہ اولی** یہ ہو کہ محدث وہی امر ہو جس کا وجود خصوصیت کے ساتھ زمانۂ نبوی اور زمانۂ صحابہ اور زمانۂ تابعین میں نہو جن کے بہتر ہونے کی شہادت فرما چکے ہیں اور نہ اُس کی اصل ادلۂ اربعہ سے ثابت ہو یعنے کتاب اللہ اور سنت رسول اور اجماع اور قیاس سے علامہ سید شریف رحمہ اللہ نے حواشی مشکوٰۃ میں حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد یعنے جس نے ہمارے اس امر میں کوئی ایسی بات زائد کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہو کی شرح میں لکھا ہے المعنی ان من احدث فی الاسلام رایا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاہر وخفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیہ معنی یہ ہیں کہ جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی جو کتاب اور سنت میں (ظاہر خفی ملفوظ مستنبط کسی طریقہ پر) نہو تو یہ مردود ہو انتہی۔ اور فاضل معین بن صفی رحمہ اللہ شرح اربعین نووی میں لکھتے ہیں فان قلت قد اشتہر ان البدعۃ نوعان حسنۃ وسیئۃ فکیف یکون کل بدعۃ ضلالۃ بلا تخصیص قلت المراد من البدعۃ فی الحدیث البدعۃ الشرعیۃ وھی ما لیس لہ دلیل شرعی وکل ما فعلہ الشارع او امر بہ فھو لیس ببدعۃ شرعیۃ یعنی اگر کوئی کہے یہ مشہور ہو کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیئہ پس ہر بدعت ضلالت کسطرح ہوگی تو ہم کہیں گے کہ حدیث میں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہو یعنی جس پر شرعی دلیل نہو اور جسے شارع نے کیا یا اُسکے کرنیکا حکم دیا وہ بدعت شرعیہ نہیں ہو۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہدی ساری مقدمۂ فتح الباری کی فصل خامس میں جو شرح الفاظ غریبہ حدیث کے لئے موضوع ہو لکھتے ہیں قولہ من احدث حدثا ای فعل فعلا لا اصل لہ فی الشرع یعنے جسنے ایسا کام کیا جسکی اصل شرع میں نہ تھی۔ اور فتح الباری میں ہو قولہ محدثاتھا بفتح الدال جمع محدثۃ والمراد بھا ما

احداث ولیس له اصل فی الشرع سمی فی عرف الشرع بدعة وما کان له اصل فی الشرع فلیس
بدعة والبدعة فی عرف الشرع مذمومة بخلاف اللغة یعنی محدثات بفتح دال جمع ہے محدثہ کی اس
سے مراد وہ امور ہیں جو نئے نکالے گئے ہیں اور جن کی اصل شرع میں نہیں ہے انھیں عرف شرع
میں بدعت کہتے ہیں اور جن کی اصل شرع میں ہو وہ بدعت نہیں ہیں اور عرف شرع میں بدعت
مذموم ہے نہ عرف لغت میں اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ فتح المبین شرح اربعین میں لکھتے ہیں المراد من
قولہ صلے اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ ما ینافیہ اولا یشھد لہ قواعد الشرع
وادلتہ العامۃ یعنی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے قول من احدث الخ سے وہ چیزیں مراد ہیں
جو شرع کے منافی ہوں یا جسکے منافی شرعی قواعد اور اسکی عام دلیلیں ہوں یا جسکی یہ چیزیں شہادت
نہ دیں۔ اور ایسا ہی ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے شرح اربعین میں اور ابن مالک رحمہ اللہ
نے شرح مصابیح میں اور بیضاوی نے شرح مصابیح میں لکھا ہے پس معلوم ہوا کہ ہر وہ امر جسکا ازمنہ ثلثہ
میں وجود ہو یا اسکی سند ادلہ اربعہ کی کسی دلیل سے پائی جاتی ہو وہ بدعت ضلالت نہو گا مقدمہ
ثانیہ یہ ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ استحسان شرعی اسی مامور بہ کی صفت ہے کہ ادلہ اربعہ کی دلیلوں میں سے
کسی دلیل میں صراحۃً اسکا امر وارد ہوا ہو بلکہ استحسان ہر مامور بہ کی صفت ہے چاہے صراحتاً اسکا
امر وارد ہوا ہو یا قواعد کلیہ شرعیہ سے اسکی سند ملتی ہو برابر ہے کہ واجب ہو یا مندوب جیسا کہ عبارات
سابقہ میں غور کرنے سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے اور کتب اصول میں جو اختلاف مامور بہ اور مندوب
کے اطلاق میں مذکور ہے وہ لفظی نزاع ہے جس کی تصریح ابن ہمام رحمہ اللہ نے تحریر میں کی ہے حاصل
یہ ہے کہ جس طرح مامور بہ کا اطلاق واجبات پر ہوتا ہے اسی طرح مندوب پر بھی ہوتا ہے اور جس طرح
استحسان واجبات میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح مندوبات میں بھی ظاہر ہوتا ہے پس ہر وہ محدث
جسکا ازمنہ ثلاثہ میں خصوصیت کے ساتھ وجود نہو لیکن اس کی سند ادلہ اربعہ کی دلیلوں میں
سے کسی دلیل سے پائی جائے وہ بھی مستحسن ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مدارس کی بنا کو تمام اطراف
کے علما مستحسن لکھتے ہیں حالانکہ زمانہ نبوی میں اسکا وجود نہ تھا لیکن اس کی اصل اس حدیث
سے جسکو بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے ثابت ہے اور وہ حدیث
یہ ہے اذا مات ابن ادم انقطع الا من ثلاثۃ صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ

یعنے جب آدمی جاتا ہے تو اُسکے تعلقات تین چیزوں کے سوا سب چیزوں سے منقطع ہو جاتے ہیں ایک صدقہ جاریہ سے دوسرے علم جس سے نفع اُٹھایا جائے تیسرے نیک لڑکے سے جو اُسکے لئے دعا کرے۔ لہذا اُسکے مستحسن ہونیکا حکم دیا اور اُسے بدعت ضالہ میں داخل نہیں کیا **مقدمہ ثالثہ** مفتی کو چاہیئے کہ جو واقعہ پیش آوے اگر اسکا حکم کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس میں صراحۃً موجود ہو تو اُسکے موافق فتوے دے ورنہ اُس واقعہ کو قواعد کلیہ شرعیہ کے سامنے پیش کرے اور جس کلیہ کے جزئیات سے پائے اُسکے موافق فتوے دے اور علمائے مجتہدین اور فقہائے متبحرین کا یہی حال رہا ہے البتہ جو مفتی نقل عبارت کے علاوہ استنباط کی مطلقاً طاقت نہ رکھتا ہو اُسے سوائے نقل عبارت کتب اور نقل اقوال مجتہدین کے چارہ نہیں ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ حواشی عضدی میں لکھتے ہیں المراد باھل النظر بعض اصحاب المذھب من لہ ملکۃ الاقتدار علی الاستنباط من الاصول التی مھدوھا وھو المسمی بالمجتھدین فی المذھب کالغزالیؒ ونوویؒ من اصحاب الشافعیؒ وھو فی المذھب بمنزلۃ المجتھدین المطلق فی الشرع واما الذین یفتون بما حفظوہ او وجدوہ فی کتب الاصحاب فھم بمنزلۃ النقلۃ والرواۃ یعنی اہل نظر سے وہ بعض اصحاب مذہب مراد ہیں جن کو اصول ممہدہ سے استنباط پر قدرت کا ملکہ حاصل ہو یہی لوگ مجتہد فی المذہب کہلاتے ہیں جیسے غزالی اور نووی رحمہما اللہ جو اصحاب شافعی میں سے ہیں یہ لوگ مذہب میں بمنزلہ مطلق مجتہدین کے ہیں مگر وہ لوگ جو کتابوں سے یا اپنی یاد پر فتوے دیتے ہیں وہ بمنزلہ ناقل اور راوی کے ہیں اور علامہ عمر نسفی رحمہ اللہ جواہر نفیسہ میں لکھتے ہیں اعلم ان الفقہاء والعلماء علی سبع طبقات الاولی طبقۃ المجتھدین فی الشرع کالائمۃ الاربع الثانیۃ طبقۃ المجتھدین فی المذھب کابی یوسفؒ ومحمدؒ والاساتذۃ من اصحاب ابی حنیفۃؒ القادرین علی استخراج الاحکام من الادلۃ علی مقتضی القواعد التی مھدھا اساتذتھم فانھم وان خالفوھم فی بعض الفروع لکنھم موافقون لھم فی الاصول الثالثۃ طبقۃ المجتھدین فی المسائل التی لا روایۃ فیھا عن صاحب المذھب کالخصافؒ والطحاویؒ والکرخیؒ والحلوائیؒ والسرخسیؒ والبزدویؒ وقاضی خان الرابعۃ طبقۃ اصحاب التخریج من المتقدمین کالرازی واحزابہ فانھم لا یقدرون علی الاجتھاد اصلا ولکنھم باحاطتھم

بالاصول وضبطهم بالمذهب يخرجون الاقوال الخامسة طبقة اصحاب الترجيح من المقلدين كالقدوري وصاحب الهداية وشانهم تفضيل بعض الروايات على بعض يقولون هذا اولى وهذا اصح دراية وهذا اوضح رواية وهذا اوفق بالقياس وهذا ارفق بالناس السادسة طبقة المقلدين القادرين على التمييز على الاقوى والقوى والضعيف وظاهر المذهب وظاهر الرواية والرواية النادرة كاصحاب المتون المعتبرة عند المتاخرين كصاحب الكنز والمختار والوقاية والمجمع وشان كل منهم ان لاينقل فى كتابه الاقوال الضعيفة والمردودة والروايات الضعيفة السابعة طبقة المقلدين الذين لايقدرون على ماذكر ولايعرفون الغث والسمين ولايميزون الشمال عن اليمين بل يجمعون مايجدون كحاطب ليل وهذا مذكور فى طبقات الفقهاء مع تطويل لايسعه هذا المختصر یعنی فقہا اور علما کے سات طبقے ہیں (۱) مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم (۲) مجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اور اصحاب امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ میں سے وہ لوگ جو قواعد ممہدہ کے مطابق ادلہ سے استخراج احکام پر قدرت رکھتے ہوں یہ لوگ گو کہ مجتہدین فی الشرع سے بعض فروع میں مخالفت رکھتے ہیں لیکن اصول میں اُن کے موافق ہیں (۳) وہ لوگ جو اُن مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی روایت نہیں ہے مثلاً خصاف طحاوی کرخی حلوانی سرخسی بزدوی قاضی خاں رحمہم اللہ (۴) اصحاب تخریج مثلاً رازی رحمہ اللہ اور اُنکے گروہ کے لوگ کہ جو اجتہاد پر تو بالکل قدرت نہیں رکھتے ہیں لیکن اُصول کے احاطے اور مذہب کے ضبط کیوجہ سے یہ لوگ تخریج اقوال کر لیتے ہیں (۵) اصحاب ترجیح یہ لوگ مقلد ہوتے ہیں مثلاً قدوری اور صاحب ہدایہ ان لوگوں کا مرتبہ یہ ہے کہ بعض روایات کو بعض پر فضیلت دیں پس یہ لوگ کہتے ہیں یہ روایت اولیٰ ہے یا درایۃً اصح ہے یا روایۃً اوضح ہے یا زائد موافق قیاس ہے یا لوگوں حق میں زائد نرم ہے (۶) مقلدین کا وہ طبقہ جو اقوی۔ قوی۔ ضعیف۔ ظاہر مذہب۔ ظاہر روایت۔ اور روایات نادرہ کو پہچان سکتے ہیں جیسے اُن متون کے مصنفین جو متاخرین کے نزدیک معتبر ہیں مثلاً مصنف کنز مصنف مختار مصنف وقایہ مصنف مجمع یہ لوگ اپنی کتابوں میں کمزور اور مردود اقوال اور

روایات ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے ہیں (۷) وہ مقلدین جو اسپر بھی قدرت نہیں رکھتے ہیں اور صحیح غلط کو نہیں پہچان سکتے نہ ضعیف و قوی میں تمیز کر سکتے ہیں اور نہ دائیں کو بائیں سے الگ کر سکتے ہیں بلکہ رات کو لکڑیاں چننے والے کی طرح جو پاتے ہیں اُسے جمع کر لیتے ہیں اور یہ طبقات فقہا میں طول کے ساتھ مذکور ہی یہ مختصر کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ان مقدمات کی تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ نفس ذکر میلاد دو وجہوں سے بدعت ضلالت نہیں ہی (۱) ذکر میلاد اُسے کہتے ہیں کہ ذاکر کوئی آیت یا حدیث پڑھ کے اُسکی شرح میں کچھ فضائل نبویہ اور معجزات احمدیہ اور آپ کی ولادت اور نسب کا تھوڑا حال اور خوارق جو ولادت کے وقت اور اُسکے قبل ظاہر ہوئے بیان کرے جیساکہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نعمۃ الکبرے علی العالم بمولد سید ولد آدم میں لکھا ہی اور انکے علاوہ دوسرے ماہر علماء نے اور اسکا وجود زمانۂ نبوی اور زمانۂ صحابہ میں بھی تھا اگرچہ اس نام سے نہ تھا ماہرین فن حدیث پر مخفی نہوگا کہ صحابہ مجالس وعظ اور تعلیم علم میں فضائل نبویہ اور کیفیت ولادت احمدیہ کا ذکر کرتے تھے اور صحاح میں مروی ہی کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی مسجد میں منبر پر بٹھاتے اور وہ قصائد مدح نبوی کہ اُنھوں نے کہے ہوتے پڑھتے اور آپ اُنکو دعاے خیر دیتے اور فرماتے اَللّٰھُمَّ ایدہ بروح القدس اے اللہ انکی مدد کر بذریعۂ جبرئیل۔ اور دیوان حسان رضی اللہ عنہ کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہوگا کہ اُنکے قصائد میں معجزات اور حالات ولادت اور نسب شریف وغیرہ موجود ہیں پس محفل میں ایسے اشعار پڑھنا عین ذکر میلاد ہی اور حسان رضی اللہ عنہ کے مسجد میں اشعار پڑھنے کا قصہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہی جسکا جی چاہے دیکھ لے پس درحقیقت ذکر میلاد میں اور اس قصّہ میں کوئی معتدبہ فرق نہیں معلوم ہوتا بجز اسکے کہ اُس ذکر کا نام مجلس میلاد نہیں قرار پایا تھا سو یہ ایک دوسرا امر ہی دوسرے اگر یہ خلجان ہو کہ اگرچہ فی نفسہ نفس ذکر مولد و فضائل وغیرہ کا وجود ثابت ہوا مگر ذکر میلاد میں لوگوں کو بلانا ثابت نہیں ہوتا تو یوں دفع ہوجائیگا کہ نشر علم کے لئے لوگوں کو جمع کرنا اور بلانا حدیث سے ثابت ہی۔ فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تنبیہ الغافلین میں لکھتے ہیں حدثنا ابی قال حدثنا ابو بکر محمد بن احمد حدثنا ابو عمران حدثنا عبد الرحمن حدثنا داود حدثنا عباس بن الکثیر عن عبد خیر عن علی بن ابی طالب قال نزلت اذا جاء نصر اللہ فی مرض رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم فما لبث ان خرج یوم الخمیس فرقی المنبر وجلس علیہ ثم دعا بلالا وقال ناد فی المدینۃ ان اجتمعوا الوصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم فنادی بلال فاجتمع صغیرھم وکبیرھم وترکوا ابواب بیوتھم مفتحۃ حتی خرجت العذاری من خدورھن حتی غص المسجد باھلہ والنبی صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم یقول وسعوا لمن وراءکم وسعوا لمن وراءکم ثم قام فحمد اللہ واثنی علیہ وصلی علی الانبیاء ثم قال انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ھاشم العربی الحرمی المکی لا نبی بعدی الحدیث یعنے مجھے میرے باپ نے بیان کیا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن سے محمد بن احمدؒ نے اُن سے ابوعمرانؒ نے اُن سے عبد الرحمنؒ نے اُن سے داؤدؒ نے اُن سے عباسؒ بن کثیرؒ نے اُن سے عبد خیرؒ نے اُن سے علیؒ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے مرض موت میں اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی جسکے بعد ہی پنجشنبہ کو آپ باہر تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کے بلال کو پکارا اور کہا کہ مدینہ میں منادی کردیں کہ سب لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سننے کو حاضر ہوں پس حضرت بلالؓ رضی اللہ عنہ نے پکار دیا جس کیوجہ سے چھوٹے بڑے سب گھروں کے دروازوں کو کھلا چھوڑ کے چلے آئے یہانتک کہ پردہ دار عورتیں بھی مکانات چھوڑکر آئیں اور مسجد لوگوں پر تنگ ہوگئی حالانکہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہ فرماتے جاتے تھے کہ آنے والوں کے لئے جگہ باقی رکھو پھر آپ کھڑے ہوے اور حمد وثنا اور انبیاء پر صلوۃ کے بعد فرمایا کہ میں محمد بن عبد اللہ بن ہاشم عربی حرمی مکی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو آخر حدیث تک۔ اسکے علاوہ کلام نفس ذکر میلاد میں ہو اور تخصیصات عرفیہ اگر بالفرض اس اجتماع سے ثابت نہوں تو نفس ذکر میلاد کا عدم جواز لازم نہیں آتا (۲) اگر ہم مان بھی لیں کہ ذکر مولد کا وجود ازمنہ ثلاثہ میں سے کسی میں نتھا تو بھی ہم کہتے ہیں کہ شرع میں یہ قاعدہ ثابت ہو کل فرد من افراد نشر العلم فھو مندوب یعنی علم کے پھیلانیکا ہر طریقہ مندوب ہو۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم مما یلحق للمومنون من حسناتہ بعد موتہ علم نشرہ یعنے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ مسلمانوں کی اُن نیکیوں میں سے جو

موت کے بعد بھی اُن سے ملحق رہتی ہیں علم کا پھیلانا ہی اور بخاری نے کتاب العلم میں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہی ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلك حتی یکون سرا یعنے علم کو شائع کرنا چاہیئے اور اس غرض سے بیٹھنا چاہیئے تاکہ جو نہیں جانتا ہی وہ جان لے کیونکہ علم جب تک پوشیدہ نہیں رہتا ہی ضائع نہیں ہوتا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے بعض رسائل میں حدیث اذا مات ابن آدم کی شرح میں لکھا ہی حمل العلماء الصدقۃ الجاریۃ علی الوقف والعلم المنتفع بہ علی التصنیف والتعلیم یعنی علما نے صدقہ جاریہ کو وقف پر محمول کیا ہی اور علم منتفع بہ سے تصنیف وتعلیم مراد لی ہی۔ اور یہ ظاہر ہی کہ ذکر مولد کی وہ تحقیق جو اوپر گزری افراد نشر علم کا ایک فرد ہی پس یہاں دو مقدمے حاصل ہوے ایک یہ کہ ذکر المولد فرد من افراد نشر العلم یعنی میلاد کا ذکر کرنا افراد نشر علم کا ایک فرد ہی۔ دوسرے یہ کہ کل فرد من افراد نشر العلم مندوب یعنی افراد نشر علم کا ہر فرد مندوب ہی پس نتیجہ نکلا ذکر المولد مندوب یعنی ذکر میلاد مندوب ہی۔ اور بخاری نے ابی وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہی قال کان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا ابا عبدالرحمن لوددت انك ذکرتنا کل یوم قال اما انہ یمنعنی من ذلك انی اکرہ ان املکم وانی اتخولکم بالموعظۃ کما کان النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم یتخولنا بھا مخافۃ السآمۃ علینا یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما پنجشنبہ کے دن وعظ کہا کرتے تھے تو ایک شخص نے اُن سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمن کیا اچھا ہوتا اگر آپ ہر دن وعظ کہتے اُنھوں نے جواب دیا میں یہ اسلیئے نہیں کرتا کہ مجھے خوف ہی کہ مبادا تم لوگ پھر رنجیدہ ہو اور میں تمکو ویسا ہی وعظ سناتا ہوں جیسا کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا ہم لوگوں کو وعظ سناتے تھے اِس خوف سے کہ ہم تنگدل نہ ہوں اور یہ وہم نکرو کہ جب ذکر مولد ازمنۂ ثلثہ میں نہ تھا اور نہ مجتہدین کے زمانے میں اسکا اثر پایا گیا تو اس سے جواز کا فتویٰ دینا کیونکر جائز ہی اوپر اسکا ذکر ہو چکا ہی کہ مفتی کو فتویٰ استنباط کرکے دینا چاہیئے پس اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ازمنۂ ثلثہ میں ذکر مولد نہ تھا اور نہ مجتہدین سے اسکا حکم منقول ہی لیکن چونکہ شرع میں یہ قاعدہ ممہد ہی کل فرد من افراد نشر العلم فھو مندوب یعنے افراد نشر علم میں سے ہر فرد مندوب ہی اور ذکر مولد بھی اُسکے تحت میں ہی پس اُسکے مندوب ہونے

کا حکم دیا جائیگا اور اسی لئے فقہائے متبحرین اور اہل افتائے مستنبطین جیسے ابو شامہ اور حافظ ابن حجر اور سیوطی اور شامی رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر میلاد کے مندوب ہونے کا حکم دیا ہے اب جو مقدمات سائل نے ذکر کیے ہیں اُنکے متعلق سننا چاہیئے کہ پہلے مقدمہ کا جو یہ ہے کہ جو کچھ مامور بہ نہیں ہے اُسکا استحسان معلوم نہیں ہے اگر یہ مطلب ہے کہ جو شئے صراحۃً مامور بہ نہیں ہے اُسکا استحسان معلوم نہیں ہے تو وہ غلط ہے کیونکہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ مامور بصراحت نہیں ہیں مگر فقہائے متبحرین نے قواعد سے اُنکا استنباط کرکے اُسکے مندوب ہونے کا حکم دیا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ جو اصلاً مامور بہ نہیں ہے نہ صراحۃً نہ اندراجاً پس صحیح ہے لیکن مضر مقام نہیں ہے کیونکہ ذکر میلاد بر تقدیر تسلیم عدم وجود از منہ ثلثہ میں قاعدے میں مندرج ہے پس مامور بہ ضروری ہوگا اور اسکا استحسان ظاہر ہوگا جیسا کہ میں نے مقدمۂ ثانیہ میں اس کی تفصیل کی ہے لیکن مقدمۂ ثانیہ پس وہ بھی ضرر رساں نہیں ہے کیونکہ ما احدث اور محدث سے وہ امر مراد ہے جس کی سند ادلۂ اربعہ سے نہ پائی جائے جسکی تفصیل میں نے مقدمہ اولیٰ میں کی ہے اور ذکر مولد ایسا نہیں ہے لیکن مقدمۂ ثالثہ پس اگرچہ فرد فرد کی جزئیت سے مجموع کی جزئیت لازم نہیں آتی مگر جبکہ مجموع کی جزئیت قاعدہ شرعیہ کے تحت میں اُسکے اندراج کیوجہ سے معلوم ہوئی تو چون وچرا کا محل باقی نہیں رہا لیکن مقدمہ رابعہ پس غلط محض ہے جیسا کہ میں نے مقدمہ ثالثہ میں اس کی وضاحت کی ہے حاصل کلام اور خلاصۂ مقام یہ ہے کہ ذکر مولد فی نفسہ مندوب ہے چاہے خیر الازمنہ میں وجود کیوجہ سے ہو یا سند شرعی کی تحت میں اندراج کیوجہ سے ہو اور کسی نے اُسکے مندوب ہونے سے انکار نہیں کیا ہے مگر ایک چھوٹے گروہ نے جنکا سر غنا تاج الدین فاکہانی مالکی ہے اور اسکو علمائے مستنبطین کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے جنھوں نے ذکر میلاد کے مندوب ہونے کا فتوے دیا ہے پس اسکا قول ماننے کے لائق نہیں ہے البتہ اگر ذکر مولد کے ساتھ غیر مشروعہ تخصیصات اور غیر ماموره تشریعات ملا دیے جائیں تو اُسکے مندوب ہونیکا حکم باقی نہ رہیگا مگر یہ ایک دوسری چیز ہوگی جس کی وجہ سے نفس جواز میلاد میں کوئی شک نہوگا واللہ اعلم بالصواب وعندہ حسن الثواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابو الحسنات محمد عبدالحی | اصاب المجیب جزاہ اللہ خیر الجزاء

نمقہ خادم اولیار الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد. واقعی زید کا یہ فعل بدلالت ادلہ شرعیہ جو کہ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد میں مذکور ہیں مستحسن اور مندوب ہے سجلات اور فتاوے شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ میں لکھا ہے الموالید والاذکار التی تفعل عندنا اکثرھا تشتمل علی خیر کصدقۃ وذکر والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ومدحہ علی تنزیل وشرو ر بعضھا لیس فیھا شر ولاشک ان النوع الثانی سنۃ وتشملہ الاحادیث الواردۃ فی الاذکار المخصوصۃ والعامۃ کقولہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم لایقعد قوم یذکرون اللہ تعالیٰ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ وذکرھم اللہ تعالیٰ فیمن عندہ رواہ مسلم وروی ایضا انہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لقوم جلسوا یذکرون اللہ تعالیٰ ویحمدونہ علی ان ھداھم الاسلام اتانی جبرئیل علیہ السلام فاخبرنی ان اللہ تعالیٰ یباھی بکم الملائکۃ فی الحدیثین اوضح دلیل علی فضل الاجتماع علی الخیر والجلوس لہ وان الجالسین علی خیر کذلک یباھی اللہ بھم الملائکۃ وتنزل علیھم السکینۃ وتغشاھم الرحمۃ ویذکرھم اللہ تعالیٰ بالثناء علیھم بین الملائکۃ یعنے مولود اور یاذکار جو ہمارے زمانے میں ہوتے ہیں ان میں سے اکثر میں خوبیاں پائی جاتی ہیں مثلاً صدقہ او ذکر حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا صلوٰۃ وسلام اور اُن کی مدح اور بعض کی شر سے اس میں کوئی شر نہیں ہوتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری قسم سنت ہے جیسے اذکار مخصوصہ وعامہ میں جو حدیثیں واقع ہوئی ہیں وہ شامل ہیں مثلاً جناب سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا یہ ارشاد کوئی گروہ جو خدا کا ذکر کرنیکو جمع ہوتا ہے اُسے ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور خدا اُسکا ذکر ملائکہ مقربین سے کرتا ہے اسکو مسلم نے روایت کیا ہے اور بھی مروی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک قوم سے فرمایا جو خدا کا ذکر اور اسلام کی راہ دکھانے پر اُس کی حمد کر رہی تھی کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ اللہ تم لوگوں پر ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے ان دونوں حدیثوں میں نیکی کے لیے جمع ہونے اور بیٹھنے کے فضل پر دلیل ہے اور یہ کہ نیکی کے لئے جمع ہونے والوں پر خدا ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے اور اُن پر اَمن وسکون نازل کرتا ہے اور انکو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور خدا ملائکہ میں اُنکا ذکر کرتا ہے اب اس سے بڑھکر اور کیا فضائل ہو سکتے ہیں رہا سائل کا یہ قول کہ

یہ اجتماع جائز ہے یا نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ جائز ہے۔ واللہ علیم حررہ ابوالاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم **سوال** سحر کی حقیقت کیا ہے آیا بعض اشیا اور ادویہ کے امتزاج سے جو عجیب امر پیدا ہو وہ سحر ہے یا کلمات خبیثہ شیطانیہ کے تاثیرات کا نام سحر ہے کہ اُن کلمات کے ذریعہ سے جنات اور شیاطین سے استعانت کرتے ہیں اور تعجب خیز امر ظاہر ہوتا ہے اور سحر طلسم شعبدہ میں کیا فرق ہے اور ان میں سے کون حرام اور کفر ہے اور سحر و معجزہ و کرامت میں کیا کیا فرق ہے اور کیا ہر سحر حدوث ایذا اور مرض کا جسم انسان میں سبب ہوتا ہے اور ضرر پہونچاتا ہے اور قتل کرتا ہے یا نہیں آپ کا ظل دراز رہے مفصل ارشاد فرمائیں **جواب** سحر کی بہت سی قسمیں ہیں اور اکثر سحر کا اطلاق اُن اُمور عجیبہ پر ہوتا ہے جو تقرب الی الشیاطین کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یعلمون الناس السحر کی تفسیر میں بیضاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے المراد بالسحر مایستعان فی تحصیلہ بالتقرب الی الشیطان مما لایستقل بہ الانسان وذلك لایستتب الالمن یناسبہ فی الشرارۃ وخبث الباطن فان التناسب شرط فی التضام والتعاون یعنی سحر سے وہ امور مراد ہیں جن کے حاصل کرنے میں شیطان سے مدد لینا پڑے اور انسان جن کے کرنے پر قدرت نہ رکھے اور یہ کامل طور پر صرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جسے شرارت اور خبث باطن سے خاص مناسبت ہو کیونکہ مدد کے لیے تناسب شرط ہے۔ اور علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ زواجر فی اقتراف الکبائر میں لکھتے ہیں السحر علی اقسام اولھا سحر الکلدانیین الذین کانوا فی قدیم الدھر یعبدون الکواکب ویزعمون انھا المدبرۃ للعالم ومنھا یصدر کل مظھر خیر وشر وھم الذین بعث الیھم ابراھیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام النوع الثانی سحر اصحاب الاوھام والنفوس القویۃ الثالث الاستعانۃ بالارواح الارضیۃ والقول بالجن مما انکرہ بعض متأخری الفلاسفۃ والمعتزلۃ واما اکابر الفلاسفۃ فلم ینکروہ الا انھم سموھا الارواح الارضیۃ الرابع التخیلات والاخذ بالعیون الخامس الاعمال العجیبۃ التی تظھر من ترکیب الآلات علی النسب الھندسیۃ مثل صورۃ فرس فی یدہ بوق فاذا مضت ساعۃ من النھار صوت البوق من غیر ان یمسہ احد وکان سحر سحرۃ فرعون من ھذا القبیل السادس تعلیق الاستعانۃ بخواص الادویۃ المزیلۃ للعقل ونحوھا السابع تعلیق القلب وھو ان یدعی انسان انہ یعرف الاسم الاعظم

مثلاً فاذا کان السامع ضعیف القلب اعتقد انہ حق وحصل فی نفسہ انہ نوع من الرعب فحہ انہ یتمکن الساحر فیہ من ان یفعل مایشاء یعنی سحر کی کئی قسمیں ہیں (۱) سحر کلدانیین جو پہلے زمانے میں ستاروں کو پوجا کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ یہی عالم کا انتظام کرتے ہیں اور انھیں سے تمام اچھائیاں اور برائیاں صادر ہوتی ہیں انھیں لوگوں کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے (۲) وہمی اور قوی النفس لوگوں کا سحر (۳) ارواح ارضیہ سے مدد لینا اور جنوں کا قائل ہونا جن کا بعض متاخرین فلاسفہ اور معتزلہ نے انکار کیا ہے اور اکابر فلاسفہ اسکے قائل ہیں مگر وہ انکا نام ارواح ارضیہ رکھتے ہیں (۴) تخیلات اور آنکھوں سے اثر ڈالنا (۵) عجیب کام جو ہندسہ کے مطابق آلات کی ترکیب دینے سے ظاہر ہوں مثلاً گھوڑے کی شکل جس کے ہاتھ میں بڑی بانسری ہو جب ایک پہر دن گزرے اس کی بانسری سے بلا کسی کے ہاتھ لگائے آواز نکلے فرعون کے ساحروں کا سحر اسی قسم کا تھا (۶) عقل کے زائل کرنے والی دواؤں وغیرہ کے خواص سے مدد لینا (۷) قلب پر اثر ڈالنا مثلاً کوئی اسکا دعویٰ کرے کہ وہ اسم اعظم جانتا ہے تو اگر سامع ضعیف القلب ہو تو وہ اسے سچ سمجھے گا اور اسوجہ سے اسپر رعب طاری ہو جائے گا اور ساحر اس سے جو چاہیگا کرالے گا جواب سوال دوم ہر نفس انسانی کو اللہ کی طرف سے ایک تاثیر عنایت ہوئی ہے کہ وہ تاثیر دوسرے نفس میں نہیں ہے اور ہر نفس کے لئے ایک خاصیت ہے بحسب استعداد کہ دوسرے میں نہیں ہے اور ہر ایک سحر اور طلسمات اور شعبدہ بھی من قبیل تاثیرات نفوس ہیں اور ان میں فرق یہ ہے کہ اگر نفوس کی تاثیر دوسرے میں باستعانت ارواح خبیثہ وغیرہ ہو بے استعانت تاثیرات کواکب وخواص اعداد وغیرہ اسی کو سحر کہتے ہیں اور جو تاثیر ان چیزوں کی مثل چیزوں کے استعانت سے ہو اسکو طلسمات کہتے ہیں اور جو تاثیر دوسرے شخص کی قوت تخیلہ میں ہو اسکو شعبدہ کہتے ہیں علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ اپنی تاریخ کے مقدمے میں لکھتے ہیں

علوم السحر والطلسمات علوم بکیفیۃ استعدادات تقتدر النفوس البشریۃ بہا علی التاثیرات فی عالم العناصر اما بغیر معین او بمعین من الامور السماویۃ الاول ھو السحر والثانی الطلسمات وذلک لان النفوس البشریۃ وان کانت واحدۃ بالنوع فھی مختلفۃ بالخواص فنفوس لابنیآء

لھم خاصیۃ تستعد بھا للمعرفۃ الربانیۃ ونفوس الکھنۃ لھا خاصیۃ الاطلاع علی المغیبات
بقوی شیطانیۃ والنفوس الساحرۃ علی ثلث مراتب اولھا المؤثر بالھمۃ فقط من غیر
آلۃ ومعین وھذا ھو الذی تسمیۃ الفلاسفۃ السحر والثانی بمعین من مزاج الافلاک
او العناصر او خواص الاعداد ویسمونہ الطلسمات والثالث تاثیر فی القوی المتخیلۃ یعمد
صاحب ھذا التاثیر الی صاحب القوۃ المتخیلۃ فیتصرف فیھا بنوع من التصرف ویلقی
فیھا انواعا من الخیالات ثم ینزلھا الی الحس من الرائین بقوۃ نفسہ المؤثرۃ فیہ فینظر
الراؤن کانھا فی الخارج ولیس ھناک شئ ویسمی ھذا الشعوذۃ او الشعبذۃ واختلف العلماء
فی السحر ھل ھو حقیقۃ او انما ھو تخییل فالقائلون بالاول نظروا الی المرتبتین الاولیین
والقائلون بانہ لا حقیقۃ لہ نظروا الی الاخرۃ وفی مصباح اللغۃ شعوذ الرجل شعوذۃ ومنھم
من قال شعبذ شعبذۃ للعب یری الانسان منھا مالیس لہ حقیقۃ وقال العلامۃ ابراھیم
فی شرح جوھر التوحید الطلسمات نقش اسماء خاصۃ لھا تعلق بالافلاک والکواکب علی
زعم اھل ھذا العلم فی اجسام تحدث لھا خاصیۃ ربطت بھا فی مجاری العادات علوم
یعنے سحر و طلسمات اُن استعدادات کی کیفیت کو جاننا ہے جنکے ذریعہ سے عالم عناصر میں نفوس
بشریہ تاثیر کرسکیں خواہ بلاکسی کی مدد کے یا امور سماویہ میں سے کسی کی مدد سے اول سحر ہے
دوسرا طلسمات یہ اسلئے کہ نفوس بشریہ اگرچہ نوعا ایک ہی ہیں لیکن خواص کے اعتبار سے
مختلف ہیں چنانچہ نفوس انبیا میں ایسی خاصیت ہے جس کی بدولت وہ معرفت ربانیہ کے
لیے مستعد ہوتے ہیں اور کاہنوں کے نفسوں میں ایسی خاصیت ہے جس کی بدولت وہ
بذریعہ قوائے شیطانیہ غائب اشیاء کو جان لیتے ہیں اور نفوس ساحرہ کے تین مرتبے ہیں
(۱) ایک وہ جو خود اپنے زور سے اثر کرتے ہیں بے کسی آلہ اور مددگار کے اسی کو فلاسفہ سحر
کہتے ہیں (۲) وہ جو مزاج عناصر وافلاک یا خواص اعداد کی مدد سے ہو اسے فلاسفہ طلسمات
کہتے ہیں (۳) جو قوائے متخیلہ میں تاثیر کے ذریعہ سے ہو کہ صاحب تاثیر صاحب قوت متخیلہ میں
جب تصرف کرنا چاہے تو کسی قسم کا تصرف کرے اور اُس میں کسی قسم کے خیالات ڈالدے
پھر اسی ذریعہ سے دیکھنے والوں کی حس میں خود اپنی قوت مؤثرہ سے نازل کرے کہ دیکھنے والے

اُسے خارج میں موجود دیکھیں حالانکہ وہاں کچھ بھی موجود نہو اُسے شعوذہ یا شعبدہ کہتے ہیں علما نے سحر میں اختلاف کیا ہی کہ یہ حقیقۃً کوئی چیز ہی یا محض تخییل ہی تو جو لوگ اول کے قائل ہیں وہ پہلے دونوں مرتبوں کا خیال کرتے ہیں اور جو اُس کی حقیقت نہیں مانتے وہ آخر کے مرتبے کے قائل ہیں انتہی ملخصًا اور مصباح اللغۃ میں ہی انسان کا شعبدہ یا شعوذہ ایک کھیل ہی جس سے انسان اس چیز کو دیکھتا ہی جو حقیقت میں نہیں ہوتی انتہی اور علامۂ ابراہیم لقانی رحمہ اللہ نے شرح جوہرۃ التوحید میں لکھا ہی طلسمات اجسام میں چند مخصوص اسما کا نقش بنانا ہی جنھیں اس علم کے لوگوں کے نزدیک افلاک وکواکب سے تعلق ہے اِن سے وہ خاصیتیں پیدا ہوتی ہیں جو عادۃً اُن سے متعلق ہیں جواب سوال سوم اس بات پر اتفاق ہی کہ سحر حرام اور کبیرہ ہی اور بعض آئمہ فقہ نے اِسپر کفر کا بھی اطلاق کیا ہی یہانتک کہ تفتازانی رحمہ اللہ حواشی کشاف میں اجماع نقل کرتے ہیں السحر مزاولۃ النفوس الخبیثۃ لافعال واقوال تترتب علیھا امور خارقۃ للعادۃ ولا یری خلاف فی کون العمل بہ کفر یعنے سحر نفوس خبیثہ کو اس غرض سے کام میں لانا ہی کہ خلاف عادت اقوال وامور جو اُس سے مترتب ہوتے ہیں حاصل ہوں اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہی کہ اس پر عمل کرنا کفر ہی۔ اور ارباب تحقیق کے نزدیک اصح یہ ہی کہ جو سحر امور کفر پر مشتمل ہو کفر ہی اور جو ایسا نہو اُسکا سیکھنا اور کرنا کفر نہیں ہی البتہ اسکے استقلال کا اعتقاد کفر ہی تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد میں لکھا ہی لا کفر فی تعلم السحر بل فی اعتقاد ترتب الاثر علیہ یعنی سحر سیکھنا کفر نہیں ہی لیکن یہ خیال کر لینا کہ اس سے اثر مترتب ہوتا ہی کفر ہی۔ اور علامۂ ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں اتفق کلھم علی ان ما کان من جنس دعوۃ الکواکب السبعۃ او السجود لھا او التقرب الیھا بما یناسبھا کفر وھو من اعظم ابواب الشرک یعنے تمام فقہا اسپر متفق ہیں کہ جو کواکب سبعہ سیارہ کے پکارنے یا سجدہ کرنے یا اسی طرح کے دوسرے امور (جن سے انکا تقرب مقصود ہو) کی جنس سے ہوں وہ کفر اور اعظم ابواب شرک سے ہیں۔ اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ زواجر میں لکھتے ہیں اختلف الناس فی کفر الساحر ولیس محل الخلاف النوع الاول افلا نزاع فی کفر من اعتقد ان الکواکب مؤثرۃ لھذا العالم او ان الانسان یصل بالتصفیۃ الی ان تصیر نفسہ مؤثرۃ فی ایجاد جسم

واما ان یعتقد الساحر انہ بلغ فی التصفیۃ الی ان تصیر نفسہ بحیث یطیعہ الجنۃ فالمعتزلۃ یکفرونہ دون غیرہم واما بقیۃ انواعہ فقال جماعۃ انہا کفر مطلقا واما النوع الثالث وما بعدہ فان اعتقد ان فعلہ مباح قتل لکفرہ لان تحلیل المحرم کفر یعنی فقہا ساحر کے کفر میں اختلاف کرتے ہیں نوع اول محل اختلاف نہیں ہے کیونکہ اُس شخص کے کفر میں کچھ اختلاف نہیں ہے جو اس امر کا اعتقاد رکھتا ہے کہ کواکب اس عالم میں اثر کرتے ہیں یا یہ کہ انسان تصفیہ سے ایسا ہوسکتا ہے کہ اُس کا نفس خود دوسرے جسم کے بنانے میں اثر رکھے لیکن اگر اس امر کا اعتقاد رکھے کہ اسکا نفس اسقدر صاف ہوگیا ہے کہ جنت اُس کی مطیع ہے تو صرف معتزلہ اسکی تکفیر کرتے ہیں اور دوسرے لوگ نہیں کرتے رہی سحر کی باقی قسمیں تو ایک گروہ اُن سب کو مطلقا کفر کہتا ہے اور اگر کوئی تیسری قسم اور اُسکے بعد کے اقسام کو مباح سمجھے تو وہ کفر کی وجہ سے قتل کردیا جائے گا کیونکہ حرام کو حلال کرنا کفر ہے۔ اور علامۂ اردبیلی رحمہ اللہ فتاوے انوار میں لکھتے ہیں اطلق المالکیۃ وجماعۃ الکفر علی الساحر ولا شک ان ہذا قریب من حیث الاجمال غیر انہ عند الفتاوی فی جزئیات الوقائع یقع غلط عظیم والسبب فی ذلک انہ اذا قیل للفقیہ ما السحر وما حقیقتہ حتی یقضی علیہ بالکفر یعسر جدا وانا مع طول عمری ما رایت من یفرق بین ہذہ الامور یعنی مالکیہ اور ایک گروہ نے ساحر کو مطلقا کافر کہا ہے اور یہ بالاجمال قریب بصحت ہے لیکن جزئیات میں فتوے دینے کے وقت اس میں ایک بڑی غلطی واقع ہوجائے گی کیونکہ جب فقیہ سے یہ کہا جائے کہ سحر کیا ہے اور اُسکی حقیقت کیا ہے جواب اُسکے کفر کا فتوے دیتے ہیں تو ہمیں اسکے جواب میں بڑی دشواری ہوگی میں نے تمام عمر میں کوئی ایسا نہیں پایا جو ان امور میں باہم تفریق کرسکے۔ اور ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں لکھتے ہیں السحر حرام بلا خلاف واعتقاد اباحتہ کفر وعن اصحابنا ومالک واحمد یکفر الساحر بتعلمہ وتعلیمہ ویقتل وعند الشافعی لا یجب قتلہ ولا یکفر الا اذا اعتقد اباحتہ ویجب ان لا یعدل عن مذہب الشافعی فی کفر الساحر واما قتلہ فیجب اذا عرفت مزاولتہ علی السحر لسعیہ بالفساد فی الارض یعنے سحر بلا اختلاف حرام ہے اور اُسکی اباحت کا اعتقاد کفر ہے امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ اور ہمارے اصحاب سے مروی ہے کہ ساحر کافر ہے اسوجہ سے کہ اُس نے سحر

سیکھا اور سکھایا اور اسی وجہ سے وہ قتل کیا جائیگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اُسکا قتل واجب نہیں ہی اور وہ کافر نہ کہا جائیگا تاوقتیکہ سحر کو مباح نہ جانے اور ساحر کی تکفیر میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے عدول نہ کرنا چاہیئے البتہ جب سحر کرتے رہنے کا علم ہو تو اُسے قتل کردینا چاہیئے کیونکہ وہ فساد ارض کی کوشش کر رہا ہی۔ باقی رہا طلسمات اور شعبدہ کا حال تو صاحب درمختار نے علم طلسمات اور علم شعبدہ کو مثل علم سحر کے مذموم اور حرام لکھا ہی۔ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں الشریعۃ لم تفرق بین السحر والطلسمات وجعلتہ بابا واحدا لان الافعال انما اباح لنا الشرع منہا ما یہمنا فی دیننا ودنیانا فان کان فیہ نوع ضرر کالسحر ویلحق بہ الطلسمات یکون فی محظور افجعلت الشریعۃ باب السحر والطلسمات والشعوذۃ واحدا یعنے شریعت نے سحر اور طلسمات میں کچھ فرق نہیں کیا ہی بلکہ سب کو ایک ہی باب میں رکھا ہی کیونکہ ہمارے لیے شرع نے وہی افعال حلال کیے ہیں جو دین یا دُنیا میں کام آئیں پس اگر کسی کام میں کچھ ضرر ہو تو وہ ممنوع ہی مثلاً سحر اور طلسمات بھی اسی کے ساتھ ملحق ہی پس شریعت نے سحر طلسمات شعبدہ سب کو ایک ہی باب میں کر دیا جواب سوال چہارم اور معجزہ عبارت ہی امر خارق عادت سے جو مدعی نبوت سے منکرین کے مقابلہ میں صادر ہو اور مثل اُسکے کوئی دوسرا نہ کر سکے اور کرامت عبارت ہی امر خارق عادت سے کہ ولی سے صادر ہو بغیر کسی دعوے کے لیکن سحر وہ ہی جو نفوس خبیثہ سے یا نفوس شیطانیہ سے مناسبت رکھتے ہیں صادر ہو اور اسکے مانند جو شخص پیدا کرے کر سکتا ہی۔ تفتازانی رحمہ اللہ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں المعجزۃ امر خارق للعادۃ مقرون للتحدی مع عدم المعارضۃ واحترز بقید المقارنۃ للتحدی عن کرامات الاولیاء وبقید عدم المعارضۃ عن السحر والشعبذۃ یعنے معجزہ امر خلاف عادت ہی جو انکار کے مقابلہ میں کیا گیا ہو اور جسکا معارضہ نہو انکار کی قید سے کرامات اولیا اور عدم معارضہ کی قید سے سحر اور شعبدہ خارج ہو گئے جواب سوال پنجم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سحر تاثیر کرتا ہی جس کام کے لئے ساحر چاہے مگر نہ باستقلال ساحر بلکہ حسب جریان عادت اللہ۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے قرطبی سے نقل کیا ہی قال العلماء لاینکر ان یظہر علی ید الساحر خرق العادات بما لیس فی مقدور البشر من مرض وزوال عقل وتعویج عضو ولا یکون

السحر علۃ لذلک ولا موجبا لہ بل یخلق اللہ ھذہ الاشیاء عند وجود السحر یعنے علما کہتے ہیں
کہ اسکا انکار نہ کیا جائے کہ ساحر سے خلاف عادت امور ظاہر ہوسکتے ہیں جو آدمی کی قدرت میں
نہیں ہیں مثلاً بیمار یا دیوانہ بنا دینا شانے کو ٹیڑھا کر دینا لیکن سحر اسکی علت نہیں ہوا کرتا اور نہ اسکا
موجب ہوتا ہے بلکہ خدا سحر کے وجود کے وقت ان اشیاء کو پیدا کر دیتا ہے۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ
شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں الاکثرون یقولون ان السحر قد یوثر فی موت المسحور ومرضہ من
غیر وصول شئی ظاھر الیہ یعنی اکثر لوگ کہتے ہیں کہ بعض اوقات سحر مسحور کو مار ڈالتا ہے یا بیمار
کر دیتا ہے بے کسی ظاہری چیز کے اُس تک پہونچے ہوے۔ واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفی عنہ

سوال مسجد میں پلنگ پر سونا جائز ہے یا ممنوع **جواب** جائز ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کے لیے مسجد میں تخت رکھا جاتا تھا اور آپ اعتکاف میں اسپر آرام فرماتے تھے جیسا
کہ سفر السعادت میں ہے۔ اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی
ہے ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتکف طرح فراشہ او یوضع لہ سریرہ وراء
اسطوانۃ التوبۃ یعنی حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ جب اعتکاف کرتے تو آپکا بچھونا
وہاں لایا جاتا یا آپ کا تخت وہاں بچھایا جاتا اُس ستون کے پیچھے جہاں بعض صحابہ کی توبہ
قبول ہوئی تھی اور اسکو ستون توبہ کہتے ہیں **سوال** مردار جانور کے سینگ یا ہاتھی دانت کی
کنگھی کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے لاباس ببیع عظام المیتۃ وصوفھا و
قرنھا وشعرھا ووبرھا والانتفاع بھا لانھا طاھرۃ لا یحلھا الموت لعدم الحیوۃ والفیل کالخنزیر
نجس العین عند محمدؒ وعندھما منزلتہ السباع حتی یباع عظمہ وینتفع بہ یعنے مردار کی ہڈیاں
اور سینگ بال صوف کے بیچنے اور اُس سے نفع اُٹھانے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ وہ طاہر
ہے اور موت اِن چیزوں میں حلول نہیں کرتی اسلیے کہ ان میں زندگی نہیں ہے اور ہاتھی کا حال سور
کی طرح ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو وہ نجس العین ہے اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ درندوں
کی طرح ہے کہ اسکی ہڈیاں بیچی جاسکتی ہیں اور اُن سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور شیخ عبد الحق
دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوۃ میں اُس حدیث کی تفسیر میں جو سنن ابوداؤد میں ہے لکھتے ہیں وہ حدیث
یہ ہے یا ثوبان اشتر لفاطمۃ قلادۃ من عصب وسوارین من عاج یعنی اے ثوبان فاطمہ کیلیے

ایک قلادہ پٹھوں کا اور عاج کے دو کنگن خرید دو اور محدث مذکور کی تفسیر یہ ہے المعروف بین العامۃ ان العاج من الفیل وقیل ھو عظم ظھر السلحفاۃ البحریۃ او عظم دابۃ بحریۃ غیرھا اسمھا الذبل یتخذ منہ السوار والمشط وفی القاموس العاج الذبل وعظم الفیل وقال التوربشتی ذکر الخطابی فی تفسیرہ انہ الذبل ونقل ذلک وعن الاصمعی والعجب العدول عن اللغۃ المشھورۃ الی مایشتھر بین اھل اللسان یعنے عام طور سے یہ مشہور ہے کہ عاج ہاتھی کے دانتوں کو کہتے ہیں اور بعض کے خیال میں کچھوے کی پیٹھ کی ہڈی کو کہتے ہیں یا اسکے علاوہ کسی اور بحری چوپایہ کی ہڈی کو کہتے ہیں جس کا نام ذبل ہے اس سے کنگن اور کنگھیاں بنتی ہیں قاموس میں ہے عاج ذبل اور ہاتھی کی ہڈی کو کہتے ہیں اور توربشتی نے کہا ہے کہ خطابی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ عاج ذبل کو کہتے ہیں یہی اصمعی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور تعجب یہ ہے کہ لغت مشہور سے عدول کیا جاتا ہے اور اسکے معنے وہ بیان کیے جاتے ہیں جو اہل زبان میں مشہور ہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے قیل روی عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی الہ وسلم انہ اشتری لفاطمۃ سوارین من عاج وظھر استعمال الناس لہ من غیر نکیر ومنھم من حکی اجماع العلماء علی جواز بیعہ وفی صحیح البخاری قال الزھری ادرکت ناسا من سلف العلماء یمتشطون بعظام المیتۃ نحو الفیل ونحوہ ویدھنون فیھا ولا یرون بہ باسا وقال ابن سیرین وابراھیم لا باس بتجارۃ العاج یعنے کہا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے عاج کے دو کنگن خریدے اس سے ظاہر ہوا کہ انکا استعمال لوگوں کے لئے بلا کسی انکار کے جائز ہے اور بعض لوگ عاج کی بیع کے جائز ہونے کے متعلق علما کا اجماع نقل کرتے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ زہری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے علمائے سلف میں سے بہت سے علما کو مردار کی ہڈی سے کنگھا کرتے ہوئے دیکھا ہے مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیاں اور اس میں تیل بھی رکھتے اور کچھ حرج نہ سمجھتے تھے ابن سیرین اور ابراہیم رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ عاج کی تجارت میں کچھ حرج نہیں ہے

سوال رام چندر اور کرشن وغیرہ جو ہندوؤں کے اوتار ہیں اور ان کے نزدیک اوتار کے معنے رسول کے ہیں اور ان کے افعال و کردار اچھے تھے اور یہ اپنے کو خدا کا بندہ جانتے تھے اور خلق کو ہدایت کرتے تھے تو ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** بشرط صدق

مستفتی انہیں لعنت کرنا جائز نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی **سوال** زید عالم خالد عالم کی محفل میں آیا خالد اور جملہ حاضرین محفل زید کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور زید کے جاتے وقت بھی اسی طرح قیام تعظیمی کیا پس ایسا قیام شرعاً درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو کس دلیل سے **جواب** علما اور رئیس قوم اور سادات کے لئے قیام تعظیمی درست ہے اس دلیل سے کہ بخاری اور مسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ان اناسا نزلوا علی حکم سعد بن معاذ فارسل الیہ فجاء علی حمار فلما بلغ قریبا من المسجد قال قوموا الی خیرکم او سیدکم الحدیث یعنے کچھ لوگ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر قائم کیے گئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے پاس حضرت معاذ کو بلوایا تو وہ گدھے پر چڑھکر آئے اور جب حضرت معاذ مسجد کے قریب پہونچے تو آپ نے فرمایا کہ اپنے میں سے بہتر یا اپنے سردار کی خاطر کھڑے ہو جاؤ۔ اسی واسطے امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم کی کتاب آداب السماع میں لکھتے ہیں القیام عند الدخول للداخل لم یکن من عادۃ العرب بل کان الصحابۃ لا یقومون لرسول اللہ فی بعض الاحوال کما رواہ انس ولکن لم یثبت فیہ نہی عام ولا نری بہ باسا فی البلاد التی جرت العادۃ فیہا باکرام الداخل بالقیام فان المقصود منہ الاحترام والاکرام وتطیب القلب بہ وکذلک سائر انواع المساعدات اذا قصد بہا تطیب القلب واصطلح علیہا جماعۃ فلا باس بمساعدتہم علیہا بل الاحسن المساعدات الا فی ما ورد فیہ نہی لا یقبل التاویل یعنی کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے اسکے آتے وقت قیام کرنا عربوں کی عادت نہ تھی بلکہ بعض اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے لئے بھی نہیں کھڑے ہوتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے لیکن اسکے متعلق کوئی عام ممانعت بھی نہیں ہے اور ہم اسکے اندر اُن شہروں میں کوئی مضائقہ نہیں جانتے کہ جہاں آنے والے کے لئے کھڑے ہو کر تعظیم بجالانے کا رواج ہے کیونکہ اس سے اکرام اور احترام مقصود ہوتا ہے اور اس سے قلب پاک ہوتا ہے اسیطرح تعظیم کے تمام طریقوں کی بھی عام ممانعت نہیں ہے جبکہ اُن سے دل خوش کرنا مقصود ہو اور ایک جماعت اسپر متفق ہو تو اُس جماعت کی موافقت میں مضائقہ نہیں ہے باستثنا اُن طریقوں کے جن سے ممانعت کی گئی ہے جو تاویل کو قبول نہیں

کرتے۔ ہاں قیام سے محبت رکھنا اور اس امر کو چاہنا کہ لوگ ہماری تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں البتہ مکروہ ہے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار یعنے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضور سرور انبیا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اُس کی تعظیم کھڑے ہو کر کریں پس اُسکو چاہیئے جہنم میں اپنا گھر بنائے اور امام نووی رحمہ اللہ رسالۂ قیام میں لکھتے ہیں معناہ الصریح الظاہر الزجر والوعید الشدید للانسان یحب قیام الناس لہ ولیس فیہ تعریض القیام و نہی و لا یکرہ یعنے اُسکے صریح اور ظاہر معنی زجر اور سخت وعید کے ہیں اُس شخص کے حق میں جو یہ چاہے کہ لوگ اُسکی تعظیم کو کھڑے ہوں اور اس میں قیام کی نہی یا اُس پر کوئی تعریض نہیں ہے اور قیام مکروہ نہیں ہے۔ اور قنیہ میں مشکل الآثار سے منقول ہے القیام لغیرہ لیس یکرہ لعینہ انما المکروہ محبۃ القیام من الذی یقام لہ فان لم یحب القیام قاموا لا یکرہ لہ یعنی کسی دوسرے کے لئے قیام مکروہ لعینہ نہیں ہے بلکہ جسکی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں اگر وہ کھڑے ہونے کو دوست رکھے تو یہ مکروہ ہے اور اگر وہ اسے پسند نہ کرتا ہو اور پھر لوگ اُس کی تعظیم کو کھڑے ہوں تو کچھ کراہت نہیں ہے۔ اگر کسی کو یہ شک ہو کہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی عصا فقمنا الیہ فقال لا تقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم بعضھم بعضا یعنے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا ہملوگوں کے پاس باہر تشریف لائے ایک ڈنڈے پر ٹیک دیئے ہوئے تو ہم تعظیم کو اُٹھے پس آپ نے فرمایا تم لوگ اس طرح تعظیم کو نہ کھڑے ہوا کرو جس طرح عجمی باہم ایک دوسرے کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ قیام تعظیماً ممنوع ہے تو اسکو یوں دفع کرے کہ اس حدیث میں مطلق قیام کی نہی نہیں ہے بلکہ اُس قیام کی نہی ہے جو عجمی کیا کرتے تھے اور انکا قیام بطور التزام کے تھا یعنے وہ لوگ قیام تعظیمی کو ضروری جانتے تھے اور محبت رکھتے تھے پس آپ نے ایسے قیام سے منع فرمایا جو التزام کے ساتھ اور محبت قیام کیوجہ سے ہو۔ کیونکہ بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یجلس معنا

یحدثنا فاذا قام قمنا حتی نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے پاس بیٹھتے اور ہمسے حدیث بیان فرماتے پس جب آپ کھڑے ہوتے ہم بھی کھڑے ہوجاتے یہانتک کہ آپ کو ازواج مطہرات کے گھروں میں سے کسی گھر میں تشریف لیجاتے ہوئے دیکھ لیتے۔ پس اگر مطلقاً قیام تعظیمی ممنوع ہوتا تو ہرگز صحابہ بوقت برخاست قیام نہ کرتے اسکے علاوہ یہ ہے کہ عجمیوں کا قیام بنظر تعظیم ہوتا تھا جیسا کہ اُن میں سلاطین کے لئے تعظیماً سجدے کا رواج تھا پس حضور روحی فداہ نے ایسے قیام تعظیمی سے منع کیا ہے خلاصہ حاشیہ طیبی میں ہے قال النووی القیام للقادم من اہل الفضل مستحب وقال الغزالی المنہی القیام للتعظیم لا علی سبیل الاکرام یعنی نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہل فضل میں سے کسی آنیوالے کی تعظیم کو کھڑا ہونا مستحب ہے اور غزالی رحمہ اللہ تعالے نے کہا ہے کہ قیام تعظیم کے لئے مکروہ ہے نہ کہ قیام بطریق اکرام۔ اسپر اور یہ زیادتی ہے کہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قیام ثابت ہے ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے قالت ما رأیت احدا یشبہ سمتا ولا ھدیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فاطمۃ فی قیامہا وقعودہا وکانت اذا دخلت علیہ قام الیہا فقبلہا واجلسہا فی مجلسہ یعنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زائد کسی کو روش اور چال اور نشست و برخاست میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں پایا جب وہ آپ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ اُن کے لئے کھڑے ہوجاتے اور اُنکا بوسہ لیتے اور اُنکو اپنی بیٹھنے کی جگہ میں بٹھلاتے۔ الحاصل قیام سے محبت رکھنا یا اُسکا التزام کرنا مثل التزام امور ضروریہ کے یا بنظر تعظیم اعاجم قیام کی محبت کرنا شرعاً ممنوع ہے لیکن آنے والے کے اکرام کے لئے قیام کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے اور اسکی ممانعت میں کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ احادیث اُسکے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور یہی علماے محققین اور فقہا اور محدثین کا مذہب ہے **سوال** داڑھی چڑھانا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز نہیں ہے ابوداود اور نسائی میں رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول یا رویفع لعل الحیوۃ ستطول بک بعدی فاخبر الناس ان من عقد لحیتہ وتقلد وترا او استنجی برجیع دابۃ او عظم فان محمدا بریٔ منہ یعنے رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہا کہتے

ہیں میں نے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا کہ وہ فرماتے تھے اے رویفع شاید تم میرے
بعد زندہ رہو پس لوگوں سے کہدینا کہ جس نے داڑھی میں گرہ لگائی یا اُس میں تانت باندھا
یا جانور کے غلیظ سے یا ہڈی سے استنجا کیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس سے بری ہیں اور ابن
اثیر رحمہ اللہ نہایہ میں لفظ عقد کی شرح میں لکھتے ہیں قیل کانوا یعقدونها فی الحرب فامرهم
بارسالها کانوا یفعلون ذلک تکبرا و تعجبا یعنے کہتے ہیں کہ لوگ لڑائی میں داڑھی میں گرہ دے
لیا کرتے تھے تو آپ نے اُنکو داڑھی چھوڑ دینے کا حکم دیا وہ لوگ یہ تکبر اور غرور کیوجہ سے کیا کرتے
تھے. اور مطالب المومنین وغیرہ میں ہو زاد الشیخ محی الدین النووی فی مکروهات اللحیۃ
عقدها و تصفیفها طاقۃ فوق طاقۃ انتهی یعنی شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ نے مکروہات
لحیہ میں داڑھی کے باندھنے اور داڑھی کے نیچے اوپر لٹیں بنا لینے کو بھی زیادہ کیا ہو واللہ اعلم
حررہ الراجی عفو ربہ القوی عبد الحی **سوال** چرٹ پینا درست ہو یا نہیں اگر کسی صورت
میں درست ہو تو مصداق حدیث شریف من تشبہ بقوم فهو منهم یعنے جسنے کسی قوم کی
مشابہت کی وہ اُنھیں میں سے ہو۔ اسپر صادق آئیگا یا نہیں اور صادق آنے کی صورت
میں اگر الحاکم شرع ہو تو سزا دے سکتا ہو یا نہیں **جواب** چرٹ پینا مثل حقہ پینے کے مکروہ
تحریمی ہو بلکہ چرٹ میں تشبہ نصاریٰ کیوجہ سے زیادہ کراہت ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ
القوی عبد الحی **سوال** جو فاتحہ مشائخ صوفیہ میں مروج ہو اور آداب الطالبین وغیرہ میں
مذکور ہو جائز ہو یا نہیں اور اسکا طریقہ یہ ہو کہ شیرینی یا طعام وغیرہ سامنے رکھکے سورۂ فاتحہ اور
سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھکے میت کو ثواب بخشتے ہیں اور اسکا نام عرف میں فاتحہ ہو اور یہ
ثواب بمذہب اہل سنت میت کو پہونچتا ہو یا نہیں **جواب** اہل سنت کے مذہب میں
اموات کو ثواب پہونچتا ہو اور سورۂ فاتحہ وغیرہ کا پڑھنا اور مردے کو ثواب بخشنا موجب رفعت
درجات ہو لیکن جو طریقہ فاتحہ کا مروج ہو کہ شیرینی سامنے رکھکر کھڑے ہو کر فاتحہ دیتے ہیں اُسکی
اصل شرع میں نہیں ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی عبد الحی **سوال** کافر سے دار الحرب
میں سود لینا درست ہے یا نہیں ہدایہ میں ہو لا ربوا بین المسلم والکافر فی دار الحرب
یعنے دار الحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان ربوا نہیں ہو۔ اور دار الحرب کا اطلاق کس شہر پر

کیا جا سکتا ہے جہاں کافر سے سود لینا جائز ہے **جواب** دار الحرب میں کفار سے سود لینا امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور دار الحرب وہ شہر ہے جو کفار کی ولایت میں ہو اور اس میں اسلام کے حکموں میں سے کوئی حکم جاری نہ ہو اور اجرائے احکام شرع سے کفار مانع ہوں بلکہ احکام کفر کو کفار باعلان جاری کریں اور کوئی مسلمان بے اجازت واماں کفار کے وہاں نہ رہ سکے جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے زیادات میں لکھا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی عبد الحی **سوال** عاشورے کے دن عیدوں کی طرح تزئین وغیرہ کرنا درست ہے یا نہیں **جواب** صواعق محرقہ میں ہے وایاه ثم ایاه ان یشتغل ببدع الناصبۃ المتعصبین علی اهل البیت او الجهال المقابلین للفاسد بالفاسد والبدعۃ بالبدعۃ والشر بالشر من اظهار غایۃ الفرح والسرور واتخاذه عیدا واظهار الزینۃ فیه کالخضاب والاکتحال ولبس جدید الثیاب وتوسیع النفقات وطبخ الاطعمۃ والحبوب الخارجۃ عن العادات واعتقادهم ان ذلک من السنۃ والمعتاد والسنۃ ترک ذلک کله فانه لم یرد فی ذلک شیء یعتمد علیه ولا اثر صحیح یرجع الیه وقد سئل بعض ائمۃ الحدیث والفقه عن الکحل والغسل والحناء وطبخ الحبوب ولبس الجدید واظهار السرور یوم عاشوراء فقال لم یرد فیه حدیث صحیح عنه صلی الله علیه وسلم ولا عن احد من اصحابه ولا استحب احد من ائمۃ المسلمین لا من الاربعۃ ولا من غیرهم ولم یرد فی الکتب المعتمدۃ فی ذلک صحیح ولا ضعیف وما قیل ان من اکتحل یومه لم یرمد ذلک العام ومن اغتسل لم یمرض کذلک ومن وسع علی عیاله فیه وسع الله سائر سنته علیه وامثال ذلک فکل ذلک موضوع الا حدیث التوسعۃ علی العیال لکن فی سنده من تکلم فیه فصار هؤلاء لجهلهم یتخذونه موسما کذا ذکر ذلک جمیعه بعض الحفاظ وقد صرح الحاکم بان الاکتحال یومه بدعۃ مع روایته خبر ان من اکتحل بالاثمد یوم عاشوراء لم ترمد عینه ابدا لکنه قال انه منکر ومن ثم اورده ابن الجوزی فی الموضوعات من طریق الحاکم وقال بعض الحفاظ ومن غیر تلک الطریق ونقل المجد اللغوی عن الحاکم ان سائر الاحادیث فی فضیلۃ غیر الصوم کفضل الصلوۃ فیه والانفاق والخضاب والادهان والاکتحال

ولطخ الحبوب وغیر ذلک کل موضوع مفتری وبذلک صرح ابن القیم ایضا فقال حدیث الاکتحال والادھان والتطیب یوم عاشوراء من وضع الکذابین یعنی اُن لوگوں کی بدعتوں سے بھی بچنا چاہیئے جو اہل بیت سے بغض رکھتے ہیں یا فاسد کا فساد اور بدعت کا بدعت اور شر کا شر سے مقابلہ کرتے ہیں کہ عاشورے کے دن فرحت و سرور ظاہر کرتے ہیں اور اُسے عید بنا لیتے ہیں اور اُس دن خضاب سرمہ لگاکر نئے کپڑے پہنکر اور خرچوں کو بڑھاکر اور خلاف عادت کھانوں اور غلوں کو پکاکر زینت ظاہر کرتے ہیں اور اس امر کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ سنت اور عادت ہے حالانکہ سنت ان تمام امور کا ترک کرنا ہے کیونکہ اسکے متعلق کوئی ایسی حدیث مروی نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جائے اور نہ کوئی صحیح اثر ہے جس کی جانب رجوع کیا جائے بعض آیمہ حدیث وفقہ سے پوچھا گیا کہ عاشورے کے دن سرمہ لگانا غسل کرنا مہندی لگانا غلہ کا پکانا اور نئے کپڑے پہننا اور خوشی ظاہر کرنا کیسا ہے تو اُنھوں نے کہا کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے اور نہ اُنکے صحابہ سے اور آئمہ مسلمین اور آئمہ اربعہ وغیرہ میں سے کسی نے اُسے مستحب لکھا ہے اور اُسکے متعلق کتب معتمدہ میں صحیح وضعیف کوئی روایت مروی نہیں ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جس نے اُس دن سرمہ لگایا سال بھر اُسکی آنکھیں نہ دکھیں گی اور جس نے غسل کیا وہ سال بھر مریض نہوگا اور جس نے اس دن اپنے عیال پر توسیع کی خدا اُس پر تمام سال توسیع کریگا اور اسی طرح کی باتیں تو ان میں توسیع علی العیال کے سوا سب حدیثیں موضوع ہیں لیکن اس کی سند میں بھی ایسے لوگ ہیں جن میں کلام کیا گیا ہے پس لوگوں نے اپنے جہل کی وجہ سے اُسے میلا بنا لیا ان سب امور کو اسی طرح بعض حفاظ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصریح کی ہے کہ عاشورار کے دن سرمہ لگانا بدعت ہے باوجودیکہ اُنھوں نے یہ روایت بھی کی ہے کہ جس نے عاشورار کے دن اثمد کا سرمہ لگایا اُس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی لیکن اُنھوں نے یہ بھی کہدیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اسی وجہ سے اسے ابن جوزی رحمہ اللہ نے بطریق حاکم موضوعات میں روایت کیا ہے اور بعض حفاظ نے کہا ہے کہ اور دوسرے طریقوں سے بھی یہ حدیث ہے اور مجد لغوی رحمہ اللہ نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ عاشورار کے دن روزے کی فضیلت کے سوا اور تمام باتیں مثلاً اُس دن کی نماز اور

تخریج اور خضاب اور تیل اور سرمہ لگانے اور دانہ پکانے وغیرہ کی فضیلتیں سب کی سب موضوع اور افترا ہیں اس کی تصریح ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی کی ہے بس انھوں نے کہا ہے کہ سرمہ اور تیل اور خوشبو لگانا عاشورا کے دن جھوٹوں کی وضع کی ہوئی باتیں ہیں۔ واللہ علیم حررہ ابوالاعبار محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم۔ واقعی زینت لباس وغیرہ عاشورا کے دن بدعت قبیحہ ہے اور جو حدیثیں بعض ارباب سلوک اس باب میں لائے ہیں سب کی سب موضوع ہیں احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے مایذکرون فی فضائل عاشوراء وماورد من التوسعۃ علی العیال وفضائل المصافحۃ والحناء والخضاب والاغتسال ونحو ذلک ویذکرون فیہا صلوٰۃ کل ھذا کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یصح فی عاشوراء الا فضل صیامہ۔ وایضا فیہ قد یروج علی کثیر ممن ینتسب الی السنۃ احادیث یظنونہا من السنۃ وھی کذب باتفاق اھل المعرفۃ کالاحادیث المرویۃ فی فضائل عاشوراء وفضل الکحل فیہ والاغتسال والخضاب والمصافحۃ ونحو ذلک انتھی یعنی جو فضائل عاشورا میں مروی ہیں اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں توسیع کرنے سے عیال پر توسیع ہوتی ہے اور جو مصافحہ اور مہندی اور خضاب اور غسل وغیرہ کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں اور جو اس میں ایک نماز بیان کی جاتی ہے یہ سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب ہے عاشورا میں بجز روزے کی فضیلت کے اور کوئی بات صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کبھی اہل سنت کے نام سے بہت سی احادیث رواج پاجاتی ہیں جن کی اہل حدیث کے نزدیک کچھ اصل نہیں ہوتی مثلاً وہ حدیثیں جو فضائل عاشورا اور اس دن سرمہ لگانے اور غسل کرنے اور خضاب لگانے اور مصافحہ کرنے وغیرہ کے فضائل میں آئی ہیں۔ اور علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی رحمہ اللہ نے مقاصد حسنہ میں حدیث کحل کو موضوع لکھا ہے چنانچہ حرف المیم میں لکھتے ہیں من اکتحل بالاثمد یوم عاشوراء لم ترمد عینیہ ابدا الحاکم والدیلمی من حدیث جویبر عن الضحاک عن ابن عباس بہ مرفوعا قال الحاکم انہ منکر قلت بل موضوع اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات من ھذا الوجہ من حدیث ابی ھریرۃ یعنی جس نے عاشورا کے دن سرمہ لگایا اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی اسے حاکم اور دیلمی نے جویبر سے انھوں نے ضحاک سے انھوں

نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے حاکم نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے میں کہتا ہوں بلکہ موضوع ہے اسے ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسی طریقہ سے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موضوعات میں لکھا ہے۔ اور حدیث توسیع علی العیال کو حسن لکھکے لکھا ہے من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ السنۃ کلہا الطبرانی والبیہقی فی الشعب وفضائل الاوقات وابو الشیخ عن ابن مسعود الاولان فقط عن ابن سعید والثانی فقط عن ابی ہریرۃ وجابرؓ قال العراقی فی امالیہ لحدیث ابی ہریرۃ لہ طریق صحیح فی بعضہا ابن ناصر الحافظ یعنی جس نے عاشوراء کے دن اپنے عیال پر توسیع کی اللہ اسپر پورے سال توسیع کریگا اسے طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان اور فضائل اوقات میں روایت کیا ہے اور ابو الشیخ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اول کی دونوں حدیثوں کو صرف ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اور دوسری کو ابوہریرہ اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے عراقی نے اپنی امالی میں روایت کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے کئی صحیح طریقے ہیں بعض میں حافظ ابن ناصر بھی ہیں سالحاصل عاشوراء کے دن روزے اور عیال واحباب پر توسیع طعام کے علاوہ کہ یہ دونوں احادیث سے ثابت ہیں اور کچھ نہ کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابو الحسنات محمد عبد الحی |

سوال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور آئمہ اربعہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے مصافحہ کرنا رخصت کے وقت مسافر سے ہو خواہ غیر مسافر سے ثابت ہے یا نہیں اور ثبوت کی صورت میں سنت موکدہ ہے یا کیا بینوا توجروا

جواب مصافحہ ملاقات کے وقت سنت ہے خود حضور روحی فداہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے تھے اور اسپر ترغیب دیتے تھے۔ ابوداؤد نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ما لقیتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قط الا صافحنی یعنی میں جب نبی کریم علیہ التحیۃ والثنا سے ملا تو آپ نے مصافحہ ضرور کیا اور طحاوی نے شرح معانی الآثار میں شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا اذا التقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا یعنی حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے اصحاب رضی اللہ عنہم جب ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے واپس آتے تو

معانقہ کرتے۔ اور ترمذی نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا التقا المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ واستغفرا غفر لھما یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ و معانقہ و استغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انکو بخشدیتا ہے۔ اور اسی طرح احمد اور طبرانی اور بزاز رضی اللہ عنہم وغیرہ نے روایت کی ہے ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے اور کسی حدیث سے حضور کا یا حضور کے اصحاب کا رخصت کے وقت مصافحہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات یعنے مصافحہ مشروعہ کا محل اول ملاقات ہے۔ اس سے رخصت کے وقت مصافحہ کا سنت نہونا ثابت ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **ابو الحسنات محمد عبد الحی** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رخصت کے وقت مصافحہ کرنا مسافر سے ہو یا غیر مسافر سے کتاب شرعۃ الاسلام میں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے وکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا تصافحوا وحمدوا اللہ واستغفروا عند ذلک فان التقوا وافترقوا فی الیوم مرارا یعنی صحابہ جب ملتے معانقہ کرتے اور جب علیحدہ ہوتے مصافحہ اور اللہ کی حمد اور استغفار کرتے اگرچہ وہ ایک دن میں کئی مرتبہ ملتے اور علیحدہ ہوتے۔ البتہ خود جناب رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا اور تابعین تبع تابعین اور آئمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے رخصت کے وقت مصافحہ کرنا اب تک میری نظر سے نہیں گزرا اور اصحابہ سے بھی اور کسی کتاب میں دیکھا نہیں گیا اور درصورت ثبوت سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ ابو الاحیار محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم۔ اصاب المجیب کتبہ محمد امان الحق عفی عنہ **سوال** ایک شخص چمار کی قوم میں سے ہے اور وہ اب تک اپنے باپ دادا کے دین پر ہے لیکن مالدار ہے اس نے اپنی لڑکی کی شادی کی اور تمام رسوم مثلاً شراب خواری ناچ پوجا آتشبازی کے ادا کیے چنانچہ صرف شراب دو ہزار روپیہ کی آئی تھی وقس علی ہذا اور اور سب سامان مہیا کیا چند مسلمانوں کی بھی دعوت کی اور جب مسلمانوں نے انکار کیا تو اس نے ایک مولوی صاحب کو کچھ نذر دیکر یہ کہلا دیا کہ ایسی دعوت کا قبول کرنا درست ہے اور ان مولوی

صاحب کے ساتھ چند اور مسلمانوں نے بھی دعوت قبول کی اور اسکے یہاں جاکر کھانا کھایا
باوجودیکہ اشیائے مذکورہ موجود تھے اب عوام الناس میں بڑا فساد برپا ہی بعض کہتے ہیں کہ ایسی
دعوت کا قبول کرنا درست ہی ورنہ فلاں مولوی صاحب کیوں قبول کرتے اور بعض کہتے
ہیں کہ نادرست ہی کیونکہ ایک تو وہ چمار ہی دوسرے وہاں پوجا وغیرہ ہوا لہٰذا مطلع فرمائیے کہ
مولوی صاحب کا کہنا حق تھا یا ناحق اگر حق تھا تو حقیقت کی دلیل کیا ہی اور اگر ناحق تھا تو
انکو کیا لازم ہی اور مسلمانوں کو چمار کی دعوت قبول کرنا درست ہی یا نہیں اور جو شخص ایسی محفل
میں جائے اور کھائے اور محفل کی زینت بڑھائے وہ فاسق ہوتا ہی یا نہیں **جواب** جس
محفل میں ان امور یعنے ناچ باجا شراب خواری و پوجا وغیرہ افعال محرمہ و اطوار شرک موجود
ہوں اور ان کا ہونا پہلے سے معلوم ہو اس میں کسی مسلمان کو جانا اور شرکت کرنا درست نہیں ہے
بلکہ برضا و رغبت ایسے امور میں شرکت کرنا فسق ہی اور اگر ان امور کا ہونا پہلے سے معلوم نہ تھا بلکہ
صاحب دعوت کے پہنچنے کے بعد معلوم ہوا تو اگر یہ محرمات اسی مقام پر ہوں جہاں کھانا کھلایا
جاتا ہی تو وہاں سے بے کھانا کھائے واپس آنا لازم ہی اور اسمیں دعوت کھانا اور شریک ہونا درست
نہیں اور اگر دوسرے مقام پر ہوں تو اگر یہ شخص جس کی دعوت کی گئی ہی مقتدا ہی مثلاً عالم یا
مفتی ہی تو اسکو دعوت کھانا درست نہیں ہی اور اگر مقتدی نہیں ہی تو اسے شریک ہونا درست ہی مگر بشرط قدرت منکرات
سے منع کرنا لازم ہی۔ درمختار میں ہی دعی الی ولیمۃ وثمہ لعب او غناء قعد واکل والمنکر فی المنزل
فلو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا فان قدر علی المنع فعل والا صبر ان
لم یکن ممن یقتدی بہ فان کان مقتدی ولم یقدر علی المنع خرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین
وان علم اولا باللعب لا یحضر اصلا سواء کان ممن یقتدی بہ اولا لان حق الدعوۃ انما یلزم
بعد الحضور لا قبلہ یعنے اگر کوئی شخص ولیمہ میں بلایا گیا اور وہاں کھیل یا گانا تھا تو بیٹھے اور کھائے
اگر یہ بری باتیں مکان میں ہو ہی ہوں اور اگر دسترخوان پر ہوں تو اسے ایسا نہ کرنا چاہیئے بلکہ
انکار کرکے واپس چلا آنا چاہیئے اور اگر منع کر سکتا ہو تو منع کرے ورنہ صبر کرنا چاہیئے اگر مقتداؤں
میں سے نہو اور اگر مقتدا ہو اور روک نہ سکتا ہو تو چلا آئے اور نہ بیٹھے کیونکہ اس میں دین کی ہتک
ہی اور اگر پہلے سے اسکا علم ہو تو نہ آنا چاہیئے مقتدا ہو یا نہو کیونکہ حق دعوت حاضر ہوجانے کے بعد

لازم ہے کہ پہلے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی صح الجواب نمقہ
خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم عفرلہ الرحیم **سوال** رمضان کے آخر جمعہ کے خطبے میں الوداع
یا الفراق پڑھنا درست ہے یا نہیں **جواب** الوداع یا الفراق کا پڑھنا اور رخصت رمضان پر حسرت
ظاہر کرنے کے کلمات کا ادا کرنا فی نفسہ مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات سامعین کی ندامت اور توبہ کا سبب
ہوں تو امید ثواب ہے مگر اس طریقے کا ثبوت قرون ثلثہ میں نہیں ہے البتہ آخر شعبان میں خطبہ
استقبال رمضان احادیث میں وارد ہے۔ جیسا کہ درمنثور میں ہے اخرج العقیلی وضعفہ
ابن خزیمۃ والبیہقی والخطیب والاصبہانی عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی آخر یوم من شعبان فقال الحدیث بطولہ یعنی اسے عقیلی رضی اللہ
عنہ نے ذکر کیا ہے اور ابن خزیمہ بیہقی خطیب۔ اور اصبہانی رضی اللہ عنہم نے اس کی تضعیف کی
ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے خطبہ سنایا
شعبان کے آخری دن پس فرمایا آخر حدیث تک۔ اور شاید جس نے اس طریقے کو ایجاد کیا ہے
اس نے خطبہ آخر رمضان کو خطبہ استقبال پر قیاس کیا ہے لیکن خطبہ وداع کا اہتمام کرنا
جیسا کہ اس زمانے میں مروج ہے اور اسکو حد التزام تک پہونچانا ابتداع سے خالی نہیں
علمائے معتمدین کو لازم ہے اس طریقے کے التزام کو چھوڑیں تاکہ عوام اسکے مستحب اور سنت
بلکہ ضروری ہونے کے اعتقاد سے نجات پائیں **سوال** مردے کو قبر میں حضور سرور عالم
صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک دکھایا جاتا ہے یا نہیں **جواب** مردے کو قبر میں جمال مبارک
کا دکھنا ثابت نہیں ہے۔ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے رسالہ شرح الصدور میں ہے سئل الحافظ
ابن حجر ھل یکشف للمیت حتی یری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجاب بانہ لم
یرد ھذا فی حدیث وانما ادعاہ بعض من لا یحتج بہ بغیر مستند سوی قولہ فی ھذا الرجل
ولا حجۃ فیہ لان الاشارۃ الی الحاضر فی الذھن یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا
کہ کیا میت کے لیے پردے زمین کے کھولدیے جاتے ہیں تاکہ وہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی
زیارت سے مشرف ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ کسی حدیث میں وارد نہیں ہے البتہ اس کا
دعوے چند ایسے لوگوں نے کیا ہے جو قابل احتجاج نہیں ہیں اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل

بھی نہیں ہی بجز لفظ ہذا الرجل کے لیکن اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ہی کیونکہ ہذا کا اشارہ حاضر فی الذہن کی طرف ہی انتہیٰ واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفی اللہ عنہ **سوال** بعض کہتے ہیں کہ حضور رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہی جو تُمسے احتراز کرے تم اُس سے احتراز کرو تو آیا یہ احتراز صرف اکل و شرب میں ہی یا تمام امور مشاورت و موانست وغیرہ میں بھی بینوا توجروا **جواب** جملہ امور موانست و محبت میں کفار سے احتراز اولیٰ ہی انتہیٰ واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفی اللہ عنہ

سوال کتا جو نجس العین ہی اُسکا پالنا جائز ہی یا نہیں اور کتے کا گھر میں ہونا کسقدر نقصان دیتا ہی اور اُسکے بالوں کا گھر میں گر جانا نزول ملائکہ کے لئے سد راہ ہی یا نہیں **جواب** شکار کے لئے اور کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالنا جائز ہی اور بے ضرورت پالنا ناجائز ہے اور باعث حرمان ثواب اعمال صالحہ ہی۔ مؤطا میں امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں اخبرنا مالك اخبرنا یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انه سمع سفیان بن ابی زهیر یحدث وانا سامع وهو عند باب المسجد قال سمعت رسول الله صلى الله علیه وسلم یقول من اقتنى کلبا لا یغنی به زرعا ولا ضرعا نقص من عمله کل یوم قیراط قال محمد یکره اقتناء الکلب بغیر منفعة فاما کلب الزرع او الضرع او الصید او الحرس فلا باس اخبرنا مالك عن عبد الملك بن میسرة عن ابراهیم النخعی قال رخص رسول الله صلى الله علیه وسلم لاهل البیت القاصی فی الکلب یتخذونه قال محمد فهذا للحرس اخبرنا مالك اخبرنا عبد الله بن دینار عن ابن عمر قال من اقتنى کلبا الا کلبا ماشیة او ضاریا نقص من عمله کل یوم قیراطان یعنی ہمیں مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ہمیں یزید بن خصیفہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے انھیں خبر دی کہ انھوں نے سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا ہی وہ مسجد کے دروازے پر حدیث بیان کر رہے تھے اور میں سن رہا تھا اُنھوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا ہی کہ جس نے کتا پالا بلا نفع حفاظت زراعت یا دودھ والے جانوروں کے اُسکے اعمال سے ہر دن ایک قیراط کم کر دیا جاتا ہی امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بلا کسی نفع کے کتا پالنا مکروہ ہی البتہ زراعت و دودھ والے جانوروں۔ اور شکار کے لیے کتے کے پالنے میں کچھ حرج نہیں ہی ہمسے مالک رضی اللہ عنہ نے اُنسے عبد الملک ابن میسرہ

رضی اللہ عنہ نے اُن سے ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کے گھر آبادی سے دور ہوں اُنھیں کتا پلنے کی اجازت ہے امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حفاظت بیوت کی غرض سے ہے ہمسے مالک نے اُنسے عبد اللہ بن دینار نے اُنسے ابن عمر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے کہ جس نے محافظ یا شکاری کتے کے سوا کسی اور کتے کو پالا اُسکے عمل سے ہر دن دو قیراط کاٹ لئے جائیں گے اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ کتا پالنا اور کتے کا گھر میں ہونا نزول ملائکہ رحمت کے لیئے سد راہ ہے سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ حبائک فی اخبار الملائک میں لکھتے ہیں اخرج ابن ماجۃ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ واخرج احمد ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصحب الملائکۃ رفقۃ فیھا کلب ولا جرس واخرج ابوداؤد والنسائی والحاکم عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب یعنے ابن ماجہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ فرماتے تھے کہ ملائکہ اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویریں ہوتی ہیں احمد مسلم ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ملائکہ اُن رفیقوں کے ساتھ نہیں ہوتے جن میں کتا یا گھنٹی ہوتی ہے ابوداؤد نسائی اور حاکم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ ملائکہ اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں کتے یا ناپاک لوگ ہوتے ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال اگر زوجہ زوج کی تابعداری نہ کرے اور اُسکی بات نہ سنے باوجودیکہ بقدر وسعت اُسے نمائش بھی کی گئی ہو تو شوہر کو کیا لازم ہوگا اور زوجہ کو والدین کی تابعداری زوج کی تابعداری سے مقدم رکھنا کیسا ہے

جواب زوجہ پر والدین کی تابعداری سے زوج کی تابعداری مقدم ہے اور جو زوجہ زوج کی مخالفت پر مستعد رہے تو زوج کو چاہیئے کہ پہلے زبانی فہمائش کرے اگر نہ مانے تو اُس سے کلام اور مجامعت کرنا ترک کرے تاکہ اُسکو تنبیہ ہو جائے اگر اسپر بھی تنبیہ نہو تو اُسکو مارے نہ ایسی مار

جو زائد تکلیف دہ ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واللاتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن
فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا یعنی جن عورتوں سے
شوہروں کی نافرمانی کا خوف ہو اُنکو نصیحت کرو اور خواب گاہوں میں اُنھیں تنہا چھوڑدو
اور اُنھیں مارو پس اگر وہ اطاعت کریں تو اُنھیں نقصان پہونچانے کی راہ نہ تلاش کرو اور
حکیم ترمذی نوادر الاصول میں لکھتے ہیں عن انس ان رجلا انطلق غازیا واوصی امرأتہ
ان لا تنزل من فوق البیت وکان والدھا فی اسفل البیت فاشتکی ابوھا فارسلت الی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخبرہ وتستامرہ فارسل الیھا اتقی اللہ واطیعی زوجک
ثم ان والدھا توفی فارسلت الیہ تستامرہ فارسل الیھا بمثل ذلک واخرج البزار والطبرانی
فی الاوسط عن عائشۃ سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس اعظم حقا
علی المرأۃ قال زوجھا قلت ای الناس اعظم حقا علی الرجل قال امہ واخرج ابن جریر
وابن المنذر وابن ابی حاتم والبیھقی فی سننہ عن ابن عباس فی قولہ تعالی واللاتی تخافون
نشوزھن قال تلک المرأۃ تنشز وتستخف بحق زوجھا ولا تطیع امرہ فامرہ اللہ ان یعظھا ویذکرھا
باللہ فان قبلت والا یھجرھا فی المضاجع ولا یکلمھا من غیر ان یذر نکاحھا فان رجعت
والا ضربھا ضربا غیر مبرح ولا یکسر لھا عظما ولا یجرح جرحا یعنے حضرت انس رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جنگ پر گیا اور اپنی بی بی کو حکم دے گیا کہ گھر کے کوٹھے سے نہ
اُترے اور اُسکا باپ گھر کے نیچے کے حصے میں رہتا تھا اُسکا باپ بیمار ہوا اور اُسنے حضور سرور
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیجا کہ آپ سے واقعہ بیان کرے اور اجازت طلب
کرے پس آپ نے اُسکے جواب کہلا بھیجا کہ خدا سے ڈر اور اپنے شوہر کی اطاعت کر پھر اُسکے
باپ نے انتقال کیا پس اُسنے آپ سے دریافت کرایا کہ اب آپ کیا حکم دیتے ہیں پھر
آپنے وہی جواب دیا بزار اور طبرانی نے اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت
کی ہے کہ اُنھوں نے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ سے دریافت کیا کہ عورت
پر سب سے زائد کس کا حق ہے آپ نے فرمایا شوہر کا میں نے عرض کیا کہ مرد پر سب سے
زائد کس کا حق ہے فرمایا ماں کا ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم اور بیہقی رضی اللہ عنہم نے

اپنی سنن میں آیۂ واللاتی تخافون نشوزھن کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہی تلک المرأۃ تنشز وتستخف بحق زوجھا یعنے یہ عورت اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کرتی ہی اور اُسکے حکم کو نہیں مانتی ہی خدا نے اُسکے متعلق نصیحت کی ہدایت فرمائی ہی اگر وہ اس سے اثر لے تو خیر ورنہ اُسکے پاس سونا اور اُس سے بات کرنا ترک کردے بلا نکاح سے خارج کیے ہوے اگر اس سے بھی وہ نہ مانے تو اُسے مارے مگر نہ ایسی کہ اُسکے سخت چوٹ آئے یا ہڈی ٹوٹ جائے یا زخمی ہوجائے اسی طرح درمنثور مصنفہ جلال الدین سیوطی میں ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** سفید داڑھی میں سیاہ خضاب لگانا حرام محض ہی اسکا مرتکب صرف خاطی ہی یا مرتکب گناہ **جواب** خالص سیاہ رنگ کا خضاب لگانا ممنوع اور گناہ کبیرہ ہی ابن حجر مکی رحمۃ اللہ نے زواجر میں اسکو کبائر میں شمار کیا ہی کیونکہ حدیث میں وارد ہی یکون فی اخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ یعنی آخر زمانے میں ایسے لوگ ہونگے جو سیاہ خضاب کرینگے کبوتر کے پوٹوں کے رنگ کے موافق وہ جنت کی بو نہ پائیں گے اِسکو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہی۔ اور طبرانی نے روایت کی ہی من خضب بالسواد سوّد اللہ وجھہ یوم القیامۃ جس نے کالا خضاب کیا قیامت کے دن اللہ اُسکا منھ کالا کریگا اور ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح شمائل ترمذی میں لکھتے ہیں ذھب اکثر العلماء الی کراھۃ الخضاب بالسواد وجنح النووی الی انھا کراھۃ تحریم وان من العلماء ممن رخص فیہ للجھاد ولم یرخص فیہ لغیرہ یعنے اکثر علماء سیاہ خضاب کی کراہت کے قائل ہیں نووی رحمہ اللہ اسکے مکروہ تحریمی ہونے کی طرف مائل ہیں اور بعض علماء نے بغرض جہاد ایسا کرنے کی اجازت دی ہی لیکن کسی اور غرض سے ایسا کرنے کو مکروہ کہا ہی اھ پس برگ نیل سے اگر سیاہ خضاب ہووے وہ ممنوع ہی مثل اُسکے کہ پہلے بالوں کو مہندی سے رنگین کریں اسکے بعد نیل کا استعمال کریں۔ اس صورت میں رنگ سیاہ ہوتا ہی اور اگر خالص سیاہ نہو مثلاً نیل کے ساتھ مہندی وغیرہ ملائی جائے تو درست ہی جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ مؤطا میں لکھتے ہیں لا نری بالخضاب بالوسمۃ والحناء والصفرۃ باساً یعنے وسمہ حنا اور زردی کے خضاب میں ہمارے نزدیک کچھ حرج نہیں ہی واللہ اعلم حررہ الراجی محمد عبد الحی **سوال** سانڈ کا کھانا درست ہی یا نہیں

جب وہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہے تو خدا کے نام سے ذبح کر کے کھانا جائز ہوگا یا نہیں
جواب جائز نہوگا جب تک اُسکا مالک اجازت نہ دے اسوجہ سے کہ چھوڑ دیے ہوے جانور
مالک کی مِلک سے نہیں نکلتے اور نہ پلنے والا اُنکو مالک کی ملک سے نکال سکتا ہے۔ رد المحتار میں ہے
المختار فی الصید انہ لا یملکہ اذا لم یبح وکذا فی الدابۃ اذا سیبہا کما بسطہ الشرنبلالی یعنی شکار
کے متعلق مختار یہ ہے کہ جب تک اُسے مباح نہ کرلے (یعنی ذبح کرکے) اُسکا مالک نہوگا اور یہی حال چوپایہ
کا ہے جب کہ اسکو بطور سانڈ چھوڑ دیا ہو جیسا کہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے اسکی وضاحت کی ہے اور در مختار
میں ہے ان کان مرسلا فھو مال الغیر فلا یجوز تناولہ الا باذن صاحبہ یعنی اگر کوئی جانور چھوڑا
گیا ہو تو وہ دوسرے کا مال ہے بلا اجازت اُسکے مالک کے اُسکا کھانا درست نہیں ہے از زیلعی انتہی
واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی **سوال** شیر کی چربی کا دوا ئر مالش کرنا جائز ہے
یا نہیں اور بغیر اُسکے دھوئے ہوے نماز درست ہے یا نہیں **جواب** شیر کی چربی حرام اور نجس ہے اور
تداوی بالمحرم میں فقہا کا اختلاف ہے بعض مطلقاً ممنوع کہتے ہیں اور بعض بشرط ضرورت اس طرح
پر کہ باخبار طبیب حاذق مسلم یہ معلوم ہو کہ اس مرض کی کوئی اور دوا نہیں ہے اور اس میں شفا
مظنون ہے جائز رکھتے ہیں جیسا کہ در مختار میں ہے اختلف فی التداوی بالمحرم فظاھر المذھب المنع
کما فی رضاع البحر لکن نقل المصنف عن الحاوی قیل ترخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء
آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیہ الفتوی یعنے حرام چیز سے دوا کرنے میں اختلاف ہے ظاہر مذہب
یہ ہے کہ ممنوع ہے جیسا کہ بحر کے باب رضاع میں ہے لیکن مصنف رحمہ اللہ نے حاوی سے نقل کیا ہے
کہ اسکی اجازت ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس سے شفا ہو جائے گی اور اُسکے سوا دوسری دوا نہ معلوم ہو
جیسا کہ پیاسے کے لئے شراب حلال ہے۔ اسی پر فتوے ہے۔ اور بر تقدیر استعمال بغیر دھوئے ہوے
کوئی نماز جائز نہیں ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** کس چیز کا
خضاب مسنون ہے اور کس حدیث سے ثابت ہے جس چیز کا مسنون ہے اُسکے سوا دوسری چیز کا خضاب
جیسے وسمہ نیل کا یا دوسرا نسخہ ہو تو کیا حکم ہے اگر ممانعت ہے تو کس حدیث سے اور جائز ہے تو کس
حال میں یعنی روزگار پیشہ کو یا ہر شخص کو اور اگر ممانعت ہے تو کس طرح سے اور اسکی خلاف روی میں
کس طرح کا عذاب ہوگا یا کس نعیم جنت سے محروم رہیگا صاف صاف بیان فرمائیے گا اور اسکا

جواز یا حرمت متفق علیہ ہے یا مختلف فیہ **جواب** خضاب کرنا سرخ یا زرد یا اور کسی رنگ کا سوائے خالص سیاہی کے مستحب ہے اور خضاب نہ کرنا اور سپیدی قائم رکھنا بھی جائز ہے اور سیاہ خضاب ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے الخضاب بالحناء حسن یعنی مہندی کا خضاب کرنا اچھا ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ سے مروی ہے غیروا ھذا الشیب واجتنبوا السواد یعنی سفیدی کو تغیر کرو مگر سیاہی سے بچو۔ اور سنن ابوداؤد میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یکون فی اٰخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ یعنی آخر زمانے میں ایسے لوگ ہونگے جو سیاہ خضاب کریں گے مثل کبوتر کے سینے کے رنگ کے وہ لوگ جنت کی بو نہ پائیں گے۔ اور معجم طبرانی میں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے مروی ہے من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیٰمۃ یعنی جو شخص سیاہ خضاب کریگا قیامت میں روسیاہ محشور ہوگا۔ اور شیخ دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوۃ میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے مہندی کا خضاب باتفاق جائز ہے اور سیاہ خضاب میں مختار حرمت ہے۔ اور نیل کا خضاب بغیر اشتراک مہندی وغیرہ کے جس سے خالص سیاہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ سیاہی مائل بہ سبزی ہوتو درست ہے امام محمد رحمہ اللہ مؤطا میں لکھتے ہیں لا نری بالخضاب بالوسمۃ والحناء والصفرۃ بأسا وان ترکہ ابیض فلا بأس بذلک کل ذلک حسن یعنی نیل حنا اور زردی کے خضاب میں ہمارے نزدیک کچھ حرج نہیں ہے اور اگر داڑھی کو سفید چھوڑ دیا تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے یہ سب امور احسن ہیں اور اگر مہندی کی شرکت سے ہو یا کوئی اور نسخہ ہو جس سے بالکل سیاہ رنگ ہو تو وہ حرام ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال ایک شخص ذی علم ہے جسکو فی الجملہ کتاب وسنت کی تمیز ہے اور اس زمانے کے علماء کی طرح فقہ سے بھی واقف ہے وہ ایک سخت مرض میں مبتلا ہوا ہے اور بقدر امکان علاج بھی بہت کرچکا مگر اطبا کی پوری کوشش کے بعد بھی کچھ فائدہ نہیں ہوا اب اسکی دوا بعض حشرات الارض کو تجویز کرتے ہیں جو تجربہ تصریحات کتب طبیہ کے رد سے اس مرض کے لئے مجرب ہیں پس بنظر اختلاف فقہا مسئلہ تداوی بالحرام و بنظر عبارت مرقاۃ الصعود شرح سنن ابوداؤد و بنظر اختیار صاحب ہدایہ جو تجنیس میں لکھا ہے وہ شخص دوائے مذکور کو حالت موجودہ مصرحہ بالا میں اکلاً استعمال کرسکتا ہے

یا نہیں حکم اس مسئلہ کا بلاحظہ درمختار ورد المحتار وہدایہ وشرح ہدایہ وصحاح خصوصاً حدیث عرنیین یماوہٗ استعمال بول شتر ملاحظہ فرماکر بسند ارقام فرمائیے۔ مرقاۃ الصعود کی عبارت یہ ہے قوله ولا تداووا بالحرام قال البیهقی فی سنن هذا الحدیث وحدیث النهی عن الدواء الخبیث ان صحا فمحمولان علی النهی عن التداوی بالمسکر وعن التداوی بکل حرام فی غیر حال الضرورۃ لیکون جمعا بینهما وبین حدیث العرنیین یعنی بیہقی نے اپنے سنن میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اور دوائے خبیث سے نہی کی حدیث اگرچہ صحیح ہیں لیکن تداوی بالمسکر سے نہی پر محمول ہیں اور بلا ضرورت سب سے تداوی حرام ہے تاکہ حدیث عرنیین میں اور ان دونوں حدیثوں میں جمع ہوجائے **جواب** ہر چند کہ اس باب میں فقہا کا بڑا اختلاف ہے اور فتوی بھی مختلف ہیں فقہا کی ایک جماعت مطلقاً عدم جواز تداوی کا فتوی دیتی ہے اور ایک جماعت بضرورت تداوی بالمحرم کو جائز رکھتی ہے لیکن بظاہر اگر کوئی شخص جم غفیر علما کے فتوے کے موافق بضرورت اشیائے محرمہ کا استعمال کریگا تو مواخذہ نکیا جائیگا انشاء اللہ تعالے۔ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں اجابوا عن حدیث العرنیین بانه قد کان للضرورۃ فلیس فیه دلیل علی انه مباح فی غیر حال الضرورۃ لانه ثم اشیاء ابیحت فی الضرورات ولم تبح فی غیرها کما فی لبس الحریر فانه حرام للرجال وقد ابیح لبسه فی الحرب او للحکة او لشدۃ البرد اذا لم یجد غیرہ وله امثلة کثیرۃ فی الشرع وقال ابن حزم صح یقینا ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انما امرهم بذلك علی سبیل التداوی من السقم الذی کان اصابهم والتداوی منزلة ضرورۃ وقد قال اللہ الا ما اضطررتم الیه فما اضطر الیه فهو غیر محرم علیه من الاکل والشرب یعنی حدیث عرنیین کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ بوجہ ضرورت تھا اس میں بلا ضرورت مباح ہونے پر دلیل نہیں ہے کیونکہ بہت سی چیزیں ضرورت کے وقت جائز کردی گئی ہیں لیکن بلا ضرورت وہ مباح نہیں ہیں جیسا کہ ریشم کا پہننا کیونکہ وہ مردوں کے لئے حرام ہے لیکن جنگ میں اور خارش کیوجہ سے اور شدت سرما میں جب کہ اسکے سوا اور کوئی چیز نہ ملے تو اسکا پہننا جائز ہوجاتا ہے شرع میں اس کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں اور ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ بات یقیناً صحیح ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اسکا حکم اس غرض سے دیا تھا کہ جو مرض انکو ہوگیا تھا اسکا علاج

ہو جائے اور علاج بمنزلہ ضرورت کے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر وہ چیزیں جن کی طرف تم مجبور ہو جاؤ پس وہ حرام نہیں ہیں کھانے کی ہوں یا پینے کی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** سوانح اور وقائع شہادت امام حسین علیہ السلام وغیرہ میں سامان کرنا اور اسپر رونا اور رُلانا اور اُسکے واسطے مجلس تعزیت کا انعقاد کرنا موجب ثواب ہے یا باعث عقاب بر قول مفتی بہ اور نوحہ و مرثیہ خوانی جس پر وعید نازل ہوئی ہے اُسکی کیا حقیقت ہے کہ موتی کے مصائب و تکالیف بیان کیے جائیں یا کچھ اور **جواب** نفس ذکر محاسن موتی اور اُسپر افسوس کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ بلند آواز سے رونا یا قصداً آواز کو بلند کرنا یا مصائب و مناقب بیان کرنا ممنوع اور نوحہ میں داخل ہے کشف الغمہ عن جمیع الامہ میں ہے کہ موتی کے لئے زندوں پر کیا لازم ہے شیخ الاسلام محمدی رحمہ اللہ بزبان فارسی لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے بلند آواز سے رونا جسکو حدیث میں شیطان کی آواز کہتے ہیں حرام ہے خصوصاً جب اُسکے ساتھ مردے کے مناقب جمع کیے جائیں جیسے جاہلوں کی عادت ہے قنیہ میں ہے کہ کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ بالکل حرام ہے البتہ اصل ثنا اور ذکر محاسن مردہ بروجہ ندبہ جائز ہے بلا کراہت اسیطرح اصل رونا جو رقت قلب کیوجہ سے ہو بے جزع و اضطراب کے جائز ہے بلکہ احادیث میں اسکو رحمت لکھا ہے اور ایسا رونا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے کئی بار ثابت ہے انتہی۔ اور نفس بیان وقائع شہادت اور اسپر رونا بشرطیکہ نوحہ وغیرہ سے خالی ہو درست ہے اور تشبہ روافض کیوجہ سے مجلس نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ جامع الرموز میں ہے اذا اراد ذکر مقتل الحسین ینبغی ان یذکر اولا مقتل سائر الصحابۃ لئلا یشابہ الروافض کما فی العیون یعنے جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرے تو اُسکے پہلے تمام صحابہ کی شہادتوں کے واقعے ضرور بیان کرنا چاہیئے تاکہ روافض کی مشابہت نہو جیسا کہ عیون میں ہے۔ اور صراط مستقیم میں بزبان فارسی لکھا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے مجلس منعقد کرکے شہادت امام کا ذکر کرنا تاکہ لوگ سُنیں اور افسوس کرکے روئیں گو بظاہر کوئی نقصان نہیں رکھتا مگر در اصل یہ بھی بُرا اور مکروہ ہے۔ اور مجالس الابرار میں ہے قد روی احمد و ابن ماجۃ عن فاطمۃ بنت الحسین عن ابیہا ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ما من مسلم یصاب المصیبۃ فیذکرہا و ان قدم عہدہا فیحدث لہا الاسترجاع الا کتب لہ اجر مثلہا یوم اصیب ہذہ

الحدیث رواہ الحسین وعن ابنتہ التی شہدت مصرعہ وقد ثبت فی علم اللہ ان مصیبۃ الحسینؓ یذکر مع تقادم العہد وکان من سنۃ الاسلام ان تجری ہذہ السنۃ کلما ذکرت تلک المصیبۃ بان یسترجع لہا فیکون للانسان من الاجر الذی کان من استرجع یوم اصیب المسلمون بہا یعنی احمد اور ابن ماجہ نے فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما سے انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے اور وہ اُسے یاد کرتا ہے اور اُسکی وجہ سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہتا ہے تو اُسے اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا کہ اُس مصیبت کے دن ملا تھا اگرچہ وہ مصیبت بہت پرانی ہوگئی ہو یہ حدیث امام حسین رضی اللہ عنہ نے اور اُن کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو اُنکے ساتھ کربلا میں گئیں تھیں روایت کی ہے خدا اس بات کو جانتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت باوجود زمانہ گزر جانے کے بھی یاد کی جائیگی اور اسلام کی سنت یہ ہے کہ یہ سنت جاری رہے یعنے جب کبھی اس مصیبت کا ذکر کیا جائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے پس انسان کو اتنا ہی اجر ملیگا جتنا اس شخص کو ملا تھا جس نے اُس مصیبت کے دن اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کو پڑھا تھا انتہی واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال شافعی گفت کہ شطرنج مباح است مدام ٭ بیع مبازید کہ جز راست نہ فرمود امام ٭ حنبلی گفت کہ گر زانکہ نغم دریابی ٭ بستہ بنگ تناول کن وسر خوش بخرام ٭ بوحنیفہ بہ ازاں گوید در باب شراب ٭ کہ ز جوشیدہ بجوز تا نہ بود بر تو حرام ٭ گر کنی پیروی مفتی چارم مالک ٭ او ہم از بہر تو تجویز کند وطی غلام ٭ بنگ ومی میخورد کون میکن ومی باز قمار ٭ کہ مسلمانی بریں چار امام است تمام ٭ ان اشعار کا کیا مطلب ہے

جواب یہ اشعار مشتمل ہیں ائمہ اربعہ کے افترا اور متضمن ہیں اقوال مردودہ پر اسکا بیان یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک اگرچہ شطرنج فی نفسہ حرام نہیں ہے لیکن خالی از کراہت نہیں ہے اور اسپر ہمیشگی کرنا گناہ صغیرہ ہے اور اگر اخذ مال اور قمار کو شامل ہو تو حرام ہے پس مطلقاً شطرنج کے حلال ہونے کی نسبت خصوصاً جبکہ قمار کو شامل ہو امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف کرنا بہتان ہے، علامہ کمال الدین موسی دمیری شافعی رحمہ اللہ نے حیات الحیوان میں عقرب کی بحث میں لکھا ہے لعب الشطرنج مکروہ کراھۃ تنزیہ وقیل حرام وقیل مباح والاول اصح واما اذا انضم

الیہ اشتغال عن صلوۃ اوغیرھا فالتحریم اذ ذاک لیس للشطرنج نفسہ وھو مکروہ اذا لم یواظب علیہ فان واظب علیہ فانہ یصیر صغیرۃ کما ذکرہ الغزالی فی کتاب التوبۃ من الاحیاء یعنے شطرنج کھیلنا مکروہ ہی بکراہت تنزیہی اور بعضوں کے نزدیک حرام ہی اور بعضوں کے نزدیک مباح ہی لیکن اصح اول ہی مگر جب کہ اسکی بدولت نماز وغیرہ چھوٹ جائے پس اس صورت میں تحریم نفس شطرنج کی نہیں ہی بلکہ وہ مکروہ جب تک کہ اسپر دوام نہو اور اگر دوام ہو تو گناہ صغیرہ ہی جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالی نے احیاء العلوم کی کتاب التوبہ میں لکھا ہی۔ اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ ہیتمی شافعی زواجر عن اقتراف الکبائر میں لکھتے ہیں فی فتاوی النووی الشطرنج حرام عند اکثر العلماء وکذا عندنا ان فوت بہ صلوۃ اولعب بہ علی عوض فان انتفی ذلک کرہ عند الشافعی وحرم عند غیرہ یعنی فتاوی نووی میں ہی اکثر علما کے نزدیک شطرنج حرام ہی اور ہمارے نزدیک بھی اسکا یہی حکم ہی اگر اسکی بدولت نماز جائے یا اگر بازی بد کے کھیلی جائے پس اگر یہ باتیں نہوں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ اور دوسروں کے نزدیک حرام ہی۔ اور امام احمد حنبل رحمہ اللہ کی طرف بھنگ کے حلت کی نسبت کرنا بھی درست نہیں ہی بھنگ جسکو عربی میں حشیشہ اور ورق القنب کہتے ہیں آئمہ اربعہ کے زمانے میں نتھی بلکہ بہت زمانہ کے بعد شائع ہوئی ہی اور بالاتفاق فقہاے مذاہب اربعہ نے اسکی حرمت کا فتوی دیا ہی۔ زواجر میں ہی وحکی القرافی وابن تیمیۃ الاجماع علی تحریم الحشیشۃ قال ومن استحلھا فقد کفر وانما لم یتکلم فیھا الائمۃ الاربعۃ لانھا لم تکن فی زمنھم وانما ظھرت فی اٰخر المائۃ السادسۃ واول المائۃ السابعۃ حین ظھرت دولۃ التتار یعنی قرافی اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ نے بھنگ کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہی اور کہا ہی جو اسے حلال کہے وہ کافر ہی اور آئمہ اربعہ نے اس میں اسوجہ سے کچھ نہیں فرمایا ہی کہ اُن کے زمانے میں یہ پائی نہیں جاتی تھی بلکہ چھٹی صدی کے آخر اور ساتویں صدی کے شروع میں تاتاریون کی سلطنت کے زمانے میں ظاہر ہوئی ہی اور شراب جوشیدہ کی حلت اگرچہ بعض کتب حنفیہ میں واقع ہی مگر وہ قول مردود ہی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جانب اسکی نسبت کرنا افترا ہی۔ منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے الطبخ لایؤثر فیھا لانہ للمنع من ثبوت الحرمۃ لا لرفعھا بعد ثبوتھا الا انہ لایحد فیہ مالم یسکر

منہ علی ما قالوا الا ان الحد فی التی خاصۃ لما ذکرنا فلا یتعدی الی المطبوخ ذکرہ فی تبیین الکنز من غیر ذکر خلاف وھذا ھو الظاہر الذی یجب ان یعول علیہ وبہ یظہر لک ضعف ما فی القنیۃ من قولہ خمر طبخت وزالت مرارتھا حلت یعنے شراب کے پکانے سے کچھ اثر نہیں آتا کیونکہ پکانا ثبوت حرمت سے مانع ہے لیکن ثابت ہوجانے کے بعد اُس سے حرمت مرتفع نہیں ہوسکتی مگر پکی ہوئی شراب کے پینے والے پر حد اُسوقت تک جاری نہو گی جبتک کہ اُسے نشہ نہ چڑھے کیونکہ حد خاص بے پکائی شراب ہی میں ہے جیسا کہ ہم ذکر کرچکے پس پکائی ہوئی تک اُسکا اثر نہ پہونچے گا اسے تبیین الکنز میں بلا خلاف ذکر کیا ہے اور یہی ظاہر ہے اسی پر اعتماد کرنا چاہیئے اور اسی سے تم کو قنیہ کے اس کلام کا ضعف معلوم ہوجائیگا کہ شراب جب پکائی گئی اور اسوجہ سے اُس کی تیزی جاتی رہی وہ حلال ہے۔ اور ایسا ہی درمختار وغیرہ میں ہے۔ اور رد المحتار میں ہے لعل ھذا الفرع منفرع علی ما قدمناہ عن بعض المعتزلۃ من ان الحرام من الخمر ھو المسکر یدل علیہ انہ فی القنیۃ نقلہ عن القاضی عبد الجبار احد مشائخ المعتزلۃ یعنے شاید یہ اُسپر متفرع ہو جو ہمنے بعض معتزلہ سے پہلے نقل کیا ہے کہ حرام شراب وہی ہے جو مسکر ہو اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ قنیہ میں اُسے قاضی عبد الجبار نے جو معتزلہ کے مشائخ میں سے ہے نقل کیا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کی جانب حلت لواطت کی نسبت کرنا بہتان ہے۔ رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں لکھا ہے اتفق الایمۃ الاربعۃ علی تحریم اللواطۃ وانہ من الفواحش العظام وھل یوجب الحد قال الثلاثۃ یوجب الحد وقال ابو حنیفۃ یعزر فی اول مرۃ فان تکرر منہ قتل یعنے آیمہ اربعہ نے حرمت لواطت اور اسکے بُرے ہونے پر اتفاق کرلیا ہے اور آیمہ ثلثہ کے نزدیک اُسپر حد واجب ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی مرتبہ تعزیر کی جائیگی اور پھر اگر کرے تو قتل کردیا جائیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی عبد الحی **سوال** جو شخص علمار کو عداوۃً بہن کی گالی دے یا بُجا کہے اور اُنکے مقابلہ میں تکبر کرے اور اُنسے بغض رکھے اور انکے خلاف پر فخر کرے تو کیسا ہے **جواب** اگر گالی دینے سے استخفاف علم و تحقیر علما من حیث العلم مقصود ہے تو فقہا نے اُسکے کفر کا حکم دیا ہے ورنہ اسکے فاسق اور فاجر ہونیکا حکم دیا ہے اور ایسا شخص دنیوی اور اُخروی عذاب میں مبتلا ہوگا اور وہ خدائے تعالے کے غصہ کا

مستحق ہے بلا شبہ کسی مسلمان کو گالی دینا سبب فسق کا ہے تو بھلا علماء کو گالی دینا اور برا کہنا کیوں فسق اور حرام نہ ہوگا۔ فتاوے بزازیہ میں ہے الاستخفاف بالعلماء لکونہم علماء استخفاف بالعلم والعلم صفۃ اللہ منحہ فضلا علی خیار عبادہ لیدلوا خلقہ علی شرعہ نیابۃ عن رسلہ فاستخفاف بھذا العلم انہ الی من یعود یعنے عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کی ہتک کرنا علم کی ہتک ہے اور علم اللہ کی صفت ہے جسے اُسنے اپنے فضل و کرم سے بہترین بندوں کو عطا کیا ہے تاکہ اُسکی مخلوق کو رسولوں کی نیابت میں ہدایت شروع کریں اس سے معلوم ہوا کہ اسکی یہ ہتک کس جانب راجع ہوتی ہے۔ اور نور الدین علی سمہودی رحمہ اللہ اپنے رسالہ جواہر العقدین فی فضل الشرفین میں لکھتے ہیں قد ترجم الامام النووی فی مقدمۃ شرح المھذب للنہی الاکید والوعید الشدید لمن یوذی او نقص الفقہاء والحث علی اکرامہم وتعظیم حرماتہم واورد قولہ تعالی ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب وقولہ تعالی ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ وقولہ تعالی والذین یوذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا قلت وجہ الدلالۃ فی الآیتین الاولین ظاھر لان علماء الدین من اعظم شعائر اللہ اذ المراد من شعائر اللہ اعلام دینہ وھم من اعظم حرماتہ واما وجہ الدلالۃ من الآیۃ الثالثۃ فھو ان ھذا الوعید اذا ثبت لفاعل ذلک بالنسبۃ الی عامۃ المؤمنین فما لک بخاصتہم وعن ابی امامۃ رفوعا ثلاثۃ لا یستخفہم الا المنافق ذو الشیبۃ فی الاسلام وذو العلم وامام مقسط رواہ الطبرانی فی الکبیر وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یوقر کبیرنا ولم یرحم صغیرنا ومن لم یعرف لعالمنا حقہ رواہ الترمذی وعن ابی بکرۃ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عد عالما او متعلما او مستمعا او محبا ولا تکن خامسۃ فتلک قال عطاء قال لی مسعر روایۃ خامسۃ لم یکن عندنا والخامسۃ ان یبغض العلم واھلہ رواہ الطبرانی فی الثلاثۃ والبزار ورجالہ موثقون وقال النووی فی التبیان و شرح المھذب قال الحافظ ابو القاسم ابن عساکر اعلم یا اخی ان لوم العلماء مسمومۃ وعادۃ اللہ فی ھتک استار منتقصیہم معلومۃ وان من اطلق لسانہ فی العلماء ابتلاہ اللہ قبل موتہ

موت القلب یعنی امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مہذب میں سخت نہی اور شدید وعید اُن لوگوں کی
حق میں بیان کی ہے جو فقہا کی ہتک کرتے ہیں یا انکو ایذا پہونچاتے ہیں اور علماء کی بزرگی اور
اُن کی حرمتوں کی تعظیم پر آمادہ کیا ہے اُسکے بعد خدا کا یہ قول ذکر کیا ہے جو شخص خدا کی علامات
کی تعظیم کرتا ہے پس وہ دل کی پرہیزگاریوں کی وجہ سے ہے اور یہ قول کہ جو خدا کی حرمات کی تعظیم
کرتا ہے یہ اُسکے لئے اچھا ہے اُسکے پروردگار کے نزدیک اور یہ قول کہ جو لوگ مسلمان عورتوں اور
مردوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اُنکے کسی جرم کے پس اُنھوں نے بہتان باندھا اور سخت گناہ
کیا میں کہتا ہوں کہ شروع کی دونوں آیتوں کا دعوی پر دلالت کرنا تو ظاہر ہے کیونکہ علمائے
دین اعظم شعائر اللہ سے ہیں اسلئے کہ شعائر اللہ سے مراد اُس کے دین کی علامتیں ہیں
اور یہ لوگ خدا کی اعظم حرمات سے ہیں تیسری آیت کی دلالت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وعید جب
عامۂ مسلمین کو ایذا دینے والے کی شان میں ہے تو جو خواص مسلمین کو ایذا پہونچائے اُسکا کیا حال
ہوگا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ جن کی ہتک منافق کے سوا
کوئی نہیں کرتا مسلمان بوڑھا اور عالم اور عادل امام اسے طبرانی رضی اللہ عنہ نے کبیر میں
روایت کیا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور عالم کا حق نجانے
اُسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ
والتسلیم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ تو عالم ہو یا طالب علم ہو یا علم سننے والا یا علم کو دوست رکھنے
والا ہو اور انکا پانچواں نہو یہ عطا رحمہ اللہ نے کہا ہے مجھسے مسعر کہتے تھے کہ اُن سے خامسہ کی
روایت نہ تھی اور پانچواں وہ ہے جو علم سے بغض رکھے اُسے طبرانی اور بزار نے روایت کیا ہے
اور اسکے رجال ثقہ ہیں نووی رحمہ اللہ نے تبیان اور شرح مہذب میں نقل کیا ہے حافظ ابوالقاسم
بن عساکر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اے میرے بھائی جان تو کہ علما کی مذمت زہر ملی ہے اور خدا کی عادت
ہے کہ علماء کی ہتک کرنیوالوں کی پردہ پوشی نہیں کرتا اور جس نے علما کے معاملے میں اپنی زبان کو
آزاد کر دیا خدا اُسے موت کے قبل موت قلب میں مبتلا کر دیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی
ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال ایک شخص اپنے مریدوں کو تعلیم کرتا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ

یعنی بطور دعا و درود پڑھا کرو یہ قضاے حاجات کے لئے مفید ہی اور بعض کو تعلیم کرتا ہی کہ یوں کہا کرو۔ یا شیخ میرے حصول مدعا کے لئے آپ خدائی درگاہ میں دعا فرمائیں پس ایسی تعلیم کرنے والے کے لئے کیا حکم ہی اور یہ کلمات شرک ہیں یا نہیں اور کیا حضرت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ اتنی قدرت رکھتے ہیں کہ ہر شخص کی فریاد سنکر اُسکے فریاد رس ہوں یا اُسکے لئے دعا کریں **جواب**
ایسے وظیفوں سے احتراز لازم اور واجب ہی اولاً اسوجہ سے کہ یہ وظیفہ متضمن شیئاً للہ ہی اور بعض فقہا ایسے الفاظ کو کفر لکھتے ہیں جیسا کہ در مختار میں ہی کذا اقول شئ للہ قیل یکفر اسیطرح شئ للہ کہنا بعضوں کے نزدیک کفر ہی۔ اور رد المحتار میں ہی لعل وجھہ انہ طلب شیئا للہ واللہ غنی عن کل شئ والکل مفتقر ومحتاج الیہ وینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانہ یمکن ان یقول اردت طلب شئ اکراما للہ ۔ شرح الرھبانیۃ ۔ قلت فینبغی ویجب التباعد عن ہذہ العبارۃ وقد مر ان مافیہ خلاف یومر بالتوبۃ والاستغفار وتجدید النکاح یعنی شاید اسکی وجہ یہ ہی کہ خدا کے لئے کسی چیز کا طلب کرنا کس طرح درست ہی جبکہ خدا ہر چیز سے بے پروا ہی اور سب اُسکے محتاج ہیں اور عدم تکفیر کو ترجیح ہی کیونکہ یہ ممکن ہی کہ کہنے والا یہ مطلب لے کہ میں نے کسی چیز کے طلب کرنے کا ارادہ کیا خدا کی بزرگی کی نیت سے ۔ از شرح رہبانیہ۔ میں کہتا ہوں پس واجب ہی یا چاہیے کہ اس عبارت سے بعید رہیں حالانکہ یہ معلوم ہو چکا ہی کہ جن امور میں اختلاف ہو اُنسے توبہ اور استغفار کرنے اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ ثانیاً اسوجہ سے کہ یہ وظیفہ ندائے اموات کو امکنۂ بعیدہ سے متضمن ہی اور شرعاً ثابت نہیں کہ اولیا کو امکنۂ بعیدہ سے ندا سننے کی قدرت حاصل ہی البتہ زائر قبر کے سلام کو صاحب قبر کا سننا ثابت ہی بلکہ خدا کے سوا کسی کو ہر وقت حاضر ناظر عالم خفی و جلی سمجھنا شرک ہی فتاویٰ بزازیہ میں ہی تزوج بلا شہود وقال خدا ورسول خدا وفرشتگان را گواہ کردہ ام یکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملک یعلمان الغیب وقال علماؤنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر یعنے کسی نے بے گواہوں کے نکاح کیا اور کہا خدا اور رسول خدا اور اُسکے فرشتوں کو میں نے گواہ کیا وہ کافر ہو گیا کیونکہ اُسنے رسول اور فرشتوں کے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا ہمارے علما کہتے ہیں کہ ارواح مشائخ کو حاضر و عالم جانے وہ کافر ہی۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امت

محمدیہ کے اجلۂ اولیا میں ہیں اور آپ کے مناقب و فضائل لاتعد و لاتحصےٰ ہیں مگر آپ کے لیے بھی امکنۂ بعیدہ سے ہر ایک کی فریاد کا سُننا ثابت نہیں ہے اور یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ ہر وقت اپنے مریدوں کا حال جانتے ہیں اور اُن کی ندا سنتے ہیں شرک ہے واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی عفی عنہ سوال زید نے دوسرے کے اخبار سے ایک عبارت اپنے اخبار میں بغرض اعلان و اشاعت نقل کر کے چھاپی اور وہ یہ ہے عبارت لفافہ خط کی مختصر ہونی چاہیئے نہ طول طویل مثل شیطان کی آنت کے انشاء اللہ تعالیٰ بمنہ وکرمہ لفافۂ ہذا در خاص شہر فلاں و محلۂ فلاں ٹکٹ لگا یا گیا وغیرہ۔ اُسکو دیکھ کے عمرو نے کہا آپ جیسے ثقہ اور دیندار کے اخبار میں نسبت الفاظ معظمہ انشاء اللہ تعالےٰ بمنہ وکرمہ کے شیطان کی آنت لکھنا سوء ادبی بلکہ منجر بکفر ہے کہ اس سے استعانت باری تعالیٰ کی توہین ثابت ہوتی ہے ایسے امور کا لحاظ رکھیے زید نے جواب میں کہا کہ ہرگز اسمیں سوء ادبی اور انجرار بکفر لازم نہیں آتا کیونکہ ہمنے حکم طول طویل شیطان کی آنت کا پوری عبارت مذکور کی نسبت دیا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو حکم کل کا ہو وہی اسکے اجزا کا ہو اور اگر بالفرض اس فقرے کی تحریر منجر بکفر اور بے ادبی کے ہو تو ناقل اسکا بری ہے کیونکہ کفر کی نقل کفر نہیں ہے بس تاویل اور توجیہ کرنے والا اسکا از روئے آداب شریعت محمدیہ کیسا ہے جواب اگر اللہ تعالےٰ کے نام کی توہین مقصود ہوتی تو اس قسم کی عبارت موجب کفر ہو جاتی اور جب توہین مقصود نہیں اور مجموعہ عبارت پر من حیث المجموع حکم لگا ہے صرف انشاء اللہ پر نہیں اسوجہ سے کفر نہو گا مگر چونکہ ظاہر عبارت سے ایہام خلاف مقصود کا بھی ہوتا ہے اسوجہ سے ایسی عبارت کے ساتھ تکلم تنع ہے اور سوء ادبی سے خالی نہیں ہے اور توجیہ اور بیان مقصود رافع سوء ادبی نہیں ہو سکتا۔ شامی رد المحتار میں ہے وکرہ قولہ فی دعائہ بمقعد العزمن عرشك (دعا میں یہ کہنا کہ میں تیرے عرش میں عزت کے بیٹھنے کی جگہ سے مدد چاہتا ہوں) کے تحت میں لکھا ہے جرد الابہاء کاف فی المنع عن التکلم بھذا الکلام وان احتمل معنی صحیحا ولذا علل المشائخ بقولھم لانہ یوھم تعلق عزہ بالعرش ونظیرہ ما قالوا فی انا مومن ان شاء اللہ فانھم کرھوا ذلك وان قصد التبرك دون التعلیق لما فیہ من الایہام یعنی محض

ایہام کلمات کے کہنے سے روکنے کے لئے کافی ہے اگرچہ معنی صحیح کا احتمال ہو اسی لئے مشایخ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے وہم اس بات کا ہوتا ہے کہ اُس کی عزت کا تعلق عرش سے ہے اور اسکی نظیر انا مومن ان شاء اللہ ہے کہ اسکو علما مکروہ لکھتے ہیں اگرچہ اس سے تبرک مقصود ہو کیونکہ اس میں ایہام ہے۔ اور بھی رد المحتار میں کذا اقول شیئ للہ قیل یکفر کے تحت میں لکھا ہے لعل وجھہ انہ طلب شیئا اللہ واللہ غنی عن کل شئ والکل مفتقر ومحتاج الیہ وینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانہ یمکن ان یقول اردت ان اطلب شیئا اکراما للہ + شرح الوہبانیۃ + قلت فینبغی اویجب التباعد عن ھذہ العبادۃ یعنی شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کا قائل خدا کے لئے کسی چیز کو طلب کرتا ہے اور یہ کس طرح درست ہے جبکہ خدا ہر چیز سے بے پروا ہے اور سب اسکے محتاج ہیں اور عدم تکفیر کو ترجیح ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کہنے والا یہ مطلب لے کہ میں نے کسی چیز کے طلب کرنیکا ارادہ کیا خدا کی بزرگی کی نیت سے + شرح وہبانیہ میں کہتا ہوں پس واجب ہے یا چاہیئے کہ اس عبارت کے بعید معنی لیے جائیں یہاں سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی عبارتیں جو غیر مشروع معانی کو محتمل ہوں اگرچہ اُن سے معانی صحیحہ مراد ہوں اُنکے ساتھ تکلم کرنا ناجائز ہے اور نقل کفر اگرچہ کفر نہیں لیکن سوادبی سے خالی نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی **سوال** زید نے نہ کسی مفتی کا فتویٰ آنکھ سے دیکھا اور نہ کان سے سُنا اور الزام لگا دیا کہ مسلمان عورت کے جھوٹے پانی کو پینا ناجائز اور مکروہ لکھا ہے اور اُس پر لعن وطعن کرنا اور وہابی اور بے ایمان کہنا کیسا ہے **جواب** زید اس حالت میں گنہگار ہوا اُسکو توبہ کرنا لازم ہے اور بغیر اطلاع حقیقۃ الامر کے الزام لگا دینا اور افترا کرنا کبائر سے ہے اور لعن طعن کرنا اور وہابی کہنا ہر مسلمان کے حق میں کبیرہ ہے چہ جائیکہ کسی عالم کے حق میں تمام نصوص قرآنیہ واحادیث ایسے امور کی ممانعت سے مالامال ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی عفی عنہ **سوال** زید کے پاس ایک ہندو عورت نے آکر کہا کہ میں مسلمان ہوں یعنی اپنے خاوند کو چھوڑ کے مسلمان کے ساتھ رہتی ہوں مجھے دین محمدی میں آنا منظور ہے مجھے اچھی طرح سے کلمہ پڑھا دو زید نے محض انکار کرکے جواب دیدیا کہ بخوف عدالت ہم ایسا نہ کریں گے اُس عورت نے

کہا کہ میں ایک سال سے مسلمان کے پاس ہوں جسکو زید جانتا تھا اگر میرے ہندو خاوند کو دعویٰ ہی تو زیور کا ہی نہ میرا کیونکہ میں اُسکے کام کی نہیں ہوں اسلئے کہ دوسرے مذہب میں آگئی ہوں مگر زید نے بھی جواب دیدیا اور کلمہ نہ پڑھایا واقعی جب وہ مسلمان کے پاس ہے اور اُسکے خاوند کو عورت کا دعویٰ بھی نہیں ہی بلکہ زیور کا دعویٰ ہی اور اُسکا علم ہی تو اُسکو جواب دیدینا اور باقاعدہ کلمہ نہ پڑھانا کیسا ہوا **جواب** ایسی صورت میں کلمہ نہ پڑھانا اور مسلمان نہ کرنا حرام ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفورِ القوی محمد عبدالحی عفی عنہ **سوال** زید نے بکر سے پچاس روپیہ قرض لیکر سودی ایکروپیہ ماہواری پر تمسک لکھدیا چند سال تک تمسک کو بدلتا رہا اسکے بعد بیت اللہ شریف کا ارادہ کیا زید نے بکر سے حج کو جانیکا ارادہ بیان کیا اور ادائے قرضۂ مذکورہ سے اپنی تہیدستی اور مجبوری بیان کی بکر نے وہ قرضہ مع سود معاف کردیا زید حج کرنے روانہ ہوا اور فقط حج بیت اللہ شریف کرکے مکان پر واپس آیا زید جہاز پر سوار ہوا ایک شخص مسافر اُسطرف کا جاتا ہوا جس مقام پر مکان زید کا تھا جہاز پر ساتھی ہوا وہ علیل ہوا اُس نے دو اشرفیاں دیں کہ میرے مکان پر جاکے میرے لڑکے کو دے دینا پھر وہ مسافر مرگیا زید مکان پر پہونچا جب مسافر کے لڑکے کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ متقاضی ہوا بمشکل زید نے ایک اشرفی ادا کی باقی کا عذر کرتا ہی اور ٹالے ٹالے بتاتا ہی مجبور ہوکر مسافر کے لڑکے نے تقاضہ موقوف کرکے محول بہ قیامت کردیا کہ تجھسے اب قیامت میں لونگا اور اب بھی زید سودی روپیہ لیکر اپنے صرف میں لاتا ہی پس از روئے شرع کیا حکم ہی **جواب** صورت مسئولہ میں زید ان امور کے ارتکاب کیوجہ سے فاسق ہی اسپر توبہ کرنا لازم ہی ایک تو خیانت کیوجہ سے اللہ تعالےٰ فرماتا ہی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا یعنی اللہ تعالیٰ نے تمکو اس بات کا حکم دیا ہی کہ تم امانت اہل امانت کے حوالے کردو۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہی لا ایمان لمن لا امانۃ لہ یعنی جس میں امانت نہو اُس میں ایمان نہیں ہی۔ دوسرے سودی قرضہ لینے اور سود دینے کیوجہ سے حدیث صحیح میں ہی لعن اللہ اٰکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ اللہ تعالےٰ نے سود کھانے والے اور اُسکے کھلانیوالے اور اُسکے کاتب اور اُسکے شاہد پر لعنت کی ہی۔ اور قرآن شریف میں ہی احل اللہ البیع و

حرم الربوا اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے سورۂ بقر کی آخر آیت تک واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی عفی عنہ **سوال** زید عمرو سے رخصت ہوا اور ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی مسافر نہیں ہے اور رخصت ہوتے وقت دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا تو جائز ہے یا نہیں مع سند کتاب بیان فرمائیے **جواب** ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مسنون ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات اول ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مشروع ہے۔ اور رخصت کے وقت مسنون نہیں ہے البتہ شرعۃ الاسلام میں مذکور ہے کہ صحابہ رخصت کے وقت مصافحہ کرتے تھے اس کی عبارت یہ ہے کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا تصافحوا وحمدوا اللہ یستغفروا عند ذلك وان التقوا وافترقوا فی الیوم مرارا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم جب ملتے معانقہ کرتے اور جب علیحدہ ہوتے مصافحہ کرتے اور خدا کی حمد کرتے اور استغفار کرتے اگرچہ دن میں کئی کئی بار ملتے حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی

سوال (۱) ایک عورت نے زنا اور رقص کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کیا اسمیں سے خیرات کرکے امیدوار ثواب کی ہو تو کافر ہو جائے گی یا مسلمان رہے گی۔ (۲) ایسی عورت کے ہاتھ کوئی چیز بیچکر اسکے روپیہ میں سے قیمت لینا حلال ہے یا حرام (۳) کوئی ڈاکٹر یا طبیب عورت مذکورہ کا علاج کرے تو حق العلاج اسکے روپیہ میں سے لینا درست ہے یا نہیں (۴) عورت مذکورہ کو اپنے مکان میں کرایہ پر رکھکر اسکے روپیہ میں سے کرایہ لینا کیسا ہے (۵) وہ عورت اگر للہ کسیکو روپیہ نذر دے تو اسکی نذر لینا حلال ہے یا حرام (۶) جو روپیہ اسنے زنا کے ذریعہ سے پیدا کیا اور جو روپیہ ناچ گا کے پیدا کیا ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا حرمت میں اسکے واسطے اور نذر لینے والے کے واسطے دونوں برابر ہیں (۷) وہ عورت اگر دعوت کرے یا تحفہ بھیجے تو دعوت یا تحفہ کو قبول کرنا درست ہے یا نہیں (۸) وہ عورت جس کے پاس حلال مال بالکل نہیں ہے فقط زنا اور رقص کا روپیہ ہے اگر وہ خیرات کرنا چاہے تو کیونکر کرے (۹) اگر وہ عورت قرض لیکر خیرات کرے اور پھر اپنے روپیہ سے قرض ادا کرے تو خیرات کا ثواب پائے گی یا نہیں (۱۰) اگر قرض لیکر وہ عورت کسی کو نذر دے تو وہ نذر قبول کرنا جائز ہے یا نہیں (۱۱) زنا اور رقص کے صلے میں اسکی ایک رقم تنخواہ مقرر ہے اسکے سوا بھی اور روپیہ وہ اپنی

خوشی سے دیتا ہو جسکی وہ نوکر ہو یہ دونوں رقمیں حرمت میں برابر ہیں یا نہیں **جواب** زنا اور رقص اور غنا کے ذریعہ سے جو مال پیدا کیا ہو وہ خبیث اور حرام ہو اور اس باب میں زنا اور ناچ وگانا سب برابر ہیں اور اسی طرح جو مال کسی معصیت کی اُجرت میں حاصل ہو وہ بھی خبیث ہو ہاں وہ مال جو مغنیہ یا زانیہ کو کسی نے بغیر اُجرت و بغیر شرط کے ابتداءً تبرع کیا وہ خبیث نہیں ہو اور خبیث مال کا یہ حکم ہو کہ اگر مالک معلوم ہو تو کل مال اُسے واپس کردینا واجب ہے اور اگر نہ معلوم ہو تو کل مال کا تصدق کردینا واجب ہو لیکن نہ بہ نیت طلب ثواب بلکہ بہ نیت سبکدوشی کے اور اگر ایسے مال کے تصدق میں طلب ثواب کی نیت کیجائے گی تو اگر اُس مال کی حرمت قطعی ہو جیسے غصب وغیرہ کا مال تو وہ شخص کافر ہو جائے گا اور اگر اس مال کی حرمت قطعی نہیں ہو تو کافر نہوگا جیسے زنا اور رقص کے ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال کہ اُس کی حرمت دلائل ظنیہ سے ثابت ہو نہ دلائل قطعیہ سے۔ مگر اس نیت سے وہ شخص قابل مواخذہ ہوگا اور اسکا صدقہ مقبول نہوگا فان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب یعنی اللہ پاک ہو اور وہ پاک کے علاوہ کیسکو قبول نہیں کرتا۔ رد المحتار حاشیہ درمختار کے کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدہ میں ہو فی المنتقی امرأۃ نائحۃ او صاحبۃ طبل او زمر اکتسبت مالا ردتہ علی اربابہ ان علموا والا تتصدق بہ وان من غیر شرط فهو لها وقال الامام الاستاذ لا یطیب والمعروف کالمشروط انتہی قلت وھذا مما یتعین الاخذ بہ فی زماننا لعلمهم انهم لا یذھبون الا باجر البتۃ یعنی منتقی میں ہو نوحہ کرنے والی یا طبل یا باجہ بجانیوالی عورت نے جو کچھ کمایا ہو وہ جن لوگوں کا روپیہ ہو اُن کو واپس کردینا چاہیئے اگر وہ لوگ معلوم ہوں ورنہ اُسے تصدق کردینا چاہیئے اور اگر روپیہ بلا کسی شرط کے دیا گیا ہو تو وہ اُسکا ہو اور امام استاذ فرماتے ہیں کہ یہ اچھا نہیں ہے اور معروف مثل مشروط کے ہو انتہی میں کہتا ہوں ہمارے زمانے میں اسکو لینا چاہیئے کیونکہ یہ معلوم ہو کہ وہ بلا کسی معاوضہ کے نہیں جاتی ہیں۔ اور درمختار کے کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدہ میں ہو ولا تصح الاجارۃ لعسب التیس وھو نزوہ علی الاناث ولا لاجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاھی و لو اخذ بلا شرط یباح یعنے جانور کے جفتی کھانے کا اور کسی چیز کو معاصی کے لئے دینے کا کرایہ لینا درست نہیں ہو مثلاً گانا نوحہ کھیل کود اور اگر بلا کسی شرط کے لے تو مباح ہو۔ اور اسی کتاب کے کتاب الزکوۃ میں ہو فی شرح الرھبانیۃ عن البزازیۃ انما

یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی یعنی شرح رہبانیہ میں بزازیہ سے نقل کرکے لکھا ہے کہ کافر اُس وقت ہوگا جب حرام قطعی کا صدقہ کرے۔ اور رد المحتار میں ہے قولہ اذا تصدق بالحرام القطعی ای مع رجاء الثواب الناشی عن استحلالہ یعنی جبکہ حرام قطعی کو تصدق کرے یعنی ثواب کی اُمید کرکے جس سے اُسکے حلال جاننے کا خیال ہوتا ہے۔ اور شرنبلالی رحمہ اللہ کے رسالہ حفظ الاصغرین عن اعتقاد ان الحرام لایتعدی الی ذمتین میں ہے لایقصد بہ ای بالتصدق من المال الخبیث تحصیل الثواب بل تفریغ الذمۃ یعنی مال خبیث کے تصدق سے تحصیل ثواب مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنے ذمے سے اُسے علٰحدہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور ایسی عورت جس کے پاس حرام مال ہے اگر اور حلال مال بھی اُسکے پاس ہے اور وہ بہ نسبت حرام کے زائد ہے تو اُسکی نذر قبول کرنا اور اسکی دعوت کھانا اور اُسکا صدقہ اور ہدیہ لینا اور کرایہ مکان یا علاج کی اُجرت لینا درست ہے بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ جو اُس نے دیا ہے عین مال حرام سے ہے اور اگر یہ معلوم ہو یا یہ کہ مال حرام غالب ہے تو کچھ درست نہیں ہے۔ اشباہ و نظائر میں ہے اذا کان غالب مال المھدی حلالا فلا باس لقبول ھدیتہ واکل مالہ مالم یتبین انہ من حرام وان کان غالب مالہ الحرام لایقبلھا ولا یاکل الا اذا قال انہ حلال ورثہ او استقرضہ یعنی ہدیہ کرنے والے کا اکثر مال حلال ہو تو اُس سے ہدیہ قبول کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور نہ اُسکے مال کے کھانے میں جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ بعینہ مال حرام ہے اور اگر اکثر مال حرام ہو تو قبول نہ کرے اور نہ کھائے مگر جب کہ دینے والا یہ کہدے کہ یہ حلال ہے اُسے ورثہ میں ملا ہے یا قرض لیا ہے۔ اور حفظ الاصغرین میں ہے فان قلت کیف ساغ للفقیر تناول مافیہ خبث قلت محلہ عدم علمہ بحقیقۃ الحال وان علم بہ فھو کغیرہ لایحل لہ یعنی اگر تم پوچھو کہ فقیر کو اس مال کا لینا جس میں خبث ہے کیسے جائز ہوگا تو میں جواب دوں گا کہ اسکا حکم حقیقت حال کے عدم علم کا ہے اور اگر اُسے اصل حال معلوم ہو تو دوسروں کی طرح اُسپر بھی حلال نہیں ہے۔ اور خزانۃ الروایات میں ہے فی ملتقط الناصری اٰکل الربوا وکاسب حرام اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یاکل مالم یمیزہ ان ذلک المال حلال ورثہ او استقرضہ وان کان غالب مالہ حلالا لا باس لقبول ھدیتہ والاکل منہ یعنی ملتقط ناصری میں ہے سود کھانے والا یا حرام کسب کرنے والا اگر کسی کو ہدیہ بھیجے یا ضیافت کرے اور اُسکا اکثر مال حرام ہو تو اُسے قبول نہ کرنا چاہیے

اور کھانا نہ چاہیئے جب تک کہ یہ معلوم نہو کہ یہ مال حلال ہے جو اُسے ورثہ میں ملا ہے یا اُس نے قرض لیا ہے اور اگر اکثر مال حلال ہو تو ہدیہ کے قبول کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور نہ اُسکے کھانے میں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر وہ شخص جسکا کل مال حرام ہے خیرات کرنا چاہے تو قرض لے کے کرے اور اپنے مال خبیث سے اُس قرض کو ادا کرے اور قرض لیکے جو وہ دے گا اُس کا اُسکو ثواب ملے گا اور نذر و تحفہ وغیرہ بھی اُس سے لینا درست ہوگا۔ حفظ الاصغرین میں ہے فی الخلاصۃ قال فی شرح حیل الخصاف لشمس الائمۃ ان الشیخ اباالقاسم کان ممن یاخذ جائزۃ السلطان وکان یستقرض جمیع حوائجہ ویقضی دینہ بما یأخذہ من الجائزۃ یعنی خلاصہ میں ہے کہ شمس الائمہ رحمہ اللہ کی شرح حیل الخصاف میں ہے کہ شیخ ابو القاسم رحمہ اللہ اُن لوگوں میں تھے جو سلطان کے یہاں سے وظیفہ پاتے تھے تو تمام حوائج کو قرض لیکر پورا کرتے تھے اور اُس وظیفے سے قرض ادا کرتے تھے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی عفی عنہ **سوال** اُن لوگوں کے متعلق علما کیا فرماتے ہیں جو حقیقت تک پہونچنے کی غرض سے کھڑے ہوکے اور بیٹھ کے ذکر کرتے ہیں اور وجد میں آتے ہیں اور ہلتے ہیں اور ناچتے ہیں اور ایک آدمی اشارے کے لئے یا ذکر پر آمادہ کرنے کے لئے تالیاں بجاتا ہے۔ کیا یہ امور جائز ہیں یا نہیں **جواب** خدا کا ذکر ہر حال میں اچھا ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں خدا ہی کا ذکر کیا کرتے تھے جیسا ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں عقلمندوں اور زمین و آسمان کی پیدایش میں غور کرنے والوں کی صفت میں فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ یعنے وہ لوگ جو اُٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن وجد میں آنا ہلنا ناچنا اور تالیاں بجانا اور اسی قسم کی باتیں اگر ذکر کی بدولت حالت طرب میں صادر ہو جائیں اور اپنے اختیار سے باہر ہوں کہ غلبۂ شوق نے اِن امور کو واقع کرا دیا ہو تو وہ شخص اس امر میں معذور اور قابل گرفت نہیں ہے مگر جو بقصد ایسا کرے اُسکے لئے شرع اِسکو جائز نہیں سمجھتی اور نہ ان کی رخصت دیتی ہے۔ سنامی حنفی کی کتاب الاحتساب میں ہے لا یجوز الرقص والسماع ومن اباحہ من المشائخ فذلک للذین صارت حرکاتہم حرکات الارتعاش وانہ لیس لہ ایضا فی الشرع رخصۃ وذکر فی العوارف انہ لا یلیق بمنصب المشائخ الذین یقتدی بہم لانہ یشبہ اللہو

یعنی گانا اور ناچنا جائز نہیں ہے اور جن مشائخ نے اسے جائز لکھا ہے وہ اُنکے متعلق ہے جن کی حرکتیں رعشہ والے کی حرکتوں کی طرح ہوگئی ہوں اور شرعاً اُنکے لئے بھی رخصت نہیں ہے اور عوارف میں ہے ایسا اُن مشائخ کو نہ کرنا چاہیئے جنکی اقتدا کیجاتی ہے کیونکہ یہ کھیل کود کے مشابہ ہے اور امتاع فی احکام السماع میں جعفر بن تغلب ادموی شافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ذھبت طائفۃ الی التفرقۃ بین ارباب الاحوال الذین یقومون بوجد فیجوز لھم الرقص ویکرہ لغیرھم وھذا ما اورد ہ الاستاذ ابو منصور و اشار الیہ القاضی حسین فی تعلیقہ والغزالی فی الاحیاء یعنے ایک گروہ کے خیال میں اُن حال والوں میں جو وجد میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور دوسروں میں فرق ہے کہ اُنکے لئے ناچنا جائز ہے اور دوسروں کے لئے مکروہ اسے استاد ابو منصور رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور قاضی حسین رحمہ اللہ نے اپنے تعلیق اور غزالی رحمہ اللہ نے احیاء میں اُسکی جانب اشارہ کیا ہے۔ اور ابن قیم حنبلی رحمہ اللہ کی کتاب اغاثۃ اللھفان عن مصاعد الشیطان سے مختصر کی ہوئی کتاب تبعید الشیطان میں ہے قال ابن عباس کانت قریش یطوفون بالبیت عراۃ ویصفرون ویصفقون وقال مجاھد کانوا یعارضون النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی الطواف ویصفرون ویصفقون یغالطون علیہ طوافہ وصلاتہ فالمتقربون الی اللہ بالصفیر والتصفیق اشباہ النوع الاول والمخلطون بہ علی اھل الصلوۃ والذکر والقراءۃ اشباہ النوع الثانی وفیہ ایضا لم یشرع اللہ التصفیق للرجال عند الحاجۃ فی الصلوۃ بل امروا بالعدول الی التسبیح فکیف اذا فعلوہ لا لحاجۃ یعنے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ قریش کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور چیختے اور تالیاں بجاتے تھے اور مجاہد کہتے ہیں کہ طواف میں وہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے اور چیختے اور تالیاں بجاتے اور آپ کے طواف اور نماز میں خلل ڈالتے پس وہ لوگ جو چیخ کے اور تالیاں بجا کے خدا کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں اول کے مشابہ ہیں اور جو ان امور کے بدولت نمازیوں اور ذکر کرنے والوں اور پڑھنے والوں کے اشغال میں خلل ڈالتے ہیں وہ نوع ثانی کے مشابہ ہیں اور اسی کتاب میں ہے خدا نے مردوں کے لئے نماز میں ضرورت کیوقت تالی بجانے کو مشروع نہیں کیا ہے بلکہ اُنکو بجائے تالی کیجگہ تسبیح سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے

پس جبکہ وہ بلا حاجت ایسا کریں تو اُسکا کیا حکم ہوگا۔ اور درۃ المنیفہ شرح جواہر منیفہ اور بزازیہ میں اور رد المحتار وغیرہ میں ہے۔ الرقص والغناء الذی یفعلہ متصوفۃ زماننا عند الذکر حرام یعنی ناچنا اور گانا جسے ہمارے زمانے کے صوفی ذکر کے وقت کرتے ہیں حرام ہے۔ اس میں بہت کچھ بحث ہے جسکی تشریح فقہ اور حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے ہمنے جو یہاں بیان کیا ہے وہی ارباب بصیرت کے لئے کافی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی

سوال اگر کوئی شخص جناب خیر البشر علیہ الصلوٰۃ اللہ اکبر کی نعت میں آپ کو ہر خیر و شر کا معلم لکھے تو اصطلاحی معنی کیا ہوں گے اور اگر لغوی معنی لیے جائیں تو لفظ معلم شر معلم شر پر مشیر ہوگی یا ترک شر پر اور ان دونوں صورتوں میں ایسی نعت کرنیوالا کسی گناہ یا سوء ادبی کا مرتکب ہوگا یا نہیں **جواب** اس لفظ کے یہ معنے ہوسکتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر خیر کی خیریت اور ہر شر کی شریت کو تعلیم کیا اور اس معنی پر اس لفظ کا اطلاق درست ہوگا مگر اسمیں دوسرے معنے قبیح کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) ارتکاب شر کی تعلیم کی پس ایسے لفظ کا اطلاق سوء ادبی سے خالی نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبد الحی

سوال شیعہ کو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں **جواب** جو شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں وہ کافر ہیں اور صرف تبرائی شیعہ کافر نہیں ہیں **سوال** حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنا چاہیئے یا نہیں **جواب** حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو بایں معنی دافع البلاء کہنا کہ آپ کے ذریعہ سے بلا دفع ہوتی ہے درست ہے اور بایں معنی کہ آپ خود استقلالاً بلا کو دفع کرتے ہیں درست نہیں ہے ایسے الفاظ سے جو موہم معنے غیر مشروع کو ہوں اجتناب اولیٰ ہے الفاظ تعریفات صحیحہ شرعیہ منقولہ کچھ کم نہیں ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات عبد الحی **سوال** جو شخص لا تقربوا الزنا اور لا تاکلوا الربوا کے خلاف کرے اُسکو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں **جواب** وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے **سوال** ایک شخص کا نام ہدایت علی تھا اُس نے ایہام اسمائے شرکیہ کی وجہ سے اپنا نام بدل کے ہدایت العلی رکھا ہے تو ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ لفظ ہدایت دو معنوں کو شامل ہے ایک ارادۃ الطریق دوسرے ایصال الی المطلوب کو اور اسیطرح لفظ علی بغیر الف لام کے اسمائے الٰہیہ اور

اسم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شامل ہے جواب دینے والا کہتا ہے کہ اس صورت میں میرے مدعا کے اثبات کی تائید ہے کیونکہ جب لفظ ہدایت اور علی دونوں معنوں میں مشترک ہوے تو اس صورت میں چار احتمال متحقق ہوتے ہیں (۱) ہدایت سے معنے اول اور علی سے اللہ کا نام (۲) ہدایت سے معنے ثانی اور علی سے اللہ تعالے کا نام (۳) ہدایت سے معنے اول اور علی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام (۴) ہدایت سے معنی ثانی اور علی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام۔ پس تین احتمال اول دوم سوم ممانعت شرعیہ سے خالی ہیں البتہ احتمال چہارم ممنوعیت سے خالی نہیں [illegible] میں جو اسمائے شرکیہ اور غیر شرکیہ میں دائر ہو اس سے احتراز ضروری ہے اور اگر کوئی شخص اسم متنازع فیہ پر قیاس کرکے عبد اللہ پر شرک ثابت کرے یا یا علی کہنے کی ممانعت کرے تو معترض کا اعتراض اور اسکا قیاس صحیح ہے یا نہیں اور صحت اعتراض کی حالت میں مجیب کے کلام کی تائید ہوگی یا جیسا کہ معترض خیال کرتا ہے **جواب** لفظ علی جو اسمائے الٰہیہ میں سے ہے اس پر الف لام یا زائد ہے یا تعظیمی جیسا کہ رضی نے شرح کافیہ میں الفضل اور النعمان کی بحث میں لکھا ہے وقد یزاد اللام فی العلم وقال الکوفیون قد یکون اللام للتعظیم کما فی اللہ و فی الاعلام ولا یعرفہا البصریون یعنے علم پر کبھی الف لام زاید کیا جاتا ہے اور کوفیین کہتے ہیں کہ بعض اوقات الف لام تعظیم کے لئے آتا ہے جیسے اللہ میں اور دوسرے ناموں میں اور بصریین اسکے قائل نہیں ہیں۔ اور ابن مالک نے الفیہ میں اور شراح الفیہ نے اعلام میں الف لام زائدہ کا ذکر کرکے الفضل وغیرہ کو مثال میں پیش کیا ہے اور ہر حالت میں لام اسمائے الٰہیہ پر سوائے لفظ اللہ کے علم کا جز نہیں ہے اور لفظ علی پر جو اسمائے حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ سے ہے لام داخل نہیں ہوتا بحر العلوم رحمہ اللہ حواشی میرزاہد ملا جلال میں لکھتے ہیں دخول اللام علی الاعلام فیصح سوی لفظ محمد علی مسماہ الصلوۃ والسلام وسوی لفظ علی رضی اللہ عن مسماہ یعنے سوائے لفظ محمد کے (جنکا نام ہے اُنپر صلوۃ اور سلام ہو) اور تمام اسما پر الف لام کا داخل ہونا جائز ہے اور سوائے لفظ علی کے (جنکا یہ نام ہے خدا اُنسے راضی ہو) پس ہدایت علی سے ہدایت العلی نام رکھنا اولی ہے کیونکہ ہدایت اعلی ہیں حضرت علی کرم اللہ

وجہہ کیجانب اضافت کا اشتباہ نہیں ہے اور ہدایت علی میں اسوجہ سے کہ لفظ ہدایت استعمال میں مشترک ایسے ہی لفظ علی مشترک ہے اشتباہ ممنوع موجود ہے اور ایسے ناموں سے کہ جن میں ایہام امر غیر مشروع ہو احتراز لازم ہے اس سبب سے علماء عبد النبی وغیرہ نام رکھنے سے منع کرتے ہیں اور عبداللہ میں امر غیر مشروع کا ایہام نہیں ہے بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ تمام ناموں میں عبداللہ خدا کو زیادہ پسند ہے اسی طرح یا علی کہنے میں جب مقصود ندا کا خدا ہو کوئی نزاع نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی عبد الحی **سوال** اس دیار میں دو مہینے سے لوگوں نے ایک عجیب نئی صورت ذکر کی جاری کی ہے وہ یہ ہے کہ نماز فرض کے سلام کے بعد زور سے تین چار بار سب مقتدی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں اور سر بھی دہنتے ہیں جب اللہ اکبر کہتے ہیں کیا اس طرح سے سر دہن دہن کر لوگ فرض نماز کے بعد اللہ اکبر زمانۂ نبوی میں یا صحابہ کے زمانہ میں بھی کہا کرتے تھے یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے سے یا انکے تلامذہ کے زمانے سے یہ ہیئت ذکر کی رائج ہوئی ہے اگر اس طرح ذکر کرنا ان حضرات میں کسی سے کسی معتبر کتاب میں منقول ہو تو ہم لوگ بھی ذکر خیر جان کر اسی طرح ذکر کو رواج دیں اور اگر ان حضرات سے اس طرح کا ذکر منقول نہیں ہے تو پھر اس ذکر محدث کو کیا کہیں گے اور بصورت اختیار ایسے ذکر سے لوگوں کو روکیں یا کرنے دیں اور حنفیہ کے نزدیک اس محل خاص کے علاوہ جہاں کہیں ذکر ثابت ہے وہ بجہر افضل ہے یا باخفا **جواب** اس قسم کا ذکر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے منقول نہیں ہے اور علمائے حنفیہ وغیر حنفیہ کی تصریح کے موافق بعد نماز کے ذکر سراً مستحب ہے نہ جہراً البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ بعد نماز کے جہراً تکبیر کہتے تھے جیساکہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قال کنت اعرف انقضاء صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر یعنی میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ختم ہوجانا اللہ اکبر کی آوازوں سے پہچان لیتا تھا۔ اور فتح الباری میں ہے الظاہر انہ لم یکن یحضر الجماعۃ لانہ کان صغیرا الا یواظب علی ذلک فکان یعرف انقضاء الصلوۃ بما ذکر وقال غیرہ یحتمل ان یکون حاضرا

فی آخر الصفوف فکان لا یعرف انقضاءها بالتسلیم وانما کان یعرفها بالتکبیر یعنی ظاہر یہ ہو کہ وہ جماعت میں شریک نہوتے تھے کیونکہ چھوٹے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ نماز کا خاتمہ تکبیر ہی پر ہوتا ہو حالانکہ ایسا واقعہ نہ تھا اور یہ بھی ممکن ہو کہ وہ آخری صفوں میں اگر شریک ہوتے ہوں اور اس وجہ سے اُنکو سلام کی آواز نہ آنے سے سلام سے ختم ہونا نماز کا معلوم نہ ہوتا ہو بلکہ تکبیر کی آواز آنے سے جانتے ہوں کہ سلام پھر چکا اور نماز ختم ہوگئی کیونکہ سلام کے بعد لوگ تکبیر کہتے تھے۔ لیکن شراح حدیث نے اسکو حالت جہاد وغیرہ پر محمول کیا اور سر کو جہر سے افضل قرار دیا اور بعضوں نے اسکو بعض اوقات پر محمول کیا اور اُس کے التزام کو منع کیا۔ ابن حاج مکی رحمہ اللہ کی کتاب المدخل میں ہو اما ما رواہ ابن الزبیرؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن الجمیل لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون وما روی البخاری عن ابن عباسؓ ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالجواب من وجھین احدھما ماذکرہ الامام الشافعیؒ فی الام حیث قال و اختار الامام والماموم ان یذکران اللہ بعد الانصراف من الصلوٰۃ ویخفیان الذکر الا ان یکون اماما یجب ان یتعلم منہ فیجہر حتی یری انہ قد تعلم منہ ثم یسر فان اللہ یقول ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا یعنی بالدعاء لا تجہر ترفع ولا تخافت حتے لا تسمع نفسک واحسب ما روی ابن الزبیرؓ من تہلیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما روی ابن عباسؓ من تکبیرہ کما رویناہ انما جہر قلیلا لیتعلم الناس منہ ذلک لان عامۃ الروایات التی کتبناھا لیس یذکر فیہا بعد التسلیم ولا تکبیرا انتہی کلامہ بلفظہ فھذا الامام الشافعیؒ حمل ذلک علی سبیل التعلیم فان حصل التعلیم امسک وھذا بخلاف ما یعھد الیوم من القراءۃ والذکر جھرا وجماعۃ فانھم لا یریدون التعلیم بل الثواب والجواب الثانی ما ذکرہ ابو الحسن بن بطالؒ فی شرح صحیح البخاری لما ان تکلم علی حدیث ابن عباسؓ

قال یحتمل ان یکون اراد بہ المجاھدین فان کان کذلک فھو الی الاٰن و علیہ العمل وھو ان المجاھدین اذا صلوا الخمس فیستحب لھم ان یکبروا جھرًا یرفعون اصواتھم لیرھبوا العدو فان لم یحمل علی ذلک فیکون منسوخًا بالاجماع لانہ لا یعلم احد من العلماء یقول انتھی وفیہ ایضا ولیحذروا جمیعًا من الجھر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی جماعۃ فان ذلک من البدع انتھی وقال العلامۃ بدر الدین العینی الحنفی فی البنایۃ شرح الھدایۃ [illegible] الرازی قال مشائخنا التکبیر جھرًا فی غیر ایام التشریق [illegible] بالنصوص وقیل وکذا فی الحریق والمخاوف کلھا انتھی وفی نصاب الاحتساب اذا کبروا علی اثر الصلوٰۃ جھرًا یکرہ وانہ بدعۃ یعنی سوی ایام النحر والتشریق یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے لا الٰہ الا اللہ وحدہ الخ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے اُسکا کوئی شریک نہیں ہے اُسی کا ملک ہے اُسی کے لیے حمد ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اسکے سوا کسی سے قوت نہیں حاصل ہوتی ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں نعمت و فضل اُسی کے ہیں اُسی کے لئے بہتر ثنا ہے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہم خالص اُسی کے لئے دین رکھتے ہیں اگرچہ کافروں کو برا معلوم ہو اور بخاری رح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانے میں جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے ذکر بالجہر کرتے ان دونوں روایتوں کے جواب دو طریقے سے دیے گئے ہیں (۱) امام شافعی رحمہ اللہ نے ام میں لکھا ہے امام اور مقتدی نماز سے فراغت پاکر دونوں ذکر میں مشغول ہوجائیں اور ذکر کو آہستہ کہیں مگر وہ امام جو مقتدیوں کو تعلیم دینا چاہتا ہو جہر کرسکتا ہے تاکہ مقتدیوں کو اسکا علم ہوجائے اور جب مقتدیوں کو معلوم ہوجائے تب اُسے بھی آہستہ ذکر کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اپنی دعا کو زور سے نہ کہو اور نہ اسقدر آہستہ کہو کہ تم خود بھی نہ سُن سکو اور میرے خیال میں جو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لا الٰہ کہنے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تکبیر کہنے کی روایت کی ہے جیسا ہم اسکو بیان کرچکے وہ اسوجہ سے ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض تعلیم معمولی جہر فرمایا ہوگا اسلئے کہ عام روایتوں میں جنکو ہمنے لکھا ہے

تسلیم کے بعد تکبیر کہنے کا ذکر نہیں ہے انتہیٰ کلامہ پس امام شافعی رحمہ اللہ نے اس جہر کو تعلیم پر محمول کیا ہے یعنی تعلیم حاصل ہو جائے تو جہر نکرنا چاہیئے اور جو آجکل قرأۃ اور ذکر جہر اور جماعت رائج ہے وہ بغرض تعلیم نہیں ہے بلکہ بغرض ثواب ہے (۲) ابوالحسن بن بطال رحمہما اللہ نے شرح صحیح بخاری میں (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں لوگوں نے کلام کیا ہے اسوجہ سے) کہا ہے کہ احتمال ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے مجاہدین کو مراد لیا ہو اور اگر ایسا ہے تو یہ حکم اب تک باقی ہے کیونکہ مجاہدین جب پنجگانہ نمازوں سے فارغ ہوں تو انکے لئے زور سے تکبیر کہنا اور چلانا مستحب ہے تاکہ دشمن ڈر جائیں اور اگر اسپر [illegible] نہ کیا جائے تو یہ بالاجماع منسوخ ہے کیونکہ علما میں سے کوئی اسکا قائل نہیں ہے اور اسی کتاب میں ہے زور سے ذکر کرنے سے اور نماز سے فراغت پاکر جماعت کی جماعت کے دعا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ یہ بدعت ہے اور علامہ شیخ الاسلام بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ نے بنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے ابوبکر رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے مشایخ عید الضحیٰ کے ایام تشریق کے علاوہ دوسرے دنوں میں تکبیر بالجہر کو سنت نہیں لکھتے ہیں مگر دشمن یا چور کے مقابلے میں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہی حکم آتش زدگی اور تمام خوفناک امور میں ہے اور نصاب الاحتساب میں ہے نماز کے بعد تکبیر بالجہر مکروہ اور بدعت ہے یعنے ایام نحر و تشریق کے علاوہ اور ایام میں۔ اور عبارات حنفیہ اس قسم کی بہت ہیں جس سے کراہت ذکر جہری بجز چند مستثنیٰ مواقع کے ثابت ہوتی ہے اس کی تفصیل میرے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر میں موجود ہے الحاصل ذکر جہری بعد نماز کے سولے ایام تشریق وغیرہ کے اگر احیانا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جہر حد سے بڑھا ہوا نہو اور اسی طرح اگر جہر سے تعلیم مقصود ہو اور بدون ان اغراض کے اسکا التزام و اہتمام کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے طریقہ نبویہ اور طریقہ سلف صالح کے خلاف ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو القوی محمد عبدالحی عفی عنہ

سوال شوق کے طریقے سے اگر کوئی جانور چرند یا پرند پالا گیا ہو تو اس میں کوئی گناہ ہے یا نہیں اگر ہے تو اسکا کفارہ کیا ہے اور تسکا ہ کے بارے میں کیا حکم ہے **جواب** شوق کے طریقے سے جانور پالنا درست ہے بشرطیکہ انکو تکلیف نہ دے۔ مجتبیٰ شرح مختصر قدوری میں ہے لا باس بحبس الطیور والدجاج فی بیتہ ولکن یعلفھا یعنی مرغی اور چڑیوں کے پالنے میں کچھ

حرج نہیں ہے لیکن اُنکو خوراک دیتے رہنا چاہیئے۔ ردالمحتار میں فتاوی قاری الھدایہ سے منقول ہے یجوز حبسھما للاستیناس اُن دونوں یعنی مرغی اور چڑیوں کو دلبستگی کرنے کے لئے پالنا جائز ہے۔ اور جامع الرموز میں ہے لاباس بحبس الطیور ای والدجاج فی بیتہ ولکن یعلفھا وھو خیر من ارسالھا فی السکک یعنے چڑیوں اور مرغیوں کو گھر میں پالنا جائز ہے لیکن انکو خوراک دیتا رہے اور یہ اس سے اچھا ہے کہ وہ گلیوں میں چھوڑ دیجائیں۔ اور شکار کرنا جائز ہے بشرطیکہ محض کھیل اور ایذا دینا مقصود نہو اور بعضوں نے پیشہ بنا لینے کو مکروہ لکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے بزازیہ میں ہے الصید مباح الا للتلھی او حرفۃ یعنے شکار جائز ہے مگر نہ بغرض کھیل اور پیشہ کے۔ اور حموی نے شرح اشباہ میں لکھا ہے فیہ نظر لانہ نوع اکتساب بما ھو مخلوق لذلک وللاکتساب مباح فصار کالاحتطاب یعنے اِس میں نظر ہے کیونکہ اِس میں ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا ہے جو اُسکے لیے پیدا کی گئی اور اس قسم کا نفع حاصل کرنا مباح ہے پس شکار کا بھی وہی حال ہوگا جو لکڑی چننے اور فروخت کرنے کا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی عبد الحی **سوال** عیدین کے خطبہ کے بعد جو مصافحہ اور معانقہ لوگوں میں مروج ہے وہ مسنون ہے یا بدعت **جواب** مصافحہ اور معانقہ کا وقت ابتدائے ملاقات ہے پس عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ مسنون نہیں ہے اور علما اِس باب میں مختلف ہیں بعض بدعت مباحہ کہتے ہیں اور بعض ہر حال میں بدعت مکروہہ کہتے ہیں بہرحال اِسکا ترک اولیٰ ہے۔ نووی رحمہ اللہ کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء واما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلوۃ الصبح والعصر فلا اصل لہ فی الشرع ولکن لاباس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ وکونھم حافظوا علیھا فی بعض الاحوال وفرطوا فی کثیر من الاحوال واکثرھا لایخرج ذلک البعض عن کونہ من المصافحۃ التی ورد الشرع باصلھا یعنے ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مستحب ہے اور لوگ جو بعد نماز فجر اور عصر کے مصافحہ کے عادی ہیں اِس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے کیونکہ اصل مصافحہ سنت ہے اور بعض حالتوں میں لوگوں کا اس کی طرف توجہ کرنا اور بہت سے حالات میں لوگوں کا اس کی زیادتی کرنا اُس مصافحہ سے نہیں نکال سکتا جس کی اصل شریعت میں موجود ہے اور درمختار میں ہے واطلاق المصنف تبعا للدرر والکنز والوقایۃ والنقایۃ والجمع والملتقی

يفيد ها الجواز ها مطلقا ولو بعد العصر وقولهم بدعۃ اى مباحۃ یعنی مصنف کا اس کو درر اور کنز اور وقایہ اور نقایہ اور جمع اور ملتقی کی اتباع میں مطلق رکھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مطلقا جائز ہے اگرچہ بعد عصر کے ہو اور فقہا نے بدعت سے مراد مباح لیا ہے۔ اور رد المحتار میں ہے قد یقال ان المواظبۃ علیہا بعد الصلوۃ خاصۃ یؤدی الجھلۃ الی اعتقاد سنتہا فی خصوص هذه المواضع مع ان ظاهر کلامهم لم یفعلها احد من السلف ونقل عن الشرنبلالی عن ابن حجر انها بدعۃ مکروهۃ لا اصل لها فی الشرع یعنی بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اس پر دوام سے جہلا اسکے ان خاص مواقع میں سنت ہونے کے معتقد ہوجائیں گے حالانکہ فقہا کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں سے کسی نے اسکو نہیں کیا ہے اور شرنبلالی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے بدعت کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے شرع میں اسکی کچھ اصل نہیں ہے۔ اور ابن حاج رحمہ اللہ نے مدخل میں لکھا ہے اجاز المعانقۃ ابن عیینۃ عند اللقاء من غیبۃ کانت واما فی العید لمن هو حاضر معک فلا واما المصافحۃ فانها وضعت فی الشرع عند لقاء المؤمن لاخیہ واما فی العید علی ما اعتاده بعضهم عند الفراغ من الصلوۃ یتصافحون فلا اعرفہ لکن قال الشیخ ابو عبد اللہ بن نعمان انہ ادرک بمدینۃ فاس والعلماء العاملون بعلمهم متوافرون انهم کانوا اذا فرغوا من الصلوۃ العید صافح بعضهم بعضا فان کان یساعده فی النقل عن السلف فیا حبذا وان لم ینقل فترکہ اولی یعنی ابن عیینہ رحمہ اللہ نے کچھ دیر غائب رہنے کے بعد ملاقات کے وقت معانقہ کو جائز لکھا ہے لیکن عید میں جو ساتھ رہتا ہو اس سے ناجائز لکھا ہے لیکن مصافحہ سو اسکی وضع اسلئے ہے کہ جب مسلمان مسلمان سے ملے تو یہ کرے لیکن عید میں جو بعض لوگ نماز سے فارغ ہو کر مصافحہ عادۃً کرتے ہیں مجھے اس کی اصل نہیں معلوم لیکن شیخ ابو عبد اللہ بن نعمان رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے شہر فاس کے باعمل علما کو دیکھا کہ عید کی نماز سے فراغت پاکر باہم مصافحہ کرتے تھے تو اگر نقل سلف اسکے مطابق ہو تو بہت ہی اچھا ہے ورنہ اسکا ترک ہی بہتر ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** نانا کی زوجہ جسے اس کی ماں اور نانی سے کچھ قرابت نہیں حرام ہے یا حلال **جواب** حنفیہ کے نزدیک نانا کی زوجہ حرام ہے۔ خزانۃ الروایات میں خزانۃ الفقہ سے نقل کیا ہے امرأۃ الجد ابی الام حرام

یعنی نانی حرام ہی اور بھی مرقوم ہی المنکوحۃ للجد وابی الجد وجد الجد واب الجد الجد من قبل الاب والام حرام یعنی دادا پردادا لکڑدادا سکڑدادا کی بیبیاں اور اسی طرح نانا اور نانا کے باپ دادا پردادا کی بیبیاں بھی حرام ہیں۔ اور اس کی حرمت اسکے سبب سے نہیں ہی کہ یہ امہات نسار و امہات کی آیت میں داخل ہیں بلکہ اس سبب سے ہی کہ ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم (جنکے ساتھ تمہارے آبار نے نکاح کیا ہی اُنکے ساتھ نکاح نہ کرو) انکو شامل ہی ہدایہ میں ہی ولا بامرأۃ ابیہ واجدادہ لقولہ تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم یعنی باپ دادا کی بیبیوں کے ساتھ نکاح ناجائز ہی کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہی جنکے ساتھ تمھارے آبار نے نکاح کیا ہی اُنکے ساتھ نکاح نہ کرو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** ایک مقام پر چند پرانی قبریں ہیں کہ قریب پچیس تیس سال کی ہوں گی اُن میں بعض بالکل نیست و نابود ہو گئی ہیں اور بعض باقی ہیں پس ایسے مقام پر قبر کھود کے زمین برابر کرکے رہنے کے لئے مکان بنانا درست ہی یا نہیں **جواب** درست ہی بحر الرائق میں ہی وفی التبیین ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء تبیین میں ہی کہ اگر لاش پرانی اور مٹی ہو جائے تو اُسکی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا اور اُس زمین پر زراعت کرنا اور مکان بنانا جائز ہے **سوال** یہاں قریب شہر لکھنو ہر شہر و قصبے میں سلطانی قصاب ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں اور احکام دین اسلام میں ہم مسلمانوں کے ساتھ شریک رہتے ہیں یعنی کلمۂ شہادتین پڑھتے ہیں اور ہمارے ساتھ جمعہ اور عیدین اور پنجگانہ نماز باجماعت پڑھتے ہیں اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور ختنہ کراتے ہیں اور نکاح پڑھواتے ہیں مگر مسلمانوں کے آب و طعام سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ مسجد کے پانی سے وضو تک نہیں کرتے ہیں مسلمانوں نے اُنسے کہا کہ ہم تم پر شرعی حکم کرتے ہیں کہ تم مسجد کے پانی سے وضو کرلو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہماری قدیم عادت نہیں ہی اس قول کی وجہ سے اُنپر کفر کا فتویٰ دینا اور اُنپر کفر کے احکام جاری کرنا جائز ہی یا نہیں اور بغیر ہمارے آب و طعام کے تناول کیے ہوے اُن کی توبہ شرعاً قبول ہوتی ہی یا نہیں اور اکثر مسلمان کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں بت رکھتے ہیں اور ہمیشہ اُنکی پرستش کیا کرتے ہیں اور وہ اس سے انکار کرتے ہیں یہ انکار اُن کی توبہ ہی یا نہیں اور اُنکو توبہ سے انکار نہیں توبہ کرنا قبول کرتے

کرتے ہیں ایسی حالت میں اُنپر توبہ کا حکم کرنا یا اُنپر کفر کے احکام جاری کرنا کیسا ہے اور تنگی معیشت کیوجہ سے جانور ذبح کرکے گوشت بیچنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے اُن لوگوں نے حاکم وقت کے سامنے کہا کہ ہم ہندو ہیں پھر وہ اپنے اس کہنے پر نادم ہوے اور توبہ کا ارادہ کیا تو اُن کی توبہ بغیر ہمارے یہاں آب وطعام تناول کیے ہوے قبول ہے یا نہیں۔ یہ لوگ اپنے جانور ایک مسلمان مسافر شخص سے ذبح کراتے ہیں تو یہ کفر کا حکم کرنے والے ذابح مسلم کو ڈھیم کافر خاکروب اور اُنکے گوشت کو جو پاک اور حلال ہے حرام کہتے ہیں یہ کفر کا کلمہ ہے یا نہیں اور کافر قصاب کی دُکان کا گوشت جبکہ ذابح بالیقین مسلمان معروف ہے اور مسلمان کے سوا کوئی کافر ذبح نہیں کرسکتا اور گوشت کی حلت میں کسی ایک مسلمان کو شبہہ نہیں ایسی حالت میں بغیر کسی ایک عادل کی گواہی کے خریدنا اور کھانا حلال ہے یا نہیں جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے رسالۂ مالابد منہ کے کتاب التقوٰے میں اِس مسئلہ کی تشریح اُسکے حاشیہ پر لکھی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے۔ مسئلہ۔ جو گوشت مسلمان یا اہل کتاب سے مول لیا جائے حلال ہے اور جو بت پرست سے خریدا جائے وہ حرام ہے انتہی یہ تو اصل کتاب مالابد منہ کی عبارت کا ترجمہ تھا اور لفظ حرام کے حاشیہ میں لکھا ہے اگر یہ معلوم نہو کہ اس جانور کا ذبح کرنیوالا مسلمان ہے انتہی۔ اور اِس کتاب کی صحت اور تحشی کرنے والے چار متدین عالم ہیں جنکے اسمار رسالۂ مذکور کے خاتمۃ الطبع میں لکھے ہیں چونکہ اُنھوں نے اِس حاشیہ کو جس کتاب سے لکھا ہے اُسکا حوالہ نہیں دیا لہٰذا ناظرین کم علم اس میں شک کرتے ہیں

جواب (۱) جبکہ یہ لوگ عبادات خاصۂ اہل اسلام ادا کرتے ہیں اور کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں تو اہل اسلام میں شمار کیے جائیں گے اور صرف اسوجہ سے کہ وہ مسلمان کے طعام میں شرکت نہیں کرتے گو اُنکا یہ فعل بُرا اور شرع کے خلاف ہے کافر نہ سمجھے جائیں گے۔ بحر الرائق میں ہے اعلم ان الاسلام یکون بالفعل ایضا کالصلوة بجماعته او الاقرار بها و الاذان فی بعض المساجد او الحج و شهود المناسك یعنی اسلام فعل سے بھی ہوتا ہے مثلاً با جماعت نماز یا اقرار نماز یا اذان بعض مساجد میں یا حج اور مناسک میں حاضر ہونا۔ جواب سوال دوم جب وہ کفر سے انکار کرتے ہیں اور کلمۂ شہادت ادا کرتے ہیں اور اپنے کو مسلم کہتے ہیں تو

انکا یہ قول مثل رجوع و توبہ کے سمجھا جائیگا اور اُنپر اسلام کا حکم جاری کیا جائیگا رد المحتار میں ہے رأیت فی البیری شرح الاشباہ قال کون مجرد الانکار توبۃ غیر مراد بل ذلک مقید بثلثۃ قیود قال فی الذخیرۃ عن بشر بن الولید اذا جحد المرتد الردۃ واقر بالتوحید وبمعرفۃ رسول اللہ وبدین الاسلام فھذا منہ توبۃ یعنی میں نے بیری شرح اشباہ میں دیکھا ہے محض برا جاننا توبہ نہیں ہے بلکہ اس میں تین قیدیں ہیں ذخیرہ میں بشر بن ولید رحمہا اللہ سے مروی ہے کہ جب مرتد ارتداد سے انکار کرے اور توحید و معرفت رسول اللہ و دین اسلام کا اقرار کرے تو یہ اُس کی توبہ ہے جواب سوال سوم جب وہ اقرار سابق سے نادم ہوے اور اسلام کا اقرار کیا تو اُنپر اسلام کے احکام جاری کیے جائیں گے اور اُنکی توبہ باقرار دین اسلام مقبول ہو جائے گی گو وہ شرکت طعام سے انکار کریں۔ رد المحتار میں ہے یصیر الوثنی مسلما بقولہ انا مسلم او علی دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم او الحنفیۃ او الاسلام یعنے بت پرست اِن الفاظ کے کہنے سے مسلمان ہو جاتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میں دین محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ہوں میں دین حنفی پر ہوں میں اسلام پر ہوں۔ جواب سوال چہارم جب یہ امر معلوم ہے کہ وہاں مسلمان کے سوا کوئی ذبح نہیں کرتا تو کافر کی دُکان سے گوشت خریدنا اور اسکا کھانا حلال ہے اشباہ وغیرہ میں ہے الیقین لا یزول بالشک یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا **سوال** آج کل بعض تحریریں طعن آمیز سلف صالحین تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کی نسبت خصوصاً امام ہمام نعمان بن ثابت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی نسبت جو ذیل میں درج ہیں شائع ہوئی ہیں اور لوگ بیباکانہ اِن حضرات رحمہم اللہ کی شان میں اُس عبارت کے ساتھ دلیل پکڑکر گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں۔ کہ امام اعظم رحمہ اللہ علم حدیث نہیں جانتے تھے اور جو لوگ اسکے کہنے سے روکتے ہیں اُنکو جواب دیتے ہیں کہ اگر مولانا عبد الحی صاحب اِن کلمات کو موجب قباحت بہ نسبت امام اعظم رحمہ اللہ کے لکھدیں گے تو ہم مان لیں گے اور اپنی زبان بند کرلیں گے اور تمھارے کہنے کو نہ مانیں گے اور اپنے ذہن میں وہ خیال کرتے ہیں کہ اُنکے مثل آپ بھی امام اعظم رحمہ اللہ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں اور

اسکو اچھا جانتے ہیں۔ لہذا اُن کلمات کو ایک جگہ جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور اُمید وار ہوں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فضل وکمال علمی سے بھی آگاہ کریں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ایسے کلمات حضرت امام کی شان میں استعمال کرنیسے بے ادبی لازم آتی ہے یا نہیں تاکہ یہ لوگ اس قسم کی بد زبانی سے چھوٹ جائیں۔ اور الفاظ یہ ہیں (۱) اُن کو یعنی حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو سفر کا اتفاق کم ہوا اور اُنکے وقت میں کتب حدیث کے جمع ہونے کا اتفاق نہیں ہوا اُن کو کونے میں بیٹھے بیٹھے جو کچھ معلوم ہوا وہ معلوم ہوا اور جو کچھ رہگیا وہ رہگیا (۲) اُنکی فقہ اور اُنکا اجتہاد شہرۂ آفاق ہے اور محدثین کے دفتر میں اُنکا نام نہیں ہے (۳) صحاح ستہ کو جب اول سے آخر تک دیکھو گے تو اُنکی روایت کا نام نہ پاؤ گے بجز ایک جگہ کے کتاب علل ترمذی میں تو وہ بھی ایک شخص جابر جعفی کے کاذب ہونے کی اُن سے نقل ہے باقی بالخیر (۴) صاحب صحائف اپنے مجدد العلم کی عبارت اتحاف النبلاء سے اسی بارے میں ناقل ہے۔ لہذا اہل حدیث کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ فن حدیث میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی پونجی بہت تھوڑی ہے باقی صفحہ ۴۲ صحیفہ ۱۸۷۶ء میں ملاحظہ فرمیے۔ اسکے علاوہ بھی اُن لوگوں نے ہزارہا کلمات اہانت اپنی تصانیف میں درج کیے ہیں جن کے لکھنے سے قلم تھراتا ہے جواب مضمون اول کے فقرے اگرچہ واقع کے مطابق ہیں مگر اُنکے بیان کا عنوان سوء ادبی سے خالی نہیں ہے اور مضامین باقیہ کا عنوان بھی بے ادبی کو شامل ہے اور حدیث کے دفتر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام نہونا غلط ہے بلکہ صحاح ستہ کے علاوہ بہت سی حدیث کی کتابوں میں اُن کی روایتیں موجود ہیں اور کثرت سے مؤرخین اور محدثین نے اُنکو محدثین میں گنا ہے ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں اُنکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اور ابن عبد البر اور ابن حجر عسقلانی اور سیوطی رحمہم اللہ وغیرہم نے اُنکے مدائح اور اوصاف جمیلہ میں بہت بسط کیا ہے اور صحاح ستہ میں امام اعظم رحمہ اللہ سے روایت کا نہونا کسی طرح نقص کا باعث نہیں ہے صدہا صحابہؓ ایسے ہیں جن سے صحاح ستہ میں کوئی روایت نہیں ہے اور اتحاف النبلاء میں اور ایسے تالیفات مؤلف اتحاف میں جو معائب ومطاعن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے منقول ہیں وہ سب لغو اور بے اصل ہیں

واللہ اعلم حررہ الراجی عفور القوی عبدالحی سوال چار پانچ شخص جو سرکار انگریزی میں باعزت و وقار ہیں اُنھوں نے شرع کے خلاف قانون بنایا ہی اہل اسلام کو ایسے قانون کا قبول کرنا درست ہی یا نہیں اور وہ لوگ ایسا قانون بنانے کی وجہ سے کافر ہو گئے یا نہیں۔ اور انکے ساتھ اہل اسلام مجالس شادی اور غمی میں جو اُنکے گھر ہوں شریک ہوں یا نہ ہوں اور اُنکا حق اتفاق اسلام جیسے مساجد و مقابر وغیرہ سے جاتا رہا یا نہیں اور اُنکے جنازوں کی نماز پڑھی جائے یا نہیں
جواب اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہی وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ یعنی جس نے قرآن کے موافق حکم نہ دیا وہ کافر ہے۔ اور فرمایا ہی وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی جسنے قرآن کے موافق حکم نہ دیا وہ فاسق ہی۔ اور فرمایا ہی۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی جسنے قرآن کے موافق حکم نہ دیا وہ ظالم ہی۔ پس اہل اسلام کو ایسے قانون کا قبول کرنا جو شرع کے خلاف ہو حرام ہی اور جو اُس قانون پر عمل کرے گا اُسکا گناہ قانون بنانیوالے کی گردن پر ہوگا۔ حدیث صحیح میں وارد ہے من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرہا و وزر من عمل بہا یعنی جس نے کوئی بری بات ایجاد کی اُسکو اُس بری بات کے ایجاد کرنے کا اور اُس بری بات پر عمل کرنیوالوں کا گناہ ہوگا اور قانون بنانیوالوں نے اگر شرعی قانون کو برا جانا اور شرعی قانون کے ساتھ راضی نہوے اور اُسکو خلاف مصلحت اور غیر کافی تصور کیا تو کافر ہو گئے اُنکے جنازے کی نماز پڑھنا اور مسجد و مقابر میں اُنکو شریک کرنا مسلمانوں کو درست نہیں ہی اور اگر اُنھوں نے قانون شرع کو برا نہ جانا تو اگرچہ کافر نہیں ہوے مگر بہت بڑے فاسق ہوے اہل اسلام کو لازم ہی کہ اُنسے مجالست ترک کریں اور شادی و غمی میں اُنکے یہاں شرکت نہ کریں تاکہ وہ اپنے اس فعل سے توبہ کریں واللہ اعلم حررہ الراجی عفور القوی عبدالحی سوال اُس شخص کے حق میں کیا حکم ہی جو کہتا ہی چنانچہ کچھ لوگ اسکے معتقد اور متبع بھی ہو گئے ہیں کہ کل کا بنا ہوا کپڑا نہ خریدو اور اُس زمانہ میں اس کا استعمال نہ کرو جبکہ تم کسی کے جانب سے اسکے خریدنے پر مجبور نہیں کیے گئے ہو کیونکہ یہ کل جولاہوں اور سوت کاتنے والوں کے حق میں فتنہ عظیم ہے کیونکہ اِن لوگوں کا پیشہ یہی ہی اور اس پیشہ کے علاوہ فی الحال نہ یہ کوئی اور پیشہ کر سکتے

ہیں نہ کسی دوسرے طریقے سے اپنے لئے کفاف حاصل کر سکتے ہیں اسی پیشہ کی بدولت یہ لوگ اپنا پیٹ بھرتے تھے اور ہمارے ساتھ رہتے تھے پس ہمارے نزدیک جو لوگ کل کا بنا ہوا کپڑا باریک ہونے یا سستا ہونے کی وجہ سے خریدتے ہیں وہ کل کے بانی سے زائد فتنہ کے باعث ہیں اور فتنہ کی مصیبت بلاشبہ قتل کی مصیبت سے زائد ہے کیونکہ قتل صرف ایک لحہ کی مصیبت ہے اور یہ وہ مصیبت ہے جسکی بدولت لڑکے بالوں کا بھوکوں مرتا دیکھنا پڑتا ہے اور روزانہ اپنی جان بھی آمدنی نہونے کیوجہ سے گھل گھل کر نکلتی ہے بھیک بھی مانگنا پڑتی ہے جسکی شرعًا ممانعت ہے اور اسکے علاوہ بھی ہزاروں مصیبتیں لاحق ہوتی ہیں دیکھو اللہ تعالےٰ نے غربا کی بھوک کے دفعیہ کے لئے کسقدر تاکید کی ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ وَأَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ یعنے ہم نے جو تمھیں دیا ہے اُس میں سے صرف کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آئے اور وہ کہے اے اللہ تو مجھے کچھ دنوں اور زندہ رکھتا کہ میں صدقہ کروں اور نیکوں میں شامل ہو جاؤں۔ اور غربا کی حالت کی خبر نہ رکھنے کو اللہ تعالیٰ نے کفر کا جرم ذکر کیا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ کیا تم نے اُسکو دیکھا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے اور یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھلانے پر آمادہ نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ یعنے پھر اس کو ایک زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہو باندھو کیونکہ وہ خدا پر ایمان نہیں لایا اور اُس نے مسکین کے کھلانے پر آمادہ نہیں کیا۔ مشارق میں ہے قال ابوھریرۃ الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ قال ابوھریرۃ واحسبہ قال کالقائم لا یفتر وکالصائم لا یفطر یعنے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے جو شخص بیوہ اور مسکین کے لئے کوشش کرے وہ اُس شخص کی طرح ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے میرے خیال میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا شخص اُس قائم کی طرح ہے جس کے قیام کا

سلسلہ نہ ٹوٹے اور اُس صائم کی طرح ہو جو افطار نہ کرے۔ اور بلاشبہہ جتنا مال خرید اشیا میں صرف ہوتا ہو اُتنا مال خیرات میں صرف نہیں ہوتا چنانچہ اسی بنا پر حدیث شریف میں وارد ہو کہ قرض حسنہ سے غیر حسنہ قرض کا دینا زیادہ ثواب رکھتا ہو سود کا حرام ٹھہرنا بھی غربا کی رعایت کیوجہ سے ہو پس کپڑا خریدنے کیوجہ سے تمھیں اپنے مسلمان بھائیوں کو نقصان پہونچانا کیونکر گوارہ ہوتا ہو۔ تفسیر فتح العزیز میں بزبان فارسی تحریر ہے جسکا ترجمہ یہ ہو اہل تحقیق نے کہا ہو کہ ہر قوم کے لئے ایک گوسالہ ہو جسکی وہ پرستش کرتے ہیں گو بظاہر اپنے کو مسلمان اور دیندار کہیں چنانچہ حدیث شریف میں بھی اسکی جانب اشارہ کیا ہو تعس عبد الدینار وعبد الدراھم وعبد القمیصۃ ان اعطی رضی وان لم یعط سخط یعنے اُس شخص کا بُرا حال ہو جو اشرفی یا روپیہ یا عمدہ کپڑے کا بندہ ہو اگر اُسکو اللہ کی طرف سے یہ چیزیں مرضی کے موافق ملتی ہیں تو خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہو (اور شکر نہیں کرتا) البتہ اگر نہیں ملتی ہیں تو ناخوش ہوتا ہو اور شکایت کرتا ہے انتہی۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہو کہ سب لوگ موٹا کپڑا پہنا کریں بلکہ مطلب یہ ہو کہ اُمرا اگر چاہیں تو یہاں کا بنا ہوا مہین کپڑا زیادہ قیمت خرچ کرکے پہنیں اور غربا کو لازم ہو کہ اپنی وسعت کے موافق ایسا کپڑا پہنیں جس کی قیمت بے دشواری کے ادا کر سکیں اور اپنے تھوڑے نفع یا خوشی کیواسطے غربا کا نقصان نہ کریں اسکا لحاظ امرا کو زیادہ کرنا چاہیئے ابو حنیفۃؒ عن حمادؒ عن ابراھیمؒ عن حذیفۃؓ بن الیمان انہ تزوج یھودیۃ بالمدائن فکتب الیہ عمرؓ بن الخطاب ان خل سبیلھا فکتب الیہ احرام ھی یا امیر المؤمنین فکتب الیہ اعزم علیک ان لا تضع کتابی حتی تخلی سبیلھا فانی اخاف ان یقتدی بک المسلمون فیختاروا نساء اھل الذمۃ لجمالھن وکفی بذلک فتنۃ نساء المسلمین وقیل لعمر رضی اللہ عنہ ان ھھنا رجل من الانباء نصرانیا لہ بصر بالدیوان لو اتخذتہ کاتبا فقال لقد اتخذت اذا بطانۃ من دون المؤمنین یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حمادؒ سے اُنھوں نے ابراہیمؒ سے اُنھوں نے حذیفہؓ بن یمان سے روایت کی ہو کہ اُنھوں نے مدائن میں ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اُنھیں لکھ بھیجا کہ اُسے

چھوڑ دو انھوں نے جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین کیا وہ حرام ہے بس آپنے انکو پھر لکھا کہ میں تمکو حکم دیتا ہوں کہ میرے خط کو اپنے ہاتھ سے علیحدہ نہ کرو جب تک کہ تم اُس سے علیحدہ نہو جاؤ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ مسلمان تمھاری اقتدا کر کے ذمیوں کی عورتوں کو اُن کی خوبصورتی کی بدولت پسند کریں اور مسلمان عورتوں کے لئے یہ بڑا فتنہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک نصرانی ہے جسکو دفتر کے کاموں میں خاص ملکہ ہے بہتر ہوتا کہ آپ اُسے اپنا کاتب بنا لیتے آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں نے مسلمانوں کے سوا دوسرے کو اپنا ساتھی اور دوست بنایا۔ ہند کے مسلمان بھی اگر کل بنائیں تاہم خالی از فتنہ نہیں ہے کیونکہ کل سے تجارت پیشہ لوگوں کو نفع ہوتا ہے نہ اہل حرفہ کو خیال کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالے غربا کی پرورش کے لئے اُمرا سے فرماتا ہے کہ تم اپنی جانبازی کے مال میں سے غربا کو دو اگر ہم ایسا حق نہ مقرر کریں تو مال صرف اُمرا ہی میں رہجائے گا۔ قرآن شریف میں ہے کَیلَا یَکُونَ دُولَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ تاکہ دولت تم میں کے امیروں ہی میں نہ رہجائے۔ پس لے لوگو اگر ہمارا کہا نہ مانوگے تو قطعا بلائے عظیم میں مبتلا ہو گے جیسے اگلی ظالم قومیں بلائے عظیم میں مبتلا ہوئیں وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَاصَّۃً یعنے فتنہ سے ڈرو کہیں وہ تم میں کے ظالموں کو نہ آلگے۔ یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ اب ویسا حال نہو گا اہل سنت وجماعت کی کتابوں کو دیکھو تمام اہلسنت اسپر متفق ہیں کہ ظہور آیمہ راشدین کے وقت میں بھی حجت اللہ بندوں پر قائم ہوتی ہے بس مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہمارا کہنا مانیں اور اگر تم نہیں مانتے تو ہم یہی کہتے ہیں یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْہِ عَذَابٌ یُّخْزِیْہِ وَمَنْ ھُوَ کَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ یعنی اے قوم تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں عنقریب تمکو معلوم ہو جائیگا کہ کس پر ذلیل کرنیوالا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں خلاصہ اس استفتا کا یہ ہے کہ آیا قائل کے قول پر ہر کہ مہ کو توجہ کرنا ضروری ہے یا نہیں اسکے جواب سے مطلع فرمائیے **جواب** حسب قول سائل نمائش قائل پر ہے ہر کہ ومہ کو توجہ کرنا اور اپنی طبیعت کو عمدہ کپڑے کے خریدنے سے ناجائز جانکر روکنا شرعًا کسی طور پر جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالے نے اسلام

میں ہر طرح کی آسانی رکھی ہے جب کل کا بنا ہوا کپڑا پہننا جائز ٹھہرا تو کیوں آدمی اپنی طبیعت کو
بلاوجہ ایک عمدہ چیز کے خریدنے سے روکے اور کسی قوم کی روزی کسی حرفہ پر موقوف نہیں ہے
اللہ تعالیٰ رزاق حقیقی ہے جس طرح اسکو روزی پہونچانا منظور ہوگا پہونچائیگا البتہ احتیاطاً
جس شخص کو یہ منظور ہے کہ ہماری قوم ہم لوگوں سے منفعت حاصل کرے اور ہم سب اپنی
قوم سے خرید و فروخت کریں مثلاً کوئی رئیس یا بادشاہ اہل اسلام یہ چاہے کہ ہم اپنی ریاست
یا سلطنت میں اہل اسلام نوکر رکھیں اور اہل اسلام ہی سے اشیا بنوا کر استعمال میں لائیں
تو استحساناً جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم حررہ عبدہ المسکین محمد تقی الدین عفاہ العافی عن
اثم الاثمین محمد تقی الدین سمی شیخ الاسلام ابن تیمیہ سنہ ۱۲۹۲ھ الحق لایجاوز عن الجواب واللہ
اعلم بالصواب محمد شمس الدین سمی ہمام ابن القیم الجوزیہ۔ اصاب من اجاب محمد بشیر
السہسوانی النقوی جناب من مولانا عبدالحی صاحب مجیب نے دلائل مندرجہ سوال آیات
واحادیث و آثار کی نسبت کچھ تعرض نہیں کیا کہ جس سے جواب مجیب کا قائل پر حجت پیش
کرنے کے لائق ہو بہر کیف آپ کے نزدیک جواب مجیب مقرون بہ صدق و دیانت ہے
یا نہیں اور دلائل مندرجہ سوال مثبت مدعی قائل ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو ہر آیت و
حدیث کی نسبت یہ تحریر کرنا چاہیئے کہ فلاں آیت و فلاں حدیث و فلاں اثر مدعاے قائل
میں قابلیت حجت کی نہیں رکھتے اور قائل کے استدلال میں بذریعہ علم میزان کے یہ مغالطے
واقع ہیں اور اگر آپ کے نزدیک قول قائل کا قابل التفات ہر کہ و مہ کے ہے تو ویسا تحریر
فرمائیے اور مجیب نے جو بہ نسبت رئیس یا سلطان کے استحساناً خاص کیا ہے یہ جا ہے یا بیجا
جواب مفصل دیجئے **ہو المصوب** قول قائل پر ہر شخص کو لزوماً توجہ کرنا اور عمدہ کپڑوں کے
خریدنے سے بالکلیہ باز رہنا شرعاً لازم نہیں ہے البتہ مقتضاے تورع و احتیاط یہی ہے جو قائل مذکور
کہتا ہے اور جو دلائل قائل نے پیش کیے ہیں وہ مثبت لزوم نہیں ہیں اور ان سے یہ ثابت
نہیں ہوتا ہے کہ عمدہ چیزوں کے استعمال میں گناہ ہوگا یا عمدہ کپڑوں کا جو کل سے بنائے جاتے
ہیں خریدنا باعث فساد و فتنہ شرعیہ کا ہوگا اور یہ خیال کہ اس میں جولاہوں وغیرہ کے رزق
کا سد باب ہے خیال خام ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی

تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** شادی کے پہلے یا نکاح کے وقت اگر لڑکی کا ولی نوشاہ سے روپیہ لیکر برات کو کھانا کھلائے تو درست ہے یا نہیں اور ولی پر روپیہ لینے کیوجہ سے کچھ گناہ ہوگا یا نہیں **جواب** برات کے لوگوں کو کھانا کھلانا دولھن کے لوگوں کیطرف سے درست ہے بلکہ یہی طریقہ ماثورہ حضرت انبیا علی نبینا وعلیہم السلام سے ہے مدارج النبوۃ وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے اور نوشہ سے روپیہ لینا اگر وہ بطیب خاطر دیتا ہو شرعًا اس میں کچھ حرج نہیں ہے ابو الحسنات محمد عبد الحی **سوال** ختم قرآن اور ختم انبیا اور ختم یونس وغیرہ جو مجتمع ہوکر پڑھتے ہیں اور ختم کی اُجرت لیتے ہیں اس طرح کا پڑھنا اور اُجرت لینا درست ہے یا نہیں **جواب** متاخرین کے نزدیک تعلیم قرآن کی اُجرت لینا درست ہے اور قدما کے نزدیک درست نہیں ہے باقی نفس تلاوت قرآن اور ختم قرآن کہ جس میں صرف طلب ثواب مقصود ہوتا ہے اُس کی اُجرت دینا اور لینا درست نہیں ہے اتفاقًا تنقیح فتاوے حامدیہ میں خیریہ سے یہ منقول ہے فی التاتارخانیۃ اذا اوصی بان یدفع الی انسان کذا من مالہ لیقرأ القراٰن علی قبرہ فالوصیۃ باطلۃ لایجوز سواء کان القاری معینا اولا لانہ بمنزلۃ الاجرۃ ولا یجوز اخذ الاجرۃ علی طاعۃ اللہ وان کانوا استحسنوا جوازہ علی تعلیم القراٰن فلاء للضرورۃ ولا ضرورۃ الی القول بجوازہا علی القراءۃ علی قبور الموتی یعنے تاتارخانیہ میں ہے اگر کسی نے وصیت کی کہ اُسکے مال کا اتنا حصہ فلاں شخص کو دیدیا جائے کہ وہ اُسکی قبر پر قرآن پڑھے تو یہ وصیت باطل ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے خواہ پڑھنے والا مقرر ہو یا نہو کیونکہ یہ بمنزلہ اُجرت کے ہے اور خدا کی اطاعت پر اُجرت جائز نہیں ہے اگرچہ تعلیم قرآن کی اُجرت کے جواز کو علما مستحسن لکھتے ہیں لیکن اس کی وجہ ضرورت ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ قبروں پر بھی قرآن پڑھنے کی اُجرت جائز سمجھی جائے اور بھی اسی کتاب میں حاشیہ بحر الرائق سے منقول ہے المفتی بہ جواز اخذ الاجرۃ استحسانا علی تعلیم القراٰن لا علی القراءۃ المجردۃ یعنی مفتی بہ تعلیم قرآن کی اُجرت کے لینے کا جواز ہے استحسانا نہ مجرد قرأت کی اُجرت کا لینا۔ اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں یمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان یعنے دنیا کے لئے قرآن کا پڑھنے والا روکا جائیگا اور لینے والا اور دینے والا دونوں گناہگار ہونگے واللہ اعلم حررہ الراجی

عفور بہ عبد الحی **سوال** صرف نوشہ کے لئے عمدہ فرش بچھانا اور اُسکے پیچھے کپڑے کا پردہ
کھڑا کرنا جسے عرف میں مسہری کہتے ہیں اور خاص نوشہ کا سواری پر جانا گو ہمیشہ پیادہ جاتا
ہو اور سر پر چاندنی تاننا اور نوشہ کے اعزہ یعنی باپ بھائی بھتیجا وغیرہ کو عمدہ کھانا کھلانا یہ امور
بدعت ہیں یا نہیں اور اگر بدعت ہیں تو کونسی بدعت اور یہ امور ناچ باجہ اور کھانے کے سامنے
ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ پڑھنے کے برابر ہیں یا کم **جواب** یہ امور مثل ناچ باجے کے جن کی حرمت
منصوص ہے نہیں ہیں بلکہ انکا شمار بدعات مباحہ میں ہے لیکن چونکہ ایسے امور میں اکثر ریا سمعہ
اور تفاخر منظور ہوتا ہے اسلئے بعض فقہانے ان امور کو مکروہ لکھا ہے۔ نصاب الاحتساب کی بحث
مفاسد مجلس نکاح میں مذکور ہے الاول احضار المغنیین واظہار الغناء فانہ حرام والثانی
احضار المعازف والملاهی وانہ حرام والثالث اظہار لعب للعابین وانہ حرام
والرابع ستر حیطان البیت بالثیاب الجمیلۃ تزیینا وانہ مکروہ عندنا والخامس رکوب
الخیول والطواف بالبلد من غیر حاجۃ فی جمیع الناس یعنے پہلا مفسدہ گانیوالوں کو بلانا اور
گوانا یہ حرام ہے۔ دوسرا مفسدہ باجے اور لغویات کی چیزوں کا لانا اور یہ بھی حرام ہے۔ تیسرا مفسدہ
کھیلنے والوں کے کھیل کا اظہار اور یہ بھی حرام ہے۔ چوتھا مفسدہ گھر کی دیواروں کو عمدہ کپڑوں
سے بغرض زینت منڈھنا یہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ پانچواں مفسدہ گھوڑوں پر چڑھنا اور
بلا ضرورت مجمع کے ساتھ شہر میں گھومنا واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** ہنود خصی
اور بکری وغیرہ کو گنگا پر چڑھاتے ہیں اور پانی میں زندہ چھوڑ دیتے ہیں اور اُس گھاٹ کے
زمیندار ہنود اور دوسرے لوگ جانوروں کو گنگا سے نکال کے بیچتے ہیں اور چڑھانیوالے
کچھ تعرض نہیں کرتے پس ان جانوروں کو خرید کے یا نکال کے ذبح کرنے کے بعد کھانا حلال
ہے یا حرام اور مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے کیا معنے ہیں یہ جانور اس میں داخل ہیں یا نہیں اور
وہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ الخ کا کیا مطلب ہے اور یہ جانور اس میں داخل ہیں
یا نہیں اور بحیرہ وسائبہ حلال ہیں یا حرام **جواب** مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے وہ جانور مراد
ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے تقرب کی غرض سے ذبح کیا جائے اور اراقۃ الدم سے غیر
خدا کی تعظیم مقصود ہو اور خاص غیر کے لحاظ سے جان دینا مقصود ہو ایسا جانور حرام ہے

اگرچہ بسم اللہ کہکے ذبح کیا جائے۔ درمختار میں ہو ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ علیہ ولو ذبح للضیف لایحرم یعنی امیر کے آنے کے لئے یا بڑوں میں سے کسی کے آنے پر کچھ ذبح کرنا حرام ہو کیونکہ وہ ان چیزوں میں سے ہیں جو خدا کے سوا کسی اور کے لئے ذبح کیا گیا ہو اگرچہ اُسپر خدا کا نام لیا جائے اور اگر مہمان کے لئے ذبح کیا تو حرام نہیں ہو۔ اور نیشاپوری کی تفسیر میں ہو قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد یعنی علما کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذبیحہ کیا جس سے اُسکا مقصد تقرب الی غیر اللہ تھا تو وہ مرتد ہو گیا اور اُسکا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہو اور تفسیر درمنثور میں ہو اخرج ابن المنذرؒ عن ابن عباسؓ وما اھل قال ذبح واخرج ابن ابی حاتمؒ عن مجاھدؒ وما اھلّ قال ماذبح لغیر اللہ یعنی ابن منذر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہو کہ اھلّ کے معنے ذبح کے ہیں اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کی ہو کہ ما اُھِلّ کے معنے ما ذبح کے ہیں۔ پس شیخ سدو وغیرہ کا بکرا کہ اُس میں خاص غیر خدا کے لئے جان دینا اور غیر اللہ کے لئے خون بہانا مقصود ہوتا ہو حرام ہو نہ ذبیحہ فاتحہ بزرگان جس میں خون بہانا اللہ کیلئے ہوتا ہو اور ایصال ثواب مقصود ہوتا ہو۔ اور جو جانور ہنوز زندہ چھوڑ دیتے ہیں وہ ہی آیت میں داخل نہیں ہیں اور اس آیت سے اُن کی حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ وہاں ذبح نہیں ہوتا بلکہ زندہ چھوڑ دینا ہوتا ہو اور آیت وما جعل اللہ الخ کی تفصیل یہ ہو کہ کفار مکہ نے جانوروں میں اپنی رائے سے تحلیل وتحریم کر دی تھی کبھی مادہ شتر کو کان پھاڑ کے بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے اور اُسکا دودھ کسی کو نہیں دیتے تھے اور اُسکے ذبح کو حرام سمجھتے تھے اور اُسکے اکرام میں خوشنودی اصنام تصور کرتے تھے اسی کو بحیرہ کہتے ہیں اور سائبہ اُس جانور کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جائے اور اُس سے کسی قسم کی باربرداری کی محنت نہ لیجائے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کا اُنسے ابطال کر دیا اور وَمَا جَعَلَ اللّٰہُ من بحیرۃ الخ ارشاد فرمایا پس آیت سے صرف انکے احکام کا ابطال ثابت ہوتا ہو نہ تحریم ذبح بحیرہ وسائبہ۔ جب یہ امر ممہد ہو گیا تو سمجھنا چاہیئے کہ جو جانور گنگا پر چڑھائے جاتے ہیں یا بتوں کے نام پر چھوڑ دیے جاتے ہیں اُن کو

بکرے یا بکال کے ذبح کرنا نہ اسوجہ سے حرام ہے کہ وہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہیں اور نہ اسوجہ سے کہ بحیرۂ وسائبہ کا ذبح حرام ہو بلکہ اسوجہ سے کہ وہ جانور اس رہا کرنے سے ملک مالک سے خارج نہیں ہوتے ہیں پس بے مالک کی اجازت کے انکا حکم مغصوب و مسروق کا ہوگا اور اگر مالک اجازت دیدے یا اباحت عامہ کردے تو انکو بسم اللہ کہکے ذبح کرنا اور کھانا درست ہوگا اور حرکت قبیحہ اور نیت شنیعہ رہا کرنے والے سے حکم حرمت کا نہوگا ردالمحتار میں ہے۔ المختار فی الصید انہ لا یملکہ اذا لم یبحہ وکذا فی الدابۃ اذا سیبہا کما بسطہ الشرنبلالی فی شرحہ یعنے شکار کے بارے میں مختار یہ ہے کہ اسکا مالک نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ اسکے لئے مباح نہ کردیا جائے یہی حال چوپایہ کا ہے جبکہ وہ چھوڑ دیا گیا ہو جیسا کہ شرنبلالی نے اپنی شرح میں اس کی وضاحت کی ہے۔ اور زیلعی شرح کنز میں ہے ان کان مرسلا فھو مال الغیر فلا یجوز تناولہ الا باذن صاحبہ یعنی اگر جانور چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ دوسرے کا مال ہے اسکا کھانا بے مالک کی اجازت کے جائز نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی عبدالحی

سوال حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی شبیہ کا عمارت کی طرح سے اس زمانے میں حصول ثواب زیارت کی غرض سے بنانا جائز ہے یا نہیں **جواب** روضۂ مقدسہ نبویہ کی صورت یا شبیہ کا حصول ثواب کی غرض سے بنانا بدعت اور شرعاً ناجائز ہے اولاً اسوجہ سے کہ زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین میں باوجود وقوع ضرورت کے یہ صورت نہیں پائی گئی صدہا علما ان زمانوں میں زیارت قبر نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے مشتاق رہتے تھے اور بعض صحابہ مثل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارہا قبر شریف کے پاس حاضر ہوکر زیارت کا ثواب حاصل کرتے تھے باوجود اسکے ان حضرات میں کسی ایک سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے اپنے شہر یا مکان میں قبر شریف کی صورت یا نقشہ یا حجرہ شریفہ بناکے ثواب زیارت کے حاصل ہونے کا قصد کیا ہو یا اسکے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہو اور جس چیز کی ضرورت قرون ثلثہ میں ہو اور قولاً یا فعلاً اس کی طرف توجہ نہ کی گئی ہو وہ یقیناً بدعت سیئہ ہے اور کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار حدیث کے حکم کے موافق غیر مشروع ہے ثانیاً اسوجہ سے کہ کسی متبرک شئے کی شبیہ و صورت پر اس شئے سے

حصول ثواب کی طلب کا حکم دینا اور حصول ثواب کا طلب کرنا باطل ہے اور یہ سمجھنا کہ جس طرح اصل کی تعظیم و تکریم سے ہمکو ثواب ملتا ہے اُسی طرح نقل یا شبیہ کی تعظیم و تکریم سے بھی ہم کو ثواب ملے گا گمراہی ہے جیسا کہ رسالہ اسلمی میں ہے من الاوھام تقریر حکم شیٔ بشبہہ وھذا الوھم قد اضل عبدۃ الاصنام من طریق الثواب واوقعھم فی ھاویۃ الجھالۃ یعنے کسی چیز کا حکم اُس کی شبیہ سے بیان کرنا ایک وہم ہے بت پرستوں کو اسی وہم نے صحیح راستے گمراہ کرکے قعر ضلالت میں ڈالدیا۔ پس روضہ مقدسہ نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیہ کی صورت اور شبیہ کا عمارت کے طریقے سے بنانا اور اُس سے طلب حصول ثواب زیارت کرنا لغو اور باطل امر ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی **سوال** چاندی کی خلال اور سیپ کے بوتام کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** سیپ کے بوتام کا استعمال کرنا جائز اور چاندی کے خلال کا استعمال کرنا ناجائز ہے۔ رد المحتار میں ہے المحرم ھوالاستعمال فیما صنعت لہ فی متعارف الناس یعنے چاندی کا استعمال اُن چیزوں میں حرام ہے جنکے لئے وہ بنائی گئی ہے عرف عام میں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی **سوال** ایک شاعر نے اپنے اشعار میں وجودیہ اور شہودیہ کی مذمت کی جس کیوجہ سے ایک عالم نے اُس شاعر کی تکفیر کا حکم دیا کیونکہ وجودیہ اور شہودیہ یا انبیا تھے یا اولیا اور عارفوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو ان دونوں گروہوں سے خارج ہو دوسرے عالم نے اُس عالم مفتی کو خطاکار بتلایا جس نے اس شاعر کو کافر کہا تھا اور اپنے فتوے میں اس دوسرے عالم نے لکھا ہے کہ انبیا اور اولیا میں سے کوئی نہ وجودی تھا نہ شہودی بلکہ وجودیہ اور شہودیہ اہل بدعات سے ہیں۔ اب آپ کے نزدیک اس نزاع میں جو قول فیصل ہو ارقام فرمایئے **جواب** اکابر اولیاے اُمت محمدیہ دو فرقوں پر مختلف ہیں بعضے توحید وجودی کے قائل ہوے ہیں ان میں سے حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی قدس سرہٗ ہیں اور اُنھوں نے اس بحث میں رسالہ تسویہ لکھا ہے اور مُلا محمود جونپوری نے انکے رد میں رسالہ حرز الایمان لکھا ہے اور تحقیقاً انیقہ سے اپنے رسالے کو بھر دیا ہے اور اُنھیں میں سے حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی رحمہ اللہ ہیں اُنھوں نے رسالہ کلمۃ الحق لکھا ہے اور اُس میں اپنے خیال کے موافق اثبات توحید وجودی کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت کیا ہے اور اُس رسالہ کے شارح نے جابجا اُنکے

اقوال کو مخدوش لکھا ہے اور انھیں میں سے سید الطائفہ حضرت شیخ محی الدین بن عربی مؤلف
فتوحات وفصوص الحکم ہیں چنانچہ اُن کی ظاہر عبارت اسپر دلالت کرتی ہے۔ اور بعضے توحید
شہودی کے قائل ہوئے ہیں اور انھوں نے اکابر کے اقوال کو محامل صحیحہ پر محمول کیا ہے
مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ توحید شہودی ضروری ہے کیونکہ فنا کا تعلق اسی
سے ہے اور عقلا اور شرعاً مخالف نہیں ہے برخلاف توحید وجودی کے چنانچہ اقوال مشائخ کو توحید
شہودی پر محمول کرنا چاہیے اھ اس بحث کی تحقیق مکتوبات مجدد الف ثانی اور رسالہ تشحید
فی مبانی کلمۃ التوحید میں موجود ہے۔ لیکن جو کہتا ہے کہ وجودیہ اور شہودیہ اہل بدعات میں سے ہیں
اُسکا قول اعتبار کے قابل نہیں ہے اور اسکے قول کا منشا جہالت اور اولیاء اللہ کے حالات اور
توحید وجودی و شہودی کے معنے سے ناواقفیت ہے اور جس شاعر نے دونوں فرقوں کی مذمت
کی ہے وہ قابل ملامت ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** (۱) تفضیلیہ
کسے کہتے ہیں اگر کوئی شخص حضرت مرتضی علی کرم اللہ وجہہ کو دامادی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم
اور بنی ہاشم ہونے کی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے تو وہ تفضیلی ہے یا
نہیں (۲) اہل سنت وجماعت کے نزدیک شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت من کل الوجوہ
ہے یا من بعض الوجوہ (۳) اہل بیت نبوی کا مصداق کون ہے اور حضرت علی مرتضی کرم اللہ
وجہہ اسکے مصداق ہیں یا نہیں (۴) جو عوام میں مشہور ہے کہ پنجتن پاک حضور سرور عالم صلی
اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہم ہیں اسکی شرع میں
کوئی اصل ہے یا نہیں (۵) خلع خلافت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ
خلیفہ ہوے یا نہیں (۶) یزید کو خلیفہ برحق جاننے والا اور خروج امام حسین علیہ السلام کو نا
حق پر جاننے والا گنہگار ہے یا نہیں **جواب** شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تحفہ اثنا عشریہ میں
بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے دوسرے شیعہ تفضیلیہ کا فرقہ جو حضرت علی
کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل جانتے ہیں اور یہ فرقہ ادنی شاگرد عبداللہ
بن سبا کا ہے اور اسنے تھوڑا وسوسہ اُس لعین کا قبول کیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
اِس گروہ کی یوں تہدید کی تھی کہ فرمایا تھا اگر میں سنوں گا کہ کسی نے مجھے شیخین رضی اللہ

عنہا پر فضیلت دی تو اُسے افترا کی سزا دونگا جو اسّی کوڑے ہیں انتہی اور جو شخص داماد رسولؐ
وغیرہ ہونے کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیتا ہے اگر اُس کی غرض اس تفضیل
مرتضویؓ سے شیخین رضی اللہ عنہما پر کثرت ثواب ہے یا اُن فضائل کسبیہ میں کہ جس کی وجہ سے
ارباب عقول کے نزدیک تفضیل ہوتی ہے یا یہ غرض ہو کہ فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ
تمام فضائل شیخین رضی اللہ عنہما پر غالب ہے تو وہ تفضیلی ہوگا اور اگر صرف یہ مقصود ہے کہ یہ فضیلت
خاصہ شیخین رضی اللہ عنہما میں نہیں ہے اگرچہ اُنکے اور فضائل اس فضیلت سے بڑھے ہوے
ہیں تو کچھ حرج نہیں (۲) شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت باعتبار زیادتی ثواب واکرمیت
عند اللہ تعالیٰ ہے نہ باعتبار ہر جزئی کے کیونکہ فضائل جزئیہ حضرت مرتضویؓ میں بعض ایسے
ہیں جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما میں نہیں ہیں مگر شیخین رضی اللہ عنہما کی اور فضیلتیں ان
جزئیہ فضائل سے بدرجہا زائد ہیں۔ محقق دوانی حاشیہ جدیدہ شرح تجرید میں لکھتے ہیں انھم
انما اختلفوا فی الافضلیۃ من حیث کثرۃ الثواب کما ھو الشائع فی کتب العقائد اذ لا ینکر
احد من اھل السنۃ رجحان علی فی کثیر من الفضائل یعنی سوا اسکے نہیں ہے کہ افضلیت
میں اختلاف بلحاظ کثرت ثواب کے ہے جیسا کہ کتب عقائد سے ظاہر ہے کیونکہ اہل سنت وجماعت
میں سے کوئی بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیادتی فضائل کا منکر نہیں ہے۔ اور شرح مقاصد
میں ہے الکلام فی الافضلیۃ بمعنے الکرامۃ عند اللہ وکثرۃ الثواب یعنے اختلاف افضلیت
میں خدا کے نزدیک بزرگ ہونے اور کثرت ثواب میں ہے۔ اور شرح مواقف میں ہے مرجعھا
ای مرجع الافضلیۃ التی نحن بصددھا الی کثرۃ الثواب والکرامۃ عند اللہ وذلک یعود
الی الاکتساب للطاعات والاخلاص فیھا یعنی اس فضیلت کا مرجع جس میں ہم بحث کر رہے
ہیں کثرت ثواب اور خدا کے نزدیک بزرگ ہونے کی طرف اور اسکا مدار بندگی حاصل کرنے
اور اخلاص پر ہے (۳) حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی مصداق
اہل بیت نبوی میں داخل ہیں ھولاء اھل بیتی یعنی یہ میرے اہل بیت ہیں انکے حق میں وارد
ہے (۴) خاص اس شجرہ کی کوئی معتد بہ اصل نہیں ہے البتہ اگر ھولاء اہل بیتی واصحاب عبا سے
استناد کیا جائے تو ممکن ہے مگر تخصیص کی کوئی معتبر وجہ نہیں ہے کیونکہ اگر طہارت بمعنے عصمت کے

ہے تو وہ مختصات انبیاء سے ہے اور اگر مطلق ہو تو ان حضرات کے ساتھ اختصاص کی کوئی وجہ نہیں ہے (۵) وہ خلافت جس کے حق میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ یعنی خلافت میرے بعد تیس برس ہے۔ فرمایا ہے اسکا زمانہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ترک خلافت تک گزر چکا تھا بعد اسکے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اُس سے خارج ہوئی لیکن مطلق خلافت میں جس کے حق میں حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت میں بارہ خلیفہ ہونگے جو قیام بالعدل کریں گے داخل ہے۔ ابن حجر مکّی منح مکیہ شرح قصیدۂ ہمزیہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

فکان الحسن اٰخر الخلفاء الراشدین بنص جدہ صلے اللہ علیہ وسلم بقولہ فی الحدیث الصحیح الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ فمدۃ خلافتہ ھی الستۃ اشہر الباقیۃ منہا وعند مضیہا سلم الی معاویۃ فی اربعین الفا فلما ترای الجمعان علم الحسن انہ لن یغلب احد الطائفتین حتی یذہب اکثر الاخریٰ فرضی بالنزول لمعاویۃ عن الخلافۃ شفقۃ علی الامۃ بشروط قبلہا معاویۃ فنزل لہ وح صار ھو الامام الحق وقبل ذلک متغلبا لکن راجتہاد لم یکن اثما بل ماجورا یعنے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آخر خلفائے راشدین تھے کیونکہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا سے یہ حدیث صحیح مروی ہے کہ میرے بعد خلافت تیس برس ہے پس حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت وہی چھ مہینے تھی جو تیس برس میں باقی رہ گئے تھے اور جب وہ ختم ہو گئے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ چالیس ہزار آدمیوں کے گروہ کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کو گئے لیکن وہاں ہو نچکر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ دونوں گروہوں میں سے اُسوقت تک کوئی غالب نہیں آسکتا جب تک دوسرے کا اکثر حصّہ کٹ نہ جائے پس آپ اسی پر راضی ہو گئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کو چھوڑ دیں اِس سے آپ کا منشا مسلمانوں کے لئے آسانی کرنا تھا اور آپ نے چند شرطیں پیش کیں جنھیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت کو چھوڑ دیا اُسیوقت سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام برحق ہو گئے اِس کے قبل وہ غاصب تھے لیکن خطائے اجتہادی کی

بدولت بجائے گنہگار ہونے کے ماجور تھے (۶) ایسا کلمہ واہیہ جو شخص کہے گا وہ گنہگار ہوگا اور اسکو توبہ کرنا واجب ہے منح مکیہ میں ہے نقل عنہ ای ابن العربی المالکی مایقشعر منہ الجلد انہ قال لو یقتل الحسینؑ الا بسیف جدہ ای بحسب اعتقادہ الباطل ان یزید ھو الخلیفۃ والحسینؑ باغ علیہ و فیہ ایضا قول بعضہم لا یلام علی قتلہ الحسینؑ لانہم نما قتلوہ بسیف جدہ الامر بسلہ علی البغاۃ لا یعول علیہ لان یزید لم تنعقد بیعتہ عند الحسینؑ وغیرہ ممن لم یبایعوہ والمبایعون لہ مکرھون علی البیعۃ کما ھو معروف و غایۃ امر یزید انہ جابر فاسق متغلب یعنی ابن عربی مالکی رحمہ اللہ سے وہ مروی ہے جس سے روئیں کھڑے ہوتے ہیں اُنھوں نے کہا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے نانا ہی کی تلوار (یعنے اُنکے مقرر کردہ قواعد) سے قتل کیے گئے یعنی (اُن کے اعتقاد باطل کے مطابق) یزید خلیفہ تھا چونکہ امام حسین علیہ السلام نے بغاوت کی لہذا قتل کیے گئے اور اسی کتاب میں ہے بعض لوگوں نے جو کہا ہے (یزید کو قتل امام حسین علیہ السلام پر ملامت نہ کیجائے گی کیونکہ اُس نے آپ کو آپکے نانا ہی کی تلوار سے قتل کیا جس کے باغیوں پر کھینچے کا خود اُنھیں نے حکم دیا تھا) وہ قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُنلوگوں کے نزدیک جنھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی انعقاد بیعت ہوا ہی نہ تھا اور جنھوں نے یزید کی بیعت کی تھی وہ بیعت پر مجبور کیے گئے تھے جیسا کہ مشہور ہے زائد سے زائد یزید جابر فاسق اور غاصب تھا **سوال** زید کہتا ہے اہل سنت کے نزدیک وطی فی الدبر جائز ہے اور کہتا ہے کہ اسکے جواز کی روایتیں صحاح ستہ اور اُن کی معتبر تفسیروں میں آیت (نِسَاءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأْتُوا حَرْثَکُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ) کے تحت میں مذکور ہیں سیوطی نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے اخرج اسحٰق بن راھویہ فی مسندہ و تفسیرہ والبخاری وابن جریر عن نافع قال قرأت ذات یوم نساءکم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم قال ابن عمر اتدری فیما انزلت ھذہ الایۃ قلت لا قال نزلت فی اتیان النساء فی ادبارھن واخرج البخاری وابن جریر عن ابن عمر فأتوا حرثکم انی شئتم قال فی الدبر یعنی اسحٰق ابن راھویہ نے اپنی مسند تفسیر میں اور بخاری اور ابن جریر نے نافع سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں نے فأتوا الایۃ اپنی کھیتیوں کو جس طرح چاہو کام میں لاؤ پڑھی حضرت ابن عمر رضی اللہ

عنہا نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی ہے میں نے عرض کیا نہیں اُنھوں نے فرمایا کہ عورتوں کی دبر کو کام میں لانے کے متعلق اور بخاری اور ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فأتوا حرثکم الآیۃ کے معنی میں روایت کی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا یعنے اُن کی دبروں کو کام میں لاؤ اور امام مالک رحمہ اللہ اور دوسرے علما اہل سنت نے اسپر فتویٰ دیا ہے پس زید کا قول اس مسئلہ میں اس استدلال کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں **جواب** حلت وطی فی الدبر کی نسبت اگرچہ بعض علمانے اپنی تحریروں اور تصنیفوں میں امام مالک رحمہ اللہ کیجانب کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ہے قسطلانی رحمہ اللہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں روی الخطیب عن مالکؒ من طریق اسرائیل ابن روح قال سألت مالکاً عن ذلک فقال ما انتم قوم عرب هل یکون الحرث الا فی موضع زرع لا تعدوا الفرج قلت یا ابا عبد اللہؒ انهم یقولون انک تقول ذلک قال یکذبون علی فالظاهر ان اصحابہ المتاخرین اعتمدوا علی هذہ القصة ولعل مالکاً رجع عن قولہ الاول یعنے خطیب رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے بطریق اسرائیل بن روح رحمہما اللہ روایت کی ہے اُنھوں نے کہا کہ میں نے اسکے متعلق امام مالک رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ اے اہل عرب تم بھی کیا لوگ ہو کہیں کھیتی بھی کھیت کے سوا کہیں اور ہوتی ہے فرج سے تجاوز نہ کرو پھر میں نے کہا اے ابو عبد اللہ رحمہ اللہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ایسا کرنے کو فرمایا ہے اُنھوں نے کہا کہ لوگ مجھپر تہمت رکھتے ہیں پس بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکے بعد والے اصحاب نے اس قصہ پر اعتماد کیا ہے اور شاید امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ہے۔ لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت محمول ہے ایتان فرج پر دبر کی طرف سے نہ ایتان دبر پر اور جو لوگ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے کنہ سے واقف نہیں ہوے اُنھوں نے ایتان دُبر کو روایت کیا ہے۔ نسائی میں باسناد صحیح ابی النصر رحمہ اللہ سے روایت ہے قلت لنافع قد اکثر علیک القول انک تقول عن ابن عمر انہ افتی ان یوتی النساء فی ادبارهن قال کذبوا علی ولکنی سأحدثک کیف کان الامر ان ابن عمر عرض المصحف وانا عندہ یوما حتی بلغ نساءکم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم فقال یا نافع هل تدری من امر هذہ الآیة قلت لا قال انا کنا معشر قریش

نحنی للنساء فلما دخلنا المدینۃ ونکحنا نساء ھم اردنا منھن مثل ماکنا نرید فاذا ھن قد کرھن ذلک واعظمن وکانت نساء الانصار قد اخذنا بحال الیھود انما یؤتین علی جنوبھن فانزل اللہ نساءکم حرث لکم یعنی میں نے نافع رحمہ اللہ سے کہا کہ بہت سے لوگ تمھارے متعلق یہ کہتے ہیں کہ تم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عورتوں کی دُبروں کو کام میں لانے کی جواز کی روایت کی ہے اُنھوں نے کہا کہ لوگ مجھپر تہمت دھرتے ہیں میں تم سے اس کا قصہ بیان کرتا ہوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قرآن شریف پڑھ رہے تھے اور میں اُنکے پاس تھا جب وہ اس آیت پر پہونچے نساءکم الآیۃ کہنے لگے اے نافع تم اس آیت کا واقعہ جانتے ہو میں نے کہا نہیں اُنھوں نے فرمایا کہ ہم گروہ قریش کی عورتوں کو جھکایا کرتے تھے جب ہم مدینے گئے اور وہاں کی عورتوں سے نکاح کیا ہمنے اُنکے ساتھ بھی اسی طرح کرنا چاہا جس طرح ہم کیا کرتے تھے لیکن اُنھوں نے اُسے بُرا جانا انصار کی عورتیں ہمسے یہود کی طرح چاہتی تھیں کہ ہم کروٹ سے ہم بستری کریں تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور اگر بفرض محال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جواز وطی فی الدبر کے قائل ہوں تو اُنکا قول اس باب میں اہل سنت کے نزدیک معتبر نہیں ہے کیونکہ بہت سی حدیثیں جو صحاح وغیرہ میں مروی ہیں حرمت وطی فی الدبر پر اور اُسکے فاعل پر وعید شدید مثل لعنت وغیرہ کے دلالت کرتی ہیں اور جب صحابی کا قول رسولؐ کے قول کے خلاف ہو تو صحابی کے قول سے احتجاج جائز نہیں بلکہ وہ صحابی معذور رکھا جائیگا اسطرح پر کہ احادیث مرفوعہ اُسے نہیں پہونچیں اور اگر پہونچتیں تو وہ ایسا فتوے نہ دیتا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبدالحی عفی عنہ **سوال** کوتنا یعنے غلوں کا کھیت میں کاٹنے سے پہلے اندازہ کرنا حنفیوں کے نزدیک درست ہے یا نہیں (۲) اور غلہ کا یوں بانٹنا کہ زمیندار نصف سے زائد اور رعیت نصف سے کم لے مفید ملک رعیت و زمیندار ہے یا نہیں **جواب** غلہ اور پھل کا کاٹنے سے پہلے محض اجمالا دریافت کرنے اور اطمینان کے لئے اندازہ کرنا درست ہے باقی ثبوت ملک اور لزوم حکم شرعی اس اندازے پر مبنی کرنا حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے اور احادیث میں جو اندازہ وارد ہے وہ حنفیہ کے نزدیک صورت اول پر محمول ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں عینی نے لکھا ہے قال الشعبی والثوری

وابوحنیفۃ ومحمد وابویوسف الخرص مکروہ حتی قال الشعبی الخرص بدعۃ وقال الثوری خرص الثمار لایجوز وقال الماوردی احتج ابوحنیفۃ بما رواہ جابر مرفوعا نھی عن الخرص وبانہ تخمین وقد یخطی ولو جوزنا خرص الثمار فی خرص الزرع بعد جذاذھا فانہ اقرب من خرص ما علی الاشجار فلما لم یجز فی القریب لم یجز فی البعید وقال الخطابی انکر اصحاب الرای الخرص وقال بعضھم انما کان یفعل تخویفا للمزارعین لئلا یخونوا الا لیلزم الحکم لانہ تخمین وغرور او کان یجوز قبل تحریم الربوا والقمار وفیہ ایضا انھم فعلوا ذلک ای الخرص لیعلم مقدار ما فی ایدی الناس من الثمار فیوخذ مثلہ بقدرہ فی ایام الصرام لانھم یملکون شیئا یعنی شعبی۔ ثوری۔ ابوحنیفہ۔ محمد ابویوسف رحمہم اللہ نے کہا ہے اندازہ کرنا مکروہ ہے حتی کہ شعبی رحمہ اللہ نے اسے بدعت کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اندازہ کرنا ممنوع ہے اور اس امر سے کہ اس اندازہ میں بعض اوقات غلطی ہوتی ہے اور اگر ہم اندازے کو جائز کردیں تو پھلوں کے کٹ جانے اور زراعت کے کاٹ دینے کے بعد بھی اندازہ جائز ہو کیونکہ یہ درختوں کے اوپر کے پھلوں کے اندازے سے زائد قرین قیاس ہے لیکن جب قریب قیاس ہی ممنوع ہے تو بعید از قیاس بدرجہ اولٰی ناجائز ہوگا خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اصحاب رائے اندازے کو ناجائز لکھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کاشتکاروں کی خیانت کے ڈر سے کیا جاتا ہے تاکہ وہ خیانت نہ کریں نہ اسلئے کہ انپر اس اندازہ کی مقدار کا حکم لازم کردیا جائے کیونکہ یہ اندازہ اور دھوکہ بازی ہے اور ربوا اور قمار کی حرمت کے قبل یہ بھی جائز تھا اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے اُن لوگوں نے اندازہ کیا ہے تاکہ لوگونکو پھلوں کی مقدار معلوم ہوجائے اور کاٹنے کے وقت اُسکے حساب سے وصول کیا جائے اسلئے کہ وہ اُسکے مالک ہیں۔ اور غلے کی تقسیم اس طرح پر کہ زمیندار نصف سے زائد لے اور رعیت نصف سے کم بتراضی طرفین درست ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی **سوال** انگریزوں کی نوکریاں جیسے منصفی ڈپٹی کلکٹری وغیرہ کسب حرام ہیں یا نہیں اگر سب حرام نہیں تو کون کون حلال اور کون کون حرام ہیں اور خلاف شرع نوکری کرنیوالا کافر ہے یا فاسق اور بریں تقدیر ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون یعنے اور جو لوگ قرآن مجید

کے خلاف حکم کریں وہ کافر ہیں۔ کی کیا تاویل ہے جواب جس نوکری میں اجرائے احکام غیر شرعیہ واحکام ظلم کے اجرا کی پابندی نہو وہ درست ہے اور جن میں اُنکی پابندی ہو وہ حرام ہیں اور جو اُنکی اطاعت کریں اور خلاف شرع احکام جاری کریں وہ فاسق ہیں نہ کافر جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ یعنی جو لوگ قرآن شریف کے خلاف حکم کرتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ اور آیت وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ اور آیت فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ یہود وغیرہ کے حق میں ہے نہ اہل اسلام کے حق میں یا اُس سے کفر عملی مراد ہے یا اُن احکام خلاف شرع کے اچھے اور حلال جاننے والوں پر محمول ہے۔ تفسیر جامع البیان میں ہے۔ نزلت فی اھل الکتاب دون من اساء من ھذہ الامۃ ومن ترکہ عمدا واجازہ وھو یعلم فھو من الکافرین اولیس بکفر ینقل عن الملۃ ولکن کفر دون کفر یعنی یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے اس اُمت کے گنہگاروں کے متعلق نہیں یا یہ مطلب ہے کہ اس اُمت کے جو لوگ عمداً حکم خدا کو چھوڑ دیں یا اُسکے خلاف کی اجازت دیں اور وہ حکم کو جانتے ہوں تو کافر ہیں یا اس کفر سے مراد ایسا کفر ہے جس سے آدمی دین سے خارج نہیں ہوتا بلکہ کفر میں مراتب ہیں بعض بعض سے گھٹ کر ہیں۔ اور رسالہ احکام الاراضی میں ہے من یطعھم غیر ضرورۃ فھو علی صحۃ الاسلام وان کانت اطاعتھم لا عن ضرورۃ فکذلک لکنھم فساق یعنے جو لوگ بضرورت ایسوں کی اطاعت کریں اُنکا اسلام صحیح ہے اور اگر بلا ضرورت ہو تب بھی اُنکا اسلام صحیح ہے لیکن وہ لوگ فاسق ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبد الحی **سوال** زید کہتا ہے کہ کسی بدعتی اور مشرک اور کافر کا ذبیحہ حلال نہیں ہے سوائے موحد باللہ اور متبع سنت رسول اللہ کے اور عمرو کہتا ہے کہ مجھے اس امر کی تصدیق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ عَلَيْهِ یعنی اسکو کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور اُسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس آیت میں محض اللہ کے نام کی قید ہے نہ کافر یا مشرک یا بدعتی کی اور حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ان قوما حدیثوا عھدا بجاھلیۃ یأتوننا بلحمان لاندری ذکروا اسم اللہ علیھا ام لم یذکروا

انا کل منھا فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سموا اللہ وکلوا یعنے ایک قوم نے پوچھا کہ عہد جاہلیت کے مطابق ہمارے پاس لوگ گوشت لاتے ہیں جس کے متعلق ہمکو یہ نہیں معلوم کہ اُنھوں نے اُسپر خدا کا نام لیا ہی یا نہیں ہم اُسے کھائیں یا نہ کھائیں پس حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا نام لو اور کھاؤ پس میرے نزدیک آیت کے عام ہونے کیوجہ سے اور حدیث مذکور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق اور علماے محققین مثل علامہ شوکانی وغیرہ کی تحقیق کے موافق اسکی حرمت معلوم نہیں پس مشرک ہو یا بدعتی یا کافر جب اُسپر اللہ کا نام لے گا تو میں اُسے کھاؤں گا پس دونوں کے درمیان میں آپ کے نزدیک قول فیصل کیا ہی تاکہ نزاع باہمی دور ہو اور آپ اجر پائیں **جواب** عمرو کا قول قابل اعتبار نہیں ہی۔ اللہ تعالےٰ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہی وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم یعنے اہل کتاب کا کھانا تمھارے لئے حلال ہی۔ اور یہاں بالاتفاق طعام سے ذبیحہ مراد ہی پس اگر ہر شخص کا ذبیحہ حلال ہوتا حتیٰ کہ مشرکین کا بھی تو اہل کتاب کے تخصیص کی کوئی وجہ نہ تھی اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ اور ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وغیرہ میں صرف شرط حلت ذبیحہ کے وقت ذبح کی بیان ہی اور اُن سے فقط اسیقدر مقصود ہی کہ بے بسم اللہ کے ذبیحہ حلال نہیں اور ذابح کا عموم وخصوص اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا ہی اور اگر ایسا ہی ان آیات کے اطلاق سے استنا دلیا جائے تو باب اطلاق مذبوح میں اسپر عمل کرنا پڑیگا کیونکہ ان آیتوں میں مذبوح کو خاص نہیں کیا بلکہ جس پر اسم اللہ کا ذکر ہو اُسپر حلت کا حکم ہو پس لازم آتا ہی کہ اگر کوئی شخص کتا یا سُور یا اور کوئی جانور جسکا گوشت حلال نہیں ہی بسم اللہ کہہ کے ذبح کرے تو اُسکا کھانا درست ہو جائے اس تقریر سے کہ اللہ نے ان آیتوں میں صرف اسم اللہ کی قید لگائی ہی نہ کسی خاص ذبیحہ کی حالانکہ اسکا کوئی مسلمان قائل نہیں ہی الحاصل ان آیتوں میں فقط ذبح کی کیفیت کا اور ذبح کے وقت شرط حلت کا بیان ہی ذابح اور مذبوح کے اطلاق وتخصیص سے ان میں کچھ غرض نہیں ہی پس جس طرح مذبوح کی تخصیص دوسرے آیات واحادیث سے ثابت ہوئی اسی طرح سے ذابح کی تخصیص بھی اور جگہ سے ثابت ہوئی ایک تو آیت سابقہ دوسرے وہ حدیث جو مصنف عبدالرزاق رحمہ اللہ میں مروی ہی کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے آتش پرست کے حق میں فرمایا ہی من اسلم

منھم قبل ومن لم یسلم ضربت علیہ الجزیۃ غیر ناکحی نسائہم ولا اٰکلی ذبائحہم یعنی جو انہیں
سے اسلام لائیگا اُسکا اسلام مقبول ہوگا اور جو اسلام نہ لائیگا اُس سے جزیہ لیا جائیگا مگر
اُن کی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائیگا اور اُنکا ذبیحہ نہ کھایا جائیگا۔ اسی طرح اور احادیث و
آثار صحابہ بھی اِس باب میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سوا اہل کتاب کے کسی کافر
کا ذبیحہ درست نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اسپر دلالت نہیں
کرتی ہے کہ ذبیحہ ہر فرد مسلم کا حلال ہے کیونکہ اُس حدیث میں اُن لوگوں کے ذبیحہ سے سوال کیا
گیا ہے جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور جاہلیت کی رسموں میں پھنسے ہوئے تھے نہ ذبیحہ کافر سے اور
علامہ شوکانی رحمہ اللہ جنکا انتقال ۱۲۰۵ھ یا ۱۲۵۵ھ میں ہوا ہے گو علم ادب میں اُنکی تحقیق اچھی ہے مگر
اُنکا اجتہاد اور فتوے ائمہ اربعہ اور مجتہدین سابقین رحمہم اللہ کا اجتہاد اور فتوے کے مقابلہ میں اعتبار
کے قابل نہیں ہے اور اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ بلکہ اکثر مجتہدین یہی تحقیق کر گئے ہیں کہ مسلمان
اور کتابی کے سوا کسیکا ذبیحہ حلال نہیں ہے پس اب شوکانی رحمہ اللہ جو اس صدی کے علما میں
سے تھے اگر اُسکے خلاف لکھیں تو اُنکے لکھنے کا اعتبار نہ کیا جائیگا حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی
عفی عنہ **سوال** اولاً احادیث صحیح میں وارد ہے کہ جب باہم دو مسلمان ملاقات کریں تو
اُنہیں مصافحہ کرنا حقوق اسلام کے موافق کرنا چاہیئے پس جو مسلمان اس سنت کو نہ ادا کریں
وہ تارک سنت کہے جائیں گے یا نہیں۔ ثانیاً جمعہ کی نماز کے بعد جو نمازی باہم مصافحہ کرتے
ہیں یہ سنت کا طریقہ ہے یا نہیں بعض کتب مثل شرح مشکوٰۃ مصنفہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی
رحمہ اللہ اور غایۃ الاوطار شرح درمختار میں امر ثانی کو بدعت لکھا ہے اور بعض لوگ جو شئی اول کے
مصداق ہیں وہ اسکو سنت بتاتے ہیں پس دونوں قولوں میں صحیح کون قول ہے ثالثاً جمعہ کی
نماز کا وقت دوپہر گزرنے کے بعد کتنے منٹ پر آتا ہے اور کب تک باقی رہتا ہے جسمیں نماز جمعہ
ادا کیجائے اور تنگ وقت نہ گنا جائے **جواب** ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا امر متوارث
اور سنت قدیمہ سے ہے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا یہ مستمرہ طریقہ تھا اسکو چھوڑنیوالا سنت
کو چھوڑنیوالا ہے بیہقی نے شعب الایمان میں اور طبرانی وغیرہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت
کی ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ

واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایاھما کما تناثر ورق الشجر یعنے مسلمان جب مسلمان سے ملتا ہے اور اُسے سلام کرتا ہے اور اُسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ جھڑجاتے ہیں جس طرح درختوں کے پتے جھڑجاتے ہیں۔ اور سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی وغیرہ میں مرفوعا مروی ہے مامن مسلمین یلقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یفترقا یعنی جو دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ انکو جدا ہونے سے پہلے بخشدیتا ہے۔ اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مالقیتہ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الا صافحنی یعنے میں جب کبھی حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا سے ملا آپنے مجھسے مصافحہ کیا۔ اور ترمذی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من تمام التحیۃ الاخذ بالید یعنی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مصافحہ کرنا بھی سلام اور آداب کا ایک جزہے۔ اور صحیح بخاری میں بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قلت لانس رضی اللہ عنہ کان المصافحۃ فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم یعنے میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مصافحہ تھا اُنھوں نے کہا ہاں۔ اور نماز جمعہ یا فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنیکو بعض فقہانے بدعت مباحہ لکھا ہے اور بعضوں نے بدعت مکروہہ لکھا ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ سلف صالح کے طریقے کے خلاف ہے لہذا اسکو چھوڑنا اور طریقہ مسنونہ کو اختیار کرنا لازم ہے۔ ردالمحتار میں ہے قد یقال ان المواظبۃ علیہا بعد الصلوٰۃ خاصۃ قد یودی الی اعتقاد سنیتہا فی خصوص ھذہ المواضع وان لہا خصوصیۃ زائدۃ علے غیرھا مع ان ظاھر کلامھم انہ لم یفعلھا احد من السلف فی ھذہ المواضع ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ ماصافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانہا من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر من الشافعیۃ انہا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لہا فی الشرع ثم نقل عن ابن الحاج من المالکیۃ ان موضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء اخیہ المسلم لا فی ادبار الصلوات یعنے نماز کے بعد اسپر دوام کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے خاص اِن مواقع پر سنت ہونے کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے

اور یہ خیال ہوتا ہے کہ مصافحہ کو ان اوقات کے ساتھ ایک خاص خصوصیت ہے جو دوسرے اوقات کے ساتھ نہیں ہے حالانکہ سلف میں سے کسی نے اسکو ان مواقع کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے تبیین محارم میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد ہر حالت میں مصافحہ مکروہ ہے کیونکہ صحابہ نے کبھی نماز پڑھکر مصافحہ نہیں کیا ہے اور اسلئے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے ابن حجر شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ بدعت اور مکروہ ہے شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن حاج مالکی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ شرعاً مصافحہ مسلمان بھائی سے ملتے وقت کرنا چاہیے نہ نماز کے ختم ہونے پر۔ اور نماز جمعہ کا وقت عین ظہر کی نماز کا وقت ہے جو زوال آفتاب کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور تا وقت عصر باقی رہتا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبد الحی عفی عنہ

سوال بعض لوگ ایک پختہ احاطہ بنوا کے اُس میں ایک چبوترہ نصب کرتے ہیں اور اسے حضرت محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کیجانب منسوب کرتے ہیں اور اُس چبوترہ پر غلاف چڑھاتے ہیں اور چراغاں روشن کرتے ہیں اور ریوڑی وغیرہ چڑھاتے ہیں اور فاتحہ کرتے ہیں یہ امور درست ہیں یا نہیں **جواب** ایسے امور کا مرتکب مبتدع ہے اور ایسے افعال کی ایجاد بدعت اور ضلالت ہے واللہ اعلم حررہ عبد الحی

سوال جو شراب کہ مطلقاً نشہ آور نہیں ہے اُسکا کیا حکم ہے **جواب** جو شراب کہ مطلقاً نشہ آور نہیں نہ اسکا قلیل اور نہ کثیر وہ حلال ہے اور جسکا کثیر مسکر ہے جیسے سیندھی اور تاڑی اسکا ایک قطرہ بھی بمذہب مفتی بہ حرام ہے۔ حدیث میں ہے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنی جس کا کثیر مسکر ہو اسکا قلیل بھی حرام ہے جیساکہ درمختار اور اُسکے حواشی میں ہے واللہ اعلم حررہ عبد الحی

سوال چند ایسے مسلمان جنکے والدین بھی مسلمان ہیں جمع ہوئے اور کچھ روپیہ باہم چندہ سے جمع کرکے سؤر اور شراب ع ل نی اور بھوانی کا پوجا کیا اور وہ سور مارکے اور شراب بھوانی پر چڑھائی اس غرض سے کہ بھوانی مذکور جسکو کالی اور دیبی بھی کہتے ہیں ہیضہ کی بیماری سے نجات دے اور محفوظ رکھے جب یہ کیفیت دیندار مسلمانوں کو معلوم ہوئی اور ایسے فعل کے وقوع کا پورا یقین ہوگیا تو مسلمانوں نے پوجے میں شریک ہونے والوں کا حقہ پانی بند کر دیا تاکہ پھر کوئی مسلمان پوجا نہ کرے اور ایسی گمراہی میں نہ پڑے لیکن ایک شخص نے دیندار مسلمانوں کے خلاف دیدہ و دانستہ اُن لوگوں کو اپنا حقہ

دبدیا اور دیندار مسلمانوں کو حقہ ترک کرنے کی وجہ سے کلمات سخت کہے اور جوتیاں مارنے کو کہا انتظام اہل اسلام خراب کیا اس صورت میں پوجا کا چندہ دینے والے اور پوجا کرنیوالے مرتد اور کافر ہوئے یا نہیں۔ اس حقہ دینے والے کے لئے کیا حکم ہی اور پوجا کرنے والے اگر مرتد اور کافر ہوگئے تو اُن کی توبہ عند الشرع مقبول ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو کیونکر توبہ کریں اور انکی عورتیں نکاحوں سے باہر ہوگئیں یا نہیں **جواب** اس صورت میں پوجا کرنیوالے کافر ہوگئے اور اُنکی عورتیں اُنکے نکاحوں سے باہر ہوگئیں اہل اسلام کو اُن کی شرکت نہ کرنا چاہیئے تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کریں اور جو اُنکا شریک ہو اُسکو بھی برادری سے خارج کردینا چاہیئے جبتک کہ وہ اس شرکت سے توبہ نہ کرے اور پوجا کرنے والوں کو لازم ہی کہ پھر اسلام لائیں اور کلمہ پڑھیں اور توبہ اور استغفار کریں اسلام لانے کے بعد اپنی اپنی عورتوں سے نکاح کریں اسلام لانے اور توبہ کرنے کے بعد اہل برادری کو لازم ہی کہ انھیں برادری میں شریک کریں واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ

سوال (۱) مُلّا علی قاری رحمہ اللہ کی کتاب اوزجندی میں یہ روایت ہی فلما کان الیوم الثالث عن وفاۃ ابراھیمؑ بن محمد صلے اللہ علیہ وسلم جاء ابوذرؓ عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم معہ تمرۃ یابسۃ ولبن الناقۃ وخبز الشعیر فوضعہا عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقرأ النبی علیہ الصلوۃ والسلام الفاتحۃ مرۃ وسورۃ الاخلاص ثلث مرات وقرأ اللھم صل علی محمد انت لہا اھل وھو لہا اھل فرفع یدیہ ومسح وجہہ فامر ابا ذرؓ ان یقسمہا وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثواب ھذہ الاطعمۃ لابنی ابراھیمؑ یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراھیم کی وفات کے تیسرے دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کی خدمت میں سوکھے چھوہارے اور اُونٹنی کا دودھ اور جَو کی روٹی لیکر آئے اور آپ کے سامنے رکھدیں آپ نے سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھکر اللھم صل الخ اے اللہ تو محمد پر صلوۃ بھیج جسکا تو اور وہ اہل ہی پڑھا پھر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور منھ پر پھیر لئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے بانٹ دو اور فرمایا کہ ان کھانوں کا ثواب میرے بیٹے ابراہیم کو پہونچے گا صحت نام کتاب اور روایت کی اس میں ہی یا نہیں یا اور کسی کتاب میں ہے۔

(۲) عبارت مندرجہ ذیل فتاوی مجمع البرکات یا مطالب المومنین میں ہے یا نہیں اگر نہیں تو اور کسی کتاب میں ہے ویقوم عند وجہ المیت ویضع یدہ الیمنیٰ علی تربتہ ویقول اللھم اغفرلہ فانہ قد افتقر الیک وان کان قبر عبد صالح ویمکنہ ان یطوف حولہ فعل ذلک ثلث مرات یعنے مردے کے منھ کے پاس کھڑا ہو اور اپنا داہنا ہاتھ اُسکی قبر پر رکھے اور کہے اللھم الخ (اے اللہ اسے بخشدے کیونکہ یہ تیرے جانب محتاج ہے) اور اگر نیک شخص کی قبر ہو اور اُسکے گرد طواف ممکن ہو تو تین مرتبہ طواف کرے (۳) حدیث مندرجہ ذیل کس کتاب کے کس باب میں ہے ان رجلا جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبۃ الجنۃ والحور العین فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تقبل رجل الام ووجہ الاب فقال یا رسول اللہ لو لم یکن لی ابوان فقال قبل قبرھما قال فان لم اعرف قبرھما قال خط خطین احدھما قبر الام والاخر قبر الاب فقبلھما فلا تحنث فی یمینک یعنی ایک شخص نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے جنت کی چوکھٹ اور حور عین کے چھونے کی قسم کھائی ہے آپ نے ماں کے پاؤں اور باپ کا منھ چومنے کی ہدایت کی اُسنے پوچھا اگر میرے ماں باپ زندہ نہوں آپ نے فرمایا اُن کی قبر کو چومو اُسنے پوچھا اگر مجھے قبر بھی نہ معلوم ہو آپنے فرمایا دو خط بناؤ ایک ماں کی قبر کا دوسرا باپ کی قبر کا اور اُن دونوں کو چومو تمھاری قسم پوری ہوجائیگی (۴) تسویہ روایت حضور روحی فداہ میں سنا ہے کہ روشنی اور تاریکی پیش اور پس قریب اور بعید سب برابر ہیں یہ صحیح ہے یا غلط اگر صحیح ہے تو اُمیدوار ہوں کہ حدیث کی عبارت مع نام کتاب و باب و فصل ارقام فرمایا جائے (۵) سنا ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے گرد طواف کیا یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں اور سنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا طواف کیا ہے یہ روایت صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو کس کتاب کے کس باب یا فصل میں ہے **جواب** (۱) نہ کتاب اوز جندی ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تصنیف ہے نہ روایت مذکور صحیح اور معتبر ہے بلکہ یہ روایت موضوع اور باطل ہے اسپر اعتماد نہ کرنا چاہیئے (۲) عبارت مذکورہ مجمع البرکات میں ہے لیکن یہ عبارت کتب معتبرہ کے مخالف ہے۔ ملا علی قاری مکی رحمہ اللہ

شرح عین العلم میں لکھتے ہیں ولا یمس ای القبر ولا التابوت ولا الجدار فورد النہی عن مثل ذلک بقبر النبی علیہ السلام فکیف بقبور سائر الانام ولا یقبل فانہ زیادۃ علی المس فھو اولی بالنہی فالتقبیل مختص بالحجر الاسود وبایدی الانبیاء والعلماء والصلحاء یعنی نہ چھوئے قبر اور تابوت اور دیوار کو پس جب حضور روحی فداہ کی قبر کے ساتھ ایسا کرنے کی ممانعت ہے تو تمام لوگوں کی قبر کا حکم تو ظاہر ہے اور چومے بھی نہیں کیونکہ یہ چھونے سے بھی زائد ہے لہذا وہ اس سے زائد مستحق ممانعت ہے پس بوسہ دینا حجر اسود اور نبیوں اور نیکوں کے ہاتھوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور بھی ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح باب المناسک میں لکھا ہے ولا یطوف حول البقعۃ الشریفۃ فان الطواف من مختصات الکعبۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء یعنی مقام مبارک کے گرد طواف نہ کرے کیونکہ طواف کعبہ کی خصوصیات سے ہے لہذا انبیا اور اولیاء کی قبروں کے گرد طواف کرنا حرام ہوگا۔ اور نور الایمان زیارۃ آثار حبیب الرحمٰن میں ہے وما فی مجمع البرکات ویمکنہ ان یطوف حولہ فعل ذلک ثلث مرات فلا یعبأ بہ اور یہ جو مجمع البرکات میں ہے کہ اگر قبر کے گرد طواف کر سکتا ہو تو تین مرتبہ طواف کرے قابل اعتبار نہیں ہے (۳) کتب معتبرہ حدیث میں اس روایت کا نشان پایا نہیں جاتا البتہ صاحب مطالب المومنین نے کفایہ شعبی سے نقل کیا ہے لیکن یہ دونوں کتابیں کتب غیر معتبرہ میں سے ہیں اور روایات حدیث کے باب میں محدثین کی تصریحات پر اعتماد کیا جاتا ہے نہ فقہائے غیر معتبرین کے نقل پر شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ مدارج النبوۃ میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے بعض فقہا نے قبر کا بوسہ دینے کی روایت نقل کی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ قبر کا بوسہ دینا جائز نہیں ہے (۴)، بیشک حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا میں یہ صفت موجود تھی مگر نہ دائما بلکہ بعض اوقات خاص میں۔ فارسی شرح دلائل الخیرات میں لکھتے ہیں قد ثبت رؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم من خلفہ فی حدیث ابی ھریرۃ وانس عند الشیخین وعند عبد الرزاق فی جامعہ وعند الحاکم عن ابی ھریرۃ یعنی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ اپنے پیچھے کے شخص کو بھی دیکھتے تھے شیخین رضی اللہ عنہما کے نزدیک اور عبد الرزاق کے نزدیک اُن کی جامع میں اور حاکم کے نزدیک ابوہریرہ رضی اللہ

عنہ سے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کان یری من وراء ظہرہ کما یری من قدامہ ہو فی الصحیحین وغیرہما من حدیث انس وغیرہ والاحادیث الواردۃ فی ذلک مقیدۃ بحال الصلوۃ وبذلک یجمع بین هذا وبین قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اعلم ما وراء جداری هذا یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے یہ صحیحین وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے اور وہ حدیثیں جو اس بارے میں مروی ہیں نماز کی حالت کے ساتھ مخصوص ہیں اور اسی طرح اس حدیث اور حدیث لا اعلم الخ (میں اپنی اس دیوار کے پیچھے کا حال نہیں جانتا) میں تطابق کیا گیا ہے (۵) یہ قصہ موضوع اور باطل ہے کتب معتبرہ میں کہیں اس کا نشان پایا نہیں جاتا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** تاڑی کی تاڑی فی نفسہ نشہ دار ہے مگر تھوڑی پینے سے نشہ نہیں ہوتا صرف منھ میں بو آتی ہے پس تاڑی پینے کے بعد جب تک نشہ نہو اسوقت تک کلی یا وضو کر کے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور مسجد میں مسلمانوں کی صف میں جن کو اس کی بو بری معلوم ہوتی ہے جانا درست ہے یا نہیں اور اگر بمضمون آیہ کریمہ لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ یعنی نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نجاؤ۔ عدم جواز نماز کیواسطے نشہ ہونا شرط ہے تو کس درجہ تک نشہ مشروط ہے اور تاڑی اور خمر کے حکم حرمت ونجاست وحدود وغیر ذلک میں کچھ فرق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا **جواب** عدم جواز نماز کی حد حالت سکر میں خود قرآن شریف میں موجود ہے لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون یعنے تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نجاؤ تا وقتیکہ تمکو یہ نہ معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ پس جب تک نشہ کی ایسی کیفیت ہو کہ انسان اسکے سبب سے یہ نہ سمجھتا ہو کہ میں کیا پڑھتا ہوں اور میری زبان سے کیا نکلتا ہے اسوقت تک نماز نہ ادا کرے اور تاڑی پینے کے بعد جبتک نشہ نہو اسوقت تک کلی کر کے نماز پڑھنا درست ہے لیکن تاڑی پی کے مسجد میں جانا گو نشہ نہو ممنوع ہے اور ایسے شخص کو مسجد سے نکلوا دینا درست ہے۔ وسیلۂ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے قال الفقہاء کل من وجد فیہ رائحۃ کریہۃ یتاذی بہ الانسان یلزم اخراجہ ولو بجبر من یدہ او رجلیہ دون لحیتہ وشعر رأسہ یعنی فقہا کہتے ہیں جس کے پاس

ایسی بدبو ہو جس سے لوگوں کو اذیت پہونچے اُسکا نکالدینا ضروری ہے اگرچہ ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر ہو نہ کہ داڑھی اور سر کے بال۔ اور عینی شرح صحیح بخاری میں ہے ما وقع فی الاحادیث من تخصیص النہی عن دخول المسجد بالثوم والبصل من جہۃ کلہما فی ذلک الزمان والا ففی حکمہما کل شئی لہ رائحۃ کریہۃ من الماکولات وغیرہا لان الحدیث معلل باذاء المومنین والملائکۃ یعنے احادیث میں جو پیاز اور لہسن کی بو کے ساتھ مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت کی تخصیص ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اُس زمانے میں تھے ورنہ ماکولات وغیر ماکولات تمام طرح کی بدبودار اشیا کا حکم یہی ہے کیونکہ اس حدیث کی علت ملائکہ اور انسانوں کی اذیت بیان کی گئی ہے۔ اور یہی فتح الباری شرح صحیح بخاری اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی شرح موطا وغیرہ میں ہے اور تاڑی تھوڑی ہو یا بہت نشہ کرے یا نہ کرے مطلقاً اُسکا پینا حرام ہے کیونکہ جس چیز کا کثیر مسکر ہے اُسکا قلیل بھی حرام ہے اور تاڑی نجس بھی ہے۔ عینی کی شرح کنز میں ہے قال محمد وایمۃ ثلثۃ کل ما اسکر کثیرہ وقلیلہ حرام من ای نوع کان لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر وکل مسکر حرام رواہ مسلم من روایۃ ابن عمرؓ وعن ابن عمرؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمدؒ وابن ماجۃ والدارقطنیؒ والفتوی علی قول محمدؒ یعنی امام محمدؒ اور ایمہ ثلثہ رحمہم اللہ نے کہا ہے جس چیز کا کثیر حرام ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اگرچہ کیسا ہی ہو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کے موافق ہر نشے والی چیز خمر ہے اور ہر نشے والی چیز حرام ہے اسکو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ حضور رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے جس چیز کا کثیر حرام ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اسکو احمدؒ اور ابن ماجہ اور دارقطنیؒ نے روایت کیا ہے اور فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ اور ہدایہ میں ہے نجاستہا ای ما تر الاشربۃ خفیفۃ فی روایۃ وغلیظۃ فی روایۃ ونجاسۃ الخمر غلیظۃ فی روایۃ واحدۃ یعنے ایک روایت میں ہے کہ تمام پینے والی چیزوں میں نجاست خفیفہ ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ نجاست غلیظہ ہے مگر شراب میں سب کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے **سوال** انگوٹھے چومنا جو فی زمانا رائج ہے یہ جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو واجب سنت مستحب مباح کیا ہے اور اس کی عقلی اور نقلی دلیلیں

کتب معتبرہ میں کیا ہیں اور اگر جائز نہیں ہے تو حرام ہے یا مکروہ اگر مکروہ ہے تو مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی اور اس انگوٹھے چومنے کو جو لوگ احادیث سے ثابت کرتے ہیں اُن حدیثوں کا کیا جواب ہے وہ حدیثیں موضوع ہیں یا ضعیف بالتفصیل تحریر فرمائیے **جواب** انگوٹھے چومنے کو بعض کتب فقہ جیسے کنز العباد خزانۃ الروایات جامع الرموز فتاوائے صوفیہ وغیرہ میں مستحب لکھا ہے نہ واجب اور سنت مگر اکثر کتب معتبرہ متداولہ میں اسکا کہیں پتہ نہیں ہے اور جن کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے وہ غیر معتبر ہیں جیسے جامع الرموز فتاوی صوفیہ کنز العباد وغیرہ کیونکہ ان کتب میں رطب و یابس بے تحقیق کے جمع کردیا ہے میں نے النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر میں اس کی تفصیل لکھی ہے اور جو حدیثیں اس باب میں فقہاء سے نقل کی جاتی ہیں وہ محدثین کی تحقیق کے موافق صحیح نہیں ہیں۔ شوکانی رحمہ اللہ فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوعہ میں لکھتے ہیں حدیث مسح العینین بباطن اعلی السبابتین عند قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ الخ رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی بکر الصدیق مرفوعا قال ابن طاھر فی التذکرۃ لا یصح انتھی وفیہ ایضا حدیث من قال حین یسمع اشھد ان محمدا رسول اللہ مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ ثم تقبل بھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یعم ولم یرمد ابدا قال فی التذکرۃ لا یصح یعنے مؤذن کے محمد رسول اللہ کہتے وقت دونوں انگوٹھوں کے اوپر کے حصے کو آنکھوں سے لگانے کی حدیث دیلمیؒ نے مسند الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے ابن طاہر رحمہ اللہ نے تذکرہ میں کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے انتھی اور اسی کتاب میں ہے اشھد ان محمدا رسول اللہ سنتے وقت جس نے کہا مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ پھر اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوما اور انکو اپنے آنکھوں پر رکھا تو وہ کبھی بیمار نہو گا اور اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی تذکرہ میں ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ مقاصد الحسنہ فی الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنہ میں چند روایتیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں لا یصح من المرفوع من کل ھذا شئ یعنی ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے بھی تذکرۃ الموضوعات میں ایسا ہی لکھا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبدالحی عفی عنہ۔

سوال دریائی جانوروں میں سے کون کھائے جاتے ہیں اور کون نہیں کھائے جاتے اور مچھلی کی علامت کیا ہے اور مارماہی بھی مچھلی ہے یا نہیں اور جریث یعنی بام مچھلی کی صورت کیا ہے اور کوسج جس کی سونڈ آرہ کی سی ہوتی ہے اور قرش جس سے دریائی جانور بھاگتے ہیں اور گول جس کی دم کوڑے کی سی ہوتی ہے اور دم کے کنارے پر ایک کانٹا ہوتا ہے جسے لحم وغیرہ کہتے ہیں یہ سب مچھلی ہیں یا نہیں **جواب** فتاوے قاضیخاں میں ہے ولا یؤکل مافی البحر سوی السمک وطیر الماء عندنا وقال الشافعی رحمہ اللہ لا باس باکل مافی البحر وله فی الضفادع قولان یعنے ہمارے نزدیک مچھلی اور دریائی پرندوں کے سوا کوئی دریائی جانور نہ کھایا جائے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے کسی کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مینڈھک کے متعلق دو قول ہیں۔ اور مچھلی کی کوئی علامت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزری مگر مچھلی کے دیکھنے سے تین علامتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) سفنے (۲) اسکے گلپھڑون کا کھلا رہنا (۳) کانٹوں دار بازو جن کے بیچ میں پردے ہوں اور ایسی ہی دم۔ لیکن ہر مچھلی میں یہ سب علامتیں نہیں پائی جاتیں میں نے مچھلیوں کو دیکھا تو بعضوں میں یہ تینوں اور بعضوں میں دو ایک علامتیں پائی جاتی ہیں اسکے بعد میری نظر سے غنی فصیح الدین کا رسالہ احکام الحیوان گزرا جسمیں وہ بزبان فارسی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مچھلی کی علامت یہ ہے کہ اسکے زبان نہو اور مشہور یہ ہے کہ سفنے اور حلقوم کے دونوں جانب شگاف رکھتی ہو اور پانی سے باہر آکر تڑپنے لگے یہانتک کہ مرجائے اور جریث یعنے بام مچھلی اور مارماہی دونوں مچھلیاں ہیں۔ جیساکہ قاضیخاں میں ہے لا باس بسائر انواع السمک نحو الجریث والمارماھی یعنے مچھلیوں کے تمام اقسام کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے جیسے جریث اور مارماہی۔ اور جریث سیاہ مچھلی کو کہتے ہیں جیساکہ اسکی تصریح درمختار میں ہے اور صاحب ردالمحتار نے لکھا ہے ھو نوع من السمک مدور کالراس یعنے جریث مچھلی کی ایک قسم ہے جو سر کی طرح گول ہوتی ہے۔ اسکا منھ چھوٹا ہوتا ہے اور دم بہت ہی چھوٹی ہوتی ہے اور جوڑان میں بیچ سے کنگر دو ٹکڑے ہوجاتی ہے اردو میں اسے کردی ترکی کہتے ہیں جیساکہ مولوی غلام قادر صاحب نے اپنے فتوے میں لکھا ہے اور مچھلی کی مذکورہ بالا دونوں قسموں میں بھی چھوٹے چھوٹے سفنے ہوتے ہیں

جو بمشکل دیکھے جاتے ہیں میں نے خود اسکا مشاہدہ کیا ہے۔ درمختار میں ہے وافردھما بالذکر للخفاء یعنے ان دونوں کا ذکر الگ اسوجہ سے کیا کہ یہ خفی تھیں۔ ردالمحتار میں ہے الخفاء فی کونھما من جنس السمک یعنی پوشیدگی ان دونوں کی مچھلیوں کی قسم سے ہونے میں ہے پس معلوم ہوا کہ جریث کے سوا اور گول جانور مچھلی کی جنس سے نہیں ہیں چنانچہ انکا اسکو الگ کرکے ذکر کرنا اسکو بتلاتا ہے دوسرے اس لئے کہ جریث ہر گول جانور کو نہیں کہتے ہیں بلکہ وہ گول جانور کی ایک خاص قسم ہے اسیطرح کوسج اور قرش بھی مچھلیاں نہیں کیونکہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مختلف فیہ ہیں حالانکہ وہ تمام بحری جانوروں کے کھانے کو جائز لکھتے ہیں پھر وہ ہمارے نزدیک کس طرح جائز ہوسکتے ہیں اور اسلئے کہ ان میں مچھلیوں کی مندرجۂ بالا علامتوں میں سے کوئی علامت بھی نہیں پائی جاتی مفتی فصیح الدین اپنے رسالۂ احکام الحیوان میں لکھتے ہیں قرش ایک بڑا جانور ہے اسکو سید الدواب کہتے ہیں اور قریش لقب اسی سے ماخوذ ہے اور سواحل بلاد مغربا میں اسکو اشرار موری کہتے ہیں وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے اور آئمۂ ثلاثہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال اور محمود شاہ رحمہ اللہ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں السمک مالہ شق وشوك مچھلی وہ ہے جسکے اندر شگاف اور کانٹے ہوں۔ اور اسی میں ہے والسمک مالہ فلوس وما یبیض فی الماء ومالہ شقاق ویکون مولدہ ومعایشہ فی الماء ولیس لہ لسان اصلاً یعنی مچھلی وہ ہے جسکے سفنے ہوں اور جو پانی میں سفید دکھائی دے اور جسمیں شگاف ہوں اور اس کی پیدائش اور زندگی پانی میں ہو اور جسکے زبان نہو اہتی اس سے معلوم ہوا کہ مچھلی کی مشہور علامت سفنے ہیں اسی لئے جریث اور مارماہی کو مچھلی کہتے ہیں حالانکہ دونوں بچے دیتی ہیں اور سفید نہیں ہوتی ہیں اور نہ ان میں شگاف ہوتا ہے برخلاف قرش و کوسج کے کہ انکے سفنے نہیں ہوتے اور نہ ان میں شگاف ہوتا ہے اور نہ ان میں کانٹے ہوتے ہیں اور یہ انسان کے جسم کو تیز تلوار کی طرح کاٹ دیتے ہیں واللہ اعلم کتبہ افقر العباد الی اللہ شیخ یوسف بن قادر احمد عفی عنہما وعن اسلافہما۔ صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** ایک شخص ان صحابی کو جو اسلام لانے سے پہلے نصرانی تھے اسلام لانے کے بعد بھی براہ طعن نصرانی کہتا ہے اور انسے جو روایت

اُسکے قبول کرنے میں یہ اعتراض بیان کرتا ہے کہ عدی نصرانی کی روایت اُسی کے لئے مخصوص ہے اُسے مسلمانوں پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ عدی بن حاتم نصرانی کی خبر واحد تا قول کوئی اعتبار نہیں ہے اھ اور جابجا عدی نصرانی عدی نصرانی لکھتا ہے اور اس کی اشاعت کرتا ہے پس شرعًا شخص مذکور کا یہ اعتراض کرنا ماننے کے قابل ہے یا نہیں اور اس کہنے کے بعد شخص مذکور مومن کامل رہا یا فاسق قابل تعزیر ہوگیا **جواب** وہ شخص فاسق اور واجب التعزیر ہے اسلام لانے کے بعد کسی کو کافر کہنا اور ایسے الفاظ کہنا حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور ناموں کو ایک دوسرے کی چڑھ نہ بنالو برا نام ایمان کے بعد فسق ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ناانصافی کرنیوالے ہیں۔ نہ کہ صحابی جلیل القدر کی شان میں (معاذ اللہ) ایسی گستاخی کرنا جنکے روایت قبول کرنے پر ائمہ اربعہ نے اتفاق کیا ہے۔ اور حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا شمار صحابہ میں ہے حررہ الراجی غفور ربہ محمد عبد اللہ **سوال** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ بارک وسلم امابعد اس مسئلہ کے جواب کی امید رکھتا ہوں کہ ایک برہمن جو رام کندھیا کو خالق مانتا ہے اسلام اور مسلمانوں کو برا کہتا ہے بلکہ اسکے سایہ کو بھی نجس جانتا ہے صاحب دولت واس کرکے مشہور ہے۔ اگر زید عمرو بکر خالد جو بڑی ڈاڑھی والے شریف صورت ہیں اگر پچیس یا تیس روپیہ کی برہمن مذکور کے یہاں نوکری کریں یہ لوگ حسب دستور دربار عام میں بیٹھے ہوں تو وہاں جب بت کو برہمن پوجیری چاندی کے طشت میں سامنے لائے اور برہمن تعظیم کو اُٹھے تو یہ لوگ بھی اس خیال سے اُٹھیں کہ اگر نہ اُٹھیں گے تو برہمن کو ناگوار ہوگا اور ہماری نوکریاں جاتی رہیں گی اور برہمن مذکور کے یہاں ایک جشن ہوتا ہے اور اسکا عام حکم ہے کہ میرے تمام ملازمین اس میں حاضر ہوں اور میری طرح بت کی تعظیم کریں اور جب بت تخانے میں پہونچایا جائے تو سب ملازمین عمدہ کپڑے پہن کر ساتھ چلیں تو زید عمرو بکر خالد بھی ملازمت کے لحاظ سے وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ اور وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُهَا کو بھلا کر برہمن کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور یکبارگی سب کے سب حاضرین مجلس بت کو اُٹھکر تعظیم کرتے ہیں اور جلوس کے دن سب کے سب بت کے پیچھے پیچھے پیدل چلتے ہیں

اور روزمرہ اذاں سنکر بھی نماز کو مسجد میں نہیں آتے خاص کر جمعہ کے دن اور یہ عذر کرتے ہیں کہ رزق کا معاملہ ہے ہم اس مجبوری کیوجہ سے امور اسلام انجام نہیں دے سکتے تو زید عمرو بکر خالد اس فعل قبیح موجب کفر کے ارتکاب اور ترک احکام اسلام کیوجہ سے کافر ہوے یا نہیں اور انکی عورتیں نکاح سے باہر ہوئیں یا نہیں اور انکو ایمان کی تجدید لازم ہے یا نہیں جواب فقہا کتب فقہ میں ایسی صورت کو جس میں اعمال کفار کی تحسین اور انکے افعال میں شرکت اور انکی عبادت کی موافقت ہو حکم کفر میں داخل کرتے ہیں اور ایسے امور کے مرتکب کو جنکا ذکر سوالات میں ہے تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیتے ہیں۔ خزانۃ الروایات میں ہے فی الفصول قال الشیخ ابوبکر الطرخانی من خرج الی البد فقد کفر لان نیتہ اعلان الکفر و علی قیاس مسئلۃ البد الخروج الی نیروز المجوس والموافقۃ معہم فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم من المسلمین کفر یعنے فصول میں ہے کہ شیخ ابوبکر طرخانی رحمہ اللہ کہتے ہیں جو تجلے گیا وہ کافر ہو گیا کیونکہ اُسکی نیت اعلان کفر کی ہے اور اسی پر مجوسیوں کی عید میں جانے کا قیاس کرنا چاہئیے پس مسلمان جو کچھ ان دنوں میں اُن کی اتباع میں کرتے ہیں وہ کفر ہے۔ اور بھی اُسی میں ہے وکذا الخروج فی اللیلۃ التی یلعب فیہا کفرۃ الھند بالنیران والموافقۃ معہم فیما یفعلون تلک اللیلۃ فیلزم ان یکون کفرا وکذا الخروج الی لعب کفرۃ الھند فی الیوم الذی یدعوہ الکفرۃ بسرتھی والموافقۃ معہم فیما یفعلون من تزیین القبور والافراس والذھاب الی دور الاغنیاء یلزم ان یکون کفرا یعنے اسی طرح دیوالی کی رات کو نکلنا اور کافروں کے ساتھ اُن کے افعال میں موافقت کرنا پس اس رات میں جو مسلمان اُن کی اتباع کرتے ہیں اُنکا بھی کفر لازم آتا ہے اسیطرح ہندوستان کے کافر جو سرتھی کے دنوں میں کھیل (رام لیلا) کرتے ہیں اُسے دیکھنے جانا بھی کفر ہے اور اس میں اُن کی موافقت کرکے قبروں اور گھوڑوں کو مزین کرنے اور امیروں کے گھروں کو جانیکا بھی کفر لازم آتا ہے۔ اور بھی اُسی میں ہے فی الفصول قال فی الجامع الاصغر یوم اشتری یوم النیروز شیئا لم یکن یشتریہ قبل ذلک ان اراد بہ تعظیم النیروز کما یعظمہ المشرکون کفر یعنی جس شخص نے مجوسی کی عید کے دن کوئی ایسی چیز خریدی جو پہلے نہیں خریدی تھی اگر اس سے اُسکا مقصد روز عید کی تعظیم کرنا تھا جس طرح مشرکین کرتے ہیں تو وہ کافر ہو گیا

اور نوادر الفتاوے میں ہے جس نے ہندوں کی رسموں کی تعظیم کی وہ کافر ہوگیا واللہ اعلم حررہ
الراجی غفور بہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** لڑکی کے اولیا کو نکاح کیوقت روپیہ یا زیور یا کھانے
اور پہننے کی چیزیں سوائے زیور او رغیر مصرح اور مسکوت عنہ کے اہل محلہ اور ہمسایوں کے کھلانے
کے لئے نوشاہ سے لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ یہ بھی ہو کہ اگر یہ نہ دوگے تو نکاح نہوگا **جواب** جائز
نہیں ہے۔ وسیلۂ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی
وعن الرشوۃ ما اخذہ ولی المرأۃ قبل النکاح اذا کان بالسوال وکان اعطاء الزوج بناء
علی عدم رضائہ علی تقدیر عدمہ اما اذا کان بلا سوال ولا عن عدم رضاء فیکون
ھدیۃ فیجوز کما فی حاشیۃ لخواجہ زادہ وغیرہ یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت کی ہے اور جو قبل نکاح عورت کا ولی خود
مانگ کر لیتا ہے یا مرد اس خیال سے دیتا ہے کہ اگر نہ دیگا تو وہ راضی نہوگا رشوت میں داخل ہے
البتہ اگر بغیر مانگے ہوے دیا جائے یا نہ دینے کی صورت میں نکاح سے نارضامندی نہ ظاہر کیجائے
تو وہ مال ہدیہ ہوگا اُسکا لینا جائز ہے جیسا کہ حاشیۂ خواجہ زادہ اور دوسری کتابوں میں ہے اور
رد المحتار میں ہے ومن السحت ما یأخذہ الصہر من الختن بسبب بنتہ بطیب نفسہ حتے
لوکان بطلب یرجع الختن بہ یعنی سسر جو داماد سے اپنی بیٹی پر لیتا ہے حرام ہے اگر اُسکی رضامندی
سے ہو اور اگر اُس کی رضامندی سے نہو بلکہ سسر نے مانگ کر لیا ہو تو داماد کو واپس لینے کا
حق ہے اور معدن میں ہے لا یجوز لاب البیت ان یأخذ من الخاطب شیئا لانہ رشوۃ یعنی
لڑکی کے باپ کو نسبت بھیجنے والے سے کچھ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ رشوت ہے اور عالمگیری
میں ہے خطب امرأۃ فی بیت اخیھا فابی ان یدفعھا حتے یدفع الیہ دراھم فدفع وتزوجھا
یراجع بما دفع لانہ رشوۃ کذا فی القنیۃ یعنے ایک شخص نے ایک عورت کا پیغام دیا جو
اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھی اور بھائی نے بغیر کچھ درہم لئے ہوے شادی سے انکار کر دیا
پس اُسنے درہم دیے اور نکاح کر لیا تو وہ درہموں کو واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ رشوت ہے قنیہ
میں ایسا ہی ہے اور فتاوی قاضیخاں میں ہے رجل خطب امرأۃ وھی تسکن فی بیت اخیھا
وزوجہ اخیھا لا یرضی بنکاح ھذا الرجل الا ان یدفع الیہ دراھم فدفع الخاطب الیہ

دراھم کان لہ ان یسترد ما دفع الیہ لانہ رشوۃ یعنے ایک شخص نے ایک عورت کا پیغام دیا جو اپنی بہن کے گھر میں رہتی تھی اور اُسکا بھنوئی اس نکاح پر بغیر کچھ لیے ہوے راضی نہوا پس پیغام دینے ولے نے کچھ دیکر نکاح کر لیا تو اُسے چاہیئے کہ جو دیا ہی وہ واپس لیلے کیونکہ وہ رشوت ہی انتہی۔ البتہ اگر بے مانگے ہوے ناکح اولیائے منکوحہ کو نکاح کے پہلے کچھ دے تو وہ جائز اور درست ہی کیونکہ اس صورت میں یہ اشیا تحفہ ہونگے جیساکہ وسیلۂ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ میں مشروحا مرقوم ہی ہکذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب محمد اشرف علی عفی عنہ جواب صحیح ہی اور اسی کے موافق بحر الرائق میں ہی لو اخذ اہل المرأۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ واللہ اعلم یعنے اگر لڑکی والوں نے رخصتی کے وقت کچھ لے لیا تو شوہر کو اُسے واپس لینا چاہیئے کیونکہ وہ رشوت ہی۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** ولیموں کی جن مجلسوں میں غیر کی مداخلت اور بے پردگی نہو اور ممنوعات شرعیہ میں سے کوئی اور مانع بھی متصور نہو وہاں عورتوں کو جانا درست ہی یا نہیں **جواب** کتب فقہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ مجالس ولائم میں عورتوں کو جانے کی ممانعت احتراز فتنہ کیوجہ سے ہی جیساکہ درمختار اور ردالمختار کی عبارتوں سے ظاہر ہی کہ شوہر بیوی کو اجنبی لوگوں کی زیارت اور اُن کی بیمار پرسی سے منع کر سکتا ہی اسی طرح ولیمہ میں جانے سے شامی اس قول کے تحت میں کہتے ہیں کہ اگرچہ محارم ہی کے پاس ہو کیونکہ ولیمہ میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں لہذا وہ فساد سے خالی نہیں پس جب مجالس ولائم میں غیر کی مداخلت اور بے پردگی نہو اور انکے علاوہ بھی کوئی اور شرعی مانع نہو تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ شوہر کی اجازت کی ضرورت ہوگی۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہی ابصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساء وصبیانا مقبلین من عرس فقمنا فقال اللھم انتم من احب الناس الی حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے کچھ عورتوں اور لڑکوں کو شادی سے واپس آتے ہوے دیکھا پس آپ کھڑے ہوگئے اور ہم بھی کھڑے ہوگئے پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے سب سے زائد محبوب ہو۔ قسطلانی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں فیہ شہود النساء والصبیان لولیمۃ العرس فلو دعت امرأۃ امرأۃ لولیمۃ او دعت رجلا وجبا و

استحب لا مع خلوۃ محرمۃ یعنے اُس سے عورتوں اور لڑکوں کا شادی کے ولیمہ میں شریک ہونا ثابت ہوتا ہے پس اگر کوئی عورت کسی عورت یا مرد کو ولیمہ میں بلائے تو اُسکا قبول کرنا واجب یا مستحب ہے بشرطیکہ حرام تنہائی نہ ہو حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبد الحی عفی عنہ **سوال** جو انگریزی دوائیں ولایت سے بنکر آتی ہیں یا بسکٹ وغیرہ جس ٹین میں بند ہوکر جو ولایت سے بن کے آتے اُن میں امتزاج شراب کا شبہ ہے کیسے اہل یورپ دواؤں میں شراب کے بہت عادی ہوتے ہیں۔ ایک تو اس وجہ سے کہ وہ اثر بہت جلد کرتی ہے حالانکہ تھوڑی سی مقدار بھی زیادہ اثر کرتی ہے جو شراب کی خاصیت ہے۔ دوسرے ڈاکٹروں نے بعض دواؤں اور بسکٹوں میں شراب کا اختلاط بتایا ہے انکا استعمال کرنا کیسا ہے **جواب** جب اختلاط شراب بالیقین یا ظن ہو تو انکا استعمال ممنوع ہے ورنہ بطور فتوے نفس جواز اور بطور تقوے اجتناب ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** جن بسکٹوں اور نان پاؤ میں تاڑی کا خمیر ہو انکا کھانا کیسا ہے کلکتہ کے علمانے اُسکے حلت کا فتویٰ دیا ہے۔ اکثر عوام متکلف اُسکو کھاتے ہیں اور نہ کھانے والے پر طعن کرتے ہیں پس جواب تفصیل سے لکھیے **جواب** مفتیٰ بہ مذہب کے موافق جو اشیا اور اشربہ سیالہ مُسکر ہیں سب نجس ہیں اور اُنکا ایک قطرہ بھی حرام ہے اگرچہ نشہ بھی نہ پیدا کرے کیونکہ ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنے جسکا کثیر مسکر ہو اسکا قلیل بھی حرام ہے۔ اور شیخ الاسلام بدر الدین محمود عینی رحمہ اللہ رمز الحقائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں قال محمدؒ والائمۃ الثلثۃ کل ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر وکل مسکر حرام رواہ مسلم وعن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمدؒ و ابن ماجۃ والدار قطنیؒ وصححہ والفتوے علے قول محمدؒ یعنے امام محمد رحمہ اللہ اور آئمہ ثلثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کا کثیر مسکر ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے جس قسم سے ہو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے ہر مسکر خمر ہے اور ہر مسکر حرام ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہی جس کا کثیر سکر ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہی اسے احمد اور ابن ماجہ اور دارقطنی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہی اور اس کی تصحیح کی ہی اور فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہی اور فتاوی بزازیہ میں ہی قال محمدؒ ما اسکر قلیلہ فکثیرہ حرام قالوا وبقول محمدؒ ناخذ ومذہب محمدؒ انہ حرام ونجس یعنی امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہی جسکا تھوڑا نشہ لائے اُسکا بہت بھی حرام ہی اور فقہانے کہا ہی کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو لیتے ہیں اور اُنکا مذہب یہ ہی کہ ایسی چیز حرام اور نجس ہی اور سراج منیر میں ہی جملۃ انواع النجاسات خمسۃ وعشرون الخمر وما عداہ من الاشربۃ المحرمۃ انتہی یعنی نجاست کی پچیس قسمیں ہیں اول شراب اور اسکے علاوہ پینے کی دوسری حرام چیزیں۔ اور شرح جامع صغیر حسامی میں ہی ھل ھی ای الاشربۃ وراء الخمر مثل الخمر فی النجاسۃ عن اصحابنا فیہ روایتان فی احدی الروایتین نجاسۃ غلیظۃ تمنع اذا زاد علے قدر الدرھم وفی روایۃ اخری خفیفۃ مقدرۃ بالکثیر الفاحش یعنی پینے کی دوسری نشہ آور چیزوں میں شراب کے مثل نجاست ہونے میں ہمارے اصحاب رحمہم اللہ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ نجاست غلیظہ ہیں کہ جب ایک درم سے زائد ہوں تو مانع طہارت ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ نجاست خفیفہ ہیں جب بہت زائد ہوں تو مانع طہارت ہیں۔ جب ان عبارتوں سے حرمت اور نجاست تاڑی کی ثابت ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ بسکٹ اور نان پاؤ وغیرہ جسکے خمیر میں تاڑی مخلوط ہو اُسکا کھانا خمیر خمر کی طرح ناجائز ہوگا۔ فتاوے قاضی خان میں ہی بخلاف الدقیق اذا عجن بالخمر وخبز فانہ یکون نجسا ولا تطہر یعنے برخلاف آٹے کے جبکہ شراب سے گوندھا جائے کیونکہ وہ نجس ہوگا طاہر نہوگا۔ اور فتاوئے عالمگیری میں ہے اذا عجن الدقیق بالخمر لا یوکل یعنی جب آٹا شراب سے گوندھا جائے تو اُسے کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب خمر اور تاڑی دونوں نجس ہیں تو اُنکے خلط سے وہ مخلوط بھی نجس اور اُس کا کھانا حرام ہوگا اور تاڑی یا شراب کے سرکہ پر اُسکا قیاس کرنا اسلئے باطل ہی کہ سرکہ میں حقیقت بدل جاتی ہی لہذا حلت اور طہارت کا حکم دیا جاتا ہی بخلاف شراب اور تاڑی کے خمیر کے کہ اُن میں حقیقت نہیں بدلتی بلکہ مخلوط ہونے اور رکھنے کیوجہ سے پورا التصاق اور اتصال ہوجاتا ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** اگر کوئی شخص زبان حاصل

کرنے کے لئے انگریزی پڑھے اسلئے کہ اکثر اوقات اُس کی ضرورت پڑتی ہی تو درست ہے یا نہیں۔ اور اگر اس نیت سے نہ پڑھے بلکہ انگریزی پڑھنے میں اس کی کوئی نیت ہی نہو تو جائز ہی یا نہیں اور انگریزی اسلئے پڑھے کہ اُسکے ذریعہ سے نوکری حاصل کرے کیونکہ وہ جانتا ہی کہ انگریزی ملازمت بغیر انگریزی جانے ہوے نہیں مل سکتی تو ان تمام صورتوں میں جائز ہی یا نہیں **جواب** انگریزی پڑھنا اور انگریزی زبان سیکھنا بشرطیکہ وہ دین میں خلل انداز نہو جائز ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** استنجا کرنے کے بعد جو پانی استنجا پاک کرنے سے بچ گیا ہو اُس سے وضو کرنا جائز ہی یا نہیں اور یہ وضو مکروہ ہوگا یا نہیں **جواب** مکروہ نہوگا مگر ترک اولی ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہی یا نہیں اور اُن کے ساتھ اکل وشرب کرنا اور اُنکی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنا چاہیئے یا نہیں ان امور کی حلت اور حرمت کا حکم اسناد متصل اور مرفوع اور متواتر سے بحوالہ کتب اس طرح ثابت فرمایئے کہ پھر چون وچرا کی گنجایش باقی نرہے اور امر حق ثابت ہو جائے یہ بھی واضح رہے کہ جواب ایسا ہونا چاہیئے جس میں نفسانیت اور تعصب ذرہ برابر بھی داخل نہو آجکل یہاں اس امر پر مباحثہ اور مناظرہ ہو رہا ہی سنی غنیۃ الطالبین کا حوالہ دیکر کہتے ہیں کہ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں ہی اور اُنکے ساتھ اکل وشرب کرنا اور اُن کی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنا بھی درست نہیں ہی بلکہ جن سنیوں نے شیعوں کے یہاں کھایا پیا ہی اُنکو سنیت کے دائرہ سے خارج کر دیا ہی اور سنی اُنھیں اپنی مساجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے بلکہ اُنکو کافر ومرتد کہتے ہیں اور ان سنیوں کے ساتھ دوسرے سنی کھانے پینے میں اجتناب کرتے ہیں اور یہ لوگ جو دائرہ سنیت سے خارج کیے گئے ہیں یہ دلائل پیش کرتے ہیں کہ کیا اہل تشیع اہل قبلہ نہیں ہیں یا توحید یا نبوت کے قائل نہیں ہیں یا اُنکے یہاں سوا تکبیر معلومہ اور مروجہ کے کوئی اور تکبیر مروج ہی۔ پس اہل تشیع کے ساتھ کھانے پینے سے سنی لوگ کیوں ہمکو دائرۂ سنیت سے خارج کرتے ہیں ہندوستان میں امور مذکورہ پر کبھی ایسی بحث نہیں ہوئی بلکہ وہاں برابر ایک دوسرے میں شادیاں ہوتی ہیں اور شیعہ سنی باہم کھانے پینے میں پرہیز نہیں کرتے ہیں اور اسکے علاوہ میرے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اہل کتاب کا ذبیحہ

تو جائز اور شیعوں کا ذبیحہ ناجائز ہو اب کس کا قول آپ کے نزدیک صحیح ہے اور ہمسایوں کو کیا کرنا چاہیئے **جواب** اگرچہ فقہا کے ایک گروہ نے سب شیخین رضی اللہ عنہما کی وجہ سے مطلق تشیع کو کافر لکھا ہے اور اسی بنا پر اُن کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کو اور اُنکے ذبیحہ کو حرام ٹھہرایا ہے مگر مرجح اور مفتی بہ اور منقح قول یہ ہے کہ کافر فقط وہی شیعہ ہیں جو ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں اور انھیں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور انھیں کے ساتھ مناکحت جائز نہیں ہے اور جو ایسے نہوں اگرچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر نہیں ہیں اُنکے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے اور اُنکے ساتھ مناکحت بھی درست ہے ابو شکور سلمی رحمہ اللہ کتاب التمہید فی التوحید میں لکھتے ہیں کلام الروافض مختلف فبعضہ یکون کفرا وبعضہ لا فلو قال ان علیا کان الٰھا نزل من السماء کفر ولو قال لنبوۃ کانت لعلی وجبرئیل اخطأ کفر ومنھم من قال ان علیا رضی اللہ عنہ افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھذا کلہ کفر واما الذی یکون بدعۃ ولا یکون کفرا فلو قولھم ان علیا افضل من الشیخین رضی اللہ عنہما ومنھم من قال یجب اللعن علی من خالف علیا کعائشۃ ومعاویۃ رضی اللہ عنہما وھذا کلہ وما اشبہہ یکون بدعۃ ولیس بکفر لانہ صادر عن تاویل یعنے روافض کی حالت مختلف ہے بعض کافر ہیں اور بعض کافر نہیں ہیں پس اگر کوئی کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا تھے جو آسمان سے نازل ہوئے تو وہ کافر ہے اور جو کوئی کہے کہ نبوت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے تھی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے غلطی ہوگئی تو وہ کافر ہے اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں تو وہ بھی کافر ہیں اور روافض کی بعض باتیں بدعت ہیں کفر نہیں ہیں جیسے انکا یہ کہنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں اور بعض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف جیسے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما پر لعنت کو واجب لکھتے ہیں تو یہ اور انکے مشابہ تمام امور بدعت ہیں کفر نہیں ہیں کیونکہ یہ تاویل کے بعد کیے جاتے ہیں۔ اور بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمہ اللہ القوی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں الصحیح عند الحنفیۃ ان الروافض لیسوا بکفار والوجہ فیہ

ان تدينهم اودفعهم فساد فعوا زعامنهم انهم على الدين المحمد وان كان زعمهم هذا باطلا وماكذبو محمدا صلى الله عليه وسلم فهم غير ملتزمين للكفر والتزام الكفر كفر دون لزومه يعنی حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ روافض کافر نہیں ہیں کیونکہ وہ دین رکھتے ہیں اور جو کچھ دفع کرتے ہیں اُسکو یہی سمجھ کے دفع کرتے ہیں کہ ہم دین محمدی پر ہیں اگرچہ اُنکا یہ خیال غلط ہو لیکن وہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو (اپنے نزدیک) نہیں جھٹلاتے ہیں پس کفر کو خود اپنے سر نہیں لیتے ہیں اور کفر کو لازم کر لینا کفر ہے نہ کہ اُسکا لازم آجانا۔ اور درمختار میں ہے في النهر تجوز مناكحة المعتزلة لانا لا نكفر احدا من اهل القبلة وان وقع الزاما في المباحث یعنی نہر میں ہے کہ معتزلہ کے ساتھ مناکحت درست ہے کیونکہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں سمجھتے اگرچہ مباحثہ میں الزاما بعض اوقات اُنکے کفر کو ثابت کرتے ہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے اما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم لان الحق عدم تكفير اهل القبلة وان وقع الزاما في المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومة بالضرورة من الدين مثل القائل بقدم العالم ونفى العلم بالجزئيات یعنی معتزلہ کے متعلق دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُنکے ساتھ نکاح درست ہے کیونکہ تمام اہل قبلہ کی عدم تکفیر ہی مناسب ہے اگرچہ الزاماً بحثوں میں ایسا ہو جاتا ہو برخلاف اُن لوگوں کے جو قطعیات میں سے اُن چیزوں کی مخالفت کرتے ہوں جن کا دین سے ثابت ہونا بدیہی ہے مثلاً وہ لوگ جو قدم عالم کے قائل ہیں اور خدا کو جزئیات کا عالم نہیں ملتے ہیں۔ اور رد المحتار میں ہے بهذا ظهر ان الروافض ان كان من يعتقد الالوهية في على او ان جبرئيل غلط في الوحى كان كافرا وان كان ينكر صحبة الصديق او يقذف عائشة فهو كافر یعنی اس سے معلوم ہوا کہ روافض اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدا ہونے یا حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی میں غلطی ہونے کے قائل ہوں تو کافر ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے منکر ہوں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوں تو بھی کافر ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** ملا اور میانجی لوگوں کو بلا کر لاتے ہیں اور کھانا کھلانے کے بعد یا کھانا کھلانے کے قبل زیارت قبور اُجرت لیکر کراتے ہیں اگرچہ اِس میں تعیین فلوس نہیں ہوتی

مگر داعُالوگ اس کی اُجرت دینا فرض اور لازمی جانتے ہیں اور اگر مُلّا اور میاں جی کو پہلے سے
یہ معلوم ہو کہ ہمیں کچھ نہ ملے گا تو نہ وہ کھانا کھلائیں اور نہ زیارت کرائیں۔ اس سے صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ وہ بطمع فلوس یہ کام کرتے ہیں اگر اُن کو اُجرت نہ دیجائے تو نہ کریں ایسی زیارت قبور
اور کھانا کھلانا شرع میں جائز ہے یا نہیں اور ایسے زیارت قبور کا ثواب مردوں کو پہونچے گا یا نہیں
اور اگر مردوں کو اس زیارت کا ثواب پہونچے گا تو اُجرت لے کے زیارت کرانا جائز ہے یا نہیں
اور حدیث شریف میں لفظ زور وا تاکید کے ساتھ آیا ہے لیکن زیارت کرانا کسی جگہ دیکھا نہیں
گیا آیا زیارت کرانا جائز ہے یا نہیں اور ختم تسبیح و تہلیل اُجرت مقرر کر کے کرنا جائز ہے یا نہیں

جواب تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن شریف اور زیارت قبور کی اُجرت لینا اور دینا درست
نہیں ہے۔ تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے اعلم ان عامۃ کتب المذھب من متون وشروح وفتاوی
کلھا متفقۃ علی ان الاستیجار علی الطاعات لا یصح عندنا واستثنی المتاخرون من مشائخ
بلخ تعلیم القرآن فجوزوا الاستیجار علیہ یعنے مذہب کی عام کتابیں یعنی متون و شرح فتاوے
سب اسپر متفق ہیں کہ (خدا کی) اطاعت پر اُجرت لینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے البتہ
متاخرین مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے اور اُسپر اُجرت لینے کو جائز لکھا ہے
اور اسی کتاب میں ہے التلاوۃ المجردۃ عن التعلیم من اعظم الطاعات التی یطلب بھا الثواب
فلا یصح الاستیجار علیھا محض تلاوت جس میں تعلیم نہو اُن طاعتوں میں سب سے بڑی طاعت
ہے جن سے ثواب طلب کیا جاتا ہے پس اسپر اُجرت لینا درست نہیں ہے۔ اور بھی اسی کتاب
میں ہے شرط الثواب الاخلاص للہ فی العمل والقاری بالاجرۃ انما یقرأ لاجل الدنیا
لا لوجہ اللہ بدلیل انہ لو علم ان المستاجر لا یدفع الیہ شیئا لا یقرأ حرفا واحدا خصوصا
من جعل ذلک حرفۃ ولذا قال تاج الشریعۃ فی شرح الھدایۃ ان قاری القرآن بالاجرۃ
لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری یعنے ثواب کی شرط یہ ہے کہ کام صرف خدا کیلئے
کیا گیا ہو اور اُجرت پر پڑھنے والا دنیا کے لئے پڑھتا ہے نہ کہ خدا کے لئے کیونکہ اجرت پر پڑھنے
والے کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے اُجرت نہ ملے گی تو وہ ایک حرف بھی نہ پڑھے گا خاص کر
وہ شخص تو ضرور ہی ایسا کرے گا جس نے اسے پیشہ بنالیا ہے اور اسی لئے تاج الشریعۃ رحمۃ اللہ

نے ہدایہ کی شرح میں لکھا ہو کہ اُجرت پر قرآن شریف کا پڑھنے والا نہ خود ہی ثواب پائیگا اور نہ میت کو اُسکا ثواب پہونچیگا۔ اور فتاویٰ ولوالجیہ میں ہو لو زار قبر صدیق او قریب فقرا عندہ شیئا من القرآن فهو حسن اما الوصية بذلك فلا معنى لها ولا معنى ايضا الصلة القاری لانه يشبه استيجارة على قراءة القرآن وذلك باطل یعنے اگر کسی دوست یا عزیز کے قبر کی زیارت کی اور وہاں کچھ قرآن پڑھا تو یہ اچھا ہو لیکن اس کی وصیت کرنے کے کچھ معنی نہیں ہیں اور اسیطرح پڑھنے والے کو کچھ دینے کے بھی کچھ معنی نہیں ہیں کیونکہ یہ قرآن پڑھنے کی اُجرت کے مشابہ ہی جو باطل ہی۔ اور فتاوئے بزازیہ میں ہو اوصی بفاری یقرأ القرآن عند قبره بشئ فالوصية باطلة یعنے اگر قاری کے لئے کسی چیز کی وصیت کی کہ اُسے دیجائے تاکہ وہ اُس کی قبر پر قرآن شریف پڑھا کرے تو وصیت باطل ہو۔ اور تاتارخانیہ میں ہو ولا یجوز اخذ الاجرة على طاعة الله یعنے خدا کی اطاعت پر اُجرت لینا جائز نہیں ہو۔ اِن عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ایسی زیارت قبور اور تسبیح و تہلیل میں جو دنیا حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہو اُس میں کچھ ثواب نہیں ہو نہ میت کو نہ عامل کو اور ایسی عبادتوں کی اُجرت لینا اور دینا ممنوع ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی **سوال** ڈھول تاشا باجا دف وغیرہ مزامیر کا نکاح یا شادی کے رسومات میں بجانا درست ہو یا نہیں **جواب** جملہ آلات غنا و مزامیر کی حرمت احادیث صحیحہ سے صاف طور سے ظاہر ہو مگر دف کہ مجالس نکاح میں اُس کی اباحت کی حدیثیں وارد ہیں صحیح بخاری میں تعلیق کے طریقہ سے مذکور ہو قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لتكونن من امتی قوم یستحلون الحرير والخمر والمعازف یعنے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میری اُمت میں ایک ایسا گروہ ہوگا جو ریشم شراب اور باجوں کو حلال جانے گا اور سنن ابن ماجہ میں مروی ہو قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونها بغير اسمها يعزف على رؤسهم بالمعازف والمغنيات يخسف الله بهم الارض ويجعل منهم القردة والخنازير یعنے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہو کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شراب پئیں گے اور اُسکے دوسرے نام رکھیں گے ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے اور گانا گایا جائے گا خدا اُن کو زمین میں دھنسا دیگا

اور انکو بندر اور سور بنا دیگا۔ اور جامع ترمذی میں مروی ہے تکون فی امتی خسف ومسخ اذا ظہرت القینات والمعازف یعنی میری اُمت میں خسف ومسخ شایع ہو جائے گا جبکہ گانے والیاں اور باجے ظاہر ہو جائیں گے۔ اور مسند احمد میں مروی ہے ان اللہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ یعنی خدا نے شراب جوا اور باجہ کو حرام کیا ہے۔ اور مسند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے یمسخ قوم من ھذہ الامۃ فی اٰخر الزمان قردۃ وخنازیر قالوا یا رسول اللہ الیس یشہدون ان لا الہ الا اللہ وان محمد ارسول اللہ قال بلی ویصومون ویحجون ویصلون قیل فما بالھم قال اتخذوا المعازف والقینات یعنی آخر زمانے میں اس اُمت کے کچھ لوگ مسخ کرکے بندر اور سور بنا دیے جائیں گے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دیں گے آپ نے فرمایا گواہی دیں گے اور روزہ رکھیں گے حج کریں گے اور نماز پڑھیں گے لوگوں نے پوچھا پھر وہ کیوں مسخ کیے جائیں گے آپ نے فرمایا باجے اور گانے والی عورتوں کو رکھیں گے۔ اور مسند احمد میں ہے ان اللہ بعثنی رحمۃ للعالمین وامرنی ان احرق المزامیر والکنارات یعنی اللہ نے مجھے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں باجوں اور طنبوروں یا ڈھولوں کو جلا دوں۔ اور ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے لیستحلن من امتی الحریر والخمر والمعازف یعنی میری اُمت کے کچھ لوگ ریشم شراب اور باجوں کو حلال کرلیں گے۔ اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے عن نافع قال سمع ابن عمر رضی اللہ عنہ مزمارا فوضع اصبعیہ فی اذنیہ ونای عن الطریق وقال یا نافع ھل تسمع شیئا فقلت لا فرفع اصبعیہ عن اذنیہ وقال کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسمع مثل ھذا فصنع مثل ھذا نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک باجا سنکر اپنی انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھ لیں اور راستہ سے دور ہوگئے اور پوچھا کہ اے نافع تمکو کچھ سنائی دیتا ہے میں نے کہا نہیں تو انھوں نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں اور فرمایا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ انھوں نے ایسی ہی آواز باجہ کی سنی اور ایسا ہی کیا۔ اور جامع ترمذی میں ہے اعلنوا ھذا النکاح واضربوا علیہ بالغربال یعنی نکاح کا اعلان کرو اور اسپر دف بجاؤ

ان اخباروں سے اور ایسے ہی اور اخبار سے کہ ماہر فن حدیث پر مخفی نہیں صاف ثابت ہے
کہ جملہ آلات غنا جنھیں معازف و مزامیر کہتے ہیں شرعًا حرام ہیں سوا دف کے۔ اور کتب
حنفیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حنفیہ دف کو بھی ممنوع لکھتے ہیں اور اکثر حنفیہ مطلقا
غنا کو بھی حرام کہتے ہیں۔ تاتارخانیہ میں ہے ان کان السماع غنا فھو حرام لان التغنی واستماع
الغنا حرام یعنے اگر سماع میں غنا ہو تو حرام ہے کیونکہ غنا اور اسکا سننا دونوں حرام ہیں۔ اور
مبسوط میں ہے استماع الملاھی والتغنی کلھا حرام یعنے باجے اور غنا سب حرام ہے۔
اور محیط میں ہے التغنی والتصفیق بھا واستماعھا کلھا حرام یعنی غنا اور اس میں تالیاں
بجانا اور اسکو سننا سب حرام ہے اور ہدایہ میں ہے دلت المسألۃ علی ان الملاھی کلھا حرام حتی التغنی
یضرب و تصفیق یہ مسئلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ لہو کی سب باتیں حرام ہیں حتی کہ کچھ بجا کر
گانا اور تالیاں بجانا بھی۔ اور نہایہ میں ہے التغنی والتصفیق والطنبور والبربط والدف وما
اشبہ ذلک حرام یعنی گانا تالی بجانا طنبور بربط دف اور اسکے مشابہ دوسری چیزیں حرام
ہیں۔ اب جاننا چاہیئے کہ اس باب میں قول فیصل جو احادیث سے ثابت ہی یہی ہے کہ نفس
غنا عمومًا ممنوع نہیں بلکہ اس میں حرمت یا کراہت عوارض خارجیہ کی وجہ سے عارض ہوتی
ہے اور مزامیر سب ممنوع ہیں سوا دف کے نکاح وغیرہ میں اُس کی رخصت وارد ہوگئی ہے
واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** قصاب جو بکری وغیرہ کو اُجرت لیکر
ذبح کرتے ہیں اور یہ ہی انکا کسب ہے تو اُنکے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے **جواب** اُنکی امامت مکروہ نہیں اور بکری
وغیرہ کے ذبح کرنے کی اُجرت شرعًا ممنوع ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ
سوال (۱) کیا خدا کی ذات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی اصل اور مادہ ہے (۲)
اس کے کیا معنی ہیں کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا خدا کے نور سے بنے ہیں (۳) حضور
روحی فداہ کی ذات حادث ہے یا قدیم **جواب** (۱) خدا کی ذات قدیم اور حضرت سرور
کائنات علیہ السلام والصلوۃ کی ذات حادث ہے اور قدیم حادث کی اصل اور مادہ نہیں
ہوسکتا کیونکہ قدیم ایک خاص ذات ہے جس کی تجزی اور تبعیض ناممکن ہے پس اس سے
کچھ حصہ علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور یہ امر کتب عقائد میں محقق ہے کہ جو غیر متجزی اور ناقابل

انقسام ہو وہ کسی چیز کی اصل نہیں ہو سکتا مواہب لدنیہ کی لفظ من نورہ کی شرح میں زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ای من نور ھو ذاتہ لا بمعنے انہا مادۃ خلق نورہ منہا بل بمعنے تعلق الارادۃ بہ بلا واسطۃ شئ فی وجودہ یعنے خدا نے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کو ایک ایسے نور سے پیدا کیا جو خود اُس کی ذات ہے نہ یہ کہ خدا کی ذات مادہ ہے جس سے خدا نے آپ کے نور کو پیدا کیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات کے پیدا کرنے میں خدا کے ارادہ کا تعلق بغیر کسی چیز کے واسطے کے ہے (۲) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور سے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کا اُس سے بلا واسطہ تعلق ہے جیسا کہ زرقانی میں یہ بھی ہے (۳) قدیم کی دو قسمیں ہیں ایک قدیم حقیقی جسکے وجود کی ابتدا نہو وہ اللہ تعالے ہے دوسرے قدیم مجازی جسکے وجود کی ابتدا تو ہو لیکن تمام اشیا کی اصل ہونے کیوجہ سے یا زیادتی عمر کی بدولت اُسپر قدیم کا اطلاق ہو اور حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی ذات قدیم کی اس قسم میں داخل ہے زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں الازلی القدیم لیس لہ ابتداء ویطلق مجازا علی ما طال عمرہ والوجود ثلثۃ لا رابع لہا ازلی وابدی وھو الحق سبحانہ وتعالے ولا ازلی ولا ابدی وھو الدنیا وابدی غیر ازلی وھو الاٰخرۃ یعنے ازلی قدیم وہ ہے جس کی ابتدا نہو اور مجازاً اُسکا اطلاق اُن اشیا پر بھی ہوتا ہے جن کی عمر زائد ہو اور وجود صرف تین ہی طرح کے ہیں (۱) ازلی وابدی خدائے تعالے (۲) غیر ازلی وغیر ابدی دنیا (۳) ابدی غیر ازلی آخرت البتہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی ذات کو ذات خداوندی سے ایک خاص مناسبت ہے جیسا کہ اسی کتاب میں ہے واللہ اعلم بالصواب کتبہ خادم الطلبہ شیخ یوسف بن قادر راحم عفی عنہا وعن اسلافہما۔ جواب صحیح ہے واقعی تمام اہل اسلام کا یہی اعتقاد ہے اور جو اسکے خلاف اعتقاد رکھے وہ یا کافر مجاہر ہے یا اہل اسلام کے نزدیک ملحد اور بد دین ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سوال

کسی کار خیر کی انجام کی خوشی میں دعوت کرنا یا شیرینی تقسیم کرنا مثلاً کسی کا لڑکا قرآن شریف شروع یا ختم کرے یا محراب سنائے یا کوئی حج کرکے واپس آئے یا کسی قسم کی ترقی ہو تو خوشی میں بنظر شکریہ دوستوں اور عزیزوں اور حاضرین اور مساکین کو کھانا کھلانا یا کچھ تقسیم کرنا جائز

ہو یا نہیں **جواب** جائز ہو صحیح بخاری باب الطعام عند القدوم میں مروی ہو ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لما قدم المدینۃ نحر جزورا او بقرۃ یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے بھیڑ یا گائے ذبح کی۔ اور صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ قبول توبہ میں مروی ہو فلما جاءنی الذی سمعت صوتہ یبشرنی نزعت لہ ثوبی فکسوتہا ببشارتہ یعنے جب میرے پاس وہ شخص آئے کہ میں نے اُن کی آواز سنی کہ وہ مجھے بشارت دے رہے ہیں پس میں نے اُنکے لئے اپنے کپڑے اُتارے اور اس بشارت کے معاوضہ میں میں نے وہ کپڑے اُنھیں پہنا دیے اور بھی اسی میں ہو قلت یا رسول اللہ ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ قال امسک بعض مالک قلت انی امسک سہمی الذی بخیبر یعنی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری توبہ کے قبول ہونے کا شکریہ یہ ہی ہو کہ میں خدا اور اُسکے رسول کی راہ میں صدقہ کرنے کے لئے سب مال نکالدوں تو آپ نے فرمایا کہ اپنے مال کا کچھ حصہ بچا بھی رکھنا میں نے عرض کیا کہ خیبر کا جو میرا حصہ ہے میں اُسے اپنے لئے رہنے دونگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** خدا کی ذات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی اصل اور مادہ ہو یا نہیں۔ اسکا کیا مطلب ہے کہ آپ کی ذات کو ذات خداوندی سے ایک خاص مناسبت ہی حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی ذات حادث ہو یا قدیم **جواب** (۱) ذات الٰہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا مادہ نہیں ہو کیونکہ حادث کا مادہ قدیم نہیں ہوسکتا اہل اسلام کے نزدیک قدم بمعنی ازلی ہونا کہ کبھی اسپر عدم طاری نہ ہوا خدائے تعالے کے ساتھ مخصوص ہو البتہ فلاسفہ عقول کو بھی قدیم زمانی کہتے ہیں جبکہ قدم بمعنی غیر محتاج بسوائے غیر بالاتفاق خدائے تعالے کے ساتھ مخصوص ہو اور صحیح خبریں اسپر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالے تھا اور اُسکے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور ذات الٰہی نبی کی ذات کا مادہ نہیں ہے (۲) یہ جو مشہور ہو کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم خدا کے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہی کہ نور الٰہی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ ہو بلکہ اسمیں اضافت بغرض شرف ہے جس طرح کعبہ کو بیت اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہتے ہیں اور چونکہ نور محمدی صلے اللہ

علیہ وسلم تمام انبیا علیہم السلام کے انوار سے پہلے پیدا کیا گیا تھا اور اسپر خاص عنایات مواہب ربانی بخشیں لہذا یہ کہا گیا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے نور سے ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفور بہ محمد عبدالحی عفی عنہ **سوال** قرآن شریف یا کسی اور کتاب سے فال لینا درست ہی یا نہیں **جواب** اسکے جواز کی کوئی صریح دلیل قرآن و احادیث سے پائی نہیں گئی اور علما اس میں مختلف ہیں بعضوں نے اسکو حرام اور بعضوں نے مکروہ لکھا ہی اور بعضوں نے بایں شرط جائز لکھا ہی کہ اگر مقصود کے مخالف نکلے تو دل میں بد خیال نہ آنے پائے۔ ابو عبداللہ محمد بن حاج مالکی رحمہما اللہ مدخل میں لکھتے ہیں التفاول فی الشرع ھو الذی لا یقصدہ الانسان حتی یسمعہ ابتداءً واما من یقصدہ فلیس من التفاول فی شئ واشد من ذلک التفاول فی فتح الختمۃ والنظر فی اول سطر یخرج منہا او غیرہ وذلک باطل وبیان ذلک انہ قد یخرج لہ منہا آیۃ عذاب ووعید فیقع لہ التشویش من ذلک فرفع عنہ ذلک حتی ینقطع مادۃ التشویش بل یخشی علیہ ان یقع لہ ما ھو اشد من ذلک ویؤل امرہ الی الخطر العظیم ومن ذخیرہ قال الطرطوسی ان اخذ الفال بالمصحف وضرب الرمل ونحوھما حرام وھو من باب الاستقسام بالازلام من ان الفال حسن بالسنۃ وتحریرہ ان الفال الحسن وھو ما یعرض من غیر کسب مثل قائل یقول ما تفلح ونحوہ والتفاول المکتسب حرام کما قالہ الطرطوسی فی تعلیقہ یعنے شرعا فال وہی ہی جو خود بخود سب سے پہلے انسان بلا قصد سنے لیکن جو فال بقصد لی جائے وہ فال نہیں ہی اور اس سے بڑھکر یہ ہی کہ قرآن شریف کھولکر پہلی سطر سے فال لیں یا اسکے سوا اور کسی سطر سے اور اسکے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعض وقت شروع صفحے میں عذاب و وعید کی آیت ہوتی ہی جس کی بدولت فال دیکھنے والے کو تشویش ہوتی ہی لہذا اس کی ممانعت کردی گئی تاکہ تشویش کی جڑ ہی کٹ جائے بلکہ اسکا خوف ہی کہ وہ اس سے زائد کسی تشویش میں پڑکر سخت خطرے میں پڑ جائے اور ذخیرہ میں ہی کہ طرطوسی رحمہ اللہ نے کہا ہی قرآن شریف سے فال لینا اور رمل سے کچھ دریافت کرنا اور اسکے مثل حرام ہیں یہ سب تیروں سے قسمت دریافت کرنیکے

مثل ہیں لیکن فال جو سنت ہو وہ حسن ہو اُسکا بیان یہ ہو کہ حسن فال وہ ہو جو بلا کسب و
کوشش کے لیجائے مثلاً کسی نے کہا فلاح پانیوالے اور اسکے مثل اور وہ فال جو کوشش
کر کے لی گئی ہو حرام ہو جیسا کہ طرطوسی رحمہ اللہ نے اپنے تعلیق میں لکھا ہو۔ اور ملا علی قاری
مکی حنفی رحمہ اللہ شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں الفال بالمصحف ما صدر عن السلف و اختلف
فیه المتأخرون ولا شك لان التشاؤم مکروه سواء بالحروف و بالمعنی او التفاؤل
بالمعنی او بالظهور کبسملة ونحوها فلا باس واما الحروف فلا دلالة لها علی الحسن
والقبح ابدا یعنی قرآن شریف سے فال لینا سلف سے ثابت نہیں ہو اور اس میں متاخرین
نے اختلاف کیا ہو اور اس میں کوئی شک نہیں ہو کہ فال بد لینا مکروہ ہو خواہ حروف سے ہو
یا معنی سے لیکن معنی یا ظہور سے فال لینا مثلاً بسم اللہ وغیرہ تو اس میں کچھ حرج نہیں ہو اور
رہگئے حروف سو وہ حسن و قبح پر دلالت نہیں کرتے۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں
لکھتے ہیں ومن جملة علم الحروف الفال بالمصحف حیث یفتحونه وینظرون فی اول
صفحة ای حرف وافقة وکذا فی سابع الورقة السابعة فان جاء حرف من الحرف
المرکبة من تسخذ که حکموا بانه غیر مستحسن وفی سائر الحروف بخلاف ذلك وقد
قال ابن العجمی فی منسکه لا یوخذ الفال من المصحف فان العلماء اختلفوا فی
ذلك فکرهه بعضهم واجازه بعضهم ونص المالکیة علی تحریمها انتهی ولعل من اجاز
او کره اعتمد علی المعنی ومن حرمها اعتبر حروف المعنی فانه فی معنی الاستقسام
بالازلام منجملہ علم حروف کے مصحف سے فال لینا ہو کہ قرآن شریف کو کھولکر اُسکے پہلے صفحے
کو دیکھتے ہیں کہ کون حرف اُنکے حال کے موافق ہو اسی طرح ساتویں ورق کے ساتویں
صفحے میں پس اگر حروف تسخذ کہ میں سے کوئی اس میں ہو تو حکم لگا دیتے ہیں کہ فال تمام
حروف میں غیر مستحسن ہو ابن عجمی اپنے منسک میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف سے فال
نہ لیجائے کیونکہ اس میں علما کا اختلاف ہو بعضے اسے مکروہ لکھتے ہیں اور بعضے جائز اور مالکیہ
اسکے حرام ہونے پر دلیل لائے ہیں انتہی اور شاید جو لوگ اسے جائز یا مکروہ سمجھتے ہیں وہ
صرف معنوں پر اعتماد کرتے ہیں اور جو حرام سمجھتے ہیں وہ معنے کے حروف کا خیال کرتے

ہیں کیونکہ یہ تیروں سے قسمت دریافت کرنے کی طرح ہے انتہی اور سید عبد الباقی رحمہ اللہ بغدادی رسالۂ مناسک الحج میں لکھتے ہیں ومن الاستخارات الشابعۃ الاستخارۃ بالقرآن وسیمونہ تفاولا ولعلھم منھا کیفیات شتی والظاھر ان ذلک مما لا دلیل علی مشروعیتہ ومن البدع ما یستعملہ الشیعۃ بالتفاول من السبحۃ ونحوھا وکذا ما یفعلہ کثیر من الناس بالتفاول بدیوان حافظ الشیرازی یعنے شائع استخاروں میں سے قرآن شریف کا استخارہ ہے جسے فال کہتے ہیں اور اسکے قرآن شریف سے معلوم کرنے کے بہت سے طریقے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس کی مشروعیت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جو شیعہ تسبیح وغیرہ سے فال لیتے ہیں اور جو بہت سے لوگ حافظ شیرازی رحمہ اللہ کے دیوان سے فال لیتے ہیں یہ سب بدعت ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی **سوال** رمل کا سیکھنا اور سکھانا جائز ہے یا نہیں **جواب** رمل کی اصل حضرت ادریس علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے ہے اور انکے معجزات میں شمار کیا گیا ہے مگر ہماری شریعت میں رمل کی ممانعت ہے طحطاوی حاشیۂ درمختار میں لکھتے ہیں ھو علم بضروب اشکال من الخطوط والنقطۃ بقواعد معلومۃ تخرج حروفا تجمع وتستخرج جملۃ دالۃ علی عواقب الامور وقد علمت انہ حرام قطعا واصلہ لادریس علیہ السلام یعنے رمل وہ علم ہے جس سے قواعد مقررہ کے مطابق خطوط اور نقطوں سے اشکال بنا لینے کے طریقے معلوم ہوں جن سے کچھ حروف نکلتے ہیں جن کے ملانے سے جملہ نکلتا ہے جو آئندہ ہونے والی باتوں کو بتلاتا ہے اور یہ تم جان چکے ہو کہ یہ قطعا حرام ہے یہ اصل میں حضرت ادریس علیہ السلام کے لئے تھا۔ اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے فتاوے میں ہے ان تعلمہ وتعلیمہ حرام شدید التحریم لما فیہ من ایھام العوام ان فاعلہ یشارک اللہ فی غیب یعنے رمل کا سیکھنا اور سکھانا سخت حرام ہے کیونکہ اس سے عوام کو وہم ہوتا ہے کہ اُسکا جاننے والا علم غیب میں خدا کا شریک ہے۔ اور صحیح مسلم اور سنن ابو داؤد وغیرہ میں حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قلت ومنا رجال یخطون قال ای النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان نبی من الانبیاء یخط فمن وافق خطہ فذاک یعنے حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے

عرض کیا کہ ہم میں بعض لوگ خط کھینچتے ہیں (یعنی اس طرح غیر معلوم باتوں کا پتہ چلاتے ہیں) آپ نے فرمایا بعض انبیا نے بھی خط کھینچا ہو پس جس کا خط اُس خط کے مطابق ہو وہ درست ہو۔ اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ مرقاۃ الصعود شرح سنن ابوداؤد میں لکھتے ہیں قال النووی اختلف العلماء فی معناہ والصحیح ان معناہ من وافق خطہ فھو مباح ولا طریق لنا الی معرفۃ ذلک والعلم الیقینی بالموافق فلا یباح وقال عیاض معناہ من وافق خطہ فذاک الذی تجدون اصابۃ ما یقول لا انہ اباح ذلک لفاعلہ قال ویحتمل ان ھذا نسخ من شرعنا وقال الخطابی ھذا الحدیث یحتمل النہی عن ھذا الخط لانہ کان علما النبوۃ ذلک النبی وقد انقطعت فنہی عن تعاطی ذلک قال النووی فحصل من مجموع کلام العلماء الاتفاق علی النہی عنہ الآن یعنی نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں علما نے اسکے معنے میں اختلاف کیا ہو صحیح یہ ہو کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ جس کا خط انبیا کے خط کے موافق ہو اُس کا یہ کام مباح ہو اور ہمکو یہ کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا ہو اور نہ موافقت کا یقینی علم ہو سکتا ہو پس خط کھینچنا مباح نہیں ہو اور عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ جس کا خط انبیا کے خط کے مطابق ہو اُسکو جو بات معلوم ہو گی صحیح ہو گی نہ یہ کہ اسکا یہ فعل مباح ہو گا اور اُنھوں نے کہا ہو کہ اس امر کا احتمال ہو کہ یہ فعل ہماری شرع میں منسوخ ہو گیا اور خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث خط کھینچنے کی نہی کا احتمال رکھتی ہو کیونکہ یہ خط ایک نبی کی نبوت کی علامت تھی جو ختم ہو گئی لہذا اب اُسکے کرنے کی ممانعت کردی گئی نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام علما کے کلام کا حاصل یہی ہے کہ اس زمانہ میں اسکا ممنوع ہونا متفق علیہ ہو حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ۔

سوال شب برات میں حلوا اور عیدین میں سویاں ضروری سمجھکر پکانا اگرچہ قرضدار بھی ہو جائے کیسا ہو یا بخلاف خیال رسوم محض اس خیال سے پکانا کہ پڑوس میں یہ چیزیں پکیں گی اگر ہمارے یہاں نہ پکیں تو ہمارے بچے روئیں گے یا خود شیرینی کا شوق ہو اس لئے پکانا کیسا ہے آیا یہ جائز ہے یا ناجائز اور بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیئہ مفصل جواب عنایت ہو **جواب** اِس باب میں کوئی نص نفیاً و اثباتاً وارد نہیں ہے

اور جن چیزوں میں نص نہو تو کلیہ قاعدہ یہ ہی کہ اگر اُسے بپابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازم آئے گی اور اگر ضروری نہ سمجھے گا تو کوئی حرج نہیں ہی اور یہ کلیہ ہی تمام مباحات اور مندوبات اور بدعات مباحہ میں کہ منجملہ انکے حلوا اور سوتیاں وغیرہ بھی ہیں اور اسکا استنباط اُس قول سے ہی جسکو بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ابن ماجہ اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہی لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلوتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف عن یمینہ وقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ یعنی تم میں سے کوئی اپنے اعمال کو شیطان کے لئے نہ کردے اس طرح کہ نماز کے بعد اپنے پھر کر بیٹھنے کو داہنے میں منحصر کردے میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو دیکھا ہی کہ بسا اوقات اپنے بائیں طرف مڑتے یعنے جو بائیں ہاتھ کیطرف ہوتا۔ طیبی اور سید کے حواشی مشکوۃ میں ہی ان من اصر علی مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر یعنے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہی کہ جو کسی مستحب پر التزام کرے اور اُسے لازم سمجھ لے اور معافی پر عمل نہ کرے اُسے شیطان نے پکڑ لیا ہی پس جو بدعت یا بُرائی کا التزام کرلے اُسکے متعلق کیا کہا جائے یعنے اُسکا تو بہت بڑا تعلق شیطان کے ساتھ ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** غیر خدا کی نذر اور منت کا کھانا درست ہے یا نہیں **جواب** غیر اللہ کی نذر اور منت حرام ہی اور اسکا کھانا خواہ شیرینی ہو یا فیرینی سب کے لئے حرام ہی اور کسی حاجت کے وقت اللہ کے لئے جانور ذبح کرنے یا کھانا کھلانے یا مٹھائی بانٹنے کی منت ماننا درست ہی اور حصول مقصد کے بعد اسکا پورا کرنا لازم ہے مگر اسکے مصرف محتاج اور فقرا ہیں نذر کرنے والے اور امرا کو اسکا کھانا جائز نہیں بحر الرائق میں علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمہ اللہ کی شرح درر البحار سے منقول ہی النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع حرام لوجوہ منھا انہ نذر المخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون للمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا انہ ظن ان المیت

تبصرف فی الامور دون اللہ واعتقادہ ذلک کفر اللھم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی اورددت غائبی اوقضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدۃ نفیسۃ اوالامام الشافعیؒ اوالامام اللیثؒ اواشتری حصیر المساجد ھم اوزیتا لوقودھا اودراھم لمن یقوم بشعائرھا الی غیر ذلک مما یکون فیہ نفع للفقراء والنذر للہ وذکر الشیخ انما ھو محل تصرف النذر لمستحقیہ القاطنین برباطہ اومسجدہ فیجوز بھذا الاعتبار ولا یجوز ان یصرف ذلک لغنی ولا لشریف منصب اوذی نسب او علم مالم یکن فقیرا ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنیاء للاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشتغل الذمۃ بہ ولانہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ الا ان یکون فقیرا اولہ عیال فقراء عاجزون فیاخذونہ علی سبیل الصدقۃ المبتداءۃ واخذہ ایضا مکروہ مالم یقصد الناذر التقریب الی اللہ وصرفہ الی الفقراء ویقطع النذر عن نذر الشیخ یعنی عوام جو مُردوں کی نذریں مانتے ہیں اور جو شمعیں اور چراغ وغیرہ اولیائے کرام کے مزاروں پر اُنسے تقرب حاصل کرنے کی نیت سے لیجاتے ہیں یہ حرام ہے چند وجوہ سے کیونکہ اول تو یہ نذر لغیر اللہ ہے جو حرام ہے اسلئے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت حرام ہے اور اس لئے کہ منذور لہ مُردہ ہے اور مُردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے اور اس لئے کہ اس سے اِس امر کا گمان ہوتا ہے کہ امور میں مُردہ تصرف کرتا ہے نہ کہ خدا اور یہ اعتقاد کرنا کفر ہے لیکن اگر یہ کہے کہ اے اللہ میں نے تیرے لئے یہ نذر مانی ہے کہ اگر تو میرے مریض کو شفا دیدے یا میرے غائب کو لوٹا دے یا میری حاجت کو پورا کردے تو میں اُن فقرا کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ یا امام شافعیؒ یا امام لیث رحمہم اللہ کے دروازے پر رہتے ہیں یا اُن کی مساجد کی چٹائیاں بنوادوں گا یا وہاں کے چراغوں کے لئے تیل خریدوں گا یا وہاں کے خدمتگاروں کو دراہم دونگا یا انکے سوا اور ایسے امور جن میں خدا کے لئے نذر ہو اور فقرا کا نفع ہو تو جائز ہے شیخ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نذر کے صرف کرنے کے محل وہ لوگ ہیں جو منذور لہ کی خانقاہ یا مسجد میں رہتے ہوں اور اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے لیکن اسکو کسی امیر یا منصب یا نسب یا علم والے لوگوں پر جب کہ وہ فقیر نہوں

صَرف کرنا درست نہیں ہے اور شرع میں اغنیا کے لئے صرف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مخلوق کے لئے نذر ماننے کی حرمت پر اجماع ہے اور وہ نذر نہ تو صحیح ہوتی ہے اور نہ لازم ہوتی ہے اور اسلئے کہ وہ حرام ہے اور شیخ کے خادم کو بھی اسکا لینا درست نہیں ہے مگر جبکہ فقیر ہو اور اہل و عیال رکھتا ہو جو سب کے سب فقیر ہوں اور وہ اُسکو بطریق صدقہ کے لیں اور بھی اگر نذر سے نذر کرنے والے کا مقصد تقرب الی اللہ اور فقراء پر صرف کرنا ہو اور شیخ کی نذر سے قطع نظر نہ کرے تو بھی اُسکا لینا ناجائز ہے اور اس باب میں اصل یہ ہے جو مسند احمد رحمہ اللہ میں مروی ہے انما النذر ما ابتغی بہ الا وجہ اللہ یعنی نذر وہ ہے جس سے خدا مقصود ہو اور سنن ابوداؤد میں ہے لا نذر الا فیما ابتغی بہ وجہ اللہ یعنی وہ نذر نہیں جس میں خدا کے سوا کوئی اور مقصود ہو۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے ان رجلا نذر ان ینحر ابلا فی موضع سماہ فقال لہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم ھل فیہ وثن من اوثان الجاھلیۃ تعبد قال لا قال اوف بنذرک یعنی ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ ایک اونٹ ذبح کریگا ایک خاص جگہ پر جسکو اس نے معین کردیا تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت ہے جو پوجا جاتا ہو تو اُس نے کہا نہیں تب آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبد الحی عفی عنہ

سوال کسی دوست آشنا اُستاد بزرگ کے قدوم کی خوشی میں ضیافت کی نیت سے یا کسی اور خوشی میں جانور ذبح کرنا یا شیرینی بانٹنا جائز ہے یا نہیں اور اسکا کھانا جائز ہے یا نہیں

جواب درست ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے ذبح شاۃ لضیف ذاکرا علیھا اسم اللہ یحل اکلہ لانہ سنۃ الخلیل علیہ السلام واکرام الضیف اکرام اللہ ومن ظن انہ لا یحل لعلۃ انہ ذبح لاکرام بنی ادم فیکون کانہ اھل لغیر اللہ فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فانہ ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ بخس لا یذبح فیلزم علی ھذا الجاھل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب ولا ما ذبح للولائم والاعراس والعقیقۃ ولو ذبح لقدوم الامیر او لقدوم واحد من العظماء لا یحل اکلہ وان ذکر اسم اللہ علیہ لانہ ذبح لتعظیم خلق اللہ و لھذا لا یضع بین یدیہ بخلاف الاولی لانہ یقدمہ

بین یدیہ وھو الفارق یعنی اگر کسی مہمان کے لئے خدا کا نام لیکر بکری ذبح کی جائے تو اُسکا کھانا حلال ہی کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت ہی اور مہمان کی تعظیم خدا کی تعظیم ہی اور جو یہ خیال کرتا ہی کہ اُسکا کھانا ناجائز ہی کیونکہ اُس نے آدمی کی تعظیم کے لئے اُسے ذبح کیا ہی تو یہ مثل اُن اشیا کے ہونگے جن پر خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو) وہ قرآن اور حدیث اور عقل سب کے خلاف کرتا ہی کیونکہ قصاب نفع کی غرض سے ذبح کرتا ہے یہانتک کہ اگر اُسے نقصان کا علم ہو تو ہرگز ذبح نہ کرے تو اِس جاہل کے قول پر لازم آتا ہی کہ قصاب کا ذبیحہ بھی نہ کھایا جائے اور اسی طرح وہ بھی جو ولیموں شادیوں یا عقیقوں کے لئے ذبح کیا جائے اور اگر امیر یا بڑے لوگوں میں سے کسی کے آنے پر ذبح کیا ہی تو اُسکا کھانا جائز نہیں ہی اگرچہ وقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہو کیونکہ یہ ذبیحہ تعظیم خلق اللہ کے لئے ہی اسوجہ سے حاکم یا معزز شخص کے سامنے اُسے نہیں لیجاتے برخلاف ذبیحۂ اولی کے کہ اُسے جسکے لئے ذبح کیا ہی اُسکے سامنے لیجاتے ہیں اور یہی اُن دونوں میں فرق ہی۔ اور اصل اس باب میں قصہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہی جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہی کہ جب اُنکی توبہ قبول ہوئی تو اُنھوں نے اس خوشی میں اپنا تمام مال صدقہ کیا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنسے فرمایا کہ کسیقدر اپنے مال سے رہنے دو تب اُنھوں نے اپنا وہ حصہ جو غزوہ خیبر میں ملا تھا باقی رہنے دیا اور سب مال صدقہ کردیا اور بھی اس بحث میں اصل ولیمہ کا مشروع ہونا ہی جو شب زفاف کے بعد مسنون کیا گیا ہی اور اُسکے فضائل میں حدیثیں صحاح میں مروی ہیں اور وہ حدیثیں جن میں نکاح کے بعد خرما وغیرہ لٹانا مروی ہی سنن بیہقی اور معجم طبرانی اور طحاوی کی شرح معانی الآثار میں ہیں مگر اُن کی سندوں میں ضعف ہی اور اسی قسم سی براتوں کا کھانا کھلانا ہی غرض احادیث متکثرہ سے جو وقائع مختلفہ میں وارد ہیں یہ امر ثابت ہوتا ہی کہ کسی خوشی کے وقت کھانا کھلانا یا کھانا باٹنا یا کوئی اور چیز باٹنا جائز ہے اور ہر امیر اور غریب کو اُسکا کھانا مباح ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** زید ناس لیتا ہی اور حقہ پینے کو حرام نہیں کہتا بکر کہتا ہی کہ زید اور اُسکے سب مرید کافر ہیں اور حقہ پینے والے

کے جنازے کی نماز نہ پڑھنا چاہیئے اِس مسئلہ میں حق کس کا قول ہی جواب بکر کا قول اس باب میں محض لغو ہی اور ہرگز ماننے کے لائق نہیں ہی اہل اسلام کو چاہیئے کہ اُسے سمجھا ئیں اور ایسا حکم لگانے سے روکیں۔ جاننا چاہیئے کہ حقہ پینا سنہ کے بعد جاری ہوا اور اس وقت سے لیکر اس وقت تک چاروں مذہبوں کے علما اس میں مختلف ہیں بعضے حرام اور بعضے مکروہ تحریمی اور بعضے مکروہ تنزیہی کہتے ہیں اور بعض مطلقاً مباح جانتے ہیں میں نے اُن سب کی عبارتیں مع تفصیل کے اپنے رسالہ ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان میں لکھدی ہیں جسکو دیکھنا ہو دیکھ لے۔ اور رد المحتار میں ہی اضطربت اٰراء العلماء فيه فبعضهم قال بكراهته وبعضهم قال بحرمته وبعضهم باباحته وافردوه بالتاليف و في الشرح الوهبانية للشرنبلالي ويمنع من بيع الدخان وشربه وشاربه في الصوم لاشك يفطر والعلامة الشيخ علي الاجهوري رسالة نقل فيها انه افتى بحله من يعتمد عليه من ائمة المذاهب الاربعة قلت والف في حله سيدنا العارف عبد الغني النابلسي الحنفي رسالة سماها الصلح بين الاخوان في اباحة شرب الدخان واقام الطامة الكبرى على القائل بالحرمة او الكراهة فانهما حكمان شرعيان لابد لهما من دليل ولا دليل على ذلك فانه لم يثبت اسكاره ولا تفتيره ولا اضراره وان فرض اضراره للبعض لايلزم منه تحريمه على كل احد يعنے اس میں علما کی رائیں مختلف ہیں بعض کراہت کے قائل ہیں اور بعض حرمت کے اور بعض اباحت کے اور اس مسئلہ میں مستقل رسالے لکھے ہیں شرنبلالی رحمہ اللہ کی شرح وہبانیہ میں ہی کہ تمبا کو کا بیچنا اور اُسکا پینا حرام ہی اور اگر کوئی رمضان میں پی لے تو بلا شک اُسکا روزہ ٹوٹ جائیگا علامہ شیخ علی اجہوری رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہی جس میں اُنھوں نے نقل کیا ہی کہ حقہ کے حلال ہونے کا فتوے قابل اعتماد آئمہ مذاہب اربعہ نے دیا ہی میں کہتا ہوں کہ اسکے حلال ہونے پر علامہ عبد الغنی نابلسی حنفی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہی جسکا نام الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان رکھا ہی اور اُنھوں نے حرمت اور کراہت کے قائلین پر بہت سی حجتیں قائم کی ہیں کیونکہ یہ دونوں حرمت اور کراہت شرعی حکم ہیں انپر دلیل کا قائم کرنا ضروری ہی اور اس پر

کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اسکا نشہ یا حواس کو سست و ناقص کرنا اور ضرر نہیں ثابت ہے اور اگر بعض لوگوں کے حق میں ضرر رساں ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب پر حرام ہو جائے اور عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ میں لکھتے ہیں من البدع العادیۃ استعمال التتن والقھوۃ یعنے عادی بدعتوں میں سے ناس اور قہوہ ہے اور شیخ عبدالخالق مزجانی رحمہ اللہ زبیدی حنفی اپنے بعض فتاوے میں لکھتے ہیں قد تکلم العلماء المتاخرون فی ذلک لانہ لم یکن فی القرون السابقۃ فمن مفرط فی ذمہ حتی جزم بالحرمۃ ومن مفرط فی مدحہ ومنھم من توسط وقال انہ مکروہ تحریما وھذا عندی احسن الاقوال واعدلھا اذ لا قاطع بتحریمہ ولیس کل موذ ومنتن حراما والا لکان اکل الثوم والبصل والفجل والکراث حراما ھذا کلہ فی شرب دخانہ واما اکلہ وشمہ فھو مکروہ تنزیھا عندی لانھما دون شرب دخانہ یعنے علمائے متاخرین نے اس میں کلام کیا ہے کیونکہ یہ قرون سابقہ میں نہ تھا پس بہت سے لوگ اس کی برائی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں کہ اسے حرام سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کی مدح میں حد سے بڑھ گئے اور بعض لوگ متوسط ہیں کہ مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور یہی میرے نزدیک بہترین اور اعدل اقوال ہے کیونکہ اس کی حرمت کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے اور ہر موذی اور بدبودار چیز حرام نہیں ہے ورنہ لہسن پیاز مولی اور کراث[1] کا کھانا حرام ہو جائے یہ تمام احکام تمباکو کے پینے کے ہیں لیکن اسکا کھانا یا سونگھنا تو یہ میرے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اسکے دھویں کے پینے سے کم ہے۔ اور جو تنقیح دلائل طرفین کے بعد واضح ہوا ہے یہ ہے کہ حرمت کا قول ماننے کے قابل نہیں ہے کیونکہ حرمت دلیل قطعی تحریم پر موقوف ہے اور حرام کہنے والوں نے کوئی قطعی دلیل اسپر قائم نہیں کی ہے بلکہ دلائل ظنی جو انھوں نے پیش کیے ہیں وہ بھی مخدوش ہیں جیسا کہ ترویح الجنان کے دیکھنے والے پر مخفی نہ رہے گا اور بلا کراہت مباح ہونیکا قول بھی خدشات سے خالی نہیں ہے البتہ مکروہ ہونیکا قول اعتبار

[1] لہسن کے جوے ہیں جو چھو کر بوئے جاتے ہیں جب درخت نکلتا ہے تو اسکی پتیاں جو کیطرح اور پھل لہسن کی طرح ہوتا ہے ان پتیوں کو کراث کہتے ہیں۔ ہندی میں اسکا نام گندنا ہے ۱۲

کے قابل ہے اور یہ تمام گفتگو حقہ پینے والے میں ہے لیکن تمباکو کھانا اور ناس لینا تو اُسکے مکروہ ہونے پر بھی کوئی معتبر دلیل قائم نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ حقہ پینے یا ناس لینے کیوجہ سے کسی مسلمان کو کافر کہنا اور اسکے جنازے کی نماز نہ پڑھنا بڑی جرأت کا کام ہے جو پڑھے ہوئے لوگوں سے بعید ہے اگر بفرض محال حرمت ثابت بھی ہو جائے تو بھی مختلف فیہ ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ علما کی ایک جماعت نے حرمت سے انکار کیا ہے اور کراہت یا اباحت کا فتوے دیا ہے مسائل اختلافیہ میں تکفیر کے کیا معنے ہیں شرح عقائد نسفی وغیرہ میں ہے جس حرام کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اسمیں کچھ اختلاف نہو اسکی حلت کا حکم دینا موجب کفر ہو سکتا ہے لیکن وہ حرام جو مختلف فیہ ہو پس ہرگز اُس کے حلال جاننے والے پر کفر کا حکم جائز نہیں ہے ایسا ہی فتاوے بزازیہ وغیرہ میں ہے حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبد الحئی عفی عنہ **سوال** جو مسلمان شخص اسلام کے طریقے اور صورت اور لباس کو ناپسند کر کے برہما کے طریقے کے موافق صورت اور لباس کو پسند کر کے اور لمبے بال بڑھا کے عورتوں کی طرح جوڑا باندھے اور برہما کا لباس پہنے اور پسند کرے اور کفر کے طریقوں کو ترجیح دے اور مدد دے وہ کیسا ہے **جواب** ایسا شخص فاسق اور فاجر ہے بلکہ کفر کے طریقے پسند کرنے کیوجہ سے اُسکے کفر کا خوف ہے حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** اس شہر میں برہما کے لوگ شروع سال چیت کے مہینے میں تین دن تک اپنے برہما کے طریقے کے موافق دریا میں ہزار آدمیوں کے قریب جمع ہو کر پانی میں کھیلتے ہیں اور اُس پرب کو میشو پرب کہتے ہیں اور اُس دن میں جو برہما لوگوں کا مبارک اور خوشی کا ہوتا ہے میلہ ہوتا ہے جیسے مجوسی نوروز میں اور ہندو دیوالی میں کرتے ہیں اور بارتی اشنان دو چار کشتی لیکر بازی لگاتے ہیں اور ہار جیت کی کشتی دوڑاتے اور کھیلتے ہیں اور اپنی کشتیوں میں لال اور کالے رنگ کے جھنڈے اُڑاتے ہیں اور اشعار پڑھ کر ناچتے اور گاتے ہیں اور ایک گھڑے میں لال رنگ لگا کر پانی بھرتے ہیں اور اُس میں آم کی ایک ٹہنی رکھتے ہیں اور کشتی دوڑانے کے وقت جو لوگ کشتی دوڑانے کے لئے موجود رہتے ہیں ان لوگوں کی طرف سے شگون کے لئے کالا یا لال ایک ایک مرغی کا بچہ چھوڑ دیتے ہیں اس

نیت سے کہ وہ کھیل کی کشتی دریا میں نہ ڈوبے اسی طرح سے اِس ملک کے مسلمان لوگ
بھی اُسی برہما طریق کے موافق ان دنوں میں اس فعل کو اچھا سمجھکر ذوق اور شوق اور
خوشی وخرمی سے کشتیاں لیکر برہما لوگ کے ساتھ بازی لگاکر پانی میں کھیلتے ہیں اور
برہما کے ساتھ موافقت کرکے برہما لوگ کے افعال اور امورات سابق الذکر کو خوشی اور
خرمی سے کرتے ہیں۔ اور اس دن برہما لوگوں کی عورتیں اپنے کو زیور اور عطر وغیرہ سے آراستہ
کرتی ہیں اور پکوان پکاکر جہاں کشتی کا تماشہ ہوتا ہی لیجاتی ہیں۔ اکثر مسلمان عورتیں بھی اس
فعل کو اچھا جانکر کرتی ہیں اِن مرد وعورت کے لئے کیا حکم ہی **جواب** کفار کے ایسے
لہو ولعب میں مسلمانوں کو شریک ہونا حرام ہی بلکہ اُن کی موافقت اور رضامندی کفر کا
باعث ہوتی ہی حدیث میں ہی من کثر سواد قوم فھو منھم یعنے جسنے کسی قوم کے مجمع کو
بڑھایا وہ اُسی قوم سے ہی۔ اور خزانۃ الروایات میں ہی فی الفصول قال الشیخ ابو بکرؒ
الطرخانی من خرج الی السدۃ فقد کفر لان فیہ اعلان الکفر وعلی قیاس مسئلۃ
السدۃ الخروج الی نیروز المجوس والموافقۃ معھم فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم من
المسلمین کفر وکذ الخروج الی لعب کفرۃ الھند فی الیوم الذی یدعونہ سر تھی
والموافقۃ معھم فیما یفعلونہ من تزیین البقور والافراس والذھاب الی دور الاغنیاء
یلزم ان یکون کفرا وکذ الخروج فی لیلۃ تلعب فیھا کفرۃ الھند بالنیران والموافقۃ معھم
فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم من المسلمین کفر یعنی فصول میں ہی شیخ ابو بکر طرخانی رحمہ اللہ
کہتے ہیں کہ تجہانے میں جانیوالا کافر ہی کیونکہ اُس میں کفر کا اعلان ہی اور اِسی قیاس پر مجوسیوں
کے نوروز میں جانا اور اُن کے افعال میں اُن کی مطابقت کرنا مسلمانوں کے لئے کفر ہے
اسی طرح ہند کے کافروں کے کھیل میں جسے سرتھی (رام لیلا) کہتے ہیں جانا اور گایوں اور
گھوڑوں کو آراستہ کرنا اور امیروں کے گھر میں جانا ان سب سے کفر لازم آتا ہی اسی طرح اُس
رات میں نکلنا جس میں ہند کے کافر آگ سے کھیلتے ہیں جیسے ہولی دیوالی وغیرہ اور
اُنکے افعال میں اُن کی موافقت مسلمانوں کے لئے کفر ہی۔ اور فتاوے بزازیہ میں ہی
الخروج الی نیروز المجوس والموافقۃ معھم فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم کفر واکثر ما

يفعل ذلك من كان اسلم منهم فيخرج في ذلك اليوم ويوافق معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم فيصير بذلك كافرا ولا يشعر به اجتمع المجوس يوم النيروز فقال مسلم خوب سیرت نهاد ند یعنی مجوسیوں کے نوروز میں جانا اور اُس دن اُنکے افعال کی اتباع میں کام کرنا کفر ہے اور ایسا کرنے والے اکثر وہ مجوسی ہوتے ہیں جو مسلمان ہو گئے ہیں یہ ان دنوں میں نکلتے ہیں اور اُنکے افعال کے مطابق کام کرکے کافر ہو جاتے ہیں اور انکو اس کافر ہو جانے کا علم بھی نہیں ہوتا اگر نوروز کے دن مجوسی جمع ہوے اور کسی مسلمان نے کہا اُنھوں نے کیا عمدہ بات نکالی ہے تو وہ کافر ہو گیا اور بھی اسی میں ہے وما جرت العادة بسمرقند ينصب امير يوم نيروز واجتماع الناس وخروجهم الى باب رحمة واجتماعهم فيه ثلثة ايام فلا شك انهم ان ارادوا به تعظيم اليوم فذلك كفر وان ارادوا به غيره فالاصوب تركه وكذا اجتماع المسلمين يوم فصح النصارى یعنی اور سمرقند میں جو یہ ہونے لگا ہے کہ امیر نوروز کے دن بنایا جاتا ہے اور لوگ جمع ہو کر باب رحمت کو جاتے ہیں اور وہاں تین دن تک جمع رہتے ہیں پس بیشک اگر انکا مقصد اس سے اُس دن کی تعظیم ہو تو وہ کافر ہیں اور اگر کوئی اور مقصد ہو تو اسکا ترک کرنا ہی اچھا ہے اسی طرح مسلمانوں کا نصاریٰ کی عید کے دن جمع ہونا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** اس ملک کے ہندو ہر سال پرستش کے طریقے سے گنگا یا دریا میں غسل کرتے ہیں اور لڑکوں کی منت اُتارتے ہیں اور انکا سر منڈاتے ہیں اور ایک بکری کے بچہ کو سیندور لگا کے اور ہار پہنا کے دریا میں ڈالتے ہیں اور اُسے ملاح یا مسلمان نکال کے بیچتے ہیں یا اپنے صرف میں لاتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں **جواب** درست نہیں ہے نہ اسوجہ سے کہ وہ مال اہل لغیر اللہ ہے کیونکہ اس آیت میں مذبوح لغیر اللہ مراد ہے بلکہ اسوجہ سے کہ وہ جانور مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتا **سوال** تاڑی بنایا ہر وہ شراب جس کا کثیر مسکر ہو اور نان یا وکھانا جسکا خمیر تاڑی کا ہو حرام ہے یا حلال **جواب** مذہب معتبر کے لحاظ سے حرام ہے اگرچہ بعض اشربہ میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مقدار مسکر حرام ہے اور مقدار غیر مسکر حرام نہیں ہے مگر امام محمد رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق اسکا قلیل اور کثیر سب حرام ہے اور روایۃ

اور درایۃ بھی یہی قول معتبر ہی۔ خزانۃ المفتین میں ہو ذکر فی شرح مجمع البحرین الصحیح ما ذھب الیہ محمد رح یعنی شرح مجمع البحرین میں ہو کہ امام محمد رحمۃ اللہ کا مذہب صحیح ہی۔ اور مجمع البرکات میں ہی الفتوی علی قول محمد رح امام محمد رحمۃ اللہ کے قول پر فتوے ہی۔ اور ملتقی الابحر میں ہے وکل حرام عند محمد وبہ یفتی والخلاف انما ھو عند قصد التقوی واما عند قصد التلھی فحرام اجماعًا اور امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک سب حرام ہو اور اسی پر فتوے ہو اور اختلاف تقویت مقصود ہونے کی حالت میں ہو اور بخیال لہو ولعب اجماعًا حرام ہو۔ اور زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہی الفتوی الیوم علی قول محمد حتی یحد من یسکر من الحبوب المتخذۃ من الحبوب والعسل واللبن والتین یعنی آجکل فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہی حتی کہ جسکو بجوں شہد دودھ یا انجیر سے بنی ہوئی چیز کے کھانے کیوجہ سے نشہ چڑھا ہو اسپر بھی حد کیجاے گی۔ اور قاضی بدر الدین عینی رحمہ اللہ رمز الحقائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں قال محمد والثلثۃ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر وکل مسکر حرام رواہ مسلم وعن ابن عمر انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمد وابن ماجۃ والدار قطنی وصحح و الفتوی علی قول محمد والاختلاف فیما اذا قصد بہ التقوی دون التلھی وان قصد بہ التلھی فھو حرام بالاجماع یعنے امام محمد اور آئمہ ثلثہ رحمہم اللہ نے کہا ہو کہ جس چیز کا بہت نشہ لائے اُسکا تھوڑا بھی حرام ہی خواہ کسی قسم سے ہو کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی ہر نشہ آور شراب ہی اور ہر نشہ آور حرام ہی اِسے مسلم نے روایت کیا ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ جناب رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہو جس چیز کی کثرت سے نشہ آئے وہ تھوڑی بھی حرام ہو اسکو احمد اور ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہو اور اس کی تصحیح کی ہو اور فتوے امام محمد رحمۃ اللہ کے قول پر ہو یہہ اختلاف اس صورت میں ہو جب ایسی اشیاء سے قوت حاصل کرنا مقصود ہو ورنہ اگر شوقیہ ایسی چیز کو استعمال کرے تو اُس کے حرام ہونے پر اجماع ہی۔ اور فتاوے بزازیہ میں ہو قال محمد قلیلہ وکثیرہ حرام قالوا وبقول محمد ناخذ انہ حرام ومذھب محمد انہ حرام ونجس کما ھو

من ھب مالکؒ والشافعیؒ واحمدؒ وابی داؤدؒ واذاکان شرابہ للھو فقلیلہ وکثیرہ حرام اتفاقا کما ھو المعتاد فی الزمان بین الانام یجتمعون علی ھذہ المسکرات کاجتماعھم علی الخمر یعنی امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ تھوڑی بہت دونوں طرح حرام ہی اور ہم انھیں کے قول کو لیتے ہیں اور انکا مذہب یہ ہی کہ وہ حرام اور نجس ہی جیساکہ امام مالک اور امام شافعی اور ابو داؤد رحمہم اللہ کا مسلک ہی اور اگر اسکا پینا محض شوقیہ ہو تو قلیل وکثیر دونوں بالاتفاق حرام ہیں جیساکہ عموماً آجکل کے لوگ اسی قسم کی نشہ آور چیزوں کو مجتمع ہوکر پیتے ہیں جسطرح شراب کو مجتمع ہوکر پیتے ہیں۔ اور ابوالمکارم شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں قال الفقیہ ابواللیث وبقول محمدؒ ناخذ وفی الخلاصۃ ان الفتوی علی قول محمدؒ یعنی فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے کہا ہی کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو لیتے ہیں اور خلاصہ میں ہی کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے ہی اور کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہی ذکر فی الفتوی ان الفتوی علی قول محمدؒ کذا ذکرہ الامام محبوبی یعنی فتوے میں ہی کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے ہی یہ امام محبوبی رحمہ اللہ نے لکھا ہی اور فصیح الدین اور نظامی ہروی رحمہ اللہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں ثم انہ فی مجمع البحرین ان الصحیح فی کل اشربۃ قول محمدؒ وفی النھایۃ ان الفتوی علی قول محمدؒ وفی الخلاصۃ قال الفقیہ ابواللیث وبقول محمدؒ ناخذ وعلیہ الفتوی وفی الواقعات الحسانیۃ وبقول محمدؒ ناخذ یعنی مجمع البحرین میں ہی کہ اشربہ کے متعلق امام محمد رحمہ اللہ کا قول صحیح ہی اور نہایہ میں ہی کہ فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہی اور خلاصہ میں ہی کہ فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے کہا ہی کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو لیتے ہیں اور اسی پر فتوے ہی اور واقعات حسانیہ میں ہی کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو لیتے ہیں۔ اور جامع الرموز میں ہی حاصلہ ان شرب نبیذ الحبوب والحلاوات بشرطہ حلال عند الشیخین فلا یحد السکران منہ ولا یقع طلاقہ وحرام عند محمدؒ فیحد ویقع کما فی الکافی وعلیہ الفتوی کما فی الکفایۃ حاصل یہ ہی کہ غلوں اور میٹھی چیزوں کی نبیذ شیخین رحمہ اللہ کے نزدیک بشروط حلال ہی تو جسے اس سے نشہ چڑھے اسپر حد نہ کیجائے گی اور اس کی طلاق نہ واقع ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حرام ہی اور ایسے شخص کی طلاق واقع ہوگی جیساکہ

کافی میں ہو اور اسی پر فتویٰ ہو جیسا کہ کفایہ میں ہو اور الیاس زادہ رحمہ اللہ شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں الشیخ الخسروانی ذکران الفتویٰ علی قول محمدؒ یعنی شیخ خسروانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہو کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے ہو۔ اور تنویر الابصار میں ہو وحرمہا محمدؒ مطلقاً وبہ یفتی یعنے امام محمد رحمہ اللہ اسے مطلقا حرام لکھتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہو اور ردالمحتار میں ہو قولہ غیرہ کصاحب الملتقی والمواہب والکفایۃ والنہایۃ والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقہستانی والعینی حیث قالوا الفتوے فی زماننا بقول محمدؒ لغلبۃ الفساد یعنی اسکے علاوہ اور لوگ جیسے صاحب ملتقی اور مواہب اور کفایہ اور نہایہ اور معراج اور شرح مجمع اور شرح درر البحار اور قہستانی اور عینی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہو غلبۂ فساد کیوجہ اور ایسا ہی بہت سے متون معتبرہ اور شروح اور فتاویٰ میں ہو جیسا کہ کتب فقہ کے دیکھنے ولے پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہو جب اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ مذہب مفتی بہ کے موافق ہر مسکر کا قلیل اور کثیر حرام ہو لہذا تاڑی کے ایک قطرہ کے بھی حرام ہونے میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہا کیونکہ اسکا کثیر بلاشبہہ مسکر ہو اور اسی طرح اس کی نجاست اور اُس نان پاؤ کی حرمت میں بھی کوئی شبہہ باقی نہیں رہا جسکا خمیر تاڑی سے ہو اور جو اس زمانے کے بعض علما خیال کرتے ہیں کہ اس بحث میں شیخین رحمہما اللہ کا قول معتبر ہو اسوجہ سے کہ اُسکا متون میں ذکر ہو اور اصحاب متون کا قول اصحاب شروح وفتاوے کے قول سے زائد معتبر ہے غلط ہو کیونکہ حنفیہ رحمہم اللہ کے متون اس باب میں تین مسلک پر ہیں بعضے اصحاب متون نے شیخین اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ذکر کیا ہو اور بعض اصحاب متون نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ فتوے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہو اور بعض اصحاب متون نے فقط شیخین رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہو اور یہ جو مشہور ہو کہ متون کا قول شروح اور فتاوے کے قول پر مقدم ہے سو وہ اس شرط کے ساتھ ہو کہ جب شراح وغیرہم نے اُسکے خلاف فتویٰ ندیا ہو اور اسیطرح یہ جو مشہور ہو کہ ظاہر الروایۃ کے مسائل نوادر کے مسائل پر مقدم ہیں سو وہ بھی اسی شرط کے ساتھ ہے کہ جب نوادر میں ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ نہ دیا گیا ہو۔ تنقیح فتاویٰ حامدیہ

میں ہے قد ذکروا ان مافی المتون مصحح التزامًا ای التزم اصحاب المتون ان یذکروا فیہا
الصحیح وان الصحیح الصریح اقوی من الصحیح الالتزامی یعنی جو متون میں ہے وہ التزامًا
صحیح ہے یعنے اصحاب متون نے اِس بات کو لازم کرلیا ہے کہ اُن میں صحیح روایتیں ذکر کریں
اور صریح تصحیح التزامی تصحیح سے زائد قوی ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے اذا کان احد القولین
ظاہر الروایۃ والاٰخر غیرھا فقد صرحوا اجمالا بانہ لایعدل عن ظاہر الروایۃ فھو ترجیح
ضمنی فلایعدل عنہ بلاترجیح صریح المقابلہ وکذا لوکان احد القولین فی المتون او
الشروح اوکان قول الامام اوکان ھو الاستحسان یعنے دو قولوں میں سے ایک جب ظاہر
روایت اور دوسرا غیر ظاہر ہو تو اجمالا اس بات کی فقہا نے تصریح کی ہے کہ ظاہر الروایۃ سے
عدول نہ کیا جائے گا پس یہ ترجیح ضمنی ہے اس سے بلاترجیح صریح عدول نہ کیا جائے گا
اسی طرح اگر دو قولوں میں سے ایک متون یا شروح میں ہو یا امام کا قول ہو یا وہی مستحسن ہو
پس اگرچہ شیخین رحمہما اللہ کا قول کتب ظاہر الروایۃ اور متون میں مذکور ہے لیکن جب شراح
معتبرین اور مشایخ معتمدین نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے دیا ہے تو ارباب متون
کے ذکر کرنے کیوجہ سے ترجیح ضمنی کا اعتبار باقی نہیں رہا اور جو بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ
مشایخ کا یہ فتوےٰ دینا رسم مفتی کے خلاف ہے کیونکہ قاضی خاں میں ہے ان کانت المسئلۃ
مختلفا فیہا بین اصحابنا فان کان مع ابی حنیفۃ احد صاحبیہ یاخذ بقولھما لوفور الشرائط
واجتماع ادلۃ الصواب فیھما یعنی اگر کسی مسئلہ میں ہمارے اصحاب نے اختلاف کیا ہو تو
اگر صاحبین رحمہما اللہ میں سے کوئی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موافق ہو تو انھیں دونو کے
قول کو لیا جائیگا کیونکہ شرائط پوری متحقق ہیں اور صحت کی دلیلیں اس میں پائی جاتی ہیں چند
وجہوں سے لغو ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ لزوم افتا شیخین یا طرفین رحمہم اللہ کے مذہب پر اُسوقت ہے
جب دلیل میں دونوں قول مساوی ہوں اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کی دلیل قوی
ہوگی تو قوی دلیل کے موافق فتوے دیا جائیگا گو شیخین یا طرفین رحمہم اللہ کے خلاف ہو ہاں
جو شخص قوی یا غیر قوی دلیل میں تمیز نہ کرسکتا ہو اُسکو بجز اختیار ترتیب کے کوئی چارہ نہیں
ہے۔ درمختار میں ہے الاصح کما فی السراجیۃ وغیرھا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم

بقول الثانی ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والحسن بن زیاد وصحح فی الحاوی القدسی
قوۃ المدرک یعنی اصح وہ ہے جو سراجیہ وغیرہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر
مطلقاً فتوے دیا جائیگا پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر پھر امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر
پھر امام زفر اور حسن بن زیاد رحمہما اللہ کے اقوال پر اور حاوی قدسی میں قوت دلیل کی بنا پر
فتوے دینے کی تصحیح کی ہے۔ اور رد المحتار میں ہے قال الحلبی الذی یظهر فی التوفیق ای بین
ما فی الحاوی وما فی السراجیۃ ان من کان له قوۃ ادراک القوۃ المدرک یفتی بالقول
القوی المدرک ای الدلیل والا فالترتیب یعنی حلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے حاوی اور سراجیہ
کی عبارتوں کے تطابق سے معلوم ہوتا ہے کہ جسکو دلیل کی قوت سمجھنے کی قوت ہو وہ اُس قول
پر فتویٰ دے جس کی دلیل قوی ہے ورنہ باعتبار ترتیب مذکورۂ بالا فتوے دے۔ اسی پر سراجیہ
کی یہ عبارت دلالت کرتی ہے والاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتهدا فهو صریح فی ان المجتهد یعنی
من کان اهلا للنظر فی الدلیل یتبع من الاقوال ما کان اقوی دلیلا والا تبع الترتیب السابق
یعنے جب مفتی مجتہد نہو تو اول یعنی ترتیب اصح ہے اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد یعنی جو دلیل پر غور
کر سکتا ہے اُس قول کی اتباع کرے جو دلیل کے اعتبار سے قوی ہے اور ترتیب مندرجۂ بالا
کی اتباع نہ کرے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل قوی ہے جیسا کہ اُسکی
تفصیل آگے آتی ہے۔ پس جن مشائخ نے انکے قول پر فتوے دیا ہے وہ رسم مفتی کے موافق
ہے کیونکہ اُنمیں سے اکثر دلیل پر غور کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں اور دلائل طرفین کی تنقیح
کرنے اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی دلیل قوی پانے کے بعد اُنکے قول پر فتویٰ دیا ہے
دوسرے یہ کہ اگر رسم مفتی مذکور علی الاطلاق درست ہو تو لازم آئے گا کہ اگر مشائخ امام ابوحنیفہ
رحمہ اللہ کے خلاف امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر فتوے دیں تو معتبر نہوگا اور یہ اجماع کے
خلاف ہے۔ رد المحتار میں ہے وعن هذا تراهم قد یرجحون قول بعض اصحابه علی قوله
کما رجحوا قول زفر وحده فی سبع عشرۃ مسئلۃ فنتبع ما رجحوه لانهم اهل النظر فی الدلیل
یعنی اسوجہ سے بعض وقت فقہا بعض اصحاب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو خود اُن کے
قول پر مقدم کر دیتے ہیں جیسا کہ اکیلے امام زفر رحمہ اللہ کے قول کو سترہ مسئلوں میں ترجیح

دی گئی ہے پس ہم اُس کی اتباع کرینگے جسے فقہا نے ترجیح دی ہے کیونکہ وہ لوگ دلیل پر غور کر سکتے تھے تیسرے یہ کہ جب مشایخ جو ارباب نظر ہیں فتوے دیدیں تو مفتیوں کو چون وچرا کی جگہ باقی نہیں رہتی بلکہ اُسے مان لینا اُنکو لازم ہے۔ درمختار میں ہے واما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کمالو افتوا فی حیاتہم ہمیں اُسی کی اتباع کرنا چاہیئے جس کی تصحیح اور ترجیح فقہا کردیں جیساکہ اگر وہ اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے اور علامہ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں والناس بین مقلد محض مقلد لہ اھلیۃ النظر فعلی الاول اتباع ما صححہ المشایخ والثانی لہ الترجیح والتصحیح یعنے لوگ دو طرح کے ہیں ایک مقلد محض دوسرے وہ مقلد جنھیں نظر کی اہلیت ہے پس پہلے لوگوں کو تصریحات مشایخ کی اتباع کرنا لازمی ہے اور دوسروں کو ترجیح اور تصحیح کا حق حاصل ہے۔ اور جو بعض اہل علم کے ذہنوں میں یہ خیال تشویش پیدا کرتا ہے کہ مشایخ حنفیہ رحمہم اللہ کا فتوے ہر مسکر کے قلیل وکثیر کی حرمت پر فقط امام محمد رحمہ اللہ ہی کے قول پر نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول پر بھی ہے کیونکہ یہ فتوے اُن شاربین فاسقین کے حق میں ہے جو بقصد لہو وسکر پیتے ہیں نہ اُنکے حق میں جو دوا اور قوت کے لئے پیتے ہیں عجیب بات ہے کیونکہ رمز الحقائق اور ملتقی الابحر وغیرہ کی عبارتوں سے صاف طور پر واضح ہے کہ بقصد تلہی وسکر پینا بالاتفاق حرام ہے پس اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے کے کیا معنے ہیں اور امام محمد اور شیخین رحمہم اللہ کے درمیان میں اختلاف اسی صورت میں ہے جب تداوی اور تقوے کے قصد سے پئیں اور اسی اختلافیہ صورت میں مشایخ نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے پس یہ فتوے شیخین رحمہما اللہ کے قول کے خلاف ہوا۔ اور میں اپنے علم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بات ہر طالب علم پر بھی ظاہر ہے سو کاملوں سے کیونکہ پوشیدہ رہسکتی ہے۔ اور جو بعض علم وفضل کے مدعی کہتے ہیں کہ فتوے ارفق اور اسہل پر دینا چاہیئے اور اسی طرح عمل الیسر پر کرنا چاہیئے اسوجہ سے مشایخ نے جو امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے دیا ہے جو ضیق اور دشواری کا سبب ہے معتبر نہیں۔ غلط اور محض باطل ہے اسلئے کہ اگر مراد یہ ہے کہ ہر مقام پر فتوے اور عمل الیسر اور ارفق پر ہونا چاہیئے اگرچہ دلیل ضعیف ہو تو عقلاً اور نقلاً باطل ہے پہلے نبی حادی قدسی سے

معلوم ہوچکا کہ فتوے کے باب میں قوت دلیل کا اعتبار ہے۔ اور ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر
اور حلبی رحمہ اللہ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں لا ینبغی ان یعدل من الدرایۃ اذا
وافقہا روایۃ یعنے درایت سے عدول نکرنا چاہیئے جبکہ روایت اُسکے مطابق ہو۔ اور بیری زادہ
رحمہ اللہ شرح اشباہ ونظائر میں لکھتے ہیں قال ابن الشحنۃ فی شرح الھدایۃ اذا صح الحدیث و
کان علی خلاف المذھب عمل بالحدیث ویکون ذلک مذھبہ ولا یخرج مقلدہ عن کونہ
حنفیا فقد صح عن الامام ابی حنیفۃ اذا صح الحدیث فھو مذھبی یعنی ابن شحنہ رحمہ اللہ نے
شرح ہدایہ میں کہا ہے جب حدیث صحیح ہو اور خلاف مذہب ہو تو حدیث پر عمل کیا جائیگا اور وہی
مذہب امام ہوگا جو اُس سے ثابت ہو اور ایسی حدیث کا مقلد حنفیت سے خارج نہوگا کیونکہ
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو حدیث صحیح ہو وہی میرا مذہب ہے۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ بعض
مواضع میں فتوی اور عمل الیسر پر ہونا چاہیئے تو مفید نہیں ہے اسلئے کہ شکل اول کے نتیجے میں
کبری کی کلیت شرط ہے اسکے علاوہ اگر ہر جگہ رفق اور الیسر کا اعتبار کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ
جماعت نماز کے باب میں مستحب قول اختیار کیا جائے اور سنت مؤکدہ اور وجوب کا قول جو
مرجح ہے متروک ہو اور باب مزامیر میں دف کے سوا طبلہ عود بربط وغیرہ میں حلت کا قول
اختیار کیا جائے اور ان تمام امور کا قائل وہی شخص ہوگا جو دین میں کھیل کرتا ہے اور حضرت
سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ رب العالمین کے ارشادات سے رُوگردانی کرتا ہے اسکے علاوہ
عسر اور یسر کا اعتبار اُس صورت میں ہے جب کسی مسئلہ میں اقوال مختلفہ غیر مرجحہ ہوں لیکن
جس صورت میں مشایخ نے کسی ایک قول کو ترجیح دیدی ہو تو انھیں کے قول کو ماننا لازمی
ہے۔ درمختار میں ہے واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما لو افتوا فی حیاتھم فان قلت قد
یحکون اقوالا بلا ترجیح قلت یعمل بمثل ما عملوا بہ من اعتبار تغیر العرف واحوال الناس وما
ھو الارفق وما ظھر علیہ التعامل وما قوی وجھہ یعنے ہمکو اُسی کی اتباع کرنا چاہیئے جسے مشایخ
ترجیح دلادیں اور تصحیح کردیں جیسا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں فتوے دیتے اگر کوئی کہے کہ بعض
وقت فقہا بلا کسی ترجیح کے اقوال ذکر کرتے ہیں تو میں کہونگا کہ ایسی صورت میں اُس پر
عمل کیا جائے جس پر اُنھوں نے عمل کیا ہو لیکن لوگوں کے احوال عرف کے تغیر لوگونکے

احوال کے مناسب آسانی توت وجہ اور تعامل کا بھی لحاظ کرنا چاہیئے۔ اور جو لوگ یسر اور رفق کے اعتبار پر قنیہ کی عبارت ینبغی للمفتی ان یفتی للناس بما ھو اسھل علیھم یعنی مفتی کو اسپر فتوے دینا چاہیئے جو لوگوں کے لئے آسان ہو۔ اور صاحب کشف بزدوی کی عبارت ہی یستحب للمفتی الاخذ بالرخص تیسرا علی العوام یعنی مفتی کے لئے مستحب یہ ہو کہ عوام پر آسانی کرنے کے لئے رخصت پر فتوے دے۔ سند میں پیش کرتے ہیں وہ مصطلحات علمائے حنفیہ سے ناواقف ہیں کیونکہ ان عبارتوں میں مفتی بمعنی مجتہد ہو۔ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ نے فتاوے میں لکھتے ہیں اعلم ان مشایخنا یطلقون لفظ المفتی علی من لہ نوع اجتہاد فی المذہب ویطلقون علی امثالہا لفظ المتفقہ یعنے ہمارے مشایخ لفظ مفتی کا اطلاق اُن لوگوں پر کرتے ہیں جنکو مذہب میں کچھ اجتہاد ہو اور ایسے ہی لوگوں پر لفظ متفقہ کا اطلاق کیا جاتا ہو اور یہ جو بعض افاضل کہتے ہیں کہ ما نحن فیہ میں حنفیہ کی ایک جماعت نے شیخین رحمہما اللہ کے قول کی بھی تصحیح کی ہو جیسا کہ خزانۃ المفتین میں ہو فی الھدایۃ والنھایۃ وفتاوی قاضی خان وظہیر الدین والخلاصۃ وفتاوی الکبری وفتاوی اھل سمرقند والحمیدی ان الاصح ما علیہ ابو حنیفۃ وابو یوسف یعنے ہدایہ نہایہ فتاوے قاضیخاں ظہیر الدین خلاصہ فتاوے کبرے فتاوے اہل سمرقند اور حمیدی میں ہو کہ اصح وہ ہو جس پر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ ہوں۔ پس اس تصحیح کا اعتبار کرنا چاہیئے نہ تصحیح قول محمد رحمہ اللہ کا۔ یہ قول چند وجہوں سے باطل ہو اول یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دینے والے بہ نسبت شیخین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دینے والوں کے زائد ہیں جو ماہرین کتب فقہ پر مخفی نہیں ہو پس امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دینے والوں کا اعتبار کرنا لازم ہو۔ تنقیح فتاوے حامدیہ میں ہو القیاس ان یعمل بما علیہ الاکثر کما نقلہ الشرنبلالی فی شرح امداد الفتاح من باب صلوۃ المریض قیاس یہ ہو کہ اُسپر عمل کیا جائے جس کے جانب اکثر لوگ گئے ہیں جیسا کہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے شرح امداد الفتاح کی باب صلوۃ المریض میں لکھا ہو۔ دوسرے یہ کہ شیخین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دینے والے اکثر اصحاب فتاوی ہیں اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دینے والے اکثر اصحاب متون و شروح ہیں جو کتب فقہ کے دیکھنے والے پر ظاہر ہو اور یہ ظاہر ہو کہ اصحاب متون

اور اصحاب شروح کا قول اصحاب فتاوی کے قول پر مقدم ہوتا ہے تیسرے یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ
کے قول کو ترجیح دینے والے الفاظ جیسے وبہ یفتی وعلیہ الفتوی وغیرہ زائد موکد ہیں بنسبت اُن
الفاظ کے جن سے شیخین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے جیسے اصح وغیرہ پس ضرور ہوا کہ
امام محمد رحمہ اللہ ہی کا قول مرجح ہوا اور یہ جو مشہور ہے کہ جس وقت مشایخ کی تصحیح میں اختلاف
ہو تو مفتی کو اختیار ہے سو وہ اُس صورت میں ہے کہ جب دونوں تصحیح مساوی ہوں۔ صاحب
رد المحتار نے دُر مختار کے قول من وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسئلۃ قولان مصححان
جاز القضاء والافتاء باحدھما یعنے بحر وغیرہ کے باب وقف میں ہے جب کسی مسئلہ میں دو
قول صحیح ہوں تو انمیں سے کسی ایک پر حکم اور فتوے درست ہے کے تحت میں لکھا ہے ھذا
محمول علی ما اذا لم یکن لفظ التصحیح فی احدھما اکد من الاخر کما افادہ الحلبی ای فلا یخیر بل
یتبع الاکد اقول وینبغی تقیید التخییر ایضا اذا لم یکن احد القولین فی المتون لما قدمناہ
انفا عن البیری ولما فی قضاء الفوائت من البحر من انہ اذا اختلف التصحیح والفتوے
فالعمل بما وافق المتون اولی کذا لو کان احدھما فی الشروح والاخر فی الفتاوی لما صرحوا
بہ من ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الشروح وما فی الشروح مقدم علی ما فی الفتاوی یعنے
یہ اس صورت پر محمول ہے جب لفظ تصحیح کسی ایک میں دوسرے سے بڑھکر نہو جیسا کہ حلبی
رحمہ اللہ نے کہا ہے یعنے ایسی صورت میں فتوے دینے کا اختیار نہیں ہے بلکہ جس میں تاکید
صحت ہو اُسی کی اتباع کیجائے گی میں کہتا ہوں کہ فتوی کے اختیار مفتی پر ہونے میں اُس کی
بھی قید لگانا چاہیے کہ دونوں قولوں میں سے کوئی متون میں نہو جیسا کہ ہمنے ابھی بیری سے
نقل کیا ہے اور جیسا کہ بحر کے باب قضاء الفوائت میں ہے کہ جب تصحیح اور فتوے میں اختلاف
ہو تو متون کے موافق عمل کرنا اولی ہے اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک شروح میں اور دوسرا
فتاوے میں ہو کیونکہ فقہا نے کہدیا ہے کہ مسائل متون مسائل شروح پر اور مسائل شروح
مسائل فتاوے پر مقدم ہیں۔ اور شروح مقدمہ غزنویہ میں ہے لفظۃ الفتوی اکد وابلغ من لفظ
المختار یعنی لفظ فتوے میں لفظ مختار سے زائد تاکید ہے اور تنقیح فتاوے حامدیہ کے کتاب الصید
میں ہے لفظ الفتوے اکد من لفظ التصحیح یعنے لفظ فتوے میں لفظ صحیح سے زائد تاکید ہے۔ اور

فتاوے خیریہ میں ہے بعض الفاظ الفتوی آکد من البعض فلفظ الفتوی آکد من لفظ الصحیح والاصح والاشبہ وغیرھا ولفظ وبہ یفتی آکد من الفتوی علیہ یعنے فتوے کے بعض الفاظ میں زائد تاکید ہے پس لفظ فتوی میں لفظ صحیح واصح واشبہ وغیرہ سے زائد تاکید ہے اور لفظ بہ یفتی میں لفظ الفتوی علیہ سے زائد تاکید ہے۔ اور رد المحتار میں ہے مقابل الصحیح والاصح ونحوہ قد یکون ھو المفتی لکونہ ھو الاحوط والارفق بالناس او الموافق لتعاملھم وغیر ذلک مما یراہ المرجحون فی المذھب داعیا الی الافتاء بہ فاذا صرحوا بلفظ الفتوی فی قول علم انہ الماخوذ بہ ویظھر لی ان لفظ وبہ ناخذ وعلیہ العمل مساو للفظ الفتوی یعنی صحیح اور اصح کا مقابل بعض وقت مفتی بہ ہوتا ہے کیونکہ اسی میں احتیاط زائد ہوتی ہے اور وہی لوگوں کے لئے زائد آسان اور تعامل کے مطابق ہوتا ہے اور اسکے علاوہ اور دوسرے امور کے جنکے بدولت اصحاب ترجیح اسپر فتوے دیتے ہوں پس جب کسی قول کیساتھ فتوے کی تصریح کردیجائے تو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہی ماخوذ بہ ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ بہ ناخذ اور علیہ العمل لفظ فتوے کے مساوی ہیں۔ اور فتاوے خیریہ کے کتاب الکفالۃ میں ہے قولہ والصحیح لایدفع قول صاحب المحیط وعلیہ الفتوی اُس کا قول والصحیح صاحب محیط کے قول علیہ الفتوی کے معارض نہیں ہوسکتا ہے چوتھے یہ کہ جب تصحیح اور ترجیح میں اختلاف کے بعد امام محمدؒ کی جانب دلیل کی قوت اور نصوص صریحہ وصحیحہ سے موافقت بدستور قائم ہے تو ضرور ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ ہی کے قول کو ترجیح ہو کیونکہ رد المحتار میں ہے والحاصل انہ اذا کان لاحد القولین مرجح علی الآخر ثم صحح المشائخ کلا من القولین ینبغی ان یکون الماخوذ بہ ما کان لہ مرجح لان ذلک المرجح لم یزل بعد التصحیح فتبقی فیہ قوۃ لم توجد فی الآخر یعنی حاصل یہ ہے کہ جب دونوں قولوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہو اور مشایخ دونوں قولوں کی تصحیح کریں تو اسی کو لینا چاہیئے جسے ترجیح ہو کیونکہ وجہ ترجیح تصحیح کے بعد بھی باقی ہے لہذا اس قول میں ایسی قوت ہے جو دوسرے میں نہیں ہے۔ یہ جو کچھ کہا گیا ابحاث فقیہہ کے موافق تھا لیکن حدیث کے اعتبار سے بس جاننا چاہیئے کہ بکثرت حدیثوں سے بعض سے بصراحت اور بعض سے بوجہ اطلاق یہ بات

ثابت ہو کہ جسمیں مسکر ہو اسکا قلیل اور کثیر حرام ہو انھیں حدیثوں میں سے یہ حدیث ہو
کل مسکر خمر وکل خمر حرام یعنے ہر مسکر خمر ہے اور ہر خمر حرام ہو یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم
اور جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد اور سنن نسائی اور سنن بیہقی اور مسند احمد و مسند ابویعلی اور صحیح
ابن حبان اور مصنف عبد الرزاق اور سنن دارقطنی وغیرہ میں باسانید کثیرہ معتبرہ مروی ہو
اور بعض علما کا یہ قول کہ اس حدیث پر ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے طعن کیا ہو جیسا کہ فتاوی قاضیخان
میں ہو قال ابراھیم النخعی صابرویہ الناس کل مسکر خمر خطأ لم یثبت انما الثابت کل مسکر
حرام وکذا ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام لیس بثابت یعنے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ جو
لوگ روایت کرتے ہیں کل مسکر خمر غلط ہو ثابت نہیں اور اسی طرح ما اسکر کثیرہ فقلیلہ
حرام ثابت نہیں ہو البتہ کل مسکر حرام ثابت ہو۔ اور یحیٰ بن معین رحمہ اللہ نے اسپر طعن
کیا ہو جیسا کہ عنایہ میں مذکور ہو روی عن یحیٰ بن معین انہ قال الحدیث الثلثۃ لیست بثابتۃ
عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی قولہ والثابت کل مسکر حرام۔ یحیی بن معین رح
سے مروی ہو کہ تینوں حدیثیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں اور آگے
چلکر کہتے ہیں کہ ثابت یہ ہو کہ ہر نشہ آور حرام ہو یہ مردود ہے کیونکہ یحیٰ بن معین رحمہ اللہ کا اس
پر طعن اگرچہ ہدایہ اور عنایہ وغیرہ میں مذکور ہو لیکن جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی محدث
حنفی رحمہ اللہ تخریج احادیث ہدایہ میں لکھتے ہیں ھذا الکلام کلہ لم اجدہ فی شیء من کتب
الحدیث یعنے یہ تمام کلام میں نے حدیث کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں نہیں پایا۔ اور
نخعی رحمہ اللہ کا طعن اُس کی ثبوت کی تقدیر پر قادح نہیں ہو اسلیے کہ انھوں نے کل مسکر
خمر کا انکار کیا ہو اور کل مسکر حرام کو ثابت کیا ہو۔ پس اتنا ہی استدلال کے لئے کافی ہو
اسکے علاوہ جبکہ یہ حدیث صحیح بخاری میں (جو قرآن کے بعد اصح الکتب ہو باتفاق علما) اور
صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے تو اُسکے عدم ثبوت کے کوئی معنی نہیں اور تعجب نہیں ہو کہ نخعی
اور ابن معین رحمہما اللہ کو یہ حدیث بسند صحیح نہ پہونچی ہو اسو جہ سے انکار کیا ہو پس جب روایات
معتبرہ اور حدیث کی معتبر کتابوں سے اسکا ثبوت ہو گیا تو اُن دونوں کے قول سے حجت پکڑنا
علما کی شان سے نہیں ہو اور منجملہ اُنکے عمرو بن شعیب رحمہ اللہ کی حدیث میں ہو عن ابیہ عن جدہٖ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے اُنھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہو کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہی جسکا کثیر مسکر ہو اُسکا قلیل حرام ہو یہ سنن نسائیؔ اور ابن ماجہ اور مصنف عبدالرزاق میں مروی ہو اور ایسا ہی سنن ابوداوُدؔ اور ابن ماجہ میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ منقول ہو اور ترمذی نے اسکو روایت کرکے اسکے صحیح الاسناد ہونے کا حکم دیا ہو اور منجملہ انکے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہو کہ سنن نسائی میں مروی ہو ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نھی عن ما اسکر کثیرہ حضور رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے اُس چیز سے منع فرمایا ہو جسکا بہت نشہ لائے۔ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں اسکو روایت کیا ہو اور حافظ عبدالعظیم منذری رحمہ اللہ نے مختصر سنن ابوداوُد میں لکھا ہو اجود احادیث الباب حدیث سعد اِس باب کی احادیث میں سب سے بہتر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث معلوم ہوتی ہو۔ اور نسائی نے اِس حدیث کے بعد کہا ہو کہ اِس حدیث میں دلیل ہو کہ مسکر کا قلیل اور کثیر سب حرام ہو اور ایسا نہیں ہو کہ جیسا دھوکے باز کہتے ہیں کہ صرف اخیر گھونٹ حرام ہو اور اُس سے قبل کے حلال اھ۔ اور منجملہ اُنکے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل مسکر حرام و ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو ہر مسکر حرام ہو اور جس کا کثیر نشہ لائے اُسکا قلیل بھی حرام ہو۔ یہ حدیث سنن دارقطنی میں مروی ہو اور منجملہ انکے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہو سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول کل مسکر حرام وما اسکر الفرق فملأ الکف منہ حرام یعنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہو کہ آپ فرماتے تھے ہر نشہ آور حرام ہو اور جو چیز پیالہ بھر نشہ لائے وہ چلو بھر بھی حرام ہو۔ یہ حدیث سنن ابوداوُد اور جامع ترمذی میں مروی ہو اور ایسا ہی صحیح ابن حبان اور مسند احمد میں ہو اور ترمذی نے اسکے حسن الاسناد ہونے کا حکم دیا ہو اور منجملہ اُنکے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہو قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنے حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے

فرمایا ہے جسکا کثیر نشہ آور ہے اُسکا قلیل بھی حرام ہے۔ یہ حدیث مسند اسحٰق ابن راہویہ اور معجم طبرانی میں مروی ہے۔ اور منجملہ انکے خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مستدرک حاکم اور معجم طبرانی اور سنن دارقطنی میں مروی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام حضور روحی فداہ نے فرمایا ہے جسکا کثیر نشہ لائے اُسکا قلیل بھی حرام ہے اور منجملہ اُنکے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو معجم طبرانی میں مروی ہے پس ان تمام احادیث کے بعد جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر نشہ آور شے کا کثیر اور قلیل بھی حرام ہے چون وچرا کی مجال نہیں ہے اسلئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت کے قول کے مقابلے میں کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔ اور فقہا جو یہ حدیث مذہب شیخین رحمہما اللہ کے اثبات میں پیش کرتے ہیں حرمت الخمر لعینہا والمسکر من کل شراب یعنے شراب فی نفسہ حرام ہے اور ہر پینے کی نشہ آور چیز پس زیلعی نے تخریج احادیث ہدایہ میں اسکو ضعیف لکھا ہے اور یہیں سے معلوم ہوا کہ بعض فقہا نے جو کل مسکر حرام سے جواب دیا ہے کہ اُس سے اخیر کا گھونٹ مراد ہے جو سکر کے درجے تک پہونچائے۔ احادیث صریحہ سے ثابت ہوجانے کے بعد ہر مسکر کا قلیل وکثیر حرام ہے قابل اعتبار ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ وضوح دلائل کے بعد بھی فقہ اور حدیث کے قواعد کے موافق کسی عالم کو یہ حلال نہیں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے خلاف تھوڑی تاڑی یا اُس نان پاؤ کی حلت کا جسمیں تاڑی کا خمیر ہو حکم دے کیونکہ ہر ایک سے اسکے متعلق روز قیامت میں سوال ہوگا خاصکر اُس سے جو علم اور فقاہت دیا گیا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ

سوال جس اونٹ کی پرورش سور کے دودھ سے ہوئی ہو اُسکا کھانا حلال ہے یا نہیں

جواب ذبح کرکے اسکا کھانا حلال ہے کیونکہ گوشت میں کچھ تغیر نہیں ہوا ہے اور جو کچھ اُسنے کھایا ہے وہ تو ضائع ہوگیا اسکا اثر تک باقی نہیں رہا تمرتاشی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تنویر الابصار کی شرح منح الغفار کے باب الحظر والاباحۃ میں اس کی صراحت کی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ

سوال میں نے ہدایۃ الحرمین میں دیکھا ہے کہ جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کے تیجے اور دسویں اور بیسویں اور چہلم وغیرہ

میں چھوہارے پر فاتحہ دیا اور اصحاب کو کھلایا پس فی زماننا جو لوگ تیجے دسویں بیسویں چہلم
وغیرہ میں پھول پان کرنے کی ممانعت کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہی **جواب** یہ قصہ جو ہدایۃ
الحرمین میں لکھا ہی غلط ہی کتب معتبرہ میں کہیں اسکا پتہ نہیں ہی حررہ الراجی محمد عبد الحی
سوال چماری دائی ہو تو اسکو عقیقہ کا گوشت دینا کیسا ہی اور اگر دیا جائے تو کتنا **جواب**
دائی کو بکری کی ایک ران دینا بہتر ہی جیسا کہ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں ہی اگرچہ وہ چماری
ہو **سوال** مردے کے مکان میں مرنے کے بعد بھی اُسی مقام پر کھانا بجنا جہاں پہلے پکا
کرتا تھا جائز ہی یا نہیں **جواب** جائز ہے **سوال** جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اگرچہ عیدین کی
نماز پڑھتا ہو یا نہیں اور میت کے جنازے میں شریک رہتا ہو اور شراب اور گوبر کی کافروں کی
طرح پرستش کرتا ہو اور اعتقاد رکھتا ہو کہ مجھے جو کچھ فلاح اور بہبودی ہے اسی کی پرستش کیوجہ سے ہی
اُسکے یہاں کا کھانا کھانا اور جو اُسنے قربانی کی ہو یا بکری کو کسی نمازی سے قربانی کرایا ہو اسکا
گوشت کھانا اور نماز جنازہ جائز ہی یا نہیں **جواب** ایسا شخص کافر ہی اُسکے ساتھ مسلمانوں کو
وہ برتاؤ نہ کرنا چاہیے جو مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں حررہ الراجی رحمۃ اللہ محمد عبد الحی عفی عنہ
سوال ایک شخص کی ماں سید کی بیٹی تھی اور باپ شیخ اب وہ شخص سید ہونے کا دعویٰ
کرتا ہی بلکہ دستخط کرنے میں اپنے نام کے ساتھ قریشی حسنی لکھا کرتا ہی اب یہ دعویٰ کرنا حق ہے
یا غیر کے نسب میں داخل ہونا ہی اور اپنے نسب سے خارج ہونا شرعاً وہ سید ہی یا شیخ **جواب**
باب نسب میں اصل یہ ہی کہ انتساب باپ کی طرف سے ہوتا ہے نہ ماں کی طرف سے
پس جس کی ماں سید کی بیٹی ہو اور اسکا باپ سید نہو اُسکو من وجہ شرافت حاصل ہو گی اور نسبت
اُن لوگوں کے جن کے والدین غیر سادات سے ہوں کسیقدر فوقیت ہو گی مگر وہ شخص اپنے کو
سید نہیں کہہ سکتا اور نہ قریشی حسنی لکھ سکتا ہی غیر قبیلہ میں داخل ہونا اور اپنے آبائی سلسلہ کو ترک
کرنا سخت گناہ ہی بعض روایات میں ایسے شخص پر جو اپنے سلسلہ پدری کی طرف انتساب ترک
کرکے دوسرے فرقہ میں داخل ہو لعنت وارد ہوئی ہی اور بعض میں فقط کفر کا اطلاق آگیا ہی
یعنے کفر عملی کے اسکی تفصیل کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر وغیرہ میں موجود ہی در شرح غرر
میں ہی الولد یتبع الاب فی النسب لانہ للتعریف والام لاتشتہر ویتبع خیرہما فی الدین

رعایۃ لجانب الولد یعنے لڑکا نسب میں باپ کے تابع ہے کیونکہ نسب کی غرض شہرت ہوتی ہے اور ماں مشہور نہیں ہوتی اور دین میں اسکے تابع ہوتا ہے جو بہتر ہو اسکا منشا لڑکے کی رعایت ہے۔ اور صاحب بحر الرائق نے صاحب کنز کے اس قول کی شرح میں الولد یتبع الام فی الملک والحریۃ والرق والتدبیر والاستیلاد والکتابۃ (اولاد ماں کی تابع ہے ملک حریت رقیت تدبیر استیلاد اور کتابت میں)، لکھتے ہیں قید بالتبعیۃ فیما ذکر للاحتراز عن النسب فانہ للاب لان النسب للتعریف وحال الرجال مکشوف دون النساء حتی لو تزوج ھاشمی امۃ انسان فاتت بولد فھو ھاشمی تبعا لابیہ رقیق تبعا لامہ کما فی فتح القدیر وھذا احتراز عن الدین فانہ یتبع خیر الابوین دینا لانہ انظر لہ یعنے مذکورین میں تبعیت کی قید لگائی تاکہ نسب سے احتراز ہو جائے کیونکہ نسب باپ کے لئے ہے اسلئے کہ نسب تشہیر کی غرض سے ہوتا ہے اور مردوں کا حال واضح ہوتا ہے نہ عورتوں کا حتی کہ کسی ہاشمی نے لونڈی سے شادی کی تو اولاد ہاشمی ہوگی باپ کی اتباع میں اور غلام ہوگی ماں کی اتباع میں جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور یہ دین سے احتراز ہے کیونکہ دین میں اولاد اسکی تابع ہوگی جو باعتبار دین کے بہتر ہو کیونکہ لڑکے کے لئے یہی بہتر ہے۔ اور طحطاوی رحمہ اللہ حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں قولہ ولا فی نسب ای لا یتبع امہ فی نسب ھذا نص صریح فی ان الشریفۃ لیس بشریف وان کان لہ شرف یعنے لڑکا نسب میں اپنی ماں کا تابع نہیں ہوتا ہے اس سے یہ بات صراحۃً ظاہر ہوتی ہے کہ شریف عورت اگرچہ اسکا نسب شریف ہو شریف نہیں ہے۔ اور ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ رد المحتار میں لکھتے ہیں من کان ولدا مہا علویۃ وابوہ عجمی یکون العجمی کفوا لہا وان کان لہا شرف ما لان النسب للاباء ولذا جاز دفع الزکوۃ الیہا یعنے لڑکا جس کی ماں علویہ اور باپ عجمی ہو اُس کا کفو عجمی ہوگا اگر اسے کچھ شرف حاصل ہے اس لئے کہ نسب کا اعتبار باپوں کی طرف سے ہے لہذا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور ہدایہ میں ہے لو اوصی لاھل نسبہ او لجنسہ فالنسب عبارۃ عمن ینسب الیہ والنسب یکون من جھۃ الاباء وجنسہ اھل بیت ابیہ دون امہ لان الانسان یتجنس بابیہ یعنے اگر کسی نے اپنے نسب و جنس کے لئے وصیت کی تو نسب سے وہ لوگ مراد ہوں گے جو اسکے جانب منسوب ہوں اور نسب کا

اعتبار باپ کی جانب سے ہے اور جنس سے مراد اسکے باپ کے گھر کے لوگ ہونگے نہ اسکی ماں کے یہاں کے کیونکہ ہر شخص کی جنس اسکے باپ کے اعتبار سے ہے۔ اور فتاوی خیریہ میں ہے لا شبهة فی ان له شرفا ما وکذا الاولاده الی اخر الدهر اما اصل النسب فمخصوص بالاباء اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے (جسکی ماں علویہ یا سیدہ اور باپ معمولی ہو) اور اس کے اولاد کو آخر زمانے تک کچھ شرف حاصل ہے لیکن اصل نسب باپ کیجانب سے ہے **سوال** حنفیہ کے مذہب میں شطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں ہے تو اسکا کھیلنے والا فاسق ہے یا کیا دوم جو شخص ہمیشہ عادۃً باعلان شطرنج کھیلتا ہو وہ فاسق معلن ہوگا یا نہیں تیسری ایسے شخص کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں حالانکہ مسلمان بہت منع کرتے ہوں مگر وہ اس عادت کو ترک نہ کرتا ہو اگر کراہت ہے تو کس قسم کی چوتھے مسجد کا امام اگر جماعت کے وقت شطرنج کھیل رہا ہو اور نمازی انتظار کے بعد کسی قابل شخص کو امام بنا کر نماز پڑھ لیں تو گناہ ہے یا نہیں **جواب** درمختار میں ہے وکره تحریما اللعب بالنرد وکذا الشطرنج واباحه الشافعی وابو یوسف فی روایة وهذا اذا لم یقامر ولم یداوم ولم یخل بواجب والا فحرام بالاجماع یعنے نرد اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ سے ایک روایت اسکے مباح ہونے کی بھی آئی ہے لیکن یہ اُس صورت میں ہے جب جوا نہو اور دوام نہو اور کھیل کسی واجب میں خلل انداز نہو ورنہ بالاجماع یہ حرام ہے۔ اور ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے قوله الشطرنج معرب شدرنج وانما کره لان من اشتغل به ذهب عناؤه الدنیوی وجاء عناؤه الاخروی فهو حرام وکبیرة عندنا وفی اباحته اعانة الشیطان علی الاسلام والمسلمین کما فی الکافی یعنی شطرنج معرب شدرنج مکروہ ہے کیونکہ اس سے دنیا کا رنج تو جاتا رہتا ہے لیکن آخرت کا رنج اسکی جگہ لے لیتا ہے پس یہ ہمارے نزدیک حرام اور گناہ ہے اور اسے حلال کرنا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شیطان کی مدد کرنا ہے جیسا کہ کافی میں ہے اور بھی اسی میں ہے قوله وهذا الخ وکذا اذا لم یکثر الحلف علیه وبدون هذه المعانی لا تسقط عدالته للاختلاف فی حرمته یعنی اور اسی طرح جب قسم کی کثرت نہو اور ان امور کے بغیر عدالت ساقط نہیں ہوتی کیونکہ اس کی حرمت میں اختلاف ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے یکره اللعب

بالشطرنج والنرد وکل لہو ما سوی الشطرنج حرام بالاجماع واما الشطرنج فاللعب حرام
عندنا واختلفوا فی اللعب بالشطرنج فرخص فیہ بعضہم ولکن بثلث شرائط ان لا یقامر
ولا یؤخر الصلوۃ عن وقتہا وان یحفظ لسانہ عن الجفاء والفحش فاذا فعل شیئا منہا
فہو مردود الشہادۃ وکرہ الشافعیؒ کراہۃ تنزیہ لا تحریم کالنرد کذا فی مطالب المؤمنین و
ذکر الغزالی فی خلاصۃ انہ مکروہ عند الشافعیؒ ایضا فلعل ما وقع فی کتبنا ھو قولہ الاول
کذا فی نصاب الاحتساب وذکر الغزالی فی الاحیاء فی باب السماع اللعب بالشطرنج مباح ولکن
المواظبۃ علیہ مکروہ کراھۃ شدیدۃ کذا فی مطالب المؤمنین یعنے شطرنج اور نرد مکروہ ہیں
اور اسکے سوا ہر کھیل بالاجماع حرام ہے لیکن ہمارے نزدیک شطرنج کھیلنا حرام ہے اور شطرنج
کھیلنے میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے تین شرطوں سے اس کی اجازت دی ہے (۱) جوا
نہو (۲) نماز میں تاخیر نہو (۳) گالی گلوج نہو، اور اگر ان میں سے کوئی ایک امر بھی پایا
جائے تو ایسے شخص کی شہادت شرعاً مقبول نہیں ہے امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسکی کراہت
تنزیہی کے قائل ہیں اسے نرد کی طرح حرام نہیں سمجھتے یہ مطالب المومنین میں ہے امام غزالی
رحمہ اللہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ امام شافعی کے نزدیک بھی مکروہ ہے پس جو شاید ہماری
کتابوں میں لکھا ہے وہ انکا پہلا قول ہے یہ نصاب الاحتساب میں ہے اور امام غزالی رحمہ اللہ نے
احیاء العلوم کے باب السماع میں لکھا ہے شطرنج کھیلنا مباح ہے لیکن اسپر مداومت کرنا
سخت مکروہ ہے یہ مطالب المؤمنین میں ہے۔ ان عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عادۃ
دائمی کے طور پر شطرنج کھیلنے والا حنفیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک بالاتفاق فاسق ہے
اور اسکے فاسق اور معلن ہونے میں کسی طرح کا شک وشبہہ نہیں ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ
تحریمی ہے پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے شخص کو امام نہ بنائیں اور اگر کسی مسجد کا امام اس فعل کا
مرتکب ہو تو اسے امامت سے معزول کردیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ

سوال تمباکو کو کھانا از روئے اتقا کیسا ہے اسکا ترک اولیٰ ہے یا نہیں اور جن وجوہ ثلثہ کی
بنا پر حقہ پینے کو بعض علما نے مکروہ تحریمی اور بعض نے مکروہ تنزیہی لکھا ہے اس میں سے
ایک وجہ یعنے بدبو تمباکو کے کھانے والوں سے پائی جاتی ہے پس اس صورت میں اسکا

ترک اولیٰ ہے یا نہیں **جواب** حقہ پینے کے کراہت کی عمدہ وجہ تشبہ بالکفار اور استعمال ما بہ العذاب ہے اور یہ تمباکو کے کھانے میں نہیں ہے اور فی نفسہ تمباکو بدبودار نہیں ہے البتہ کھانے والے کی بداحتیاطی سے اسکے منہ سے بدبو آتی ہے اگر ازالہ بدبو کی احتیاط نہ ہو سکے تو ترک اولیٰ ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ فی الواقع تمباکو فی نفسہ مباح ہے اور اس کا کھانا اور نہ کھانا دونوں مساوی ہیں اولویت ترک کی اسمیں نہیں ہو سکتی اولویت ترک مکروہ تنزیہی میں ہوتی ہے نہ مباح میں جیسا کہ خلاصہ کیلانی میں ہے واللہ اعلم محمد ادریس عفی عنہ **سوال** اگر کوئی شخص بظاہر نماز فرائض اور نوافل وعیدین اور جمعہ اور تراویح نہیں پڑھتا اور اعتکاف نہیں کرتا ہے اور منہیات شرع میں مشغول رہتا ہے یعنی رنڈیوں کا ناچ اور گانا اور غنا اور مزامیر سنتا ہے اور اجنبیہ عورتوں کے پاس خلوت میں بیٹھتا ہے اور دوسرے آلات لہو ولعب میں مشغول رہتا ہے باوجود ان تمام باتوں کے لوگ اُسے ولی کامل اور غوث وقت سمجھتے ہیں ہزاروں آدمی اس شخص کے مرید ہیں باوجودیکہ یہ شخص اُن شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہیں رکھتا جو پیر کے لئے کتب تصوف وغیرہ میں مذکور ہیں اور اس شخص کے مرید کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کو ظاہری نماز کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمارا پیر باطنی نماز پڑھتا ہے اور اجنبیہ عورتوں کے پاس خلوت میں بیٹھنا ہمارے پیر کو نقصان نہیں پہونچا سکتا پس معلوم ہونا چاہئیے کہ قواعد شرعیہ کے رُو سے ایسا شخص ولی کامل اور غوث وقت ہو سکتا ہے یا نہیں اور ایسے شخص کا مرید ہونا درست ہے یا نہیں قاعدۂ شریعت وطریقت سے بیان فرمائیے **جواب** دینی اور دنیاوی دونوں کمال اتباع شریعت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور جو شخص شرع کے سیدھے راستے پر نہیں وہ نہ ولی ہو سکتا ہے نہ غوث نہ قطب اور جو شخص کہے مجھے ظاہری شریعت سے کچھ کام نہیں میں ارباب باطن سے ہوں وہ شخص زندیق ہے اور ایسے شخص کا معتقد اور مرید ہونا ہرگز درست نہیں ہے۔ علامہ محمد برکلی رومی رحمہ اللہ طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں ما یدعیہ بعض المتصوفۃ فی زماننا اذا انکر علیہم بعض امورہم المخالف للشرع ان حرمۃ ذلک فی العلم الظاہر وانا من اصحاب العلم الباطن وانہ حلال فیہ وانکم تاخذون عن الکتاب وانا ناخذ من صاحب یعنی محمدا علیہ الصلوۃ والسلام کلا لحاد

واضلال اذ فیہ ازدراء بالشریعۃ المحمدیۃ فالواجب علی کل من سمع ھذا المقال الانکار علی قائلہ والجزم ببطلان مقالہ بلاشک ولا تردد ولا توقف والا فھو من جملتھم ویحکم بالزندقۃ علیھم وقد قال سید الطائفۃ الصوفیۃ جنید البغدادی الطرق کلھا مسدودۃ الا علی من اقتفی اثر الرسول وقال ابو یزید البسطامی لبعض اصحابہ قوموا بنا حتی ننظر الی ھذا الرجل الذی قد شھر نفسہ بالولایۃ وکان رجلا مشھورا بالزھد فمضینا الیہ فلما خرج رمی ببزاقہ الی جھۃ القبلۃ فانصرف ابو یزید ولم یسلم علیہ وقال ھذا الرجل غیر مامون علی ادب من آداب رسول اللہ فکیف یکون مامونا علی ما یدعیہ من الکرامات وقال لو نظرتم الی رجل اتی من الکرامات حتی یطیر فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر والنھی وحفظ الحدود وانظر ایھا العاقل الطالب للحق ان ھؤلاء عظماء المشائخ وعلماء الطریقۃ وکبراء ارباب السلوک والحقیقۃ کلھم یعظمون الشریعۃ الشریفۃ ویبنون علومھم الباطنۃ علی السیرۃ الاحمدیۃ والملۃ الحنفیۃ فلا یغرنک طامات الجھال المتنسکین وشطحھم الفاسدین المفسدین الضالین المضلین بعد ان کانوا زائغین عن الشرع القویم ومائلین عن الصراط المستقیم خارجین عن مناھج علماء الشریعۃ فالویل کل الویل لھم ولمن تبعھم وحسن امرھم فھم قطاع طریق اللہ سبحانہ عن العابدین یلبسون الحق بالباطل ویکتمون الحق وھم یعلمون یعنے ہماوے زمانے کے بعض متصوفین کی یہ عادت ہو کہ جب انکے بعض افعال خلاف شرع پر اعتراض کیا جاتا ہو تو کہتے ہیں کہ اس کی حرمت علم ظاہر کے اعتبار سے ہو اور ہم اصحاب علم باطن ہیں اور علم باطن میں یہ حلال ہو اور تم لوگ کتاب سے اخذ کرتے ہو اور ہم صاحب کتاب یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرتے ہیں تو اُن کی یہ سب باتیں الحاد وضلالت ہیں کیونکہ اس میں شریعت محمدیہ کی ہتک ہو پس جو شخص اس قسم کی باتوں کو سنے اسے لازم ہو کہ تردید کردے اور ان باتوں کے جھوٹ ہونے کا یقین رکھے اور اس میں کوئی شک یا تردد اور توقف نہ کرے ورنہ وہ بھی ایسے ہی لوگوں میں داخل کیا جائے گا اور اُسکے بھی زندیق ہونے کا حکم کیا جائیگا سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ تمام راستے بند ہیں مگر اُسکے لئے

جو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کی اتباع کرے اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ
نے اپنے بعض اصحاب سے کہا کہ آؤ چلیں فلاں شخص کو دیکھیں جس نے اپنے ولی کو مشہور کیا
ہے اور اس شخص کی ولایت وزہد واقعی مشہور تھا پس ہم لوگ گئے اور جیسے ہی پہونچے دیکھا
کہ اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا پس حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ واپس چلے آئے
اور اس سے سلام علیک بھی نہیں کی اور کہا کہ یہ شخص آداب نبوی میں سے کسی کا لحاظ
نہیں کرتا ہے پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ یہ جو اپنی کرامتیں بیان کرتا ہے ان میں سچا ہوگا اور
اُنھوں نے کہا ہے کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ہوا پر اُڑتا ہے پس اسکے دھوکے میں نہ آؤ
جب تک یہ نہ معلوم کرلو کہ وہ اوامر ونواہی پر چالی ہے اور حدود شرع کی حفاظت کرتا ہے
عقلا اور طالبان حق کو جان لینا چاہیئے کہ بڑے بڑے مشایخ اور علماے طریقت اور ارباب
سلوک وحقیقت سب شریعت محمدیہ کی تعظیم کرتے ہیں اور علوم باطنی کی بنا ہی سیرت احمدیہ
اور ملت حنفیہ پر کرتے ہیں پس تمکو جہلا اور مفسدین گمراہوں کے قول پر اعتماد نکرنا چاہیئے
یہ لوگ شرع شریف سے باہر اور راہ مستقیم سے ہٹے ہوے اور مراتب علماے شریعت
سے خارج ہیں ایسے لوگوں اور انکے متبعین کے لئے سخت ہلاکت ہے کیونکہ یہ لوگ خدا
کے راستے میں ڈاکہ ڈالتے ہیں حق کو باطل سے پوشیدہ کرتے ہیں اور دیدہ ودانستہ سچ کو
چھپاتے ہیں۔ یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ جو شرع کا پابند نہو اس کی بیعت نہ کرنا چاہیئے اور
اُس سے اعتقاد نہ رکھنا چاہیئے بلکہ وہ خود گمراہ اور خلق اللہ کو بھی گمراہ کرنے والا ہے اللہ
ایسی باتوں سے ہم سب کو بچائے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال**
جو لوگ قرآن شریف پڑھنے کی مزدوری لیتے ہیں اور اُسی مزدوری کو اپنی روزی ٹھہرائے
ہیں جنکو جہلا لوگ مولانا روحی کہتے ہیں اُن سے مردے کے لئے قرآن شریف پڑھوانا
جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز نہیں ہے اسلیے کہ قرآن شریف پڑھنے کی اُجرت لینا حرام
ہے جیسا کہ تنقیح فتاوے حامدیہ میں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال**
ایک شخص کہتا ہے یا اعتقاد رکھتا ہے کہ آیت کے صحیح معنی وہی ہیں جو میں کہتا ہوں لیکن
حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے زجراً اخلاف واقع تفسیر فرمائی تھی پس وہ تفسیر

ماننے کے لائق نہیں ہے حالانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کو آئمہ حدیث نے روایت کیا اور تحسین کی اور جمہور مفسرین نے بھی اُسکو ثابت رکھا۔ ایسا کہنا یا ایسا اعتقاد رکھنا جائز ہے یا نہیں اور اس صورت میں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کو جھٹلانا اور آپ پر بہتان باندھنا لازم آتا ہے یا نہیں اور نبی خواہ ولی کسی شخص کو معاند کے زجر کے لئے یا معاند کا الزام دفع کرنے کے لیے خلاف واقع تفسیر کرنا جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ ناجائز ہے اور کوئی شخص جائز سمجھے یا تفسیر رسول کو خلاف واقع جانکر رسول کی غلطی اور خطا کا قائل ہو تو شرعًا اس شخص کا کیا حکم ہے **جواب** نبی یا ولی کسی کو بھی خلاف واقع قرآن شریف کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے کہ کسی معاند کے الزام کو دور یا زجر کے لئے تفسیر قرآن شریف کی اس طرح کرے اور حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے متعلق ایسا خیال رکھنے والا ملحد اور زندیق ہے حضور روحی فداہ پر لازم تھا کہ قرآن کے وہی معانی بیان فرمائیں جو خدا کے نزدیک ہوں۔ اور کسی غرض سے اصلی معنی کو نہ چھپائیں اور خلاف واقع تفسیر نہ کریں جیسا کہ آیۂ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الآیۃ اور انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ سے ظاہر ہے یعنے اے رسول آپکی جانب جو احکام نازل کیے گئے ہیں ان کی تبلیغ کیجیۓ اور ہمنے آپ کی طرف قرآن نازل کیا ہے سچائی کے ساتھ تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس بات کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو دکھلائی **سوال** زید نے ہندہ نابالغہ نا کتخدا سے نکاح کیا اور حتی المقدور زید بالذات نان ونفقہ کی خبر گیری رکھتا ہے اور ہندہ بھی ہر طرح زید کی اطاعت کرتی ہے لیکن زید کو ہندہ کی طرف سے ہمیشہ زنا کا شبہہ رہتا ہے اور ایک بار بعد استفسار کے بعد خود ہندہ نے زید سے اقرار کیا کہ میں بکر سے فعل شنیعہ کی مرتکب ہوئی ہوں اور زید کو ہندہ سے باوجود پردہ داری کے شبہہ رہتا ہے کہ اُسنے اور لوگوں سے بھی زنا کیا ہے اور وہ نامحرموں کے سامنے بھی آتی ہے اس صورت میں زید کو طلاق دینا واجب ہے یا نہیں اور اگر طلاق نہ دے تو ہندہ کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور زید طلاق نہ دینے سے گنہگار ہوگا یا نہیں **جواب** اگر زید اپنے نفس پر قادر ہو کہ طلاق دینے کے بعد اسکی

طرف التفات نکرے تو طلاق دینا بہتر ہی اور اگر قادر نہیں ہی تو نکاح میں رکھے حتی الوسع نصیحت اور زجر و توبیخ کرتا رہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** خشخاش کی کھیتی کرنا اور اُس سے افیون نکال کر انگریزوں کے ہاتھ یا دوسروں کے ہاتھ بیچنا درست ہے یا نہیں اور اُس سے نفع حاصل کرنا حلال ہی یا نہیں اور دواہیں افیون کا ملانا درست ہی یا نہیں اور دودھ پیتے بچوں کو افیون دینا درست ہی یا نہیں **جواب** دانہ خشخاش کی کھیتی کرنا درست ہی اور اس سے افیون نکالنا اور بیچنا حرام اور افیون کا دوا میں ملانا اور بچوں کو دینا حرام ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** زید اپنے گھر میں یا اپنے گھر کے کوٹھے پر اپنی بی بی سے اس طرح باتیں کرتا ہی کہ دوسرے لوگ سنتے ہیں اور یہ لوگ اسقدر آواز سے بولنے کو اسے منع بھی کرتے ہیں تاکہ وہ ان عورتوں کو زور سے نہ بولنے دے اسکے لیے کیا حکم ہی **جواب** عورتوں کو واجب ہے کہ بے ضرورت شرعی اپنی آوازوں کو اغیار کے کانوں میں نہ پہونچائیں اور بلند آواز سے بات کرنا گناہ ہی اور زید کو بھی احتیاط چاہیئے کہ بی بی سے اس طرح باتیں نہ کرے کہ باہر آواز جاسکے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** کسی چیز میں نحوست ہونے کا ذکر حدیث شریف میں پایا گیا ہی یا نہیں اُمید ہی کہ اسکے جواب کی طرف توجہ فرمائیں گے **جواب** شرعاً کسی چیز میں نحوست نہیں ہی اور بُری فال لینے اور کسی چیز کو منحوس سمجھنے کی احادیث میں سخت ممانعت آئی ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** حرام مغز مکروہ تحریمی ہی یا مکروہ تنزیہی اگر مکروہ تحریمی ہی تو ہر چھوٹے بڑے جانور کا حرام مغز نکالنا واجب ہی جیسے بکری مرغ چڑیا کبوتر وغیرہ میں یا صرف بڑے جانوروں کا **جواب** نصاب الاحتساب اور مطالب المومنین وغیرہ میں اسکو مکروہ لکھا ہی اور ظواہر کتب سے معلوم ہوتا ہی کہ اسکی کراہت تنزیہی ہی تحریمی نہیں ہی پس جن جانوروں کے حرام مغز کے نکالنے میں دشواری ہو انکا حرام مغز نکالنا ضروری نہیں ہی **سوال** راگ کا گانا عموماً اور معرفت کا گانا خصوصاً درست ہی یا نہیں **جواب** اگر بلا مزامیر اور بلا محرمات اور بلا مجلس وغیرہ کے ہو تو کچھ حرج نہیں ہی ورنہ حرام ہی **سوال** ایک شخص نے کہا فلاں شخص خدا گنج

کو گیا مقصود اس سے وفات ہے اسمیں تنک ہوتا ہے کیونکہ بعض نے حکم شرک کیا ہے
جواب چونکہ یہ جملہ خبر وفات میں متعارف ہے اور اس سے اللہ تعالٰے کے لئے گنج
یا مکان ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا اسلئے اسکے کہنے سے کفر اور شرک لازم نہ آئے گا
مگر باعتبار ظاہر لفظ کے اسکے معنے قبیح ہیں اللہ تعالٰے کی شان میں ایسا لفظ بولنا بے
ادبی ہے **سوال** جو روپیہ زید کو سود خوار مہاجنوں سے حق وکالت میں حاصل ہوا ہے
اس سے زید کو حج کرنا جائز ہے یا نہیں حالانکہ تھوڑا سا روپیہ اسکے سوا دوسرے طریقہ سے
حاصل کیا ہے **جواب** نہیں **سوال** صحت احادیث مسطورہ ذیل میں علمائے دین
کیا فرماتے ہیں اور در صورت صحت دو سوال ہیں ایک یہ کہ یہ حدیثیں صحاح کی کس کتاب
میں ہیں دوسرے یہ کہ اس قوم ملعون سے مناکحت حرام ہے یا نہیں اور اگر مکروہ تحریمی
ہے تو بھی کیا وجہ ہے کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ مومن کو کھانا پینا نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ
اسوقت شراب اور خنزیر وغیرہ کا استعمال نہو پس روافض ان سے بدرجہ اولی اچھے
ہیں اسلئے کہ کلمہ گو ہیں اور اہل سنت کے مذہب میں اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے اسیوجہ
سے بعضوں نے یزید پر بھی لعنت کرنے کو جائز نہیں رکھا ہے پس روافض کا حال اہل
کتاب اور ان عدو اہل بیت سے ضرور اچھا ہے جنکے حکم سے اولاد رسول قتل ہوئی اور
باوجود کلمہ گو ہونے کے انکو کافر کہنا کس دلیل سے جائز ہے اور اگر درحقیقت یہ حدیثیں
صحیح نہیں ہیں تو پھر بہت سے مواضع میں کچھ گفتگو ہی نہیں۔ وہ حدیثیں یہ ہیں۔ عن علی رضی اللہ
عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا علی یخرج فی اٰخر ھذا الزمان قوم لہم نبز یسمون الرافضیۃ
یرفضون الاسلام وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سب ابا بکر فقد سبنی وعنہ
صلی اللہ علیہ وسلم حب ابی بکر وعمر من الایمان وبغضہما کفر وعنہ صلی اللہ علیہ
وسلم من احب عمر فقد احبنی ومن ابغض عمر فقد ابغضنی وعن جابر رضی اللہ عنہ
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بجنازۃ فلم یصل علیہ قیل یا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ما رأیناک ترکت الصلوۃ علی احد قبل ھذا قال انہ کان یبغض عثمان فبغضہ
اللہ تعالٰے وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم من سب اصحابی فقد سبنی وعنہ علیہ السلام

ان اللہ تعالیٰ اختار لی اصحابا فجعلہم اصحابی واصہاری وسیجئ من بعدھم قوم ینقصونہم ویسبونہم فان ادرکتموھم فلا تناکحوھم ولا تواکلوھم ولا تشاربواھم ولا تصلوامعہم ولا علیھم یعنے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہو کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی آخر زمانے میں ایک قوم ظاہر ہوگی جو رافضی کہلائیں گے اور وہ اسلام سے پھرے ہوے ہوں گے اور حضور رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہو جس نے ابوبکر کو گالی دی اُسنے مجکو گالی دی اور جناب سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہو ابوبکرؓ اور عمرؓ کی محبت ایمان کی دلیل اور اُنسے عداوت کفر کی دلیل ہو اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہو جس نے عمرؓ کو دوست رکھا اُسنے مجکو دوست رکھا اور جس نے اُن سے عداوت کی اُسنے مجھے عداوت کی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے قریب تشریف لائے مگر اسپر آپنے نماز نہیں پڑھی لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ اِس سے پہلے ہم نے آپ کو نہیں دیکھا کہ کسی جنازے کی نماز آپ نے نہ پڑھی ہو آپ نے فرمایا یہ میرا نماز نہ پڑھنا اسوجہ سے تھا کہ یہ مرنے والا عثمانؓ سے بغض رکھتا تھا اور اُنسے بغض رکھنے ولے پر اللہ کا غضب ہے اور حضور رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہو جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اُسنے مجھکو گالی دی اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہو اللہ نے مجھے اصحاب دیے اُنمیں سے بعضوں کو میرا صحابی بنایا اور بعضوں کو داماد اور قریب ہو کہ ایک ایسی قوم ظاہر ہوگی جو اُنسے بغض رکھے گی اور اُنکو گالیاں دے گی اگر تم اِس قوم کو پاؤ تو اُس سے اکل وشرب ومناکحت ترک کرنا اور اُسکے ساتھ نماز نہ پڑھنا اور اُسکے جنازے کی نماز نہ پڑھنا

جواب اِن حدیثوں میں سے بعض جامع ترمذی اور بعض جامع صغیر میں ہیں جیسے عن جابر الحدیث مگر ایسی حدیثیں تہدید اور زجر کے لئے وارد ہوئی ہیں اور صحیح مذہب یہی ہو کہ اہل قبلہ کو کافر کہنا چاہیئے لیکن فرق مخالف کے ساتھ اُنکے فسق کیوجہ سے نکاح مکروہ ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** دروازہ چوکھٹ یا دالان کی دہلیز کو بزرگ جاننا اور اُسپر جوتا رکھنے کو برا سمجھنا کیسا ہو اسوجہ سے کہ فقیر یا

بزرگ آتا ہے تو دہلیز کو دعا دیتا ہے کہ بابا تیری چوکھٹ سلامت رہے یہ بات کیسی ہے **جواب** یہ امور لغو اور خرافات ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی عفی عنہ **سوال** روافض کی طرح سنیوں کو تعزیہ داری کرنا علم رکھنا چھاتی کوٹنا مالیدہ شربت وغیرہ تعزیہ کے سامنے رکھکر نذر دینا اور اُسے تبرک جانکر کھانا پینا اور عاشورا کے دن تعزیہ کے ساتھ ننگے سر ننگے پاؤں جانا اور عاشورے کے دن فاقہ کرنا اور شام کے قریب جو کی روٹی سے فاقہ کشی کرنا اور قریب شام اس فاقہ کو جو کی روٹی سے توڑنا اور اُسدن روزہ رکھنے کو بدعت جاننا اور کہنا کہ اسدن یزید کی ماں نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خوشی میں روزہ رکھا تھا اور تعزیہ دفن کرنے کے بعد تیسرے دن مثل مردے کے تیجے کے تیجہ کرنا اور اس میں قرآن خوانی کرنا اور پھر مرثیہ پڑھنا اور الایچی دانے بانٹنا یہ تمام امور کیسے ہیں واجب ہیں یا سنت بدعت ہیں یا حرام یا ممنوع اور انکا مرتکب کیسا ہے **جواب** یہ سب امور بدعت اور ممنوع ہیں اور انکا مرتکب مبتدع اور فاسق ہے **سوال** ایک شخص ہمیشہ تسبیح پھراتا ہے یعنے تسبیح و تہلیل و تحمید و استغفار و درود پڑھنے میں مشغول رہتا ہے اور بعض نوافل جیسے عصر کی سنتیں اور صلوۃ الاوابین اور عشا کے قبل کی سنتیں بھی پڑھتا ہے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب امور بدعت ہیں اور انکا مرتکب مبتدع ہے اور کہتے ہیں کہ الجہاد مع المبتدع افضل من جہاد الکفار یعنی بدعتی سے جہاد کرنا کفار سے جہاد کرنے سے افضل ہے کے موافق اُس سے قتال لازمی ہے اور نماز مفروضہ کے بعد ہاتھ اُٹھاکر دعا کرنے کو بھی منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بھی بدعت ہے اسمیں شرع کا کیا حکم ہے **جواب** تسبیح پھیرنا فی نفسہ مشروع امر ہے بشرطیکہ ریا سے خالی ہو اور ایسی سبحہ گردانی اگرچہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھی مگر صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں پائی گئی ہے جیساکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے بعض رسائل میں اس کی صراحت کی ہے پس سبحہ گردانی بدعت کیونکر ہوسکتی ہے اور صلوۃ اوابین اور دوسرے نوافل کی شرع نے رغبت دلائی ہے ہر کسی کو چاہیئے کہ اپنے اوقات اس قسم کی عبادات میں گزارے اور مجلس مولود شریف کو علماء سلف نے بدعت حسنہ قرار دیا ہے اور اس قسم کی مجلسوں میں حاضر ہونے کو

خلوص نیت سے اکابر محدثین وفقہا نے اچھا شمار کیا ہے۔ اور دعا میں ہاتھ اُٹھانا مستحب امر ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ اور شرح حصن حصین میں کما حقہ اس کی تصریح کی ہے لہٰذا ان امور میں اگر نیت خالص ہوگی تو ثواب پائے گا **سوال** ایک طوائف نے توبہ کی ہے اور اُسکے پاس اپنے پیشہ سے حاصل کیا ہوا بہت سا مال ہے اُس میں سے میلاد شریف کرتی ہے زکوٰۃ خیرات اپنی لڑکی کو قرآن پڑھانے والے کی تنخواہ دیتی ہے اور سائلان قرآن کو قرآن دیتی ہے اور اسکا ارادہ ہے کہ ہمیشہ ان امور کو زیادتی کے ساتھ کرتی رہے اگر اُس مال سے یہ امور درست نہوں تو اُسے کئی طرح کے عذر ہیں جیسے نماز پڑھنے کی طاقت کے لئے کھانا اُسی مال سے کھاتی ہے اور ستر پوشی کے لئے کپڑا اسی مال سے بہنتی ہے اور اُسی مال سے افطار صوم کرتی ہے اُسی مال سے قربانی کرتی ہے اور حج کو جانے کا ارادہ رکھتی ہے تو یہ سب کار خیر بھی ناجائز ہو جائیں گے لہٰذا ان سب کو چھوڑ دے اسپر بھی اسکو یہ فکر ہے کہ وہ اپنے مال کو کیا کرے آیا شراب خوری وقمار وعیاشی میں یا انگریزوں کو دیدے جو صورت معقول ہو اُس سے مطلع کریں **جواب** حرام مال سے امور خیر کرنا اور کھانا پینا اور اُس مال کو صرف میں لانا سب حرام ہے اُسے چاہیئے کہ کسی سے اتنا روپیہ قرض لے جتنا اُسکے پاس ہے اور اس قرض لئے ہوئے روپے سے امور خیر کرے اور قرض اُسی اپنے روپے سے ادا کرے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابوالحسنات محمد عبدالحی] صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ **سوال** عورتوں کو ایسا نقرئی زیور جو خود بجنے والا نہو بلکہ دوسرے سے لگکر بجنے والا ہو جیسے کڑے چھڑے جو ایک دوسرے سے لگ کر بجتے ہیں یا ایسے گھنگرو جن کے اندر بجانے والا دانہ نہ ہو پہننا جائز ہے یا نہیں **جواب** عورتوں کو ایسا زیور پہننا جو حرکت پاکر بجے یا ایک دوسرے سے لگ کر بجے جس کی آواز سے مخفی اظہار زینت کا ہو اور آواز سننے والا سمجھے کہ عورت فلاں زیور پہنے ہے منع ہے کیونکہ زیور کی آواز کا علم مردوں کو ان کی جانب مائل کرتا ہے جیسا کہ بیضاوی میں ہے ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن لیتقعقع خلخالھا فیعلم انھا

ذات خلخال فان ذلك یورث میلا فی الرجال وهو ابلغ من النهی عن اظهار الزینة و
اول علی المنع من رفع الصوت یعنے عورتوں کو اپنے پاؤں زمین پر اس لئے زور سے نہ
رکھنا چاہیئے کہ اُن کی پوشیدہ زینت ظاہر ہوجائے اور اُن کی پازیب آواز دے اور
لوگوں کو معلوم ہو کہ اُن کے پاس پازیب ہے کیونکہ اس سے لوگوں کی طبیعت اُن کے
جانب مائل ہوتی ہے اور اس کی ممانعت اظہار زینت سے زائد ہے اور رفع صوت
کی ممانعت پر مقدم ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو مرد عورتوں کا زیادہ طالب ہوتا ہے وہ جب انکے
زیور کی آواز سنتا ہے تو انکے دیکھنے کی ضرور خواہش کرتا ہے جیساکہ تفسیر کبیر میں ہے اما قول تعٰ
ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن فقال ابن عباسؓ وقتادہؓ کانت
المرأة تمر بالناس وتضرب برجلها لیسمع قعقعة خلخالها ومعلوم ان الرجل الذی
یغلب علیه شهوة النساء اذا سمع صوت الخلخال یصیر ذلك داعیة له زائدة فی مشاهدتهن
وقد علل تعالیٰ ذالك بان قال لیعلم ما یخفین من زینتهن من الحلی وغیرہ اللہ تعالےٰ
کے قول ولا یضربن الآیة (عورتیں زمین پر اس غرض سے دھمک کر پاؤں نہ رکھیں
کہ اُن کی پوشیدہ زینتیں ظاہر ہوجائیں) کے تحت میں حضرت ابن عباس اور حضرت
قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ عورتیں مردوں کے ہمراہ چلتی تھیں اور اپنے پاؤں کو زمین
پر اس غرض سے دھمک کر رکھتی تھیں کہ اُن کی پازیب کی آواز مرد سنیں اور یہ کہ شہوتی مرد
جب عورت کی پازیب کی آواز سنے گا تو یہ امر اسکو عورت کے دیکھنے کا شوق دلائے گا
اور اللہ تعالےٰ نے اسکی علت یہ بیان کی ہے کہ مرد انکی چھپی ہوئی زینتوں کو جانیں گے۔
اور احادیث سے ظاہر ہے کہ ایسا زیور پہننا لڑکیوں کو بھی منع ہے جیساکہ مشکوۃ میں ہے
وعن ابن الزبیرؓ ان مولاة لهم ذهبت بابنة الزبیرؓ الی عمر بن الخطاب وفی رجلها اجراس فقطعها
عمرؓ وقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول مع کل جرس شیطان رواہ
ابوداؤد وعن بنانة مولاة عبد الرحمٰن ابن حیان الانصاری کانت عند عائشة اذا دخلت
علیها بجاریة وعلیها جلاجل یصوتن فقالت لا تدخلنها علی الا ان تقطعن جلاجلها سمعت
رسول اللہ علیه وسلم یقول لا تدخل الملائکة بیتا فیه جرس رواہ ابوداؤد یعنے حضرت

ابن زبیر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان کی ایک لونڈی انکی لڑکی کے ساتھ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور اسکے پاؤں میں گھنگرو تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے ہر گھنٹی کی آواز کے ساتھ ایک شیطان ہے اسکو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور بنانہ رضی اللہ عنہا سے جو حضرت عبدالرحمن بن حبان رضی اللہ عنہ کی لونڈی ہیں مروی ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں کہ انکے سامنے ایک لونڈی آئی جو پاؤں میں ایسے گھنگرو پہنے تھی جو بجتے تھے پس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم بغیر گھنگروؤنکو توڑے ہوئے یہ پہنکر میرے پاس نہ آئیں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں گھنٹی کی آواز ہو۔ واللہ اعلم نمقہ محمد شجاعت علی عفی عنہ۔ فی الواقع ایسا زیور پہننا جو آواز دیتا ہو جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابوالحسنات محمد عبدالحی

سوال ہاتھی پر سوار ہونا درست ہے یا نہیں **جواب** شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک درست ہے۔ منح الغفار میں ہے والفیل کالخنزیر عند محمد رحمہ اللہ فیکون حکمہ حکمہ وعندھما کسائر السباع نجس السور واللحم لا العین فیجوز بیع عظمہ والانتفاع بہ فی الحمل والمقاتلۃ یعنی ہاتھی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک سور کی طرح ہے تو انکے نزدیک ہاتھی کا حکم بھی وہی ہوگا جو سور کا حکم ہے اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ دوسرے درندوں کی طرح ہے کہ اسکا گوشت اور جھوٹا دونوں نجس ہیں اور وہ نجس العین نہیں ہے تو اسکی ہڈی کا بیچنا اور اس سے باربرداری اور جنگ میں نفع اٹھانا جائز ہے۔ اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے والمختار قولھما اور مختار شیخین رحمہما اللہ کا قول ہے **سوال** سب سے پہلے ہاتھی پر کون سوار ہوا ہے **جواب** باوجود تلاش کے مجھے نہیں ملا البتہ حیوۃ الحیوان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیل کا وجود ذوالقرنین کے زمانے میں معلوم ہوا ہے **سوال** پلنگ کے کھٹمل گرم پانی ڈالکر یا پانی میں پلنگ کو ڈبوکے مارنا جائز ہے یا نہیں **جواب** مکروہ ہے مطالب المومنین میں ہے احراق القمل والعقرب وغیرھما بالنار مکروہ لان فی الحدیث لایعذب بالنار

لا خالقها واکره القاؤه فی الماء یعنے کھٹمل اور بچھو وغیرہ کو آگ میں جلانا مکروہ ہی کیونکہ حدیث
میں ہی آگ سے عذاب صرف خالق ہی کریگا اور پانی میں لٹکانا بھی مکروہ ہی **سوال**
سانپ اور بچھو کے لئے منتر پڑھکے پھونکنا کیسا ہی اور حدیث سے کون منتر ثابت ہی **جواب**
روا ہی بشرطیکہ وہ کوئی آیت یا ایسی دعا ہو جو حدیث میں مروی ہو لیکن فارسی زبان میں
یا اُن الفاظ کے ساتھ جسکے معنے نہ جانتا ہو جائز ہی کیونکہ اُس میں کفر کا احتمال ہی۔ امام
مالک رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہی کہ آپ نے بنی سلیم
کے اُس شخص سے فرمایا جسنے کہا کہ رات کو بچھو نے میرے کاٹا کہ اگر تم رات کو اعوذ
بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق پڑھ لیتے تو تمھیں مضرت نہ پہونچتی۔ اور بھی وارد ہی
کہ جو شخص اول رات میں پڑھے عقدت ذنب العقرب ولسان الحیۃ وید السارق
بقول اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ تو وہ سانپ اور بچھو
اور چور سے خلاصی پائے گا اور مجرب دعاؤں میں سے یہ ہی کہ جب کسی کو بچھو کاٹے تو درد
کی جگہ پر لوہا رکھکے یہ دعا پڑھے سلام علی نوح فی العلمین وعلی محمد فی المرسلین من حاملات
السم اجمعین لا دابۃ بین السماء والارض الا ربی آخذ بناصیتها اجمعین کذلک یجزی
عبادہ المحسنین ان ربی علی صراط مستقیم نوح نوح قال لکم نوح من ذکرنی فلا
تاکلوہ ان ربی بکل شیئ علیم وصلے اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم **سوال**
علما اور صلحا کی کفش برداری جائز ہی یا نہیں **جواب** اگر یہ نیت خالص از قبیل خدمت
ہو تو مستحسنات میں سے ہی **سوال** تعزیہ رکھنا اور اسکی تعظیم کرنا وغیرہ جائز ہے یا نہیں
جواب عشرہ محرم میں تعزیہ داری وغیرہ کرنا اور روضہ بنانا اور قبور اور علم کی صورت
بنانا اور دلدل وغیرہ تیار کرنا یہ سب امور بدعت ہیں ان میں سے کوئی بات قرون ثلثہ
میں نہ تھی اس بارہ میں کسی بدعمل کی اصل ثابت نہیں ہے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی
چیز کی عظمت کرنا بت پرستی کا پتہ دیتی ہی روی الطبرانی عن ابن عباس قال قال رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من احدث حدثا او آوی محدثا علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس
اجمعین لا یقبل اللہ منه صرفا ولا عدلا وروی البخاری ومسلم وغیرهما من اصحاب

الصحاح عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من احدث
فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد وروی مسلم انہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم شر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ یعنے طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس
رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی نئی بات
نکالے یا کسی نئی بات پر عمل درآمد کرے تو اُس پر خدا الملائکہ اور سب آدمیوں کی لعنت ہے
اللہ اس کی نیکیاں قبول نہ کرے گا اور بخاری اور مسلم وغیرہما نے اصحاب صحاح سے
روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے
فرمایا ہے کہ جس کسی نے ہماری اس شریعت میں ایجاد کی جو اس سے خارج ہے تو وہ مردود
ہے اور مسلم نے روایت کی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا ہے کہ بدترین
امور نئی باتیں ہیں اور ہر بدعت ضلالت ہے یہ لکڑیاں جو انسان کی بنائی ہوئی ہیں قابل
ازالہ ہیں حدیث شریف میں ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم تستطع
فبلسانہ وان لم تستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان رواہ مسلم یعنے تم میں سے
جو کوئی بُری بات دیکھے تو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اور اگر
یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے قلب سے اور یہ ضعیف تر ایمان ہے اسکو مسلم نے روایت کیا ہے اور جو حدیث
کفایہ شعبی میں وارد ہوئی ہے اور ناواقف جہال اُسے اپنے مطلب کی سند میں پیش کرکے
اُس سے تعزیہ کا جواز ثابت کرتے ہیں ان رجلا جاء الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم
فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنۃ والحور العین فامرہ النبی
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یقبل رجل الام وجبھتہا وجبھۃ الاب وروی انہ قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لم یکن لی ابوان فقال قبل قبرھما قال فان لم
اعرف قبرھما قال خط خطین وانویان احدھما قبر الام والآخر قبر الاب فقبلھما فلا تحنث
فی یمینک کذا فی کنز العباد یعنے ایک شخص رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا کے پاس آیا اور کہا
یا رسول اللہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جنت کے دروازے کی چوکھٹ اور حوران بہشتی کا
بوسہ لوں گا تو آپ نے اُسے حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور پیشانی اور باپ کی پیشانی کا بوسہ

لے اُسنے کہا اگر میرے ماں باپ زندہ نہوں آپ نے فرمایا تو اُن کی قبر کا بوسہ لے اُسنے
کہا اگر مجھے اُنکی قبریں نہ معلوم ہوں تو آپ نے فرمایا کہ دو خط کھینچ اور ایک کو ماں کی قبر اور دوسرے
کو باپ کی قبر فرض کرکے اُنکا بوسہ لے تو تو حانث نہوگا جیسا کہ کنز العباد میں ہے۔ تو اسکا جواب
یہ ہے کہ یہ چنداں معتبر نہیں ہے اور اگر معتبر بھی مان لی جائے تو حدیث میں ماں اور باپ کی قبور
کے مجہول ہونے کی صورت مذکور ہے اور معلوم کو مجہول پر قیاس کرنا جہالت سے خالی نہیں
جیسے اگر سمت قبلہ معلوم نہو تو تحری جائز ہے پس جبکہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے قبور
کی جگہیں معلوم ہیں تو تابوت مصنوعی کی زیارت کرنا کیا معنے رکھتا ہے اور اگر اسکو جائز سمجھ لیں
تو یہ بھی لازم آئیگا کہ مصنوعی قبر کی زیارت کرنا اور مصنوعی کعبہ کا حج کرنا بھی جائز ہوجائے اور
اسکا کوئی قائل نہیں ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اس تعزیہ کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی
یادگاری کا واسطہ سمجھتے ہیں تو اُسکا جواب یہ ہے کہ یادگاری اسی طرح ہونا چاہیئے جو شریعت
میں جائز ہے کیونکہ نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یادگاری کے لئے صلیب تیار
کرتے ہیں پس ہمیں اور اُنمیں کیا فرق ہوگا اور ہر علت مستحب کا مستحب ہونا شریعت سے ثابت
نہیں ہے اور اصول کے قواعد میں سے کوئی اصل اسپر دلالت نہیں کرتی ہے ہاں جو علت مستحب کے
لئے موقوف علیہ تام ہو اگر من قبیل افعال اختیاریہ ہو تو مستحب ہے مگر ظاہر ہے کہ تعزیہ موقوف
علیہ تام نہیں ہے کیونکہ ذکر مصائب کربلا بغیر تعزیہ کے بھی سنکر اکثر لوگ رو دیتے ہیں اور چھاتی
کوٹنا اور کپڑے پھاڑنا اور نوحہ کرنا اور سر پر خاک ڈالنا اور بالوں کو منتشر کرنا یہ سب
امور منہیات اور ممنوعات میں سے ہیں اور حدیث شریف میں نوحہ کرنیوالے پر لعنت
وارد ہوئی ہے۔ مجمع البرکات میں ہے یکرہ للرجل تسوید الثیاب وتمزیقہا للتعزیۃ واما تسوید
الخد ودوالایدی وشق الجیوب وخدش الوجوہ ونشر الشعور ونثر التراب علی الرؤس والضرب
علی الصدور والفخذ وایقاد النار علی القبور فمن رسوم الجاہلیۃ والباطل کذا فی المضمرات
یعنے کپڑوں کو سیاہ کرنا اور تعزیت کے لئے پھاڑ ڈالنا مکروہ ہے ہاتھوں اور گالوں کو سیاہ کرنا گریبان
چاک کرنا چہرہ کو نوچنا بالوں کو پراگندہ کرنا سر پر مٹی اُڑانا سینہ اور ران کوٹنا اور قبروں پر
آگ سلگانا جاہلیت کی رسمیں ہیں اور باطل ہیں جیسا کہ مضمرات میں ہے **سوال** کسیکے
دونوں ہاتھ چومنا کیسا ہے **جواب** عالم اور پرہیزگار اور سلطان عادل اور حاکم متدین کے

ہاتھ تبرک اور تعظیم اسلام کے لئے چومنے میں مضائقہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے۔ درمختار شرح تنویر الابصار میں ہے ولا باس بتقبیل ید العالم والمتورع علی سبیل التبرک ونقل المصنف عن الجامع انہ لا باس بتقبیل ید الحاکم المتدین والسلطان العادل ولا رخصۃ فیہ ای فی تقبیل الید لغیرھما ای لغیر عالم وعادل ھو المختار کذا فی المجتبی وفی المحیط ان لتعظیم اسلامہ واکرامہ جاز وان لنیل الدنیا کرہ یعنے عالم اور متدین آدمی کا ہاتھ چومنا تبرک کے لیے درست ہے مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ حاکم متدین اور سلطان عادل کے ہاتھ چومنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور عالم اور عادل کے سوا دوسروں کے ہاتھ چومنے کی اجازت نہیں ہے یہی مختار مذہب ہے جیسا کہ مجتبی میں ہے اور محیط میں ہے کسی شخص کے اسلام کی تعظیم اور بزرگداشت کی غرض سے جائز ہے اور اگر بغرض دنیاوی ہو تو مکروہ ہے **سوال** کسی کے گال یا سر دہن یا پیشانی وغیرہ کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں **جواب** اگر اعزاز اور تعظیم کی غرض سے ہو اور شہوت سے امن ہو تو جائز ہے۔ درمختار میں ہے وکرہ تحریما قہستانی تقبیل الرجل فم الرجل او یدہ او شیئا منہ وکذا تقبیل المرأۃ المرأۃ عند لقاء او وداع قنیۃ وھذا لو عن شہوۃ واما علی وجہ البر فجائز عند الکل خانیۃ وفی الاختیار عن بعضہم لا باس اذا قصد البر وامن الشہوۃ کتقبیل وجہ وخد فقیہ ونحوہ یعنے قہستانی رحمہ اللہ نے ایک مرد کا دوسرے مرد کے منہ یا ہاتھ یا کسی دوسرے عضو کو اور عورت کا دوسری عورت کو ملاقات یا رخصت کے وقت چومنے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب شہوت سے ہو لیکن بہ نیت خالص سب کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے اور اختیار میں ہے کہ بعضوں کے نزدیک اس میں کچھ حرج نہیں ہے جبکہ نیت پاک ہو اور امن عن الشہوۃ کی مثال فقیہ کا منہ یا گال چومنا یا اسکے سے کسی اور آدمی کا۔ اور عالمگیری میں ہے واما الکلام فی تقبیل الوجہ حکی عن الفقیہ ابی جعفر الہندوانی انہ قال لا باس ان یقبل الرجل وجہ الرجل اذا کان فقیہا او عالما او زاھدا یرید من ذلک اعزاز الدین وقد ذکر فی الجامع الصغیر یکرہ ان یقبل الرجل وجہ اخر او جبہتہ او رأسہ کذا فی المحیط یعنے فقیہ ابوجعفر ہندوانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں کچھ نہیں ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کا

منہ چومنے جبکہ فقیہ یا عالم یا زاہد ہو اور اس سے مقصد اعزاز دین ہو اور جامع صغیر میں ہے کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کے منہ یا پیشانی یا سر کو چومنا مکروہ ہے جیسا کہ محیط میں ہے **سوال** شرابی یا دوسرے فاسقوں کو پہلے سلام کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** ابتدا نہ کرنا چاہیے عالمگیری میں ہے۔ واختلف فی السلام علی الفساق فی الاصح انہ لایبدأ بالسلام کذا فی التمرتاشی یعنے فاسقوں کو سلام کرنے کے متعلق اختلاف ہے مذہب اصح یہ ہے کہ پہلے سلام نہ کرنا چاہیئے اور مجمع البرکات میں ہے واذا مر بقوم وھم یشربون الخمر واشتغلوا بمعصیۃ من المعاصی فعلے قول ابی حنیفۃ ومحمد یسلم علیہم وعلی قول ابی یوسف لایسلم علیہم کذا فی مطالب المؤمنین ناقلا عن کفایۃ الشعبی یعنے اور اگر کسی شخص کا گزر ایسے گروہ پر ہوا جو شراب پی رہا ہے یا کسی اور گناہ میں مشغول ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول پر انکو سلام کرے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر انھیں سلام نہ کرے ایسا ہی مطالب المؤمنین میں کفایہ شعبی سے نقل کیا ہے **سوال** سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہے یا علیکم السلام کہے اور حضرت سلامت کا لفظ کافی ہے یا نہیں **جواب** حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سوال کے جواب میں وعلیکم السلام بواو عطف فرماتے تھے جیسا کہ صراط المستقیم میں ہے اور اگر بے واو عطف کے فقط علیکم السلام کہے تو بھی کافی ہے اور حضرت سلامت کا لفظ سلام کے جوابات میں سے نہیں ہے۔ مجمع البرکات میں ہے ویأتی بواو العطف فی قولہ وعلیکم السلام وان حذف واو العطف فقال علیکم السلام اجزاہ یعنے اپنے قول وعلیکم السلام میں واو زیادہ کرنا چاہیئے اور اگر واو حذف کرکے علیکم السلام کہا تو بھی کافی ہے **سوال** سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہے یا اس پر زیادتی کرے **جواب** وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا مستحب ہے اللہ تعالے نے فرمایا ہے واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوھا یعنی جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر جواب دو یا اسی کو لوٹا دو **سوال** اکثر شہروں میں زبان سے سلام کا جواب دینا بے ادبی سمجھتے ہیں اور سر پر ہاتھ رکھکر نہایت تعظیم سے پیش آتے ہیں اور اسیکو سلام سمجھتے ہیں پس اس سے سنت ادا ہوتی ہے یا نہیں **جواب** صراط المستقیم اور اس کی شرح میں بزبان فارسی تحریر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے چونکہ سلام اعظم

شعائر اسلام سے ہے اور ہندوستان میں اٹھنا جو اہل بدعت کا شعار ہے اسکا قائم مقام ہوا ہے اور طریق مسنون متروک ہو گیا ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں سر پر ہاتھ رکھنا یا زمین پر انگلی رکھنا شائع ہوا ہے اور زبان سے سلام کا جواب دینا اکثر لوگوں کے نزدیک بدتمیزی اور بے ادبی میں داخل ہو گیا ہے لہذا حکام اور امرا کو چاہیئے اس اسلامی طریقے کے جاری رکھنے میں انتہا درجہ کی کوشش کریں اور اسکو شعائر دین سے خیال کریں اور اسکے جاری رکھنے کو اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھیں۔ البتہ زبان سے سلام کا جواب دینا اور ہاتھ اٹھا کر ماتھے یا سینہ پر رکھنا بظاہر کچھ حرج نہیں ہے **سوال** مصافحہ کس وقت سنت ہے **جواب** جب دو مسلمان ملیں تو سلام و جواب کے بعد دونوں ہاتھوں سے مصافحہ سنت ہے۔ کنز العباد میں ہے یصافح بعد السلام من لقی من الاخوان فانہا من تمام التحیۃ ویزید فی المحبۃ وعن کفایۃ الشعبی ان ھذہ المصافحۃ التی ھی الیوم بین المسلمین انما ھی اعلام انا علی ذلک المیثاق الذی اخذہ اللہ تعالے حیث اخرجنا من صلب آدم علیہ السلام وروی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال من صافح مسلما تناثرت ذنوبہ کما تناثر ورق الشجرۃ یعنی اپنے جن احباب سے ملے سلام کے بعد مصافحہ کرے کیونکہ مصافحہ سے تحیۃ سلام کی تکمیل ہوتی ہے اور اس سے محبت میں زیادتی ہوتی ہے اور کفایہ شعبی میں ہے کہ یہ مصافحہ جو آجکل مسلمانوں میں رائج ہے اس بات کی خبر دیتا ہے کہ ہم اس عہد پر ہیں جو خدا نے اسوقت لیا تھا جسوقت ہم حضرت آدم علیہ السلام کے صلب سے نکلے تھے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس نے کسی مسلمان سے مصافحہ کیا اُسکے گناہ اسطرح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں **سوال** معانقہ جائز ہے یا نہیں **جواب** سفر سے آنے والیکو معانقہ کرنا مسنون ہے اور اسکے سوا بھی بنظر اکرام و تعظیم اہل اسلام معانقہ کرنا جائز ہے۔ کنز العباد میں عمدۃ الابرار سے نقل کیا ہے فی الکافی المعانقۃ عن بعد الکرامۃ جائز یعنی بزرگداشت کے طریقے پر معانقہ جائز ہے۔ لیکن معانقہ کرنے والوں کے جسم پر اگر ازار کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہو تو بعض کے نزدیک مکروہ ہے والخلاف فیما اذا لم یکن علیہما غیر الازار اما اذا کان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بہ کذا فی کنز العباد

وفی کمال الدرایۃ قید بالازار الواحد لانہ لوکان علیہ قمیص اوجبۃ اوردا مع الازار لم یکن بأس بہ بالاتفاق یعنی اختلاف اس صورت میں ہی کہ معانقین ازار کے سوا کچھ نہ پہنے ہوں اور اگر اُنکے جسم پر قمیص یا جبہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہی جیسا کہ کنز العباد میں ہے اور کمال الدرایہ میں ہی ازار واحد کی قید اسلئے لگائی ہی کہ اگر ازار کے ساتھ قمیص یا جبہ یا ردا ہو تو بالاتفاق معانقے میں کچھ حرج نہیں ہی **سوال** شرعاً کن چیزوں میں نحوست ہے اور کس وجہ سے نحوست ہی **جواب** شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اشعۃ اللمعات میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہی۔ جاننا چاہیے کہ نحوست کے باب میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں بعض سے مطلقاً اُس کی تاثیر کی نفی اور اعتقاد کی نہی ثابت ہوتی ہی اور یہ حدیثیں بہت ہیں اور بعض سے عورت اور گھوڑے اور گھر میں اسکا اثبات پایا جاتا ہی جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں آیا ہی انما الشوم فی ثلث الفرس والمرأۃ والدار صرف نحوست تین چیزوں میں ہی گھوڑا عورت گھر۔ اور بعض سے انمیں بھی اثبات کا انکار پایا جاتا ہی جیسا کہ حدیث ابن ابی ملیکہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وارد ہی اور تطبیق کی یہ وجہ ہی کہ بالذات تاثیر منفی ہی اور اہل جاہلیت اسکا اعتقاد رکھتے تھے تمام چیزوں میں موثر اللہ ہی ہی سب اس کی خلق اور تقدیر سے ہی اور ان چیزوں میں اسکا اثبات خدا تعالیٰ کی عادت سے ہی کہ اسنے انکو پیدا کر کے اسباب عادیہ بنا دیے اور اُن کی حکمت اُسی کو معلوم ہی تو نفی تاثیر ذاتی کی ہی اور اثبات سبب عادی کا اور بعض کہتے ہیں کہ عورت کی نحوست اس کی ناموافقت ہی کہ شوہر کی مطیع نہو یا بد شکل ہو اور مکان میں اُسکا تنگ ہونا اور ہمسایہ کا برا ہونا اور گھوڑے میں اسکی قیمت کا زیادہ ہونا اور مقصد کے خلاف ہونا اسی طرح خادم میں بھی نحوست ہوسکتی ہی اس قسم کے معنے کے اعتبار سے واللہ اعلم **سوال** سفر کے لئے نحس اور سعد تاریخیں مقرر ہیں یا نہیں اور بدھ کا دن منحوس ہی یا نہیں **جواب** شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ شرح صراط المستقیم میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہی دنوں کے سعد اور نحس ہونے میں احکام نجوم کی پابندی کرنا نہ سلف کی عادت تھی اور نہ اہل اسلام کا طریقہ ہی جو کچھ حدیث میں آیا ہی اُسے اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے اور آداب

سفر میں جو دعائیں منقول ہیں انکو عمل میں لانا چاہیئے اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہفتے کے دن
فلاں سمت کا سفر نہ کرنا چاہیئے اور اتوار کے دن فلاں سمت کو نہ جانا چاہیئے اس کی کوئی
اصل نہیں ہو لیکن بعض کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہو کہ انھوں
نے کہا ہو کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو سب دن خدا کے بنائے ہوے ہیں
مگر اُن میں سے بعض دن سعد اور بعض نحس ہیں اور کوئی مہینہ ایسا نہیں ہو جس میں سات
دن منحوس نہوں۔ پھر اُن سات دنوں کو یوں گنا ہو تیسرا پانچواں تیرھواں سولھواں
اکیسواں چوبیسواں پچیسواں۔ اور یہ امر صحت کو پہونچا ہوا ہو کہ قرآن شریف میں یوم نحس
مستمر سے چارشنبہ مراد ہو یوں ہی منقول ہو اور اس کی صحت اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ اور
مروی ہو کہ حضرت علے کرم اللہ وجہہ سے کہ کسی لشکر کی طرف جانے والے تھے ایک شخص
نے کہا کہ آج نہ جانا چاہیئے آپ نے فرمایا اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو اُسی تلوار سے تیری
گردن اُڑا دیتا اتنی عمر تک میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ساتھ رہا اور کبھی میں نے
آپ سے نہیں سنا کہ فلاں دن جانا چاہیئے نہ فلاں دن **سوال** فال لینا چاہیے یا نہیں
جواب فال کی دو قسمیں ہیں ایک نیک فال دوسرے بدفال نیک فال لینا سنت
ہو اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نیک فال بہت لیتے تھے بخاری میں ہو کہ صحابہ نے
پوچھا یا رسول اللہ نیک فال کی کیا صورت ہو آپ نے فرمایا نیک فال وہ ہو کہ تمسے کوئی سنے
اور اُس سے فال لے جیسے ڈھونڈھنے والا سنے یا واجد یا گمراہ سنے یا راشد یا بیمار سنے
یا سالم۔ لیکن فال بد بس منہی امر مذموم ہو کیونکہ اللہ سے اُمید قطع کرنا اور نا اُمید ہونا اور بُرا
سوچنا امر مذموم ہو ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے
کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو طیرہ یعنے بدفالی شرک ہو **سوال** میت کی پیشانی
پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا درست ہو یا نہیں **جواب** درست ہو جیسا کہ درمختار میں ہو اور بعض
عرفا نے بسم اللہ لکھکے کفن میں رکھدینے کی وصیت کی ہو جیسا کہ فتح العزیز میں ہو **سوال**
غنی مصرف نذر ہے یا نہیں **جواب** مصرف نذر فقیر ہے غنی کو نذر کا روپیہ دینا جائز نہیں
ہے۔ بحر الرائق میں ہے لا یجوز ان یصرف النذر الی غیر محتاج ولا لشریف ذی منصب

لانہ لا یحل لہ الاخذ مالم یکن محتاجاً فقیرا ولا لذی النسب لاجل نسبہ مالم یکن فقیرا ولا لذی علم لاجل علمہ مالم یکن فقیرا اذ لم یثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنیاء یعنی غنی کو نذر دینا ناجائز ہے اسی طرح شریف ذی منصب کو کیونکہ نذر لینا درست نہیں ہے تاوقتیکہ محتاج اور فقیر نہو اور اسی طرح صاحب نسب کے لئے اُسکے نسب کیوجہ سے تاوقتیکہ فقیر نہو کیونکہ یہ شرع سے ثابت نہیں ہے کہ اغنیا کو نذر دینا درست ہو۔ اور ایسا ہی عالمگیری وغیرہ میں ہے **سوال** زید نے نذر مانی تھی کہ اگر حاکم کے حکم سے مجھے دس روپے ملجائیں گے تو میں دو روپے للہ دونگا اور زید نے تین روپے پائے پس نذر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں **جواب** نہیں تنویر الابصار میں ہے فان علقہ بشرط یریدہ کان قدم غائبی یوفی ان وجد الشرط پس اگر نذر کی تعلیق کی کسی شرط پر مثلاً اگر فلاں غائب آجائے تو جب شرط متحقق ہو نذر پوری کرنا چاہیے۔ اور سراجیہ میں ہے اذا قال ان شفی اللہ مریضی او رد غائبی ونحو ذلک مما یرید کونہ فللہ علی کذا فکان ذلک فعلیہ الوفاء یعنے اگر کسی نے کہا کہ فلاں مریض اچھا ہو جائے یا فلاں غائب پلٹ آئے یا اسی طرح کوئی اور ایسی ہی بات جسے وہ چاہتا ہو تو میرے اوپر خدا کی راہ میں یہ کرنا ہے اب اگر کام اُسکی مرضی کے موافق ہو جائے تو اُسے نذر کا پورا کرنا ضروری ہے **سوال** غیر خدا کی نذر جائز ہے یا نہیں **جواب** نہیں۔ بحر الرائق میں ہے النذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون للمخلوق یعنے مخلوق کے لئے نذر ناجائز ہے کیونکہ وہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے درست نہیں ہے **سوال** صحت نذر اور لزوم وفاے نذر کے لئے کتنی شرطیں ہیں **جواب** عالمگیری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چیزیں شرط ہیں (۱) اُس منذور کے جنس سے کوئی فرض شرع میں ہو (۲) وہ منذور عبادت مقصودہ ہو نہ یہ کہ دوسری عبادت کا وسیلہ ہو جیسے وضو کہ اسکی نذر جائز نہیں ہے (۳) منذور بغیر بندے کے واجب کیے ہوے واجب نہ ہو۔ جیسے ظہر کی فرض نماز کہ خود واجب ہے اور اس کی نذر جائز نہیں ہے (۴) وہ منذور از قسم معاصی نہو (۵) وہ منذور مستحیل الوجود نہو جیسے گذشتہ دن کا روزہ کہ اس کی نذر جائز نہیں ہے **سوال** اگر کوئی شخص مصحف یا کتب کے وقف کی نذر کرے تو اُس کا

پورا کرنا لازم ہے یا نہیں **جواب** لازم ہے۔ درمختار میں ہے من نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط
وکان من جنسہ واجب ای فرض کما سیصرح بہ تبعا للبحر والدرر وھو عبادۃ مقصودۃ خرج بہ
الوضوء وتکفین المیت ووجد الشرط المعلق بہ لزم الناذر لحدیث من نذر وسمی فعلیہ الوفاء
بما سمی کصوم وصدقۃ وصلوۃ ووقف واعتکاف واعتاق رقبۃ وحج ولو ماشیا فانہا عبادات
مقصودۃ ومن جنسہما واجب لوجوب العتق فی الکفارۃ والمشی للحج علی القادر من اہل مکۃ
والقعدۃ الاخیرۃ فی الصلوۃ وھی لبث کالاعتکاف ووقف مسجد للمسلمین واجب علی الامام
من بیت المال والا فعلی المسلمین یعنی کسی نے نذر مانی خواہ مطلق ہو یا کسی شرط پر معلق ہو
کہ جس کی جنس سے کوئی واجب یعنی فرض ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تصریح بحر اور درر کی
اتباع کرتے ہوئے آئے گی، اور یہ عبادت مقصودہ ہو اس سے وضو اور تکفین میت خارج
ہو گئی اگر شرط موقوف علیہ پائی گئی تو ناذر پر نذر لازم ہے کیونکہ حدیث میں ہے جسنے نذر کی اور
تعیین کردی تو اسکو لازم ہے کہ نذر معین کو پورا کرے مثلاً روزہ۔ صدقہ۔ نماز۔ وقف۔ اعتکاف
غلام آزاد کرنا۔ اور پیادہ حج کرنا۔ کیونکہ یہ سب عبادات مقصودہ ہیں ان کی جنس سے واجب
موجود ہیں کیونکہ کفارہ میں عتق واجب ہے اور اہل مکہ میں سے جو قدرت رکھتے ہوں ان کو حج
کے لئے پیادہ جانا واجب ہے اور قعدہ اخیرہ نماز میں واجب ہے جو اعتکاف کی نظیر ہے کیونکہ اعتکاف
بھی مسجد میں ٹھہرنے کا نام ہے اور مسجد کا مسلمانوں کے لئے وقف کردینا امام پر بیت المال سے
واجب ہے ورنہ خود مسلمانوں پر واجب ہے **سوال** اگر دس روپے کی روٹی خیرات کرنے کی
نذر مانی اور دس روپے کا آٹا خیرات کردیا تو نذر ادا ہو گئی یا نہیں **جواب** ہو گئی۔ درمختار
میں ہے نذر ان یتصدق بعشرۃ دراہم من الخبز فتصدق بغیرہ جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ
بثمنہ یعنی کسی نے دس روپے کی خیرات کرنے کی نذر مانی اور دوسری چیز خیرات کی تو جائز
ہے اگر دس روپے کے مساوی ہو جیسے اس کی قیمت کا خیرات کردینا جائز ہے **سوال** جب
کسی نے کہا ان شفی اللہ مریضی ذبحت شاۃ او علی للہ ذبح شاۃ او اضیف المسلمین یعنی
اگر اللہ میرے بیمار کو اچھا کردے تو میں بکری ذبح کرونگا یا اللہ کے لئے میرے اوپر ایک
بکری ذبح کرنا ہوگا یا مسلمانوں کی ضیافت کرونگا۔ تو نذر لازم ہوگی یا نہیں **جواب** منجملہ

انعقاد شرائط نذر کے یہ ہے کہ اُس کی جنس سے کوئی واجب ہو جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے اور
صاحب در مختار نے کتاب الیمین میں بہ تبعیت صاحب بحر واجب سے فرض مراد لیا ہے
اور کہا ہے وکان من جنسہ واجب ای فرض یعنے اسکی جنس سے کوئی واجب یعنے فرض ہو
اور صاحب عزر نے فرضیت کی صراحت کی ہے جیسا کہ کہا ہے المنذور اذا کان لہ اصل فی الفروض
لزم الناذر کالصوم والصلوٰۃ یعنے اگر منذور کی فرائض میں کچھ اصلیت ہو تو وہ ناذر پر لازم
ہے مثلاً صوم اور صلوٰۃ۔ تو جب منذور کی جنس سے کسی چیز کا فرض ہونا شرط قرار پا چکا تو پس
بکری ذبح کرنے کی نذر اگرچہ بلفظ للّٰہ علیّ ہو منعقد نہو گی اور ناذر پر کچھ لازم نہو گا اسلئے کہ اسکی
جنس سے کوئی فرض نہیں ہے۔ در مختار میں ہے ولو قال ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ او
علی شاۃ اذبحها فبرئ لا یلزمہ شئی لان الذبح لیس من جنسہ فرض بل واجب کالاضحیۃ
فلا یصح الا اذا زاد والتصدق بلحمها فیلزمہ لان الصدقۃ من جنسها فرض وھی الزکوٰۃ یعنی
جب یہ کہا کہ اگر میں اپنے اس مرض سے اچھا ہو گیا تو ایک بکری ذبح کرونگا یا مجھپر ایک
بکری ذبح کرنا ہے اور وہ اچھا ہو گیا تو اُسپر کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ ذبح کی جنس سے کوئی فرض
نہیں ہے بلکہ واجب ہے مثل اضحیہ کے پس یہ نذر نہ صحیح ہو گی تاوقتیکہ اسمیں یہ زیادتی نہ کرے
کہ اور تصدق کرونگا میں اُسکا گوشت تو اِس صورت میں اُسپر لازم ہو گا کیونکہ صدقہ کی
جنس سے ایک چیز یعنے زکوٰۃ فرض ہے اور بعض فقہا کے نزدیک منذور کی جنس سے کسی چیز
کا فرض ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ منذور کی جنس سے کسی چیز کا واجب ہونا کافی ہے اور واجب
کے معنے عام ہیں جو واجب اصطلاحی اور اعتقادی دونوں کو شامل ہیں لہذا فرض اور واجب
کو بھی شامل ہیں ابن عابدین نے شامی میں اسکو اصح کہا ہے۔ عالمگیری میں ہے الاصل ان
النذر لا یصح الا بشروط احدها ان یکون الواجب من جنسہ شرعًا یعنی اصل یہ ہے کہ نذر بغیر
چند شرطوں کے درست نہیں ہوتی انمیں سے ایک یہ ہے کہ شرعًا اسکی جنس سے کوئی واجب
موجود ہو اور صاحب در مختار نے اسی عموم کو کتاب الاضحیہ کے آخر میں مصنف رحمہ اللہ
سے نقل کیا ہے اور اس کے یاد رکھنے کی وصیت کی ہے اور شارح وہبانیہ بھی اسی طرف گئے
ہیں در مختار میں ہے نذر عشر اضحیات لزمہ ثنتان لمجئ الاثر بهما۔ خانیۃ۔ والاصح وجوب الکل

لایجابہ باللہ من جنس ایجاب+شرح وھبانیۃ+قلت ومفادہ لزوم النذر بما من جنسہ واجب اعتقادیا واصطلاحی قالہ المصنف فلیحفظ یعنے کسی نے دس اضحیہ کی نذر کی تو اُسپر دو لازم ہیں کیونکہ اثر دو ہی کے متعلق ہی جیساکہ خانیہ میں ہی اور صحیح یہ ہے کہ سب واجب ہیں کیونکہ وہ خدا کے لئے واجب کی گئی ہی اور اسکی جنس سے واجب موجود ہی جیساکہ شرح وہبانیہ میں ہی میں کہتا ہوں کہ اسکا خلاصہ یہ ہی کہ نذر لازم ہوتی ہے جب اس کی جنس سے کوئی واجب اعتقادی یا اصطلاحی موجود ہو یہ مصنف نے کہا ہی اسے یاد رکھنا چاہیئے۔ اور جب جنس منذور سے کسی چیز کا واجب ہونا منجملہ شرائط انعقاد نذر قرار پایا اور خصوص فرضیت برطرف ہوا تو نذر بذبح شاۃ اگر بدون لفظ علی ہو محمول بروعدہ ہی قیاساً نذر کیونکہ نذر کوئی دلیل پائی نہیں جاتی اور اگر بلفظ علی ہو تو صیغہ کی دلالت نذر پر متحقق ہوگی اور اُس کی جنس سے واجب بھی متحقق ہی پس انعقاد نذر کا حکم دیا جائیگا۔ اور اسی لئے صاحب خانیہ نے لکھا ہی ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبرئ لا یلزمہ شئ الا ان یقول فللہ علی ان اذبح شاۃ یعنے اگر میں اپنے مرض سے اچھا ہوگیا تو ایک بکری ذبح کرونگا اور وہ اچھا ہوگیا اِس کہنے سے اُسپر کچھ لازم نہیں ہوتا البتہ جب یہ کہا کہ اگر میں اچھا ہوگیا تو مجھپر خدا کی راہ میں بکری کا ذبح کرنا واجب ہی۔ اور عالمگیری میں ہی رجل قال ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبرئ لا یلزمہ شئ الا ان یقول ان برئت فللہ علی ان اذبح شاۃ یعنے جب کسی نے کہا اگر میں اپنے مرض سے اچھا ہوگیا تو ایک بکری ذبح کرونگا اور وہ اچھا ہوگیا تو اس کہنے سے اُسپر کچھ لازم نہیں ہوتا البتہ جب یہ کہا کہ اگر میں اچھا ہوگیا تو مجھپر خدا کی راہ میں بکری کا ذبح کرنا واجب ہی۔ اور قاضیخان میں ہی رجل قال ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبری لا یلزمہ شئ الا ان یقول ان برئت من کذا فللہ علی ان اذبح شاۃ یعنے جب کسی نے کہا اگر میں اپنے اس مرض سے اچھا ہوگیا تو ایک بکری ذبح کرونگا اور وہ اچھا ہوگیا تو اس کہنے سے اُسپر کچھ لازم نہ آئیگا البتہ جب یہ کہا کہ اگر میں اچھا ہوگیا تو مجھ پر خدا کی راہ میں بکری کا ذبح کرنا ہی۔ اور غرر میں ہے قال ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ لم یلزمہ الا ان یقول فللہ علی ان اذبحھا

یعنی جب کہا اگر میں اپنے اس مرض سے اچھا ہو گیا تو ایک بکری ذبح کرونگا تو اس کہنے
سے اسپر کچھ لازم نہوگا البتہ جب یہ کہا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو مجھ پر خدا کی راہ میں ایک بکری
کا ذبح کرنا ہو اور صاحب درر شرح غرر نے مدلل مشرحًا لکھا ہو لان اللزوم لا یکون الا بالنذر
والدال علیہ الثانی لا الاول یعنی کیونکہ لزوم نذر ہی سے ہوتا ہو اور نذر پر دلالت کرنے والا
ثانی ہو نہ اول۔ اور صاحب درر کی یہ تعلیل قیاس پر مبنی ہو اور فتاووں کے بعض جزئیات
بھی اسی قیاس پر مبنی ہیں۔ اور ظاہر میں لوگ جزئیات اور کلیہ فقہیہ میں مخالفت پیدا کرتے
جیساکہ بزازیہ میں ہو ان سلم ولدی اصوم ما عشت فہذا وعد جب کہا اگر میرا لڑکا
بچ گیا تو میں تمام عمر روزہ رکھوں گا تو یہ وعدہ ہو۔ اور ذخیرہ میں ہو وفی نوادر ہشام عن
محمد رح فیمن قال ان شفی اللہ مریضی او قال ان رد اللہ تعالے لی غائبی صمت شہرا او قال
حججت حجۃ ثم عوفی مریض ورد علیہ غائبہ فہذا اعدۃ وان وفا بہا فہو افضل وان لم
یوف فلا حرج یعنے نوادر ہشام میں محمد رحمہ اللہ سے اُس شخص کے بارے میں جس نے
کہا کہ اگر خدا میرے مریض کو شفا دیدے یا خدا میرے کھوئے ہوئے شخص کو لوٹا دے تو
میں ایک مہینے کے روزے رکھوں گا یا ایک حج کرونگا پھر مریض اچھا ہو گیا یا کھویا ہوا لوٹ
آیا مروی ہو کہ یہ وعدہ تھا اگر ایفا کرے تو افضل ہو اور اگر ایفا نہ کرے تو کچھ حرج نہیں ہو لیکن
استحسان اس قیاس کے خلاف ہو کیونکہ اس صورت میں استحسانا نذر منعقد ہو جائیگی
جیساکہ بزازیہ میں ہو وقال ان اوفیت صمت کذا لم یجب ما لم یقل اللہ علی وفی الاستحسان
یجب ولو قال ان فعلت ہذا فانا احج ففعل یجب علیہ الحج یعنے کسی نے کہا اگر میں
بچ گیا تو اتنے روزے رکھونگا تو اسپر ایسا کرنا واجب نہیں ہو جبتک یہ نہ کہے کہ خدا کیلئے
میرے اوپر یہ ضروری ہو اور از روے استحسان واجب ہو اور جب یہ کہا کہ اگر میں ایسا
کروں تو حج کرونگا اور پھر وہ کام کیا تو اُسے حج واجب ہے۔ اور ہر حال میں چاہیے منذور کی
قسم سے کوئی چیز واجب ہونا شرط ہو یا فرض ہونا ضیافت اور دعوت مسلمین کی نذر منعقد
نہوگی کیونکہ اس جنس سے نہ کوئی واجب ہو نہ فرض۔ قاضی خاں میں ہو رجل قال ان
فعلت کذا فللہ علی ان اضیف جماعۃ قربی غنیۃ لا یلزمہ شئی یعنے کسی نے کہا اگر

میں یہ کام کروں تو خدا کے لئے مجھ پر واجب ہے کہ میں اپنے اقربا کے ایک گروہ کی دعوت کروں پھر وہ حانث ہوا تو اُس پر کچھ لازم نہیں ہو اور عالمگیری میں ہے۔ رجل قال ان فعلت کذا فللہ علی ان اضیف جماعۃ قرابتی فحنث لا یلزمہ شئ یعنے کسی نے کہا اگر میں یہ کام کروں تو خدا کے لئے مجھ پر یہ واجب ہے کہ میں اقربا کے ایک گروہ کی دعوت کروں پھر وہ حانث ہوا تو اسپر کچھ لازم نہیں ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ صاحب غرر نے پہلے تو یہ شرط کی ہو کہ جنس منذور سے کوئی چیز فرض ہو پھر صراحت کی ہو کہ نذر بحج شاۃ اگر بلفظ للہ علی ہو تو منعقد ہوگی حالانکہ اسکے جنس سے کوئی چیز فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہو پس انکے کلام میں تناقض پیدا ہوگیا اسی لئے صاحب درمختار نے کہا ہے ففی متن الدرر تناقض درر کے متن میں تناقض ہی۔ تو اسکا جواب دیا جا سکتا ہے کہ صاحب غرر کی مراد فرض سے فرض علی ہی تاکہ واجب کو شامل ہو اور تناقض دور ہو جائے

سوال اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کے ذبح کرنے کی نذر کرے تو اُسے کیونکر پورا کرے

جواب لڑکے کے عوض میں ایک بکری ذبح کرے نذر پوری ہو جائے گی۔ فدیہ حضرت اسمعیل علی نبینا وعلیہ السلام اس کی دلیل ہی جیسا کہ مسروق رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہی

سوال اگر نذر کے وقت مصرف خاص کا ذکر کر دیا مثلاً کہا کہ فقرائے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کو اتنا دوں گا پھر دوسرے ملک کے فقرا کو دیا تو وفائے نذر منذور ہو گا یا نہیں

جواب ہو گا۔ عالمگیری میں ہی رجل قال مالی صدقۃ علی فقراء مکۃ ان فعلت کذا فحنث وتصدق علی فقراء بلخ او بلدۃ اخری جاز ویخرج عن النذر یعنے ایک شخص نے کہا اگر میں ایسا کروں تو میرا مال فقرائے مکہ کے لئے تصدق ہی پھر وہ حانث ہوا اور اسنے بلخ یا کسی دوسرے شہر کے فقیروں پر اُس مال کو تصدق کر دیا تو یہ جائز ہوگا اور نذر پوری ہو جائیگی

سوال شطرنج کھیلنا درست ہی یا نہیں **جواب** امام شافعی رحمہ اللہ کے شطرنج کے بارے میں دو قول ہیں پہلا قول شطرنج کی اباحت پر دلالت کرتا ہی اور دوسرا قول شطرنج کے مکروہ تنزیہی (نہ تحریمی) ہونے پر دلالت کرتا ہی اور امام مالک رحمہ اللہ شطرنج کے مباح ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ کفایہ میں ہی لیکن حنفیہ کے نزدیک شطرنج کھیلنا دو حال سے

خالی نہیں ہے یا مع قمار کے ہوگا یا بدون قمار اگر مع قمار ہو تو حرام ہے اور کھیلنے والا فاسق مردود
الشہادۃ اور ساقط العدالۃ ہوگا اتفاقاً نہ اختلافاً اور اگر بدون قمار ہو تو مختلف فیہ ہے جمہور اسکو
مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک مباح ہے اور انھوں نے اسکے کھیلنے کی اجازت
دی ہے کیونکہ شطرنج جنگ اور دشمن کو فریب دینے میں مدد دیتی ہے مگر یہ اجازت بھی تین شرطوں
کے ساتھ مشروط ہے (۱) قمار نہو (۲) اُس کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہو (۳) فحش سے محفوظ
ہو۔ اور اذا فات الشرط فات المشروط کے قاعدے کے موافق اگر ان تین شرطوں
میں سے کوئی شرط بھی فوت ہو تو اباحت کا حکم باقی نہ رہیگا اور پہلا قول مختار ہے جیسا کہ
اشعۃ اللمعات میں ہے۔ اور فتاوے عالمگیری میں ہے والذی یلعب بالشطرنج ھل تسقط
عدالتہ وتقبل شہادتہ فان قامر بہ سقطت عدالتہ ولم یقبل شہادتہ وان لم یقامر لم
تسقط عدالتہ وتقبل شہادتہ یعنے جو شخص شطرنج کھیلتا ہے اگر اُس میں بازی بھی بدتا ہے تو
اُسکی عدالت جاتی رہتی ہے اور اُس کی گواہی مقبول نہیں ہوتی اور اگر بازی نہیں بدتا تو
اُس کی عدالت نہیں جاتی اور گواہی مقبول ہوتی ہے۔ اور فتاوے مجمع البرکات میں ہے
واختلفوا فی اللعب بالشطرنج فرخص بعضہم لانہ ینتصر فی امر الحرب وکمیۃ العدو
لکن بثلث شرائط ان لا یقامر ولا یؤخر الصلوۃ عن وقتہا وان یحفظ لسانہ عن الجفاء
والفحش فاذا فعل شیئاً منہا فہو مردود الشہادۃ وکرہ الشافعی اللعب بہ کراھۃ تنزیہیۃ لا
غیر کذا فی مطالب المؤمنین وذکر الامام الغزالی فی خلاصتہ انہ مکروہ وعند الشافعی
ایضاً مکروہ فلعل ما وقع فی کتبنا قولہ الاول کذا فی نصاب الاحتساب وذکر الشیخ
ابو حامد فی الاحیاء فی باب السماع اللعب بالشطرنج مباح لکن المواظبۃ علیہ مکروہ
کراھۃ شدیدۃ کذا فی مطالب المؤمنین یعنے شطرنج کھیلنے میں علما کا اختلاف ہے
بعضوں نے جائز رکھا ہے جو نکہ جنگ میں اس سے مدد ملتی ہے اور دشمن کی کثرت میں لیکن
جواز کے لئے تین شرطیں مقرر کی ہیں (۱) جوا نہو (۲) اس کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہو
(۳) فحش اور گالی گلوج نہو اگر انمیں سے کوئی ایک بھی ہو تو وہ شخص مردود الشہادۃ ہوجائیگا
اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اسکو مکروہ تنزیہی لکھا ہے جیسا کہ مطالب المومنین میں ہے اور

امام غزالی رحمہ اللہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مکروہ ہے بس شاید ہماری کتابوں میں ان کا پہلا قول منقول ہے جیسا کہ نصاب الاحتساب میں ہے اور شیخ ابو حامد رحمہ اللہ نے احیاء کے باب السماع میں لکھا ہے کہ شطرنج کھیلنا مباح ہے لیکن ہمیشہ کھیلنا سخت مکروہ ہے جیسا کہ مطالب المومنین میں ہے۔ اور شارح وہبانیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے **شعر** ولا باس بالشطرنج وھی روایۃ الحبر قاضی الشرق والغرب تؤثرہ شطرنج کھیلنے میں کچھ حرج نہیں ہے یہ قاضی شرق وغرب رحمہ اللہ سے مروی ہے اور درمختار کے باب من لایقبل شہادۃ میں ہے او یقامر بالشطرنج او یترک بہ الصلوۃ حتی یفوت وقتھا او یحلف علیہ کثیرا او یلعب بہ علی الطریق او یذکر علیہ فسقا کذا فی الاشباہ او یداوم علیہ ذکرہ سعدی یا شطرنج میں جوا کھیلے یا اس کی بدولت نماز جاتی رہے یا اس پر بکثرت قسم کھائے یا راستہ میں کھیلے یا فسق وفجور کی باتیں کرے جیسا کہ اشباہ میں ہے یا ہمیشہ شطرنج کھیلا کرے اسکو سعدی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور تنویر الابصار میں ہے وکرہ تحریما اللعب بالنرد وکذا الشطرنج یعنے نرد اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ سے روایت کی ہے لا یلعب بالشطرنج الا خاطئ شطرنج خطا کار ہی کھیلتا ہے **سوال** تعزیہ کو بنظر اعتقاد بلکہ بنظر تماشہ دیکھنا درست ہے یا نہیں **جواب** تعزیہ میں تماشہ ہی کیا ہے امر بدعت کو دیکھنا نہ چاہیئے بلکہ زبان یا ہاتھ سے اسکے دفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور اگر یہ نہ کرسکے تو دل سے اسکو برا جانے اور یہ ضعف ایمان کی دلیل ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے **سوال** تعزیہ سے مراد مانگنا درست ہے یا نہیں **جواب** نہیں۔ کیونکہ نہ وہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کوئی چیز بر لا کرسکتا ہے اور اگر تعزیہ سے مراد مانگنے والا یہ سمجھے کہ تعزیہ اس کی مراد پوری کرسکتا ہے تو کافر ہے **سوال** مصائب کربلا کے خیال سے یا حضرت امام حسین علیہ السلام کے احوال کے خیال سے اگر آنسو بہیں تو کچھ حرج ہے یا نہیں **جواب** حرج نہیں ہے بیہقی اور حاکم رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس غم میں آنسو بہے تھے اور واقعہ کربلا کے دن حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حضور سرور انبیا

علیہ التحیۃ والثنا کو خواب میں بال پریشان اور غبار آلودہ دیکھا تھا جیساکہ احمد اور بیہقی رحمہما اللہ نے اس مضمون کو روایت کیا ہے اور یہ رونا بے اختیاری ہے جب اسکا مادہ جمع ہوجاتا ہے آنسو بہنے لگتے ہیں **سوال** چوک اور امام کا چبوترہ تعظیم کے قابل ہے یا نہیں **جواب** نہیں کیونکہ شرع میں اسکا کہیں پتہ نہیں ہے اپنے ہاتھ کی بنائی چیز کو قابل تعظیم سمجھنا بے عقلوں کا کام ہے **سوال** مسلمان کو آلھا اودل سننا چاہیئے یا نہیں **جواب** نہیں اور لغو کام میں اوقات ضائع کرنا حرام ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایکبار حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یہود کی باتیں اور اُنکے قصے سنتا ہوں اور اچھے معلوم ہوتے ہیں کیا آپ مجھے اِسکی اجازت دیتے ہیں کہ اُن میں کے بعض لکھ لوں آپ نے اُنکو ڈانٹا اور جھڑکا اور اُسکو جائز نہ رکھا اسکو بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں لکھا ہے **سوال** ربیع الاول یا کسی اور مہینے میں میلاد شریف کی محفل کرنا درست ہے یا نہیں **جواب** جناب خیر البشر علیہ الصلوۃ اللہ الاکبر کی ولادت بڑے فرحت اور سرور کا باعث ہے اور یہ فرحت اور سرور وقت اور محل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مومن کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے۔ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے جب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ولادت کی خبر ابولہب کو پہونچائی تھی تو اُسنے خوش ہوکر ثویبہ کو آزاد کردیا تھا مرنے کے بعد لوگوں نے اسکو خواب میں دیکھکر حال پوچھا اُسنے کہا جب سے مرا ہوں عذاب میں گرفتار ہوں مگر دوشنبہ کی شب کو چونکہ میں نے میلاد نبوی کی خوشی کی تھی عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے پس جب ابولہب جیسے کافر بدبخت پر آپ کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو جو کوئی اُمتی آپ کی ولادت کی خوشی کرے اور اپنی مقدرت کے موافق آپ کی محبت میں خرچ کرے کیونکر اعلیٰ مرتبہ کو نہ پہونچے گا جیساکہ ابن جوزی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہما اللہ وغیرہ نے لکھا ہے پس اگر ولادت یا معجزات یا غزوات وغیرہ کا ذکر بطرز وعظ و درس بے بلائے لوگوں کے دبغیر صورت محفل کیا جائے تو ہزاروں برکتوں کا باعث ہوگا۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی مجالس کو انھیں ذکروں سے مورد انوار الٰہی بناتے تھے اور روایت میں آچکا ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں

ربیع الاول میں مجلس میلاد منعقد کرنا مستحسن ہے

اور لوگوں کو جمع کرنا اور محفل کی صورت مقرر کرنا بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو اور لوگوں کو دن تاریخ مقرر کرکے ذکر میلاد سننے کے لئے بلانا کہ فلاں دن مجلس ذکر ولادت وغیرہ فلاں جگہ ہونا قرار پایا ہے لہذا شریک حسنات ہوں اسکے متعلق یہ بات ہے کہ چونکہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ اور زمانہ تابعین اور زمانہ تبع تابعین رضی اللہ عنہم میں یہ طریقہ نہ تھا اسلئے اُنسے کوئی روایت نہیں ہے۔ اور اس خیال سے کہ یہ طریقہ زمانہ نبوی میں نہ تھا اسکو بدعت کہہ سکتے ہیں کیونکہ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے البدعة فی الشرع احداث مالم یکن فی عهد رسول الله صلے اللہ علیہ وسلم کذا قال علی القاری فی شرح المشکوٰۃ یعنے شرع میں کسی ایسی بات کے نکالنے کو بدعت کہتے ہیں جو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کے زمانے میں نہ تھی جیساکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ طریقہ خیر ہے اور اس میں کسی طرح کا گناہ نہیں ہے اور احادیث میں فرحت اور سرور کے لئے لوگوں کو جمع کرنا ثابت ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے وعظ اور بیان کی منادی کوچہ و بازار میں کی ہے لہذا اہل شرع نے اس کی اجازت دی ہے اور اسکو بدعت مندوبہ لکھتے ہیں اور اسکے فاعل کو مستحق ثواب جانتے ہیں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها یعنے جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ نکالا اُسکو اُسکا اور اُسپر عمل کرنے والوں کا اجر ملیگا اور یہ لازم نہیں ہے کہ ہر بدعت مذموم ہو بلکہ بعض بدعتیں واجب ہیں جیسے علم نحو کا پڑھنا قرآن اور حدیث کے سمجھنے کے لئے اور بعض بدعتیں حرام ہیں جیسے قدریہ اور مجسمہ کا مذہب اور بعض بدعتیں مندوب ہیں جیسے مدارس اور رباط کا بنانا اور تراویح بجماعت اور ہر وہ اچھا کام جو زمانہ اولیٰ میں نہ تھا اور بعض بدعتیں مکروہ ہیں جیسے سونے کے پانی سے مسجد میں پھول بوٹے بنانا اور بعض بدعتیں مباح ہیں جیسے ماکل و مشارب میں توسیع بس کل بدعة ضلالة کا کلیہ عام مخصوص البعض قرار دیا جائے گا۔ نووی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ اس تقریر سے تاج الدین فاکہانی رحمہ اللہ کا یہ قول رد ہو گیا لا جائز ان یکون عمل للمولد مباحا لان الابتداع فی الدین لیس مباحا باجماع المسلمین

یعنے یہ جائز نہیں کہ محفل میلاد مباح ہو کیونکہ باجماع مسلمین دین میں نئی بات کا نکالنا مباح نہیں ہے۔ اور اکثر مشائخ طریقت رحمہم اللہ نے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو خواب میں دیکھا کہ محفل میلاد سے راضی اور خوش ہیں پس وہ چیز ضرور اچھی ہے جس سے آپ خوش ہوں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کہتے ہیں وماجرب من خواصہ انہ امان فی ذلک العام وبشری عاجل بنیل البغیۃ والمرام یعنے میلاد شریف کے مجرب خواص میں سے یہ ہے کہ اس سال بچو نی اور بشارت ہوتی ہے مطلوب اور مقصود کے حاصل ہونے کی۔ اور جو لوگ اسکو بدعت مذمومہ کہتے ہیں خلاف شرع کہتے ہیں۔ اب مہینہ دن تاریخ اور وقت کی تعیین کا حال سننا چاہیئے کہ جس زمانے میں بطرز مندوب محفل میلاد کیجائے باعث ثواب ہے اور حرمین بصرہ مین شام اور دوسرے ممالک کے لوگ بھی ربیع الاول کا چاند دیکھکے خوشی اور محفل میلاد اور کار خیر کرتے ہیں اور قرارت اور سماعت میلاد میں اہتمام کرتے ہیں اور ربیع الاول کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی ان ممالک میں میلاد کی محفلیں ہوتی ہیں اور یہ اعتقاد نہ کرنا چاہیئے کہ ربیع الاول ہی میں میلاد شریف کیا جائیگا تو ثواب ملیگا ورنہ نہیں اور یہ بھی اعتقاد نہ کرنا چاہیئے کہ ربیع الاول میں زیادہ ثواب ملیگا اور دوسرے مہینوں میں کم ثواب ملیگا کیونکہ یہ بات شرع سے ثابت نہیں ہے کیونکہ ثواب اور عذاب کا معاملہ توقیفی ہے البتہ اگر کوئی شخص فرصت ہونے کیوجہ سے اسی مہینے میں یا اس مہینے کے کسی خاص دن میں یا اسوجہ سے مہینہ اور تاریخ مقرر کرکے کرے کہ لوگوں کو ہر سال بلانے کی ضرورت نہو بلکہ لوگ خود ہی آکر سن لیا کریں یا کسی اور وجہ سے دن تاریخ مقرر کرکے کرے اور اعتقاد مذکور سے مبرا ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اس حکمت سے شرع میں وعظ اور درس کا دن مقرر کرنا جائز ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی یعنی اعمال کا مدار نیت پر ہے ہر شخص کو اس کی نیت کا اجر ملیگا **سوال** ذکر ولادت کے وقت قیام کرنے کا کیا حکم ہے **جواب** اگر اسوقت کوئی شخص بحالت وجد صادق بے ریا و تصنع کھڑا ہو جائے تو معذور ہے اور آداب صحبت میں سے یہ ہے کہ حاضرین بھی

اُس کی اتباع میں کھڑے ہو جائیں اور بے حالِ وجد باختیار خود کھڑا ہونا نہ فرض ہے
نہ واجب اور نہ سنت مؤکدہ آخر نہ مستحب بمعنی عرفی شرعی کیونکہ یہ نہ خود حضور سرور عالم
صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا نہ قرون ثلثہ کے زمانے میں جن کی بہتری کی شہادت
وارد ہے۔ اور امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں روی انس انہ کان صحابۃ
لا یقومون لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی بعض الاحوال یعنے حضرت انس
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم
کی تعظیم کے لئے بعض اوقات کھڑے نہیں ہوتے تھے مگر علمائے حرمین زادہما اللہ شرفا
قیام کرتے ہیں۔ امام برزنجی رحمہ اللہ اپنے رسالہ میلاد میں لکھتے ہیں وقد استحسن القیام
عند ذکر مولدہ الشریف ایمۃ ذوو روایۃ فطوبی لمن کان تعظیمہ صلے اللہ علیہ واٰلہ
وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ یعنے آیمۂ اصحاب روایت نے ذکر میلاد کے وقت قیام کو
مستحسن جانا ہے پس اُسکے لئے خوشی ہو جسکا مقصد آپ کی تعظیم ہو **سوال** حاکم کو نرخ
مقرر کرنا درست ہے یا نہیں **جواب** ہر شخص اپنے مال کا مالک ہے جس نرخ پر چاہے بیچے
اور حاکم کو بے تشدید ضرورت کے نرخ مقرر کرنا ظلم ہے **سوال** انگریزی پنکھا نمازیوں کی
راحت اور آرام کے لئے مسجد میں لٹکانا بدعت ہے یا نہیں **جواب** بدعت ہے اس معنی
کرکے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے زمانے میں نہ تھا۔ اور اس معنی کرکے
ہر بدعت مذموم نہیں ہے ورنہ علم صرف ونحو کی تدوین اور کھانے پینے میں اور پہننے میں
توسیع بھی مذموم ہو جائے گی اور اسکے خلاف امام نووی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے
لیکن مذموم بدعت وہ ہے جو دین میں پیدا ہو اور اسپر ثواب اور عقاب کا ترتب متصور
ہو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا
سے روایت کی ہے من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد یعنے جس نے دین میں کوئی
نئی بات نکالی وہ بات مردود ہے۔ پس نمازیوں کی راحت کے لئے مسجد میں پنکھا لٹکانا کچھ مضائقہ
نہیں رکھتا اور اگر تشبیہ نصاریٰ کی وجہ سے اُسکا عدم جواز کہا جائے تو اسکا حال یہ ہے کہ مطلقا
تشبہ مذموم نہیں ہے بلکہ وہ تشبہ مذموم ہے جو قصد کرکے یا امر مذموم میں کیا جائے۔ طحطاوی کے

حاشیہ میں ہے قال فی البحر تواعلم ان التشبہ باھل الکتاب لا یکرہ فی کل شئی فانا ناکل و نشرب کما یفعلون انما الحرام التشبہ فیما کان مذموما او فیما یقصد بہ التشبہ کذا فی الخانیۃ یعنے صاحب بحر نے کہا ہے پھر جاننا چاہیئے کہ تشبہ باہل کتاب ہر امر میں مکروہ نہیں ہے کیونکہ ہم کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں بلکہ بری باتوں میں اور جن امور میں تشبہ مقصود ہو انمیں تشبہ حرام ہے جیساکہ خانیہ میں ہے۔ اور ایسا ہی درمختار میں ہے اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ انما الاعمال بالنیات کی شرح میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جسکا خلاصہ ترجمہ یہ ہے اگر اعمال طبعی شہوانی میں نیت کو کام میں لائے تو اسکا بھی ثواب پائیگا پس دوسرے اعمال میں لازماً ثواب پائیگا مثلاً جمعہ کے دن یا اور دنوں میں بھی بہ نیت اتباع سنت نبوی خوشبو کا استعمال کرنا اور خوشبو کو دوست رکھنا اسلیئے کہ خوشبو کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوست رکھا ہے اور مسجد کی عظمت کرنا اور اپنے اور دوسروں سے بدبو وغیرہ کی ایذا کو دفع کرنا اور ہمسایوں اور ہمنشینوں یعنی فرشتوں اور انسانوں کو راحت پہونچانا اور غیبت کا سد باب کرنا اور دماغ قوی ہونے کے لئے ادویہ کا استعمال کرنا تاکہ علوم اور معارف حاصل کرے اور ذہن تیز ہو اور سوا انکے جو کام محض جسمانی لذت اور نفسانی خواہش اور خود نمائی کے لئے کریگا ثواب سے محروم ہوگا بلکہ عتاب اور ملامت کا مستحق ہوگا پس معلوم ہوا کہ ہر کام اور حصول ثواب کا مدار نیت پر ہے **سوال** مال مشکوک سے نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہے **جواب** اگر مال اسوجہ سے مشکوک ہوگیا ہے کہ ایک وجہ اسکی حرمت پر اور دوسری حلت پر دلالت کرتی ہے تو ایسا مال حرام ہے۔ اشباہ میں ہے اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام یعنے جب حلال اور حرام جمع ہوں تو غلبہ حرام کو ہوتا ہے۔ اور اگر اسوجہ سے مشکوک ہوگیا ہے کہ حلال اور حرام مال اس طرح آپس میں مل گئے ہیں کہ ایک دوسرے کی تمیز باقی نہیں رہی پس اُسے تصدق کردینا چاہیئے۔ طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے الذی فی البزازیۃ انہ ان علم المال الحرام بعینہ لا یحل لہ اخذہ وان لم یعلمہ بعینہ اخذہ حکما واما فی الدیانۃ فانہ یتصدق افادہ الحموی یعنی بزازیہ میں یہ ہے کہ اگر اس بات کا یقینی علم ہو کہ مال حرام ہے تو اسکا لے لینا حرام ہے اور اگر یقینیاً اسکا علم نہو تو اُسے لے لینے کا

حکم ہی مگر دیانۃً تصدق کردینا چاہیئے حموی سے یہ ہی نکلتا ہی **سوال** کعبہ اور روضۂ نبوی کے نقشے واجب التعظیم ہیں یا نہیں **جواب** شریعت محمدیہ میں اُن کی تعظیم واجب نہیں ہی اگر کوئی شخص اُنھیں چاک کرڈالے تو ماخوذ نہوگا اور روضۂ مقدسۂ جناب سرورِ کائنات علیہ الوف من التحیات کا کوئی حکم نقشے کے لیے ثابت نہیں ہی اگر کسی نے حج بیت اللہ شریف کیا مگر روضۂ منورہ کی زیارت کی جگہ وہاں کے نقشے کی زیارت کرلی تو کافی نہیں بلکہ وہ اُس مبارک فرمان کا مصداق ہوگا کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُسنے مجھپر ظلم کیا اسی طرح کعبہ کے نقشے پر کعبے کے احکام جاری نہیں ہوتے نقشہ دیکھتے وقت قبولیت دعا کا وقت نہیں ہی اور نقشہ کا طواف کعبہ کے طواف کے مثل نہیں ہی اور اس نقشہ کو قبلہ بناکر کسی طرف رکھکے اس کی طرف نماز پڑھنا جائز نہیں ہی بلکہ دونوں نقشے آئینہ کے مانند ہیں کہ اُنسے ہیئتِ کعبہ اور ہیئتِ روضۂ نبوی کی معرفت اور شناخت ہوتی ہی **سوال** حقہ جو سنہ ۱۰۰۰ میں ظاہر ہوا ہی جیسا کہ مجالس الابرار میں ہی اسکا پینا حلال ہی یا حرام یا مکروہ **جواب** ملا اسعد رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجالس الابرار میں حرام لکھا ہی اور یہ دلیل پیش ہی کہ دھواں عذاب کا آلہ ہی اور عذاب کے آلہ کا استعمال کرنا درست نہیں ہی اور پوشیدہ نہیں ہی کہ یہ دونوں مقدمے احتجاج کے قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ بہشتیوں کے لیے عود بہشت میں جلایا جائیگا اور قوم حضرت نوح علیہ السلام کے عذاب کا آلہ طوفان کا پانی تھا۔ درمختار میں ہی ثم قال شیخنا النجم والتتن الذی حدث وکان حدوثہ بدمشق فی سنۃ خمس عشرۃ بعد الالف یدعی شاربہ انہ لایسکر وان سلم لہ فانہ مفتر وھو حرام لحدیث احمد عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عن کل مسکر ومفتر لیس من الکبائر تناولہ المرۃ والمرتین ومع نہی ولی الامر عنہ حرم قطعا علی ان استعمال مثلہ ربما اضر علی البدن نعم الاصرار علیہ کبیرۃ کسائر الصغائر یعنے ہمارے شیخ نجم رحمہ اللہ نے کہا ہی کہ حقہ جو دمشق میں سنہ ۱۰۱۵ھ میں نکالا گیا ہی اور جسکے پینے والے اسکا دعوے کرتے ہیں کہ اس میں نشہ نہیں ہوتا اگر یہ مان بھی لیا جائے تو کم از کم اسکے پینے سے عقل یا اعضا میں فتور تو ضرور آتا ہی اور وہ حرام ہی کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت اُم سلمہ

رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ پیدا کرنیوالی اور عقل و اعضا میں سستی ڈالنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور دوایک مرتبہ اسکا پی لینا کبائر سے نہیں ہے اگر وہ اسکے پینے سے روکدے تو مطلقا حرام ہے علاوہ بریں اس طرح کی چیزوں کے استعمال سے بسا اوقات بدن کو نقصان پہونچتا ہے البتہ اسپر ہمیشگی کبیرہ ہے مثل باور صغائر کے۔ اور حموی شارح اشباہ اسکو حلال لکھتے ہیں اور بعضے اسکو مکروہ تنزیہی لکھتے ہیں جیسے کچی پیاز۔ درمختار میں ہے وقد کرھہ شیخنا العمادی فی ھدیتہ الحاقالہ بالثوم والبصل بالاولی قند بر یعنے شیخ عمادی رحمہ اللہ نے اسے پیاز اور لہسن کی مثل بتاکر بدرجہ اولی مکروہ لکھا ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حقہ پینے میں کراہت کی تین وجہیں موجود ہیں (۱) بو جو حقہ پینے والے کے منہ میں رہتی ہے (۲) تشبہ باہل نار (۳) اسکے پینے سے مسلمان ملابس بہ نار ہوتا ہے اور یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ عذاب الٰہی کی صورت ہے اور اسی لئے پہلو کو داغنے کی کراہت آئی ہے۔ اور اگرچہ یہ تینوں وجہیں کراہت تنزیہی کو ثابت کرتی ہیں مگر اجتماع کیوجہ سے منجر بکراہت تحریمی ہیں انتہی کتب اصول میں کہیں نظر سے نہیں گذرا کہ کراہت تنزیہی کی تین وجہیں کراہت تحریمی پیدا کردیتی ہیں **سوال** حقہ پی کے بوے دہن کے ساتھ مسجد میں جانا یا قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے **جواب** مکروہ تحریمی ہے **سوال** کچا لہسن یا کچی پیاز کھاکر مسجد میں جانا کیسا ہے **جواب** کچا لہسن اور کچی پیاز کھانا مکروہ تنزیہی ہے اور کھاکے مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ سراج منیر میں ہے ولا یاکل للنھی منھا فانہ موذی الملائکۃ یعنے کچا لہسن یا کچی پیاز نہ کھائے کیونکہ اس سے فرشتوں کو ایذا ہوتی ہے **سوال** تمباکو کھانا یا تمباکو کا ناس لینا کیسا ہے **جواب** درست ہے کیونکہ نباتات میں حرمت کی علت دو چیزیں ہیں سمیت اور سکر اور تمباکو میں دونوں میں سے کوئی ایک چیز بھی نہیں ہے پس تمباکو کھانا مباح ہے **سوال** مرشد کا تصور کرنا جیسا کہ صوفیہ میں معمول ہے درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے اکابر نے پاک نیت سے اس عمل کو کیا ہے شاہ ولی اللہ صاحب قول جمیل میں لکھتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ رکن اعظم تصوف یہ ہے کہ آدمی اپنے شیخ سے محبت اور تعظیم کا دلی تعلق رکھے اور شیخ کی صورت کا تصور کیا کرے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے

بہت سے مظہر ہیں جب کوئی عابد عبادت کرتا ہے تو خدا تعالے اُسکے سامنے ہوتا ہے اسلئے شرع نے استقبال قبلہ کا حکم دیدیا ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ نمازی اور قبلہ کے درمیان میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے بس تمکو توجہ خدا تعالے کی ذات ہی کیجانب رکھنی چاہیئے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ عرش کیطرف توجہ رکھے دوسرے یہ کہ نور کا تصور کرے یا صرف قبلہ کی طرف توجہ کرے **سوال** جو کسی قتل یا کسی اور جرم کیوجہ سے حاکم کے حکم سے قید کیا گیا ہو اُسے لللہ روپیہ صرف کرکے چھڑا دینا درست ہے یا نہیں **جواب** درست بلکہ موجب اجر ہے کیونکہ کسی کی تکلیف اور اندوہ اور ملال کو رفع کردینا جائز ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ ومن ستر مسلما سترہ اللہ تعالے یوم القیامۃ یعنے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے اللہ اُس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو کسی مسلمان کو تکلیف سے نجات دلاتا ہے اللہ اُس سے قیامت کے دن تکلیف کو جدا کریگا اور جو کسی مسلم کی ستر پوشی کرتا ہے اللہ قیامت کے دن اُس کی ستر پوشی کریگا لیکن اگر محبوس نے بیحیائی اختیار کرنی ہے اور ایذا اور افساد میں مشہور ہو گیا ہے اور علانیہ گناہ کرتا ہے تو اُسکا سزائے اعمال بھگتنا ہی بہتر ہے جیساکہ اشعۃ اللمعات میں ہے **سوال** مسلمان کا اپنی عیدوں میں کافر امیروں کو نذر دینا درست ہے یا نہیں **جواب** کافر کی عظمت کرنے سے مسلمان کے قلب سے ایمان کا نور غائب ہو جاتا ہے اسکو دل میں نہ لانا چاہیئے اور مجرد ہدیہ کفار تو بقاے محبت و وداد کے لئے لائق ہے۔ حمادیہ میں احیاء العلوم سے منقول ہے من بجل منکم کافرا اذھب اللہ عن قلبہ نور الایمان وعن وجھہ بھاء الاسلام یعنے تم میں سے جو کافر کی تعظیم کرتا ہے خدا اُسکے قلب سے نور اسلام کو اور چہرے سے اسلام کی روشنی کو لیجاتا ہے **سوال** اگر کافر اپنے مسلمان نوکر کو عید کی نماز پڑھنے سے روکے تو نوکر کو مالک کی اطاعت کرنا چاہیئے یا نہیں فتح العزیز میں ہے کہ جاننا چاہیے عبادت غیر خدا تعالے لا مطلقاً شرک اور کفر ہے اور غیر خدا کی عبادت کا یہ مطلب کہ اُنکو مبلغ

احکام خدا تعالیٰ نہ جان کر اس کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال لے اور اس کی اطاعت کو اسطور پر لازم کرلے کہ باوجود خدا تعالےٰ کے حکم کی مخالفت کے اس کے حکم کی پیروی سے ہاتھ نہ اُٹھائے یہ بھی اتخاذ ارتداد کی ایک نوع ہے اھ **جواب** نہیں بلکہ نوکری چھوڑدے کیونکہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے **سوال** موت کی تمنا کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** حرام ہے حدیث صحیح میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے اسلیئے کہ اگر بدکار ہے تو شاید زندہ رہ کے توبہ کرلے اور اگر نیک کار ہے تو نیکی میں زیادتی کرے اور بعض روایات میں جو وارد ہوا ہے لا یتمنیٰ احدکم الموت الا ان یثق بعمله یعنے تم میں کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے مگر جب کہ اُسے اپنے عمل پر وثوق ہو۔ یہ تعلیق بالمحال ہے کیونکہ وثوق بالعمل اگرچہ محال عقلی نہیں ہے لیکن محال عادی اور محال شرعی ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لن ینجی احدا منکم عمله قالوا ولا انت یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمته یعنے تم میں سے کسی کو اعمال نجات نہ دلائیں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ کیا آپ کو بھی اعمال نجات نہ دلائیں گے آپ نے فرمایا ہاں مجھکو بھی اعمال نجات نہ دلائیں گے مگر یہ کہ خدا کی رحمت مجھے ڈھانپ لے۔ اور حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ما یخاف النفاق الا مؤمن ولا یامنه الا منافق یعنے نفاق کا خوف مومن ہی کو ہوتا ہے اور منافق نفاق سے بےخوف رہتا ہے **سوال** کفار سے دوستی رکھنے کا کیا حکم ہے **جواب** اگر دین کیوجہ سے ہو تو کفر ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ومن یتولهم منکم فانه منهم جس نے کفار سے دوستی کی وہ اُنھیں میں سے ہے۔ اور اگر دنیا کیوجہ سے ہے تو دو حال سے خالی نہیں ہے یا اختیاری ہوگی یا طبعی اگر اختیاری ہے تو محل مواخذہ ہے اُسکے کم کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین یعنی مومن کو مومن ہی سے دوستی کرنا چاہیئے نہ کافر سے۔ اور اگر طبعی ہے جیسے اپنے کافر لڑکے یا کافرہ زوجہ سے دوستی کہ یہ محل مواخذہ نہیں ہے **سوال** لڑکا ماں باپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرسکتا ہے یا نہیں **جواب** کرسکتا ہے اگر والدین مان لیں

فیہما ورنہ سکوت اختیار کرے اور والدین کے لئے استغفار کرے. نصاب الاحتساب میں ہے
اعلم ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر لا یسقط بحق الابوۃ والامومۃ لان فی الامر
بالمعروف والنھی عن المنکر المنفعۃ للمامور بہ والاب والام احق بان یوصل لولدا الیہما
المنفعۃ والسنۃ فی امر الوالدین بالمعروف ان یامرھما مرۃ فان قبلا فبہا وان کرھا سکت
عنہما واشتغل بالدعاء والاستغفار لہما یعنے حقوق ماں باپ کے امر بالمعروف اور
نہی عن المنکر ساقط نہیں ہوتے کیونکہ ان میں مامور بہ کا نفع ہے اور ماں باپ نفع پہونچائے
جانے کے زائد مستحق ہیں کہ اولاد انکو نفع پہونچائے والدین کے امر بالمعروف کا مسنون
طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ انھیں نیکی کی ہدایت کرے اگر وہ مان لیں تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار
کرے اور انکے لئے توبہ اور استغفار کرتا رہے **سوال** ایک دسترخوان پر ایک طرف مسلمان
ایک ظرف میں کھانا کھاتے ہیں اور دوسری طرف کفار دوسرے برتنوں میں کھانا کھاتے
ہیں اس صورت میں کچھ نقصان دین اسلام میں لازم آئیگا یا نہیں **جواب** نہیں مگر
دوام مکروہ ہے. عالمگیری میں ہے ولم یذکر محمد رحمہ اللہ الاکل مع المجوس ومع غیرہ من اہل الشرک
انہ ھل یحل ام لا وحکی عن الحاکم الامام عبد الرحمن الکاتب انہ ان ابتلی بہ المسلم مرۃ او
مرتین فلا باس بہ واما الدوام علیہ فیکرہ کذا فی المحیط یعنے مجوس اور دوسرے اہل شرک
کے ساتھ کھانا حلال ہے یا حرام امام محمد رحمہ اللہ نے اسکے متعلق کچھ نہیں لکھا حاکم نے
امام عبد الرحمن کاتب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ایک آدھ مرتبہ ایسا
ہو جائے تو کچھ حرج نہیں ہے لیکن ہمیشہ ایسا کرنا مکروہ ہے محیط میں اسی طرح ہے **سوال**
سراج منیر میں افیون کو حلال اور مباح لکھا ہے صحیح کیا ہے **جواب** بے عذر افیون
کھانا حرام ہے اور اسکے مباح ہونے کی روایت غیر معتبر ہے درمختار میں ہے ویحرم اکل البنج
والحشیشۃ وھی ورق القنب والافیون لانہ مفسد للعقل ویصد عن ذکر اللہ تعالے
وعن الصلوۃ لکن دون حرمۃ الخمر فان اکل شیئا من ذلک لا حد علیہ وان سکر منہ بل
یعزر بما دون الحد کذا فی الجوہرۃ یعنے بھنگ اور افیون کھانا مکروہ ہے کیونکہ یہ مفسد عقل
ہے اور نماز اور ذکر خدا سے روکتا ہے مگر اس کی حرمت شراب کی حرمت سے کم ہے پس

مسلمان کا کفار کے ساتھ کھانا کھانا

حکم افیون وبھنگ کا بیان

اگر افیون کھالے تو حد جاری نہ کیجائے گی گو کہ نشہ بھی ہو بلکہ حد سے کم مرتبہ کوئی سزا دیجائیگی
اسیطرح جوہرہ میں ہے اور مجمع البرکات میں ہے ولا یجوز اکل البنج والحشیش والافیون وذلک کلہ
حرام لانہ یفسد العقل لکن تحریم ذلک دون تحریم الخمر فان اکل شیئا من ذلک لاحد
علیہ وان سکر منہ کما اذا شرب البول واکل الغائط فانہ حرام ولاحد علیہ فی ذلک بل
یعزر بما دون الحد کذا فی الجوھرۃ یعنی بھنگ اور افیون سب حرام ہیں کیونکہ مفسد
عقل ہیں لیکن اس کی تحریم شراب کی تحریم سے کم مرتبہ ہے پس اگر کچھ افیون کھالی تو حد
نہیں ہے گو کہ نشہ ہو جیسا کہ اگر پیشاب پیا یا پاخانہ کھایا کیونکہ یہ دونوں بھی حرام ہیں لیکن اس پر
حد نہوگی بلکہ حد سے کم مرتبے کی سزا دیجائے گی۔ جیسا کہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور ملا علی قاری
رحمہ اللہ نے شرح مشکوۃ کی بحث سواک میں یہ حدیث بیان کی ہے ان فی الافیون سبعین
مضرۃ اقلہا نسیان الشہادۃ عند الموت یعنی افیون میں ستر نقصان ہیں جن میں سب سے
کم یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ بھول جاتا ہے **سوال** بیماری کے عذر سے افیون کھانا
جائز ہے یا نہیں **جواب** اگر شفا کا علم نہو تو اُسکا کھانا جائز نہیں ہے اور اگر شفا کا علم ہو
اور افیون کے سوا کسی دوا سے شفا نہو تو اُسکا کھانا بلا کراہت جائز ہے اور اگر کوئی دوسری
مباح دوا سے شفا ہو سکتی ہو تو افیون کھانا مکروہ ہے۔ نصاب الاحتساب میں ہے التداوی
بالخمر وبحرام آخر ان لم یتیقن فیہ بالشفاء لا یجوز بلا خلاف لان الحرمۃ متیقن لا تترک
بالشک وان متقن بالشفاء فیہ ولہ دواء سواہ ایضا لا یجوز ایضا لعدم تحقق الضرورۃ
وان تیقن بالشفاء فیہ ولا دواء لہ سواہ قیل لا یجوز لقول ابن مسعود رضی اللہ
عنہ ان اللہ تعالٰی ما جعل شفاءکم فیما حرم علیکم وقیل یجوز قیاسا علی شرب الخمر
حالۃ العطش والجواب عن الاثر انہ لم یبق محرما فلا یکون الشفاء فی الحرام یعنی شراب
یا کسی دوسری حرام دوا سے علاج درست نہیں ہے اگر شفا کا یقین نہو بلا اختلاف کیونکہ
یقینی حرمت شک کی بدولت نظر انداز نہیں کی جا سکتی اور اگر شفا کا یقین ہو اور اُسکے
سوا کوئی دوسری دوا موجود ہو تب بھی جائز نہیں ہے کیونکہ ضرورت متیقن نہیں ہے اور اگر
اسکے سوا کوئی دوسری دوا بھی نہو تو بھی بعضوں کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ خدا نے حرام میں مسلمانوں کے لئے شفا نہیں رکھی ہے اور بعضوں کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ سخت پیاس کے وقت شراب پینا تو اثر کا جواب تو یہ ہے کہ اس حالت میں وہ حرام نہیں رہتی تو شفا حرام میں نہو گی **سوال** تاڑی یا سیندھی وغیرہ جو درخت کھجور سے بنائی جاتی ہے یا ناریل سے تو یہ حلال ہے یا حرام **جواب** بقدر مسکر حرام ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتر یعنے ہر مسکر اور مفتر عقل کی حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے ممانعت فرمائی ہے۔ اور مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کل مسکر حرام ان علی اللہ عہدا لمن یشرب المسکرات یعنے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا ہے ہر مسکر حرام ہے یقیناً خدا پر عہد ہے شراب پینے والوں کے بارے میں۔ اور جس چیز کا کثیر مسکر ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اگرچہ سکر بھی نہ لائے احمد اور ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہ قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کی کثیر مقدار سے نشہ ہو اُس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اور عینی شارح کنز نے لکھا ہے قال محمدؒ والثلثۃ کل ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان یعنے امام محمد اور آئمہ ثلثہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ جس چیز کی زائد مقدار سے نشہ ہو اُسکی کم مقدار بھی حرام ہے چاہے جس قسم سے ہو **سوال** جائفل کھانا حرام ہے یا حلال **جواب** حرام ہے۔ درمختار میں ہے وکذا تحرم جوزۃ الطیب لکن دون حرمۃ الحشیشۃ یعنے اسی طرح جائفل کھانا حرام ہے مگر اس کی حرمت اُتنی نہیں ہے جتنی بھنگ کی ہے **سوال** مغنیہ اور نائحہ کا کسب حلال ہے یا حرام **جواب** مکروہ تحریمی ہے۔ مجمع البرکات میں ہے ویکرہ کسب المغنیۃ والنائحۃ کذا فی جوامع الفقہ یعنے نوحہ کرنے اور گانے بجانے کا پیشہ حرام ہے جیسا کہ جامع الفقہ میں ہے **سوال** خبیث مال کیا کیا جائے **جواب** اگر اسکا مالک معلوم ہو تو اُسے لوٹا دیا جائے ورنہ اُس شخص کو خیرات میں دیدیا جائے جسے صدقہ لینا جائز ہو۔ شرنبلالی نے کہا ہے ان الخبیث واجب التصدق فلا یاخذہ الا من

یجوز له اخذ الصدقۃ یعنی مال خبیث کا تصدق واجب ہے اور اُسے صرف وہی شخص لے سکتا ہے جو صدقہ لے سکتا ہو۔ اور عالمگیری میں ہے امرأة نائحة او صاحب طبل او مزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط رده علی اصحابه ان عرفهم یرید بقوله علی الشرط ان شرطوا لها فی اولہ بازاء النیاحة او بازاء الغناء وهذا لانه اذا کان الاخذ علی الشرط کان المال بمقابلة المعصیة فکان الاخذ معصیة والسبیل فی المعاصی ردها وذلك هٰهنا برد الماخوذ ان تمکن من رده بان عرف صاحبه وبالتصدق منه ان لم یعرفه لیصل الیه نفع ماله ان کان لا یصل الیه ماله اما اذا لم یکن الاخذ علی شرط لم یکن الاخذ معصیة والدفع حصل عن المالك برضاه فیکون له ویکون حلالا له یعنی نوحہ کرنے والی عورت یا گانے بجانے والے آدمی نے جو مال حاصل کیا ہے اگر وہ شرط کی بنا پر وصول کیا گیا تھا تو اُسے اُن کے مالکوں کو واپس کر دینا چاہیئے اگر اُنکو پہچانتے ہوں اور شرط کی بنا پر وصول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے نوحہ کرنے یا گانے کا اُس سے کچھ معاوضہ مقرر کر لیا گیا ہو اسکا سبب یہ ہے کہ جب مال شرط کی بنا پر لیا جائے تو معصیت کے معاوضہ میں ہوگا پس اس مال کا لینا بھی معصیت ہوگا اور معاصی سے خلاصی اس مال کے واپس ہی کر دینے میں ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جو کچھ لیا ہے وہی واپس کرے اگر اس مال کے دینے والے کو جانیں اور اگر نہ جانیں تو صاحب مال کی طرف سے خیرات کر دے تاکہ اُسکو اُس مال کا نفع حاصل ہو جائے اور اگر جو کچھ لیا ہے وہ شرط کی بنا پر نہ تھا تو اُسکا لینا معصیت بھی نہ ہوگا کیونکہ مالک نے اپنی رضامندی سے دیا ہے پس وہ مال اُس کی ملک ہوگا اور اُس کے لئے حلال ہوگا **سوال** ڈھول بجا کر بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز نہیں ہے مدارج النبوۃ میں ہے کہ اُس سائل کو نہ دینا چاہیئے کہ باجہ بجا کر دروازوں پر پھرتا اور گویا سب نے بُرا پیشہ ور ہے انتہی **سوال** ولیمہ کی دعوت کا اور اُسکے قبول کرنے کا اور مطلقاً دعوت کے قبول کرنے کا اور ہندوؤں اور شیعوں وغیرہ کی دعوت جس کا آپس میں شادی غمی کے اندر یہاں رواج ہے قبول کرنے کا کیا حکم ہے اور ہندو اپنی عید کے دن جو ہدیے دیں اُنکو قبول کرنا یا مسلمانوں کا اپنے عیدوں کے دن ہندوؤں کو ہدیہ دینا کیسا ہے

ہدیوں اور ضیافتوں کا بیان

جواب دعوت کا قبول کرنا بعضوں کے نزدیک واجب اور عوام فقہا کے نزدیک سنت ہے عالمگیری میں ہے اختلف فی اجابۃ الدعوۃ قال بعضھم واجبۃ لایسع ترکھا و قالت العامۃ ھی سنۃ یعنے اجابت دعوت میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک واجب اور عوام فقہا کے نزدیک سنت ہے۔ لیکن فاسق معلن اور آکل ربوا اور جسکا غالب مال حرام ہو اس کی دعوت نہ قبول کرنا چاہیئے اور اگر وہ کہے کہ میرا یہ مال حلال ہے میں نے وراثۃً پایا ہے یا قرض لیا ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا جائز ہے اور جس کا غالب مال حلال ہو اس کی دعوت قبول کرنا جائز ہے۔ مگر جب یہ متیقن ہو جائے کہ اس نے حرام مال سے دعوت کی ہے تو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے لا یجیب دعوۃ الفاسق المعلن لیعلم انك غیر راض بفسقہ وکذا من غالب مالہ من حرام مالم یخبر انہ حلال وبالعکس یجیب مالم یتبین عندہ انہ حرام کذا فی التمرتاشی یعنی فاسق معلن کی دعوت نہ قبول کرو تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ تم اُسکے فسق سے راضی نہیں ہو اسی طرح اسکی دعوت بھی قبول کرو جسکے مال کا اکثر حصہ حرام ہے تاوقتیکہ وہ یہ نہ بتادے کہ یہ دعوت مال حلال سے ہے اور اگر اکثر حصہ حلال ہو تو قبول کرلو تاوقتیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ یہ دعوت حرام مال سے کی گئی ہے جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔ اور طعام ولیمہ سنت ہے اور ولیمہ کا وقت دخول کے بعد ہے اور بعض کے نزدیک عقد نکاح اسکا وقت ہے ایسا ہی بعض حواشی مشکوۃ میں ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے کہ ولیمہ کا وقت تین دن تک ہے اور ولیمہ کی دعوت کا قبول کرنا بھی سنت ہے بشرطیکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو۔ اور جو دعوت اس دیار میں شادی کے پہلے یا دلھن والوں کی طرف سے برات کے دن نکاح کے بعد مروج ہے وہ مباح ہے اُسے بھی قبول کرنا چاہیئے بشرطیکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو جیسا کہ اربعین میں ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے ولا یجیب الی طعام صنع ریاء وسمعۃ کذا فی شرعۃ الاسلام یعنی اُن کھانوں کی دعوت نہ قبول کرو جن میں دکھاوا یا ریاکاری ہو۔ اور کافر کی ضیافت کرنا اور اُس کی ضیافت قبول کرنا جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے وفی التعالیق لا باس بان یضیف کافرا لقرابۃ او لحاجۃ کذا فی التمرتاشی ولا باس بالذھاب الی ضیافۃ اھل الذمۃ

ھکذا ذکر محمد یعنی تعلیق میں ہے کہ کسی کافر کی ضیافت قرابت یا ضرورت کیوجہ سے کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے جیسا کہ تمرتاشی میں ہے اور اہل ذمہ کی ضیافت میں جانا کچھ حرج نہیں رکھتا ہے یہ امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ جامع البرکات میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے عزیزوں اور ہمسایوں اور دوستوں کو اہل میت کے لئے کھانا پکوانا مستحب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ پہلے دن کھانا پکا کے اہل مصیبت کو بھیجنا بھی مکروہ نہیں ہے کیونکہ وہ اس دن تجہیز و تکفین میں مشغول رہتے ہیں اور دوسرے دن بھیجنا مکروہ ہے اگر رونے والی عورتیں جمع ہوں کیونکہ اس سے گناہ کی اعانت ہوتی ہے۔ اور اس میں اختلاف کیا ہے کہ غیر اہل مصیبت کو وہ کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں ابوالقاسم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو شخص تجہیز میت میں مشغول ہو اُسے کھانا چاہیئے جیسا کہ مطالب المومنین میں ہے انتہی۔ اور اگر اہل مصیبت فقیروں کے لئے کھانا پکائیں تو بہتر ہے جب کہ ورثا بالغ ہوں اور اگر نابالغ ہوں تو ترکہ میت سے نہ پکانا چاہیئے۔ عالمگیری میں ہے۔ وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذوا ذلك من الترکۃ کذا فی التاتارخانیۃ یعنے اگر فقرا کے لئے کھانا پکائیں تو بہتر ہے بشرطیکہ تمام ورثا بالغ ہوں ورنہ اس کھانے کے اخراجات ترکہ سے نہ لیں جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور تین دن تک جو لوگ تعزیت کو آتے ہیں اُنکے لئے کھانا پکانا مباح نہیں ہے اور اگر تیار کر لیا تو جو لوگ دور سے آئے ہوں اُنکو کھانا درست ہے۔ مجمع البرکات میں ہے لایباح اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام فی ایام المصیبۃ یعنے ایام مصیبت میں تین دن ضیافت مباح نہیں ہے۔ اور درمختار کی کتاب الوصایا میں ہے ویحل لمن طال مقامہ او مسافتہ لا لمن لم یطل یعنی اُس شخص کے لئے حلال ہے جسکا مکان دور ہو یا مسافت زائد ہو نہ اُسکے لئے جس کی مسافت زائد نہو۔ اور کفار کی عید کے دن اُنکے اُس دن کو معظم سمجھکر ہدیہ بھیجنا کفر ہے ورنہ ہدیہ بھیجنے سے مسلمان کافر نہوگا مگر نہ بھیجنا اچھا ہے اور مسلمانوں کی عید کے دن کفار جو ہدیہ لائیں اور مسلمان اُن کی خوشنودی کے لئے لیں تو دین میں ضرر ہوگا اور اگر بلالحاظ خوشنودی کفار لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر اس سے احتراز کرنا اولی ہے۔ درمختار میں ہے

والاعطاء باسم النیروز والمہرجان لایجوز ای الہدایا باسم ھذین الیومین حرام وان قصد تعظیمہ کما یعظمہ المشرکون یکفر قال ابو حفص الکبیر لو ان رجلا عبد اللہ خمسین سنۃ ثم اہدی الی لمشرک یوم النیروز بیضۃ یرید تعظیم یوم فقد کفر وحبط عملہ انتہی ولو اہدی المسلم ولم یرد تعظیم الیوم بل جری علی عادۃ الناس لایکفر وینبغی ان یفعلہ قبلہ او بعد نفیا للشبہۃ ولو شری فیہ مالم یشترہ قبلہ ان اراد تعظیمہ کفر وان اراد الاکل والشرب والتنعیم لایکفر انتہی وفی مجمع البرکات وما یاتی المجوس فی نیروزھم من الاطعمۃ الی الاکابر والسادات ومن کان معھم معرفۃ من ذھاب ومجیٔ یحل اخذ ذلک وھل یضر الدین الاخذ فقد قیل من اخذ ذلک علی وجہ الموافقۃ لفرحھم یضر ذلک لدینہ وان اخذ لا علی ذلک الوجہ لاباس بہ والاحتراز عنہ اسلم کذا فی المطالب المؤمنین ناقلا من الذخیرۃ والمحیط

یعنے نوروز اور مہرجان کے نام سے دینا جائز نہیں ہے یعنے ان دونوں دنوں میں ہدیہ بھیجنا حرام ہے اور اگر مشرکین کیطرح اُن دنوں کی تعظیم کی قصد سے ایسا کیا تو کافر ہو گیا ابو حفص کبیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے پچاس سال تک خدا کی عبادت کی پھر نوروز کے دن کسی مشرک کو ایک انڈا ہدیہ میں بھیجا اور اُس سے اُسکا مقصد اُس دن کی تعظیم تھی تو وہ کافر ہوگیا اور اسکے اعمال بیکار ہو گئے انتہیٰ اور اگر کسی مسلمان کو ہدیہ بھیجا اور اُس سے اُس دن کی تعظیم مقصود نہ تھی بلکہ عادۃً ایسا کیا تو کافر نہو گا لیکن ویسا اُس دن کے قبل اور بعد بھی کرنا چاہیئے تاکہ شبہہ کا دفعیہ ہو جائے اور اگر اس دن کوئی ایسی چیز خریدلی جو اسکے قبل نہیں خریدی تھی اور اس سے اسدن کی تعظیم کا قصد کیا تو کافر ہوگیا اور اگر کھانا پینا آرام و آسائش مقصود تھی تو کافر نہو گا اور مجمع البرکات میں نوروز کیدن مجوس جو کھانے اکابر کے پاس لیجاتے ہیں اور اسی طرح اُن لوگون کے پاس جن سے اُنسے جان پہچان ہوتی ہے تو اُسکا لے لینا جائز ہے اور لے لینے والے کے دین میں نقصان کے متعلق بعضون نے آنے جانے کیوجہ سے کہا ہے کہ جسنے اِن کھانوں کو میل جول کیوجہ سے اُنکو خوش کرنے کے لئے لیا تو یہ اُس کے دین میں نقصان رساں ہوگا اور اگر اسکا خیال نہیں ہے تو کچھ حرج نہیں البتہ اس سے بچنا اچھا ہے یہ مطالب المؤمنین میں ذخیرہ اور محیط سے نقل کیا ہے **سوال** چراغ روشن ہونے کے وقت یہ دعا پڑھنا کہ

اللہ الٰھنا و محمد نبینا والاسلام دیننا والکعبۃ قبلتنا والقرآن امامنا والمؤمنون اخواننا ثابت ہے یا نہیں **جواب** یہ دعا خاص چراغ جلنے کے وقت پڑھنا کسی حدیث کی کتاب میں نہیں دیکھی اور جو دعائیں صبح و شام پڑھنے کی ہیں وہ حصن حصین میں جمع ہیں ویسے اس دعا کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کوئی لفظ اسمیں بے معنی یا بے موقع نہیں ہے البتہ چراغ روشن ہونے کی تخصیص غلط معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم **سوال** سرکار انگریزی سے پنشن لینا جو سرکار انگریزی کے ملازم کو چند سال نیکنامی کے ساتھ نوکری کرنے پر بلا عوض خدمت دیجاتی ہے جائز ہے یا نہیں **جواب** بظاہر پنشن صلہ اور تبرع اور احسان ہے نہ نوکری کا بدلہ کیونکہ نوکری کی تنخواہ نوکری کے زمانے میں یہ شخص پاچکا ہے اور نصاریٰ کا صلہ قبول کرنا جبکہ اس میں اسلام کی توہین نہو جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے ھذا ھو الکلام فی صلۃ المسلم المشرک وجئنا الی صلۃ المشرک المسلم فقد روی محمد فی السیر الکبیر اخبارا متعارضۃ فی بعضھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ھدایا المشرک وفی بعضھا ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یقبل فلابد من التوفیق واختلف عبارات المشائخ فی وجہ التوفیق فعبارۃ الفقیہ ابوجعفر الھندوانی ان ما روی انہ لم یقبلھا محمول علی انہ لم یقبلھا من شخص غلب علی ظن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ وقع عند ذلک الشخص ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انما یقاتلھم طمعا للمال لا لاعلاء کلمۃ اللہ ولا یجوز قبول الھدیۃ من مثل ھذا الشخص فی زماننا وما روی انہ قبلھا محمول علی انہ قبلھا من شخص غلب علی ظن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ وقع عند ذلک الشخص ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انما یقاتلھم لاعزاز الدین ولاعلاء کلمات اللہ العلیا لا لطلب المال وقبول الھدیۃ من مثل ھذا الشخص جائز فی زماننا ایضا ومن المشائخ من وفق من وجہ آخر وقال لم یقبل من شخص علم انہ لو قبل یقل صلابتہ وعزتہ فی حقہ ویلین لہ بسبب قبول الھدیۃ وقبل من شخص علم انہ لا یقل صلابتہ وعزتہ فی حقہ ولا یلین بسبب قبول الھدیۃ کذا فی المحیط یعنے یہ کلام تو اس صلہ کے متعلق تھا جو مسلم مشرک کے ساتھ کرے اب اس کے متعلق توجہ

کرنا چاہیے کہ مشرک جو مسلم کے ساتھ صلہ کرے تو امام محمد رحمہ اللہ نے سیر کبیر میں اسکے متعلق متعارض اخبار روایت کیے ہیں بعض میں یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ہدایا کو قبول کیا ہے اور بعض میں یہ ہے کہ قبول نہیں کیا ہے ان روایات میں توفیق ضروری ہے مگر طریقہ تطبیق میں بھی عبارات مشائخ مختلف ہیں فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو روایت عدم قبول کی ہے وہ اُن مشرکین کے بدلے کے متعلق ہے جنکے خیال میں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم (عیاذاً باللہ) اس قدر سعی یعنی قتل وقتال مال کی طمع میں کرتے تھے اور دعوت لے اللہ آپ کا منشا نہ تھا اور بلاشک ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگوں سے ہدیہ لینا درست نہیں ہے اور جو قبول کی روایت ہے وہ اُن مشرکین کے ہدایا کے متعلق ہے جن کی بابت حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کو ظن غالب تھا کہ اُنکے نزدیک آپ کا جدال وقتال صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور اعزاز دین کی غرض سے ہے نہ کہ طلب مال کے لئے اور ایسے شخص کا ہدیہ قبول کرنا ہمارے زمانے میں بھی جائز ہے اور بعض نے یوں تطبیق دی ہے کہ آپ نے اُن لوگوں کا ہدیہ نہیں قبول کیا جنکے متعلق یہ خیال تھا کہ ہدیہ قبول کرنے کی صورت میں آپ اُن کے ساتھ نرمی کر جائیں گے اور آپ کے غلبے اور سختی میں کمی آجائے گی اور اُن لوگوں کا ہدیہ قبول کر لیا جنکے متعلق ایسا خیال نہیں تھا بلکہ وہ یہ جانتا تھا کہ میرا ہدیہ قبول کرنے سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نرم نہ ہونگے جیسا کہ محیط میں ہے **سوال** حافظ یا غیر حافظ نے اگر کہیں قرآن شریف پڑھا اور پہلے سے یہ معلوم نہ تھا کہ اُسے کیا ملے گا اور تلاوت کے بعد کسی شخص نے بنظر تبرع واحسان اُسکو کچھ دیا تو اُسے لینا اور اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** اُسکے لینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے اور یہ صورت ولاتشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً کے تحت میں داخل نہیں ہوتی ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے ولاتشتروا ولا تستبدلوا بآیاتی بتغییرها وتحریفها ثمناً قلیلاً قال الحسن هو الدنیا بحذافیرها وقیل هو الریاسة التی کانت لهم فی قومهم خافوا علیها الفوات لو اتبعوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنے اور نہ خرید و یا نہ مبادلہ کرو میری آیتوں سے اُنکو بدل کے اور تحریف

کرکے معمولی دام میں حسن رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ ثمن قلیل ساری دنیا ہو اور بعضوں نے کہا ہو
کہ ریاست ہی جو کہ قوم میں حاصل ہو اور رسول اللہ کی اتباع سے اُسکے چلے جانیکا خوف
ہو **سوال** تبوں یا قبروں یا تعزیوں پر جو شیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں وہ حرام ہو یا حلال
جواب اگر وہ صدقہ یا اُن کی خوشامد اور چاپلوسی کی نیت سے چڑھائی ہو تو حرام ہو
ورنہ کراہت سے خالی نہیں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے اسکو بت پرست کفار کے
ساتھ مشابہت تبلایا ہو یہی وجہ کراہت کی ہو انتہیٰ واللہ اعلم **سوال** جو مال زنا اور غنا
اور دوسرے امور محرمہ سے حاصل ہو اُس سے بعینہ اشیاء خرید کر دعوت کرنا اور ہدیہ دینا
درست ہو یا نہیں اور ایسی دعوت یا ہدیہ قبول کرنا چاہیئے یا نہیں **جواب** خبث مال
کی وجہ سے درست نہیں ہو اور شرعی حیلہ یہ ہو کہ اشیا قرض خرید کرکے دعوت کرے اُسکا
قبول کرنا جائز ہو پھر قرض اسی مال سے ادا کرے قال علیہ السلام مہر البغی خبیث رواہ
مسلم یعنے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ خرچی زنا کی خبیث ہو اسکو مسلم
نے روایت کیا ہو۔ اور شارح حدیث نے کہا ہے البغی للزانیۃ و مہرہا ما یعطیہا الزانی
بہا حرام بالاجماع زانیہ کی خرچی یعنی وہ مال جو زانی اُسے دیکر اُسکے ساتھ زنا کرے بالاجماع
حرام ہو۔ اور عینی اور صاحب معراج الدرایہ نے اپنی ہدایہ کی شرحوں کے کتاب الکراہۃ
میں یتیمیہ سے نقل کرکے لکھا ہو من السحت[۱] ما یاخذہ المغنیۃ والنائحۃ و مہر البغی یعنی وہ جو
گانے والی اور نوحہ کرنے والی عورتیں لیتی ہیں اور خرچی زنا کی سب حرام ہیں۔ اور عالمگیری
میں ہو وعن محمدؒ فی کسب المغنیۃ ان قضی بہ دین لم یکن لصاحب الدین ان یاخذہ
واما فی القضاء فہو یجبر علی الاخذ والحیلۃ فی ہذہ المسائل ان یشتری نسیئۃ ثم ینقد
ثمنہ من ای مال شاء وقال ابو یوسفؒ سالت ابا حنیفۃؒ عن الحیلۃ فی مثل ہذا فاجابنی
بما ذکرنا کذا فی الخلاصۃ یعنے امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہو کہ اگر مغنیہ اپنے کسب کے
مال سے قرض ادا کرے تو صاحب دین کو اُس مال سے نہ لینا چاہیئے مگر قاضی کے یہاں
وہ لینے پر مجبور کیا جائے گا تو اس قسم کے مسائل میں حیلہ یہ ہو کہ قرض کچھ خرید ے پھر اُسکے

[۱] سحت بالضم حرام اور ایسا کسب جو ننگ اور عار کا باعث ہو ۱۲ مترجم

وام جس مال سے چاہے ادا کرے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہی حیلہ بتایا جو ہمنے بیان کیا ایسا ہی خلاصہ میں ہے **سوال** اگر ہندو ہولی یا دیوالی کے دن معزز مسلمانوں کے سامنے مٹھائی وغیرہ پیش کریں تو مسلمانوں کو لینا درست ہے یا نہیں **جواب** درست ہے مگر فرحت اور سرور میں کفار کی عید کے دن موافقت نہ کرنا چاہیئے مجمع البرکات میں ہے کہ نیروز کے دن جو مجوسی گبرے لوگوں کے پاس اور اپنے دوست آشناؤں کے گھر کھانے کی چیزیں لاتے ہیں اُن کا لے لینا حلال ہے اور کیا اُنکے لینے والیکو کوئی دینی ضرر ہے تو بعض کہتے ہیں کہ جو انکی خوشی میں شریک ہو کر لیتا ہے اُسکو دینی ضرر ہے اور جو اسکے سوا اور کسی طرح لیتا ہے اسکو حرج نہیں مگر پھر بھی اُس سے احتراز اچھا ہے ایسا ہی مطالب المومنین میں ہے **سوال** عورتوں کو بنظر زینت وکشادگی پیشانی ماتھے کے بال چننا اور مردوں کا سالباس پہننا درست ہے یا نہیں **جواب** عورت کے سر کے بال حکم میں ویسے ہیں جیسے مردوں کی داڑھی کے بال جس طرح مرد کو داڑھی چننا ناجائز ہے اسی طرح عورت کو سر کے بال چننا ناجائز ہے اور زینت اگرچہ عورتوں کے لئے جائز ہے لیکن اللہ کی بنائی چیز کو بگاڑنا زینت نہیں ہے اور عورتوں کو مردونکا سالباس پہننا تشبہ کیوجہ سے مکروہ ہے۔ نصاب الاحتساب میں ہے ذکر فی النوازل فی کتاب النکاح سئل ابو بکرؓ عن امرأۃ قطعت شعرھا قال علیھا ان تستغفر اللہ وتتوب ولا تعود الی مثلہ قیل فان فعلت ذلک باذن زوجھا قال لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق قیل لہ لم لا یجوز ذلک لھا قال لانھا شبھت نفسھا بالرجال وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال ولان الشعر للمرأۃ بمنزلۃ اللحیۃ للرجل فکما لا یحل للرجل ان یقطع لحیتہ فکذلک لا یحل للمرأۃ ان تقطع شعرھا یعنے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت نے اپنے سر کے بال کاٹ ڈالے انھوں نے جواب دیا کہ اُسے توبہ اور استغفار کرنا چاہیئے اور پھر ایسی حرکت نہ کرنا چاہیئے تو اُن سے پوچھا گیا کہ اگر اُسنے ایسا شوہر کی اجازت سے کیا ہو تو انھوں نے جواب دیا خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنا چاہیئے پھر اُنسے پوچھا

گیا کہ آخر اسکے عدم جواز کی کیا وجہ ہے تو انھوں نے کہا کہ اسنے مردوں کیساتھ مشابہت کی
اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُن مردوں پر جو عورتوں کے مشابہ بنتے
ہیں اور اُن عورتوں پر جو مردوں کے مشابہ بنتی ہیں خدا لعنت کرتا ہے اور اسوجہ سے کہ عورت
کے لئے سر کے بال ویسے ہی ہیں جیسے مردوں کے لئے داڑھی تو جس طرح مرد کو داڑھی
کا کتروانا درست نہیں اُسی طرح عورت کو سر کے بال کاٹنا درست نہیں ہے۔ جیسا کہ کبری
اور ظہیریہ میں ہے **سوال** داڑھی نکلنے سے پہلے داڑھی نکلنے کی جگہ پر اُسترا پھروانا کیسا ہے
جواب لاباس یہ ہے کیونکہ اس حالت میں وہ مقام دوسرے اعضا کے مثل ہے
مگر اسکا ترک اولی ہے۔

کتاب الاکل والشرب

سوال زید نے ایک عورت قوم پاسن کو کلمہ پڑھا کے مسلمان کیا اور کسی مسلمان نے
کوئی اعتراض اسکے اسلام لانے پر اور زید کے مسلمان کرنے پر کسی طرح سے نہیں کیا اور
زید نے اپنے کٹورے میں پانی منگا کر مسماۃ کو تھوڑا پلایا پھر خود پیا اور لوگوں نے بھی تبرکاً پیا
کم ہوتا تھا تو زید اسمیں اور پانی ملا دیتا تھا پھر جلسہ برخاست ہونے کے بعد صرف یہ بات
نہیں معلوم ہوئی کہ آیا مسلمان کرنے کا یہی قاعدہ ہے خواہ کسی قوم کا آدمی ہو یا اسی قوم کے
مسلمان کرنے کا شرعاً یہ خاص طریقہ ہے یا اگر اس قاعدے کا برتاؤ نہوتا تو مسلمان ہونے میں شک
ہوتا اور بلا ضرورت یہ فعل کرنا داخل جہالت ہے یا نہیں جب وہ کلمہ پڑھ چکی تو زید کو یا دوسرے
مسلمانوں کو اُس کے اسلام میں کیا شک باقی رہا بلکہ اسکے اسلام میں شک لانیوالا
کافر تھا بعد اسلام لانے کے زید نے اپنے گھر میں جا کر کہا کہ یہ عورت جو مسلمان ہوئی ہے
فلان قوم کی تھی اسکو روٹی پکانے پر رکھ لو مگر یہ منظور نہ ہوا تو اس سے کوئی علت نمائی زید
کی پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔ وہ عورت پہلے سرائیں رہتی تھی اور حرام کاری اُسکا پیشہ تھا لیکن
لوگ اُس کی قومیت کیوجہ سے اُس سے پرہیز کرتے تھے اور اب مسلمان ہو جانے کیوجہ
سے لوگ اُس سے پرہیز نہیں کرتے باوجودیکہ وہ وہیں رہتی ہے اور وہی پیشہ کرتی ہے۔

اور زید کا تقوے ایسا تھا کہ وہ دوسرے کے لوٹے سے کبھی وضو نہیں کرتا تھا ایسے شخص سے جب ایسا فعل سرزد ہوا تو بتعلق غرض وجاہلیت ولغویت وحماقت ہوا یا نہیں **جواب** مسلمان کرنے میں یہ ضروری نہیں ہی کہ اُسکا جھوٹا پانی پیے یا دوسروں کو پلائے اور یہ فعل بلا وجہ موجہ وبلا ضرورت شرعی لغویت میں داخل ہی خاص کر اسوجہ سے کہ درمختار وغیرہ میں ہی کہ اجنبیہ عورت کا جھوٹا اجنبی مرد کو اور اجنبی مرد کا جھوٹا اجنبیہ عورت کو اگرچہ پاک ہے لیکن مکروہ ہی اور رد المحتار میں ہی کہ کراہت اسوقت ہی جب استلذاذ مقصود ہو۔ درمختار کی عبارت یہ ہے نعم یکرہ سورہا للرجل کعکسہ للاستلذاذ واستعمال ریق الغیر وہو لا یجوز کذا فی المجتبی یعنے عورت کا جھوٹا مرد کے لئے مکروہ ہی اسی طرح اُسکا عکس بھی کیونکہ اس میں لذت حاصل کرنا اور دوسرے کے تھوک کا استعمال کرنا ہی اور یہ جائز نہیں ہی جیسا کہ مجتبیٰ میں ہی۔ اور رد المحتار کی عبارت یہ ہے قال الرملی ویجب تقییدہ بغیر الزوجۃ والمحارم یعنی رملی رحمہ اللہ نے کہا ہی کہ اس میں غیر زوجہ ومحارم کی قید لگا دینا چاہیئے۔ اور اسی میں ہی والذی یظہر ان العلۃ الاستلذاذ فقط ویفہم انہ حیث لا استلذاذ لا کراہۃ لاسیما اذا کان یعافہ یعنے بظاہر علت صرف لذت حاصل کرنا معلوم ہوتی ہی اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہی کہ جب استلذاذ مقصود نہو تو یہ امر بھی مکروہ نہوگا خصوصاً جبکہ وہ اُسے ناگوار جانتا ہو۔ پس درمختار کے قول کے موافق زید کا یہ فعل مکروہ ہوا اور رد المحتار کے قول کے موافق اگر استلذاذ ہوا تو مکروہ ہوا اور بر تقدیر عدم استلذاذ اگرچہ مکروہ نہیں ہوا لیکن اُس سے اجتناب اولیٰ تھا **سوال** اگر ہندو لوگ خصی کو بھوانی یا کسی بت کے نام کان کاٹ کر بتوں کے پجاری کو دیویں پھر کوئی مسلمان اُسکو خدا تعالےٰ کے نام سے ذبح کر ڈالے تو کیسا ہی **جواب** یہ دستور زمانہ جاہلیت میں بھی مروج تھا خدا تعالےٰ نے فرمایا ہی ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ یعنے اگر کوئی مسلمان اسکے مالک کی اجازت سے ذبح کر دے تو حلال ہی بتوں کے نام پر چھوڑنے سے کوئی خرابی اس میں نہیں آئی البتہ مالک کی بلا اجازت حرام ہی کیونکہ اسکے ساتھ غیر کا تعلق ہی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی عفی عنہ

سوال ہندو کی چھوئی یا پکائی ہوئی چیز جو اُس نے احتیاط کے ساتھ پکائی ہو مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں۔ جیساکہ فتاوے غرائبیہ میں ہے لا یکرہ للمسلمین ان یعزی الکافرین ویعود مرضاھم ویاکل طعامھم وفی السراجیۃ لا باس بطعام المجوسی الا الذبیحۃ یعنے مسلمانوں کے لئے یہ مکروہ نہیں ہے کہ کافروں کی تعزیت کریں اور اُنکے مریضوں کی عیادت کریں اور اُنکا کھانا کھائیں اور سراجیہ میں ہے کہ ذبیحے کے سوا مجوسی کے اور کھانو کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے **جواب** جائز ہے جیساکہ خزانۃ الروایات میں ہے فی متفرقات دستور القضاۃ عن الینابیع لا باس بعیادۃ اھل الذمۃ وحضور جنائزھم واکل طعامھم والمعاملۃ معھم وفی المضمرات لا یکرہ للمسلمین ان یعزیھم ویعود مرضاھم ویاکل من طعامھم یعنے دستور القضاۃ کے باب المتفرقات میں ینابیع سے نقل کیا ہے کہ اہل ذمہ کے بیمار کی عیادت کرنے اور اُنکے جنازوں پر حاضر ہونے اور اُنکا کھانا کھانے اور اُنکے ساتھ معاملات کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور مضمرات میں ہے کہ مسلمانوں کے لئے اُن کی تعزیت کرنا اور اُنکے مریضوں کی عیادت کرنا اور انکا کھانا کھانا مکروہ نہیں ہے **سوال** خرگوش اور جھینگا کھانا حلال ہے یا نہیں **جواب** خرگوش حلال ہے عینی شرح کنز میں ہے حل الارنب لان النبی صلے اللہ علیہ وسلم امر اصحابہ ان یاکلوہ رواہ احمد والنسائی یعنے خرگوش حلال ہے کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے اپنے اصحاب کو خرگوش کے کھانے کا حکم دیا ہے اسکو احمد اور نسائی نے روایت کیا اور جھینگا جسکو اوبیان بکسر ہمزہ کہتے ہیں جیساکہ صحاح وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے حلال ہے کیونکہ وہ مچھلی کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور مچھلی کے تمام اقسام بالاتفاق حلال ہیں اور جن لوگوں نے اسکو حرام لکھا ہے وہ اُسے مچھلی کی قسم سے نہیں سمجھتے حالانکہ یہ مچھلی ہی ہے۔ حمادیہ میں ہے الدود الذی یقال لہ جھینگہ حرام عند بعض العلماء لانہ لا یشبہ السمک فانما یباح عندنا من صید البحر انواع السمک وھذا لا یکون کذلک وقال بعضھم حلال لانہ یسمی باسم السمک یعنے وہ کیڑا جسے جھینگا کہتے ہیں بعض علما کے نزدیک حرام ہے کیونکہ وہ مچھلی کے مشابہ نہیں ہے اور ہمارے نزدیک دریائی جانوروں میں سے

صرف مچھلیوں کے اقسام حلال ہیں اور یہ اُن میں سے نہیں ہے اور بعض لوگ اسے حلال کہتے ہیں کیونکہ اسکو مچھلی کے نام سے موسوم کرتے ہیں **سوال** سانڈ جو ہندو بتوں کے نام چھوڑتے ہیں حلال ہے یا حرام **جواب** جانور چھوڑنے سے مالک کی ملکیت سے باہر نہیں ہوتے پس اگر کوئی مسلمان اُسکو اُسکے مالک سے شرعی اجازت کے ساتھ ذبح کرے تو حلال ہے ورنہ حرام نہ بت کے نام کیوجہ سے بلکہ اسوجہ سے کہ وہ غصب کے حکم میں ہے اس سے کہ دوسرے کا حق اُسکے ساتھ متعلق ہے **سوال** اوجھڑی اور کچی پیاز کا کھانا حلال ہے یا حرام یا مکروہ اور جالی مرد یا عورت دونوں کو پہننا درست ہے یا نہیں یا خاص مرد کو حرام ہے اور عورت کو درست ہے **جواب** اوجھڑی کا کھانا مکروہ ہے اور کچی پیاز کھانے کی ممانعت حدیث میں موجود ہے کیونکہ منھ سے بو آتی ہے لہذا مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک عورت کو باریک کپڑا پہننا جالی ہو یا ململ وغیرہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ ستر واجب ہے اور بعض کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کے لئے مکروہ ہے جیساکہ زواجر میں ہے اخرجہ مسلم وغیرہ صنفان من اھل النار لم ارھما قوم معھم سیاط کاذناب البقر یضربون بہا الناس ونساء کاسیات عاریات مائلات ممیلات رؤسھن کاسنمۃ البخت المائلۃ لایدخلن الجنۃ ولایجدن ریحھا وان ریحھا لیوجد من مسیرۃ کذا وکذا انتھے وابن حبان فی صحیحہ واللفظ لہ والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم یکون فی اٰخر امتی رجال یرکبون علی سروج کاسنام الرجال ینزلون علی ابواب المساجد نساؤھم کاسیات عاریات علی رؤسھن کاسنمۃ البخت العجاف العنوین فانھن ملعونات الخ ذکر ھذا فی الکبائر ظاھر لما فیہ من الوعید الشدید یعنے مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ اہل نار کی دو قسمیں ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے ایک قوم ہے جس کے ساتھ گائے کی دم کی طرح کوڑے ہیں جن سے لوگوں کو مارتے ہیں اور عورتیں ہیں جو باوجود کپڑے پہننے کے ننگی ہوتی ہیں خود مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور انکو اپنی طرف مائل کرتی ہیں انکے سر بختی اونٹوں کے کوہان کے سے ہیں یہ لوگ جنت کی بو تک نہ پائیں گے اور اسکی بو اتنی اتنی دور سے پائی جاتی ہے انتہی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کی اور انھیں کے الفاظ ہیں)

اور حاکم نے کہا ہے کہ میری آخر امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو ایسے زینوں پر سوار ہوں گے جو کجاووں کے کوہانوں کی سی ہوں گی مسجدوں کے دروازوں پر اتریں گے اُن کی عورتیں باوجود کپڑے پہننے کے ننگی ہوں گی ان کے سروں پر بختی دبلے اونٹوں کے کوہانوں کی سی ٹوپیاں) ہوں گی کیونکہ وہ ملعون ہیں الخ اسکا کبائر میں ذکر کرنا ظاہر ہے کیونکہ اسکے لئے شدید وعید ہے۔ اور عالمگیری میں ہے واما اذا کان رقیقا لا یصلح لذلک فان ذلک مکروہ بالاجماع لیکن جب مہین ہو کہ ستر کی صلاحیت نہ رکھے تو بالاجماع مکروہ ہے واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفر لہ اللہ الاحد [علی محمد] فی الواقع ادھ جلی کھانا مکروہ ہے۔ ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا او لیعتزل مسجدنا رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا ہے کہ جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہمیں یا ہماری مسجد کو چھوڑ دے۔ اس سے پیاز کھانے کی کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے اور حدیث کی روایتوں سے ثابت ہے کہ عورتوں کو باریک کپڑا پہننا جو ستر میں مخل ہو حرام ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابوالحسنات محمد عبدالحی]

سوال اُن چیزوں کا کھانا جو ہندو اپنے عیدوں کے دن مسلمان زمینداروں کے سامنے پیش کریں مثلاً گنا بروز ڈھیوں اور شکر قند بروز سکٹن جائز ہے یا نہیں۔

جواب جائز ہے واللہ اعلم بالصواب کتبہ عبدالسلام عفی عنہ صح الجواب محمد شکر اللہ عفی عنہ۔ الجواب صحیح حمایت اللہ دہلوی عفی عنہ۔ زمیندار کو مقرر شے سے زائد کا لینا جائز نہیں ہے اور اگر رعایا اپنی رضامندی اور خوشی سے پیش کریں تو مسلمان زمیندار کو اُسکے لینے میں کچھ ہرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد امانت اللہ۔ واقعی جو چیزیں ہندو اپنی خوشی سے اپنی عیدوں کے دن پیش کریں اُنکا کھانا جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اُس دن اُنکے ہدیے نہ قبول کیے جائیں تاکہ شبہ موافقت سے اجتناب ہو ذخیرہ میں ہے لا ینبغی للمومن ان یقبل ھدیۃ کافر فی یوم عیدھم ولو قبل لا یعطیھم ولا یرسل الیھم شیئا یعنے مسلمان کو یہ نہ چاہیئے کہ کافروں کی عید کے دن کسی کافر کا

کا ہدیہ قبول کرے اور اگر قبول بھی کرے تو انکو کچھ دے اور نہ ان کی طرف کچھ بھیجے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** ہندو کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا اور ہندو کے چھوے ہوے پانی سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز ہے۔ واللہ علیم حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم۔ صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** اگر کوئی کسی مٹی کے برتن وغیرہ میں کھانیکو رکھکر ٹوکرے میں رکھے اور چمار کے سر پر رکھکے کہیں بھیجے یا ہمیں اسی طرح پر کھانا آئے تو اس میں کسی طرح کی کراہت ہے یا نہیں اور اسی طرح اگر مسلمان گھڑے میں پانی بھر کے اپنے ہاتھ سے بہنگی میں رکھدے اور بہنگی ہندو کہار اٹھا لائے اور پھر بہنگی سے مسلمان اس گھڑے کو نکال کے رکھ لے تو اس پانی کی طہارت میں کلام ہے یا نہیں **جواب** نہیں۔ واللہ علیم حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** صاحب حیٰوۃ الحیوان اور صاحب فتاویٰ برہنہ ہُدہُد کو حرام اور مکروہ لکھتے ہیں اور صاحب غایۃ الکلام وتمیز الکلام حلال لکھتے ہیں اس میں حنفیہ کے نزدیک قول مفتی بہ کیا ہے **جواب** حنفیہ کے مذہب میں ہُدہُد حلال ہے اور کتب معتبرہ میں حرمت یا کراہت مذکور نہیں ہے۔ خزانۃ المفتین میں ہے اکل الخطاف[۱] والھدھد وکل ذی طوق لا باس یعنے خطاف[۱] اور ہدہد اور ہر کنٹھی دار جانور کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور بزازیہ میں ہے اکل الھدھد لا باس بہ ولا باس بالخطاف والقمری وکل مالیس لہ مخلب یختطف بہ یعنے ہدہد کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے اور خطاف اور قمری اور ہر اُس جانور کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے جس کے چنگل نہوں جن سے وہ شکار کرے۔ اور ظہیریہ میں ہے اکل الخطاف والصلصل والھدھد لا باس بہ لانھا لیست من الطیور التی ھی ذوات مخلب یعنے خطاف فاختہ اور ہدہد کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ یہ چنگل والے جانوروں میں سے نہیں ہیں۔ اور قنیہ میں واقعات

[۱] خطاف بضم الخاء وتشدید الطاء سیاہ رنگ کی ایک چڑیا ہے فارسی میں فرشتوک کہتے ہیں کذا فی منتہی الارب ۱۲ مترجم

ناطفی سے منقول ہے لا باس یا کل الھدھد یعنی ہدہد کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ میں ہے اتفق الائمۃ الثلثۃ علی تحریم کل ذی مخلب من الطیور وکذا ما یاکل الجیف واما غیر ذلک من الطیور فکلہ مباح بالاتفاق والمشہور انہ لا کراھۃ فی ما نھی عن قتلہ کالخطاف والھدھد والخفاش والطاؤس الا عند الشافعی رح یعنی ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ نے طائروں میں ہر پنجے والے پرند کی حرمت کا حکم دیا ہے اور اسی طرح ہر مردار خور جانور کی حرمت کا۔ اور اسکے علاوہ دوسرے پرند سب ہمارے نزدیک بالاتفاق مباح ہیں اور مشہور یہ ہے کہ جنکے مارنے کی ممانعت کی گئی ہے وہ مکروہ نہیں ہیں مثلاً ابابیل ہدہد چمگادڑ مور (مگر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک) ان عبارتوں سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ حنفیہ کے نزدیک ہدہد حلال ہے بغیر کراہت کے اور مصنف حیوۃ الحیوان شافعی ہیں انھوں نے اپنے مذہب کے موافق حرمت لکھی ہے اور فتاوے برہنہ کتب معتبرہ کے مقابل نہیں ہوسکتا جبکہ کتب معتبرہ سے حلت ثابت ہے تو کراہت جو فتاوی برہنہ میں ہے غیر مقبول ہوگی واللہ اعلم حررہ محمد عبد الحی عفی عنہ **سوال** ہندوؤں کے ہاتھکے تر جیسے خشکہ اور خشک جیسے نان وحلوا وغیرہ کھانے میں کچھ فرق ہے یا نہیں **جواب** کچھ فرق نہیں ہے۔ نصاب الاحتساب میں ہے ما ابتلینا بہ من شراء السمن والخل واللبن والجبن وسائر المائعات من الھنود علی احتمال تلوث اوانیھم فان نساءھم لا یتوقین من السرقین فعلی المحتسب ان لم یجد بدا منھم ان یستوثق علیھم ان یجتنبوا من السرقین والمیتۃ فان شق علیھم یامرھم ان یاتوا اوانیھم مسلما یغسلھا ویغسلوا ایدیھم برأی من المسلم والا فالاباحۃ فتوے والتحرز تقوی وکذا لا باس بطعام المجوس کلہ الا الذبیحۃ یعنی گھی دودھ سرکہ اور تمام سیال اشیا جو ہندوؤں سے خریدی جاتی ہیں باوجودیکہ انکے برتنوں کے ناپاک ہونے کا احتمال ہے کیونکہ ان کی عورتیں گوبر سے نہیں بچتی ہیں ان کے متعلق محتسب اگر بچنے کو ناممکن سمجھے تو ہندوؤں کو حکم دے کہ گوبر اور مردار چیزوں سے احتراز کریں اور اگر ان پر یہ شاق ہو تو ان کو اس بات کا حکم دے کہ وہ اپنے برتن کسی مسلمان کو دیں جو دھودے اور وہ اپنے ہاتھ کسی مسلمان کے

سامنے دھوئیں ورنہ فتوے اباحت پر ہے اور تقوے کے رو سے احتراز کرنا چاہیئے اسی طرح مجوسیوں کی کسی چیز کے کھانے میں بجز اُنکے ذبیحہ کے کچھ حرج نہیں ہے **سوال** گائے یا بھینس کے پائے جو ہمارے زمانہ میں بزمانہ سرما کھائے جاتے ہیں اور مرغ کی کھال کھانا جائز ہے یا نہیں یا ان دونوں میں کوئی فرق ہے **جواب** جائز ہے۔ نہایۃ البیان فیما یحل ویحرم من الحیوان کے ذکر احکام شاۃ میں بزبان فارسی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے بچہ اور کھال کا دباغت کے پہلے کھانا حلال ہے اس طور سے کہ انکا شوربا بھونکر کھائیں اور دباغت کے بعد اُس سے دوسرے فائدے اُٹھانا جائز ہیں کھانا جائز نہیں جیسا کہ مطالب المومنین میں ہے اور زیلعی میں ہے کہ اگر خون آلود بکری جلائی جائے کہ خون دور ہو جائے پھر اسکا شوربا بنالیا جائے تو جائز ہے محمد عبد الله **سوال** پلاؤ یا شیر برنج کی دیگ میں اگر مینگنی نکلے تو کیا کیا جائے اور کسی نے لاعلمی میں کھایا ہو تو کھلانے والا گنہگار ہوگا یا نہیں اور جس روٹی میں مینگنی نکلے وہی نجس ہے یا سب روٹیاں **جواب** جس روٹی میں مینگنی نکلے اگر سخت ہو تو پھینکدیجائے اور وہ روٹی کھائی جائے اور اگر ریزہ ریزہ ہوکر مخلوط ہوگئی ہو تو وہ روٹی نہ کھائی جائے۔ فتاوے سراجیہ میں ہے خبز وجد فی خلاله سرقین فار ترفان کان علی صلابته یرحی ویوکل الخبز یعنے روٹی کے بیچ میں جب چوہے کی مینگنی نکلے اگر وہ سخت ہو تو پھینکدی جائے اور روٹی کھالیجائے۔ باقی ایک روٹی میں نکلنے سے اُسکے ساتھ کی پکی ہوئی روٹیوں کا کھانا منع نہیں ہے اور پلاؤ وغیرہ میں اگر سخت مینگنی نکلے اور مخلوط نہوئی ہو تو بعض متاخرین نے فتوے دیا ہے کہ مینگنی پھینکدیجائے اور وہ کھایا جائے مگر نہ کھانا مقتضائے احتیاط ہے۔ خزانۃ الروایات میں ہے فی العتابیۃ خرء الفارۃ نجس ومن المتاخرین من رخص فی الدھن وفی الطعام ان کان قلیلا لا یفسدہ مالم یوجد ریحہ او طعمہ یعنی چوہے کی مینگنی نجس ہے اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اگر یہ کھانے اور تیل میں تھوڑی سی ہو تو کھانا خراب نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کی بو یا اُس کا مزہ کھانے میں نہ آجائے **سوال** حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے گائے کا گوشت کھایا ہے یا نہیں

جواب حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا حجۃ الوداع میں اپنے ازواج کی طرف سے گائے کا ذبح کرنا اور آپ کے ازواج کے پاس اُس گوشت کا آنا صحیح مسلم اور صحیح بخاری وغیرہما میں موجود ہے اور حضور کا تناول فرمانا صراحۃً کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مدارج النبوۃ میں بزبان فارسی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے بکری کا گوشت تناول فرمایا ہے اور مخصوص گائے کا گوشت تناول فرمانا معلوم نہیں ہوا البتہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے ازواج رضی اللہ عنہم کی طرف سے گائے کی قربانی کی اور ظاہر یہ ہے کہ اُس قربانی کا گوشت خود بھی کھایا ہوگا اور صحیح مسلم کے کتاب الزکوٰۃ کے آخر میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے قالت اتی النبی صلے اللہ علیہ وسلم بلحم بقر فقیل ھذا ما تصدق بہ علے بریرۃ فقال ھو لہا صدقۃ ولنا ھدیۃ یعنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گائے کا گوشت لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ بریدہ کو صدقے میں ملا ہے آپ نے فرمایا یہ اُن کے لئے صدقہ اور ہمارے لئے ہدیہ ہے اُس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تناول فرمایا اور احتمال ہے کہ آپ نے خود نہ کھایا ہو ازواج کو دیدیا ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبد الحی عفی عنہ **سوال** کلیجی اور تلی بکری یا گائے کی حلال ہے یا نہیں **جواب** حلال ہے دارقطنی اور ابن ماجہ اور احمد رحمہما اللہ نے بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں ایک مچھلی دوسری ٹڈی یہ تو دو مردار حلال ہیں اور دونوں خون کلیجی اور تلی ہے اھ **سوال** انگریزی دوا عرق جس میں ڈاکٹروں کے بیان سے شراب ملا ہونا معلوم ہوتا ہے مگر اتنی کہ اُس کی پائداری کا جز ہو سکے اور نشہ نہ لائے اور اس دوا کا رنگ اور اس کی بو محتمل ہے جس سے ناواقف شبہہ میں پڑ سکتا ہے اور اُس عرق کا مزہ کڑوا کھٹا ہے واللہ اعلم معلوم نہیں شراب کا یہی مزہ ہوتا ہے یا کچھ اور خلاصہ یہ کہ تغیر ان تینوں

چیزوں کا کا حقہ ثابت نہیں ہو سکتا پس ایسی دوا کا پینا جائز ہے یا نہیں **جواب** جس دوا میں شراب کا ملنا اگرچہ ایک ہی قطرہ ہو یقینی یا ظنی ہو اسکا پینا حرام ہے واللہ اعلم **سوال** اگر کسی شخص نے کسی حلال جانور کے ساتھ وطی کی اور اسی حالت میں اُسے انزال بھی ہوا اور اس امر کو دو عادل مسلمانوں نے دیکھا تو اُس جانور کا گوشت کھایا جا سکتا ہے یا نہیں اور دودھ پیا جا سکتا ہے یا نہیں **جواب** ایسے جانور کا گوشت حرام نہیں ہے قال فی منح الغفار شرح تنویر الابصار للمؤلفہ ولا حد بوطی بھیمۃ لانہ لیس فی معنی الزنا فی کونہ جنایۃ وفی وجود الداعی الیہ لان الطبع السلیم ینفر عنہ والعامل علیہ نہایۃ السفہ او فرط الشبق الا انہ یعزر والذی یروی انہ تذبح البھیمۃ وتحرق وذلک لقطع التحدث بہ لیس بواجب قالوا ان کانت الدابۃ مما لا یوکل لحمہا تذبح وتحرق کما ذکرنا وان کانت مما یوکل لحمہا تذبح ویوکل عند ابی حنیفۃ وقالا تحرق ہذہ ایضا اذا کانت البھیمۃ الفاعل وان کانت لغیرہ کان لصاحبہا ان یدفع الیہ بالقیمۃ وفی تبیین الکنز یطالب صاحبہا ان یدفعہا الیہ بالقیمۃ ثم تذبح ھکذا ذکروا ولا یعرف الا سماعا فیحمل علیہ انتہے وفی المجتبی ذبحت ویکرہ الانتفاع بہا حیا وموتہا واطلق الطحاوی انہا اذا کانت لہ ذبحت ولم توکل وعن ابی یوسفؒ انہا لا تحرق اذا کانت توکل وکان ابو عبد اللہ الجرجانی یقول قول اصحابنا تذبح وتحرق علی وجہ الاستحباب واتی ابن عمرؓ برجل اتی بھیمۃ فلم یجلدہ وامر بہا فاحرقت بالنار یعنے مصنف منح الغفار رحمہ اللہ نے اپنی اسی کتاب کی شرح تنویر الابصار میں لکھا ہے چوپایہ کے ساتھ وطی کرنے پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ جنابت میں اور دواعی کے موجود ہونے میں زنا کے مساوی نہیں ہے اسلئے کہ طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے اور اسپر عمل کرنے والا یا تو انتہائی بیوقوف ہے یا انتہائی شہوت کا شکار ہے مگر ایسے شخص کو سزا دی جائے گی اور یہ جو مروی ہے کہ جانور ذبح کر دیا جائے اور جلا دیا جائے کیونکہ اس سے نفع نہیں حاصل کیا جا سکتا یہ ضروری نہیں ہے فقہا کہتے ہیں اگر جانور حرام ہو تو ذبح کرکے جلا دیا جائے جیسا کہ ہمنے ذکر کیا اور اگر حلال ہو تو ذبح کرکے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کھالیا جائے اور

صاحبین رحمہا اللہ کے نزدیک جلا دیا جائے جب کہ وہ جانور وطی کرنے والے کا ہو اور اگر جانور کسی اور کا ہو تو وطی کرنے والے کو جانور کی قیمت اس کے مالک کو دیدینا چاہیئے اور تبیین الکنز میں ہے کہ جانور کا مالک قیمت کا مطالبہ کرے اور قیمت وصول کرکے جانور ذبح کردے ایسا ہی ذکر کیا ہے اور بجز سماع کے کوئی عقلی دلیل اس پر نہیں ہے لہذا اسی پر محمول کی جائے گی اور مجتبیٰ میں ہے کہ جانور ذبح کر دیا جائے گا اور اُس سے زندگی میں یا مرنے کے بعد نفع اُٹھانا مکروہ ہے اور طحاوی نے کہا ہے جب جانور وطی کرنے والے کی ملک ہو تو ذبح کیا جائے گا لیکن کھایا نہ جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب جانور حلال ہو تو جلایا نہ جائے گا اور ابو عبد اللہ جرجانی رحمہ اللہ کہتے تھے کہ ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ جانور کو ذبح کرکے جلا دینا مستحب ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے جانور کے ساتھ وطی کی تھی تو انھوں نے اس پر حد جاری نہیں کی اور حکم دیا کہ جانور آگ میں جلا دیا جائے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبد الحی عفی عنہ **سوال** ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے ملنے کو بنیت خالص اُس کے مکان پر جائے اور جس کے مکان پر یہ ملنے کو گیا ہے وہ میوہ یا طعام جو کچھ موجود ہو اُسکے سامنے پیش کرنا اپنے اوپر لازم جانے اور پیش کرے اِسی طرح نکاح کے دن جب براتی دولھن کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور دولھن کے اقربا نکاح کے پہلے یا نکاح کے بعد کھانا کھلاتے ہیں یہ بدعت ہے یا نہیں **جواب** یہ فعل بدعت نہیں ہے بلکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تھا جیساکہ مدارج النبوہ اور بہجۃ اخیار العروس وغیرہ میں مذکور ہے واللہ اعلم **سوال** زید کہتا ہے کہ جو کھانے پینے کی چیزیں غلہ ہو یا شیرینی و ترکاری نشوالوں یا قبروں پر چڑھائی جاتی ہیں یا تعزیوں یا علموں کے سامنے رکھی جاتی ہیں جیساکہ اِن امور کا ہندوستان میں دستور ہے اُن سب کا کھانا حرام ہے پس زید کا قول صحیح ہے یا غلط **جواب** غلہ اور شیرینی وغیرہ جو عوام نشوالوں اور تعزیوں اور قبروں وغیرہ پر چڑھاتے ہیں اُنسے نذر لغیر اللہ مقصود ہوتی ہے اور فقہا نے اِس امر کی تصریح کی ہے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے اور اس چیز کا کھانا بھی حرام ہے

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے قال الشیخ قاسم فی شرح الدرر اما النذر الذی ینذرہ
اکثر العوام علی ما ھو مشاھد کان یکون لانسان غائب او مریض او لہ حاجۃ ضروریۃ
فیاتی قبر بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی راسہ ویقول یا سیدی فلان ان رد اللہ
غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذا او من الفضۃ کذا او من الطعام کذا او من
المال کذا او من الشمع کذا او من الزیت کذا فھذا النذر باطل بالاجماع بوجوہ منھا انہ نذر
لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق ومنھا ان المنذور لہ
میت لا یملک ومنھا انہ ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقادہ ذلک
کفر اللھم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی ھذا او رددت غائبی
او قضیت حاجتی ان اطعم للفقراء الذین بباب السیدۃ نفیسۃ والفقراء الذین
بباب الامام الشافعیؒ والامام ابی اللیثؒ او اشتری حصر المساجد او زیتا لوقودھا او
دراھم لمن یقوم بشعارھا الی غیر ذلک مما یکون فیہ نفع للفقراء والنذر اللہ تعالیٰ
وذکر الشیخ انما ھو محل صرف النذر لمستحقیہ القاطنین برباطہ او مسجدہ او جامعہ
فیجوز بھذا الاعتبار اذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد المصرف ولا یجوز ان یصرف
ذلک لغنی ولا لشریف ذی منصب لانہ لا یحل لہ الاخذ مالم یکن محتاجا فقیرا
ولا لذی نسب لاجل نسبہ مالم یکن فقیرا ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف الی
الاغنیاء للاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل الذمۃ بہ وانہ حرام
بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ
الا ان یکون فقیرا او لہ عیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مضطرون الیہ فیاخذونہ
علی سبیل الصدقۃ المبتداء واخذہ ایضا مکروہ مالم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ
وصرفہ الی الفقراء ویقطع النذر عن نذر الشیخ فاذا علمت ھذا فما یوخذ من الدراھم
والشمع والزیت وغیرھا وتنقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام باجماع المسلمین
مالم یقصدوا بصرفھا الفقراء الاحیاء قولا واحدا یعنی شیخ قاسم رحمہ اللہ نے شرح
درر میں کہا ہے کہ وہ نذر جو اکثر عوام مانا کرتے ہیں جس کا مشاہدہ شاہد ہے مثلاً کوئی شخص

غائب ہو جائے یا کوئی بیمار ہو یا کسی کو کوئی حاجت ہو تو کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر آئے اور اُسکے پردہ کو اپنے سر پر ڈال کر کہے کہ اے میرے سید اگر خدا میری غائب کو لوٹا دے یا میرا مریض اچھا ہو جائے یا تم میری حاجت کو پورا کر دو تو تمھارے لئے اتنا اور اتنا سونا یا چاندی یا کھانا یا مال یا شمع یا تیل ہی) تو یہ نذر متعدد وجوہ سے باطل ہو (۱) یہ مخلوق کی نذر ہو اور مخلوق کے لئے نذر ماننا جائز نہیں ہو کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہو سکتی (۲) منذور لہ میت ہو جو کسی شئے کا مالک نہیں ہو سکتا (۳) اس سے اس امر کا گمان ہوتا ہو کہ اسکے نزدیک میت امور میں تصرف کرتا ہو نہ خدا اور یہ اعتقاد کرنا کفر ہو لیکن اگر یہ کہے اے اللہ میں نے تیرے لئے نذر مانی ہو کہ اگر تو میرے مریض کو اچھا کر دے یا میرے غائب کو لوٹا دے یا میری حاجت پوری کر دے تو میں اُن فقرا کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہؒ کے دروازے پر رہتے ہیں یا جو امام شافعی اور امام ابواللیث رحمہا اللہ کے دروازے پر رہتے ہیں یا میں مسجدوں کے لئے چٹائیاں بنواؤں گا یا وہاں کی روشنی کے لئے تیل خریدوں گا یا مسجد کے منتظم کو درہم دونگا اور اسی طرح دوسرے وہ امور جن میں فقرا کا نفع اور خدا کی نذر ہو اور شیخ نے ذکر کیا ہو کہ نذر مستحقین نذر پر صرف کی جائے یا جو اس بزرگ کی خانقاہ یا مسجد یا جامعہ میں رہتے ہوں پس اس اعتبار سے یہ نذر درست ہو کیونکہ نذر کے مصرف فقرا ہیں اور اب مصرف پالیا گیا اور یہ ناجائز ہے کہ نذر کسی امیر یا شریف صاحب منصب پر صرف کی جائے (کیونکہ انکو نذر کا لینا درست نہیں جب تک کہ محتاج فقیر نہو) یا صاحب نسب پر صرف نسب کیوجہ سے صرف کیجائے (تا وقتیکہ وہ فقیر نہو) اور شرعاً نذر کا اغنیا پر صرف کرنا ثابت نہیں کیونکہ مخلوق کے لئے نذر کرنے کے حرام ہونے پر اجماع ہو اور ایسی نذر نہ تو واقع ہوتی ہو اور نہ ذمے سے ساقط ہوتی ہو اور یہ حرام بلکہ سخت گناہ ہو اور شیخ کے خادم کو بھی اس نذر کا لینا درست نہیں ہو اور نہ اسکا کھانا اور نہ اسمیں کسی طرح تصرف کرنا جب تک کہ وہ فقیر صاحب عیال کسب سے عاجز اور نذر کے لینے پر مجبور نہوں پس اسے بطور صدقہ مبتدءہ کے لے سکتے ہیں اور بھی نذر کا

لینا ناجائز ہے جب تک کہ نذر کرنے والے کی نیت خدا سے تقرب حاصل کرنے اور شیخ سے قطع نظر کرکے فقرا پر صرف کرنے کی نہو پس جب تمکو یہ معلوم ہو گیا تو جو روپیہ اور شمعیں اور تیل وغیرہ اولیا کے مزاروں پر چڑھایا جاتا ہی بالاجماع حرام ہی جب تک اُنسے زندہ فقرا پر صرف کرنا مقصود نہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبدالحی عفی عنہ

سوال مسلمان مبتدع شیعہ سودخوار رشوت خوار شراب خوار کے یہاں کھانا کھانا اور نوکری کرنا جائز ہی یا نہیں باوجودیکہ اُس کے یہاں کھیتی بھی ہوتی ہی اور حلال مال بھی ہی **جواب** اگر حلال مال غالب ہے تو اُسکے یہاں کھانا کھانا اور نوکری کرنا جائز ہی اور اگر حرام مال غالب ہو تو جائز نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کھانا یا یہ تنخواہ حلال مال سے ہی۔ اشباہ میں ہی اذا کان غالب مال المھدی حلالا فلا باس بقبول ھدیتہ واکل مالہ مالم یتبین انہ من حرام وان کان غالب مالہ الحرام لا یقبلھا ولا یاکل الا اذا قال انہ حلال ورثہ او استقرضہ یعنے جب ہدیہ بھیجنے والے کا اکثر مال حلال ہو تو اُسکا ہدیہ قبول کرنے اور اُسکا مال کھانے میں کچھ حرج نہیں جبتک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ مال یا ہدیہ حرام مال سے ہی اور اگر اکثر مال حرام ہو تو ہدیہ نہ قبول کرے اور اُسکا مال نہ کھائے مگر جبکہ وہ یہ کہدے کہ یہ مال حلال ہی میں نے وراثۃً پایا ہی یا قرض لیا ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبدالحی عفی عنہ

سوال ایک قسم کی سیاہ مچھلی جریث ہی وہ حلال ہی یا حرام **جواب** حلال ہی ہدایہ میں ہی کہ لا باس باکل الجریث والمارماھی اھ

سوال مردہ حیوان کی کھال کھانا کیسا ہی اور یہ جو متعارف ہی کہ بکری کا سر مع کھال کے بھونتے ہیں اور اُسکا شوربا کھاتے ہیں جائز ہے یا نہیں **جواب** مردہ جانور کی کھال کھانا اگرچہ مدبوغ ہو اور درندوں کی کھال اگرچہ مذبوح ہو جائز نہیں ہی لیکن مذبوح بکری کی کھال کا کھانا جائز ہی۔ زیلعی میں ہی جاز بیع لحوم السباع وشحومھا وجلودھا بعد الذکاۃ کجلود المیتۃ بعد الدباغ حتی یجوز بیعھا والانتفاع بھا غیر الاکل لطھارتھا بالذکاۃ یعنے درندوں کا گوشت چربی اور کھال ذبح کرنے کے بعد بیچنا درست ہے جس طرح مردے کی کھال کو دباغت کے بعد حتی کہ اُس کی بیع اور اُس کے کھانے

کے سوا دوسرے قسم کے منافع حاصل کرنا درست ہیں کیونکہ وہ ذبح کرنے سے طاہر ہوجاتا ہے۔ اور منح الغفار میں ہے ویباع جلد المیتۃ وینتفع بہ لطہارتہ بعد الدبغ بغیر الاکل فانہ لا یجوز اکلہ وان کان طاہرا قال فی السراج الوہاج مسئلۃ جلد المیتۃ بعد الدباغ ہل یجوز اکلہا اذا کان من حیوان ماکول اللحم قال بعضہم نعم لانہ طاہر کجلد الشاۃ للذکاۃ وقال بعضہم لا یجوز اکلہ وہو الصحیح یعنے مردے کی کھال بیچی جاسکتی ہے اور اُس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ دباغت کے بعد طاہر ہے البتہ اُسکو کھانا درست نہیں ہے سراج وہاج میں ہے مسئلہ مردے کی کھال کا دباغت کے بعد کھانا درست ہے یا نہیں جبکہ مردہ حیوانات ماکولات اللحم سے ہو بعضوں کے نزدیک درست ہے کیونکہ وہ طاہر ہے ذبح کی ہوئی بکری کی کھال کی طرح اور بعضوں کے نزدیک درست نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور ہدایہ میں ہے ثم ما یمنع النتن والفساد فہو دباغ وان کان تشمیسا اوتتریبا یعنے جو چیز بدبودار اور خراب نہونے دے وہی دباغ ہے چاہے دھوپ میں رکھکر ہو یا مٹی ملکر **سوال** سید احمد کبیر کی گائے اور شیخ سدو کا بکرا وغیرہ حلال ہے یا نہیں **جواب** اگر تقرب الٰہی اور اللہ کے لئے خون بہانا اور کسی کو اُس کا ثواب پہنچانا منظور ہو تو حلال ہے اور جب غیر خدا کا تقرب منظور ہو اور محض جان لینا منظور ہو نہ ایصال ثواب اور تناول گوشت اور ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہ لیا جائے تو اس میں علما کا اختلاف ہے اور منشأ اختلاف ما اہل بہ لغیر اللہ کی تفسیر ہے بعضوں نے حلت کا فتوے دیا ہے۔ تفسیر احمدی میں ہے ومن ہہنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ہو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا لہ یعنی اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ گائے جس کی نذر اولیاء اللہ کے لئے مانی گئی ہو جیسا کہ آجکل ہوا کرتا ہے وہ حلال طیب ہے کیونکہ اسپر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا اگرچہ نذر لغیر اللہ ہے۔ اور ایک گروہ اس کی حرمت کا قائل ہے نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ مرتد یعنے علما نے کہا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی ذبیحہ ذبح کیا اور اُس کے

ذبح سے اُس کا مقصد تقرب الی غیر اللہ تھا تو وہ شخص مرتد ہو گیا اور اُسکے ذبیحہ کا حکم مرتد کے ذبیحے کا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفاسیر میں اس کی تصریح کی ہے اور فقہا نے بھی صراحۃً اسکو حرام لکھا ہے۔ درمختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر و نحوہ کواحد من العظام یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ ولو ذبح للضیف لا یحرم لانہ سنۃ الخلیل واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ والفارق انہ ان قدمہا لیاکل منہا کان الذبح للہ والمنفعۃ للضیف اوللولیمۃ اوللنبح وان لم یقدمہا لیاکل منہا بل یدفعہا لغیرہ کان التعظیم غیر اللہ فتحرم وھل یکفر قولان کذا فی البزازیۃ یعنے اگر کسی امیر یا اُسکے مثل کسی دوسرے بڑے کی تشریف آوری کیوجہ سے ذبیحہ کیا تو حرام ہے کیونکہ درحقیقت اُس پر خدا کے سوا دوسرے کا نام لیا گیا اگرچہ اُسپر خدا کا نام لیا گیا ہو (ظاہر الفاظ میں) اور اگر مہمان کے لئے ذبح کیا تو حرام نہیں ہے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت ہے اور مہمان کی عظمت خدا کی عظمت ہے ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ ایک اس غرض سے ذبح کیا ہے کہ اُس سے کھایا جائے تو ذبح خدا کے لئے کیا گیا اور نفع مہمان یا ولیمہ یا ذبح کا ہوا اور اگر اسلئے ذبح کیا ہے کہ اُس سے کھایا نہ جائے بلکہ دوسروں کو بانٹ دیا جائے چونکہ اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہے اسلئے یہ حرام ہے اور اس میں دونوں قول ہیں کہ اس فعل سے کافر ہوگا اور یہ کہ نہیں جیسا کہ بزازیہ میں ہے اور ایسا ہی اشباہ و نظائر اور عالمگیری وغیرہ میں ہے **سوال** تاڑی یا شراب کا سرکہ حلال ہے یا نہیں **جواب** جب تاڑی یا شراب منقلب الحقیقۃ ہو کے سرکہ ہو گئی تو حلال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت اچھا سالن سرکہ ہے اھ **سوال** مچھلی ذبح کر کے کھانا چاہیے یا بے ذبح کیے ہوئے **جواب** مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اشعۃ اللمعات میں بزبان فارسی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے مچھلی بے ذبح کیے ہوئے حلال ہے کیونکہ شکار کرنا اور اسے دریا سے نکالنا ذبح کا حکم رکھتا ہے **سوال** جس مچھلی کو مجوسی یا کوئی اور کافر شکار کر کے دریا سے نکالے وہ حلال ہے یا نہیں

جواب حلال ہے کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری شافعی رحمہ اللہ حیوۃ الحیوان میں امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں نے ستر صحابی کو مجوسی کا شکار کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور ابو المکارم رحمہ اللہ شرح نقایہ میں لکھتے ہیں وفی المحیط لاباس باکل سمکۃ اصطادھا المجوسی لانہا تحل بلادون التسمیۃ فالمجوسی وغیرہ فیہ سواء یعنی مچھلی جسے مجوسی نے شکار کیا ہو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مچھلی بغیر خدا کا نام لیے ہوئے بھی حلال ہے پس مجوسی اور دوسرے لوگ سب اس معاملے میں مساوی ہیں **سوال** گڑول یعنی ڈھینگ حلال ہے یا حرام **جواب** گڑول گِدھ کی قسموں میں سے ہے اور مردار خوار پرندہ ہے حرام ہے **سوال** آئمۂ اربعہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک گھوڑا حلال ہے یا حرام **جواب** گھوڑا امام شافعی اور امام حنبل رضی اللہ عنہما کے نزدیک حلال ہے کیونکہ بخاری اور مسلم میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ واذن فی لحوم الخیل یعنی حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے جنگ خیبر میں شہری گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ مکروہ تنزیہی کے قائل ہیں۔ اور اصحاب حنیفہ کا اس میں اختلاف ہے بعضے کراہت تحریمی کے قائل ہیں اور بعضے کراہت تنزیہی کے صاحب کافی نے کراہت تنزیہی کو صحیح اور صاحب مطالب المومنین نے کراہت تحریمی کو اصح لکھا ہے۔ تفسیر احمدی میں ہے مفتی کو چاہیے کہ گھوڑے کی صحت کی حالت میں اُسکے گوشت کی اباحت کا فتوےٰ نہ دے کیونکہ اس سے آلۂ جہاد کی کمی لازم آتی ہے مگر جبکہ گھوڑا قریب بہلاکت ہو تو اُسکے کھانے کا فتوےٰ دے تاکہ مسلمان کا مال ضایع نہو۔ اور کفایۃ المنتہیٰ میں ہے بعض نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے اس قول یعنی حرمت لحم اسپ سے رجوع کر لیا تھا جو انھوں نے گھوڑے کی حرمت پر پہلے کہا تھا۔ اور اسی پر فتوےٰ ہے جیسا کہ جامع الرموز میں ہے **سوال** پان میں چونا کھانا درست ہے یا نہیں **جواب**

درست ہے نصاب الاحتساب میں ہے یباح اکل النورۃ مع الورق الماکول فی دیار الہند لانہ قلیل نافع فان الغرض المطلوب من الورق للمذکور لا یحصل بدونہا یعنی پان کے ساتھ چونا کھانا مباح ہے کیونکہ وہ کم مقدار میں نفعمند ہوتا ہے اسلئے کہ پان سے جو غرض ہے وہ بغیر چونے کے حاصل نہیں ہوتی **سوال** چمگادڑ حلال ہے یا حرام **جواب** مختلف فیہ ہے فتاوی قاضی خاں میں ہے ولا یوکل الخفاش لانہ ذو ناب یعنے چمگادڑ نہ کھانا چاہیے کیونکہ اس کے کیلے ہوتے ہیں۔ اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں وفیہ نظر لان کل ذی ناب لیس منہی عنہ اذا کان لا یصطاد بنابہ اس میں شک ہے کیونکہ ہر کیلے والا حرام نہیں ہے جب کہ کیلے سے شکار نہ کرتا ہو **سوال** گردہ حلال ہے یا مکروہ **جواب** مکروہ بھی نہیں ہے مدارج النبوۃ میں بروایت حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما وارد ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سو تیس آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور کہا گیا کہ ایک صاع آٹا گوندھا گیا ہے اور ایک بکری ذبح کی گئی ہے اور اسکا جگرا اور دل اور گردے بھونے گئے ہیں پس خدا کی قسم کہ اُنسے سے کھانے کو ہم سب نے سیر ہوکر کھایا اور اس بکری کے سالن سے دو بڑے پیالے بھرے تھے اور جتنا وہ تھا اُتنا ہی کا اُتنا باقی رہا پھر ہمنے اُسے اپنے اونٹوں پر لاد لیا اور حدیث ترمذی میں ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت عمدہ گوشت پشت کا ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت اسوجہ سے پسند تھا کہ وہ عضو نجاست سے بہت دور رہتا ہے اور اسوجہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم گردون کو اسوجہ سے مکروہ جانتے تھے کہ وہ پیشاب کے مقام سے نزدیک ہیں اور گردوں کے مکروہ ہونے کی جو روایت کی گئی اسکے متعلق حافظ عراقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد ضعیف ہیں **سوال** فیل مرغ حلال ہے یا حرام **جواب** حلال ہے کیونکہ دانا کھاتا ہے نہ شکاری ہے کہ اپنے پنجے سے شکار کرنیکا عادی ہو اور نہ مردار خوار ہے اور مشابہت صوری حرمت کا باعث نہیں ہوسکتی خرگوش بھی گدھے کے مشابہ کان رکھتا ہے مگر حلال ہے **سوال** ہیلو جو ایک چڑیا

ہے حلال ہے یا حرام **جواب** دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ پیلو کو زبان دکن میں ہپلیک
کہتے ہیں یہ زرد رنگ کا ہوتا ہے اور اسکے دونوں بازوؤں پر سیاہی ہوتی ہے اور دانہ
اور کیڑے مکوڑے کھاتا ہے پنجہ سے شکار نہیں کرتا نہ مردار خوار ہے پس اسکے حلال
ہونے میں کچھ شک نہیں ہے **سوال** (۱) کسی ہندو بے دین بت پرست نے اپنے
کسی تہوار یا تقریب شادی یا غمی میں کسی مسلمان دیندار پرہیزگار یا مسلمان بےنمازی
زناکار شراب خوار بدعتی کی دعوت کی اور اُن مسلمانوں نے اُس کی دعوت قبول کی
اور کوئی چیز مثل کھانے کے کھائی یا کھانے کا سامان یا نقد روپیہ لیا اور اُسے اپنے
ہاتھ سے پکایا اور کھایا تو اس طرح کا ہندوؤں کا کھانا اور دعوت لینا درست ہے یا
نہیں (۲) اگر ہندوؤں کا اس طرح کا کھانا درست ہو تو فبہا ورنہ اُن کھانیوالوں
کی کیا سزا ہے **جواب** (۱) ہندوؤں کے تہوار کے دن ہدیہ لینا دعوت قبول
کرنا مسلمان کو درست نہیں ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے لاینبغی للمومن ان یقبل ھدیۃ الکافر
فی یوم عیدھم ولو قبل لا یرسل الیھم شیئا یعنی مومن کو کافر کا ہدیہ اُس کی عید کے
دن نہ قبول کرنا چاہیئے اور اگر قبول کرے تو پھر اس کو کوئی چیز نہ بھیجے۔ اور خزانۃ الروایا
میں ہے فی الفصول والتاتارخانیۃ فی المحیط ما یاتی المجوس فی یوم نیروزھم من الاطعمۃ
الی الاکابر والسادات من کانت بینہ وبینھم معرفۃ وذھاب ومجئ فقل قیل من اخذ
ذلک علی وجہ الموافقۃ یضرہ ذلک بدینہ یعنی فصول اور تاتارخانیہ میں محیط سے نقل
کرکے لکھا ہے مجوس جو کھانے وغیرہ بڑے لوگوں کے پاس جن کے یہاں اُن کی آمد
ورفت ہوتی ہے اپنی عید کے دن لاتے ہیں اس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ جو لئے
بطریق موافقت نے لے گا اُس کا یہ فعل اُس کے دین میں خلل انداز ہوگا باقی شادی
اور غمی میں اگر ہندو دعوت کرے تو اُس کا قبول کرنا بعض فقہا کے نزدیک درست
اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے جیسا کہ خزانۃ الروایات میں ہے فی مفید المستفید
من الواقعات لا باس بالذھاب الی ضیافۃ اھل الذمۃ ھکذا ذکر محمدؒ لکن المذکور
فی النوازل یخالف ھذا فانہ کرہ فیہ الاجابۃ یعنی مفید المستفید میں واقعات سے

نقل کیا ہو کہ اہل ذمہ کی دعوتوں میں جانے سے کچھ حرج نہیں ہو۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہو لیکن نوازل میں اس کے خلاف ہو کہ ان دعوتوں کا قبول کرنا مکروہ ہو اور جواز ضیافت کی حالت میں بھی وہ اِس امر کے ساتھ مشروط ہو کہ دعوت کی محفل غنامزامیر بت پرستی شراب خواری اور اطوار کفر و شرک و محرمات سے خالی ہو اور اگر اُس مجلس میں ایسے امور ہوں تو جانا درست نہیں ہو جیسا کہ درمختار میں ہے دعی الی ولیمۃ وثمہ لعب او غناء قعد واکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل یخرج فان قدر علی المنع فعل والا صبر وان علم اولا باللعب لا یحضر اصلا سواء کان ممن یقتدی بہ اولا یعنے اگر کوئی شخص ایسی دعوت میں بلایا گیا جسمیں کھیل کود اور گانا تھا اور وہ شخص گیا اور بیٹھا اور کھانا کھایا لیکن یہ بُری باتیں دوسرے مکان میں تھیں تو کچھ حرج نہیں ہو اور اگر کھیل دسترخوان پر ہو تو وہاں نہ بیٹھنا چاہیے بلکہ چلا آنا چاہیے اور اگر روک سکتا ہو تو روک دے ورنہ صبر کرے اور اگر پہلے سے اُسے یہ معلوم ہو تو وہاں نہ جائے چاہے وہ مقتدا ہو یا نہو (۲) جس نے ہنود کے تہوار کے دن دعوت قبول کی یا تقریب کی ضیافت میں باوجود منکرات شرعیہ موجود ہونے کے گیا اُسکو توبہ اور استغفار لازم ہو۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

| ابو الحسنات محمد عبد الحی |

کتاب اللبس والزینۃ

سوال ڈھیلا پائجامہ پہننا درست ہے یا نہیں **جواب** کچھ حرج نہیں بشرطیکہ تشبہ فساق اور تکبر کی غرض سے نہو کیونکہ بعض شہروں میں یہ وتیرہ فساق کا ہو گیا ہے اور یہ بھی شرط ہو کہ ٹخنوں سے اونچا ہو **سوال** کانچ کی چوڑیاں عورتوں کو پہننا جائز ہے یا نہیں **جواب** جائز ہے اور اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

سوال سرخ بانات اور رکھارۃ اور شنجرفی اور پیازی رنگ درست ہو یا نہیں **جواب** درست ہو کیونکہ ہر سرخ رنگ حرام نہیں ہو بلکہ معصفر حرام ہو **سوال**

سید سالار مسعود غازی رحمہ اللہ کے جھنڈے کا کپڑا اپنے صرف میں لانا چاہیئے یا تصدق
کر دینا چاہیئے **جواب** بظاہر اسکے خود استعمال کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور
مساکین وفقرا کو دیدینا اولیٰ ہے **سوال** عمدۃ التحریر میں منقول ہے کہ آپ عمامہ ٹوپی اور
بغیر ٹوپی دونوں طرح باندھتے تھے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں باتیں درست ہیں
حالانکہ حدیث میں وارد ہے کہ ہمارے اور مشرکوں کے درمیان ٹوپیوں پر عمامے باندھنے
کا فرق ہے یہ حدیث دلیل ہے کہ بغیر ٹوپی کے عمامہ مشرکوں کا لباس ہے پس اصل
حقیقت کیا ہے **جواب** عمدۃ التحریر میں جو لکھا ہے وہ محض نقل ہے اور ناقل پر صرف
تصحیح نقل لازم ہے سفر السعادت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بلا ٹوپی کے
عمامہ باندھتے تھے اور کبھی ٹوپی پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رسالہ احکام لباس میں
لکھتے ہیں کہ کبھی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ٹوپی کو عمامہ کے نیچے پہنتے تھے اور کبھی
بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے تھے اور سوال میں جو حدیث مذکور ہے اُسکو ابوداؤد نے اپنی سنن
میں اور ترمذی نے اپنے جامع میں روایت کیا ہے مگر ترمذی نے اِس حدیث کو غریب
بتلایا ہے اور اسکے اسناد کو غیر قائم کہا ہے اور علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں
کہ سخاوی نے اسکو واہی بتلایا ہے اور اسکے باوجود اِس حدیث کی دلالت اسپر کہ بغیر ٹوپی
کے عمامہ باندھنا مشرکوں کا لباس ہے اُسوقت ہوگی کہ حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ ہمارے
اور مشرکوں کے درمیان ٹوپیوں پر عماموں کا ہونا ہے یعنی ہم ٹوپیوں پر عمامے باندھتے ہیں اور
وہ بغیر ٹوپیوں کے چنانچہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں یہی کہا ہے اور اگر حدیث کے دوسرے
معنے لیے جائیں تو عمدۃ التحریر کی تحریر سے کچھ مخالفت حدیث لازم نہ آئے گی اور وہ دوسرے
معنے یہ ہیں کہ ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عماموں کا ہونا ہے یعنے ہم ٹوپیوں پر
عمامے باندھتے ہیں اور وہ ٹوپیوں کو بغیر عماموں کے اوڑھتے ہیں اور اسی اخیری معنی کو
صاحب فتح القدیر نے اختیار کیا ہے چنانچہ انھوں نے عربی عبارت میں کہا ہے جس کا
خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ صرف ٹوپیوں پر اکتفا کرتے ہیں قاضی ابوبکر نے شرح ترمذی میں بھی
اسکی تصریح کی ہے اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں کہا ہے کہ مسلمان ٹوپیوں پر عمامے

باندھتے ہیں اور صرف ٹوپی اوڑھنا مشرکوں کا طریقہ ہے اور اسی معنی اخیر کی تائید ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوتی ہے جو انھوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے کی ہے کہ عمامہ مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز ہے کہ مسلمان اسکو پہنتے ہیں اور مشرک نہیں پہنتے اسی طرح زرقانی رح نے کہا ہے واللہ اعلم **سوال** عورتوں کو چھاگل پہننا جائز ہے یا نہیں اور آیہ ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن الخ کا شان نزول کیا ہے اور اگر کوئی عورت چھاگل اسطرح پہنے کہ اسکی آواز نہ نکلے تو درست ہے یا نہیں **جواب** بنظر زینت چاندی سونے کا ہر زیور عورتوں کو پہننا جائز ہے مگر جو چلنے اور حرکت کرنے میں بجے اُسکا استعمال بخوف فتنہ جائز نہیں ہے اور آیت مذکورہ کا شان نزول اسی باب میں ہے معالم التنزیل میں ہے کانت المرأۃ اذا مشیت ضربت برجلھا یسمع صوت خلخالھا فنھیت عن ذلک یعنی عورتیں جب چلتی تھیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی تھیں اور اُن کی چھاگل کی آواز سنائی دیتی تھی تو وہ اِس سے روکدی گئیں۔ اور تفسیر احمدی میں ہے تو نقول روی انہ کانت المرأۃ فی العرب تضرب الارض برجلھا اذا امشت لیعلم الناس انھا ذات خلخال او تضرب احدی رجلیھا علی الاخری فنھاھا اللہ عن ذلک وقال لا یضربن الخ ای لا یضربن علی الارض بارجلھن او باحدی رجلیھا علی الاخری لتتقعقع خلخالھا فیعلم انھا ذات خلخال فان ذلک یورث میلا فی الرجال یعنے پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مروی ہے کہ عورتیں عرب کی جب چلتی تھیں یا زمین پر پاؤں مارتی یا اپنے دونوں پاؤں کو لڑاتیں تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اُنکے پاس چھاگل ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُنکو ایسا کرنیسے منع فرمانے کے لئے یہ آیت نازل کی لا یضربن الآیۃ جس کا مطلب ہے کہ عورتوں کو زمین پر اپنے پاؤں نہ مارنا چاہیے اور نہ دونوں پاؤں کو لڑانا چاہیے حتی کہ چھاگل نہ بجے اور لوگوں کو معلوم ہو کہ اُنکے پاس بھی چھاگل ہے کیونکہ یہ فعل مردوں کی طبیعت کو عورتوں کیجانب مائل کریگا۔ اور تفسیر کبیر میں ہے قال ابن عباس رض و قتادۃ کانت المرأۃ تمر بالناس وتضرب برجلھا یسمع تعقعقۃ خلخالھا ومعلوم ان الرجل الذی یغلب علیہ شھوۃ النساء اذا سمع صوت الخلخال یصیر ذلک داعیۃ لہ زائدۃ فی مشاھدتھن یعنی حضرت ابن عباس رض

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ عورتیں مردوں میں گزرتی تھیں اور زور زور
پاؤں ٹیکتی تھیں تاکہ لوگ انکی چھاگل کی آواز سن لیں اور یہ بات معلوم ہے کہ مردوں پر شہوت
عورتوں کی غالب آجاتی ہے تو چھاگل کی جھنکار اُس عورت کے دیکھنے کی طرف مائل کر دیگی
اور سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں لکھا ہے اخرج عبد بن حمید عن مجاهد ولا يضربن
بارجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن قال الخلخال نهى ان يضرب برجلها ليسمع صوت
الخلخال واخرج ابن ابى حاتم عن ابن مسعود ليعلم ما يخفين من زينتهن قال الخلخال
یعنی عورتوں کو زمین پر اپنا پاؤں اس غرض سے نہ مارنا چاہیئے کہ مردوں کو انکی پوشیدہ
زینت کا علم ہو جائے چھاگل والی عورتوں کو اس امر سے منع کیا گیا ہے کہ اپنے پاؤں کو
زمین پر چھاگل کی آواز سنانیکے لئے ماریں اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن
مسعود رضی اللہ عنہ سے اخراج کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے انکی پوشیدہ زینت یعنی چھاگل
اور نصاب الاحتساب میں ہے ومما يحتسب على النساء اتخاذ الجلاجل فى ارجلهن لان
اتخاذ الجلاجل فى رجل الصغيرة مكروه ففى المرأة البالغة اشد كراهة لان مبنى حالهن
على الستر وفيه اظهارهن مع ما انه من اسباب اللهو یعنی عورتوں سے جس امر کا محاسبہ
ہوگا وہ پاؤں میں گھونگرو کا پہننا ہے کیونکہ چھوٹی لڑکی کے پاؤں میں گھونگرو پہننا مکروہ ہے
پس بالغ عورت کے حق میں تو لامحالہ سخت مکروہ ہوگا کیونکہ انکی حالت کا مقتضے ستر ہے اور
اسمیں اظہار ہے علاوہ بریں یہ اسباب لہو میں سے ہے۔ اور ابوداؤد نے بنانہ رضی اللہ عنہا سے
روایت کی ہے جو حضرت عبد الرحمن بن حبان انصاری رضی اللہ عنہ کی لونڈی ہیں انها
كانت عند عائشة اذ دخلت عليها بجارية وعليها جلاجل يصوتن فقال لا تدخليها على
الا تقطعن جلاجلها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تدخل الملائكة
بيتا فيها جرس یعنی بنانہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں
جبکہ انکے پاس ایک لونڈی لائی گئی جو گھنگرو پہنے ہوئی تھی اور وہ بج رہے تھے تو
آپنے فرمایا کہ اسے میرے پاس نہ لاؤ جبتک کہ اسکے گھنگرو نہ کاٹے جائیں کیونکہ میں نے
نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس گھر میں گھنٹی ہوتی ہے اسمیں ملائکہ

نہیں آتے اور تفسیر احمدی میں عبارت مسطورہ کے بعد لکھا ہے وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یستجیب دعاء قوم یلبسون الخلخال نساؤ ھم یعنے اور جناب سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ نے فرمایا ہے کہ خدا اُس قوم کی دعا قبول نہیں کرتا جن کی عورتوں کے پاؤں میں چھاگلیں ہوں **سوال** سفید جبہ یا پاجامہ یا کرتہ جس پر خالص چاندی کے بوٹے بنے ہوں جسے کامدانی کہتے ہیں پہننا جائز ہے یا نہیں **جواب** دو شرط سے اس قسم کا کپڑا پہننا جائز ہے (۱) بوٹا عرضاً چار انگشت سے زائد نہو اگرچہ طولاً زائد ہو جیسا کہ ردالمحتار میں ہے ھل المراد قدر اربع اصابع طولا وعرضا بان لا یزید طول العلم وعرضہ علی ذلک او المراد عرضہا فقط وان زاد طولہ المتبادر من کلامہم الثانی یعنے چار انگل کی مقدار سے طول اور عرض دونوں مراد ہیں کہ پھول بوٹا چار انگل سے زائد چوڑا اور لمبا نہو یا صرف عرض مراد ہے اگرچہ اسکا لمبان زیادہ ہو درست ہے اسکے متعلق عام فقہا کے کلام سے معنے ثانی کا مراد ہونا سمجھا جاتا ہے (۲) اسقدر قریب قریب بوٹے نہوں جسمیں اصل کپڑا چھپ جائے اور متوسط مقام سے بالکل کام معلوم ہو جیسا کہ درمختار میں ہے ظاھر المذھب عدم جمع المتفرق ولو فی عمامۃ کما بسطہ فی القنیۃ یعنے ظاہر مذہب یہ ہے کہ متفرق پھول بوٹے اگرچہ عمامہ میں ہوں جمع نہ کیے جائینگے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے ای الا اذا کان خط منہ قزا وخط منہ غیرہ بحیث یری کلہ قزا فلا یجوز ومقتضاہ حل الثوب المنقوش بالحریر تطریزا ونسجا اذا لم تبلغ کل واحدۃ من نقوشہ اربع اصابع وان زادت بالجمع ما لم یرہ کلہ حریرا قال الطحطاوی وحل لکم المتفرق من الذھب والفضۃ کذلک الحریر یعنی جب کپڑے میں ایک خط ریشم کا ہو اور ایک نہو سطح پر کہ کپڑا سارا ریشم ہی معلوم ہو تو اُس کپڑے کا پہننا ناجائز ہے اسکا مقتضے یہ ہے کہ وہ کپڑا جسپر ریشم کے پھول بوٹے کاڑھے گئے ہوں یا بنے ہوے ہوں حلال ہو جبتک کہ اُسکا ہر پھول چار انگل سے زائد نہو اگرچہ سب ملا کر چار انگل سے زائد ہو جبتک کہ دیکھنے میں سب ریشم نہ معلوم ہونے لگے طحطاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ متفرق سونے اور چاندی اور ایسے ہی ریشم کا بھی

یہی حکم ہے یعنی جس کپڑے پر کامدانی کا کام اسقدر کثرت سے ہو کہ کپڑے میں بوٹے ہی بوٹے معلوم ہوتے ہوں اور زمین نہ دکھائی دیتی ہو یا کوئی بوٹا چار انگل سے عرضاً زائد ہو تو وہ ناجائز ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ صح الجواب واللہ علیم حررہ ابو الاحیار محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم

سوال نتھ کا پہننا جائز ہے یا نہیں **جواب** نتھ کو آجکل عرب میں خزام کہتے ہیں جائز ہے کیونکہ یہ دوسرے زیوروں کیطرح عادتوں میں سے ہے کہ اسکے استعمال میں کچھ حرج نہیں ہے البتہ یہ بدعت ہے لیکن بدعت جبکہ دین اور عبادت میں نہو بلکہ عادت میں ہو تو وہ مردود نہیں ہے مثلاً کھانے پینے کپڑوں سواریوں اور مکانات میں کوئی نئی بات نکالنا اور اسی طرح کی دوسری باتیں جنسے کرنے والے کا مقصد تقرب الی اللہ نہو بلکہ محض استعمال مراد ہو جیسا کہ اسکی تصریح حدیقۃ السدیہ شرح طریقۃ المحمدیہ میں ہے وقاس الطحطاوی ثقب الانف علے ثقب الاذن للقرط کما نقل قولہ صاحب ردالمحتار تحت شرح قول صاحب الدر وھل یجوز الخزام فی الانف لم ار ہ قلت ان کان مما تزین النساء بہ کما ھو فی بعض البلاد فہو فیہا کثقب القرط ففہم من ھذہ العبارۃ جواز ثقب الانف ولبس الخزام یعنے طحطاوی نے ناک کے سوراخ کا قیاس کان کے سوراخ پر کیا ہے جو بالیوں کے لئے چھیدے جاتے ہیں جیسا کہ اسے صاحب ردالمحتار نے شرح در کے اس قول پر کیا ناک میں نتھ کا پہننا جائز ہے میں نے اسکے متعلق کچھ نہیں دیکھا، کی شرح میں لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ اگر عورتیں اس سے زینت حاصل کرتی ہوں جیسا کہ بعض مقامات میں ہے تو اُن مقامات میں نتھ کا پہننا بالیوں کی طرح ہے پس اس عبارت سے سمجھا گیا کہ ناک کا چھدوانا اور نتھ کا پہننا جائز ہے واللہ اعلم حررہ الفقیر المعترف بالسہو والتقصیر الراجی رحمۃ ربہ الباری محمد محسن الجونفوری تجاوز اللہ عن ذنبہ المعنوی والصوری **ہو المصوب** بیشک ناک کے سوراخ کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے علما نے اسکے جواز کی تصریح کی ہے۔ درمختار میں ہے ولا باس بثقب اذن البنت استحسانا کذا فی الملتقط قلت وھل یجوز الخزام فی الانف لم ار ہ

یعنے لڑکی کے کانوں کے سوراخ میں استحسانا کچھ حرج نہیں ہے جیساکہ ملتقط میں ہے
میں کہتاہوں کہ نتھ کے جواز کے متعلق میں نے کہیں کچھ نہیں دیکھا ہے۔ اور ردالمحتار میں
طحطاوی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے وقد نص الشافعیۃ علی جوازہ یعنی شافعیہ
نے اسکے جواز کی تصریح کی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات
محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی **سوال** جو حدیثیں ابوداؤد اور نسائی
نے باب الذہب للنساء میں لکھی ہیں اُنسے عورتوں کے لئے استعمال ذہب کی
حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اگر ثابت ہوتی ہے تو جمہور نے انکا کیا جواب دیا ہے
جواب واضح ہو کہ بکثرت روایتوں سے عورتوں کے لئے حلت ذہب ثابت
ہے منجملہ انکے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جسکو ترمذی و نسائی
اور احمد اور طبرانی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم حرم لباس الذھب والحریر علی ذکور امتی واحل لاناثھم یعنے حضرت ابوموسیٰ
اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت
کے مردوں کو سونے اور ریشم کے کپڑونکا پہننا حرام ہے اور عورتوں کو حلال ہے۔ ترمذی
نے اسکے اسناد کو صحیح کہا ہے اور منجملہ انکے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ہے کہ احمد اور
ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے اُسکو روایت کیا ہے ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم اخذ حریرًا فجعلہ فی یمینہ واخذ ذھبا فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان ھذین
حرام علی ذکور امتی یعنے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے ریشم لیا اور اسکو اپنے داہنے
ہاتھ میں کیا اور سونے کو اپنے بائیں ہاتھ میں پھر فرمایا کہ یہ دونوں میری اُمت کے مردونپر
حرام ہیں۔ اور روایت ابن ماجہ میں وھی حل لاناثھم (اور یہ میری اُمت کی عورتونکے
لئے حلال ہیں) ہے اور عبدالحق رحمہ اللہ نے ابن المدینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وھذا
حدیث حسن ورجالہ معروفون یعنی اور یہ حدیث حسن ہے اور اسکے رجال معروف ہیں
اور منجملہ انکے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو سنن بیہقی میں مروی ہے سمعت
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول الحریر والذھب حرام علی ذکور امتی یعنی میں نے

حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے ریشم اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تلخیص الحبیر میں اسکی اسناد کو حسن کہا ہے۔ اور منجملہ انکے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو مسند بزار اور مسند ابویعلے اور سنن ابن ماجہ و معجم طبرانی وغیرہ میں مروی ہے۔ اور منجملہ انکے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو معجم طبرانی اور عقیلی اور طبرانی کی کتاب الضعفاء میں مروی ہے۔ اور منجملہ انکے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو معجم طبرانی میں مروی ہے۔ اور منجملہ انکے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو مسند بزار میں مروی ہے۔ اور یہ سب حدیثیں احادیث سابقہ کے مطابق دلالت رکھتی ہیں اس امر پر کہ سونے کی حرمت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عورتوں پر حلال ہے اور انمیں سے بعض اسنادوں کا ضعیف ہونا طرق سابقہ کے حسن اور صحیح ہونیکے بعد کوئی ضرر نہیں پہونچانا باقی رہیں وہ حدیثیں جو ممانعت پر دلالت کرتی ہیں پس حافظ عبد العظیم منذری رحمہ اللہ نے انکے ذکر کے بعد لکھا ہے هذه الاحاديث التي ورد فيها النهي والوعيد عن تحلي النساء بالذهب يحتمل وجوها احدها انه منسوخ فانه قد ثبتت اباحة تحلي النساء بالذهب الثاني ان هذا في حق من لا يؤدي زكوته دون من اداها ويدل عليه حديث عمرو بن شعيب عائشة واسماء الثالث انها في حق من تزينت به واظهرته ويدل لها ما رواه النسائي وابو داؤد عن اخت لحذيفة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يا معشر النساء اما لكن في الفضة ما تحلين به اما انه ليس منكن امرأة تحلى ذهبا وتظهره الا عذبت الرابع من الاحتمالات انه انما منع منه في حديث الاسورة والفتخات لما رأى من غلظه فانه مظنة الفخر والخيلاء وبقية الاحاديث محمولة على هذا يعني یہ حدیثیں جنمیں عورتوں کے لئے سونے کا زیور پہننے پر وعید اور نہی وارد ہوئی ہے بہت سے احتمال رکھتی ہیں اول یہ کہ یہ سب منسوخ ہیں کیونکہ عورتوں کے لئے سونے کے زیور کا مباح ہونا ثابت ہے دوسرے یہ کہ یہ حدیثیں انکے متعلق ہوں جو انکی زکوٰۃ نہ ادا کریں اسپر عمرو بن شعیب عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہم

کی حدیثیں دلالت کرتی ہیں تیسرے یہ کہ یہ حدیثیں اُن عورتوں کے متعلق ہیں جو اُنسے زینت حاصل کریں اور اسکا اظہار کریں اسپر وہ حدیث دلالت کرتی ہو جو نسائی اور ابوداؤد نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بہن سے روایت کی ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتو کیا تم میں سے کسی کے پاس چاندی نہیں جسکا زیور بنوائے خبردار جو عورت سونا پہنکر اُسکا اظہار کرتی ہو اُسپر عذاب ہوگا چوتھے یہ کہ اسکی ممانعت کڑوں اور کنگنوں والی حدیث سے ثابت ہوتی ہو جسکی وجہ یہ تھی کہ عورتیں موٹے موٹے کڑے اور کنگن پہنتی تھیں جس سے فخر اور تکبر کا احتمال ہوتا ہو پس باقی حدیثیں اسی پر محمول کیجائیں گی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ محمد عبدالحی عفی عنہ

سوال زرد یا سنہرے رنگ کا کپڑا کسم اور زعفران کے سوا میں رنگا ہوا پہننا جائز ہو یا نہیں اور بشرط جواز حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے پہنا ہو یا حکم پہننے کا دیا ہو یا نہیں **جواب** زرد رنگ کسم اور زعفران کے سوا میں رنگا ہوا پہننا جائز ہو خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے زرد کپڑا پہننا ثابت ہو بلکہ بعض روایتوں سے ثابت ہو کہ سفید کے بعد حضور روحی فداہ کو زرد رنگ محبوب تھا سنن ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں ہو ان ابن عمر کان یصبغ لحیتہ بالصفرۃ حتی تمتلی ثیابہ من الصفرۃ فقیل لہ لم تصبغ بالصفرۃ فقال انی رأیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصبغ بہا ولم یکن شیٔ احب الیہ منہا وقد کان یصبغ بہا ثیابہ کلہا حتے عمامتہ یعنے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے یہانتک کہ اُنکے کپڑوں میں زرد رنگ آجاتا اُنسے پوچھا گیا کہ آپ زردی سے کیوں رنگتے ہیں تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو اسی سے رنگتے دیکھا ہو اور آپکو اس سے زائد کوئی رنگ پسند نہ تھا آپ اپنے کپڑوں کو اسی سے رنگتے حتی کہ عمامہ کو بھی۔ اور عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس والحریر میں منقول ہو مرد کو پہننا زعفرانی یا زرد رنگ کا کپڑا مکروہ تحریمی ہو اور مراد زرد سے زرد مائل بسرخی ہو اسلئے کہ زرد کا پہننا حضرت صلی اللہ علیہ

وسلم سے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کذا قال مولانا محمد اسحق الدہلوی
رحمہ اللہ اور روایت ہے امام محمد رحمہ اللہ سے کہ ایام شادی میں زرد رنگ کی رخصت
ہے انتہی اور بھی اسی کتاب میں ہے دوسرا قسم کے رنگ کا وہ جو مخلوط ہو ساتھ زردی
کے پس اگر زردی کم ہو اور سرخی کسم کی غالب ہو جیسے نارنجی یا زردی بہ نسبت نارنجی
کے زیادہ ہو مگر سرخی سے کم ہو جیسے سنہرا یا زردی اور سرخی برابر ہوں یہ تینوں درجے
حرام ہیں اور اگر زردی غالب اور سرخی کسم کی مغلوب ہو مانند طلائی اور کیسری وغیرہ
کے تو درست ہے انتہی۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی
تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ابو الحسنات محمد عبد الحی

تمام شد جلد دوم

میر محمد کتب خانہ

آرام باغ، کراچی

جلد سوم

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

معلم الفقہ

ترجمۂ اردو

مجموعۃ الفتاویٰ

جناب مولٰنا مولوی محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

جناب مولوی برکت اللہ صاحب رضا لکھنوی فرنگی محلی

میر محمد، کتب خانہ

آرام باغ، کراچی

فہرست مضامین استفتہائے مجموعہ فتاوےٰ جلد سوم

تمام شد فہرست مجموعہ فتاوے جلد سوم

مرتبہ: مفتی وصی علی ملیح آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الہبہ

سوال زید کے ایک ہی بی بی سے دو لڑکے تھے ان میں سے ایک کو اُس نے ناراضگی کی وجہ سے عاق کرکے اپنی تمام جائداد دوسرے لڑکے کے نام ہبہ کردی ایسا ہبہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ھو الموفق اگر ہبہ بالقبض کی ہے تو جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں ہے واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد وانحی ایسا ہبہ بشرطیکہ ہبہ کی ہوئی چیز کا قبضہ کاملہ ہو نافذ ہے درمختار میں ہے لو وھب فی صحۃ کل المال للولد جاز واثم یعنی اگر کسی نے اپنی صحت کی حالت میں اپنا تمام مال اپنے لڑکے کو ہبہ کردیا تو یہ جائز ہے لیکن وہ شخص ہبہ کرنیوالا گنہگار ہوا۔ واللہ علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم الجواب صحیح واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ صح الجواب حررہ محمد رحمت اللہ۔ اصاب المجیب کتبہٗ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ سوال بکر برادرزادہ ہندہ اور زید خواہرزادہ ہندہ ہے اور ہندہ لاولد ہے اور زید کو اُس نے فرزندی میں لیکر پرورش کیا ہے اسوجہ سے ہندہ نے اپنی کل جائداد زید کو ہبہ کردی ہے تو اس ہبہ کرنے سے ہندہ خدا اور رسولؐ کے نزدیک مواخذہ دار ہوگی یا نہیں جواب اس ہبہ سے ہندہ گنہگار ہوگی فقہ اور حدیث کی کتابوں میں اس امر کی صراحت ہے کہ اگر بغیر وجہ شرعی بعض اولاد

کو ہبہ میں فضیلت دی تو گنہگار ہوگا سراج منیر میں ہے لو اعطے بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشدہ لا باس بہ ولو کانا سواء یجوز فی القضاء ولکن ہوا ثم کما فی الدر المختار یعنی اگر کوئی شخص اپنی بعض اولاد کو اسکی پارسائی کی وجہ سے کچھ دے اور بقیہ کو نہ دے تو اس میں کچھ حرج نہیں اور اگر سب اولاد میں مساوی ہوں تو قضاءً یہ ہبہ درست ہوگا لیکن ہبہ کرنیوالا گنہگار ہوگا جیسا کہ درمختار میں ہے۔ نہ کہ ایسے شخص کو کل مال ہبہ کرنا جو وارث شرعی نہیں ہے کہ اس سے ورثا کا محروم ہونا لازم آتا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

محمد عبد الحی

سوال مرض الموت کی تعریف فقہا کے نزدیک کیا ہے اگر زید نے باوجودیکہ اُس کے کئی لڑکے موجود تھے کسی ایک لڑکے کو کل جائداد ہبہ کر دی اور قبضہ بھی کرا دیا تو یہ ہبہ جائز ہے یا نہیں اور اگر ہبہ ثلث مال میں جائز ہوگا تو یہ ہبہ وصیت کے حکم میں ہے یا نہیں جواب مرض الموت کی تعریف میں فقہا کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں مرض الموت وہ مرض ہے جس میں حوائج ضروریہ کے لئے مریض آمد و رفت نہ کر سکے اور بعض کہتے ہیں مرض الموت وہ مرض ہے جس میں مریض صاحب فراش ہو جائے اور مختار اور مفتی بہ یہ ہے کہ جس مرض میں موت کا ظن غالب ہو وہ مرض الموت ہے صاحب فراش ہو یا نہو۔ فتاوی بزازیہ میں ہے المریض الذی یکون تصرفہ من الثلث من یکون ذا فراش لا یطیق القیام بحاجتہ ویجوز لہ الصلوۃ قاعدا او یخاف علیہ الموت ولو طال المرض وصار بحال لا یخاف علیہ للموت کالفالج اذا صار مرضا او یابس الشق لا یکون لہ حکم المرض الا اذا تغیر حالہ عن ذلک ومات من ذلک التغیر فما فعل فی حال التغیر فمن الثلث قال الفضلی ان لا یخرج الی حوائج نفسہ علیہ اعتمد فی التجرید وقال لا فقیہ کونہ صاحب فراش لا یعتبر بل العبرۃ للغلبۃ لو کانت من ہذا الموت فہو مرض الموت وان خرج من البیت و بہ اخذ الصدر الشہید انتہی مریض جسکا تصرف صرف ثلث مال میں ہو سکتا ہے وہ ہے جو صاحب فراش ہو کہ اپنی ضرورت کے لئے کھڑا نہو سکتا ہو اور اُس کے لئے بیٹھ کے نماز پڑھنا جائز ہوا ہو یا اسکی موت کا خوف ہو اور اگر کسی شخص کا مرض اسقدر زیادہ عرصے تک رہے کہ موت کا خوف نہو مثلاً فالج جبکہ مرض کی طرح ہو جائے یا کسی کی ٹانگ سوکھ جائے تو ایسے کے لئے مرض کا حکم نہ دیا جائیگا مگر جبکہ اُسکی حالت میں تغیر ہو جائے اور تغیر کی وجہ سے وہ مرجائے پس جو تصرف وہ حالت تغیر میں کریگا وہ ثلث میں نافذ ہوگا فضلی نے کہا ہے

کہ ایسا مریض وہ ہے جو اپنے حوائج کے لئے باہر نہ نکل سکے اسی پر تجرید میں اعتماد کیا گیا ہے فقیہ نے کہا ہے کہ صاحب فراش ہونیکا اعتبار نہیں ہے بلکہ غلبہ کا اعتبار ہے اگر اس کی وجہ سے موت ہو تو یہی مرض موت ہے اگرچہ وہ شخص گھر سے نکل سکتا ہو صدر شہید رحمہ اللہ اسی سے کو لیتے ہیں اور جامع الرموز میں ہے قالوا اذا اضناہ المرض وصار صاحب فراش وعجز عن القیام بمصالحہ وازداد کل یوم فھو مرض الموت فالمسلول الذی طال مرضہ ولم یخف الموت کالصحیح وقال الفضلی المریض ان لا یخرج الی حوائج نفسہ وعلیہ الاعتماد کذا فی الخلاصۃ والمختار انہ ان کان الغالب منہ الموت وان لم یکن صاحب فراش کما فی ھبۃ الذخیرۃ فقہا کہتے ہیں اگر کوئی شخص کسی مرض کی وجہ سے دُبلا اور صاحب فراش ہوگیا ہوا ور اپنی ضرورتوں کے لئے کھڑا نہو سکتا ہو اور اسکا مرض روز بروز بڑھتا جاتا ہو تو یہ مرض مرض موت ہے پس وہ شخص جسے ایک عرصہ سے سل کا مرض ہو کہ اس کے مرنے کا خیال نہو وہ مثل تندرست آدمی کے ہے فضلی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مریض وہی جو اپنی ضرورتوں کے لیے گھر سے باہر نہ نکل سکتا ہو یہی قابل اعتماد ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور مختار یہ ہے کہ جس شخص کے متعلق ظن غالب یہ ہو کہ وہ اس مرض میں مرجائے گا اگرچہ وہ صاحب فراش نہو لیکن مریض ہے جیسا کہ ذخیرہ کے باب ہبہ میں ہے۔ اور مرض موت میں ہبہ کرنا وصیت کے حکم میں ہے ثلث سے زائد مال میں نافذ نہیں ہوسکتی شمنی کی شرح مختصر میں ہے واعتاقہ ای المریض مرض الموت ومحاباتہ ھبتہ وضمانہ وصیۃ ای کالوصیۃ فی انھا تعتبر من الثلث ویضرب بھا معہ اصحاب الوصایا مریض کا آزاد کرنا بیع وغیرہ میں رعایت کردینا ہبہ کے حکم میں ہے اور اس کا کسی چیز کا ضمان دینا وصیت کے مثل ہے کہ ثلث سے نافذ ہوگا اور اُسی میں سے اصحاب وصایا کو ملیگا اور فصول عمادیہ میں ہے اما المریض یعتبر احکامہ فی وصیتہ وصدقتہ وھبتہ وعتقہ ومحاباتہ فی بیع او اجارۃ او کتابۃ او عتق علی مال من الثلث ولا یجوز الا من الثلث مریض کے احکام کا اعتبار اسکے وصیت کرنے اور صدقہ وہبہ و غلام آزاد کرنے اور بیع واجارہ د غلام کو مکاتب بنانے یا مال کے عوض آزاد کرنے میں جو رعایت کریگا ثلث مال سے ہوگا اس سے زائد پر انکا نفاذ جائز نہیں ہے۔ اور مرض الموت میں کسی وارث کو وصیت کرنا اور ہبہ کرنا جو وصیت کے حکم میں ہے مطلقًا ناجائز ہے اگرچہ ثلث سے کم کی ہو مگر باجازت بقیہ

ورثا تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے وہب شیئا لوارثہ لا یجوز لانہا وصیۃ اگر اپنے وارث کو کچھ ہبہ کیا تو جائز نہیں کیونکہ یہ وصیت ہے۔ اور خزانۃ المفتیین میں ہے لو اوصی لواحد من الورثۃ فانہ لا یجوز الا باجازۃ سائر الورثۃ وھما صحاء بالغون اگر اپنے وارثوں میں سے کسی کے لئے وصیت کی تو یہ بغیر تمام ورثا کی اجازت۔ بحالت صحت و بلوغ جائز نہیں ہے۔ اور جامع الرموز میں ہے ولا تصح الوصیۃ فی کثیر منہ ای من الثلث ولا یصح شئی لوارثہ الا باجازۃ ورثۃ الموصی الوصیۃ باکثر من الثلث للاجنبی او بشئی للوارث فانہا تصح لاسقاطھم حقھم وصیت ثلث سے زائد میں صحیح نہیں ہے اور نہ ورثا کے لئے صحیح ہے مگر جبکہ ورثائے موصی اجنبی کے لئے ثلث سے زائد یا ورثا میں سے کسی ایک کے لئے وصیت کرنے کی اجازت دیں کیونکہ اس صورت میں وہ خود ہی اپنے حق کو باطل کرتے ہیں واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال ماں باپ جو چیزیں اپنی لڑکی کو جہیز میں دیتے ہیں اُس جہیز کا مالک شوہر ہے یا دلہن کے والدین جواب جہاں یہ عرف ہو کہ لڑکی کو جہیز بطور تملیک دیا جاتا ہے نہ عاریت وہاں جہیز کی مالک لڑکی ہوگی درمختار میں ہے جھز ابنتہ ثم ادعی ان ما دفعہ لھا عاریۃ وقالت ھو تملیک او قال الزوج ذلک بعد موتھا لیرث منہ وقال الاب او ورثتہ بعد موتہ عاریۃ فالمعتمد ان القول للزوج ولھا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جھازا لا عاریۃ یعنے ایک شخص نے اپنی لڑکی کو جہیز دیا پھر اس بات کا دعویٰ کیا کہ یہ عاریت تھا اور لڑکی نے یا اُس کے مرنے کے بعد اس کے شوہر نے کہا کہ یہ تملیک ہے اور باپ یا باپ کے مرنے کے بعد اُسکے ورثا نے کہا یہ عاریت ہے تو صحیح یہ ہے کہ لڑکی یا اس کے شوہر کا قول معتبر ہے جبکہ عرف عام میں باپ جو کچھ دیتا ہو وہ جہیز میں دیتا ہو نہ کہ عاریت۔ جہیز کی اشیا کی مستحق وہ لڑکی ہوگی۔ اور لڑکی کے مرنے کے بعد اُسکے وارثوں پر شرعی حصے کے موافق وہ جہیز تقسیم ہوگا واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال ہندہ دائنہ نے زر قرضہ مندرجۂ دستاویز جس میں جائداد غیر منقولہ مستغرق ہے جو زید وغیرہ چند مدیونوں کے ذمے باقی ہے بنام اپنے بیٹے بکر نابالغ مسلمان کے اس عبارت و مضمون سے ہبہ بلا عوض کیا کہ میں زر قرضہ مندرجۂ دستاویز مذکور وہبہ کرتی ہوں اور دیے دیتی ہوں اور اپنا قبضہ اور اپنا مالکانہ استحقاق اُس جائداد پر سے اٹھالیا اور اپنی طرف سے ایک غیر شخص ہندو کو اُسکا

سربراہ کار اور ولی مقرر کر کے اسی دستاویز ہبہ نامہ میں ولی مذکور کو وصول زر کا اختیار اور اس کے محاصل سے پرورش اور تعلیم نابالغ کا دیا اور منہوز زر مذکور وصول نہ ہوا اور اسی دستاویز میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر پسر مذکور مرجائے تو ہماری چاروں لڑکیوں میں سے جو اس وقت باقی ہوں اُن پر وہ روپیہ بحصہ مساوی تقسیم ہوگا پس ایسی دستاویز ہبہ نامہ سمجھی جائیگی یا وصیت نامہ اگر وصیت نامہ سمجھی جائے گی تو وارث کے مقابلے میں وصیت جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ دستاویز ہبہ نامہ سمجھی جائے گی تو ایسے ہبہ سے واہبہ کو عود اور رجوع کا اختیار حاصل ہے یا نہیں

جواب پہلے یہ امر بتا دینا ضروری ہے کہ ہبہ شرعی عین کے مالک کر دینے کو کہتے ہیں جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے ھی تملیك العین مجاناً کسی شخص کو کسی چیز کا بلا معاوضہ کے مالک کر دینا ہبہ ہے اور جیسا کہ درر میں ہے الھبۃ ھی تملیك العین بلاعوض ہبہ کسی شخص کو کسی چیز کا بلا معاوضہ مالک کر دینا ہے۔ جیسا کہ اس کو مولانا محمد عبدالحی نے حاشیۂ ہدایہ میں نقل کیا ہے اور عین غیر دین ہے بنا ء علیہ تملیک دین قیاساً باطل اور ناجائز ہوگی لیکن اگر واہب دین موہوب لہ کو دین موہوب کے قبضہ کرنے پر مسلط کر دے اور موہوب لہ اُس دین پر قبضہ کرلے تو اس نظر سے کہ قبضے کے بعد دین مذکور عین ہو جائیگا۔ اور تملیک عین متحقق ہو جائے گی تملیک مذکور استحساناً صحیح اور جائز ہوگی اور یہ ایسا تصور کیا جائے گا کہ گویا جب موہوب لہ نے دین مذکور پر قبضہ کر لیا اُس وقت واہبہ نے ہبہ کیا جیسا کہ درمختار میں ہے۔ واما تملیك الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقبضہ صحت لرجوعھا الی ھبۃ العین قرضدار کے علاوہ کسی اور کو اگر قرض کا مالک بنایا اور اسے حکم دیا کہ تم اس پر قبضہ کرلو تو یہ ہبہ صحیح ہے کیونکہ یہ ہبہ عین کی جانب راجع ہے۔ اور اسی قول کے تحت میں صاحب ردالمحتار نے لکھا ہے جواب عن سوال مقدر وھوان تقییدہ بالعین مخرج تملیك الدین من غیر من علیہ الدین مع انہ ھبۃ فیخرج عن التعریف فاجاب بانہ کان عینا مآلاً فالمراد بالعین فی التعریف ما کان عینا حالاً او مآلاً یہ قول ایک سوال مقدر کا جواب ہے وہ یہ کہ عین کی قید سے قرضدار کے سوا کسی اور کو قرض کے ہبہ کرنیکی صورت نکل جاتی ہے حالانکہ وہ ہبہ ہے پس یہ تعریف سے خارج ہوا جاتا ہے تو اسکا جواب دیا کہ یہ عین کی جانب راجع ہے اور تعریف میں عین سے وہ اشیا مراد ہیں جو خود عین ہوں یا عین کی جانب راجع ہوں

اور غایۃ الاوطار ترجمہ اُردو درمختار میں ہے کہ واما تملیک الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقبضہ صحت لرجوعہا الی ھبۃ العین یعنی مقروض کے سوا دوسرے کو دین ہبہ کرنا بشرطِ امر بالقبض صحیح ہے کیونکہ یہ ہبہ ہبۂ عین کی طرف راجع ہے اور دین کی تملیک تو غیر مدیون کو اگر صاحب دین نے اُسکو دین قبض کرنے کا امر کیا ہو تو ہبہ صحیح ہے بسبب راجع ہونے ہبۂ دین کے ہبہ عین کی طرف یہ جواب ہے اُس سوال مقدر کا کہ ہبہ کی تعریف تو تملیک عین میں داخل ہے تو چاہئیے کہ دین مذکور کی تملیک کو ہبہ نہ کہیے اس کا جواب شارح نے یوں دیا کہ جب صاحب دین نے اُسکو قبض دین کا امر کیا اور اُس نے دین پر قبضہ کیا اور دین عین ہوگیا تو تملیک عین متحقق ہوگئی اور جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب اصل سوال کا جواب لکھا جاتا ہے کہ ہبہ صورت مسئولہ میں باطل اور ناجائز ہے اور دستاویز مذکور ہبہ نامہ نہیں ہے کیونکہ ہبۂ مذکورہ تملیک دین ہے غیر مدیون کو اس لئے کہ ہندہ واہبہ نے زر قرضہ مندرجۂ دستاویز جو مدیون کے ذمے ہے اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کیا ہے اور ایسی ہبہ کے صحیح اور جائز ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ واہب موہوب لہ کو دین موہوبہ کے قبض کرنے پر صراحۃً مسلط کرے اور یہ صورت مسئولہ میں مفقود ہے پس ہبۂ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے چنانچہ درمختار کی ایک عبارت اوپر گذر چکی اور بھی اسی کتاب میں ہے تملیك الدین ممن لیس علیہ الدین باطل الا فی ثلث حوالۃ ووصیۃ واذا سلطہ ای لمملك غیر المدیون علی قبضہ ای الدین فیصح حینئذٍ قرضدار کے سوا کسی اور کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے مگر تین شرطوں سے (۱) مال اُس کے حوالے کردے (۲) وصیت کردے (۳) مالک قرضدار کے سوا کسی اور کو قرض پر قبضہ کرنیکا حکم دیدے تو ان صورتوں میں درست ہے۔ اور رد المحتار میں ہے (قولہ ولا یجوز من غیرہ) ای لا یجوز تملیك الدین من غیرہ من علیہ الدین الا اذا سلطا علیہ واستثنٰی فی الاشباہ من ذلك ثلث صور الاولی اذا سلطہ علی قبضہ فیکون وکیلا قابضًا للموکل ثم لنفسہ الثانیۃ الحوالۃ الثالثۃ الوصیۃ یعنی قرضدار کے سوا کسی اور کو قرض کا مالک بنانا صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ اُسکو قرض پر مسلط کردے اور اشباہ میں اس سے تین صورتوں کو مستثنی کیا ہے (۱) اُسے قبضہ کرنے پر مسلط کردے پس وہ موکل کا وکیل ہو کر پہلے اُسکے لئے مال پر قبضہ کریگا پھر اپنی ذات کے لئے (۲) حوالہ (۳) وصیت اور بھی درمختار میں ہے وینبہ مالو وھبت من ابنہما ما علی ابیہ فالمتعمد الصحۃ للتسلیط

یعنی ایسی صورت میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی اپنے لڑکے کو وہ مال ہبہ کرے جو اُسکے شوہر یعنی لڑکے کے باپ کے
ذمہ واجب الادا ہو پس اس میں معتبر مسلط کرنا ہے۔ اور رد المحتار میں ہے قوله للتسليط اى اذا سلطه
على القبض كما يشير اليه قوله و سنه الخ و فيه ايضاً فقول الشارح للتسليط اى التسليط صريحاً
لا حكماً كما فهمه السائحانى وغيره جب وہ عورت لڑکے کو قبضہ کرنے پر مسلط کر دے جیسا کہ
اُسکی جانب اُسکا قول ومنه الخ اشارہ کرتا ہے پس شارح کے قول للتسليط سے مراد تسلیط صریحی ہے
نہ حکمی جیسا کہ سائحانی وغیرہ نے سمجھا ہے اور بھی درمختار میں ہے فى الخانية وهبت المهر لابنها
الصغير الذى من هذا الزوج الصحيح انه لا تصح الهبة الا اذا سلطت ولدها على القبض
فيجوز و يصير ملكا للولد اھ قبض خانیہ میں ہے ایک عورت نے اپنا مہر اپنے چھوٹے لڑکے کو ہبہ
کر دیا اور یہ لڑکا اُسی شوہر سے تھا تو صحیح یہ ہے کہ یہ ہبہ صحیح نہیں ہے تاوقتیکہ اپنے لڑکے کو قبضہ پر مسلط نہ کر دے ایسی
صورت میں ہبہ جائز ہوگا اور مال لڑکے کی ملک ہوگا جبکہ وہ اُسپر قبضہ کرے۔ اور رد المحتار میں ہے
قال فى البحر عن المحيط لو وهب دينا له على رجل وامرأة ان يقبضه فقبضه جازت الهبة
استحسانا وان لم ياذن بالقبض لم يجز بحر میں محیط سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے اپنا ایک قرض جو کسی
پر تھا ہبہ کیا اور موہوب لہ کو حکم دیا کہ تم اسپر قبضہ کر لو پس اُس نے قبضہ کر لیا تو استحساناً ہبہ جائز ہے
اور اگر قبضہ کا حکم نہیں دیا تو یہ جائز نہیں ہے اور محیط میں ہے واما هبة ما على الناس فهو
هبة الدين من غير من عليه الدين وهبة الدين من غير من عليه الدين اذا سلطه
على القبض وقبض صحيحة استحسانا جو شے کسی کے ذمے واجب ہو سکا ہبہ دین کا ہبہ ہے قرضدار
کے سوا کسی اور کو اور یہ استحساناً صحیح ہے جبکہ اُسے قبضے پر مسلط کر دے اور وہ قبضہ کر بھی لے اور فصول
عمادیہ میں ہے ذكر فى الصغرى فى كتاب الهبة هبة الدين من عليه الدين لا يصح الا اذا وهبه
واذن له بالقبض فقبضه جاز و ذكر فى العدة وان لم يامر بالقبض لا يجوز والبنت لو وهبت
مهرها من ابيها ان امرته بالقبض جاز صغری کی کتاب ہبہ میں ہے کہ قرض کا قرضدار کو ہبہ کر دینا
صحیح نہیں ہے مگر جبکہ اُسے ہبہ کر دے اور قبضہ کرنے کا حکم دے اور وہ قبضہ کر لے اور عدۃ میں ہے
کہ اگر قبضے کا حکم نہ دے تو جائز نہیں ہے اور لڑکی اگر اپنا مہر باپ کو ہبہ کر دے اور قبضہ کا حکم دیدے
تو یہ ہبہ جائز ہے۔ اور فتاوی قاضی خان میں ہے امرأة لها مهر على زوجها وهبت المهر

لابنها الصغیر الذی هذا الزوج الصحیح انه لا یصح هذه الهبة لان هبة الدین من غیر من علیه الدین لا یجوز الا اذا وهبت وسلطت ولدها علی القبض فیجوز ویصیر ملکا للولد اذا قبض یعنی ایک عورت نے اپنا مہر جو شوہر پر واجب تھا اپنے لڑکے کو جو اسی شوہر سے تھا ہبہ کر دیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ ہبہ درست نہیں ہے کیونکہ قرضدار کے سوا دوسرے کو قرض کا ہبہ کرنا جو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اپنے لڑکے کو ہبہ کرے اور اُسے قبضے پر مسلط کر دے تو جائز ہے اور بعد قبضہ وہ مہر لڑکے کی ملک ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ واہبہ نے ایک شخص کو موہوب لہ یعنی نابالغ کا ولی اپنی جانب سے مقرر کر کے اُس ولی کو دین موہوبہ کے قبضہ کرنے پر صراحۃً مسلط کر دیا اور حکم دیا ہے اور ولی مذکور کو صراحۃً قبضہ کرنے پر مسلط کرنا اور حکم دینا عین موہوب لہ کو دین موہوب کے قبضہ کرنے پر مسلط کرنا ہے لہذا شرط صحت ہبہ و جواز ہبہ مذکورہ کہ واہبہ کا موہوب لہ کو دین موہوب کے ضبط و قبضہ کرنے پر مسلط کرنا ہے صورت مسئولہ میں متحقق ہوئی پس چاہیئے کہ ہبۂ مذکورہ صحیح اور جائز ہو تو جواب اسکا اولاً یہ ہے کہ واہبہ نے جس شخص کو جن امور میں نابالغ مذکور کا ولی مقرر کیا ہے اُن امور میں وہ خود ہی ولایت نہیں رکھتی ہے جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا تو اُن امور میں دوسرے کو اپنی جانب سے ولی کیونکر مقرر کر سکتی ہے اور ثانیاً واہبہ نے جس شخص کو ولی موہوب لہ یعنی نابالغ مذکور کا مقرر کیا ہے وہ شخص اُسکا ولی نہیں ہوسکتا دو وجہ سے ایک یہ کہ وہ شخص قوم ہنود سے ہے اور ہندو شخص مسلمان لڑکے کا ولی نہیں ہوسکتا ہے اسلئے کہ کافر کو مسلمانپر ولایت نہیں ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے ولا ولایة للکافر علی مسلم لقوله تعالی ولن یجعل الله الکافرین علی المؤمنین سبیلاً ولهذا لا تقبل شهادته ولا یتوارثان یعنی کافر مسلمان کا ولی نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے اللہ کافروں کو مؤمنوں پر کوئی راہ نہ دیگا اسلئے کافر کی شہادت مقبول نہیں ہے اور مسلم اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے اور یہی ہدایہ میں ہے لانه لا شهادة للکافر علی المسلم کیونکہ کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے اور مولانا الهداد رحمه اللہ اسی قول کے حاشیہ میں لکھتے ہیں اذ لا ولایة له علیه قال الله تعالی ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلاً کیونکہ کافروں کو مسلمانوں پر ولایت نہیں ہے اللہ تعالی نے فرمایا ہے اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دیگا۔ اور یہ بھی ہدایہ میں ہے

وبخلاف شہادۃ الذمی علی المسلم لانہ لا ولایۃ لہ بالاضافۃ الیہ یعنی بخلاف ذمی کی مسلمان کے خلاف شہادت کے کیونکہ مسلمان پر اُسکو ولایت نہیں ہے اور عالمگیری میں ہے ولا ولایۃ لصغیر ولا مجنون ولا کافر علی مسلم ومسلمۃ کذا فی الحاوی یعنی صغیر اور مجنون اور کافر مسلمان مرد یا عورت کے ولی نہیں ہو سکتے جیسا کہ حاوی میں ہے۔ اور قاضی خاں میں ہے کہ ولا ولایۃ للصبی والمجنون ولا المملوک ولا الکافر علی المسلم یعنی بچہ اور مجنون اور مملوک اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔ اور مستخلص شرح کنز میں ہے کہ لا ولایۃ لعبد وصغیر ومجنون وکافر علی مسلمۃ اما العبد فلانہ لا ولایۃ لہ علی نفسہ والولایۃ علی الغیر بناء علی الولایۃ لنفسہ وکذلک الصغیر والمجنون لعدم الولایۃ علی النفس اما الکافر فلقولہ تعالی ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا یعنی غلام اور بچہ اور مجنون اور کافر کو مسلمان مرد یا عورت پر ولایت نہیں ہے غلام کو تو اس وجہ سے کہ اُسے خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے اور دوسرے کا ولی ہونا اپنی ولایت کی فرع ہے اور یہی حال بچہ اور مجنون کا ہے کہ اُن کو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے اور کافر کو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دیگا۔ اور یہی شرح کنز میں مذکور ہے لا شہادۃ للکافر علی المسلم لقولہ تعالی ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا فاللہ تعالی نفی الولایۃ لھم عن المسلمین والشہادۃ من باب الولایۃ یعنی کافر کی شہادت مسلمان کے لئے معتبر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کافروں کو مسلمانوں پر راہ نہ دیگا پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اُنکی ولایت کی نفی کی اور شہادت بھی ولایت ہی کے قسام میں سے ہے اور رد المحتار میں ہے قولہ لعدم الولایۃ تعلیل للمفہوم یعنی ان الکافر لا یلی علی المسلمۃ وولدہ المسلم لقولہ تعالی ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا مصنف کا قول لعدم الولایۃ اُسکی علت ہے جو اس عبارت سے سمجھا جاتا ہے یعنی کافر مسلمان عورت اور اُسکے مسلمان لڑکے کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دیگا اور فتاوی عالمگیری میں ہے ولا یصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ کذا فی الھدایۃ من الاسلام والحریۃ والتکلیف کذا فی النہر الفائق یعنی جب شخص میں شرائط شہادت پائے جائیں اُسکا ولی قاضی نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہدایہ میں ہے

یعنی اسلام اور حزیہ اور مکلف ہونا بہنرالفائق میں ہے اور ہدایہ میں ہے لان حکم القضا یستقضیٔ من حکم الشہادۃ لان کل واحد منہما من باب الولایۃ فکل من کان اہل الشہادۃ یکون اہلاً للقضاء وما یشترط لاہلیۃ الشہادۃ یشترط لاہلیۃ القضاء کیونکہ قضا کا حکم شہادت کے حکم سے حاصل ہوتا ہے اسلئے کہ قضا اور شہادت دونوں ولایت سے ہیں پس جو شہادت کی اہلیت رکھتا ہے وہ قضا کی بھی اہلیت رکھتا ہے اور جو شرطین اہلیت شہادت کی ہیں وہی شرطین اہلیت قضا کی بھی ہیں اور درمختار میں ہے وشرطا اہلیتہا شرطا علیتہا فان کلا منہما من باب الولایۃ یعنے اہلیت شہادت کی شرطین اہلیت قضا کی شرطین ہیں کیونکہ یہ دونوں ولاین کے باب سے ہیں. اگر یہ سوال کیا جائے کہ گو ولایت اجبار بمعنے تنفیذ القول علی الغیر شاء اوابی دوسرے پر حکم کا نافذ کرنا خواہ وہ راضی ہو یا نہو. کافر کی مسلمان پر نہیں لیکن صورت مسئولہ میں واہبہ نے جس شخص کو ولی مقرر کیا ہے اُسکو ولی بمعنے سربراہ کار مقرر کیا ہے نہ ولی بمعنے مذکور پس ولی بمعنی مذکور میں اسلام کی شرط ہونیسے لازم نہیں آتا کہ ولی بمعنے سربراہ کار میں بھی اسلام شرط ہو تو اُسکا جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں واہبہ نے جس شخص کو ولی مقرر کیا ہے اُسپر تعریف ولی بولایت اجبار کی صادق ہے کیونکہ واہبہ نے جو اختیارات شخص مذکور کو نابالغ مذکور کی نسبت دیے ہیں وصول کرنا زرقرضہ مندرجۂ دستاویز کا مدیون سے اور اُس میں تصرف کرنا اور اُس کے محاصل سے پرورش اور تعلیم نابالغ کی کرنا وہ سب اختیارات شخص مذکور کے واہبہ کے اختیارات دینے سے نابالغ مذکور کے حق میں نافذ ہونگے خواہ نابالغ مذکور منظور کرے یا نہ کرے اور تنفیذ القول علے الغیر شاء اوابی کے یہی معنی ہیں پس تعریف ولی بولایت اجبار کی شخص مذکور پر بے شبہ صادق ہو اب چاہے اُسکا نام سربراہ کار رکھو یا اور کچھ نام بدل دینے سے حکم نہیں بدل جاتا اور جب تعریف ولی مذکور کی شخص مذکور پر صادق آئی تو اُس میں اسلام کا پایا جانا بھی شرط ہوا اور جب اسلام اس میں مفقود ہے تو نابالغ مذکور کا ولی نہیں ہوسکتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ واہبہ نے شخص مذکور کو ولی فی المال ہی قرار دیا ہے اسلیے کہ زرقرضہ مندرجۂ دستاویز مدیون سے وصول کرکے اُس میں تصرف کرنے اور اُسکے محاصل سے پرورش نابالغ کی کرنیکا بھی اُسکو اختیار دیا ہے

اور مال میں چھ ہی شخص ولی ہو سکتے ہیں ان کے سوا اور کسی کو مال میں ولایت نہیں ہو سکتی (۱) باپ (۲) اُسکا وصی (۳) دادا (۴) اُسکا وصی (۵) قاضی (۶) اُسکا نائب۔ اور شخص مذکور ان چھ میں سے نہیں ہے پس شخص مذکور نابالغ مذکور کا ولی نہیں ہو سکتا اور اسی سے معلوم ہوا کہ واہبہ بھی جو نابالغ مذکور کی ماں ہے مال میں ولی نہیں ہو سکتی درمختار میں ہے الولی فی النکاح لا المال العصبة بنفسه عصبہ بنفسہ نکاح میں ولی ہونہ مال میں اور ردالمحتار میں ہے فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ فقط کیونکہ مال میں ولی باپ ہے یا جسے باپ وصیت کرے اور دادا ہے یا جسے دادا وصیت کرے اور قاضی ہے یا قاضی کا نائب اور فصول عمادیہ میں ہے ذکر فی باب المصراة من بیوع الطحاوی والولایة فی مال الصغیر الی الاب ثم الی وصیہ ثم الی وصی وصیہ فان مات الاب ولم یوص الی احد فالولایة الی اب الاب ثم الی وصیہ ثم الی وصی وصیہ فان لم یوص فالقاضی ومن ینصبه القاضی وفیہ ایضا لیس لغیر الاب والجد ووصیہما ولایة التصرف فی مال الصغیر فیہ ایضا وللاب والجد ووصیہما اجارة عبد الصغیر وسائر املاکہ واموالہ اما غیر ہولاء من الصغیر فی حجرہ لا یملك اجارة مال الصغیر لانہ لیس لغیر ہولاء ولایة التصرف فی مال الصغیر وفیہ ایضا وذکر فی ماذون شرح الطحاوی یجوز اذن الاب والجد ووصیہما واذن القاضی ووصیہ للصغیر فی التجارة وعبد الصغیر ولا یجوز اذن الام للصغیر واخیہ وامہ لان ہولاء لیس لہم ولایة التصرف فی مالہ فلا یکون لہم ولایة الاذن یعنے شرح طحاوی کی کتاب البیوع کے باب مصراة میں ہے کہ بچے کے مال کا ولی باپ ہے پھر جسے وہ وصیت کرے پھر جسے وہ وصیت کرے پس اگر باپ مرا اور اُس نے کسی کو وصیت نہ کی تو دادا ولی ہے پھر جسے وہ وصیت کرے پھر جسے وہ وصیت کرے اور اگر دادا نے بھی کسی کو وصیت نہ کی ہو تو قاضی ولی ہے یا جسے قاضی مقرر کر دے اور بھی اسی کتاب میں ہے بچے کے مال میں باپ اور دادا یا جنکو انھوں نے وصیت کی ہو ان کے سوا کسی کو ولایت تصرف نہیں ہے اور بھی اسی کتاب میں ہے باپ اور دادا یا جسے اُنھوں نے وصیت کی ہو اُسے بچے کے غلام اور اُس کے تمام املاک واموال کو اُجرت پر دینا درست ہے اور اُس کے علاوہ اور اُن لوگوں کو جنکی نگرانی میں بچہ ہو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کے سوا اور کسی کو بچے کے مال میں ولایت تصرف نہیں ہے اور بھی اسی کتاب میں یعنی شرح طحاوی کے باب اذون میں ہے

کہ بچے کے باپ دادا اور جنکو اُنھوں نے وصیت کی ہو قاضی اور اُسکے نائب کی اجازت بچے کے لیے تجارت میں یا غلام کو اجازت دینا درست ہے اور لڑکے کی ماں اور اُس کے بھائی اور اُس کے بھائی کی ماں کی اجازت جائز نہیں ہے کیونکہ ان سب کو بچے کے مال میں ولایت تصرف نہیں ہے پس ولایت اذن بھی نہوگی۔ اور ثالثاً یہ کہ واہبہ کا ولی مذکور کو تسلیط صریحی کرنا موہوب لہ کی نسبت تسلیط صریحی ہونا ممنوع اور غیر مسلم ہے غایۃ الامر یہ ہے کہ تسلیط مذکور موہوب لہ کی نسبت تسلیط حکمی ہوگی اور تسلیط حکمی اس باب میں کافی نہیں تسلیط صریحی درکار ہے جیسا کہ عبارت مرقومۃ الصدر سے معلوم ہوا اور تسلیط صریحی یہان مفقود ہے پس شرط صحت و جواز ہبۂ مذکورہ صورت مسئولہ میں مفقود ہے پس ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے اگر یہ کہا جائے کہ صورت مسئولہ میں واہبہ کہ موہوب لہ کی ماں ہے اگرچہ ولی فی المال نہیں ہوسکتی لیکن جبکہ موہوب لہ نابالغ ہو اور ماں کی عیال میں ہو اور باپ یا دادا یا اُنکے وصی میں سے کوئی موجود نہو تو ماں ایسی صورت میں درباب قبضۂ ہبہ کے ولی ہوسکتی ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے والوصی کالاب والام کذلک لو کان الصبی فی عیالها ان وهبت له او وهب له تملک الام القبض وهذا اذا لم یکن للصبی اب ولا جد ولا وصیهما وصی مثل باپ کے ہے اسیطرح ماں جبکہ بچہ اُسکی عیال داری میں ہو اگر ماں اُسے کچھ ہبہ کرے یا کسی اور نے اُسے کچھ ہبہ کیا ہو تو ماں اُسپر قابض ہوسکتی ہے بشرطیکہ بچہ کا باپ یا دادا یا اُن کے وصی موجود نہوں۔ اور یہان بھی یہی صورت واقع ہے کہ موہوب لہ نابالغ اور ماں کے عیال میں ہے اور باپ اور دادا اور اُن کے وصیوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے پس ماں اور باپ قبضۂ ہبہ کے ولی ہونگے اور ایسے ولی کا ہبہ نابالغ کو بمجرد عقد ہبہ کے تام اور کامل ہوجاتا ہے پس ہبۂ مذکور بھی تام اور کامل ہوگا اور شرط مذکور کی حاجت نہوگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ ولی کا ہبہ نابالغ کو اُس صورت میں تام اور کامل ہوتا ہے جبکہ شے موہوب واہب یا امین واہب کے قبضے میں ہو اور صورت مسئولہ میں یہ شرط مفقود ہے اسلیے کہ دین موہوب واہب کے قبضے میں ہے نہ اُسکے امین کے قبضے میں بلکہ اُس کے مدیون کے ذمے ہے جو اُس کے امین نہیں ہیں پس اس صورت میں ماں کی ولایت کافی نہیں ہوئی اور شرط مذکور کی حاجت باقی رہی اور ہبۂ مذکورہ باطل اور ناجائز رہی درمختار میں ہے (وهبة من له الولایة علی الطفل) بالعقد لو کان الموهوب معلوما وکان فی یده او ید مودعه لان قبض الولی ینوب عنه یعنی بچے کے ولی کا

ہبہ محض عقد سے درست ہو جائیگا اگر موہوب معلوم ہوا اور خود بچہ کے یا دینے والے کے قبضے میں ہو کیونکہ ولی کا قبضہ بچے کے قبضے کے قائم مقام ہے۔ اور ہدایہ میں ہے واذا وھب الاب لابنہ الصغیر ھبۃ ملکھا الابن بالعقد لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبض الھبۃ ولا فرق بین ما اذا کان فی یدہ او فی ید مودعہ لان یدہ کیدہ بخلاف ما اذا کان مرھونا او مغصوبا او مبیعا بیعا فاسدا لانہ فی ید غیرہ او فی ملک غیرہ وکذا اذا وھبت لہ امہ وھو فی عیالھا والاب میت ولا وصی لہ وکذلک کل من یعولہ یعنی جب باپ اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کرے تو یہ ہبہ محض عقد سے منعقد ہو گا کیونکہ مال موہوب باپ کے قبضے میں ہے اور قبضہ قائم مقام قبض ہبہ کے ہے اور مال کے خود لڑکے کے قبضے میں ہونے اور ہبہ کرنے والے کے قبضے میں ہوتے میں کچھ فرق نہیں ہے کیونکہ ولی کا قبضہ مثل بچے کے قبضے کے ہے برخلاف اسکے کہ مال مرہون یا مغصوب یا مبیع بیع فاسد ہو کیونکہ ایسی صورتوں میں مال دوسرے کے قبضے میں ہے اور اسیطرح جب ماں بچے کو ہبہ کرے اور بچہ ماں کی عیالداری میں ہو اور باپ مرگیا ہوا اور اسکا کوئی وصی نہ ہو اور اسیطرح ہر وہ شخص جو بچہ کی عیالداری کرے الحاصل جب صورت مسئولہ مین ہبۂ مذکور ہبہ دین کا غیر مدیون کو ہے اور ایسی ہبہ کے صحیح اور جائز ہونے کے لیے واہب کا موہوب لہ کو دین موہوب کے قبضہ کرنے کا صراحۃً حکم دینا شرط ہے اور یہ شرط ما نحن فیہ مین مفقود ہے اور ولی مذکور کی ولایت متصور نہین اور نہ تولیت واہبہ کی صحیح اور نہ خود واہبہ کی ولایت قبض ہبہ میں کافی ہے جیسا کہ یہ سب امور وجوہ مذکورۂ بالا سے معلوم ہوے تو یہ شبہ ہبۂ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے اور جب ہبۂ مذکورہ خود ہی باطل اور ناجائز ہے تو اُسکے رجوع اور عود کی حاجت نہیں اور اگر بالفرض ہبۂ مذکور صحیح اور جائز بھی ہو تو بھی اس ہبہ سے بدینوجہ کہ ہنوز قبضہ دین موہوب پر نہیں ہوا ہے واہبہ کو رجوع اور عود کا اختیار حاصل ہے اور وہ بدون حکم حاکم اور رضامندی یکدیگر کے رجوع اور عود کر سکتی ہے اسلیے کہ ایسی ہبہ میں بلکہ عام ہبہ مین جبتک موہوب لہ شئے موہوب پر قبضہ نہ کرے شئے موہوب نہ اُسکی ملک ہوتی ہے اور نہ ہبہ لازم اور مستحکم ہوتا ہے اور جبتک ہبہ لازم اور مستحکم نہو واہب کو اُس سے رجوع اور عود کا اختیار بدون حکم حاکم اور رضامندی یکدیگر کے حاصل رہتا ہے گو ہبۂ دین ذی رحم محرم بلکہ ہبۂ دین غیر مدیون واہب کو یہ بھی اختیار حاصل رہتا ہے کہ

موہوب لہ کو دین موہوب پر قبضہ کرنے سے منع کردے قاضی خان میں ہے ویصیر ملکا للولد
اذا قبض یعنی قبضہ کرلینے کے بعد مال بچے کی ملک ہوجائے گا۔ اور ایسا ہی ردالمحتار میں خانیہ سے
منقول ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ اور فصول عادیہ میں ہے وفی بعض کتب الفقہ الموثوق
علیہ ھبۃ الدین من غیر من علیہ الدین لا یجوز الا اذا سلطہ علی قبضہ ویصیر کانہ وھبہ
حین قبضہ ولا ینعکم الا بالقبض یعنی فقہ کی بعض قابل وثوق کتابوں میں ہے کہ قرضدار کے
سوا کسی اور کو ہبہ کردینا درست نہیں مگر یہ کہ موہوب لہ کو قبضہ کرنے پر مسلط کردے کہ گویا اس نے
قبضہ کے وقت اسکو ہبہ کیا ہے اور یہ ہبہ بدون قبضے کے مستحکم نہیں ہوتا۔ اور ردالمحتار میں ہے
قال بعض الفضلاء ولھذا لا یلزم الا اذا قبض ولہ الرجوع قبلہ فلہ منعہ حیث کان بحکم النیابۃ
عن القبض الخ وفیہ ایضاً قال فی الاشباہ صحت ویکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسہ ومقتضاہ
عزلہ عن التسلیط قبل القبض یعنی بعض فضلاء نے کہا ہے کہ اسی لیے ہبہ اس وقت تک لازم نہیں ہوتا
جبتک کہ موہوب لہ اسپر قبضہ نہ کرے اور واہب کو قبل قبضہ رجوع کا حق حاصل ہے تو اسکو
اسکے منع کردینے کا بھی حق ہے کیونکہ اس نے موہوب لہ کو قبضہ کرنے پر اپنا نائب بنایا تھا اور
اسی کتاب میں ہے کہ اشباہ میں ہے ہبہ صحیح ہوگا اور موہوب لہ مال پر موکل کے لئے پھر اپنے لئے
قبضہ کریگا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واہب قبضے کے قبل اسے تسلیط سے معزول کرسکتا ہے
اور محیط میں ہے۔ الھبۃ انواع ھبۃ لاجنبی وھبۃ لذی رحم محرم وھبۃ لذی رحم لیس بمحرم
وھبۃ لمحرم لیس بذی رحم وفی جمیع ذلک للواھب حق الرجوع قبل التسلیم بالرجوع قبل التسلیم
عن تمام القبض یعنی ہبہ کی بہت سی قسمیں ہیں اجنبی کو ہبہ کرنا ذو رحم محرم کو ہبہ کرنا ذو رحم غیر محرم
کو ہبہ کرنا محرم غیر ذی رحم کو ہبہ کرنا ان سب صورتوں میں ہبہ کرنے والے کو مال سپرد کرنے سے
پہلے ہبہ سے رجوع کرنے کا حق ہے کیونکہ رجوع قبل تسلیم سے قبضہ پورا نہیں ہونے پایا ہے
اور قاضی خان میں ہے والصدقۃ اذا تمت بالقبض لا یرجع فیھا کانت للقریب او للاجنبی
وللواھب ان یرجع فی ھبتہ قبل ان یقبضہ الموھوب لہ کان الموھوب لہ حاضرا وغائبا
اذن لہ فی قبضھا ولم یاذن بتفرد الواھب فی الرجوع قبل القبض وبعد القبض لا یرجع
الا بقضاء او رضاء یعنی جب قبضہ کی بدولت صدقہ تمام ہوجائے تو رجوع کا حق نہیں ہے صدقہ

اجنبی کو دیا گیا ہو یا قریب کو البتہ موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے واہب کو رجوع کا حق ہے
موہوب لہ موجود ہو یا نہ ہو قبضہ کرنے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اکیلا واہب قبل قبضہ
رجوع کرسکتا ہے اور بعد قبضہ کے بجز قضائے قاضی اور رضائے موہوب لہ رجوع کا حق نہیں ہے
اور سائل کا یہ قول کہ واہب نے ہبہ کرکے اپنا قبضہ اور مالکانہ استحقاق اُس جائداد سے اُٹھالیا
قبضہ ہبہ کے لئے کچھ مفید نہیں بلکہ یہ قول بے معنے ہے اسواسطے کہ مراد سائل کی اُس جائداد سے
کیاہے اگر زرقرضہ مندرجۂ دستاویز ذگی مدیونان ہے تو وہ ہنوز واہبہ کے قبضے میں نہیں کہ
ہبہ کرکے اُس سے اپنا قبضہ اُٹھالیتی اور اگر اس سے جائداد مستغرق مراد ہے تو وہ موہوب نہیں اور
نہ واہبہ کی ملک ہے کہ اُسکو ہبہ کرسکتی اور نہ اپنا مالکانہ استحقاق اُسپر رکھتی ہے جسکو اُٹھالیتی پس
یہ قول بے معنی اور لغو ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ جس دستاویز مین زرقرضہ مندرج ہے یعنے جسکو مدیون نے
لکھکر دائنہ کو دیا ہے وہ دستاویز یا تو خود دائنہ کے قبضے میں ہوگی یا دائنہ نے موہوب لہ کے یا اُسکے
ولی کے قبضے میں دیدی ہوگی اور ان سب صورتوں مین قبضۂ ہبہ متحقق ہوتا ہے اسلئے کہ اگر خود دائنہ
کے قبضے مین ہوگی تو اس واسطے کہ دائنہ درباب قبضۂ ہبہ نابالغ کی ولایت رکھتی ہے جیساکہ اوپر
گذرچکا اور ولی کا قبضہ بجائے قبضۂ موہوب لہ کے ہے جیساکہ یہ ابھی معلوم ہوا پس قبضۂ ہبہ متحقق
ہوا اور اگر اُسکو موہوب لہ کے قبضے میں دیدیا ہے تو اس صورت میں تحقق قبضۂ ہبہ ظاہر ہے
اور اگر اُسکو ولی کے قبضے میں دیدیا ہے تو اسواسطے کہ امین واہبہ کا قبضہ بجائے واہبہ کے
قبضے کے ہے اور واہبہ کا قبضہ بجائے موہوب لہ کے قبضے کے ہے جیساکہ اوپر معلوم ہوا اب
ان سب صورتوں میں قبضۂ ہبہ متحقق ہوا اور جب قبضۂ ہبہ متحقق ہوگیا تو اب ہبۂ مذکورہ
تام اور کامل ہوگیا اور اُس سے رجوع اور عود ناجائز ہوگا اور اگر جائز بھی ہو تو بدون حکم
حاکم یا رضامندی یکدیگر کے ناجائز ہوگا تو اُسکا جواب یہ ہے کہ کسی صورت میں صور مذکورہ سے
قبضۂ ہبہ متحقق نہیں ہوتا اس لئے کہ دستاویز مذکور موہوب نہیں ہے کہ اُسکا قبضہ قبضۂ ہبہ ٹھہرے
بلکہ موہوب زرقرضۂ مندرجۂ دستاویز ہے جو ذگی مدیونان ہے اور زرقرضۂ مذکورہ نہ واہبہ کے
قبضے میں ہے نہ موہوب لہ کے قبضے مین اور نہ اُس شخص کے قبضے مین جسکو واہبہ نے ولی اُسکا مقرر کیا ہے
بلکہ اگر زید مذکور پر بھی شخص مذکور کا قبضہ ہوگیا ہوتا تو جب بھی قبضۂ ہبہ کے لیے کافی نہوتا کیونکہ

شخص مذکور موہوب لہ کا ولی نہیں جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا اور اگر مجرد دستاویز مذکور کا قبضہ واہبہ
میں ہونا یا موہوب لہ کا اُسپر قبضہ کرا دینا قبضہ زرمندرجہ دستاویز کے لئے کفایت کرتا تو جس وقت
مدیون نے دستاویز مذکور لکھکر دائنہ کو دیدی تھی اور اُس پر اُسکا قبضہ کرا دیا تھا تو یہی دستاویز
مذکور کا دائنہ کو دیدینا اور اُسپر اُسکا قبضہ کرا دینا ادائے زرقرضہ دائنہ مندرجہ دستاویز کے
لئے کفایت کرجاتا اور یہی ادائے زرقرضہ دائنہ سمجھا جاتا اور پھر مطالبہ ادائے زرقرضہ مذکور
کا اُن سے ساقط ہوجاتا وہو کما تری اور جب ثابت ہوا کہ کسی صورت میں صور مذکور سے قبضہ ہبہ
متحقق نہیں ہے تو ہبہ مذکور ناتمام اور نامکمل رہا پس واہبہ کو رجوع اور عود کا اختیار ہبہ مذکورہ
سے بلا حکم حاکم اور رضامندی یکدیگر کے باقی رہا اگر یہ کہا جاے کہ گو دستاویز مذکور پر موہوب لہ
یا اُسکے ولی کا قبضہ کرا دینا قبضہ ہبہ کے لئے مفید نہیں ہو لیکن حصول شرط صحت وجواز ہبہ
مذکورہ کے لئے تو ضرور مفید ہوگا پس ہبہ مذکورہ صحیح اور جائز ہوگا تو اُسکا جواب یہ ہے کہ شرط صحت
وجواز ہبہ مذکورہ تسلیط صریحی ہے نہ حکمی اور دستاویز مذکور پر قبضہ کرا دینے سے اگر تسلیط متحقق بھی ہو
تو تسلیط حکمی متحقق ہوگی نہ تسلیط صریحی اور تسلیط حکمی کافی نہیں اور با این ہمہ تسلیط مانع رجوع نہیں
جیسا کہ اوپر مفصلاً گذرا بلکہ ایسے ہبہ سے کہ واہبہ نے اُس میں بے انصافی کی ہو کہ صرف بیٹے کو
ہبہ کیا اور بیٹیاں بھی موجود ہیں اُن کو محروم کیا رجوع کرلینا اولی اور بہتر ہے چنانچہ صحیحین اور دیگر
صحاح میں نعمان بن بشیر سے روایت ہو کہ اُن کے باپ نے اُنکو ایک غلام ہبہ کیا تھا اور اپنی اور اولاد
کو محروم کیا تھا تب اُن کی ماں نے اُن کے باپ سے کہا کہ میں راضی نہونگی جب تک تم حضور سرور عالم
صلے اللہ علیہ وسلم کو گواہ نکرو پس اُن کے باپ اُنکو لیکر حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی خدمت
میں حاضر ہوے اور کہا کہ میں نے اپنے اس لڑکے کو ایک غلام ہبہ کیا تھا اُسکی ماں نے مجھ سے کہا کہ تم اس
امر پر حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کو گواہ کرو آپنے پوچھا کیا تم نے اسیطرح اپنی اور اولاد کو بھی
ہبہ کیا ہے کہا نہیں آپنے فرمایا کیا تجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تیری سب اولاد تیرے ساتھ بھلائی کرنے
میں برابر ہون کہا کیون نہیں فرمایا تو ایسا نہ کرو اور غلام پھیر لو اور مجھے گواہ نہ کرو کیونکہ میں ظلم پر
گواہ نہیں بنتا ہون اور فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو پس اُن کے باپ نے
اُس ہبہ سے رجوع کیا یعنے غلام پھیر لیا۔ مشکوٰۃ میں نعمان بن بشیر سے روایت کی ہو ان اباہ اتی

بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاما فقال اکل ولدك نحلت مثلہ قال لا قال فارجعہ وفی روایۃ انہ قال الا یسرك ان یکونوا الیك فی البر سواء قال بلی قال فلا اذا وفی روایۃ انہ قال اعطانی ابی عطیۃ فقالت عمرۃ بنت رواحۃ لا ارضی حتی تشھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی اعطیت ابنی من عمرۃ بنت رواحۃ عطیۃ فامرتنی ان اشھدك یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطیت سائر ولدك مثل ھذا قال لا قال فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم قال فرجع فرد عطیتہ وفی روایۃ انہ قال لا اشھد علی جور متفق علیہ نعمان کو اُن کے باپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور کہا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایک ایک غلام دیا ہے اُنھوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا تم اس ہبہ سے رجوع کر لو اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم اس امر سے خوش ہو گے کہ تمھارے سب بیٹوں کے ساتھ تمھاری بھلائی برابر ہو۔ اُنھوں نے کہا بیشک خوش ہونگا پھر آپ نے فرمایا پس یہ ہبہ ٹھیک نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے میرے باپ نے کچھ عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ (بشیر کی ماں) نے کہا کہ بیشک میں اسکو پسند نہ کرونگی تاوقتیکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ اسکی شہادت نہ دیں پس میرے والد نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے اپنے لڑکے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے کچھ عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو شاہد بناؤں آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنے سب لڑکوں کو اسکے مثل عطیہ دیا ہے اُنھوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو پس میرے باپ لوٹ آئے اور اپنے عطیہ کو واپس لے لیا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم کا شاہد نہ ہونگا یہ حدیث بخاری اور مسلم میں ہے اور دستاویز مذکور وصیت نامہ بھی نہیں ہے اس لئے کہ وصیت اُس تملیک کو کہتے ہیں جو مضاف بما بعد موت ہو تنویر الابصار میں ہے ھی تملیك مضاف الی ما بعد الموت وصیت نامہ وہ تملیک ہے جسکی نسبت موت کے بعد کی جانب ہو۔ اور تملیک مذکور دستاویز میں مضاف بما بعد موت نہیں ہے۔ پس دستاویز مذکور وصیت نامہ نہیں ہے اور وصیت وارث کے لئے ناجائز ہے ہدایہ میں ہے لا تجوز لوارث لقولہ علیہ السلام

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث وصیت اپنے وارث کے لئے جائز نہیں کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اسکا حق دیدیا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ وارث کے لئے وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ اصل سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہبۂ مذکور شرط صحت کے فوت ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور دستاویز مذکور ہبہ نامہ نہیں ہے اور بفرض صحت و جواز عدم قبضہ اور عدم لزوم و استحکام کی وجہ سے واہبہ کو بلا حکم حاکم و رضامندی یکدیگر رجوع اور عود کا اختیار حاصل ہے اور وقوع بے انصافی کی وجہ سے رجوع ہی اولیٰ ہے اور دستاویز مذکور وصیت نامہ بھی نہیں ہے اور وارث کے لیے وصیت نامہ ناجائز ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد عبد اللہ عفی عنہ۔ فی الواقع صورت مسئولہ میں ہبہ غیر نافذ ہے اور واہبہ کو رجوع کا اختیار ہے بلکہ رجوع بہتر ہے اور مسلمانوں کا ولی کافر نہیں ہو سکتا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال اگر مریض اپنے شدید مرض میں ہبہ سادہ کرے اور پھر اسکو مرض سے افاقہ ہو جاوے ایسا کہ زندہ بچنے کا غالب گمان ہو اور خطرہ ہلاکت کا نہ رہے اور دو سال ندرا بعد اُس مرض اول سے بحدوث مرض جدید مر جاوے۔ تو وہ واہب مریض بمرض الموت متصور ہوگا یا نہیں۔ اور قدرے بقائے مرض سابق سے باوجود عدم خوف ہلاک خلل ہبہ میں ہوگا یا نہیں بینوا دتو جروا۔ جواب موت قبل گذرنے ایک سال کے امراض ممتدہ میں مطلقاً مانع نفاذ ہبہ وغیرہ جمیع مال سے نہیں ہے بلکہ جب خوف ہلاکت ہو ورنہ نہیں پس صورت مذکور میں واہب مریض بمرض الموت متصور نہوگا اور بقائے مرض سابق سے اور اسکی موت سے اندر ایک سال کے بحدوث مرض آخر باوجود عدم ظن غالب کے مرض سابق سے ہبہ میں خلل نہوگا وقایہ اور اسکی شرح مصنفہ فصیح الدین ہروی میں ہے وہبۃ مقعد ومفلوج واشل ومسلول یجوز من کل مالہ کھبۃ الصحیح ان طالت مدتہ الی مدۃ کل واحد من ھذہ الامراض وقدروہ بسنۃ کما فی الھدایۃ وغیرھا فانہ اذا طالت المدۃ صار بمنزلۃ طبع من طبائعہ ولم یخف موتہ منہ غالبًا بان لا یحسن ازدیادہ شیئًا فشیئًا کالصحیح فکان صاحبہ فی التصرف بمنزلۃ الصحیح وکالا ای وان لم تطل مدتہ وکان بحیث یزداد حالًا فحالًا ویخاف فیہ الھلاک غالبًا فمن ثلثہ انتہی جیسے فالج ہو اور جس کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے ہوں اور جسے سل ہو

اُسکا ھبہ کرنا کل مال سے درست ہے جیسے کہ تندرست آدمی کا ھبہ کرنا بشرطیکہ ان امراض میں
سے ہرایک کی جو مدت ہے اتنا ہی مرض طول کھینچ گیا ہو اُسکی مقدار ایک برس بیان کیجاتی ہے
جیساکہ ہدایہ وغیرہ میں ہے کیونکہ جب مرض مدت دراز تک رہے تو گویا وہ امور طبعی میں
سے ہوگیا کہ اُس سے موت کا خوف نہیں رہا اگر مرض میں زیادتی محسوس نہو مثلاً اندھاپن تو
اندھے کا اپنے مال میں تصرف ویسا ہی درست ہے جیسا تندرست آدمی کا ورنہ اگر مدت طویل
نہو اور مرض وقتاً فوقتاً بڑھتا رہے اور غالب گمان ہلاکت کا ہو تو تصرف ثلث مال میں نافذ
ہوگا۔ اور برجندی کی شرح مختصر وقایہ میں ہے مرض الموت مایکون سببًا للموت وذلك
اذاكان يزداد حالا فحالا الى ان يكون آخره الموت فاذا استحكم ولا يزداد دبعدٗ
لم يكن سببا للموت وصار صاحبه فى التصرف بمنزلة الصحيح مرض موت وہ ہے جو موت کا
سبب ہو اور یہ جب ہی ہوگا جب مرض وقتاً فوقتاً بڑھتا رہے حتیٰ کہ آخر میں مرجائے تو اگر مرض مستحکم
ہو کہ پھر زائد نہو تو وہ سبب موت نہوگا اور ایسا مریض تصرف کرنے میں مثل تندرست آدمی کے
ہوگا اور منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے وهبة مقعد ومفلوج واشل ومسلول
من كل ماله ان طالت مدته سنة ولم يخف موته منه والا اى وان لم تطل المدةٗ
خيف موته منه فمن ثلثه جسے فالج یا سل ہو یا جسکے ہاتھ پاؤں شل ہوں اُسکے کل مال
کا ھبہ درست ہے اگر مدت مرض ایک برس تک بڑھ جائے اور اُس مرض میں مرنے کا خوف نرہے
اور اگر مدت طویل نہو اور مرض سے موت کا اندیشہ ہو تو تصرف ثلث مال میں نافذ ہوگا۔ اور
عینی رمز الحقائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں والا نمن ثلثه اى ان لم يتطاول عليه ذلك بحيث
قد خاف منه يكون كالمريض لانه حينئذ يكون سببًا للموت غالبًا ورنہ ثلث مال سے یعنے
اگر مدت طویل نہو اس طرح کہ مرض کی زیادتی کا اندیشہ ہو تو ایسا شخص مثل مریض کے ہوگا کیونکہ
ایسی حالت میں یہ مرض غالبًا سبب موت واقع ہوگا۔ اور زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق
میں لکھتے ہیں اى اذا لم يتطاول يعتبر تصرفه من الثلث اذا كان صاحب فراش ومات منه
فى ايامه لانه فى ابتدائه يخاف منه الموت ولهذا يتداوى فيكون مرض الموت یعنے اگر مدت
طویل نہو تو تصرف کا اعتبار ثلث سے ہوگا جبکہ مریض صاحب فراش ہو اور زمانہ مرض ہی میں

اُسی مرض کی بدولت مرا ہو کیونکہ ابتدا ہیں خوف موت کی وجہ ہی سے علاج کیا جاتا ہے ایسی صورت میں یہ مرض مرض موت ہوگا۔ اور شمنی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں وکلا ای وان لم تطل مدتہ وخیف موتہ منہا ومات نمن ثلثہ لانہا فی ابتدائہا یخاف منہا الموت و لہذا یتداوی منہا فتکون مرض الموت ورنہ یعنے اگر مدت طویل نہوا ور اُس مرض سے موت کا خوف ہو اور مر بھی جاے تو تصرف ثلث میں نافذ ہوگا کیونکہ ابتدا ے مرض میں موت کا خوف ہوتا ہے اسی لیے دوا کیجاتی ہے لہذا ایسا مرض مرض الموت ہوگا۔ ان سب عبارتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ صرف سال کے اندر مرجانے سے ہبہ ساقط نہو گا مگر جبکہ خوف ہلاک غالب ہو اور موت مرض سابق سے واقع ہو واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی عفی عنہ سوال ایک شخص کے لیے بادشاہ کی طرف سے معاش مشروطی مقرر ہے اور لا ولد ہونے کی وجہ سے وہ صاحب معاش چاہتا ہے کہ معاش مذکور اپنے داماد کے نام ہبہ یا رہن کرے یا اُسکو بخشدے اور صاحب معاش کے حقیقی و چچازاد قریبی یا دور کے بھائی چاہتے ہیں کہ وہ معاش ہم میں سے کسیکو ملے پس معلوم ہونا چاہیے کہ صاحب معاش اُس معاش مشروط کو اپنے داماد کے نام ہبہ یا بیع یا رہن یا بخشش وغیرہ کر سکتا ہے یا نہیں بلکہ اُس میں صرف بادشاہ ہی کو اختیار حاصل ہے اور اس میں برادران مذکور الصدر احق ہیں یا داماد۔ جواب معاش مشروط کہ جو حقوق مجردہ سے ہے بیع یا ہبہ یا رہن وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ بادشاہ کو اختیار ہے کو جس مستحق کے نام چاہے جاری کردے اشباہ ونظائر میں ہے فی صلح البزازیۃ رجل لہ عطاء فی الدیوان مات عن ابنین فاصطلحا علی ان یکتب فی الدیوان اسم احدہما ویاخذ العطاء والاٰخر لا شئ لہ من العطاء ویبذل لمن کان العطاء لہ مالا معلومًا فالصلح باطل ویرد بدل الصلح والعطاء الذی جعل الامام عطاء لہ لان الاستحقاق للعطاء باثبات الامام لا دخل فیہ لرضاء الغیر وجعلہ غیر ان السلطان ان منع المستحق فقد ظلم مرتبین فی قضیۃ حرمان المستحق واثبات غیر المستحق مقامہ انتہٰی وفیہ ایضًا الحقوق المجردۃ لا یصح الاعتیاض عنہا کحق الشفعۃ فلو صالح عنہ بمال بطلت ورجع بہ وعلی ہذا لا یجوز الاعتیاض عن الوظائف بالاوقاف آہ بزازیہ کے باب صلح میں ہے کہ ایک شخص دفتر سے تنخواہ پاتا تھا وہ مرا اور اُس نے دو لڑکے

چھوڑے پس دونوں نے اس شرط پر صلح کی کہ دونوں میں سے ایک کا نام دفتر میں لکھ لیا جائے اور وہ اس عطیہ کو لے لیا کرے اور دوسرے کو کچھ نہ ملے لیکن جو عطیہ پاتا ہے وہ مقرر مقدار دوسرے کو دیدیا کرے تو یہ صلح باطل ہوا اور اسکے معاوضے میں جو مال دیا گیا ہے وہ واپس کردیا جائیگا اور عطیہ اسی کو ملیگا جسے امام مقرر کردے کیونکہ عطیہ کا استحقاق امام کے مقرر کرنے سے ہوتا ہے دوسرے کی رضامندی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہو البتہ سلطان اگر مستحق کو حق نہ دے تو یہ اسکے دو ظلم ہیں ایک مستحق کو محروم کردینا اور دوسرے غیر مستحق کو اسکا حق دیدینا اور اسی کتاب میں ہے محض حقوق میں کچھ عوض لیکر مصالحت درست نہیں مثلاً کوئی شخص کچھ معاوضہ لیکر حق شفعہ سے دست بردار ہوجائے تو یہ صلح باطل ہے اور معاوضہ واپس کردیا جائیگا اسی بنا پر کچھ عوض لیکر اوقاف کے وظائف سے دست برداری بھی درست نہیں ہو واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ سوال زید مرگیا اس نے دو بیٹے احمد اور محمود چھوڑے اور اپنا ذاتی ایک مکان چھوڑا پھر متروکہ زید احمد اور محمود میں آدھا آدھا تقسیم ہوگیا پھر محمود نے لاولدی کی وجہ سے اپنا حصہ اپنے چچازاد بھائی مسعود کو اور احمد نے اپنے نواسوں محمد اور امجد کو اپنا حصہ دیکر اقرار نامہ شرع کے موافق اس مضمون کا کہ یہ مکان نصف مشاع حق و ملک فلاں شخص و نصف مشاع حق و ملک فلاں فلاں اشخاص کا ہے ہم مقران عاریتہً اس میں رہتے ہیں لیکن مکان جب چاہیں خالی کرالیں ہمیں کچھ عذر نہوگا ۱۲۸۶ھ ہجری میں لکھدیا اور یہ اقرار نامہ مہر اور گواہی سے مکمل ہوگیا اور اقرار نامہ میں مقران نے کہیں پر یہ نہیں لکھا کہ یہ مکان پہلے وراثۃً ہماری ملک تھا خواہ داشت کے ذریعہ یا خریداری کے ذریعہ اب فلاں فلاں لوگوں کی ملک ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقرلہم کو اس مکان پر کسی دوسرے طریقے سے ملکیت ہو کہ وہ مقران عاریتہً اسمیں رہتے ہیں۔ پھر وہ دونوں تاحیات اس مکان میں رہے اور وہیں مرے اور انھیں کا قبضہ رہا مگر چونکہ بیعنامہ مکان مذکور موسومہ حامد مورث اعلیٰ تقسیم نہیں ہوسکتا تھا پس دوراندیشی اور آیندہ کے رفع مناقشہ کے لحاظ سے دونوں اقرار کرنے والوں نے یہ اقرارنامہ اپنی مہر اور دستخط سے لکھدیا اور اصل بیعنامہ مکان موسومہ حامد ورثہ حامد کے پاس اور اقرارنامہ مذکور ورثہ محمد و امجد وغیرہ کے پاس موجود ہے ہر ایک کے پاس دوسرے کا وثیقہ موجود نہیں ہو دوسرے یہ کہ ابتداے اقرارنامہ

مذکور سے ابتک ورثاے محمد وامجد وغیرہ کا بوجہ اتفاق و یکجہتی باہمی خصوصاً بنظر عدم بدنیتی وعدم بے ایمانی وغیرہ طرفین کے کسی طرح کا قبض وتصرف مکان مذکور پر نہیں ہوا بدستور علی ترتیب النسل ورثاے مسعود کا قبضہ اور تصرف ہے اب ورثاے محمد وامجد اتنی مدت کے بعد بموجب اقرارنامہ موجودہ ورثۂ مسعود سے کہ شرعاً کوئی میعاد دعویٰ کی مقرر نہیں ہے اور ہر وقت مدعی کو اختیار اپنے دعوی کا ہے نصف مکان کے مدعی ہوے ہیں تو ورثاے مسعود بہ نسبت حق تلفی نواسی ہندی وعدم پابندی شریعت بیانداری کے اقرارنامہ کو ہبہ بالمشاع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نواسون کی موجودگی میں حق کیونکر مل سکتا ہے اگر تمھارا کچھ ہوتا تو ابتک تمھارے وارث کیون چپکے بیٹھے رہتے ورثاے محمد وغیرہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہبہ نامہ نہین ہے بلکہ اقرارنامہ ہے اور اُسکے کسی جملہ سے ہبہ بالمشاع ثابت نہیں ہوتا اگرچہ ابتک اتفاق باہمی کی وجہ سے ہمارا قبضہ اور تصرف نہیں ہوا لیکن اس سے ہمارا حق باطل نہیں ہوسکتا اور شرع مین دعویٰ کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں ہے اور ہم بموجب اقرارنامۂ موجودہ کے اپنا حصہ طلب کرتے ہیں نہ بموجب حق نواسگی وعصوبت اور یہ اقرارنامہ ایسا تصور کرنا چاہیے جیسے تمھارے جد محمد امین نے باوجہ عصبہ یعنے سگے بھتیجے کے موجود ہونے کے آدھا حصہ اپنا اپنے سگے بھتیجے کو اور آدھا متروکہ صحرائی وسکنائی محروم الارث نواسی مسماۃ ہندہ کو دیا تھا جو اپنے اموں کے یہان بیاہی تھی اس خیال سے کہ کہیں اسکا شوہر یا سسر اُسکی ماں کے مہر کا دعوی میرے عصبہ پر نہ کرے۔ ویسے ہی احمد نے واسطے رفع مناقشہ آیندہ کے اپنی زوجہ کے مہر میں محمد اور امجد کے نام یہ اقرارنامہ لکھدیا ورنہ احمد دختری کی موجودگی میں نواسوں کو کیون لکھتا اسکے علاوہ لوگ عالم وفاضل وقاضی پابند شریعت متقی پرہیزگار تھے خلاف شرع کیون کرتے اور ترکہ پدری کا دونوں بھائیوں پر برابر تقسیم ہوا اور پہلے محمد کا مرنا اُسکے بعد احمد کا مرنا اور اپنے اپنے متروکہ کا مسعود اور محمد وغیرہ کو اعصاب الانساب سے جو تمھارے جد کی تصنیف ہے ثابت اور موید ہے تو ایسی صورت میں جائداد کا کل متروکہ تقدیم ذناخیر اموات کی وجہ سے شرعاً احمد کی طرف عود کرتا ہے پس یہ اقرارنامہ یا ہبہ نامہ بالمشاع متصور ہوگا اور یہ اقرارنامہ اور یہ کارروائی بعینہٖ محمد امین کی کارروائی کے ؟ ؟ ہے یا نہیں اور یہ اقرارنامہ جائداد و نیز قالبضان جائداد پر شرعاً اتنی مُدت کے بعد نافذ ہوسکتا ہے یا نہیں اور ورثہ محمد وامجد وغیرہ بروے اس اقرارنامہ کے دعوی ورثہ مسعود سے

کرسکتے ہیں یا نہیں اور جو کہ زوجہ محمد امین کے چار یا پنج برادرزادگان حقیقی ہیں اور محمد امین
بدین مہر زوجہ اپنی کے تحریر جا لہذا صحرائی وسکنائی موسومہ نواسی محروم الارث اپنے کو باوجود
موجودگی برادرزادہ حقیقی اپنے کو دے چکا ہے تو دوسرے برادرزادے اپنی حقیقی پھوپی کا
مہر کس کے مقبوضہ سے پائینگے جواب۔ تحریر دست نورالحق اگرچہ بظاہر اقرار ملک برائے
غیر ہے نہ ہبہ لیکن سائل کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نفس الامر میں مکان مقربہ ملک مقرین
تھا نہ ملک مقرہم نورالحق ایک مقر نے اپنا حصہ نصف مشاع محمد احمد برادر عم زاد حقیقی اپنے
کو اور دوست محمد دوسرے مقر نے اپنا حصہ نصف مشاع اپنے چار نواسون محمد حفیظ اللہ وغیرہ کو
دیکر بنظر دوراندیشی ورفع مناقشہ آیندہ کے اقرار ملک اُن کے لئے لکھدیا اور باوجود
اس اقرار کے تمام عمر خود وہ دونو اُسپر قابض و متصرف رہے اور مقرہم کو تسلیم نہیں کیا اور
اور ورثہ محمد حفیظ اللہ وغیرہ بھی خود اس امر کے معترف ہیں اور معاملہ محمد امین الدین کو بطور
نظیر اور کتاب اغصان الانسان مولفہ رضی الدین محمود جد ورثہ محمد احمد کو بطور تائید اور
شہادت کے پیش کرتے ہیں اور اُس خاندان میں ایک کتاب کے موجود ہونے کے سبب سے
معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگ اُس قوم کے اس امر پر مطلع ہیں اس وجہ سے یہ اقرار تملیک
عین بلاعوض یعنی ہبہ ٹھہرایا جاویگا اور شرائط ہبہ اُس مین رعایت رکھے جائینگے اور ہبہ مشاع
اور ہبہ بغیر قبض نافذ نہین ہوتا ہے پس ورثہ مقرہم اس اقرار کی بنا پر دعویٰ مکان مقربہ
نہیں کرسکتے اور جبراً اُن کو ورثہ مقرین سے لینا حرام ہے ہان اگر وہ دونوں مقر بعد
اقرار کے اُس مکان مقربہ کو تقسیم کرکے ہر ایک مقربہ کو موافق اقرار کے تسلیم کردیتے تو
اس صورت میں یہ اقرار ابتدائی ہبہ ٹھہرایا جاتا اور مقرہم مالک ہوجاتے درمختار میں ہے
کہ اقر لآخر بعین ولم یضفہ لکن من المعلوم لکثیر من الناس انہ ملکہ فھل یکون
اقرارا و تملیکا ینبغی للثانی فیراعی فیہ شرائط التملیک فراجعہ یعنی کسی نے دوسرے
کے لیے کسی معین شی کا اقرار کیا مگر اس کی ملک ہونا بہت سے لوگ جانتے ہیں تو آیا یہ اقرار
اور تملیک سمجھا جائیگا تو مناسب تو یہ ہے کہ سمجھا جائے پس شرائط سب معتبر ہونگے۔ اور اسیطرح
بزازیہ اور فتاوی حامدیہ بین خانیہ سے منقول ہے اور چونکہ ورثہ محمد حفیظ اللہ وغیرہ دو دستاویز

کے نواسے اُس مکان مقربہ کے مالک بحکم اس اقرار کے نہیں ہو سکتے پس اگر محمد امین الدین وارث
محمد احمد تنہا اُس مکان کا مالک وراثۃً ہو تو سب تصرفات اُسکے اُس مکان میں شرعاً
جائز نہیں۔ اپنے بھتیجے اور نواسے کو اُس کا دیدینا بھی صحیح ہے واللہ اعلم حررہ محمد المدعو
بعابد حسین عفی عنہ ۱۳۲۰ھ جواب محمود اور احمد کی تحریر اقرار نامہ متصور ہوگی نہ ہبہ نامہ
جیسا کہ خانیہ کی اس عبارت سے واضح ہے رجل قال جمیع ما یعرف لی وینسب الی فھو
لفلان قال ابو بکر الاسکاف ھذا اقرار ولو قال جمیع مالی او جمیع ما املک
فھو لفلان فھو ھبۃ ولو قال ما فی بیتی لفلان فھو اقرار انتھی والاصل فی ذلک انہ
ان اضاف المقربہ الی ملکہ کان ھبۃ لان قضیۃ الاضافۃ تنافی حملہ علی الاقرار الذی
ھو اخبار لا انشاء کذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ایک شخص نے کہا کہ تمام وہ چیزیں جو
میری مشہور ہیں یا میری جانب منسوب ہیں فلان کے لئے ہیں ابو بکر اسکاف رحمہ اللہ
کہتے ہیں کہ یہ اقرار ہے اور اگر کہا کہ میرا تمام مال یا وہ تمام چیزیں جنکا میں مالک ہوں وہ
فلاں کے لئے ہیں تو یہ ہبہ ہے اور اگر کہا تمام وہ چیزیں جو میرے گھر میں ہیں فلان کے لئے
ہیں تو یہ اقرار ہے انتہی اسکی اصل یہ ہے کہ اگر مقربہ کی اضافت اپنی ملک کے جانب کی تو ہبہ
ہے کیونکہ اضافت اقرار کی منافی ہے جو اخبار ہے نہ کہ انشاء جیسا کہ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے
اور ایسا ہی منح الغفار اور درمختار وغیرہ میں موجود ہے پس صورت مذکورہ میں ہر گاہ مقران نے
مقربہ کی نسبت اپنی ملکیت نہیں ذکر کی بلکہ اسکا دوسرون کے واسطے اقرار کر دیا بناء علیہ شیوع وغیرہ
اس میں مضر ہوگا اور محمد اور احمد وغیرہ کا دعویٰ اس اقرار نامہ کی بنا پر ورثائے مسعود پر نافذ
ہو سکتا ہے اور دعویٰ برادرزادگان زوجہ محمد امین متروکہ مقبوضہ ہندہ پر نہیں ہو سکتا۔ واللہ
اعلم حررہ ابو الحسنات عبد الحی عفی عنہ سوال مسماۃ فاطمہ زوجہ شاہ مراد علی مرحوم نے ایک نوشتہ
اس مضمون کا لکھا کہ پہلے میں نے ایک ہبہ نامہ بنام مسماۃ بدورن بی بی زوجہ شاہ قدرت اللہ
کے لکھا تھا تو اس میں لفظ نسلاً بعد نسل تھا اور یہ زر بخشش ہے جسکی عذر داری ہمارے
وارثان شوہر نے کی لہذا میں اس ہبہ نامہ کو فسخ کرکے اُس ہبہ نامہ ثانی میں مقررہ چہ مبلغ ایکسو
نوروپیہ چودہ آنے کہ جہرہ دار جو سالانہ بابت باقی تصفیہ محلہ مقران کے مقرر ہے بقید حین حیات

بنام مسماۃ بدرن بی بی زوجۂ قدرت اللہ مذکور کے لکھے دیتی ہوں مقرر جو کہ میرے مرنے کے
بعد مسماۃ مذکورہ اپنی زندگی بھر زر پنشن پر قابض ہو سال بسال جیسا کہ قاعدہ سرکار مقرر کرے
وصول کرکے اپنے خرچ میں لایا کرے اور اسکے مرنے کے بعد اسکے وارثان کریم الدین پسر و مسماۃ
علیم النسا بی بی دختر اور اپنی بی بی تخصیص مساوی ورثاے شوہری بھی پایا کریں اور یہ زر پنشن
عطاے سلطانی ایک شخص شاہ مراد علی کے نام سے ہے اور مسمی کریم الدین پسر اور مسماۃ علیم النسا بی بی
دختران شاہ مراد علی زوج اور زوجۂ فاطمہ بی بی متوفی ہیں ور وارث متوفی کے بھی ہیں پس
ایسی صورت مذکور میں تملیک مضاف بعد الموت یعنی وصیت جائز ہے یا نہیں اور یہ وصیت
بالشرط ہے یا نہیں نہ یہ کہ وصیت قرار نہ پائے گی بہ سبب لکھنے عبارت بالا کے اور نوشتۂ مذکور کی
نقل ہمراہ استفتاے ہذا ہے جواب درمختار میں بحث مصارف بیت المال میں ہے العطاء
صلة فلا تملك الا بالقبض عطا صلہ ہے پس کوئی شخص بلا قبضہ کے اسکا مالک نہوگا۔ اور بھی
اسی کتاب کے کتاب الوصایا میں ہے وکون الموصی به قابلا للتمليك بعد الموت الموصی بعقد
من العقود مالا او نفعا اور موصی بہ کا موت وصی کے بعد مالا یا نفعا کسی عقد کے ذریعے سے
قابل تملیک ہونا۔ اور اشباہ کے قاعدۂ خامسہ میں ہے العطاء الذی جعل الامام العطاء لملائ
الاستحقاق للعطاء باثبات الامام لا دخل فيه لرضاء الغير وجعله امام جو عطیہ مقرر کرے
وہ اسکے لئے ہے جسکے لئے اس نے مقرر کیا ہو کیونکہ استحقاق عطیہ امام کے ثابت کرنے سے ہوتا ہے
اس میں رضاے غیر کو دخل نہیں ہے اور رد المحتار حاشیہ درمختار کی کتاب البیوع میں ہے قال
فی البدائع الحقوق المفردة لا تحتمل التمليك ولا يجوز الصلح عنها خالص حقوق محتمل تملیک نہیں
ہیں اور صلح جائز نہیں ہے ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ وصول ہونے کے پہلے وظیفہ مقررہ مملوک
نہیں ہے صرف حق صاحب وظیفہ متعلق ہے اور حق کی تملیک باطل ہے پس صورت مذکورہ میں وصیت
مذکورہ کہ اس میں تملیک ہوتی ہے باطل ہوگی واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ سوال ایک
شخص ہر چھ مہینے کے بعد گورنمنٹ سے کچھ روپیہ پایا کرتا ہے تو وصول کرنے سے پہلے اس
روپیہ کو ہبہ کرسکتا ہے یا نہیں اگر کوئی شخص کسی چٹھی کو ہبہ کرے جس کے ذریعے سے وہ روپیہ
ایک میعاد پر وصول کیا کرتا ہے کیا اسکا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ وہ روپیہ جسے وہ اس میعاد

پر وصول کرے گا ہبہ ہو جائے اگر کوئی شخص صرف استحقاق کسی شئے کا بے بخشے ہوے ہبہ کرے
تو یہ جائز تصور کیا جائیگا یا نہیں جواب چٹھی کی ہبہ اور بیع اور اسی طرح صرف حق واستحقاق
کی ہبہ اور بیع شرعاً لغو ہے استحقاق اور چٹھی کی ہبہ سے یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ موہوب لہ وہ روپیہ
اُسکے ذریعہ وصول کر سکے اور ایسے ہی ماہانہ یا سالانہ یا ششماہی کی ہبہ و بیع نا درست ہے
کیونکہ ایسی تنخواہ قبضہ اور وصول ہونے کے پہلے ملک میں داخل نہیں ہوتی اور غیر مملوک اور
معدوم کی بیع یا ہبہ باطل ہے خزانۃ الروایات میں ہے فی التجنیس من لہ وظیفۃ فی بیت المال
اذا قسمہ فی حال حیاتہ فقسمتہ باطلہ لانہ بعد الموت یرد الی بیت المال و فی جواہر
الفتاوی علوی لہ مشاہرۃ من مال الخراج یوصل الیہ کل سنۃ فوھبھا لغیرہ ووکلہ بقبضھا
لا یجوز لان العلوی لا یملکھا قبل القبض فلا یصح جعلھا ہبۃ لغیرہ لانہ لم یملکھا و فی القنیۃ
قال نجم الائمۃ شری المبرات التی یکتبھا الدیوان علی العمال لا یصح تجنیس میں ہے جس کو
بیت المال سے وظیفہ ملتا ہے اگر وہ اپنی زندگی ہی میں اُسکو تقسیم کر دے تو یہ تقسیم باطل ہے کیونکہ
موت کے بعد وظیفہ بیت المال میں رد کر دیا جاتا ہے اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ علوی جسے
مال خراج سے مشاہرہ ملتا ہے جو ہر سال اُسکو پہونچ جاتا ہے اگر وہ مشاہرہ کسی اور کو ہبہ کر دے
اور اُسی کو قبضہ پر وکیل بنا دے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ علوی قبل قبضے کے وظیفے کا مالک نہیں ہے
اور کسی دوسرے کو اُسکی ہبہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ خود اُسکا مالک نہیں ہے اور قنیہ میں ہے کہ نجم الائمہ
نے کہا ہے اُن کاغذات کا خریدنا جن میں دیوان عمال کو تحریر کرتے ہیں صحیح نہیں ہے اور رسالہ احکام
الاراضی میں ہے الاصل ان المعدوم لا یصح تملیکہ ولا التصرفات فیہ وفیہ ایضاً لا یعلم لذلک
ای للقول بالتملیک فی غیر المقبوض من الوظیفۃ اصل من الکتب المشہورۃ المعتبرۃ حاصل
یہ ہے کہ معدوم کی تملیک اور اُس میں تصرف صحیح نہیں ہے اور اسی کتاب میں ہے اسکی یعنے بغیر قبضے
کے وظیفے کے تملیک کی کتب مشہورہ معتبرہ میں کوئی اصل نہیں ہے۔ الراجی عفو ربہ عبدالحی
سوال زید کے دو وارث ہیں ایک بھتیجا مسمی بکر اور ایک زوجہ لا ولد زید نے اپنے کل مملوکات
منقولہ و غیر منقولہ بعوض دین مہر کے اپنی زوجہ کو ہبہ کر دیے ہنوز تحریر اور تکمیل ہبہ نامہ کی نوبت
نہیں آئی تھی کہ زید بیمار ہو کر مر گیا زید کے مرنے کے بعد بکر اور اُسکی چچی زوجہ زید کے درمیان

یہ قرارداد ہوا کہ اگر زوجۂ زید و بکر سے کسی قسم کی نزع اور پرخاش پیش نہ آئے تو اس وقت کل مملوکات جدی و موروثی زید پر زوجۂ زید تاحیات قابض ہے واذلیس فلیس ذلك اس صورت میں یہ قرارداد اُس ہبہ کو جو زید نے اپنی زوجہ کو بعوض دین مہر کے کر دیا تھا باطل کرے گی یا نہیں۔
جواب باطل نہیں کریگی سوال والی ملک کی طرف سے زید کو کچھ یومیہ بقید مع فرزنداں ملتا ہے اور زید نے اُس کے کل یا بعض کو اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو ہبہ کر دیا تو جائز ہے یا نہیں۔
جواب نہیں کیونکہ یومیہ تئے معدوم ہے آناً فاناً حادث ہوتی رہتی ہے اور ہبہ میں قبض موہوب ضروری ہے اور جبکہ سلطانی سند میں مع فرزندان لکھا ہے تو اُس یومیہ میں اُسکے تمام فرزند حقدار ہیں پس زید نے جو ایک فرزند کے نام ہبہ کیا تو یہ ہبہ دوسرون کے حق کو باطل کرتا ہے لہذا نافذ نہو گا اور زید کے مرنے کے بعد سب فرزندان برابر برابر اُسکے مستحق ہونگے واللہ اعلم عبدالحی عفی عنہ
سوال مساۃ ہندہ کو سات عدد باپ کے ترکے سے ملے اُن میں سے اُس نے چار عدد اپنے بھائی عمرو کو اپنی زندگی میں صحت حواس اعضا کے وقت بمعاوضہ لکھکے دیدیے اور اپنے سامنے عمرو کو قابض و متصرف بھی کر دیا پھر بیمار ہونے کے بعد تین عدد باقی کو خدیجہ اور بکر کے نام جو اُسکی بہن کی بیٹی اور بیٹے ہیں بے قبض و تصرف ہبہ کیے اور ہندہ اُسی مرض میں مرگئی تو یہ دونوں ہبہ جائز ہوے یا نہیں۔
جواب پہلا ہبہ نافذ ہوگا اور دوسرا نافذ نہو گا کیونکہ اس میں موہوب لہا کا قبضہ نہیں کرایا ہدایہ میں ہے ولابد فی الهبة لاثبات الملك من القبض فی الهداية قبضہ کرا کے ملک ثابت کر دینا ہبہ میں ضروری ہے سوال ہبہ بالعوض بیع کا حکم رکھتی ہے یا نہیں۔ جواب ابتدا اور انتہا بیع کا حکم رکھتی ہے درمختار میں ہے لو قال وهبتك بكذا فهو بيع ابتداء و انتهاء اگر یہ کہا کہ فلاں چیز میں نے تجھیں اس معاوضے میں ہبہ کی تو یہ ابتدا اور انتہا بیع ہے۔ اور عالمگیری میں ہے لو قال الرجل لآخر وهبت منك هذا العبد بالف درهم وقال الآخر قبلت صح البيع كذا فی الخلاصة اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے یہ غلام تجھے ایک ہزار درم کے بدلے میں ہبہ کیا ہے دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو بیع صحیح ہوگی یہ خلاصہ میں ہے سوال اپنے حصہ کا ہبہ بشرط عوض اُس چیز کے جو تقسیم کے بعد قابل منفعت ہو سکتی ہے زمین کی طرح جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے اگر واہب نے ہبہ کرنے کے بعد تقسیم کر کے موہوب لہ کا موہوب پر قبضہ کرا دیا اور خود عوض پر قابض ہو گیا

تو موہوب لہ موہوب کا مالک ہو جائیگا ورنہ نہیں۔ عنایہ میں ہے اذا وهب مشاعا فیما تقسم ثم افرزہ
وسلم صحت ووقعت مثبتہ للملك فعلم بهذا ان هبة المشاع فیما یقسم وقعت جائزة فی نفسها
ولکن توقف اثباتها الملك علی الا فرز والتسلیم اگر کسی ایسی چیز کا ہبہ مشاع کیا جو تقسیم ہو سکتی ہو پھر اسے
منقسم کر کے تسلیم کیا تو ہبہ صحیح ہوگا اور ملک ثابت ہو گی اس سے معلوم ہوا کہ ہبہ مشاع اُن اشیاء میں
جو تقسیم ہو سکتی ہیں فی نفسہ جائز ہے لیکن اُس سے ملک کا ثابت ہونا تقسیم اور تسلیم پر موقوف ہو۔ سوال
اگر زید نے خالد سے کہا کہ میں نے تجھکو اس مکان کا مالک کر دیا تو ہبہ ہوگا یا نہیں جواب بعضونکے
نزدیک مطلقاً ہبہ ہوگا اور بعض کے نزدیک اگر قرینہ ہبہ قائم ہے تو ہبہ صحیح ہے رد المحتار میں ہے
بقی مالو قال ملکتك هذا الثوب مثلاً فان قامت قرینة علی الهبة صحت والا فلا لان
التملیك اعم منها لصدقه علی البیع والوصیة والاجارة وغیرها وفی لکاذرونی انها هبة انتہی یعنی
یہ صورت کہ میں نے تم کو اس کپڑے کا مالک بنا دیا تو اگر ہبہ کا قرینہ موجود ہو تو ہبہ صحیح ہے ورنہ نہیں۔
کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے اسلیے کہ وہ بیع پر بھی صادق آتی ہے اور اسی طرح وصیت اور اجارہ
پر بھی۔ گاذرونی میں ہے کہ یہ ہبہ ہے سوال اگر کوئی کہے کہ یہ مال زید کے لئے ہے تو ہبہ ہوگا یا نہیں
جواب ہبہ ہوگا ہاں اگر کہے کہ میرا یہ مال فلان شخص کے لئے ہے تو ہبہ ہوگا فتاوی قاضی خاں میں ہے
قالوا اذا اضاف المال الی نفسه اولا بان قال عبدی هذا لفلان یکون هبة علی کل حال
وان لم یضف الی نفسه بان قال هذا المال لفلان یکون اقراراً فقہا نے کہا ہے کہ جب مال کی
نسبت پہلے اپنی طرف کرے مثلاً یون کہے کہ یہ میرا غلام فلان کے لئے ہے تو ہر حالت میں ہبہ ہوگا اور
اگر اپنی طرف نسبت نہ کرے مثلاً یہ کہے کہ یہ غلام فلان کا ہے تو اقرار ہوگا سوال اگر زید نے اپنی اولاد میں
سے کسی ایک کو اپنا تمام مال ہبہ کر دیا اور دوسرونکو محروم کیا یا اپنا مال بانٹنے کے وقت کسی ایک اولاد کو
زیادہ دیا تو دونوں صورتوں میں یہ ہبہ نافذ ہوگا یا نہیں جواب ہبہ دونوں صورتوں میں نافذ
ہوگا مگر واہب پہلی صورت میں گنہگار اور دوسری صورت میں تارک اولیٰ ہوگا۔ مشکوٰۃ میں ہے
عن النعمان ابن بشیر ان اباه اتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال انی نحلت ابنی هذا غلاماً
فقال اکل ولدك نحلت مثله قال لا قال فارجعه نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنے اس لڑکے کو اپنا غلام

ہبہ کیا ہے آپنے پوچھا کیا تم نے ایسطرح سب لڑکونکو غلام ہبہ کیا ہے نعمان نے کہا نہین آپنے فرمایا تو
اس ہبہ کو لوٹا لو۔ اور طیبی نے کہا ہے فیہ استحباب التسویۃ بین الاولاد فی الھبۃ فلا یفضل
بعضھم علی بعض سواء کانوا ذکورا او اناثا قال بعض اصحابنا ینبغی ان یکون للذکر مثل
حظ الانثیین والصحیح الاول ووھب بعضھم دون بعض فمذھب الشافعی ومالک وابی
حنیفۃ انہ مکروہ ولیس بحرام والھبۃ صحیحۃ وقال احمد والثوری واسحق ھو حرام مستحب یہ
کہ سب اولاد کو مساوی ہبہ کرے اور کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دے مرد ہون یا عورتیں
اور ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک مرد کو دو عورتوں کے برابر ہبہ کرنا چاہیے اور اول صحیح ہے
اور اگر بعض کو ہبہ کیا اور بعض کو ہبہ نہ کیا تو امام شافعی اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ
کے نزدیک یہ ہبہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے اور ہبہ صحیح ہے اور احمد اور ثوری اور اسحق رحمہم اللہ
کے نزدیک یہ ہبہ حرام ہے اور بزازیہ میں ہے الافضل فی ھبۃ الابن التثلیث کالمیراث
وعند الثانی التنصیف وھو المختار ولو وھب جمیع مالہ من ابنہ جاز قضاءً وھو آثم نص
علیہ محمد ولو خص بعض اولادہ لزیادۃ رشدہ لا باس بہ وان کانا سواء لا یفعلہ یعنی افضل
لڑکے کو ہبہ کرنے میں ثلث ہی جیساکہ میراث میں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نصف ہی
مختار ہے اور اگر اپنا تمام مال ہبہ کردیا اپنے کسی ایک لڑکے کو تو یہ بھی جائز ہے لیکن ہبہ کرنیوالا گنہگار
ہوگا اسے امام محمد رحمہ اللہ نے صاف بیان کیا ہے اور اگر بعض اولاد کو بوجہ انکی نیکی
ورشد کے مخصوص کرلیا تو جائز ہے اور اگر سب برابر ہون تو ایسا نہ کرنا چاہیے **سوال** مکان کے
ایک ٹکڑے کو ہبہ کرنا جائز ہے یا فاسد **جواب** یہ ہبہ فاسد ہی مگر جبکہ تقسیم کرکے موہوب لہ کے
حوالے کردیا جائے ہدایہ میں ہے من وھب شقصا مشاعا فالھبۃ فاسدۃ لما ذکرنا فان
قسمہ وسلمہ جاز لان تمامہ بالقبض وعندہ لاشیوع یعنے اگر ایک ٹکڑے کا (مکان میں سے
یا اور کسی چیز میں سے) ہبہ مشاع کیا تو ہبہ فاسد ہی اس وجہ سے کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے
اور اگر مال تقسیم کرکے موہوب لہ کے سپرد بھی کردیا جائے تو جائز ہے کیونکہ ہبہ قبضے سے تمام ہوجاتا ہے
امام صاحب کے نزدیک اس میں شیوع کی قید نہیں ہی **سوال** ہبہ بے موہوب لہ کے قبضے کے
تمام ہوتا ہے یا نہیں **جواب** نہیں جیساکہ متون میں اس کی صراحت موجود ہی **سوال**

اگر واہب تسلیم سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگا یا نہیں **جواب** باطل ہوگا عالمگیری میں ہے واذا مات الواھب قبل التسلیم بطلت یعنے اگر واہب تسلیم سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگا۔

سوال اگر زید نے مرض الموت میں ہبہ کیا اور قبضہ بھی کرا دیا تو کیا حکم ہے **جواب** وصیت کا حکم رکھتا ہے ثلث مال سے نافذ ہوگا۔ عالمگیری میں ہے ولا یجوز ھبۃ المریض ولا صدقتہ الا مقبوضۃ فاذا قبضت جازت من الثلث مریض کا ہبہ یا مریض کا صدقہ بلا قبضے کے درست نہیں ہے اور بعد قبضہ ثلث مال سے جائز ہے

سوال ہبہ تعاطی بغیر ایجاب کے یعنے زبان سے کچھ کہے بغیر صحیح ہوتا ہے یا نہیں **جواب** بعضوں کے نزدیک صحیح ہوتا ہے جامع الرموز میں ہے وفیہ اشارۃ الی انھا تصح بالتعاطی کما فی اول النساء من شرح التاویلات فان التملیک اعطاء الملک کما فی المقدمۃ لکنہ یوھم ان الایجاب لیس برکن وھو رکن بلا خلاف اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہبہ تعاطی درست ہے جیسا کہ شرح تاویلات میں سورۂ نساء کے اول میں ہے کیونکہ تملیک کے معنے عطاے ملک کے ہیں جیسا کہ مقدمے میں ہے لیکن اس سے وہم ہوتا ہے کہ ایجاب رکن نہیں ہے حالانکہ وہ بلا اختلاف رکن ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الوصایا

سوال ہندہ نے زر قرضہ مندرجہ دستاویز جس میں جائداد غیر منقولہ مستغرق ہے جو اسکو زید وغیرہ سے ملتا ہے اپنے نابالغ لڑکے کے نام ہبہ بلا عوض کیا اور ایک شخص کو اسکا ولی یا سربراہ کار اس عبارت سے کہ زر قرضہ مندرجہ دستاویز کو ہبہ کرتی ہوں اور استحقاق اپنا اس سے اٹھالیا متوکردا دہ ولی کو وقت وصول کے اسکے محاصل میں نابالغ کی تعلیم اور پرورش کا اختیار دیا اور یہ بھی لکھدیا کہ اگر یہ لڑکا مرجائے تو جو میری لڑکیاں اس وقت موجود ہوں اُنپر بحصہ مساوی تقسیم ہو پس یہ دستاویز ہبہ نامہ سمجھی جائے گی یا وصیت نامہ اگر ہبہ نامہ سمجھی جائے تو ایسے ہبہ سے واہبہ کو فسخ کا اختیار ہے یا نہیں اور ہندو قوم کا شخص نابالغ کا ولی ہوسکتا ہے یا نہیں **جواب** وصیت اُس تملیک کو کہتے ہیں جو مضاف بما بعد الموت ہو جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے ھی تملیک مضاف الی ما بعد الموت یعنے وصیت اس تملیک کو کہتے ہیں جو مضاف بما بعد الموت ہو۔ اور ہبہ نامہ میں صاف لفظ ہبہ و اعطاء بغیر

اضافت بعد موت کے موجود ہے پس یہ تحریر ہبہ نامہ منصور ہو گی لیکن چونکہ یہ تملیک دین غیر مدیون کو ہے لہذا ایسے ہبہ سے اختیار رجوع اور فسخ ہبہ کا ہوگا جبتک کہ موہوب لہ اس دین پر قابض نہ ہو۔ درمختار میں ہے واما تملیک الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقبضہ صحت لرجوعھا الی ھبۃ العین فرزندار کے سوا کسی اور کو قرض کا مالک بنا دینا اگر اسے قبضے کا حکم بھی دیا ہے تو صحیح ہے کیونکہ یہ ہبۂ عین کی جانب رجوع کرتا ہے۔ اور رد المحتار میں ہے ولھذا لا یلزم الا اذا قبض ولہ الرجوع قبلہ فلہ منعہ حیث کان بحکم النیابۃ عن القبض اسی لئے ہبہ قبل قبضہ لازم نہیں ہے اور اسے قبل قبضۂ حق رجوع ہے پس وہ قبضہ کرنے سے روک سکتا ہے کیونکہ اسی نے قبضہ کرنے کا نائب بنایا تھا۔ اور غیر مسلم مسلم نابالغ کا ولی نہیں ہو سکتا واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال زید نے اپنے بیٹے بکر کو اپنا وصی کیا بقید دوام یعنے وصیت نامہ میں لفظ دائما کو درج کیا مگر نسلاً بعد نسلٍ وغیرہ کی کوئی قید وصیت نامہ میں تحریر نہیں کی پھر زید مر گیا پھر بغیر دوسرے کو وصی کیے ہوے بکر بھی مر گیا اب بکر کی اولاد کہتی ہے کہ ہمارا باپ زید کا دواماً وصی تھا اور دوام نسلاً بعد نسلٍ کی قید ثابت ہوتی ہے لہذا ہم پر ارث وصیت منتقل ہونا چاہیئے اور زید کے دوسرے ورثا کہتے ہیں کہ بکر کے مرنے کے بعد زید کا کوئی وصی نہیں رہا اور لفظ دائما بکر کی حین حیات ہی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس میں نسلاً بعد نسلٍ کی قید نہیں ہے اور وصیت کوئی ارث شرعی نہیں ہے کہ جو موصی لہ کے ورثا کی طرف اسکی وفات کے بعد منتقل ہو پس یہ وصیت وفات بکر کے بعد منقطع ہو گئی پس جائداد زید جملہ ورثاے شرعی زید کی طرف منتقل ہونا چاہیے اس میں شرعی حکم کیا ہے جواب لفظ دائما جو وصی کے حق میں وارد ہو اس سے بحسب استعمال قواعد فقہیہ اسی کی ذات کے ساتھ وصایت کا دائم ہونا ہے اور صرف اس لفظ سے ثابت نہیں ہوتا کہ وصایت نسلاً بعد نسلٍ ہے جب تک کوئی اور لفظ اس مضمون پر دلالت نہ کرے اور وصایت ایسی چیز نہیں ہے جو وراثۃً منتقل ہو درمختار کے کتاب الوقف میں ہے لا ولایۃ لمستحق الا بتولیۃ کسی مستحق کو ولایت کا حق حاصل نہیں جبتک وہ ولی نہ بنایا جائے اور رد المحتار کے کتاب البیع میں ہے قال فی البدائع الحقوق المفردۃ لا تحتمل التملیک ولا یجوز الصلح عنہا بدائع میں ہے خالص حقوق

میں احتمال تملیک نہیں ہے اور اُن سے متعلق کسی قسم کی مصالحت بھی درست نہیں ہے۔ اور رد المحتار کی بحث خیار الشرط میں ہو الحقوق المجردۃ لا تورث خالص حقوق میں وراثت نہیں جاری ہوتی۔ اور عنایہ شرح ہدایہ اور بنایہ شرح ہدایہ کی بحث خیار الشرط میں ہے الارث فیما یقبل الانتقال لانہ خلافۃ عن المورث بنقل الاعیان الی الوارث یعنی ورثہ وہی اشیا ہیں جو قابل انتقال ہوں کیونکہ وراثہ مورث کا کسی کو اپنا خلیفہ بنانا ہے اشیاء کو اُسکی طرف منتقل کرکے۔ اور فتاوی حادیہ کی کتاب الوقف میں ہے ان مات القیم بعد موت الواقف ان اوصی القیم الی وصی فوصیہ اولی من القاضی وان لم یکن اوصی لاحد جل فالرای فیہ الی القاضی یعنی اگر واقف کے بعد نگران قیم مرجائے اور وہ کسی کو اپنا وصی بناگیا ہو تو وہ قاضی پر مقدم ہے اور اگر اُس نے کسی کو اپنا وصی نہ بنایا ہو تو قاضی کو اختیار ہے۔ اور طحطاوی حاشیہ درمختار کی کتاب الوقف میں ہے ولایۃ النصب الی القاضی اذا مات المتولی لم یوص الی احد یعنی قاضی کو منتظم کے مقرر کرنے کا اختیار ہے اگر متولی مرجائے اور اُس نے کسی کو اپنا وصی نہ بنایا ہو۔ تنقیح فتاوی حامدیہ کی کتاب الوقف میں ہے قال فی الذخیرۃ البرھانیۃ ان مات القیم بعد ما مات الواقف فان کان القیم قد اوصی الی غیرہ فوصیہ بمنزلتہ وان کان لم یوص الی احد غیرہ فولایۃ نصب القیم الی القاضی یعنی ذخیرۂ برہانیہ میں ہو کہ اگر واقف کی موت کے بعد منتظم مرجائے اور اُسنے کسی اور کو اپنا وصی بنادیا ہو تو وصی کا وہی مرتبہ ہوگا جو خود منتظم کا تھا اور اگر اُس نے کسی کو وصی نہ بنایا ہو تو منتظم کے مقرر کرنے کا قاضی کو اختیار ہے۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف کی ولایت امر موروثی نہیں ہو ورنہ متولی کے مرنے کے بعد اُسکی اولاد پر متولی ہونیکا حکم دیا جاتا حالانکہ تمام فقہا لکھتے ہیں کہ اگر متولی نے اپنی حیات میں خود کسی کو وصی نہیں بنایا تو اُس کے مرنے کے بعد قاضی کو اختیار ہوگا کہ جس کو چاہے متولی کردے اور وصی کا حکم وہی ہو جو متولی وقف کا حکم ہے عرف فقہا میں اُسکو ناظر اور قیم بھی کہتے ہیں تنقیح فتاوی حامدیہ کی کتاب الوصایا میں ہو الوصی کالناظر لان الوصیۃ والوقف اخوان یستسقی کل منہما من الآخر کما صرحوا بہ ثم اذا مات المشروط لہ بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایۃ النصب للقاضی اذ لا ولایۃ لمستحق الا بتولیۃ قال فی الخیریۃ عن فتاوی رشید الدین لو کان الوقف علی رجل معین فھل یجوز ان یکون

المتولی بغیر اطلاق القاضی یفتی بانہ لا یصح دعواہ لان حقہ اخذ الغلبۃ لا التصرف فی الوقف کذا فی لعالیق الانوار علی الدر المختار الارث یجری فی الاعیان واما الحقوق فمنہا ما لا یجری الارث فیہ کحق الشفعۃ وخیار الشرط وحد القذف لا نورث ولو کالارث والعواری والودائع لا تورث کذا فی الاشباہ والنظائر یعنی وصی واقف کی مثل ہے کیونکہ وصیت وقف دونوں کی اصل ایک ہی ہے جیساکہ فقہانے اسکی تصریح کی ہے پھر جب واقف کے بعد وہ شخص مرجائے جسے واقف نے شرط کیا ہوا ور وہ کسی کو اپنا وصی نہ بنا جائے تو قاضی کو منتظم کے مقرر کرنیکا اختیار ہے کیونکہ کوئی مستحق بغیر ولی بنائے ہوے خود سے ولی نہیں بن سکتا خیریہ میں فتاوی رشید الدین سے منقول ہے کہ اگر وقف کسی خاص شخص پر ہو تو وہ بالحکم قاضی متولی ہوسکتا ہے یا نہیں تو فتوی اسپر ہے کہ اسکا دعوی صحیح نہیں ہے کیونکہ اسے غلبہ کرلینے کا حق ہے نہ کہ وقف میں تصرف کرنیکا جیساکہ تعالیق الانوار حاشیہ درمختار میں ہے ورثہ اعیان میں ہوتا ہے اور رہگئے حقوق سو اُن سے بعض میں ورثہ جاری نہیں ہوتا جیسے حق شفعہ خیار شرط حد قذف اگرچہ یہ مثل ورثے کے ہیں) عاریتیں اور ودیعتیں جیساکہ اشباہ ونظائر میں ہے ۔ کہ ان تمام میں ورثہ نہیں ہے ۔ اعیان عبارت ہے اموال سے اس سے معلوم ہوا کہ ارث مال ہوتا ہے اور حق وکالت مورث نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ وصایت وکالت ہی من وجہ پس یہ بھی مورث نہ ہوگی درمختار کے قول الوصی بمنزلۃ الوکیل الاوصاف لا تورث (وصی بمنزلہ وکیل کے ہے اوصاف ورثہ نہیں ہوتے) کے تحت میں طحطاوی نے لکھا ہے قال العلامۃ نوح لان وصف شخص لا یمکن فیہ ذلک والارث فیما یمکن فیہ الانتقال وھو الاعیان لا فیما لا یمکن فیہ الانتقال وھو الاوصاف علامہ نوح رحمہ اللہ نے کہا ہے کیونکہ کسی شخص کے وصف میں سے انتقال ممکن نہیں ہے اور ورثہ انھیں چیزوں میں ہوتا ہے جنکا انتقال ممکن ہو یعنے اعیان میں نہ اُن اشیا میں جنکا انتقال ناممکن ہو یعنی اوصاف میں اعیان سے مراد ذوات اشیاء یعنی انفسہا واموال ہے فصول استروشنی کی تیرھویں فصل میں ہے رأیت فی فوائد شیخ الاسلام نظام الدین رجل وقف ارضا وجعل لہا متولیا وشرط المتولی من اولادہ واولاد اولادہ ھل للقاضی ان یجعل غیرہ متولیاً وھل یصیر متولیاً لو فعل ذلک قال لا یعنی میں نے شیخ الاسلام نظام الدین رحمہ اللہ کے فوائد میں دیکھا ہے کہ ایک شخص جس نے ایک زمین وقف کی اور خود اُس کا

متولی بنا اور تولیت کے متعلق اپنی نسل کی شرط لگائی تو ایسی صورت میں قاضی کسی دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے اور قاضی کے بنانے سے وہ شخص متولی بن جائیگا یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقف یوں کہے کہ اس وقف کی متولی میری اولاد پھر اولاد کی اولاد ہوگی تو اسکا یہ قول صحیح ہوگا عنایہ کی بحث خیار شرط میں ہے الحقوق المجردة لاتورث خالص حقوق ورثہ نہیں ہوتے۔ اور درالمختار کے کتاب البیوع میں ہے قال فی البدائع الحقوق المفردة لاتحتمل التمليك ولا يجوز الصلح عنها یعنی بدائع میں ہے کہ خالص حقوق محتمل تملیک نہیں ہیں اور نہ اُن کے متعلق کوئی صلح درست ہے۔ حق مفرد سے مراد وہ حق ہے جو مجرد و صف حق میں قائم ہو اور قبیل ذوات منتقلہ مثل موال کے نہ ہو جیسے حق خیار الشرط یا حق شفعہ یا حق وکالت و وصایت وغیرہ واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی عفی عنہ **سوال** زید نے اپنی کل جائداد میں سے کچھ حصہ وقف کیا اور باقی بحصص متفاوت اپنے ورثا پر تقسیم کردیا اور یہ بھی صراحت کے ساتھ لکھدیا کہ ہر شخص ورثہ مذکورہ میں سے اپنے حصص مصرحہ کا بعد فوت ہمارے مالک ہوا اور خالد کو منجملہ ورثائے موصی لہم کے جو مسمی بہ خالد ہے اسکو وقف کا متولی کیا اور یہ بھی لکھدیا کہ بقیہ جائداد کا مہتمم بھی خالد ہی رہیگا اور ہر ایک کو محاصل سے بقدر اُن کے حصّے کے دیتا رہیگا اور وقف کے متعلق یہ لکھدیا کہ خالد کے بعد ہماری اولاد میں بھی جو لائق ہو متولی ہوگا مگر وصیّت کے متعلق کچھ تصریح نہیں کی اور ورثائے موصی لہم میں کچھ لوگ نابالغ اور کچھ بالغ ہیں اور سب ورثانے وصیّت نامہ کو اصالۃً اور ولایۃً منظور کرلیا۔ پس یہ تحریر وصیت نامہ ہے یا نہیں دوم یہ کہ جب ورثائے نابالغ بالغ ہوجائیں تو کیا اُس وقت بھی وہ اپنے حصوں میں تصرف اور دست اندازی سے باز رہیں گے اور اُن کا حصہ بھی ہمیشہ خالد ہی کے اہتمام میں رہیگا اور بالغ وارث کے حق میں وصیت نامہ کا کیا اثر ہے اپنے ملک موصی بہ کے قبضے سے محروم رکھا جائے گا یا نہیں خصوصاً جبکہ خالد کے مرنے کے بعد جبراً اسکا بیٹا قابض ہوگیا ہے **جواب** زید کی تحریر وصیّت نامہ ہے اور نابالغوں کے بلوغ کے بعد بھی وصی کی وصایت باقی رہیگی جبتک اُسکی خیانت ظاہر نہو جامع الرموز میں ہے ديبقى وجوبا امين عن الخيانة يقدر على القيام بها یعنی امانت دار شخص انتظام پر قدرت رکھتا ہو اور اُسکے متعلق خیانت کا اندیشہ نہو وہ وجوباً منتظم رہیگا۔ اور درمختار میں ہے اما عزل لخائن فواجب یعنی خائن کو معزول کردینا واجب ہے۔ اور بالغ وارث کے حق میں وصایت کا اثر

حفظ مال اور نفع دینے والا انتظام ہے جامع الرموز میں ہے لا یتجر الوصی فی مالہ ای مال الغائب
الکبیر لانہ لا یفوض الیہ سوی الحفظ یعنی بالغ جو موجود نہو وصی کے متعلق اُس کے مال کا انتظام
نہوگا کیونکہ اسکے متعلق بجز حفاظت کے اور کوئی کام نہین ہے اور وصی کا بیٹا بغیر اسکے کہ وصی بنایا
گیا ہو وصایت کا مستحق نہیں ہے اس صورت مین اور ورثا قبضہ کر سکتے ہیں واللہ اعلم حررہ عبدالحی
عفی عنہ سوال زید نے بکر کو اپنی جائداد کا وصی کیا اور جملہ انتظام جائداد کا موافق تفصیل مندرج
وصایت نامہ کے اُسکو سپرد کر دیا اور یہ ذکر نہیں کیا کہ وصی کے بعد وصایت وصی کی اولاد پر
منتقل ہوگی مگر وصی کے لیے وصیت نامہ میں جا بجا لفظ ابد و دوام و ہمیشگی کی تحریر کی کہ یہ انتظام
متعلق بکر دائما یا علی الدوام یا تا ابد رہے گا پس یہ الفاظ اس امر کو مفید ہونگے کہ وصی کے انتقال
کے بعد یہ وصایت اُسکی اولاد کی طرف منتقل ہوتی رہے گی یا دوام وغیرہ الفاظ وصی ہی کی ذات
کے ساتھ تا حیات متعلق ہونگے اور اُس سے صرف دوام وصایت تا بقاے بکر مفہوم ہوگا بینوا
توجروا جواب اس قسم کے الفاظ صرف بقاے وصایت مادام حیات الوصی پر دلالت کرتے ہیں
اور وصایت کا انتقال ورثا و اولاد وصی پر نہیں سمجھا جاتا ہے عرفا و نقلا و شرعا۔ عرفا اس وجہ سے
کہ اگر کسی سے زید کہے کہ تو میرا وکیل ہے دائما و ابدا تو اس صورت میں اہل عرف یقینا جانتے ہیں کہ یہ
وکالت وکیل کی حیات تک رہے گی اور اُسکی اولاد کی طرف منتقل ہنوگی ایسے ہی اگر کسی سے
کہے کہ تجھکو میں نے اس شہر کا قاضی یا کوتوال ہمیشہ کے لیے کر دیا تو اس سے یہ نہیں سمجھتے کہ اس کے مرنیکے
بعد یہ کوتوالی کا عہدہ اُسکی اولاد پر بھی منتقل ہوگا بلکہ صرف اُسکی حیات تک اس عہدہ کا تعلق سمجھا
جاتا ہے وعلی ہذا القیاس عرفا اسکے بہت نظائر ہیں لیکن عقلا پس اس وجہ سے کہ جب کسی ذات پر کوئی
حکم کریں اور کوئی صفت اُسکے لئے ثابت کریں اور اُسکے ساتھ علی الدوام وغیرہ کی قید لگا دیں تو بالضرور
یہ قید ثبوت حکم کی ہوگی اور مفید ثبوت حکم تا بقاے ذات ہوگی اور جب ذات فنا ہو جاوے گی تو ثبوت
حکم اور ثبوت صفت بھی فنا ہو جاوینگے پس دوام کی قید بھی فنا ہو جاوے گی ورنہ لازم آتا ہے کہ دوام
جسکے ساتھ متعلق ہے وہ تو باقی نہو اور دوام باقی رہے مثلاً اگر یہ کہا گیا کہ زید ہمیشہ نماز پڑھتا ہے
یا وہ علی الدوام عابد ہے یا ابدا روزہ دار ہے تو ان الفاظ سے بمقتضاے عقل زید کی زندگی تک
ان صفات کا دوام مراد ہوگا ورنہ لازم آئیگا کہ زید موجود نہو اور نہ اُسکی صفت موجود ہو مگر پھر

بھی دوام کا مضمون باقی رہے اور شرعاً اسوجہ سے کہ فقہا اس قسم کے الفاظ پر حکم بادام الحیاۃ کا دیتے ہیں اور جو احکام ان الفاظ کے ساتھ مقید ہوں انکو فنائے ذات کے بعد موروث اور باقی نہیں سمجھتے ہیں جامع الرموز کی کتاب الوصایا میں ہے وصحت الوصیۃ بثمرۃ بستانہ وحینئذ ان مات الموصی وفیہ ای بستانہ ثمرۃ کان لہ ھذہ فقط لا ما یحدث وان ضم ابداً بان قال لہ ثمرۃ بستانہ ابداً فلہ ھذہ الثمرۃ الموجودۃ وما یحدث من الثمرۃ فی المستقبل کما فی غلۃ بستانہ او ارضہ فلہ ھذہ وما یحدث ما عاش الموصی لہ سواء ضم ابداً او لا یعنی اپنے باغ کے پھلوں کی وصیت صحیح ہے اور اگر وصیت کرنے والا مر جائے اور اُسکے باغ میں پھل ہوں تو موصی لہ صرف اُنھیں موجودہ پھلوں پر قابض ہوگا نہ اُنپر بھی جو بعد کو پیدا ہوں اور اگر یہ وصیت کرے کہ اُسکے باغ کے پھل ہمیشہ اُسی کے ہیں تو موجودہ پھل بھی اور جو آیندہ پیدا ہوں سب موصی لہ کے ہوجائینگے اسیطرح باغ یا زمین کے غلے کے بارے میں بس موجودہ غلہ اور وہ سب جو موصی لہ کی زندگی تک پیدا ہوا اُسی کا ہوگا خواہ وصیت کرنیوالا ہمیشہ کا لفظ ملائے یا نہ ملائے۔ اور فصیح الدین ہروی کی شرح وقایہ میں ہے ان قال اوصیت غلۃ بستانی ھذا لفلان یکون للموصی لہ الغلۃ القائمۃ وقت موت الموصی وما یحدث بعدہ ایضاً ما عاش الموصی لہ ضم لفظ الابد ولم یضم اگر کوئی کہے کہ میں نے اپنے اس باغ کے غلہ کو فلان کے لئے وصیت کیا تو وہ سب غلہ جو وصیت کرنے والے کی موت تک ہوا اور وہ بھی جو موصی لہ کی موت تک پیدا ہو موصی لہ کا ہوگا خواہ اُس نے ہمیشہ کے غلہ کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور عینی شرح ہدایہ میں ہے ان قال لہ ثمرۃ بستانی ابداً فلہ ھذہ الثمرۃ وثمرتہ فیما یستقبل ما عاش اگر یہ کہے کہ میرے باغ کے پھل فلان کے لئے ہمیشہ ہیں بس موجودہ پھل اور وہ بھی جو آیندہ اُسکی زندگی تک پیدا ہوں اُسیکے ہونگے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی عفی عنہ سوال ولی اور وصی میں کیا فرق ہے جواب فقہ کی اصطلاح میں دوسرے پر قول کا نافذ کرنا ہے خواہ دوسرے کی مرضی ہو یا نہ ہوا ور ولی اُس بالغ عاقل کو کہتے ہیں جو کسی شخص کے امور کا مالک ہوا ور اُسکا وارث بھی ہو بحر الرائق میں ہے الولایۃ فی اللغۃ تنفیذ القول علی الغیر شاء او ابی فقہ میں ولایت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے شخص پر قول

نافذ ہوجاے خواہ دوسرا اپنے اوپر اس قول کو نافذ کرانا چاہے یا نہ چاہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے الولی فی لفقۃ البالغ العاقل الوارث فخرج الصبی والمعتوہ والکافر علی المسلم۔ یعنی ولی وہ ہے جو عاقل بالغ ہوا ور وارث ہو پس لڑکا اور مجنون اور کافر مسلمان کا ولی نہیں ہوسکتا۔ اور ہدایہ میں ہے الوصایۃ خلافۃ لانہ یختص بحال نقطاع ولایۃ المیت فینتقل لولایۃ الیہ یعنی وصی خلیفہ ہے کیونکہ وصایت اُس وقت کے ساتھ خاص ہے جب میت کی ولایت منقطع ہوجائے پس منتقل ہوکر اُس تک پہونچتی ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے الوصی من فوض الیہ الحفظ والتصرف یعنی وصی وہ ہے جسکے سپرد حفاظت اور تصرف ہو سوال زید اپنے وارثوں میں سے کسی کو وصی بنا سکتا ہے یا نہیں جواب بنا سکتا ہے عالمگیری میں ہے رجل اوصی الی وارثہ جاز اگر اپنے وارثوں میں سے کسی کو وصی بنایا تو جائز ہے سوال اگر ورثا وصی کی شکایت قاضی کے یہاں کریں تو قاضی معزول کرسکتا ہے یا نہیں جواب جبتک خیانت کا ثبوت نہو معزول نہیں کرسکتا عالمگیری میں ہے واذا شکت الورثۃ او بعضہم الوصی الی القاضی فانہ لا ینبغی لہ ان یعزلہ حتی یبد ولہ منہ خیانۃ فان علم منہ خیانۃ عزلہ کذا فی الکافی اگر تمام ورثا یا بعض ورثا وصی کی شکایت قاضی سے کریں تو قاضی وصی کو معزول نہیں کرسکتا جبتک کہ اُسکی خیانت ثابت نہوجائے اور خیانت کے ثابت ہونیکے بعد قاضی اُسے معزول کردے جیسا کہ کافی میں ہے سوال قرضدار شخص نے اپنے کل مال کی وصیت زید کو کی پھر مرگیا پس ادائے قرض مقدم ہے یا اجرائے وصیت اور وصیت کل مال میں نافذ ہوگی یا ثلث میں جواب اُسکے متروکہ سے پہلے قرض ادا کرنا چاہیے پھر جو باقی بچے اُس میں وصیت نافذ ہوگی پس اگر وہ وارث ہی نہیں رکھتا یا رکھتا ہے مگر اُن وارثوں نے بقیہ مال میں نفاذ وصیت کی اجازت دیدی ہے تو وصیت کل مال میں نافذ ہوگی اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو وصیت ثلث مابقی میں نافذ ہوگی اور دو ثلث وارثوں پر تقسیم ہونگے درمختار میں ہے یقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد ثم تقدم وصیتہ من ثلث ما بقی بعد تجہیزہ ودیونہ وانما قدمت فی الآیۃ اہتماما لکونہا مظنۃ التفریط و دین جنکا مطالبہ بندے کریں سب مقدم ہیں پھر جو تجہیز اور دیون سے بچا ہو اُسکے ثلث سے وصیت کا نافذ کرنا مقدم ہے وصیت جو آیت میں مقدم ہے اُسکی وجہ صرف یہ اندیشہ ہے کہ کہیں لوگ اس میں تساہل نہ کریں۔ اور مجمع البرکات میں ہے

ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیزہ الورثۃ بعد موتہ وھم اصحاء بالغون ولو اوصی بجمیع ماله ولیس له وارث نفذت الوصیۃ ولا یحتاج الی اجازۃ بیت المال انتھی ثلث سے زائد کی وصیت جائز نہیں مگر اُس صورت میں کہ اُسکی موت کے بعد ورثا اُسکی اجازت دیدیں اور صحیح اور بالغ ہوں اور اگر تمام مال کی وصیت کی اور کوئی وارث نہیں ہے تو وصیت نافذ ہوگی اور بیت المال سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سوال زید وصیت کرکے مرگیا کہ یہ روپے فلاں معین مسجد کی تعمیر میں خرچ کیے جائیں عمرو وصی زید نے وہ روپے بکر کو سپرد کر دیے اور کہدیا کہ اُسی معین مسجد کی تعمیر میں لگا دیے جائیں۔ بکر نے دوسری مسجد کی تعمیر میں وہ روپے صرف کر دیے لہذا عمرو وہ روپے بکر سے واپس مانگتا ہے اسکو واپس مانگنا چاہیے یا نہیں جواب نہیں اگرچہ اسکا کوئی جزئیہ میری نظر سے نہیں گذرا لیکن نذر اور وصیت کے باب میں فقہا کی تحریروں سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے تنویر الابصار میں ہے نذر ان یتصدق علی فقراء مکۃ جاز الصرف لفقراء غیرھا اھ اگر کسی نے نذر مانی کہ فقرائے مکہ معظمہ کو صدقہ دیگا تو مکہ معظمہ کے علاوہ دوسری جگہ کے فقرا کو دینا جائز ہے۔ اور فتاوی سراجیہ میں ہے اذا اوصی لفقراء بلدۃ معینۃ فالافضل ان لا یعطی غیرہ ولو اعطی غیرہ جاز اگر کسی معین شہر کے فقرا کے لیے وصیت کی تو افضل یہ ہے کہ دوسری جگہ کے فقرا کو نہ دے اور اگر دیدے تو بھی جائز ہے۔ اور عالمگیری وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ زید کی تعیین سے یہ لازم نہیں ہے کہ اُسی مسجد کی تعمیر میں روپے صرف کیے جائیں پس جبکہ بکر نے وہ روپے مسجد ہی کی تعمیر میں صرف کیے ہیں اگرچہ زید کی معین کی ہوئی مسجد کی تعمیر میں صرف نہیں کیے تو عمرو روپے بکر سے واپس نہیں لے سکتا سوال اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے متروکہ میں سے اسقدر میرے ہمسایہ والوں کو دیا جائے تو ہمسایوں سے کون لوگ مراد ہیں جواب جنکا مکان موصی کے مکان سے ملا ہوا ہو اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جو لوگ موصی کے محلے میں رہتے ہوں اور محلہ کی مسجد میں جمع ہوتے ہوں۔ برہان شرح مواہب الرحمن میں ہے اوصی لجیرانہ فھی ای الوصیۃ للملاصقیۃ خاصۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وھذا ھو القیاس لان الجار عند الاطلاق انما یطلق علی الجار الملازق لانہ من المجاورۃ وھی الملاصقۃ حقیقۃ وزاد اکل من سکن محلتہ وجمعھم مسجدھا لان الکل یسمون جیرانا عرفا قال صلی اللہ

علیہ وسلم لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد اگر اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کی تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ وصیت اُن پڑوسیوں کے ساتھ خاص ہوگی جو اُسکے مکان کے متصل ہیں اور یہی قیاس بھی ہے کیونکہ علی الاطلاق پڑوسی وہی ہے جسکا مکان متصل ہو کیونکہ جار مجاورت سے ماخوذ ہے جس کے معنے حقیقی اتصال کے ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ نے اُن لوگون کو زائد کیا ہے جو اُسکے محلہ میں رہتے ہوں اور محلہ کی مسجد میں جمع ہوتے ہوں کیونکہ عرف میں سب کو جیران کہتے ہیں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں ہوتی ہے اور عالمگیری میں ہے ومن اوصی لجیرانہ فھم الملاصقون بالدار عند ابی حنیفۃ وزفر رحمہما اللہ وھذا قیاس وفی الاستحسان وھو قولھما الوصیۃ لکل من یسکن محلۃ الوصی ویجمعھم مسجد المحلۃ ویستوی فیہ الساکن والمالک والذکر والانثی والمسلم والذمی والصغیر والکبیر ولا یدخل فیہ العبید والاماء والمدبرون وامھات الاولاد والمکاتب یدخل کذا فی الزیادات والمحیط من غیر ذکر خلاف کذا فی الکافی جس نے اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیت کی تو امام ابو حنیفہ اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک اُس سے وہی لوگ مراد ہین جنکا گھر اُسکے گھر سے متصل ہو یہ قیاس ہے اور استحسان صاحبین رحمہما اللہ کے قول میں ہے کہ وصیت اُن اہل محلہ کے لئے ہوگی جو اس محلہ کی مسجد میں جمع ہوتے ہون اس معاملے میں سکونت رکھنے والا اور مالک مکان مرد اور عورت مسلمان اور ذمی چھوٹا اور بڑا سب مساوی ہیں البتہ غلام لونڈیان مدبر امہات ولد اس میں داخل نہون گے اور مکاتب داخل ہوگا یہ زیادات اور محیط میں ہے اور اس میں کوئی اختلاف تحریر نہیں ہے ایسا ہی کافی میں ہے سوال زید نے بحالت صحت ذات وثبات عقل کے یہ وصیت نامہ لکھا کہ یہ روپیہ فلاں مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے اور عمرو اپنے بیٹے کو وصی مقرر کرکے اپنے سامنے کل املاک پر قابض کرا دیا پھر زید مر گیا اُسوقت مساۃ ہندہ بنت زید نے وصیت نامہ کو تسلیم کرکے عمرو کا قبضہ بحال رکھا اور عمرو بیس برس کے قریب قابض رہکر وصیت نامہ کے موافق عملدرآمد کرتا رہا اب عمرو مرگیا۔ اُس نے ہندہ اصل موصی کی دختر اور ہندہ کے بیٹوں اور اپنے تین نابالغ لڑکے اور تین نابالغ لڑکیاں اور ایک بیٹی بالغہ مساۃ صالحہ اور ایک بالغ لڑکا مسمی بکر کو چھوڑا۔ عمرو کے مرنے کے بعد بکر جو سعید اور صالح ہے اور جملہ ورثا کے مقابلے میں امور وقف کا اچھا اہتمام کرسکتا تھا

وصیت نامۂ مذکور کے ذریعے سے املاک پر قابض ہوا اور امانت و دیانت کے ساتھ امور مندرجۂ وصیت
نامہ پر عمل کرتا ہے۔ سوال اول بموجب وصیت نامہ کے بنسبت چار آنہ کے اشخاص مذکورین سے
کون شخص وصی ہوگا سوال دوسرا اور جو شخص وصی ہوگا بہ نسبت چار آنہ کے وہی شخص وصی و منتظم
بہ نسبت بارہ آنہ کے بھی ہوگا سوال تیسرا درحالیکہ وہی شخص وصی ہو تو ورثائے موصی کو اختیار
انتزاع قبضہ کا اُس شخص سے نسبت چار آنہ کے خواہ بارہ آنہ بقیہ کے حاصل ہے جواب چونکہ
دفعہ ۳ میں موصی نے تصریح کر دی ہے کہ امر انتظام وقف ہماری اولاد میں رہیگا اس وجہ سے
موصی کے نواسوں کو کچھ مداخلت نہیں ہوسکتی کیونکہ لفظ اولاد سے لڑکی کی اولاد بقول مفتی بہ خارج
ہے۔ تنقیح فتاوی حامدیہ کے صفحہ ۱۵۶ جلد اول میں ہے قال الطرطوسی ما حاصلہ ان فی دخول
اولاد البنات فی لفظ الاولاد اختلاف الروایۃ ففی روایۃ الخصاف وھلال یدخلون
وفی ظاھر الروایۃ لا یدخلون وعلیہ الفتوی وذکر العلامۃ البیری انہ اختلف
ھل یدخل ولد البنت فی قولہ علی ولدی وولد ولدی قال فی المحیط لا یدخلون فی ظاھر
الروایۃ وعلیہ الفتوی لانھم ینسبون الی الاب دون الام واعتمدہ فی التجنیس
ولذا اعتمدہ المتاخرون منھم الشیخ قاسم الحنفی وقال ھو الذی یفتی بہ انتھی یعنی
طرطوسی نے کہا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اولاد میں نواسوں کے داخل ہونے میں اختلاف
روایت ہے خصاف وہلال کی روایت میں وہ داخل ہیں اور ظاہر روایت میں داخل نہیں
ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے علامۂ بیری نے لکھا ہے اس میں اختلاف ہے کہ علی ولدی وولد
ولدی میں نواسہ داخل ہے یا نہیں محیط میں ہے کہ ظاہر روایت میں داخل نہیں ہے اور اسی
پر فتویٰ ہے کیونکہ نواسے اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں نہ کہ ماں کی طرف تجنیس میں
اسی پر اعتماد کیا ہے اور اسی طرح متاخرین میں سے شیخ قاسم حنفی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہی مفتی بہ
ہے۔ اور جو ورثا نابالغ ہیں وہ بھی وصایت اور ولایت کی قابلیت نہیں رکھتے جیسا کہ بحرالرائق
میں ہے فی الاسعاف لو اوصی الی صبی تبطل فی القیاس وفی الاستحسان ھی باطلۃ مادام
صغیرا اسعاف میں ہے اگر کسی بچہ کے لیے وصیت کی تو یہ باعتبار قیاس مطلقاً باطل ہے
اور باعتبار استحسان جبتک بچہ صغیر رہے باطل ہے۔ باقی رہے اور ورثہ تو ان میں سے

جو سعید اور صالح اور امور وقف کے انجام دینے کے قابل ہو وہ بحسب نص موصی امور وقف میں بابت چار آنہ کے وصی و منتظم ہوگا اور اگر چند وارث سعادت اور رشد میں برابر ہوں تو جو عالم ہوگا اور امور وقف کا اہتمام اچھی طرح دیانت اور امانت سے کر سکتا ہوگا وہ منتظم قرار دیا جائیگا تنقیح فتاوی حامدیہ صفحہ ۱۶۲ میں ہے لو احدھما اورع والاخر اعلم بامور الوقف فھو اولی اذا امن من خیانتہ ولو استویا رشدا وکان احدھما عالما فانہ یقدم اگر دو آدمیوں میں سے ایک زاہد متقی ہو اور دوسرا امور وقف کو زائد جانتا ہو تو دوسرا زائد مناسب ہے جبکہ اُسکی خیانت کا خوف نہ ہو اور اگر تقوی میں دونوں مساوی ہوں اور ایک عالم ہو تو وہ مقدم ہے۔ باقی رہے اور ورثہ میں سے جو سعید صالح و لائق انجام امور وقف ہو وہ بحسب نص موصی امور وقف میں بابت چار آنہ کے وصی و منتظم ہوگا فتاوی قاضی صفحہ ۲۱۳ جلد چہارم مطبوعہ کلکتہ میں ہے لو قال الواقف انت وصی فی امر الوقف خاصۃ قال ابو حنیفۃ ھو وصی فی الاشیاء کلھا اگر واقف نے کسی سے کہا کہ تو خاص امر وقف میں میرا وصی ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شخص تمام امور میں وصی ہو جائیگا۔ اور بھی اسی کتاب صفحہ ۳۲۶ میں ہے اذا اوصی الی رجل فی نوع کان وصیا فی الانواع کلھا اگر کسی شخص کو خاص امر میں اپنا وصی بنایا تو وہ تمام امور میں وصی ہوگا اور بحر الرائق کی کتاب الوقف میں ہے لو جعلہ وصیا فی امر الوقف فقط کان وصیا فی الاشیاء کلھا عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ اگر کسی شخص کو صرف وقف میں وصی بنایا تو وہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک تمام امور میں وصی ہوگا۔ اور جامع الرموز کی کتاب الوصایا صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ مصطفائی میں ہے اطلاقہ مشعر بانہ لو جعل رجلا وصیا فی نوع صار وصیا فی الانواع کلھا کما فی الذخیرۃ وغیرہ اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُس نے کسی کو خاص نوع میں اپنا وصی کیا تو وہ شخص تمام انواع میں وصی ہوگا جیسا کہ ذخیرہ وغیرہ میں ہے۔ اور مجتبیٰ شرح مختصر قدوری اور منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے لو خص لہ الوصیۃ فی مال لہ فھو وصی عند ابی حنیفۃ فی کلہ اگر کسی شخص نے کسی کو خاص مال میں اپنا وصی بنایا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تمام امور میں وصی ہے اور فتاوی سراجیہ اور مجمع البرکات میں ہے الوصی فی نوع یکون وصیا فی الانواع کلھا کسی خاص نوع میں جو وصی ہو وہ تمام امور میں وصی ہے۔ اور عبارت دفعہ ۶

وصیت نامہ کی دا ورنہ نیلام سے حق و دخل مسمی عمرو خواہ اُن کے جو قائم مقام ہوں فتور آ ئیگا الخ
نص صریح اس امر پر ہے کہ بابت بارہ آنے کے وصایت بعد عمرو کے اُن کے قائم مقام کی طرف
منتقل ہو گی اور موصی کے ورثا یا حاکم کو اختیار نہیں ہو کہ بدون ثبوت خیانت کے انتزاع قبضہ
وصی سے مقدار ۴ آنہ یا ۱۲ آنہ کو کریں جامع الرموز صفحہ ۳۲ میں ہے ویبقی وجوبًا امین عن الخیانۃ
یقدر علی القیام بہا جس شخص کے متعلق خیانت کا خیال نہو اور رہ مال کا انتظام کر سکتا ہو تو اسکو
منتظم باقی رکھنا واجب ہو۔ اور شرح مختصر وقایہ مصنفہ شمنی میں ہے ویبقی وصی امین یقدر علی التصرف
ولیس للقاضی ان یخرجہ عن الوصایۃ وصی امین جو تصرف پر قدرت رکھتا وہ باقی رکھا جائیگا
اور قاضی کو اُسے وصایت سے علیحدہ کرنے کا حق نہیں اور ہدایہ کے باب الوصی میں ہو ولو کان قادرًا
علی التصرف امینا فیہ لیس للقاضی ان یخرجہ وکذا اذا شکی الورثۃ او بعضہم الوصی الی القاضی
فانہ لا ینبغی لہ ان یعزلہ حتی یتبدو منہ خیانۃ جو شخص انتظام کر سکتا ہو اور امین ہو اُسے قاضی
کو خارج نہ کرنا چاہیئے اسیطرح جب تمام ورثا یا بعض قاضی سے وصی کی شکایت کریں تو قاضی کو اُسے
معزول نکرنا چاہیئے تا وقتیکہ اُس سے خیانت نہ ظاہر ہو سوال زید نے اپنی املاک موقوفہ اور موصی بہا
کا وصی اور منتظم اپنے پسر مسمی بکر کو کر کے املاک مذکورہ پر بکر کو قابض و دخیل کرا دیا اور یہ شرط کی کہ مسمی بکر کے
بعد ہمیشہ اور ہر زمانے میں ہماری اولاد میں سے جو سعید اور لائق ہو وہ املاک مذکورہ کا وصی اور منتظم
ہوا کرے گا شرعا یہ شرط جائز اور ہر زمانے میں واجب العمل ہے یا نہیں جواب یہ شرط جائز اور ہر زمانہ
میں واجب العمل ہے عالمگیری میں ہے فی فتاوی محمد بن الفضل سئل عمن شرط فی اصل
الوقف الولایۃ لنفسہ ولاولادہ قال یجوز بالاجماع۔ وفیہ ایضًا ان شرط ان یلیہ فلان
بعد موتی ثم بعدہ یلیہ فلان ثم بعدہ یلیہ فلان فہذا الشرط جائز کما فی محیط
السرخسی یعنی محمد بن فضل رحمہ اللہ کے فتاوے میں ہو کہ اُن سے اُس شخص کے متعلق سوال کیا گیا
جس نے اصل وقف میں اپنی اور اپنی اولاد کی ولایت کی شرط لگا دی تو انھون نے کہا کہ یہ باجماع
جائز ہے اور یہ بھی اُسی کتاب میں ہے کہ اگر واقف نے شرط لگائی کہ میرے مرنے کے بعد
فلان ولی ہو اور اُسکے بعد فلان اور اُسکے بعد فلان تو یہ شرط جائز ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے
اور فتاوی قاضی خاں میں ہے لو شرط الواقف فی الوقف ان یکون الولایۃ لہ ولاولادہ فی وقتہ

القیم وعزلہ والاستبدال بالوقف وما ھو من انواع الولایۃ واخرجہ من یدہ الی المتولی جاز ذلک ذکرہ فی السیر انتہی اگر واقف نے وقف میں شرط لگا ئی کہ اُسے اور اُسکی اولاد کو قیم کے مقرر کرنے اور معزول کرنے اور مبادلہ اور وقف اور دوسرے امور کا جو اقسام ولایت سے ہیں اختیار رہیگا اور وقف کو اپنی ملک سے متولی کی جانب منتقل کردیا تو یہ جائز ہے اسے سیر میں ذکر کیا ہے اور اشباہ میں ہے شرط الوقف کنص الشارع یجب اتباعہ یعنی واقف کی شرط حکم شارع کی سی ہے اُسکی اتباع واجب ہے اور طحطاوی حاشیۂ درمختار میں لکھتے ہیں شرائط الواقف معتبرۃ کالنصوص فیراعی کالنصوص یعنی شرائط واقف نصوص کی طرح معتبر ہیں لہٰذا اُن کا لحاظ بھی نصوص ہی کی طرح کیا جائیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

کتاب الدعویٰ

سوال زید نے عمرو پر ایک بیجا دعویٰ کیا عمرو کو پیروی مقدمہ کے لیے مجبوراً سودی مہاجن سے روپیہ لینا پڑا اور صل روپیہ مقدمہ کی پیروی میں صرف ہوا اور دس روپیہ سود کا مہاجن کو عمرو نے اپنے پاس سے دیا اور بکر نے جو روپیہ لیا تھا اُسکو زید کی نالش کی جواب دہی میں صرف کیا اور مہاجن نے زرسود کو بکر سے وصول کیا اس زیرباری کے بعد زید نے عمرو سے یوں مصالحت کی کہ نالش کی وجہ سے عمرو جس قدر زیربار ہوا ہے وہ میں دونگا اور اس خرچ کی تعیین کے لئے ایک شخص غیر خالد نام کا برضا فریقین صرف اسلئے ثالث مقرر کیا گیا کہ وہ مقدار اُس کل خرچہ کی معین کرکے جس کا عمرو زیربار ہوا ہے عدالت میں داخل کردے تو کیا وہ ثلث مقدار خرچہ میں زرسود کو شامل کرسکتا ہے یا نہیں جس کا عمرو بجبوری زیربار ہوا ہے۔ بینوا توجروا جواب جائز نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ سوال شیخ بشارت اللہ چار بیٹے منور پیر محمد امان علی اور زور آور کو چھوڑ کے مرا اور اُس نے کچھ ترکہ نہیں چھوڑا پھر چاروں بھائی الگ الگ رہنے لگے منور نے اپنے قوت بازو سے کچھ رقم پیدا کرکے اُس سے کاشتکاری اور ٹھیکہ داری کا سامان کیا اور اپنے سب بھائیوں کو اکٹھا کرکے اپنے ساتھ کھلانے پینے میں شریک کیا پیر محمد اور زور آور کچھ دنوں بعد علیٰحدہ ہوگئے امان علی ابتک منور کے ساتھ ہے اور اُس کی اولاد

کے ساتھ کھیتی کرتا ہے کھیتی میں اب تک جو نفع ہوا اُس سے منور نے امان علی کی شادی کی اور اپنے لڑکوں کی تقریبوں میں صرف کیا اب ناموافقت کی وجہ سے امان علی الگ ہوگیا اور جائداد موجودہ مثلاً نقد و جنس و اثاث البیت مع زیور و اسباب جہیز کی تقسیم کا دعویدار ہے یہ دعویٰ جائز ہے یا نہیں۔
جواب اس صورت میں چونکہ اصل مال منور کا پیدا کیا ہوا ہے امان علی اُس میں حصہ دار نہیں ہو سکتا مگر امان علی نے جتنی محنت اور اعانت کھیتی میں کی ہے صرف اُسکی مزدوری پانے کا مستحق ہے واللہ اعلم
عبدالحی عفی عنہ سوال ہندہ اور زینب وغیرہا نے اشیاے متعددہ جیسے نقد او رغیر نقد مکانات اور دو زنجیر فیل کا دعویٰ اپنے بھائی زید پر کیا اور ثبوت میں دو گواہ اس بات پر پیش کیے کہ مورث نے اپنے روپے سے دونوں زنجیر فیل خریدی تھیں اور قبض ہوگیا مگر دونوں گواہوں کا بیان قیمت میں متفق نہیں ہے ایک ایک قیمت برخریداری بیان کرتا ہے اور دوسرا دوسری قیمت برادران گواہوں کے علاوہ مدعی ایسے گواہ پیش نہیں کر سکتے جو یہ ثابت کر سکیں کہ باقی اشیا بھی مورث کی ملک ہیں اور زید اشیاے مذکورہ اپنی ملک ثابت کرتا ہے اور مورث کے اس اقرار کو سند میں پیش کرتا ہے جو بحالت صحت اُس نے تحریر کیا تھا کہ یہ اشیا زید کی ہیں میری ملک نہیں ہیں اور اس اقرار مورث پر زید گواہ بھی پیش کرتا ہے پس عالمگیری کے قول کے موافق حاکم اشیاے مذکورہ کو ترکہ مورث قرار دیکر مدعیات کو فرائضی حصہ ان میں دلا سکتا ہے یا نہیں عالمگیری کی عبارت یہ ہے وفی فتاوی رشید الدین ادعی میراثا من ابیہ واقام بینۃ واقام المدعی علیہ بینۃ ان اباک اقر حال حیاتہ انہا ملکی یسمع ھذا الدفع فلو اقام المدعی بینۃ انک اقررت ان ھذہ الدار ملک ابی وحقہ یقبل ھذہ الدفع ایضا وقد تعارضت الدفعان فتقبل بینۃ الارث بلا معارض انتہی فتاوی رشید الدین میں ہے ایک شخص نے اپنے باپ کے ورثے کا دعوے کیا اور اُس پر بینہ بھی قائم کیے اور مدعی علیہ نے اس امر پر بینہ قائم کیے کہ تمہارے باپ نے اپنی زندگی میں اس امر کا اقرار کیا تھا کہ یہ اشیا میری ملک ہیں تو یہ بینہ قبول کیے جائینگے پھر اگر مدعی اس امر پر بینہ قائم کرے کہ تم نے اس امر کا اقرار کیا تھا کہ یہ گھر میرے باپ کی ملک اور اُسکا حق ہے تو یہ بینہ بھی قبول کیے جائینگے اور یہ دونوں بینہ متعارض ہونگے پس بینۂ ارث قبول کیے جائینگے کیونکہ اُسکے معارض اور مخالف کوئی شے نہیں ہے جواب صورت مسئولہ میں حاکم اشیاء مذکورہ میں سے مدعیات کو حصہ نہیں دلا سکتا کیونکہ عالمگیری کے اس قول سے تو

یہ بخوبی واضح ہے کہ مدعا علیہ نے اپنے گواہوں سے اپنے حق میں جو مورث کا اقرار ثابت کیا ہے اور
مدعی نے جو اپنے گواہوں سے مدعا علیہ کا اقرار نسبت میراث ہونے شے مدعی کے ثابت کیا ہے
دونوں تعارض کی وجہ سے ساقط ہونگے اور اصل گواہ میراث کے معتبر اور مقبول مانے جائینگے
پس اب یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ جب مورث اور زید دونوں کے اقرار ساقط ہوگئے تو ثبوت
دیگر میراث کا اور گواہوں سے ہے یا نہیں پس وہ نہیں ہے کیونکہ زنجیروں کے سوا اور اشیا کے
میراث ہونے پر گواہوں کا نہونا تو ظاہر و باہر ہے اور چونکہ زنجیر فیل کے متعلق بھی دونوں گواہ
جو گواہی کا نصاب ہے ایک قیمت پر خرید کی گواہی نہیں دیتے ہیں بلکہ ہر ایک جدا جدا قیمت بیان
کرتا ہے پس ایک قیمت نفدا کی شہادت کامل نہونے کی وجہ سے یہ گواہیاں بھی قابل قبول نہیں ہیں
ہدایہ میں ہے ومن شهد لرجل انه اشترى عبدا من فلان بالف وشهد اخر انه اشترى بالف
وخمسمائة فالشهادة باطلة لان المقصود اثبات السبب هو العقد ويختلف باختلاف الثمن فاختلف
المشهود به ولم يتم العدد على كل واحد ولان المدعى يكذب احد شاهديه وكذلك
اذا كان المدعى هو البائع ولا فرق بين ان يدعى المدعى اقل المالين او اكثرهما انتهى
کسی نے ایک شخص کے لئے گواہی دی کہ اس نے فلاں شخص سے یہ غلام ایک ہزار کا خریدا اور
دوسرے گواہ نے کہا کہ ڈیڑھ ہزار کا خریدا تو شہادت باطل ہے اس وجہ سے کہ شہادت کا مقصد
اثبات سبب یعنے عقد ہے اور عقد اختلاف ثمن سے متغیر ہو جاتا ہے پس مشہود بہ مختلف ہوگیا
اور شاہدوں کی تعداد کسی میں بھی پوری نہیں رہی اور اس وجہ سے کہ مدعی کے دونوں شاہدوں
میں سے ایک کاذب ہوگیا اور اسیطرح جب مدعی بائع ہو اور اس میں مدعی کے دعوے کے کم اور
زیادہ مال کے متعلق ہونے سے کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اسی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں پس جبکہ اشیائے
مذکورہ میں سے کسی شے میں مورث کے ترکہ کا ثبوت نہیں ہوا تو ان اشیا میں سے حصۂ فرائضی مدعیات
مجردہ کو دلوانا شرعاً اصلا متصور نہیں واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم حررہ محمد عبدالقادر عفی عنہ - بے شبہہ یہ
عالمگیری کا قول حصۂ فرائضی دلوانے کے سند میں صورت مسئولہ میں کافی نہیں واللہ اعلم حررہ
امداد حسین عفی عنہ۔ اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد عنایت اللہ خان صح الجواب
واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد اعجاز حسین عفی عنہ فی الواقع بمقتضائے روایت عالمگیری صورت

مسئولہ میں بدون اقامت بینہ میراث کے میراث کا حصہ نہیں ملسکتا واللہ اعلم حررہ الراجی
عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال ورثائے زید نے عمرو
پر وین متروکۂ مورث کا دعویٰ کیا عمرو نے جواب دیا کہ اسقدر تو میں نے مدعی کو اور اسقدر
مدعی کے مورث کو دیدیے اور اُس نے حلف پر حصر کیا ہے مدعی نے گواہان اقرار مدعا علیہ
او پر وجوب مدعا بہ کے بعد زمانۂ ایصال کے سنا دیے اور مدعا علیہ مذکور مدعی سے حلف بالعلم
نسبت نہ لینے موالی کے بعض مدعا بہ کو بموجب روایت عالمگیری کے جو کتاب القضا میں ہے
لینا چاہتا ہے پس اُس پر حلف واجب ہے یا نہیں۔ جواب جبکہ مدعی نے گواہان اقرار مدعا علیہ
وجوب مدعا بہ بعد زمانۂ ایصال کے سنا دیے تو دعوے مدعا علیہ کا بابت ایصال کے مندفع
ہو گیا پس اب اُسکو استحقاق حلف کا باقی نہیں رہا تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے کما یصح الدفع کذلک
یصح دفع الدفع جس طرح جواب درست ہے اسی طرح جواب الجواب بھی درست ہے۔ اور بھی اسی
کتاب میں ہے ان ادعی الایفاء قبل الاقرار لا یقبل اگر اقرار کے قبل ایفا کا دعوے کیا تو یہ دعوے
قبول نہ ہوگا واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال شیخ سجانی اور شیخ بدا اور شیخ عبداللہ
تینوں حقیقی بھائی تھے اور شیخ سجانی اور شیخ بدا کی وفات کے بعد شیخ رمضان اور شیخ
یوسف پسران شیخ بدا نے زمین کو خاص اپنے بزرگوں کی ملکیت قرار دیکر شیخ عبدالغفور اور شیخ
جمن کے ہاتھ بیع کر ڈالا اور شیخ عبداللہ مذکور برادر مورثان کے پوتے احمد اور محمود نابالغان
نے اُن بیعنامون پر گواہی کردی اور اسکو بیس برس کا زمانہ گذرا پھر اس میں سے جب کچھ زمین
کسی طور پر شیخ سجانی اور شیخ بدا کے اختیار میں آگئی تو اُس میں شیخ عبداللہ کے وارث
کیا یہ دعوی کر سکتے ہیں یا نہیں کہ جو زمین مذکور ہمارے خاندان میں پھر آگئی ہے اُس میں بمقدار حصہ
شیخ عبداللہ ہمارے مورث کے جو اُنکو بطور عصوبت متروکۂ شیخ سجانی سے پہونچتا تھا ہمکو ملنا
چاہیے دوسرے شیخ عبداللہ کی وفات کے بعد صرف اُسکے دو پوتے احمد اور محمود نابالغ جنکا
باپ عبداللہ کے سامنے مر گیا تھا شیخ عبداللہ کے عصوبۃً وارث ہوئے لیکن اُن نابالغوں کا
کوئی آبائی ولی یعنے باپ دادا دادی اور چچا وغیرہ باقی نہیں رہا تو اُن نابالغوں کی ماں مسماۃ
فتحہ بی بی شرعًا نابالغوں کی ولیہ قریبہ ہو گئی اور اُسکو بولایت پسران نابالغان کے رضاعت

اور حضانت کے زمانے میں اُنکی پرورش کے لیے اُنکی جائداد کے انتقال کا حق ہوگا یا نہیں اور شرعاً رضاعت اور حضانت کی مُدت کیا ہے تیسرے فتحہ بی بی نے بولایت اپنے پسران نا بالغان احمد ومحمود کے جز زمین بدست ا. روشن وجو بروغیرہ خریداران کے بیع ڈالی اور اسپر خریداران مذکور نے مکانات بنا لیے اُسکو بیس برس کا عرصہ گذر گیا اب اتنی مُدت کے بعد جو شیخ باسط علی نے بعینامہ حق احمد ومحمود نا بالغان مذکور کا زمین مذکور کی بابت لکھوالیا تو وہ دعوے انہدام تعمیرات مذکورہ اور خالی کرانے زمین ماتحتی تعمیرات مذکور کے بمقدار حصۂ احمد ومحمود نا بالغان مسطور کے کرسکتا ہے یا نہیں اور اصرار اہل اسلام میں جائز ہے یا نہیں **جواب** (۱) اس صورت میں وارثان شیخ عبد اللہ کا دعوے ساقط ہے اشباہ ونظائر میں ہے السابعة والعشرون سکوته عند بیع زوجة او قریبه عقارا اقرار بانه لیس له علی ما افتی به مشائخ سمرقند والثامنة والعشرون رآه یبیع ارضًا او دارا فتصرف فیه المشتری زمانا وهو ساکت یسقط دعواه یعنی چوبیسویں جب کسی چیز کو اُسکی زوجہ یا عزیز قریب فروخت کرے تو اُسکا چپ رہنا اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ وہ اُسکی ملک نہیں ہے جیسا کہ مشائخ سمرقند نے اسکا فتویٰ دیا ہے پچیسویں اگر اُس نے دیکھا کہ کوئی شخص ایک زمین یا گھر کو بیچ رہا ہے پھر مشتری اُس میں ایک عرصہ تک متصرف رہا اور اُس نے کچھ تعرض نہ کیا تو اُسکا دعویٰ ساقط ہو جائیگا۔ اور حاشیۂ اشباہ میں ہے فی البزازیة جعل الفتویٰ علی عدم سماع الدعویٰ فی القریب والزوجة یعنی بزازیہ میں ہے کہ فتویٰ اسپر ہے کہ قریب وزوجہ کی بیع کی صورت میں دعویٰ نہ سنا جائیگا اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے المسألة فی کثیر من المعتبرات کالتنویر والکنز والملتقی والبزازیة والولوالجیة وعبارتها رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل آخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولده انتهی بہت سی معتبر کتابوں (جیسے تنویر کنز ملتقی بزازیہ اور ولوالجیہ) میں ایک مسئلہ ہے جسکی عبارت یہ ہے کہ ایک شخص کسی زمین پر عرصہ تک متصرف رہا اور دوسرے نے زمین کو اور اُسکے تصرف کو دیکھنے کے باوجود دعویٰ نہیں کیا تو اگر اُسکے مرنے کے بعد اُسکا لڑکا دعوے کرے تو یہ دعویٰ سماعت کے قابل نہوگا (۲) ماں کو ولایت حاصل نہیں اور ماں کی بیع وشرع نافذ نہوگی مگر جبکہ کوئی مالی ولی اجازت دے یا خود لڑکا

بلوغ کے بعد اُسکے تصرف کو جائز کردے۔ جامع الفصولین میں ہے الولایۃ فی مال الصغیر الی الاب ووصیہ ثم وصی وصیہ ولو بعد فلو مات ابوہ ولم یوص فالولایۃ الی اب الاب ثم وصیہ ثم وصی وصیہ فان لم یکن فالقاضی ومن ینصبہ انتہی بچے کے مال کی ولایت باپ کو ہے پھر اُسکے وصی کو پھر اُسکے وصی کے وصی کو تو اگر باپ بغیر کسی کو اپنا وصی بنائے ہوے مرجائے تو داداکو ولایت ہے پھر اُسکے وصی کو پھر اُسکے وصی کے وصی کو اور اگر یہ بھی نہو تو قاضی کو یا جسکو وہ مقرر کرے اُسے حق ولایت ہے اور فتاوے عالمگیری میں ہے الام اذا رھنت مال طفلہا فانہ لا یجوز الا ان تکون وصیۃ او تکون ماذونۃ من جھۃ من یلی الطفل انتہی ماں اگر اپنے بچے کے مال کو رہن رکھے تو یہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ولی نے اُسکو ایسا کرنے کی اجازت دی ہو یا اُسے وصی بنایا ہو (۳) جبکہ محمود اور احمد نے بلوغ کے بعد اپنی ماں کے تصرف کو جائز رکھا اور خریداروں کے تصرف سے کچھ تعرض نکیا تو اب اتنے عرصے کے بعد باسط علی کا دعوی نہ سنا جائیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ ابو الحسنات عبد الحی عفی عنہ سوال ایک زمین یا مکان پشتہا پشت سے زید کے تصرف میں ہے کبھی بکر کے باپ دادا اور خالد کے باپ اور جد الجد کسی طرح سے مزاحم نہیں ہوے پھر بکر اور خالد کا باپ اور خالد نے بغیر زید کی اطلاع کے ایک دوسرے کے مشورے سے بالا بالا تحریری اور تقریری کاروائی اپنے مطلب کے موافق کرلی اور اُس کے ایک مدت کے بعد جب مطلع ہوے تو اب اُسی جعلی کارروائی کے ذریعہ سے اُن میں ہر شخص اپنی اپنی ملکیت کا دعویدار ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اشیا ہمارے مورث کی ملک ہیں اور فلان فلان کارروائی ثبوت کے لیے ہمارے پاس موجود ہے زید کہتا ہے کہ وہ کارروائی بے میری اطلاع اور گواہی کے حالانکہ ہم تم سب ایک جگہ رہتے ہیں قابل تسلیم نہیں ہے اور ان اشیا پر پشتہا پشت سے میرے آبواجداد قابض ومتصرف رہے اور اب میں قابض ہوں اگر یہ میرے وارثوں کی ملک نہ تھی تو وہ اسپر کیونکر قابض رہ سکے اور تمھارے مورثوں میں سے ابتک کسی نے کیوں مزاحمت نہ کی دوسرے یہ کہ قبضے کے علاوہ جو صدہا برس سے ہمارا ہے فلان کارروائی کے موافق جو تمھاری اس کارروائی سے پہلے کی ہے باین وجہ کہ اُس میں بکر اور خالد کو رکے باپ کی گواہیاں خاص اُن کے دستخطوں سے اُس کاغذ پر موجود ہیں میری ملکیت ان اشیا پر ثابت ہے اگر یہ اشیا تمھارے وارثوں کی ملک ہوتیں تو نہ وہ اپنی گواہی اُسپر لکھتے نہ عدالتی

اور پنچایتی کارروائی سے باز رہتے بکر اور خالد کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے مورث بھی بے پڑھے تھے ہم نہیں جانتے تھے کہ اس تحریر میں کیا ہے زید کہتا ہے کہ ہر شخص پڑھا لکھا ہو یا نہو اپنے مطلب کو خوب جانتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ دیوانے بھی اپنے کام میں ہوشیار ہوتے ہیں اور تم نے اور خالد کے باپ نے پہلے ہم سے اس کارروائی کو سن لیا تھا اس کے بعد اسپر اپنی گواہی کی تھی اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ بے پڑھے اور ناسمجھ بھی تھے تو کمان سے جاکر تیر واپس نہیں آتا اور اب کیا ہو سکتا ہے شرعاً یہ تمام کارروائی اور تمھارا دعوے باطل اور ناسموع ہے اور منصف اور عادل لوگوں کے سامنے سند ہوگی پس دریافت طلب امر ہے کہ اس صورت میں زید کے قبضہ اور بکر اور خالد کے باپ کی تحریر پر دستخط ہونے سے ثبوت ملکیت زید کا ہو سکتا ہے یا نہیں اور بغیر اطلاع زید کے بکر اور خالد اور اسکے باپ کی کارروائی شرعاً جائز ہے یا ناجائز جواب اس صورت میں بکر اور خالد اور خالد کے باپ کا دعویٰ زید پر قابل سماعت نہیں ہے تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے قال فی الفتاوی الولوالجی رجل تصرف زماناً فی ارض آخر ورجل آخر رای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولدہ فترک فی ید المتصرف لان الحال شاھد ورأیت فی فتاوی الغزی صاحب التنویر سئل عن رجل له بیت فی دار یسکنه مدۃ تزید علی ثلاث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذکور یتصرف فی البیت ھدماً وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفه فهل اذا ادعی البیت او بعضه تسمع دعواہ ام لا اجاب لا تسمع دعواہ علی ما علیه الفتوی یعنے فتاوی ولوالجی میں ہے ایک شخص کسی زمین پر عرصہ تک متصرف رہا اور دوسرا زمین اور تصرف دونوں کے ملاحظہ کے باوجود ساکت رہا اور دعوی نہ کیا پس اس کے مرنے کے بعد اسکے لڑکے کا دعوی سنا نہ جائیگا اور زمین متصرف ہی کے قبضے میں رہنے دیجائے گی کیونکہ حالت اسی کی شاہد ہے اور میں نے فتاوے غزی میں دیکھا ہے کہ صاحب تنویر سے پوچھا گیا کہ ایک گھر میں ایک شخص تین برس سے زائد عرصہ سے رہتا ہے اور اس مکان میں تصرفات از قبیل انہدام و تعمیر کرتا رہتا تھا اب اسکا پڑوسی تمام یا بعض حصہ مکان کا مدعی ہے حالانکہ اسے ان تصرفات کی ہمیشہ اطلاع رہی تو اب اسکا یہ دعوی مسموع ہوگا یا نہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ قول مفتی بہ کے

موافق یہ دعویٰ سماعت کے قابل نہیں ہے واللہ اعلم محمد عبدالحی عفی عنہ **سوال** مدعی نے اپنے ثبوت دعویٰ کے لئے دو گواہ پیش کیے اور دونوں نے اُسکے دعوے کے موافق گواہی دی مگر فسق یا اور اسباب عدم قبول شہادت کی وجہ سے جو کتابوں میں مذکور نہیں قاضی نے گواہی کو قبول نہیں کیا پس اس صورت میں مدعی علیہ پر حلف واجب ہوگا یا نہیں **جواب** صورت مسئولہ میں اگر مدعی کا دعویٰ صحیح ہے تو اُس کے گواہوں کی عدم مقبولیت کی وجہ سے اُس کے حلف دلانے کا حق ساقط ہوگا کیونکہ بینہ سے مراد اس حدیث میں کہ البینة علی المدعی والیمین علے من انکر یہ بینہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر وہ بینہ ہیں جو دعویٰ کو ثابت کرنے والے ہوں نہ یہ کہ جیسے بھی ہوں اور چونکہ مدعی ایسے بینہ پیش نہیں کرتا اس وجہ سے تو مدعی علیہ کو قسم دلانے کا حق باقی ہے اور اس قسم کی بات بدیہیات اولیہ سے ہے اس وجہ سے فقہائے اسکا ذکر نہیں کیا مگر تمام ملکوں میں اسی پر عمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب کتبہ محمد سعد اللہ صح الجواب اللہ علیم بالصواب حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم اس میں کوئی شک نہیں کہ شرعاً قاضی اسلیے مقرر کیا جاتا ہے کہ حق حقدار کو پہونچائے اور وہ یا بینہ سے ہوتا ہے یا یمین سے اور جب بینہ مجروح ہو کے قابل قبول نہیں ہے تو اگر حلف نہ لیا جائیگا تو بلا وجہ شرعی مدعی کا حق باطل ہوگا بس مدعی علیہ سے حلف لینا ضروری ہے اگر دل میں اس بات کی کھٹک ہو کہ قدوری نے اپنی مختصر میں لکھا ہے اذا صحت الدعوی سأل القاضی المدعی علیه عنها فان اعترف قضی بها فان انکر سال المدعی البینة فان احضرها قضی بها وان عجز عن ذلك وطلب یمین خصمه استحلف یعنے جب دعویٰ صحیح ہو تو قاضی مدعی علیہ سے دعوے کے بارے میں پوچھے اگر وہ اعتراف کرے تو حکم جاری کر دے اور اگر انکار کرے تو مدعی سے بینہ مانگے اگر وہ بینہ پیش کر دے تو قاضی حکم جاری کر دے اور اگر وہ بینہ نہ پیش کر سکے اور خصم سے قسم کی درخواست کرے تو اُس سے قسم لے لے۔ اور ایسا ہی جمہور فقہا نے لکھا ہے پس ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ پر حلف اُسوقت واجب ہوتا ہے جب مدعی احضار بینہ سے عاجز ہو اور صورت مسئولہ میں احضار بینہ پایا گیا پس کیونکر مدعی علیہ پر حلف واجب ہوگا تو اُس کا دفعیہ یہ ہے کہ احضار بینہ میں عجز سے احضار بینۂ مثبتہ کا عجز مراد ہے نہ مطلق بینہ سے عجز اسکے علاوہ فقہا گواہوں کے اسباب جرح و عدم قبولیت سے صحیح و سالم ہونے کو شرط کے طور پر بیان کرتے ہیں اور یہ معلوم ہے

کہ شرط کے فوت ہونے سے مشروط بھی فوت ہوجاتا ہے پس احضار بینۂ مجروحہ غیر مقبولہ مثل عدم احضار کے ہے لہذا حق استحلاف باقی رہتا ہے اور کہ باریک نظر اس بات کا حکم دیتی ہے کہ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر میں بینہ اور یمین پر جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے جیسا کہ فن اصول میں مصرح ہے پس اس حدیث کا مطلب یہ ہے البینۃ المثبتۃ للدعواۃ علی المدعی فان لم یقیم بینہ کذلک فالیمین الشرعی علی من انکر یعنی بینہ جس سے دعویٰ ثابت ہو مدعی کے ذمہ ہے اور اگر وہ بینہ نہ قائم کرسکے تو انکار کرنے والے پر شرعی قسم ہے واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال اگر کسی نے دس بارہ برس تک دعویٰ نہ کیا پھر اُسکا دعویٰ باطل ہوگا یا نہیں۔ جواب تقادم زمانہ سے دعوے باطل نہیں ہوتا ہے بلکہ اشباہ میں ہے کہ اگر تقادم زمانہ کی وجہ سے قاضی بطلان دعویٰ کا حکم دے تو اُسکا حکم نافذ نہوگا سوال مدعی کسکو کہتے ہیں اور مدعا علیہ کسکو جواب عالمگیری میں ہے المدعی من لا یجبر علی الخصومۃ اذا ترکھا والمدعی علیہ من یجبر علی الخصومۃ وھذا حد عام صحیح یعنی مدعی وہ شخص ہے کہ اگر ترک خصومت کرے تو اُسپر جبر نہ کیا جائے اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جو خصومت پر جبر کیا جائیگا اور یہ تعریف عام اور صحیح ہے سوال عمرو نے دعویٰ کیا کہ منجملہ زر تنخواہ کے میرے سو روپیہ زید پر باقی ہیں اور زید کہتا ہے کہ میں دے چکا ہوں اس صورت میں مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون ہے اور حلف زید پر لازم ہوگا یا عمرو پر جواب عمرو مدعی ہے اور زید مدعا علیہ اور گواہوں کے موجود نہونے کی حالت میں اس بات پر کہ میرے ذمہ سو روپیہ دعوے کے عائد نہیں ہیں حلف زید پر لازم ہوگا شارح ابوالمکارم نے لکھا ہے وقال محمد فی الاصل المدعی علیہ ھو المنکر والاخر ھو المدعی فی الکافی ان ھذا صحیح لکن الشان فی معرفتہ اذ العبرۃ للمعانی دون الصور والمبانی فان المودع اذا ادعی رد الودیعۃ فھو یدعی للرد صورۃ وفی المعنی ھو منکر الضمان ولذا یحلفہ القاضی انہ لا یلزمہ رد ولا ضمان ولا یحلف انہ ردہ اذ الیمین یکون علی النفی یعنی امام محمد رحمہ اللہ نے اصل میں لکھا ہے کہ مدعا علیہ وہ شخص ہے جو انکار کرے اور دوسرے شخص کو مدعی کہتے ہیں کافی میں ہے کہ یہ صحیح ہے لیکن دشواری اُسکے جاننے میں ہے کیونکہ اعتبار معانی کا ہے صورا اور الفاظ کا اعتبار نہیں ہے اسلئے کہ مودع جب ودیعت کے رد کردینے کا دعوے کرے

تو وہ صورۃً رد کا دعوی کریگا اور معنًی ضمان کا منکر ہوگا اور اسی لئے قاضی اس سے قسم لیگا کہ اسکو
رد اور ضمان لازم نہیں ہے اور اسکی قسم نہ لیگا کہ اس نے رد کر دیا ہے کیونکہ قسم ہمیشہ نفی پر ہوتی ہے
اور اگر زید عمرو سے انکار وصول پر حلف کا طالب ہوا اور عمرو حلف پر راضی ہوجائے تو ہوسکتا ہے
درمختار میں ہے ادعی المدیون الایصال فانکر المدعی ذلك ولا بینة له علی مدعاه فطلب
یمینه فقال المدعی اجعل حقی فی الختم ثم استحلفنی له ذلك کذا فی القنیة یعنی مدیون نے ادائے
قرض کے ایصال کا دعوی کیا اور مدعی نے انکار کیا اور اپنے مدعا پر کوئی بینہ نہیں پیش کیا پس اس سے
یمین طلب کی پس مدعی نے کہا کہ پہلے میرا جو کچھ حق ہے وہ اس جگہ رکھدے اسکے بعد مجھ سے قسم لے
تو اسے اسکا اختیار ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے سوال اگر اقرار کیا کہ یہ مال زید کے لیے ہے پھر دعوی کیا
یہ میرا ہے یا بوکالت دعوی کیا کہ خالد کے لئے ہے یہ دعوی مسموع ہوگا یا نہیں **جواب** نہیں
عالمگیری میں ہے التناقض کما یمنع صحة الدعوی لنفسه یمنع صحة الدعوی لغیره فمن
اقر بعین لغیره فکما لا یملك ان یدعیه لنفسه لا یملك ان یدعیه لغیره بوصایة او
وکالة وهذا اذا وجد منه ما یکون اقرارا بالملك له یعنی تناقض جسطرح اپنے لئے دعوے کے صحیح ہونے
کو منع کرتا ہے اسیطرح غیر کے لئے بھی دعوی کی صحت کو منع کرتا ہے پس جس شخص نے ایک مال غیر کے لئے اقرار
کیا تو جس طرح وہ شخص اسکی قدرت نہیں رکھتا ہے کہ اس مال کا اپنے لئے دعوی کرے اسیطرح وہ اسکی بھی قدرت
نہیں رکھتا کہ اس مال کا اپنے غیر کے لئے دعوے کرے خواہ وصایۃً ہو یا وکالۃً اور یہ اس وقت ہے
کہ جب اس نے غیر کے لئے ملک کا اقرار کیا ہو واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد
عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال جب یہ بات ثابت ہوجاوے کہ مدعی نے مدعا علیہ
کی طرف سے جو قابض ہو شئے مدعی بہ میں مالکانہ تصرف دیکھے اور وہ خاموش رہا کوئی مزاحمت نہیں
کی اب وہ دعوی کرتا ہے کہ یہ شے میری ملک ہے کیا اسکا دعوی قابل سماعت ہے **جواب** نہیں ہے
حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ جب یہ ثابت ہوجاوے کہ مدعی نے اس شئے میں اپنے سامنے تصرف ہوتے دیکھا
اور خاموش رہا تو یہ خاموشی دعوی کی سماعت سے مانع ہوگی واللہ اعلم

کتاب القضا

سوال عالمگیری کے باب ادب القاضی صفحہ ۱۲۴ میں ہے واختلف العلماء فی اجرۃ الشخص بعضهم قالوا هی فی بیت المال وبعضهم قالوا علی المتمرد کذا فی الذخیرۃ هو الصحیح کذا فی فتاوی قاضیخان علمانے شخص کی اُجرت میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ بیت المال کے ذمہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اُسکے ذمہ ہے جو عدالت میں حاضر ہونے سے انکار کرے یہ ذخیرہ میں ہے اور یہی صحیح ہے یہ فتاوی قاضی خان میں ہے۔ رد المحتار یعنے حاشیہ شامی کی کتاب القضاء میں ہے اما مؤنۃ المؤکل وهو الشخص الذی امرہ القاضی بملازمۃ المدعا علیہ لاخراجه ذکر القاضی الامام صدر الاسلام انها علی المدعا علیه وعلیه بعض الفقهاء وبعض مشائخنا علی انه علی المدعی وهو الاصح موکل یعنے اُس شخص کی اجرت جو مدعا علیہ پر اُسکو عدالت میں حاضر کرنے کے لئے مسلط کیا جائے قاضی امام صدر الاسلام نے کہا ہے کہ مدعا علیہ کے ذمے ہے اور بعض فقہا کا بھی یہی خیال ہے اور ہمارے بعض فقہا کے نزدیک وہ مدعی کے ذمے ہے اور یہی اصح ہے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے واجرۃ المحضر علی المدعی هو الاصح نقل البحر عن البزازیۃ وفی الخانیۃ علی المتمرد وهو الصحیح مدعا علیہ کو عدالت میں حاضر کرنے والے کی اُجرت مدعی کے ذمے ہے یہی اصح ہے اسکو بحر نے بزازیہ سے نقل کیا ہے اور خانیہ میں ہے کہ جو عدالت میں حاضر ہونے سے انکار کرے اُس کے ذمہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور بحر کی عبارت یہ ہے وفی البزازیۃ ویستعین باعوان الوالی علی الاحضار واجرۃ الاشخاص فی بیت المال وقیل علی المتمرد فی المصر من نصف درهم الی درهم وفی خارجه لکل فرسخ ثلثة دراهم او اربعة بزازیہ میں ہے کہ والی کے مددگاروں سے مدعا علیہ کے حاضر کرنے میں مدد لے اور اشخاص کی اجرت بیت المال سے دی جائے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ عدالت کی حاضری سے انکار کرنے والے سے شہر میں نصف درہم سے ایک درہم تک لے اور خارج شہر میں ہر فرسخ پر تین یا چار درہم لیے جائیں ان سب عبارتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع میں کسقدر خرچہ جیسے اجرائے سمن کا جو کہا گیا اس وقت بھی تھا اور جسقدر خرچہ قلیل یا کثیر تھا بصورت تمرد مدعا علیہ کے مدعا علیہ پر بار ہوتا تھا پس اس زمانے میں میرے نزدیک فقیہ کو تفقہ اور ایک طور پر اجتہاد کرنا ضروری ہے کہ بعض اشخاص روپیہ قرض لیتے ہیں اور تمرداً ادا نہیں کرتے اگرچہ جانتے ہیں کہ نالش ہونے پر خرچہ بھی دینا پڑے گا اور مدت گذرنے کے بعد پھر نالش نہوسکے گی تو ایسی صورت میں خرچہ مدعا علیہ ہی کی وجہ سے

پڑتا ہے پس ہمارے نزدیک اُس سے جبراً دلانا چاہیئے ہاں اگر تمرد نہو اور ادا کرنے کو کہتا ہو مگر ناداری کی وجہ سے ادا نکرسے تو ایسی حالت میں ہرگز خرچہ نہ لینا چاہیئے۔ اور جس صورت میں ادا کی طاقت ہے اور صرف واسطے حیرانی مدعی کے نہیں دیتا یا ہضم کی نیت ہے تو جبراً خرچہ دلوانا چاہیئے عبارتیں تو اور بھی بہت ہیں مگر اس وقت ایک کتاب کی عبارت نقل کرتا ہوں فتاوی مختار الاخیار میں بزبان فارسی لکھا ہے جسے میں نے مولانا عبدالحی مدظلہ کے کتب خانے میں دیکھا ہے اُسکا ترجمہ یہ ہے۔ جب قاضی مدعا علیہ کو اطلاع نامہ حاضر ہونے کے لئے بھیجے اور وہ شرارتاً نہ حاضر ہو یہانتک کہ جبراً لانے کے لئے دوسرا پیادہ بھیجا جاوے تو دوسرے پیادہ کی مزدوری مدعا علیہ پر ہے اور پہلے کا خرچہ مدعی پر اور یہ استحسان ہے کہ زجراً فقہا اُسکی جانب مائل ہوئے ہیں پس اس زمانے میں بھی اگر مدعا علیہ تمرد کرے اور اُسکے تمرد کی وجہ سے خرچہ پڑے تو دلیل استحسانی کا مقتضا یہی ہے کہ یہ خرچہ مدعا علیہ کو دینا چاہیئے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ پہلے زمانے میں خرچہ کم تھا اور اس زمانے میں زائد ہے مگر انگریزوں نے یہ اسٹامپ وغیرہ جو رکھا ہے درحقیقت قضا کی اُجرت ہی اور سابق میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض صورتوں میں قضا کی اُجرت لینا درست تھی جیسا کہ مختار الاخیار صفحہ ۴۳ میں بزبان فارسی تحریر ہے جسکا ترجمہ یہ ہے امام خواہرزادہ نے کتاب القسمۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر قاضی کا حق بیت المال سے کفایت نہ کرے تو وہ تقسیم کرنے پر اُجرت لے سکتا ہے اور محیط سے نقل کیا ہے کہ قاضی کو قسمت کی اُجرت لینا جائز ہے مگر کچھ نہ لینا مستحب ہے اور تمرتاشی نے کہا ہے کہ محنت کے بقدر اُجرت لے اور برجانی صغیر سے پوچھا گیا کہ نئے روپیوں کے تقسیم کرنیوالے کی کیا اُجرت ہی تو اُنھوں نے کہا کہ شرعاً کوئی اُجرت مقرر نہیں ہے۔ اور خزانۃ الواقعات میں ہے کہ مختار یہ ہی کہ قاضی کو قسمت میں اُجرت لینا حلال ہے اور محیط نے باب آداب القاضی سے نقل کیا ہے جب قاضی خود دستاویزوں اور رجسٹروں کو مرتب کرے تو اُسکی جو اُجرت دوسرے لیتے ہیں یہ بھی لے سکتا ہے اسیطرح خلاصہ میں ہے اور شیخ الاسلام ابوالحسن سعدی سے مقدار اُجرت کا سوال کیا گیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہزار روپے میں پانچ روپے اور دو ہزار میں دس اسیطرح دس ہزار تک ہر ہزار میں پانچ روپے پھر دس ہزار کے بعد ہر ہزار پر ایک روپیہ اور اگر دستاویز ہزار روپیہ سے کم ہو لیکن محنت اتنی ہی اُٹھانا ہو جتنی ہزار میں ہے تو اس میں بھی

پانچ روپے اور اگر اس کی محنت سے دونی محنت ہو تو دس روپے لے ان عبارتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر بیت المال قاضی کی محنت کو کافی نہو تو تقسیم وغیرہ کے مقدمات میں اُجرت لینا چاہیئے اور تمرتاشی کی رائے ہے کہ بقدر محنت اجرت لینا چاہیئے اور برجانی صغیر کی رائے ہے کہ اس میں کوئی مقدار شرعاً مقرر نہیں ہے بس اس زمانے میں تو بیت المال نہیں ہے اور جملہ مقدمات کی اُجرت حکام نے اپنی رائے سے رکھی ہے اور اس میں مقدار شرعی بھی نہیں ہے جیساکہ برجانی نے لکھا ہے اور بعضوں نے شیخ الاسلام ابو الحسن کی رائے کے موافق لکھا ہے کہ مال کے اعتبار سے اُجرت ہو تو اس زمانے میں حکام نے بھی ویسا ہی رکھا ہے کہ فی سیکڑا اتنا پس کہہ سکتے ہیں کہ حکام کا اُجرت لینا بالکل لا اصل بھی نہیں ہے بلکہ شرعاً بھی بعض بعض صورتوں میں قضا کی اُجرت ملتی ہے اگرچہ ان تمام عبارتوں کو دیکھکر بھی میں اپنی طرف سے کچھ فتویٰ نہیں دیتا لیکن مستفتی کو چاہیئے کہ ان سب عبارتوں میں غور کر کے مفتی کو اس طرف متوجہ کرے اور اس زمانے کے حالات اور قانون سے مفتی کو اچھی طرح آگاہ کرے تو عجب نہیں کہ تمرد کی صورت میں مفتی کی یہ رائے ہو جائے کہ مدعا علیہ سے خرچہ لینا چاہیئے انتھی

هوالمصوب عدالت کا خرچہ جو حکام نے مقرر کیا ہے ظاہر ہے کہ وہ قضاۃ کی اُجرت نہیں ہے اور فیصلہ کرنے والے حاکموں کو وہ رقم فیصلہ کرنے کے عوض میں نہیں ملتی ہے بلکہ وہ سرکار سے تنخواہ پاتے ہیں اسکے علاوہ اس میں بعض خرچے وہ بھی ہیں جو یقیناً مدعی ہی پر لازم ہیں جیسے مدعی کے وکیل وغیرہ کا محنتانہ پس ایسا خرچہ مدعا علیہ سے کیونکر لیا جا سکتا ہے واقف اصول و فقہ پر مخفی نہیں ہے کہ مسبب پر ضمان وغیرہ لازم نہیں آتا تمرد اور باوجود استطاعت کے قرض نہ ادا کرنے سے وہ گنہگار ہوگا نہ موجب تاوان فقہاء جو بعض صورتوں میں متمرد مدعا علیہ پر پیادے کی اُجرت کا وجوب لکھتے ہیں وہاں متمرد سے وہ مدعا علیہ مراد نہیں ہے جو ادائے دین میں تکلف کرے یہانتک کہ مدعی مجبور ہو کر نالش کرے بلکہ وہ متمرد مراد ہے جو عدالت میں حاضر نہو۔ مدعی علیہ پر کسی قدر صرف کا وجوب خود ہی فقہا کے نزدیک مختلف فیہ ہے اور اگر مدعی علیہ پر اسکا وجوب صحیح بھی ہو تو بھی صورت مسئولہ کے لئے نظیر نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال پنچوں میں دستور ہے کہ جو شخص کوئی برا کام کرتا ہے اُسے برادری

سے خارج کردیتے ہیں پھر جرمانہ لیکر اُسے برادری میں شریک کرتے ہیں اور اُس رقم کی شیرینی وغیرہ منگا کر سب پنچ کھاتے ہیں یہ جرمانہ لینا اور اُسکی شیرینی کھانا جائز ہے یا نہیں جواب تنبیہ کے لیے یہ جرمانہ لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم حررہ عبدالحی سوال شرعًا قضا کسے کہتے ہیں جواب خصومت اور منازعت کے فیصلہ کرنے کو قضا کہتے ہیں جیسا کہ تنویر الابصار وغیرہ میں ہے سوال قاضی کو مسجد میں بیٹھکر جھگڑوں کا فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے ہدایہ میں ہے القضاء عبادۃ فیجوز اقامتہا فی المسجد کالصلوٰۃ اقامت قضا نماز کی طرح مسجد میں جائز ہے سوال قاضی کون شخص ہوسکتا ہے جواب جو مسلم حر عاقل بالغ ہو جامع الرموز میں ہے اہلہ اہل الشہادۃ ای المستحق للشہادۃ بالاسلام والحریۃ والعقل والبلوغ مستحق للقضاء بذلک انتہی اہل قضا اہل شہادت ہیں یعنے جن میں اسلام حریت عقل بلوغ یعنے شرائط شہادت پائے جائیں وہ مستحق قضا ہیں اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ عدالت بھی قضا کی شرط ہے اور فاسق قضا کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے اور عامہ فقہا کے نزدیک اجتہاد اور عدالت اولویت کی شرط ہے جیسا کہ متون اور شروح میں ہے سوال قضا کے عہدے کو قبول کرنا درست ہے یا نہیں جواب قضا کے عہدے کو قبول کرنا عادل بادشاہ کی طرف سے ہو یا ظالم کی طرف سے مسلمان بادشاہ کی طرف سے ہو یا کافر بادشاہ کی طرف سے درست ہے لیکن اگر بادشاہ ٹھیک فیصلہ کرنے سے منع کرے تو حرام ہے درمختار میں ہے ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم قاضی کا عہدہ عادل اور ظالم بادشاہ سے اگرچہ کافر ہو لینا جائز ہے یہ مسکین وغیرہ نے کہا ہے البتہ اس صورت میں کہ سلطان قاضی کو ٹھیک فیصلہ کرنے سے روکے حرام ہے۔ اور عالمگیری میں ہے ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولکن انما یجوز تقلد القضاء من السلطان الجائر اذا کان یمکنہ من القضاء بحق ولا یجوز فی قضایاہ بشرو لا ینہاہ عن تنفیذ لبعض الاحکام کما ینبغی اما اذا کان لا یمکنہ من القضاء بحق ویجوز فی قضایاہ بشر و لا یمکنہ من تنفیذ لبعض الاحکام کما ینبغی لا ینقلد منہ قضارت کا عہدہ سلطان عادل وظالم دونوں سے لینا درست ہے مگر ظالم

سے اسی وقت درست ہے جبکہ صحیح فیصلہ کرنا ممکن ہو اور کسی آدمی کی طرف سے اُسکے فیصلوں میں مداخلت بیجا کا اندیشہ نہو اور وہ احکام کے نافذ کرتے میں مانع نہوتا ہو لیکن اگر ٹھیک فیصلہ کرنا ناممکن ہو اور کوئی اُس میں بیجا مداخلت کرتا ہو اور قاضی اُس کی بدولت اپنے بعض احکام کو قرار واقعی نافذ نہ کرسکتا ہو تو ایسے ظالم بادشاہ سے قضاء کا عہدہ لینا درست نہیں ہے سوال اگر حنفی قاضی اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو نافذ ہوگا یا نہیں جواب امرمجتہد فیہ میں جو کتاب وسنت مشہورہ اور اجماع کے خلاف نہو اگر حنفی قاضی عمداً یا سہواً اپنے مذہب کے خلاف حکم دے تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک نافذ نہو گا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نافذ ہوگا اور فتوے صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔ ابوالمکارم نے شرح نقایہ میں لکھا ہے القضاء فی مجتهد فیه علی خلاف مذهبه کما اذا قضی الحنفی بجواز بیع المدبر ناسیا لمذهبه او عامدا لا ینفذ عندهما لانه قضی بما هو خطاء عنده فی الهدایة والمضمرات علیه الفتوی واما عند ابی حنیفة رحمه الله فینفذ فی وجه النسیان والعمد وفی روایة انه لا ینفذ فی الثانی کسی مجتہد فیہ امر میں جیسے جواز بیع مدبر اگر حنفی قاضی اپنے مذہب کے خلاف سہواً یا قصداً حکم دے تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک نافذ نہو گا کیونکہ اُس نے ایسی بات کا حکم کیا ہے جو اُسکے نزدیک غلط ہے ہدایہ اور مضمرات میں اسپر علیہ الفتویٰ لکھا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نسیان اور عمد دونوں صورتوں میں ایسا حکم نافذ ہو جائیگا اور ایک روایت میں ہے کہ عمد میں نافذ نہو گا۔ سوال جو قاضی مجتہد ہو اُسکا اقوال اصحاب حنفیہ کے خلاف حکم دینا نافذ ہو گا یا نہیں۔ جواب نافذ ہو گا سراجیہ میں ہے اذا قضی بقول مرجوح او بقول یخالف قول اصحابنا رحمهم الله تعالی جاز اذا کان القاضی من اهل الرای والاجتهاد اگر قول مرجوح کا حکم دیا یا ایسے قول کا حکم دیا جو ہمارے اصحاب کے مذہب کے خلاف ہے تو جائز ہے اگر قاضی خود مجتہد اور اہل الرائے ہو سوال جو لوگ گانوں اور بڑے شہروں کے محلوں میں امام یا خطیب یا نکاح خواں اور جنازہ کے ساتھ چلنے اور اُسکی نماز پڑھانے وغیرہ پر مقرر ہیں اور اپنے باپ دادا کی تنخواہ پاتے ہیں مگر جاہل ہیں کیا وہ اپنے ان مناصب کی بدولت قاضی کا حکم رکھتے ہیں اور کیا وہ یتیم بچوں کا نکاح اور اقامت جمعہ و اعیاد کر سکتے ہیں جواب ایسے لوگ قاضی

نہیں ہیں لیکن جو شہر سلطان کے ماتحت ہیں اُن میں سلطان کے مقرر کرنے کے بغیر کوئی شخص قاضی نہیں ہوتا جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے اور جہاں کفار غالب ہیں وہاں مسلمانوں کی رضامندی اور اتفاق سے کوئی شخص قاضی بنایا جا سکتا ہے رد المحتار میں ہے ویصیر القاضی قاضیا متراضی المسلمین فیجب علیہم یجعلونہ والیا مسلما منہم یعنی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جاتا ہے پس مسلمانوں پر ضروری ہے کہ مسلم قاضی کو اپنا والی بنالیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اتفاق کر کے کسی کو والی بنالیں کہ اُن کے معاملات کا فیصلہ کرے جیسا کہ یہ بھی اُسی کتاب میں ہے اور جب تم یہ جان چکے تو سمجھو کہ اشخاص مندرجۂ سوال ایسے نہیں ہیں بلکہ وہ محض عادتاً اپنے آبا کا وظیفہ پا رہے ہیں تو اُن مقامات میں جہاں کافروں کا غلبہ ہے اُنکا اقامت جمعہ کرنا بلا اجازت قاضی یا والی کے جنپر اہل بلد کا اتفاق ہو درست نہیں رد المحتار میں ہے لا نصح اقامتہا الا لمن اذن لہ السلطان بواسطۃ او بدونہا اما بدون ذلک فلا یعنی اقامت عید و جمعہ وہی کر سکتا ہے جسے سلطان نے بواسطہ یا بلا واسطہ اجازت دی ہو اور اُسکے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا اور ایسے مقامات میں جہاں کفار غالب ہیں وہاں والی سلطان کے حکم میں ہے پس بغیر اُنکی اجازت کے اقامت جمعہ درست نہو گی اور سلطان کی اجازت پہلی مرتبہ شرط ہے تو جب سلطان کسی کو اقامت جمعہ کا حکم دیدے پھر وہ دوسرے کو اجازت دیسکتا ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے فلا یجوز اقامتہا لکل خطیب الا لمن اذن لہ السلطان او من اذن لہ فکذا ھھنا والعید کالجمعۃ لان صلوۃ العید تجب علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطہا سوی الخطبۃ کما فی الدر المختار وغیرہ یعنی اقامت جمعہ صرف اُسی خطیب کے لیے جائز ہے جسے سلطان نے اجازت دی ہو یا جس کو اجازت پانے والا اجازت دے پس اُسی طرح یہاں بھی ہے اور عید جمعہ کے مثل ہو کیونکہ نماز عید اُسپر واجب جسپر جمعہ واجب ہے اور خطبہ کے سوا تمام چیزوں میں دونوں کی شرطیں بھی ایک ہیں جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے۔ پس جب مذکورین سوال کو اقامت جمعہ و اعیاد کا حق نہیں ہے تو چھوٹے یتیم بچوں کے بیاہ دینے کا بھی حق نہیں ہے اور والی اور قاضی جنپر اہل بلدہ کا اتفاق ہو اُنکو بھی چھوٹے یتیم بچوں کی شادی کا حق ہے یا نہیں اسکے متعلق میں نے کہیں صراحت نہیں دیکھی لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ کسی شخص کو والی اور قاضی بنالیں اور وہی اُن کے معاملات فیصل

کرے اور اسکو اس کا بھی اختیار ہوگا واللہ اعلم رد المحتار میں ہے اذا ولی الکافر علیہم قاضیا و رضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلاشبہۃ جب کفار مسلمانوں پر کسی کو قاضی بنا دیں اور مسلمان اسپر راضی ہو جائیں تو وہ شخص بلاشبہ والی ہو جائیگا۔ پس ایسا قاضی اقامت جمعہ و اعیاد و تزویج یتامیٰ کر سکتا ہے بشرطیکہ مسلمان اس سے راضی ہوں اور قاضی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسکی عصمت صلاحیت فہم عقل علم سنت آثار اور وجوہ فقہ پر لوگوں کو وثوق ہو اور وہ درشت اور سخت گیر جابر صاحب عناد نہو کیونکہ نائب رسول ہے جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے جب تمکو یہ معلوم ہو گیا تو پس ہر شہر کے لوگوں کو چاہیے کہ کوشش کرکے بالاتفاق کسی ایسے شخص کو اپنا والی بنالیں کہ وہ اقامت جمعہ و اعیاد و تزویج یتامیٰ کرے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے من مات ولم یؤل علی نفسہ اماما مات موتۃ جاھلیۃ یعنے جو شخص مرا اور اس نے اپنا کوئی امام مقرر نہیں کیا وہ جاہلوں کی موت مرا۔ اور ہمارے ملک میں اگلے زمانے میں ہر شہر گانوں اور قصبہ میں قاضی ہوا کرتا تھا لیکن آجکل باہمی مناقشات کی بدولت قضاۃ معدودے چند مقامات کے سوا اور کہیں نہیں ہیں پس مسلمانوں کو اتفاق کرکے چاہیے کہ کسی ایک کو اپنا والی بنالیں کہ وہ اقامت جمعہ و اعیاد کرے اور یتیموں کی شادی کرے کیونکہ والی سلطان کے مثل ہے اور سلطان ایک ہی ہوا کرتا ہے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا الاخر منہما جب دو خلیفوں کی بیعت کیجائے تو دوسرے کو قتل کر ڈالو۔ اسیطرح والی کا حکم ہے بس ایک مقام میں دو والی نہونا چاہئیں۔ واللہ اعلم کتبہ احقر العباد شیخ یوسف بن قادر احمد عفی عنہما صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال زید نے بکر کو بلا سودی تمسک قرض دیا جب بکر نے کسی طرح روپیہ نہ ادا کیا تو مجبورا زید نے دعوی کرکے مع خرچہ جو اسکا نالش وغیرہ میں صرف ہوا تھا ڈگری حاصل کی یعنی عدالت نے بکر سے روپیہ زید کا مع خرچہ دلایا اب بکر سے زید کو خرچہ لینا جو کہ اس نے علاوہ قرض کے مجبوراً عدالت میں استغاثہ دائر کرنے میں کیا درست ہے یا نہیں جواب بکر سے زید کو شرعاً خرچہ لینا درست نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی صح الجواب واللہ علیم حررہٗ

ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ اللہ العلی الرب الحکیم۔ صح الجواب حررہ نظام الدین احمد عفی عنہ صح الجواب نمقہ خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفرلہ اللہ الرحیم۔ الجواب صحیح واللہ اعلم حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفی عنہ

کتاب الشہادۃ

سوال زید اور عمرو میں یہ بحث ہے کہ زید کہتا ہے گواہان نفی متواتر اس صورت میں شرعاً مقبول ہیں کہ کوئی لوگ اس بات پر گواہی دیں کہ فلاں شخص فلاں سال میں کوفہ میں تھا کیونکہ یہ اس سال اس شخص کے بصرہ میں ہونے کی نفی ہے نہ کہ بصری لوگ کہیں کہ فلان شخص فلان سال میں بصرہ میں نہ تھا کیونکہ یہ گواہی علم پر نہیں ہے بلکہ اسکی موجودگی کے عدم علم پر ہے اور زید اپنے قول کے ثبوت میں فتاوی ہندیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے اقام امرأۃ رجلین ان فلانا طلق امرأتہ یوم النحر بالکوفۃ واقام فلان البینۃ انہ کان فی ذلک الیوم حاجا بمنی فالبینۃ بینۃ المدعی ولا یلتفت الی بینۃ المدعی علیہ الا ان تاتی العامۃ وتشہد بذلک فیوخذ بشہادتہم کذا فی الذخیرۃ ایک عورت نے دو مردوں کو شہادت میں پیش کیا کہ فلان شخص نے یوم نحر کے دن کوفہ میں اپنی بی بی کو طلاق دی اور اس نے بینہ قائم کیا کہ میں اس دن حج کرنے کو گیا ہوا تھا اور منی میں تھا تو مدعی کا بینہ معتبر ہوگا اور مدعا علیہ کے بینہ کیجانب توجہ نہ کیجائیگی مگر یہ کہ منی کے عام لوگ اسکی شہادت دیں اس وقت انکی شہادت کا اعتبار کیا جائیگا یہ ذخیرہ میں ہے اور عمر اس علم ملکی کی گواہی کو بھی معتبر کہتا ہے چنانچہ حموی کی عبارت یہ ہے قال فی المحیط ان تواتر عند الناس وعلم الکل عدم کونہ فی ذلک المکان والزمان لا تسمع الدعوی علیہ ویقضی بفراغ ذمتہ لانہ یلزم تکذیب الثابت بالضرورۃ والضروریات مما لا یدخلہا شک یعنی محیط میں ہے کہ اگر لوگوں کو بتواتر اس امر کا علم ہو کہ یہ شخص اس زمانے میں اس جگہ موجود نہ تھا تو اسپر جو دعوی کیا گیا ہے وہ مسموع نہوگا اور اس شئے کے اسکے ذمے سے ساقط ہوجانیکا حکم دیا جائیگا ورنہ اس امر کی تکذیب لازم آئے گی جو بالبداہۃ ثابت ہے حالانکہ جو امور بالضرورۃ ثابت ہوتے ہیں ان میں شک کی گنجائش نہیں ہوتی جواب دونوں شہادتیں نفی کی خواہ نفی معنی کی اور اثبات صورت کا ہو اور خواہ

نفی صریح مقبول نہیں ہیں مگر جبکہ امر مشہود متواتر ہو خواہ نفی صریح ہو یا ضمنی تو شہادت مقبول
ہے اور فتاوی ہندیہ کی روایت ایک صورت اور حموی کی روایت دوسری صورت کو متضمن
ہے فتاوی بزازیہ میں ہے شهدا انه استقرض من فلان فی یوم کذا فی بلد کذا فبرهن
علی انه لم یکن فی ذلك المکان بل کان فی مکان اخر لا یقبل لان قوله لم یکن فیه
نفی صورة ومعنی وقوله بل کان فی کذا نفی معنی واصله ما ذکر فی النوادر عن
الثانی شهدا علیه بقول وفعل یلزم علیه بذلك اجارة او کتابة او بیع او طلاق او
عتاق او قصاص او قتل فی مکان وزمان وصفات فبرهن المشهود علیه انه لم یکن
ثمّ یومئذ لا تقبل لکن قال فی المحیط ان تواتر عند الناس وعلم الکل عدم کونه
فی ذلك المکان والزمان لا یسمع الدعوی ویقضی بفراغ الذمة لانه یلزم تکذیب
الثابت بالضرورة والضروریات مما لا یدخلها الشك وکذا کل بینة اقامت علی
ان فلانا لم یفعل ولم یقل ولم یقر دو آدمیوں نے اس بات کی شہادت دی کہ فلاں
شخص اس دن اُس شہر میں اتنا قرض لیا اور اُس شخص نے اس امر پر بینہ قائم کیا کہ میں اُس دن
اس شہر میں نہ تھا بلکہ کسی اور جگہ تھا تو اُسکے بینہ قبول نہونگے کیونکہ اُسکے قول میں کہ اُس
شہر میں نہ تھا نفی ہے صورۃً اور معنیً اور اُسکے اس قول میں بلکہ کسی اور جگہ تھا نفی ہے معنےً اسکی
اصل وہ ہے جو نوادر میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر دو گواہوں نے کسی شخص کے
متعلق کسی جگہ اور زمانہ میں کسی قول یا فعل کی گواہی دی جس کی وجہ سے اُسکے ذمے اجارہ کتابت
بیع طلاق عتاق قصاص یا قتل کسی زمان و مکان کا لازم آئے اور اُس شخص نے اس امر پر بینہ
قائم کیا کہ وہ اُس دن وہاں موجود ہی نہ تھا تو اُسکے بینہ قبول نہونگے لیکن محیط میں ہے کہ اگر
لوگوں کو متواتر اس بات کا علم ہو کہ وہ اُس دن اُس جگہ نہ تھا تو دعوی مسموع نہوگا اور وہ امر
اُس کے ذمے واجب نہوگا کیونکہ اس سے اس امر کی تکذیب لازم آتی ہے جو بالضرورۃ ثابت ہے
حالانکہ ضروریات میں شک کی گنجائش نہیں ہوتی اور اسیطرح جو بینہ اس امر پر قائم کیے جائیں
کہ فلاں شخص نے وہ کام نہیں کیا یا وہ بات نہیں کہی یا اُس امر کا اقرار نہیں کیا - اور درمختار میں ہے
شهادة النفی المتواتر مقبولة یعنی نفی متواتر کی شہادت مقبول ہے اور رد المحتار میں ہے

بخلاف غیرہ فلا یقبل سواء کان نفیا صورۃً او معنیً وسواء احاط بہ علم الشاھد

اولا اور اُسکے علاوہ کوئی اور شہادت مقبول نہیں ہے خواہ صورۃً نفی ہو یا معنیً خواہ شاہد کو

اُسکا علم ہو یا نہو **سوال** زید نے سات آدمیوں کی شرکت اور اعانت سے آلۂ جارحہ سے

عمداً عمرو کو قتل کیا ورثائے مقتول نے قاضی کے سامنے پانچ آدمی معاینہ اور اثبات کے

شاہد پیش کیے سب شاہدوں نے متفقہ طور پر لفظاً اور معنیً ایک ہی گواہی دی اُسکے علاوہ موقع

قتل پر آکے خود قاضی نے اہل محلہ اور دوسرے لوگون سے تحقیقات کی غرض یہ بات ثابت ہوگئی

کہ زید نے عمرو کو آلۂ جارحہ سے اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور وہ سات آدمی اس قتل کرنے میں زید کے

مددگار تھے زید قاضی کے سامنے عمرو کو قتل کرنے سے انکار کرتا ہے کہ میں اُس دن اُس وقت فلان

جگہ تھا میرے نفی تواتر کے گواہ سُنے جائیں اور شرکائے زید نے بھی ایسا ہی کہا مگر مدعا علیہم کا یہ قول

قاضی نے تسلیم نہیں کیا اور اُنکے نفی کے گواہ نہیں سُنے پھر زید قصاص میں مارا گیا اور اُسکے ساتھیوں

میں قاضی نے کسی کو چھ اور کسی کو سات سال کی قید کی سزا دی مدعا علیہم محبوس دوسرے محکمہ

میں نفی تواتر کے گواہون کی سماعت کی درخواست کرتے ہیں پس اس صورت میں بمقابلہ اُن گواہان

معاینہ و اثبات کے کہ جنکی شہادت پر زید کو قصاص قتل کیا گیا نفی تواتر کے گواہوں کی شرعاً

سماعت کرنا چاہیے یا نہیں **جواب** جب قاضی نے شہادت اور معائنہ وغیرہ کے وثوق پر

قصاص وغیرہ کا حکم دیدیا اور اُس حکم کی تعمیل بھی ہوگئی اور مدعا علیہم نے تعمیل حکم سے پہلے نفی

تواتر کی شہادت کا مرافعہ نہیں کیا تو اب اُن کا قول غیر معتبر اور شہادت غیر مقبول ہوگی تنقیح

فتاوے حامدیہ کی کتاب الدعویٰ میں ہے فی الکافی فی کتاب الشہادۃ اذا تضمنت الشہادۃ

نقض قضاء ترد انتھی کافی کی کتاب الشہادۃ میں ہے جب شہادت سے قاضی کے نافذ شدہ حکم کے

خلاف کوئی امر ثابت ہو تو وہ شہادت رد کردیجائیگی واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** زید

اور بکر کے ہاتھ سے عمرو کے قتل کی گواہی دو شخصون نے بغیر لفظ اشہد کے محکمہ قضا میں دی اور چلے

گئے اور ان گواہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ ہمنے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ پہلے زید نے ایک تلوار

عمرو کے سر پر ماری پھر دوسری تلوار بکر نے عمرو کے ہاتھ پر ماری ایک ہی وقت میں زید اور

عمرو کے ہاتھ سے شمشیر کے دو وار عمرو پر ہوتے بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں بیان کرتے کہ عمرو

انھیں حربوں کے صدموں سے اسی وقت مرگیا پس اُن گواہوں کی یہ گواہی قاضی کو قبول کرنا چاہیے یا نہیں اور کیا جبکہ گواہ زید کے عمرو کے سر پر تلوار مارنے کی گواہی دیتے ہیں تو اُس سے قصاص زید پر آتا ہے یا نہیں اور کیا قاضی کو یہ ضروری ہے کہ اُن دونوں گواہوں کو پھر بلا کر لفظ اشہد کہلائے جواب گواہوں کو یہ بیان کرنا ضروری نہیں ہے کہ مقتول اُسی ضرب سے اُسیوقت ہلاک ہوگیا فتاوی عالمگیری میں ہے اذا شہد شاهدان علی رجل انہ ضرب رجلاً بالسیف فلم یزل صاحب فراش حتی مات فعلیہ القصاص ولا ینبغی للقاضی ان یسأل الشہود مات من ذلک ام لا فی العمد والخطاء ولکنہم ان شہدوا انہ مات من ذلک لم تبطل شہادتہم یعنی جب دو گواہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ فلان نے اُس شخص کو تلوار سے مارا جسکی بدولت وہ صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مرگیا تو اُسپر قصاص واجب ہے اور قاضی کو گواہوں سے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ وہ شخص اس ضرب سے مرا یا نہیں اور وہ ضرب خطا تھی یا عمداً لیکن اگر وہ اس امر کی شہادت دیں کہ وہ شخص اُسی ضرب سے مرا تو اُن کی شہادت باطل نہو گی۔ اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں بزازیہ سے نقل کرکے لکھا ہے لا یحتاج لشاہدان یقول انہ مات من جراحتہ یعنی گواہ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اُس شخص کے زخم دینے سے مرا تھا۔ مگر اشہد کا لفظ یا اسکا ترجمہ جو اس معنی کو مفید ہے کہنا قبول شہادت کے لئے ضروری ہے درمختار میں ہے ورکنہا لفظ اشہد لا غیر یعنی شہادت کا رکن اشہد کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اسی کتاب میں ہے ولزوم فی لکل لفظ اشہد بلفظ المضارع بالاجماع ہر شہادت میں لفظ اشہد بصیغۂ مضارع بالاجماع لازم ہے۔ اور شرنبلالی نے اپنے رسالہ الاستفادہ من کتاب الشہادۃ میں لکھا ہے من الشرائط لفظ الشہادۃ فلا یقبل بغیرہا من الالفاظ کلفظ الاخبار والاعلام وان یکون بصیغۃ المضارع یعنی شرائط شہادت میں سے لفظ شہادت ہے پس شہادت کے الفاظ کے سوا کسی اور لفظ جیسے اخبار و اعلام سے درست نہیں ہے اور یہ لفظ بصیغۂ مضارع ہونا چاہیے پس ان عبارتوں کے لحاظ سے قاضی کو لازم ہے کہ لفظ اشہد کے ساتھ شہادت لیکے حکم دے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال ان سوالات میں مفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں (۱) زید کہتا ہے کہ میں عمرو کے قتل کے دن اُس شہر میں نہ تھا جہان عمرو قتل ہوا ہے بلکہ فلاں شہر میں تھا جو اُس شہر سے

دور ہے اسکے ہزارون آدمی گواہ ہیں کہ عمرو کے قتل کے دن جس شہر میں وہ قتل ہوا ہے میں موجود
نہ تھا اور دوسرے شہر میں تھا پس ان گواہان نفی متواتر کی قاضی سماعت کرے یا بر تقدیر
گمان صدق گواہان ورثہ عمرو وگمان کذب قول زید ورثائے عمرو کے گواہوں کی سماعت
کرے (۲) زید کہتا ہے کہ مدعیوں کے گواہ فاسق فاجر ہیں اور ہمیشہ اُجرت لیکر گواہی دیا کرتے
ہیں اور چور بھی ہیں پس قاضی ان گواہون کا تزکیہ سرًا یا علانیۃً کرے یا نہ کرے جواب
(۱) قاضی کو چاہیے کہ گواہان نفی متواتر کی گواہی کو ملنے شرنبلالی ابفلاح الخفیات لتعارض البنیۃ
والاثبات میں لکھتے ہیں اجاب صاحب البحر البینۃ الشاھدۃ بانہ لم یکن فی محل الضرب
غیر مقبولۃ لانھا بینۃ النفی الا اذا تواتر عند الناس علم الکل عدم کونہ فی ذلک المکان
اوالزمان لا تسمع الدعوی علیہ ویقتضے بفراغ الذمۃ یعنی صاحب بحر نے جواب دیا ہے کہ
وہ بینہ جو اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ وہ شخص محل ضرب میں نہ تھا مقبول نہیں ہیں کیونکہ وہ بینہ
نفی کے ہیں مگر جبکہ لوگون کو تواتراً اس امر کا علم ہو اور سب یہ جانتے ہوں کہ وہ اُسجگہ اُس دن
نہ تھا تب اُسکے خلاف دعوی مسموع نہوگا اور حکم دیا جائیگا کہ وہ امر اُسکے ذمہ واجب نہیں ہی
اور ایسا ہی تنقیح فتاوی حامدیہ اور فتاوے بزازیہ میں ہے جواب سوال دوم (۲) قاضی کو
لازم ہے کہ گواہان قصاص کا تزکیہ سرًا اور علانیۃً بے طعن مدعا علیہ کے کرائے اور اگر مدعا علیہ
نے اُن پر اعتراض کیا تو بدرجہ اولی تزکیہ کرائے بحر الرائق میں ہے الحاصل ان بدون طعن الخصم
یسأل عنھم فی الکل والا یسأل فی الحدود والقصاص حاصل یہ ہے کہ اگر خصم گواہون کو منسوب
کرے تو قاضی کو چاہیے کہ اُن سے تمام اُمور مین سوالات کرے ورنہ صرف حدود و قصاص میں
سوال ایک پردہ نشین عورت نے ایک غیر پردہ نشین عورت کی وساطت سے زیور عاریت دینے کا
دعوی کیا اور گواہوں نے بیان کیا کہ پردہ نشین عورت نے پردے کی آڑ سے فلان عورت کے ذریعے
سے زیور بھیجا اور مدعا علیہ نے اُسے عاریت لیا اور مدعیہ کا آنا اور پس پردہ کھڑا ہونا مدعا علیہ کے
اقرار اور مدعیہ کی آواز سے بھیج جانا اور بھی عاریت کی مُدت سات مہینے سات دن کم و بیش
گواہون نے بیان کی پس شرعًا کیا ایسی گواہی اس بات کو ثابت کرسکتی ہے کہ مدعیہ نے مدعا علیہ کو
عاریت کے طور پر زیور دیا ہے جواب شہادت مذکورہ بالکل صحیح نہیں ہے پس شرعًا اس گواہی سے

عاریت کے طور پر دینا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ سماع پس پردہ مجوز شہادت نہیں ہے مگر جبکہ شاہد کے علم یقینی سے یہ تعیین ہو جائے کہ پس پردہ اُسکے سوا اور کوئی گوئندہ نہ تھا اور یہ یہاں مفقود ہے عالمگیری میں ہے لو سمع من وراء الحجاب لا یسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذ النغمة تشبه النغمة الا اذا کان فی الداخل وحده ودخل وعلم الشاهد انه لیس فیه غیره ثم جلس علی المسلك ولیس له مسلك غیره فسمع اقرار الداخل ولا یراه لانه یحصل به العلم وینبغی للقاضی اذا فسره لا یقبله کذا فی التبیین یعنی اگر پردے کے پیچھے سے سُنا تو اُسے شہادت نہ دینا چاہیئے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ کہنے والا کوئی اور ہو اسلئے کہ آوازیں باہم مشابہ ہوتی ہیں مگر جبکہ گھر کے اندر اکیلا رہتا ہو اور اُس وقت وہ گھر کے اندر گیا ہو اور گواہ کو اس کا علم ہوا اور وہ راستہ پر بیٹھ گیا ہو اور اس راستے کے سوا گھر کا کوئی اور راستہ بھی نہو پس اب اگر وہ اندر والے شخص کا کوئی اقرار سُنے اور اُسکو دیکھے نہیں تو اُسکی شہادت مقبول ہو گی کیونکہ اس سے یقین حاصل ہو جاتا ہے اور قاضی کو چاہیئے کہ جب اُسکو یہ امور معلوم ہو جائیں تو اُسکی شہادت قبول کرے یہ تبیین میں ہے۔ اور ایسا ہی درمختار اور فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ اور گواہ کا یہ کہنا کہ مدعیہ کا آنا اور پس پردہ کھڑا ہونا مدعا علیہ کے اقرار اور مدعیہ کی آواز سے ہمنے جانا۔ یہ ثبوت عاریت کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ مدعی کا آنا اور پس پردہ کھڑا ہونا نہ عین عاریت دینا ہے نہ مستلزم عاریت پس اُسکے اقرار سے عاریت ثبوت کیونکر ہو سکتا ہے اور گواہ ہونا یہ کہنا کہ ہم نے آواز سے پہچانا فقہا کے نزدیک غیر معتبر ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور بھی گواہوں کا مدت عاریت سات مہینے سات دن کم و بیش عدم صحت شہادت کا موجب ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے اذا ادعی بالفارسیة دوازده درم وشهد الشهود ان لهذا المدعی علی هذا المدعا علیه ده دوازده لا یقبل لمکان الجهالة وکذلك اذا ادعی ده دوازده درم لا یسمع دعواه وکذلك اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی هذا الوجه بان قال این عین ملک من است از ده دوازده سال فانه لا یسمع دعواه وکذلك اذا ذکر الشهود التاریخ فی شهادتهم علی هذا الوجه لا یقبل شهادتهم کذا فی الذخیرة یعنی جب فارسی میں بارہ درم کا دعوے کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس

مدعی کے دس بارہ درم اُس شخص کے ذمے ہیں تو یہ دعویٰ مقبول نہو گا کیونکہ جہالت باقی ہی اور اسیطرح اگر دعوی کیا کہ میرے دس بارہ درم اسکے ذمے ہیں اور اسیطرح جب دعوی میں یا شہادت میں مدعی یا گواہوں نے تاریخ ذکر کی یعنے کہا کہ یہ چیز دس بارہ برس سے میری یا اسکی ملک ہے تو ان سب صورتوں میں اُسکا دعویٰ مقبول نہو گا یہ ذخیرہ میں ہے۔ واللہ اعلم حررہ العبد المجیب محمد امداد حسین عفی عنہ صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سوال مثلاً مساۃ زینب بیگم مدعیہ نے دعویٰ عاریت دینے زیور طلائی معلوم القدر و معلوم القیمۃ کا بنام عمرو و بکر اصل مدعا علیہما و عجوبہ تیسری مدعا علیہا کے خلاف عدالت دیوانی میں دائر کیا اور مدعیہ کے تین گواہوں میں سے دو گواہوں نے بالاتفاق حاکم کے سامنے اس خلاصہ بیان سے گواہی دی کہ تخمیناً سواسات مہینے کا عرصہ ہوا اور تیسرے گواہ نے کہا کہ بمرور مدت سواسات مہینے یا زیادہ کے مساۃ عجوبہ نے موافق اس کہنے عمرو و بکر مدعا علیہما کے کہ مدعیہ بیگم صاحبہ سے کہو کہ ہمیں دو تین روز کے لیے اپنا طلائی زیور مستعار دیدیں مدعیہ کے گھر کے اندر جاکے اندر سے اسی قدر زیور طلائی لاکر عمرو مدعا علیہ کے ہاتھ میں دیا اور عمرو مدعا علیہ نے بکر کے ہاتھ میں دیا اور عجوبہ نے اسیوقت اصل مدعا علیہما سے کہا کہ بیگم صاحبہ بھی ڈیوڑھی پکھڑی موجود ہیں جو کچھ وہ کہتی ہیں تم سن لو چنانچہ مدعیہ نے باواز بلند مدعا علیہما سے کہا کہ میں نے یہ زیور اپنا تمکو عجوبہ اور امراؤ کے سبب سے عاریت دیاہے اور ہم سے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ یہ معاملہ مابینت کا ہے اُس وقت اصل مدعا علیہما نے مدعیہ کے کلام کے جواب میں کہا کہ آپ کا دیا ہوا زیور اسی قدر قیمتی ہے جو آپنے ہمکو عاریت دیا اور بیان کیا ہے اور ہم لوگوں سے کہا کہ تم گواہ رہو کہ ہم نے مدعیہ کا یہ زیور عاریت لیا ہے اور مدعیہ بیگم صاحبہ پردے میں تھیں مگر عجوبہ مدعا علیہا نے اقرار کیا تھا کہ بیگم صاحبہ مدعیہ یہ کھڑی ہیں اور عمرو و بکر اصل مدعا علیہما نے مدعیہ کا قول سنکر اُن کو تسلیم کرلیا تھا کہ یہ بیگم صاحبہ مدعیہ ہیں اور دو گواہ نے یہ بھی بیان کیا کہ پھر اصل مدعا علیہما نے بمرور عرصہ ڈیڑھ مہینہ کم و بیش کے ہم سے کہا تھا کہ ہم وہی مستعار لیا ہوا زیور مدعیہ کا واپس دینگے فقط۔ اور حاکم عدالت دیوانی نے اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ ثبوت عاریت کا مدعیہ کے حق میں صادر کیا لیکن بہنگام مرافعہ دوسرے مجوز نے اُس فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کو لائق استرداد تجویز کیا اور گواہان مدعیہ کو بوجہ پردے میں بیان کیے جانے مدعیہ کے باوجود شناخت و تمیز و تسلیم و تعریف خود دونوں اصل مدعا علیہما کے مدعی کی

نسبت کہ یہ بیگم صاحبہ مدعیہ ہیں اور تم لوگ گواہ رہو اور نیز بوجہ سوا سات مہینے کم یا زیادہ کہنے تیسرے گواہ کے جہالت مدت ظاہر کرکے نامقبول تجویز کیا فقط اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا شرعاً اس صورت میں فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کا جو بحق مدعیہ بر بنائے گواہی گواہان مذکورین کے صادر ہوا ہے صحیح و قابل نفاذ ہے یا تجویز دوسرے مجوز کی متضمن استرداد فیصلۂ عدالت دیوانی و نامقبول قرار دینے گواہان مذکورین کے صحیح و قابل جواز ہے جواب شرعاً صورت مسئول عنہا میں فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کا بحق مدعیہ گواہی مذکور و منقول کے بنیاد پر بابت ثبوت عاریت اسقدر زیور طلائی مدعیہ کے جس کا دعویٰ ہے بے شبہہ صحیح و قابل نفاذ ہے ہرگز غیر صحیح و لایق استرداد نہیں ہاں تجویز دوسرے مجوز کی متضمن استرداد فیصلہ عدالت دیوانی باختیار دو وجہ فرضی و قیاسی مندرجۂ تجویز کے کہ صورت مسئول عنہا سے متعلق نہیں ہیں قطعاً غیر صحیح و ناقابل جواز ہے اسلئے کہ گواہان مدعیہ محجبہ کے حلفی و اتفاقی بیان سے کہ شناخت و تمیز و تعریف مدعیہ مذکورہ کی خود بہر دو اصل مدعا علیہما نے کی ہے جیسا کہ ذکر کیا جائیگا مطابق قواعد شرعیہ عاریت دینا مدعیہ کا اپنا زیور طلائی اصل مدعا علیہما کو اور اقرار کرنا ہر دو اصل مدعا علیہما کا بابت عاریت لینے اسی قدر زیور طلائی مدعیہ کے عرصہ سوا سات مہینے سے بخوبی ثابت اور متحقق ہے جیسا کفایہ اور ہدایہ کے دوسرے شروح میں ہے والثابت بالبینۃ کالثابت مع البینۃ یعنی جو چیز بینہ سے ثابت ہو وہ ویسی ہے جیسے وہ چیز جسکے ساتھ بینہ موجود ہو پس اس بیان گواہان سے کہ مدعیہ پردے میں تھی بحالت شناخت و تمیز و تسلیم و تعریف خود دونوں اصل مدعا علیہما بلکہ ہر سہ مدعا علیہم نسبت مدعیہ کے کہ یہ بیگم صاحبہ مدعیہ ہیں اور بیگم صاحبہ یہ کھڑی ہیں کچھ خلل و نقصان صحت گواہی و قبولیت گواہی میں پیدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ ہرگاہ شریعت غرا میں موافق مذہب مختار و معتمد و مفتی بہ صاحبین رحمہا اللہ کے صرف اسقدر خبر دینا دو آدمی عدل کا نسبت عورت محجبہ و منقبہ کے کہ یہ فلاں عورت ہے بوجہ معلوم و ممیز ہو جانے محجبہ و منقبہ کے اسی خبر سے صحت تحمل و قبولیت شہادت کے باب میں کفایت کرتا ہے تو بحالت اقرار و تمیز و تسلیم و تعریف خود دونوں مدعا علیہما کے مدعیہ محجبہ کی بہ نسبت اس لفظ سے کہ یہ بیگم صاحبہ مدعیہ ہیں بوجہ معلوم و ممیز ہو جانے مدعیۂ مذکورہ کے بطریق اولیٰ صحت و قبولیت گواہی کے واسطے کافی ہے اس صورت میں پس پردہ بیان کیا جانا مدعیہ کا کسی طرح صحت و قبولیت گواہی میں خلل و نقصان پیدا نہیں کرتا ہاں اگر خود ہر دو مدعا علیہما کے اقرار یا کسی دوسرے دو عدل کے اخبار سے تعریف و تمیز

مدعیہ کی ہوتی تو البتہ محل تردد تھا لہذا ایسی حالت اقرار و تسلیم و تعریف خود بسر دو اصل مدعا علیہا یا
کوئی اہل علم و ماہر فقہ صحت شہادت کی بابت تامل نہیں کرسکتا ہے اس مسئلہ کی تحقیق و تشریح میں اکثر
فقہاء رحمہم اللہ نے اختلاف امام ابوحنیفہ و صاحبین رحمہم اللہ کے نقل کرکے ترجیح و تصحیح قول صاحبین کی
بابت جواز و صحت شہادت کی فرمائی ہے اور اسی قول صاحبین کو بوجہ الیسر علی الناس ہونے کے مختار
و معتمد و مفتی بہ قرار دیا ہے ازانجملہ قدوۃ امام شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہ بتصریح صاحب بحر شارح کنز
و محقق شامی وغیرہ کے اہل ترجیح بلکہ اہل اجتہاد میں شمار ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے وفی الفتاویٰ
اذا اقرت المرأۃ من وراء حجاب لا یجوز لمن سمع ان یشہد علی اقرارھا الا اذا رای شخصہا فہو یجوز
اجمل فی ھذہ المسألۃ ووضعہا فی الخلاصۃ وغیرھا ھکذا الشہادۃ علی امرأۃ سأل بن محمد
بن الحسن ابا سلیمان عنہا قال لا یجوز حتی یشہد جماعۃ انہا فلانۃ اما عند ابی یوسف
و عند ابیک فیجوز اذا شہد عندہ عدلان انہا فلانۃ وھل یشترط رؤیۃ وجہہا اختلف
المشائخ فیہ منہم من لم یشترط والیہ مال الامام خواہرزادہ وفی النوازل قال یشترط رویت
شخصہا وفی الجامع الاصغر رؤیۃ وجہہا وانت تعلم انہ لا بد من معرفۃ یفید التمییز عند الاداء
علیہا فاذا ثبت ان التعریف یفید التمییز لزم ان لا حاجۃ الی رؤیۃ وجہہا ولا شخصہا کما اختارہ
شیخ الاسلام خواہرزادہ ھذا اذا لم یوجد من یعرفہا واذا وجد حینئذ یجری الخلاف
المذکور انہ یکفی فی التعریف عدلان اولا بد من جماعۃ ویوافقہ ما فی المجتبیٰ تحمل الشہادۃ علی امرأۃ
فماتت فشہد عندہ ان المقرۃ فلانۃ جاز لہ ان یشہد علیہا نقلہ فی الخلاصۃ وفی المحیط
شہدا علی امرأۃ سمیاھا ونسباھا وکانت حاضرۃ فقال القاضی تعرفاھا قالا لا تقبل شہادتہما
ولو قال تحملنا ھا علی المسماۃ بفلانۃ بنت فلانۃ الفلانیۃ ولا ندری انہا ھذہ ام لا صحت
الشہادۃ وکلف المدعی ان یاتی باخرین یشہدان انہا فلانۃ بنت فلان بخلاف الاول لانہما
ھناک اقرا بالجہالۃ فبطلت الشہادۃ فہذا ونحوہ یفید ما قلنا یعنی فتاوے میں ہے کہ جب
عورت پردے کے پیچھے سے اقرار کرے تو جو شخص اسے سنے اسکو اس اقرار کی شہادت دینا درست
نہیں ہے تاوقتیکہ خود اس عورت کو نہ دیکھے اور اگر خود اسے دیکھے تو اسکے لئے شہادت جائز ہے
اس مسئلہ میں انھوں نے اجمال کیا ہے خلاصہ وغیرہ میں اسے اس طرح لکھا ہے کہ ابوسلیمان سے محمد بن

حسن نے ایسی عورت کی شہادت کی بابت پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ ناجائز ہے تاوقتیکہ ایک جماعت اس بات کی شہادت نہ دے کہ وہ فلان عورت ہے اور امام ابو یوسفؒ اور ہمارے باپ کے نزدیک جائز ہے جبکہ دو عادل گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ وہ فلان عورت ہے اور اس عورت کا چہرہ دیکھنے کی شرط کے متعلق مشائخ کا اختلاف ہے بعض لوگ اسے شرط نہیں ٹھہراتے اور اسی جانب امام خواہرزادہ رحمہ اللہ کا میلان تھا اور نوازل میں ہے کہ عورت کا دیکھنا شہادت کے لئے شرط ہے اور جامع اصغر میں ہے کہ اُسکے چہرے کا دیکھنا شرط ہے اور تم جانتے ہو کہ ایسی معرفت کی ضرورت ہے کہ جب وہ حاصل ہو جائے تو وہ اُس عورت کو دوسروں سے تمیز کرسکے پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تعریف تمیز کا فائدہ دیتی ہے تو لازم آیا کہ اُسکا چہرہ اور خود اُسکے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ شیخ الاسلام خواہرزادہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے مگر اُس وقت کہ جب کوئی ایسا شخص نہو جو اُسے پہچانتا ہو اور اگر کوئی ایسا شخص ہو تو اختلاف مذکور اُس میں متحقق ہوگا کہ پہچاننے کے لئے دو گواہ کافی ہیں یا ایک جماعت کی ضرورت ہے اور جو مجتبیٰ میں ہے وہ اُسکے موافق ہے کہ ایک عورت کے خلاف شہادت پیش ہوئی پس وہ عورت مرگئی اور دو گواہوں نے شہادت دی کہ اقرار کرنے والی عورت فلان ہے تو قاضی کو جائز ہے کہ اُسکے خلاف شہادت کو قبول کرے اسکو خلاصہ میں نقل کیا ہے اور محیط میں ہے کہ دو گواہوں نے ایک عورت کے خلاف گواہی دی جس کا اُن دونوں نے نام لیا اور وہ دونوں اُسکو بھول گئے یعنے اُسکا حلیہ یاد نہیں رہا اور وہ عورت موجود تھی پس قاضی نے پوچھا کہ تم دونوں اسکو پہچانتے ہو انھوں نے کہا نہیں تو انکی شہادت مقبول نہوگی اور اگر انھوں نے کہا کہ ہم فلانہ بنت فلانہ فلان قبیلہ والی کے خلاف شہادت دیتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ وہ یہی ہے یا کوئی اور تو شہادت صحیح ہوگی اور مدعی کو حکم دیا جائیگا کہ وہ دو گواہ اور لائے جو بتائیں کہ یہ عورت وہی ہے جسے ان گواہوں نے بتایا برخلاف صورت اول کے کیونکہ وہاں گواہوں نے جہالت کا اقرار کیا ہے پس شہادت باطل ہوگئی اور یہ (یعنے عبارت محیط) اور اُسکے مثل دیگر عبارتیں ہمارے قول کے موافق ہیں اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے اختلف المشایخ فی تحمل الشہادۃ علی المرأۃ کانت منقبۃ بعض مشائخنا قالوا لا یصح التحمل علیہا بدون رؤیۃ وجہہا و بعض مشائخنا توسعوا فی ھذا وقالوا یصح عند التعریف والتعریف الواحد یکفی والمثنی احوط والی ھذا مال الشیخ الامام المعروف بخواہرزادہ والی القول الاول مال شیخ الاسلام الاوزجندی والشیخ الامام ظہیر الدین و حزب من

المعقول یدل علی ھذا مذھبنا فانا اجمعنا علی انہ یجوز النظر الی وجھہا لتحمل الشہادۃ ثم عند ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ اذا اخبرہ عدلان انھا فلانۃ فذلک یکفی وعلی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ لا تحل لہ الشہادۃ علی النسب مالم یسمع من جماعۃ لا یتصور تواطؤھم علی الکذب کذا فی الظہیریۃ والفقیہ ابوبکر الاسکاف کان یفتی بقولہما فی ھذہ المسألۃ وھو اختیار نجم الدین النسفی وعلیہ الفتوی فان عرفہا باسمہا ونسبہا عدلان ینبغی ان یشھدا علی شہادتہما ھؤلاء الشھود کما ھو طریق الاشہاد علی الشہادۃ حتی یشھدوا عند القاضی علی شہادتہما بالاسم والنسب ویشھد باصل الحق بطریق الاصالۃ فیجوز ذلک بلا خلاف کذا فی المحیط یعنی اس عورت کے خلاف جو چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے ہو شہادت کے متعلق مشایخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں یہ درست نہیں جب تک اُسکا چہرہ نہ دیکھ لیں اور بعض مشایخ نے اس میں توسیع کی ہے اور کہا ہے کہ یہ درست ہے جبکہ کوئی اُس عورت کا پہچاننے والا موجود ہو اور ایک شخص کا پہچان لینا کافی ہے اور دو کے پہچاننے میں احتیاط ہے اور اسی کیجانب امام شیخ خواہرزادہ کا میلان ہے اور اول کی جانب شیخ الاسلام اوزجندی اور امام ظہیر الدین اور اہل عقل کا ایک گروہ گیا ہے اور اسپر ہمارا مذہب بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ ہم نے اسپر اجماع کیا ہے کہ گواہی کے لئے عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے پھر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جب دو عادل مرد اس امر کی گواہی دیں کہ یہ فلاں عورت ہے تو کافی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق نسب پر گواہی دینا درست نہیں ہوتا وقتیکہ اس کثرت سے لوگ اسکو نہ کہتے ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا ممکن نہو اسی طرح ظہیریہ میں ہے اور فقیہ ابوبکر اسکاف رحمہ اللہ اس مسئلہ میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور اسی کو نجم الدین نسفی نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے پس اگر اسکے نام ونسب سے اُسکو دو گواہ پہچان لیں تو چاہیے کہ اُن دونوں گواہوں کی گواہی پر سب گواہ گواہی دیں جیسا کہ شہادت پر گواہی لینے کا طریقہ ہے حتیٰ کہ اگر وہ قاضی کے سامنے اُن دونوں نے اسم ونسب کی گواہی کی شہادت دیں اور بطریق اصالت اصل حق کی گواہی دیں تو یہ بلا خلاف جائز ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ اور محقق شامی رحمہ اللہ نے درمختار کے حاشیہ میں لکھا ہے ذکر الفقیہ ابو اللیث عن نصر بن یحیی قال کنت عند ابی سلیمان فدخل ابن محمد بن الحسن فسألہ

عن الشھادۃ علی المرأۃ متی تجوز اذا لم یعرفھا قال کان ابوحنیفۃ یقول لا تجوز حتی یشھد
عندہ جماعۃ انھا فلانۃ وکان ابویوسفؒ وابوک یقولان تجوز اذا شھد عندہ
عدلان انھا فلانۃ رھو المختار للفتوی وعلیہ الاعتماد لانہ ایسر علی الناس واعلم انھما
کما یحتاجان للاسم والنسب للشھود علیہ وقت التحمل یحتاجان عند اداء الشہادۃ
الی من یشھد ان صاحبۃ الاسم والنسب ھذہ وذکر الشیخ خیر الدینؒ انہ یصلح
التعریف ممن لا تقبل شھادتہ لھا سواء کانت الشھادۃ علیھا اولھا سائحانی بزیادۃ
من البحر وغیرہ شیخ فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے نصر بن یحییٰ رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کہ میں ابو سلیمانؒ کے
پاس تھا کہ ابن محمدؒ ابن حسنؒ آئے اور اُن سے پوچھا کہ جب شاہدین عورت کو نہ پہچانیں تو اُس عورت کے
متعلق اُنکی شہادت کیونکر درست ہوگی اُنھوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے تھے کہ یہ ناجائز ہے
تاوقتیکہ ایک جماعت اس امر کی شہادت نہ دے کہ یہی فلاں عورت ہے اور امام ابو یوسفؒ اور
تمہارے باپ کہتے تھے کہ یہ جائز ہے جبکہ دو گواہ اس امر کی شہادت دیں کہ یہی فلاں عورت ہے اور
فتوے کے لئے یہی قول اختیار کیا گیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے کیونکہ یہ لوگوں کے لئے آسان ہے اور
جاننا چاہیئے کہ جسطرح دونوں گواہوں کو مشہود علیہ کے اسم و نسب کے تحمل شہادت کے وقت جاننے
کی ضرورت ہے اُسی طرح اداء شہادت کے وقت اُس شخص کی ضرورت ہے جو یہ بتلائے کہ اس نام اور
نسب کی عورت یہی ہے اور شیخ خیر الدین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اُن لوگوں کا پہچاننا بھی مقبول ہے
جنکی شہادت مقبول نہیں ہے خواہ شہادت عورت کے حق میں ہو یا اُسکے خلاف یہ بزیادتی بحر
وغیرہ سائحانی سے منقول ہے اور فصول عمادی میں ہے ذکر فی شھادات المحیط وفی فتاوی ظہیر
الدین رحمہ اللہ اذا اخبر الشاھد عدلان ان ھذہ المقرۃ فلانۃ بنت فلان فذلک
یکفی للشھادۃ علی الاسم والنسب عندھما وھو اختیار فقیہ ابی بکر الاسکاف
ونجم الدین النسفی رحمھما اللہ وعلیہ الفتوی لانتری انھما لو شھد عند القاضی
یقضی بشھادتھما والقضاء فوق الشھادۃ فیجوز الشھادۃ باخبارھما بالطریق الاولی ولکن
عرفھا باسمھا ونسبھا عدلان ینبغی لھما اعنی العدلین ان لیشھدا علی شھادتھما ھو للشھود
کما ھو طریق الاشھاد علی الشھادۃ حتی یشھدا عند القاضی علی شھادتھما بالاسم

والنسب ویشھد وا باصل الحق بطریق الاصالۃ فیجوز بلا خلاف تصحیح محیط کے باب شہادات اور
فتاوی قاضی ظہیر الدین رحمہ اللہ میں ہے کہ جب دو عادل شاہد اِس امر کی گواہی دیں کہ یہ
اقرار کرنے والی فلانہ بنت فلاں ہے پس یہ اسم و نسب کی شہادت دینے کے لئے امام ابو یوسف
اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک کافی ہے اور اسی کو فقیہ ابو بکر اسکاف اور نجم الدین نسفی رحمہما اللہ
نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتوی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب قاضی کے پاس دو آدمی
گواہی دیں تو قاضی اُن کی شہادت پر حکم کردے گا اور حکم کا مرتبہ شہادت سے زائد ہے پس اُن دونوں
کی گواہی پر شہادت دینا بدرجۂ اولی درست ہوگا پس اگر اُسے مع اُسکے نام و نسب کے دو عادل جانتے
ہوں تو اُن عادلوں کو چاہیے کہ اُن گواہوں کی گواہی پر گواہی دیں جیسا کہ گواہی کی شہادت
کا طریقہ ہے حتی کہ اگر قاضی کے پاس وہ اُن دونوں کے اسم و نسب کے متعلق شہادت کی گواہی دیں
اور اصل حق کی بطریق اصالت گواہی دیں تو یہ گواہی بلا خلاف درست ہوگی۔ اور ایسا ہی عامہ
کتب معتبرۂ فقہ میں لکھا ہے اس شرعی تحقیق پر تامل کرنا صحت گواہی گواہان مدعیہ مجیبہ میں جس کی
تمیز و تعریف خود ہر دو مدعا علیہما کر چکے بحوالہ اس روایت درمختار کے ویشھد علی محجب بسماعہ
منہ الا اذا تبین القائل بان لم یکن فی البیت غیرہ ایسے شخص کے متعلق کسی بات کو سنکر
گواہی دینا جو پردہ میں ہو درست نہیں ہے تاوقتیکہ قائل کو یہ نہ معلوم ہو کہ گھر میں اُسکے سوا کوئی
نتھا) و نیز بحوالہ اس روایت فتاوی عالمگیری کے ولو سمع من وراء الحجاب لا یسعہ ان
یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ اذ النغمۃ تشبہ النغمۃ اگر کسی نے پردے کے نیچے سے کچھ سُنا
تو اسکو اُسکی گواہی دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ کہنے والا کوئی اور ہو اس لئے
کہ آوازیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں) کہ یہ دونوں روایتیں صورت مسئول عنہ سے کچھ
علاقہ نہیں رکھتی ہیں بلکہ صورت غیر اخبار دو عدل و غیر اقرار و تعریف دو مدعا علیہما سے متعلق ہیں غرض
اہل علم کے نزدیک نہایت مستبعد ہی باقی رہا یہ امر کہ آیا منجملہ تینوں گواہوں مدعیہ کے ایک گواہ کے
اس بیان سے کہ عمر در مدت سوا سات مہینے کم یا زیادہ کے جہالت مدت ظاہر ہو کر نا مقبول ہونا جملہ
گواہوں مدعیہ کا متصور ہو سکتا ہے یا نہیں تو اسکی تحقیق یہ ہے کہ جب مدعیہ کے دو گواہوں نے
بالاتفاق سوا سات مہینہ کا عرصہ بیان کیا ہے تو تیسرے گواہ کے کم زیادہ کہنے سے ہرگز جہالت

مدت ظاہر نہیں ہوتی ہے اور نہ سب گواہوں کی نامقبولی متصور ہوسکتی ہے کیونکہ فقط دو ہی گواہوں کا اتفاقی بیان کہ نصاب کامل شہادت کا ہے درباب معلومیت مدت سوا سات مہینے اور ثبوت عاریت زیور مدعیہ کی کافی ہے تیسرے گواہ کے بیان کی کچھ ضرورت ہی نہیں ہو اسکے ساتھ مدعیہ کے تینوں گواہوں میں سے ایک گواہ نے اقرار اصل مدعا علیہما کا بابت مستعار لینے زیور طلائی مدعیہ کے اور دو گواہ نے اُن کے مکرر اقرار واپس دینے اُسی زیور طلائی مستعار کے صاف صاف گواہی دی ہے اس حالت میں اقرار مدعا علیہما مشہود بہ ہے اور وہ قطعاً معلوم اور منجملہ اُن حجج شرعیہ کے ہے جن کے ساتھ عدالت میں حکم کیا جاتا ہے اور خود مقر کے نفس پر حجت ہوتا ہے اشباہ میں لکھا ہے القاضی لا یقضی الا بحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما فی وقف الخانیۃ قاضی بغیر کسی حجت کے حکم نہ دے اور حجت بینہ اور اقرار اور قسم سے انکار ہے جیساکہ خانیہ باب وقف میں ہے اور درمختار میں لکھا ہے اقرار الانسان حجۃ علی نفسہ کسی کا اقرار خود اُسی کے اوپر حجت ہے۔ اسی واسطے اثبات اقرار کا گواہوں سے مشروع ہے جیساکہ بزازیہ اور تاتارخانیہ اور سائر کتب فقہ سے مستفاد ہے اور شرعاً اقرار کی گواہی میں جہالت مدت اقرار کیا جہالت عین مشہود بہ و مقر بہ کے بھی مانع صحت شہادت نہیں ہے ہدایہ میں ہے وان اقر بذلک المدعا علیہ دفعت الی المدعی لان الجہالۃ فی المقر بہ لا تمنع صحۃ الاقرار وان شھد شاھدان انہ اقر انھا کانت فی ید المدعی دفعت الیہ لان المشہود ھھنا الاقرار وھو معلوم یعنے اگر مدعا علیہ نے اسکا اقرار کیا تو وہ چیز مدعی کو دیدیجائے کیونکہ مقر بہ میں جہالت مانع صحت اقرار نہیں ہے اور اگر دو گواہوں نے اس امر پر گواہی دی کہ اُس نے اس امر کا اقرار کیا تھا کہ یہ چیز مدعی کے قبضے میں تھی تو وہ چیز مدعی کو دے دی جائے کیونکہ یہاں شہادت اقرار کی ہے جو معلوم ہے اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے قولہ وان اقر الخ یعنے لو قال المدعا علیہ باللہ ان الدار التی فی یدہ ھذہ الدار کانت فی ید المدعی دفعت للمدعی لان حاصل ذلک جہالۃ فی المقر بہ وھی لا تمنع صحۃ الاقرار بل یصح ویلزم البیان فانہ لو قال لفلان علی شیٔ صح وجبر علی البیان وکذا لو

شہد شاہدان ان المدعا علیہ اقر بانہا کانت فی ید المدعی تقبل لان المشہود بہ الاقرار وھو معلوم وانما الجہالۃ فی المقر بہ وھولاء لا تمنع صحۃ القضاء کما لو ادعے عشرۃ دراہم فشہدا علے اقرار المدعا علیہ ان لہ علیہ شیئا جازت ویومر بالبیان یعنے اگر مدعا علیہ نے اُس گھر کے متعلق جو اُسکے قبضے میں تھا کہا کہ یہ گھر مدعی کے قبضے میں تھا تو وہ مدعی کو دیدیا جائے گا کیونکہ اس میں مقر بہ مجہول ہے لیکن اُس کی جہالت مانع صحت اقرار نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں اقرار صحیح رہتا ہے اور بیان ضروری ہوتا ہے بس اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص کا میرے کچھ ذمہ واجب الادا ہے تو یہ اقرار صحیح ہوگا اور مقر بیان کرنے پر مجبور کیا جائیگا اسی طرح اگر دو گواہ اُسکی گواہی دیں کہ مدعا علیہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ یہ مدعی کے قبضہ میں تھا تو اُن کی یہ شہادت قبول کیجائے کیونکہ مشہود بہ اقرار ہے جو معلوم ہے اور مجہول مقر بہ ہے جس کی جہالت مانع صحت قضا نہیں ہے شلاً کسی نے دس درہم کا دعوی کیا اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ مدعا علیہ نے یہ کہا تھا کہ اُس شخص کا میرے ذمے کچھ واجب الادا ہے تو یہ شہادت مقبول ہو گی اور مدعا علیہ بیان کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور درمختار میں ہے اقر المدعا علیہ بذلک او شہد شاہدان انہ اقر انہ کان فی ید المدعی ادفع للمدعی بمعلومیۃ الاقرار وجہالۃ المقر بہ لا تبطل لاقرار مدعا علیہ نے اس کا اقرار کیا یا دو گواہ نے اس امر کی گواہی دی کہ اُس نے اس امر کا اقرار کیا کہ یہ چیز مدعی کے قبضے میں تھی تو وہ چیز مدعی کو دیدی جائے گی کیونکہ یہ اقرار معلوم ہے اور مقر بہ کی جہالت سے اقرار باطل نہیں ہوتا ہے اور جبکہ صورت مسئول عنہا میں اقرار مدعا علیہا کا بھی مشہود بہ ہے اور اقرار کی شہادت میں جہالت مُدت اقرار کی تو کیا عین مقر بہ کی جہالت بھی بتصریح بالا مانع و مبطل شہادت نہیں تو نا مقبول تصور کرنا گواہی اقرار مدعا علیہا کا بقرار داد جہالت مانع شہادت بحوالہ اس روایت فتاوے عالمگیری کے اذا ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درہم شہدا لشہود ان لہذا المدعی دوازدہ درہم لا تقبل لمکان الجہالۃ وکذلک اذا ادعی دہ دوازدہ درہم لا تسمع دعواہ وکذلک اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال این عین ملک من است از دہ دوازدہ سال فانہ لا تسمع دعواہ وکذلک اذا ذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم علے ھذا الوجہ لا تقبل

شہادتھم کذا فی الذخیرۃ جب فارسی میں بارہ درم کا دعویٰ کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے دس بارہ درم اس شخص کے ذمے ہیں تو یہ دعویٰ مقبول نہوگا کیونکہ جہالت باقی ہے اور اسیطرح اگر دعویٰ کیا کہ میرے دس بارہ درم اُسکے ذمے ہیں جب بھی دعویٰ مسموع نہوگا اور اسی طرح جب دعویٰ میں تاریخ ذکر کی یعنے کہا کہ یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملک ہے تو ان سب صورتوں میں اُسکا دعوے مقبول نہوگا اسیطرح اگر گواہوں نے اپنی گواہی میں تاریخ ذکر کی اسی مذکور طریقہ پر تو بھی گواہی مقبول نہیں یہ ذخیرہ میں ہے) صاف تر غیر صحیح و بے محل ناقابل التفات ہے یہ روایت اُس مشہود بہ کی جہالت سے علاقہ رکھتی ہے جو اقرار مدعا علیہ کا نہونا اُس مشہود بہ کی جہالت سے جو مدعا علیہ کا اقرار ہو حاصل یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کا بحق مدعیہ مطابقت قواعد شرعیہ بے شبہہ صحیح و نافذ و قابل اعتبار ہے اور تجویز دوسرے مجوز کی قطعاً غیر صحیح و غیر قابل اعتبار ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم نمقہ العبد المفتقر الی ربہ الغنی ابو محمد المدعو بسید شاہ علی الرامفوری ثم المرادآبادی حفظ اللہ من شرور الاعادی ہو المصوب روبکاری عدالت دیوانی بمقدمہ اقتدار بیگم صاحبہ مدعیہ و فضل احمد خاں و امین خاں وغیرہ و امراؤ مدعا علیہم بابت عاریت زیور قیمتی چھ سو روپیہ متضمن خلاصۂ اظہارات مدعیہ و گواہان مدعیہ و مدعا علیہم نظر گذرے فتاوی علما وغیرہ کے دیکھنے کے بعد کہ جن میں سے بعض مدعیہ کیجانب سے ہیں اور بعض مدعا علیہم کی جانب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اثبات دعوی مدعیہ کے لئے اُسکے گواہوں کی گواہی ان فقہ کی روایات کے اعتبار سے کافی نہیں ہے جامع الفصولین اور فصول استروشنی میں ہے لو اخبرت امرأۃ انہا فلانۃ بنت فلانۃ لایحل للشاہدان یشہد باسمہا ونسبہا لان تعریف المرأۃ الواحدۃ والرجل الواحد لایکفے ولو عرفہا رجلان وقال نشہد انہا فلانۃ بنت فلان حل لہ الشہادۃ وفاقالان فی لفظ الشہادۃ من التاکید مالیس فی لفظ الخبر واذا کان بلفظ الخبر انما یجوز عند ابی حنیفۃ اذا اخبر جماعۃ لایتصور تواطوہم علے الکذب وعندہما لو اخبرہ عدلان انہا بنت فلان بن فلان تحل لہ الشہادۃ وحق تعریفہا ان یشہدا علے معرفتہا عدلان او رجل وامرأتان ولو اخبر شاہدان عدلان ان ہذہ المقرۃ فلانۃ بنت فلان یکفی ہذہ الشہادۃ علی الاسم والنسب عندہما وعلیہ الفتوی اگر کسی عورت نے کہا کہ وہ فلاں کی

بیٹی فلاں ہے تو گواہ کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ اُس کے نام اور نسب کی شہادت دے کیونکہ ایک عورت اور ایک مرد کی گواہی کافی نہیں ہے اور اگر دو مردوں نے اُسے پہچانا اور کہا کہ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی لڑکی فلانہ ہے تو شاہد کے لئے بالاتفاق شہادت حلال ہے کیونکہ لفظ شہادت میں اتنی تاکید ہے جتنی لفظ خبر میں نہیں ہے اور جب شہادت بلفظ خبر ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اُس وقت جائز ہے جب خبر دینے والی ایسی جماعت ہو جسکا جھوٹ پر مجتمع ہونا باور نہ کیا جاسکتا ہو اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اگر اُسکو دو عادل آدمی بیان کریں کہ وہ فلانکی لڑکی فلانہ ہے تو اُسکے لئے شہادت جائز ہے اور حق تعریف یہ ہے کہ اُسکی معرفت پر دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں اور اگر دو شاہد عادل اس امر پر گواہی دیں کہ یہ اقرار کرنے والی عورت فلاں کی لڑکی فلانہ ہے تو یہ اسم و نسب پر کافی شہادت ہے صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اور یہی بر فتوی ہے۔ اور خزانۃ المفتیین میں ہے۔ قد اختلف المشایخ فی جواز تحمل الشہادۃ علی المرأۃ اذا کانت متنقبۃ بعضھم توسعوا فی ھذا وقالوا الیصح عند التعریف ان لم یروا وجھہا واذا اخبرہ عدلان انھا فلانۃ فان ذلک یکفی وھو الاصح عورت پر جبکہ وہ نقاب ڈالے ہوئے ہو شہادت کے متعلق مشایخ کا اختلاف ہے بعضوں نے اس میں توسیع کی ہے اور کہا ہے کہ یہ درست ہے جبکہ گواہ عورت کی پہچان تبلائیں اگرچہ اُنھوں نے اُسکے چہرے کو نہ دیکھا ہو اور جبکہ دو عادل اس امر کی خبر دیں کہ یہ فلانہ ہے پس کافی ہے اور یہی مذہب صحیح ہے اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے قال فی العمادیۃ لو اخبرت امرأۃ انھا فلانۃ بنت فلان لا یحل للشاھد ان یشھد باسمھا ونسبھا لان تعریف المرأۃ الواحدۃ والرجل الواحد لا یکفی ولو عرفھا رجلان وقالا نشھد انھا فلانۃ بنت فلان حل لھما اداء الشھادۃ بالاتفاق وفی الفوائد الزینیۃ ولابد من بیان حلیتھا ولابد من النظر الی وجھھا فی التعریف عمادیہ میں ہے کہ اگر کسی عورت نے کہا کہ یہ فلاں کی لڑکی فلانہ ہے تو شاہد کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ اُسکے نام اور نسب کی شہادت دے کیونکہ ایک عورت اور ایک مرد کی شہادت کافی نہیں ہے اور اگر دو مردوں نے اُسے پہچانا اور کہا کہ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی لڑکی فلانہ ہے تو شاہدین کے لئے بالاتفاق شہادت جائز ہے اور فوائد زینیہ میں ہے کہ عورت کا حلیہ بیان کرنا اور اُسکے چہرے کو دیکھنا پہچاننے کے لئے ضروری ہے اور مجمع البرکات

میں ہے لو سمع من وراء الحجاب لا یسعه ان یشہد لاحتمال ان تکون النغمة تشبه النغمة الا اذا کان فی الدار وحدہ وعلم الشاہد انه لیس فیه غیرہ ثم جلس علی المسلك ولیس لمسلك غیرہ فسمع اقرار الداخل ولا یراہ لانه یحصل العلم به وینبغی للقاضی اذا فسرله ان لا یقبله وقالوا اذا سمع صوت امرأۃ من وراء الحجاب لا یجوز ان یشہد علیها الا اذا کان یری شخصا عند وقت الاقرار کذا فی التبیین اگر پردے کے پیچھے سے سنا تو اسے شہادت نہ دینا چاہیئے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ کہنے والا کوئی اور ہو اس لئے کہ آوازیں باہم مشابہ ہوتی ہیں مگر جبکہ گھر کے اندر اکیلا رہتا ہو اور گواہ کو اسکا علم ہو کہ گھر میں بجز اسکے اور کوئی نہیں ہے کیونکہ دروازے پر بیٹھ گیا ہو اور اس راستے کے سو گھر کا کوئی اور راستہ بھی نہو پس اب اگر وہ اندر والے شخص کا کوئی اقرار سنے اور اسکو نہ دیکھے تو اسکی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ اس سے علم حاصل ہو جاتا ہے اور قاضی کو چاہیئے کہ جب اسکو یہ امور معلوم ہو جائیں تو اسکی شہادت قبول کرتے ہیں میں ہے۔ اور فتاوی صغریٰ اور فتاوی کافوری میں ہے ان سمع اقرارہ من وراء الحجاب لا یجوز له ان یشہد لعدم جواز الشہادۃ بسبب الحجاب فان دخل فی بیت وعلم انه لیس فیه غیر واحد ثم خرج وقعد علی الباب لیس للبیت مسلك اخر فاقر من البیت حل له ان یشہد اگر کسی کے اقرار کو پردے کے پیچھے سے سنا تو اس کی شہادت پردے کی وجہ سے جائز نہیں ہے پس اگر گھر میں گیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس میں ایک آدمی کے سوا اور کوئی نہیں ہے پھر وہاں سے نکلا اور دروازے پر بیٹھ گیا اور اس راستے کے سوا گھر کا اور کوئی راستہ بھی نہ تھا تو اب اگر گھر کے اندر والا کوئی اقرار کرے تو اسکے لئے شہادت درست ہوگی اور فتاوی قاضی خاں میں ہے رجل زوج ابنته من رجل فی بیت وفی بیت اخر قوم یسمعون التزویج ولم یشہد هم قالوا ان کان من العقد الی بیت السامعین کوۃ راؤا البنت والزوج جاز لهم ان یشہدوا وان لم یروا لا یجوز وان سمعوا کلامهم وفیه ایضا ذکر الخصاف فی ادب القاضی اذا سمع رجل اقرار رجل وراء الحجاب لا یحل له ان یشہد ولو شہد وفسر لا تقبل القاضی شہادته ایک شخص نے ایک گھر میں اپنی لڑکی کی شادی کسی مرد سے کی اور دوسرے گھر میں بہت سے لوگ تھے جو اس نکاح کو سن رہے تھے مگر اس نے ان کو گواہ نہیں بنایا یعنی اس جگہ حاضر نہ کیا تو فقہا کہتے ہیں کہ اگر اس گھر اور شادی والے گھر کے درمیان کوئی روشندان تھا جس سے ان

لوگوں نے لڑکی اور اُس کے شوہر کو دیکھا تو اُن کے لئے شہادت دینا جائز ہے اور اگر نہیں دیکھا تو جائز نہیں ہے اگرچہ اُن کے کلام کو سنا ہے اور اسی کتاب میں ہے خصاف نے ادب قاضی مین لکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کے اقرار کو پردے کے پیچھے سے سنے تو اسکو شہادت دینا درست نہیں ہے اور اگر شہادت دی اور تفسیر کر دی تو قاضی اُسکی شہادت کو نہ قبول کریگا۔ اور ایسا ہی اکثر متون اور شروح اور فتاوی میں ہے۔ ان عبارتوں سے ظاہر ہوگیا کہ برقع پوش مخدرہ کے خلاف یا اُسکے موافق شہادت دینا معتبر نہیں ہے جبتک کہ گواہ اُسکو دیکھ نہ لیں یا دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتین اُس کے تعیین کی خبر دین اور محض پردے سے آواز سننا یا ایک مرد اور ایک عورت کے خبر دینے پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے اور شہادت نہ دینا چاہیئے اور قاضی کو ایسی شہادت قبول نہ کرنا چاہیئے اور تعدیہ مذکورہ میں مدعیہ کی معرفت گواہوں کو حاصل نہیں ہوئی نہ دیکھنے سے نہ تعریف سے اور گواہون نے محض آواز سنکر اور محجوبہ کے قول پر اعتماد کر کے کہ اُس نے کہا پردے کے پیچھے بیگم صاحبہ کھڑی ہیں اعتماد کر لیا ہے پس اُنکی گواہی کیونکر معتبر ہو سکتی ہے کیونکہ آواز آواز کے مشابہ ہوا کرتی ہے اور کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد کی شہادت کافی نہیں ہے اور یہ جو بعضوں نے خیال کیا ہے کہ یہاں خود امین خاں اور فضل احمد خاں مدعی علیہما نے محجوبہ کے قول کو تمیز اور تسلیم کیا اور مدعیہ کی شناخت اُنکو حاصل ہوگئی اور اُن کے قول پر گواہون کا اعتماد کرنا کافی ہوگا۔ مخدوش ہے کیونکہ جب مدعیہ پردہ نشین ہے اور مدعا علیہما سے بھی پردہ کرتی ہے تو مدعی علیہما کا یہ قول کہ پردے کے پیچھے بیگم صاحبہ کھڑی ہیں صرف محجوبہ کے قول پر مبنی ہوگا اور شہادت کے معتبر ہونے کے لئے ایسے دو عادل گواہوں کا ہونا ضروری ہے جنکو پردہ نشین عورت کی معرفت اچھی طرح حاصل ہو۔ اور یہ خیال کرنا کہ جو عبارتیں ذکر کی ہیں مثلاً فسمع اقرار الداخل وغیرہ سو وہ ہمارے اس مسئلہ سے تعلق نہیں رکھتیں اس سبب سے کہ یہ عبارت مدعا علیہ کی پہچان کے بارے میں ہے نہ مدعی کی محض لغو ہے کیونکہ پہچان کا جو طریقہ شرعاً معتبر ہے وہ مطلق پردہ والی عورت کے بارہ میں ہے خواہ وہ مدعیہ ہو یا مدعی علیہ اور ان عبارات کا خاصکر مدعی کی پہچان کے بارہ میں آنا کچھ ضرر نہیں دیتا۔ غرض اس مقدمے میں قواعد شرعیہ کے موافق مدعیہ کے گواہوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال مدعی نے بغرض ثبوت دعوی کے عدالت میں گواہ پیش کیے اور

وہ گواہ عدالت میں مقبول نہوے کسی وجہ سے منجملہ اُن وجوہ کے جو باعث عدم مقبولیت کے معین ہیں یا مقبول ہوے مگر شہادت اُنکی مفید کامیابی مدعی نہوئی کسی وجہ سے منجملہ اُن وجوہ کے جو باعث ناکامیابی کے ہوتے ہیں مثلاً اختلاف بیانی یا عدم مطابقت یا دعوے وغیرہ الغرض جبکہ مدعی نے اپنے گواہ پیش کیے خواہ وہ گواہ لیے گئے یا نہ لیے گئے بہرحال اُن گواہوں کے باوصف عدالت میں پیش کرنے کے مدعی اپنے دعوی میں کامیاب نہوسکا تو آیا پھر مدعی تحلاف مدعا علیہ سے کرسکتا ہے یا نہیں اگر کرسکتا ہے تو آیا جملہ صورتہاے مذکورہ میں یا بعض صورتوں میں درصورت ثانی اُسکی تفصیل کیا ہے اور درصورت اولی کیا مدعا علیہ کو کبھی حلف سے امن ونجات ممکن ہے اگر ممکن ہے تو وہ کون صورت ہے اور اگر نہیں کرسکتا ہے تو بھی بیان تفصیلی ضروری ہے کہ آیا جملہ صورتہاے مذکورہ میں یا بعض صورتوں میں درصورت ثانی اُسکی تصریح کیا ہے

جواب مدعا علیہ کو حلف سے چند صورتوں میں نجات ہوسکتی ہے (۱) مدعی کا دعوے صحیح نہو فتاوی سراج المنیر میں ہے الاستحلاف یجری فی الدعاوی الصحیحۃ دون فاسدتہا ان انکر المدعی علیہ حلف صحیح دعووں میں جاری ہوسکتا ہے نہ فاسد دعووں میں اگر مدعی علیہ انکار کرے (۲) مدعی گواہوں کے اُسی شہر میں موجود ہونے کا اقرار کرے مختصر وقایہ میں ہے وان قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ فی المصر وطلب حلف الخصم لا یحلف اگر مدعی نے کہا کہ میرا بینہ شہر میں موجود ہے اور خصم سے حلف چاہا تو اُس سے حلف نہ لیا جائیگا (۳) مدعی حلف نہ چاہے درمختار میں ہے الیمین حق القاضی مع طلب الخصم یمین طلب خصم کے ساتھ قاضی کا حق ہے باقی اُس صورت میں کہ مدعی نے گواہ قائم کیے اور وہ عدم مطابقت دعوی یا اور کسی وجہ سے مقبول نہوے تو مدعی کے حلف طلب کرنے سے مدعی علیہ پر حلف کرنا لازم ہوگا فتاوی قاضی خان میں ہے رجل ادعی عبدا فی ید رجل وقال بعتنی ہذا العبد بالف درہم ونقدتک الثمن فانکر المدعی علیہ البیع وقبض الثمن فشہد للمدعی شاہدان علی اقرار البائع بقبض الثمن وقالا لا نعرف العبد ولکنہ قال لنا عبدی زید وشہد شاہدان آخران ان ہذا العبد اسمہ زید قال لا یتم البیع بہذہ الشہادۃ ویحلف البائع فان حلف رد الثمن لان قبض الثمن ثبت بشہادۃ الشہود علی اقرار البائع بالقبض وان

نکل البائع لزمہ البیع بنکولہ ایک شخص نے ایک غلام پر دعویٰ کیا جو دوسرے کے قبضے میں تھا اور کہا کہ تم نے یہ غلام میرے ہاتھ ایکہزار درم کو بیچا تھا اور میں نے تمکو اسکی قیمت دیدی تھی اور مدعی علیہ نے بیع اور قبضۂ ثمن سے انکار کیا مدعی نے اس بات پر دو گواہ پیش کیے کہ بائع مدعا علیہ نے ثمن کے قبضہ کا اقرار کیا ہے اور ان دونوں نے کہا کہ ہم غلام کو نہیں جانتے لیکن اس نے کہا کہ میرا غلام زید ہے اور دوسرے دو شاہدوں نے اس امر پر گواہی دی کہ اس غلام کا نام زید ہے تو کیا ہے کہ اس گواہی سے بیع تمام نہوگی بلکہ بائع سے حلف کیا جائیگا اگر وہ حلف کرے تو قیمت واپس کرے کیونکہ ثمن پر قبضہ کرنا گواہوں کی اس گواہی سے ثابت ہوا ہے کہ بائع نے قبضۂ ثمن کا اقرار کیا ہے اور اگر بائع اس سے انکار کرے تو اس انکار کی وجہ سے بیع اسکے ذمے لازم ہو جائیگی۔ اور اشباہ و نظائر کی یہ عبارت اسکی تائید کرتی ہے الحجۃ بینۃ عادلۃ او اقرار او نکول عن یمین او یمین او قسامۃ او علم القاضی بعد تولیتہ او قرینۃ قاطعۃ حجت بینۂ عادلہ یا اقرار یا قسم سے انکار یا یمین یا قسم یا والی ہونے کے بعد قاضی کا علم یا قطعی قرینہ ہے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال دنیاوی دشمن جسکی شہادت معتبر نہیں ہے اس سے کون دشمن مراد ہے اور جو شخص زید کی زوجہ سے نکاح کرنا چاہے اور اس بات کی گواہی دے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی ہے تو وہ دشمن مذکور میں داخل ہے یا نہیں جواب نہیں طحطاوی نے حاشیۂ درمختار میں بخلاف الدنیویۃ کے تحت میں لکھا ہے کشہادۃ المقذوف علی القاذف والمقطوع علیہ الطریق علی القاطع والمقتول ولیہ علی القاتل والمجروح علی الجارح والزوج علی امرأتہ بالزنا اذا کان قذفہا اولا فالعداوۃ لیس کما یتوہمہ بعض المتفقہۃ والشہود ان کل من خاصم شخصا او ادعی علیہ ان یصیر عدوہ فیشہد بینہما بالعداوۃ بل العداوۃ انما یثبت بنحو ما ذکرنا جیسے شہادت مقذوف کی تہمت لگانے والے کے خلاف اور جسپر ڈاکہ ڈالا گیا ہے اسکی شہادت ڈاکوؤں کے خلاف اور مقتول کے ولیوں کی شہادت قاتل کے خلاف اور مجروح کی شہادت جارح کی شہادت کے خلاف اور زوج کی اپنی زوجہ پر زنا کی شہادت جس وقت زوجہ پر اس سے پہلی مرتبہ تہمت لگا چکا ہو پس عداوت نہیں ہے جیسا کہ بعض مصنوعی فقہا نے اسکا وہم کیا ہے یا اس امر کی گواہی کہ جو شخص کسی سے مخاصمہ کرے اگر اس شخص پر دعویٰ کرے جو اسکا دشمن ہے پس گواہی لی جائے گی ان دونوں کے

درمیان میں عداوت کی بلکہ عداوت ثابت ہوگی اُن چیزوں سے جنکو ہم نے بیان کیا ہے سوال اگر گواہ کہے میں جانتا ہوں یا میں خبر دیتا ہوں تو اُسکی گواہی مقبول ہوگی یا نہیں جواب اشہد کا لفظ یا اُسکے معنی شہادت کا رکن ہے اگر گواہ کہے کہ میں جانتا ہوں یا میں خبر دیتا ہوں تو اُسکی گواہی مقبول نہوگی کیونکہ یہ اشہد کے معنے نہیں ہیں۔ جیساکہ فقہ کی کتابوں میں اسکی تفصیل مذکور ہے سوال اس زمانے میں حصول غلبۂ ظن کے لئے گواہوں سے حلف لینا اور اشہد کے لفظ یا اُس کے معنے پر اکتفا نکرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے اشباہ والنظائر میں اُس مقام پر کہ جہان قاضی کی رائے کے مسائل ذکر کئے ہیں لکھا ہے وفی تحلیف الشاھد ان رأہ جاز کما فی الصیرفیۃ یعنے اگر قاضی مناسب سمجھے تو گواہوں سے حلف لے سکتا ہے جیساکہ صیرفیہ میں ہے۔ اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے وفی التہذیب فی زماننا لما تعذرت التزکیۃ لغلبۃ الفسق اختار القضاۃ استحلاف الشہود کما اختارہ ابن ابی لیلی لحصول غلبۃ الظن انتہی اور تہذیب میں ہے کہ ہمارے زمانے میں چونکہ پاکی بوجہ غلبۂ فسق کے دشوار ہے اسلیے حصول غلبۂ ظن کے لیے قاضی گواہوں سے حلف لے سکتا ہے جیساکہ ابن ابی لیلی نے اسکو اختیار کیا ہے اور حموی شارح اشباہ نے لکھا ہے وفی تہذیب القلانسی وفی زماننا لما تعذرت التزکیۃ لغلبۃ الفسق اختار القضاۃ استحلاف الشہود لحصول غلبۃ الظن انتہی قال المصنف فی البحر ولا یضعفہ ما فی الکتب المعتمدۃ کالخلاصۃ من انہ لا یمین علی الشاھد لانہ عند ظہور عدالتہ والکلام عند خفائہا خصوصًا فی زماننا ان الشاھد مجہول الحال وکذا المذکی غالبًا والمجہول لا یعرف المجہول اور تہذیب قلانسی میں ہے کہ ہمارے زمانے میں چونکہ پاکی غلبۂ فسق کی وجہ سے دشوار ہے اسلیے حصول غلبۂ ظن کے لئے قاضی گواہوں سے حلف لے سکتا ہے جیساکہ ابن ابی لیلے نے اسکو اختیار کیا ہے اور مصنف نے بحر میں لکھا ہے یہ قول اُسکو ضعیف نہیں کرتا ہے جو خلاصہ وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے کہ شاہد پر قسم نہیں ہے کیونکہ قسم عدالت کے ظاہر ہونے کے وقت ہے اور کلام عدالت کے خفی ہونے میں ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں کہ شاہد مجہول الحال ہے اور اسیطرح غالبًا مذکی اور مجہول مجہول سے نہیں جانا جاتا ہے سوال اگر مدعی علیہ مسلمان اور گواہ کافر ہوں تو ان گواہوں کی گواہی معتبر مانی جائیگی یا نہیں۔ جواب نہیں۔ سوال اگر زوجہ نے اپنے شوہر پر طلاق دینے کا دعویٰ کرکے گواہ بھی پیش

لیے پھر انھیں گواہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کرلیا تو اُس گواہ کی گواہی باطل ہوجائے گی یا نہیں جواب باطل ہوجائے گی۔ درمختار میں ہے لو شھد لھا ثم تزوجھا بطلت کذا فی الخانیۃ اگر کسی عورت کے لیے گواہی دی پھر اُس سے نکاح کرلیا تو گواہی باطل ہوجائے گی جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے اذا شھد رجل لامرأۃ بحق ثم تزوجھا بطلت شہادتہ کذا فی فتاوی قاضیخان اگر کسی مرد نے کسی عورت کے موافق گواہی دی پھر اُسی عورت کے ساتھ نکاح کرلیا تو اُسکی گواہی باطل ہوجائے گی جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے سوال اگر گواہ سماعت پر گواہی دیں کہ زید بکر کا لڑکا ہے تو یہ گواہی معتبر ہوگی یا نہیں جواب معتبر ہوگی خلاصہ میں ہے وفی الاصل الشھادۃ بالسماع لا یجوز الا فی اربعۃ مواضع الموت والنسب والنکاح والقضاء اما النسب فصورتہ اذا سمع من انسان ان فلان بن فلان الفلانی وسعہ ان یشھد بذلک وان لم یعاین الولادۃ علی فراشہ الا تری انا نشھد ان ابا بکر رضی اللہ عنہ ابن ابی قحافۃ وما رأینا ابا قحافۃ واما النکاح اذا رأی رجلا یدخل الی امرأۃ وسمع من الناس یقولون فلانۃ زوجۃ فلان وسعہ ان یشھد انھا زوجتہ وان لم یعاین عقد النکاح درصل شہادت بالسماع جائز نہیں ہے مگر چار جگہ موت نسب نکاح اور قضا میں لیکن نسب پس اُسکی صورت یہ ہی کہ کوئی شخص سُنے کہ فلاں بیٹا فلان کا ہے تو اُسے اختیار ہے کہ اُس کی گواہی دے اگرچہ اُسکی ولادت کو نہ دیکھے کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ابو قحافہ کے بیٹے ہیں حالانکہ ہم نے ابو قحافہ کو نہیں دیکھا ہے اور لیکن نکاح پس جس وقت کسی مرد کو دیکھے کہ وہ ایک عورت کے گھر میں آتا جاتا ہے اور لوگوں سے سنے کہ فلان عورت فلان شخص کی بی بی ہے تو اُسکو اس بات کی گواہی دینے کا اختیار ہے کہ فلان عورت فلان شخص کی بی بی ہے اگرچہ عقد نکاح کو نہ دیکھے سوال مدعا علیہ کا یہ قول قابل سماعت ہی یا نہیں کہ مدعی نے گواہوں کو کچھ دیکے گواہی دلائی ہے جواب قابل سماعت نہیں ہے اگرچہ مدعا علیہ اس بات کو بینہ سے بھی ثابت کردے ہدایہ میں ہے ولو اقام رجل المدعی علیہ البینۃ ان المدعی استاجر الشھود لم تقبل لانہ شہادۃ علی جرح مجرد اگر کوئی شخص یعنی مدعا علیہ اس امر پر بینہ قائم کرے کہ مدعی کے گواہ اُجرتی ہیں تو اُسکا بینہ قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ شہادت صرف جرح پر ہے سوال زید کا دروازہ ہے جسکا مرور عمرو

کی زمین پر واقع ہے عمرو وہ دروازہ بند کرنا چاہتاہے اور کہتا ہے کہ یہ جدید دروازہ ہے اور زید کا حق مرور اس زمین پر ثابت نہیں ہر زید کہتا ہے کہ میرا یہ دروازہ قدیم ہے اور میرا حق مرور ثابت ہے اور اپنے اپنے دعووں پر دونوں گواہ رکھتے ہیں آیا اس صورت میں زید کے گواہ نفی کے ہیں یا نہیں اور اگر نفی کے گواہ نہیں ہیں تو عمرو کے گواہو نپر زید کے گواہوں کو ترجیح حاصل ہے یا نہیں۔ جواب صورت مسئولہ میں عمرو کے گواہ اولیٰ اور قبول کے قابل ہیں کیونکہ گواہ مذکور امر حادث یعنے دروازۂ مذکور کے جدید ہونے کے مثبت ہیں اور جو گواہ مثبت امر حادث ہوتے ہیں بموجب روایات معتبرہ کتب فقہ و قواعد اصول کے کہ درج جواب ہیں وہ گواہ مثبت امر قدیم پر مقدم ہوا کرتے ہیں فتاوی قنیہ کے باب بینتین متضادین میں مسطور ہے له کنف فی طریق العامة فزعم غیرہ انه محدث وزعم صاحبه انه قدیم واقاما البینة فالبینة بینة من یدعی انه محدث گذرگاہ عام پر ایک شخص کا برآمدہ تھا دوسرے شخص نے خیال کیا کہ یہ برآمدہ جدید ہے اور برآمدے والے نے کہا کہ یہ قدیم ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعوونپر بینہ قائم کیے تو اُسکو جدید بتلانے والے کے بینہ معتبر ہونگے۔ اور فتاوی الانقرویہ کی فصل ترجیح بینہ میں ہے قال احد الجارین للآخر هذا السباط الذی اخرجته محدث وقال الآخر کان کذلک فی القدیم فالقول للمدعی لکونه متمسکا بالاصل (ح) البینة من یدعی انه محدث (نعم) علی عکسه قال رضی الله عنه والصحیح هو الاول دو پڑوسیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ چھتا جو تم نے بنایا ہے نیا ہے اور دوسرے نے کہا کہ یہ قدیم ہے تو مدعی کا قول معتبر ہے کیونکہ وہ اصل سے تمسک کرتا ہے کیا اُسکے بینہ معتبر ہونگے جو جدید ہونیکا دعوی کرتے ہیں (اسکا جواب یہ ہی) کہ حکم اُسکے برعکس ہی (یعنے اُسکے بینہ قبول ہونگے جو اُسکے قدیم ہونیکا دعوی کرتاہے) شیخ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پہلا حکم صحیح ہی۔ اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے فی رسالة الحجج والبینات ان الاصل فی ترجیح البینة علی ما ذکر فی الاصول انما هو کونها مثبتة خلاف الظاهر اذ البینة انما شرعت لاثبات امر حادث والیمین لابقائه علی ما کان فعلی هذا بینة الحدوث تقدم والله اعلم اقول ان بینة الحدوث تقدم فی صورة السوال وکذا فی البناء والکنف لما ذکر من التعلیل الموافق لما ذکر من

الناصبل فان الحدوث امر عارض والقدم اصل فلھذا کان القول قول مدعیہ وح یکون البینۃ لمدعی الحدوث جار علی القواعد الفقھیۃ والاصولیۃ لا تبا تہا خلاف الاصل بلا فرق بین الکنف وغیرہ رسالہ حجج وبینات میں ہر کہ اُن ہی بینہ کو ترجیح دیجائیگی جو خلاف ظاہر امر کو ثابت کریں جیساکہ اصول میں بیان کیا گیاہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ بینہ کسی نئی چیز کے ثابت کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور یمین اس غرض سے ہوتی ہے کہ وہ چیز اپنی حالت پر رہنے دی جاے اس بنا پر حدوث بینہ مقدم ہونگے واللہ اعلم میں کہتا ہوں کہ بینۂ حدوث صورت سوال میں اور سطح عمارت اور برآمدہ میں معتبر ہیں جیساکہ اُسکی علت بیان کی گئی کہ یہی اصل کے موافق ہے کیونکہ حدوث امر عارض ہر اور قدم اصل سی لئے مدعی حدوث کا قول معتبر ہوگا پس مدعی حدوث کے بینہ فقہ واصول کے قواعد کے مطابق ہیں کیونکہ وہ خلاف اصل کو ثابت کرتے ہیں اور اس امر میں برآمدہ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہر - اور فتاوی حامدیہ اور بحر الرائق میں بھی قاعدۂ اصول مطابق قواعد مذکورۂ بالا کے تحریر ہے ملك الانسان لا یکون فی ید غیرہ الا بعارض والبینۃ یکون علی مدعی العارض ولا یکون علی صاحب الاصل کسی شخص کی ملک دوسرے کے قبضے میں نہیں جاسکتی مگر کسی عارض کی وجہ سے اور بینۂ مدعی عارض کے ذمہ ہیں نہ کہ صاحب اصل کے ذمے - اسکے علاوہ زید کے گواہونکی شہادت جو مندرج سوال ہے ناقص ہر مثبت دعوی حق مرور نہیں ہر گواہوں نے فقط یہ بیان کیا ہر کہ دروازہ قدیم ہر یہ نہیں بیان کیاہے کہ فلان زمین میں زید کا حق مرور ہے حالانکہ بغیر ایسی تصریح کے مرور کا حق ثابت نہیں ہوتاہے حتی کہ گواہ بیان کرے کہ فلاں شخص کو دیکھاہے کہ فلان زمین میں اُس نے مرور کیا تھا تو بھی حق مرور ثابت نہیں ہوتا فتادی عالمگیری میں ہے لو ادعی علی آخر حق المرور ورقبۃ الطریق فی دارہ فالقول قول صاحب الدار ولو اقام المدعی البینۃ انہ کان یمر فی ھذہ الدار لم یستحق بھذا شیئا کذا فی الخلاصۃ اگر کسی شخص نے دوسرے پر حق مرور کا دعوی کیا اور کہا کہ راستے کا کچھ حصہ اُسکے گھر میں آگیا تو گھر والے کا قول معتبر ہوگا اور اگر مدعی اس امر پر بینہ قائم کردے کہ وہ اُس گھر میں سے گذرتا تھا تو اُس سے وہ کسی بات کا مستحق نہوگا ایسا ہی خلاصہ میں ہر - اور بھی اسی کتاب میں اس عبارت کے قریب لکھاہے ولو شھد شھود

ان له طريقا في هذه الدار جازت شهادتهما اگر گواہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ اس گھر میں اُس کا راستہ ہے تو اُسکی شہادت جائز ہوگی۔ واللہ اعلم اور فتویٰ گذرا نیدہ زید میں مجیب نے زید کو خارج الید اور عمرو کو بنظر ملکیت رقبۂ زمین کے ذی الید قرار دیکر زید کے گواہوں کی اولویت تجویز کی ہے تجویز مذکور سراسر بے محل مع اولویت گواہوں خارج الید کے ذی الید سے جو کتب فقہ میں مذکور ہے وہ دعوے ملک مطلق عقار وغیرہ میں ہے یہاں دعویٰ ملکیت عقار وغیرہ نہیں ہے اور نہ نسبت ملکیت رقبۂ زمین کے زید اور عمرو میں اختلاف ہے بلکہ زید کو دعویٰ حق مرور کا زمین عمرو میں ہے اور دروازہ کے جدید اور قدیم ہونے کی نسبت اختلاف ہے پس اس صورت میں اگر عمرو کو خارج الید اور زید کو ذی الید کہا جائے تو بجا ہے نہ کہ بالعکس کیونکہ زید دروازے کے ذریعہ سے عمرو کی زمین میں متصرف ہو گیا پس زید ہی ذی الید ہوا لہذا اُسکے دست تصرف کا رفع عمرو نے حکام سے چاہا ہے اور اپنے گواہوں سے تصرف عارضی اور حادث زید کا اثبات کرایا ہے فقط واقعی اس صورت میں زید کے گواہ عمرو کے گواہوں پر ترجیح رکھتے ہیں اصحاب بزازیہ اور خلاصہ اور شرح ملتقی کے نزدیک واللہ اعلم بزازیہ میں ہے وان اختلفا فبرهن احدهما على القدم والآخر على الحدوث فبينة القدم اولى اگر دو آدمیوں میں اختلاف ہو ایک اُسکو قدیم بتائے اور دوسرا جدید تو اُسکے بینہ اولے ہیں جو قدیم کہتا ہے۔ اور عقود الدریہ میں ہے فی تنقيح الفتاوى الحامدية اذا تعارضت بينة الحدوث والقدم ففي الخلاصة بينة القدم اولى وذا العلائي في شرح الملتقى ان بينة القدم اولى في البناء تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے جب حدوث و قدم کے بینہ میں تعارض ہو تو خلاصہ میں ہے کہ بینۂ قدم اولے ہیں اور یہ مشکوک ہے شرح ملتقی میں ہے کہ عمارت کے معاملہ میں بینۂ قدم اولیٰ ہے۔ اور برہان بخاری اور برہان صاحب محیط کے نزدیک ترجیح نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ صاحب قنیۃ المنیہ لتتمیم الغنیہ نے نقل کیا ہے اور یہی حاوی زاہدی میں بھی منقول ہے فی العقود ونقله في الحاوي الزاهدي بالحرف معللا بقوله فالبينة بينة من يدعي انه محدث لانها تثبت ولاية البعض عقود میں ہے اور اسی حاوی زاہدی میں بلفظہ علت بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ بینہ معتبر اُس شخص کا ہے جو محدث ہونے کا دعوے کرتا ہے کیونکہ اُسکے بینہ ولایت لبعض کو ثابت کرتے

ہیں اور قول اخیر کو صاحب عقود نے ترجیح دی ہے اور کہا ہے وبہ ظھر توجیہ ما فی الغنیۃ والحاوی علی ما فی البزازیۃ والخلاصۃ اس سے ظاہر ہوگیا کہ جو غنیہ اور حاوی میں ہے اُسے بزازیہ اور خلاصہ کے اقوال پر ترجیح ہے واللہ علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ فی الواقع صورت مذکورہ میں گواہان عمرو جو مدعی حدوث ہیں گواہان زید پر ترجیح رکھتے ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الوراثۃ

سوال زید نے مندرجہ ذیل ورثا چھوڑے ایک ہمشیرہ عینیہ رابعہ اور تین بھتیجیاں فاطمہ زینب کلثوم کہ انکا باپ زید کے سامنے فوت ہوا تھا اور کلثوم زید کے سامنے مرچکی تھی مگر کلثوم کی ایک لڑکی موجود ہے۔ اور ایک بھتیجا زید کا بنام بکر کہ اُسکا باپ بھی زید کے سامنے مرگیا تھا اور زید کی ایک زوجہ خدیجہ جسکو تمام ورثائے مذکورہ نے آٹھواں حصہ دیکر راضی کرلیا ہے پس زید کی باقی جائداد دو بھتیجیوں اور ایک بھتیجی یعنے کلثوم کی لڑکی اور ایک بھتیجا اور ایک ہمشیرہ عینیہ پر کیونکر تقسیم ہوگی جواب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانعہ بقیہ ترکہ زید دو حصوں پر منقسم ہوکر ایک حصہ بھتیجے یعنے بکر کو اور ایک ہمشیرہ عینیہ کو ملیگا باقی سب ورثا محجوب ہونگے واللہ اعلم بالصواب کتبہ عبد الحی عفی عنہ سوال زید مرا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں اور ایک زوجہ کو وارث چھوڑا اُن دو لڑکیوں میں سے ایک نے زید کے مذہب کو کہ حنفی تھا ترک کرکے امامیہ مذہب اختیار کیا پس اس صورت میں وہ لڑکی محجوب الارث ہوگی یا نہیں جواب دختر مذکورہ محجوب الارث نہوگی اور بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانعہ زید کے ترکہ میں سے ثمن زوجہ کو اور باقی میں دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو ملیگا واللہ اعلم کتبہ العبد الفقیر الی فضل العلی الرب الحکیم ابو الاحیاء محمد نعیم تجاوز اللہ عما جناہ۔ بلاشک دختر مذکورہ محجوب الارث نہوگی اور زید کا ترکہ اُسکے سب وارثوں پر تقسیم ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ سوال شیعۂ اثنا عشریہ مسلم ہیں یا کافر یعنے محجوب الارث والنکاح اور محکوم علیہم

بالجہاد ہیں یا نہیں۔ اور اگر انکا کفر مانع عن الارث ثابت نہو تو ائمہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کون نظیر ثابت ہے کہ سنی باپ کا ترکہ شیعہ لڑکے کو ملا ہے جواب اثنا عشریے کے کفر میں فقہا نے اختلاف کیا ہے بعض نے سب شیخین کیوجہ سے اُنکے کفر کا حکم دیا ہے اور یہی صاحب فتاوی اور صاحب بحرالرائق اور صاحب درمختار وغیرہ کا قول ہے لیکن مفتی بہ اور اصح قول اُنکی عدم تکفیر کا ہے اور سب شیخین موجب کفر نہیں ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق ہے اور جو کتب فتاوی میں کفر کا حکم مرقوم ہے وہ دائرۂ تحقیق سے خارج ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول عدم تکفیر اہل قبلہ کے متعلق بسیط کلام کو بیان کرتے ہوے لکھتے ہیں فیه دلالة علی ان سب الشیخین لیس بکفر کما صححه ابوالشکور السلمی فی تمهیده وذلك لعدم ثبوت مبناه وعدم تحقق معناه فان سب المسلم فسق کما فی الحدیث وحینئذ یستوی الشیخان وغیرهما فلو فرض ان احدا یسب الشیخین لا یخرج عن الایمان نعم لو استحل السب والقتل فهو کافر لا محالة فالفسق والعصیان لا یزیل الایمان صغیرا کان او کبیرا وکذا البدعة لا تزیل الایمان کانکار المعتزلة رویة اللہ تعالی وخلق افعال العباد لانه مبنی علی التاویل اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ شیخین کو گالیاں دینا کفر نہیں ہے جیسا کہ تمہید ابوشکور سلمی میں اسکی تصحیح کی گئی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اسکی اصل ثابت نہیں اور اسکے معنی متحقق نہیں ہیں کیونکہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے پس شیخین اور غیر شیخین سب برابر ہیں لہذا اگر فرض کیا جائے کہ رافضی شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہے ہاں اگر گالی دینے اور قتل کرنے کو حلال سمجھے تو وہ لا محالہ کافر ہے پس فسق وعصیان صغیر ہو یا کبیر ایمان کو زائل نہیں کرسکتا اور اسی طرح بدعت ایمان کو زائل نہیں کرتی جس طرح معتزلہ کا انکار رویت وخلق افعال عباد کیونکہ یہ تاویل پر مبنی ہے۔ اور مولانا ولی اللہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم الثبوت میں تحریر فرماتے ہیں المحققون من الحنفیة والمتکلمین ذهبوا الی عدم تکفیر الروافض بانکارهم خلافة ابی بکر وعمر الثابتة بالاجماع القطعی عندهم حتی قبلوا شهادتهم وما وقع فی الخلاصة وغیرها من الفتاوی من صریح الکفر لم ینقل عن ابی حنیفة وانما هو من تفریعات المشائخ کالفاظ التکفیر المنقولة فی

الفتاوی کیف وقد نص الامام ابو حنیفة والشافعی رحمهما الله بعدم تکفیر احد من اهل القبلة لکونه علی تاویل فاحفظ ولا تسرع فی تکفیر فرق الاسلام محققین حنفیہ و دیگر متکلمین رحمہم اللہ انکار خلافت حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی وجہ سے جو باجماع ثابت ہے روافض کو کافر نہیں مانتے حتے کہ اُنکی شہادت کو قبول کرتے ہیں اور جو خلاصہ اور دوسرے فتاوی میں اُنکے کفر کی تصریح ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول نہیں ہی بلکہ مشائخ کی تفریعات سے ہے جس طرح الفاظ کفر جو عموماً فتاوی میں منقول ہیں اور کیونکر ان پر کفر کا فتویٰ ممکن ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہا اللہ نے اہل قبلہ کے کافر نہ ہونے کی تصریح کی ہے کیونکہ اُنکے افعال کسی نہ کسی تاویل پر مبنی ہوتے ہیں اسے یاد رکھو اور فرق اسلام کے کافر بنا دینے میں جلدی نہ کرو۔ اور مولانا ابو الشکور سلمی تمہید میں لکھتے ہیں کلام الروافض مختلفة بعضه یکون کفرا و بعضه لا فلو قال ان علیّاً کان الٰہاً نزل من السماء کفر وقال بعضهم بانه شریک محمد صلی الله علیه وسلم فی النبوة وقال بعضهم النبوة کانت لعلیٍّ وجبرئیلُ خطا ومنهم من قال ان علیاً کان افضل من الرسول فهذا کله کفر واما الذی یکون بدعة ولا یکون کفرا فهو قولهم ان علیا کان افضل من الشیخین ومنهم من قال انه یجب اللعن علی من خالف علیاً لعائشة ومعاویة رضی الله عنهم ومنهم من قال ان حب اهل البیت اولی واحب وهذا کله وما یشبهه بدعة لیس بکفر لانه صادر عن تاویل روافض کے اقوال مختلف ہیں ان میں سے بعض کافر ہیں اور بعض کافر نہیں ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آسمان سے نازل ہوے ہیں وہ کافر ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبوت میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے اور بعض کہتے ہیں کہ نبوت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے تھی مگر حضرت جبریل علیہ السلام سے غلطی ہوگئی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا سے زائد افضل ہیں تو یہ سب امور کفر ہیں اور بدعت مگر غیر کفر انکا یہ قول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شیخین رضی اللہ عنہما سے زائد فضیل تھے اور بعض روافض مخالفین حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے حضرت معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما پر لعنت کرنے کو ضروری کہتے ہیں اور بعض

کہتے ہیں کہ حب اہل بیت اولی و مستحب ہے، تو یہ تمام امور اور اُن کے مشابہ اور باتیں سب
بدعت ہیں کفر نہیں ہیں کیونکہ تاویل پر مبنی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ سب شیخین کی وجہ سے روافض کو
کافر کہنا محققین کے مذہب کے خلاف ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار حاشیہ درمختار اور اپنے
رسالہ تنبیہ الولاۃ والحکام میں اس باب کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور صاحب درمختار پر اعتراض
کیا ہے اور ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے بھی ایسی ہی صراحت کی ہے اور یہی ہمارے عقائد کے موافق
ہے پس رفضی وارث کے محجوب ہونے کی سُنی مورث کی جائداد سے کوئی وجہ نہیں ہے واللہ اعلم
حررہ عبدالحی عفی عنہ۔ سوال زید نے اپنے چچا بکر کی جائداد سے حصہ پانے کے لئے خالد پر جو اُسکی
چچی کا بھائی ہے دعویٰ کیا خالد کہتا ہے کہ یہ جائداد بکر کی نہیں بلکہ بکر کے مرنے کے بعد اُسکی بی بی
ہندہ اپنے مہر کے عوض میں جو ایک لاکھ روپیہ تھا تنہا تصرفات رکھتی تھی اور ہندہ کا میں
وارث ہوں زید کہتا ہے کہ سترہ برس کا زمانہ ہوا کہ ہندہ نے اپنے شوہر کی حیات میں اپنا
مہر اُسکو ہبہ کر دیا تھا اور خالد مہر کے ہبہ کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ پندرہ برس کا زمانہ ہوتا ہے کہ بکر نے
خود اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ہندہ کا مہر میرے ذمہ واجب الادا ہے پھر زید نے اس بات کے گواہ
پیش کیے کہ سترہ برس کا زمانہ ہوا کہ ہندہ نے اپنے شوہر کو اپنا مہر ہبہ کیا تھا اس طرح پر کہ بکر گواہان مذکور
کو ہندہ کے پاس لیگیا اور ہندہ سے کہا کہ انکے سامنے تم ہبہ کر دو چنانچہ ہندہ نے اُن گواہوں کے
سامنے کہا کہ میں نے ہبہ کیا اور خالد نے بھی گواہ پیش کیے جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پندرہ
برس کا زمانہ ہوا کہ ایکبار ہندہ اپنے شوہر بکر سے خفا ہو کر اپنے بھائی خالد کے یہاں چلی آئی
تھی بکر نے خالد کے پاس آکر اپنی زوجہ کی آزردگی کی شکایت کی خالد گھر کے اندر گیا جہاں
ہندہ گواہوں سے پردے میں بیٹھی تھی اور گفتگو کر کے پلٹ آیا اور بکر سے کہا کہ ہندہ تم سے
اپنا مہر مانگتی ہے بکر نے کہا کہ ہندہ کا مہر ایک لاکھ روپیہ میرے ذمہ واجب الادا ہے میں اُسکا
دیندار ہوں اُسکے مہر کے عوض میں اُسے اپنی جائداد دونگا یا دیتا ہوں اس صورت میں کس کے
گواہ معتبر مانے جائینگے اور کس کے گواہ ارجح اور اولی ہیں اور بکر کا اپنے ذمے دین مہر ہندہ کے
واجب ہونے کا اقرار ثبوت ہبہ مہر کے زمانے کے بعد اُسی مہر سابق کو لازم کریگا یا مہر جدید کا مستلزم
ہوگا یا مہر جدید اور مہر قدیم دونوں میں سے کسی کا مستلزم نہوگا جواب اس صورت میں زید کے

گواہ ارجح بالقبول ہیں تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے بینۃ الزوج انہا ابراتہ من المہر اولے
من بینۃ المرأۃ انہ کان مقرا بہ الی الآن زوج کا بینہ اس امر پر کہ زوجہ نے اسے مہر سے بری کردیا ہے
عورت کے اس بینہ پر مقدم ہے کہ وہ اس وقت تک مہر کا اقرار کرتا ہے اور قنیہ میں ہے اقامت
المرأۃ البینۃ علی المہر علی ان زوجہا کان مقرا بذلک الی یومنا ہذا واقام الزوج
البینۃ انہا ابرأتہ من ہذا المہر الذی تدعیہ فبینۃ البراءۃ اولی وکذا فی الدین کانت
بینۃ مدعی الدین یطلب باقرار المدعی علیہ لما ادعے البراءۃ ولم تبطل بینۃ مدعی البراءۃ
وہذا کشہود البیع والاقالۃ فان بینۃ الاقالۃ اولی لبطلان بینۃ البیع باقرار مدعے
الاقالۃ و ینبغی ان یحفظ ہذا الاصل فانہ یخرج بہ کثیر من الواقعات عورت نے
اس امر پر بینہ قائم کیے کہ شوہر آج کے دن تک مہر کا اقرار کرتا تھا اور شوہر نے اس امر پر بینہ قائم
کیے کہ عورت نے اسے مہر سے جسکا وہ دعوی کررہی ہے بری کردیا تھا تو بینۂ برارت اولی ہیں
اور یہی حال دین کا ہے کیونکہ مدعی دین کے بینہ اقرار مدعا علیہ سے باطل ہوگئے اسلئے کہ اس نے
برارت کا دعوی کیا ہے اور مدعی برارت کے بینہ باطل نہیں ہوے اور اسکی مثال گواہان بیع
واقالہ کی ہے کہ بینۂ اقالہ اولی ہیں اسلیے کہ بینۂ بیع اقرار مدعی اقالہ سے باطل ہوگئے اس اصل
کو یاد رکھنا چاہیے کیونکہ اسپر بہت سے مسائل متفرع ہیں انتہی۔ جب زید کے گواہوں سے
یہ بات ثابت ہوگئی کہ سترہ برس پہلے ہندہ نے بکر کی حیات میں اپنا مہر اسکو ہبہ کرکے بری کردیا تھا
اور یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ بکر نے اس ہبہ اور ابرا کو قبول نہیں کیا پس صحت ابرار کا حکم
دیا جائیگا چاہے ابرار اسقاط تصور کیا جائے یا ہبہ وتملیک مانا جائے اور اسکے بعد بکر کے اس
اقرار سے کہ ہندہ کا مہر میرے ذمے واجب الادا ہے وہ ابرار رد نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر وہ ابرار
اسقاط تھا تو بحکم الساقط لایعود معدوم کا اعادہ نہیں ہوتا۔ اور اگر ہبہ تھا تو بھی جمہور کے مذہب
کے موافق سقاط کے حکم میں ہوگا ہاں اگر ابرار اور ہبہ کے وقت بکر سے اس ابرار اور ہبہ کا رد کردینا
پایا جاتا تو ابرار غیر معتبر ہوجاتا اور ایک عرصے کے بعد بکر کا اقرار رد ابرار کا باعث نہوگا قنیہ میں ہے
ثم قالت لزوجہا ابرأتک ولم یقل الزوج قبلت او کان غائبا فقالت ابرأت زوجی یبرأ
الا اذا ردہ پھر اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں نے تجھکو بری کردیا اور شوہر نے یہ نہیں کہا کہ میں نے

قبول کیا یا شوہر غائب تھا پس اُس نے کہا کہ میں نے اپنے شوہر کو بری کر دیا تو وہ بری ہو جائیگا
مگر جبکہ وہ براءت کو رد کر دے اور جامع الفصولین کی بیسویں فصل میں ہے ادعی الزوج انہا
وھبتنی المھر فبرھن فشھد احدھما انہا وھبتہ والآخر انہا ابرأتہ یقبل للموافقۃ
لان حکم ھبۃ الدین سقوط وکذا حکم البراءۃ زوج نے اس امر کا دعویٰ کیا کہ زوجہ نے
مجھے مہر ہبہ کر دیا اور اسپر اُس نے بینہ قائم کیے تو ایک گواہ نے کہا کہ عورت نے اسکو مہر ہبہ
کر دیا اور دوسرے گواہ نے کہا کہ عورت نے اُسکو مہر سے بری کر دیا تو اُسکے یہ بینہ قبول کیے
جائینگے کیونکہ دونوں گواہیاں ایک دوسرے کے موافق ہیں اسلئے کہ ہبہ دین کا حکم سقوط ہے
اور براءت کا بھی یہی حکم ہے۔ اور منح الغفار میں ہے فی الصیرفیہ رب الدین اذا وھب الدین
مع المدیون فلم یقبل ولم یرد حتی افترقا فجاء بعد ایام ورد الصحیح انہ لا یرتد وھذا
الاختلاف بناء علی ان الرجحان فی ھبۃ الدین من المدیون بطرف الاسقاط ام
بطرف التملیک فمن قال لہ قال یفتقر الجواب علی المجلس ومن قال للاسقاط قال لا یفتقر
صیرفیہ میں ہے کہ جب قرضخواہ نے مدیون کے مواجہہ میں دین اُسے ہبہ کر دیا اور اُس وقت قرضدار
نے نہ اس ہبہ کو قبول کیا اور نہ رد کیا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے پھر کچھ دنوں کے بعد قرضدار
آیا اور ہبہ کو رد کر دیا تو صحیح یہ ہے کہ ہبہ رد نہ ہوگا اور یہ اختلاف اس امر پر مبنی ہے کہ قرض کا قرضدار
کو ہبہ کر دینا اسقاط ہے یا تملیک جو تملیک کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ جواب مجلس پر منحصر ہے اور جو اسقاط
کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ مجلس پر منحصر نہیں ہے۔ اور درمختار میں ہے ھبۃ الدین ممن علیہ الدین وابراءہ
عنہ یتم من غیر قبول اذا لم یوجب انفساخ عقد صرف او سلم لکن یرتد بالرد فی المجلس
وغیرہ لما فیہ من معنی الاسقاط وقیل یتقید بالمجلس کذا فی العنایۃ لکن فی الصیرفیۃ لو لم یقبل
ولم یرد حتی افترقا ثم بعد ایام رد لا یرتد فی الصحیح لکن فی المجتبی الاصح ان الھبۃ تملیک
والابراء اسقاط قرض کا قرضدار کو ہبہ کر دینا اور اُسے بری کر دینا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے
نزدیک بغیر قبول کے تمام ہو جاتا ہے جبکہ اُس سے عقد صرف یا سلم کا فسخ نہ لازم آئے لیکن اگر
مجلس ہی میں اُسے رد کر دے تو رد ہو جائیگا کیونکہ اس میں اسقاط کے معنے ہیں اور بعض لوگ
کہتے ہیں کہ اس میں مجلس کی قید ہے۔ یہ عنایہ میں ہے لیکن صیرفیہ میں ہے اگر نہ قبول کیا اور نہ

رد کیا اور دونوں الگ ہو گئے پھر کچھ دنوں کے بعد اُس نے ہبہ کو رد کیا تو صحیح یہ ہے کہ وہ رد نہ ہوگا لیکن مجتبیٰ میں ہے اصح یہ ہے کہ ہبہ تملیک ہے اور ابراء اسقاط۔ اور علامہ شامی رحمہ اللہ رد المحتار میں لکن فی المجتبیٰ کے تحت میں لکھتے ہیں اسند ذالک علی جعلھم کلا من الھبۃ والابراء اسقاطا من وجہ وتملیکا من وجہ وانت خبیر بان ھذا الاستدلال مخالف للمشھور مصنف رحمہ اللہ کا قول لکن فی المجتبیٰ اُن لوگوں پر تعریض ہے جو ہبہ اور ابراء میں ہر ایک کو تملیک ایک جہت سے اور اسقاط دوسری جہت سے کہتے ہیں مگر یہ تعریض خلاف مشہور ہے۔ اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے سئل فی ما اذا کان لامرأۃ بذمۃ اخیھا زید مبلغ معلوم من الدراھم فابرأتہ منہ ومن کل حق ابراء عاما شرعیا مقبولا من زید ثم اقر زید بالمبلغ المذکور فھل یکون الاقرار المذکور باطلا لایعود بعد سقوطہ بالابراء الجواب نعم اقر بالدین بعد الابراء منہ لایلزمہ شئ وفی اشباہ فی الاقرار والشئ الساقط لایعود اقول وھذا بخلاف الاقرار بالعین بعد الابراء خصمہ ابراء عاما فان الاقرار صحیح فیومر بدفع ما اقر بہ من العین لامکان تجدد الملک فیھا مواخذۃ لہ باقرارہ وتصحیحا لکلامہ علی طریق الاقتضاء والعین قابلۃ لذالک بخلاف الدین لکونہ وصفا قد سقط فلا یعود کذا افاد الشرنبلالی فی رسالتہ تنقیح الاحکام سوال ایک عورت کے اُسکے بھائی زید کے ذمے کچھ معین دراہم تھے اُس عورت نے اُس سے اور تمام حقوق سے شرعی طور پر بری کر دیا اور زید نے اُسے قبول بھی کر لیا پھر زید نے اُن دراہم کا اقرار کیا تو کیا یہ اقرار باطل ہوگا اور وہ دراہم جو بوجہ بری کرنے کے ساقط ہو گئے تھے اب پھر اُسکے ذمہ نہ واجب ہونگے جواب ہاں اگر اُس نے بری کر دیے جانے کے بعد قرض کا اقرار کیا تو اُس سے اُسکے ذمے کچھ لازم نہیں آتا جیسا کہ اشباہ باب الاقرار میں ہے اور جو چیز ساقط ہو گئی وہ پھر نہیں لوٹتی میں کہتا ہوں اگر بری کر دیے جانے بعد عین کا اقرار کیا تو حکم اسکے خلاف ہے کیونکہ اقرار اور اُسکے قول کے بطور اقتضاء النص صحیح کرنے کے لیے اُسے حکم دیا جائیگا کہ وہ چیز مقرلہ کو دیدے اس لئے کہ جدید تملیک ممکن ہے اور عین اسکی صلاحیت رکھتی ہے برخلاف دین کے کیونکہ وہ وصف ہے جو ساقط ہونے کے بعد پھر نہیں لوٹ سکتا ایسے ہی

شرح سلالیہ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔ چونکہ خالد کے گواہوں سے معلوم ہوا کہ بکر اور اُس کی زوجہ میں منازعت واقع ہوئی تھی اور بکر نے بقاے وجوب مہر سابق کا اقرار کیا تھا جسکی مقدار ایک لاکھ روپیہ تھی لہذا یہ اقرار لزوم زیادت پر بھی محمول نہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ اضعف عباداللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ سوال مولوی نادرزماں صاحب کے چار بیٹے تھے عبدالرشید عبدالعزیز عبدالمجید عبدالحمید اور دو لڑکیاں تھیں عبدالرشید بڑا بیٹا اپنے باپ کے سامنے عبدالصمد رشید احمد سراج احمد تین بیٹے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرگیا عبدالرشید کے تیجے کے دن مولوی نادرزمان صاحب نے اس مضمون کا ایک کاغذ لکھا کہ میرے بعد عبدالصمد رشید احمد سراج احمد دوسرے وارثوں کی طرح میرے وارث ہونگے اور گانوں کے امراکی اُس کاغذ پر مہریں بھی کرادیں اور ہندی زبان میں ایسے کاغذ کو سجال نامہ کہتے ہیں پھر مولوی صاحب موصوف نے کوئی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ انکو ہبہ نہیں کی پھر کچھ دنوں کے بعد مولوی صاحب موصوف نے اپنی تمام جائداد دین مہر کے عوض میں جو ارث پر مقدم ہے اپنی زوجہ کے ہاتھ بیع کرکے بیعنامہ بھی لکھدیا اور اسپر گانوں کے امراکی مہریں بھی کرادیں ور مولوی صاحب موصوف کے انتقال کے بعد بیعنامہ کے موافق اُنکی زوجہ تمام جائداد پر قابض رہی جب اُنھوں نے انتقال کیا تو عبدالصمد وغیرہ جو عبدالرشید کی اولاد ہیں شراکت میراث کا دعوی کرتے ہیں پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس سجال نامہ کے موافق اُن لوگونکا دعوی صحیح ہے یا نہیں جواب سجال نامہ شرعاً لاشئے محض ہے اسکا وجود اور عدم برابر ہے اس سے عبدالرشید کی اولاد کی حجت دور نہیں ہوسکتی واللہ اعلم عبدالحی عفی عنہ سوال امام بخش کی تین لڑکیاں تھیں منجملہ اُنکے ایک لڑکی مسماۃ نصیرن اپنے باپ کے مرنے کے بعد ماں کے انتقال سے پہلے مرگئی اُس نے ایک لڑکا ثابت حسین اور ایک لڑکی مسماۃ قطبن کو چھوڑا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ امام بخش کی جائداد سے اولاد دختر مرحومہ اور دونوں ہمشیروں کو کیا ملیگا جواب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانعہ امام بخش کے ترکہ سے ثمن اُسکی زوجہ کو اور باقی تینوں لڑکیونکو برابر ملیگا اور نصیرن کے حصے میں سے سدس اُسکی ماں کو اور باقی میں دو حصے ثابت حسین

اور ایک قطین کو ملیگا اور نصیرن کی ماں کے حصے میں سے اسکی دونوں لڑکیاں برابر حصہ پائینگی واللہ علیم حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلے الرب الحکیم۔ الجواب صحیح واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال عمر کو چند بیگھہ زمین مدد معاش کے لئے بادشاہ نے دی تھی اور عمرو مرگیا زید اور خالد دو لڑکوں کو چھوڑا زید چاہتا ہے کہ آراضی مذکورہ اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھے اور خالد کو اس سے خارج کردے اس صورت میں اراضی مذکورہ دونوں لڑکوں کو ملے گی یا ایک ہی کو جواب دونوں کو ملے گی واللہ اعلم کتبہ حمایت اللہ دہلوی صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ سوال زید نے ذیل کے وارث چھوڑکر انتقال کیا ایک زوجہ دو دختر ایک اخیافی بھائی ایک ماں۔ پس زید کا ترکہ کتنے حصوں پر تقسیم ہوگا۔ جواب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع صورت مسئولہ میں کل ترکہ کے ستائیس حصے ہونگے تین زوجہ کو اور آٹھ آٹھ ہر دختر کو اور چار ماں کو اور اسی قدر اخیافی بھائی کو ملینگے واللہ اعلم سوال زید نے وارث ذیل چھوڑکر انتقال کیا ایک زوجہ دو دختر ایک حقیقی بھائی ایک ماں۔ پس زید کا ترکہ کتنے حصوں پر تقسیم ہوگا۔ جواب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع کل ترکہ کے چوبیس حصے ہونگے تین زوجہ کو اور آٹھ آٹھ ہر دختر کو اور چار ماں کو اور ایک حصہ حقیقی بھائی کو دیا جائیگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبدالحی عفی عنہ سوال زید صاحب سند وجاگیر دو بیٹے بکر اور خالد اور دو پوتے ولید اور قاسم کہ انکا باپ صالح نامی زید کے سامنے مرگیا تھا اور ایک بنت بنت الاخ کہ اسکی ماں اور نانا زید کے سامنے مرچکے تھے چھوڑکر مرگیا پس اسکی جائداد کیونکر تقسیم ہوگی کیا تقسیم ازروئے مناکحہ شرعیہ بہ ترکہ ذاتی وارثوں پر ہوگی یا تمام زندوں پر جواب رسالہ احکام الاراضی میں واقعات سے منقول ہے الانعام المخلد والمؤبد بمنزلہ الملک یجوز بیعہ وشراؤہ علے الصحیح دائمی انعام بمنزلہ ملک کے ہے بر مذہب صحیح اسکی بیع اور شرا درست ہے اور اسی کتاب میں ہے الانعام المخلد یدخل فی الملک فیباع ویوھب ویورث دائمی انعام ملک میں داخل ہے اسکی بیع اور ہبہ اور ورثہ درست ہے۔ اور ذخیرہ میں ہے رجل لہ وظیفۃ فی بیت المال یوصل الیہ کل سنۃ لوکان بحیث لایاخذ منہ السلطان بعد موتہ

ولا يبيعها لغيره صار فيها دليل الملك ويصير ملكا يجري فيه التوريث بين الورثة والهبة والبيع والوصية یعنے بیت المال سے ایک شخص کا وظیفہ مقرر تھا جو اُسے ہر سال ملجایا کرتا تھا تو اگر وہ وظیفہ ایسا ہو کہ اُس سے سلطان اُسکے مرنے کے بعد نہ لے سکے اور نہ کسی اور کو دے سکے تو اسمیں دلیل ملک ہوگی اور وہ وظیفہ اُسکی ملک ہو جائیگا پس ورثا پر اسکا تقسیم ہونا اور ہبہ اور بیع اور وصیت سب اُس میں درست ہے۔ اور فتاوی کبریٰ میں ہے لو اعطی الامام ارضا لمستحق ارضا یکون ماله ولاولاده به یفتے وعلیه اکثر المشایخ اگر امام یا کسی اور نے کسی مستحق کو زمین دی تو وہ زمین اُسکی اور اُسکے بعد اُسکی اولاد کی ملک ہو جائے گی اسی پر فتوے ہے اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔ ان عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ عطیہ سلطانی جو معطی لہ کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اُسکی دوسری املاک کی مثل ہے پس زید کی موت کے بعد وہ جاگیر دوسرے املاک کی طرح تقسیم ہو جائے گی۔ اور انھی دونوں لڑکوں کو ملے گی اور باقی ورثا محجوب ہیں واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ سوال مثلاً زید فوت ہوا اور متوفی نہایت صاحب رشد وارشاد تھا اور بہت سے لوگ اُسکے مرید اور معتقد تھے اور متوفی کے پاس جائداد منقولہ اور غیر منقولہ بھی تھی اور اسکے دو لڑکے تھے مثلاً عمرو اور خالد جن میں سے عمرو بالغ اور خالد نابالغ تھا اور چار لڑکیاں تھیں جن میں سے تین بالغ اور ایک نابالغ تھی یعنے خالد کی ہمشیرہ حقیقی اور دو زوجہ تھیں زید نے اپنے مرنے سے پانچ چھ دن پہلے تمام قرضخواہوں کو بلا کے جسقدر قرضہ تھا لکھوایا کل قرضہ پانچہزار پانسو روپیہ کا نکلا متوفی نے اپنی حیات میں قرضے کی فہرست لکھوانے کے بعد دو سو اٹھارہ روپے ادا کیے اور باقی کی نسبت اپنے بڑے بیٹے عمرو سے چند آدمیوں کے سامنے کہا کہ میری تجہیز و تکفین کے بعد پہلے میرا قرض ادا کرنا پھر دوسرے کام کرنا اور اس بارے میں عمرو کو بیحد تاکید کی اور کہا کہ ایک ہزار روپیہ میری قبر پر لگانا اور کہا کہ میں نے ہر ایک وارث کا حصہ ادا کر کے راضی کیا ہے محافظ مال مثلاً ہندہ سے کہا جو ورثہ میں نہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ عمرو کو دیدینا کہ اُسکا حصہ ہے اور پانچسو روپیہ جو عمرو کی بڑی بہن کے زیور کے لیے اور تین سو روپیہ جو کپڑے اور دوسرے اخراجات شادی کے لیے رکھے ہیں وہ بھی دیدینا پھر عمرو سے کہا کہ تم اپنے پاس سے سو روپیہ دختر ہندہ محافظ مال کو دیدینا اور تمھارا بھائی خالد کمسن ہے اُسکی پرورش

کرنا اور اپنی دونوں ماؤں اور باقی ورثا کی خدمتگزاری میں سعادت دارین سمجھنا الا آراضی اور مکانات مسکونہ کی نسبت اور جو کسی وارث کے پاس زیور کپڑے برتن یا دوسری چیزیں تھیں اُن کے متعلق کچھ نہیں کہا مگر زید نے اپنی زندگی میں حویلی کلاں پختہ الگ الگ وارثوں کو دے رکھی تھی چنانچہ خالد اور اُسکی ماں کو جانب شرقی قدرے کم جو سب اطراف سے بڑی تھی دے رکھی تھی اور عمرو اور والدۂ عمرو کے پاس دوسرے مکانات اور اُس حویلی کے باقی تینوں جانب تھے اور عمرو کی دوسری ماں کو اُسکی بسر اوقات کے بقدر چھوٹا سا مکان دیا تھا اور باقی جانب عمرو کے پاس تھیں اور کچھ مکان میں وہ محافظ مال رہتی تھی جہاں توشہ خانہ تھا جب محافظ بیت اللہ کو چلی گئی تو وہ مکان قبضۂ عمرو میں آگئے اور زید نے مرنے سے دو تین گھڑی پہلے عمرو کو حکم دیا کہ دروازوں میں قفل لگا دو گویا اس سے یہ مراد تھی کہ جس مکان میں زید ہے وہ اور دوسرے مکان جو فارغ ہیں اُن میں عمرو کا قبضہ متحقق ہو جائے کہ کل کو کوئی دوسرا شخص ان مکانات کا دعویدار نہو اور دوسری مراد یہ بھی تھی کہ جب توشہ خانہ مقفل ہو جائے گا تو غبن کا مال باہر نہ جا سکے گا عمرو اگرچہ اُٹھا اور سب جگہ اُس نے قفل لگائے مگر جس میں زید بیمار تھا اور وہی توشہ خانہ تھا اُس میں اس لئے قفل نہ لگایا کہ لوگ طعن کرینگے کہ باپ کا تو دم نکل رہا تھا اور صاحبزادے کو جائداد کی فکر تھی خلق اللہ اسکو نامناسب جانیگی ہر جگہ قفل لگاتے پھرتے تھے عمرو اسی خیال میں تھا کہ زید کا انتقال ہو گیا عمرو زید کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گیا محافظ کو موقع ملگیا اُس نے تمام مال وہاں سے منتقل کر کے ایسی ایسی جگہوں میں رکھدیا جہاں عمرو کا زور نہ چل سکتا تھا زید کے انتقال کے چند دن کے بعد ایک دن عمرو نے محافظ سے کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ مال ہے لے آؤ کیونکہ مجھے ضرورت ہے ہندہ نے کہا کہ میرے پاس تو وہی آٹھ سو روپے ہیں اور کچھ نہیں ہے عمرو متحیر ہو گیا اور کہا اچھا وہی لے آؤ کہ مصارف میں صرف کیا جائے پھر ادا کیا جائیگا جب ہندہ لائی تو عمرو نے وصیت کے موافق ایک سو روپیہ اور پچاس اپنی طرف سے زیادہ کر کے ہندہ کو دیے کہ شاید اس زائد رقم ملنے کی خوشی میں یہ باقی روپیہ بھی دیدے ہندہ نے ڈیڑھ سو روپیہ پر قبضہ کر کے کہا کہ زید نے دو سو روپے کو کہا تھا مجبوراً وہی لحاظ کر کے عمرو نے پچاس روپے اور دیکر دو سو پورے کر دیے اور چھ سو روپے اپنے مصارف میں صرف کئے اور اس امر پر دو شخص گواہ کر لیے غرض محافظ نے سوا چند برتنوں

کے جنکی قیمت بیس روپیہ یا کچھ کم زیادہ ہوگی اور عمرو کو کچھ نہ دیا اور خود بیت اللہ چلی گئی اور
وہیں مری اور عمرو نے اپنے باپ زید کی وصیت کے موافق اُس کا قرضہ اور وہ قرضہ بھی جو زید
کے انتقال کے بعد زید پر متحقق ہوا تھا ادا کیا اسکے بعد بالغ ورثا سے اور نابالغ ورثا کی والدہ سے
کہا کہ تم سب اپنا اپنا حصہ پاچکے ہو اب اُس جائداد کو بھی تقسیم کر لو جسے زید نے تقسیم نہیں کیا تھا اور حصہ
کے موافق قرضہ دو یا قرضہ کے ذمہ دار ہو جاؤ تاکہ قرضخواہ مجھ سے تقاضا نہ کریں بلکہ تم ہی سے
وصول کریں تو سب نے کہا کہ نہ ہم حصہ لینگے اور نہ قرضہ دینگے پھر عمرو نے کہا کہ کل کو اگر میں غریب
ہو گیا اور تم مالدار ہو گئے تو اُس وقت یہ نہ ہو سکے گا کہ تم قرضہ ادا کرنے پر مستعد ہو کر حصہ کے
خواستگار ہو کسی نے عمرو کو کچھ جواب نہیں دیا پھر عمرو نے زید کی وصیت کے موافق خانقاہ کی تعمیر
شروع کرائی چنانچہ اسوقت تک کہ ثلث ناتمام ہے پچھتر ہزار روپے کے قریب صرف ہو چکا ہے
چونکہ زید نے اپنے مرنے سے پانچ چھ سال پہلے عمرو کو طریقۂ علیۂ صوفیہ کا مجاز کیا تھا اور عمرو فارغ
التحصیل بھی تھا پس زید کے خلفا اور مریدین نے زید کے چہلم کے بعد عمرو کو اُسکی جگہ پر بٹھایا اور ہر ایک
نے بطور قبول خلافت عمرو سے بیعت کی اور دو ہزار پانچسو روپیہ دستار بندی کا ہوا جو چہلم
کے اخراجات میں صرف ہوا اور اتفاق سے حویلی کلاں پختہ کا پورا شرقی حصہ اور کچھ کچھ جنوبی
اور شمالی حصہ بھی جل گیا عمرو نے چاہا کہ اُسے بنوادے تو خالد کی ماں اور خالد کے ننہالی اعزہ مانع
ہوے کہ تم ہمارے حصہ کی طرف نہ بنواؤ کیونکہ ہم اسقدر کثیر روپیہ ادا نہیں کر سکتے آج تم بنا دو
اور کل ہم سے اُس رقم کا مطالبہ کرو جو اس میں صرف ہوا ہے تو ہم کہاں سے ادا کرینگے تم فقط اپنا حصہ
بنوالو تو عمرو نے بلحاظ بے پردگی و نیز بخیال وصیت زید یہ جواب دیا کہ بالفعل بنجانے دو تاکہ پردہ ہو جائے
پھر دیکھا جائیگا بڑی دشواری اور رد و قدح کے بعد خالد کی ماں نے اپنے حصہ کے تعمیر کرا دینے کی
عمرو کو اجازت دی تو عمرو نے کچھ اپنے تعویذ گنڈہ کی آمدنی اور کچھ قرض اور کچھ مریدین اور مسافروں سے
لیکر اس کو بنوایا جب ایک چھت پٹنا باقی تھی تو بارش کی وجہ سے پھر پوری عمارت گر گئی پھر دوبارہ
ویسی ہی آمدنی سے وہ عمارت تیار ہوئی اور عمرو نے وصیت زید کے موافق اپنے چھوٹے بھائی خالد
کی تربیت شروع کی اور اُسکو اچھی طرح پڑھایا لکھایا اُستاد کو گھر پر رکھکر بھی اور پھر دہلی بھیجکر جمیع
علوم عربیہ سے فارغ کرا دیا اس وقت خالد کی عمر تیئیس سال کی ہے اور وقت انتقال زید پانچ برس کا

تھا اسیطرح عمرو نے اور سب ورثا کا بھی کما حقہٗ لحاظ کیا اور ہر ایک کا والدہ حقیقی اور ہمشیرہ حقیقی اور ہمشیرزادی اور خدمتگزار ون زنان و برادران کا ہر طرح سے کفیل رہا نیز دوسری والدہ اور اُسکے متعلقین کا کفیل رہا اور زید کے وقت سے رہنے والے درویشوں کو جو ڈیڑھ سو کے قریب ہیں اور جدید درویشوں اور مسافروں کو آجتک کھانا کپڑا دیتا رہا اور خالد اور اُسکی حقیقی بہن کی شادیاں بھی کردیں علاوہ اور اخراجات کے فقط غلہ کا خرچ تین من پختہ کا روزانہ آور آراضیات جو زید کے وقت کی ہیں وہ اٹھارہ گاؤں مع ناقص دکامل مزروعہ ہے گویا اسکی آمدنی علاوہ خرچ مرداں کارندگان زراعت و معاملہ سرکار اگر حساب کی جائے اور بہت بڑھکر تخمینہ لگایا جائے تو تین ماہ خرچ غلہ کا بھی نہیں نکال سکتے مگر عمرو حسب وصیت زید آمدنی روزمرہ تعویذ گنڈہ اور دیگر اشخاص مریدین سے ہر ایک وارث کے خرچ کا اور درویشان اور مسافراں کا خبرگیراں رہا اور آجتک جو کچھ کسی وارث کی مرید یا دیگر اشخاص نے خدمت کی اُس نے اپنے مصارف میں صرف کی اور جو کچھ عمرو کی آمدنی تعویذ گنڈہ یا دیگر اشخاص یا مریدین سے ہوتی تھی اُس نے مصارف مذکورہ بالا اور حوائج خانگی میں صرف کی اور آجتک کسی وارث کے متعلق سوائے پڑھنے اور ذکر اذکار کے زراعت یا تجارت یا دیگر کاروبار دنیویہ اور بیٹھنے کے کسیطرح کا کوئی کام نہیں ہوا اور عمرو نے اپنی آمدنی مذکورہ سے آراضیات خرید کی ہیں بعض جگہ غیر مریدین بلکہ غیر ملت اور بعض جگہ مریدین سے اور بعض جگہ اپنے گھر والوں کے زیور فروخت کرکے خرید کی ہیں اور بعض برادری اور غیر مریدین سے رہن کروائے ہیں اور بعض مریدوں نے اور بعض جگہ غیر مریدین نے آراضیات ہبہ کی ہیں اور بعض جگہ جو زید کو لوگوں نے ہبہ کی الا بسبب عدم قبضہ یا کاغذات ہبہ مکمل نہیں ہوئے بعد انتقال زید عمرو نے اُن کے کاغذات کو مکمل کیا او قبضہ کیا اور علیٰ ہذا مثل اسپاں و نرگاواں و گاؤمیشان و شتران وخران و پارچہائے پشمینہ وغیرہ وغیرہ اشیاء عمرو کو ہبہ یا شراے مرید یا غیر سے پیدا ہوئے ہیں اور بہت سی کتابیں عمرو و زید کی خریدی ہوئی ہیں اور فراشخانہ اور ایک باغ اور ایک حمام ہے اور ایک طرف حویلی کلاں پختہ دوبارہ تیار شدہ کے عمرو نے ایک حویلی خرد مکان مشترکہ میں تیار کی ہے اور بہت جگہ مکانات پختہ و خام زمین مشترکہ میں تیار کیے ہیں اور باغ اور دوسرے درخت پھلدار اور بے پھل والے زمین مشترکہ میں بہت جگہ لگائے ہیں اور کنویں بنوائے ہیں اور سرکار کی

طرف سے جو معافیاں زید کے وقت میں تھیں اور زید کے انتقال کے بعد اس وجہ سے ضبط ہو گئی تھیں کہ ان معافیوں میں حین حیات کی قید تھی وہ تمام معافیاں اب پھر زید کے نام واگذار ہوئی ہیں بلکہ اُن کے علاوہ بھی بعض جدید معافیاں عمرو ہی کے نام ہوئی ہیں الاکل معافیاں جو مکان اور متوفی کے سجادہ نشین کے متعلق ہیں عبارات کا غذات معافیات سے مفہوم ہوتی ہیں چنانچہ معافیوں کے کاغذات کی یہ عبارت ہے (تا تعمیر خانقاہ و آبادی مکان و نیک چلنی معافی دار تا مرضی سرکار اور بعض تا دوام رہیں) اور ایک حویلی خام زید نے مسافروں اور درویشوں کے لئے تیار کی تھی جو ابتک اُنھیں کے واسطے ہے اور دیگ اور برتن جو مسافر خانہ میں ہیں وہ اُسی جگہ کام دیتے ہیں اب کی سال خالد نے تقسیم اراضیات اور مکانات وغیرہ اشیاء کی عدالت میں عرضی کی ہے اور فریقین کو فیصلہ شرعی منظور ہے لہذا عدالت ان امور کی علماء شریعت سے بحوالہ کتب معتبرہ تنقیح طلب کرتی ہے۔ ۱ جو آراضیات اور پارچے اور مویشیات وغیرہ اشیاء عمرو کو شرعاً ہبہ یا بہ من مریدین یا غیرے حاصل ہوئے ہیں اُن میں باقی ورثا شریک ہیں یا نہیں ۲ حویلی کلاں پختہ دوبارہ تعمیر شدہ جسطرح زید نے ہر ایک وارث کو دے رکھی تھی چنانچہ والدۂ خالد نے کہا تھا کہ ہمارے حصے کی طرف تعمیر کرادُ اسیطرح رہے یا دوسری طرح تقسیم ہونا چاہیئے ۳ حویلی خرد متصل حویلی کلاں اور دیگر مکانات تیار کردۂ عمرو زمین مشترکہ میں کیونکر تقسیم کیے جائیں ۴ آمدنی خدمت مریدین اولاد پیر کو اور آمدنی تعویذ گنڈہ یا دیگر اشخاص جسکی خدمت کریں اُسکی ہوتی ہے یا دوسری اولاد بھی اُس میں شریک ہے ۵ خدمت مریدین اولاد پیر کو اور آمدنی تعویذ گنڈہ اور دیگر اشخاص جو سجادہ نشین کی خدمت کرتے ہیں شرعاً انکا کیا حکم ہے ۶ جو کچھ جائداد مثل زیور اور پارچہ اور برتن مسی اور مال مویشی جس وارث کے پاس با قبضہ زید کے وقت سے ہے لیکن ہبۂ قطعی کی اطلاع نہیں ہے اُسکی ہے یا وہ بھی تقسیم ہونا چاہیئے ۷ کتب اور فرش اور حمام اور باغ تقسیم ہونا چاہیئے یا نہیں ۸ جو باغ اور پھل دار یا بے پھل کے درخت عمرو نے زمین مشترکہ میں لگائے ہیں اور جو کنوئیں زمین مشترکہ میں بنوائے ہیں وہ کیونکر تقسیم کیے جائیں ۹ معافیاں جو بجانب سرکار فقرا کے مصارف کے لئے میں وہ مکان کے متعلق رہیں یا تقسیم کی جائیں ۱۰ جو زمین زید کو بطور ہبہ غیر مکملہ بسبب عدم قبضہ یا کاغذات میں ہے اور تکمیل کاغذات اور قبضہ عمرو نے کیا وہ تقسیم ہوگی یا نہیں ۱۱

حویلی خام جو زید نے درویشوں اور مسافروں کے لیے بنائی تھی تقسیم ہوگی یا نہیں (۲) دیوان خانہ مسافرین کے برتن تقسیم کیے جائینگے یا نہیں (۳) جو چیز عمرو کی اولاد کو ہبہ ہوئی ہو یا انھوں نے خریدی ہے اُس سے عمرو کو یا دیگر ورثاے زید کو اُنکی حیات میں تعلق ہو یا نہیں (۴) حسب قرار ورثا وقت چہلم کہ نہ ہم حصہ لیں گے اور نہ قرضہ دینگے وہ اُس جائداد سے لا دعوٰی ہیں یا نہیں اگر جائداد کے مستحق ہیں تو مبالغ ادا کردہ عمرو بابت قرضہ اُن کو دینا ہونگے یا نہیں اور عمرو کا قول کہ اگر میں مُفلس غریب ہوگیا اور تم مالدار ہوگئے تو پھر یہ نہ ہوگا کہ تم قرضہ کا روپیہ دو اور حصہ کے خواستگار رہو اُن کے عدم استحقاق میں مؤثر ہے یا نہیں **هو المصوب جواب** (۱) ورثاے زید ترکۂ زید سے حصہ پا سکتے ہیں اور ترکہ اُس مال کو کہتے ہیں جو میت اپنی موت کے وقت چھوڑے حواشی فرائض شریفیہ میں ہے التركة ما يتركه الميت من مملوكه شرعا كالاراضي المقبوضة والذهب والفضة وغيرها من مملوكه مما يتعلق به حقوق الورثة ترکہ اُسے کہتے ہیں جسے میّت چھوڑے اور جو شرعًا اُسکی مِلک ہو مثلًا اراضی مقبوضہ اور سونا اور چاندی وغیرہ جو اُسکی مِلک ہوں اور جن سے ورثا کے حقوق کا تعلق ہو۔ اور اشباہ ولنظائر میں ہے المیّت لا یملك بالموت میت موت کے بعد کسی چیز کی مالک نہیں رہتی پس جو چیزیں خاص عمرو کی مِلک میں آئی ہیں اُس میں ورثاے زید کا حق نہیں ہے (۲) حویلی کلاں کو چونکہ زید نے اپنی حیات میں تقسیم کرکے ہر ایک کا قبضہ کرا دیا تھا اور ہبہ مع القبض جو موجب مِلک موہوب ہی ہوگیا تھا پس وہ ترکۂ زید میں نہیں رہی اُسکی جدید تقسیم نہ ہوگی بلکہ وہی تقسیم سابق بحال رہے گی (۳) زمین مشترکہ میں بے اجازت شرکا اگر تعمیر کیجائے تو تعمیر اُسکی ہوگی جس نے تعمیر کرائی ہے اور زمین مشترک رہے گی تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے سئل فیما اذا بنی زید قصرًا بماله فی دار مشترکة بینه وبین اخوته بدون اذنهم فهل یکون البناء ملکا له الجواب نعم سوال زید نے اپنے مشترک گھر میں اپنے مال سے بلا اجازت شرکا ایک کمرہ بنالیا تو وہ کمرہ اُس کی مِلک ہوگا یا نہیں جواب ہاں وہ کمرہ اُس کی مِلک ہوگا اور درصورت اجازت حق رجوع ہوتا ہے۔ اور اسی کتاب میں ہے سئل فی دار مشترکة بین زید وعمرو وطینها زید ورممها بلا اذن من شریکه ولا وجه شرعی ویرید الرجوع علی عمرو فهل لیس له ذلك الجواب نعم دار مشترکة المذهب فبنی احدهما بغیر اذن شریکه

فانما لا يرجع على شريكه بشئ كذا فى العمادية ومثله فى جامع الفصولين اقول ان عمرها قبل الاستيذان وان امتنع من عمارتهما مع، فلا يخالف شيئًا مما بنى سوال زيد اور عمرو کا ایک شترک گھر تھا زید نے اُسپر استرکاری کرائی اور اُس میں کچھ ترمیم کی بلا اجازت شریک اور بلا وجہ شرعی تو اُسے حق رجوع ہے یا نہیں جواب نہیں مشترک گھر میں اگر ایک شخص بلا اجازت شریک کچھ بنالے تو اُسکو حق رجوع نہیں رہتا جیسا کہ عمادیہ میں ہو اور اسی کے مثل جامع الفصولین میں ہے میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں ہو جب اجازت لینے کے پہلے بنالیا ہو اور اگر اجازت کے باوجود بھی عمارت نہ بنائی تو جیسا کہ بنا ہوا ہے اُسکے خلاف نہ کرے یعنے تغیر نکرے (۳ و ۵) خدمت مریدین اولاد پیر کو اور ایسے ہی خدمت اور اشخاص کی سجادہ نشین کو اور آمدنی تعویذ گنڈہ وغیرہ حکم ہبہ و اجرت میں ہو پس خدمت کرنیوالا جسکو دیگا وہ موہوب اُسی کی ہوگی دوسرے شخص کا اُس میں کچھ حق نہیں ہبہ کا حکم یہی ہو اور ایسی ہی اجرت وغیرہ کا فتاوے عالمگیری میں ہے واما حكمها فثبوت الملك للموهوب له ہبہ کا حکم یہ ہو کہ موہوب لہ کے لئے ملک ثابت ہوجاتی ہے (۶) زید نے جو چیز کسی کو ہبہ کر کے اُسپر اُسکا قبضہ کرا دیا وہ اُسی کی ہوگی ترکہ زید سے خارج رہے گی اور اُسکے ماسوا چیزیں تقسیم میں داخل ہونگی (۷) ان سب چیزوں کی تقسیم ہوگی کیونکہ یہ ترکہ میں داخل ہیں (۸) زمین مشترک کی قسمت باعتبار قیمت کے ہوگی اور اشجار وغیرہ عمرو کے ہونگے اگر اُس نے اپنے خالص مال سے لگائے ہیں (۹) جبکہ زید کے مرنے کے بعد وہ معافیاں ضبط ہوگئی تھیں اور اب پھر عمرو کو دی گئیں اُن میں اور ایسے ہی اُن معافیوں میں جو ابتداءً عمرو کو ملی ہیں تقسیم نہ جاری ہوگی کیونکہ عطاے سرکاری کا مالک وہی شخص ہو جسکو عطا ہوئی ہو رد المختار حاشیہ درمختار کی بحث مصارف بیت المال میں ہو ما یجری علی الذراری عطاء مستقل خاص بالذراری لا عطاء المیت بطریق الارث بین جمیع الورثة میت کی اولاد کے نام جو عطیہ جاری ہو وہ مستقل عطیہ ہے اُنھیں کے ساتھ مخصوص ہے میت کا عطیہ نہیں ہو جو کہ ترکہ میں تمام ورثا کو ملے اور رسالہ احکام الاراضی میں ہو فی النوازل العبرة لمن اعطاه الامام لا لمن یختص فقط نوازل میں ہو کہ خود اسی شخص کا اعتبار ہے جسے امام دے اور اسی کتاب میں ہو رجل له عطاء فی الدیوان مات عن ابنین فاصطلحا على ان یکتب فی الدیوان باسم احدهما و یاخذ العطاء هو لا الاخر

لاشئ له من العطاء ویبذل من کان له العطاء مالا معلوما فالصلح باطل ویرد بدل الصلح والعطاء للذی جعل الامام العطاء له لان استحقاق العطاء باثبات الامام لا دخل فیه لرضاء الغیر وجعله کذا فی البزازیہ ایک شخص کو دفتر سے کچھ عطیہ ملتا ہے جب وہ مرا تو اُسکے دو بیٹوں نے اس امر پر مصالحت کرلی کہ دفتر میں ایک کا نام لکھ لیا جائے اور وہی عطیہ لے اور دوسرے کو کچھ نہ ملے لیکن وہ ایک مقدار معین صرف کرے تو یہ صلح باطل ہے اور اُس کے معاوضہ میں جو مال دیا گیا ہے وہ واپس دلایا جائے گا اور عطیہ اُسکو ملیگا جسے امام نامزد کردے کیونکہ عطیہ کا استحقاق امام کی رائے پر ہے اس میں دوسرے کی رضامندی سے کچھ سروکار نہیں یہ بزازیہ میں ہے۔ اور فتاوی عالمگیری میں ہے العطاء لصاحب الاسم عطیہ اُسی کے لئے ہے جس کے نام ہو (۱۰) جو زمین زید کو اُسکی زندگی میں کسی نے ہبہ کی تھی مگر قبضہ نہیں ہوا تھا وہ زید کی ملک میں نہیں آئی کیونکہ ہبہ بغیر قبضہ کے مفید ملک نہیں ہوتی ہے پس وہ ترکہ سے خارج رہے گی (۱۱ و ۱۲) جو چیز ان میں سے زید نے بطور وقف کے قائم رکھی ہے اُس میں تقسیم نہ جاری ہوگی تنویر الابصار میں ہے فاذا تم ولزم لا یملك ولا یملك ولا یرهن ولا یعار ولا یباع وقف تام اور لازم ہو جائے تو وہ شخص اُس کا مالک نہیں رہتا اور نہ دوسرے کو اُسکا مالک بنا سکتا ہے اور نہ رہن کرسکتا ہے اور نہ منگنی پر دے سکتا ہے (۱۳) ایسی چیزوں میں عمرو کو اور سوائے زید کے اور وارثوں کو کچھ تعلق نہیں ہے وہ چیزیں اُنھیں کی ہیں جنکی ملک میں بذریعۂ کسی سبب کے اسباب ملک میں سے داخل ہوئی ہیں (۱۴) ورثا کا وہ اقرار اُن کے حق کا مبطل نہوگا اور اُنکو حصص کا دعویٰ پہونچ سکتا ہے مگر جب حصہ لیں گے تو اپنے حصہ کے موافق اُنکو زید کا قرضہ بھی ادا کرنا پڑیگا اور عمرو نے جو قرضہ ادا کیا ہے وہ اُ نپر بقدر اُن کے حصص کے عود کریگا۔ فصول عمادیہ میں ہے فی واقعات الناطفی الوصی والورثة اذا انفقوا ثمن کفن المیت من مال انفسهم یرجعون به فی الترکة ولا یکونون متطوعین وکذا اذا قضی الوصی والوارث دین المیت من مالهما واقعات ناطفی میں ہے اگر وصی یا ورثا نے میت کے کفن کے دام اپنے پاس سے دیدیے تو ترکہ میں سے اُنکو وہ دام لینا چاہئے اُنھیں حق تطوع نہیں ہے اسیطرح جب وصی یا وارث اپنے مال سے میت کا قرض ادا کرے۔ اور بھی اسی

میں ہے الوارث اذا قال ترکت حقی لایبطل حقہ لان الملک لایبطل بالترک اگر وارث نے
یہ کہا کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا تو اُسکا حق باطل نہوگا کیونکہ چھوڑ دینے سے ملک جاتی نہیں
رہتی ہے۔ اور تنقیح فتاوی حامدیہ کی کتاب الدعویٰ میں ہے الارث جبری لایسقط بالاسقاط
وقد افتی بہ العلامۃ خیر الرملی کما ہو مجرر فی فتاواہ من الاقرار نقلا عن جامع الفصولین ورائت
جبری ہے اسقاط سے ساقط نہیں ہوتی علامہ خیر رملی نے اسپر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ یہ انکے فتاوے
میں جامع فصولین سے منقول ہے انتہی حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی عفی عنہ

سوال عصبہ بنفسہ اور عصبہ بالغیر میں کسکو ترجیح ہے۔ امثال میت ام بنت اخت ابن الاخ
میت زوجہ ام بنت اخت ابن الاخ۔ زوج ام بنت اخت ابن الاخ جواب ان صورتوں
میں عصبہ بالغیر قرب کی وجہ سے مقدم ہے اور عصبہ بنفسہ محجوب ہے فتاوے عالمگیری میں ہے
العصبۃ مع غیرہا اذا کانت اقرب الی المیت من العصبۃ بنفسہا کانت العصبۃ مع غیرہا
اولی بیانہ اذا ہلک الرجل وترک بنتا واختا لاب وام وابن اخ لاب فنصف المیراث
للبنت والنصف للاخت ولا شئ لابن الاخ لان الاخت صارت عصبۃ مع البنت وہی
ادنی الی المیت من ابن الاخ وکذلک مکان ابن الاخ اخا لاب لاشئ للاخ کذا فی المحیط
یعنے عصبہ مع الغیر جب میت کے عصبہ بنفسہ سے زائد قریب ہو تو عصبہ مع غیرہا اولی ہے مثلاً ایک شخص
مرا اور اُس نے ایک لڑکی ایک حقیقی بہن اور ایک سوتیلے بھائی کا لڑکا چھوڑا تو نصف میراث
لڑکی کی ہے اور نصف بہن کی اور بھتیجے کا کچھ نہیں ہے کیونکہ بہن لڑکی کے ساتھ عصبہ ہو گئی اور
یہ میت سے بہ نسبت بھتیجے کے زائد قریب ہے اسیطرح جب بھتیجے کی جگہ پر سوتیلا باپ شریک
بھائی ہو تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا یہ محیط میں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات
محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ اصاب المجیب حررہ ضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ
عفی عنہ سوال زید مرگیا اور اُس نے ایک نواسا اور ایک نواسی اور ایک بھتیجا اور ایک پوتا
اور دو پوتیاں چھوڑیں تو ترکہ کیونکر تقسیم ہوگا جواب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ورفع
موانع ترکہ کے چار حصے ہونگے دو پوتے کو اور ایک ایک ہر پوتی کو ملیگا اور باقی سب محروم ہیں
واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ۔ سوال خنثہ جسکے مرد اور عورت ہونے کی دونوں علامتیں

موجود تھیں علامت مردی کی وجہ سے اُس نے عورت کے ساتھ نکاح کیا اور علامت اُنوثیت
کی وجہ سے اُس نے مرد کے ساتھ نکاح کیا اُس کے دو لڑکے ہوے ایک مرد سے دوسرا عورت سے
اسکے مرنے کے بعد ایک لڑکا کہتا ہے کہ میّت میرا باپ تھا اور دوسرا لڑکا کہتا ہے کہ میّت
میری ماں تھی پس اُس خنثیٰ کا متروکہ کیونکر تقسیم ہوگا اور شرعاً ایسا واقعہ ممکن ہے یا نہیں جواب
ممکن ہے عبدالنبی احمد نگری حواشی فرائض شریفیہ میں لکھتے ہیں انی سمعت ممن یوثق بہ
ان النصیر الطوسی کان لہ فرجان فرج الرجل وفرج المرأۃ وکان متلذذا بلذتین وتعشق
علی رجل جسیم قوی طویل اللحیۃ کثیر الجماع فکان مشغوفاً ومحظوظاً لیلاً ونہاراً وینیکہ
وکانت لہ امرأۃ قد ینیکہا یعنے میں نے قابل وثوق لوگوں سے سُنا ہے کہ محقق طوسی کے
دو آلہ تھے ایک مرد کا اور دوسرا عورت کا اور وہ دونوں طرح کی لذتیں اُٹھاتا تھا اور ایک
مرد پر عاشق تھا جسکے بڑی سی داڑھی تھی اور جو بہت تن و توش والا تھا اور بہت جماع کرتا تھا
محقق طوسی کو اُس سے بہت محبت تھی اور دن رات اُس سے لطف اُٹھاتا تھا اور اُسکی ایک بی بی
بھی تھی جس سے وہ جماع کرتا تھا۔ اور سید احمد حموی حواشی اشباہ و نظائر میں لکھتے ہیں من غرائب
المسائل المتعلقۃ بالخنثی المشکل ماذکرہ فی الفصول المہمۃ فی مناقب الائمۃ وذالک ان علیا
کرم اللہ وجہہ وقعت لہ واقعۃ حار علماء وقتہ فیہا وھی ان رجلاً تزوج بخنثیٰ لہا فرج
کفرج النساء وفرج کفرج الرجال واصدقہا جاریۃ کانت لہ ودخل بالخنثیٰ واصابہا
فحملت وجاءت بولد ثم ان الخنثیٰ وطیت الجاریۃ فحملت منہ لولد واشتہرت ورفع
امرہم الی امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ فسائل عن الخنثیٰ فاخبر انہا یحیض وتطأ وتوطأ
تمنی من الجانبین وقد حبلت واحبلت فصار الناس متحیر الافہام فی جوابہا وکیف الطریق
الی الحکم قضائہا وفصل خطابہا فاستدعی علی احد غلامیہ برقاً وقنبر وامرھما ان
یذھبا الی ھذہ الخنثیٰ ویعدا اضلاعہا من الجانبین فان کانت مساویۃ فہی امرأۃ وان
کان الجانب الایسر انقص من الجانب الایمن بضلع واحد فہی رجل فذھبا الی الخنثیٰ وعدا
اضلاعہا فوجدا اضلاع الجانب الایسر انقص من الجانب الایمن بضلع فجاءا واخبراہ بذالک
وشہدا عندہ فحکم علی الخنثیٰ بانہا رجل وفرق بینہا وبین زوجہا والدلیل علی ذلک

ان اللہ تعالیٰ لما خلق ادم علیہ السلام وحید اللہ اراد الاحسان الیہ فجعل لہ زوجا من جنبہ یسکن کل واحدٍ الی صاحبہ فلما نام ادم خلق اللہ من ضلعہ القصریٰ من جانبہ الایسر حواء فانتبہ فوجدھا حالۃ الی جانب کاحسن ما یکون من الصورۃ فذلک صار الرجل ناقصا من جانبہ الایسر علی المرأۃ بضلع وللمرأۃ کاملۃ الاضلاع من الجانبین والاضلاع الکاملۃ اربعۃ وعشرون ضلعا ھذا فی المرأۃ واما فی الرجل فثلثۃ وعشرون اثنتی عشر فی الایمن واحدی عشر فی الایسر خنثیٰ مشکل کے متعلق عجیب مسائل میں سے یہ ہے جو فصول مہمہ فی مناقب الائمہ میں مذکور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا جس میں انکے زمانے کے تمام علما متحیر ہوگئے وہ یہ کہ ایک شخص نے ایک خنثیٰ سے شادی کی جسکی ایک عورت کی سی فرج تھی اور ایک مرد کی سی اور اس نے خنثیٰ کے ساتھ جماع کیا جس سے اُسکے حمل رہا اور اس سے لڑکا پیدا ہوا پھر خنثیٰ نے اُس لونڈی کے ساتھ وطی کی اور اس سے لونڈی کے لڑکا پیدا ہوا یہ واقعہ مشہور ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسکی خبر پہونچی اُنھوں نے اسکے متعلق خنثیٰ سے دریافت کیا اُس نے کہا کہ اُسے حیض آتا ہے اور وہ وطی کرتا ہے اور اُسکے ساتھ وطی کیجاتی ہے اور اُسکو دونوں آلوں سے انزال ہوتا ہے اور خود دوسرے سے حاملہ بنتا اور اپنے آپ دوسرے کو حاملہ بناتا ہے لوگ اس معاملہ میں متحیر رہ گئے کہ اس کا فیصلہ کیونکر کیا جائے اور اس معاملہ میں کیا حکم کیا جائے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کسی سے کہا کہ میرے دونوں غلاموں یرقا اور قنبر کو بلاؤ جب وہ آئے تو اُنکو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ خنثیٰ کے پاس جائیں اور اُس کے دونوں طرف کی پسلیاں گنیں اگر برابر ہوں تو عورت ہے اور اگر بائیں طرف داہنی طرف سے ایک پسلی کم ہو تو وہ مرد ہے پس وہ دونوں گئے اور اُنھوں نے خنثیٰ کی پسلیاں گنیں تو داہنی جانب سے بائیں جانب ایک پسلی کم تھی اُن دونوں نے واپس آکر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خبر دی اور اسکی شہادت دی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ وہ خنثیٰ مرد ہے اور اُسکے اور اُسکے شوہر کے درمیان تفریق کرادی اور اُسکی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو تنہا پیدا کیا تو چاہا کہ اُنپر احسان کرے لہذا اُنکے پہلو سے اُنکا ایک جوڑا بنایا تاکہ ہر ایک اپنے ساتھی کا دل بہلائے پس حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام سو گئے اللہ تعالیٰ نے اُنکی بائیں جانب کی

سب سے چھوٹی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام بشکن صورت پر پیدا کیا اسی لئے مرد کے بائیں جانب ایک پسلی کم ہو گئی اور عورت کے دونوں جانب پوری پسلیاں رہیں اور پوری پسلیاں چوبیس ہیں یہ عورت کے ہوتی ہیں اور مرد کے تیئس پسلیاں ہوتی ہیں بارہ داہنی جانب اور گیارہ بائیں جانب پس صورت مسئولہ میں اگر کسی طرح یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ خنثی مرد ہے یا عورت تو اسکا ترکہ دونوں لڑکوں کو برابر ملیگا واللہ اعلم حررہ الراجی رحمۃ ربہ عبدالحی عفی عنہ سوال دانشمند خاں اور فتح اللہ خاں اور فصاحت خاں اور مساۃ عظیمن چاروں حقیقی بھائی بہن تھے ان سب نے اپنے باپ سے وراثۃً جائداد مشترکہ پائی تھی پہلے دانشمند خاں نے اپنے ایک لڑکے نبی داد خاں کو چھوڑ کر انتقال کیا پھر فتح اللہ خاں نے ایک لڑکی مساۃ بنو کو چھوڑ کر انتقال کیا پھر فصاحت خاں نے اپنے بیٹے احمد اللہ خاں کو چھوڑ کر انتقال کیا پھر مساۃ عظیمن اپنی تین لڑکیاں چھوڑ کر مری اب احمد اللہ خاں ولد فصاحت خاں نے وفات پائی اس نے اپنی ایک بی بی اور دو لڑکیوں کو جنکا نام شہزادی اور نوازی ہے چھوڑا۔ الغرض احمد اللہ خاں کی بی بی نے مشترکہ موروثی جائداد پر دست تصرف دراز کیا ہے کہ کسی کو کچھ دینا نہیں چاہتی پس اس صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ ریاست موروثی میں سے کس کو شرعاً کسقدر ملنا چاہیے یعنی نبی داد خاں کو کتنا اور بنو کو کتنا اور مساۃ نوازی و شہزادی اور احمد اللہ خاں کی بیوی کو کتنا اور عظیمن لڑکیوں کو کسقدر جواب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانعہ جائداد پدری سے دو دو حصے دانشمند خاں اور فتح اللہ خاں اور فصاحت خاں کو اور ایک حصہ عظیمن کو ملے گا اور دانشمند خاں کا حصہ اس کے لڑکے نبی داد خاں کو ملیگا۔ اور فتح اللہ خاں کے حصہ میں سے آدھا اسکی لڑکی بنو کو ملے گا اور باقی میں سے دو حصہ فصاحت خاں کو اور ایک عظیمن کو ملے گا اور فصاحت خاں کا حصہ اسکے بیٹے احمد اللہ خاں کو ملیگا اور عظیمن کے حصہ میں سے دو ثلث اس کی تینوں لڑکیوں پر برابر برابر تقسیم ہوگا اور باقی میں برابر برابر نبی داد خاں اور احمد اللہ خاں برادر زادے پائیں گے اور احمد اللہ خاں کے حصے میں سے ثمن اسکی زوجہ کو اور دو ثلث شہزادی اور نوازی کو اور مابقی نبی داد خاں کو ملے گا واللہ علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم الجواب صحیح واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

کتاب البیعۃ والخلافۃ

سوال جب شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا تو شاہ محمد عاشق رحمہ اللہ جو اُن کے بھائی اور منجملہ خلفا کے تھے باتفاق قوم سجادہ نشین ہوے پھر جب شاہ محمد عاشق رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا تو جمیع خاندان کے اتفاق سے شاہ محمد اسمٰعیل صاحب سجادہ نشین ہوے جو شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے خلیفہ اور شاہ کریم الدین کے نواسے ہیں جو شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے جدا علی کے پوتے ہیں اور شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کی بیٹی مسماۃ خدیجہ بی بی بھی انکو بیاہی ہیں اور شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ نے انکو خرقہ خلافت بھی دیا ہے اور اُسوقت سے ابتک کہ چھ برس سے زیادہ زمانہ گذر گیا کسی نے کسی قسم کا اعتراض بھی نہیں کیا اور تعلیم و ارشاد کا سلسلہ اُن سے بہت اچھی طرح ابتک جاری ہے اور تمام عوام و خواص خصوصًا امرا اور رؤسا اُن کے معتقد اور اُن کے چال چلن وضع اور عادت سے بہت خوش ہیں اب شاہ محمد محسن صاحب جو شاہ غلام حسنی صاحب کے بیٹے ہیں اور یہ شاہ غلام حسنی شاہ غلام اعلم جدا علی شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے پوتے ہیں اسکے مدعی ہیں کہ شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شاہ غلام اعلم کی دختری اولاد ہیں اور ہیں پسری اولاد ہوں اسلیے شاہ محمد اسمٰعیل صاحب مسند سجادہ نشینی سے ہٹا دیے جائیں اور ہیں اُن کی جگہ پر بٹھایا جاؤں تو آیا انکا یہ دعوی شاہ محمد اسمٰعیل صاحب کے مقابلہ میں جو داماد اور خلیفہ شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے ہیں اور اُن سے خرقہ بھی پا چکے ہیں صحیح ہے یا نہیں اور شرعًا اُن کو سجادہ نشینی میں کسی قسم کی ترجیح حاصل ہے یا نہیں

جواب جاننا چاہیے کہ خلافت اور سجادہ نشینی کے مسائل ارباب تصوف کے نزدیک خلافت کبرے کے مسائل سے مستنبط ہیں اور خلافت کبرے کے باب میں علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ امر موروث نہیں ہے بلکہ منوط وجود قابلیت واستجماع شرائط خلافت پر ہے اور خلافت کا تحقق کئی طریقوں سے ہوتا ہے (۱) خود امام سابق اُسکو خلیفہ کر دے (۲) وہ امام خلافت کو چند لوگوں کے مشورہ پر محول کرے اور ارباب مشورہ کسی مستحق کو خلیفہ بنا دیں (۳) امام سابق کی وفات کے بعد علما اور رؤسا کسی کو خلیفہ کر دیں۔ اور اگر یہ تینوں صورتیں نہوں اور ایک شخص بشرطیکہ خلافت کی قابلیت رکھتا ہو بطور خود قہرًا واستیلاءً خلیفہ بن بیٹھے اور لوگ

اُسکے مطیع اور منقاد ہوجائیں تو اس صورت میں بھی خلافت منعقد ہوجائیگی اور کتب کلام مین یہ بھی مذکور ہے کہ تحقق خلافت کے بعد کسی خلیفہ کا معزول کرنا جائز نہیں ہے مگر جبکہ اُس سے امور خلافت کا انصرام نہو سکے۔ مولانا سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں

وینعقد الامامۃ بطرق احدھا بیعۃ اھل الحل والعقد من العلماء والرؤساء والثانی استخلاف الامام وعھدہ وجعلہ الامر شوری بمنزلۃ الاستخلاف الا ان المستخلف غیر متعین فیتشاورون ویتفقون علی احدھم والثالث القھر والاستیلاء فاذا مات الامام وتصدی للامامۃ من یستجمع شرائطھا من غیر بیعۃ واستخلاف وقھر الناس بشوکتہ انعقد الخلافۃ لہ ولا یجوز خلع الامام بلا سبب ولو خلعوہ لم ینفذ وان عزل فان کان لعجزہ عن القیام بالامر العزل والا فلا یعنی انعقاد امامت

مختلف طریقوں سے ہوتا ہے (۱) علما اور رؤسائے اہل حل وعقد کا بیعت کرنا (۲) امام کا خلیفہ بنانا اور عہد لینا اور مشورہ پر چھوڑ دینا بمنزلۂ خلیفہ بنانے کے ہے لیکن اس صورت میں خلیفہ متعین نہیں ہوتا بلکہ لوگ مشورہ کرکے کسی ایک پر اتفاق کرلیتے ہیں (۳) جبر و استیلا کہ جب امام مرجائے تو ایک شخص جس میں شرائط امامت پائے جاتے ہوں بلا بیعت و استخلاف کے امام بن بیٹھے اور اپنی شوکت اور اپنے دبدبے سے لوگوں کو مجبور کرے تو اُسکی خلافت منعقد ہوجاتی ہے اور بلا وجہ امام کو معزول کرنا درست نہیں ہے اور اگر بلا وجہ لوگ اُسے معزول کریں تو وہ معزول نہوگا اور اگر وہ خود اپنے کو معزول کردے تو اُسکی وجہ اگر یہ ہو کہ وہ امامت کے امور کو انجام نہیں دے سکتا تو خیر وہ معزول ہوجائے گا ورنہ وہ معزول نہ ہوگا۔ پس صورت مسئولہ میں جبکہ شاہ محمد اسمٰعیل صاحب کو جملہ اہل خاندان نے باتفاق خلیفہ کردیا اور اُن کو شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ سے خرقۂ خلافت بھی ملا ہے اور امور متعلقۂ خلافت کے انصرام میں بھی اُن سے کسی قسم کا فتور نہیں پایا گیا تو اُن کی خلافت مستقر ہوگی اور مدعی کا دعوے گو وہ شاہ محمد یوسف رحمہ اللہ کے جد اعلیٰ کی اولاد پسری میں بھی ہو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ خلافت وراثت نہیں ہے جس سے پسری اولاد کو دختری اولاد پر ترجیح ہو بلکہ اس کا ثبوت چند طرق پر موقوف ہے اور اُن طرق کا تحقق اس مقام میں ہے اور کوئی امر باعث عزل

خلیفہ کا نہیں ہے **سوال** زید نے نابالغی کے زمانے میں اپنے چند ہم عمر لڑکوں کی ترغیب سے
کسی کے ہاتھ پر بیعت کی اور بلوغ کے بعد جب پیر ملا اور اُس کو چند امور خلاف شرع کا مرتکب
پایا اور اُس سے زید کو کوئی ہدایت بھی نہیں ہوئی اس لئے زید اُس سے غیر معتقد ہو کر اب
چاہتا ہے کہ دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرے پس بیعت جائز ہے یا نہیں **جواب** صورت
مسئولہ میں بیعت ثانی جائز ہے اور بیعت اولی مانع نہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ
قول جمیل میں تحریر فرماتے ہیں ان تکرر البیعۃ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم
ماثور وکذلک عن الصوفیۃ اما من الشخصین فان کان لظهور خلل فی من بایعہ
فلا باس وکذلک بعد موتہ او غیبتہ المنقطعۃ واما بلا عذر فانہ یشبہ المتلاعب
ویذهب بالبرکۃ ویصرف قلوب الشیوخ عن تعهدہ تکرار بیعت حضور نبی کریم علیہ التحیۃ
والتسلیم سے منقول ہے اور اسیطرح حضرات صوفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی تکرار بیعت منقول
ہے لیکن دو شخصوں سے بیعت کرنا اگر اس وجہ سے ہو کہ پہلے جسکے ہاتھ پر بیعت کی تھی اُس میں کوئی
بری بات ہے یا وہ مرگیا یا غائب ہوگیا ہے تو جائز ہے ورنہ بیعت کھیل کود ہو جائے گی اور اسکی
برکت جاتی رہے گی اور شیوخ کے قلوب مرید کی خبر گیری سے پھر جائینگے **سوال** ایک اثنا عشری
شخص امامت کے بارے میں بحث کرتا ہے کہ بارہ امام کی قید قرآن شریف اور احادیث سے ثابت
ہے اہل سنت وجماعت کا عمل قرآن شریف اور حدیث کے خلاف ہے پس دریافت طلب یہ امر ہے
کہ اہل سنت وجماعت کے مذہب میں بارہ اماموں کی قید ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا ہے اور امامت بارہ
پر کیوں مخصوص ہوئی دوسری اولاد کیوں امام نہیں قرار دی گئی اور جو قرآن مجید میں ہے
ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منهم اثنی عشر نقیبًا اللہ نے بنی اسرائیل
سے عہد لیا اور ہم نے اُن میں سے بارہ نقیب بھیجے۔ اور فائدہ میں لکھا ہے یہ بیان فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل
سے عہد لینا حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی آخر عمر میں یہ اقرار لیے ہیں یہ سورۃ
حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخر عمر میں نازل ہوئی ہے شاید سبکو سنایا اس واسطے کہ ہمکو
بھی یہی امید ہے کہ ایک عہد اس اُمت سے لینا کہ رسول جو بعد ہو اُن کی مدد کرو اُسکے بدل معنے
یہ ہیں کہ خلفاء کی اطاعت کرو یہ مذکورہ بالا سرداروں کا بیان فرمایا ہے اسی اشارہ کو حضور

سرورِ انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ خلیفہ ہونگے قوم قریش سے اور فرمایا جو خرابی ہوئی پہلے اُمت میں تو ہوگی ہیں سے جیسا کہ وہ خراب ہوئے پیغمبروں کی مخالفت سے یہ اُمت خراب ہوئی خلیفہ پر خروج کرکے۔ پس یہ بارہ خلیفہ کون ہیں اور اُنکے نام کیا ہیں اور یہ حدیث کہ بارہ امام قریش ہی سے ہونگے صحیح ہے یا نہیں اگر ہے تو وہ حدیث بھی جواب میں تحریر فرما دیجیے جواب ہفوات شیعہ کا جو در بارہ دوازدہ امام کے کہتے ہیں اُسکا قرآن شریف اور حدیث نبوی میں کہیں نشان نہیں ہے۔ ہاں احادیث سے یہ امر صراحۃً ثابت ہے کہ اس امت میں بارہ خلفا ہونگے کہ اُنکی خلافت پر اکثر لوگ اتفاق کرینگے اور وہ خلفا قریش سے ہونگے وہ اشاعت دین اور ہدایت میں سرگرم ہونگے اور تخصیص اُن کے ساتھ اہل بیت نبوی کی نہیں وارد ہے کہ اُس سے خواہ مخواہ بارہ امام مراد لیے جائیں بلکہ بعض روایتوں میں یوں وارد ہوا ہے کہ میری اُمت میں بارہ خلیفہ ہوں گے اُن میں سے دو میرے اہل بیت سے ہونگے اور علمانے ان خلفا کی تعیین کی ہے سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں قد وجد من اثنا عشر خلیفۃ الخلفاء الاربعۃ والحسن ومعاویۃ وعبد اللہ بن الزبیر وعمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ) ہؤلاء ثمانیۃ ویحتمل ان یضم الیہم المہدی من العباسیین لانہ فیہم کعمر بن عبد العزیز فی بنی امیۃ وکذلک الطاہر بما اتاہ من العدل و یبقی ثنان احدہما المہدی لانہ من اہل بیت محمد بارہ خلفا میں سے خلفاے اربعہ اور حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم یہ آٹھ خلیفہ تو ہو چکے احتمال ہے تو نویں خلفاے بنی عباس میں کے مہدی ہوں کیونکہ بنو عباس میں مہدی ویسے ہی تھے جیسے بنو امیہ میں عمر بن عبد العزیز اور اسی طرح طاہر کیونکہ اُنھوں نے عدل بہت کیا ہی باقی رہے دو اُنمیں سے ایک مہدی ہیں کیونکہ وہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ اس قول کے موافق بارہ خلفا متعین ہو گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ۔ حضرت طاہر رضی اللہ عنہ۔ اور گیارھویں امام مہدی آخر الزمان ہونگے اور بعضوں نے انھیں خلفا میں معاویہ بن یزید بن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی شمار کیا ہے پس اسکے موافق گیارہ خلفا ہوگئے بارھویں کا انتظار ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الاقرار

سوال زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا اور ہندہ کے باپ عمرو سے اقرار کیا کہ میں ہندہ کو تمہارے ہی یہاں رہنے دونگا اور کہیں نہ لیجاؤں گا تو اس اقرار کا پورا کرنا زید پر واجب ہے یا نہیں اور بصورت عدول عنداللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں۔ جواب اس اقرار کا ایفا قضاءً واجب نہیں ہے زید کو اختیار ہے کہ وہ اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے گھر لیجائے مگر فیما بینہ وبین اللہ ایفاے وعدہ لازم ہے اور خلف وعدہ باعث لزوم اثم ہے حدیث صحیح میں وارد ہے آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب و اذا وعد خلف الخ منافق کی تین علامتیں ہیں جب واقعہ بیان کرے جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے الخ اور اشباہ میں ہے الخلف فی الوعد حرام کذا فی اضحیۃ الذخیرۃ وعدہ خلافی کرنا حرام ہے یہ ذخیرہ کے باب اضحیہ میں ہے سوال مساۃ ہندہ نے عمرو سے اقرار کیا اور لکھ کے بھی دیدیا کہ جب میرا حصہ میرے باپ کی جائداد سے الگ ہوجائے گا جو اس وقت دوسرے شرکا کے حصوں میں مشترک ہے تو میں تمکو سات روپیہ ماہوار تاحیات اسکے عوض میں دوں گی اور میرے بعد میری اولاد بھی تمکو اور تمھارے بعد تمھاری اولاد کو یہ ماہوار دیتی رہے گی کیونکہ تم میرے والد کے قدیمی ملازم ہو دوسرے تم میرے حصہ کو الگ کرنیکی کوشش کروگے اس اقرار کے پانچ چھ مہینے بعد مساۃ ہندہ نے اپنی کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ اپنی لڑکی کے نام ہبہ کردی اور بلا ذکر اس سات روپیہ ماہوار کے ہبہ نامہ کو مرتب کرا کے اپنی لڑکی کو ہبہ نامہ دیدیا اور منجملہ دوسرے گواہوں کے عمرو نے بلا تعرض اس ماہوار کے اپنی گواہی بھی اس ہبہ نامہ پر کی پھر واہبہ مذکورہ نے انتقال کیا اور اب تک مساۃ ہندہ مذکورہ کا حصہ دوسرے کے مشترک حصوں میں سے پورے طور سے علیحدہ نہیں ہوا ہے بلکہ آدھا یا اس سے کچھ کم زیادہ علیحدہ ہوا ہے اور عمرو موہوب لہ

سے اُس سات روپیہ ماہوار کا دعویٰ کرتا ہے پس قابل دریافت یہ امر ہے کہ جب ہندہ کا حصہ پورے طور سے دوسروں کے مشترکہ حصوں میں سے علیحدہ بھی نہیں ہوا ہے اور ہندہ نے ہبہ نامہ میں اس سات روپیہ ماہوار کا ذکر بھی نہیں کیا اور عمرو نے باوجودیکہ اُس ہبہ نامہ پر گواہی بھی کی مگر اس ماہوار کے درج ہبہ نامہ نہونے پر کچھ تعرض نہیں کیا تو عمرو کا اب اُس سات روپیہ ماہوار کی بابت دعویٰ کرنا درست ہے یا نہیں اور یہ دعویٰ شرعاً مسموع ہوگا یا نہیں جواب ہندہ کا محض عمرو سے اقرار کرلینا عمرو کے استحقاق کو ثابت نہیں کرتا ہے زیلعی نے شرح کنز میں اسکی تصریح کی ہے کہ استحقاق بدون عقد یا قبض کے نہیں ہوتا اور ایسا ہی فتاوی بزازیہ میں ہے پس عمرو کا دعویٰ مسموع نہوگا سوال زید نے عمرو سے اقرار کیا اور لکھدیا کہ اگر میرا یہ کام تیری سعی سے ہوجائیگا تو میں اور میرے ورثا تیرے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ دس روپیہ ماہوار کا سلوک کرتے رہینگے یا یوں اقرار کیا کہ میں نقد وجنس اسقدر تجھکو دونگا اور پھر وہ کام بھی پورا ہوگیا۔ اس اقرار و تحریر کے بعد زید اپنے اقرار سے پھر گیا یا وہ تو نہیں پھرا مگر اُسکے مرنیکے بعد اُسکے ورثا اُسکے اقرار کو پورا نہیں کرتے یا زید نے عمرو سے کسی چیز کے دینے کا بے کسی کام لیے ہوے اقرار کیا اور پھر اقرار سے پھر گیا یا وہ تو نہیں پھرا مگر اُسکے مرنیکے بعد اُسکے ورثا اُسکے اقرار کو پورا نہیں کرتے پس تعلیق اور غیر تعلیق کی حالت میں شرعاً کیا حکم ہے آیا درصورت تعلیق بعد رجوع یا موت مقر کے عمرو کا حق زید یا اُسکے بعد ورثاے زید سے عند القضا بجبر و اکراہ دلایا جائیگا یا نہیں اور درصورت غیر تعلیق زید کی حین حیات میں اُسکے نفس خاص پر یا اُسکی موت کے بعد ورثا پر ایفاے وعدہ لازم ہے یا نہیں اور حاکم یا قاضی بجبر دلا سکتا ہے یا نہیں - جواب دونوں صورتوں میں زید کو ایفاے وعدہ لازم ہے اور وعدہ خلافی کرنا گناہ کبیرہ ہے حدیث صحیح میں وارد ہے ثلاث من کن فیہ کان منافقا خالصا و من کانت فیہ خصلة منها کان فیہ خصلة من النفاق حتی یدعها اذا حدث کذب و اذا ائتمن خان و اذا عاهد غدر یعنی تین باتیں ہیں جس میں یہ پائی جائیں وہ منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک پائی جائے اُس میں نفاق کی ایک علامت پائی جاتی ہے تاوقتیکہ وہ اُسے نہ چھوڑ دے (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب امانت رکھے تو خیانت کرے (۳) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ اور اگر زید و ورثاے وعدہ وفا نہیں کرتا ہے تو قاضی جبراً نہیں دلا سکتا کیونکہ مجرد وعدہ سے عمرو کا استحقاق نہیں ہوتا

بزازیہ میں ہے المراد من جواز الجعل من جانب واحدٍ فی المسابقۃ الحل لا الاستحقاق فانہ لا یستحق بالشرط لشئ لعدم العقد والقبض یہ جو کہا جاتا ہے کہ گھوڑ دوڑ میں ایک طرف سے کچھ بد لینا جائز ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ حلال ہے نہ یہ کہ اس سے استحقاق ثابت ہوتا ہے کیونکہ محض شرط سے کسی قسم کا شی تحقق نہیں ہوتا اسلئیے کہ عقد و قبضہ متحقق نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض شرط کرنے یا وعدہ کرنے سے کسی چیز کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا ہے اور زید کی وفات کے بعد اگر زید نے ایفاے وعدہ کی ورثا کو وصیت نہیں کی ہے تو انپر مورث کے وعدے کا ایفا کرنا واجب نہیں ہے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال اگر زید نے اقرار کیا کہ ہندہ میری منکوحہ زوجہ ہے تو یہ اقرار ثبوت زوجیت میں معتبر ہوگا یا نہیں جواب ہوگا ہدایہ میں ہے ویجوز اقرار الرجل بالوالدین الولد والزوجۃ والمولی لانہ اقربما یلزمہ ولیس فیہ تحمیل للنسب علی الغیر یعنے کسی شخص کا والدین اور لڑکے اور بی بی اور غلام کے بارے میں اقرار کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس نے اس چیز کا اقرار کیا ہے جس سے اسپر اسکا لزوم ہے اور اس میں نسب غیر کا اپنے نسب سے ملانا نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الصلح

سوال اگر شفیع نے حق شفعہ سے کوئی چیز لے کے صلح کرلی اور اپنے حق کو چھوڑ دیا تو یہ صلح جائز ہے یا نہیں جواب جائز نہیں ہے اور حق شفعہ باطل ہوگیا اور جو چیز اسکے عوض میں لی ہے واپس کرے ہدایہ میں ہے وان صالح من شفعۃ علی عوض بطلت الشفعۃ ورد العوض لان حق الشفعۃ لیس بحق متقرر فی المحل بل مجرد حق التملک فلا یصلح الاعتیاض عنہ اور اگر حق شفعہ سے کسی عوض پر صلح کی تو شفعہ باطل ہوجائیگا اور عوض واپس کرنا ہوگا اسلئے کہ حق شفعہ کوئی حق نہیں ہے جو محل میں مقرر ہو بلکہ صرف حق تملیک ہے پس اس سے عوض لینا صحیح نہیں ہے اور عنایہ میں ہے حق الشفعۃ حق ان یتملک و ذلک لیس بحق فی المحل قبل التملک فاخذ البدل اخذ مال فی مقابلۃ ما لیس بشئ ثابت فی المحل و ذلک رشوۃ حرام حق شفعہ مالک ہونے کا حق ہے مالک ہونے سے

پہلے محل میں کوئی حق نہیں ہے پس بدل کا لینا مال کا لینا ہے اُس کے مقابلہ میں جو محل میں ثابت نہیں ہوا اور یہ رشوت حرام ہے سوال اگر شفیع نے دعوے حق شفعہ سے یا دوسرے حقوق کے دعووں سے کسی چیز پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے درمختار میں ہے صح الصلح عن دعوی حق الشرب وحق الشفعة وحق وضع الجذوع علی الاصح الاصل انہ متی توجہت الیمین نحو الشخص فی ای حق کان فافتدی الیمین بدراھم جاز حتی فی دعوی التعذیر کذا فی المجتبی بر مذہب صحیح حق شرب اور حق شفعہ اور حق وضع الجذوع (کڑیاں رکھ لینے کے حق) کے دعوے سے صلح کرنا صحیح ہے اور اصل یہ ہے کہ جب یمین کسی حق میں کسی شخص کی طرف ہو تو دراہم سے یمین کا فدیہ دینا جائز ہے یہاں تک کہ دعوے تعذیر میں بھی جائز ہے یہ مجتبیٰ میں ہے سوال اگر قاذف نے صلح کر کے کوئی چیز مقذوف کو دی کہ وہ اپنے حق سے باز آوے تو یہ صلح جائز ہے یا نہیں جواب حموی رحمہ اللہ نے اشباہ میں لکھا ہے رجل قذف محصنا او محصنة فاراد المقذوف حد القاذف فصالحہ القاذف علی دراھم مسماة او علی شئ اخر علی ان یعفوہ عنہ ففعل لم یجز الصلح حتی لا یجب المال وھل یسقط الحد ان کان ذلک قبل المرافعة الی القاضی بطل ذلک وان کان ذلک بعد المرافعة الی القاضی لا یبطل الحد ایک شخص نے پاک مرد یا پاک عورت پر تہمت لگائی پس مقذوف نے قاذف کی حد کا ارادہ کیا پس قاذف نے اُس سے مقررہ دراہم پر یا کسی اور شے پر صلح کی کہ وہ اُس سے حد معاف کر دے پس اُس نے معاف کر دی تو یہ صلح جائز نہیں ہے یہاں تک کہ نہ مال واجب ہے اور نہ حد ساقط ہو گی اگر یہ قاضی کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کے پہلے ہو تو حد باطل ہو جائے گی اور اگر قاضی کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کے بعد ہو تو حد بھی باطل نہ ہو گی۔ سوال پرورش علی خاں جو منصب دار اور سرکاری ملازم تھا ایک لڑکی دلارا بیگم اور ایک متبنیٰ سرور علی اور ایک داماد فتح علی یعنے شوہر دلارا بیگم کو چھوڑ کے مر گیا مسماۃ دلارا بیگم نے اجرائے اسامی منصب داری مرحوم یعنے اپنے خسر کی محمد جہانگیر علی صغیر سن کے نام کوشش کی جسکو دلارا بیگم نے گود لیا تھا اور یہ فتح علی کی دوسری بی بی سے ہے۔ اور سرور علی متبنا سے مرحوم سے اس طرح صلح کی کہ پانچ آنہ میں لونگی اور پانچ آنے تم کو دونگی اور دو آنے

جہانگیر علی کو دونگی اور چار آنے سے مرحوم کا قرضہ ادا کردنگی اور دہ اسامی مذکور بفضل الٰہی سرکار کی طرف سے جہانگیر علی کے نامزد بھی ہوگئی پس صلح مذکور شرعاً درست ہی یا نہیں اور صلح کے موافق ہر ایک پائیگا یا کل کا مالک جہانگیر علی ہی ہی جواب بشرط صدق اظہار مستفتی شرعاً سرور علی اور فتح علی دونوں میں کوئی مرحوم کا وارث نہوگا فقط لڑکی اُسکی وارث ہی مگر نوکری عطیہ سرکار ہے جسکا نام دفتر میں لکھا جائیگا وہی تنخواہ پائیگا لڑکی کو بھی اُس میں کچھ مداخلت نہیں ہی اگر متروکہ ہوتا تو فقط لڑکی ہی وارث قرار پاتی اور متبنٰی اور داماد دونوں محروم رہتے پس اس حالت میں جو صلح کیگئی وہ صحیح نہیں ہی البتہ جہانگیر علی اگر بلحاظ حق السعی کچھ اپنی علاتی اُن کو اپنی تنخواہ میں سے دے تو اُسے اختیار ہے اُسپر جبر نہیں کیا جا سکتا اور قرض متروکہ سے ادا کرنا چاہیئے اور نوکری متروکہ نہیں ہی جو اُس بار کو اُٹھائے شریفیہ میں ہی الاول یبدأ بتکفینه و تجهیزه من غیر تبذیر و تقتیر ثم یقضی دیونه من جمیع ما بقی من ماله یعنی پہلے میت کی تکفین شروع کیجائے اور اُس میں نہ کسی قسم کی زیادتی کیجائے نہ کمی پھر جو کچھ بچ رہے اُس سے اُس کا قرض ادا کیا جائے۔ اور وجیز کردری میں ہی اذا کان فی الدیوان عطاء مکتوب باسم رجل فنازعه فیه آخر وادعی انه له فصالحه المدعی علیه علی دراهم او دنانیر حالة او الی اجل فالصلح باطل وکذا لو صالحه علی شیٔ بعینه فهو باطل کذا فی المبسوط والعطاء الذی جعل الامام العطاء له دفتر میں اگر کسی شخص کے نام کوئی عطیہ لکھا ہو پس اُس میں دوسرے شخص نے جھگڑا کیا کہ یہ میرا ہے اور مدعا علیہ نے اُس سے کچھ دینار یا دراہم دیکر یا وعدہ کرکے مصالحت کرلی تو یہ صلح باطل ہی اور اسیطرح اگر اُسے کوئی چیز دیکر مصالحت کی تو بھی باطل ہے یہ مبسوط میں ہی اور عطیہ اُسی کا ہے جس کے لئے امام نے مقرر کیا ہو۔ واللہ اعلم حرره خادم الشرع المتمسک بشرع دین محمد مفتی سید فخر الدین احمد الجواب صحیح واللہ اعلم بالصواب حرره الراجی عفو ربه القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبه الجلی والخفی سوال اگر شفیع نے مشتری سے یوں صلح کی کہ مکان مشفوع نصف یا ثلث یا ربع میں لیلونگا اور باقی میں شفعہ نہ کروں گا تو یہ صلح جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے عالمگیری میں ہی وان صالح علی ان یأخذ نصف المشتری او ثلثه او ربعه علی ان یسلم الشفعة فی الباقی کان جائزا اور اگر اس بات پر صلح کرے کہ جو چیز خریدی جا چکی ہے

اسکا النصف یا ثلث یا ربع اس عوض میں لیگا کہ باقی میں شفعہ نہ کرے تو جائز ہے واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

باب الغصب

سوال غصب کسے کہتے ہیں **جواب** در شرح غرر میں ہے الغصب شرعاً اخذ مال متقوم محترم من ید مالکہ بلا اذنہ لا خفیۃ یعنی غصب شرعاً محفوظ اور محترم مال کو بغیر مالک کی اجازت کے اُسکے ہاتھ سے لے لینے کو کہتے ہیں نہ چوری سے لینے کو **سوال** باپ بیٹے کے مال میں تصرف کرسکتا ہے یا نہیں **جواب** انتہائی حاجت کے وقت باپ بیٹے کے مال میں تصرف کرسکتا ہے اور بلا حاجت بغیر اجازت کے باپ کو بیٹے کے مال میں تصرف کرنا درست نہیں ہے اور حدیث انت ومالک لابیک تم اور تمھارا مال تمھارے باپ کیلئے ہے کے یہی معنے ہیں یعنی ضرورت کے وقت جیسا کہ ہدایہ کے بعض مواضع سے ظاہر ہوتا ہے **سوال** عقار میں غصب ہوتا ہے یا نہیں **جواب** شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک غصب منقولات میں متحقق ہوتا ہے پس اگر کسی نے عقار کو مالک سے لیا اور کسی سماوی آفت کی وجہ سے (جیسے بہیا) وہ ہلاک ہوگیا تو شیخین کے نزدیک لینے والے پر ضمان نہیں ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک ضمان ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عقار میں بھی غصب متحقق ہوتا ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے اراضی موقوفہ میں مگر غیر اراضی موقوفہ میں فتوے شیخین یعنے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے قول پر ہے یہ جامع الرموز میں ہے اور در مختار میں ہے الغصب انما یتحقق فیما ینقل فلو اخذ عقارا وھلک فی یدہ بآفۃ سماویۃ کغلبۃ سیل لم یضمن خلافا لمحمد رحمہ اللہ وبقولہ قالت الثلثۃ وبہ یفتی فی الوقف ذکرہ العینی وذکر ظہیر الدین رحمہ اللہ فی فتاواہ الفتوی فی غصب العقار والدور الموقوفۃ بالضمان غصب مال منقولہ میں نہیں متحقق ہوتا ہے پس اگر زمین کو غصب کیا اور کسی آفت سماوی کی وجہ سے زمین ہلاک ہوگئی تو ضمان نہ لیا جائیگا اسمیں امام محمد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور اسی کے موافق ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ عینی کی کتاب الوقف میں ہے اور ظہیر الدین رحمہ اللہ نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے کہ فتویٰ غصب زمین اور موقوفہ گھر میں ضمان کے

ساتھ ہے **سوال** جبکہ شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک زمین میں غصب نہیں ہے پس اگر زید بکر کی زمین بلکر اپنے قبضہ میں لائے تو اس پر اسکا رد لازم ہوگا یا نہیں **جواب** شیخین رحمہا اللہ کا یہ قول کہ زمین میں غصب متحقق نہیں ہوتا حکم ضمان کے ساتھ مخصوص ہے یعنے اگر کسی نے زمین غصب کی اور وہ زمین کسی آفت سماوی کی وجہ سے ہلاک ہو گئی تو نفس زمین کا ضمان لازم نہوگا اور ماوراے ضمان جیسے وجوب رد میں تو شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک غصب زمین میں بھی متحقق ہوتا ہے درمختار میں ہے وفی اجارۃ القیض انما لا یتحقق الغصب عندھما فی العقار فی حکم الضمان اما فی وراء ذلک فیتحقق الا تری انہ یتحقق فی الرد فکذا فی استحقاق الاجرۃ اجارۃ القبض میں ہے کہ زمین میں غصب کا متحقق ہونا حکم ضمان کے ساتھ مخصوص ہے مگر اسکے علاوہ میں متحقق ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ رد میں ضمان متحقق ہوتا ہے پس اسیطرح استحقاق اجرت میں ضمان متحقق ہوتا ہے **سوال** جو زمین اجرت پر چلتی ہے یا جو دکانیں کرایہ پر چلتی ہیں اگر کسی شخص نے اس زمین یا ان دکانوں کو غصب کرکے انکا کرایہ لیا تو کرایہ کا ضمان اسپر لازم آیگا یا نہیں **جواب** اجر مثل لازم آیگا تنویر الابصار میں ہے منافع الغصب استوفاہ او عطلھا غیر مضمونۃ الا ان یکون وقفا او مال یتیم او معدا للاستغلال یعنے غصب کے منافع کے لینے یا معطل رکھنے میں ضمان نہیں ہے مگر جبکہ وہ وقف کا مال ہو یا یتیم کا مال ہو یا کرایہ وصول کرنے کے لئے مہیا کیا گیا ہو اور قنیہ میں ہے الاصح ان المنافع تضمن فی ثلثۃ مواضع فی اجر الوقف وفی اموال الایتام وفی مھیا للاجر کالدکاکین المعروفۃ للاستغلال فان الاستعداد للاستغلال اقیم مقام العقد الفاسد فیلزم علی الغاصب اجر المثل للمالک ولا فرق بین الدار والارض والحمام والرحی وغیر ذلک سواء فیہ استعملھا او عطلھا یعنے صحیح یہ ہے کہ تین موقعوں میں ضمان لیا جاتا ہے وقف کے نفع میں یتیم کے مال میں اور جو چیزیں کہ اجرت پر دیجائیں جیسے وہ دکانیں جو کرایہ حاصل کرنے کے لئے رکھی گئی ہیں کیونکہ کرایہ حاصل کرنے کی استعداد عقد فاسد کے قائم مقام ہے پس غاصب کو اجر مثل مالک کو دینا ہوگا اور کوئی فرق گھر اور زمین اور حمام اور چکی وغیرہ میں نہیں ہے برابر ہے کہ استعمال کرے یا نہ کرے اور سراجیہ میں ہے اذا سکن دارا معدۃ للغلۃ من غیر استیجار یجب اجر المثل وعلیہ الفتوی اور جب ایسے گھر میں بلا کرایہ رہے کہ جو کرایہ حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا ہے تو اجر مثل دینا واجب ہوگا اور اسی پر فتوی ہے واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الشفعۃ

سوال زید عمرو بکر برادران حقیقی شفیع ہیں زید شرع کے موافق طلب مواثبت اور اشہاد کے شرائط بجالایا اور بکر سے عمل ہیں نہیں آئے مگر طلب خصومت کے وقت تینوں کی طرف سے بسبب یکجائی خورد و نوش و کاروبار کے بالاجمال مبیعہ کی نسبت دعوی رجوع ہوا تو شرعاً یہ کل دعوی قابل سماعت ہی یا نہیں اور عمرو اور بکر کا نام شامل ہونے کی وجہ سے زید کا دعوے باطل ہوگا یا نہیں۔ **جواب** اس صورت میں زید کا دعوی حق شفعہ ہیں باطل نہوگا۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ بیشک زید کا دعوی مسموع ہوگا اور کل برادران کا دعوی مسموع نہوگا واللہ علیم حررہ ابوالاحیار محمد نعیم غفرلہ العلی العظیم الحکیم **ھو الموفق** زائد سے زائد یہ ہی کہ حاکم عمرو اور بکر کا دعوے خارج کردیگا اور زید کا دعوے شرعاً مسموع ہوگا واللہ اعلم کتبہ الورعلی عفی عنہ۔ اصاب من اجاب کتبہ ابوالجیش محمد مہدی عفاعنہ الہادی صح الجواب نمقہ خادم الاولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد صح الجواب حررہ محمد رحمت اللہ عفی عنہ۔ اصاب من اجاب کتبہ ضعیف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ **سوال** زید عمرو بکر نے طلب خصومت میں شامل ہوکر دعوے حاکم کے پاس رجوع کیا اور انفصال مقدمہ کے پہلے زید اور عمرو نے اپنے حق کو ساقط کیا اور طلب خصومت سے بری ہوگئے اس صورت میں بکر کے حق میں تو کچھ خلل نہوگا۔ **جواب** اس صورت میں بکر کے حق میں کچھ خلل نہوگا عنایہ میں ہے اذا اجتمع الشفعاء واسقط بعضھم حقہ فان کان ذلک قبل القضاء فالشفعۃ للباقین فی الکل یعنی جب مدعین شفعہ جمع ہوجائیں اور بعض اپنے حق کو ساقط کردیں تو اگر یہ قضائے قاضی کے پہلے ہو تو باقی کو کل میں حق شفعہ ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ **جواب** صحیح ہی اور صاحب درمختار کا قول بھی اسکی تائید کرتا ہے فلو قبلہ فلمن بقی اخذ الکل کزوال المزاحمۃ یعنی اگر یہ قضائے قاضی کے پہلے ہو تو باقی کو کل میں حق شفعہ ہوگا جیسا کہ اُسوقت باقی کا کل میں حق ہوتا ہے جب کوئی مزاحم باقی نہ رہے۔ واللہ علیم حررہ

ابوالاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ جواب صحیح ہے عالمگیری میں ہے اذا کان للدار شفیعان سلم احدھما الشفعة قبل الاخذ وقبل القضاء کان للآخران یاخذ الکل وبعد الاستیفاء وبعد القضاء یبطل حق کل واحدٍ منھما عما قضیٰ لصاحبہ حتی اذا کان للدار شفیعان وقضی القاضی بالدار بینھما ثم سلم احدھما بما یصیبہ لم یکن للآخران یاخذ الجمیع یعنے اگر دو شخصوں کو ایک گھر پر حق شفعہ کا دعوے ہو اور ایک اپنے حق کو اخذ و قضائے قاضی کے قبل چھوڑ دے تو دوسرے کو کُل کے لے لینے کا حق ہوگا اور بعد قضائے قاضی ہر ایک کا حق باطل ہو جائیگا کیونکہ قاضی نے اُسکے ساتھی کے لئے بھی حق شفعہ کا حکم دیا ہے اور یہاں بعد صلح سب اُسکے پاس رہگیا یہانتک کہ اگر ایک گھر میں دو شخصوں کو حق شفعہ تھا اور قاضی نے حکم کیا کہ گھر دونوں کا ہے پھر ایک نے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو دوسرے کو کل لیلینے کا حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم کتبہ انور علی عفی عنہ۔ الجواب صحیح نمقہ خادم الاولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ اللہ الاحد۔ اصاب من اجاب کتبہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد رحمت اللہ عفی عنہ اللہ۔ اصاب من اجاب کتبہ ابوالجیش محمد مہدی عفاعنہ الہادی سوال ایک شخص نے شفعہ میں طلب مواثبت کے بعد اس طرح پر طلب اشہاد کیا کہ دو شاہد عادل کی موجودگی میں نزدیک بائع یا مشتری یا عقار کے طلب کیا مگر لفظ فاشہدوا علی ذلک وما یودی مودا ہا دا نہیں کیا پس یہ طلب معتبر ہے یا نہیں جواب ظاہر اکثر کتب فقہ سے اشہاد کا شرط ہونا معلوم ہوتا ہے مگر خانیہ میں اُسکے خلاف تصریح کی ہے درمختار میں ہے اقول ظاہر عبارا تھم لزوم الاشہاد فیہ لکن رأیت فی الخانیة انما سمی الثانی طلب الاشہاد لا لان الاشہاد شرط فیہ بل لیمکنہ اثبات الطلب عند جحود الخصم انتھی تامل میں کہتا ہوں کہ فقہا کی ظاہر عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ میں طلب اشہاد کرنا لازم ہے لیکن خانیہ میں ہے کہ دوسری طلب کو جو اشہاد کہتے ہیں اُسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ شہادت شرط ہے بلکہ اُسکا منشا یہ ہے کہ انکار خصم کے وقت آسانی ہو انتہی اسپر غور کرو۔ ظہیریہ میں ہے والثانی ان یقول طلب الشفعة فی الدار التی اشتراھا من فلانٍ دوسرے یہ کہ کہے میں اُس گھر میں شفعہ طلب کرتا ہوں جسے اُسنے فلاں سے خرید اہے اور قنیہ میں ہے

طلب الاشہاد انہ اذا لقی المشتری یقول طلب الشفعۃ فی لتی اشتریتہا من فلان
ریذکر حدودہا فیسلمہا یعنی طلب شہادیہ کہ جب مشتری سے ملے کہے کہ میں اُس گھر میں شفعہ
طلب کرتا ہوں جسے تمنے فلاں شخص سے خریدا ہے اور اُسکے حدود ذکر کردے اور وہ اس شفعہ کو تسلیم
کرے غرض ان دونوں کتابوں میں دوسری طلب کے اندر اشہاد کا تذکرہ نہیں ہے سوال (۱)
شفعہ میں طلب مواثبت و اشہاد نیابۃً وکالۃً ہوسکتی ہے یا نہیں (۲) زید اپنے محل زمینداری پر
نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ باہر رہتا ہے اُس نے اپنی طرف سے ایک شخص کو وکیل مقرر کرکے اُسکو ماذون
مطلق کر دیا ہے کہ ہر طرح کی طلب خصومت اور مواثبت اور طلب حقوق ہماری طرف سے کیا کرے
اور کسی امر میں اگرچہ حق شفعہ بھی ہو ہم سے اذن جدید کا محتاج نہ ہے ایسا وکیل ماذون مطلق
طلب مواثبت و طلب خصومت شفعہ اُس مؤکل کی طرف سے کرسکتا ہے یا نہیں (۳) ایک عقار
میں چند شخص متفق ہوکر ایک درخواست کے ذریعہ سے کل شفعہ کے دعوے کا حاکم کے پاس رجوع
کرسکتے ہیں یا نہیں (۴) توکیل کے لئے تحریر وکالت نامہ شرط ہے یا نہیں (۵) عقار واحد میں اپنی
طرف سے اصالتاً اور دوسروں کی طرف سے وکالتاً طلب مواثبت و اشہاد یا طلب خصومت
شفعہ کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر من حیث الوکالۃ اُسکی طلب باطل ہوگی تو طلب من حیث الاصالۃ کا
کیا حال ہے (۶) عقار واحد میں طلب مواثبت و اشہاد کئی شخصوں کی طرف سے ایک وکیل ایک
صیغہ میں کرے تو یہ طلب صحیح ہے یا نہیں جواب (۱) ہوسکتی ہے فتاوی عالمگیری میں ہے ویجوز التوکیل
لطلب الشفعۃ کذا فی البدائع طلب شفعہ کے لئے کسی کو وکیل بنانا جائز ہے یہ بدایع میں ہے
اور خزانۃ المفتیین میں ہے الشفیع اذا علم بالشراء فی طریق مکۃ تطلب طلب المواثبۃ
وعجز عن الاشہاد بنفسہ یؤکل وکیلا یطلب لہ الشفعۃ صاحب شفعہ کو جب بیع کا علم
مکہ کے راستہ میں ہوا اور اُس نے طلب مواثبت کی اور خود حاضر نہ ہوسکا تو کسی کو اپنا وکیل بنادے
جو اُسکے حق شفعہ کا مطالبہ کرے اور ہدایہ میں ہے کل عقدٍ جاز ان یعقدہ الانسان بنفسہ جاز
ان یؤکل غیرہ جس عقد کو انسان خود کرسکتا ہے اُس میں اپنی طرف سے دوسرے کو وکیل بھی بنا سکتا ہے
(۲) کرسکتا ہے اشباہ میں ہے الوکیل اذا کانت وکالتہ عامۃ مطلقۃ ملک کل شیٔ الا طلاق الزوجۃ
وعتق العبد ووقف البیت وکیل کی وکالت جب عام اور مطلق ہو تو اُسے مؤکل کے تمام امور کا

اختیار ہے اُسکی بی بی کو طلاق دینے اور اُسکے غلام کو آزاد کرنے اور اُسکے گھر کے وقف کرنے کے سوا
اور رسالۃ المسألۃ الخاصۃ فی الوکالۃ العامۃ میں ہے الوکیل وکالۃ عامۃ یملك کل شئ الا الطلاق
والعتاق والوقف والهبۃ علی المفتی به وکیل جسکی وکالت عام ہو تمام امور کا اختیار رکھتا ہے
مگر طلاق عتاق وقف اور ہبہ کا اختیار بر قول مفتی بہ نہیں رکھتا ہے (۳) رجوع کر سکتے ہیں (۴)
وکالت نامہ شرط نہیں ہے جیسا کہ عامۂ کتب فقہ سے مستفاد ہوتا ہے (۵) وکیل جو خود بھی شفیع ہے
اگر موکل کی طرف سے طلب شفعہ کریگا تو اُسکا شفعہ باطل ہو جائیگا فتاوی عالمگیری میں مبسوط سے
منقول ہے اذا وکل رجل لشفیع ان یأخذ الدار له بالشفعۃ فاظهر الشفیع ذلك فلیس له
ان یأخذ ها لان طلبه لغیره تسلیم منه للشفعۃ انما یطلب البیع من المؤکل و لو طلب
البیع لنفسه کان مسلماً للشفعۃ فاذا طلبها لغیره کان اولی ایک شخص نے اپنا حق شفعہ
طلب کرنے کے لئے وکیل ایسے شخص کو بنایا جسکو خود بھی حق شفعہ تھا اور اُس نے اس بات کو ظاہر
کر دیا کہ میں اُسکا وکیل ہوں تو اب سے اسکا حق نہیں رہا کہ خود اُس چیز کو لے کیونکہ دوسرے کے شفعہ
کا طلب کرنا اُسکے شفعہ کا تسلیم کر لینا ہے اب اُسے صرف یہی حق ہے کہ اپنے مؤکل کی جانب سے بیع
کا مطالبہ کرے اور اگر اپنے لئے بیع کا مطالبہ کرتا تو وہ شفعہ کو تسلیم یعنے سونپ دینا اور دست بردار
ہو جانا ہوتا پس اگر دوسرے کے لئے مطالبہ کرے تو بدرجۂ اولی تسلیم کرنا ہوگا (۶) کر سکتا ہے اگر وہ شخص
سب کی طرف سے وکیل ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ
عن ذنبه الجلی والخفی۔ اصاب المجیب کتبہ ابو الجیش محمد مہدی عفا عنه الهادی صح الجواب حررہ محمد رحمت
اللہ عفی عنه۔ ہو الموفق الاجوبۃ صحیحۃ اور عبارت مندرجہ استفتا منقول عنہا کے ساتھ مطابق ہیں اور
تحریر وکالت نامہ اور ایک شخص کا چند شفیعوں کی طرف سے وکیل ہونا صحیح ہے جیسا کہ عالمگیری اور
تفسیر احمدی سے بھی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کتبہ انور علی عفی عنه۔ اصاب المجیب کتبہ اضعف
عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنه **سوال** اگر شفیع نے ایک ماہ تک بلا عذر طلب تملیک کو ترک کیا
تو اُسکا شفعہ باطل ہوا یا نہیں۔ **جواب** صورت مرقومہ میں محققین کے نزدیک شفیع کا شفعہ باطل
ہوا کیونکہ اگرچہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمہ اللہ کا اور دوسرا
امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ کا لیکن محققین نے بنظر رفع ضرر دا ضرار قول ثانی پر فتوی دیا ہے

فتاوی عالمگیری میں مرقوم ہے وعن محمد وزفر رحمہما اللہ وھو روایۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ ان اشھد وترک المخاصمۃ شھرا من غیر عذر تبطل شفعۃ والفتوے علی قولھما کذا فی محیط السرخسی یعنی امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ سے منقول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی یہی روایت ہے کہ اگر باوجود علم کے ایک ماہ تک بلا عذر مخاصمت نہ کی تو شفعہ باطل ہو جائیگا اور فتویٰ ان دونوں کے قول پر ہے یہ محیط سرخسی میں ہے۔ اور زیلعی نے لکھا ہے الفتوی الیوم علے ھذا لتغیر احوال الناس فی الاضرار بالغیر آجکل اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ دوسرے کو ضرر پہونچانے کے بارہ میں لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں۔ اور رد المحتار حاشیہ در مختار میں ہے قائلہ شیخ الاسلام وقاضیخان فی فتاواہ وشرحہ علی الجامع ومشی علیہ فی الوقایۃ والنقایۃ والذخیرۃ والمغنی وفی الشرنبلالیۃ عن البرھان انہ اصح ما یفتی بہ قال یعنی انہ اصح من تصحیح الھدایۃ والکافی وتمامہ فیہا وعزاہ القھستانی الی المشاھیر کالمحیط والخلاصۃ والمضمرات وغیرھا اسکے شیخ الاسلام قائل ہیں اور قاضی خان نے اپنے فتاوی اور شرح جامع میں بھی یہی لکھا ہے اور وقایہ نقایہ ذخیرہ اور مغنی میں یہی مذہب اختیار کیا گیا ہے اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ مفتی بہ اقوال میں سب سے زائد صحیح ہے یعنے ہدایہ وکافی نے جس مذہب کو صحیح لکھا ہے یہ اُس سے زائد صحیح ہے اور اسکے بعد لکھا ہے کہ قہستانی نے اسے مشاہیر جیسے صاحب محیط وخلاصہ ومضمرات وغیرہ کی جانب منسوب کیا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم حررہ محمد بشیر السہسوانی۔ فی الواقع اگرچہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظاہر الروایۃ کے موافق شفعہ باطل نہوگا اور ہدایہ اور کافی میں اسی کو مفتی بہ لکھا ہے لیکن محققین حنفیہ کی کثیر جماعت امام محمد رحمہ اللہ کے فتوی کی قائل ہے نہایہ شرح ہدایہ میں ہے ان ترک ھذا الطلب بغیر عذر لا تبطل شفعتہ وان طالت المدۃ وعلی قولھما تبطل اذا طالت المدۃ واختلف الروایات عنھما فی طول المدۃ ففی روایۃ عن محمد ثلثۃ ایام وفی اخری بشھر وھو احد الروایات عن ابی یوسف رحمہ اللہ قال شیخ الاسلام الفتوی الیوم علی ھذا وھکذا ذکر ایضا فی الجامع الصغیر لقاضیخان فکان ما اختارہ فی الکتاب ان الفتوی علی قول ابی حنیفۃ مخالفا لروایات ھذہ الکتب اگر بلا کسی عذر کے یہ طلب کیا تو شفعہ باطل نہوگا اگرچہ بہت عرصہ بھی گذر جائے اور صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر جب مُدت طویل ہو جائے تو شفعہ باطل ہو جاتا ہے اور طول مدت

کے متعلق صاحبین رحمہا اللہ سے مختلف روایتیں ہیں ایک یہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک
تین دن ہیں اور دوسرے میں ایک مہینہ اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے
بھی یہی منقول ہے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آج کل اسی پر فتویٰ ہے قاضی خاں کی جامع
صغیر میں بھی یہی لکھا ہے تو کتاب ہدایہ میں جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ لکھا ہے
وہ ان کتابوں کی روایتوں کے خلاف ہے اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے قال فی شرح المجمع وفی
الجامع القاضی الفتوی الیوم علی قول محمد رحمہ اللہ لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار انتھی
وبہ ظھر ان افتائھم بخلاف ظاھر الروایۃ لتغیر الزمان ونظائرہ کثیرۃ وقصد
الاضرار فی زماننا کثیر شرح مجمع اور قاضی خاں کی جامع میں ہے کہ آجکل امام محمد رحمہ اللہ کے قول
پر فتویٰ ہے کیونکہ ضرر پہونچانے میں اب لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں انتہیٰ اس سے معلوم ہوگیا کہ
ظاہر روایت کے خلاف اس وجہ سے فتویٰ دیا گیا ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے اسکی مثالیں بکثرت ہیں اور
ہمارے زمانے میں ضرر پہونچانیکا قصد بہت کرتے ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی
ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ واقعی متاخرین مبتحرین کے قول کے مطابق
شفعہ باطل ہو الکمال الدرایہ میں ہے ویتاخیرہ شھرا من غیر عذر مرض وحبس یبطل عند
محمد رحمہ اللہ وھو قول زفر رحمہ اللہ واختیار الکرخی وبہ ای بقول محمد یفتی الیوم
لقصد اھل الزمان الی الاضرار بغیرھم شرح نقایہ میں ہے کہ بلا عذر مرض یا قید کے ایک مہینہ تک
مطالبہ میں تاخیر کرنے سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک شفعہ باطل ہو جاتا ہے اور یہی امام زفر رحمہ
اللہ کا قول ہے اور کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر یعنے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر آجکل
فتویٰ ہے کیونکہ اس زمانے کے لوگ دوسرونکو ضرر پہونچانا چاہتے ہیں۔ اور برجندی نے مختصر وقایہ
کی شرح میں لکھا ہے وبہ ای بقول محمد رحمہ اللہ یفتی کذا فی مبسوط الامام خواھر زادہ والمحیط
والروضۃ والتتمۃ وفتاوی قاضی خان والخلاصۃ اسپر یعنے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوے
ہے یہ امام خواہر زادہ رحمہ اللہ کے مبسوط اور محیط اور روضہ اور تتمہ اور فتاوی قاضی خان اور خلاصہ
میں ہے واللہ علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم سوال ہندہ نے منجملہ چند مکانات
مشترکہ چند اشخاص کے حصہ ایک شریک کا بذریعۂ بیعنامہ کے خرید کیا ہے اور دعوی تشفیع کا بربنائے

شرع شریف منجانب دیگر شرکا رکے دائر ہوا ہے مابین فریقین بابت تعمیل مراتب مواثبت و استشہاد کے بحث ہی شفیع کی طرف سے طلب مواثبت و استشہاد یوں ظاہر کی گئی ہی کہ نو بجے دن کو علم بیع کے وقت اُن اشخاص کے روبرو جو شفیع کے رشتہ دار ہیں اور جن سے بیع کا علم ہوا شفیع نے کہا حق ہمارا ہے ہم لیں گے پھر شفیع نے اُنھیں اشخاص کو روپیہ لینے کے لیے مہاجن کی کوٹھی میں بھیجا چنانچہ وہ روپیہ لائے اور دوپہر کے قریب بائع کے پاس اُس گانوں میں جہاں وہ رہتا تھا گئے اور مکانات مشفوعہ شہر میں واقع ہیں اور اُس شہر اور اُس گاؤں کے بیچ میں جہاں اُس کا مکان ہے دریا حائل ہی اور وہ گانوں شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے اور بائع جائداد مشفوعہ کا قابض نہیں تھا اور مشتریہ شفیع کے مکان کے متصل شہر میں منجملہ مکانات مشفوعہ کے ایک مکان میں بیع کے قبل سے موجود تھی جب وہ لوگ بائع کے پاس گئے تو بائع سے کہا کہ شفیع نے کہا ہی کہ حق ہمارا ہے ہمکو دو بائع نے جواب دیا کہ ہم بیع کر چکے مشتریہ کے پاس روپیہ لیجاؤ پھر وہ لوگ وہاں سے پلٹ کر شام کے قریب مشتریہ کے شوہر کے پاس آئے اور کہا کہ شفیع اپنا حق لینے کو مستعد ہی روپیہ اُس نے بھیجا ہے یہ سنکر مشتریہ کا شوہر زنانے مکان میں گیا اور وہاں سے آکر اُس نے کہا کہ ہمنے مکان رہنے کو لیا ہے بیچنے کو نہیں لیا ہے اور شفیع علم کے وقت ایک بار منجملہ مکانات مشفوعہ کے ایک مکان میں موجود تھا اب شفیع یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ طلب مواثبت و استشہاد شرع کے موافق ہوگئی ہی اور مشتریہ یہ اعتراض کرتی ہی کہ طلب مواثبت و استشہاد شرع کے موافق نہیں ہوئی کیونکہ وہ لوگ جن سے شفیع کو بیع کا علم ہوا تھا بقول شفیع اُسوقت موجود تھے شفیع نے اُسکو چھوڑ کر طلب استشہاد بقول خود بائع غیر ذی ید سے کیا جو ایک گانوں میں رہتا ہے جو شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہی اور شفیع نے طلب مواثبت و استشہاد میں مکانات مشفوعہ کے حدود اربعہ بیان نہیں کیے پس قریب کو چھوڑ کر بعید سے استشہاد کرنا اور گواہوں کے موجود ہونے کی حالت میں اپنی طلب پر گواہ نہ کرنا اور مکانات مشفوعہ کے حدود اربعہ کا نہ بیان کرنا موافق فتاوے عالمگیری و شامی و ہدایہ وغیرہ کے مبطل شفعہ ہی اور کتب مذکورہ کے موافق مشتریہ یہ بھی اعتراض کرتی ہے کہ چونکہ طلب استشہاد میں خود بقول شفیع تاخیر ہوئی اسلئے وہ بھی مبطل شفعہ ہی اب سوال یہ ہے کہ طلب مواثبت و استشہاد شرع شریف اور مذہب حنفیہ کے موافق شفیع کی جانب سے اس صورت میں متحقق ہے

یا نہیں اور مشتریہ کے اعتراضات صحیح ہیں یا نہیں جواب عذر اول کہ شفیع نے دونوں طلب کے
وقت حاضرین کو گواہ نہیں بنایا غیر معتبر ہے کیونکہ طلب مواثبت میں گواہ بنانا لازم نہیں جیسا کہ ہدایہ
میں ہے والاشهاد فيه ليس بلازم وانما هو لنفى التجاحد اس میں گواہ بنانا ضروری نہیں ہے
بلکہ محض اس غرض سے کہ انکار نہ کیا جاسکے۔ اور نہایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے وذلك لان طلب المواثبة
ليس لاثبات الحق وانما شرط هذا الطلب ليعلم انه غير معترض عن الشفعة وغير
راض بجوار هذا الدخيل والاشهاد ليس بشرط فيه یہ اسلئے کہ طلب مواثبت اثبات حق
کے لئے نہیں ہوتی بلکہ یہ اسی وجہ سے شرط کی گئی ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ شفعہ سے انکار نہیں
کرتا اور اس نئے آدمی کے پڑوسی بنانے پر راضی نہیں ہے اور اس میں گواہ بنانا شرط نہیں ہے۔
اور عنایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے الاشهاد فى ذلك ليس بشرط گواہ بنانا اس میں شرط نہیں ہے
اور درمختار کے باب طلب الشفعہ میں ہے الاشهاد فيه ليس بلازم بل لمخافة الجحود اس میں
گواہ بنانا لازمی نہیں ہے بلکہ خوف انکار کی وجہ سے گواہ بنا لینا چاہیے۔ اور طلب اشہاد میں جو بعد
طلب مواثبت کے بائع یا مشتری یا نفس شے مبیع کے پاس ضرور ہے اگرچہ ظاہر ہدایہ اور اکثر
دوسری کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہ بنانا ضرور ہے مگر معتبر یہ ہے کہ اس طلب میں بھی ضرور
نہیں ہے رد المحتار حاشیہ درمختار میں ہے اقول ظاهر عبارا تهم لزوم الاشهاد فيه لكن رأيت
فى الخانية انما سمى الثانى طلب الاشهاد لا لان الاشهاد شرط بل ليمكنه اثبات الطلب عند جحود
الخصم میں کہتا ہوں کہ ظاہر عبارات فقہا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں گواہ بنانا لازم ہے مگر میں نے
خانیہ میں دیکھا ہے کہ ثانی کو طلب الاشہاد اس وجہ سے نہیں کہتے کہ اس میں گواہ بنانا شرط ہے
بلکہ گواہ اسلئے بنائے جاتے ہیں کہ خصم کے انکار کے وقت اثبات طلب ممکن ہو۔ اور نتائج الافکار حاشیہ
ہدایہ میں ہے يمكن ان يمنع لزوم الاشهاد فى طلب التقرير يعنى طلب الاشهاد ايضاً بناء على
ما ذكره قاضى خان فى فتاواه حيث قال وانما يسمى الثانى طلب الاشهاد لا لان الاشهاد
شرط بل ليمكنه اثبات الطلب عند جحود الخصم انتهى فانه يدل على ان الاشهاد فى
طلب التقرير ليس بلازم بل انما هو لنفى التجاحد كما فى طلب المواثبة وبناء على
ما ذكره صاحب الهداية حيث قال واما الاشهاد على هذا الطلب فليس بشرط وانما هو

لتوثقه على تقدير الانكار كما فى طلب الاول ممکن ہے کہ طلب تقریر یعنے طلب اشہاد میں گواہ بنانے کے ضروری ہونے سے انکار کیا جائے اس بنا پر کہ قاضی نے لکھا ہے کہ دوسری طلب کو طلب اشہاد کہنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اشہاد شرط ہے بلکہ گواہ اس غرض سے بنائے جاتے ہیں کہ انکار خصم کے وقت اثبات طلب ممکن ہو انتہی کیونکہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب تقریر میں گواہ بنانا لازم نہیں ہے بلکہ وہ انکار کے روکنے کے لئے ہے جیسا کہ طلب مواثبت میں ہے اور اس بنا پر کہ ہدایہ میں ہے اس طلب پر گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ وہ مضبوطی سے ہے کہ برتقدیر انکار آسانی ہو جیسا کہ طلب اول میں ہے۔ اور عذر دوم اس وجہ سے غیر معتبر ہے کہ طلب اشہاد میں اسی قدر ضروری ہے کہ یہ طلب بائع کے پاس ہو یا مشتری کے پاس یا شے مبیع کے پاس عام اس سے کہ بائع یا مشتری ذوالید ہو یا نہو اور ذوالید کو چھوڑ کے غیر ذوالید کے پاس طلب کرنا تبطل شفعہ نہیں ہے رد المحتار حاشیہ درمختار کے باب ما یبطل الشفعہ میں ہے تقدم انه يصح الاشهاد على المشترى وان لم يكن العقار فى يده وكذا على البائع وان لم تكن الدار فى يده استحسانا كما ذكره شيخ الاسلام یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ مشتری پر گواہ بنانا صحیح ہے اگرچہ مال اسکی ملک میں نہ ہو اسیطرح بائع پر گواہ بنانا صحیح ہے اگرچہ گھر اسکے قبضے میں نہو استحسانًا جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور فتاوی عالمگیری میں ہے ان كان المبيع فى يد المشترى ذكر الكرخى فى النوادر انه لا يصح الاشهاد على البائع ونص محمد فى الجامع الكبير انه يصح الاشهاد عليه بعد تسليم المبيع استحسانا لا قياسا كذا فى محيط السرخسى اگر مبیع مشتری کے قبضے میں ہو کرخی رحمہ اللہ نے نوادر میں ذکر کیا ہے کہ بائع پر گواہ بنانا درست نہیں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے جامع کبیر میں لکھا ہے کہ بائع پر گواہ بنانا تسلیم مبیع کے بعد درست ہے استحسانا نہ قیاسا یہ محیط سرخسی میں ہے اور عذر عدم بیان حدود مکان کا بھی غیر معتبر ہے اس وجہ سے کہ اگرچہ ہدایہ وغیرہ کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر حدود ضرور ہے لیکن معتمد یہ ہے کہ یہ طلاد وہت ہے نہ شرط لزوم جامع الرموز میں ہے لا بد ان يبين حدود الدار مع كل واحد من مراتب الثبوت كما فى قاضيخان لكن فى الكافى وغيره ان تبيين هذه الامور ليس مما لا بد منه آہ یعنی مراتب ثبوت میں سے ہر ایک کے ساتھ دونوں مکانوں کی حدود بیان کرنا ضرور ہے جیسا کہ قاضیخان میں ہے لیکن کافی وغیرہ میں ہے کہ ان چیزوں کا بیان کرنا ضروری نہیں۔

اور طلب اشہاد میں توقف کا عذر اس لئے غیر معتبر ہے کہ طلب اشہاد کو کچھ فی الفور ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی خاص مدت مقرر ہے کہ اُس سے تاخیر کرنا مبطل شفعہ ہو بلکہ مدار تمکن پر ہے جیسا کہ جامع الرموز میں ہے انما ذکر کلمۃ ثم اشارۃ الی ان مدۃ ھذا الطلب لیست علی فور المجلس بل مقدرۃ بمدۃ التمکن من اشہاد کما فی النہایۃ وغیرہ کلمہ ثم سے اس جانب اشارہ ہے کہ مدت طلب کچھ فی الفور نہیں ہے بلکہ جب گواہی پر قدرت ہو جیسا کہ نہایہ وغیرہ میں ہے۔ باقی رہا یہ عذر کہ شفیع نے قریب کو چھوڑ کر بعید کے پاس طلب اشہاد کیا علی الخصوص جبکہ بعید یعنی بائع اُس شہر مین نہ تھا اور مکان مشفوع بہ اور مشتری شہر میں تھا پس اگرچہ یہ امر مختلف فیہ ہے کہ قریب چھوڑ کے بعید سے طلب کرنا مبطل شفعہ ہے یا نہیں مگر اکثر کتب معتبرۂ فقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر مبطل شفعہ ہے جامع الرموز میں ہے فیہ اشارۃ الی ان لہ الاشہاد عند بعد ھؤلاء مع الاقرب کما قال بعض المشائخ وذھب اٰخرون الی انہ انما یشھد عند الاقرب کما فی المحیط وغیرہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اُسے بعید کے پاس طلب اشہاد کا حق ہے جبکہ اقرب موجود ہو جیسا کہ بعض مشائخ نے کہا ہے اور دوسرے لوگ اس جانب گئے ہیں کہ طلب اشہاد اقرب کے پاس کرے جیسا کہ محیط وغیرہ میں ہے اور تعالیق الانوار حاشیۂ درمختار میں شرنبلالیہ سے منقول ہے لو قصد الابعد من ھؤلاء الثلثۃ وترک الاقرب فان کانوا جمیعا فی المصر جاز استحسانا وان بعضھم فیہ والبعض فی مصر اٰخر او فی الرستاق فقصد الابعد وترک الذی ھو فیہ بطلت شفعتہ قیاسا واستحسانا کما فی التبیین اگر ان تینوں میں سے ابعد کے پاس گیا اور اقرب کو چھوڑ دیا تو اگر سب شہر میں ہوں تو استحسانا جائز ہے اور اگر بعض شہر میں اور بعض دوسرے شہر میں یا دیہات میں ہوں اور وہ ابعد کے پاس گیا اور اقرب کو چھوڑ دیا جو اُس شہر میں تھا تو اُسکا شفعہ قیاسا اور استحسانا بھی باطل ہو گیا یہ تبیین میں ہے۔ اور رد المحتار حاشیۂ درمختار میں خانیہ سے منقول ہے ان کان المتبایعان والشفیع والدار فی مصر والدار فی ید البائع ذھب الشفیع وطلب صح ولا یعتبر فیہ الاقرب والابعد لان المصر مع تباعد الاطراف کمکان واحد لان یختار علی الاقرب لم یطلب فتبطل وان کان الشفیع وحدہ فی مصر اٰخر فالی ایھم ذھب صح وان احد المتبایعین فی مصر الشفیع فطلب من الابعد بطلت یعنی اگر

بائع اور مشتری اور شفیع اور گھر ایک ہی شہر میں ہوں اور گھر بائع کے قبضے میں ہو تو جسکے پاس جاکر شفیع مطالبہ کرے اُسکا مطالبہ صحیح ہوگا اس میں اقرب اور ابعد کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ ایک شہر مثل ایک مکان کے ہے گو کہ اُسکے حصّے ایک دوسرے سے دور رہوں مگر یہ کہ ابعد کو اقرب پر اختیار کرے اور مطالبہ نہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائیگا اور اگر اکیلا شفیع دوسرے شہر میں ہو تو جسکے پاس جائے مطالبہ صحیح ہو جائیگا اور اگر بائع و مشتری میں سے ایک شفیع کے شہر میں ہو پھر بھی وہ بعید سے طلب شفعہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائیگا۔ اور ایسا ہی فتاوی عالمگیری وغیرہ میں ہے مگر یہ حکم اُس صورت میں ہے جبکہ اقرب کو بالکل ترک کر دے اور ابعد سے طلب شفعہ کرے اور صورت مسئول عنہا میں اقرب بالکلیہ ترک نہیں پایا گیا اس وجہ سے کہ شفیع نے طلب شہاد بائع و مشتری دونوں سے کیا ہے زائد سے زائد یہ ہے کہ اُس نے بائع سے اس خیال کی وجہ سے کہ وہ قابض ہوگا یا اور کسی وجہ سے تقدیم کی اس سے جسقدر تاخیر طلب اشہاد کی مشتری سے لازم آئی وہ مبطل شفعہ نہیں کیونکہ قرائن اسپر قائم ہیں کہ یہ تاخیر بغرض اعراض نہ تھی اور ایسی ہی تاخیر طلب شہاد کی بغرض اعراض نہ ہو مبطل نہیں ہے عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے اما اذا كان هناك مانع والظاهر انه ترك الاشهاد ولا للاعراض فلا يسقط حقه جب کوئی مانع موجود ہو اور بظاہر ترک طلب بغرض اعراض نہ ہو تو اُس کا حق ساقط نہوگا۔ اور یہ بھی لکھا ہے ثم اذا تاخر بعد زمان كما اذا علمه فى الليل فاخر الى الصبح او اقيمت الصلوة ويخاف فوت الصلوة فاخره لا يسقط شفعته پھر اگر کچھ تاخیر کی مثلاً اُسے رات کو معلوم ہوا اور اُس نے صبح تک تاخیر کی یا نماز شروع ہو چکی تھی اور اُسے نماز کے جاتے رہنے کا خوف تھا اس وجہ سے اُس نے تاخیر کی تو شفعہ باطل نہوگا۔ اسکے علاوہ شفیع نے جس وقت طلب مواثبت دو گواہوں کے سامنے کی اُس وقت وہ ایک گھر میں اُنھیں گھر والوں سے موجود تھا جنکی طلب مقصود تھی پس اُسکی یہ طلب دونوں طلبوں کی قائم مقام ہو گئی اور تاخیر اقرب و تقدیم ابعد بھی لازم نہیں آئی عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں فى مبسوط شيخ الاسلام الشفيع انما يحتاج الى طلب الاشهاد بعد طلب المواثبة اذا لم يمكنه الاشهاد عند طلب المواثبة بان سمع الخبر حال غيبة البائع والمشترى والدار اما اذا سمع المشترى عند حضرة هولاء وطلب المواثبة واشهد على ذلك فذلك يكفيه ويقوم مقام الطلبين وايضا قال حتى لو سمع

عند حضرۃ احد من البائع والمشتری وعند الدار وجد عند طلب المواثبۃ واشهد علی ذلک یکفیه ویقوم ذلک مقام الطلبین کذا فی فتاوی الظهیریۃ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے مبسوط میں ہے شفیع کو طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد کی اُس وقت ضرورت ہوتی ہے جب طلب مواثبت کے وقت وہ کسی کو گواہ نہ بنا سکا ہو مثلاً اُسے بائع اور مشتری اور گھر کی عدم موجودگی کے وقت خبر ہو لیکن جب مشتری اُن کی موجودگی میں سُنے اور طلب مواثبت کرے اور اس پر شاہد بنالے تو یہ کافی ہے اور دونوں مطالبوں کا قائم مقام ہے اور یہی لکھا ہے اگر شفیع بائع و مشتری میں سے کسی کی موجودگی میں یا گھر کے پاس سُنے اور طلب مواثبت کرے اور اسپر شاہد بھی بنالے تو یہ دونوں مطالبوں کا قائم مقام ہوگا یہ فتاوی ظہیریہ میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ صورت سوال میں حسب ضوابط شرعیہ طلب مواثبت و استشہاد کا تحقق ہوگیا اور حق شفعہ ثابت ہوگیا اور مشتریہ کے اعتراضات قابل اعتبار نہیں ہیں واللہ اعلم حررہٗ ابو الحسنات محمد عبد الحی عفی عنہ سوال طلب خصومت میں اگر دیر واقع ہو تو حق شفعہ باطل ہوتا ہے یا نہیں جو قول مفتی بہ اور قابل اخذ ہو اُسکو بدلائل و براہین مستندہ کتب مذہب سے بیان فرمائیے ھو المصوب اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمہ اللہ کے نزدیک موافق ظاہر الروایۃ کے شفعہ باطل نہوگا اور ہدایہ اور کافی میں اسی کو مفتی بہ لکھا ہے مگر جماعت کثیرہ محققین حنفیہ رحمہم اللہ نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوی دیا ہے عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے ان ترک ھذا الطلب لغیر عذر لا تبطل شفعته وان طالت المدۃ وعلی قولهما تبطل اذا طالت المدۃ واختلفت الروایۃ عنهما فی طول المدۃ ففی روایۃ عن محمد ثلثۃ ایام وفی اخری الشهر وهو احدی الروایات عن ابی یوسف قال شیخ الاسلام الفتوی الیوم علی قول محمد وهکذا ذکر ایضاً فی الجامع الصغیر لقاضی خان فکان ما اختارہ فی الکتاب ان الفتوی علی قول ابی حنیفة مخالفا الروایات هذہ الکتب اگر یہ مطالبہ بلا کسی عذر کے نہ کیا تو شفعہ باطل نہوگا اگرچہ عرصہ بہت گذر جائے اور صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر جب مدت طویل ہو تو شفعہ باطل ہوجاتا ہے اور طول مدت کے متعلق صاحبین رحمہما اللہ سے مختلف روایتیں ہیں امام محمد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں تین دن ہیں اور دوسری میں ایک مہینہ اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ آجکل فتوی اسی پر ہے قاضی خان کی جامع صغیر میں بھی یہی

لکھا ہے تو کتاب (ہدایہ) میں جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ لکھا ہے وہ ان کتابوں کی روایتوں
کے خلاف ہے۔ اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے قال فی شرح المجمع وفی الجامع الخانی الفتوی علی
قول محمدؒ لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار انتھی وبہ ظھران افتاءھم بخلاف ظاھر الروایۃ
لتغیر الزمان ونظائرہ کثیرۃ وقصد الاضرار فی زماننا کثیر شرح مجمع اور قاضی خان کی
جامع میں ہے کہ آجکل امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ ہے کیونکہ ضرر پہونچانے میں اب لوگوں کے حالات
بدل گئے ہیں انتہی اس سے معلوم ہوگیا کہ ظاہر روایت کے خلاف فتویٰ اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ زمانہ
بدل گیا اسکی مثالیں بکثرت ہیں اور ہمارے زمانے میں ضرر پہونچانا بہت ہے واللہ اعلم عبدالحی عفی عنہ
سوال باوجود قدرت کے اگر شفیع نے بائع یا مشتری یا مبیع کے نزدیک طلب اشہاد نہ کیا تو اسکا
شفعہ باطل ہوگا یا نہیں **جواب** باطل ہوگا عالمگیری میں ہے ثم طلب الاشھاد مقدر
بالتمکن من الاشھاد حتی تمکن من الاشھاد عند حضرۃ واحد من البائع والمشتری
والمبیع ولم یطلب الاشھاد بطلت شفعتہ نفیا للضرر عن المشتری پھر طلب اشہاد موقوف
گواہوں کی قدرت پر پس جب طلب شہادت پر قدرت ہو بائع اور مشتری اور مبیع میں سے کسی ایک کے
حاضر ہونے کے وقت اور طلب اشہاد نہ کرے تو مشتری کو ضرر سے بچانے کے لئے شفعہ باطل ہو جاتا ہے **سوال**
اگر شفیع نے مجلس علم بیع میں طلب شفعہ نہ کیا اور طلب مواثبت فوت ہوگئی تو شفعہ باطل ہوا یا نہیں۔
جواب باطل ہوگیا جامع الرموز میں ہے فان اخر الشفیع احدھما ای الطلبین طلب مواثبۃ
عن المجلس وطلب الاشھاد عن مدۃ التمکن عنہ بطل الشفعۃ الا بعذر مثل غیبۃ مدۃ
السفر پس اگر شفیع نے دونوں طلبوں میں سے ایک کو موخر کر دیا یعنے طلب مواثبت کو مجلس سے اور طلب
اشہاد کو قدرت رکھنے کی مدت سے تو شفعہ باطل ہو جاتا ہے مگر کسی عذر سے مثلاً سفر کی مدت میں
غائب ہونے کی وجہ سے اور عالمگیری میں ہے اما طلب المواثبۃ فھوا نہ اذا علم الشفیع بالبیع
ینبغی ان یطلب الشفعۃ علی الفور واذا سکت ولم یطلب بطلت شفعتہ وھذا روایۃ الاصل
والمشھور من اصحابنا وروی ھشام عن محمد رحمہ اللہ ان طلب فی مجلس العلم فلہ الشفعۃ
والا فلا بمنزلۃ خیار المخیرۃ وخیار القبول لیکن طلب مواثبت یہ ہے کہ جب شفیع کو بیع کا علم ہو تو اسے
فوراً طلب شفعہ کرنا چاہیئے اور اگر چپ رہا اور شفعہ طلب نہ کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور

یہ اصل کی روایت ہے اور جو ہمارے اصحاب سے مشہور ہے اور ہشام نے محمد رحمہ اللہ سے روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ اگر مجلس علم میں مطالبہ کرے تو اسکے لئے شفعہ ہے ورنہ نہیں جیسے خیار مخیرہ اور خیار قبول۔
سوال زید نے عمرو پر آراضی کا دعویٰ کیا اور عمرو نے انکار کیا پھر زید نے اُس آراضی میں سے تھوڑی آراضی لیکر باقی سے ابرار کیا پس شفیع شفعہ کا اُس آراضی میں جو زید نے لی ہے یا اُس آراضی میں جو عمرو کے قبضہ میں ہے دعوے کرسکتا ہے یا نہیں۔ جواب نہیں کیونکہ بیع اور معاوضہ کی صورت متحقق نہیں ہے اسلئے زید نے جو آراضی لی ہے اپنے خیال کے موافق اپنا حق لیا ہے اور باقی سے اُس نے ابرار کرکے جس طرح وہ عمرو کے قبضے میں تھی چھوڑ دی تنویر الابصار میں ہے وھی تملیك البقعة جبرا علے المشتری بما قام علیہ شفعہ جبراً کسی چیز کے مالک ہونے کو کہتے ہیں اس طرح پر کہ جو قیمت مشتری نے دی ہے وہ شفیع مشتری کو دیدے۔ اور درمختار میں ہے صالح من بعض ما یدعیہ ای عین یدعیھا لم یصلکان ما قبضہ من عین حقہ الا بزیادۃ شئ آخر کثوب ودرھم فی البدل فیصیر ذلك عوضا عن حقہ فیما بقی او یلحق بہ الابراء عن دعوی الباقی اگر بعض اُس چیز پر جس کا دعویٰ کیا ہے صلح کرلی تو حق شفعہ ثابت نہوگا کیونکہ جسپر وہ قابض ہے عین اُسکا حق ہے مگر کسی شے کی زیادتی کے ساتھ جیسے کپڑا اور روپیہ کسی چیز کے بدل میں پس یہ روپیہ اور کپڑا اُس حق کا عوض ہونگے جو اُس کا باقی رہگیا ہے باقی کے دعوی سے ابرار لاحق ہوجائیگا سوال۔ استغاثہ کی عرضی میں جو پہلے پیش کی ہے اسکا ذکر نہ تھا کہ شفیع نے طلب اشہاد کیا ہے پس اُسکا دعویٰ قابل سماعت ہے یا نہیں۔
جواب جو استغاثہ کی عرضی پہلے مجملاً پیش کی اُس میں طلب اشہاد کا ذکر ضروری نہیں ہے البتہ قاضی کے سامنے تصحیح دعوے کے وقت طلب اشہاد کا بیان کرنا ضروری ہے۔ زیلعی نے لکھا ہے فاذا قال الشفیع انا شفیعھا وبین سببا صالحا ولم یکن محجوبا بغیرہ سألہ القاضی انہ متی علم وکیف صنع حین علم لانھا تبطل بطول الزمان وبالاعراض وبما یدل علیہ فلا بد من کیفیۃ ذلك فاذا بین ذلك سألہ عن طلب التقریر کیف کان وعند من اشھد واھل کان الذی اشھد علیھا اقرب من غیرہ ام لا علے الوجہ الذی بیناہ فاذا بین ذلك کلہ ولم یخل بشئ من شروط تم دعواہ واقبل علے المدعی علیہ جب شفیع کہے کہ میں اُسکا شفیع ہوں اور صحیح سبب بیان کرے اور کسی غیر کی وجہ سے وہ محجوب نہوتا

ہو تو قاضی اُس سے پوچھے گا کہ اُسے کیونکر معلوم ہوا اور جب اُسکو معلوم ہوا تو اُس نے کیا کیا کیونکہ شفعہ طول زمانہ اور انکار پر دلالت کرنیوالی چیز سے باطل ہو جاتا ہے پھر جب وہ اسے بیان کرے تو اُس سے قاضی طلب تقریر کا سوال کریگا کہ کیونکر تھی اور کس کے سامنے گواہ بنایا اور جس کے سامنے گواہ بنایا وہ غیر سے قریب تھا یا نہیں جس طریقے سے ہم نے بیان کیا ہے پھر جب وہ ان تمام باتونکو بیان کر چکے اور کوئی خلل اُسکی شرط میں نہو تو اُسکا دعوے تمام ہوا اور مدعی علیہ کو اُسکا اقبال لازم ہوگا سوال کوچہ غیر نافذہ میں ایک گھر ہے جس میں چند آدمی شریک ہیں اور اُس میں ایک کوٹھری ہے جو دو آدمیوں میں مشترک ہے اُن میں سے ایک نے اپنا حصہ بیچا پس کس کو شفعہ کا حق حاصل ہے جواب کوٹھری کا شریک مقدم ہے اگر اُس نے اپنے شفعہ کو چھوڑ دیا تو بڑے گھر کے شریک کو حق شفعہ حاصل ہے عالمگیری میں ہے بیت فی دار فی سکۃ غیر نافذۃ والبیت لاثنین والدار لقوم فباع احد الشریکین نصیبہ من البیت فالشفعۃ اولا للشریک فی البیت فان سلم فلشریک الدار کوچہ غیر نافذہ کے ایک گھر میں ایک کوٹھری ہے اور گھر کئی آدمیوں کا ہے اور کوٹھری کے دو شریک ہیں پس کوٹھری میں ایک شریک نے اپنے حصے کو بیچا تو پہلے کوٹھری کے شریک کو شفعہ حاصل ہے اگر وہ انکار کرے تو گھر کے شریک کو شفعہ حاصل ہے سوال اگر شفیع نے بیع کی خبر پانے کے بعد مشتری سے بیع کی خریداری کی گفتگو کی یا مشتری سے مبیع کو اجارہ پر لیا یا اور کوئی ایسی بات کی جو تسلیم شفعہ پر دلالت کرتی ہے تو شفعہ باطل ہوگا یا نہیں جواب باطل ہوگا فتاوی عالمگیری میں ہے وما یبطل بہ حق الشفعۃ بعد ثبوتہ نوعان اختیاری وضروری والاختیاری نوعان صریح ودلالۃ اما الدلالۃ فھوان یوجد من الشفیع ما یدل علی رضاہ بالعقد وحکمہ للمشتری کما اذا علم بالشراء فترک الطلب علی الفور من غیر علم او قام عن المجلس وتشاغل عن الطلب بعمل اٰخر علی اختلاف الروایتین وکذا اذا ساوم الشفیع الدار من المشتری وسالہ ان یولیہ ایاہ او استاجرھا الشفیع من المشتری واخذ مزارعۃ ومعاملۃ وذلک کلہ بعد العلم ھکذا فی البدائع صرف دو قسموں ہیں حق شفعہ کے ثبوت کے بعد حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے اختیاری اور ضروری اختیاری کی دو قسمیں ہیں صریح اور دلالت لیکن دلالت پس شفیع سے اُس چیز کا پایا جانا ہے جو عقد کی رضامندی پر دلالت کرے جیسے جس وقت اُسکو شرا کا علم ہو وہ اُسی

وقت مطالبہ کو ترک کردے بغیر علم کے یا مجلس سے کھڑا ہو جائے یا مشتری سے گھر خریدے یا اُس سے
اس امر کی درخواست کرے کہ وہ اُسکو مکان کا والی کردے یا شفیع مشتری سے مبیع کو اُجرت پر
یا کھیتی کرنے کے لئے لے یا اور معاملہ کے لئے لے اور یہ سب کے علم کے بعد ہوں اسیطرح بدائع میں ہے
سوال مشتری اور عقار مبیع وہیں ہے جہاں شفیع نے بیع کی خبر پائی ہے اور بائع دوسرے دیہات میں ہے
اور شفیع نے نہ عقار پر طلب اشہاد کیا نہ مشتری کے پاس اور باوجود قرب کے ان دونوں کو چھوڑ
کر بائع کے پاس جاکر جو دور ہے طلب اشہاد کیا تو شفعہ باطل ہوگا یا نہیں **جواب** باطل ہوگا
عالمگیری میں ہے فان ترک الاقرب من ھذہ الثلثۃ وذھب الی الابعد ان کان الکل فی
مصر واحد لا تبطل شفعتہ استحسانًا وان کان الابعد فی مصر اخر او فی قریۃ من قری ھذا
المصر بطلت شفعتہ اگر شفیع نے بائع مشتری مبیع تینوں میں سے اقرب کو ترک کیا اور ابعد کے
پاس گیا جبکہ سب ایک ہی شہر میں تھے تو استحسانًا شفعہ باطل نہوگا اور اگر ابعد دوسرے شہر میں
یا اس شہر کے کسی گاؤں میں تھا اور شفیع ابعد ہی کے پاس گیا تو شفعہ باطل ہو جائیگا **سوال**
شفیع کو اُسی قیمت پر مبیع لینا چاہیئے جو بیعنامہ میں لکھی ہے یا اُس قیمت پر جو بائع اور مشتری کے
علاوہ دوسرے لوگ مبیع کی قیمت لگائیں **جواب** اس میں نہ تجویز ثالثان کو دخل ہے نہ تحریر بیعنامہ
کو بلکہ بائع اور مشتری کے درمیان میں جو قیمت اُسکی قرار پائی ہو اُسی قیمت پر شفیع کو لینا چاہیئے تنویر الابصار
میں ہے ھی تملیک البقعۃ جبرًا علی المشتری بما قام علیہ شفعہ جبرًا کسی چیز کے مالک ہونے کو کہتے
ہیں اس طرح پر کہ جو قیمت مشتری نے دی ہے وہ شفیع مشتری کو دیدے۔ **سوال** ایک شفیع نے دوسرے
شفیع کو اپنی طرف سے حق شفعہ حاصل کرنے کے لئے وکیل کیا اور وکیل نے اپنے موکل کی طرف سے شفعہ
طلب کیا پس وکیل کا حق شفعہ اس صورت میں باطل ہوگا یا نہیں **جواب** باطل ہوگا عالمگیری میں ہے
ان وکل رجل الشفیع ان یأخذ الدار لہ بالشفعۃ فاظھر الشفیع ذلک فلیس لہ ان یاخذھا
لان طلبہ لغیرہ تسلیم منہ للشفعۃ فانما یطلب البیع من الموکل ولو طلب البیع لنفسہ
کان بہ مسلمًا للشفعۃ فاذا طلبھا لغیرھا کان اولی ایک شخص نے اپنا حق شفعہ طلب کرنے کے
لئے ایسے شخص کو وکیل بنایا جسکو خود بھی حق شفعہ حاصل تھا اور اُس نے اس بات کو ظاہر کردیا
کہ میں اُسکا وکیل ہوں تو اب اُسے اسکا حق نہیں رہا کہ خود اُس چیز کو لے کیونکہ دوسرے کے لئے

شفعہ کا طلب کرنا اُسکے شفعہ کا تسلیم کر لینا ہے اب اُسے صرف یہی حق ہے کہ اپنے موکل کی جانب سے بیع کا مطالبہ کرے اور اگر اپنے لیے بیع کا مطالبہ کریگا تو وہ شفعہ سے دست بردار ہو جائیگا پس اگر دوسرے کے لئے مطالبہ کرے تو بوجۂ اولی اپنے شفعہ سے دست بردار ہوگا **سوال** اگر بیع اسباب کے عوض میں ہوئی ہو تو شفیع کس چیز کے عوض میں لے **جواب** اسباب کی قیمت دیکے بیع کو لے۔ ہدایہ میں ہے ومن اشتری دارا بعرض اخذ ہا الشفیع بقیمتہ لانہ من ذوات القیم اگر کسی نے اسباب کے عوض میں مبیع کو بیچا تو شفیع اسباب کی قیمت دے کے لے کیونکہ وہ ذوات قیم میں سے ہے **سوال** اگر زید نے اپنا مکان عمرو کے نام ہبہ بالعوض کیا تو شفیع دعوے کر سکتا ہے یا نہیں **جواب** کر سکتا ہے کیونکہ ہبہ بالعوض بیع کے حکم میں ہے ابتداءً اور انتہاءً بھی ہدایہ میں ہے واذا ملك العقار بعوض ھو مال وجبت فیہ الشفعۃ اور جب عقار کا مال کے عوض میں مالک ہوا تو اُس میں شفعہ واجب ہے۔ **سوال** اگر زید نے اپنی زمین کے حصہ کو بشرط عوض ہبہ کیا اور طرفین کا قبضہ بھی عمل میں آگیا تو شفیع شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہے یا نہیں **جواب** کر سکتا ہے کیونکہ ہبہ بشرط عوض قبضۂ طرفین کے بعد بیع کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ برجندی نے لکھا ہے فاذا تقابضا وتم العقد صح وصار فی حکم البیع فیرد بالعیب وخیار الرؤیۃ ویثبت الشفعۃ ان کان احد العوضین عقارا یعنے جب اُن دونوں نے قبضہ کیا اور عقد تمام ہوگیا تو صحیح ہے اور وہ بیع کے حکم میں ہے پس عیب اور خیار رویت کی وجہ سے مبیع لوٹائی جا سکتی ہے اور شفعہ ثابت ہوگا جب دونوں عوضوں میں سے ایک عقار ہو **سوال** ہبہ بشرط عوض اسقاط حق شفعہ کا حیلہ ہو سکتا ہے یا نہیں **جواب** نہیں حموی نے اشباہ میں لکھا ہے اما اذا کانت الھبۃ بشرط العوض ففیہ اختلاف الروایتین ففی ظاہر الروایۃ انہا بمعنی البیع ویثبت للشفیع فیہا حق الشفعۃ وفی النوادر انہا لیست فی معنی البیع وفی بعض المواضع ذکر الخلاف بین ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ واذا کان فی المسألۃ اختلاف او خلاف لا تصح حیلۃ لابطال الشفعۃ کذا فی التاتارخانیۃ مگر جبکہ ہبہ بشرط عوض ہو پس اس میں دو روایتوں کا اختلاف ہے پس ظاہر روایت میں وہ بیع کے معنے میں ہے اور شفیع کے لئے اس میں حق شفعہ حاصل ہے اور نوادر میں ہے کہ وہ بیع کے معنے میں نہیں ہے اور بعض مواضع میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے درمیان خلاف واقع ہے اور جب مسئلہ میں اختلاف یا خلاف ہو تو ابطال شفعہ کے لئے کوئی حیلہ صحیح نہیں ہے

یہ تاتارخانیہ میں ہے **سوال** جار ملاصق کسے کہتے ہیں **جواب** جار ملاصق یہ ہے کہ اُسکی مملوکہ زمین حقیقۃً یا حکماً مبیع کے متصل ہو اور مبیع اور جار دونوں کے مرور کا راستہ شارع عام کیجانب ہو عام اس سے کہ ایک کا دروازہ ایک گلی میں اور دوسرے کا دروازہ دوسری گلی میں ہو مثلاً پشت زمین جار پشت مبیع کی جانب ہو پس اگر گھر میں سے کوئی کوٹھری بیچی تو جار ملاصق مبیع اور ملاصق منتہائے دار حق شفعہ میں برابر ہیں اگرچہ ان دونوں میں سے ایک ملاصق حقیقی اور دوسرا ملاصق حکمی ہے **سوال** اگر ایک شخص نے اپنا مملوکہ پنج منزلہ مکان جو کوچۂ غیرنافذہ میں واقع ہے ایک عقد میں بیچا اور شفیع جار محض ایک منزل مکان کا جار ہے پس اُسکو اس منزل میں طلب شفعہ پہونچتا ہے یا نہیں **جواب** پہونچتا ہے. فتاوی قاضی خاں میں ہے رجل له خمس منازل فی سکة غیرنافذة فباع هذه المنازل فطلب الشفیع الشفعة فی منزل واحد فهذا ان طلب الشفعة بحق الشركة فی الطریق لم یکن له ان یاخذ البعض لما فیه من تفریق الصفقة من غیر ضرورة وان طلب الشفعة بالجوار وجواره فی هذا المنزل لا غیر کان له ذلك لانه جار بهذا الواحد خاصة ایک شخص کے پاس پانچ منزلہ مکان کوچۂ غیرنافذہ میں ہے اُس نے اُن سب منزلوں کو بیچا پس شفیع نے ایک منزل کے لئے شفعہ پیش کیا تو اگر شفعہ اس امر پر پیش کیا ہے کہ وہ منزل راستہ میں ہے جو مشترک ہے تو بعض منازل کا لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بلا ضرورت تفریق عقد ہے اور اگر اس لئے شفعہ پیش کیا ہے کہ اُسکا پڑوس اسی منزل سے ہے اور کسی منزل سے نہیں ہے تو اس ایک کے لیے شفعہ جائز ہے کیونکہ وہ صرف اسی ایک کا جار ہے **سوال** اگر زید نے آراضی کے دس قطعے یا چھ گانوں ایک عقد میں بیچے اور پڑوسی ایک قطعہ یا ایک گانوں کا شفیع ہے تو اُس شفیع کو اسی قطعے یا اُسی گانوں میں شفع کا حق حاصل ہے یا نہیں **جواب** شفعہ حاصل ہے قنیہ میں ہے اشتری عشرة اقرحة مثلا زقة والشفیع انما یمازق بعضها فلا له الا فیما یلازقه وکذلك القریة وکذلك الاراضی لان السبب یخصه وان کان فیه تفریق الصفقة علی المشتری ایک شخص نے دس قطعے جو ملے ہوئے ہیں خریدے تو شفیع کو اُس قطعے پر حق شفعہ حاصل ہے جو اُس سے ملا ہوا ہے اور اسی طرح قریہ اور آراضی اس لیے کہ سبب اُسی کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ مشتری پر عقد میں تفریق لازم آتی ہے **سوال** زید کے

دو مکان ہیں ایک بنارس میں اور دوسرا جونپور میں اس نے دونوں کو ایک عقد کے ساتھ بیچا اور بکر دونوں مکانوں کا پڑوسی ہے پس کیا بکر ایک مکان کے حق شفعہ کا دعوے کرسکتا ہے جواب اگر چاہے تو بکر حق شفعہ میں دونوں مکانوں کو لے سکتا ہے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کو لے اور دوسرے کو نہ لے قنیہ میں ہے اذا اشتری دارین احدہما بالشام والاخری بالعراق شفیعہما واحد یاخذ ہما او یترکہما لان فیہ تفریق الصفقة علی المشتری مع شمول السبب لہما جب دو گھر خریدے جن میں سے ایک شام میں اور دوسرا عراق میں ہے اور ان دونوں گھروں کا شفیع ایک ہی شخص ہے تو اُسکو اختیار ہے چاہے دونوں کو لے یا دونوں کو چھوڑ دے اس لئے کہ اس میں عقد کی تفریق ہے مشتری پر باوجود شمول سبب کے اُن دونوں کے لیے سوال ایک زمین پہلے زید اور عمرو میں مشترک تھی پھر اُس کے بیچ میں دونوں نے ایک دیوار بنائی اُسکے بعد یوں تقسیم کی کہ دیوار کی ایک طرف کی زمین زید نے لی اور دوسری طرف کی زمین عمرو نے اور دیوار اور جتنی زمین پر دیوار ہے وہ ابتک اسی طرح مشترک ہے اب عمرو نے اپنی مملوکہ زمین بیچڈالی تو زید کون شفیع کہلائیگا۔ جواب شفیع شریک فی بعض المبیع کہلائیگا۔ عالمگیری میں ہے تکون ارض بین اثنین غیر مقسومة بنیا فی وسطہا حائطا ثم اقتسما الباقی فیکون الحائط وما تحت الحائط من الارض مشترکا بینہما فکان ہذا الجار شریکا فی بعض المبیع یعنے ایک زمین دو آدمیوں میں مشترک تھی پھر اُن دونوں نے اُس زمین کے وسط میں ایک دیوار بنائی پھر باقی زمین آپسمیں اس طرح بانٹ لی کہ دیوار اور جتنی زمین پر دیوار ہے وہ دونوں میں مشترک ہے پس یہ پڑوسی شریک فی بعض المبیع کہلائیگا۔ سوال اگر زید اور عمرو نے مشترک زمین تقسیم کرلی اور حد فاصل خط کھینچدیا تو ہر ایک دوسرے کے لئے کون شفیع کہلائیگا جواب شفیع جار کہلائیگا عالمگیری میں ہے۔ اما اذا اقتسما الارض وخطا خطا فی وسطہا ثم اعطے کل منہما شیئا حتی بنیا حائطا فکل منہما جار لصاحبہ فی الارض شریک فی البناء لاغیر جب زمین کو آپس میں تقسیم کرلیا اور اُسکے وسط میں خط کھینچ دیا پھر دونوں نے تھوڑی تھوڑی زمین دی اور اُس پر دیوار بنوائی پس ہر ایک اپنے ساتھی کا زمین میں جار ہے اور صرف بناء میں شریک ہے سوال اگر سرکاری زمین پر دو شخصوں نے ملکر عمارت بنائی پھر ایک نے اپنا حصہ بیچ ڈالا تو دوسرے کو حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں جواب۔ نہیں۔ عالمگیری میں ہے والشرکة فی البناء لا توجب

الشفعہ بنا میں شرکت شفعہ کو واجب نہیں کرتی. **سوال** شفیع نے خبر پائی کہ مشتری زید ہی وہ چپ رہا پھر معلوم ہوا کہ مشتری بکر ہے اب وہ شفعہ کا دعوی کرسکتا ہے یا نہیں **جواب** کرسکتا ہے عالمگیری میں ہے اذا قیل لہ ان المشتری فلان فسلم الشفعۃ ثم علم انہ غیرہ فلہ الشفعۃ جب شفیع سے کہا گیا کہ مشتری فلان ہے اور وہ شفعہ سے ساکت رہا پھر جانا کہ مشتری دوسرا ہے تو اُسکے لئے حق شفعہ ہے **سوال** اگر ایک درجے کے کئی شفیعوں میں سے ایک اپنے حق درگذر کرے تو اُسکا حق کسکو پہونچتا ہے **جواب** باقی کو کل مبیع میں بحصہ مساوی پہونچتا ہے ہدایہ میں ہے واذا اجتمع الشفعاء فالشفعۃ بینہم علی عدد رؤسہم ولو اسقط بعضہم حقہ فہی للباقین فی الکل علی عددہم اور جب بہت سے شفیع ہوں تو سب کو حق شفعہ ہے اور اگر اُن میں سے بعض اپنا حق ساقط کردیں تو باقی لوگوں کے لیے حق شفعہ ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الرہن

سوال شئے مرہون کا نفقہ راہن پر ہے یا مرتہن پر **جواب** راہن پر ہے ہدایہ میں ہے ونفقۃ الرہن علی الراھن رہن کا نفقہ راہن پر ہے **سوال** رہن کا نفع کسکا حق ہے **جواب** راہن کا حق ہے لیکن اگر مرتہن کو راہن خوشی سے انتفاع کی اجازت دی تو کچھ حرج نہیں ہے اور اگر عقد رہن میں اُسکو شرط کرے تو سود ہو جائیگا ہدایہ میں ہے ولیس للمرتھن ان ینتفع بالرھن لا باستخدام ولا بسکنی ولا لبس الا ان یاذن لہ المالک مرتہن کو رہن سے خدمت لینا یا مکان مرہون میں رہنا یا لباس مرہون کو پہننا جائز نہیں ہے مگر جب مالک اجازت دیدے۔ اور سراج منیر میں ہے ولو اباح للمرتھن اکل ثمار البستان او لبن الشاۃ فلا باس بہ ان لم یکن مشروطا بہ والا صار قرضا فیہ منفعۃ فیکون ربوا کما فی الجواھر اگر مالک مرتہن کے لئے اس بات کو مباح کردیا کہ وہ باغ کے پھل کھائے یا بکری کا دودھ پیے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے اگر عقد میں یہ شرط نہو ورنہ یہ نفع کی خاطر قرض دینا ہو جائیگا جو سود ہے جیسا کہ جواہر میں ہے **سوال** اجازت دینے کے بعد راہن انتفاع سے ممانعت کرسکتا ہے یا نہیں **جواب** کرسکتا ہے سراج منیر میں ہے ولو اذن الراھن

له بانتفاع ثم یحقی عنه فله ذلك لانه متبرع وللمتبرع ان یمنع عن التبرع اگر راہن نے نفع اٹھانے کی اجازت دی پھر منع کر دیا تو اُسے اسکا حق ہے کیونکہ وہ متبرع ہے اور متبرع تبرع سے روک سکتا ہے سوال رہن مشاع صحیح ہے یا نہیں جواب نہیں در مختار میں ہے ولا یصح رھن مشاع مطلقا مقارنا او طاریا رہن مشاع مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے ولو استحق بعض الرھن مشاعا بطل الرھن فی الباقی اتفاقا لانه شیوع مقارن کذا ذکرہ الامام خواھرزادہ فی المبسوط رہن میں کسی اور کا بھی حق نکلنے کی وجہ سے مشترک ہو گیا تو جسقدر راہن کا حصہ باقی ہے اُس میں بھی بالاتفاق رہن باطل ہو جائیگا یہ امام خواہرزادہ رحمہ اللہ نے مبسوط میں لکھا ہے سوال خراج اراضی مرہونہ راہن پر ہے یا مرتہن پر جواب راہن پر ہے ہدایہ میں ہے والخراج علی الراھن خاصة لانه من مؤن الملك خراج راہن پر ہے کیونکہ ملکیت کا بار ہے سوال رہن کا نفع جبکہ راہن مرتہن کو مباح کرے جائز ہے یا نہیں۔ جواب مکروہ ہے اشباہ میں ہے ویکرہ للمرتھن الانتفاع بالرھن باذن الراھن مرتہن کو راہن کی اجازت سے رہن کا نفع لینا مکروہ ہے۔ اور قنیہ میں ہے عن ابی یوسف المرتھن سکن الدار المرھونة باذن الراھن یکرہ واطلق فی الصرف انه یکرہ والاحتیاط فی الاجتناب عنه لما فیه من شبهة الربوا امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مکان مرہون میں اُس شخص کا رہنا جس کے پاس رہن رکھا گیا ہے رہن رکھنے والے کی اجازت سے مکروہ ہے اور صرف میں اُسکو مطلقاً مکروہ لکھا ہے احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے کیونکہ یہاں سود کا شبہ ہے اور حموی نے حاشیہ اشباہ میں لکھا ہے فی الجامع لمجد الائمة عن عبد اللہ بن محمد بن اسلم انه لا ینفع بشیء منه وان اذن له الراھن لانه اذن فی الربوا لانه یستوفی دینه فتکون المنفعة ربوا مجد الائمہ رحمہ اللہ کے جامع میں عبد اللہ بن محمد بن اسلم رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ جو چیز رہن رکھی گئی ہے اُس سے نفع نہ اُٹھانا چاہیئے اگرچہ رہن رکھنے والا اجازت بھی دیدے کیونکہ یہ اجازت سود لینے کی اجازت ہے اسلئے کہ وہ اپنا پورا قرض واپس لیگا پس یہ نفع سود ہوا واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ سوال خالد نے اپنا ایک باغ یا ایک اراضی ولید کے پاس رہن رکھی اور خالد نے اُس باغ کی فصل یا اُس اراضی کا منافع ولید کو اُس روپے کے عوض میں مباح کر دیا ہے

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا منافع جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں ہی تو اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے جواب ایسا منافع ناجائز ہے طحطاوی نے حواشی درمختار میں لکھا ہی فی شرح المتلقی نہ یحرم الانتفاع بلا اذن ویباح باالاذن ویکرہ کما فی المضمرات وغیرہا شرح ملتقی میں ہی بلا اجازت نفع اُٹھانا حرام ہے اور باجازت مکروہ ہے یہ مضمرات وغیرہ میں ہی اور بھی اسی کتاب میں ہے والغالب من احوال الناس نھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع عام طور پر لوگوں کا حال یہ ہی کہ جب وہ قرض دیتے ہیں تو اُس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں یہانتک کہ اگر نفع نہو تو وہ روپیہ قرض نہ دیں اور یہ بمنزلہ شرط کے ہوگیا ہی کیونکہ مشہور چیز مثل شرط کے ہوتی ہی اور یہ امر ممانعت کی تائید کرتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر راہن اجازت نہ دے تو مرتہن کو شئے مرہون سے نفع لینا حرام اور اگر اجازت دے تو مکروہ تحریمی خصوصًا جبکہ مشروط ہو یا مشروط کے حکم میں ہو جیسا کہ اس زمانے میں دستور ہے کہ بعض تو ایسے معاملے کے وقت راہن سے اذن کی شرط کر لیتے ہیں اور رہن نامہ میں لکھوا لیتے ہیں اور بعض صاحب احتیاط اگرچہ بظاہر شرط نہیں کرتے ہیں لیکن اُنکا مقصود یہی ہوتا ہے یہان تک کہ اگر اُنکو یہ معلوم ہو جائے کہ راہن منافع یا فصل وغیرہ کی اجازت نہ دیگا تو کبھی رہن نہ لیں یہ صورت حکما مشروط ہے اور ایسی صورت سے حدیث میں بھی ممانعت وارد ہے۔تاریخ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقرض احدکم فلا یاخذ ھدیتہ کذا فی اغاثۃ اللھفان حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہی کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی کچھ قرض دے تو قرضدار کا ہدیہ نہ لے یہ اغاثۃ اللھفان میں ہی۔اور بھی اُسی میں ہے فی صحیح البخاری عن ابی بردۃؓ عن ابی موسیٰ قال قدمت المدینۃ فلقیت عبد اللہ بن سلامؓ فقال لی انک بارض الربوا فیھا فاش فاذا کان لک علی رجل حق فاھدی الیک حمل شعیر فلا تاخذہ فانہ ربوا وجاء ھذا المعنے عن ابن مسعود وابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنھم اجمعین صحیح بخاری میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں مدینہ

میں گیا تو عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی انھوں نے کہا کہ تم ایسی جگہ ہو جہاں سود کی کثرت ہی پس اگر کسی کے اوپر تمہارا کچھ حق ہو اور وہ تمہارے پاس ایک بورا جو بھیجے تو تم اُسے نہ لو کیونکہ یہ سود ہے اور یہی بات حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عطار رحمہ اللہ سے مروی ہے کانوا ای الصحابۃ یکرھون کل قرض جر بہ منفعۃ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہر اُس قرض کو مکروہ سمجھتے تھے جس میں کوئی نفع ہو۔ اور مسند حارث ابن اسامہ میں حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ سے مروی ہے کل قرض جر بہ نفعًا فھو ربوا ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے ربوا ہے ان احادیث نبویہ علی صاحبہا السلام والتحیہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوا کہ قرض دینے والے کو اُس شخص کا کسی قسم کا ہدیہ لینا جسے قرض دیا ہے یا اُس سے کسی قسم کی منفعت حاصل کرنا مکروہ تحریمی ہے گو اُس شخص کی رضا و رغبت سے بھی ہو اور یہ جو بعض کتب حنفیہ میں مرقوم ہے کہ مرتہن کو باذن راہن نفع لینا جائز ہے اُسکا مقصد یہ ہے کہ جب اذن خالص ہو اور اُس میں شرط کا شائبہ نہ ہو نہ عبارت میں نہ دل میں تو جائز ہے اور جب دل میں خیال آگیا جیسا کہ فی زماننا ہے تو وہ حکم ربوا میں داخل ہو جائے گا اس کے علاوہ جہاں ایک جماعت فقہائے اذن راہن کی صورت میں اسکو جائز کہا ہے وہاں فقہا کے ایک گروہ نے اُسکو ناجائز بھی کہا ہے طحطاوی کی عبارت اس پر شاہد ہے اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے لیس للمرتھن ولا للراھن ان یزرع الارض ولا یواجرھا لانہ لیس لھما الانتفاع بالرھن جسکے پاس رہن رکھا جائے یا جو رہن رکھے ان میں سے کسی کو زمین پر زراعت کرنے اور کرایہ پر دینے کا حق نہیں ہے کیونکہ ان میں سے کسی کو رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قنیہ میں جامع التفاریق سے منقول ہے عن ابی یوسف المرتھن سکن الدار باذن الراھن یکرہ یعنے ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جس کے پاس مکان رہن رکھا گیا ہو وہ اگر باجازت راہن اُس مکان میں رہے تو مکروہ ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے الحاصل ان المرتھن لا ینتفع بالرھن سواء اذن لہ الراھن او لم یاذن وفی النھر یکرہ للمرتھن الانتفاع بالرھن وان اذن لہ الراھن کذا فی المعدان حاصل یہ ہے

کہ مرتہن کو رہن سے نفع نہ اُٹھانا چاہیئے چاہے اُسے راہن اجازت دے یا نہ دے اور تہذیب میں ہے
کہ مرتہن کو رہن سے نفع اُٹھانا مکروہ ہے اگرچہ راہن اجازت بھی دیدے یہ معدن میں ہے
اور حواشی اشباہ میں ہے فی الجامع للمجد الائمۃ عن عبد اللہ بن محمد بن اسلم انہ لا یحل
لہ ان ینتفع بشئ منہ وان اذن لہ الراھن لانہ اذن فی الربوا لانہ یستوفی دینہ فیکون
المنفعۃ ربوا مجد الائمہ رحمہ اللہ کے جامع میں عبد اللہ بن محمد بن اسلم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے
کہ جو چیز رہن رکھی گئی ہے اُس سے نفع نہ اُٹھانا چاہیئے اگرچہ رہن رکھنے والا اجازت بھی دیدے
کیونکہ یہ اجازت سود لینے کی اجازت ہے اسلئے کہ وہ اپنا پورا قرض واپس لیگا پس یہ نفع سود ہوا
اور اشباہ میں ہے یکرہ للمرتھن الانتفاع بالرھن باذن الراھن جس کے پاس چیز رہن رکھی
گئی ہو اُسے اُس چیز سے رہن رکھنے والے سے اجازت لیکر بھی فائدہ حاصل کرنا مکروہ ہے اور زیادہ
تحقیق اس مسئلہ کی میرے رسالہ الفلک المشحون فیما یتعلق بانتفاع المرتھن بالمرھون میں موجود ہے
سوال زید نے اپنا ایک نوٹ عمرو کے پاس اس غرض سے رکھدیا ہے کہ عمرو زید کو اُسکا منافع دیا کرے پس
یہ منافع جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں ہے تو کیوں کیا یہ بھی سود میں داخل ہے جواب یہ منافع صریح
سود اور حرام ہے کیونکہ نوٹ اگرچہ بظاہر کاغذ ہے مگر بحسب استعمال وہ روپیہ ہے اسی وجہ سے اگر
کسی کا دس روپیہ کا نوٹ کسی کے پاس سے ہلاک ہو جاتا ہے تو نوٹ کا مالک اُس سے دس
روپیہ بھر لیتا ہے نہ اُس کاغذ کی قیمت جو شاید ایک پیسہ ہو پس نوٹ کا رکھنا بعینہ روپیہ
کا رکھنا ہے اور اُسکا نفع لینا حرام قطعی ہے واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ سوال ہندہ نے
زید نابالغ سے ایک ہزار پانسو روپیہ قرض لیکر اپنا مکان دو مہینہ کی میعاد پر اُس کے پاس گرو رکھا
زید نے اُسپر کامل قبضہ بھی نہیں پایا کیونکہ ہندہ کا تمام اسباب اسی مکان میں ہے بلکہ خود ہندہ اُسی
مکان میں رہتی ہے اسکے بعد زید نے مکان مذکورہ عمرو پسر ہندہ کو سوا گیارہ روپیہ ماہواری پر
کرایہ کو دیا کرایہ پر لینے کے وقت عمرو کے یہ الفاظ تھے کہ میں نے فلاں کے مکان کو زید سے اتنے
ماہوار پر کرایہ کو لیا اور انفکاک رہن تک یہ مقررہ کرایہ ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا اور ایک اقرارنامہ
اس مضمون کا لکھدیا کہ میں دو مہینے کے اندر جو میعاد رہن نامہ میں لکھی ہے موضع منی کو مکان کے
بدلے میں مرتہن کے پاس رہن کرا دونگا ورنہ ایک سال کا روپیہ کرایہ جو ایک سو پینتیس ہوتا ہے

سے اپنے پاس سے مرتہن کو دوں گا مگر عمرو نے اُس مکان میں ایک دن بھی سکونت نہیں اختیار کی بلکہ اپنے
ہی مکان میں رہا جو اُسی محلہ میں ہے اور نہ وہ مکان خالی تھا کیونکہ ہندہ مالکہ راہنہ اُسی میں رہتی ہے
اور عمرو اپنے اقرار کو بھی پورا نہ کرسکا جو اُس نے کیا تھا کہ میں اُس مکان کے بدلے میں موضع منی
کو دو مہینہ کے اندر زید کے پاس رہن کرادوں گا کیونکہ فک رہن کا وقوع گیارھویں مہینے میں
ہوا اور اس مدت میں بلکہ اسکے بعد بھی مُدت تک عمرو نے ایک پیسہ بھی کرایہ کا زید کو نہیں
دیا اور نہ زید نے اُس سے مانگا اب ساڑھے چار برس کے بعد زید نالشی ہوا ہے کہ اس وقت تک
مکان عمرو کے پاس کرایہ پر ہے اور اُس نے مجھے کچھ نہیں دیا ہے لہذا اتنے زمانے کا کرایہ مجھے
دلایا جائے جو پانسو چھ روپیہ چار آنہ ہوتے ہیں عمرو زید کے جواب میں کہتا ہے کہ زید کے کم عمر ہونے
کی وجہ سے عقد رہن صحیح نہیں ہوا اور چونکہ مکان کے عوض میں موضع منی زید کے پاس رہن کردیا
گیا لہذا مکان رہن نہیں رہا جب مکان کا رہن ہی باطل ہوگیا تو کرایہ اور کرایہ نامہ بھی باطل
ہوگیا کیونکہ زید کو مکان کے کرایہ کا استحقاق اُسی وقت رہتا جب مکان اُسکے پاس رہن رہتا زید
اُسکے جواب میں کہتا ہے کہ بیشک میں اُس وقت میں نابالغ تھا مگر میرے باپ نے میرے مال سے میرے
نفع کے لیے اس مکان کو رہن لیا تھا اور پھر میرے ہی فائدہ کے لیے میرے باپ نے وہ مکان میری
طرف سے عمرو کو کرایہ پر دیا تھا حاکم دیوانی نے اقرار نامہ اور کرایہ نامہ کی بنا پر یہ فیصلہ کیا کہ جبتک
مکان رہن سے نہیں چھوٹا تھا اور موضع منی اُسکے بدلے میں رہن نہیں ہوا تھا اس وقت تک وہ مکان
عمرو کے پاس کرایہ پر تھا اور چونکہ مکان گیارہ مہینے کے بعد رہن سے چھوٹا ہے لہذا گیارہ مہینے کا کرایہ
یعنی ایکسو تئیس روپیہ بارہ آنہ عمرو کے ذمے واجب الادا ہے اور اس سے زائد جو زید نے دعوی کیا ہے
وہ قابل سماعت نہیں ہے عمرو نے قاضی شرع کے سامنے مرافعہ کیا قاضی نے اس بنا پر کہ تمام عقود شرعیہ
عاقلین بالغین کے درمیان میں ہوا کرتے ہیں اور زید اُس وقت نابالغ تھا اور دستاویزوں کی
تحریر سے اُسکے باپ کی کارپردازی بسبب ولایت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ دستاویزوں میں فقط
زید کا نام لکھا ہے یہ حکم دیا کہ رہن مذکور باطل ہے اور اس وجہ سے بھی رہن باطل ہے کہ مرتہن نے شئے
مرہون پر قبضہ نہیں پایا کیونکہ میں خود جانتا ہوں کہ راہنہ اُسی مکان میں رہتی ہے اور زوال قبضہ
مرتہن کی وجہ سے رہن باطل ہوجاتا ہے اور جب رہن باطل ہوگیا تو کرایہ اور کرایہ نامہ بھی لغو اور

مہمل ہو گیا کیونکہ یہ بقائے صحت رہن پر متفرع تھا پس زید ایک حبہ پانیکا بھی مستحق نہیں ہے غرض قاضی نے حاکم دیوانی کے فیصلہ کو منسوخ کر کے عمرو کو بالکل بری کر دیا اسکے بعد زید محکمہ صدر مرافعہ میں مستغیث ہوا حاکم صدر نے تیسرے مفتی سے فتوی دستخط کرایا اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ مثل کی روئداد اور گواہوں کے اظہار سے ثابت ہوتا ہے کہ رہن صحیح ہوا اور مرتہن کا قبضہ اور دخل اور عمرو کا سوا گیارہ روپیہ ماہوار پر اُس مکان کو کرایہ لینا بخوبی ثابت ہے اور جو شئے مرہون مرتہن کے قبضے میں ہو اُسے مرتہن اگر بے اجازت راہن کرایہ پر دیوے تو مرتہن کا کرایہ پر دینا صحیح اور نافذ ہے اور مرتہن اُسکا کرایہ پانیکا مستحق ہے اور حاکم مرافعہ نے جو یہ لکھا ہے کہ مرتہن کی صغرسنی کی وجہ سے عقد رہن صحیح نہیں ہوا اور عقود شرعیہ عاقلین بالغین پر منحصر ہیں یہ محض غلط ہے کیونکہ دستاویز میں ولایت پدری کا ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے پس میرے نزدیک مدعی اپنے پورے دعوے یعنے پانسو سوا چھ روپے کے پانے کا مستحق ہے اور حاکم صدر نے اسی جواب کے موافق مدعی کے نام فیصلہ کر دیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان تین فیصلوں میں سے کون فیصلہ صحیح ہے اور رہن مذکور صحیح ہے یا نہیں اور زر کرایہ کل یا بعض عمرو کے ذمے واجب الادا ہے یا نہیں جواب صورت مسئولہ میں ہندہ اور زید کے درمیان میں جو رہن ہوا وہ مرتہن کے عدم قبضہ کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ مرتہن کا قبضہ شرائط رہن سے ہے فتاوی عالمگیری میں ہے قال محمدؒ فی کتاب الرھن لایجوز الرھن الامقبوضا فقد اشار الی ان القبض شرط جواز الرھن وقال الشیخ المعروف بخواھرزادہؒ الرھن قبل القبض جائز الا انہ غیر لازم وانما یصیر لازما فی حق الراھن بالقبض فکان القبض شرط اللزوم لاشرط الجواز کالقبض فی الھبۃ والاول اصح کذا فی المحیط حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الرہن میں جو لکھا ہے کہ رہن بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہے تو اُنھوں نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ قبضہ شرط جواز رہن ہے اور شیخ خواہرزادہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رہن قبل قبضہ جائز ہے مگر یہ کہ لازم نہیں ہے راہن کے حق میں قبضہ ہی سے لازم ہوتا ہے اور قبضہ شرط لزوم ہے نہ کہ شرط جواز جیسا کہ قبضہ ہبہ میں اور اول اصح ہے ایسا ہی محیط میں ہے۔ اور کرایہ نامہ بھی غیر معتبر ہے زید کے استحقاق کا باعث نہیں ہے کیونکہ وہ جواز معاملۂ رہن پر مبنی ہے اور جب وہ معاملہ ہی لغو ہو گیا تو جو معاملہ اُسپر مبنی تھا وہ بھی لغو ہو گیا لہذا زید کو کرایہ پانے کا استحقاق نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے

ومنها ای من شرائط انعقاد الاجارۃ) تسلیم المستاجر فی اجارۃ المنازل ونحوها اذا کان العقد مطلقاً عن شرط التعجیل حتی لو انقضت المدۃ من غیر تسلیم المستاجر لا یستحق شیئاً من الاجرۃ شرائط انعقاد اجارہ میں سے اجارۂ مکانات وغیرہ میں تسلیم مستاجر ہے جبکہ عقد میں شرط تعجیل نہو حتی کہ اگر مدت بلا تسلیم مستاجر گذر جائے تو وہ کسی قسم کی اجرت کا مستحق نہوگا - اور اسی کتاب میں ہے ثم الاجرۃ تستحق باحد من ثلثۃ اما بشرط التعجیل او بالتعجیل او باستیفاء المعقود علیہ یعنی استحقاق اجرت تین امور میں سے ایک کی وجہ سے ہوتا ہے شرط تعجیل تعجیل استیفائے معقود علیہ پس حاکم مرافعہ کا حکم اس باب میں صحیح ہے اور حاکم دیوانی اور مفتی ثالث کا حکم قابل التفات نہیں ہے واللہ اعلم حررہ عبدالحی سوال زید نے اپنی ایک اراضی دس روپیہ کے عوض میں بکر کے پاس مع قبضہ رہن کر کے محاصل آراضی بکر کو بحل اور معاف کر دی اور یہ شرط کی کہ جب میں دس روپیہ ادا کروںگا تو اپنی اراضی فک رہن کراؤں گا پھر دس سال کے بعد زید نے دس روپے دیکر اپنی اراضی فک رہن کرالی اس دس سال کے اندر بکر اُس راضی کا محاصل لیتا رہا اس محاصل کا بکر کو لینا جائز تھا یا نہیں اگر جائز نہ تھا اور اب فک رہن کے بعد زید اُس محاصل موصولہ بکر کو جو مثلاً پانچ روپیہ ہیں ایک روپیہ کے عوض میں بیچے اور بکر سے ایک روپیہ اُس محاصل کی قیمت لیلے تو بکر محاصل مذکور کے ناجائز حاصل کرنے سے بری ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں ہو سکتا تو محاصل واپس کر دینے سے بکر کو نجات حاصل ہو جائیگی یا نہیں جواب بکر کو اُس محاصل کا واپس کر دینا لازم ہے اور بکر کو اُس محاصل سے نفع حاصل کرنا جائز نہ تھا اور ایک روپیہ کے عوض میں اُس محاصل کو بیع نہیں سکتا البتہ کل محاصل کے واپس کر دینے سے نجات حاصل ہو جائیگی واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الاجارہ

سوال دریا کے گھاٹ پر سے کسی مقام معین تک لٹھے پہونچا دینے کے لئے گاڑیاں کرایہ پر کی گئیں اور دریا کے اُس پار سے لٹھے کشتیوں پر آئے گاڑی والوں نے کہا کہ اِن لٹھوں کو ہمیں ہماری گاڑیوں کے قریب کشتیوں پر سے اُتار دو ہم ہمیں سے اپنی گاڑیوں پر لاد لیں گے اُن سے کہا گیا کہ یہ مقام مخدوش ہے

اگر یہاں پر لٹھے کھولے جائینگے تو اُن کے بہ جانیکا خوف ہے جس جگہ اُن کے بہنے کا خوف نہو گا ہم وہاں پر لٹھے کھولدینگے اور تم اپنی گاڑیوں پر لادلینا گاڑی والوں نے اصرار کیا کہ تم لٹھے یہیں کھولدو کیونکہ یہاں سے گاڑیو نپر لادنے میں ہمیں آسانی ہے اگر یہاں پر کھولنے کی وجہ سے لٹھے بہ جائیں یا تلف ہوجائیں تو ہم دینگے غرض اس گفتگو کے بعد لٹھے وہیں پر کھول کے گاڑی والوں کو گنوا دیے گئے مگر گاڑی والوں نے اُس دن لٹھے اپنی گاڑیوں پر نہیں لادے آخر نتیجہ یہ ہوا کہ شب کو اُن میں سے دو لٹھے بہ گئے اور صبح کو بعد تلاش کے بعد ایک لٹھا ملا اور دوسرے کا کہیں پتہ نہ چلا اس صورت میں گم شدہ لٹھے کا تاوان اور اُس ملے ہوے لٹھے کی تلاش کرنے میں جو کچھ خرچ ہوا ہے یہ گاڑی والوں سے لینا جائز ہے یا نہیں اور جواز کی صورت میں کیا قیمت لیجائے گی۔ **جواب** صورت مسئولہ میں گاڑی والوں سے تاوان لینا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ گاڑی والے اجیر مشترک ہیں اور اجیر مشترک پر مال بہ کے ہلاک ہونے کی صورت میں بغیر اُسکے عمل کے ضمان نہیں اگرچہ اُسپر ضمان کی شرط بھی کی گئی ہو کیونکہ جو مال اُسکے سپرد کیا گیا ہے وہ امانت ہے اور امانت میں ضمان کی شرط کرنا باطل مانند مودع کے ہے اسی پر فتویٰ ہے اور عامہ کتب معتبرہ میں ایسا ہی ہے اور اصحاب متون نے اسی کا جزم کیا ہے پس یہی مذہب ٹھہرا بخلاف روایت اشباہ کے جیسا کہ درمختار میں ہے ولا یضمن ما ھلك فی یدہ وان شرط علیه الضمان لان شرط الضمان فی الامانة باطل کالمودع وبه یفتی کما فی عامة المعتبرات وبه جزم اصحاب المتون فکان ھو المذھب خلافا لما فی الاشباہ مزدور کے پاس سے جو چیز تلف ہوجائے اُسکا ضمان وہ نہ دیگا اگرچہ اُس سے ضمان کی شرط کرلی گئی ہو کیونکہ شرط ضمان امانت میں اسی طرح باطل ہے جیسے امانت میں ضمان کی شرط کرنا باطل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ عام معتبر کتابوں میں ہے اور اُسیکا اصحاب متون نے یقین کیا ہے لہذا در اصل مذہب یہی ہے اور اشباہ میں اسکے خلاف ہے اور عالمگیری میں ہے وحکم الاجیر المشترك ان ما ھلك فی یدہ من غیر صنعة فلا ضمان علیه فی قول ابی حنیفة رحمه الله وھو قول زفر والحسن رحمھما الله وانه قیاس سواء ھلك بامر یمکن التحرز عنه کالسرقة والغصب او بامر لا یمکن التحرز عنه کالحرق الغالب والغارة الغالبة مزدور کا حکم یہ ہے کہ جو چیز بلا قصد اُس سے ضایع ہوجائے اُسکا ضمان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر اُس سے نہ لیا جائیگا اور یہی امام زفر اور امام حسن رحمہما اللہ کا قول ہے اور یہی قیاس کے موافق ہے خواہ وہ چیز کسی

ایسے امر کی وجہ سے ہلاک ہوگئی ہو جس سے بچنا ممکن ہو مثلاً چوری غصب یا کسی ایسے امر کی وجہ سے
جس سے بچنا ممکن نہو مثلاً آتش زدگی لوٹ مار لیکن اس زمانے میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ
کے قول پر فتوی ہے یعنے ضمان لینا جائز ہے جیساکہ عالمگیری میں ہے وبقولہما یفتی الیوم لتغیر
احوال الناس وبہ یحصل صیانۃ اموالھم کذا فی التبیین آجکل صاحبین رحمہما اللہ کے قول
پر فتوی ہے کیونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں اور اُن کے مال اسیطرح محفوظ رہ سکتے ہیں یہ تبیین
میں ہے۔ پس گاڑی والوں سے اُس گم شدہ لٹھے کی وہ قیمت جو اُس جگہ پر تھی جہاں سے وہ گم ہوا ہے
لینا اور گم شدہ اور یافتہ کی تلاش کا خرچ لینا درست ہے مگر جبراً وصول کرنے میں روایتیں مختلف
ہیں اور عدم جبر کو ترجیح ہے جیساکہ عالمگیری میں ہے وبعضھم افتوا بالصلح عملاً بالقولین
والشیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی رحمہ اللہ یفتی بقول ابی حنیفہ رحمہ اللہ قال
صاحب العدۃ فقلت لہ یوماً من قال منھم یفتی بالصلح ھل یجبر الخصم لو امتنع
قال کنت افتی بالصلح فی الابتداء فرجعت لھذا البعض لوگوں نے دونوں قولوں پر عمل کرنے
کے لیے صلح پر فتوی دیا ہے اور امام ظہیر الدین مرغینانی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر
فتوی دیا ہے صاحب عدۃ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے اُن سے ایک دن کہا کہ جو لوگ صلح پر فتوی دیتے
ہیں اُن سے یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ اگر خصم صلح سے انکار کرے تو کیا وہ صلح پر مجبور کیا جائے اُنھوں نے جواب
دیا کہ میں سے پہلے صلح ہی کے مذہب پر فتوی دیا کرتا تھا مگر اسی وجہ سے مین نے اُس سے رجوع کیا -
واللہ اعلم بالصواب نمقہ شجاعت علی عفی عنہ واقعی ضمان اجیر مشترک کے باب میں اگرچہ اسپر ضمان شرط
کیا ہو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک
جبکہ صورت ہلاک کا دفعیہ اُسکی قدرت میں ہو ضمان ہے ردالمحتار مین ہے حاصل ما فی فتاوی الطوری
عن المحیط ان ضمان المشترک ما تلف مقید بثلثۃ شروط ان یکون فی قدرتہ رفع ذلک
فلو غرقت بموج او ریح او صدمۃ جبل لا یضمن الخ فتاوی طوری میں جو محیط سے نقل کیا ہے
اُسکا خلاصہ یہ ہے اجیر مشترک سے جو چیز تلف ہو جائے اُسکا ضمان لینا تین شرطوں پر منحصر ہے
(۱) وہ وجہ تلف کا دفعیہ کر سکتا ہو تو اگر سیلاب آندھی یا پہاڑ کے پھٹنے کی وجہ سے ضایع ہو جائے
تو اُس سے ضمان نہ لیا جائیگا الخ - واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ

عن ذنبہ الجلی والخفی سوال زمیندار جو زمین کے مالک ہوتے ہیں رعایا اور آسامیوں کو جو زمین اجارہ پر دیتے ہیں اُسکی کوئی حد مقرر ہے یا طرفین کی رضامندی پر موقوف ہے جواب اِسکی کوئی مقررہ حد نہیں بلکہ اُسکا مدار رضاے طرفین اور معلومیت پر ہے ملتقی الابحر اور اُسکی شرح مجمع الانہر میں ہے ھی ای الاجارۃ بیع منفعۃ معلومۃ بعوض معلوم دین ای مثلی او عین ای قیمتی اجارہ ایک منفعت معلومہ کو بیچنا ہے بعوض مال معلوم دین کے یا عین کے دین مثلاً اُسی کے مثل کسی اور منفعت کے معاوضہ میں عین مثلاً قیمت کے معاوضہ میں سوال زمیندار لوگ جو اسامیوں کو کھیتی کرنے کے لئے زمین اُجرت معلومہ پر دیتے ہیں اور سال اجارہ کی تعداد ذکر نہیں کرتے یہ صحیح ہے یا نہیں جواب فاسد ہے درمختار میں ہے کل ما افسد البیع یفسدھا لجہالۃ ماجور او اجرۃ او مدۃ او عمل جو چیز بیع کو فاسد کردیتی ہے وہ اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہے مثلاً ماجور یا اُجرت یا مدت یا عمل کی جہالت۔ اور عالمگیری میں ہے الفساد قد یکون لجہالۃ قدر العمل بان لا یعین محل العمل وقد یکون لجہالۃ قدر المنفعۃ بان لا یبین المدۃ وقد یکون بشرط فاسد مخالف لمقتضی العقد فساد بعض اوقات مقدار عمل کی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً محل عمل کو معین نہیں کیا اور کبھی مقدار منفعت کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً مدت نہیں بیان کی اور کبھی شرط فاسد کی وجہ سے جو مخالف مقتضاے عقد ہے فساد ہوتا ہے سوال غنا اور نوحہ کی اُجرت جو خود معصیت ہیں درست ہے یا نہیں جواب درست نہیں ہدایہ میں ہے ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح گانے اور نوحے کی اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور عالمگیری میں ہے ولا یجوز الاستیجار علی المعاصی لانہ استیجار علی منفعۃ غیر مقدور الاستیفاء شرعاً گناہوں کی اُجرت ناجائز ہے کیونکہ وہ ایسی منفعت پر اُجرت دینا ہے جو شرعاً پوری نہیں کی جاسکتی۔ سوال کنواں یا تہ خانہ کھدوانے کے لئے جو اجارہ ہوتا ہے کیا اُس میں طول عرض عمق اور دور کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جواب ہاں ضروری ہے عالمگیری میں ہے لو استاجرہ یحفر لہ بیرا او سردابا لابد ان یبین الموضع وطول البیر وعمقہ ودورہ وفی السرداب یبین طولہ وعرضہ وعمقہ کذا فی الغیاثیۃ اگر کسی نے کنواں یا تہ خانہ کھودنے کے لئے کسی سے اُجرت طے کی تو ضروری ہے کہ جگہ کو بتادے اور کنوئیں کا طول عمق اور دور بتادے اور تہ خانہ کا طول عرض عمق بتادے یہ غیاثیہ میں ہے

سوال اگر کسی نے کنواں کھدوانے کی مزدوری اس شرط سے طے کی کہ ایسا کنواں کھودو جسکا پانی دو برس تک کم نہ ہو تو یہ شرط کرنا صحیح ہے یا نہیں جواب فاسد ہے کیونکہ خلاف مقتضائے عقد اور قدرت بشری سے خارج ہے سوال اگر کنواں کھدوانے میں یہ شرط کی کہ کنواں کھودنے والا کنویں کو پختہ کرکے اور اینٹ اور چونہ اپنے پاس سے لگائے تو جائز ہے یا نہیں جواب فاسد ہے عالمگیری میں ہے لو استاجرہ لیکری لہ نہرا او قناۃ فاراہ مفتحھا ومصبھا وعرضھا وسمی لہ فھو جائز وان اشترط طینھا بالآجر والجص من عند الاجیر فھو فاسد اگر کسی کو نہر یا جھیل کھودنے کے لئے اُجرت پر مقرر کیا اور اُسے ابتدا اور انتہا اور عرض بتا دیا اور اُجرت مقرر کر دی تو جائز ہے اور اگر یہ شرط کی کہ وہ اپنے پاس سے اینٹ اور چونہ لگا کر پختہ بھی کر دے تو یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ سوال اجارۂ فاسد کا کیا حکم ہے جواب اگر وقت عقد اجارہ کے اجرت معیّن ہو گئی ہے تو اُجرت مثل دینی چاہیئے بشرطیکہ معیّن سے زیادہ نہ دیا جائے اور اگر عقد کے وقت اُجرت معین نہ ہوئی تھی تو جتنی اُجرت مثل ہو زیادہ یا تھوڑی وہ سب دی جائے گی عالمگیری میں ہے فالفاسد یجب فیہ اجر المثل و لا یزاد علی المسمی ان سمی فی العقد مالا معلوما وان لم یسم یجب اجر المثل بالغا ما بلغ اجارۂ فاسدہ میں اجر مثل دینا چاہیے اگر عقد میں کوئی مقدار مقرر کر لی ہو تو اُس سے زائد نہ دینا چاہیئے اور اگر کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہو تو اجر مثل دینا چاہیے جتنا ہو۔ سوال اگر کسی پیشے والے نے بے مزدوری مقرر لیے ہوئے کسی کا کچھ کام کیا تو کتنی اُجرت پانے کا مستحق ہوگا جواب اجر مثل کا مستحق ہوگا اشباہ میں ہے لو عمل لہ شیئا ولم یستاجرہ وکان الصانع معروفا بتلک الصنعۃ وجب اجر المثل علی قول محمد رحمہ اللہ و بہ یفتی اگر کوئی چیز بنائی اور اُجرت مقرر نہیں کی اور بنانے والا اُس صنعت میں مشہور تھا تو اجر مثل واجب ہے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر اور اسی پر فتوی ہے سوال اگر کوئی شخص بازار سے یا کھلیان سے غلہ مزدور یا جانور پر لاد کے اپنے گھر لایا بھڑ جی کو غلہ بھوننے کے لئے دیا اور اُسی غلہ میں سے تھوڑا سا غلہ اُجرت مقرر کی تو صحیح ہے یا نہیں جواب اگر اُس مزدور یا جانور کی مزدوری جسپر غلہ لاد کے اپنے گھر لایا ہے اُس غلہ میں سے مقرر کر دی ہے یا بھڑ جی کی مزدوری اُس غلہ میں سے جو اُسے بھوننے کو دیدیا ہے مقرر کر دی ہے تو یہ اجارہ فاسد ہے اس صورت میں اجر مثل دینا چاہیے اور اگر اُن کاموں کی مزدوری نقد یا بلا تعین غلہ کو مقرر کیا ہے پھر غلہ میں سے کچھ دیدیا

تو جائز ہے اشباہ میں ہے استاجرہ یحمل طعامہ بقفیز منہ فالاجارۃ فاسدۃ ویجب الاجر المثل لا یتجاوز بہ المسمّی کسی مزدور کو اس لئے اُجرت پر مقرر کیا کہ وہ اُسکا کھانا اُٹھا لیجائے اور اُسی کھانے میں سے ایک قفیز کھانا اُسکی مزدوری مقرر کی تو اجارہ فاسد ہوگا اور اجر مثل واجب ہوگا جسے مقررہ اُجرت سے زائد نہونا چاہیے۔ اور درمختار میں ہے ولو دفع غزلا لآخر لینسجہ لہ بنصفہ او استاجر بغلا لیحمل طعامہ ببعضہ او ثورا لیطحن برہ ببعض دقیقہ فسدت فی الکل لانہ استاجرہ بجزء من عملہ والاصل فی ذلک نہیہ علیہ الصلوۃ والسلام عن قفیز الطحان والحیلۃ ان یفرز الاجر اولا او یسمی قفیزا بلا تعیینہ ثم یعطیہ قفیزا منہ فیجوز اگر کسی کو سوت بن دینے کے لئے بمعاوضہ نصف دیا یا کسی کا گدھا کھانا لیجانے کے لئے کچھ کھانے کے معاوضے میں اُجرت پر لیا یا کسی کا بیل آٹا پیسنے کے لیے کچھ آٹے کے معاوضہ پر کرایہ کو لیا تو اجارہ فاسد ہوگیا کیونکہ اُجرت اُسی کا جزء عمل ہے اصل علت یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹا پیسنے والے کو آٹے کی قفیز میں سے اُجرت دینے کی ممانعت فرمائی ہے حیلہ یہ ہے کہ اُجرت مقرر کرلے یا قفیز کو غیر معین رکھے پھر اُسے اُسی میں سے ایک قفیز دیدے تو جائز ہوجائیگا۔ سوال مقررہ اُجرت پر بتعداد سال اجارہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اُسکا نفع مستاجر کے لیے حلال ہے یا نہیں جواب جائز ہے مسلم سے ہو خواہ کافر سے جیسا کہ عالمگیری میں ہے اور نفع لینا جائز ہے ہدایہ میں ہے لان الاجارۃ ھی تملیک المنافع بعوض کیونکہ اجارہ کسی چیز کے معاوضہ میں منافع کا مالک کردینے کو کہتے ہیں۔ سوال اگر زید نے اپنا غلام اجرت معین اور مُدت معینہ پر عمرو کو خدمت کے لیے دیا تو جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے عالمگیری میں ہے عن محمد رحمہ اللہ اعطیتک ھذا العبد سنۃ تخدمنی بکذا جاز ویکون اجارۃ کذا فی الخلاصہ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ غلام تمکو فلاں چیز کے معاوضہ میں ایک برس کے لئے دیا یہ تمھاری خدمت کریگا تو یہ اجارہ ہے اور جائز ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے سوال دودھ پلانے والی کو دودھ پلانے کے لئے نوکر رکھنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے عالمگیری میں ہے یجوز استیجار الظئر باجرۃ المعلومۃ کذا فی الہدایۃ یعنی کسی مقررہ اجرت پر دودھ پلانے والی عورت کو نوکر رکھنا جائز ہے یہ ہدایہ میں ہے سوال مسلمان عورت کو کافر کی اولاد کو دودھ پلانے کے لئے نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے عالمگیری

میں ہے لا باس للمسلمۃ بان ترضع ولد الکافر باجر کذا فی فتاوی قاضی خاں مسلمان عورت اگر اجرت لیکر کافر کے بچے کو دودھ پلائے تو کچھ حرج نہیں یہ قاضی خان کے فتاوی میں ہے سوال کیا مسلمان کو جائز ہے کہ اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے لئے کافر عورت کو نوکر رکھے یا اُس عورت کو نوکر رکھے جس کا دودھ زنا کے حمل اور ولادت سے ہو جواب درست ہے عالمگیری میں ہے ولا باس بان یستاجر المسلم الظئر الکافرۃ والتی ولدت من الفجور کذا فی المبسوط اگر کوئی مسلمان دودھ پلانیوالی کافر عورت کو یا ایسی عورت کو جسکے زنا سے بچہ ہوا ہے اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے لیے نوکر رکھے تو کچھ حرج نہیں ہے یہ مبسوط میں ہے سوال اگر کسی کاتب سے قرآن شریف لکھوایا یا اشعار لکھوائے اور اُسکو مقررہ اُجرت دی تو جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے عالمگیری میں ہے لو استاجر رجلاً لیکتب له مصحفاً او شعرا او بین الخط جاز وذکر الشیخ الامام المعروف بخواھر زادہ انه لا یکرہ ذلك کذا فی فتاوی قاضی خان رحمہ اللہ اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو اسلئے اجرت پر رکھا کہ وہ قرآن شریف لکھے یا اشعار لکھے اور خط بیان کر دیا تو جائز ہے اور شیخ امام معروف بخواہرزادہ نے لکھا ہے یہ مکروہ نہیں ہے ایسا ہی قاضی خاں رحمہ اللہ نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے سوال جو مزدور روزانہ اُجرت پر مزدوری کرتا ہے وہ بغیر اجازتِ مالک نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں جواب فرائض و واجبات اور سنت موکدہ ادا کرنے کے لیے اجازت لینا ضروری نہیں ہے البتہ نوافل بے اجازت ادا نہیں کر سکتا سراج المنیر میں ہے استاجر یوما کان للاجیر ان یعمل کل الیوم ولا یشتغل بشئ سوی الصلوۃ المکتوبۃ ایک شخص نے ایک آدمی کو دن بھر کے لیے مزدوری پر رکھا تو اُسے چاہیئے کہ تمام دن کام کرے اور فرض نماز کے سوا اور کسی کام میں مشغول نہو اور نصاب الاحتساب میں اجارات محیط سے نقل کر کے لکھا ہے اذا استاجر رجلاً یوما یعمل کذا فعلیه ان یعمل ذلك العمل الی تمام المدۃ ولا یشتغل بشئ اٰخر سوی المکتوبۃ اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو ایک دن کے لیے کسی کام پر بااُجرت مقرر کیا تو اُسے تمام دن وہ کام کرنا چاہیے اور مفروضہ کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہونا چاہیئے اور فتاوی اہل سمرقند میں ہے وقد قال بعض مشائخنا ان یودی السنۃ ایضاً واجمعوا علی انه لا یودی نفلا وعلیہا الفتوی یعنی ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اُسے سنتیں بھی پڑھنا چاہیئے اور اسپر اجماع ہے کہ نوافل نہ پڑھنا چاہیئے اور اسی پر فتوی ہے سوال اگر کسی شخص نے کسی مزدور کو کنواں کھودنے اور اینٹ چونے

سے اُسکو پختہ کردینے پر مقرر کیا پھر پختہ کرنے کے بعد یا پہلے وہ کنواں بیٹھ گیا تو مزدور مزدوری پانیکا مستحق ہے یا نہیں جواب اگر پختہ کرنے کے بعد کنواں بیٹھا ہے تو مزدور پوری مزدوری پانے کا مستحق ہے کیونکہ مزدور اپنا کام ختم کرچکا تھا اور اگر پختہ کرنے سے پہلے کنواں بیٹھا ہے تو محنت کے موافق اُجرت پائیگا۔ عالمگیری میں ہے لو کانت بیر ماء فشرط علیہ مع حفرہ طیھا بالاجر فالحص فعمل منہا ثم انہارت فلہ الاجر کاملا وان انہارت قبل ان یطوبہا بالاجر فلہ الاجر بحساب ذلک کذا فی المبسوط اگر کنواں کھودنے کے ساتھ اُسکے اینٹ اور گچ سے پختہ کرنے کی بھی شرط کی اور کنواں پختہ کرنے کے بعد بیٹھ گیا تو مزدور کو پوری اُجرت ملے گی اور اگر پختہ کرنے کے پہلے بیٹھ گیا تو کام کے بقدر مزدور کو اُجرت ملیگی یہ مبسوط میں ہے۔ سوال درختوں کو اسلئے اُجرت پر لینا کہ اُنپر کپڑے سکھائے جائیں جائز ہے یا نہیں جواب نہیں جائز ہے کیونکہ عقد اجارہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ نفع مقصود ہو اور نفع کو عقد اجارہ سے حاصل کرنا عرف میں رائج ہو عالمگیری میں ہے ومنہا ان تکون المنفعۃ مقصودۃ معتادا استیفاءھا بعقد الاجارۃ ویجری بہا التعامل بین الناس فلا یجوز استیجار الاشجار لتجفیف الثوب علیہا اور شرائط صحت اجارہ میں سے ایک یہ ہے کہ منفعت مقصود ہو اور بعقد اجارہ وہ پوری کی جاتی ہو اور لوگوں میں اُسپر عملدرآمد ہو تو درختوں کو اسلئے اُجرت پر لینا کہ اُنپر کپڑے سکھائے جائیں درست نہیں ہے سوال کفار کی نوکری کرنا درست ہے یا نہیں جواب کفار کی نوکری تین قسم کی ہوتی ہے (۱) جائز بلا کراہت جیسے اصلاح مصالح اور احقاق حقوق اور دفع شرور و مفاسد اور دفع دزد و قطاع الطریق اور بنانے قناطیر دجہا نسر اور دوسرے عمارات نافعہ پر اُس دلیل سے کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے بادشاہ وقت سے جو کافر تھا درخواست کی خزائن مصر کی خواہش کی تھی تاکہ اس کی وجہ سے عدل کریں اور اس دلیل سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لیئے فرعون کی نوکری کی تھی (۲) جائز بکراہت جیسے وہ نوکری جس میں یہ بات لازم ہے کہ کفار کے سامنے اُنکی تعظیم کے لئے کھڑے رہیں جس میں اسلام کی شان کی ہتک ہوتی ہے جیسے سررشتہ داری وغیرہ (۳) حرام جیسے معاصی اور منہیات شرعی پر نوکری کرنا جیسے لشکر کو اسلئے نوکر رکھیں کہ بوقت ضرورت اہل اسلام کے مقابلہ پر یہ لشکر بھیجا جائے

سوال ساہوکار لوگ خطرناک منزل میں جاتے وقت اپنی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو نوکر رکھکے
اپنے ساتھ رکھتے ہیں یہ نوکری جائز ہے یا نہیں جواب مباح ہے اور اس صورت میں اگر مسلمان اُنکے
ساتھ مارا جائے تو اُس شخص کے مثل ہوگا جو یونہیں مرگیا ہو اُسے اسطرح کی موت سے نہ کچھ فائدہ ہے
نہ نقصان یعنے نہ وہ شہید ہوگا اور نہ حرام موت مریگا بلکہ وہ مسلمان مثل اور اموات کے ہوگا۔ سوال
تعلیم قرآن اذان اور امامت کی نوکری کرنا جو طاعات میں داخل ہیں جائز ہے یا نہیں جواب
متقدمین نے طاعات پر اُجرت لینے کو ناجائز لکھا ہے اور متاخرین نے اقامت امر دین میں کسل اور
سستی کے رواج پا جانے کی وجہ سے اس اُجرت کے لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور بعض متاخرین
نے یوں تطبیق کی ہے کہ نفس تعلیم قرآن اور اذان و اقامت و امامت پر بے تعیین مکان و زمان
نوکری کرنا جائز نہیں ہے اور کسی کے گھر پر جانا اور صبح سے شام تک وہاں بیٹھنا اور اُسکے بچوں کو
پڑھانا ایسا امر ہے جسپر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے اور اسیطرح مسجد کی تعیین اور پنجوقتہ امامت یا
اذان کے لئے وہاں حاضر رہنے کی قید بھی ایسا امر ہے جسپر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے سوال
قرآن شریف سے منتر کرنے کی اُجرت لینا درست ہے یا نہیں جواب درست ہے۔ سوال اگر کوئی شخص
دعویٰ کرے کہ اجارہ بغبن فاحش ہوا ہے تو کیا حکم دیا جائے گا جواب اجارہ بغبن فاحش میں
اصل یہ ہے کہ اجر مثل سے صحیح ہوگا مگر جبکہ قاضی کے سامنے اُسکا دعوےٰ پیش ہو تو قاضی کو چاہیئے
کہ اہل معرفت سے استفسار کرے اگر وہ بھی مدعی کے دعوے کے موافق ظاہر کریں تو قاضی فسخ کردے
فی الدر المختار ولو ادعی رجل انها بغبن فاحش فان اخبر القاضی ذو خبرة انها كذلك
فسخها انتهى وفی حاشية الطحطاوی لو ادعی رجل انها بغبن فاحش فالاصل صحتها باجر المثل
الا اذا اخبر القاضی یعنی لا یحکم بعدم صحتها بمجرد دعواه انها بغبن فاحش نظرا للاصل
المذکور بل یرجع الی قول اهل البصر والامانة یعنی درمختار میں ہے اگر کسی نے غبن فاحش کا دعویٰ
کیا پس اگر قاضی کو کوئی معتمد خبر دے کہ واقعہ یہی ہے تو وہ اس اجارہ کو فسخ کرا دے گا انتہیٰ اور حاشیہ
طحطاوی میں ہے اگر کسی نے غبن فاحش کا دعویٰ کیا تو اصل یہ ہے کہ وہ اجارہ اجر مثل پر صحیح ہوگا
مگر جبکہ قاضی کو اسکا علم ہو جائے یعنے محض دعوے غبن فاحش پر قاضی عدم صحت کا حکم نہ دے
بلکہ اہل بصر و امانت کے قول کی طرف اُسے رجوع کرنا چاہیئے سوال اجر مثل کیا ہے جواب

حاشیہ طحطاوی میں ہے والمراد باجر المثل اجر شخص مماثل لہ فی ذلک العمل ولو اختلف اجر المثل بین الناس فالوسط اجر مثل سے اُس شخص کی اُجرت مراد ہے جو اُس کام میں اُس شخص کا مماثل ہو اور اگر اجر مثل مختلف ہوں تو متوسط دلایا جائے گا بعینہ یہی حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ المراد باجر المثل اجر شخص مماثل لہ فی ذلک العمل ولو اختلف اجر المثل بین الناس فالوسط انتہے۔

سوال اگر چرواہے کی غفلت کی وجہ سے جانور گم ہو جائے یا چرواہا جانور کو بیچ ڈالے تو اُسپر ضمان لازم آئیگا یا نہیں اگر ضمان لازم آئے گا تو ضمان مثل دینا ہوگا یا ضمان قیمت اور اس حرکت کی وجہ سے چرواہا قابل تعزیر ہے یا نہیں جواب راعی پر ضمان لازم ہوگا بشرطیکہ تعدی کرے کیونکہ جن جانوروں کو وہ چراتا ہے اُسکے نزدیک وہ جانور امانت ہیں اور حیوانات چونکہ ذوات القیم میں سے ہیں لہذا چرواہے سے قیمت کا ضمان دلایا جائیگا اور سیاسۃً اُسکو سزا دینا جائز ہے مگر امام کی رائے پر رکھنا چاہیئے۔ سوال زید نے اپنے موضع قاسم پور کا پٹہ جسکی سالانہ آمدنی تین سو روپیہ تھی خالد کے نام اُس سے ہزار روپیہ پیشگی لیکے لکھدیا اور مبلغ دوسو کو خالد کی رعایت سے ہزار روپیہ پیشگی لینے کی وجہ سے حاصل آمدنی وتکاسی موضع قاسم پور سے چھوڑ دی اس صورت میں مبلغ دوسو روپیہ کا زید سے لینا جائز ہے یا نہیں جواب اپنے موضع کا زید کو اختیار ہے جتنے پر چاہے ٹھیکہ دے ہاں اگر یہ شرط کی ہو کہ تمہارے ہزار روپیہ کے بدلے میں میں نے دوسو روپے چھوڑ دیے تو یہ بیشک سود ہے اور سود کا لینا حرام ہے واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفر لہ اللہ الاحد صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال سورت وغیرہ میں کھجور کے درخت بوتے ہیں اور اجارہ پر دیتے ہیں اور اجارہ دار اُس کے پھل کم بیچتے ہیں اور اُس کا رس جس میں نشہ بالکل نہیں ہوتا بیچتے ہیں اور یہاں کے علمانے عدم سکر کی وجہ سے اُسکی حلت کا فتویٰ بھی دیا ہے اور اجارہ دار اس رس کو بیچتے ہیں اور اُس رس کی حالت یہ ہے کہ جب دو تین پہر رہے تو آفتاب کی حرارت سے اُس میں سکر آجاتا ہے پھر اُس سے سرکہ اور شراب بھی بناتے ہیں ایسی صورت میں کھجور کے درخت کا بونا اور اُس سے کسی طرح کا نفع لینا یا اُسکو اجارہ پر دیکر اُس سے نفع حاصل کرنا یا اُن درختوں کی بیع وشرا درست ہے یا نہیں اور جبکہ کھجور یا تاڑ کے پانی میں ذرا بھی سکر نہو تو اُسکا پینا درست ہے یا نہیں جواب حدیث صحیح میں وارد ہے ما اسکر

کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمد والدارقطنی وغیرہما جس کا کثیر مسکر ہو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اُسکو احمد اور دارقطنی وغیرہما نے روایت کیا ہے لہذا اگر اُسکا کثیر پانی مسکر نہیں ہو تو حلال اور اگر اُسکا کثیر پانی مسکر ہے تو اُسکا قلیل بھی حرام ہے اور اس صورت میں کھجور کا بونا اور اُسکو اجرت پر دینا اور خریدنا بشرطیکہ اُس سے سوا اسکے پانی کے بیچنے کے کوئی منفعت نہو درست نہوگا۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الرق

سوال (۱) جو کافر اپنے آپ کو یا اپنی اولاد صغار کو مسلمان کے ہاتھ بیچتا ہے تو مسلمان کو اُسکا خریدنا شرعًا درست ہو یا نہیں اور خریدنے کے بعد وہ غلام اور عبد ہو جاتے ہیں یا نہیں (۲) کافر کی اولاد صغیر کو کافر یا مسلمان اگر بھگا لائے یا چھپا کر زبردستی پکڑ لائے اور اُسکو بیچے تو مسلمان کو اُسکا خریدنا اور لونڈی یا غلام بنانا جائز ہے یا نہیں (۳) جہاد میں جو مرد اور عورت اور بچے پکڑے جاتے ہیں وہ شرعًا لونڈی غلام ہیں یا نہیں قرآن مجید یا حدیث شریف یا روایت فقہ سے بیان فرمایئے کیونکہ سائل کا خیال ہے کہ اسکے متعلق کوئی ذکر قرآن شریف یا حدیث شریف یا فقہ میں نہیں ہے جواب (۱) درست نہیں قنیہ میں ہو کافر جاء بولدہ الصغیر الی دار الاسلام باعہا لم یجز ولو رجع الی دار الحرب ترك ولدہ فیہا فولدہ حر ایک کافر اپنے چھوٹے بچے کو دار الاسلام میں لایا اور بیچ ڈالا تو یہ بیع جائز نہوگی اور اگر دار الحرب میں واپس چلا گیا اور اپنے لڑکے کو دار الاسلام ہی میں چھوڑ گیا تو اُسکا لڑکا آزاد ہے۔ اور بزازیہ میں ہو مسلم دخل دار الحرب فجاء الحربی بابنۃ او بنتہا او امہ ولدہ او عمتہ او خالہ تہ قال فہو ہا یرید بیعہا من المسلم المستامن لایجوز بیعہ عند اکثر المشائخ والصحیح ان البائع ان کان یری جواز بیعہ ملکہ مطلقًا وان کان لا یری ان اشتراہ ود ھب بہ مکرہا ملکہ بالقہر ایک مسلمان دار الحرب میں گیا تو حربی اپنا لڑکا یا لڑکی یا اُم ولد یا پھوپی یا خالہ کو لایا اور مسلم مستامن کے ہاتھ بیچنا چاہا تو اکثر مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہوگی اور صحیح یہ ہے کہ بائع اگر اُس بیع کو جائز سمجھتا ہو تو یہ بیع مطلقًا جائز ہوگی اور اگر وہ جائز نہ سمجھتا ہو اور مسلمان اُسے خرید کرکے جبرًا لے آیا ہو تو اس جبر کی وجہ سے وہ اُس کا مالک

ہو جاوے گا (۲) اگر دار الحرب سے پکڑ لائے اور دار الاسلام میں بیچے تو اسکا خریدنا جائز ہے بزازیہ
میں ہے عن الثانی فیمن دخل دار الحرب بامان فسرق منهم انسانا حرا او خرج به اقول
لا بیعك بما صنعت وان باع یجوز بیعه لانه ملکه امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اس شخص کے
متعلق جو دار الحرب میں امان لیکر گیا اور وہاں کسی آزاد آدمی کو چرا لایا یا بھگا لایا مروی ہے
کہ میں اس سے کہونگا تجھے ایسا نکرنا چاہیے تھا لیکن اگر وہ اسکی بیع کرے تو بیع درست ہو گی
کیونکہ وہ اسکا مالک ہو گیا تھا (۳) جہاد میں اگر غنیمت کی تقسیم شرع کے موافق ہے تو وہ لونڈی
غلام ہو جائیں گے یہ بات چند حدیثوں سے ثابت ہے طبرانی اور ابن ابی شیبہ اور بخاری وغیرہ نے
روایت کی ہے اور در مختار میں ہے فی معروضات المفتی ابی السعود هل یحل وطی الاماء
المشتراة من الغزاة الان حیث وقع الاشتباه فی قسمتهم بالوجه المشروع فاجاب
لا توجد فی زماننا قسمة شرعیة معروضات مفتی ابو السعود میں ہے کیا آجکل جو لونڈی
غازیوں سے خریدی جائے اس سے وطی کرنا درست ہے کیونکہ اس میں اشتباہ ہے کہ آجکل انکی
تقسیم بوجہ مشروع ہوتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں شرعی تقسیم نہیں ہوتی
واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ عبد الحی سوال دار الحرب کے کفار اگر اپنی اولاد یا اپنے اقربا
کو دار الحرب یا دار الاسلام میں مسلمان یا کافر کے ہاتھ بیچیں اور مشتری خرید کے اپنے گھر لے آکے
تو اس بیع کا کیا حکم ہے جواب دار الحرب کے کفار اگر اپنی اولاد یا اپنے اقربا کو
بطیب خاطر دار الحرب میں اس مسلمان کے ہاتھ جو دار الحرب میں بامان داخل
ہوا ہے بیچیں تو اس میں روایتوں کا اختلاف ہے اس روایت کے موافق جو امام حسن
رحمہ اللہ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمہ اللہ سے کی ہے یہ بیع باطل ہے واقعات
حسامیہ میں ہے دخل دار الحرب بامان فاشتری منهم ابنا او بنتة بطوع تکلموا فیه
قال اکثر المشائخ البیع باطل مطلقا جو شخص دار الحرب میں امان لیکر داخل ہوا اور حربیوں میں
سے کسی سے اسکا لڑکا یا لڑکی اسکی مرضی سے خریدی تو اس میں اختلاف ہے اکثر مشائخ رحمہم اللہ
کے نزدیک بیع مطلقاً باطل ہے۔ اور برجندی میں ہے ولو باع الحربی ابنا او اباه فی دار الحرب
من المسلم بطل سواء یری البائع جواز البیع اولا وهو روایة الحسن رحمه الله عن ابی

فروخت اولاد حربی کا حکم

حنیفہ رحمہ اللہ و روایۃ ہشام رحمہ اللہ عن محمد رحمہ اللہ وھو اختیار الامام ابی بکر محمد الفضل رحمہ اللہ اگر حربی نے اپنے لڑکے یا باپ کو دار الحرب میں مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالا تو بیع باطل ہے خواہ بائع اُس بیع کو جائز سمجھتا ہو یا جائز نہ سمجھتا ہو یہ روایت حسن رحمہ اللہ کی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اور ہشام رحمہ اللہ کی امام محمد رحمہ اللہ سے ہے اور اسی کو امام ابو بکر محمد بن فضل رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ اور کرخی نے کہا ہے کہ اگر حربی کے مذہب میں یہ بیع جائز ہے تو جائز ہوگی اور اگر حربی کے مذہب میں یہ بیع ناجائز ہے تو ناجائز ہوگی برجندی میں ہے وقال ابو الحسن الکرخی ان رای الحربی جواز ھذا البیع جاز والا فلا امام ابو الحسن کرخی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر حربی اس بیع کو جائز سمجھتا ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں آور واقعات حسامیہ میں ہے وقال ابو الحسن الکرخی ان کانوا یرون جواز البیع فالبیع جائز وان کانوا لا یرون فالبیع باطل امام ابو الحسن کرخی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر حربی اس بیع کو جائز سمجھتے ہوں تو بیع جائز ہے اور اگر حربی اس بیع کو جائز نہ سمجھتے ہوں تو بیع باطل ہے۔ اور امام ابو نصر دبوسی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حربی کا اپنی اولاد یا اپنے اقربا کو مسلم کے ہاتھ بیچنا ناجائز اور حربی کے ہاتھ بیچنا جائز ہے برجندی میں ہے عن ابی نصر الدبوسی رحمہ اللہ ان باعہ من مسلم لا یجوز وان باعہ من حربی ملکہ المشتری ابو نصر دبوسی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر اُس نے مسلمان کے ہاتھ بیچا تو ناجائز اور اگر حربی کے ہاتھ بیچا تو جائز ہے۔ اور ابن سماعہ رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حربی کا مطلقاً اپنی اولاد کو بیچنا مسلم کے ہاتھ ہو یا حربی کے ہاتھ جائز ہے۔ برجندی میں ہے وروی ابن سماعۃ رحمہ اللہ عن ابی یوسف رحمہ اللہ انہ اذا باع ولدہ من حربی آخر او من مسلم جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ابن سماعہ رحمہ اللہ سے بروایت امام ابو یوسف رحمہ اللہ مروی ہے کہ اگر کسی حربی نے اپنا لڑکا دوسرے حربی کے ہاتھ بیچ ڈالا تو یہ بیع درست ہے اسی طرح اگر حربی نے اپنا لڑکا کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور اگر دار الحرب میں اولاد اور اقربائے حربی کو خریدا اور پھر وہاں سے باہر لایا تو ثبوت ید اور استیلا اور غلبہ اور احراز کی وجہ سے مالک ہو جاتا ہے اور اگر بیع اپنی خوشی سے مشتری کے ساتھ دار الحرب سے باہر چلا آئے تو جنکے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ملک بھی ثابت

نہیں ہوتی۔ واقعات میں لکھا ہے ان اشتراہ وذھب بہ کرھا ملکہ لانہ ابتداً قھرا علی الحربی فی دار الحرب فیملکہ اگر کسی نے خرید لیا اور پھر اُسے مجبور کرکے اپنے ہمراہ لے گیا تو وہ اُسکا مالک ہوجائیگا کیونکہ اس بیع کی ابتدا ہی حربی پر جبر سے ہوئی تھی دار الحرب میں لہذا مالک ہونا فرور ہی ہے اور سراجیہ میں ہے وان اخرجہ مکرھا ملکہ بالقھر اگر مجبور کرکے اُسے لے آیا تو بالجبر اسکا مالک ہوگا اور برجندی میں ہے وان اشتراہ فی دار الحرب اخرجہ منھا ملکہ کذا فی فتاوی قاضی خان اگر دار الحرب میں خریدا اور وہاں سے لے آیا تو اُسکا مالک ہوجائیگا یہ قاضی خان کے فتاوے میں ہے۔ اور واقعات میں ہے فان ذھب بہ وھو طائع لایملکہ لانہ لم یوجد منا القھر فی دار الحرب اگر اُسکی مرضی سے لیگیا تو مالک نہوگا کیونکہ جبر دار الحرب میں متحقق نہیں ہوا اور اگر حربی دار الاسلام میں اپنی اولاد کو لاکر کسی مسلمان کے ہاتھ بیچے تو یہ بیع ثبوت ملک کی باعث نہوگی برجندی میں ہے وقال بعضھم ان اشتراہ المسلم فی دار الاسلام لایملکہ بعض کہتے ہیں کہ اگر اُسے مسلمان دار الاسلام میں خریدے تو اُسکا مالک نہوگا۔ اور واقعات میں ہے الحربی اذا دخل دارنا بامان نباع الولد لایجوز حربی اگر دار الاسلام میں امان لیکر آئے اور اپنی اولاد کو بیچے تو یہ بیع درست نہوگی۔ اور قنیہ میں ہے کافر جاء بولدہ الصغیر الی دار الاسلام وباعہ فیھا لم یجز ایک کافر اپنے چھوٹے لڑکے کو لیکر دار الاسلام میں آیا اور اُس لڑکے کو بیچا تو بیع درست نہوگی۔ اور قول فیصل اس باب میں یہ ہے جو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی بعض تحریرات فارسی میں لکھا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے دار الحرب کے کفار اگر اپنی اولاد یا اقربا کو بیچیں اور مسلمان مول لے کے دار الحرب سے باہر لے آئے یعنے جہاں وہ مسلمان رہتا ہے وہاں لے آئے چاہے وہ مقام دار الاسلام ہو یا دار الحرب اس صورت میں اختلاف روایات ہے کہ یہ لونڈی غلام ہونگے یا نہیں اصح اور اقویٰ دلیل کے اعتبار سے یہ ہے کہ یہ لونڈی غلام ہوجائیں گے اُن کی بیع اور ہبہ اور رہن جائز ہے اور اُن کے ساتھ بے نکاح کے وطی کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ روایات سے واضح ہوتا ہے اور بعض نے اس میں یہ شرط کی ہے کہ جو دار الحرب کے کفار اپنی اولاد یا اپنے اقربا کو بیچتے ہیں اُنہیں اس بیچنے کا حکم اور رواج بھی ہو اور بعض نے یہ شرط نہیں کی ہے غرض یہ شرط اگر متحقق ہوجائے فبہا ورنہ اُنکی رقیت بیں حکم اور رواج کا روایات اقوی وارجح کے لحاظ سے

اعتبار نہیں ہے کیونکہ حربی دار الحرب میں لکڑی اور تنکا رکا حکم رکھتے ہیں اور لکڑی اور تنکا رکو جو شخص پاتا ہے اُسکا مالک ہوجاتا ہے اسیطرح حربی کا فردں کا پانے والا بھی انکا مالک ہوجائے گا مگر استیلا اور غلبہ اور دار الکفر سے دار الاسلام میں لے آنا ضروری ہے انتہی اور بحکم اذا ثبت الشئ ثبت بلوازمہ جبکہ یہ لونڈی غلام ہوگئے تو کفاروں میں انکا آزاد کرنا بھی جائز ہے اور اُن میں جو عورتیں ہوں اُن سے بلا نکاح وطی کرنا بھی حلال ہے اور وطی کے بعد اگر اُن سے اولاد ہو تو بعد اعا مولی سے اُنکا نسب ثابت ہوگا اور وہ ولد حر اور ثابت النسب کہلائیگا اور باپ کے متروکہ سے حصہ پائیگا اور اُسکا حصہ حُر کے حصہ سے کم نہیں ہے کیونکہ نصوص عام ہیں اور میراث میں آزاد عورت اور لونڈی کی اولاد میں کچھ فرق نہیں ہے اور اُسکی ماں اُم ولد ہوگی اور جب لونڈی دو آدمیوں میں مشترک ہو اور وہ بچہ جنے اور دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا دعوی کرے کہ یہ لڑکا میرا ہے تو وہ لڑکا دونوں کا لڑکا کہلائیگا اور دونوں کے متروکہ سے پورا پورا حصہ پائیگا وقایہ اور اُسکی شرح میں ہے وان ادعیاہ معا فھو منھما ویرث من کل ارث ابن لا المقر لوا اخذ باقرارہ وورثا منہ ارث اب لان الاب احد ھما لکن غیر معلوم فیوضع میراث الاب علیھما اگر دونوں نے دعوے کیا تو وہ دونوں کا لڑکا سمجھا جائیگا اور دونوں کے ترکے سے ایک ایک لڑکے کا حصہ پائیگا کیونکہ اقرار کی وجہ سے مقر سے مواخذہ بالارث ہوا کرتا ہے اور وہ دونوں اُسکے ترکے سے باپ کا ایک حصہ پائینگے کیونکہ باپ ایک ہے لیکن غیر معلوم تو باپ کا حصہ اُن دونوں پر تقسیم کردیا جائیگا اور عالمگیری میں ہے ویرث الابن من کل واحد منھما میراث ابن کامل ویرثان منہ میراث اب واحد کذا فی نھدایہ لڑکا دونوں کے ترکہ میں سے لڑکے کا پورا پورا حصہ لے گا اور وہ دونوں اس لڑکے کے ترکے میں سے ایک ہی باپ کا حصہ پائینگے یہ ہدایہ میں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب التعزیر

سوال فقہا کے نزدیک سیاست کسکو کہتے ہیں اور سیاستہً قتل کرنے کی کیا صورت ہے کیا کئی بار گلا گھونٹنے ہی سے صرف قتل کیا جائیگا یا ہر جنایت اور زیادتی میں قتل کیا جا سکتا ہے **جواب**

رسالۂ جامع تعزیرات میں بحرالرائق سے منقول ہے السیاسۃ فعل شئی من الحاکم لمصلحۃ یراھا و ان لم یرد بذلک دلیل جزئی سیاست اُس فعل کو کہتے ہیں جو حاکم وقت سے اُس مصلحت کے موافق ظاہر ہو جسے حاکم وقت دیکھتا ہے اگرچہ کوئی جزئی دلیل فعل مذکور پر وارد نہوئی ہو۔ اور اسی میں ہے کہ سیاست ایک قسم کی سزا ہے جو عقوبات شدیدہ میں دی جاتی ہے جیسے قتل حبس دوام شہر بدر کردینا وغیرہ اور سیاستہ قتل کرنا اسپر منحصر نہیں ہے کہ اُس نے کئی شخصوں کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہے بلکہ عام ہے جس جنایت میں بحسب مصلحت سلطان اور حاکم وقت چاہے یہ سزا دے سکتا ہے ہاں بعض جرائم میں فعل کی تکرار شرط ہے جیسے خنق گلا گھونٹنا سرقہ اور لواطت۔ جامع الرموز میں ہے السیاسۃ لا یختص بالزنا بل یجوز فی کل جنایۃ والرائ فیہ للامام علی ما فی الکافی کقتل مبتدع یتوھم منہ انتشار بدعۃ وان لم یحکم بکفرہ کما فی التمہید سیاست زنا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر جنایت میں جائز ہے اور اس میں اپنے سیاست میں معتبر امام کی رائے ہوگی مثلاً کسی ایسے بدعتی کو قتل کرنا جس سے بدعت کے پھیلنے کا خوف ہو اگرچہ اُس کے کافر ہونے کا حکم نہ دیا جائے یہ تمہید میں ہے۔ اور صاحب درمختار نے منتقی شرح ملتقی میں لکھا ہے السیاسۃ لا یختص بالزنا بل یجوز فی کل جنایۃ رای الامام المصلحۃ فی النفی والقتل کقتل مبتدع یتوھم انتشار بدعۃ وان لم یحکم بکفرہ سیاست زنا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر جنایت میں جائز ہے جس میں امام شہر بدر کرنے یا قتل کو مصلحت جانے مثلاً کسی ایسے بدعتی کو قتل کرنا جس سے بدعت کے پھیلنے کا خوف ہو اگرچہ اُسکے کافر ہونے کا حکم نہ دیا جائے۔ اور منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے للامام قتل السارق سیاستہ لسعیہ فی الارض بالفساد امام چور کو سیاستہ قتل کرسکتا ہے کیونکہ چور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور درمختار میں ہے للامام قتل السارق سیاستہ لسعیہ فی الارض بالفساد وھذا ان عاد امام چور کو سیاستہً قتل کرسکتا ہے کیونکہ چور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ اُسی وقت ہوگا جب اُس نے دوسری مرتبہ چوری کی ہو۔ اور اسی کتاب میں ہے لو اعتاد اللواطۃ قتلہ الامام سیاستہ اگر کوئی شخص لواطت کا عادی ہو تو امام اُسے سیاستہً قتل کرڈالے۔ اور فتاوی سراج المنیر میں بحرالرائق سے منقول ہے یجوز التعزیر بالقتل فی الحاشیۃ نا قلاً عن التہذیب ان التعزیر یکون بالقتل والضرب والحبس والازعاج عن الدار

واخذ المال وغیرھا والقتل یکون سیاسۃ ورخصتاً اباحۃ ووجوباً قتل کی سزا دینا درست ہے حماویہ میں تہذیب سے نقل کیا ہے کہ تعزیر قتل کرنے مارنے قید کرنے گھر سے نکالدینے اور مال کے لے لینے وغیرہ سے ہوتی ہے اور قتل کی کئی صورتیں ہیں سیاسۃً رخصۃً اباحۃً اور وجوباً اور شرح ملتقی الابحر میں ہے من خنق فی المصرعۃ غیر مرۃ ای صار عادۃ قتل بہ ای سیاسۃ لسعیہ بالفساد وکل من کان کذلک یدفع شرہ بالقتل جو شخص کشتی میں گلا گھونٹے یعنی یہ فعل اسکی عادت ہوجائے وہ اسپر سیاسۃً قتل کیا جائے گا کیونکہ اس نے فساد کی کوشش کی اور جو شخص فساد کی کوشش کرے اسکے شر سے محفوظ ہونے کے لئے وہ قتل کیا جائے گا اور فتاوی عالمگیری میں ہے الخناق والساحر یقتلان لانھما یسعیان فی الارض بالفساد وان تابا لم یقبل ذلک منھما وان اخذا ثم تابا لم یقبل منھما ویقتلان وکذا الزندیق المعروف بالداعی وبہ یفتی کذا فی خزانۃ المفتیین گلا گھونٹے والا اور ساحر دونوں قتل کیے جائینگے کیونکہ یہ دونوں زمین میں فساد پھیلانیکی کوشش کرتے ہیں اور اگر وہ توبہ کریں تو انکی توبہ بھی مقبول نہوگی اور اگر گرفتاری کے بعد یہ دونوں توبہ کریں تو بدرجہ اولی انکی توبہ مقبول نہوگی بلکہ وہ دونوں قتل ہی کیے جائیں گے اسطرح وہ بددین جو رسول اشہو ہو قتل کیا جائیگا اور اسی پر فتوی ہے یہ خزانۃ المفتیین میں ہے۔ اور دستور القضاۃ میں ہے من الخلاصۃ فی کتاب الدیات قال رحمہ اللہ والاباحی یقتل ایضاً ولا تقبل توبۃ کذا افتی الشیخ الامام الزاھد الاستاذ علاء الدین السمرقندی من الفتاوی ناصری الساحر یقتل اذا علم انہ ساحر بان اقر بسحرہ او قام البینۃ علی سحرہ فانہ یحل دمہ من الکنز فی الکراھۃ الساحرۃ تقتل ییریلیہ اذا کانت تعتقد ذلک تصیر مرتدۃ وان کانت المرتدۃ لاتقتل خلاصہ کی کتاب الدیات میں ہے کہ اباحی (یعنے وہ شخص جو محرمات شرع کو کسی خاص مرتبہ تک پہونچ جانے کے بعد حلال جانے) بھی قتل کیا جائیگا اور اسکی توبہ قبول نہ کی جائے گی ایسا ہی امام زاہد استاذ شیخ علاء الدین سمرقندی رحمہ اللہ نے فتوی دیا ہے فتاوی ناصری میں ہے کہ ساحر قتل کردیا جائیگا جب یہ معلوم ہوجائے کہ وہ ساحر ہے اس طرح کہ وہ خود اپنے سحر کا اقرار کرے یا اسکے سحر پر بینہ قائم ہوجائے کیونکہ اسکا خون حلال ہے کنز کے باب کراہت میں ہے ساحرہ قتل کردی جائے گی اسکا مطلب یہ ہے کہ جب وہ سحر کا اعتقاد رکھتی ہو تو مرتدہ ہوجائیگی اگرچہ صرف مرتد عورت قتل نہیں کی جاتی لیکن

پھر بھی وہ قتل کی جائیگی۔ اور صاحب درمختار منتقی شرح ملتقی میں لکھتے ہیں قد نفی عمر رضی اللہ عنہ
نصر الحجاج من المدینۃ الی البصرۃ وھو غلام صبیح الوجہ افتتن بہ النساء والحسن
لایوجب النفی الا انہ فعلہ سیاسۃ فانہ قال ماذنبی یا امیر المؤمنین قال لاذنب لك
وان الذنب لی حیث لا اطھر دار الھجرۃ عنك کما فی الکشف وغیرہ حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے نصر حجاج کو مدینہ سے شہر بدر کرکے کوفہ میں بھیجدیا کیونکہ خوبصورت تھے انپر عورتیں فریفتہ
ہوجایا کرتی تھیں گو حسن کی وجہ سے کوئی شخص شہر بدر نہیں کیا جاتا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ
فعل سیاست پر مبنی تھا جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نصر حجاج نے پوچھا کہ اے امیر المؤمنین
میں نے کیا جرم کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمھارا جرم کچھ نہیں ہے لیکن اگر دار الہجرۃ کو میں تم سے پاک نہ کردوں
تو میں گنہگار رہوں گا جیسا کہ کشف وغیرہ میں ہے۔ اور قاضی القضاۃ نے رسالہ تعزیرات میں لکھا ہے
کہ جب حاکم کے سامنے قاتل کا قتل کرنا ثابت ہوجائے اور عدم اجتماع شرائط استیفاء کی وجہ سے قصاص
اس سے مرتفع ہو تو حاکم جیسی سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے واللہ اعلم حررہ محمد سعد اللہ عفی عنہ
واقعی فقہا کے نزدیک سیاست اس فعل کو کہتے ہیں جسے استصلاح خلق کے لئے حاکم عمل میں لائے
ایک بار یا دو بار گلا گھونٹنے پر اسکا انحصار نہیں ہے۔ واللہ علیم حررہ ابو الاحیار محمد نعیم غفرلہ العلی
الرب الحکیم۔ الجیب مصیب حررہ محمد عالم علی عفی عنہ۔ صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہٗ
ظہور الحق عفی عنہ۔ نعم الجواب ریاض الدین - اصاب من اجاب کتبہ محمد حبیب اللہ۔ ہذا الجواب
صحیح حررہٗ عبد الکریم محمد اکبر خان۔ صح الجواب کتبہ عبد القادر ولایتی۔ ان ہذا الجواب قریب
بالحق والصواب حررہٗ محمد لطف اللہ بن مفتی محمد سعد اللہ الجواب صحیح سیاسۃً قتل کرنا ایک
یا دو بار گلا گھونٹنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ عام ہے ہر جنایت کے لئے اور اسکی تائید درمختار کے اس
قول سے ہوتی ہے جو انھوں نے شبہ قتل میں لکھا ہے والثانی شبھۃ وھو ان یقصد
ضربہ بغیر ما ذکر ای بما لا یفرق الاجزاء ولو بحجر وخشب کبیرین عندہ خلافا
لغیرہ وموجبہ الاثم والکفارۃ ودیۃ مغلظۃ علی العاقلۃ سیجئ تفسیر ذلك لا القود
لشبھہ بالخطأ نظرا الی الآلۃ الا ان یتکرر منہ فللامام قتلہ سیاسۃ دوسرے شبہ
عمد یہ ہے کہ کسی شخص کو مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز سے مارنا چاہے یعنے ایسی

چیزوں سے مارنا چاہے جن سے اجزا متفرق نہوں اگرچہ بڑا پتھر یا بڑی لکڑی ہو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہ کہ دوسروں کے نزدیک اس سے آدمی گنہگار ہوتا ہے اور کفارہ اور دیت مغلظہ (جن کی تعریف عنقریب آئے گی) واجب ہوگی نہ کہ قصاص کیونکہ آلہ کا (جس سے ضرب صادر ہوئی ہی) لحاظ کرکے وہ خطا کے مشابہ ہے البتہ اگر کسی سے یہ فعل مکرر صادر ہو تو امام اُسے سیاستہ قتل کردے واللہ اعلم حررہ محمد نور النبی عفی عنہ۔ اصاب المجیب صاحب بحر الرائق نے رسالہ رشوت میں لکھا ہے قد استفید ان السیاسۃ ما یفعلہ الحاکم لمصلحۃ العام من غیر ورود شرع اس سے معلوم ہوا کہ سیاست وہ فعل ہی جسے حاکم مصلحت عامہ کی وجہ سے بلا حکم شرع کرے۔ اور علامہ ابراہیم خیر الدین رحمہ اللہ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں یسمع الاخبار بکونہ شریرا بیدہ ولسانہ سواء کان حاضرا او غائبا لان الامور الموجبۃ للتعزیر ولو بالقتل المحضۃ حق اللہ تعالے الذی لم یقصد شخصا معینا لا یحتاج الی الدعوی المحتاجۃ الی حضور المدعی وھذا من حق اللہ تعالی وھذا نص علمائنا بان المخبرین لھم الاجر والثواب حیث کانوا مخلصین بقصدھم بدفع ظلمۃ المتعدی وللحاکم طلبہ وتعزیرہ ولو بالقتل حیث تقرر فیہ ان لا یرجع الا بالقتل کسی شخص کے ہاتھ یا پاؤں کے خراب ہونے کی خبر سنی جائے یعنے یہ سنا جائے کہ وہ اپنی زبان یا ہاتھ پاؤں سے دوسروں کو تکلیف پہونچاتا ہے تو خواہ وہ موجود ہو یا نہو کیونکہ وہ امور جن سے تعزیر واجب ہوتی ہے اگرچہ قتل ہی کیوں نہو خالص خدا کا حق ہیں جو کسی مددگار کا محتاج نہیں ہے لہذا دعوی کی احتیاج نہیں ہے جسکی بدولت حضور مدعی ضروری ہو اور یہ خالص خدا کا حق ہے اور اسکو ہمارے علمائے ثابت کیا ہے کہ مخبرین کو اجر و ثواب ملیگا جبکہ انکا مقصد صرف یہی ہو کہ ظالم کا ظلم باقی نرہے اور حاکم کو ایسے شخص کو طلب کرنا چاہیے اور تعزیر کرنا چاہیئے اگرچہ قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بغیر قتل کے اپنی حرکات سے باز نہ آئے گا۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ اصاب من اجاب رد المحتار میں ہی وبہ یشیر کلام الفتح ایضا ان السیاسۃ لا یختص بالزنا وھو ما عزاہ الشارح الی النھر وفی القھستانی فی السیاسۃ لا تختص بالزنا بل تجوز فی کل جنایۃ والرائی فیھا الی الامام علی ما فی الکافی کقتل مبتدع یتوھم منہ انتشار بدعتہ وان لم یحکم بکفرہ کما فی التمہید وھو مصداق

اساس الوالی الرعیۃ امرھم ونہاھم کما فی القاموس فالسیاسۃ استصلاح الخلق بارشادھم الی الطریق المنجی فی الدنیا والآخرۃ فھی من الانبیاء علی الخاصۃ والعامۃ فی ظاھرھم وباطنھم ومن السلاطین الملوک علی کل منھم فی ظاھرہ لاغیر ومن العلماء ورثۃ الانبیاء علی الخاصۃ فی باطنھم لاغیر کما فی المضمرات وغیرھا ھکذا فی جامع الرموز صاحب فتح کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیاست زنا کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اسی کو شارح رحمہ اللہ نے نہر کی جانب منسوب کیا ہے اور قہستانی میں ہے کہ سیاست زنا کے ساتھ خاص نہیں ہر بلکہ ہر جنایت پر جاتی ہے اور اس معاملہ میں امام کی رائے معتبر ہے جیسا کہ کافی میں ہے مثلاً کسی ایسے بدعتی کا قتل جس سے بدعت کے پھیلنے کا اندیشہ ہو اگرچہ اُسکے کافر ہونے کا حکم نہ کیا جائے جیسا کہ تمہید میں ہے اور سیاستہ مصدر ہے اور ساس الوالی الرعیۃ کا یعنے والی نے رعیت کو حکم دیا اور روکا جیسا کہ قاموس میں ہے پس سیاست اصلاح خلق ہے اس طرح پر کہ اُنکو ایسا راستہ دکھایا جائے جس سے وہ دنیا و آخرت دونوں میں نجات پاجائیں پس عوام و خواص کی اصلاح باطنی و ظاہری انبیا کے ذمے ہے اور صرف اصلاح ظاہری سلاطین و ملوک کے ذمے ہے اور صرف خواص کی اصلاح باطنی علما کے ذمے ہے جو انبیا کے وارث ہیں جیسا کہ مضمرات وغیرہ میں ہے یہ سب جامع الرموز میں ہے واللہ اعلم بالصواب نمقہ خادم اولیاء الکریم محمد ابراہیم غفر لہ اللہ الرحیم بن مولانا علی محمد رحمہ اللہ الصمد۔

کتاب الحدود

سوال زنا کی تحقیق بغیر قاضی کے ممکن ہے یا نہیں اور زانی بغیر قضاے قاضی کے سزاوار سزا ہے یا نہیں اور اس امر میں تحکیم جائز ہے یا نہیں جواب زنا کی تحقیق پر اجرای حد مرتب ہے اور اجرای حد بغیر قاضی و حاکم کے حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اجراے حد کے لئے تحکیم درست نہیں ہے سوال تین مسلمان عاقل بالغ جن میں سے ایک کے ہاتھ میں تلوار اور دو کے ہاتھوں میں بڑی بڑی لکڑیاں تھیں باہم لوٹ مار کرنے کا مشورہ کر کے شہر کے باہر نکلے اور پہلی رات کو ایک ہندو بزاز پر جو رامپور کا رہنے والا تھا اور گاؤں کی بازار سے آرہا تھا حملہ کیا اور دار الاسلام رامپور کے ایک جنگل میں اُسکو مار ڈالا اور ایک مزدور کو بھی جو اُسکے ساتھ تھا زخمی کر کے اُسکی گٹھری جس میں سوسی کے ترسٹھ تھان تھے لوٹ کے

لے بھاگے پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ لوٹ مار کرنے والے لوگ قطاع الطریق ہیں یا نہیں اور حاکم وقت اُنکو قتل اور مال چرانے کی سزا میں بطریق حد قتل کر سکتا ہے یا نہیں جواب یہ لوگ قطاع الطریق ہیں اور حاکم وقت اُنکو قتل اور اخذ مال ذمی کے جرم میں قتل کر سکتا ہے کیونکہ قطاع الطریق اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو دارالاسلام کے شہر اور قریوں کے باہر راستہ چلنے والوں کو مارڈالنے یا لوٹ لینے کا خوف دلائیں اور اُن کے ساتھ ایسی شوکت اور قوت بھی ہو جس کی وجہ سے راہگیر اُنکا مقابلہ نہ کرسکیں اور اُن سے ڈریں اور اُن کی دفع کرنے سے عاجز رہیں بلکہ اگر ایک شخص بھی ایسی شوکت اور قوت کے ساتھ راہگیروں کو عاجز کرے تو وہ بھی اُنھیں میں سے سمجھا جائیگا اور رہزنی میں لٹھیا اور پتھر تلوار کے حکم میں ہیں۔ صاحب ہدایہ نے باب قطع الطریق میں لکھا ہے اذا خرج جماعة ممتنعین او واحد یقدر علی الامتناع فقصد و اقطع الطریق الخ جب ممتنعین کی ایک جماعت یا اُن میں کا ایک اکیلا جو امتناع پر قدرت رکھتا ہو ڈاکہ مارنے کے ارادے سے نکلے الخ۔ اور امتناع سے یہ مراد ہے کہ قاطع طریق اپنی بہادری کی قوت سے دوسروں کو دفع کرسکے صاحب عنایہ نے لکھا ہے المراد بالامتناع ان کون قاطع الطریق بحیث یمکن له ان یدافع تعرض الغیر عن نفسه بقوته و شجاعته امتناع سے یہ مراد ہے کہ ڈاکو ایسا ہو کہ اگر دوسرا شخص خلل انداز ہو تو وہ اپنی قوت و شجاعت سے اُسکا دفعیہ کرسکے۔ اور برہان شرح مواہب الرحمن میں لکھا ہے خرج ذو منعة و قوة ولو واحدا فقطع الطریق الخ قوی شخص اگرچہ اکیلا ہی ڈاکہ مارنے کی نیت سے نکلے الخ اور بحرالرائق میں ہے اما قطع الطریق حقیقة فبالقتل و اخذ المال وان یکون بالاخافة وان یکون من قوم لهم قوة و شوکة او واحد کذالک ڈاکا حقیقةً قتل کرنے مال کے لے لینے اور ڈرانے دھمکانے اور ایسی قوم سے ہوتا ہے جسے قوت و شوکت ہو یا ایک اکیلا ایسا آدمی اور فتاوی عالمگیری میں ہے اعلم ان لقطاع الطریق الذین لهم احکام مخصوصة شرائط احدها ان یکون لهم شوکة و منعة بحیث لم یکن للمارة المقاومة معهم و قطعوا علیهم الطریق سواء کان بالسلاح او بالعصا الکبیر او الحجر و غیرها والثانیة ان یکون خارج المصر بعیدا عنها والثالثة ان یکون ذلک فی دار الاسلام ڈاکو ذکی جن کے لئے مخصوص احکام ہیں متعدد شرطیں ہیں (۱) ڈاکہ ڈالنےوالے قوی اور صاحب شوکت ہوں کہ راہ چلنے والے اُن کا

مقابلہ نہ کرسکتے ہوں اور وہ اُن پر ڈاکہ ڈالیں خواہ اسلحہ سے ہو یا بڑی لکڑی یا پتھر وغیرہ سے ہو (۲) شہر کے باہر اور شہر سے دور ہو (۳) دار الاسلام میں ہو۔ عالمگیری کی مختصر عبارت ختم ہوئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اشخاص مذکورین ڈاکو ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ الاثنان فما فوقهما جماعة یعنے دو اور زیادہ جماعت ہے مگر شروط مذکورہ ضروری ہیں اور یہ لوگ بھی راہ گیروں کو قتل کرنے اور اُن کو بزور شمشیر ولاٹھی مغلوب کرکے اُن کا مال لوٹنے کی قوت رکھتے ہیں اور ڈاکوؤں کا قتل درا خذ مال کی وجہ سے یہ حکم ہے کہ امام اور سلطان وقت اُنکو قتل کرسکتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے ان قتلوا واخذ المال ان شاء الامام قطع ایدیهم وارجلهم من خلاف ثم قتلهم او صلبهم وان شاء قتلهم من غیر قطع وان شاء صلبهم جب ڈاکو قتل کریں اور مال لوٹ لیں تو امام اگر چاہے اُنکا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر قتل کرے یا سولی دے اور اگر چاہے تو بغیر ہاتھ پاؤں کاٹے ہوئے قتل کرے اور اگر چاہے تو سولی دے۔ اور کنز میں ہے ان قتل قتل حدا وان عفا الولی قاتل حداً قتل کیا جائیگا اگرچہ ولی معاف کردے اور ملتقی الابحر میں ہے ولو باشر الفعل بعضهم حد کلهم اگرچہ اس کام کو ان میں سے بعض لوگوں نے کیا ہو مگر قتل سب کیے جائینگے اور لایمکن للمارة المقاومة معهم (راہ گیر اُن کا مقابلہ نہ کرسکتے ہوں) میں راہگیر سے فقہا کے نزدیک وہی راہ گیر مراد ہیں جن سے ڈاکو تعرض کریں نہ تمام راہ گیر کہ راستہ ہی بند ہوجائے اسی لئے صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں کہ قطع طریق سے مراد راہگیروں کو لوٹنا ہے نہ راستہ کا بند کردینا اور فقہا نے قطع الطریق کی تفسیر میں کہا ہے الاضافة لادنی ملابسة والمعنی قتل المارة بالطریق واطلق الطریق علی المارة من اطلاق اسم المحل علی الحال کذا فی الحاشیة الطحطاویة والشامیة اضافت ادنی مشابہت کی وجہ سے ہے مطلب یہ ہے کہ قتل اُن لوگوں کا جو راستہ سے گذرتے ہوں اور راستہ کا اطلاق گذرنے والوں پر ویسا ہے جیسے محل کا اطلاق حال پر یہ حاشیۂ طحطاویہ و شامیہ میں ہے واللہ اعلم نمقه العبد الاثم الاواہ محمد سعد اللہ صح الجواب محمد ریاض الدین مفتی عدالت دیوانی هذا الجواب صحیح والرای نجیح نمقه العبد الاثم محمد عبد الکریم مدرس رامپور۔ اصاب المجیب محمد احسن الصدیقی مدرس مدرسۂ بریلی [محمد احسن] صح الجواب واللہ اعلم بالصواب محمد حبیب اللہ مدرس رامپور [محمد حبیب اللہ]

صح الجواب حررہ محمد ظہور الحق [محمد ظہور الحق] ہذا الجواب صحیح حررہ اکبر علی خان ولد رحم یار خان مدرس

اکبر علی خان | اصاب المجیب حررہ لطف اللہ ولد مفتی سعد اللہ مدرس مدرسہ | محمد لطف اللہ ذلک کذلک حررہ محمد بشارت اللہ مدرس مدرسہ | محمد بشارۃ اللہ | ہذا الجواب صحیح والرائے نجیح کتبہ سید حسن شاہ مدرس مدرسہ | سید حسن شاہ | الجواب صواب حق صحیح کتبہ محمد ظہور الحسن عفی عنہ | ظہور الحسن | صح الجواب محمد عالم علی محدث مرادآبادی | محمد عالم علی | لقد اصاب المجیب محمد قطب عالم مدرس مرادآباد | محمد قطب عالم | عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اذا خرج جماعۃ من الممتنعین او واحد یقدر علی الامتناع نقصد واقطع الطریق الخ المراد بالامتناع ان یکون بحیث یمکن لہم ان یدفعوا عن انفسہم بقوتہم وشجاعتہم تعرض الغیر جب راستہ روکنے والں کی ایک جماعت یا اُن میں سے ایک اکیلا جو راستہ روکنے پر قدرت رکھتا ہو نکلا اور اس نے ڈاکہ ڈالنے کا قصد کیا الخ امتناع سے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ایسے ہوں کہ اگر کوئی دوسرا اُن سے تعرض کرے تو وہ اپنی قوت اور شجاعت سے اُس کو دفع کرسکیں اور کتاب الخراج میں امام ابویوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے قال ابویوسف من اخذ المال فالامام بالخیار ان شاء قتلہ ولم یقطعہ وان شاء قطعہ ثم صلبہ امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس ڈاکو نے (قتل کے بعد) مال لے لیا ہو اُسکے متعلق امام کو اختیار ہے چاہے اُسے قتل کر ڈالے اور اُس کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹے اور چاہے ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد سولی دیدے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | محمد عبدالحی ابوالحسنات | اعلم ان قطاع الطریق ان قتلوا نفسا او اخذوا مالا خیر الامام بین ستۃ احوال ان شاء قطع ایدیہم وارجلہم من خلاف ثم قتلوا وصلبوا وفعلوا الثلثۃ او قتلہم وصلبہم او قتلہم فقط او صلبہم فقط ہکذا فصلہ الزیلعی واضح ہو کہ اگر ڈاکو کسی کی جان لیں اور مال لوٹیں تو امام کو چھ باتوں کا اختیار ہے انہیں سے جو چاہے کرے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹکر قتل کر ڈالنا یا سولی دیدینا یا تینوں یا قتل اور سولی یا صرف قتل یا صرف سولی یہ تفصیل زیلعی نے کی ہے اور صورت مسئولہ میں قتل نفس اور اخذ مال ان رہزنوں سے وقوع میں آیا ہے پس حداً قصاصاً انکو قتل کرنا چاہیے واللہ اعلم بالصواب سدید فی الدین رشید بالیقین دہلوی۔ واقعی یہ لوگ ڈاکو ہیں اور حاکم وقت اُن کو قتل اور اخذ مال کے جرم میں حداً قتل کرسکتا ہے جامع الرموز میں ہے ومعصوم بالعصمۃ المؤبدۃ وھو مسلم او

ذمی حرا وعبد قطع الطریق علی معصوم ای زاحم المارۃ من مسلم او ذمی فی صحراء دار نا علی مسافۃ السفر فما عدا دون القری الامصار ولا بینهما وھذا ظاھر الروایۃ وعن ابی یوسف رحمہ اللہ ان من قطع الطریق من زاحم علی اقل مسیر السفر وفی المصر لیلا وعلیہا الفتوی دفعا لشر المتغلبۃ المفسدین کما فی الاختیار وغیرہ وقال بعض المتاخرین ان ھذا فی زمانھم واما فی زماننا فتحقق قطع الطریق فی القری والامصار وعن ابی یوسف رحمہ اللہ من زاحم فی المصر او بین القری فان کان بالسلاح لیلا وان کان بغیرہ فلا اما اذا کان باللیل حد انتھی مختصر او قال صاحب الایضاح وعن ابی یوسف رحمہ اللہ ان قصدوا فی المصر بالسلاح یجری علیھم احکام قطاع الطریق وان قصدوا بالحجارۃ والخشب فان کانوا خارج المصر فکذلک ایضا وان کان بالنھار لا یجری علیھم حکم قطاع الطریق واستحسن المشایخ ھذہ الروایۃ وبہ یفتی کذا فی التبیین وقال فصیح الدین الھروی فی شرح الوقایۃ وجہ حصا الھم کسیف فی القتل لان قطع الطریق یحصل بھا علی السواء ڈاکہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو محفوظ بحفاظت دائمی یعنے مسلمان اور ذمی آزاد یا غلام ہیں راستہ روکیں کسی محفوظ مسلمان یا ذمی کا دار الاسلام کے صحرا میں مقدار سفر پر یا اس سے زائد نہ کہ گاؤں اور شہر میں اور نہ انکے درمیان یہ ظاہر روایت ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مقدار سفر سے کم میں یا رات کو شہر میں مزاحمت بھی ڈاکہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے مفسدین غالبین کے شر کو دفع کرنے کے لئے جیسا کہ اختیار وغیرہ میں ہے بعض متاخرین نے کہا ہے کہ یہ انکے زمانے میں تھا لیکن ہمارے زمانے میں گاؤں اور شہروں میں بھی قطع طریق پایا جاتا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو شہر یا قصبات کے درمیان میں مزاحمت کرے تو اگر یہ مزاحمت اسلحہ سے ہو تو انپر حد جاری کیجائے اور اگر کسی اور چیز سے ہو تو نہیں لیکن اگر رات کو ہو تو حد جاری کی جائے گی انتہی مختصراً اور صاحب الفلاح نے لکھا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو لوگ شہر میں ہتھیار لیکر مزاحمت کا قصد کریں انپر ڈاکوؤں کے احکام جاری ہونگے اور اگر ان کے پاس اسلحہ نہوں بلکہ لکڑیاں اور پتھر ہوں تو اگر وہ شہر سے باہر مزاحمت کریں تو انکا بھی یہی حکم ہے اور اگر دن کو ہو تو انپر ڈاکوؤں کے احکام جاری نہوں گے مشائخ رحمہم اللہ نے اس روایت کو مستحسن سمجھا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ تبیین میں ہے

اور شیخ نصیح الدین ہروی رحمہ اللہ نے شرح وقایہ میں لکھا ہے اور ڈاکوؤں کے لئے قتل کیے جانے میں ڈنڈا اور پتھر بھی مثل تلوار کے ہے یعنے اگر وہ ڈنڈے اور پتھر سے حملہ کریں تو بھی قتل کیے جائیں گے کیونکہ قطع طریق سب میں برابر ہے واللہ علیم حررہ ابوالاحیا محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم ۱۳۰۹ھ

باب القصاص

سوال جو شخص قصاص میں مارا جاوے وہ گناہ سے پاک ہوجاتا ہے یا نہیں جواب پاک ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو اور فتح العزیز میں مرقوم ہے کہ جب قاتل کو قصاص میں قتل کرتے ہیں اور وہ اپنے نفس کو اللہ کے حکم کی اطاعت میں وارثان مقتول کے حوالہ کرتا ہے تو قیامت کے دن گناہ سے پاک اٹھیگا اور دوزخ کے عذاب سے نجات پائیگا اور حیات ابدی پائیگا بلکہ عالم برزخ اور قبر میں بھی اسکے ساتھ عفو اور رحمت کا معاملہ کیا جائیگا اور روح وریحاں اسے نصیب ہوگا پس یہ مارا جانا اسکے لئے ایسا ہے جیسے کوئی دارالآلام سے دارالراحۃ میں چلا جائے واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبدالحی ابوالحسنات]

کتاب الحوالہ

سوال ہندہ اور مریم دائنان ہیں اور زید مدیون زید نے بکر پر حوالہ کیا اور بھی عمر و زید کے باپ نے برضائے زید مدیون ہندہ اور مریم دائنان کی موجودگی میں بکر کے نام رقعہ لکھتے وقت یہ لکھا کہ اسقدر روپیہ ہندہ اور مریم کو دیدینا اور جتنا روپیہ اس رقعہ میں لکھا ہے جو زید پر ہندہ اور مریم کا ہے حساب کے وقت مجرا کیا جائیگا۔ پس بکر نے بدفعات مریم کا کل روپیہ ادا کر دیا اور ہندہ کا بعض روپیہ بدفعات ادا کیا اور بعض باقی ہے جسکا ہندہ کو بکر پر بنا بر تحریر رقعہ دعویٰ ہے اور اقرار بکر نسبت ادائے بقیہ دین ہندہ گواہوں کی گواہی سے ثابت ہے اب مطالبہ کے وقت ہندہ نسبت بقیہ دین خود بکر بعد ادائے کل دین مریم و بعض دین ہندہ نسبت ادائے دین ہندہ منکر حوالہ ہے بعد اظہار صورت نزاعی مفتیان شرع متین کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ از روئے روایات فقہ اور مسائل شرعیہ حضور

محیل و محتال لہ و محتال علیہ ہنگام حوالہ شرط صحت حوالہ ہے یا نہیں اور اگر یہ صورت فرض کی جائے
کہ جس وقت عمرو نے بحضور ہندہ اور مریم دائنان زید مدیون یہ مضمون دینے روپیہ مندرجہ رقعہ
منجانب زید مدیون بنام بکر تحریر کیا تھا تو بلا رضامندی اور بلا امر زید مدیون لکھا تھا اور نہ کچھ دین
زید مذکور ذمہ بکر تھا اور نہ کوئی شئے زید کی بطور ودیعت بکر کے پاس تھی مگر بکر نے موافق مضمون رقعہ
جو زید مدیون کے باپ نے لکھا تھا زر مندرجہ رقعہ بدفعات ہندہ اور مریم کو اس طرح کہ دین مریم کا سوم
کو اور بعض دین ہندہ کا ہندہ کو ادا کیا شرعاً عقد حوالہ منعقد ہوگا یا نہیں اور اگر محتال لہ بھی مجلس حوالہ
میں موجود نہو مگر اسکی طرف سے کوئی شخص فضولی حوالہ کو قبول کرے تو حوالہ منعقد ہوگا یا نہیں جواب
وہو الملہم للصواب صحت حوالہ کے لئے محیل اور محتال علیہ کا مجلس حوالہ میں حاضر ہونا شرط نہیں ہے
فقط مجلس حوالہ میں محتال لہ کا حاضر ہونا شرط ہے مگر جب کوئی شخص محتال لہ کی طرف سے حوالہ کو قبول
کریگا تو اُس وقت بلا حضور محتال لہ بھی حوالہ صحیح ہے چنانچہ فتاوی حمادیہ میں مرقوم ہے و شرط حضور
الثانی الا ان یقبل ای الحوالۃ فضولی ای لاجل لغائب لا حضور الباقین دوسرے کا حاضر ہونا ضروری
ہے مگر یہ کہ فضولی حوالہ کو قبول کرے غائب کے ہونے کی وجہ سے نہ کہ باقی لوگونکا موجود نہونا۔ اور
بھی فتاوی عالمگیری میں عدم حضور محتال علیہ کے باب میں تصریح کی ہے جسکی عبارت یہ ہے
ولا یشترط حضرتہ لصحۃ الحوالۃ حتے لو احالہ علی رجل غائب ثم علم الغائب
فقبل صحت الحوالۃ صحت حوالہ کے لئے اُسکا حاضر ہونا شرط نہیں ہے حتی کہ اگر اُس نے کسی غائب
شخص پر حوالہ کردیا اور اُس غائب کو جب اطلاع ہوئی تو اُسنے قبول کرلیا حوالہ صحیح ہوجائیگا۔ اور
حوالہ بلا رضا و بلا امر محیل بھی صحیح ہے درمختار میں ہے شرط لصحتہا رضی الکل بلا خلاف الا الاول و
ھو المحیل فلا یشترط علی المختار کذا فی الشرنبلالیۃ عن المواھب صحت حوالہ کے لئے
سبکی رضامندی شرط ہے بلا اختلاف سوائے اول یعنے محیل کے بر مذہب مختار اُسکی رضامندی ضروری
نہیں ہے بشرنبلالیہ میں مواہب سے نقل کیا ہے۔ اور فتاوی حمادیہ میں ہے واما رضاء المحیل وھو المدیون
فلیس بشرط ذکرہ فی الزیادات محیل یعنے مدیون کی رضامندی شرط نہیں ہے اسے زیادات میں
ذکر کیا ہے۔ اور فتاوی احمدی کی روایت بھی اسکی مثبت ہے اور یہی بحالت عدم لزوم دین محیل
بذمہ محتال علیہ و عدم وجود شئے محیل عند المحتال علیہ بھی حوالہ صحیح ہے جیسا کہ کافی میں اس کی تصریح

موجود ہے کہ حوالہ کی دو قسمیں ہیں مقیدہ اور مطلقہ۔ مقیدہ وہ ہے کہ محتال علیہ پر محیل کا دین ہو یا اسکے پاس کوئی عین ہو بطریق غصب یا ودیعت یا اور کسی طرح سے اور مطلقہ اسکے خلاف ہے اور قول بعض فقہا درباب تعریف حوالہ مطلقہ مفید اسکو ہے کہ محیل حوالہ کو مقید بہ دین یا عین نہ کرے چنانچہ فتاوی عالمگیری کے باب تقسیم حوالہ میں مرقوم ہے وھی نوعان مطلقة ومقیدة فالمطلقة ان یرسل الحوالة ولا یقیدھا بشئ مما عندہ من ودیعة او غصب او دین او محیلة علی رجل لیس له علیه شئ مما ذکرنا کذا فی التبیین حوالہ کی دو قسمیں ہیں مطلق اور مقید مطلق یہ ہے کہ حوالہ میں وہ شے ذکر نہ کی جائے جو از قسم ودیعت یا غصب یا قرض بذمہ محتال علیہ ہے یا مطلق کسی ایسے شخص کے کچھ حوالہ کرنا ہے جسپر محیل کا اقسام مذکورہ میں کسی طور پر کچھ واجب نہو ایسا تبیین میں ہے۔ باعتبار تعریف ثانی حوالہ مطلقہ محیل اپنا دین یا وہ شے جو محتال علیہ کے پاس ہے محتال علیہ سے مانگ سکتا ہے جیساکہ وقایہ اور فقہ کی اکثر کتابوں کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے اور جب بادلے بعض دین بندہ و نیز بشہادت شہود و رضامندی بکر محتال علیہ و قبول حوالہ ثابت ہے تو اب انکار بکر محتال علیہ نسبت عدم قبول حوالہ غیر مقبول ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب انتہی فی الواقع صحت حوالہ میں محتال علیہ کی حاضری شرط نہیں ہے جیساکہ درر شرح غرر میں ہے الشرط قبول المحتال او نائبه ورضی الباقین لا حضورھما شرط محتال یا اسکے نائب کا قبول کرنا ہے اور بقیہ کی رضامندی نہ کہ ان کا موجود ہونا۔ بلکہ مذہب مختار کے لحاظ سے محیل کی رضامندی بھی شرط نہیں ہے ردالمحتار میں ہے لا یخفی ان اشتراط رضاء المحیل مبنی علی روایة القدوری وھی خلاف المختار رضائے محیل کی شرط لگانا قدوری کی روایت پر مبنی ہے جو خلاف مختار ہے پس صورت مسئول عنہا میں محتال علیہ پر ادائے بقیۂ دین بھی واجب ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (مہر: محمد عبدالحی ابوالحسنات)

کتاب المناقب

سوال شرع محمدی اور شاستر منود میں لونڈیاں دو قسم کی قرار پائی ہیں ایک وہ جو زرخرید ہوں دوسری وہ جو جدال و قتال کر کے معرکہ جہاد میں ہاتھ آئی ہوں اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام

جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام والصلوٰۃ کی دوسری بی بی تھیں ان دونوں صورتوں سے بری ہیں کہ ہماری تحقیقات سے یہ بات ثابت ہی خلاصۃ الانبیاء میں لکھا ہے کہ سنان بن علون ایک بادشاہ تھا مقام مصر میں جب اُس نے شہرۂ حسن حضرت بی بی سارہ زوجۂ اولیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہما السلام والصلوٰۃ سنا تو حضرت سارہ علیہا السلام کو اپنے سامنے طلب کیا اور انکی جانب ہاتھ بڑھایا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس ناپاک کا ہاتھ سوکھ گیا وہ ڈرا اور حضرت سارہ علیہا السلام سے دعا کا خواستگار ہوا آپنے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اُسکے ہاتھ کو اچھا کیا تو اُس نے شکریہ میں بی بی ہاجرہ کو دیا اور حضرت سارہ علیہا السلام سے فرمایا یہ تمھاری اُجرت ہے اور تمبیاں میں جو قدیم تفسیر ہے اور اب نواب مدراس کے کتبخانہ میں موجود ہے بیٹی لکھا ہے مگر توریت مین لفظ جاریہ لکھا ہے تو اب اگر لفظ جاریہ پر خیال کیا جائے تو لغت میں یہ لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے غیاث اللغات اور قاموس میں ہو جاریہ کے معنے کشتی اور آفتاب اور دختر اور کنیزک کے ہیں تو اب خیال کرنا چاہیئے کہ جب ایک لفظ کے کئی معنے قرار پائے تو پھر جہاں جو معنی چسپاں ہوں وہی بولنا چاہئے اور مقام مذکورۂ بالا میں بیٹی ہی کے معنے موزوں ہو سکتے ہیں کیونکہ عقل سلیم اسکو قبول نہیں کرتی کہ جب اتنے بڑے بادشاہ نے اپنی آنکھ سے ایسا زبردست معجزہ دیکھا تو اُسکے صلہ میں اُس نے لونڈی دی ہو پس امیدوار ہوں کہ آپ اہل اسلام کی معتبر کتابوں سے اسکا ثبوت دیں کہ اُس بادشاہ نے لونڈی ہی دی تھی

جواب درحقیقت وہ کنیزک نہ تھیں چنانچہ تفسیر کشاف ومعالم ومدارک وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور کسی تفسیر سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہوتا جو اُسکا قائل ہو وہ کاذب ہے واللہ اعلم حررہٗ سیف الدین احمد جعفری ریواڑی [سیف الدین احمد] ہو المصوب عبارات مفسرین اور مورخین سے اشارۃً اور صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کنیزک تھیں کیونکہ جمہور مفسرین نے بادشاہ مصر کے قصے میں لکھا ہے کہ اُس نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو ہبہ کیا۔ اور علامۂ مجیر الدین حنبلی مورخ انس جلیل فی تاریخ القدس والخلیل میں لکھتے ہیں لما سار ابراهيم عليه السلام الى مصر ومعه سارة زوجته ووهبها فرعون مصر هاجر فلما قدم الى الشام دا قام بين الرملة وايليا وكانت سارة لا تحبل ووهبت هاجر لابراهيم فواقعها فحملت وولدت اسمعيل عليه السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام

مصر کی طرف تشریف لے گئے اور اُنکے ساتھ اُنکی بی بی حضرت سارہ علیہا السلام تھیں جن کی خدمت میں بادشاہ مصر نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بطور ہدیہ پیش کیا پس حضرت ابراہیم خلیل اللہ علے نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام شام میں آئے اور رملہ اور ایلیا کے بیچ میں سکونت اختیار کی اور حضرت سارہ علیہا السلام حاملہ نہوتی تھیں لہذا اُنھوں نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ہبہ کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہیں اور حاملہ ہوئیں جن سے حضرت اسمعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس سے صاف طور سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اولاً حضرت ہاجرہ علیہا السلام اُس بادشاہ مصر کی کنیزک تھیں پھر جب حضرت سارہ علیہا السلام کی ملک میں آئیں تو اُنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کیا کیونکہ ہر شخص پر ظاہر ہے کہ ہبہ عرف اور شرع میں اُسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی ملوکہ چیز دوسرے کو دیدے پس اگر حضرت ہاجرہ علیہا السلام اس بادشاہ مصر کی بیٹی ہوتیں تو لفظ ہبہ کا اطلاق صحیح نہوتا اور مورخ حسین دیارنکری تاریخ خمیس میں لکھتے ہیں قال ابن لهيعة هاجر من ارض العرب من قرية كانت امام القرى من ارض مصر كذا فى سيرة ابن هشام ويقال ان هاجر كانت قبل الرق بنت ملك من ملوك القبط فاخدمها اياها وخلى سبيلها وقال هذه لك وكان لا يولد لابراهيم من سارة فوهبت سارة هاجر له ابن لہیعہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام عرب کے ایک گاؤں کی رہنے والی تھیں جو مصر کے گاؤں کے سامنے تھا یہ سیرت ابن ہشام میں ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام غلامی کے قبل شاہان قبط میں سے کسی ایک کی بیٹی تھیں بادشاہ مصر نے جب حضرت سارہ علیہا السلام کو آزاد کیا تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اُنکی خادمہ بنایا اور کہا کہ یہ آپکے لئے ہے اور جب حضرت سارہ علیہا السلام کے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی اولاد نہوئی تو حضرت سارہ علیہا السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اُنھیں ہبہ کر دیا۔ یہ عبارت اس باب میں بہت صریح ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کنیزک تھیں بادشاہ مصر کی بیٹی نہ تھیں بلکہ کنیزک ہونے سے پہلے وہ بادشاہان قبط میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں اور اُسی تاریخ خمیس میں اس سے زیادہ صریح یہ عبارت ہے فی معالم التنزیل ولد لابراهيم عليه السلام ثمانية بنين اسمعيل وامه هاجر القبطية ام ولد معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے

اسمٰعیل علیہ السلام ہاجرہ علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے جو قبطیہ ام ولد تھیں۔ اور یہ بات
ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ ام ولد اُس لونڈی کو کہتے ہیں جس سے مولی صحبت کرے اور اُس کے بطن سے
جو لڑکا پیدا ہو اُسکو اپنی طرف منسوب کرے۔ اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ حسن المحاضرہ فی اخبار
مصر والقاہرہ میں لکھتے ہیں قال ابن عبد الحکیم حدثنا عمر بن صالح اخبرنا مروان القصاص
قال صاھر القبط من الانبیاء ثلثۃ ابراھیم تسری ھاجر ویوسف تزوج بنت
صاحب عین شمس ونبینا صلی اللہ علیہ وسلم تسری ماریۃ ابن عبد الحکیم نے کہا ہے
کہ مجھ سے عمر بن صالح نے بیان کیا کہ اُن سے مروان قصاص نے کہا قبطیوں سے تین نبیوں کو دامادی
مصاہرت تھی (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام جنھوں نے حضرت ہاجرہ (لونڈی) کے ساتھ شب
باشی کی (۲) حضرت یوسف علیہ السلام جنھوں نے صاحب عین شمس کی بیٹی سے شادی کی (۳)
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے ماریہ (لونڈی) کے ساتھ شب باشی کی۔ پس لفظ تسریٰ
صاف دال ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کنیزک تھیں اگر کسی کو شک ہو کہ لونڈی بہ نسبت حرہ کے
رذیل اور بیقدر ہوتی ہے پس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جو نبی جلیل القدر اور نبی آخر الزمان کے اجداد
میں ہیں چونکہ لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوئے اُنکی ذات میں نقص آگیا تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ کے نزدیک قدر اور عزت رقیت اور حریت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ تقوے کے لحاظ سے
ہوتی ہے قرآن شریف میں ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تم میں جو سب سے زیادہ متقی ہے وہی
اللہ کے نزدیک بزرگ ہے اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام اگرچہ کنیزک تھیں مگر بہ نسبت حضرت سارہ
علیہا السلام کے نہایت متقی اور پرہیزگار تھیں جیسا کہ کتب تفسیر اور کتب حدیث کے دیکھنے والے
اس سے اچھی طرح پر واقف ہیں پس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ذات میں کسی طرح کا نقصان نہیں
آیا بلکہ کمال عارض ہوا اسیواسطے فقہا لکھتے ہیں کہ جو شخص حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حقارت
کی نظر سے کہے کہ وہ لونڈی کی اولاد سے ہیں تو وہ شخص کافر ہے کیونکہ انبیا علیہم السلام کی تذلیل
کفر ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام والدۂ حضرت اسمٰعیل
علیہ السلام نعوذ باللہ رذیل تھیں پس اس سے حضرت اسمٰعیل کی ذات میں ہرگز نقصان نہیں آتا غور کرنا چاہیے
کہ اصل تمام بنی آدم کی حتی کہ جملہ انبیا کی منی کا ایک قطرہ ہے جو کہ سراسر خراب ہے اور اس سے انسان کی ذات میں نقصان نہیں آیا

ہوتا اور جمہور مفسرین کے قول کے موافق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا فر تھے مگر اس سے حضرت خلیل اللہ
کی ذات میں کوئی نقصان نہیں آیا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ
عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبد الحی ابو الحسنات] سوال حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم امی تھے یا نہیں اور امی
ہونا آپ کا معجزہ تھا یا نہ تھا اور جو شخص اسکا قائل ہو کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بعثت سے
پہلے تمام علوم سے واقف تھے اور اپنے اس قول پر مصر ہو تو اسکا یہ قول کتاب و سنت کے خلاف ہے
یا نہیں اور ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے جواب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا قرآن شریف
سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الذین یتبعون الرسول النبی الامی وہ لوگ جو رسول نبی امی
کی پیروی کرتے ہیں اور معالم التنزیل میں ہے ھو محمد صلے اللہ علیہ وسلم قال ابن عباس ھو
نبیکم امیا لا یکتب ولا یقرأ ولا یحسب ھو منسوب الی الام ای ھو علی ما ولد تہ امہ وقیل
ھو منسوب الی امتہ اصلہ امتی سقطت التاء فی النسبۃ کما سقطت فی المکی والمدنی وقیل ھو
منسوب الی ام القری وہ نبی امی حضور خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ
عنہما فرماتے ہیں کہ وہ تمہارے نبی امی ہیں جنھوں نے نہ کچھ پڑھا نہ لکھا نہ حساب سیکھا اور یہ ام کی طرف
منسوب ہے یعنے وہ شخص جو اس حال پر ہو جیسا اُس کی ماں نے اُسکو جنا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ امی
اُمت کی طرف نسبت ہے ت حذف ہو گئی جس طرح مکی اور مدنی میں حذف ہو گئی ہے اور بعض لوگ
کہتے ہیں کہ یہ ام القری کی طرف منسوب ہے اور شریعت محمدیہ میں یہ ثابت نہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ
السلام والصلوٰۃ جمیع اشیاے ماضیہ و مستقبلہ جزئیہ و کلیہ تمام علوم سے واقف تھے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو
ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبد الحی ابو الحسنات] سوال ایک واعظ کہتا ہے
کہ واستغفر لذنبك وللمؤمنين وللمؤمنات سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اذن شفاعت
کبریٰ حاصل ہوا ہے جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ آپ کو دنیا میں اذن شفاعت نہیں ہوا وہ کافر ہے
اور اپنے اس دعوی کے ثبوت میں کہ آپ کو دنیا میں اذن شفاعت ہو گیا وہ حدیث پیش کرتا ہے
جو مشکوٰۃ شریف کے باب سجدۂ شکر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اپنی اُمت کے لئے شفاعت کرونگا اللہ
تعالیٰ ثلث اُمت کو بخشیگا اور اسی طرح میں ہر دعا اور سجدہ کے بعد بخشایش اُمت کے لئے دعا کرتا ہوں

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے دنیا میں اذن شفاعت ثابت ہے یا نہیں اور جو شخص کہے کہ دنیا میں اذن نہیں ہے بلکہ یہاں وعدہ صادق ہوا ہے اور قیامت میں اسی وعدے کے مطابق آپ کو شفاعت کبریٰ کا اذن ہوگا وہ شخص مصیب ہے یا مخطی۔ اور جو کہتا ہے کہ دنیا میں اذن شفاعت حاصل تھا وہ کیسا ہے جواب ہو المصوب احادیث کثیرہ اور روایات عدیدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قیامت کے دن حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لئے شفاعت کبریٰ کا اذن ہوتا ہے اور دنیا میں شفاعت کبریٰ کا اذن نہیں ہوا بلکہ عہدۂ شفاعت کبریٰ تفویض ہونے کا وعدہ ہوا ہے اور یہی مذہب فقہائے محققین اور محدثین اور مفسرین رحمہم اللہ کا ہے ابن حجر مکی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں لکھتے ہیں روی الطبرانی بسند حسن مرفوعًا یدخل من اهل هذه القبلة النار من لا یحصی عددهم الا الله بما عصوا الله واجروا علی معصیته وخالفوا طاعته فیوذن لی فی الشفاعة فاثنی علی الله ساجدا فیقال لی ارفع راسك سل تعط اشفع تشفع طبرانی نے مرفوعًا بسند حسن روایت کیا ہے کہ اہل قبلہ میں سے اکثر جنکی گنتی خدا کے سوا کسی کو نہیں معلوم جہنم میں جائیں گے کیونکہ انھوں نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور گناہ کیے ہیں اور اسکی اطاعت کے خلاف کیا ہے پس مجھے شفاعت کی اجازت دیجائے گی اور میں سجدہ کرکے خدا کی تعریف کرونگا تو مجھسے کہا جائیگا کہ تم سر اٹھاؤ اور مانگو تم کو دیا جائیگا اور شفاعت کرو تمھاری شفاعت قبول کی جائیگی۔ اور اس بڑی حدیث میں جس میں انبیا کی طرف اہل محشر کے توسل کو تفصیل سے بیان کیا ہے احمد اور ابو یعلی اور بزار اور ابن حبان کی روایت سے مروی ہے فیقول عیسٰی لیس ذلك عندی ولکن انطلقوا الی سید ولد آدم فلیشفع لکم الی ربکم فینطلقون فیقول الله یا محمد ارفع رأسك وقل واشفع بابه فینطلق جبرئیل به فیخر ساجدا قدر جمعة ثم یقول الله تعالی یا محمد ارفع رأسك وقل یسمع واشفع تشفع حضرت عیسٰی علیہ السلام کہیں گے کہ مجھے اسکا حق نہیں ہے تم اولاد آدم کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ خدا سے تمھاری سفارش کرینگے پس وہ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنا سر اٹھاؤ اور شفاعت کرو جسکی چاہو پس حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئیں گے لیکن آپ ایک ہفتہ سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالے فرمائیگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

تم اپنا سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائیگی اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہوگی اور سیوطی رحمہ اللہ نے
بدورسافرہ فی احوال الآخرہ میں احمد اور بخاری اور مسلم کی روایت سے لکھا ہے فیأتون عیسی فیقول
لست بذلک ائتوا محمدا غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فیاتونی فاقوم حتی استاذن
ربی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے پس وہ کہیں گے میں اسکا اہل نہیں ہوں تم لوگ محمد
مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے پاس جاؤ اللہ نے انکے اگلے اور پچھلے گناہ بخشدیے ہیں پس وہ لوگ میرے
پاس آئیں گے اور میں شفاعت کا قصد کرونگا یہاں تک کہ میرا خدا مجھے اجازت دے اور احمد اور ابو یعلی
کی روایت میں ہے فیاتونی فیقولون یا محمد اشفع لنا الی ربک فاقوم لہا حتی یاذن اللہ پس
لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت کیجیے پس میں شفاعت
کا قصد کرونگا یہاں تک کہ خدا مجھے اجازت دے اور مسلم اور حاکم کی روایت میں ہے فیاتون محمدا صلے اللہ
علیہ وسلم فیقوم فیوذن لہ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے پاس آئیں گے اور آپ
شفاعت کرنے کے لیے مستعد ہونگے پس آپ کو شفاعت کرنے کی اجازت دیجائے گی۔ اور طبرانی
اور ابن مبارک اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی روایت میں ہے فیاتون عیسے
فیقول ادلکم علی العربی الاخیر فیاتونی فیاذن اللہ لی ان اقوم یعنے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے پاس جائینگے وہ فرمائیں گے میں تمکو رسول عربی کے پاس جانیکی ہدایت کرتا ہوں تب لوگ میرے
پاس آئیں گے اور خدا مجھے کھڑے ہونے کی اجازت دیگا۔ اور ابو یعلی کی روایت میں ہے اسجد سجدۃ
یرضی بہا عنی ثم امدحہ مدحۃ یرضی بہا عنی ثم یوذن لی بالکلام یعنے میں ایک
سجدہ کرونگا جسکی بدولت خدا مجھسے راضی ہوجائیگا پھر میں اسکی ایسی مدح کروں گا جسکی بدولت
وہ مجھسے راضی ہوجائیگا پھر مجھے کلام کی اجازت دیگا۔ اور عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے
کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں لکھا ہے قال الشیخ محی الدین رحمہ اللہ
وانما اخبرنا صلے اللہ علیہ وعلی الہ وسلم بانہ اول شافع واول مشفع شفقۃ علینا
للتسریح من التعب الحاصل بالذہاب الی نبی بعد نبی فی ذلک الیوم العظیم وکل منہم یقول
نفسی نفسی فاراد اعلامنا بمقامہ لنصبر فی مکاننا مستریحین حتی تاتی نوبتہ صلے اللہ
علیہ وعلی الہ وسلم وانما قال فی اخر الحدیث ولا فخر ای لا اتبجح بکونی سید ولد ادم

من الانبياء فمن دونهم وانما قصدت بذلك راحتكم من التعب يوم القيامة بحكم الوعد السابق لي من الله عزوجل ان اكون اول شافع واول مشفع شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے ہمکو خبر دی ہے کہ آپ پہلے وہ شخص ہیں جو شفاعت کرینگے اور جنکی شفاعت قبول کی جائے گی ہمارے اوپر شفقت کی غرض سے تاکہ ہم اُس تھکن سے آرام پائیں جو ہم کو یکے بعد دیگرے انبیا علیہم السلام کے پاس جانے سے اُس بڑے دن میں لاحق ہوئی تھی جبکہ انبیا میں سے ہر ایک نفسی نفسی کہ رہا ہوگا پس اُنھوں نے ہمکو اپنا مرتبہ بتانا چاہا تاکہ ہم اپنی جگہہ پر صبر کرکے راحت حاصل کریں حتی کہ آپ کی باری آجائے اور آخر حدیث میں آپنے فرمایا ہے ولا فخر اسکے معنی یہ ہیں کہ میں اولاد آدم میں سے انبیا اور غیر انبیا سب کے سردار ہونے پر فخر نہیں کرتا بلکہ اس سے میرا منشا یہ ہے کہ تمکو خدا کا یہ وعدہ کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جو شفاعت کریگا اور جسکی شفاعت قبول کیجائے گی بتلا کر جو اُس نے پہلے مجھ سے کرلیا ہے تم کو قیامت کے دن اُس تھکن سے بچاؤں جو تمام انبیا کے پاس جانے سے ہوگی۔ اور محی السنہ لبغوی رحمہ اللہ معالم التنزیل میں قل للہ الشفاعۃ جمیعا کی تفسیر میں لکھتے ہیں قال مجاهد لا يشفع احد الا باذنه مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہ کریگا۔ اور نووی شرح صحیح مسلم میں ہے قوله صلے الله عليه وعلى اله وسلم فاستاذن على ربي فيوذن لي قال القاضي عياض معناه فيوذن لي في الشفاعة الموعودة بها یعنے حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے کہ میں اللہ تعالی سے اجازت لونگا اور وہ مجھے اجازت دیدیگا قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں اسکے معنے یہ ہیں کہ مجھے اُس شفاعت کی اجازت دیگا جسکا اُس نے وعدہ کیا ہے۔ اور ملا جلال دوانی رحمہ اللہ شرح عقائد عضدیہ میں لکھتے ہیں والشفاعة لدفع العذاب ورفع الدرجات حق لمن اذن له الرحمن من الانبياء والمومنين بعضهم لبعض شفاعت دفع عذاب ورفع درجات کے لئے اُن لوگوں کے واسطے ثابت ہے جنکو خدا اجازت دے خواہ وہ انبیا ہوں یا مومنین جو دوسرے مومنین کی شفاعت کریں۔ اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے ام اتخذوا من دون الله شفعاء ان في يوم القيمة لا يملك احد شيئا فلا يقدر احد على الشفاعة الا باذن الله فيكون الشفيع في الحقيقة هو الله الذي ياذن في تلك الشفاعة کیا وہ خدا کے سوا

اور کوئی شفاعت کرنے والے رکھتے ہیں قیامت کے دن کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہو گا پس بے اجازت
خداوندی کوئی شفاعت پر بھی قادر نہو گا پس در حقیقت خدا ہی شفاعت کرنیوالا ہو گا جو اس
شفاعت کی اجازت دیگا۔ اور ایسا ہی تفسیر اور عقائد کی اکثر کتابوں میں ہے مگر آیت واستغفر
لذنبك الخ اس دنیا میں استغفار کی بابت وارد ہوئی ہے نہ شفاعت آخرت کی بابت بغوی رحمہ اللہ
نے اسی آیت کے تحت میں لکھا ہے امر بالاستغفار مع انه مغفور له لیستن امته حضور سرور کائنات
علیہ السلام والصلوٰۃ کو استغفار کا حکم دینا باوجودیکہ وہ بخشدیے گئے ہیں اس غرض سے ہے کہ وہ اپنی
امت کو اسکا طریقہ بتا دیں۔ اور جو حدیث سوال میں مذکور ہے وہ دنیا میں اذن شفاعت پر دلالت
نہیں کرتی بلکہ دونوں امروں کو محتمل ہے اور نصوص مذکورہ اذن روز قیامت پر صاف دلالت
کرتے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا نہیں جن میں سے دو میں کسی ایک بات کا قائل کاذب یا فاسق کہا جائے
اور اس بات میں بہت احتیاط کرنا چاہیئے حررہٗ عبدالحی عفی عنہ سوال حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ
والثنا کے والدین کا ایمان ثابت ہے یا نہیں اور جو شخص تحریراً یا تقریراً ان دونوں کی طرف کفر کی
نسبت کرے اسکا کیا حکم ہے جواب اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے بعض ایمان بعد الاحیاء کے
قائل ہوے ہیں اور بعض احادیث احیا کو موضوع کہتے ہیں اور عدم ایمان کے قائل ہیں اور چونکہ وہ
ارباب فطرت یعنے انبیاء سے خالی زمانہ میں سے ہیں اس لیے اُن کی نجات کے قائل ہیں علامہ جلال الدین
سیوطی رحمہ اللہ نے اس باب میں سات رسالے لکھے ہیں اور بہت سی کوشش سے نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے والدین کی نجات ثابت کی ہے۔ اور ملا علی قاری اور ابراہیم حلبی رحمہما اللہ نے
اُن کے بعض رسائل کا رد لکھا ہے مگر چونکہ اس باب میں دلائل متعارض ہیں اسوجہ سے سکوت
کرنا زیادہ اچھا ہے اور حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے والدین کو کافر یا فی النار کہنا بڑی
بے ادبی اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اذیت کا سبب ہے حموی شرح اشباہ میں لکھتے ہیں اعلم
ان السلف اختلفوا فی ابوی الرسول صلے اللہ علیہ وسلم ما تا علی الکفر ام لا فذهب الی
الاول جمع منهم صاحب التیسیر وخطب الی الثانی جماعة ونفر من الجمع الاول قالوا انهما
من النار وسئل القاضی ابو بکر ابن العربی احد الائمة المالکیة عن رجل قال ان ابا النبی صلے اللہ
علیه وسلم فی النار فاجاب بانه ملعون لان اللہ تعالے قال ان الذین یؤذون اللہ

ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة ولا اذی اعظم من ان یقال عن ابیه انه فی النار
وقال السہیلی فی الروض الانف لیس لنا نحن ان نقول ذلک فی ابویہ لقوله صلی اللہ علیہ
واله وسلم لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات واللہ یقول ان الذین یؤذون اللہ ورسوله
الآیۃ وامرنا ان نمسک اللسان اذا ذکر اصحابہ رضی اللہ عنہ بشیٔ یرجع ذلک الی العیب
فیہم فلان نمسک عن ابویہ احق واجری فجملۃ المرام فی هذہ المسألۃ ان هذہ المسألۃ
لیست من الاعتقادیات فلا حظ للقلب منها واما اللسان فحقہ الامساک وعما ینبأ درمنہ
النقصان سلف نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے والدین کے متعلق اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ
حالت کفر میں مرے یا نہیں تو ایک گروہ جس میں سے صاحب تیسیر بھی ہیں مذہب اول کی طرف اور دوسرا
مذہب ثانی کی طرف گیا ہے اور پہلے گروہ میں سے ایک جماعت نے کہا ہے کہ ان کو جہنم سے نجات ملجائیگی
اور قاضی ابوبکر بن عربی سے جو ایمہ مالکیہ میں سے ہیں اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو یہ کہتا ہو کہ نبی کریم
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین جہنم میں جائیں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ ایسا شخص ملعون ہے
کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دینے ہیں خدا اسپر دنیا اور آخرت
میں لعنت بھیجتا ہے اور اس سے زائد کیا اذیت ہوسکتی ہے کہ آپکے والدین کے متعلق یہ کہا جائے کہ
وہ جہنم میں جائینگے سہیلی نے روض انف میں کہا ہے کہ ہمکو حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے
والدین کے متعلق یہ نہ کہنا چاہیے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے زندوں کو مردوں
کی وجہ سے اذیت نہ پہونچاؤ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وہ لوگ جو خدا اور اسکے رسول کو اذیت دیتے
ہیں الآیۃ اور ہمکو حکم دیا گیا ہے کہ جب آپکے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر اس طرح کیا جائے
کہ انپر حرف آئے تو ہم زبان کو روکیں تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق زبان
کا روکنا زائد لائق ومناسب ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ یہ مسئلہ اعتقادیات میں سے نہیں ہے پس قلب
کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے لیکن زبان کو ان امور سے روکنا چاہیے جن سے شان نبوی میں نقصان
آئے واللہ اعلم حررہ عبدلحی عفی عنہ سوال سنیوں کی اکثر تفسیروں میں جیسے تفسیر کبیر تفسیر واحدی وغیرہ
میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا حجۃ الوداع سے پلٹے اور موضع غدیر خم
میں پہونچے تو یہ آیت یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک یا رسول اللہ حبیبی آپ پر

اتری ہے آپ اُسے لوگوں کو پہونچا دیں۔ نازل ہوئی پس باوجودیکہ وہ جگہ اُترنے کی صلاحیت نہیں
رکھتی تھی اور ہوا بہت گرم تھی مگر پھر بھی آپ نے اہتمام تبلیغ فرماکر وہاں اُترے اور خطبہ بلیغہ پڑھا کہ اُس کے
آخر میں یہ حدیث تھی جو خم غدیر کے نام سے مشہور ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ جسکا میں مولی ہوں
اُسکے علی مولی ہیں اور جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو یہ آیۃ الیوم اکملت لکم دینکم (آج ہم نے
تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا) نازل ہوئی اور اس مقام پر مفسرین نے شانِ نزول آیتِ اولیٰ کی
وجہوں میں سے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے انہا نزلت فی علی یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان
میں نازل ہوئی ہے اور روایات میں آیا ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کو مولائیت کی بشارت دی اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ
حضرت امیر علیہ السلام کی شان میں کہکر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کہ
اُس قصیدے کے کسی شعر میں یہ الفاظ ہیں وجعلہ اماما وھادیا اسکو امام اور ہادی کر دیا اب
دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیت مذکورہ کے شان نزول کی یہ روایت صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو آیت
اور اُسکی تفسیر انہا نزلت فی علی کا اصلی مطلب کیا ہے بلکہ اس سے مراد امامت ہے یا ولایت اور
آیت ثانیہ خم غدیر میں خطبہ کے بعد نازل ہوئی ہے یا کسی دوسرے وقت اور دوسری جگہ صورت
اول میں اکمال دین اور اتمام نعمت سے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی مولائیت کا اظہار
ہے یا کسی دوسری چیز کا۔ اور اگر اُس سے مولائیت مراد ہے اور مولائیت ولایت سے عبارت ہے
پس اکمال دین اور اتمام نعمت کا اظہار اصول مقررہ کے موافق کیونکر صحیح ہوگا مع وجوہ تحریر فرمایئے
اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اپنے قصیدہ میں عطائے منصب امامت و ولایت مطلقہ
کی طرف اشارہ کیا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی تعریف فرمائی اور اُنکو زجر نہ فرمایا
اور منع بھی نہیں کیا اس سے بدلالت عقلی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضور کی مراد الفاظ حدیث سے ہی
تھی جسکو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدے میں ظاہر کیا۔ ان تمام امور کا جواب بحوالہ کتب
ارقام فرمایئے اسکا خیال رہے کہ مستفتی سنی المذہب ہے اور کتب مناظرہ کے مطالعہ سے یہ خدشہ
اسکے دل میں پڑ گیا ہے جسکو وہ دفع کرنا چاہتا ہے جواب ہو المصوب آیت الیوم اکملت لکم دینکم خم غدیر
میں نازل نہیں ہوئی ہے جن لوگوں نے اس آیت کے وہاں نازل ہونے کی روایت کی ہے اُن کا قول

اعتبار کے قابل نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن مقام عرفات پر نازل ہوئی تھی اور اس سے مراد احکام و مناسک حج و شرایع کے اتمام کی وجہ سے اکمال دین ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت سے اس آیت کو کوئی تعلق نہیں ہے سیوطی رحمہ اللہ نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے

اخرج الحمیدی و احمد و عبد بن حمید و البخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن حبان و البیهقی فی سننه قال قالت الیهود لعمر انکم تقرؤن آیة فی کتابکم لو علینا معشر الیهود نزلت لاتخذنا ذلك الیوم عیدا قال ای و ایة قال الیوم اکملت لکم دینکم قال عمر و الله لاعلم الیوم الذی نزلت علی رسول الله فیه والساعة التی نزلت فیها نزلت عشیة عرفة فی یوم الجمعة حمیدی اور احمد اور عبد بن حمید اور بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن جریر و ابن منذر و ابن حبان اور بیہقی نے اپنے سنن میں یہ روایت کی ہے کہ یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اپنی کتاب میں ایک آیت پڑھتے ہو کہ اگر وہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے آپ نے پوچھا وہ کون آیت ہے انھوں نے کہا الیوم اکملت (آج کے دن میں نے تمھارے لئے تمھارے دین کو کامل کر دیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں اس دن کو جانتا ہوں اور اس وقت کو بھی جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی یہ آیت عرفہ کی رات کو جمعہ کے دن نازل ہوئی ہے۔ اور ایسا ہی جریر نے قتادہ سے اور ابن منذر اور ابن جریر نے شعبی سے اور اسحٰق ابن راہویہ اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور طیالسی اور عبد بن حمید اور ترمذی اور ابن جریر اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ابن جریر اور طبرانی نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور بزار اور طبرانی اور ابن مردویہ نے سمرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے چنانچہ وہ سب روایتیں درمنثور میں بسط سے لکھی ہیں۔

اور ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں حلی کے اس قول کی رد میں کہ یہ آیت خم غدیر میں نازل ہوئی ہے لکھا ہے هذا من الکذب الموضوع باتفاق اهل المعرفة بالموضوعات و هذا یعرفه اهل العلم بالحدیث و لهذا لا یوجد هذا فی شیء من کتب الحدیث التی یرجع الیها اهل العلم بالحدیث و فیه ایضا قد ثبت فی الصحاح و المسانید و التفاسیر ان هذه الایة نزلت علی النبی صلی الله علیه وسلم و هو واقف بعرفة و هذا مستفیض و

منقول فی کتب المسلمین وھذا الیوم کان قبل غدیر خم بتسعة ایام فانہ کان یوم الجمعة تاسع ذی الحجة فکیف یقال انھا نزلت یوم الغدیر وفیہ ایضا ھذہ الآیة لیس فیھا دلالة علی امامتہ علی بوجہ من الوجوہ بل فیھا اخبار اللہ بکمال الدین واتمام النعمة علی المومنین یعنی یہ جھوٹ ہے موضوعات کے جاننے والے سب اسپر متفق ہیں کہ یہ موضوع ہے اور اسے حدیث کے جاننے والے جانتے ہیں اسی لئے حدیث کی اُن کتابوں میں اسکا تذکرہ نہیں ہے جنکی جانب حدیث کے جاننے والے رجوع کرتے ہیں (اور بھی اُسی میں ہے) صحاح ومسانید وتفاسیر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ آیت حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسوقت نازل ہوئی ہے جب آپ وقوف عرفات میں مشغول تھے اور یہ بکثرت مسلمانوں کی کتابوں میں منقول ہے اور یہ دن واقعۂ خم غدیر سے نو دن قبل تھا کیونکہ یہ نویں ذیحجہ یوم جمعہ کو ہوا پس یہ کیونکر درست ہے کہ یہ آیت یوم غدیر کو نازل ہوئی (اور بھی اسی میں ہے) یہ آیت کسی طرح کچھ بھی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی امامت پر دلالت نہیں کرتی ہے بلکہ اس میں خدا نے دین کے کامل کرنے اور مسلمانوں پر نعمت کے نازل کرنے کی خبر دی ہے۔ اور آیۂ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو کفار نے تکلیف پہونچائی تو تبلیغ دین سے حضور کا دل تنگ ہوا اور خاطر شریف پر ملال ہوا پس اللہ تعالیٰ نے اُس کے دفع کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرماکر حکم دیا کہ آپ بخوف وملال احکام الٰہی پہونچائیں اسلئے کہ اللہ آپ کی حفاظت کرنے والا ہے اور اس آیت میں تبلیغ احکام الٰہی کی تعمیم ہے۔ اور اس آیت کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی امامت سے کچھ تعلق نہیں ہے اور جو بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ آیت امامت اور ولایت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جیساکہ ثعلبی وغیرہ نے اسکو روایت کیا ہے وہ محدثین کے نزدیک اعتبار کے قابل نہیں ہے منہاج السنہ میں ہے اتفقوا علی ان الحدیث المذکور الذی رواہ الثعلبی فی تفسیرہ ھو من الموضوع یعنی محدثین اسپر متفق ہیں کہ حدیث مذکور جسے ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے موضوعات سے ہے۔ اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ والا قصہ اگرچہ صحیح ہے مگر اُس میں خلافت کا ذکر نہیں ہے مولا کے معنے ناصر اور محب اور مقتدی وغیرہ کے آئے ہیں عقلمند کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر اس قصہ

میں یہ آیات مذکورہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کی جانب اشارہ ہوتا تو اس عالم سے حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی روپوشی کے بعد مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کی منازعت کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان حجج کو پیش فرماتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس نص اور ان آیتوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کی جانب اشارہ نہ تھا۔ ایسے مباحث میں مستفتی کو چاہیئے کہ اُن کتابوں کا مطالعہ کرے جو روافض کی رد میں تالیف ہوئی ہیں جیسے ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جو اس بحث میں تمام کتابوں سے عمدہ کتاب ہے اور تحفۂ اثنا عشریہ کو بھی دیکھئے تاکہ جو خلجان پیدا ہوئے ہیں سب دفع ہو جائیں واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** زید یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الف الف تحیات کے خلفاء رضی اللہ عنہم بہت فضائل رکھتے ہیں مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ فضیلت کہ حضور سرور عالم نے فرمایا ہے لحمک لحمی ودمک دمی تمہارا گوشت میرا گوشت اور تمہارا خون میرا خون ہے ایسی فضیلت ہے جو خلفائے ثلثہ کے تمام فضائل سے زیادہ ہے اسی وجہ سے اپنے خیال کے موافق وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتا ہے کہ اگرچہ خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم دوسرے فضائل رکھتے ہیں مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس فضیلت کے زائد اُنکی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ لہذا اس فضیلت جزئیہ کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت کلیہ لازم آئی۔ **جواب** اہل سنت جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہیں تو اُن کی مراد اس فضیلت سے فضیلت من حیث کثرۃ الثواب ہے نہ مطلقاً پس بعض فضائل کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص ہونے کا اعتقاد رکھنا عقیدۂ اہل سنت کے خلاف نہیں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ جزئیہ فضیلت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی قادح نہ ہوگی۔ مولانا جلال الدین دوانی رحمہ اللہ نے حاشیہ جدیدہ شرح تجرید میں لکھا ہے انما اختلفوا فی الافضلیۃ من حیث الثواب کما ھو الشائع فی کتب العقائد اذ لا ینکر احد من اھل السنۃ رجحان علی رضی اللہ عنہ فی کثیر من الفضائل علی غیرہ باعتبار زیادتی ثواب کے لحاظ سے علماء کا افضل ہونے میں اختلاف ہے جیسا کہ عقائد کی کتابوں میں ہے کیونکہ کوئی اہل سنت میں سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت سے فضائل میں دوسروں سے زائد ہیں اور ایسا ہی شرح عقائد عضدیہ میں لکھا ہے حررہ عبدالحی عفی عنہ **سوال** شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ القوی مدارج میں بزبان فارسی تحریر فرماتے ہیں

جسکا ترجمہ کہ یہ چھبیسویں صفر یوم دوشنبہ کو حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں کی لڑائی پر مقرر فرمایا اور اٹھائیسویں کو حضور بیمار ہوئے۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے کہ گیارھویں ربیع الاول کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھا اور بارھویں تاریخ دوشنبہ کے دن آپنے اس عالم سے روپوشی فرمائی انتہٰی اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے حالانکہ اگر صفر کی دونوں تاریخوں سے حساب کیا جائے تو ربیع الاول کی بارھویں تاریخ دوشنبہ کو نہیں پڑتی ہے چاہے چاند انتیس کا ہوا ہو یا تیس کا۔ جواب حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی وفات بالاتفاق دوشنبہ کے دن ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی تھی اور اس باب میں اختلاف ہے کہ جس دن حضور روحی فداہ کی وفات ہوئی اُس دن کون تاریخ تھی جو لوگوں میں مشہور اور اکثر کتب میں مذکور ہے یہ ہے کہ دوشنبہ کا دن تھا اور ربیع الاول کی بارھویں تاریخ تھی مگر یہ امر ممکن نہیں ہے کیونکہ غرۂ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ ہجری باتفاق ارباب سیر وغیرہ پنجشنبہ کو تھا کیونکہ حج نبوی جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں جمعہ کے دن بالاتفاق ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذیحجہ کی نویں تاریخ جمعہ کے دن تھی اگر ارباب سیر کی تصریح سے قطع نظر کرلیں تو روایات حدیث سے بھی ثابت ہے اور اس میں کسی کو کوئی خلاف نہیں ہے اس لئے یہ ممکن نہیں ہر کہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہجری کی بارھویں تاریخ دوشنبہ کے دن ہو اگر ذیحجہ اور محرم اور صفر تینوں مہینے تیس تیس ۳۰ دن کے بھی قرار دیے جائیں کیونکہ اس حساب سے غرہ محرم دوشنبہ کے دن اور غرۂ صفر سہ شنبہ کو اور غرۂ ربیع الاول چہارشنبہ کو پڑتا ہے پس ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو چھٹی تاریخ اور دوسرے دوشنبہ کو تیرھویں تاریخ ہوگی اور اگر یہ تینوں مہینے انتیس انتیس ۲۹ دن کے قرار دیے جائیں تو اس حساب سے غرۂ محرم جمعہ کے دن اور غرۂ صفر شنبہ کے دن اور غرہ ربیع الاول یکشنبہ کے دن پڑتا ہے پس ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو دوسری اور دوسرے دوشنبہ کو نویں تاریخ ہوگی۔ اور اگر یہ تینوں مہینے مختلف قرار دیے جائیں تو دو حال سے خالی نہیں ہر یا غرۂ محرم جمعہ کے دن ہوگا یا شنبہ کے دن کیونکہ اسیر سب کا اتفاق ہے کہ ذیحجہ کا غرہ پنجشنبہ کے دن تھا پس اگر غرۂ محرم جمعہ کے دن قرار دیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں محرم کامل لیا جائے اور صفر ناقص یا محرم ناقص لیا جائے اور صفر کامل اگر محرم کامل اور صفر ناقص لیا جائے تو غرۂ صفر یکشنبہ کے دن اور غرۂ ربیع الاول دوشنبہ کے دن ہوگا اور اگر محرم ناقص لیا جائے اور صفر کامل تو غرۂ صفر شنبہ کے دن

اور غرۂ ربیع الاول دوشنبہ کے دن ہوگا اور ہر صورت میں ربیع الاول کا پہلا دوشنبہ غرہ ہوگا
اور دوسرے دوشنبہ کو آٹھویں تاریخ ہوگی اور اگر غرۂ محرم شنبہ کو قرار دیا جائے پس اگر محرم کامل
اور صفر ناقص لیا جائے تو غرۂ صفر دوشنبہ کو اور غرۂ ربیع الاول سہ شنبہ کو ہوگا اور اگر محرم ناقص
اور صفر کامل لیا جائے تو غرۂ صفر یکشنبہ کو اور غرۂ ربیع الاول سہ شنبہ کو ہوگا اور ہر صورت میں ربیع
الاول کے پہلے دوشنبہ کو ساتویں اور دوسرے دوشنبہ کو چودھویں تاریخ ہوگی اور ان احتمالوں کے
سوا کوئی اور احتمال واقع نہیں ہوسکتا جس سے ربیع الاول ۱۱ھ کی بارھویں تاریخ دوشنبہ
کے دن پڑے جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا سال ہے۔ اور اس بات میں علمائے
محققین مختلف ہیں بعض وہ ہیں جنھوں نے اشکال کا لحاظ کرکے سکوت اختیار کیا ہے امام یافعی رحمہ
اللہ مرآۃ الجنان میں لکھتے ہیں قلت فیما قیل انہ توفی لثانی عشر منہ اشکال من اجل انہ
صلے اللہ علیہ وسلم کانت وقفتہ بالجمعۃ فی السنۃ العاشرۃ اجماعاً فاذا کان کذالک ولا یتصور
وقوع یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول من السنۃ التی بعدہا وذالک مطرد فی کل سنۃ یکون
الوقفۃ قبلہ بالجمعۃ علی کل تقدیر من تمام الشہور ونقصانہا وتمام بعضہا ونقصان
بعض یعنے میں کہتا ہوں یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربیع الاول
۱۱ھ کی بارھویں تاریخ وفات فرمائی اس میں دشواری ہے کیونکہ آپ کا وقوف عرفات
بالاجماع ۱۰ھ میں جمعہ کے دن تھا پس جب لیا ہے تو دوشنبہ کے دن اُسکے بعد والے سن میں
کسی طرح ربیع الاول کی بارھویں تاریخ نہیں پڑتی اور یہاں تمام سالوں میں ہوگا جب اُسکے قبل
والے ذی الحجہ میں وقوف عرفات جمعہ کے دن ہو جاہے تمام مہینوں کو تیس تیس دن کا مانو یا بعض
کو تیس کا اور بعض کو اُنتیس کا یا سب کو اُنتیس کا مانو۔ اور بعض نے تینوں مہینوں کو کامل مانکے تاریخ وفات
تیرھویں مانی ہے جیسا کہ ابن رجب دمشقی نے لطائف المعارف میں لکھا ہے اختلفوا فی تعیین ذالک الیوم من
الشہر فقیل کان اولہ وقیل کان ثانیہ وقیل ثانی عشرۃ وقیل ثالث عشرۃ وقیل خامس عشرۃ
والمشہور بین الناس انہ کان ثانی عشر ربیع الاول وقد رد ذالک السہیلی وغیرہ بان
وقفۃ حجۃ الوداع فی السنۃ العاشرۃ وکانت الجمعۃ وکان اول ذی الحجۃ الخمیس فمتی
کان کذالک لم یصح ان یکون یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول سواء حسبت الشہور

الثلثة اعنی ذاالحجة ومحرمًا وصفرًا کلها کاملة او ناقصة او بعضها کاملة وبعضها ناقصة
وانا اجیب عن ھذا بجواب حسن وھوان ابن اسحٰق ذکرانہ صلے اللہ علیہ وسلم توفی
لاثنتے عشرة لیلة ربیع الاول وھذا یمکن فان العرب تورخ باللیالی دون الایام ولکن
لاتورخ الا بلیلة مضے یومھا فیکون الیوم تبعا للیلة وکل لیلة لم یمض یومھا لم یعتدبھا
وحینئذٍ فیوم الاثنین الذی توفی فیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان ثالث
عشر الشھر لکن لما لم یکن یومہ قد مضٰی لم یورخ بلیلة یعنے اس دن کے تعین میں
اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ پہلی تھی اور بعض کے نزدیک دوسری تھی اور بعض بارھویں کہتے
ہیں اور بعض تیرھویں کے قائل ہیں اور بعض پندرھویں کہتے ہیں اور لوگوں میں عام طور سے
یہی مشہور ہے کہ اُس دن بارھویں ربیع الاول تھی اور سہیلی وغیرہ نے اس کی یوں تردید
کی ہے کہ ۱۰ھ میں وقوف حجۃ الوداع جمعہ کو تھا اور ذی الحجہ کی پہلی پنجشنبہ کو اور جب
ایسا ہو تو دوشنبہ کو بارھویں ربیع الاول نہیں ہوسکتی خواہ تینوں مہینے یعنے ذی الحجہ محرم اور
صفر تیس ۳۰ تیس ۳۰ دن کے مانے جائیں یا انتیس ۲۹ انتیس ۲۹ کے یا بعض تیس کے اور بعض اُنتیس کے میں اس کا
ایک اچھا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ربیع الاول کی بارھویں رات کو انتقال فرمایا اور یہ ممکن ہے کیونکہ عرب رات کے اعتبار سے تاریخیں مقرر
کیا کرتے تھے نہ کہ دن کے اعتبار سے لیکن تاریخ اسی رات کو مقرر ہوتی ہے جسکا دن گذر گیا ہو پس دن رات
کے بعد ہوگا اور جس رات کا دن نہ گذرا اُس کا اعتبار نہیں ہے اور اس وقت دوشنبہ جس میں حضور
سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰة نے انتقال فرمایا ہے اس دن مہینہ کی تیرھویں تاریخ تھی لیکن
چونکہ دن نہیں گذرا تھا لہٰذا اُس رات کو تاریخ نہیں بدلی۔ اور بعض نے دوسری اور بعض نے غرہ اور
بعض نے چودھویں ۱۴ تاریخ کو اختیار کیا ہے۔ ابو عبداللہ محمد الزرندی المدنی رحمہ اللہ نے کتاب
الاعلام بسیرة النبی علیہ السلام میں لکھا ہے اتفق العلماء واھل السیر علے ان رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم توفی یوم الاثنین فی ربیع الاول غیر ان اکثر ھم قالوا فی الثانی عشر منہ
ولا یعم ان یکون یوم الاثنین ثانی عشر لاجماع المسلمین علی ان وقفة عرفة کانت فی
حجة الوداع یوم الجمعة وھو تاسع ذی الحجة وکان اول ذی الحجة یوم الخمیس فکان اول

المحرم اما الجمعۃ واما السبت فان کان الجمعۃ فقد کان صفر اما السبت واما الاحد فان کان السبت فقد کان الربیع اما الاحد والاثنین وکیف ما دارت الحال علی ھذا الحساب فلا یکون یوم الاثنین الثانی عشر من الربیع بوجہ وذکر الطبری عن ابن الکلبی انہ توفی فی الثانی من الربیع قال السھیلی ھذا وان کان خلاف الجمھور فانہ لا یبعد ان کانت الثلثۃ الاشھر التی قبلہ من تسعۃ وعشرین ونقل الخوارزمی انہ توفی فی اول یوم من الربیع وھذا اقرب فی القیاس مما ذکرہ الطبری ونقل الاستاذ ابو سعید عبد الملک الواعظ فی کتابہ شرف المصطفی انہ توفی یوم الاثنین للنصف من ربیع الاول وھذا اقرب علماء اور اہل سیر نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے ربیع الاوّل کے مہینہ میں دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا لیکن اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اس دن مہینے کی بارھویں تاریخ تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ دوشنبہ کے دن بارھویں تھی کیونکہ مسلمانوں نے اسپر اجماع کیا ہے کہ حجۃ الوداع میں وقوف عرفات جمعہ کے دن تھا اور اس دن ذی الحجہ کی نویں تاریخ تھی اور پہلی ذی الحجہ پنجشنبہ کو تھی اور پہلی محرم یا جمعہ کو ہوئی یا شنبہ کو اگر پہلی محرم جمعہ کے دن تھی تو صفر کی پہلی یا تو شنبہ کو ہوئی یا یکشنبہ کو پس اگر پہلی صفر شنبہ کو ہوئی تو ربیع الاول کی پہلی یا تو یکشنبہ کو ہوئی یا دوشنبہ بہر حال جسطرح حساب کیا جائے دوشنبہ کو ربیع الاول کی بارھوین کسیطرح نہیں پڑتی اور طبری نے ابن کلبی سے نقل کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دوسری ربیع الاول کو وفات فرمائی سہیلی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اگرچہ جمہور کے خلاف ہے لیکن کچھ بعید نہیں ہے اگر اسکے قبل کے تین مہینے انتیس انتیس دن کے ہوں اور امام خوارزمی نے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ربیع الاول کی پہلی کو رحلت فرمائی اور یہ طبری کی روایت سے زائد قرین قیاس ہے اور استاذ ابو سعید عبد الملک واعظ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرف المصطفےٰ میں نقل کیا ہے کہ آپنے دوشنبہ کے دن نصف یعنے پندرہ ربیع الاول کو رحلت فرمائی اور یہ زائد مناسب ہے اسجگہ ایک اور احتمال بھی ہے کہ سنہ ہجری میں مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا میں اختلاف مطالع یا دوسرے امور کی وجہ سے غرۂ ذی الحجہ جمعہ کے دن ہوا ہو اور ذی الحجہ محرم صفر تینوں مہینے تیس تیس دن کے ہوے ہوں تو اس حساب سے ربیع الاول کی پہلی پنجشنبہ کو ہوئی اور جب پنجشنبہ کی پہلی مان لیجائے تو دوشنبہ کو بارھویں بھی ضرور ہے

ماننا پڑیگی مگر اس صورت میں یہی ماننا پڑیگا کہ مدینہ منورہ میں چار مہینے برابر تیس تیس دن کے ہوتے رہے کیونکہ فتح الباری اور ارشاد الساری وغیرہ شروح صحیح بخاری میں مصرح ہے کہ غرۂ ذیقعدہ کا سنہ ۱۰ھ مدینہ منورہ میں چہار شنبہ کے دن ہوا تھا اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرات اصحاب رضی اللہ عنہم پچیسویں ذیقعدہ کو دوشنبہ کے دن حج کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور آپ نے ذیحجہ کا چاند انتیس ذیقعدہ کو چہار شنبہ کے دن راستے میں دیکھا تھا پس اگر یہ مان لیں کہ ذیقعدہ تیس دن کا ہوا اور مدینہ منورہ میں ذیحجہ کا چاند تیس ذیقعدہ کو پنجشنبہ کے دن دیکھا گیا تو غرۂ ذیحجہ جمعہ کے دن ہوگا اور اسکے بعد اگر ذیحجہ بھی تیس ہی دن کا ہوا ہو تو غرۂ محرم یکشنبہ کا دن قرار پائیگا اور اسکے بعد اگر محرم بھی تیس ہی دن کا ہوا ہو تو غرۂ صفر سہ شنبہ کو قرار پائے گا اور اس کے بعد اگر صفر بھی تیس ہی دن کا ہوا ہو تو غرۂ ربیع الاول پنجشنبہ کو قرار پاتا ہے اور یہ اگرچہ قلیل الوقوع ہے مگر ناممکن نہیں ہے مگر اس صورت میں چہار شنبہ کو تیسویں صفر ہوگی نہ اٹھائیسویں صفر غرض کہ صفر سنہ ۱۱ھ کی اٹھائیسویں تاریخ کا چہار شنبہ کے دن اور ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کی بارھویں تاریخ کا دوشنبہ کے دن ہونا کسیطرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ سعید محمد گازرونی کی تاریخ میں ہے ابتداء مرضہ فی اواخر صفر لليلتين يقينا من صفر يوم الاربعاء وقيل لليلة وقيل فی مفتتح الربیع الاول یعنے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی ابتدا اواخر صفر میں مہینہ کی اٹھائیسویں رات کو چہار شنبہ کے دن ہوئی اور بعض انتیسویں کو کہتے ہیں اور بعض پہلی ربیع الاول کو۔ اور تاریخ خمیس میں ہے فی هذه السنة كانت سرية اسامة الى اهل ابنی كانت يوم الاثنين لاربع ليال بقين من صفر فلما كان يوم الاربعاء وبدأ مرض رسول الله صلے الله عليه وسلم وروی ان ابتدأ به صداع فی اواخر صفر لليلتين بقيتا من صفر يوم الاربعاء وقيل لليلة وقيل بل فی مفتتح الربيع الاول وذا الوفاء مرض بعشر بقين منه و ذكر الخطابی ان ابتداءه يوم الاثنين وقيل السبت وقيل الاربعاء قال الحاكم اسی سال دوشنبہ کے دن صفر کی چھبیسویں کو اسامہؓ کا لشکر اہل ابنی کی طرف بھیجا گیا تھا پس جب چہار شنبہ کا دن ہوا تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مرض شروع ہوگیا روایت ہے کہ ابتدا میں آپ کو اواخر صفر میں اٹھائیسویں تاریخ کو درد سر لاحق ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ انتیسویں کو اور بعض شروع

ربیع الاول کو کہتے ہیں دفا میں ہے کہ آپ کا مرض بیسویں صفر سے شروع ہوا تھا خطابی نے لکھا ہے کہ آپکے مرض کی ابتدا دوشنبہ کے دن سے ہوئی اور بعض شنبہ کے دن سے اور بعض چہارشنبہ کے دن سے آپ کے مرض کی ابتدا بتاتے ہیں یہ حاکم نے کہا ہے اس قسم کے اختلافات میں سے خذما صفا ودع ماکدر پر عمل کرنا لازم ہے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال بعد تسلیم واداے آداب خلیل احمد عرض کرتا ہے کہ عبقات الانوار مؤلفہ حامد حسین لکھنوی سرسری سائل کی نظر سے گذری اُس میں ایک روایت جسکو درباب خلافت بلافصل حضرت علی رضی اللہ عنہ دلبطلان خلافت شیخین رضی اللہ عنہم نص صریح سمجھا ہے بزعم خود علماے اہل سنت سے نقل کی ہے دیکھی اُس میں حوالے ایسے مصنفوں کی کتابوں کے دیے ہیں جنکے حالات سے سنی بھی ناآشنا ہیں وسعت علمی آنجناب اور وفور فیض وکرم سے یہ تکلیف دیتا ہوں کہ جواب جلد عنایت فرماے اول روایت یہ ہے بدرالدین محمد عبداللہ شبلی حنفی کتاب آکام المرجان فی احکام الجان میں لکھتے ہیں وقد ورد ما یدل علی ان ابن مسعود حضر لیلۃ الجن بمکۃ غیر لیلۃ الجبل فقال ابونعیم نا سلیمان بن احمد نا محمد بن عبداللہ الحضرمی نا علی بن الحسین بن ابی بردۃ البجلی نا یحیی بن یعلی الاسلمی عن حرب بن صبیح نا سعید بن مسلم عن ابی مرۃ الصنعانی عن ابی عبداللہ الجدلی عن عبداللہ بن مسعود قال استتبعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الجن فانطلقت معہ حتی بلغنا اعلی مکۃ فخط علی خطا وقال لا تبرح ثم انصاع فی الجبال فرأیت الرجال ینحدرون علیہ من رؤس الجبال حتی حالوا بینی وبینہ فاخترطت السیف وقلت لاضربن حتے استنقذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم ذکرت قولہ لا تبرح حتی اتیک فلم ازل کذلک حتی اضاء الفجر فجاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم وانا قائم فقال ما زلت علی حالک قلت لو مکثت شہرا ما برحت حتی تاتینی ثم اخبرتہ بما اردت ان اصنع فقال لو خرجت ما التقیت انا وانت الی الیوم القیمۃ ثم شبک اصابعہ فی اصابعی فقال انی وعدت ان تومن بی الجن والانس فاما الانس فقد امنت بی واما الجن فقد رائیت وما اظن اجلی الا قد اقترب قلت یا رسول اللہ الا تستخلف ابا بکر رضی اللہ عنہ فاعرض عنی فرائیت انہ لم

سوال از مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی مدرس مظاہر العلوم

یوافقه قلت یا رسول اللہ الا تستخلف عمر رضی اللہ عنہ فاعرض عنی فرائیت انہ لم
یوافقہ قلت یا رسول اللہ الا تستخلف علیا قال فلک والذی لا الہ غیرہ لو
بالعیتموہ واطعتموہ ادخلکم الجنة اور حدیثیں اس بات پر وارد ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی
اللہ عنہ مکہ میں لیلۃ الجن کو موجود تھے نہ کہ لیلۃ الجول کو ابو نعیم نے کہا ہے کہ مجھ سے سلیمان بن احمد نے
بیان کیا اُن سے محمد بن عبد اللہ حضرمی نے اُن سے علی بن حسین بن ابی بردہ بجلی نے اُن سے یحییٰ بن یعلیٰ
اسلمی نے اُن سے حرب بن صبیح نے اُن سے معبد بن مسلم نے اُن سے ابو مرہ صنعانی نے اُن سے
ابو عبد اللہ جدلی نے اُن سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے کہا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ
عنہ نے کہ مجھے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم لیلۃ الجن کو اپنے ساتھ لے چلے پس میں گیا حتےٰ کہ ہم اعلاے مکہ میں
پہونچے پس آپ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر نہ نکلنا پھر آپ پہاڑ پر تیزی سے چڑھے
پس میں نے لوگوں کو دیکھا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُنکے پاس آرہے ہیں حتی کہ اُن کے اور میرے
درمیان حائل ہوگئے میں نے نیام سے تلوار نکال لی اور کہا میں مارونگا یہانتک کہ نبی کریم علیہ التحیۃ
والتسلیم کو چھڑاوں پھر مجھے آپ کا یہ ارشاد یاد آیا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا یہانتک کہ میں تمہارے
پاس آجاؤں لہذا میں فجر طلوع ہونے تک وہیں رہا اور طلوع فجر کے وقت حضور سرور انبیا
علیہ التحیۃ والثنا تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ویسے ہی کھڑے رہے میں نے کہا اگر آپ مہینہ بھر وہاں
تشریف رکھتے تو بھی میں یہاں سے نہ ہٹتا جب تک آپ واپس تشریف نہ لاتے اور میں نے وہی امر
عرض کیا جس کے کرنے کا میں ارادہ کر چکا تھا آپنے فرمایا اگر تم باہر نکلتے تو پھر میں اور تم قیامت
تک نہ مل سکتے پھر آپنے میری انگلیوں میں اپنی انگلیاں ڈالیں اور فرمایا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ
مجھپر جن اور انسان ایمان لائینگے انسان تو مجھپر ایمان لے آئے اور جنوں کا حال تم نے دیکھ لیا میں
خیال کرتا ہوں کہ میری موت قریب ہے میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ ابو بکر صدیق رضی اللہ
عنہ کو خلیفہ نہ بنائیں گے آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا میں سمجھا کہ یہ بات آپ کو پسند
نہیں ہے پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنائیں گے آپنے
میری طرف سے منہ پھیر لیا میں سمجھا کہ یہ بات بھی آپ کو پسند نہیں ہے پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ
کیا آپ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ نہ بنائینگے آپنے جواب میں فرمایا ایسا ہی ہوگا اُس خدا کی قسم

جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے اگر تم اُن کی بیعت اور اطاعت کروگے تو میں تمکو جنت میں داخل کرونگا
اس حدیث کو سنیوں کے تاج المحدثین ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور تھوڑے تغیر کے ساتھ امام احمد
حنبل رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے قد ردی الامام احمد رضی اللہ عن
عبد الرزاق عن ابیہ عن میناء عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم قال کنت
مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الجن فتنفس فقلت ما بالك یا رسول اللہ قال
نعیت الی نفسی یا ابن مسعود قلت استخلف قال ومن قلت ابوبکر قال فسکت ثم مضے
ساعۃ ثم تنفس قلت ما شانك بابی وامی یا رسول اللہ قال نعیت الی نفسے یا ابن مسعود
قلت استخلف قال من قلت عمر فسکت ثم مضے ساعۃ ثم تنفس قلت ما شانك قال نعیت
الی نفسے یا ابن مسعود قلت فاستخلف قال من قلت علی قال والذی نفسی بیدہ لئن
اطاعوہ لید خلون الجنۃ النعیم امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ نے عبد الرزاق سے روایت
کی ہے اُنھوں نے اپنے باپ سے اُنھوں نے میناء سے اُنھوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی
اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا میں لیلۃ الجن میں حضور سرور
کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے ساتھ تھا آپ نے ایک لمبا سانس لیا میں نے پوچھا مزاج کیسا ہے
آپ نے فرمایا اے ابن مسعود اب میں تھک گیا ہوں میں نے کہا کہ آپ کسیکو اپنا خلیفہ بنا دیجیے
فرمایا کسکو خلیفہ بنا دوں میں نے عرض کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ چپ ہو گئے پھر تھوڑی
دیر کے بعد آپ نے ایک لمبا سانس لیا میں نے پوچھا مزاج کیسا ہے فرمایا اے ابن مسعود میں تھک
گیا ہوں میں نے عرض کیا کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دیجیے فرمایا کسکو خلیفہ بنا دوں میں نے عرض
کیا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ چپ ہو گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے ایک لمبا سانس لیا میں نے
پوچھا مزاج کیسا ہے فرمایا اے ابن مسعود اب میں تھک گیا ہوں میں نے عرض کیا کہ آپ کسیکو اپنا
خلیفہ بنا دیجیے فرمایا کسکو خلیفہ بنا دوں میں نے عرض کیا علی رضی اللہ عنہ کو تو آپنے فرمایا اُس
ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر لوگ اُن کی اطاعت کرینگے تو جنت میں داخل
ہو جائینگے۔ ادر صاحب آکام المرجان فقہاے اعیان ادر محدثین عالی شان میں سے ہیں ذہبی
نے معجم مختص میں لکھا ہے محمد بن عبد اللہ الفقیہ العالم المحدث بدر الدین ابو البقاء

الشبلی السابقی الدمشقی الحنفی محمد بن عبد اللہ فقیہ عالم محدث بدر الدین ابو البقار شبلی سابقی دمشقی حنفی ہیں۔ اور مصطفےٰ بن عبد اللہ قسطنطینی چلپی نے کشف الظنون ہیں لکھا ہے آکام المرجان للقاضی بدر الدین آکام المرجان قاضی بدر الدین کی تصنیف ہے۔ اور سیوطی نے بھی اسینے رسالہ تحفۃ الجلساء میں اُن سے نقل کیا ہے۔ اور موفق بن احمد نے جو اخطب خوارزمی کے نام سے مشہور ہیں کتاب مناقب حضرت علی رضی اللہ عنہ میں یہ روایت لکھی ہے اور ملا عمر نے وسیلہ النجاۃ المتعبدی میں اور شہاب الدین احمد نے توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل میں کہتے ہیں کہ حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب دلائل میں یہ روایت لکھی ہے اور عبد القادر بن محمد طبری نے حسن السیرۃ فی حسن السیرۃ میں اس روایت کو اس سے بھی زیادہ بسط کے ساتھ دلائل النبوۃ سے نقل کیا ہے اور عبد القادر بن محمد طبری مکہ معظمہ کے اکابر علماء سے ہیں انتہی عبارۃ العبقات مختصراً پس امور مستفسرہ یہ ہیں کہ بدر الدین مصنف آکام المرجان کا شمار معتبر علماء میں ہے یا نہیں اور خود کتاب آکام المرجان پایہ اعتبار کو پہونچی ہے یا نہیں اور مصطفےٰ ابن عبد اللہ اور ذہبی وغیرہ سے جو تعدیل نقل کی ہے وہ اور معدل بھی قابل اعتماد ہیں یا نہیں سیوطی تو معتبر مشہور ہیں جیسے اخطب خوارزم یا نی کذاب غیر معتبر اور روایت ابو نعیم اور امام احمد رحمہما اللہ نے نقل بھی کی ہے یا نہیں اگر نقل کی ہے تو اسکی کیا توجیہ ہوگی اور دوسری روایت کے ساتھ جس میں لیلۃ الجن علقمہ ہمراہیت مذکور ہے لیکن فقط ناہ مذکور ہے کیونکر توافق ہوگا آیا واقعہ تعدد پر محمول ہوگا یا دوسری توجیہ کیجائے گی فوائد بہیہ میں بدر الدین کا ذکر نہیں ملا جواب از محمد عبد الحی عفی عنہ بخدمت مولوی صاحب مجمع علوم منبع فہوم جناب مولوی خلیل احمد صاحب دامت مکارمہٗ امور مستفسرہ کی حقیقت یہ ہے کہ مؤلف آکام المرجان معتبر شخص ہیں حامد حسین لکھنوی نے اُنکی جو توثیق ذہبی وغیرہ سے نقل کی ہے وہ ٹھیک ہے میں نے اُنکا حال فوائد بہیہ کے تعلیقات میں لکھا ہے وہ دونوں روایتیں جو حامد حسین نے نقل کی ہیں ایک تخریج ابو نعیم دوسری تخریج امام احمد رحمہ اللہ بجنسہ آکام المرجان کے اُنیسوین باب میں مذکور ہیں مگر روایت امام احمد رحمہ اللہ میں میناء مولی عبد الرحمن بن عوف ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے راوی ہے اور میناء کے باب میں حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں ما فظ لکھا ہے اور ابن عراق نے کتاب تنزیہ الشریعۃ عن الاخبار الموضوعہ کے مقدمہ میں لکھا ہے میناء بن نبی میناء مولی عبد الرحمن

بن عوف روی عن مولاہ وعن عثمان وابن مسعود رضی اللہ عنہ قال ابوحاتم کذاب
یعنے بینا بن نبی بینا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں یہ عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عثمان اور
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ بڑے جھوٹے ہیں
لیکن چونکہ روایت ابونعیم وغیرہ میں ابوعبداللہ جدلی کی متابعت مروی ہے اس لئے یہ حدیث ساقط
نہیں زائد سے زائد یہ ہے کہ ضعیف ہوگی معتفر کے ضعف کی وجہ سے اور بلحاظ تعدد طرق اس حدیث
کو مرزا محمد معتمد خان بدخشی نے رسالہ تحفۃ المحبین فی مناقب خلفاء الراشدین میں منجملہ احادیث حسان
کے مذکور کیا ہے اور اس حدیث میں جو شرکت ابن مسعود کی لیلۃ الجن میں مذکور ہے وہ منافی روایت فقدناہ
لیلۃ الجن کے نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہ دو واقعہ ہیں آکام المرجان میں مفصلاً ذکر کیا ہے کہ لیلۃ الجن چھٹا
مرتبہ واقع ہوئی بعض لیالی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ شریک تھے اور بعض میں شریک تھے باقی یہ
بات کہ حامد حسین جو اس روایت سے خلافت بلافصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر استدلال لائے ہیں وہ
صحیح ہے یا نہیں تو اصل یہ ہے کہ اس روایت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلافصل پر استدلال
صحیح نہیں ہو کیونکہ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی ایک کے باب میں استخلاف
صریح منظور نہ تھا اس خیال سے کہ اگر صراحۃً کسی ایک کا استخلاف کیا جائے اور بعض لوگ اُسکی اتباع
نہ کریں تو اتباع نہ کرنے والے عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔ جیسا کہ سیوطی رحمہ اللہ نے تاریخ الخلفاء میں
لکھا ہے وسر ذلک ای عدم استخلافہ قال البزار فی مسندہ حدثنا عبد اللہ بن وضاح الکوفی
حدثنا یحیی بن الیمان حدثنا اسرائیل عن ابی الیقظان عن ابی وائل عن حذیفۃ قال
قالوا یا رسول اللہ الا تستخلف علینا قال ان استخلفت علیکم فتعصون خلیفتی ینزل
علیکم العذاب واخرجہ الحاکم فی المستدرک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بالتصریح
کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا اُسکی وجہ یہ ہے جو بزار نے اپنی مسند میں بیان کی ہے کہ بیان کیا مجھ سے عبداللہ
بن وضاح کوفی نے بیان کیا اُن سے یحیی بن یمان نے اُن سے اسرائیل نے اُن سے ابوالیقظان نے
اُن سے ابووائل نے اُن سے حذیفہ نے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا آپ
کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنائیں گے تو آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو اپنا خلیفہ بنا دوں گا اور تم اُس کی نافرمانی
کرو گے تو خدا تم پر عذاب نازل کریگا اسکو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اسی وجہ سے جب

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے استخلاف کے واسطے پوچھا تو آپ نے اعراض اور سکوت فرمایا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اعراض یا سکوت اس وجہ سے تھا کہ آپ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کو اچھا نہیں جانتے تھے اور جس وقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق پوچھا تو آپ نے نعم وغیرہ نہیں فرمایا تا روافض کا مقصود ثابت ہو تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن چونکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگ مخالفت کریں گے اور اُن کی خلافت کے زمانے میں کثرت سے فتنے ہونگے اس لئے آپ نے اُنکی اطاعت اور اتباع کی ترغیب فرمائی غرض یہ روایت صراحۃً اس امر کو نہیں بتاتی کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اپنا خلیفہ بنا دیا یا اُن کو دوسرں کے مقابلہ میں خلافت کا مستحق بتایا مدعی کو چاہیئے حدیث سے ثابت کرے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہی تھا اور ظاہر ہے کہ آپ کے دل کی بات خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر: محمد عبدالحی ابوالحسنات]

کتاب النوادر

سوال۔ موے مبارک کی زیارت کی نسبت اور نیز اُس محفل زیارت میں شریک ہونیکی بابت جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بے اسنا دصحیح کے منسوب کیا جاتا ہے کیا حکم ہے حالانکہ اُس مجلس زیارت میں بعض منہیات شرعیہ اور بدعات سیئہ کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے یعنے شب زیارت میں کثرت روشنی کی جاتی ہے نوبت اور شہنائی بجائی جاتی ہے آتشبازی چھوڑی جاتی ہے راگ مع مزامیر وغیرہ ہوتا ہے غرض اُس محفل زیارت میں شادی کے تمام رسوم ادا ہوتے ہیں اور عیش وطرب کا سامان مہیا کیا جاتا ہے اور روز زیارت کی صبح کو مالیدہ پر حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی رسمی فاتحہ دلانا بھی واجب سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شیفتگان موے مبارک نذر و نیاز کے طریقے سے اکثر نقد و جنس موے مبارک پر چڑھاتے ہیں اُسکا لینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کون شخص اُسکو شرعًا لے سکتا ہے اور اس قدر اراضی وغیرہ بطور اعانت عرس موے مبارک سلاطین اہل اسلام کے زمانے سے معاف چلی

آئی ہے اُس پر خادماں موے مبارک کا متصرف ہونا اور اُس میں سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا نفقہ نکالنا شرعاً جائز ہے یا نہیں جواب جاننا چاہیئے کہ ہر مسلمان کو اُن چیزوں کی عظمت کرنا اور اُن سے برکت حاصل کرنا کمال ایمان کی نشانی اور غایت محبت نبوی کی دلیل ہے جنکو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات سے کسی قسم کا علاقہ ہو چاہے وہ موے مبارک ہو یا جبہ یا نعلین خواہ کوئی اور چیز ہو جسکو آپ نے مس فرمایا ہو یا اور کسیطرح سے اُسکو آنحضرت سے تعلق پیدا ہو گیا ہو ایسی تمام چیزوں کی تعظیم کرنا اور اُن سے برکت حاصل کرنا نشان کمال ایمانی اور دلیل غایت محبت نبوی ہے اور جملہ آثار نبوی پر جان نثار کرنا ایک عمدہ علامت علامتہائے اسلام سے ہے اس باب میں کسی عاشق جناب نبوی کو کلام اور کسی صاحب ایمان کو انکار کی مجال نہیں ہے اور اسمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایسے آثار مشاہد کی تعظیم و تکریم کرنا اور اُنسے برکت حاصل کرنا در اصل حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ ہی کی تعظیم و تکریم کرنا ہے جو کہ راس الایمان ہے اور اسکا ثبوت اکثر احادیث صحیحہ اور آثار صحابۂ کرام علیہم السلام سے ہوتا ہے چنانچہ موے مبارک کی تعظیم کرنے اور اُس سے برکت حاصل کرنیکی نسبت عثمان بن عبداللہ بن موہب سے روایت ہے ارسلنی اهلی الی ام سلمة بقدح من ماء وكان اذا اصاب الانسان عين او شئ بعث اليها مخضبة فاخرجت من شعر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وكانت تمسكه فی جلجل من فضة فخضخضته له فشرب منه قال فاطلعت فی الجلجل فرأيت شعرات حمراء رواه البخاری حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب کہتے ہیں کہ مجھکو میرے گھر والوں نے ایک پانی کا پیالہ لیکر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کو نظر لگتی یا بیمار ہوتا تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا ایک پیالہ بھیجدیا کرتا پس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا موے مبارک جسکو وہ چاندی کی ڈبیا میں رکھا کرتی تھیں نکالتیں اور اُسے پانی میں ڈالکر ہلا دیتیں اور بیمار اُس پانی کو پی لیتا میں نے جھانک کر ڈبیا میں دیکھا تو اس میں سُرخ رنگ کے چند بال تھے اُسکو بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور جبۂ مبارک کی تعظیم اور اُس سے برکت حاصل کرنے کی نسبت حضرت اسماء بنت ابی بکر ہمشیرۂ حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین سے یہ روایت ہے انها اخرجت جبة طيالسة كسروانية لها لبنة

دیباج وفرجیہا مکفوفین بالدیباج وقالت ھذہ جبۃ رسول اللہ کانت عند عائشۃ فلما قبضت قبضتہا وکان النبی صلعم یلبسہا فنحن نغسلہا للمرضی نستشفی بہا رواہ مسلم یعنے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے طیلسان کا ایک کسروانی جبہ نکالا جس میں گریبان پر ریشمی سنجاف تھی اور اسکے دونوں چاکوں پر بھی ریشمی سنجاف تھی اور کہا کہ یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ ہے جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھا تھا جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو یہ جبہ میں نے لے لیا اسے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ پہنا کرتے تھے اور اب ہم اسکو دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں تاکہ وہ اس کی برکت سے شفا پائیں اسکو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اس سے بڑھکر یہ ثابت ہے کہ خود حضور روحی فداہ نے اپنے دست اقدس سے اپنے آثار مبارک کو تبرکاً اوروں کو عطا فرمایا ہے اور تبرکاً اسکا استعمال کرایا ہے چنانچہ باب حجۃ الوداع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی منیٰ فاتی الجمرۃ فرماھا ثم اتی منزلہ بمنیٰ ونحر نسکہ ثم دعا بالحلاق وناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ ثم دعا ابا طلحۃ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ ابا طلحہ فقال اقسمہ بین الناس رواہ الشیخان یعنے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ منیٰ میں تشریف لائے پس جمرہ کی جگہ پر آکر رمی کی پھر آپ نے اپنی قیامگاہ پر رجعت فرماکر قربانی کی پھر حجام کو بلاکر اپنے سر کی دائیں جانب منڈائی اور وہ موے مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلاکر دیدیے پھر سر کی بائیں جانب منڈائی اور وہ موے مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکر فرمایا کہ یہ سب کو بانٹ دو اسکو شیخین نے روایت کیا ہے اور ایسی ہی روایت حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل وتکفین کے قصہ میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے ہے انہا قالت فالقی حقوہ فقال اشعرنہا ایاہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک کر فرمایا کہ اس کپڑے کو سب کپڑوں سے پہلے پہناکر کفن دو یعنے اس طرح یہ کپڑا پہناؤ کہ بدن سے متصل رہے اور یہ حدیث صلحاء کے آثار سے برکت حاصل کرنے کی دلیل ہے چنانچہ اسکے تحت میں صاحب لمعات

نے یہ فائدہ لکھا ہے وھذا الحدیث اصل فی البرکۃ باٰثار الصالحین ولباسھم یہ حدیث صلحاء کے آثار اور لباس سے برکت حاصل کرنے باب میں اصل ہے اور اسیطرح اُن چیزوں کی برکت بھی ثابت ہے جنکو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مس فرمایا ہے حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے قالت دخل علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فشرب من ماء فی قربۃ معلقۃ قائما فقمت الی فیھا فقطعتھا حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الف الف تحیات ہمارے یہاں تشریف لائے اور ایک شکیزہ کے دہانے میں منھ لگا کر جو لٹک رہا تھا آپ نے پانی پیا پس میں نے اُس شکیزے کے دہانے کو تراش رکھا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفا میں لکھا ہے ومن اعظامہ اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاھدہ وامکنۃ من مکۃ والمدینۃ ومعاھدہ وملمسہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وایضاً قال کانت فی قلنسوۃ خالد بن الولید شعرات من شعرہ صلے اللہ علیہ وسلم فسقطت قلنسوۃ فی بعض حروبہ فشد علیھا شدۃ انکر علیہ اصحابہ لکثرۃ من قتل فیھا فقال لم افعلھا بسبب القلنسوۃ بل لتضمنت من شعر النبی صلے اللہ علیہ وسلم لئلا اسلب برکتھا وتقع فی ایدی المشرکین منجملہ تعظیم نبوی کے آپکے جملہ اسباب اور تشریف لانے کے مقامات اور آپکی عبادت کے مقامات کی تعظیم ہے اور آپکے اُن مکانوں کی تعظیم ہے جو مکہ یا مدینہ زاد اللہ شرفہما میں ہیں اور اُن چیزونکی تعظیم ہے جنکو آپ نے مس کیا ہے اور بھی قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موے مبارک تھے اتفاقاً ایک لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی پس اُس ٹوپی کے اُٹھانے کے لیے اُنھوں نے سخت حملہ کیا جس میں بہت سے لوگ کام آئے اُن کے ساتھیوں نے اسکو ناپسند کیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنی ٹوپی کے لیے نہیں گھبراتا تھا بلکہ اس لئے پریشان تھا کہ اُس میں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے موے مبارک تھے مجھے خوف ہوا کہیں وہ کفار کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور میں اُسکی برکت سے محروم ہو جاؤں۔ اور بھی قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں وحکی عن عبد الرحمٰن السلمی عن احمد بن فضلویہ الزاھد وکان من الغزاۃ الرماۃ انہ قال ما مسست القوس بیدی الا علی طھارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ اور عبد الرحمٰن سلمی سے مروی ہے وہ احمد بن فضلویہ زاہد سے روایت کرتے ہیں

اور وہ منجملہ تیرانداز غازیوں کے تھے انھوں نے کہا جب میں نے یہ سنا کہ میری کمان کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے چھوا ہے تب سے میں نے اُس کمان کو کبھی بے وضو نہیں چھوا۔ اور یہی قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں رای ابن عمر رضی اللہ عنہ واضعاً یدہ علی مقعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعها علی جبهته لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ ممبر پر جس جگہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا بیٹھے تھے اُس جگہ کو ہاتھ لگا کر اپنی پیشانی پر مس فرماتے تھے۔ پس ان تمام احادیث و روایات سے اہل بیان کی نظر میں بخوبی ثابت ہے کہ جملہ آثار و مشاہد نبوی سے برکت حاصل کرنا اور اُنکی عظمت کرنا اللہ کی نعمتوں میں سے عمدہ نعمت ہے اور اس قسم کی برکت اور تعظیم کا ثبوت خود حضور روحی فداہ اور حضرات صحابۂ کرام علیہم السلام کے افعال سے پایا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ جس طرح ان احادیث سے آثار نبوی کی برکت اور تعظیم کا ثبوت ہوتا ہے اسیطرح تعظیم اور برکت حاصل کرنیکا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے پس جس طرح وہ شخص جو منکر برکت آثار نبویہ ہو بددین اور گنہگار ہے اُسیطرح وہ شخص بھی مبتدع اور مخالف سنت سمجھا جائیگا جو طریق مرویۂ حدیث کے خلاف تعظیم کا کوئی خاص طریقہ اپنی طرف سے ایجاد کرے کیونکہ مخالفت سنت میں دونوں برابر ہیں اور یہ اُس صورت میں ہے جبکہ اُس طریقۂ مخترعہ میں کوئی امر خاص صریح منہیات شرعیہ و محرمات یقینیہ سے شامل نہو اور اگر اُس طریقہ مخترعہ میں کوئی امر محرمات شرعیہ سے بھی شامل کیا جائے تو ایسی حالت میں دو نقصان ہونگے ایک تو طریقۂ خاص کا احداث دوسرے محرمات شرعیہ کا ارتکاب اور ان دونوں باتونکا حکم یہ ہے کہ انکا مرتکب غیر مستحل فاسق اور مستحل کافر ہے دوسرے اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جو برکت اور تعظیم حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے آثار کے لیے ثابت ہے وہ حضور ہی کے آثار کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے کے آثار کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو آپ کے آثار کے ساتھ مخصوص ہے حرام ہے پس ضرور ہوا کہ جب کسی خاص جبہ اور خاص لباس اور خاص بال کی نسبت یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ حضور روحی فداہ کے آثار ہیں تو اول اس بات کا یقین حاصل کیا جائے کہ فی الواقع یہ آثار آپکے ہیں یا دوسرے شخص کے ہیں جنکو آپ کی جانب کسی طمع سے نسبت کردی ہے تاکہ اس یقین سے غیر کے آثار کے ساتھ آنحضرت کے آثار کا ایسا برتاؤ لازم نہ آئے

اور اس قسم کے یقین کا حصول ایسے امور کی نسبت بغیر اُس طریقے کے متعذر ہے جسکو محدثین رحمہم اللہ نے روایت حدیث میں اختیار کیا ہے کیونکہ اثبات آثار نبوی بھی اُس حدیث کا نام ہے جو رسول سے مروی ہو اور جو حدیث رسول سے مروی ہو اُس میں یہی طریقہ مسلوک ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب اِن آثار کا ثبوت ایسے طریق روایت پر موقوف ہو تو اُسکی صحت اور عدم صحت بھی صحت اسناد اور عدم صحت اسناد پر موقوف ہوگی اور جب اُسکے لیے سند ضعیف بھی میسر نہو تو صرف جاہلوں کے محضرنامے اُسکو ثابت نہیں کر سکتے پس خلاصہ کلام کا یہ ہوگا کہ بلاشبہہ تعظیم آثار نبوی علامات ایمان میں ہے جسکا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہوتا ہے لیکن وہ تعظیم آثار متبرکہ اُنھیں طرق میں منحصر ہے جو احادیث سے ثابت ہیں اور یہ تعظیم اس بات کی فرع ہے کہ ان آثار و تبرکات کا انتساب حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی ذات اقدس کی طرف صحیح ہو اور صحتِ انتساب صحتِ روایت پر موقوف ہے پس جو آثار بصحت روایت ثابت ہیں بلاشبہہ اُن کی تعظیم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے موافق کرنا چاہیئے اور اُن سے برکت حاصل کرنے میں کوئی شبہ نہیں اور جو بصحت روایت ثابت نہوں اُن کے ساتھ بے تحقیق کیے ہوے وہ معاملہ کرنا جو آپ کے آثار ثابتہ کے ساتھ کرنا چاہیئے ایسا ہے جیسے بے سند کلام کو حدیث کہنا اور اُسپر عمل کرنا جسکی نسبت سخت وعید وارد ہے قال ابن عباس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار رواہ الترمذی یعنے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے تم میری طرف کسی بات کو منسوب کرنے سے ڈرو اور بے تحقیق کیے ہوے مجھ سے کوئی روایت نہ کرو کیونکہ جو مجھپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں کرلے اسکو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ پس ہر مسلمان پر یہ بات واجب ہے کہ جب تک اُسکو اس بات کا علم نہو کہ جس امر کی نسبت حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کی جانب کیجاتی ہے وہ نسبت صحیح ہے یا نہیں اُس وقت تک اُسکی روایت نہ کرے اور جب روایت کرنا جائز نہیں تو عمل کرنا بطریق اولی جائز نہوگا البتہ ایسی صورت میں اس احتیاط کا مقتضے یہ ہے کہ جب کوئی شے دعوے کے ساتھ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیجائے تو جیسے تحقیق کے پہلے اُسکا اقرار جائز نہیں انکار پر بھی اصرار نکرے بلکہ سکوت اختیار کرے چنانچہ ایسی صورت میں حدیث

سے بھی توقف ثابت ہوتا ہے صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کے تحت میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتصدقوا اھل الکتاب ولاتکذبوھم وقولوا آمنا باللہ وما انزل الینا الخ رواہ البخاری تم نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ تم کہو ہم اللہ پر اور اُس چیز پر جو اُس نے ہم پر اُتاری ہے ایمان لائے الخ اسکو بخاری نے روایت کیا ہے) لکھا ہے لاتصدقوا اھل الکتاب ای فیما لم یتبین لکم صدقہ لاحتمال ان یکون کذبا وھوالظاھر من احوالھم قولہ ولاتکذبوھم ای فیما حدثوا من التوراۃ والانجیل ولم یتبین لکم کذبہ لاحتمال ان یکون صدقا وان کان نادرا لان الکذوب قد یصدق وفیہ اشارۃ الی التوقف فیما اشکل من الامور والعلوم اہل کتاب کی اُس بات میں تصدیق نہ کرو جس کی تم کو بخوبی تصدیق نہیں ہوئی ہے اس احتمال کی وجہ سے کہ شاید وہ جھوٹ ہو کیونکہ اُنکا ظاہر حال جھوٹ ہی کو چاہتا ہے اور اُن باتوں میں اُن کی تکذیب نہ کرو جنکو وہ توراۃ اور انجیل سے روایت کرتے ہیں جبتک اُنکی تکذیب ظاہر نہو جائے اس احتمال کی وجہ سے کہ شاید وہ سچ ہوں گو سچ اُن سے نادر ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ بولے اور اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جو امور اعتقادی اور علمی معاملات میں مشتبہ ہوں اُن میں توقف چاہیئے۔ غرضکہ اسیطرح ایسے مواقع پر بھی توقف ہی اچھا ہے۔ جب یہ تمام امور ظاہر ہو چکے تو سائل کو دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ طریقۂ مذکورۂ سوال کے موافق موے مبارک کی زیارت کراتے ہیں وہ بدعات و مخترعات کے پابند ہیں کیونکہ روایت مذکورۂ بالا کے موافق جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے موی مبارک کا پانی مریض کے لیے مانگا گیا تو اُنھوں نے نہ ڈھول تاشہ وغیرہ بجوایا نہ پنج آیت قرآن خوانی کرائی نہ مجلس مرتب کی نہ وقت مقرر کیا نہ تاریخ معین کی غرض کسی کے تعینات خاصہ سے اُسکو مقید نہیں کیا بلکہ اُسکی برکت کو ہر وقت میں قابل استفادہ خیال کیا بخلاف اس صورت کے جسکو سائل نے بیان کیا ہے جس میں تعیین ماہ و یوم و تاریخ کو امر ضروری اور از دیاد ثواب میں مؤثر خیال کیا ہے جسکی سنت نبویہ میں کوئی اصل نہیں ہے اور تداعی اور انعقاد محافل خاصہ کو ضروری خیال کیا ہے اور اس میں نوبت و نقارہ اور جملہ مزامیر مہیا کیے جاتے ہیں۔ جو سراسر شیاطین کے افعال ہیں بالیدہ موی مبارک بھی بطور نذر لغیر اللہ کیا جاتا ہے اور تبرک کی طرح بانٹا جاتا ہے حالانکہ اُس سے انتفاع حرام قطعی ہے غزلیں گاتے ہیں حالانکہ ایسے راگ بالاتفاق حرام ہیں پس برکت حاصل کرنا جو زائد سے زائد مستحب

ثابت ہوگا ایسے محرمات شرعیہ کے ارتکاب کا باعث ہو اجن سے اجتناب واجب ہے اور ظاہر ہے
کہ جس امر مستحب کے ارتکاب سے ترک واجب لازم آئے اُسکا ترک کرنا واجب ہے پس اس صورت میں ہرگز
شریعت اس بات کی اجازت نہ دیگی کہ ایسے بدعات کے ساتھ اس امر مستحب کا ارتکاب صحیح ہو اور اس کا
نفس استحباب بھی اُسی صورت میں مسلم ہے جب ثابت ہوجائے کہ واقعی یہ موے مبارک حضور ہی کا ہے
اور اگر یہ امر پایۂ ثبوت کو نہ پہونچے تو ایسے جلسے میں بقصد تبرک حاضر ہونا بھی جائز نہیں اور موے مبارک
پر نذر ماننا اور چڑھاوا چڑھانا حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر خدا کی عبادت حرام ہے اور ظاہر ہے
کہ یہ نذر لغیر اللہ ہے پس حرام ہے چنانچہ صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ
عبادۃ والعبادۃ لا یکون للمخلوق مخلوق کے لیے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت
کسی مخلوق کے لئے نہیں ہوتی ہے اور جسطرح یہ فعل حرام ہے اسیطرح اس قسم کے چڑھاوے کا لینا اور اُسکا کھانا
اور اپنے صرف میں لانا بھی حرام ہے اور ایسی نذر نہ منعقد ہوتی ہے نہ اُسکا ادا کرنا واجب ہے چنانچہ
اسی کتاب میں ہے الاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشتغل الذمۃ بہ وانہ
حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ یعنی اس
بات پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر حرام ہے اور یہ نذر منعقد بھی نہیں ہوتی اور نہ ذمہ پر واجب ہوتی ہے
اور مجاوروں کا اُسکا لینا اور کھانا اور کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو اوقاف موے مبارک
کے خدام کے لئے مقرر ہیں اگر وہ اس غرض سے مقرر کیے گئے ہیں کہ وہ بدعات و شرکیات جو سوال میں
ذکر کیے گئے ہیں اُس وقف سے رائج کیے جائیں اور اُن اوقاف کی آمدنی اُن میں صرف کی جاوے
تو فی نفسہ یہ وقف ہی باطل ہے اور اُنکا وقف کرنے والا گنہگار ہے کیونکہ منجملہ شرائط وقف کے
ایک شرط یہ ہے کہ وہ کام جسکے لئے وقف کیا ہے فی نفسہ قربت اور عبادت معلوم فی الدین ہو
اور ظاہر ہے کہ امور مذکورۂ سوال عبادت نہیں ہیں چنانچہ عالمگیری میں ہے منہا ای من شرائط
صحتہ ان یکون قربۃ فی ذاتہ وعند التصرف الخ منجملہ شرائط صحت کے یک شرط یہ ہے کہ وہ فی نفسہ
قربت ہو اور وقت تصرف کے الخ اور اگر صرف اس نیت سے وہ اوقاف وقف کیے گئے ہیں کہ اُنکی آمدنی
اُن فقرا اور مساکین پر صرف کی جاوے جو یہاں حاضر ہوں اور بقدر حاجت اس اوقاف کے متولی
اُسکی آمدنی میں سے اپنے اوپر صرف کریں تو یہ وقف صحیح ہے اور متولی وقف کو بقدر حاجت خود لینا

اور باقی فقرا پر صرف کرنا حلال ہے واللہ اعلم کتبہ العبد الذلیل محمد اسمٰعیل [محمد اسمٰعیل] اجاد من اجاب
حررہ محمد لطف اللہ عفا اللہ عنہ [محمد لطف اللہ] واقعی ایسی چیزوں سے جو حضور فخر بنی آدم صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف بانتساب صحیح بطریق صحیح منسوب ہیں برکت لینا جائز اور مستحسن ہے مگر ایسی مجلسوں میں
جانا جنکو سائل نے ذکر کیا ہے بوجہ اشتمال اُن کے بدعات سئیہ اور افعال محرمہ پر شریک ہونا جائز نہیں ہے
اور نہ ایسے آثار سے جنکا انتساب بطریق صحیح ثابت نہیں برکت لینا جائز ہے اور جو اشیاء عوام کالانعام موئے
مبارک پر چڑھاتے ہیں اُنکا لینا بوجہ منذور لغیر اللہ ہونے کے حرام ہے اور مجیب نی بھلائی خدا کے واسطے
ہے کہ نہایت عمدہ تفصیل ذکر کی ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی
تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [ابو الحسنات محمد عبد الحی] سوال تانبے وغیرہ کا چاندی سونا ہو جانا جو علم کیمیا کا نتیجہ ہے
ممکن ہے یا نہیں۔ جواب اس میں علمائے حکمت کا اختلاف ہے بعض شیخ الرئیس کی طرح سے اسکے
امتناع کے قائل ہوئے ہیں مگر اُن کے پاس محال ہونے کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے اور بعض امکان کے
قائل ہیں اور اس گروہ نے ادلۂ امتناع کو بالکل جڑ سے اُکھاڑ ڈالا ہے کشف الظنون عن اسامی الکتب
والفنون میں ہے حاصل ما ذکرہ الصفدی فی شرح لامیۃ العجم ان الناس فیہ علی طریقین
نقال کثیر منہم ببطلانہ منہم الشیخ الرئیس بن سینا ابطلہ بمقدمات من کتاب الشفاء
والشیخ تقی الدین بن تیمیۃ صنف رسالۃ فی الکیمیا فی انکارہ وصنف یعقوب الکندی ایضا
رسالۃ فی بطالہ لکنہم لم یوردوا شیئا یفید الظن لامتناعہ فضلا عن الیقین وذہب
الاٰخرون الی امکانہ منہم الامام الرازی فانہ فی المباحث المشرقیۃ عقد فصلا فی
بیان امکانہ والشیخ نجم الدین بن ابی الدار البغدادی رد علی الشیخ ابن تیمیہ وزیف
ما قالہ فی رسالۃ ورد ابو بکر محمد بن زکریا الرازی علی یعقوب الکندی واستدل
الامام فی الملخص علی امکانہ فقال الامکان العقلی ثابت لان الاجسام مشترکۃ الجسمیۃ
توجب ان یصح علی کل واحد ما یصح فی الاٰخر وحکی ابن ماجۃ الاندلسی ان بعض تالیفہ عن
الشیخ ابی نصر الفارابی انہ قال قد بین ارسطو فی کتابہ من المعادن ان صناعۃ الکیمیا
داخلۃ تحت الامکان الا انہا من الممکن الذی یعسر وجودہ بالفعل صفدی نے جو شرح
لامیۃ العجم میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے دو گروہ ہیں بہت سے لوگ اسکے

باطل جانتے ہیں ان میں سے شیخ ابن سینا نے شفا میں اسے باطل کیا ہے اور شیخ تقی الدین بن تیمیہ نے کیمیا میں اسکے انکار پر ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اور یعقوب کندی نے بھی اسکے ابطال پر ایک رسالہ لکھا ہے لیکن ان میں سے کسی نے ایسے ادلہ نہیں قائم کئے ہیں جس سے اُس کے امتناع کا ظن ہو چہ جائیکہ یقین اور دوسرا گروہ اُسکے امکان کا قائل ہے اُن میں سے امام رازی ہیں کہ اُنھوں نے امکان کے بیان میں مباحث مشرقیہ میں ایک فصل لکھی ہے اور شیخ نجم الدین بن ابی الدار بغدادی نے شیخ ابن تیمیہ کی تردید کی ہے اور اُنھوں نے اپنے رسالے میں جو دلیلیں قائم کی ہیں اُن کو کمزور کر دیا ہے اور ابو بکر محمد بن زکریا رازی نے یعقوب کندی کی تردید کی ہے اور امام نے ملخص میں اس کے امکان کو ثابت کرتے ہوے کہا ہے امکان عقلی ثابت ہے کیونکہ اجسام جسمیت میں مشترک ہیں تو ضروری ہوا کہ جو اوصاف بعض کے لئے درست ہوں وہی دوسرے بعض کے لئے بھی درست ہوں اور ابن ماجہ اندلسی نے اپنی بعض تالیفوں میں شیخ ابو نصر فارابی سے نقل کیا ہے کہ ارسطو نے بیان معادن میں جو کتاب لکھی ہے اُس میں ہے کہ فنون کیمیا امکان میں داخل ہیں لیکن ایسے ممکن ہیں جنکا وجود دشوار ہے۔ اور اکثر ارباب شرع بھی اسکے امکان کے قائل ہیں ابن حجر مکی ہیتمی تحفۃ المحتاج شرح منہاج میں لکھتے ہیں اختلف فی انقلاب الشئ عن حقیقتہ کالنحاس الی الذھب ھل ھو ثابت فقیل نعم لانقلاب العصا ثعبانا حقیقۃ والا لبطل الاعجاز وقیل لا لان قلب الحقائق محال والحق الاول ثم وفیہ ایضا کثیرا ما یسأل عن تعلم علم الکیمیا وحلہ ولم نر لاحد کلاما فی ذلک والذی یظھر انہ یبتنی علی ھذا الخلاف فعلی الاول من علم العلم الموصل لذلک القلب علما یقینا جاز لہ علمہ وتعلیمہ اذ لا محذور فیہ بوجہ وان قلنا بالثانی اذ لم یعلم الانسان ذلک بالعلم الیقینی وکان ذلک وسیلۃ الی الغش فالوجہ الحرمۃ شئے کی حقیقت کے بدلجانے میں خلاف ہے مثلاً تانبے کا سونا ہو جانا کہ یہ ثابت ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں ہاں ثابت ہے کیونکہ عصا اژدہا ہو گیا تھا ورنہ معجزہ باطل ہو جائیگا اور بعض لوگ کہتے ہیں نہیں ثابت ہے کیونکہ حقائق کا بدل جانا محال ہے اور حق اول ہے اور اسی کتاب میں ہے بسا اوقات علم کیمیا سیکھنے کے متعلق سوال کیا گیا میں نے اس کے متعلق کسی کا کوئی کلام نہیں دیکھا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی اختلاف پر مبنی ہے پس بر مذہب اول جو اس انقلاب کے بتلانے والے علم کو یقینی طور پر جانتا ہو اُسکے لئے

اُسکا سیکھنا اور سکھانا جائز ہے کیونکہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور بر مذہب ثانی اُس شخص کے لئے جو اس علم کو یقینی نہ جانتا ہو اور اسے دھوکہ بازی کا ذریعہ سمجھتا ہو حرام ہے۔ اور رد المحتار حاشیہ درمختار میں اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے حاصله انا اذا قلنا باثبات قلب الحقائق وهو الحق جاز العمل به وتعلمه لانه ليس بغش لان النحاس ينقلب ذهبا وفضة حقيقة وان قلنا انه غير ثابت لا يجوز لانه غش كما لا يجوز من لا يعلمه حقيقة لما فيه من اتلاف مال المسلمين وغش المسلمين والظاهر ان مذهبنا ثبوت انقلاب الحقائق بدليل ما ذكروه في انقلاب العين في النجاسة كانقلاب الخمر خلا والدم مسكا ونحو ذلك حاصل یہ ہے کہ جب قلب حقائق کو ثابت مانیں اور یہی درست ہو تو اُس پر عمل کرنا اور اُسکا سیکھنا جائز ہے کیونکہ اسمیں کسی قسم کی دھوکہ بازی نہیں ہے بلکہ اسلئے کہ تانبا جب بدلتا ہے تو حقیقۃً سونا اور چاندی ہو جاتا ہے اور اگر ہم اسکو ثابت نہ مانیں تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اسمیں دھوکہ بازی ہے جیسے جو شخص حقیقۃً کیمیا نہ جانتا ہو اُسکو اُسکا سکھانا جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس سے مسلمانوں کے مال ضائع ہونگے یا مسلمان دھوکہ کھائیں گے اور ظاہر یہ ہے کہ ہمارا مذہب انقلاب حقائق کے ثابت ہونیکا ہے اسلیے کہ ہم نجاست میں انقلاب عین کے قائل ہیں جیسے شراب سرکہ ہو سکتی ہے اور خون مشک ہو سکتا ہے اور اسیطرح اور چیزوں میں بھی واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ سوال (۱) قیامت کے دن صحیح النسب سید کا اپنے نسب سے نفع پانا ثابت ہے یا نہیں اگر ثابت ہے تو اُسکا کیا مطلب ہے کیا وہ لوگ باوجود بے علم اور بے عمل ہونے کے اور بحالت فسق و فجور بلا توبہ مر جانے کے بھی بوجہ انتساب الی النبی دوزخ سے مطلقاً محفوظ رہیں گے اور مواخذات اُخرویہ سے مامون ہونگے یا بقدر گناہ دوزخ میں جلنے کے بعد اور مومنین کی طرح حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہونگے اور اس صورت میں مومنین اُمت محمدیہ اور سادات میں کیا فرق ہوگا کیونکہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے جو فرمایا ہے شفاعتی لاهل الكبائر من امتی میری شفاعت میری اُمت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے اس میں تمام مومنین وعدۂ شفاعت میں داخل ہیں (۲) کسی سید کا بے ایمان اور سوء خاتمہ کے ساتھ مرنا شرعاً ممکن ہے یا شرعی دلائل و نصوص سے اسکا امتناع ثابت ہے (۳) سید کے سوا اور مسلمان لوگ جو شرفا کہے جاتے ہیں اور نسباً اور نسبۃً کسی صالح کی طرف منتسب ہیں جیسے شیخ صدیقی اور

فاروقی اور عثمانی اور علوی غیر فاطمی وغیرہ فاطمی وغیرہ یہ لوگ اگر علم اور عمل سے محروم اور فسق و فجور میں مبتلا رہیں اور بے توبہ کیے مرجائیں تو فقط ان حضرات کی طرف نسبًا منتسب ہونے کی وجہ سے دوزخ اور مواخذۂ اُخروی سے محفوظ رہیں گے یا اپنے کردار کی سزا بھگتیں گے اور ان حضرات کی جانب منتسب ہونا انکو کچھ فائدہ نہ دیگا۔ اور ان مسلمانوں کے سوا جو بظاہر کسی صالح کی طرف منتسب نہیں ہیں جیسے پٹھان اور مغل وغیرہ جو عرفًا ارذال کہے جاتے ہیں اگر اُن کے آبائی سلسلے میں کوئی صالح یا ولی گذرا ہو اور یہ لوگ بھی اگر بے ایمان مرجائیں یا فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے بعد بے توبہ کیے ہوئے مریں تو اس صالح یا ولی کی برکت سے دوزخ اور مواخذۂ اُخروی سے نجات پائیں گے یا نہیں ہر سوال کا جواب مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمایئے کیونکہ ان مسائل میں یہاں نزاع واقع ہے اور نزاع کرنے والے اہل علم ہیں جواب (۱) سادات کا بحالت فسق و فجور بلا توبہ مرنے کے دخول نار اور عذاب سے مطلقًا محفوظ رہنا بوجہ انتساب الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہے بلکہ آثار اور اخبار سے اسکے خلاف ثابت ہے نور الدین علی سمہودی جواہر العقدین فی فضل الشرفین میں تحت ذکر ما ینبغی لاہل البیت کے لکھتے ہیں الثالث اجتناب کل قبیح شرعًا فان القبیح من اہل ہذا البیت اقبح منہ من غیرہم ولہذا قال العباس لابنہ عبد اللہ کما فی تاریخ دمشق یا بنی ان الکذب لیس باحد من ہذہ الامۃ اقبح منہ بی وبک وباہل بیتک یا بنی لا یکون شئ مما خلق احب الیک من طاعتہ ولا اکرہ الیک من معصیتہ فان اللہ ینفعک بذلک فی الدنیا والاخرۃ قلت اجماع ذلک کلہ ماجاء انہ صلے اللہ علیہ وسلم اوصی باہل بیتہ بتقوی اللہ ولزوم طاعتہ کما سبق فی الذکر الرابع وسبق فی اخر التنبیہ الاول من الذکر السادس قول الحسن بن الحسن المثنی وانی اخاف ان یضاعف للعاصی منا العذاب ضعفین واللہ انی لارجوان یوتی المحسن منا اجرہ مرتین انتہی تیسرے شرعًا جو باتیں بری ہیں اُن سے احتراز کرنا کیونکہ بُری بات کا اُن لوگوں سے صادر ہونا بہت برا ہے اسی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہا اے میرے بیٹے جھوٹ کسی کے لئے اتنا عیب نہیں جتنا میرے اور تیرے اور تیرے اہل بیت کے لیے ہے اے میرے بیٹے چاہیئے کہ تمکو خدا کی اطاعت زائد کوئی چیز پسند اور اُسکی نافرمانی سے زائد کوئی چیز ناپسند نہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمکو اس سے دنیا اور آخرت

دونوں میں نفع پہونچائے گا جیساکہ تاریخ دمشق میں مروی ہیں کہتاہوں کہ یہ سب سوجہ سے ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے اپنے اہل بیت کو خدا کے خوف اور اسکی اطاعت کی وصیت کی جیساکہ ذکر رابع میں گذرا اور ذکر سادس میں تنبیہ اول کے آخر میں حضرت حسن بن مثنی علیہ السلام کا یہ قول گذرا ہے کہ میں اس امر سے ڈرتا ہوں کہ ہم میں کے گنگار کو دو چند عذاب ہو اور مجھے خدا سے امید ہے کہ ہم میں کے نیکی کرنے والوں کو دونا ثواب ملے۔ اور آیات قرآنیہ یا نساء النبی من یأت منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین وکان ذلک علی اللہ یسیرا ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نوتھا اجرھا مرتین واعتدنا لھا رزقا کریما اس بات پر شاہد ہیں کہ انتساب الی الصالح تضاعف جزا اعمال صالحہ اور تضاعف عذاب اعمال خبیثہ کا باعث ہوتا ہے نہ یہ کہ مطلقاً اعمال خبیثہ مضر نہوا اور اصحاب اعمال سیئہ محض بوجہ انتساب الی الصالح جنتی ہوجائیں اسی لیے اللہ تعالےٰ نے ازواج مطہرات حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو ارتکاب بفواحش پر دو چندگی عذاب کی خبر دی اگر مطلقاً انتساب الی النبی باعث نجات ہوتا تو یہ مضمون نازل نہوتا اور نسب نبوی یا نسب صدیقی وعلوی یا کسی اور صالح کے نسب کا قیامت کے دن بایں معنے نفع دینا کہ اگر وہ اعمال صالحہ کرے تو یہ نسبت اپنے امثال کے زائد درجیائے صحیح ہے یا یکہ وہ شخص جسکی طرف انتساب ہے بہ نسبت اور شخصوں کے اسکی طرف زائد التفات کرے اور اسکی شفاعت کرے اور بایں معنے کہ شخص منتسب باوجود اعمال قبیحہ کے صرف بوجہ شرافت نسبیہ اللہ کے نزدیک مغفور ہوجائے گا اور باوجود اعمال سیئہ محض انتساب الی الصالح کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مکرم ہوگا اور مطلقاً نجات پائےگا مرحوم ہوگا بالکل غلط ہے اور نص قرآنی ان اکرمکم عند اللہ اتقکم یعنی جو تم میں زیادہ متقی ہے وہ اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم ہے۔ اسکے غلط ہونے پر شاہد ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت میں لکھا ہے فان قیل ھذا مبنی علی عدم اعتبار النسب ولیس کذلک فان للنسب اعتبارا عرفا وشرعا حتی لا یجوز تزویج الشریف بالنبطی قلنا اذا جاء الامر العظیم لا یبقی الامر الحقیر معتبرا وذالک فی الحس والشرع والعرف اما الحس فلان الکواکب لا ترٰی عند طلوع الشمس ولجناح الذباب دوی ولا یسمع عند ما یکون رعد قوی واما فی العرف فلان من جاء مع الملک ما یبقی لہ اعتبار ولا التفات اذا عرفت ھذا ففی الشرع کذلک اذا جاء الشرف

الدینی الا انھم لا یبقی لما مرھنالک اعتبار لا نسب ولا نسیب الا تری ان الکافر وان کان من
اعلی الناس نسبا والمومن وان کان اونھم نصبا لا یقاس احدھما بالآخر وبھذا ایصلح
للمناصب الدینیۃ کالقضاء والشھادۃ کل شریف ووضیع اذا کان دینا صالحا عالما
ولا یصلح لشئ منھا فاسق وان کان قرشی النسب وفاروقی النسب ولکن اذا اجتمع فی اثنین
الدین المتین واحدھما نسیب ترجح بالنسب عند الناس لا عند اللہ لان اللہ یقول و
ان لیس للانسان الا ما سعی وشرف النسب لیس مکتسبا ولا یحصل بسعی یعنی اگر کہا جائے کہ عدم
اعتبار نسب پر مبنی ہے حالانکہ واقعہ اسکے خلاف ہے کیونکہ نسب عرفاً وشرعاً معتبر ہے یہاں تک کہ
شریف کی لڑکی کا نکاح نبطی کے ساتھ درست نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ بڑی بات کے سامنے معمولی بات
کا خیال حسًّا اور عرفاً نہیں کیا جاتا ہے دیکھو کہ ستارے طلوع آفتاب کے بعد نظر نہیں آتے اور مکھی کے
پروں کی آواز بادل کی سخت گرج میں نہیں سنائی دیتی عرفاً بادشاہ کے مقربین جب اسکے ہمراہ آتے
ہیں تو ان کو کوئی نہیں پوچھتا اور یہی حال شرع کا ہے کہ جب کسی کو دینی شرف حاصل ہو گیا تو اب نسب
کا کچھ اعتبار نہیں دیکھو کافر اگرچہ نسباً برتر ہو لیکن مسلمان کے اگرچہ وہ نسباً کمتر ہو برابر نہیں ہو سکتا
اسی لیے دینی مناصب مثلاً قضا اور شہادت کے لیے شرعاً اسیوقت منتخب ہونگے جب وہ دیندار
صالح اور عالم ہوں فاسق ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا اگرچہ قریشی یا فاروقی بھی ہو
مگر جب دو متدین آدمی ہوں تو ان میں صاحب نسب کو لوگوں کے خیال میں ترجیح ہوگی نہ کہ
خدا کے یہاں کیونکہ اس نے فرمایا ہے انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کوشش کر کے حاصل کیا ہو
اور شرف نسب کسبی نہیں ہے اور نہ کوشش سے حاصل ہوتا ہے اور محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح
مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں انما ینظر للاصل والعنصر عند التحلی بالفضائل والتخلی عن
الرذائل یعنی اصل ونسب کا اسی وقت خیال کیا جائے گا جب اس شخص میں خوبیاں پائی جاتی ہوں
اور وہ بدیوں سے منزہ ہو۔ اور مسند احمد میں ابو البصرہ سے مروی ہے حدثنی من شھد فی خطبۃ
النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنی وھو علی بعیر یقول یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان
اباکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاسود علی الاحمر الا بالتقوی خیرکم عند اللہ
اتقاکم یعنی مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے خطبہ منیٰ میں حاضر تھا

کہ آپ اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے اے لوگو تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے عربی کو عجمی پر کالے
کو سرخ پر کوئی فضیلت بجز تقوی کے نہیں ہے خدا کے نزدیک تم سب میں سے بہتر وہی ہے جو سب سے زائد
متقی ہو۔ اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم من بطأ به عمله لم یسرع له نسبه حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے جسکو اُسکے
اعمال نے پیچھے کر دیا اُسکو نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔ اور حضرت ابن جریر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یسألکم عن احسابکم ولا عن انسابکم یوم القیمۃ
الا عن اعمالکم اکرمکم عند اللہ اتقاکم حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے
خدا تم سے قیامت کے دن تمہارے حسب و نسب نہ پوچھے گا بلکہ تمہارے کام پوچھے گا تم میں سب سے بزرگ خدا کے نزدیک
وہی ہے جو سب سے زائد متقی ہو۔ اور کتاب ادب المفرد میں بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت کی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اولیائی یوم القیمۃ المتقون وان کان
نسب اقرب من نسب حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے قیامت کے دن متقی ہی میرے
اولیا ہیں اگرچہ بعضوں کے نسب بعضوں سے زائد قریب ہیں۔ اور معجم طبرانی میں حضرت
معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے لما بعثه رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی الیمن
خرج معه یوصیه ثم التفت الی المدینۃ فقال ان هؤلاء اهل بیتی یرون انهم اولی الناس
بی ولیس کذلك انما اولیائی المتقون من کانوا وحیث کانوا جب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے
حضرت معاذ کو یمن کی جانب بھیجا تو آپ اُنکو نصیحت فرماتے ہوے شہر کے باہر تک چلے گئے پھر
مدینہ کی طرف متوجہ ہوے اور فرمایا یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ سب سے
زائد میرے قریب ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ میرے اقربا متقی ہیں جو ہوں اور جہاں ہوں۔ اور بخاری
میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
یقول جهارا غیر سران آل بنی فلانٍ لیسوا لی با ولیاء انما ولیی اللہ وصالح المؤمنین هذا
لفظ مسلم میں نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا آپ فرما رہے تھے زور سے نہ کہ آہستہ
سے آل بنی فلان میرے اولیا نہیں ہیں میرا ولی خدا اور نیک مومنین ہیں یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ اور
بخاری نے اسقدر زائد روایت کی ہے لکن لهم رحم سابلها ببلالها یعنی اصلها بالشفاعة

لیکن اُن کو یعنے اہل بیت کو مجھ سے ایک قرابت ہے جس میں عنقریب میں اُس قرابت یا رحم کا صلہ شفاعت سے کرونگا اور اربعین طائی میں فضیل بن مرزوق سے مروی ہے سمعت الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب یقول لرجل یغلو فیھم ویحکم احبونا للہ فان اطعنا اللہ فاحبونا وان عصینا اللہ فابغضونا فقال لرجل انکم لذو قرابۃ مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واھل بیتہ فقال ویحکم لو کان اللہ نافعاً بقرابۃ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بغیر عمل بطاعتہ لنفع بذلک من ھو اقرب الیہ منا اباہ وامہ وانی اخاف ان یضاعف للعاصی منا العذاب ضعفین اورد ھٰذہ الاخبار والاثار السمھودی فی مواضع متفرقۃ من الجواھر میں نے حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے سنا ہے کہ وہ ایک شخص سے فرما رہے تھے جو اُن لوگوں کے متعلق زیادتی کرتا تھا کہ ہمکو خدا کے لیے دوست رکھو اگر ہم اُسکی اطاعت کریں تو ہمکو دوست رکھو اور اگر ہم اُسکی نافرمانی کریں تو ہم سے بغض رکھو اُس شخص نے کہا تم نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے قرابت دار اور اہلبیت ہو فرمایا تم پر افسوس ہے اگر خدا بغیر کسی عمل کے محض قرابت رسول ہی میں نفع دینے والا ہوتا تو آپکے ماں باپ جو آپکے سب سے زائد قریب تھے نفع میں رہتے اور مجھے تو اس کا خوف ہے کہ کہیں ہم میں سے گنہگاروں کو دونا عذاب ہو ان اخبار واحادیث کو سمہودی نے جواہر کے متفرق مقامات پر لکھا ہے۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرد انتساب الی الرسول باعث مغفرت وکرامت نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُسکے ساتھ تقویٰ منضم نہو پس جب نسب نبوی کا یہ حال ہو تو نسب فاروقی وغیرہ کا بدرجۂ اولیٰ یہی حال ہوگا۔ ہاں نسب نبوی اسقدر مفید ہوگا کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا پہلے اپنی اولاد کی شفاعت فرمائیں گے اور بہ نسبت عامۂ مومنین کے ابتدا اُنکی طرف توجہ فرمائینگے جیسا کہ سیوطی رحمہ اللہ نے البدور السافرہ فی احوال الآخرۃ میں طبرانی سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول من اشفع من امتی اھل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش والانصار ثم من امن بی واتبعنی من اھل الیمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم واول من اشفع لہ اولوا الفضل حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے کہ جن لوگونکی میں پہلے شفاعت کرونگا وہ میرے اہل بیت ہونگے۔ پھر جو اُن سے قریب ہوں پھر

جو مجھ سے قریب ہوں قریش انصاری پھر میں انکی شفاعت کرونگا جو مجھ پر ایمان لائے اور جنہوں نے اہل یمن سے میری اتباع کی پھر تمام اہل عرب کی پھر تمام اہل عجم کی شفاعت کرونگا اور جنکی میں پہلے شفاعت کرونگا وہ فضیلت والے لوگ ہیں سادات اور عامۂ مومنین میں باب شفاعت میں اتنا ہی فرق ہے جو اس حدیث سے ثابت ہوا مگر یہ کہیں سے معلوم نہیں ہوتا کہ سادات مطلقاً نجات پاجائینگے اگرچہ وہ فاسق و فاجر بھی ہوں۔ ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ تحقیق الانتساب فی تدقیق الانتساب میں فلا انساب بینهم یومئذ کے تحت میں لکھتے ہیں لم یرد ان الانساب ینقطع بل المراد ان العد المجرد النسب لا ینفع لان مدار الدین یوم الجزاء علی التقوی وفیه ایضاً ثم اعلم ان مجرد النسب بدون کسب الحسب وتعلم العلم والادب غیر معتبر فی المذهب وفیه ایضا فالمدار علی العلم والتقوی لا علی مجرد النسب المعتبر فی الدنیا دون العقبیٰ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نسب اُس دن منقطع ہو جائیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص محض نسب کی بدولت مراتب عالیہ نہ پائیگا کیونکہ قیامت کے دن دین کا مدار تقویٰ پر ہے اور اسی کتاب میں ہے جاننا چاہیئے کہ محض نسب بغیر علم و فضیلت و ادب حاصل کیے ہوے مذہب میں معتبر نہیں ہے اور اسی کتاب میں ہے بس مدار علم و تقویٰ پر ہے نہ کہ محض نسب پر جو دنیا میں معتبر ہے نہ کہ عقبیٰ میں۔ اور قیامت کے دن بقاے نسب نبوی کے یہی معنے ہیں جو اس حدیث سے مستفاد ہوتے ہیں کل نسب وسبب منقطع یوم القیمه الا سببی ونسبی اخرجه البزار والطبرانی والبیهقی وابو نعیم والحاکم وغیرهم ہر نسب و تعلق قیامت کے دن منقطع ہو جائیگا مگر میرا نسب و تعلق اُسکو بزار اور طبرانی اور بیہقی اور ابو نعیم اور حاکم وغیرہم نے روایت کیا ہے اور اس حدیث سے بھی مستفاد ہوتا ہے ان الانساب تنقطع یوم القیامة غیر نسبی وسببی وصهری اخرجه احمد والطبرانی والحاکم وغیرهم قیامت کے دن تمام نسب منقطع ہو جائینگے مگر میرا نسب اور سبب اور دامادی اسکو احمد اور طبرانی اور حاکم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تفسیر دوسری حدیث میں مروی ہے قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما بال اقوام یزعمون ان قرابتی لا تنفع ان کل سبب ونسب منقطع یوم القیمة الا نسبی وسببی فان رحمی موصولة فی الدنیا والآخرة اخرجه البزار وغیره حضور سرور کائنات علیه السلام والصلوٰة نے فرمایا ہے اُن لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہ دیگی ہر نسب قیامت کے

دن منقطع ہو جائیگا مگر میرا سبب و تعلق اور میری قرابت دنیا و آخرت میں ملی رہے گی اسکو بزار وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ایسی ہی دوسری روایت مفسر ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بال رجال یزعمون ان رحم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینفع قومہ یوم القیامۃ بلیٰ وان رحمی موصولۃ فی الدنیا والاخرۃ وانی ایہا الناس فرط لکم علی الحوض اخرجہ احمد والحاکم والبیہقی وغیرہم حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو خیال کرتے ہیں کہ قرابت رسول اُن کی قوم کو نفع نہ دیگی ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ میرا نسب دنیا اور آخرت میں ملا رہے گا اور اے لوگو میں حوض پر تم لوگوں کے آگے ہونگا اسکو احمد اور حاکم اور بیہقی وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ الحاصل قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً غیر نافع کہنا اور سادات و عامہ مومنین کو من کل الوجوہ مساوی سمجھنا تفریط ہے اور اسکو ایسا نافع سمجھنا کہ باوجود ارتکاب فواحش صرف انتساب الی النبی کو باعث استحقاق نجات جاننا افراط ہے اس تفصیل سے سوال سوم و چہارم کا جواب بھی معلوم ہو گیا اب اسکی تفصیل کی حاجت نہیں رہی اور جاننا چاہیئے کہ نسب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جسکے نفع و بقا کی خبر اخبار میں وارد ہوئی جب بانفرادہ باعث نجات و کرامت بدون انضمام تقویٰ عند اللہ نہوا بلکہ شفاعت محمدیہ کے زائد استحقاق ہونے کا باعث ثابت ہوا تو نسب صدیقی و علوی یا کسی اور ولی و صالح کا نسب بانفرادہ کیونکر باعث نجات ہو سکتا ہے اور سوال دوم کا جواب یہ ہے کہ کسی سید کا مرنا بحالت سوء خاتمہ و زوال ایمان اسکا امتناع عقلاً و شرعاً ثابت نہیں ہے اور مطلقاً ہر سید کا جہنم کے عذاب سے نجات پا جانا اور ابتداءً جنت میں داخل ہو جانا نصوص معتبرہ سے ثابت نہیں ہے بلکہ عمومات قرآن اور احادیث اسکے خلاف پر دال ہیں باقی وہ حدیثیں جو اسعاف الراغبین و جواہر العقدین وغیرہ میں مذکور ہیں جنکا ملخص اور مفاد یہ ہے کہ اہلبیت و سادات کے حق میں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے نجات کی دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ کر لیا کہ اولاد فاطمہ پر جہنم حرام ہے اور اہل بیت پر عذاب نہو گا وہ سب عام مخصوص البعض ہیں اور صلحا و متقین پر محمول ہیں یا طرف اولاد صلبی فاطمہ رضی اللہ عنہا پر محمول ہیں ابن عراق تنزیہ الشریعۃ عن الاخبار الموضوعہ میں یہ حدیث ان فاطمۃ احصنت فرجہا فحرمہا اللہ وذریتہا علی النار یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی آبرو بچائی لہذا اللہ نے انکو اور انکی ذریت کو آگ پر حرام کر دیا

ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ما یدل علی ان الحدیث لیس موضوعاً جزماً عند ابن الجوزی انہ قال ان ثبت الحدیث فھو محمول علی ذریتھا الذین ھم اولادھا خاصۃ فان الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ وعلی ذلک حملہ محمد بن علی بن موسیٰ الرضا فقال ھو خاص بالحسن والحسین رضی اللہ عنہما واللہ اعلم وروی العقیلی عن ابی کریب انہ قال ھذا للحسن والحسین ولمن اطاع اللہ منھم یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث ابن جوزی رحمہ اللہ کے نزدیک یقیناً موضوع نہیں ہے کہ اُنھوں نے کہا ہے اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو اُنکی ذریت پر جو مخصوص اُنھیں کی اولاد ہے محمول ہوگی کیونکہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما جوانان جنت کے سردار ہیں اور اُسکو اسی پر محمد بن علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہما نے محمول کیا ہے اُنھوں نے کہا ہے کہ یہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مخصوص ہے واللہ اعلم اور عقیلی نے ابوکریب رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے لیے ہے اور اہل بیت میں سے اُنکے لیے ہے جو خدا کی اطاعت کریں انتہی اور اسی قسم کی حدیثیں جو اہل بیت کے فضائل میں وارد ہیں اُنکی نظیر صحاح ستہ وغیرہ کی بہت سی حدیثوں میں مروی ہے جن میں خاص خاص عمل صالح کرنے والے پر وجوب جنت یا حرمت نار یا دخول جنت یا برائت عذاب نار وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حدیث کی کتابوں کے دیکھنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے پس لازم آتا ہے کہ اُن اعمال صالحہ کے اصحاب بھی اگرچہ سیکڑوں کبائر کریں کبھی جہنم میں داخل نہوں یا وہ لوگ سوء خاتمہ سے آمن ہو جائیں اور اُس عمل صالح کی برکت سے جو ان سے صادر ہوا ہے یہ سمجھ لیں کہ ہمکو خوف نہیں ہے ہمارا خاتمہ خواہمخواہ بخیر ہی ہو جائے گا اور اُس حدیث کے حکم کے موافق ہمکو نجات ضرور حاصل ہوگی حاشا و کلا فقہا و محدثین و علمائے معتبرین میں سے کوئی اسکا قائل نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ و کلام و حدیث کے دیکھنے والے اس سے بخوبی واقف ہونگے حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی عفی عنہ

سوال اکثر علمانے لکھا ہے کہ میت کی روح ایک چلہ کم و زیادہ اپنے گھر میں بعدہ ایک سال تک قبر پر رہکر مقام علیین وغیرہ کو جاتی ہے اب قابل دریافت یہ ہے کہ اُن علما کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں اور علمائے اہل سنت کا اس باب میں محقق مذہب کیا ہے جواب۔ ظاہراً احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبض کے بعد روح علیین کو جاتی ہے روایت بزازیہ میں ہے فاذا اخرجت روحہ وضعت علی ذلک

المسك والریحان وذهب به الی علیین جب ایک آدمی کی روح نکلتی ہے تو اسکے سامنے مشک اور خوشبوئیں رکھی جاتیں ہیں اور وہ علیین میں لیجائی جاتی ہے اور یہ امر کہ ایک چلہ گھر میں اور ایک سال قبر پر رہکے علیین کو جاتی ہے ثابت نہیں ہو واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال ابلیس لعین قرارت قرآن شریف پرقادر ہے یا نہیں جواب جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کتاب لقط المرجان فی اخبار الجان میں لکھتے ہیں سئل ابن الصلاح عن رجل یقول ان الشیطان یقدر ان یقرأ القرآن ویصلی هو وجنوده فاجاب ظاهر المنقول ینفی قراءتهم القرآن وقوعاً ویلزم منه انتفاء الصلوة منهم اذ منها قراءة القرآن وقد ورد ان الملائكة لم يعطوا فضيلة قراءة القرآن وهي حريصة لذلك على استماعه من الارض فاذن قراءة القرآن كرامة اكرمه الله بها الانس غير ان المؤمنين من الجن بلغنا انهم يقرؤنه ابن صلاح رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کہے کہ شیطان اور اس کا لشکر قرآن شریف پڑھنے اور نماز پڑھنے کی قدرت رکھتا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ ظاہر منقول اس کے منافی ہے کہ وہ یا اسکا لشکر قرآن شریف پڑھے اور اس سے لازم آتا ہے کہ نماز بھی نہ پڑھے کیونکہ قرارت قرآن شریف نماز کا جزء ہے اور وارد ہے کہ فرشتے قرآن شریف پڑھنے کی فضیلت سے محروم ہیں اور اسی وجہ سے وہ انسانوں سے اسکے سننے کے مشتاق ہیں پس قرارت قرآن شریف ایک ایسی فضیلت ہے جسکے ساتھ اللہ تعالی نے انسان ہی کو عزت بخشی ہے البتہ ہمکو یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان جن بھی اسے پڑھتے ہیں واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال اگر کوئی شخص کسی رسول کی رسالت کا ایمان رکھتا ہو یعنی تصدیق قلبی و اقرار لسانی دونوں ہوں لیکن باینہمہ بوجہ کسی معاملۂ دنیوی کے خاص اسی حیثیت سے اس رسول کا دشمن ہوجائے اور موقع پاکر ایذا رسانی کرے یا شدت عداوت اور کثرت غصہ کی وجہ سے اس رسول کو قتل کرے تو وہ شخص مومن رہیگا یا کافر ہوجائے گا اس کا جواب کتاب و سنت کی دلیل سے ہو جواب رسول کی عداوت اور اسکی ایذا رسانی اور اہانت و قتل جس حیثیت سے ہو موجب کفر ہے اللہ تعالی فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنهم اللہ فی الدنیا والآخرة واعد لهم عذاباً مهیناً جو لوگ خدا اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہیں تو اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں انپر لعنت بھیجتا ہے اور اس نے انکے لیے سخت عذاب مہیا کیا ہے اور اللہ تعالی بنی اسرائیل سرکشی اور ان کی مذمت

میں ارشاد فرماتا ہے ویقتلون الانبیاء بغیر حق بغیر شرعی حق کے انبیا کو قتل کرتے ہیں سوال آپنے فرمایا ہے کہ جنت میں ملاقات ہوگی مگر یہ نہ ظاہر ہوا کہ میاں بیوی اور لڑکے وغیرہ یہاں کی مانند ایک جا رہینگے یا نہیں جواب جب سب جنت مین جاوینگے تو یہاں کی مانند ایک جگہ رہینگے اور اگر مراتب درجات مختلف ہون گے تو ایک کے درجہ میں دوسرے جا کر یا پاس ہونچکر ملاقات کر سکیں گے اسکی تفصیل بدور سافرہ فی احوال الآخرہ وغیرہ میں موجود ہے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال اعطائے منصب نبوت کا طریقہ کسی شخص کے ساتھ اسطور پر بھی ہوا ہے کہ ایک نبی کسی شخص کو اپنا خرقہ دیدے اور محض اعطائے خرقہ سے وہ شخص نبی ہو جائے یا کوئی نبی کسی شخص سے یہ کہے کہ میں نے تمکو منصب نبوت عطا کیا اور محض اس کہنے سے وہ شخص نبی ہو جائے یا کوئی نبی کسی شخص سے کہے کہ تم میرے بعد میری نبوت کے حامل ہو اور محض اس کہنے سے وہ شخص بعد اُس نبی کے نبی ہو جاوے یا ایک شخص خواب میں دیکھے کہ کوئی کہتا ہے کہ آج سے تم کو منصب نبوت عطا کیا گیا اور محض اس خواب سے وہ شخص نبی ہو جائے یا کسی شخص کو اعطائے منصب نبوت کا القا ہوا اور محض اس القا سے وہ شخص نبی ہو جائے اگر اعطائے منصب نبوت میں یہ طریقے رہے ہوں فبہا ورنہ شرائط عطائے منصب نبوت بالاستیعاب تحریر فرمایئے جواب حصول مرتبہ نبوت کے یہ طریقے نہیں ہیں اور نہ ان طریقوں سے کسی کو نبوت ملی ہے بدون اسکے کہ اللہ کی طرف سے کوئی فرشتہ حامل وحی آئے بعدہٗ وہ رسالت و نبوت کی خبر پہونچائے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر: محمد عبدالحی ابوالحسنات] صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ ابوالاحیا محمد نعیم غفر اللہ العلی العظیم۔

کتاب التقلید

سوال جو شخص کہ مذہب کا انکار کرے اور مذہب اختیار کرنے کو بُرا جانے اور لوگوں سے یہ بات کہے کہ میں کتب حدیث کی پیروی کرتا ہوں تو اُسکا کیا حکم ہے وہ مبتدع ہے یا کافر جواب اصحاب مذاہب کیا حضرت امام ابوحنیفہؒ اور کیا حضرت امام شافعیؒ اور کیا حضرت امام مالکؒ اور کیا حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ وغیرہم ان مجتہدین نے تدوین مذہب اور استخراج مسائل میں شرع کے خلاف نہیں کیا ہے

سب کے دلائل مستند ہیں اور ان سب میں جو اختلاف ہوا ہے وہ محض آیات اور احادیث وغیرہ کے
فہم معانی کی وجہ سے واقع ہوا ہے نہ اس سبب سے کہ کسی نے انہیں سے تعصب کو دخل دیا ہے
اور نہ اس وجہ سے کہ قیاس کو شرع پر مقدم رکھا ہو حاشا وکلا تمام ائمہ ہداۃ اس سے بری ہیں
کہ قیاس کو وہ مقدم جانیں جو ان میں سے کسی ایک کی جانب بھی اس کی نسبت کرے وہ کاذب
اور مفتری ہے اور جو بعضے متعصب لوگ حنفیوں کو اصحاب الرائے لکھتے ہیں تو ان کا قول معتبر نہیں ہے
اور اس جگہ ایک لطیفہ میرے خیال میں آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ رائے پر جو الف ولام داخل ہے وہ عہد کا ہے
اور مراد اس سے رائے دقیق ہے پس فی الحقیقت حنفیہ اصحاب الرائے ہیں یعنی اصحاب الرائے الدقیق ہیں
حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ نے مجمع موسس فی المعجم المفہرس میں اس امر کا اقرار کیا ہے
کہ قواعد جیسے حنفیہ مذہب میں منضبط ہیں ویسے ہمارے مذہب میں منضبط نہیں ہیں پس حق تعالےٰ نے
اہل تعصب کی زبان سے حنفیہ کی تعریف کرائی ہے۔ الحاصل مذاہب مدونہ آیات واحادیث
واجماع وقیاس کے مخالف نہیں ہیں کوئی مسئلہ وہ نہیں ہے جسکی اصل ان چار میں سے کوئی ایک بھی نہو
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف میں تحریر فرماتے ہیں لما
مهد واالفقه لم تكن مسألة من المسائل التي تكلم فيها من قبلهم والتي وقعت في زمانهم
الا وجد وافيها حديثا مرفوعا متصلا ومرسلا وموقوفا صحيحا وضعيفا وحسنا او اثرا
من آثار الشيخين او سائر الخلفاء فيسر الله لهم العمل بالسنة على هذا الوجه جب
لوگوں نے فقہ کو مرتب کیا تو کوئی مسئلہ جس میں اگلے اور موجودہ زمانے کے فقہا نے کلام کیا ہوا ایسا
نہیں ملا کہ اس پر حدیث مرفوع یا متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا ضعیف یا حسن یا اثر آثار شیخین
وآثار خلفا میں سے کوئی نہو پس خدا نے ان کو اس طرح سنت پر عمل کرنے کی توفیق دی جب بات طے
ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کا انکار کرنے والا اور ان کو برا جاننے والا اگر اس وجہ سے ان کو
بد جانتا ہے کہ وہ شرع کے موافق ہیں تو کافر ہو جائیگا کیونکہ اس نے دین کی اہانت کی ہے اور اگر اپنے
خیال کے موافق مذاہب اربعہ کو خلاف شرع وخلاف نصوص سمجھکر برا جانتا ہے تو وہ شخص خاطی ہے اسی
وجہ سے جو ہم نے ابھی بطور تمہید بیان کیا اب سمجھنا چاہیے کہ اگر ائمہ مجتہدین فقہیہ مسائل کی تحقیق و
تدوین جیسی سب نے کی ہے نہ کرتے تو تمام عالم گمراہ ہو جاتا اور کوئی شخص شرع کے علم سے واقف نہ ہوتا کیونکہ بہت

اقرار ابن حجر کا کہ حنفیہ کا مذہب منضبط ہے اور ہمارا مذہب منضبط نہیں

ے احکام ایسے ہیں جو ظاہر نصوص سے مستنبط نہیں ہوتے پس ان مذاہب کو بُرا جاننے والا احسان فراموش
ہے اب رہا حدیث کی اتباع کا دعوی پس اگر مدعی صحیح حسن ضعیف ناسخ منسوخ کی امتیاز رکھتا ہے اور
موافق اگلے محدثین کے آثار واحادیث وآیات کے معانی کی شرح کی قدرت رکھتا ہے اور اُسکے علاوہ
اُن تمام ضروری علوم میں مہارت رکھتا ہے جو کتب حدیث کے سمجھنے کے لئے لازمی ہیں تو وہ
شخص قابل مدح ہے اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ایسے شخص کا وجود مثل عنقا کے معدوم ہے
البتہ آٹھویں صدی میں بہت لوگ ان صفات کے پائے گئے تھے اور بعد اس کے نویں صدی
میں علامۂ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ خاتم الحفاظ ہوئے پھر دسویں صدی میں بھی بعضے علماء
مثل ملا علی قاری و شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ محدثین کے قدم بقدم ہوئے مگر اُن کے
مرتبے کو نہیں پہونچے اُن کے بعد سے اب تک کوئی ایسا پایا نہیں گیا جو کما حقہ حدیث صحیح کی حدیث
ضعیف سے تمیز کر سکے چہ جائیکہ اِس میں مہارت رکھتا ہو الا ما شاء اللہ اور اس زمانہ میں محدث
اُس شخص کو کہتے ہیں جو صحاح ستہ کا درس دے اور مطالب کی وضاحت عام فہم کرے انا اللہ الخ
صاحب کشف الظنون علامۂ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں واعلم ان قصاری نظر ابناء
زماننا فی علم الحدیث النظر فی مشارق الانوار فان ترفعت الی مصابیح البغوی ظننت
انها تصل الی درجة المحدثین وما ذلك الا لجهلهم بالحدیث بل لو حفظهما
احد عن ظهر قلب وضم الیهما من المتون مثلیهما لم یکن محدثا حتی یلج الجمل
فی سم الخیاط وانما الذی یعده اهل الزمان بالغا الی النهایة وینادونه محدث
المحدثین وبخاری العصر من اشتغل بجامع الاصول لابن الاثیر مع حفظ علوم الحدیث
لابن الصلاح او التقریب للنووی مع انه لیس فی شئ من رتبة المحدثین وانما المحدث
من عرف المسانید والعلل واسماء الرجال والعالی والنازل وحفظ مع ذلك جملة
مستكثرة من المتون وسمع الكتب الستة ومسند احمد وسنن البیهقی ومعجم
الطبرانی وضم الی هذا القدر الف جزء من اجزاء الحدیث فهذا اقل درجاته
ہمارے زمانہ کی کوتاہ نظروں میں علم حدیث میں مشارق الانوار کے دیکھنے پر منحصر ہیں اور اگر کسی کی نظر
مصابیح بغوی پر پڑ گئی تو وہ محدث سمجھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ علم حدیث سے ناواقف ہیں

اصل یہ ہے کہ اگر ان دونوں کو ازبر کرلے اور ان کے ساتھ انھیں کے ایسے دو متون اور بھی تب بھی وہ محدث نہو گا جبتک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گذر جائے اور جس نے ابن اثیر رحمہ اللہ کی جامع الاصول دیکھی ہو اور ابن صلاح کا علوم حدیث یا نودی کی تقریب یاد کی ہو وہ تو آجکل کے لوگوں کے خیال میں منتہی ہے اُسے محدث المحدثین اور اپنے زمانے کا بخاری سمجھتے ہیں حالانکہ محدثین میں اُسکا کوئی مرتبہ نہیں محدث وہ ہے جو مسانید و علل و اسماء الرجال سے واقف ہو اور بہت سے متون احادیث اُسے یاد ہوں اور کتب ستہ و مسند احمد و سنن بیہقی اور معجم طبرانی کی سماعت کی ہو اور بعض لوگوں کے خیال میں ان کے علاوہ اجزاے حدیث میں سے ایک ہزار جزء کی اور بھی سماعت کی ہو یہ محدث کا معمولی مرتبہ ہے غور کرنا چاہیئے کہ جب علامۂ سبکی رحمہ اللہ کے زمانہ کا یہ حال تھا جو دسویں صدی کے پہلے تھا تو اب اس زمانے کا حال کیا لکھا جائے۔ اور اس زمانے کے محدثین جو اپنے کو مجدد للمذہب جانتے ہیں اور مذاہب حقہ کو باطل خیال کرتے ہیں گمراہ کرنے والے ہیں کیونکہ مثلاً اگر کسی مسئلہ حنفیہ یا شافعیہ کی سند صحاح ستہ میں نہیں ملتی تو کہنے لگتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا امام شافعی رحمہ اللہ نے اس باب میں حدیث کے خلاف کیا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ فن حدیث کا انحصار صحاح ستہ پر نہیں ہے کتب احادیث بیشمار تصنیف ہیں پس کسی مسئلہ کی سند صحاح ستہ میں نہ ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کسی کتاب میں نہو حررہٗ عبدالحی عفی عنہ سوال جس شخص نے رخص شرعیہ کے تتبع کو اپنا مذہب بنالیا ہو اُسکا کیا حکم ہے یعنی وہ مبتدع ہے یا نہیں جواب تتبع رخص شرعیہ اگر بقصد کھیل اور اشغل ہو تو بالاجماع حرام ہے مثلاً کوئی حنفی شطرنج کھیلنے کے لیے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اختیار کرے اور اگر رخص شرعیہ کا تتبع بقصد لہو لعب نہو تو کچھ حرج نہیں ہے اور تتبع کرنے والا مبتدع نہوگا مگر ایسے امور سے عوام روکے جائینگے البتہ پرہیزگار عالم کے لئے مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ ملا بحر العلوم قدس سرہٗ شرح مسلم الثبوت میں اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں فی المصابیح قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا وابشروا وذکر البغوی عن عمیر قال ادرکت من اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اکثر من

سبعین فما رایت قوماً اھون سیرة ولا اقل تشدداً منھم وعن ابراھیم انہ
قال اذا بلغك فی الاسلام امران فخذ ایسرھما وقال الشعبی اذا اختلف علیك فی الدین
فخذ ایسرھما فان ایسرھما اقربھما الی الحق ان اللہ تعالی یقول یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم
العسر مصابیح میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین آسانی ہے
اور جو اپنے اوپر دین میں سختی کریگا مغلوب ہوگا پس مضبوطی ومیانہ روی کو اختیار کرو اور خوش
رہو اور بغوی نے عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں شرسے زائد صحابیوں سے ملا لیکن میں نے
سیرت کے اعتبار سے اُن سے زیادہ نرم کسی کو نہیں دیکھا اور نہ اُن سے زیادہ اپنے پر کم شدت کرنیوالا
کسیکو دیکھا اور ابراہیم سے روایت ہے اُنھوں نے کہا جب تمکو اسلام میں دو باتیں پہنچیں تو اُن میں
جو آسان دیکھو اختیار کرو اور شعبی رحمہ اللہ نے کہا ہے جب دین میں اختلاف پڑے تو آسان بات اختیار
کرو کیونکہ آسان بات حق سے قریب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تمپر آسانی چاہتا ہے سختی نہیں
چاہتا اور اسی کتاب میں شاہ ولی اللہ صاحب نے فارسی عبارت میں لکھا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے
تتبع رخصِ مذاہب اربعہ جبکہ قرآن حدیث اجماع سلف اور قیاس جلی کے مخالف نہو حسن ہے
اور فقہائے متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے بلکہ بعضوں نے فسق کی طرف نسبت کی ہے
انتہی ترجمہ کلامہ۔ اور حضرت مولانا ولی اللہ لکھنوی فرنگی محلی قدس سرہٗ شرح مسلم میں تحریر فرماتے
ہیں ویتخرج) ای تستنبط منہ ای من جواز اتباع غیر المقلد الاول کما ھو مختار ابن
الھمام من ان تقلید مذھب معین لیس بواجب شرعاً جواز اتباع رخص المذاھب)
ای اخذ ما ھو اھون علیہ من المذاھب فلا یمنع منہ مانع شرعی اذ للانسان ان یسلك
مسلك الاخف علیہ اذا کان لہ، ای للانسان الیہ ای الی الاخف سبیل) ثم بین
السبیل بقولہ (بان لم یکن عمل فیہ ای فی ذلك المحل المختلف فیہ وبآخر) ای بقول
آخر مخالف لھذا الاخف وعلیہ الصلوٰة والسلام یحب ما خفف علیھم وما نقل
عن عبد البر انہ لا یجوز للعامی تتبع الرخص اجماعاً فاجیب عنہ فی التیسیر شرح التحریر
بالمنع ای بمنع صحة النقل عنہ ولو سلم فلا نسلم صحة دعوی الاجماع اذ فی تفسیق
تتبع الرخص عن الامام احمد روایتان فکیف یتحقق الاجماع وحمل بعضھم روایة

التفسیق بما اذا قصد التلھی جس کی پہلے تقلید کی تھی اسکے علاوہ کسی اور کی تقلید کے جائز ہونے سے کہ جیسا کہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ شرعاً کسی خاص مذہب کی تقلید واجب نہیں ہے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس شخص پر جو مذہب آسان ہو وہ اُسے اختیار کرے اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے کیونکہ انسان کو وہی مسلک اختیار کرنا چاہیئے جو اُس پر آسان ہو جبکہ وہ آسان مسلک کو اختیار کرنے میں اس طرح منضبط ہو کہ اس آسان مسلک کے خلاف دوسرا قول اس بارہ میں اختیار نہ کرے کہ جو اس مسلک میں نہ ہو نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بھی اُسی کو پسند فرماتے تھے جو مسلمانوں پر آسان ہوتا اور یہ جو ابن عبد البر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عامی شخص کو رخص شرعیہ کی جستجو کر کے اتباع کرنا جائز نہیں ہے اجماعاً تو اسکا جواب تیسیر شرح تحریر میں یہ دیا ہے کہ ہم اُن سے یہ منقول ہونا صحیح نہیں مانتے اور اگر مان بھی لیں تو دعوی اجماع کو صحیح نہیں مانتے کیونکہ آسانیوں کی جستجو کرنے والے کے فسق میں حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں تو اجماع کہاں رہا اور بعض فقہا نے عرفی فاسق ہونے کی روایت کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب مقصود لہو ولعب ہو اور ایسے ہی شرح تحریر الاصول میں لکھا ہے واللہ اعلم حررہٗ محمد عبد الحی عفی عنہ سوال ایک شخص جاہل ہے اماموں میں سے کسی امام کی تقلید کو بھی اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتا اور تمام ائمہ اربعہ کو اپنے اعتقاد میں اپنا مقتدا و پیشوا جانتا ہے اور اپنے زمانے میں جس عالم کو وہ دیندار اور متقی پاتا ہے اُسکے قول پر عمل کرتا ہے ایسے شخص کے مذہب کا کیا حکم ہے جواب لزوم تقلید مذہب معین میں علمائے متقدمین و متاخرین مختلف ہیں بعض تقلید مذہب معین کے واجب ہونے کے قائل ہیں علامہ محلی شافعی رحمہ اللہ شرح الجوامع میں لکھتے ہیں یجب علی العامی وغیرہ ممن لم یبلغ مرتبۃ الاجتہاد التزام مذہب معین من مذاہب المجتہدین یعتقدہ ارجح من غیرہ او مساویا لہ وان کان فی نفس الامر مرجوحاً علی المختار عامی اور اس غیر عامی پر جو مجتہد نہیں کسی مذہب کو اپنے اوپر لازم کر لینا ضروری ہے جسکو وہ دوسروں پر ترجیح دیتا ہو یا مساوی سمجھتا ہو خواہ وہ در حقیقت مرجوح ہو بر مذہب مختار۔ اور علامہ کمال الدین ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر الاصول میں کہتے ہیں نقل الامام الاجماع علی منع تقلید العوام لاعیان الصحابۃ ومن بعدہم الذین وضعوا ودونوا وعلی ھذا ما ذکرہ بعض المتاخرین من منع تقلید غیر الائمۃ الاربعۃ لانضباط مذاہبہم وتقلید مسائلہم ولم یدر مثلہم

غیرھم الی الآن اس پر امام نے اجماع نقل کیا ہے کہ عوام اعیان صحابہ و تابعین کی تقلید نہیں کرسکتے
ہیں پس اسی بنا پر بعض متاخرین کہتے ہیں کہ آئمہ اربعہ رحمہم اللہ کے علاوہ دوسروں کی تقلید
جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے مذاہب منضبط اور مسائل مقرر ہیں اس وقت تک ان کے مثل اور مذاہب
نہیں ملے۔ اور بعض علما کے نزدیک یہ مختار ہے کہ مذہب معین کی تقلید ضروری نہیں ہے ہر شخص کو اختیار ہے
کہ جس مذہب پر چاہے عمل کرے بشرطیکہ کسی مذہب کے استخفاف اور تعصب سے خالی ہو اور اگر مذاہب اربعہ
میں سے کسی ایک مذہب کے بھی استخفاف و تعصب کو مسلک بنایا تو ایسا شخص واجب التعزیر ہے
ذو المناصب شیخ ابن حاجب مختصر اصول میں لکھتے ہیں ولا یرجع عن قول المجتهد بعد تقلیده
اتفاقاً وفی حکم آخر المختار جوازه لنا القطع بوقوعه ولم ینکر فلو التزم مذهباً معیناً
کمذهب مالک او الشافعی فثالثها کالاول کسی مجتہد کے مقلد کو تقلید کے بعد اسکے اسی
قول سے رجوع کرنا بالاتفاق درست نہیں ہے البتہ کسی دوسرے حکم میں مختار یہ ہے کہ جائز ہے
کیونکہ ایسا بکثرت واقع ہوا اور فقہا نے کچھ تعرض نہیں کیا پس اگر کسی نے خاص مذہب مثل امام
مالک رحمہ اللہ کے مذہب یا امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اختیار کر لیا تو ان دونوں کا تیسرا مثل اول
کے ہے ائمہ دین میں مستند قاضی عضد الملۃ والدین رحمہ اللہ اسکی شرح میں لکھتے ہیں اذا عمل العامی
بقول مجتهد فی حکم مسئلة فلیس له الرجوع عنه الی غیره اتفاقاً فاما فی حکم مسألة اخری
فقیل یجوز ان یقلد غیره المختار جوازه للقطع بوقوعه فی زمان الصحابة وغیره فان الناس
فی کل عصر کانوا یستفتون المفتیین کیف ما اتفق ولا یلتزمون سوال مفت معین و
قد شاع هذا وتکرر فلو التزم مذهباً معیناً وان کان لا یلزمه ففیه ثلثة اقوال اولها یلزم
وثانیها لا یلزمه وثالثها انه کالاول وهو من لم یلتزم فان وقعت واقعة فقلده فیها
فلیس له الرجوع عنه واما فی غیرها فیتبع فیها ما شاء جب عامی کسی مسئلہ میں کسی مجتہد کے
قول پر عمل کرلے تو بالاتفاق وہ شخص کسی دوسرے امام کے مذہب کی جانب رجوع نہیں کرسکتا
البتہ دوسرے مسئلہ میں ہر مذہب مختار اسکو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم
اجمعین کے زمانے میں ایسا ہوا ہے اس لئے کہ لوگ ہر زمانے میں مفتی سے مسائل پوچھتے تھے اور
اسکو لازمی نہیں جانتے تھے کہ ایک ہی مفتی سے پوچھیں اور اس پر عمل کریں اور یہ عام طور پر شائع تھا

اور بکثرت واقع ہوا ہے اور اگر کوئی شخص کسی خاص مذہب کو لازم کرلے تو اُسکے متعلق تین قول ہیں (۱) کسی خاص کی اتباع اُسپر لازم ہے (۲) کسی خاص کی اتباع اُس پر لازم نہیں (۳) ایسے شخص کا وہی حکم ہے جو عامی ہے یعنی اگر کسی واقعہ میں اُس نے کسی مجتہد کے قول پر عمل کرلیا تو دوسرے کیطرف رجوع نہیں کرسکتا البتہ دوسرے مسائل میں جسکی چاہے پیروی کرے۔ اور مولانا ولی اللہ لکھنوی فرنگی محلی رحمہ اللہ شرح مسلم الثبوت میں تحریر فرماتے ہیں (یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل فی العلم عند الاکثر وقیل هم اکثر الحنابلة واختاره ابن الحاجب تبعهم المصنف وحکی عن احمد انه یجب النظر فی الارجح وهو المختار عند الامامیة وهل یقلد المقلد غیر من یقلد اولا فی غیر ما عمل به اولا المختار نعم لما علم بالاستقراء من استفتائهم ای المستفتین فی کل عصر من زمن الصحابة مرة واحدة من المجتهدین ومرة واحدة من غیرهم ولو التزم مذهبا معینا فهل یلزم الاستمرار علیه فقیل نعم حتی شدد بعض المتکلفین وقالوا الحنفی اذا ترک مذهب امامه یعزر والحق انه تعصب لا دلیل علیه اصلا وانما هو تشریع من عند نفسه وقیل لا) قال فی التیسیر شرح التحریر هو الاصح اذ لا واجب الا ما اوجبه الله و بالجملة لا یجب تقلید مذهب معین بل جاز الانتقال لکن لا ینبغی ان یکون ذلک علی قصد التلهی وتوهین کبار المجتهدین فضیلت رکھنے والے کے ہوتے ہوئے کم فضیلت رکھنے والے کی پیروی کرنا اکثر کے نزدیک جائز ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اکثر حنابلہ ہیں اور اس مذہب کو ابن حاجب رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے بھی اُنکی پیروی کی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ارجح پر نظر کرنا واجب ہے اور اسی مذہب کو امامیہ نے اختیار کیا ہے اور ایک امام کا مقلد بر مذہب مختار اُسکے سوا دوسرے کی بھی تقلید کرسکتا ہے کیونکہ استقراء سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے لیکر اب تک ہر زمانے میں مستفتی کبھی ایک مجتہد سے اور کبھی دوسرے سے سوال کرتے تھے اور اگر کوئی شخص خاص مذہب کو اختیار کرلے تو اُسپر اُسی مذہب کا التزام بعض لوگوں کے نزدیک ضروری ہے حتی کہ بعض اس کے قائل ہیں کہ حنفی جب اپنے امام کے مذہب کو ترک کردے تو اُسے تعزیر کیجائے گی حق یہ ہے کہ یہ تعصب ہے اسپر کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ خود اپنی بنائی ہوئی بات ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے

اور تیسیر شرح تحریر میں ہے کہ یہی اصح ہے کیونکہ واجب وہی ہے جسے خدا واجب کر دے الحاصل کسی معین مذہب کی تقلید واجب نہیں ہر بلکہ ایک سے دوسرے کیجانب منتقل ہو سکتے ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ایسا بقصد لہو ولعب وتوہین مجتہدین نہو۔ اور ایسا ہی بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمہ اللہ شرح مسلم الثبوت اور شرح تحریر میں لکھتے ہیں اور عدم وجوب تقلید مذہب معین کو شرعاً محقق کرتے ہیں اور اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل سے عوام روکے جائیں گے خصوصاً اس زمانے کے عوام جنکو سوا اسکے کہ کسی مذہب کی تقلید کریں کوئی چارہ نہیں ہر اور اگر یہ لوگ اختیار مذہب وغیرہ میں مختار کر دیے جائیں تو بڑے بڑے فتنے برپا ہو جائیں جیسے نا فہم لوگ ایمہ کبار خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حق میں زبان طعن وتشنیع دراز کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمکو ان مذاہب سے کچھ کام نہیں ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہمارے لیے کافی ہیں لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ ان مذاہب کی تقلید عین تقلید نصوص ہر کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اگر تم کو نہ معلوم ہو تو اہل ذکر سے دریافت کرو۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس جاہل نے جس عالم کو اپنا مقتدا بنایا ہے اگرچہ وہ عالم اتقی ہو مگر پھر بھی ائمہ سابقین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اس سے بدرجہا افضل ہونگے علامہ فخر الدین زیلعی رحمہ اللہ نے شرح کنز میں اور شیخ الاسلام بدر الدین عینی رحمہ اللہ وغیرہ نے تصریح کی ہے الاحکام تتبدل بتبدل الازمنۃ احکام زمانے کے تغیر سے بدلجاتے ہیں اور اس بات پر وہ روایت شاہد ہے جسکو ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے لو ادرک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن من المساجد کما منع نساء بنی اسرائیل اگر رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانے میں وہ باتیں ہوتیں جو اب عورتوں نے نئی نکالی ہیں تو آپ اُن کو مسجد میں آنے سے منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکدی گئی تھیں اور اسیوجہ سے صاحب ہدایہ و شمس الایمہ سرخسی رحمہما اللہ بلکہ تمام فقہاے حنفیہ و شافعیہ نے مواضع متعددہ میں تنقیح مسئلہ کے بعد لکھا ہے لکن ھذا مما لا یفتی بہ الناس لیکن اسپر لوگ فتوی نہیں دیتے۔ ناظر کتب فقہ پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے پس اگرچہ مختار اور اصح محققین کے نزدیک عدم وجوب اختیار مذہب معین ہے مگر فی زماننا عوام کے فتوے لانے کے لیے یہی مختار ہے کہ مذہب معین کی تقلید واجب یا مستحسن کہی جائے جیسا کہ بعض اسکے قائل ہیں اور

ہرگز عوام اس سے واقف نہ کیے جائیں کہ محققین کے نزدیک مذہب معین کا اختیار کرنا واجب نہیں ہے البتہ
عالم ماہر متقی متدین جو تعصب سے خالی ہو اگر اپنے پسندیدہ قول کو اختیار کرے تو یہ اُسکے لئے اولےٰ اور
احسن ہے عارف ربانی عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ میزان میں لکھتے ہیں کان سیدی علی الخواص
اذا سألہ انسان عن التقلید بمذہب معین الآن هل هو واجب ام لا یقول لہ یجب
یجب علیك التقلید بمذهب ما دمت لم تصل الی عین شهود الشریعة فهنالك
لا یجب علیك التقلید بمذهب لانك ترى اتصال جمیع المذاهب لها سیدی علی خواص
رحمہ اللہ سے جب کوئی پوچھتا کہ آجکل کسی مخصوص مذہب کی تقلید واجب ہے یا نہیں تو وہ جواب
دیتے کہ تمہیں اُس وقت تک واجب ہے جب تک تم ایسے مرتبہ پر نہ پہونچ جاؤ جس سے شریعت کا
معائنہ کرنے لگو اور جب تم ایسے مرتبہ پر پہونچ جاؤ گے تو تم پر کسی خاص مذہب کی تقلید واجب
نہ رہے گی کیونکہ تمام مذاہب کا شریعت تک پہونچنا تم دیکھ رہے ہو اور شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی رحمۃ اللہ القوی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں هذہ المذاهب الاربعة المدونة
المحررة قد اجمعت الامة علی جواز تقلیدها الی یومنا هذا وفی ذلك من المصالح ما لا یخفی
لا سیما فی هذہ الایام التی قصرت الهمم جدا واشربت النفوس الهوی واعجب كل ذی
رای برأیه وما ذهب ابن حزم من ان التقلید حرام فغلط یہ چاروں مذہب جنکی تدوین ہو چکی ہے
اور جو کتابوں میں لکھے ہیں اُن کی تقلید کے جواز پر امت محمدی نے اس وقت تک اجماع کیا ہے
اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو ظاہر ہیں خصوصاً آجکل کہ ہمتیں کوتاہ ہیں اور نفوس
پابند حرص وہوا ہر ایک اپنی رائے کو پسند کرتا ہے اور جو ابن حزم رحمہ اللہ تقلید کے حرام ہونے
کے قائل ہیں وہ غلط ہے اور عقد الجید فی احکام التقلید میں ہے اعلم ان الاخذ بهذہ
المذاهب الاربعة فیه مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنها مفسدة عظیمة ونحن نبین
ذلك بوجوه احدها ان الامة اجمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة
فالتابعون اعتمدوا علی الصحابة وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وهكذا اعتمد
العلماء فی كل طبقة من قبلهم والقبول یدل علی حسن ذلك واذا تعین الاعتماد
علی اقاویل السلف فلابد ان تكون اقاویلهم التی یعتمد علیها مروية باسناد صحیح

قول ابن حزم کا تقلید کے حرام ہونیکا غلط ہے

اومدونۃ فی کتب مشهورۃ ولیس مذھب من المذاھب بھذہ الصفۃ
الا ھذہ المذاھب الاربعۃ اللھم الا مذھب الامامیۃ والزیدیۃ وھم اھل البدعۃ
لا یجوز الاعتماد علی اقاویلھم وثانیھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم
اتبعوا السواد الاعظم انتھی ولما اندرست المذاھب الحقۃ الا ھذہ الاربعۃ کان
اتباعھا اتباعا للسواد الاعظم ان مذاہب اربعہ پر عمل کرنے میں ایک بڑی مصلحت اور ان سے
اعراض کرنے میں ایک سخت خرابی ہے ہم اس کو متعدد طریقوں سے بیان کرتے ہیں (۱)
امت کا اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ شریعت کے جاننے کے متعلق متقدمین پر اعتماد کرنا چاہیے تابعین نے
صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین رحمہم اللہ ورضی اللہ عنہم اجمعین پر اعتماد کیا ہے اور ہر زمانے کے علما نے
اپنے اسلاف پر اعتماد کیا ہے اور کسی امر کو قبول کر لینا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر اچھا ہے پس جب اقوال
سلف پر اعتماد ثابت ہو گیا تو یہ بھی ضروری ہے کہ اُن کے اقوال جن پر اعتماد کیا گیا ہے بروایت صحیح مروی ہوں
اور کتب مشہورہ میں جمع ہوں اور ان چاروں مذاہب کے سوا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے
البتہ مذہب امامیہ وزیدیہ کے متعلق کہا جاتا ہے لیکن یہ لوگ بدعتی ہیں ان کے اقوال پر اعتماد ہی
ناجائز ہے (۲) حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے جماعت کا اتباع کرو انتہی پس جب ان
چارون مذاہب کے سوا اور تمام مذاہب ختم ہو گئے تو انھیں کا اتباع جماعت کا اتباع ہوا۔ اور
انصاف فی سبب الاختلاف میں ہے اعلم ان الناس کانوا فی المائۃ الاولی والثانیۃ
غیر مجتمعین علی التقلید بمذھب معین وبعد المائتین ظھر فیھم المذھب
وقل من کان لا یعتمد علی مذھب مجتھد بعینہ وکان ھذا ھو الواجب فی
ذلک الزمان فان قیل کیف یکون شیء واحد واجبا فی زمان وغیر واجب
فی زمان مع الشرع واحد قلت الواجب الاصلی ھو تقلید من یعرف الاحکام
الفرعیۃ عن ادلتھا التفصیلیۃ اجمع علی ذلک اھل الحق فاذا کان للواجب
طرق متعددۃ وجب تحصیل طریق من الطرق من غیر تعیین واذا کان لہ طریق واحد تعین ذلک
الطریق بخصوصہ کما کان السلف لا یکتبون الحدیث ثم صار یوما ھذا کتابۃ الحدیث واجبۃ
لان روایۃ الحدیث لا سبیل لھا الا معرفۃ ھذہ الکتب وکان السلف لا یشتغلون بالنحو والصرف واللغۃ لان لسانھم کان

عربیۃ ثم صار فی یومنا ھذا معرفتھا واجبۃ فاذا کان انسان جاھل فی بلاد الھند وما وراء النھر ولیس ھناک شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتب ھذہ المذاھب وجب علیہ ان یقلد بمذھب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ بخلاف ما اذا کان فی الحرمین لانہ یتیسر ھناک معرفۃ جمیع المذاھب پہلی اور دوسری صدی میں لوگوں کا اجماع کسی خاص مذہب کی تقلید کرنے پر نہ تھا اور دو صدیوں کے بعد لوگ مذاہب اختیار کرنے لگے اور ایسے کم رہگئے جو کسی خاص مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں کیونکہ اس زمانے میں یہی واجب تھا اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک چیز ایک زمانے میں واجب اور دوسرے میں غیر واجب کیونکر ہوسکتی ہے جبکہ شریعت ایک ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ واجب اصلی ایسے شخص کی تقلید ہے جو احکام کو دلائل تفصیلیہ سے نکال سکتا ہو اہل حق نے اس پر اجماع کیا ہے اور واجب کے متعدد طریقے ہوں تو کسی ایک طریقہ کو بلا تعیین حاصل کرنا ضروری ہوگا اور جب ایک ہی طریقہ ہو تو اسی کا حاصل کرنا واجب ہے جیسا کہ سلف حدیث کو نہیں لکھتے تھے لیکن ہمارے زمانے میں حدیث کا لکھنا واجب ہے کیونکہ روایت کا بجز ان کتابوں کے دیکھنے کے اب کوئی طریقہ باقی نہیں رہا اسیطرح اگلے لوگ صرف ونحو اور لغت میں وقت نہیں صرف کرتے تھے کیونکہ اُنکی زبان ہی عربی تھی لیکن آجکل انکا جاننا واجب ہے تو اگر بلاد ہند اور ماوراء النہر میں کوئی شخص جاہل ہو اور وہاں کوئی شافعی مالکی اور حنبلی نہ ہو اور نہ مذاہب کی کتابیں ہوں تو اُسپر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور اُن کے مذہب سے نکل جانا حرام ہے برخلاف اُسکے جو حرمین شریفین زاد اللہ شرفہما میں ہو کیونکہ وہاں تمام مذاہب کا حال معلوم ہونا آسان ہے خلاصہ یہ ہے کہ جو جاہل شخص کسی مذہب کی تقلید کو لازم نہیں سمجھتا کسی متدین عالم کے قول پر عمل کرتا ہے اگر وہ شخص تعصب اور استخفاف دین اور طعن ائمہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے خالی ہو اور جس عالم کو معتبر جانکر اُسکے قول پر عمل کرتا ہے وہ عالم بھی مسائل کی تحقیق میں مہارت رکھتا ہو اور متعصب نہو اور کسی مجتہد پر طعن نہ کرتا ہو تو وہ عدم التزام مذہب معین کا مجاز ہے مگر فی زماننا نہ ایسا عالم نظر آتا ہے نہ ایسا جاہل الا ما شاء اللہ واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال ایک حنفی المذہب تقلید شخصی کو واجب نہیں جانتا بلکہ جائز کہتا ہے اور نماز میں شرائط وارکان وسنن حنفیوں کے موافق بجالاتا ہے اور آمین بالجہر کہنے والے کو فعل مسنون کا عامل کہتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز

پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں اور جو شخص مذکور کی اقتدا کو جائز کہے اُس کا کیا حکم ہے اور آمین بالجہر کہنے والے کو مسجد سے نکلوا دینا کیسا ہے جواب نحمدہ ونصلی علیہ جواز تقلید شخصی کا عقیدہ محققین حنفیہ کے موافق ہے علامہ بحر العلوم مولانا عبد العلی حنفی رحمہ اللہ القوی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں لا یجب الاستمرار ویصح الانتقال وھذا ھو الحق الذی ینبغی ان یؤمن ویعتقد بہ ہمیشہ ایک ہی شخص کا مقلد رہنا واجب نہیں ہے بلکہ ایک مذہب کو چھوڑ کے دوسرا مذہب اختیار کر لینا جائز ہے اور یہی درست ہے اسپر ایمان لانا چاہیے اور اُسکا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ اور علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں لو التزم مذہبًا معینًا کابی حنیفۃ والشافعی رحمہما اللہ فقیل یلزمہ وقیل لا وھو الاصح اگر کسی خاص مذہب کو لازم کر لیا مثلًا امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب تو بعضوں کے نزدیک اُس مذہب کی تقلید واجب ہے اور بعضوں کے نزدیک نہیں اور یہی صحیح ہے اور علامہ شرنبلالی حنفی رحمہ اللہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے لیس علی الالتزام مذہب معین لازم کر لینے سے کوئی خاص مذہب لازم نہیں ہو جاتا ہے اور یہی علامہ محمد عبد العظیم حنفی مفتی مکہ وشاہ ولی اللہ محدث دہلوی وشاہ عبد العزیز محدث دہلوی وامیر حاج وسید بادشاہ وقاضی ابو عاصم اور بہت سے مشائخ رحمہم اللہ کا مختار ہے پس جبکہ اُسکا عقیدہ متقدمین ومتاخرین حنفیہ رحمہم اللہ کے موافق ہوا اور حنفی مذہب رکھتا ہے اور نماز میں شرائط ارکان اور سنن احناف کی رعایت کرتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا بلا خلاف جائز ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ الاہتداء فی الاقتداء میں لکھتے ہیں ذھب عامۃ مشائخنا الی الجواز اذا کان یحتاط فی موضع الخلاف والا فلا والمعنی انہ یجوز فی المراعی بلا کراھۃ وفی غیرہ معھا ثم المواضع المتھمۃ المرعاۃ ان یتوضأ من الفصد والحجامۃ والقیئ والرعاف ونحو ذلک لا فیما ھو سنۃ عندہ مکروہ عندنا کرفع الیدین فی الانتقالات وجھر البسملۃ واخفائھا فھذا وامثالہ لا یمکن الخروج عن عھدتہ الخلاف فکلھم یتبع مذھبہ ولا یمنع مشربہ ہمارے عامہ مشائخ رحمہم اللہ جواز کی جانب گئے ہیں جبکہ مختلف فیہ موقعوں میں احتیاط کرے ورنہ نہیں مطلب یہ ہے کہ محتاط کے لئے بلا کراہت جائز ہے اور دوسروں کے لئے مع الکراہت اور ایسے مواقع جن میں تہمت کا خوف ہے اور احتیاط واجب ہے یہ ہیں فصد لینا پچھنے لگانا قے کرنا ناک سے خون نکلنا وغیرہ

نہ اُن باتوں میں کہ جو اُن کے نزدیک سُنت اور ہمارے نزدیک مکروہ ہیں مثلاً انتقالات کے وقت رفع یدین اور بسم اللہ کو زور سے یا آہستہ سے کہنا یعنی یہ اور اُن کے مثل اور امور خلاف سے بچ جانا یعنے ابساط بقیہ رکھنا جو دونوں مذاہب پر صحیح ہوں نا ممکن ہو ان امور میں ہر ایک اپنے مذہب کی اتباع کرے وہ اپنے مذہب سے نہ روکا جائیگا۔ اور مولانا خیر الدین رملی رحمۃ اللہ حاشیۂ اشباہ میں لکھتے ہیں الذی یمیل الیہ خاطری القبول بعدم الکراھۃ اذا لم یتحقق منہ مفسد کذا فی الشامی میرا دل اسے قبول کرتا ہے کہ جب اس میں کوئی خرابی نہو تو مکروہ نہیں ہے یہ شامی صفحہ ۵۹۹ باب الامامہ میں ہے اور قول سدید میں ہے یجوز صلوٰۃ المسلمین بعضھم خلف بعض کما کان الصحابۃ رضی اللہ عنھم والتابعون ومن بعدھم من الائمۃ الاربعۃ رحمھم اللہ یصلی بعضھم خلف بعض مع تنازعھم فی ھذہ المسائل المذکورۃ وغیرھا ولم یقل احد من السلف انہ لا یصلی بعضھم خلف بعض ومن انکر ذلک فھو مبتدع ضال مخالف للکتاب والسنۃ واجماع سلف الامۃ وائمتھا وقد کان فی الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من یقرء البسملۃ ومنھم من لا یقرأھا ومنھم من یجھر بھا ومنھم من لا یجھر بھا بعض مسلمانوں کے پیچھے بعض کی نماز جائز ہے جیسا کہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اور اُن کے بعد کے لوگ یعنے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ وغیرہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے باوجودیکہ ان مسائل اور دوسرے مسائل میں یہ لوگ مخالف تھے اور آپس میں تنازع تھا اور سلف میں سے کوئی اسکا قائل نہ تھا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور جو اسکا انکار کرے وہ بدعتی گمراہ اور مخالف کتاب و سنت و اجماع سلف اُمت وائمہ ہے صحابہ و تابعین و متاخرین میں سے بعض بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے اور بعض زور سے پڑھتے تھے اور بعض زور سے نہیں پڑھتے تھے۔ پھر کئی سطور کے بعد کہا ومع ھذا فکان بعضھم یصلی خلف بعض مثل ما کان ابو حنیفۃ واصحابہ والشافعی وغیرھم یصلون خلف ائمۃ المدینۃ من المالکیۃ وغیرھم وان کان لا یقرؤن البسملۃ لا سرًا ولا جھرًا وھکذا فی حجۃ اللہ البالغۃ اور باوجود اسکے لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب اور امام شافعی وغیرہ سب لوگ مالکی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اگرچہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ زور سے نہ آہستہ ایسا ہی حجۃ اللہ البالغہ میں ہے

باوجود بعض مسائل میں اختلاف رکھنے کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا

اور قول عدم جواز اتنداً محض ضلالت اور گمراہی ہے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ اکبر میں ہے الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر من المؤمنین جائزۃ نماز ہر نیک اور بد مسلمان کے پیچھے جائز ہے۔ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ اسکے تحت میں لکھتے ہیں فمن ترک الجمعۃ والجماعۃ خلف الامام الفاجر فھو مبتدع عند اکثر العلماء والصحیح انہ یصلیھا ولا یعیدھا جس نے جماعت اور جمعہ کو امام فاجر کی امامت کی وجہ سے چھوڑا وہ بدعتی ہے اکثر علما کے نزدیک اصح یہ ہے کہ نماز اُس کے پیچھے پڑھ لے اور اُسکا اعادہ نہ کرے۔ اور بھیرتقی سے نقل کیا ہے سئل ابو حنیفۃ رحمہ اللہ عن مذھب اھل السنۃ والجماعۃ فقال کذا وکذا وان نصلی خلف کل بر و فاجر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب کیا ہے تو انھوں نے مسائل بیان کرکے فرمایا اور یہ کہ ہر ایک نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھے۔ اور شرح عقائد میں ہے یجوز الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا الخ ولان علماء الامۃ کانوا یصلون خلف الفسقۃ واھل الاھواء والبدع من غیر نکیر ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز جائز ہے اسلئے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے صلوا الخ اور علمائے امت فاسقوں اور اہل ہوا و بدعت کے پیچھے بغیر کسی ناگواری کے نماز پڑھتے تھے۔ اور اُسکے حاشیہ میں ہے خلافا للشیعۃ فانھم قد اشترطوا العصمۃ فی الامامۃ الصغری کما فی الکبری والخوارج ایضا فان الکافر عندھم فاجر شیعہ اسکے خلاف ہیں کیونکہ انھوں نے امامت صغری میں ویسے ہی عصمت کی شرط لگائی ہے جیسے امامت کبرے ہیں اور خوارج بھی اسکے خلاف ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک کافر فاجر ہیں۔ پس ثابت ہو گیا امام اعظم رحمہ اللہ اور تمامی اہل سنت وجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ ہر مومن کے پیچھے نماز جائز ہے اور جو شخص جمعہ و جماعت امام کے فاجر ہونے کی وجہ سے ترک کرے وہ مبتدع اور گمراہ ہے اور شیعہ اور خارجی کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ اختلاف شیعہ و خارجی کا امام کے بد ہونیکی تقدیر پر ہے اور جب امام نیک ہو جیسا کہ سوال سے ظاہر ہوتا ہے تو اس میں کسی اہل قبلہ کا اختلاف نہیں ہے پس جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ شخص مسئول کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں وہ خود گمراہ ہے جواب سوال دوم اور مومن کو مسجد سے روکنا خصوصاً شغل شروع کے سبب سے بڑا گناہ ہے اللہ تعالے فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا اولئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا

خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم اُس سے زائد ظالم کون ہے جو خدا کی مسجدوں میں اس امر سے روکے کہ اُن میں خدا کا ذکر کیا جائے اور اُن کی ویرانی کی کوشش کرے اُنکو مسجدوں میں نہ داخل ہونا چاہیے مگر ڈرتے ہوے اُنکے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب ہے ۔ واللہ اعلم حررہ الراجی الی رحمۃ ربہ الرحیم ابو محی الدین محمد ابراہیم غفرلہ ولوالدیہ ۔ واقعی ایسے شخص کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے اور جو شخص مذکور کی اقتدا کو ناجائز کہے وہ مخطی ہے اور آمین پکار کے کہنے والے کو صرف اس عمل کی وجہ سے مسجد سے نکلوا دینا درست نہیں واللہ علیم حررہ ابو الاحیار محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم جواب صحیح ہے فی الواقع جو حنفی تقلید شخصی کو واجب نہ جانتا ہو اور ارکان وغیرہ موافق حنفیہ کے ادا کرتا ہو اور آمین بالجہر کہنے کو مسنون سمجھتا ہو اُسکے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے اور اُس شخص کے عدم جواز امامت کا حکم کرنا ضلالت ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی سوال زید کو عمرو دھوکا دیکے اپنے گھر کے اندر لیگیا اور چند آدمیوں کو بلاکے زید سے اُسکی بی بی کو جبراً تین طلاقیں دلوائیں بلکہ عمرو کے مددگار اور عمرو لاٹھی لیکر آمادہ ہوے کہ اگر ذرا طلاق دینے میں انکار کیا تو ہم فوراً تجھکو مار ڈالیں گے جب وہ طلاق دے چکا تو عمرو اور اُس کے مددگاروں نے اُسکی جان چھوڑی چونکہ زید اور اُسکی بی بی میں محبت بہت تھی اب جدائی از حد شاق ہے لہذا بضرورت بہ تقلید مذہب شافعی نکاح جائز ہے یا نہیں جواب ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید درست ہے سوال (۱) مسلمان ہونے کے لیے حنفی یا شافعی وغیرہ ہونا خدا اور رسول نے شرط کیا ہے یا نہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ عنہم یا اماموں کے وقت میں لوگ حنفی یا شافعی وغیرہ کہلاتے تھے یا نہیں اور اماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے کو کہا ہے یا نہیں اور حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے بعد کئی سو برس تک مسلمان لوگ ایک امام خاص کی تقلید نہیں کرتے تھے اور وہ مسلمان غیر مقلد اصحاب و تابعین اچھے سچے مسلمان تھے یا اُن کے بعد کے مقلدین حنفی شافعی کہلانے والے حدیث اور قرآن کے عامل سے ناراض ہونے والے اچھے ہیں اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کو اچھا کہا ہے یا نہیں اور اُسکے بعد کے زمانے میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے یا نہیں قوی دلیل سے بیان کیجیے (۲) اگر بادشاہ کسی ایک امام کا مقلد ہوا اور کوئی مسجد بنا کے تو مسجد بنانے

والے کی ملکیت میں باقی رہتی ہے یا نہیں اور ہر مسجد میں ہر مسلمان ایک نت مین ایک جماعت سے اپنے شروع طریقے سے نماز پڑھنے کا مستحق ہے یا نہیں (۳) جو شخص قرآن وحدیث کے موافق نماز پڑھے اور ہر مسئلہ میں ایک امام خاص کا مقلد نہو اور سب اماموں کو برابر حق جانکر جس کے مسئلہ کو حدیث کے موافق سمجھے اُسپر عمل کرے تو وہ مسلمان سُنی ہے یا نہیں (۴) نماز میں آمین بالجہر کہنا حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا فعل اور قول ہے یا نہیں اور یہ اسلام کی بات ہے یا کفر کی اور احناف کی کتب اور صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں اور یہ فعل مسلمانوں کا قدیم ہے یا نہیں (۵) حنفیوں کی کسی کتاب میں آمین بالجہر کہنے والے یا اُس کے ساتھ کے نمازوالوں کی نماز کا ٹوٹنا یا اور کسی قسم کا حرج اور نقصان ہونا اُن کے امام نے لکھا ہے یا نہیں (۶) آمین بالجہر سے ناراض ہونا مسلمانونکا فعل ہے یا یہودیوں کا حدیث سے کیا ثابت ہے اور کسی امام یا عالم کے قول سے قرآن اور حدیث پر عمل نہ کرنیوالا اور جو شخص نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے حکم کو معیوب سمجھکر خود عمل نکرے اور عمل کرنیوالے کو بھی بُرا جانے وہ از روے قرآن وحدیث کے کون ہے (۷) امور مذہبی میں قدیم رسم ورواج کو دخل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو زور سے آمین کہنے والا شخص آہستہ آمین کہنے والے حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں (۸) اگر کسی شخص کو کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے سے یا اور کسی طرح یاد آلہی سے روکے تو روکنے والے کو اللہ تعالےٰ نے بڑا ظالم اور اُسکے واسطے دُنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب سخت کا حکم کیا ہے یا نہیں (۹) کسی حاکم کا یہ حکم کہ مسلمان لوگ مسجد میں نماز کے اندر آمین بالجہر نہ کہیں امور مذہبی میں دست اندازی ہے یا نہیں اور اُن میں بالجہر کہنے والونکا اس امتناعی حکم سے دینی نقصان ہے یا نہیں اور مسجد میں ہر مسلمان کے اذن عام اپنے طور پر نماز پڑھنے کا ہے یا نہیں جواب (۱) مسلمان ہونے میں حنفی وغیرہ ہونا شرط نہیں کیا گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے وقت میں مسلمان لوگ حنفی شافعی وغیرہ کے نام سے موسوم نہ تھے اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہے اُس حالت میں جب خلاف قرآن وحدیث نہو زمانہ صحابہ اور زمانہ تابعین کے مسلمان اُن لوگوں سے اچھے تھے جو عامل مندرجہ قرآن وحدیث سے ناراض ہیں اور حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کو اچھا کہا ہے

اور پچھلے زمانے میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے (۲) مسجد بنانے والی کی ملکیت میں مسجد نہیں رہتی اور اس میں سب مسلمان بطور شرع نماز ادا کر سکتے ہیں اور ایک وقت اور ایک جماعت سے بھی پڑھ سکتے ہیں البتہ ایک مسجد میں ایک وقت میں دو جماعتوں سے نہیں پڑھ سکتے (۳) مندرجہ سوال سوم شخص مسلمان سُنی ہے بشرطیکہ قرآن اور حدیث پڑھنے کی قابلیت رکھتا ہو اور اُسکو تخریب دین منظور نہو (۴) آمین بالجہر کہنا حضرت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کا فعل ہے اور یہ اسلام کی بات ہے اور حدیث صحیح سے ثابت ہے اور حنفی بھی اس مضمون کو لکھتے ہیں مگر اختلاف ہے اور بہت سے قدیم مسلمانوں کا یہ فعل ہے (۵) آمین بالجہر کہنے سے کہنے والے یا اُسکے ساتھیوں کی نماز کا ٹوٹنا یا نقصان وغیرہ ہونا حنفیوں کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے (۶) باوجود علم اس امر کے کہ آمین بالجہر کہنا فعل نبوی ہے اُس سے ناراض ہونا مسلمان کا کام نہیں ہے اور حدیث کا حال اوپر بیان ہو چکا اور امام یا عالم کا جو قول یقیناً قرآن اور حدیث کے خلاف ہو اُسپر عمل کرنا اور قرآن و حدیث کو چھوڑنا مسلمان کا فعل نہیں ہے اور جو شخص حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے حکم کو باوجود اس جاننے کے کہ یہ حکم نبوی ہے معیوب سمجھے وہ مسلمان نہیں ہے اور عالموں کو بُرا جاننا درست نہیں (۷) امور و احکام مذہبی میں رسم و رواج کو دخل نہیں ہے اور زور سے آمین کہنے والا اگر اُسکو اتباع شریعت منظور ہو فساد نہ منظور ہو تو حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے (۸) جو شخص کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے یا یاد الٰہی سے بغیر وجہ شرعی کے روکے اُسکو اللہ نے ظالم کہا ہے اور اُسکو سخت عذاب کا موعود کیا ہے (۹) آمین بالجہر کو منع کرنا امور مذہبی میں دست اندازی ہے اور آمین بالجہر کہنے والوں کا دینی نقصان ہے اور مسجد میں ہر مسلمان کو شرعی طریقے پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے **سوال** (۱) آپ مقلد ہیں یا غیر مقلد اور تقیہ کو جائز سمجھتے ہیں یا نہیں (۲) اگر کوئی شخص بظاہر اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور اُسکے تمام افعال و حرکات مسلمانوں کے طریقہ کے خلاف اور تفرقہ انداز جماعت محمدیہ ہوتے ہوں اور وہ شخص عام مسلمانونکو گمراہ کرنے والا پایا جاتا ہو اُس کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لئے اُسکو اپنی جماعت سے باہر کر دینا چاہیے یا نہیں (۳) عام مسلمانون کو اُسکی حفاظت کرنا ضروری ہے یا نہیں کہ مسجد میں فتنہ و فساد نہو اور کسی ایسے مفسد کو جسکا مقصد عام نمازیونکو تحیر اور منغص کرنا ہو عام نمازیونکے طریقے کے خلاف کوئی فعل کرنیسے روکنا ضروری ہے یا نہیں (۴) محمدین

نے مسائل کو قرآن وحدیث سے نکالا ہے یا اپنے دل سے (۵) آمین بالجہر کہنا حنفیہ کے طریقے کے خلاف ہے یا نہیں (۶) اگر آمین بالجہر نہ کہے اور آہستہ کہے تو گنہگار ہوگا یا نہیں اور آمین بالجہر کہنے کا ثواب زیادہ ہے یا فتنہ وفساد سے بچنے میں زیادہ ثواب ہے (۷) مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفہا اسلامی ملک ہیں یا نہیں اور وہاں تقلید جاری ہے یا نہیں جواب (۱) ہم مقلد ہیں اور تقیہ کرنا جائز نہیں سمجھتے (۲) جس کا فعل تمام مسلمانوں کے خلاف ہو اسکو جماعت سے باہر کرنا درست ہے اور جس کا فعل بعض مسلمانوں کے موافق ہو اور بعض کے خلاف اور وہ فعل موافق شریعت ہو اسکو جماعت سے باہر کرنا درست نہیں۔ اور جو شخص گمراہ کرنیوالا معلوم ہوتا ہو اسکو بطور شرعی تفہیم کی جائے کہ وہ دوسروں کو گمراہ کرنے سے باز رہے اور جماعت میں تفرقہ ڈالنا نہیں جائز ہے (۳) عام مسلمانوں کو ضروری ہے کہ فتنہ وفساد سے مسجد کو محفوظ رکھیں اور جس شخص کا فعل شرع کے موافق ہو اگرچہ عام نمازیوں کے طریقہ کے مخالف ہو اس سے آزردہ نہوں اور اپنی طرف سے فساد کی ابتدا نہ کریں اور جو مفسد بدنیتی سے فساد پر آمادہ ہو اسکے فساد کو حاکم وقت کے ذریعہ سے دفع کریں (۴) مجتہدین نے مسائل قرآن وحدیث سے نکالے ہیں صرف اپنی رائے سے حکم نہیں دیا ہے (۵) حنفیہ نماز میں چپکے سے آمین کہنے کو سنت اور آمین بالجہر کو بھی جائز کہتے ہیں (۶) آہستہ آمین کہنے سے گنہگار نہوگا اور فتنہ وفساد وخونریزی سے بچنے کا ثواب آمین بالجہر کہنے سے زیادہ ہے کیونکہ آمین بالجہر یا آہستہ کہنے کا سنت ہونا صحابہ اور مجتہدین میں مختلف فیہ ہے اور فتنہ وفساد کی حرمت اتفاقی ہے (۷) مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفہا اسلام کے ملک ہیں اور وہاں تقلید جاری ہے سوال ایک شخص کا عمل اور برتاؤ ہر امر میں حنفی مذہب کے موافق ہے اور تحقیق مسائل میں وہ اگر اس طرح لکھے کہ زمانہ سلف میں صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کا مسائل جزئیہ میں اختلاف ہوتا گیا ہے اور باوجود اس کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے کسی کو اس میں انکار نہ تھا اور کوئی شخص اسکا التزام کرے کہ ایک ہی شخص کے قول وفعل کو مانے اگرچہ حق اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو یہ بات انبک ثابت نہیں ہوئی اور کسی اہل علم کا یہ قول نہیں ہے تو ایسا شخص اس لکھنے سے حنفیت سے خارج ہوگا یا نہیں جواب حنفیت سے خارج نہوگا کیونکہ کتمان حق کا نام حنفیت نہیں ہے اکثر حنفیہ

نے اپنی کتب میں یہی لکھا ہے مفتی مکہ معظمہ یعنی مفتی عظیم جن کا انتقال ۱۳۰۵ہجری میں ہوا ہے
القول السدید فی مسائل التقلید میں لکھتے ہیں قد کان الصحابة یقتدی بعضهم ببعض
وکذا التابعون وفیهم المجتهدون ولم ینقل عن احد من السلف انه کان لا یری الاقتداء
بمن یخالف قوله فی بعض المسائل ولو فی خصوص الطهارة بل کان یقتدی بعضهم
ببعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے اور اسیطرح تابعین رحمہم اللہ
ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے حالانکہ اُن میں بہت سے مجتہد تھے اور سلف میں سے کسی سے
منقول نہیں ہے کہ وہ مخالف کی اقتدا کو ناجائز سمجھتا ہو اگرچہ مخالفت خاص طہارت ہی میں کیوں
نہ ہو بلکہ ایک دوسرے کی اقتدا کرتا تھا۔ اور بھی اسی کتاب میں ہے لا علینا ان لا ناخذ بما ظهر لنا
صواب خلافه اذ انعم الله علینا بحصول ضرب من النظر یمکن الوقوف به علی الصواب
وهذا نحن مع ذلك بحمد الله لا نخرج عن درجة التقلید لامامنا الاعظم ابی حنیفة المقدم
ہمکو یہ نہ چاہیے کہ اُسپر عمل کریں جس کے خلاف کی درستی ہمکو معلوم ہوجائے کیونکہ خدا نے ہمکو غور کرنے
کی ایک نعمت مرحمت فرمائی ہے جس کی بدولت ہم صواب کا پتہ چلا سکتے ہیں لیکن باوجود اسکے بحمد اللہ تعالیٰ
ہم مقدم امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمہ اللہ کی تقلید سے باہر نہوں گے واللہ اعلم حررہ عبدالحے
عفی عنہ سوال زید اس امر کا قائل ہے کہ جتنے فرقے متمسک بالقرآن ہیں اُن میں سے کوئی فرقہ
بہ نسبت کسی امر مختلف فیہ غیر قطعی کے اگر یہ دعویٰ کرے کہ ہمارے مذہب کا حق ہونا یقینی ہے اور
علم باریتعالےٰ میں ہمارا ہی مذہب حق ہے تو اس امر کا دعویٰ غیر صحیح بلکہ یقینی ہونا تو کجا اگر اپنے مذہب
کے ظنی ہونے کا دعویٰ کرے تو بھی صحیح نہیں ہے اور عند اللہ کسی فرقہ کا دربارۂ امور مختلف فیہا
کے حق ہونا اسکا علم ہمکو کیونکر ہوسکتا ہے واللہ اعلم دربارۂ امور غیر قطعیہ کون فرقہ حق پر ہے کیونکہ
حق تو ایک امر دائر ہے پس اس قول میں زید صادق ہے یا کاذب اور امور قطعیہ کون کون ہیں جواب
زید صادق ہے لیکن ظنیت امور مختلف فیہا غیر قطعیہ مبنی ظنیت دلائل پر ہے اگر دلائل ظنی ہیں
تو مدلول بھی ظنی ہوگا اور اگر دلائل ظنیہ نہیں ہیں تو مدلول بھی ظنی نہوگا اور امور قطعیہ وہ ہیں کہ
جو ادلۂ قطعیہ سے ثابت ہوں جیسے آیات قرآنیہ غیر ماولہ بتاویل صحیح اور احادیث متواتر اللفظ او المعنی
واجماع اُمت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی

ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبد الحی ابو الحسنات] اصاب المجیب نمقہ محمد امان الحق عفی عنہ فی الواقع زید صادق ہے اور مجیب نے جو تفصیل کی ہے وہ بہت صحیح ہے واللہ اعلم حررہ الراجی الی رحمۃ رب الفلق محمد لمعان الحق عفا اللہ عنہ **سوال** حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ حنفی تھے یا حنبلی اور حنبلی ہونے سے پہلے آپ کون مذہب رکھتے تھے اور ایک مذہب کو ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرنے سے کیا یہ لازم آتا ہے کہ پہلے مذہب کو برا جانے **جواب** شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کان یفتی علی مذهب الشافعی واحمد رحمهما اللہ حضرت غوث اعظم امام شافعی اور امام احمد کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور بعد کو آپ نے مذہب حنبلی اختیار فرمایا ہے اور ایسے شخص کو ایک مذہب ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرنا جائز ہے اور ایک مذہب اختیار کرنے سے دوسرے مذہب کا برا جاننا لازم نہیں آتا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبد الحی ابو الحسنات]
صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ اضعف عباد اللہ محمد فضل اللہ عفی عنہ [ذلک فضل اللہ] **سوال** اگر کوئی مجتہد کسی مذہب میں خلاف کرے اور کہے اس پر اجماع نہیں ہوا کیونکہ اجماع ایک زمانے کے مجتہدین کے اتفاق کرنے کو کہتے ہیں اور میں بھی ایک مجتہد ہوں اس زمانے کا یہ مسئلہ میری رائے کے خلاف ہے پس یہ مسئلہ کہ جس پر اکثر مجتہدین موافق ہیں اس مجتہد کے حق میں اجماعی ہے یا نہیں بحوالہ کتاب تحریر فرمایئے **جواب** اُس مجتہد کے حق میں جو اپنے اجتہاد کی وجہ سے مخالفت کرتا ہے وہ مسئلہ اجماعیہ نہ ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [محمد عبد الحی ابو الحسنات]

کتاب الذکر

سوال انکار رد اشغال کا جو طریقہ ہے کہ بجبر مفرط کھڑے بیٹھے خدا کا ذکر کرتے ہیں اس میں انغام موسیقی کا بھی خیال رکھتے ہیں اور اللہ کے ہمزہ اور لام اور رہ کو بڑھا کر پڑھتے ہیں اور چلاتے ہیں ہو ہا ہی اور حلق سے ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً لفظ حاجب حی کہتے ہیں اور بعض وقت وجد میں گر کر ناچنے

کودنے لگتے ہیں اور تالیاں بجاتے اور زمین پر گرتے اور ایسے اشعار پڑھتے ہیں جن سے نفس ہیجان میں آئے یہ امور حرام ہیں یا نہیں انکا ترک مباح ہے یا سنت اور ایسے لوگوں کی مخالفت جائز ہے یا نہیں اور کتاب و سنت میں اس کی اصل ہے یا نہیں اور مشائخ طریقت کو گالیاں دینا جائز ہے یا نہیں اور حضرت غوث الثقلین سیّد عبدالقادر محی الدین جیلانی اور قطب وقت شیخ ابوالحسن شاذلی قدس اللہ سرہما میں کون افضل ہے جواب امور مندرجہ ذیل میں ان لوگوں کی مخالفت کرنا چاہیے (۱) جہر مفرط کیونکہ یہ ممنوع ہے بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد داور مسلم بن شیبہ وغیرہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال کنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی الہ وسلم فی غزاۃ فجعلنا لا نھبطوادیا لا نصعد شرفا الا رفعنا اصواتنا بالتکبیر فدنامنا وقال ایھا الناس اربعوا علے انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا انما تدعون سمیعا بصیرا ان الذی تدعونہ اقرب الیکم من عنق راحلۃ احدکم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہم حضور سرورِ انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے ساتھ ایک جنگ میں تھے جس ٹیلے پر چڑھتے اور جس وادی سے اترتے زور سے تکبیر کہتے تو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہمارے قریب ہوگئے اور فرمایا اے لوگو اپنے نفسوں پر رحم کرو تم کسی بہرے اور غیر موجود کو نہیں پکارتے ہو بلکہ تم سمیع و بصیر کو پکارتے ہو جسے پکار رہے ہو وہ تم میں کی ہر ایک سے خود اس سے زائد قریب ہے جتنی اسکے اونٹ کی گردن اس سے قریب ہے۔ اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ مجنون خدا کا اتنا ذکر کرو کہ لوگ تم کو مجنون سمجھنے لگیں۔ صرف جواز جہر پر دلالت کرتا ہے لیکن ہمکو جہر مفرط سے بحث ہے جو اس سے ثابت نہیں ہوتا اور آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر سرًا مستحب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعوا ربکم تضرعًا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین تم اپنے پروردگار کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو وہ حد سے تجاوز کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین صبح شام اپنے پروردگار کا ذکر دل میں کرو عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور بنسبت جہر کی آواز کے کم آواز میں اور غافلوں میں سے نہ ہوجاؤ۔ امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں اذکر خفیۃ وسرًا و معنی قولہ ودون

الجہر دون الجہر المفرط والمراد منہ ان یقع الذکر بحیث یکون بین المخافتۃ والجہر
یعنے پوشیدہ اور سراً اُس کا ذکر کرو اور دون الجہر سے مراد یہ ہے کہ جہر مفرط حد سے بڑھے ہوئے
سے کم ہو مطلب یہ ہوا کہ ذکر کو جہر اور سر کے درمیان ہونا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تجہر
بصلاتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا اور اپنی نماز میں نہ بہت چلاؤ اور نہ بالکل
آہستہ پڑھو بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ایک راہ نکالو۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں سعد بن
مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے خیر الذکر ما خفی خیر الرزق ما یکفی بہترین ذکر وہ ہے
جو پوشیدہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو۔ اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے المستحب عندنا فی ذکار التخفیۃ
الا فی ما تعلق باعلانہ مقصود کالاذان والتلبیۃ ہمارے نزدیک اذکار میں خفا مستحب ہے
اگر وہ ذکر جن سے جہر کا خاص تعلق ہو جیسے اذان اور لبیک کہنا۔ اور اکثر حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ
ذکر جہری بدعت ہے اصل ذکر خفی ہے الحاصل جہر اگرچہ جائز ہے لیکن جہر مفرط منہی عنہ ہے اور ذکر
سری اور ذکر جہری غیر مفرط سے افضل ہے اور جہر مفرط میں بہت سی خرابیاں ہیں ۱ سونیوالوں
کی نیند خراب ہوتی ہے (۲) نماز پڑھنے والوں کا دل اُس کی طرف متوجہ ہوگا اور اُسکے سبب سے
نماز میں ان سے سہو ہوگا ۳ خشوع و خضوع باقی نہ رہیگا اسکے علاوہ اور بہت سے مفاسد ہیں جنکی
حد نہیں ہے اگر اس سے زائد تفصیل کا شوق ہو تو ہمارے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر کو دیکھو (۲)
ذکر کے وقت تالیاں بجانا کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کی عادتوں میں سے ہے اسلام نے اُسکی ممانعت
کی ہے ابن قیم رحمہ اللہ اغاثۃ اللہفان فی مصائد الشیطان میں لکھتے ہیں قال ابن عباس
کانت قریش یطوفون بالبیت عراۃ ویصفرون ویصفقون وقال مجاہد کانوا
یعارضون النبی صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم فی الطواف ویصفقون فالمصفقون
والصفارون فیہم مشبہ من ہؤلاء فلہم قسط من اللوم بحسب شبہہم قلنا لم یشرع
اللہ التصفیق للرجال عند الحاجۃ فی الصلوۃ بل امروا بالعدول الی التسبیح فکیف اذا
فعلوا لا لحاجۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قریش ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے
اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ طواف میں حضور سرور انبیا
علیہ التحیۃ والثنا کے سامنے آتے اور تالیاں بجاتے پس وہ لوگ جو تالیاں بجاتے اور چلاتے ہیں

قائلین جہر کے دلائل اور ان کے جوابات کتاب ایمان دشمن سباحۃ الفکر لمولانا عبد الحی لکھنوی

نھیں لوگوں کے مشابہ اور قابل ملامت ہیں کیونکہ وہ کافروں کے مشابہ ہیں ہم کہتے ہیں کہ مردوں کے لئے نماز میں ضرورت کے وقت تالی بجانا مشروع نہیں ہے بلکہ اُن کو یہ حکم ہے کہ وہ تسبیح میں مشغول ہو جائیں تو پھر بلا ضرورت اُسکا کرنا کیونکر درست ہوگا۔ اور اکثر شارحین فقہ اکبر وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے کہ ذکر میں تالیاں بجانا حرام ہے کیونکہ یہ لہو و لعب میں سے ہے اسلئے کہ اکثر عورتیں اور بچے تالیاں بجاتے ہیں اور ذکر لہو کا محل نہیں ہے پس ان دونوں کا اجتماع کیونکر ہوگا (۳) ذکر کے وقت ناچنا کیونکہ یہ بھی حرام ہے (۴) غنا اور وجد میں آنا اور زمین پر گر پڑنا یہ اگر باضطرار ہو تو خارج از بحث ہے اور اگر بالقصد ہو تو ممنوع ہے خطیب بغدادی اور طبرانی رحمہا اللہ سے منقول ہے عن عمران رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہی عن الغناء والاستماع الی الغناء حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے گانے اور گانا سُننے کی ممانعت فرمائی ہے اور ابن دینار اور ابن مردویہ نے ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ ما رفع واحد صوتہ بغناء الابعث اللہ الیہ شیطانین یجلسان علی منکبیہ ویضربان باعقابھما علے صدرہ حتی تمسک وروی ابن ابی الدنیا عن یزید بن الولید قال ایاکم والغناء فانہ ینقص الحیاء ویزید فی الشھوۃ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی گانے کے لیے اپنی آواز بلند کرتا ہے خدا اسکی طرف دو شیطان بھیجتا ہے جو اُسکے دونوں شانوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنی ایڑیاں اُسکے سینے پر مارتے ہیں یہانتک کہ وہ گانا ختم کردے اور ابن ابی الدنیا نے یزید بن ولید سے روایت کی ہے کہ اپنے آپ کو گانے سے بچاؤ کیونکہ وہ حیا کو کم اور شہوت کو زیادہ کرتا ہے اور کتاب الردع علی اخوان الناہی والبدع میں ہے تمسک البطالون من المبتدعا عنا لمتنبھین بما وقت الجاریتان فی بیت عائشۃ مع انھا صرحت انھما لم تلونا مغنیتین لما روی البخاری عن عائشۃ قالت دخل ابو بکر وعندی جاریتان تغنیان بما تقاولت بہ الانصار یوم بعاث ولیستا بمغنیتین فقال مزامیر الشیطان فی بیت رسول اللہ وذلک یوم عید فقال رسول اللہ دعھما یا ابابکر ان لکل قوم عیدا ولقد رد بذلک شاذ السنۃ حیث قال استدل جماعۃ من الصوفیۃ بحدیث الباب علی اباحۃ الغناء کفی فی ذلک بصریح ما عائشۃ بقولھا ولیستا بمغنیتین فنفت عنھما من طریق المعنی ما اثبت لھما باللفظ

لان الغناء یطلق علی رفع الصوت ولا یسمی فاعله مغنیا فاذا تقرر هذا بطل حتما جھوٹے بدعتی مشائخ اس سے استدلال لاتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دو لونڈیاں تھیں حالانکہ اس امر کی تصریح ہے کہ وہ مغنیہ نہ تھیں جیسا کہ بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہو وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس دو لونڈیاں تھیں جو اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے یوم بعاث کو کہے تھے یہ دونوں مغنیہ نہ تھیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مزامیر شیطان اور یہ عید کا دن اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے داور آج ہماری عید ہے۔ شارح سنت اسکی تصریح یوں کرتے ہیں کہ صوفیہ رحمہم اللہ کی ایک جماعت اس حدیث سے اباحت غنا پر دلیل لاتی ہے لیکن انکی تردید کے لئے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمادینا ہی کافی ہے کہ وہ مغنیہ نہ تھیں پس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بطریق معنی ان کے لئے اس چیز کی نفی کی ہے جسکو بطریق لفظ ثابت کیا ہے کیونکہ غنا کا اطلاق آواز کے بلند کرنے پر بھی ہوتا ہے حالانکہ ہر آواز بلند کرنے والا مغنی نہیں ہے پس صوفیہ رحمہم اللہ کا یہ استدلال باطل ہے۔ اب اگر صوفیہ اسکے اثبات کے لیے یہ کہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وجد فرمایا اور آپکے اصحاب رضی اللہ عنہم نے رقص جیسا کہ مشائخ نے اپنی کتابوں میں اسکا تذکرہ کیا ہے تو میں کہونگا کہ یہ قصہ موضوع ہے اسکی کچھ اصل نہیں محدثین نے اسکی تصریح کی ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری تذکرہ موضوعات میں لکھتے ہیں قال ابن تیمیة ما اشتهران ابا محذورة انشد لسعت حية الهوى كبدى بين يدى رسول الله صلے الله عليه وسلم وانه تواجد حتى وقعت البردة عن كتفيه فتقاسمها اصحاب الصفة كذب باتفاق اهل العلم وقال السيوطي اخرجه الديلمى عن انس وقال تفرد به ابوبكر عمار بن اسحق وقال رواه ابو طاهر المقدسي من حديث صاحب العوارف انه عليه السلام انشد بحضرته ابيات فتواجد وتواجد اصحابه وقد سقط رداءه من منكبه فلما فرغوا اوى كل احد الى مكانه فقال عليه الصلوة والسلام ليس بكريم من لم يتهز عند السماع ثم قسم الرداء على من حضر اذا العمامة

قطعہ ھذا حدیث موضوع واضعہ عمار بن اسحٰق فانّ باقی الاسناد ثقۃ ھکذا قال الذھبی وغیرہ وھذا الحدیث مما یقطع بکذبہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ جو مشہور ہے کہ ابو محذورہ نے یہ غزل لسعت آہ (محبت کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا) حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے سامنے گائی پس آپ وجد میں آئے اور شانہ پر سے آپکی چادر گر پڑی جسے صحاب صفہ نے باہم تقسیم کرلیا یہ باتفاق اہل علم جھوٹ ہے سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں اسے دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور کہا کہ اسکو اکیلے عمار بن اسحٰق نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ابو طاہر مقدسی نے صاحب عوارف سے روایت کیا ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے سامنے دو شعر پڑھے گئے پس آپ اور آپ کے اصحاب وجد میں آئے اور آپکی چادر آپکے شانے پر سے گر پڑی پھر جب گانا ختم ہوا سب لوگ اپنی جگھوں پر واپس آئے پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا وہ کریم نہیں جسے گانے پر وجد نہ آئے اور وہ چادر بانٹ دی گئی یا عمامہ گر پڑا جس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے بانٹ دیے گئے یہ حدیث موضوع ہے اسکا واضع عمار بن اسحٰق ہے اور باقی رواہ ثقہ ہیں یہ ذہبی وغیرہ نے کہا ہے اور اس کا کذب قطعی ہے۔ اور حافظ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ کشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث میں لکھتے ہیں عمار بن اسحٰق کانہ وضع ھذہ الخرافۃ التی فیھا لسعت حیۃ الھوی انتہٰی عمار بن اسحٰق ہی نے ان خرافات کو وضع کیا ہے جن میں لسعت حیۃ الھوی ہے اور فتاوی حنفیہ وشافعیہ میں سے درۃ المنیفہ رد المحتار اور بزازیہ کے مؤلفین کے جیسے جلیل القدر علمائے بھی اُسکے قائل ہیں کہ رقص وغنا جو آجکل کے صوفیہ میں رائج ہے حرام ہے اور اسپر زجر واجب ہے نصاب الاحتساب میں ہے لا یجوز الرقص والسماع ذکرہ فی الذخیرۃ انہ کبیرۃ ومن اباحہ من المشائخ فذلک للذین صارت حرکاتہ حرکات الا تعاش والمفلوج لہ ایضا فی الشرع رخصۃ وذکر فی العوارض انہ لا یلیق بمنصب المشائخ الذین یقتدی بھم لانہ یشبہ اللھو وقیل یجوز السماع لھم فالجواب انہ ان کان السماع قرآن وموعظۃ یجوز ان کان سماع غناء لا یجوز رقص وسماع جائز نہیں ہے ذخیرہ میں اسے گناہ کبیرہ لکھا ہے اور مشائخ ان امور کو انھیں لوگوں کے لیے مباح لکھتے ہیں جنکے حرکات ارادی نہوں بلکہ رعشہ والے کی طرح اُن کے اعضا بلا قصد جنبش کرتے ہوں مگر شرعًا ان کے لیے بھی اجازت

نہیں ہے اور عوارف میں ہے کہ ان مشائخ کو جنکی اقتدا کیجاتی ہے ایسا نکرنا چاہیے کیونکہ یہ لہو کے مشابہ ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایسے مشائخ کے لئے سماع جائز ہے یا نہیں تو جواب یہ ہوگا کہ سماع اگر سماع قرآن وعظ مقصود ہے تو یہ جائز ہے اور اگر سماع غنا مقصود ہے تو نا جائز ہے۔ اور اگر اس سے زائد تفصیل دیکھنا ہو تو اغاثۃ اللہفان مصنفہ ابن قیم رحمہ اللہ کا مطالعہ مفید ہے اسمیں ان اباطیل کی اچھی طرح تردید کرکے بدعات کا قلع وقمع کیا گیا ہے اور مشائخ طریقت کو گالیاں دینا بھی حرام ہے کیونکہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من علامات الساعات یلعن اٰخر ھذہ الامۃ اولہا کما اخرجہ الترمذی علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ اس اُمت کے پچھلے لوگ اپنے اگلوں پر لعنت کریں اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور بھی حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساوائھم اخرجہ اصحاب السنن مُردوں کی نیکیاں بیان کرو اور اُن کی بدیوں کو چھوڑ دو اسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ اور ابن حجر رحمہ اللہ نے زواجر میں اور امام غزالی رحمہا اللہ نے احیاء العلوم میں اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ کسی مُردے کی تحقیر اور اُسکو گالیاں دینا درست نہیں ہے اگرچہ وہ اپنی زندگی میں فاسق ہی کیوں نہو اور جب عوام کے لئے یہ حکم ہے تو خواص یعنی پیران طریقت کے لئے اس حکم کی کسقدر پابندی چاہیے اور حضرت شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہا اللہ دونوں کے فضائل بہت ہیں مگر یافعی وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے کہ حضرت شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے کرامات حد تواتر کو پہونچ گئے ہیں واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی محمد عبدالحی ابوالحسنات

عبارات مذکور صحیح ہیں واللہ اعلم نمقہ خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفرلہ اللہ الرحیم جامع الرموز میں ہے وکرہ وحرم الغناء وھو من انواع اللعب وکبیرۃ فی جامع الادیان حتی یمنع المتفرکون عن ذلک کذا فی الاختیار وغیرہ وفی المضمرات من اباح الغناء یکون فاسقا وفی السیر الکبیر للسرخسی انہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یکرہ رفع الصوت عند قراءۃ القرآن والوعظ وما فعلہ الذین یدعون الوجد والمحبۃ مکروہ لا اصل لہ فی الدین ویمنع المتقشفۃ مما یعتادونہ من رفع الصوت فان ذلک مکروہ فی الدین عند قرأۃ القران والوعظ

فما ظنك عند سماع الغناء وفی الجواهر ان السماع والرقص الذی یفعله المتصوفة فی
زماننا حرام لا یجوز الجلوس والقصد الیه وهو والغناء سواء ومشائخ من قبلهم فعلوا
غیر ما فعلوا وفی العوارف سماع الغناء من الکبائر والذنوب وما اباحه الا نفر قلیل من الفقهاء
ومن اباحه لم یأمر باعلانه فی المجالس والبقاع الشریفة وقال صلی الله علیه وعلی اله وسلم
کان ابلیس اول من تغنی وما نقل عنه انه سمع الشعر لا یدل علی اباحة الغنا وکان النصر
آبادی کثیر الولوع بالسماع فعوتب فی ذلك فقال هو خیر من ان تقعد وتغتاب الناس فقال
ابو عمرو وغیره من اخوته هیهات یا ابا القاسم زلة السماع شر من کذا وقال السری
شرط التواجد فی رغبته ان یبلغ الی حد لو ضرب وجهه بالسیف لا یشعر به بوجع وما روی
عنه صلی الله علیه وعلی اله وسلم من حدیث التواجد فقد تکلم اصحاب الحدیث
فی صحته ونجا الجصد ریلانه غیر صحیح وفی الحقایق ان مجرد الغناء والاستماع الیه معصیة
غنا اقسام لہو ولعب سے ہے لہذا مکروہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے جامع الادیان میں ہے کہ اس سے شریکین
بھی روکے جائیں گے ختیار و غیرہ میں ہے اور مضمرات میں ہے کہ جو غنا کو مباح سمجھے وہ فاسق ہے اور حسی
سیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم قرات قرآن اور وعظ میں آواز کے بلند کرنے
کو مکروہ فرماتے تھے اور جو مدعیان وجد و محبت کرتے ہیں وہ مکروہ ہے اسکی کوئی اصل نہیں اور صوفیہ
چیخنے چلانے سے روکے جائیں کیونکہ جب شریعت میں یہ قرات قرآن اور وعظ میں مکروہ ہے تو غنا کیا چیز ہے
اور جواہر میں ہے کہ سماع و رقص جو اس زمانے کے صوفیوں کے حرکات ہیں حرام ہیں ان میں بیٹھنا اور
وہاں جانا حرام ہے سماع اور غنا دونوں مساوی ہیں اگلے مشائخ یہ نہیں کرتے تھے اور عوارف میں ہے
گانا سننا کبائر ذنوب سے ہے اسے بہت کم فقہا نے مباح لکھا ہے اور جو مباح لکھتے بھی ہیں وہ مجالس
و مقامات متبرکہ پر بالاعلان ایسا کرنے کو جائز نہیں سمجھتے حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ
نے فرمایا ہے پہلا گانے والا ابلیس تھا اور یہ جو منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اشعار سنے اس سے گانے کا جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا نصر آبادی گانے کے بہت شائق تھے
جب اس معاملہ میں اُنکی گرفت کی گئی تو کہنے لگے یہ بیٹھکر لوگوں کی غیبت کرنے سے اچھا ہے تو اُن کے
بھائیوں نے کہا کہ افسوس اے ابو القاسم سماع کی بُرائیاں ان اشیا سے بدرجہا زائد ہیں حضرت

سری سقطی رحمہ اللہ کہتے ہیں وجد میں آنا اُسی شخص کے لئے جائز ہے جسکی گردن بھی اگر اس وقت اُڑا دی جائے تو اُسے اُس کی تکلیف محسوس نہو اور حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا سے جو وجد میں آنے کی روایت ہے اُس میں اصحاب حدیث نے کلام کیا ہے اور میرے خیال میں وہ صحیح نہیں ہے اور حقائق میں ہے غنا اور اُس کی طرف کان لگانا گناہ ہے انتہی اور مشکوٰۃ المصابیح میں ہے عن عبد اللہ بن مسعود مرفوعاً سباب المسلم فسوق متفق علیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے یہ حدیث متفق علیہ اور بحر الرائق میں ہے اِنَّ العدالۃ تسقط لسب مسلم وان لم یکن من السلف کما فی النہایۃ وغیرھا کسی مسلمان کو گالی دینے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے اگرچہ وہ مسلمان اگلوں میں سے نہو جیساکہ نہایہ وغیرہ میں ہے اور نشر المحاسن الغالیۃ فی فضل مشائخ الصوفیۃ واصحاب المقالات العالیہ میں ہے روی فی کتاب مناقب الشیخ عبد القادر من طرق کثیرۃ بروایات شہیرۃ عن جماعۃ من المشائخ الاکابر والعلماء الافاضل انہ قال فی مجلسہ وھو علی الکرسی یتکلم الناس قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ وکان فی مجلسہ حینئذٍ عامۃ مشائخ العراق وروی انہم کانوا نحو خمسین وروی نیفاً وخمسین ولم یبق احد من الاولیاء فی ذلک الوقت من جمیع آفاق الارض الاحنی رقبتہ الا رجل صبھان فانہ لم یفعل فسلب حالہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مناقب کی کتاب میں متعدد طریقوں پر علماء اور مشائخ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے اپنی مجلس میں جبکہ وہ تخت پر بیٹھے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہا کہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے اُسوقت اُن کی مجلس میں عراق کے عامۂ مشائخ جنکی تعداد پچاس یا اس سے بھی کچھ زائد بتائی جاتی ہے موجود تھے اور اُس وقت کے تمام اولیا نے اُن کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں مگر اصفہان کے ایک ولی نے گردن نہیں جھکائی جن کی ولایت بھی اس جرم میں سلب ہوگئی واللہ علیم حررہ ابو الاحیا محمد نعیم غفر لہ الرب العلی العظیم

کتاب الصید

سوال اگر کوئی شخص بندوق تیر نیزہ اور شمشیر وغیرہ بہ نیت شکار بسم اللہ کہکے جانور پر لگائے اور

وہ جانور اسکی ضرب سے اسقدر جلد مرجائے کہ ذبح نہ کیا جاسکے تو اُس جانور کا کھانا درست ہی یا نہیں
جواب تیر اور نیزہ وغیرہ کو اگر بہ نیت شکار لگائے اور جانور اُس سے زخمی ہوتے ہی مرجائے
تو جائز ہے فی الھدایۃ اذا سمی الرجل عند الرمی کل ما ۔ اب اذا جرح السھم فمات لانہ
ذابح بالرمی لکون السھم آلۃ لہ فیشترط التسمیۃ عندہ ولابد من الجرح لیتحقق معنی
الذکاۃ وفی الملتقی الابحر ان وقع السھم بہ فتحامل وغاب ولم یقعد عن طلبہ ثم وجدہ
میتا حل ان لم یکن بہ جراحۃ غیر جراحۃ السھم ہدایہ میں ہی ایک شخص نے بسم اللہ کہکر تیر
پھینکا تو جس جانور کے تیر لگے وہ اُسے کھاسکتا ہے جبکہ اُس تیر نے جانور کو زخمی کردیا ہو اور وہ جانور
اُسکے زخم سے مرجائے کیونکہ اُس شخص نے گویا بسم اللہ کہکر تیراندازی سے اُس جانور کو ذبح کیا کیونکہ تیر بھی
آلۂ ذبح ہے اور ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا شرط ہے اور زخمی کرنے کی ضرورت اسلئے ہے کہ ذبح کے
معنے متحقق ہوجائیں اور ملتقی الابحر میں ہے اگر تیر جانور پر پڑگیا پھر اُس نے جست کی یا غائب ہوگیا
اور شکاری اسکی جستجو میں رہا پھر اُس جانور کی لاش پائی تو اُسکے اُس تیر کے سوا اگر اور کوئی زخم نہیں تو وہ
حلال ہے۔ اور قواعد فقہیہ کی رو سے بندوق سے جو شکار کیا گیا وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں ہے
تبیین میں ہے الاصل ان الموت اذا حصل بالجرح بیقین حل وان بالثقل لا یحل
اصل یہ ہے کہ موت اگر زخم سے ہو یقینًا تو جانور حلال ہے اور اگر ثقل سے ہو تو حلال نہیں ہی
اور رد المحتار میں ہی لایخفے ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق والثقل بواسطۃ اندفاعہ
العنیف اذ لیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم کچھ شک نہیں کہ گولی کا زخم جلانے اور سختی سے
نکلنے کے سبب سے توڑ کر ہوتا ہے کیونکہ گولی میں کاٹ نہیں ہی لہذا ایسا جانور حلال نہوگا اور علامہ ابن
نجیم نے بھی اس پر فتوی دیا ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی عفی عنہ

کتاب الاضحیہ

سوال چھ مہینہ کی بکری اگر توانا اور فربہ ہو تو اُسکی قربانی درست ہی یا نہیں جیسا کہ دنبہ اور
بھیڑ درست ہی اور اس مسئلہ میں ایک شخص بیان کرتا ہے کہ جس لڑکے کی طرف سے عقیقہ نہوا ہو
اگر وہ لڑکا مرجائے تو اُسکے ماں باپ شفاعت کے مستحق نہونگے یعنے وہ لڑکا اپنے ماں باپ کی

شفاعت نہ کریگا اور اپنے قول کی سند میں الغلام مرتهن بعقیقة الخ یعنے لڑکا اپنے عقیقہ کے عوض گرو ہوتا ہے پیش کرتا ہے لہذا یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے جواب چھ مہینہ کی بکری کی قربانی درست نہیں اور چھ مہینے کا دنبہ اگر فربہ اور توانا ہو تو قربانی میں درست ہے حنفیہ بلکہ جمہور علما کا یہی مذہب ہے اور یہی احادیث سے بھی ثابت ہے ہدایہ اور بنایہ اور شرح ہدایہ میں ہے ویجزی من ذلک کلہ الثنی فصاعدا الا الضان فان الجذع منہ یجزی وفی التقیید بالضان لان الجذع من الابل والبقر والغنم لا یجزی بل منہما یجزی الا الثنی دنبہ کے سوا تمام جانوروں کو جو قربانی کے لیے ہوں ثنی یعنی دو برس کا ہونا چاہیے البتہ دنبہ میں چھ ماہ کا بھی جائز ہے دنبہ کی قید اس لئے ہے کہ دوسرے جانوروں مثلاً اونٹ گائے بکری میں چھ ماہ کا جانور جائز نہیں بلکہ ثنی کے سوا کوئی درست نہیں ہے۔ اور منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے (صح الجذع من الضان وصح الثنی فصاعدا من الثلاثة) ای من الشاة اعم من ان یکون ضانا او معزا ومن البقر والابل والجذع شاة لہا اشہر والضان ما یکون لہ الیہ (دنبہ میں جذع بھی درست ہے ثنی اور اس سے زائد تینوں میں درست ہے) یعنے شاة میں چاہے وہ بکری ہو یا بھیڑ ہو اور گائے میں اور اونٹ میں جذع اُس بکری کو کہتے ہیں جو چھ مہینہ کی ہو اور ضان وہ ہے جسکے چکتی ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ بکری اور بھیڑ اور ایسی ہی گائے اور اونٹ چھ مہینے کا درست نہیں ہے فقط دنبہ چھ مہینے کا درست ہے اور ایسا ہی کتب فقہ میں ہے۔ اور شرح مسند امام اعظم رحمہ اللہ میں ہے فی صحیح مسلم عن جابر لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان وبہ قال الجمہور یجوز الجذع من الضان لا من غیرہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نہ ذبح کرو مگر ایک برس کے جانور کو البتہ اگر تم کو دقت ہو تو چھ مہینہ کا دنبہ ذبح کرو جمہور کے نزدیک صرف چھ مہینے کا دنبہ ہی جائز ہے اور دوسرا کوئی جانور چھ مہینے کا جائز نہیں ہے اور حدیث الغلام مرتهن بعقیقة کے معنے محدثین کے نزدیک یہی ہیں کہ وہ لڑکا جسکا عقیقہ نہوا ہو والدین کی شفاعت کرنے سے محروم رہیگا شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ارتیاح الاکباد فی فقد الاولاد میں لکھتے ہیں ذکر البیہقی عن سلیمان بن شرحبیل حدثنا یحیی بن حمزة قال قلت لعطاء الخراسانی ما معنی مرتهن

بعقیقۃ فقال تحرم شفاعۃ والدہ وکذا قال الامام احمد رحمہ اللہ انہ مرتھن عن الشفاعۃ
لوالدہ واستحسنہ الخطابی حیث قال تکلم الناس فی ھذا واجود ما قیل فیہ ما ذھب الیہ
احمد ان ھذا فی الشفاعۃ یرید انہ اذا لم یعق عنہ فمات طفلا لم یشفع والدیہ
بیہقی رحمہ اللہ نے سلیمان بن شرحبیل سے روایت کیا انھوں نے کہا ہم سے یحییٰ بن حمزہ نے
بیان کیا کہ میں نے عطائے خراسانی سے پوچھا کہ مرتھن بعقیقتہ کے کیا معنے ہیں تو انھوں نے
کہا کہ لڑکا اپنے والد کی شفاعت سے محروم رہیگا ایسا ہی امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ بچہ اپنے
والد کی شفاعت سے محروم رہیگا خطابی رحمہ اللہ نے اسکو اچھا جانا ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں اس میں
لوگوں نے خلاف کیا ہے سب سے بہتر امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ شفاعت کے متعلق ہے مطلب یہ ہے
کہ جس لڑکے کا عقیقہ نہوا اور وہ بچپن میں مرجائے تو اپنے والدین کی شفاعت نہ کرسکیگا واللہ اعلم حررہ
الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی محمد عبد الحی ابو الحسنات واقعی چھ مہینہ کی
بکری کی قربانی اگرچہ فربہ بھی ہو درست نہیں ہے جامع الرموز میں ہے وانما قال من الضان لانہ لا یجوز
من المعز وغیرہ بلا خلاف کما فی المبسوط وغیرہ اور من الضان اس وجہ سے کہا کہ بکری وغیرہ میں بلا کسی کے
خلاف کے نہیں جائز ہے جیسا کہ مبسوط وغیرہ میں ہے۔ اور حدیث شریف کا خلاصہ نزدیک جناب
امام ہمام شیخ الکل مولانا احمد بن حنبل کے یہی ہے کہ وہ لڑکا والدین کی شفاعت نکریگا مفاتیح الجنان
ومصابیح الجنان میں ہے وعن سمرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الغلام مرتھن بعقیقتہ قیل معناہ انہ محبوس سلامتہ عن الآفات بعقیقتہ
وانہ کالشیئ المرھون لا یتم الاستمتاع بہ دون ان یقابل بالعقیقۃ وقیل معناہ ان شفاعتہ
لابویہ معلق بعقیقۃ لا یشفع لھما الطفل ان لم یعق عنہ وفی کاشف حقائق السنن الحمدیۃ
شرح مشکوٰۃ المصابیح وقال صاحب النہایۃ معنی قولہ مرتھن بعقیقتہ ان العقیقۃ لازمۃ
لہ لابد منھا فشبھہ فی لزومھا وعدم انفکاکہ منہ بالرھن فی ید المرتھن قد تکلم الناس
فیہ واجودھا ما قالہ احمد بن حنبل معناہ انہ اذا مات طفلا ولم یعق عنہ لم یشفع فی
والدیہ وروی عن قتادۃ انہ یحرم شفاعتھم اقول ولا ریب ان الامام احمد بن حنبل ما ذھب
الی ھذا القول الا بعد ما تلقی من الصحابی والتابعین علی انہ امام من الائمۃ الکبار یجب ان

یتلقی کلامہ بالقبول وبحسن الظن بہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا ہے کہ الغلام مرتھن بعقیقتہ بعض لوگ اسکے یہ معنے کہتے
ہیں کہ اُسکا آفات سے بچنا عقیقہ پر موقوف ہے نہ یہ کہ وہ بچہ شے مرہون کے مثل ہے کہ بدون عقیقہ
کے اُس سے انتفاع درست نہیں ہر اور بعض لوگ کہتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ شفاعت والدین
عقیقہ پر منحصر ہے پس اگر لڑکے کا عقیقہ نہ کیا جائے تو وہ قیامت کے دن اپنے والدین کی شفاعت
نہ کر سکیگا اور کاشف حقائق السنن المحمدیہ شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہر اور صاحب نہایہ نے کہا ہے
کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا قول مرتھن بعقیقتہ کے معنے یہ ہیں کہ عقیقہ اُسکے لیے لازم ضروری
ہے پس حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے لزوم وضرورت عقیقہ کو رہن سے تشبیہ دی اس کے معنوں
میں اختلاف ہر سب سے بہتر امام احمد حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے اسکے معنے یہ ہیں کہ جب بچہ بغیر
عقیقہ کے مرجائے تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہ کر سکیگا اور قتادہؓ سے مروی ہر کہ ایسا لڑکا
والدین کی شفاعت کرنے سے محروم رہیگا میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد حنبل
رحمہ اللہ نے اس قول کو بغیر حضرت صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے سنے ہوئے ہر گز اختیار
نہ کیا ہوگا اُسکے علاوہ وہ خود بھی کبار ائمہ میں سے ہیں اُن کا کلام قبول کرنا چاہیئے اور اُن کے
ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیئے واللہ اعلم بالصواب ابو الاحیا محمد نعیم سوال قربانی کی کھال کا حکم نقل
بلاد اور اعطائے سادات میں زکوٰۃ کا ایسا ہے یا نہیں جواب ظاہر ہے کہ قربانی کی کھال کا تصدق
کرنا از قبیل تطوعات ہے اور صدقہ تطوع محکوم علیہ بنی ہاشم وغیرہ پر صرف کرنے کی حرمت کو
نہیں ہے ایسے احکام زکوٰۃ کے ساتھ خاص ہیں ملا خسرو غرر الاحکام میں لکھتے ہیں لا الی بنی ہاشم
وان جازت التطوعات والاوقاف لھم ولا ذمی وان جاز غیرھا زکوٰۃ بنی ہاشم کو
نہ دی جائے گی گو اُن کے لئے تطوعات واوقاف جائز ہیں اور ذمی کو بھی نہ دی جائے گو اُس کے
لئے اور چیزیں جائز ہیں۔ اور جواہر نفیسہ شرح درر المنیفہ میں ہے جازت التطوعات والاوقاف الیھم
ای الی بنی ہاشم وموالیھم (لانتفاء العلۃ المذکورۃ فی الزکوٰۃ) وھی کونھا اوساخ الناس
تطوعات واوقاف کا بنی ہاشم اور اُن کے غلاموں کو دینا جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ کے جائز ہونے کی علت
یعنے لوگوں کا میل ہونا یہاں منتفی ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے قالوا لا یجوز صرف کفارۃ الیمین

والظہار وجزاء الصید وغلۃ الوقف الی بنی ہاشم واما النافلۃ فقال فی النہایۃ یجوز صرفہ الیہم بالاجماع وصح فی الکافی دفع الوقف الیہم فقہا رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ کفارہ یمین وظہار وجزای صیدا اور غلہ وقف کا بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں ہے البتہ نفل اُسکا دینا بنی ہاشم کو بالاجماع جائز ہے جیسا کہ نہایہ میں ہے اور کافی میں وقف کو بھی اُن کے لئے جائز لکھا ہے پس ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ صدقہ تطوع کا بنی ہاشم پر صرف کرنا جائز ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور قربانی کی کھال کا تصدق کرنا بھی تطوع ہے پس یہ بات ضروری ہے کہ قربانی کی کھال کا بنی ہاشم پر صرف کرنا جائز ہوگا۔ اور اسی طرح فقہا زکوٰۃ اور صدقہ فطر کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لیجانے کو مکروہ کہتے ہیں جو واجبات سے ہے اور اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ اُس شہر کے لوگوں کا حق مال نصاب میں یا جس پر صدقہ فطر واجب ہے متعلق ہوا ہے لہذا اُس کو دوسرے شہر میں لیجانا مکروہ ہے اسی لئے نہر الفائق وغیرہ میں ہے کہ حولان حول سے پہلے اگر زکوٰۃ کی رقم ایک شہر سے دوسرے شہر میں لیجائیں تو علت مذکورہ کے فوت ہونے کی وجہ سے مکروہ نہیں ہے اور قربانی کی کھال کا تصدق چونکہ تطوعات سے ہے لہذا اُسکا نقل کرنا بھی مکروہ نہ ہوگا واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر: محمد عبد الحی ابو الحسنات] روایات مرقومہ صحیح میں نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ الاحد سوال اونٹ کی قربانی بہتر ہے یا گائے کی۔ جواب اونٹ کی قربانی بہتر ہے ابو الحسنات محمد عبد الحی عفی عنہ۔ الجواب صحیح حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفی عنہ

سوال (۱) کسی کتاب سے بہ نسبت دوسرے بہائم کے گائے کی عظمت ثابت ہے یا نہیں (۲) گائے کی پرستش کب تک جاری رہی اور کس وقت سے موقوف ہوئی (۳) گائے کے ذبح کرنے کا حکم کس حدیث سے پایا جاتا ہے اور اسمیں کیا تصریح اور کیا شرط ہے اور وہ حکم گائے کے لئے ہے یا بیل کے لئے بھی اور گائے کا گوشت کھانے پر مداومت کرنا کیسا ہے (۴) خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کا گوشت تناول فرمایا ہے یا نہیں (۵) عرب میں باوجودیکہ گائے موجود ہے اسکی قربانی کیوں نہیں کیجاتی (۶) اگر گائے کی قربانی نہ کیجائے تو اس سے دین اسلام میں کچھ فتور آتا ہے یا نہیں اور گائے کی قربانی کرنا اور اسکا گوشت کھانا ارکان دین میں فرض ہے یا واجب یا کیا (۷) بنی اسرائیل کے زمانے میں گائے کی پرستش ہوتی تھی یا نہیں اور گائے ذبح کرنے کا حکم قرآن سے وضاحتہً

معلوم ہوتا ہے یا نا ویلاً (۸) اوراد و وظائف اور بعض نمازوں میں جو حصول دعا کے لئے رائج ہیں گائے کے گوشت نہ کھانیکی کیا وجہ ہے بینوا توجروا جواب (۱) دوسرے بہائم پر گائے کی عظمت شرعاً ثابت نہیں ہے بلکہ ایک حدیث میں دوسرے بہائم کی بہ نسبت اسکی ذلت کا حکم آیا ہے سنن ابوداؤد میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ اذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجہاد سلط اللہ علیکم لا ینزعہ حتی ترجعوا الی دینکم حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جب تم کسی چیز کی بیع اسکی عدم موجودگی میں کرنے لگوگے اور گائے کی دم پکڑ لوگے اور زراعت پر خوش ہو جاؤگے اور جہاد کو چھوڑ دوگے تو خدا تم پر اپنا حکم نافذ کر دیگا جسے واپس نہ لیگا جبتک کہ تم اپنے دین کی جانب واپس نہ آجاؤ۔ اور حیوۃ الحیوان میں ہے فی نہایۃ الغریب فی الحدیث ما دخلت السکۃ دار قوم الا ذلوا والسکۃ التی یحرث بہا الزرع ای ان المسلمین اذا اقبلوا علی الزراعۃ سفلوا عن العز فیأخذہم السلطان بالمطالبات والجبایات وقریب من ہذا الحدیث قولہ صلی اللہ علیہ وسلم العز فی نواصی الخیل الذل فی اذناب البقر نہایۃ الغریب میں ہے حدیث شریف میں ہے کہ کھیتی کا سان جس قوم میں آیا وہ ذلیل ہوگی یعنے جب مسلمان زراعت پیشہ ہو جائینگے ذلیل ہو جائینگے کیونکہ بادشاہ ان سے چندہ اور ٹکس وصول کریگا اور اسی حدیث کے قریب حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عزت گھوڑوں کی پیشانیوں میں ہے اور ذلت گایوں کی دموں میں اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زراعت میں بیحد مشغول ہونا اور اسکے لئے گائے کا استعمال انسان کی ذلت کا باعث ہے (۲ و ۷) گائے کی مورت کی پرستش بنی اسرائیل کے زمانے میں بعض کفار کرتے تھے اور یہی امر بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا باعث ہوا جس کی وجہ سے وہ وبال میں پھنسے اللہ تعالے قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام لہم قالوا یاموسیٰ اجعل لنا الٰہا کما لہم آلہۃ قال انکم قوم تجہلون جب ہم نے بنی اسرائیل کو عصائے موسیٰ کی بدولت دریا پار اتار دیا تو انکا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کو پوجا کرتے تھے تو انھوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لئے بھی انھیں کیسا معبود بنا دو موسیٰ نے کہا کہ تم لوگ جاہل ہو اور نیز بھی قرآن شریف میں ہے ان الذین اتخذوا العجل سینالہم غضب من ربہم وذلۃ فی الحیٰوۃ الدنیا وکذلک نجزی المفترین جن لوگوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنایا عنقریب انپر خدا کا غضب نازل ہوگا اور ذلیل

زندگی میں اُن کے لئے بے عزتی ہے اور ایسا ہی افترا کرنے والوں کو ہم بدلا دیتے ہیں تفسیر درمنثور میں ہے اخرج ابن جریر وابن المنذر عن ابن جریج فی قوله تعالیٰ فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام لهم قال تماثیل بقر من نحاس فلما کان عجل السامری شبه لهم انه من تلك البقر فذلك کان اول شان العجل ابن جریر اور ابن منذر نے ابن جریج سے اللہ کے قول فاتوا علی قوم یعکفون کے تحت میں نقل کیا ہے کہ وہ اصنام گائے کی تانبے کی مورتیں تھیں تو جب سامری نے اُسکو بنایا تو اُن کو وہ گائے کے مشابہ معلوم ہوا یہ گوسالہ کی پہلی شان تھی جواب سوال (۳ و ۷) بقر یعنے گائے کے گوشت کا جواز نر ہو مادہ اور اس کے ذبح کرنے کا جواز صراحۃً قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور اسپر اجماع ہے اللہ تعالےٰ بیان احسانات کے ضمن میں فرماتا ہے ومن الانعام حمولة وفرشا کلوا مما رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین ثمانیة ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین قل آالذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیه ارحام الانثیین نبؤنی بعلم ان کنتم صادقین ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین اللہ تعالیٰ نے جانور پیدا کیے جن سے باربرداری اور فرش کا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ کھاؤ جو خدا نے تم کو دیا ہے اور شیطان کے قدم پر نہ چلو وہ تمہارا صریحی دشمن ہے اللہ نے آٹھ جوڑے بنائے دو بھیڑوں سے دو بکریوں سے تم پوچھو کیا نر حرام ہیں یا دونوں مادہ یا جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہو مجھے ٹھیک بات بتادو اگر تم سچے ہو اور دو اونٹوں سے اور دو گائے سے اور حیوٰۃ الحیوان میں ہے یحل اکلها وشرب البانها بالاجماع گائے کا کھانا اور اُسکا دودھ پینا بالاجماع حلال ہے اور صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیه وسلم ضحی من نسائه بقرة یوم النحر حضور سرور انبیاء علیه التحیۃ والثناء نے بقرعید کے دن اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔ اور جامع ترمذی اور سنن نسائی وغیرہ میں مروی ہے عن ابن عباس قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرة سبعة حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے ساتھ تھے کہ بقرعید کا دن آگیا پس ہم ایک گائے میں سات آدمی شریک ہوگئے (۴) حدیث سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم نے گائے

کا گوشت تناول فرمایا ہے اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا
تھا۔ صحیح مسلم میں مروی ہے عن عائشۃ قال اُتی النبی صلے اللہ علیہ وسلم بلحم بقر تصدق
بہ علی بریرۃ فقال ھو لہا صدقۃ ولنا ھدیۃ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے
روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس گائے کا گوشت لایا گیا جو حضرت بریرہؓ کو
صدقہ میں دیا گیا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ اُن کے لئے صدقہ اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (۵) عرب کے
لوگ فقط عادی نہونے کی وجہ سے عید اضحےٰ کے دن گائے کی قربانی نہیں کرتے ہیں یہ کوئی شرعی
بات نہیں ہے اور بھی بہت سے شہروں میں گائے کی قربانی کا رواج نہیں ہے جیسے بعض بلاد دکن
میں پس اُن کا عدم ذبح باوجود یکہ قرآن اور حدیث و آثارِ صحابہ اور اجماع فقہا سے اسکا جواز
ثابت ہے کراہت یا عدم حلت ذبح بقر کی دلیل نہیں ہو سکتا (۶) گائے کی قربانی نہ کرنا باعث
فتور نہیں ہے البتہ جو شخص گائے کو معظم سمجھنے کی وجہ سے یا اُس کے حلال نہونے کا قائل ہو کر گائے
کی قربانی نہ کریگا اُس کے اسلام میں فتور ہے (۸) یہ ترک عظمت اور عدم جواز پر مبنی نہیں ہے
بلکہ مشائخ کے تجربہ پر مبنی ہے واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ سوال گاؤکشی کے فتوی کے
جواب میں ایک عالم نے جنکا نام عبدالحلیم ہے یہ لکھا ہے کہ بقصد اثارت فتنہ گاؤکشی نہ چاہیئے
بلکہ ایسے مقام پر جہاں فتنہ کا ظن غالب ہو باوجود سلامتِ اعتقاد کے احتراز اولی ہے
اِس سے کیا مراد ہے آیا یہ مراد ہے کہ اہل اسلام کی طرف سے فتنہ کی ابتدا نہو یعنے جہاں ہنود
کی عملداری ہو اور گائے ذبح نہوتی ہو وہاں بقصد فتنہ انگیزی مسلمان گاؤکشی نکریں یا یہ مراد ہے
کہ بلاد ہندوستان وغیرہ میں جہاں ہمیشہ سے اہل اسلام گائے ذبح کرتے چلے آئے اور اس ذبح کرنے
میں کبھی اُنکا مقصد فتنہ انگیزی نہیں ہوا بلکہ شریعت کے حکم کا جاری رکھنا اُن کا مقصد رہا اب
ان بلاد میں اگر مسلمان گائے ذبح کریں اور تعصب مذہبی کے لحاظ سے اگر ہنود اُنکو منع کریں تو بھی
مسلمان اُس سے باز رہیں۔ بالتفصیل ارشاد ہو کہ ایسے موقع میں اہل اسلام کو ترک گاؤکشی اولی
ہے یا کیا جواب گائے ذبح کرنا اگرچہ فعل مباح ہے واجب نہیں مگر ایسا مباح نہیں کہ کسی
زمانۂ خاص یا بلدۂ خاص میں اُسکا رواج ہو اور دوسرے زمانہ اور دوسرے بلدے میں نہو بلکہ

یہ ایک پرانا طریقہ ہے زمانۂ نبوی و زمانۂ صحابہ و زمانۂ تابعین و جملہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین سے تمام بلاد و امصار میں اور تمام اہل اسلام کا اسکی اباحت پر اجماع اور اتفاق ہے اور ایسے قدیمی شرعی امر سے اگر ہنود روکیں اور بنظر تعصب مذہبی منع کریں تو مسلمان کو اس سے باز رہنا درست نہیں بلکہ جب ہنود ایک امر شرعی قدیم کے ابطال میں کوشش کریں تو اہل اسلام کو اس کے ابقا اور اجرا میں سعی کرنا ضروری ہے اور اگر ہنود کے کہنے سے اس امر کو ترک کر دینگے تو گنہگار ہونگے اور اس جملہ کا مقصد جو سوال میں پوچھا گیا ہے یہ ہے کہ فتنہ و فساد پیدا کرنے کی غرض سے گاؤکشی نہ کرنا چاہیئے مثلاً جہاں ہنود کی عملداری ہو اور گائے ذبح نہوتی ہو وہاں بقصد ابتدائے مردم آزاری گائے ذبح کرنا یا بقرعید کے دن کسی ہندو کے مکان کے قریب جا کے اس خیال سے گائے ذبح کرنا کہ فتنہ و فساد برپا ہو نہ چاہیئے بلکہ ایسی صورت میں ترک اولی ہے اور بلاد ہندوستان وغیرہ میں جہاں ہمیشہ سے گائے ذبح ہوتی ہے اور اس سے اہل اسلام کا مقصد فتنہ انگیزی نہیں ہے بلکہ ابقائے شریعت قدیمہ ہے اگر ہنود روکیں تو ترک اولی نہیں ہے بلکہ اس کے ابقا میں سعی کرنا واجب اور لازم ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی محمد عبد الحی فی الواقع جن بلاد میں گاؤکشی کا رواج بے قصد فتنہ و فساد جاری رہا اور اب ہنود مانع ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو ان بلاد میں گاؤکشی کی رسم باقی رکھنے میں کوشش کرنا لازم ہے اور فقرۂ مسئول عنہا سے مراد یہ ہے کہ جہاں خاص ہنود کی عملداری ہو اور وہاں ہرگز گاؤکشی نہ ہوتی ہو وہاں باعلان گاؤکشی کرنا بنظر قیام فتنہ اولی نہیں ہے نہ یہ بات کہ مطلقاً اولویت گاؤکشی کی ہر جگہ سے جاتی رہے بلکہ جن بلاد میں ہنود کو پہلے گاؤکشی میں تشدد نہ تھا اور اب تشدد کیا جاتا ہے وہاں گاؤکشی کا ترک اولی نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفا اللہ عنہ محمد عبد الوہاب فی الواقع فقرۂ مسئول عنہا سے مقصود یہ ہے کہ فتنہ و فساد اٹھانے کے ارادے سے خاص ہنود کی عملداری میں یا جہاں کہیں زمانۂ قدیم سے گائے نہ ذبح ہوتی ہو بمصالح وقت رعایتہً باعلان گاؤکشی نچاہیئے اسلئے کہ فساد کا رفع کرنا بہتر ہے یا مثلاً بقرعید کے دن ہندو کے پڑوس میں فساد برپا کرنے کے ارادے سے علانیہ گائے ذبح نہ کرنا چاہیئے ہاں جن بلاد و امصار و قصبات و قریات و دیہات و مواضعات ہندوستان میں گاؤکشی کا رواج قدیم

بلا قصد فتنہ وفساد چلا آتا ہے اور اب بپاس تعصب مذہبی ہنود مانع اور مزاحم ہوں تو ایسے مواقع میں بپاس حمیت اسلامی مسلمانوں کو ابقاے رسم گاؤکشی میں کوشش بلیغ لازم ہے ہرگز ہرگز ترک نہ کریں اور فقرہ مسئول عنہا سے یہ مراد نہیں ہو کہ تقلید واتباع ہنود میں قطعاً گاؤکشی جو ماثور قدیم ہے اور جس کی اباحت پر اجماع اور اتفاق جمیع اہل اسلام کا از سلف تا خلف رہا ہے اور ہمیگا مزاحمت وممانعت ہنود سے ترک ہوجائے معاذ اللہ من ذلک اور جبکہ فی زمانناہنود کو اہل اسلام سے عداوت اور تعصب اسقدر ہو کہ شعائر اسلامیہ سے روکتے ہیں پس اس صورت میں مسلمانوں کو بپاس حمیت اسلامی ہنود کے روکنے سے گائے کی قربانی سے جو کہ طریقہ ماثورہ قدیم ہے رکنا اور اُس کے گوشت کھانے سے احتراز ہرگز نہ کرنا چاہیئے اور اُن کی ممانعت کو تسلیم نکرنا چاہیئے بہرحال گاؤکشی جو اسلامی شعار ہے ترک نہ کریں احیاناً اگر کسی منازعت میں احتمال فساد فیمابین ہو تو بذریعہ حکام وقت اُسکا دفع کرنا واجب ہے اور ہنود کے فساد کرنے کے ڈر سے مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے رکنا نہ چاہیئے بلکہ اس میں کوشش بلیغ کرنی چاہیئے ورنہ گنہگار ہونگے ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم واللہ غالب علی امرہ ھدانا اللہ الی سواء السبیل۔ واللہ اعلم وحکمہ اعلم حررہ عبدہ الاسی لقسی الاثیم خادم العلماء والفقراء ابوالحیا محمد عبد الحلیم عفاعنہ اللہ الکریم ھوالموفق گائے ذبح کرنا اسلام کے شعائر میں سے اور قدیم الرواج مباح فعل ہو اسکو بغیر کسی بڑی وجہ کے ترک کرنا جائز نہیں ہاں شق اول یعنی ابتداء اثارت فتنہ وفساد نہ چاہیئے اور یہ ہی مطلب ہے فقرہ جواب سابق کا پس جن شہروں میں گائے کے ذبیحہ کا رواج ہے اور سلف سے دستور جاری ہے وہاں گائے کا ذبح کرنا فتنہ وفساد کرنے کے ہم معنے نہیں ہو بلکہ سنت قدیمہ کا زندہ کرنا ہے لہذا دوسری شق بھی باطل ہوئی اب اس صورت رواج میں منع کرنا ہنود کا اُنکی جانب سے فتنہ کی ابتداء ہے جسکا دفع کرنا مسلمانوں پر ضرور ہے اور ایسی صورت میں اس قدیمی دستور کو کہ شعائر اسلام سے ہے ترک نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس طریقہ کی بقا میں سعی کرنی چاہیے واللہ حررہ ابوالغنا محمد عبد المجید غفرلہ اللہ الوحید **سوال** (۱) اگر کوئی مسلمان عید الاضحیٰ میں گائے کی قربانی کرنا چاہے یا دوسرے ایام میں اُسکا گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا چاہے اور ہنود تعصب مذہبی یا اپنے تفوق کیوجہ سے یا توہین اسلام کے خیال سے اُس قربانی یا ذبح کو روکنا چاہیں تو اسحالت میں اُس مسلمان

کو از روے شرع گاے کی قربانی یا اسکے ذبح سے باز آنا چاہیے یا کیا کرنا چاہیے (۲) اگر اس روک ٹوک میں ہندوؤں کی طرف سے فساد ہونے کا احتمال ہو مگر اُس فساد کا دفعیہ بذریعہ حکام ملک ممکن ہو تو صرف بلحاظ فتنہ مذکور قربانی یا ذبح سے باز آنا چاہیے یا کیا کرنا چاہیے (۳) یہ امر ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں اونٹ بہت کم دستیاب ہوتے ہیں اگر دستیاب بھی ہوتے ہیں تو بہت قیمت دینے سے دستیاب ہوتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آجکل سات بھیڑی یا خصی کی قیمت بلحاظ تعداد ایک گاے کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہو تو اس حالت میں اگر کوئی مسلمان بلحاظ کفایت سات قربانی کے ایک گاے قربانی کرنا چاہے اور ہنود بنظر تعصب مذہبی یہ کہیں کہ تم گاے کی قربانی نہ کرو بلکہ جس طرح ممکن ہو اونٹ یا خصی یا بھیڑی کی قربانی کرو تو ہنود کی اس مزاحمت کو مان لینا مسلمانوں پر واجب ہے یا نہیں **جواب**

چونکہ گاے کے ذبح کرنے کا جواز قرآن شریف اور حدیث نبوی سے ثابت ہو خود حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زمانہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا میں اور آپ کے بعد بھی گاے کو ذبح کیا ہے اور اُسکے گوشت کے حلال ہونے پر اور ذبح کے جائز ہونے پر خواہ عید اضحے کے دن ہو یا کسی اور دن تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو کوئی مسلمان اسکے جواز اور حلت میں شبہ نہیں کرتا لهذا جب کوئی مسلمان عید الضحے کے دن خواہ کسی اور دن گاے ذبح کرے اور ہنود بنظر تعصب مذہبی اُسے روکیں تو اُس کو ذبح سے باز آنا درست نہیں ہو اور ہنود کی ممانعت کو جو اُنکے اعتقاد باطل پر مبنی ہو مان لینا جائز نہیں ہماری شریعت میں گاے کی بہ نسبت اور جانوروں کے کچھ بھی عظمت نہیں ہو بلکہ گاے جواز ذبح میں مثل اور جانوروں کے ہے جو شخص اسکی عظمت کا خیال کرے اسکے اسلام میں فتور ہے پس ہنود کی ممانعت کو تسلیم کرنا اُنکے عقادات باطل کی تقویت اور ترویج کا سبب ہوگا اور یہ کسیطرح شرعاً جائز نہیں ہو اور اونٹ کا ذبح کرنا اگرچہ گاے کے ذبح کرنے سے اولےٰ ہے مگر کوئی شخص اسپر مجبور نہیں کیا جاسکتا خصوصاً جب ہنود بغرض تعصب مذہبی اہل اسلام کو گاے کے ذبح کرنے سے روکیں اور کہیں کہ خواہ مخواہ اونٹ یا بکری ذبح کرو ایسے وقت میں مسلمان پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ہنود کے قول کو مان لے بلکہ مسلمانوں کو ضروری ہو کہ ہنود کے اس قول کو تسلیم نہ کریں اور گاے ذبح کرنے کو جو اہل اسلام کا طریقۂ قدیمہ ہے ترک نہ کریں اور اس منازعت میں اگر ہنود کی طرف سے فساد کا احتمال ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ حاکم وقت کے ذریعے سے اُسے دفع کریں اور بخوف فساد ہنود گاے کے ذبح کرنے

رکنا نہ چاہیئے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

محمد عبد الحی ابو الحسنات — الجواب صحیح والمجیب نجیح واقعی فی زماننا ہنود کو اہل اسلام سے تعصب بہت ہی لہذا مسلمانوں کو قربانی اور ذبح گاؤ اور اُسکا گوشت کھانے سے ہنود کے روکنے کی وجہ سے بپاس حمیت اسلامی رکنا نہ چاہیے اور اُن کی ممانعت کو تسلیم نہ کرنا چاہیئے بہرحال گاؤ کشی کا طریقہ ترک نہ کرنا چاہیے اور اگر اس منازعت میں فیما بین فساد کا احتمال ہو تو حکام وقت کے ذریعہ سے اُس کو دفع کرنا واجب ہے اور بخوف فساد ہنود قربانی و ذبح گاؤ سے مسلمانوں کو رکنا نہ چاہیئے اللہ معکم اینما کنتم۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم حررہ عبدہٗ الآسی القسی الاثیم خادم العلما ر و الفقرا ر ابو الحیا محمد عبد الحلیم عفا عنہ اللہ الکریم۔ فی الحقیقت گائے کی قربانی ملت اسلامیہ میں شعار اسلام سے واقع ہوئی ہے ہنود کی ممانعت کی وجہ سے اُسکا موقوف کرنا موجب معصیت ہے بلکہ مسلمانوں کو اُسکے قائم رکھنے میں سعی اور کوشش کرنا لازم ہے واللہ اعلم حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفا اللہ عنہ محمد عبد الوہاب۔ واقعی ذبح گائے مروجہ قائم شعار دین سے ہے ہنود کی خاطر سے اُسکو ترک نہ کرنا چاہیئے بلکہ بذریعہ حاکم وقت اُن کے فتنہ کو دور کرنا چاہیے اور ہنود کے عقیدۂ عزت گائے یا اُن کے منع کرنے سے ترک ذبح نہ کرنا چاہیے ابو الغنا محمد عبد المجید غفر لہ اللہ الوحید۔ واقعی مسئلہ اولی میں مسلمانوں کو گائے کی قربانی اور اُسکے ذبح سے بشرط امکان باز نہ آنا چاہیے اور مسئلہ ثانیہ میں محض فتنۂ مذکور کے لحاظ سے گائے کی قربانی اور اُسکی ذبح سے باز نہ آنا چاہیے اور مسئلہ ثالثہ میں ہنود کی اس مزاحمت کو مان لینا بشرط امکان مسلمانوں پر واجب نہیں ہے واللہ علیم حررہ ابو الاحیاء محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم درحقیقت گائے کے ذبح سے بجز لحاظ فتنۂ مذکورہ کے باز آنا اور ہنود کی مزاحمت تعصبی کو مان لینا مسلمان کو بشرط امکان نہیں چاہیئے واللہ اعلم حررہ ابو الکرم محمد اکرم۔ سوال زید نے شیخ سدو کے نام سے ایک بکرا پالا پھر کچھ دنوں کے بعد بسم اللہ اللہ اکبر کہکے اُسے ذبح کیا تو وہ حلال ہے یا حرام یا ایک بکرا اللہ کے نام سے پالا اور ذبح کرتے وقت شیخ سدو کہکے چھری پھیری تو وہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام جواب یہ دونوں صورتیں ما اہل لغیر اللہ میں داخل ہیں جس صورت میں تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو وہ ذبیحہ حرام ہے اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ بھی کہی جائے۔ درمختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم ولو ذکر اسم اللہ علیہ امیر یا کسی اور بڑے آدمی کے آنے پر جو چیز ذبح کیجائے وہ حرام ہے

اگرچہ اس پر خدا کا نام بھی لیا ہو حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال جذع ضان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں اور
جذع وضان سے کیا مراد ہے اور ضان چکتی والے کے ساتھ خاص ہے یا عام جواب کتب
احادیث میں مثل موطا اور سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کے اس امر کی تصریح ہے کہ جذع ضان
کا ذبیحہ درست ہے اور ضان کے علاوہ دوسری چیزوں میں ثنی اور اس سے زائد سن والے ہی کا
کا ذبیحہ درست ہے اور جذع وہ ہے جو چھ مہینہ کا ہوا اور ضان سے مراد وہ ہے جسکی چکتی ہو منح الغفار
شرح تنویر الابصار میں ہے صح الجذع من الضان الجذع شاۃ لها ستۃ اشهر والضان مایکون
لها الیۃ قلت هذا مذهب الفقهاء واما عند اهل اللغۃ فالجذع من الشاۃ ما تمت له سنۃ
کذا فی النهایۃ والفقهاء انما جوزوها فی ستۃ اشهر اذا کانت بحیث لو خلطت بالثنایا
تشتبه علے الناظرین من بعید وانما جاز الجذع من الضان لقوله علیه الصلوٰۃ والسلام
لا تذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان رواه البخاری ومسلم
واحمد وجماعۃ جذع ضان کا ذبیحہ درست ہے اور جذع چھ مہینے کی بکری کو کہتے ہیں اور
ضان وہ ہے جس کے چکتی ہو میں کہتا ہوں کہ یہ فقہا کا مذہب ہے اور اہل لغت کے
کے نزدیک جذع وہ ہے جو ایک برس کا ہو یہ نہایہ میں ہے اور فقہا نے چھ مہینے کے دنبے کو اسوقت
جائز رکھا ہے جب وہ اتنا ہو کہ اگر ثنیوں میں چھوڑ دیا جائے تو دور سے دیکھنے والوں کو انھیں کی عمر کا
سا معلوم ہو اور جذع ضان اس وجہ سے جائز ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ ایک
برس سے کم کے جانور کو ذبح نہ کرو البتہ اگر تمھیں اس میں زحمت ہو تو چھ ماہہ دنبہ کو ذبح کرو اسے
بخاری مسلم اور احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے شرعۃ الاسلام اور اسکی شرح مفاتیح الجنان میں ہے
ومن سنن الاسلام التضحیۃ بالانعام بالجذع من الضان وهو ما تم له ستۃ اشهر
وقیل سبعۃ اشهر وبالثنی فصاعدا من الشاۃ اعم من ان یکون ضانا او معزا و
من الابل والبقر مطلقا وهو ای الثنی ابن خمس من الابل وحولین من البقر وحول
من الشاۃ والمعز والجذع قید ناه بالضان وهو ما له الیۃ لان الجذع من المعز لا یجوز
التضحیۃ اسلام کی سنتوں میں سے چوپایوں کا ذبح کرنا ہے دنبہ کو جذع ہونا چاہیے اور جذع
وہ ہے جو پورے چھ یا سات مہینہ کا ہو اور ثنی یا اس سے زائد کی شاۃ عام اس سے کہ وہ بکری ہو

یا بھیڑ اور مطلقاً اونٹ اور گائے کو ہونا چاہیئے اور ثنی پورے پانچ برس کے اونٹ اور دو برس
کی گائے اور ایک برس کی بکری اور بھیڑ کو کہتے ہیں اور جذع میں ضان کی قید اسلئے لگائی ہے
کہ شش ماہہ بھیڑ انا جائز ہے اور ضان وہ ہے جسکے چکتی ہو کیونکہ جذع ضان کی قربانی کرنا
جائز ہے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال ماں باپ دادا دادی پھوپھی بہن خالہ نانی نانا
وغیرہ کو عقیقہ کا گوشت کھانا درست ہے یا نہیں جواب اِن سب کو کھانا درست ہے بقول معتبر
جیسا کہ نہایۃ البیان میں ہے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال ہدیہ بکری کی قربانی جائز ہے
یا نہیں جواب جائز ہے بلکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے قربانی کی ہے
جیسا کہ صحاح کی کتابوں میں ہے سوال لڑکے کے عقیقے میں دو بکرے کا حکم ہے اگر ایک بکرا کوئی
قربانی کرے باوجود استطاعت دو بکرے کے درست ہے یا نہیں جواب عدم قدرت کے وقت پر
ایک بکرے پر بھی اکتفا درست ہے نہایۃ البیان فی ما یحل ویحرم من الحیوان میں بزبان فارسی لکھا ہے
جسکا ترجمہ یہ ہے کنز العباد میں ہے کہ جب اولاد ہو تو عقیقہ کرنا چاہیے لڑکی کے لئے ایک بکری اور لڑکے
کے لئے دو اور اگر لڑکے کے لئے ایک بکری کرے تو رخصت ہے یہ کیمیائے سعادت میں ہے واللہ اعلم حررہ
عبدالحی عفی عنہ سوال گونگے کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام یا مکروہ۔ اور مکروہ ہے تو کونسا مکروہ۔ جواب گونگے
کا ذبیحہ بلا کراہت حلال ہے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے ویحل ذبیحۃ مسلم وکتابی ذمی حربی
ولو امرأۃ او صبیا او مجنونا یعقلان او کان الذابح اخرس لان الاخرس عاجز عن الذکر فیکون
معذورا وتقوم الملۃ مقام التسمیۃ کالناسی بل اولی ذبیحہ مسلم کتابی ذمی یا حربی کا درست ہے
عورت ہو یا بچہ یا مجنون بشرطیکہ یہ دونوں تمیز رکھتے ہوں یا ذبح کرنے والا گونگا ہو کیونکہ گونگا
ذکر سے عاجز ہوتا ہے لہذا وہ معذور ہوگا اور اُسکا اسلام بسم اللہ کے قائم مقام ہو جائے گا جس طرح
کہ بسم اللہ کو بھولجانیوالا بلکہ یہ اُس سے زائد مستحق ہے۔ اور ایسا ہی درمختار میں ہے۔ واللہ اعلم
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی محمد عبدالحی ابوالحسنات
الجیب مصیب نمقہ خادم اولیاء اللہ الکریم محمد ابراہیم غفرلہ الرحیم بن مولانا علی محمد مرحوم محمد ابراہیم
الحق ما ہوا لمحرر کتبہ العبد المسکین محمد ادریس عفی عنہ سوال کتاب کبرے کے موافق معلوم ہوتا ہے
کہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے چنانچہ اسی قاعدے کے موافق علمائے کبار نے یہود ونصاریٰ کے

ذبیحہ کو درست فرمایا ہے پس اہل تشیع کا فرقہ بھی داخل اہل کتاب ہے یا نہیں اور ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں جواب صورت مسئولہ میں جو روافض ایسے ہیں کہ اُن کے عقائد منجر بارتداد و کفر ہیں مثلاً غلاۃ و فرقہ اسماعیلیہ وغیرہا اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے اسلئے کہ مرتد کا ذبیحہ حرام ہے کتب فتاوی اس امر سے مشحون ہیں اور ایسے روافض کا ارتداد عامۂ فتاوے میں مذکور ہے چنانچہ برجندی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے

فھؤلاء خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں اور اِن کے احکام وہی ہیں جو مرتدون کے احکام ہیں۔ بلکہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کی تحفۂ اثنا عشری سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روافض حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہوں یا اُن کے دخول جنت و قابلیت و لیاقت خلافت کا باعتبار اوصاف دین مثل علم و عدالت و تقویٰ و ورع انکار کرتے ہوں وہ کافر ہیں چنانچہ اُس کتاب میں بزبان فارسی تحریر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے اہل سنت و جماعت کا اسپر اجماع ہے کہ حضرت امیر کی تکفیر کرنے والے یا اُن کے بہشتی ہونے کا انکار کرنے والے یا اُنکی لیاقت خلافت کا انکار کرنے والے اوصاف دین کے اعتبار سے مثل علم و عدالت و تقوے و ورع کافر ہیں اور ہم کہتے ہیں ایسا ہی حکم ہے حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے تکفیر کرنے والوں کا بھی انتہی اور جو روافض ایسے عقائد نہ رکھتے ہوں جیسے تفضیلیہ انکا ذبیحہ درست ہے واللہ اعلم کتبہ العبد القسیس محمد للہ عو با دریس النجرامی عفا اللہ عنہ [محمد ادریس] صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی [مہر] صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد امان الحق عفی عنہ سوال اہل تشیع کیا باشندگان لکھنؤ اور کیا باشندگان جوار لکھنؤ جو فی زمانا موجود ہیں اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں اور اُنکے گھروں کا پکا ہوا کھانا درست ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ زید نے غفلت اور جاہلیت کی حالت میں زنا کیا جب ہوش میں آیا تو اُس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اُس نے توبہ کی اس حالت میں توبہ کرنے کی وجہ سے زید زنا کے جرم سے بری ہوا یا نہیں جواب جو شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں مثلاً جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہتے ہیں یا جو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی پر تہمت لگاتے ہیں کافر ہیں اُنکا ذبیحہ ناجائز ہے اور جو شیعہ ایسے نہیں اگرچہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دیتے ہوں کافر نہیں ہیں بلکہ فاسق ہیں اُنکا ذبیحہ درست ہے اور زنا کا جرم خالص توبہ سے معاف ہو جاتا ہے واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ

سوال زید نے ایک بکری کو دوسری بکری پر لٹایا اور ایکبارگی دونوں کو ایک بسم اللہ سے ذبح کیا پس یہ ذبح صحیح ہوا یا نہیں اور اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں جواب جائز ہے

سوال زید نے قربانی کرنے کے لئے ایک بکرا منگوایا اور ارادہ تھا کہ صبح کو جبکہ ذی الحجہ کی گیارھویں تاریخ ہوگی قربانی کرونگا مگر بکر زید کے ملازم نے بے اطلاع زید اُس بکرے کو بے نیت قربانی کر ڈالا تو زید سے قربانی ادا ہوئی یا نہیں جواب ادا نہیں ہوئی اور بکر پر اُسکی قیمت واجب ہوگی واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ

سوال جس طرح تسمیہ ذابح ضروری ہے اگر عمداً ترک ہو جائے تو ذبیحہ مردار ہے اسیطرح تسمیہ معین ذابح بھی ضروری ہے یا نہیں اور معین ذابح کسے کہتے ہیں کیا معین ذابح وہ شخص ہے جو ذبح کے وقت ذبیحہ کے ہاتھ پاؤں پکڑے یا وہ شخص ہے جو ذبح کرنے والے کے ساتھ چھرے وغیرہ پر اپنا بھی ہاتھ رکھکر ذبح کرنے میں ذابح کی مدد کرے جواب معین ذابح کو بسم اللہ کہنا بھی ضروری ہے اور جانور کے تھامنے والے اور اُسکی رسی کے تھامنے والے کو بھی معین تصور کرنا چاہیے معین ذابح وہ ہے جو آلۂ ذبح پر ہاتھ رکھے فی کتاب الاضحیۃ من العالمگیریۃ رجل اراد ان یضحی فوضع صاحب الشاۃ یدہ علی السکین مع ید القصاب حتی تعاونا علی الذبح قال الشیخ الامام یجب علی کل واحد منہما التسمیۃ حتی لو ترک احدہما لا یجوز کذا فی الظہیریۃ انتہی وفی کتاب الصید من العالمگیریۃ مسلم عجز عن مد قوسہ بنفسہ فاعانہ علی مدہ مجوسی لا یحل اکلہ لاجتماع المحرم والمحلل فیحرم انتہی وقال البرجندی فی شرح النقایہ کما یشترط تسمیۃ الذابح یشترط تسمیۃ من اعان الذابح حیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترک احدہما التسمیۃ لا یحل انتہی وقال قاضی خان فی فتاواہ رجل اراد ان یضحی فوضع صاحب الشاۃ یدہ مع ید القصاب علی المذبح واعانہ علی الذبح حتی صار ذابحا مع القصاب قال الشیخ الامام رحمہ اللہ یجب علی کل واحد منہما التسمیۃ حتی لو ترک احدہما التسمیۃ لا یحل الذبیحۃ عالمگیری کے کتاب الاضحیہ میں ہے ایک شخص نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو صاحب شاۃ نے اپنا ہاتھ چھری پر قصاب کے ہاتھ کے ساتھ رکھا تاکہ دونوں ملکر ذبح کریں تو دونوں پر واجب ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہیں حتی کہ اگر ایک نے بھی ترک کر دیا تو ذبیحہ نادرست ہوگا یہ ظہیریہ میں ہے انتہی اور عالمگیری کے کتاب الصید میں ہے ایک مسلمان خود ذبح کرنے سے عاجز ہے اور اس

وجہ سے اُس نے ایک مجوسی سے مدد لی تو اس ذبیحہ کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ حرمت اور
حلت دونوں کی علتیں جمع ہیں اور ایسی صورت میں شے حرام ہو جاتی ہے انتہیٰ اور برجندی رح
نے شرح نقایہ میں لکھا ہے جس طرح پر ذبح کرنے والے کا بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے اسیطرح
اُسکے مددگار کو بھی ضروری ہے مثلاً ایک شخص نے جسطرح کہ ذبح کرنیوالا چھری پر ہاتھ رکھے ہے
اُسکی مدد کے لئے اُسپر ہاتھ رکھا تو اگر دونوں میں سے کسی ایک نے بھی بسم اللہ اللہ اکبر ترک کیا تو وہ
ذبیحہ حلال نہیں ہوا انتہیٰ اور قاضی خان رحمہ اللہ نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے ایک شخص نے ذبح
کرنے کا قصد کیا تو صاحب شاۃ نے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ سمیت ذبح کرنے کے آلہ پر رکھا اور
اُس نے ذبح کرنے میں مدد دی حتیٰ کہ صاحب شاۃ قصاب سمیت ذبح کرنیوالا ہوا تو شیخ امام رحمہ اللہ
کہتے ہیں کہ ہر ایک پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا فرض ہے حتیٰ کہ اگر کسی ایک نے بھی اسے ترک کیا تو ذبیحہ حلال
نہیں ہے سوال بکری بھیڑ گائے یا اونٹ جو گھر کا پلا ہوا ہو اُسکی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں
جواب جائز ہے بلکہ اگر فربہ اور قیمتی ہو تو اولی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی آلہ
وسلم ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا رواہ احمد والحاکم حضور سرور کائنات علیہ
السلام والصلوۃ نے فرمایا ہے سب سے افضل وہ ذبیحہ ہے جو سب سے زائد قیمتی اور فربہ ہو سوال
سرد ہونے سے پہلے مذبوح کا سر کاٹنا یا مذبوح کی کھال کھینچنا کیسا ہے جواب مکروہ ہے فی
الدر المختار وکرہ کل تعذیب بلا فائدۃ مثل قطع الراس والسلخ قبل ان یبرد ای
یسکن من الاضطراب انتہی وفی السراجیۃ ویکرہ نخع الشاۃ وھو ان یکسر عنقھا
قبل ان یموت وقیل ھو ان یبالغ فی الذبح حتی یبلغ النخاع وھو عرق فی الصلب الی اصل
العنق درمختار میں ہے بیفائدہ ہر سختی مکروہ ہے مثلاً ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر کاٹ لینا یا کھال کھینچ لینا
انتہی اور سراجیہ میں ہے نخع شاۃ مکروہ ہے یعنے مرنے سے پہلے بکری کی گردن توڑنا اور بعض کہتے ہیں اسکا
مطلب یہ ہے کہ ذبح کرنے میں اسقدر مبالغہ کیا جائے کہ چھری نخاع تک پہونچ جائے نخاع پشت کی
ایک ہڈی ہے جو گردن تک آئی ہے سوال اگر بکری کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت وہ معلوم الحیوۃ
تھی مگر ذبح کے بعد رگوں سے خون نہیں بہا یا خون بہا مگر بکری نے نہ حرکت کی نہ تڑپی تو مذبوح حلال
ہے یا حرام جواب حلال ہے سراجیہ میں ہے شاۃ ذبحت وعلم حیاتھا وقت الذبح ولم یخرج

لنہا دم حلت حیوان ذبح وخرج منہ دم مسفوح ولم یتحرک فانہ یحل وان لم یخرج منہ دم مسفوح ولم یتحرک ایضاً فان علم حیاتہ حل ایک بکری ذبح کی گئی وقت ذبح اسکی حیات کا علم تھا لیکن ذبح کے بعد خون نہیں نکلا تو وہ حلال ہے ایک جانور ذبح کیا گیا اور اس سے دم مسفوح نکلا لیکن جانور نے حرکت نہیں کی تو وہ حلال ہے اور اگر دم مسفوح بھی نہ نکلا اور اس جانور نے حرکت بھی نہ کی تو اگر اسکی حیات کا علم تھا تو وہ حلال ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

کتاب الجہاد

سوال جب اہل اسلام کفار کی سلطنت مین امن سے رہتے ہون اور کفار اہل اسلام کو امور دینی ادا کرنے سے مانع نہوتے ہوں اور اہل اسلام کو جہاد کرنے اور کفار سے مقابلہ کرنے کی قدرت بھی نہو جیسا کہ فی زماننا ہندوستان میں ہے تو جہاد کرنا واجب ہے یا نہیں جواب جہاد اعلائے کلمۃ اللہ اور اعزاز اسلام اور قواعد رسوم کفر کے مٹانے کے لئے مقرر ہوا ہے نہ حقارت دین اور ذلت اسلام ومومنین کے لئے اسی لئے فقہانے وجوب جہاد میں کئی شرطیں کی ہیں (۱) اتنے مسلمان ہوں جنسے شان وشوکت ظاہر ہو (۲) مسلمانون کے لئے جہاد کے لئے خرچ بھی مہیا ہو (۳) کوئی جگہ امن وحفاظت کی بھی مسلمانوں کے لئے ہو تاکہ کفار کے شر سے نجات بھی پاسکین لیکن جب مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو کہ کفار ہی غالب ہونگے تو ایسی صورت میں جہاد فرض نہیں ہے فی جامع الرموز الجہاد فرض عین بشرط القدرۃ علی القتال والسلاح والزاد والراحلۃ وغیرہا انتہی وفی العالمگیریۃ وان کان یرجو الشوکۃ والقوۃ لاہل الاسلام وان کان لا یرجو الشوکۃ للمسلمین فی القتال فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء نفسہ فی التہلکۃ انتہی وفی الدر المختار شرط لوجوبہ القدرۃ علی السلاح لا امن الطریق انتہی وفی رد المحتار قولہ شرط لوجوبہ الخ ای وعلی القتال وملک الزاد والراحلۃ کما فی قاضی خان وغیرہ کذا فی القہستانی انتہی وفی فتح القدیر من توابع الجہاد الرباط وھو الاقامۃ فی مکان یتوقع ھجوم العدو فیہ بقصد دفعہ واختلف المشائخ

في الذي يتحقق به الرباط فانه لا يتحقق في كل مكان ففي النوازل ان يكون في مواضع لا يكون وراءه اسلام لان ما دونه لو كان رباطاً فكل المسلمون في بلادهم مرابطون وقال بعضهم اذا اغار العدو على موضع مرة يكون ذلك الموضع رباطاً الى اربعين سنة واذا اغار مرتين يكون رباطاً الى مائة وعشرين سنة واذا اغار ثلث مرات يكون رباطاً الى يوم القيامة قال في فتاوى الكبرى والمختار هو الاول

جامع الرموز میں ہے جہاد فرض عین ہے جبکہ قتال اسلحہ رصد اور سواریوں وغیرہ پر قدرت ہو اور عالمگیری میں ہے دوسرے اُس وقت کہ اہل اسلام کی شوکت وقوت مقصود ہو اور اگر قتال سے شوکت مسلمین مقصود نہو تو قتال حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور درمختار میں ہے وجوب جہاد کے لئے اسلحہ پر قادر ہونا شرط ہے نہ کہ راستہ کا امن ہونا اور ردالمختار میں ہے اور قتال رصد اور سواری پر قادر ہونا یہ قاضی خاں نے قہستانی سے نقل کرکے لکھا ہے اور فتح القدیر میں ہے رباط (یعنے کسی مقام میں اس غرض سے ٹھہر جانا کہ دشمن اُس میں ہجوم کرکے حملہ کریں اور وہیں اُن کے دفعیہ کی تدبیر کیجائے) توابع جہاد میں سے ہے اور مشائخ نے اُن امور میں جنسے رباط کا تحقق ہوتا ہے اختلاف کیا ہے کیونکہ ہر جگہ اُسکا تحقق نہیں ہوتا نوازل میں ہے کہ اسکا تحقق اُن مواقع میں ہوتا ہے جسکے بعد حد اسلام نہو ورنہ تمام مسلمان اپنے اپنے شہروں میں مرابط ہونگے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب دشمن ایک مرتبہ حملہ کرے تو وہ مقام چالیس برس تک رباط رہتا ہے اور جب دو مرتبہ حملہ کرے تو ایک سو بیس برس تک اور جب سہ بارہ حملہ کرے تو ہمیشہ کے لئے وہ مقام رباط رہتا ہے فتاوے کبرے میں ہے کہ مختار اول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفرلہ الاحد۔ واقعی جب مسلمانوں کو قتال ورزاد اور راحلہ وغیرہ پر قدرت نہو تو اُن پر جہاد فرض نہیں ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ | ابوالحسنات محمد عبدالحی |

کتاب احداث العمارات

سوال کوچہ غیر نافذہ میں فقط محمد اور حامد کا مردرہے زید جو شخص ثالث ہے گلی میں جدید دروازہ

لگا کے مرور میں شریک ہونا چاہتا ہے محمد اور حامد مانع ہوتے ہیں پس شرعاً باوجود محمد اور حامد کی ممانعت کے زید کو اس گلی میں نیا دروازہ لگانا جائز ہے یا نہیں جواب نہیں واللہ اعلم کتبہ ابوالجلیش محمد مہدی عفا عنہ الہادی صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ محمد رحمت اللہ عفا اللہ عنہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ واقعی باوجود محمد اور حامد کی ممانعت کے زید اس گلی میں دروازہ نہیں لگا سکتا صاحب درمختار نے لکھا ہے زائغۃ مستطیلۃ تنشعب عنہا سکۃ مثلہا یمنع اہل الاولی عن فتح باب للمرور فی القصوی الغیر النافذۃ علی الصحیح اذ لاحق لھم فی المرور ایک لمبی گلی جس میں سے ویسی ہی ایک غیر نافذہ گلی نکلے تو پہلی گلی والے لوگ کوچہ غیر نافذہ میں گذرنے کے لئے دروازہ بنانے سے روکے جائینگے بر مذہب صحیح کیونکہ ان لوگوں کو اس گلی میں حق مرور نہیں واللہ علیم حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفر لہ العلی الرب الحکیم۔ اصاب من اجاب نمقہ خادم اولیاء اللہ الصمد علی محمد غفر لہ اللہ الاحد۔ درحقیقت کوچہ غیر نافذہ میں بغیر گلی والوں کی اجازت کے تصرف جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اگر اس گلی کے شرکا میں سے کوئی نیا دروازہ لگانا چاہے تو بے دوسروں کی اجازت کے نہیں لگا سکتا۔ بزازیہ میں ہے سکۃ غیر نافذۃ بین عشرۃ لکل منھم دار غیر ان لاحد ھم دارا فی سکۃ اخری لا طریق لھا فی ھذہ السکۃ غیر ان حائطھا فی ھذہ السکۃ قال ابوالقاسم لیس لہ ذلک وبہ اخذ ابو جعفر وبہ ناخذ انتہی ملخصاً ایک کوچہ غیر نافذہ دس آدمیوں میں مشترک تھا جن میں سے سب کا گھر اس طرف تھا مگر ایک کا گھر دوسری گلی میں تھا جس کا اس گلی میں کوئی دروازہ نہ تھا البتہ چھت یا پکھوائی کی دیوار اس گلی میں تھی تو ابوالقاسم رحمہ اللہ کے نزدیک اسکو اس گلی میں دروازہ بنانے کا حق نہیں ہے اور ابوجعفر رحمہ اللہ نے اسی پر فتوی دیا ہے اور ہم بھی اسی کو لیتے ہیں۔ پس جو شخص شرکت نہیں رکھتا اسکا تصرف کسطرح جائز ہوگا پس باوجود گلی والوں کی ممانعت کے زید کو دروازہ نہ لگانا چاہیئے منح الغفار میں ہے وفی غیر النافذ لا یتصرف فیہ احد مطلقاً اضر بھم اولا الا باذنھم لان الطریق التی لیست بنافذۃ مملوکۃ لاھلھا والتصرف فی الملک المشترک من الوجہ الذی لم یوضع لہ لا یملک الا باذن الکل بے اجازت کوچہ غیر نافذہ میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا شرکا کو ضرر پہونچے یا نہ پہونچے کیونکہ وہ راستہ

جو نافذ نہیں ہے اُس گلی کے رہنے والوں کی مِلک ہے اور مِلک مشترک میں اُس قسم کا تصرف جسکے لئے اُس ملک کی وضع نہیں ہے نادرست ہے مگر سب کی اجازت سے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفور ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال مثلاً زید کے مکان میں دروازے پر کھڑکیاں لگی ہیں اور مکان زید سے مکانِ خالد بالکل علیحدہ ہے بلکہ درمیان میں شارع عام فاصل ہے اور ایک تیلی کا مکان بھی درمیان میں واقع ہے۔ چونکہ مکان خالد کی ایک دیوار بقدر ایک گز کے طول میں اور نصف گز کی بلندی عرض میں کم ہے اس وجہ سے کسیقدر اُسکا مکان کھڑکیوں سے معلوم ہوتا ہے زید اُس قدر پردہ بنوانے پر بھی راضی ہے لیکن خالد اُن کھڑکیوں سے مزاحمت کرتا ہے پس شرعاً خالد کو تعرض کا حق ہے یا نہیں جواب اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض متاخرین نے اسپر فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ملک میں تصرف کرے اور پڑوسی کو اُس سے ضرر ہو تو پڑوسی منع کرسکتا ہے فی الدر المختار وعلیہ الفتوی واختارہ فی العمادیۃ وافتی بہ قارئ الہدایۃ حتی یمنع الجار من فتح الطاقۃ وھذا جواب المشائخ استحسانا انتھی ومثلہ فی نصاب الاحتساب لو فتح کوۃ حتی وقع نظرہ منھا الی نساء جارہ علی روایۃ کتاب القسمۃ لا یمنع والفتوی علی انہ یمنع انتھی وفی فتاوی قاضی خان ومثلہ فی خزانۃ المفتیین لو اراد الجار ان یمنعہ من الصعود حتی یتخذ سترۃ قالوا ان کان فی صعودہ یقع بصرہ فی دار جارہ کان لہ ان یمنعہ من الصعود حتی یتخذ سترۃ وان کان لا یقع بصرہ علیھم اذا کانوا علی السطح لا یمنعہ من الصعود درمختار میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور عمادیہ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور قاری ہدایہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے حتیٰ کہ پڑوسی روشن دان تک بنانے سے روکا جائیگا اور یہ استحسانا مشائخ کا جواب ہے اور ایسا ہی نصاب الاحتساب میں ہے اگر کسی نے (اپنی دیوار میں) روشن دان بنایا حتیٰ کہ اُسکی نظر پڑوسی کی عورتوں پر پڑی تو بروایت کتاب القسمۃ یہ ممنوع نہیں ہے اور فتویٰ اسکے ممنوع ہونے پر ہے اور فتاوی قاضیخاں اور خزانۃ المفتیین میں ہے اگر کسی شخص نے اپنے پڑوسی کو چھت پر چڑھنے سے بغیر پردہ ڈالے ہوئے روکنا چاہا تو فقہا کہتے ہیں کہ اگر اس طرح چھت پر چڑھنے سے اُسکی نظر عورتوں پر پڑتی ہو وہ روک سکتا ہے لیکن اگر چھت پر چڑھنے سے نظر نہ پڑے تو وہ چڑھنے سے روک نہیں سکتا۔ اور اکثر نے ظاہر

روایت کے موافق اسپر فتویٰ دیا ہے کہ ہمسایہ کو اس سے ممانعت نہیں ہو سکتی اگرچہ اس سے متضرر ہی ہو۔

فی فتاوی قاضی خان کل ما ذکرنا من جنس ھذہ المسائل قول مشائخ بلخ وانه
یخالف قول ابی حنیفۃ رحمه اللہ من تصرف فی ملکه لا یمنع منه وان تضرر جارہ
وفی الدر المختار جواب ظاھر الروایۃ عدم المنع مطلقا وبه افتی طائفۃ کالامام
ظہیر الدین وابن الشحنۃ ووالدہ ورجحه فی الفتح وفی قسمۃ المجتبی وبه یفتی و
اعتمدہ المصنف ثم قال قد اختلف الفقہاء وینبغی ان یعول علی ظاھر الروایۃ
انتہی وفی حاشیته لو فتح صاحب البناء فی علو بنائه کوۃ لا یلی صاحب الساحۃ منعه
بل له ان یبنی ما یسترجنبیۃ الی ان قال والامام ظہیر الدین کان یفتی بقول الامام
والحاصل ان الذی علیه غالب المشائخ من المتاخرین ھو الاستحسان فی جنس
ھذہ المسائل وافتی طائفۃ بجواب القیاس المروی واختارہ فی العمادیۃ المنع
اذا کان الضرر بینا وظاھر الروایۃ خلافه وذکر العلامۃ ابن الشحنۃ ان فی حفظه
ان المنقول عن ائمتنا الخمسۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد وزفر والحسن انه لا یمنع
من التصرف فی ملکه وان اضر بجارہ وھو الذی امیل الیه واعتمدہ وافتی به تبعا
للوالد شیخ الاسلام انتہی ورجح فی فتح القدیر ایضا ظاھر الروایۃ فتاوے قاضی
خان میں ہے ان مسائل میں ہم نے جو کچھ لکھا وہ مشائخ بلخ کا قول تھا جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے
اس قول کے خلاف ہے کہ اپنی ملک میں تصرف کرنے والا روکا نہیں جا سکتا اگرچہ اسکی وجہ سے
اسکے پڑوسی کو ضرر پہونچے اور درمختار میں ہے ظاہر الروایہ میں مطلقاً عدم منع ہے اور ایک جماعت
نے امام ظہیر الدین اور ابن شحنہ اور اُن کے والد کے مثل اسی پر فتویٰ دیا ہے فتح میں اسی مذہب کو ترجیح
دی ہے اور مجتبیٰ کے باب قسمت میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے مصنف رحمہ اللہ نے اسی پر اعتماد کر کے
کہا ہے کہ فقہا اس امر میں مختلف ہیں اور ظاہر روایت پر اعتماد کرنا چاہیے انتہی اور اسکے حاشیہ میں ہے
اگر کسی عمارت کے مالک نے اوپر کے درجے میں روشن دان بنایا تو نیچے والے کو روکنے کا حق نہیں ہے
بلکہ اسکو ایسی چیز بنانا چاہیے جو پردہ داری کر سکے اور یہاں تک کہ کہا ہے امام ظہیر الدین رحمہ اللہ امام
ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں اکثر متاخرین رحمہم اللہ

استحسان پر عمل کرتے ہیں اور ایک گروہ نے قیاس کے حکم پر فتوی دیا ہے اور عمادیہ میں منع کو مختار
کیا ہے جبکہ ضرر بین ہو اور ظاہر الروایۃ اسکے خلاف ہے اور علامہ ابن شحنہ نے لکھا ہے کہ ہمارے
ائمہ خمسہ امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف امام محمد اور امام زفر اور امام حسن رحمہم اللہ اسکے قائل ہیں
کہ کوئی شخص اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روکا نہ جائے گا اگرچہ وہ اپنے پڑوسی کو ضرر پہونچائے
میرا میلان بھی اسکی طرف ہے اور میں اسی پر اعتماد کرتا ہوں اور اسی پر فتوی دیتا ہوں اپنے
والد شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی اتباع میں انتہی اور صاحب فتح القدیر نے بھی ظاہر روایت کو
ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم کتبہ محمد انور علی عفی عنہ۔ فقہا کا اس باب میں اختلاف ہے کہ آیا
صاحب خانہ کو اپنے گھر میں ہر قسم کا تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں ظاہر الروایۃ میں ہے کہ صاحب خانہ
ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر بھی ہو اسکو متاخرین کی ایک جماعت نے اختیار
کیا ہے اور اکثر مشائخ کے نزدیک جس تصرف سے ضرر بین متصور ہو وہ نہیں کر سکتا اگر کرے تو ہمسایہ
یا غیر ہمسایہ جسکو اس سے ضرر پہونچتا ہو منع کر سکتا ہے منح الغفار میں ہے و فی المجتبی لو وقع فی نصیب
احدھما و فی الآخر ساحۃ فاراد صاحب الساحۃ ان یبنی فیھا و یسد الریح والشمس علی
الآخر فلیس لہ المنع فی ظاہر الروایۃ و بہ یفتی و قال نصیر الصفار لہ المنع و علی ھذا لو اراد
حماما او تنورا و فی فتاوی قاری الھدایۃ الفتوی علی انہ ممنوع من التصرف علی وجہ
یتضرر بہ الجار وان کان فی ملکہ واجاب قاری الھدایۃ بان الجار یمنع ان یفتح کوۃ یشرف
منھا علی جارہ نقلہ اختلف التصحیح و ینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ مجتبی میں ہے
کہ اگر عمارت ایک کے حصّے میں پڑی اور صحن دوسرے کے حصّے میں پھر صحن والے نے اس
میں کچھ بنا کر ہوا اور روشنی کو روکنا چاہا تو بر ظاہر روایت وہ روک نہیں سکتا اور اسی پر فتوی ہے
نصیر صفار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسے حق منع ہے اسیطرح اگر حمام یا تنور بنانے کا قصد کیا اور فتاوی
قاری الھدایہ میں ہے کہ فتوی اس امر پر ہے کہ وہ ایسے تصرف کرنے سے روکا جائے گا جس سے پڑوسی
کو نقصان پہونچے اگرچہ یہ تصرف اپنی ہی ملک میں کیوں نہو قاری ہدایہ نے جواب دیا ہے کہ پڑوسی
ایسے روشن دان کے بنانے سے روکا جائے گا جس سے پڑوسی کے زنانخانہ میں وہ تاک جھانک
کرے اس میں اختلاف ہے اور ظاہر الروایۃ پر اعتماد کرنا چاہیے اور صاحب خزانۃ الفقہ نے

لکھا ہے اذا اراد الرجل ان یبنی فی دارہ اودکانہ تنورا او حماما او مدقا قال القصارین
لصحن قال الصدر الشہید کان والدی یفتی بانہ اذا کان الضرر بینا قال و بہ یفتی
وھذا جواب المشائخ وجواب ظاھر الروایۃ لا یمنع جب کوئی اپنے گھر یا دوکان میں تنور یا حمام
یا دھوبیوں کی بھٹی بنانا چاہے اور پڑوسی کو ضرر پہونچے تو یہ جائز نہیں ہے مولانا صدر شہید
کہتے ہیں کہ میرے والد اسپر فتوی دیتے تھے کہ اگر ضرر بیّن ہو تو ناجائز ہے اور اسی پر فتوی ہے
اور یہ جواب مشائخ ہے اور جواب ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ روکا نہ جائے گا۔ اور علامہ
خیر الدین رملی رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں مسئلہ فتح الکوۃ فیھا قیاس و استحسان
والاستحسان المنع وعلیہ الفتوی کما نقلہ فی التاتارخانیۃ وشرح القدوری المسمی
بالمضمرات عن التہذیب قال فی التاتارخانیۃ قبیل مسئلۃ الکوۃ الحاصل من جنس
ھذہ المسائل ان القیاس ان کل من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع وان کان یؤدی
الی الضرر بالغیر لکن القیاس فی موضع یتعدی ضرر تصرفہ الی غیرہ ضررا بینا وقیل
بالمنع مطلقا وبہ اخذ کثیر من مشائخنا وعلیہ الفتوی ومثلہ فی الفصول العمادیۃ من
الکتب روشن دان کے مسئلہ میں قیاس و استحسان معارض ہیں استحسان یہ ہے کہ منع کیا جائے گا اور اسی پر
فتوی ہے جیسا کہ تاتارخانیہ اور مضمرات شرح قدوری میں تہذیب سے منقول ہے اور تاتارخانیہ میں اس
مسئلہ کے قبل کہا ہے کہ اس قسم کے مسائل میں مقتضائے قیاس یہ ہے کہ اپنی خالص ملک میں تصرف
کرنے والا روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر پہونچے لیکن قیاس اُن مواضع میں متروک ہے
جہاں اس تصرف سے دوسروں کا ضرر بیّن ہو اور بعض لوگ اسے مطلقاً ممنوع لکھتے ہیں اور
اکثر مشائخ رحمہم اللہ اسی پر عمل کرتے ہیں اور اسی پر فتوی ہے ایسا ہی فصول عمادیہ میں ہے
اور مفتی شام ملا حامد رحمہ اللہ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں فتاوی علی ان الکوۃ حیث کانت للنظر
والموضع موضع النساء تسد بلا فاصل بین الطریق لفاصل وغیرہ کما فی المضمرات وغیرہ
فتاوے اس پر متفق ہیں کہ روشن دان جبکہ دیکھنے کے لیے ہو اور اُس سے عورتوں کا سامنا ہو
تو وہ بند کر دیا جائے گا خواہ بیچ میں کوئی راستہ فاصل ہو یا نہو جیسا کہ مضمرات وغیرہ میں ہے
اور مغنی المفتی عن سوال المستفتی میں ہے لا فرق بین القدیم والحادث حیث کان الضرر

بینا قدیم وجدید میں جبکہ ضرر بیّن ہو کوئی فرق نہیں ہے اور علامہ ابنِ عابدین تنقیح فتاوے حامدیہ میں لکھتے ہیں فی حاشیۃ البحر من القضاء للشیخ خیرالدین لافرق بین القدیم والحادث حیث کانت العلۃ الضرر البین بحر کے حاشیہ میں شیخ خیرالدین رحمہ اللہ کی کتاب القضا سے نقل کیا ہے کہ قدیم اور جدید میں اُس وقت کچھ فرق نہ ہوگا جبکہ ضرر کا وجود اُس میں بیّن ہو پس صورت مسئلہ میں چونکہ زید کی کھڑکیوں سے خالد کی عورتوں پر نظر پڑتی ہے لہذا خالد حسب اختیار مشائخ رحمہم اللہ منع کرسکتا ہے اور زید کو چاہیئے کہ پردے کی دیوار بنا دے واللہ اعلم کتبہ عبدالحی عفی عنہ سوال زید کی مملوکہ اور مقبوضہ ایک اراضی ہے اور اُس اراضی میں زید کے مکان مسکونہ کا مرور ہے اب اُس اراضی کے دروازے میں زید نے اپنے بعض مصالح کے لحاظ سے چوکھٹ بازو لگوا کے کواڑ بھی لگوائے ہیں جو اس سے قبل بلا چوکھٹ و کواڑ تھا ایک غیر شخص جسکا اس آراضی میں قدیم سے مرور نہ تھا بلکہ تھوڑے زمانے سے ہوا ہے وہ چوکھٹ بازو اور کواڑ لگانے پر اعتراض کرتا ہے باوجودیکہ چوکھٹ بازو اور کواڑ لگانے کے بعد بھی زید اس شخص غیر کے مرور کو جو اس اراضی میں ہے روکتا نہیں اور اس شخص غیر کا مرور کے سوا اس اراضی میں اور کوئی حق بھی نہیں ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کو جو مالک اور قابض ہے چوکھٹ بازو اور کواڑ شرعاً لگانے کا حق ہے یا نہیں اور اس غیر شخص کو منع کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں اور اگر یہ غیر شخص اُس اراضی میں زید کی ملکیت کا انکار کرے تو حاکم کو اُس اراضی میں زید کی ملکیت کی تحقیقات کرنا چاہیئے یا نہیں جواب اس صورت میں زید جو مالک اور قابض ہے چوکھٹ بازو اور کواڑ لگا سکتا ہے بشرطیکہ اُس غیر شخص کا ضرر بیّن نہ ہو اور جب زید اُس غیر شخص کو مرور سے مانع نہیں ہے تو اس دروازے سے اُس شخص کا شرعاً کچھ حرج ثابت نہیں ہے اور اُس کا منع کرنا صحیح نہیں ہے اور ضرر بیّن سے یہ مراد ہے کہ ہمسایہ کے حوائج اصلیہ بند ہو جائیں مثلاً کسی کے مکان سے ہمسایے کے مکان میں روشنی آتی تھی اب اُس شخص نے اپنا مکان اسطرح بنایا ہے کہ ہمسایے کے مکان میں روشنی کا آنا بند ہوگیا اگر ایسا نہو یعنی ہمسایہ اپنے حوائج اصلیہ سے بند نہ ہو تو ضرر بیّن ثابت نہوگا اور جب مالک اور قابض ہمسائے کو مرور سے مانع نہیں ہے اور چوکھٹ بازو اور کواڑ لگانے سے مرور مسدود بھی نہیں ہوتا تو شرعاً

ہمسائے کو ممانعت کا حق حاصل نہیں ہے۔ درمختار میں ہے ولا یمتنع الشخص من تصرفه فی ملکه الا اذا کان الضرر بجاره ضررا بینا فیمنع من ذلك وعلیه الفتوی کوئی شخص اپنی ملک میں تصرف کرنے سے نہ روکا جائے گا جبتک پڑوسی کو ضرر بیّن نہ پہونچے اور جب ضرر بیّن پہونچے تو وہ تصرف سے روکا جائے گا اور اسی پر فتوی ہے اور ردالمحتار میں ہے والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بدأله مطلقا لانه متصرف فی خالص ملکه لکن ترك القیاس فی موضع یتعدی ضرره الی غیره ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو ما یکون سببا للهدم ویخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیه واختار والفتوی علیه فاما التوسع الی منع کل ضرر فیسد باب انتفاع الانسان بملکه کما ذکرنا قریبا حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں مقتضائے قیاس تو یہ ہے کہ مالک جو چاہے کرے کیونکہ اُسکا تصرف اُسکی خاص ملک میں ہے لیکن جبکہ پڑوسی کو ضرر بیّن پہونچتا ہو تو وہ روکا جائے گا وہاں قیاس پر عمل نہ ہوگا۔ ضرر بیّن وہ ہے جو سبب انہدام ہو یا جسکی وجہ سے پڑوسی اپنی چیز سے انتفاع نہ حاصل کرسکے یا حوائج اصلیہ کو پورا نہ کرسکے مثلاً روشنی بالکل روکدی جائے اسی پر فتوی ہے اور مطلقاً ضرر کی صورت میں تصرف روکدینے میں انتفاع کا سد باب ہے جیسا کہ ہمنے قریب ہی ذکر کیا ہے۔ اور حاکم کو یہ تحقیق کرنا چاہئے کہ چوکھٹ باز و زید نے اپنی اراضی ملکیت پر لگائے ہیں یا نہیں اگر عدم ملکیت پر اُس نے بنا کی ہو تو جائز نہیں واللہ اعلم حررہ محمد حسین سلیم پوری عفی عنہ۔ الجواب ہو الصواب حررہ محمد عنایت اللہ ولد حبیب اللہ خان۔ ذلک کذلک کتبہ فدا احمد۔ الجواب صحیح نمقہ محمد عبد القادر خان بن حیدر علیخان عفا اللہ عنہما۔ الجواب صحیح حررہ گوہر علی۔ اصاب من اجاب نمقہ حامد حسین۔ الجواب ہو الجواب کتبہ محمد ریاست علی خان عفا اللہ عنہ۔ قد صح الجواب والیہ المآب حررہ ابو القاسم محمد مزمل۔ فی الواقع جب ہمسائے کا ضرر بیّن نہو تو کسی کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے ممانعت نہ کیجائے گی اور یہی مفتی بہ اور مختار ہے۔ درمختار کی دوسری روایت بھی اسکی مؤید ہے وجواب ظاهر الروایة عدم المنع مطلقا وبه افتی طائفة کالامام ظهیر الدین وابن شحنه ووالده ورجحه فی الفتح وفی قسمة المجتبی وبه یفتی اور جواب ظاہر الروایۃ مطلقاً عدم منع ہے اور اسی پر ایک

جماعت کا فتویٰ ہے جن میں سے امام ظہیر الدین اور ابن شحنہ اور اُن کے والد رحمہم اللہ ہیں اور فتح میں اسی کو ترجیح دی ہے اور مجتبیٰ کے باب قسمتہ میں ہے اسی پر فتویٰ ہے و اللہ اعلم حررہ محمد عبد اللہ عفی عنہ۔ ہذا الجواب صحیح محمد اکبر علی خان خلف رحیم یار خان۔ الجواب ہو الجواب حررہ محمد عبد اللہ ذلک کذلک کتبہ محمد نظیر علی۔ الاجوبۃ المذکورۃ صحیحۃ بتقدیر صحۃ ما قالہ المستفتی کتبہ الحافظ محمد شعیب صانہ اللہ عن العیب۔ ہو المصوب جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زمین زید کی ملک ہے تو زید اس میں چوکھٹ وغیرہ لگانے سے منع نکیا جائے گا مگر یہ کہ ہمسایہ کو اس سے ضرر پہونچے تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے فی حواشی الاشباہ لبیری زادہ ما نصہ لہ التصرف فی ملکہ وان تضرر جارہ فی ظاہر الروایۃ والذی استقر علیہ رأی المتاخرین ان الانسان یتصرف فی ملکہ وان اضر بغیرہ ما لم یکن ضررا بینا والفتوی علیہ بیری زادہ رحمہ اللہ نے جو حواشی اشباہ میں لکھا ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے اگرچہ اس کے پڑوسی کو ضرر پہونچے ظاہر روایت کے اعتبار سے اور متاخرین رحمہم اللہ کے نزدیک انسان اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے اگرچہ اس طرح دوسرونکو ضرر پہونچے جبتک کہ ضرر بیّن نہو اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور منح الغفار میں ہے فی فتاوی قاری الہدایۃ الفتوی علی انہ ممنوع من التصرف علی وجہ یتضرر بہ الجار وان کان فی ملکہ فتاویٰ قاری ہدایہ میں ہے فتویٰ اس پر ہے کہ وہ اس طرح کے تصرف سے روکا جائے گا جس سے پڑوسی کو ضرر پہونچے اگرچہ یہ تصرف اپنی ہی ملک میں کیوں نہو۔ اور تاتارخانیہ میں ہے الاصل فی جنس ہذہ المسائل ان القیاس ان کان من تصرف خالص ملکہ لا یمنع وان کان یودی الی الضرر بالغیر لکن ترک القیاس فی موضع یتادی ضرر تصرفہ الی غیرہ ضررا بینا اس قسم کے مسائل میں اصل یہ ہے کہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ اپنی خالص ملک میں تصرف کرنے سے روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر بھی پہونچ جائے لیکن قیاس اُسجگہ متروک ہے جہاں اُسکے تصرف سے دوسرے کو ضرر بیّن پہونچے و اللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ابو الحسنات محمد عبد الحی

کتاب المتفرقات

استفتا تقریرات فریقین میں محاکمہ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ فضیلت سکان حرمین شریفین
کے باب میں ہم نے مولوی عبدالحی صاحب کو منصف قرار دیا ہے راقم محمد عبدالعزیز ج میں نے مولوی
محمد عبدالحی صاحب کی منصفی فضیلت مکان حرمین شریفین میں قبول کی۔ راقم محمد حسین س
آپ ساکنان حرمین شریفین کی فضیلت کلی کے مدعی ہیں تبائیے کہ ہر صفت میں انکو افضل
جانتے ہیں یا کسی وصف خاص میں محمد حسین۔ آپ نے فضیلت کل سے کیا مراد لیا ہے اور صفت خاص
اسکو کہتے ہیں اور اس مسئلہ میں کس دلیل سے آپ تمسک کرتے ہیں محمد حسین ج میں صفت کلی کی
شرح کر چکا ہوں کہ علم فہم تقویٰ فضل سکونت کو میں صفت کلی سمجھتا ہوں اور صفت خاص سے میری
مراد ان صفات میں ایک صفت ہے اور تمسک کرنا آپ کا کام ہے جس دلیل سے آپ تمسک
کرینگے میں اسکا جواب دونگا کیونکہ میں سائل ہوں اور تمسک کرنیوالے سو وہ آپ ہیں آپ جس
دلیل سے تمسک کرینگے میرا کام اس تمسک کا جواب دینا ہے نہ کہ تمسک کرنا محمد حسین
ج جبتک آپ ادلہ شرعیہ میں سے کوئی دلیل منظور نکرینگے اس وقت تک جواب متعذر ہے
کیونکہ خصم جس دلیل کو تسلیم نہیں کرتا اسکا بیان بیفائدہ ہے اسلئے آپ کو لازم ہے کہ اپنا متمسک
بیان کریں تاکہ جواب دیا جائے اور کل جو آپ نے آیت قرآنی مذمت عرب واہل مدینہ میں
بیان کی تھی اسکو آپ آج بھی سند جانتے ہیں یا آج اس سے انکار ہے ج میرے سامنے
دلیل پیش کرنے کی اسوقت ضرورت ہوگی جب میں آپکے دعوے فضیلت کا منکر ہوں گا
اور چونکہ ابھی محل نزع مقرر نہیں ہوا اور سراپا تسلیم پایا نہیں گیا لہذا ابھی دلیل پیش کرنے کی
بھی ضرورت نہیں ہو سکتا ہے کہ میں آپکے دعوے فضیلت کو مان لوں جب میں آپ کے
دعوی سے انکار کرونگا تو دلیل طلب کرونگا اس وقت آپکو اس دریافت کرنیکا حق حاصل ہوگا کہ
تم کیسی دلیل کے طالب ہو اور میں نے کل جو آیت بیان کی تھی وہ ان منافقین کی مذمت
کی دلیل تھی جو زمانۂ نبوی میں تھے اسی لیے میں نے یہ بھی کہدیا تھا کہ مکی اور مدنی کئی قسم کے
ہیں ایک وہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے کافر تھے دوسرے وہ جو آپ کے
زمانہ میں کافر تھے اور میں نے کہا تھا کہ زمانۂ نبوی میں بھی منافق موجود تھے اسی دلیل میں میں نے
وہ آیت پیش کی تھی اور ابتک میں اپنے اس استدلال پر قائم ہوں اور ان منافقین کی مذمت میں

اس آیت کو دلیل میں پیش کرتا ہوں۔ محمد حسین ج آپ نے کل جو آیت ہمارے مقابلے میں پیش کی تھی اگر اُس سے آپ کی وہی مراد تھی جواب آپ کہہ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ خطاے فاحش اور عظیم غلطی میں گرفتار ہوے کیونکہ ہم نے مقابل میں جو حدیثیں بیان کی تھیں اُن کا یہ مضمون نہ تھا کہ تقرر اور نصرت اسلام کے قبل فضیلت کا ثبوت ہوا گر آپ اُس سے یہی مطلب سمجھے تھے تو یہ بات علما اور اہل فراست سے بہت بعید ہے اور اگر آپ کی مراد بعد تقرر اسلام کے ہو تو اس سے احادیث نبوی کی تکذیب لازم آتی ہے اللہ ہم سب کو ایسے افعال سے بچائے چونکہ آپ کئی دن سے فضیلت ساکنین حرمین شریفین کا انکار کر رہے تھے اس لیے آپ سے دریافت متمسک کی ضرورت ہوئی آپ نے بذریعۂ تحریر مجھ سے دریافت کیا تھا کہ تم کس زمانے کے لوگوں کی فضیلت کے مدعی ہو اس لیے میں نے مفصل جواب دیا تھا اور تقسیم بیان کی تھی میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ احادیث کے مضمون سے جو فضیلت ثابت ہے وہ مسلم نہیں۔ اور تقرر کی حد آپ کو بیان کرنا چاہیے کہ کب وہ تقرر پایا گیا اسوقت سے کہ مدینہ میں منافق نہ رہے جب آپ حد بیان کر دینگے اسوقت میرا اقرار خواہ انکار آپ کو معلوم ہو جائیگا پہلے ہی سے آپ کیوں فرماتے ہیں کہ تم تقرر اسلام کے بعد مدینۂ منورہ میں منافقوں کا وجود تسلیم کرتے ہو جو احادیث کے خلاف ہے جواب دو مطلق فضیلت کا میں منکر نہیں، میں جس کا پہلے منکر تھا اب بھی منکر ہوں اور جسکا پہلے مقر تھا اب بھی مقر ہوں۔ آپ فضیلت کا تعین کر دیں کہ کس فضیلت کے مدعی ہیں ہو سکتا ہے کہ میں بھی اُسکا منکر نہ نکلوں جب میں اُسکا منکر نکلوں تو آپ لائق تمسک دلیل مجھ سے طلب کریں ج نہایت تعجب خیز امر ہے کہ جب آپ کے سامنے فضائل کی حدیثیں بیان کی گئیں جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی تھیں کہ نفاق اور کفر کا زمانہ مراد نہیں ہے پھر بھی اسکے جواب میں ایسی آیت کا پیش کرنا کھلی ہوئی غلطی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ فضیلت سکان حرمین کا دعوی تقرر اسلام و استیلا کے بعد ہے نہ زمانۂ کفر و نفاق میں اور اب جو آپ اپنے کل والے دعوی سے وجوہ پیدا کر کے انکار کرتے ہیں تو ہم بھی اس انکار کو توبہ قرار دیے لیتے ہیں الانکار من الخطاء توبۃ کیونکہ خطا سے انکار کرنا بھی توبہ ہے۔ اور سکان حرمین شریفین کے فضائل بالفعل بھی جو احادیث سے ثابت ہیں کئی قسم کے ہیں لیکن اس مناظرے میں مدعا اور مقصود یہ ہے کہ جب علماے دیار و امصار کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو

علمائے حرمین کا قول قابل استناد ہے چنانچہ مجموعۂ احادیث مشتملۂ استفتا جو پیش کیا جاتا ہے خود اسپر
شاہد عادل ہے ج آپ نے دعویٰ عام کیا تھا اور دلیل خاص فضیلت زمانۂ تقرر اسلام کی لائے تھے
لہذا میں نے آپ کے عام دعوے کے مقابلے میں تقسیم کی اور عام کے اُنھیں افراد کو توڑا اور میں نے
جو آیت پیش کی تھی وہ آپ کے عام دعویٰ کے مقابلے میں تھی نہ خاص احادیث کے مقابلے میں پس
آپ کا یہ سمجھنا کہ ہماری احادیث کے سامنے آیت پڑھی آپ کی سمجھ کی غلطی ہے اور وہ اس وجہ
ہوئی کہ آپ نے دعویٰ میں ابہام اور تعمیم سے کام لیا تھا خیر جب آپنے اس دعویٰ ہی سے رجوع
کیا تو اب یہ ذکر ہی بیکار ہے کیونکہ آپ کا رجوع بمنزلۂ توبہ کے ہے کیونکہ خفا سے انکار توبہ کرنا
ہوتا ہے لیکن آپ نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم اس وصف خاص میں فضیلت کے مدعی ہیں کہ منصفی کے
لیے علمائے حرمین افضل ہیں اور اس دعویٰ پر آپ نے حدیثیں فتویٰ کی شامل پیش کی ہیں تو میں کہتا
ہوں کہ اس میں اولا یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کس زمانہ کے لوگ اس فضیلت خاص کے مستحق ہیں یعنے
زمانۂ نبوی کے یا قرون ثلاثہ کے اُس زمانے کے یا ہر زمانے کے لوگ جب آپ اسکا تعین کردیں گے
تو دیکھا جائیگا کہ آپ کا فتویٰ مثبت دعویٰ ہے یا نہیں۔ ج ہمارا پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس وقت
دفع اختلاف کے لیے علمائے حرمین کو منصف قرار دینا چاہیئے۔ شرائط مشمولۂ مثل (جو انعقاد
شرائط سے پہلے عدالت میں داخل کیے گئے تھے) کی تیسری شرط اسپر شاہد عادل ہے کیونکہ اُسی کے
نہ ماننے سے ہی یہ بحث شروع ہوئی تھی جو بجنسہ درج ذیل ہے تاکہ حاضرین پر واضح ہوجائے
کہ توبہ کس پر عائد ہوتی ہے شرط سوم گفتگو کے بعد اگر تکرار باقی رہے تو یا آپ علمائے حرمین کو منصف
یا عموماً تمام سکان حرمین کی مذمت کا خواہ وہ علما روا اتقیا رہے یا عامۂ مومنین فتویٰ دیں۔ ج
بیشک آپ نے اپنی شرط میں علمائے حرمین کو منصف قرار دینے کا ذکر کیا تھا مگر دعوے کے
وقت آپ عموماً ساکنان مکہ کی فضیلت کے مدعی ہوئے یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ شرط اور شے ہے
اور مشروط دعویٰ اور شے ہے یہ لازمی بات نہیں ہے کہ شرط میں فضیلت علما کی تصریح ہونے سے مشروط
میں بھی وہی تصریح سمجھی جائے خصوصاً جبکہ الفاظ دعوے میں تعمیم ہو۔ اس سے ہر کہ ومہ پر ثابت ہوگیا
کہ آپ اپنے عام دعوے سے رجوع کرتے ہیں میں اسکا انصاف ناظرین پر چھوڑتا ہوں لیکن آپ نے
میری بات کا اب بھی جواب نہیں دیا کہ احادیث فتویٰ سے جن لوگوں کی فضیلت ثابت ہے آپ کن

لوگوں کو اسکا محل قرار دیتے ہیں ہر زمانہ کے یا قرون ثلثہ کے یا آجکل کے لوگوں کو اور مجھ سے درخواست کی کہ تم منصفی علماے حرمین منظور کرو ورنہ اُنکی مذمت میں فتویٰ لکھو جب آپ تعین کرینگے تو میں اگر اُس تعین کو قابل تسلیم سمجھوں گا تو مان لونگا ورنہ عذر کرونگا میں سائل ہوں ابھی آپ اپنے محل دعویٰ کا انکار یا اثبات مجھ سے کیوں چاہتے ہیں آیندہ جواب بحرف واحد دیجیے کہ آپ کن لوگوں کی منصفی احادیث سے ثابت کرتے ہیں جانبین کی عبارت کو منصف تحقیق کریگا اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے لاطائل کلام ہے جس امر کے آپ مدعی تھے اُسکی دلیل ابتک پیش نہ کرسکے۔ ج میں عرض کرتا ہوں کہ ہر شخص کے کلام لاطائل کی تحقیق ضرور ناظرین کے سپرد ہونا چاہیئے آپ مدعی بناکر مجھ سے دلیل طلب کرتے ہیں میری سمجھ میں ابتک نہیں آیا کہ میری اس تحریر میں وہ کون لفظ ہے جس نے آپ کو میرا مدعی ہونا بتا دیا براہ مہربانی اُسپر نشان دیجیے میں تو ابتک سائل ہوں دلیل آپکو پیش کرنا چاہیے چنانچہ آپ نے ایک فتویٰ بھی مجھے دکھایا تھا جس کو اب آپ چھپاتے ہیں پہلے آپ تعیین دعویٰ کریں اور اُسپر اسی فتوے کی ایک حدیث بطور شاہد پیش کریں پھر مجھ سے دریافت فرمایئے کہ اُسے مانتا ہے یا اسپر منع یا معارضہ پیش کرتا ہے ج بیشک کلام لاطائل کی تحقیق ناظرین کے سپرد کرنا صریحی انصاف ہے اب مجھ ضرورت پڑی کہ آپ کے کلام کے لاطائل ہونے کے وجوہ بھی بیان کروں تاکہ ناظرین آگاہ بھی ہوجائیں وجہ اول آپ کا یہ قول دلیکن جب آپ نے دعوی کیا تھا تو آپ عام ساکنان مکہ معظمہ کی فضیلت کے مدعی تھے) محض بے سند ہے بلکہ اول ملاقات کے وقت جو سردار صاحب کے سامنے ہوئی تھی اور شرائط جانبین الگ الگ سردار صاحب کے حوالے کیے گئے تھے اور ہماری تیسری شرط منجملہ شرائط ستہ کے یہ تھی (شرط سوم گفتگو کے بعد اگر تکرار باقی رہے تو انفصال کے واسطے علماے حرمین منصف مقرر کیے جائیں) اسکو آپ نے نامنظور کیا بلکہ سکان حرمین کی شان میں بے تہذیبی کے کلمات مثل فاسق وغیرہ کے کہے اور میں نے ثبوت فضیلت ساکنان حرمین میں کئی حدیثیں پیش کیں اور کہا کہ ان احادیث کے لحاظ سے ہم علماے حرمین کو منصف قرار دیتے ہیں اُسکے جواب میں چند واقعے بیان کردینے کے سوا آپ کوئی حدیث پیش نکرسکے دوسرے دن تھانہ دار اور سردار صاحب کے سامنے مجمع عام میں وہی شرط شروع ہوئی اُس روز بھی آپ مذمت سکان حرمین کے مدعی ہوے ہیں کھڑے ہوکر

اُسی مجمع میں فضائل کی حدیثیں بیان کیں آپ نے اُس کے جواب میں آیات الاعراب اشد کفرا
ونفاقا الخ اور ومن اهل المدینه مردوا علی النفاق وغیرہ پڑھیں اور استدلال مذمت سکان
حرمین میں چند واقعے بتائے میں نے تھانہ دار اور سردار صاحب کے سامنے متواتر آپ سے بالتجا
کہا کہ ان آیات کو اگر آپ مثبت مذمت اہل حرمین جانتے ہیں تو تحریر فرما دیجیے مگر آپ نے کسیطرح
نمانا۔ وجہ دوم اور آپکا قول (شرط اور شے ہے اور مشروط اور شے ہے) بیشک صحیح ہے لیکن شرط
مذکور مسائل مختلفہ میں بحث کے لیے کی گئی تھی جب جانبین نے اُس شرط کو مبحث قرار دیا تو بعینہ
وہی شرط دعوی ہو گئی پس اس دعوی کا غیر شرط ہونا محالات سے ہے۔ لان سلب الشی عن نفسہ
محال وجہ سوم اور آپ کا قول (کہ دعوے کے الفاظ میں تعمیم ہوئی) افترائے محض ہے اگر آپ کے
نزدیک افترا نہیں ہے تو اُن الفاظ پر کاغذات مثل میں نشان دیجیے۔ وجہ چہارم آپ کا قول
(کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو آہ) تعجب خیز ہے کیونکہ ہماری عبارت
سراسر تعین مدعا پر دلالت کرتی ہے۔ ہاں اگر تعین مدعا کسی جسم کا نام ہو تو اُسے حاضر کردوں۔
وجہ پنجم آپ کئی روز سے مذمت سکان حرمین کا ورد کر رہے تھے مگر جب دلیل طلب کی گئی تو اُسے
اجنبی بات کہنے لگے آپ لکھتے ہیں کہ مجھے دلیل پیش کرنا لازم ہے بیشک بجا اور بالکل درست ہے
میں تو دو روز سے برابر دلیل پیش کر رہا ہوں آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو میں کیا کروں ہاں یہ تو فرمایئے
کہ آپ جو زبانی مذمت اہل حرمین کے مدعی ہیں اور دلیل پیش نہیں کرتے کیا یہ بعید از مناظرہ نہیں ہے
کیونکہ مناظرے میں یہ شرط نہیں ہے کہ زبانی دعوی بر دلیل بیان نکرنا چاہیئے اور کئی جگہ آپ نے اپنے
کو سائل سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ علم مناظرے میں سائل اُسے کہتے ہیں جو دلیل قائم ہونے کے بعد
مدعی کا مقابلہ کرے اقامت دلیل کے بعد دعوے کا تسلیم کرنا سائل کی شان نہیں ہے رشیدیہ میں ہے
السائل من نصب نفسہ لنفی الحکم معلوم ہو کہ آپ کا سائل ہونا کس علم سے مستنبط ہے
مہربانی فرما کر اب مذمت کی دلیل پیش فرمایئے اور فضیلت کی دلیل جو آپ کے سامنے کئی بار پیش
ہو چکی ہے نقل کر کے دونوں دلیلیں منصف کے پاس فیصلہ کے لیے بھیجی جائیں ہر مسلمان کو لازم ہے
کہ صدق کو نہ چھوڑے خصوصًا مناظرہ شرعیہ میں خدا تعالے کا ارشاد ہے کہ یا ایہا الذین امنوا
اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین اور حدیث میں ہے کہ ھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم

یعنی کوئی چیز بجز زبانوں کی کھیتیوں کے لوگوں کو آگ میں اوندھا نہ گرائے گی ج جب کلام لاطائل کا انصاف آپ نے ناظرین کے سپرد کر دیا تو اب اُسکے وجوہ لکھنا بھی لاطائل امر تھا انکا جواب ضروری نہ تھا مگر محض اس خیال سے جواب لکھا جاتا ہے کہ ناظرین ایک طرفہ بات سُنکر دھوکا نہ کھائیں - جواب وجہ اول باوجود اسکے کہ آپ نے فضائل مدینہ پڑھے ہیں اور شرط ثالث میں منصفی علما کو چاہتے تھے مگر آپ کا دعویٰ یہ تھا کہ مکہ معظمہ وہ جگہ ہے جہاں کوئی خبیث رہنے نہیں پاتا وہاں سب اچھے ہی لوگ ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں میں نے تقسیم کی اور کہا کہ حرمین پر کئی زمانے آئے ہیں جیسے نبوت یا ہجرت سے پہلے کا زمانہ جس میں کفر ظاہر تھا پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ کہ اسوقت بھی منافق موجود تھے جس پر آیت مذکور پڑھی تھی پھر وہ زمانہ جو آپ کے بعد ہوا اُس میں بھی بعض اطراف کے لوگ مرتد ہوگئے جنکو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مارا اور بعض نے اجلۂ صحابہ جیسے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو شہید کیا پھر خلفا کے بعد کا زمانہ ہوا جس میں یزید پلید کے لشکر سے مدینۂ منورہ میں بیجا حرکتیں سرزد ہوئیں جیسے زنا قتل وغیرہ اور مکہ میں عبد الملک نے چڑھائی کی ان دلائل سے میں نے آپ کے اُس عام دعویٰ کو توڑا کہ وہاں سب اچھے ہی لوگ ہوتے ہیں میرا صریح کلام یہ ہے کہ وہ ہمارے دین وایمان کا رکن ہے مگر وہاں ہمیشہ سبھی لوگ یکسان نہیں رہے اب فرمائیے آپکی درخواست منصفی سے یہ کہاں لازم آتا یا سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے فضائل ساکنان حرمین بیان کرتے وقت علما اور فضلا کی قید لگادی تھی اور میں نے جو آیتیں اُس وقت منافقوں کی مذمت میں بیان کی تھیں محض اس وجہ سے نہیں لکھیں کہ جب مشروط اور مبحث ہی کا تقرر ابھی تک نہیں ہوا تو ان آیتوں کا ابھی لکھنا قبل از وقت اور بیکار ہے جس وقت آپ اپنے دعویٰ کا ثبوت لکھ چکیں گے اور مجھے آپ کے خلاف دعویٰ ہوگا تو پھر وہی آیتیں لکھونگا جواب وجہ دوم یہ شرط اگرچہ بعد کو ایک دعویٰ ہوگئی ہے مگر پہلے دعوے کے مغائر تھی - جواب وجہ سوم آپ کا افترا کہنا خود ہی افترا ہے کیونکہ زبانی گفتگو میں نشان کیونکر دیا جاسکتا ہے تو تم جو کاغذات مثل میں نشان چاہتے ہو یہ محل تعجب ہے مثل تو وہی ہوئی جس میں آپ مدعی فضیلت ساکنان حرمین کے باب منصفی میں ہوئے - جواب وجہ چہارم آپ کی تمام تحریریں کسی جلسے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کس

زمانے کے ساکنان حرمین کی فضیلت کے قائل ہیں قرون ثلثہ کے یا آجکل کے اگر آپ کی تحریر میں
کہیں ہے تو براہ مہربانی اُس مقام کی ایک سطر تحریر فرمایئے جواب وجہ نجم میں عموماً ساکنان
حرمین شریفین کی مذمت کا مدعی نہیں ہوا تمام حاضرین مجلس ہندو مسلمان جانتے ہیں کہ میں اسکا
قائل ہوں کہ وہاں اچھے بُرے دونوں ہیں اُس مقام کے اچھے ہونے سے البتہ یہ لازم نہیں سمجھتا
کہ وہاں کے سب رہنے والے بھی اچھے ہوں اور میرا یہ کہنا بھی بطور دعوے کے نہ تھا بلکہ
آپ کے دعوے پر نقض وارد کرنے کے لحاظ سے تھا وہ زبانی گفتگو تھی اور جب سے تحریری
گفتگو شروع ہوئی ہے میں کسی امر کا مدعی نہیں ہوا آپ سے تعین دعویٰ اور اسکی دلیل کا سوال
کرتا ہوں اور اسپر آمادہ ہوں کہ جب آپ دعویٰ متعین کرکے اُسپر دلیل پیش کرینگے تو اگر وہ
دلیل قابل تسلیم اور مثبت مدعا ہوگی مان لونگا ورنہ رد کرونگا اس اعتبار سے میں سائل مصطلح
ہوسکتا ہوں فرمایئے جب آپ کے دعوے کے رد کرنے پر آمادہ ہوگیا تو سائل ہوا یا نہیں اسکے
علاوہ آپ نے جو سائل کی تعریف تحریر فرمائی ہے بیشک صحیح ہے مگر یہ تعریف سائل مصطلح فن مناظرہ
کی ہے اور اصطلاح لغت میں ہر بات پوچھنے والے کو سائل کہتے ہیں جیسا کہ میرا سوال اول
اسی اطلاق سے سوال ہوسکتا ہے یہ جو آپ نے کہا ہے کہ دلیل قائم ہونے کے بعد دعوے
کو تسلیم کرلینا سائل کی شان سے نہیں ہے معلوم نہیں میری کس بات کا جواب ہے میرا سائل
رہنا بعد قائم ہونے دلیل اور تسلیم دعویٰ کے میرے کس کلام سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ یہ آپ ہی
کے اعتراض کا جواب ہے اگر آپ کے کلام کے ضمیمہ کو دیکھتا ہوں تو اُس میں بھی مجھے کئی وجہ سے
کلام ہے مگر میں یہاں پر اس نوعی بحث کو چھیڑنا فضول سمجھتا ہوں اسی لیے جب آپ نے
السائل من نصب ۱۸ میں نصب کو سین سے پڑھکر نسبت کرے اُسکا ترجمہ کیا تھا تو میں نے
درگذر کرکے زبانی آپکو اس غلطی پر تنبیہ کردی تھی اور آپ ہی کے قلم سے سین کو صاد بنوا دیا
اگر مجھے لفظی بحث منظور ہوتی تو اُس وقت چپ رہتا اور آپ کی تحریر کے جواب میں تفصیل اور
تطویل کرتا۔ یہ آپ کے وجوہات کے جوابات تھے اب مطلب کی بات کا جواب دیتا ہوں آپ
نے پھر دلیل پیش نہ کی اور مجھ سائل ہی سے دلیل مانگی آپ فرماتے ہیں کہ ہم دو تین دن سے
دلیل پیش کر رہے ہیں یہ آپ کی بڑی دلاوری ہے کہ خلاف واقعہ بیان کر رہے ہیں اسکی

کیا مثال دوں شرم آتی ہے میں دلیل مانگتا ہوں آپ اپنے فتوے اپنے ہاتھ میں رکھکر دوسرے دکھانے ہیں گو تمام لوگ یہانتک کہ سردار صاحب بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ فتویٰ دیں اور اپنے دعوے کا ثبوت پیش کریں مگر آپ فتویٰ میرے ہاتھ میں نہیں دیتے پھر یہ فرمانا آپ کا کیونکر صحیح ہوا کہ ہم دو تین دن سے دلیل پیش کر رہے ہیں اور مجھ سے مذمت کی دلیل کے طالب ہیں میں اس تحریری گفتگو میں مذمت کا مدعی نہیں جو پہلے زبانی کہا تھا وہ دوسری بات تھی جس کی تشریح میں جواب وجہ اول میں اچھی طرح کر چکا ہوں برائے خدا اب ہٹ چھوڑ دیجے اور دلیل پیش کیجیے خواہ میں اُسکو مانوں یا رد کروں۔ اگر اب بھی آپ نے لاطائل باتیں کیں اور دلیل نہ پیش کی تو میں اُنھیں لائق جواب نہ خیال کرونگا اسکا انصاف ناظرین ہی کرینگے اور جو آیت و حدیث آپ نے پڑھی تھیں اگر آپ خود اُن پر عامل ہوتے تو یہ فضول باتیں بعید از مطلب نہ کرتے جو مخالف واقع بھی ہیں اتامرون الناس بالبر و تنسون بھی قرآن شریف کی آیت ہے اور اگر اس مسئلہ میں سوائے قیل و قال آپ کو کچھ نہیں آتا تو کسی اور مسئلہ میں بحث کیجیے جیسے رفع یدین آمین بالجہر وغیرہ اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو میری طرف سے سلام ہے ج گو جواب دینے کی حاجت نہیں مگر بنظر فائدہ عام مختصراً جواب لکھا جاتا ہے وجوہ کا لکھنا واسطے اصل لاطائلیت کے نہیں ہوتا بلکہ واسطے وضاحت لاطائلیت کلام خصم کے لکھی گئیں ہم نے کہیں دعوی نہیں کیا کہ ساکنانِ حرمین قبل اسلام بھی بہتر تھے اگر آپ کے نزدیک میں نے یہ دعوی کیا ہے تو تحریری سند پیش کیجیے یا جسطرح میں نے شرط ثالث پر گواہ پیش کیے ہیں آپ بھی گواہ پیش کریں آپنے جو واقعات قتل حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور یزید پلید کے پیش کیے اُنکا احادیث نبویہ کے مقابلہ میں جیسے ان الدین لیارز الی الحجاز کما تارز الحیۃ الی جحرھا وغیرہ کے جو صحاح اور مشکوٰۃ میں موجود ہیں پیش کرنا شان محمدیہ سے بعید ہے آپ تو فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قرآن حدیث اجماع کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے پھر واقعات کے بیان کرنے سے کیا فائدہ اسکے علاوہ ان واقعات سے سوا اسکے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ ساکنان حرمین شریفین مظلوم تھے یعنے عبد الملک وغیرہ نے حرمین پر چڑھائی کر کے ساکنان حرمین کو بہت ستایا ان شدائد سے بھی عند اللہ اُنکی فضیلت ہی ثابت ہوئی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ہے اشد البلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل اور یہ ظاہر ہو کہ ہم انکی معصومیت
کے مدعی نہیں ہوے جس سے ہم پر کوئی اعتراض وارد ہو سکے اور آپ نے ساکنان حرمین کی مذمت میں
جو حدیث حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے زنا کرنے کی بیان فرمائی تھی جو در حقیقت صحابہ رضی اللہ عنہ
پر طعن تھا جسکے جواب میں مین نے کہا تھا کہ میں انکی معصومیت کا مدعی نہیں ہوں اب آپ فرماتے
ہیں کہ وہاں بعض اچھے بھی ہیں اگر ان سے علما مراد ہیں تو اُن کی منصلی سے انحراف کیوں ہے اگر علما مراد
نہیں ہیں تو قرآن یا حدیث سے سند پیش کیجیے۔ اگر آپ نے اپنی عبارت میں دعوے سے عام تفضیل
مراد لی ہو تو اُسکا ہماری شرط ثالث سے مشروط ہونا محالات سے ہے للزومہ شرطیۃ الشئ
لنفسہ ولغیرہ اور اگر پھر بھی کچھ شبہہ باقی رہے تو ان اللہ علی کل شئ قدیر کو اچھی طرح سمجھے
آپ جو فرماتے ہیں کہ دعوی سے میں نے دعوی تقریر عام آپکا مراد لیا ہے باوجودیکہ یہ افترا ہے لیکن مجھے
کامل سند ملگئی کہ اب آپ دعوی تقریر کے سند ہونے کے مقر ہوے اب آپ کو لازم ہوا کہ اپنے دعوے
مذمت تقریری کی دلیل واسطے ملاحظہ منصف کے پیش کیجیے کیونکہ آدمی اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے
آپ نے ہم سے تعین دعوے کا نشان مانگا ہے ہم بتاتے ہیں کہ ہماری تحریر میں لکھا ہے کہ ہمارا
اول دعوی یہ ہے کہ جھگڑا فیصل کرنے کے لیے علماے حرمین کو منصف قرار دینا چاہیے لفظ سائل
لفظ مدعی کے مقابل میں اطلاق کرنا مدعی کی لغویت کو لغو کرتا ہے اور یہ کہنا کہ شاید میں مان
لون آپ کے سائل ہونے کو باعتبار مایؤل الیہ کے کرتا ہے ورنہ ہر محارب کو قتیل کہنا اگرچہ وہ
مقتول نہو درست ہوتا وھو کما تری اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے سین کو صاد بنوایا کیا
آپ حلفاً کہدینگے کہ جب آپ نے میری تحریر سے نقل کی تھی تو اُس میں سین تھا یا صاد اس میں تو
بہت صاف صاد ہی تھا اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں فتوی نہیں دیتے یہ مناظرے
کی کس کتاب میں ہو کہ جو شخص زبانی اپنے دلائل بیان کر چکا ہو اُسے یہ بھی ضروری ہے کہ تحریر بھی
خصم کو دے جب آپ نے بمقابلہ احادیث فضیلت کے جو مین نے مجمع عام میں پڑھی تھیں معارض
بنکر اپنے خیال کے موافق دلائل پیش کیے پس تحریر دلائل واسطے ملاحظہ منصف کے ضرور درکار ہے
اور ہم کئی دن سے کہ رہے ہیں کہ آپ مذمت کا فتوی مدلل کر کے پیش کریں تاکہ دونوں شامل ہو کر
منصف کے پاس روانہ کیے جائیں۔ اگر آپ فتوی مذکور نہ دینگے تو ہم اپنا فتوی شامل مثل کر کے

منصف کے پاس بھیجدینگے والسلام۔ مدعی فضیلت ساکنان حرمین شریفین مولوی عبدالعزیز صاحب سائل مقابل۔ مولوی محمد حسین صاحب لاہوری۔ آپ جو بار بار یہ کہتے ہیں کہ فضیلت حرمین کی گفتگو فضول ہے یہ بالکل بے سند بات ہے کیونکہ مذاہب کے پیرو ساکنان حرمین شریفین کی سند پکڑتے ہیں اور آپ کے فرقہ کے لوگ انکی مذمت کر کے لوگوں کی طبیعت کو اشتعال دیتے ہیں اگر آپ مذمت حرمین شریفین کا فتوی منصف کے ملاحظہ کے لیے نہیں لکھتے تو ہم اپنا فتوی شامل مثل کر کے روانہ کیے دیتے ہیں جھگڑے کا خلاصہ یہ ہے کہ مدعی نے فضیلت ساکنان حرمین کا دعوی کیا سائل نے جوابًا کہا کہ وہاں کے لوگ منافق اور کافر تھے چنانچہ آیت قرآنی ومن اهل المدينة مردوا على النفاق اور آیت الاعراب اشد کفرا ونفاقًا میرے قول پر شاہد ہے مباحثہ کے دن سائل نے پوچھا کہ آپ کلی فضیلت کے مدعی ہیں یا کسی وصف خاص میں مدعی نے پوچھا کہ فضیلت کلی اور وصف سے آپکی کیا مراد ہے اور آپ اس مسئلہ میں کس دلیل سے تمسک کرینگے سائل نے صراحت کی کہ فضیلت کلی اس فضیلت کو کہتے ہیں جو ہر وصف میں ہو جیسے علم فہم تقوی فضل سکونت وغیرہ اور وصف خاص سے مراد ان اوصاف میں سے کوئی ایک صفت ہے پھر کہا کہ میرا تمسک کرنا آپ کو ابھی کہاں معلوم ہوا کیونکہ میں تو سائل ہوں آپ مدعی ہیں جس دلیل سے آپ تمسک کرینگے میں اسکا جواب دونگا مدعی نے کہا جبتک ادلہ شرعیہ میں سے آپ کسی دلیل کو منظور نہ کریں گے میں جواب نہ دونگا اس لیے آپ کو چاہیے کہ اپنا تمسک بیان کریں تاکہ اسکا جواب دیا جائے اور آپنے مذمت عرب اور مذمت اہل مدینہ میں کل جو آیت پڑھی تھی اسکو اب بھی آپ سند مانتے ہیں یا اس سے رجوع فرماتے ہیں سائل نے کہا میرے سامنے دلیل پیش کرنے کی اس وقت ضرورت ہوگی جب میں آپ کے دعوائے فضیلت سے انکار کروں گا اور چونکہ ابھی تک محل نزاع مقرر نہیں ہوا ہے اور میرا انکار یا تسلیم مانا نہیں گیا ہے اس لئے ابھی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں ہے ممکن ہے کہ میں آپ کے دعوی کو مان لوں جب میں آپکے دعوے کا منکر ہو جاؤں اس وقت آپ دریافت کریں کہ تم کونسی دلیل مانگتے ہو اور کل میں نے جو آیت دلیل میں پیش کی تھی وہ ان لوگوں کی مذمت میں تھی جو حضور سرور کائنات علیہ السلام کے زمانے میں منافق تھے اسی لئے میں نے تقسیم بھی کر دی

تھی کہ مکہ اور مدینہ کے لوگ کئی قسم کے ہیں ایک وہ جو حضور خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا کے پہلے
کافر تھے دوسرے وہ جو آپ کے زمانہ میں کافر تھے اونہیں سے یہ کہدیا تھا کہ حضور سرور عالم صلے
اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی مدینہ منورہ میں منافق موجود تھے جس پر وہ آیت پیش کی تھی مدعی نے
کہا کہ آپ نے مناظرہ میں ہمارے سامنے جو آیت بیان کی تھی اگر اُس سے آپ کی وہی مراد تھی جو
اس وقت آپ کہ رہے ہیں تو آپ سے خطا ہوئی کیونکہ ہم نے فضائل میں جو حدیثیں بیان کی
تھیں ان کا مضمون یہ تھا کہ نصرت اسلام کے قبل فضیلت کا ثبوت ہو لیس یہ اہل علم سے بعید ہے اور
اگر اس سے آپ کی مراد بعد تقرر اسلام کے بھی ہو تو اس سے احادیث کی تکذیب لازم آتی ہے اور
چونکہ دو تین دن سے آپ برابر فضیلت کا انکار کر رہے ہیں اس لیے آپ سے تمسک دریافت
کیا جاتا ہے سائل نے کہا چونکہ آپ نے دعویٰ معین نہیں کیا تھا کہ کس زمانے کے لوگوں کی فضیلت
کے آپ مدعی ہیں اسلئے میں نے تقسیم اور تفصیل کی اور میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ حدیث سے جو بات
ثابت ہے وہ مسلم نہیں اور تقرر اسلام کی حد بیان کرنا آپ پر لازم ہے کہ وہ زمانہ کس وقت سے
پایا گیا جب آپ حد بیان کرینگے اُس وقت میرا اقرار یا انکار آپ کو معلوم ہو جائیگا پہلے سے
آپ کیوں کہتے ہیں کہ تم تقرر اسلام کے بعد مدینہ میں منافقوں کا وجود تجویز کرتے ہو میں مطلق
فضیلت کا منکر نہیں آپ وصف معین بیان کریں کہ کس فضیلت کے مدعی ہیں ممکن ہے کہ میں
اُسکا منکر نہوں اگر مجھکو اُسکا منکر پاوین تو آپ قابل تمسک دلیل مجھ سے طلب کریں مدعی نے
کہا کیا یہ عجب العجاب ہے کہ آپکے سامنے فضائل کی حدیثیں بیان ہوئیں اور اُن کا مضمون
صریحًا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے کفر اور نفاق کا زمانہ مراد نہیں ہے پھر بھی آپ نے
احادیث کے مقابلے میں وہ آیت جو تقرر اسلام کے قبل والوں کی مذمت میں تھی پیش
کی یہ آپ کی صریح غلطی ہے اور یہ ظاہر امر ہے کہ میں نے جو فضیلت ساکنان حرمین کا دعویٰ
کیا ہے اُس سے وہ کل ساکنانِ حرمین مراد ہیں جو استیلا اور تقرر اسلام کے بعد ہیں وہ لوگ
مراد نہیں ہیں جو اس زمانہ سے قبل کفر و نفاق کے زمانہ میں تھے خیر اب چونکہ آپ اپنے ادعاء
مذکور سے انکار کرتے ہیں لہذا ہم آپ کے اُس انکار کو بجائے توبہ مانے لیتے ہیں اور بالفعل بھی ساکنان
حرمین کے جو فضائل احادیث سے ثابت ہیں وہ کئی قسم کے ہیں لیکن مقصود فقط اس قدر ہے

کہ جب ہمارے دیار و امصار کے علما میں اختلاف واقع ہو تو اُس وقت افضل اور بہتر یہ ہے
کہ فیصلہ کرنے کے لئے علمائے حرمین شریفین منصف قرار دیے جائیں چنانچہ احادیث متضمنہ
استفتا کا جو مجموعہ پیش کیا جاتا ہے اس امر پہ دال ہے سائل نے کہا چونکہ آپ نے عام
دعویٰ کیا تھا اور دلیل میں تقرر اسلام کے بعد والے خاص زمانے کی فضیلت پیش کرتے ہیں
تو میں کہتا ہوں کہ اُس وقت چونکہ آپ کا دعویٰ عام تھا اس لئے میں نے بھی عام سند
پیش کی تھی اب چونکہ آپ عام دعوے کو چھوڑتے ہیں اسلئے میں آپ کے اس چھوڑنے کو
بجائے توبہ کے قرار دیے لیتا ہوں اور اب جو آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم اس وصف خاص
میں مدعی ہیں کہ مقدمات دین میں علمائے حرمین منصفی کے لئے افضل ہیں اور اس دعوے پر
آپ نے احادیث متضمنہ فتویٰ پیش کی ہیں تو یہ بات بھی تنقیح طلب ہے کہ اس افضلیت کے
محل کس زمانہ کے لوگ ہیں قرون ثلثہ کے یا آجکل کے آپ پہلے اسکو متعین کر دیں تو آپ کا
فتوے دیکھا جائے گا مدعی نے کہا میرا ابتدا سے یہ دعویٰ ہے کہ اس زمانہ میں اختلاف کے
وقت علمائے حرمین شریفین کو منصف مقرر کرنا افضل ہے اس پر ہماری تیسری شرط منجملہ شرائط
مشمولہ مثل جو قبل انعقاد شرائط سرکار میں داخل کی گئی تھیں شاہد عادل ہے کیونکہ اس شرط کے
نرمانے کی وجہ سے یہ بحث شروع ہوئی تھی وہ شرط یہ تھی (شرط سوم بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی
رہے تو واسطے انفصال کے علمائے مکہ اور مدینہ کو منصف قرار دیا جائے) اب آپ کو چاہئے
کہ یا اُنکی منصفی کو منظور کیجیے یا سکان حرمین علما اتقیا مومنین سبکی مذمت کا فتوے لکھیے سائل
نے کہا بیشک آپ نے شرط میں منصفی کا ذکر کیا تھا مگر جب آپ نے عام دعویٰ کیا تو عام ساکنان
حرمین کی فضیلت کے مدعی ہوے اور یہ بہت ظاہر بات ہے کہ شرط اور شے ہے اور مشروط
جس دعوے کے لئے شرط مقرر کی گئی تھی اور شے ہے یہ ضروری نہیں کہ شرط میں فضیلت علما کی
تصریح ہونے سے مشروط میں بھی وہی تصریح سمجھ لی جائے اس سے سبکو معلوم ہو گا کہ آپ اُس
عام دعوے سے رجوع کرتے ہیں [illegible] اس بات کو ناظرین کے انصاف کے حوالہ کر کے مطلب
کی بات کا جواب دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو
اس فضیلت کا جو احادیث فتویٰ سے ثابت ہے محل قرار دیتے ہیں ہر زمانے کے لوگوں کو یا قرون

ثلاثہ کے یا آجکل کے لوگوں کو جب آپ اُسکو متعین کر دینگے تو میں غور کرونگا اگر واقعی وہ لوگ احادیث فتوی کے مصداق ہونگے تو مان لونگا ورنہ عذر کرونگا آپ ابھی مجھ سائل سے اپنے مجمل دعوے کی تسلیم یا رد کیوں چاہتے ہیں مدعی نے کہا جانبین کی عبارتوں کو منصف خود سمجھ لیگا اور یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے لاطائل کلام ہے جس امر کے آپ مدعی تھے اُسکی دلیل پیش کیجیے ورنہ آپکو اختیار ہے سائل نے کہا میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ ہر شخص کے کلام کا لاطائل ہونا ناظرین کے حوالہ کرنا چاہیئے اور آپ جو مجھے مدعی بناتے ہیں اور طالب دلیل ہیں مجھے بہت تعجب ہے میری تحریر میں کون لفظ ہے جس سے کسی امر میں میرا مدعی ہونا ثابت ہوتا ہے میں تو ابتک سائل ہوں البتہ آپ مدعی ہیں لہذا آپکو دلیل پیش کرنا چاہیئے آپ نے جو فتوی مجھے پہلے دکھایا تھا اب اُسے کیوں چھپاتے ہیں پہلے آپ دعوے کو متعین کرکے اُسپر احادیث فتوی میں سے کوئی حدیث شاہد ٹھہرایئے پھر مجھ سے دریافت کیجیے کہ تو اسے مانتا ہے یا نہیں اسکے بعد مدعی نے سائل کے کلام کے لاطائل ہونے کے وجوہ بیان کرنا شروع کیے بچند وجوہ اولاً سائل کا قول لیکن جب آپ نے دعوی کیا تھا تو عام تھا محض بے سند ہے کیونکہ جب پہلی ملاقات سردار صاحب کے سامنے ہوئی تھی اور الگ الگ جانبین کے شرائط سردار صاحب کے حوالہ کیے گئے تھے اور ہماری تیسری شرط منجملہ شرائط ستہ کے یہ تھی شرط سوم بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہے تو اسکے انفصال کے لئے علمائے مکہ اور مدینہ منصف مقرر کیے جائیں اس شرط کو آپ نے منظور نہیں کیا بلکہ سکان حرمین کو فاسق وغیرہ الفاظ سے یاد فرمایا میں نے جواب میں فضیلت کی کئی حدیثیں پیش کیں آپ نے اُسکے جواب میں بجز چند واقعات بیان کرنے کے کوئی حدیث پیش نہیں کی دوسرے روز عام مجمع میں سردار صاحب کے سامنے پھر اُسی شرط کی تکرار شروع کی اس دن بھی آپ اُنکی مذمت کے مدعی رہے میں نے مجمع عام میں کھڑے ہوکر فضیلت کی حدیثیں بیان کیں آپنے آیۂ الاعراب اشد کفرا ونفاقا اور آیۂ ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق کی تلاوت کی اور چند توہین آمیز واقعات بیان کیے (۲) آپ کا یہ قول (شرط اور شے ہے اور مشروط اور شے) حق ہے لیکن شرط مذکور مسائل مختلفہ میں بحث کے لیے کی گئی تھی جب جانبین نے اُسکو بحث قرار دیا تو بعینہ وہی دعوی کی شرط ہو گئی (۳) آپ کا دعوی (کہ الفاظ میں تعمیم تھی) محض افترا ہے اور اگر آپ کے نزدیک افترا نہیں ہے

توسل کے اُن الفاظ پر نشان دیکر بتایئے (۴) آپ کا یہ فرمانا کہ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا
تعجب خیز ہے کہ میری جو عبارت تعین مدعا پر صراحۃً دلالت کرتی ہے آپ اسی کے جواب میں
یہ فرماتے ہیں کہ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا (۵) آپ کئی روز سے ساکنان حرمین کی مذمت
کا تو ذکر کر رہے ہیں مگر جب آپ سے دلیل مانگی جاتی ہے تو اسکو اجنبی بات کہدیتے ہیں اور
اب کئی جگہ آپ اپنے کو سائل سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ علم مناظرہ میں سائل اُسے کہتے ہیں جو دلیل
قائم ہونے کے بعد مدعی کا مقابلہ کرے دلیل قائم ہونے کے بعد اُسے مان لینا سائل کا کام
نہیں ہے قال فی الرشیدیۃ السائل من نصب نفسہ لنفی الحکم رشیدیہ میں ہے کہ
سائل وہ ہے جس نے اپنے آپ حکم نفی کے لئے متقرر کیا ہوا ب آپ کو مذمت کی دلیل پیش
کرنا ضروری ہے۔ سائل نے کہا وجہ اوّل کا جواب یہ ہے کہ گو شرط ثالث میں علما کی منصفی چاہئے
تھی مگر دعویٰ آپ کا یہی تھا کہ مکۂ معظمہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی خبیث رہنے نہیں پاتا وہاں کے
سبھی لوگ اچھے ہوتے جس کے مقابلہ میں میں نے تقسیم کی تھی اور کہا تھا کہ مکہ اور مدینہ پر کئی
زمانے گذرے ایک قبل نبوت کا زمانہ کہ اُس میں کفر ظاہر تھا پھر خود حضور سرور انبیا علیہ
التحیۃ والثنا کا زمانہ کہ اُس وقت میں بعض منافق موجود تھے جس پر میں نے آیت (ومن اھل المدینۃ
مردوا علی النفاق) پڑھی تھی پھر جو زمانہ حضرت کے بعد ہوا اس میں بھی بعض اطراف کے لوگ
مرتد ہوگئے تھے پھر خلفا کے بعد کا زمانہ جس میں یزید پلید کے لشکر سے بیجا حرکتیں سرزد ہوئیں
اور مکہ پر عبدالملک نے چڑھائی کی ان دلائل سے میں نے آپکے عام دعوے کو توڑا تھا۔ اور وجہ
دوم کا یہ جواب ہے کہ گو بعد کو شرطاً ایک دعویٰ ہوگئی تھی مگر دعوے اول کے مغائر تھی اور وجہ
سوم کا یہ جواب ہے کہ اپکا افترا کہنا محض افترا ہے کیونکہ جس میں عام دعویٰ تھا وہ زبانی گفتگو تھی مسل
کب تھی جس پر نشان دیا جائے مسل تو بعد کو ہوئی ہے جس میں سکان حرمین کی فضیلت کی منصفی کے
باب میں مدعی ہوئے اور وجہ چہارم کا جواب یہ ہے کہ آپ کی تمام تحریر میں کسی لفظ سے اسکا پتہ نہیں
چلتا کہ آپ ہر زمانہ کے ساکنان حرمین کی منصفی کو بہتر جانتے ہیں یا قرون ثلثہ یا آجکل کے لوگوں کو
منصفی میں بہتر جانتے ہیں اور وجہ پنجم کا جواب یہ ہے کہ میں عام ساکنان حرمین کی مذمت کا منکر
نہیں ہوا تمام حاضرین اسکو جانتے ہیں بیٹک میں نے یہ ضرور کہا کہ وہاں اچھے بُرے سب ہوتے ہیں

اور یہ اب بھی کہتا ہوں کہ اُس جگہ کے اچھے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں کے سب رہنے والے
بھی اچھے ہوں اور میرا یہ کہنا بھی دعویٰ کے طرز پر نہ تھا بلکہ بطور نقض دعوے کے تھا اور جب سے
تحریری گفتگو شروع ہوئی میں کسی امر کا مدعی نہیں ہوا آپ سے تعیین دعویٰ اور دلیل کا سوال کرتا ہوں
لغت میں ہر پوچھنے والے کو سائل کہتے ہیں لہذا بلحاظ لغت مجھ پر سائل کا اطلاق ہو سکتا ہے اور یہ
جو آپ فرماتے ہیں کہ میں دو تین روز سے دلیل پیش کرتا ہوں بڑی دلاوری کی بات ہے کہ خلاف واقع
اظہار کرتے ہیں جب میں دلیل مانگتا ہوں تو آپ اپنے فتویٰ کہ اپنے ہاتھ میں رکھے دور سے دکھلاتے
ہیں جب میں کہتا ہوں کہ فتویٰ مجھے دیجیے تاکہ میں اُسے مان لوں یا رد کر دوں تو آپ فتویٰ نہیں دیتے
پھر مدعی نے کہا کہ میں نے تحریراً یا تقریراً یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تقرر اسلام سے پہلے بھی ساکنان
حرمین بہتر تھے اور قتل حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ یا لشکر یزید کے ناشائستہ
حرکات کا مقابل احادیث نبویہ کے بیان کرنا شان محمدیہ سے بعید ہے جب آپ کہتے ہیں کہ ہمارے
نزدیک قرآن حدیث اجماع صحابہ کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے تو واقعات بیان کرنے سے
کیا حاصل اسکے علاوہ ان واقعات سے اہل حرمین کی مظلومیت کے سوا اور کوئی بات ثابت
نہیں ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ ہم اُنکی عصمت کے مدعی نہیں ہوئے اگر ہم اُنکی عصمت کے مدعی ہوتے
تو ہم پر کوئی اعتراض لازم آسکتا اور اب جو آپ یہ فرماتے ہیں کہ وہاں کے بعض لوگ اچھے ہیں تو
اُنکی منصفی سے کیوں انحراف کیا اور ابتدا سے ہمارا دعویٰ یہی ہے کہ اُس وقت جب اختلاف
کے وقت تکرار باقی رہجائے تو فیصلہ کرنیکے لئے علماے حرمین کو منصف مقرر کرنا چاہیئے
اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاتھ میں فتوے نہیں دیتے تو یہ بھی بتا دیجیے کہ مناظرہ کی کس
کتاب میں ہے کہ جو شخص اپنے دلائل زبانی بیان کرے اسے یہ بھی ضرور ہے کہ اُن دلائل
کو لکھکے بھی خصم کو حوالہ کرے **تقریر فیصلہ** چونکہ متخاصمین اس سراپا التقصیر کے انصاف اور
محاکمہ پر راضی ہوے ہیں اس لئے الیقین ہے کہ میں جو امر انصافاً بلا لحاظ احد الجانبین تحریر
کردوں گا اُسکو دونوں پسند فرمائیں گے اور نظر غائر اور فکر وافر کے بعد میری تحریر کو محض
انصاف اور اظہار حق تصور فرمائیں گے بنا برعلیہ امتثالاً للامر میں انصاف کی طرف متوجہ
ہوتا ہوں اور امر مکنون کو ظاہر کرتا ہوں مخفی نرہے کہ متخاصمین کی تقریرات زائدہ سے جو آداب

مناظرہ سے بمراحل دور ہیں قطع نظر کرکے تقریرات طرفین کے معائنہ سے جو امور واضح ہوئے
انکو درج صحیفۂ ہٰذا کرتا ہوں (۱) پہلے مدعی کو لازم تھا کہ دعوے کی تنقیح کماحقہ کرتا اور دعویٰ
فضیلت سکان حرمین کا علی سبیل التعین عموماً یا خصوصاً کرتا اور سکان کی تقیید علما کے
ساتھ اور فضیلت کا تعین جو غرض باب الصفات میں ہے اور زمانۂ فضیلت کا تعین کرتا تاکہ سائل
کو تطویل بحث کا موقع نہ ملتا اور بوجہ صرف ہوجانے زمانہ تقریر کے امور غیر مقصود میں امر مقصود فوت
نہوتا (۲) گو مدعی نے زبانی عام دعوی کیا مگر قرائن حالیہ ومقالیہ تقریرات سابقہ وشرائط سابقہ
کے لحاظ سے یہ امر بدیہی ہے کہ غرض اسکی اثبات فضیلت علمائے حرمین تھی اسلام مسلم دلیل قاطع
اس امر پر کہ وہ کفار اور منافقین اہل حرمین کو فضل نہیں کہ سکتا اور عاقل کی عقل اس امر کی
مقتضی ہے کہ یہ دعویٰ مجنون زندیق یا ملحد کے سوا کسی سے نہیں ہوسکتا پس گو مدعی کا دعویٰ
عام ہو جو جملہ ساکنان حرمین کو شامل ہو مگر قرائن واضحہ عقلیہ اس امر پر دال ہیں کہ وہ تقریر اسلام
کے بعد ساکنان حرمین کے ساتھ خاص ہے بلکہ ساکنین مسلمین کے ساتھ بلکہ علمائے مسلمین حرمین
کے ساتھ خاص ہے علی الخصوص مابین متخاصمین کے اس تقریر کے قبل مذاکرہ مشروط ہوچکا تھا
اور شرط ثالث میں یہ مضمون مندرج تھا کہ گفتگو کے بعد اگر تکرار باقی رہجائے تو انفصال کے لئے
علمائے مکہ و مدینہ منصف مقرر کیے جائیں۔ گو وہ شرط محل بحث واقع ہوگئی اور مباحثہ کے وقت
مدعی نے مطلقاً دعویٰ کیا لیکن قرینۂ سابقہ سے ظاہر ہے کہ اس دعویٰ سے اسکی غرض اسی شرط
کا اجرا تھا لہذا اسکا دعویٰ خاص ہوا اگر اس نے دعوے کے وقت آداب مناظرہ کے خلاف
اجمال کیا پس ایسی حالت میں سائل کو لازم نہ تھا کہ نقض دعوے عامہ کی غرض سے الاعراب
اشد کفرا ونفاقاً ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق کی تلاوت کرتا یا فتنہ کے
قصص بیان کرتا کیونکہ سائل کو مدعی سے تعین دعویٰ وتعریفات مفردات دعویٰ وغیرہ اسوقت
کرنا چاہیے جب اسکا علم نہوا اور اگر باوجود علم کے طلب کریگا تو یہ مکابرہ یا مجادلہ ہوگا جیسا کہ ابحاث
باقیہ وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے اور مانحن فیہ میں اس امر کا علم کہ دعوی علمائے حرمین کے ساتھ
خاص ہے بدلالت حال ومقال ہر کس وناکس کو حاصل ہے پس مقابلہ سائل کا ایسی صورت میں مناظرہ
سے خارج ہے (۳) ہرگز سائل کو بمقتضائے مناظرہ لائق نہ تھا کہ آیات مذمت کفار ومنافقین حرمین

کی تلاوت کرتا مگر اسکے بعد کہ اُس سے یہ امر خلاف مناظرہ ہوا مدعی کو سکان حرمین کی مذمت کی دلیل
سائل سے طلب کرنا اور سائل کو مدعی ٹھہرانا بھی خلاف آداب مناظرہ ہے کیونکہ ہر عاقل
جانتا ہے کہ اس تلاوت سے سائل کی غرض محض نقض عموم و اطلاق دعوی مدعی تھا نہ ادعائے
مذمت سکان حرمین شریفین یا منقصت علماے حرمین (۴) یہ کہ سائل نے جو بمقابلۂ اطلاق
دعوے کے وقائع یزید اور عبد الملک ابن مروان کے بیان کیے وہ خارج از بحث ہیں کیونکہ ان واقعات
میں اہل حرمین کی کوئی شرارت اور خباثت نہیں تھی بلکہ اُنپر مفسدین غالب آگئے تھے (۵)
تعیین دعوی جو مدعی نے چند تقریروں کے بعد کیا یعنے یہ کہ دعوی فضیلت علماے حرمین کا باب
انصاف میں ہے اگرچہ یہ امر اسکی شرط ثالث سے معلوم ہوتا تھا مگر بحث کے وقت پہلے سے اسکی
توضیح ضروری تھی تاکہ سائل کو سوال کا موقع باقی نہ رہتا اور دعوے کے وقت اس غرض سے
اسکا اجمال کیا کہ جب خصم اس دعوی کا انکار کریگا تو حضار مجلس سے کہدیا جائیگا کہ دیکھیے یہ حرمین
کے لوگوں کی فضیلت کے جو نصوص صریحہ سے ثابت ہے منکر ہیں اور احادیث کے خلاف
اعتقاد رکھتے ہیں آداب مناظرہ کے خلاف ہے (۶) باوجودیکہ سائل نے بارہا دریافت کیا مگر مدعی
نے صاف بیان نہیں کیا کہ دعوی فضیلت علماے حرمین کا من حیث الانصاف آجکل کے
علما کے باب میں ہے یا قرون ثلثہ کے باب میں ہے یا ہر زمانے کے باب میں ہے یہ امر خلاف
آداب مناظرہ ہے. جب امور ضروری کا سائل سوال کرے تو مدعی کو صاف جواب دینا لازم ہے
اور لیت و لعل کرنا مجادلہ اور مکابرہ سے خالی نہیں ہے مدعی نے اسکا حوالہ اپنی تقریرات سابقہ
کیا حالانکہ مدعی کی کسی تقریر سے اسکا حال معلوم نہین ہوتا ہے البتہ شرط ثالث کے عنوان سے
اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانے کے علما کی افضلیت انصافیہ کا قائل ہے مگر یہ نہیں معلوم
ہوتا کہ یہ امر اسی زمانے کے ساتھ خاص ہے یا ہر زمانہ میں ابتداے تقرر اسلام سے پایا گیا
یا قرون ثلثہ میں ہو کے یہ وصف معدوم ہوگیا پھر اس زمانے میں معدوم کا اعادہ ہوا جب
تک مدعی صاف صاف دعوے کا تعیین نہ کرے دعوی کیونکر متقرر ہوگا اور سائل دلیل میں
کیونکر نظر کرسکیگا (۷) اس امر میں بحث کرنا کہ سائل سائل نہیں خارج از مناظرہ ہے اگرچہ اصطلاحاً
سائل نہو تو لغۃً اسکے سائل ہونے میں کچھ شبہہ نہیں (۸) سائل کا یہ کہنا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ

منورہ میں اچھے لوگ بھی ہوتے اور برے بھی ہوتے ہیں صحیح ہے لیکن منصفی میں افضل ہونا اس کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہے سائل کے اس کہنے سے یہ لازم نہیں کہ افضلیت من حیث الانصاف کا بھی قائل ہو (۹) فضیلت عرب بحیثیت عرب ہونے کے اور فضیلت اہل حرمین شریفین کی عموماً اور علمائے حرمین کی خصوصاً بحسب تضاعف ثواب عبادات وکثرت قبولیت حسنات و مغفرت سیئات وبحسب فضیلت موطن ومسکن متفق علیہ ہے اور اس کا ثبوت بہت سی احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ سے ہوتا ہے کسی مسلم کی شان سے نہیں ہے کہ ان فضائل کا انکار کرے اور کثرت ثواب طاعات ومغفرت خطیئات وقبولیت عبادات وفیضان رحم الٰہی وقرب جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وافضلیت مسکن وموطن میں کسی کو اہل حرمین پر فضیلت دے باقی امر انصاف اور تحقیق مسائل خلافیہ اور تنقید وتدقیق دلائل متخالفہ جودت طبع وفرط ذکاوت ووسعت نظر وحسن فکر ووسعت علم وکمال فن وترک تعصب مذہبی وقطع تعلق ہوائے قلبی پر موقوف ہے لہذا جبتک ثابت نہ ہو کہ علمائے حرمین ہر زمانے کے یا کسی زمانۂ خاص کے ان سب صفات کے ساتھ متصف تھے ثبوت افضلیت بحسب الانصاف مشکل ہے اور ماہران کتب تواریخ حرمین شریفین مثل العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین وتاریخ المدینہ وغیرہ وناظران تراجم علمائے متقدمین و متاخرین پر مخفی نہ رہے گا کہ اجتماع ان تمام صفات کا ہمیشہ تمام علمائے حرمین شریفین میں نہیں پایا گیا بلکہ بعد قرون صحابہ رضی اللہ عنہم کے جس قدر شیوع علم وقوت فہم بلاد شام ومصر وغیرہ میں پایا گیا حرمین شریفین میں اس قدر نہیں پایا گیا (۱۰) مدعی نے جو احادیث اثبات دعوے کے واسطے ذکر کی ہیں اُن سے ثبوت دعوے میں تامل ہے حدیث اوّل صلوۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوۃ فی ما سواہ الا المسجد الحرام میری اس مسجد میں جو نماز پڑھی جائے وہ اُن ایک ہزار نمازوں سے اچھی ہے جو مسجد حرام کے سوا اور دوسری جگہوں میں پڑھی جائیں بنسبت فضیلت مسجد نبوی ومسجد حرام ہے اس سے ساکنان حرمین شریفین کی فضیلت بحسب تضاعف ثواب عبادات وبحسب شرافت سکونت ثابت ہے اور اس میں کسی مسلمان کو نزاع نہیں اور اس فضیلت سے فضیلت من حیث الانصاف لازم نہیں آتی بلکہ من حیث العلم بھی ضروری نہیں ہے اور حدیث دوم ان اللہ حبس عن مکۃ الفیل

خدا نے ہاتھی کو کہ پر حملہ کرنے سے باز رکھا سے شرافت فی نفسہ مکہ معظمہ کی ثابت ہے نہ فضیلت علمیہ وہاں کے رہنے والوں کی اور حدیث سوم (واللہ انک لخیر ارض اللہ الی اللہ خدا کی قسم تو خدا کے نزدیک اسکی زمینوں میں سب سے بہتر ہے) سے بھی زمین مکہ کی ذاتی فضیلت اور تفضیل ساکنان حرم بجہت شرافت مسکن ثابت ہے نہ فضیلت علمیہ اور چوتھی حدیث (ان الدین لیارز الی الحجاز دین حجاز میں منحصر ہو جائیگا) بحسب تصریح شراح حدیث اس زمانے سے خبر ہے جس میں تمام اقالیم میں کفار کا استیلاء ہو جائیگا اور قوت دین تمام بلاد سے منتفی ہو جائیگی اس وقت دین حجاز کی طرف مائل ہوگا اور وہاں سے زائل نہوگا اور بعض محدثین کہتے ہیں اس سے اس جانب اشارہ ہے کہ دین حرمین قوی رہیگا اور جس طرح سے مداہنت امور دینیہ و استحداث بدعات شرعیہ اور بلاد میں ہوگا اسقدر حرمین میں نہوگا ہر تقدیر پر اس حدیث سے تفضیل علما من حیث الانصاف نہ ثابت ہوگی کیونکہ بقائے دین اور قلت مداہنت دین شئے دیگر ہے اور فضیلت انصاف شئے دیگر پانچویں حدیث (لا یرید اہل المدینۃ بسوء الا اذابہ اللہ فی النار جو کوئی اہل مدینہ کو ایذا پہونچانا چاہے خدا اسے آگ میں پگھلائیگا) اسمیں وعید ہے جو اہل مدینہ کو ایذا پہونچائے جیسے عسکر یزید اور عبد الملک بن مروان سے یہ امور سرزد ہوے فضیلت علما سے اس حدیث کو کچھ بحث نہیں اور مجرد اہل حرمین کو من حیث العلم والانصاف افضل نہ سمجھنا کسی طرح داخل ایذا نہیں ہے ہاں جو شخص اہل مدینہ سے عداوت رکھے اور انکو ایذا پہونچائے اور اہل حرمین کی تحقیر کیا کرے اور اُن کی مذمت بیان کرنے میں مستعد رہے وہ البتہ اس وعید میں داخل ہے اور حدیث ششم (لا یدعہا احد رغبۃ عنہا کوئی مدینہ کو اس لئے نہ چھوڑے کہ اُسے ناپسند کرے) میں مدینہ سے نکل جانے کا اور مدینہ میں رہنے پر شفاعت ہونے کا ذکر ہے بحث سے کچھ علاقہ نہیں اور حدیث ہفتم (ان ابراہیم الخ) میں ذکر برکت مکہ و مدینہ کا تول اور ناپ وغیرہ میں ہے فضیلت علمیہ سے اسے کوئی تعلق نہیں اور حدیث ہشتم (من استطاع ان یموت بالمدینۃ فلیفعل جو مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ وہیں مرے) سے مدینہ میں رہکر مرنے کی فضیلت ثابت ہے اور نہ فضیلت علمیہ پر موقوف نہیں اور حدیث نہم (انما المدینۃ کالکیر یعنی مدینہ مثل بھٹی کے ہے) سے شرافت مدینہ کی اس طرح پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں تقرر اسلام کے بعد کوئی منافق اور خبیث الباطن رہ نہیں سکتا

اور یہ نہیں ثابت ہے کہ وہاں کا ہر عالم علمائے بلاد دیگر سے من حیث العلم افضل ہوتا ہے۔ اور بعض شراح حدیث نے اس حدیث کو بھی زمانہ ظہور علامات قیامت کبریٰ پر محمول کیا ہے کہ اس وقت مدینہ میں مسلم کامل کے سوا کوئی نہ رہ سکیگا پس عموماً فضیلت نہ ثابت ہوئی اور حدیث دہم (ان اللہ سمی المدینۃ طابۃ خدا نے مدینہ کا نام طابہ رکھا) کو مقصود میں کچھ دخل نہیں ہے مدینہ کا طابہ نام ہونا اور چیز ہے اور وہاں کے سکان کا افضل ہونا اور چیز ہے۔ اور حدیث یازدہم (اخر قریۃ من قری الاسلام خرابا المدینۃ تمام بلاد اسلام میں سب کے بعد مدینہ تباہ ہوگا) مقصود سے بیگانہ ہے کیونکہ ہمیں اس بات کی خبر دیگئی ہے کہ خرابی عالم اور قرب قیامت کے وقت مدینہ تمام بلاد اسلام کے بعد خراب ہوگا اسکو فضیلت سکان مدینہ سے کیا علاقہ اور حدیث تبغض العرب فتبغضنی جو عرب سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ اور حدیث من غش العرب لم ید خل شفاعتی جس نے عرب کو دھوکا دیا وہ میری شفاعت میں داخل نہوگا اور حدیث لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب عرب میں دو دین جمع نہونگے۔ اور حدیث احبوا العرب لثلاث تین چیزوں کی وجہ سے عرب کو دوست رکھو) سے ایجاب حب عرب و حرمت ایذا و طہارت ملک عرب نجاسات شرک سے ثابت ہے اصل مقصود سے ان احادیث کو کچھ ربط نہیں ہے اور مدعی کے فتوے میں جو احادیث یمن اور شام کے فضائل میں مذکور ہیں وہ بھی مطلب سے بیگانہ ہیں کہاں فضیلت علمائے حرمین شریفین من حیث الانصاف اور کہاں فضیلت یمن و شام الحاصل مدعی نے جو حدیثیں پیش کی ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی مثبت دعویٰ نہیں ہے البتہ فضیلت ذاتیہ بلاد حجاز و قوت دین و بقائے اسلام مدینہ در زمان آخر اور فضیلت اہل حرمین بجہت تضاعف ثواب والزام محبت اہل حرمین و وعید موذی ایشاں ثابت ہے اور اس میں کسی مسلم کو انکار نہیں ہو سکتا (۱۱) ناظرین کتب فقہ و حدیث پر ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہ سے ابتک مجتہدین و فقہا و محدثین مسائل فرعیہ و دلائل حدیثیہ میں مختلف رہا کیے اور اصحاب مذاہب کے درمیان مباحثے بھی ہوتے رہے مگر کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ مختلفین نے رفع خلاف کے واسطے اہل حرمین کو منصف مقرر کیا ہو اور انکی تحقیق کو لازم التسلیم سمجھ لیا ہو (۱۲) کتب اصول میں مصرح ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اجماع اہل مدینہ حجت ہے اور عمل صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم

اجمعین اُن کے نزدیک سند مستند ہے مگر ان کے سوا اور ایسے مثل امام ابو حنیفہ وغیرہ رحمہم اللہ کے
اس میں مخالفت کرتے ہیں اور مجتہدین اہل مدینہ کو باقی مجتہدوں کے برابر سمجھتے ہیں پس اگر فضیلت اہل
حرمین من حیث الانصاف والتحقیق احادیث سے ثابت ہوتی تو اس مسئلہ میں مخالفت ہوتی الغرض
اس امر کا دعوی کہ علماے حرمین تمام علماے بلاد سے من حیث العلم والانصاف افضل ہیں قرون ثلٰثہ میں
یا ہر زمانہ میں اب تک درجۂ ثبوت کو نہیں پہونچا البتہ وہاں کے علما کی بلکہ کل سکان کی فضیلت من حیث
الثواب والشرافۃ وغیر ذلک کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہاں اس قدر ثابت ہے کہ اگر دو گروہ
علما کے فرض کیے جائیں جو وسعت علم تحقیق انصاف وتدقیق میں مساوی ہوں اور ایک گروہ
اُن میں سے علماے حرمین کا ہو تو وہ حرمین والا گروہ دوسرے گروہ سے افضل ہے لیکن یہ امر
خارج از مقصد ہے حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سوال اگر کوئی ہندی شخص ناخواندہ قوم افغان اس پردے میں نبوت کا دعوی کرے کہ میں
پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والغفران کا وکیل ہوں اور تردید کتب نصاریٰ کے لیے حضور صلعم کا بھیجا
ہوا آیا ہوں کہ ایک مطبع محمدی قائم کروں اور تردید کتب نصاریٰ تصنیف کر کے اس مطبع میں چھپواؤں
تاکہ نصاریٰ کا دین باطل اور رد ہو جائے تو اسکے اس قول کو باور کرنا اور اس پر اعتقاد لانا یا مطبع
کرنے کے لئے اسکی مالی امداد کرنا روا ہے یا نہیں جواب اگر وہ شخص اپنی وکالت پر اس امر کو سند
گردانتا ہے کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو تحقیق اور
تفتیش کے بعد اُس کے خواب کی تصدیق ہو سکتی ہے ورنہ اُسکا قول پایۂ اعتبار سے ساقط ہے
واللہ اعلم حررہٗ عبد الحی عفی عنہ

سوال عبد الرسول یا عبد الحسین وغیرہ نام رکھنا درست ہے
یا نہیں جواب ایسا نام رکھنا جس میں عبد کی اضافت غیر خدا کی طرف ہو درست نہیں ہے
گو ایسے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہ ہو اس احتمال کی وجہ سے کہ عبد سے خادم اور مطیع مراد ہے
مگر پھر بھی ایسا نام رکھنا بوے شرک سے خالی نہیں ہے قرآن اور حدیث اس قسم کے نام رکھنے
کی ممانعت پر دال ہیں اور علماے اُمت محمدیہ نے بھی جابجا اسکی تصریح کی ہے تفسیر جلالین
میں ہے ہو الذی خلقکم من نفس واحدۃ ای آدم وجعل خلق منہا زوجہا حواء
لیسکن الیہا فلما تغشاہا حملت حملاً خفیفا ہو النطفۃ فمرت بہ ذہبت وجاءت

لحقتة فلما اثقلت بكبر الولد فى بطنها واشفقا ان يكون بهيمة دعوا الله ربهما لئن اتيتنا صالحا سويا لنكونن من الشاكرين فلما اتاهما صالحا جعلا له شركاء فيما اتاهما بتسمية عبد الحارث ولا ينبغى ان يكون عبد الا لله وليس باشراك فى العبودية لعصمة ادم وروى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لما ولدت حواء طاف بها ابليس وكان لا يعيش لها ولد فقال لها سميه عبد الحارث فانه يعيش فسمته فعاش فكان هذا من وحى الشيطان وامره رواه الحاكم وقال صحيح والترمذى وقال حسن غريب خداوہ ہے جس نے تم سب کو ایک ہی ذات یعنی آدم سے پیدا کیا اور اس سے اسکے جوڑے یعنے حوا کو نکالا تاکہ وہ اسکے ساتھ رہے جب وہ حاملہ ہوئیں اور لڑکے کے بڑے ہونے سے انکو گرانی محسوس ہوئی تو دونوں ڈرے کہ کہیں یہ جانور نہو تو خدا سے انھوں نے دعا کی کہ اگر تو ہمکو اچھا نیک لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار ہونگے لیکن جب خدا نے انکو نیک لڑکا دیا تو انھوں نے شرک کیا اس طرح کہ اسکا نام عبد الحارث رکھا حالانکہ کوئی خدا کے سوا اور کسی کا بندہ نہیں ہوسکتا حضرت آدم علیہ السلام نے اسکے سوا عبودیت میں کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا کیونکہ وہ معصوم تھے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب حضرت حوا علیہا السلام کے بچہ ہوا تو ان کے پاس شیطان آیا حضرت حوا کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا تھا شیطان نے ان سے کہا اگر تم اس لڑکے کا نام عبد الحارث رکھو تو یہ لڑکا زندہ رہیگا حضرت حوا علیہا السلام نے ایسا ہی کیا تو یہ شیطان کا حکم اور اسکی وحی تھی اسے حاکم نے روایت کر کے کہا ہے کہ صحیح ہے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن غریب کہا ہے۔ اور جمل کے حواشی جلالین میں ہے وليس الجعل المذكور باشراك الله بل هو شرك فى التسمية وهذا لا يقتضى الكفر یہ نام رکھنا خدا کے ساتھ شرک کرنا نہیں ہے بلکہ اس نام میں شرک ہے جو مقتضی کفر نہیں ہے۔ اور شرعة الاسلام میں ہے ولا يسميه حكيما ولا حكما ولا ابا عيسى ولا عبد فلان لڑکوں کا نام حکیم حکم ابو عیسے اور خدا کے سوا کسی اور کی طرف عبد کی اضافت کر کے نہ رکھے۔ اور ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے اما ما اشتهر من التسمية بعبد النبى فظاهره كفر الا ان اراد بالعبد المملوك عبد النبی نام رکھنا بظاہر کفر ہے مگر جبکہ عبد سے مملوک مراد ہو۔ اور ملا علی قاری کی شرح مشکوۃ میں ہے ولا يجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبى

ولاغیرہ بما شاع بین الناس عبد الحارث عبد النبی وغیرہ جو نام لوگوں میں شائع ہیں نہ رکھنا چاہیے
اور ابن حجر مکی کی شرح منہاج میں ہے ویحرم ملک الاملاک لان ذلک لیس لغیر اللہ وکذا
عبد النبی وعبد الکعبۃ او الدار او علی او الحسن لایھام التشریک اور ملک الاملاک
نام رکھنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ خدا کا خاص وصف ہے اسیطرح عبد النبی عبد الدار عبد العلے یا
یا عبد الحسن نام رکھنا کیونکہ اس میں ایہام شرک ہے واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات عبد الحی عفی عنہ
سوال کچھ لوگ مذہب سے انکار کرتے ہیں اور تقلید کے منکر ہیں اور اپنے اپنے مکانوں میں
اور دیگر مقامات پر بھی لامذہبی کا اظہار کرتے ہیں مگر ہملوگوں کی مسجد میں خوف کیوجہ سے
نہ رفع یدین کرتے ہیں اور نہ آمین بالجہر کہتے ہیں مگر سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں ایسے لوگونکو ہم اپنی
مساجد میں آنے دیں یا نہ دیں اکثر یہ لوگ امام بھی بن جاتے ہیں تو ہملوگوں کو انکی اقتدا کرنا درست
ہے یا نہیں جواب جو لوگ کسی امام مجتہد صاحب مذہب کے مقلد نہیں ہیں اور وہ مرتبۂ اجتہاد
بھی نہیں رکھتے اور اپنے اہوائے غیر شرعیہ کی اتباع کرکے برائے نام اپنے کو عامل بالحدیث کہتے
ہیں اور مقلد بن کے ڈر سے یا کسی اور خوف کے سبب سے مساجد اہل سنت میں رفع یدین وغیرہ
نہیں کرتے ہیں اُن کو مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے سے روکنا نہ چاہیے کیونکہ اس فعل یا ایسے
اعتقاد سے وہ کافر نہیں ہوے بلکہ تارک واجب ہوے اور جب وہ اپنے اس فعل کو چھپاتے
ہیں تو مساجد میں اُن کے آنے کی وجہ سے مساجد میں اُن کے اس امر قبیح کی اشاعت بھی نہو گی پس
ممانعت کی کوئی قوی وجہ نہیں ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھنا ایسا قبیح امر نہیں ہے جس کی وجہ سے
وہ مساجد میں آنے سے روکے جائیں مگر ایسے اشخاص کے پیچھے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک
نماز مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے وکذا تکرہ خلف امرد وسفیہ ومخالف کشافعی لکن فی
وتر البحران تیقن المراعات لم یکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ اسیطرح بے
داڑھی مونچھ والے اور بیوقوف اور مخالف مثلاً شافعی کے پیچھے نماز مکروہ ہے لیکن بحر کے باب
وتر میں ہے کہ اگر اسکا یقین ہو کہ امور ضروریہ کی رعایت کریگا تو مکروہ نہیں ہے اور اگر اسکے
خلاف کا تیقن ہو تو صحیح نہیں ہے اور اگر شک ہو تو مکروہ ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم حررہ محمد ارشاد حسین
عفی عنہ [محمد ارشاد حسین] الجواب صواب حررہ محمد عنایت اللہ ولد حبیب اللہ خان [عنایت اللہ] جواب

صحیح ہے بیشک جب تک یہ لوگ کوئی مفسدہ لا مذہبی کا اور اضلال مصلین و تفریق جماعت وغیرہ مساجد میں نکریں تو اُس وقت تک مساجد میں اُنکے آنے کی ممانعت بھی نکی جائے واللہ اعلم حررہ محمد عبد القادر خان بن محمد حیدر علی خان عفی عنہ محمد عبد القادر خان ہو المصوب فی الواقع ایسے لوگوں کو مسجد سے ممانعت کرنا درست نہیں ہے اور اُن کے پیچھے اقتدا درست ہے بعض حنفیہ کے نزدیک مطلقاً اور بعض کے نزدیک باین شرط کہ امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرے اور کسی امر مفسد و مبطل صلوٰۃ کا استعمال نکرے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبد الحی

سوال ۱؎ زید قدرے زمین کا زمیندار ہے اور حاکم وقت کو اُسکا خراج دیتا ہے اور زید کو اسقدر اختیار ہے چاہے اُس زمین پر خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کرنے کے لئے دے یا اُس میں درخت لگائے یا اور کسی مصرف میں لائے یا بیع اور رہن کرے مگر جب کسی کو وہ زمین کاشت کرنے کو دے اور بارہ برس تک اُسکا اُس زمین پر قبضہ رہے تو زمیندار کسی طرح اُسکو بیدخل نہیں کرسکتا اور اگر وہ بارہ برس سے کم قابض رہا ہے تو اُسکو بھی از خود بیدخل نہیں کرسکتا مگر جب اُس پر بیدخلی کا اطلاعنامہ جاری کرے اور تحقیقات کے بعد عدالت کو یہ معلوم ہو جائے کہ جسے کاشت کے لئے زمیندار نے زمین دی ہے اُس کا قبضہ بارہ برس سے کم رہا ہے تو حاکم کی طرف سے زمیندار کو دخل دلایا جائیگا اور حاکم وقت اس کا انتظام رد و بدل نہیں کرسکتا ایسی حالت میں شرعاً وہ زمیندار اُس زمین کا مالک ہے یا نہیں ۲؎ اگر زمیندار ایسی زمین کو جس پر اُسے اختیارات مذکورہ حاصل ہوں خود کاشت کرے تو غلہ کی پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں اور اگر واجب ہے تو کس قدر دسواں یا بیسواں یا چالیسواں حصہ ۳؎ غلہ پر زکوٰۃ واجب ہونے کا کون وقت ہے جس وقت فصل کاٹی جائے یا جب تمام سال کے خرچ سے فاضل بچے ۴؎ جو اسامی زمیندار کی طرف سے کاشت کرتے ہیں اور زمیندار کو اُس کا محصول دیتے ہیں اُس میں دو صورتیں ہیں اولاً یہ کہ اُس کا قبضہ بارہ سال سے زیادہ ہے اور زمیندار اُسکو بیدخل نہیں کرسکتا ثانیاً یہ کہ اُسکا قبضہ بارہ سال سے کم ہے اور زمیندار اُسکو بذریعہ اجرائے اطلاعنامہ بیدخلی بیدخل کرسکتا ہے تو اُس زمین کی پیداوار غلہ پر اسامی کے ذمے زکوٰۃ ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس قدر ۵؎ مالک ایسی زمین کا اسامی ہے یا زمیندار یا حاکم

وقت اور ملک کی کیا تعریف ہے اور بموجب آیۂ کریمہ ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ (زمین خدا کی ہے جسکو اپنے بندوں میں سے چاہے مالک بنادے) زمین کا مالک خدا کے سوا کوئی نہین ہے البتہ اُسکے وارث حاکم وقت ہیں زمیندار وارث نہیں ہوسکتا کیونکہ زمیندار حاکم وقت کی اجازت سے اُس پر قابض ہے جواب زمین مذکور کا مالک زمیندار ہے اسامی کاشتکار کیونکہ زمین میں بیع ہبہ رہن وغیرہ جو مالکانہ تصرف ہیں وہ زمیندار کرسکتا ہے نہ کاشتکار اور نہ کوئی دوسرا شخص۔ رد المحتار میں ہے قد قالوا ان وضع الید والتصرف من اقوی ما یستدل بہ علی الملک ولذا تصح الشہادۃ بانہ ملکہ فقہا اسکے قائل ہیں کہ تصرف اور قبضہ ملک کی قوی ترین دلیلیں ہیں اسلیے صرف تصرف وقبضہ کی بنا پر ملک کی شہادت صحیح ہے۔ اور حاکم وقت اگر سلطنت اور غلبہ کے اعتبار سے اُسکا مالک کہا جائے تو ممکن ہے مگر جب حاکم نے وہ زمین زمیندار کے قبضہ میں دیدی اور مالکانہ تصرفات کا مجاز کردیا تو وہ زمین حاکم کی ملک نہ ٹھہرے گی بلکہ زمیندار کی ملک ہوگی رد المحتار میں فتاوی ابن حجر مکی سے منقول ہے من فی یدہ شیٔ فہو ملکہ لا یحل لاحد الاعتراض علیہ ولا یکلف اثباتہ ببینۃ جو چیز جسکے قبضہ میں ہے اُسی کی ملک ہے کسی کو مقابلہ کا حق نہیں اور وہ ملک کے ثابت کرنے کے لیے بینہ لانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اور جو شخص اپنی زمین میں زراعت کرے اُس پر مصارف زکوٰۃ میں دسوان حصہ غلہ کا صرف کرنا واجب ہے اگر برساتی یا نہرون وغیرہ کے پانی سے زراعت کرے اور اگر کنوین سے پانی نکلوا کے اور خرچ کرکے زراعت کی ہو تو زکوٰۃ میں غلہ کا بیسواں حصہ صرف کرنا واجب ہے مگر جبکہ اُسکا خراج حاکم وقت کو دینا پڑتا ہے تو ادائے عشر وغیرہ ساقط ہے جیسا کہ رد المحتار وغیرہ میں ہے لا یجمع العشر مع الخراج عشر اور خراج جمع نہیں ہوسکتے۔ اور کاشتکار اُس زمین کا مستاجر ہوتا ہے اسمین اختلاف ہے کہ اجارہ کی صورت میں عشر مستاجر پر واجب ہوتا ہے یا زمین کے مالک پر بعضون نے مستاجر پر واجب ہونیکا فتویٰ دیا ہے اور بعضوں نے مالک زمین پر واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور اکثر متاخرین کا یہی مختار ہے درمختار میں ہے والعشر علی المؤجر وقالا علی المستاجر وفی الحاوی القدسی بقولہما ناخذ انتہے عشر اجرت پر دینے والے کے ذمہ ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اجرت پر لینے والے کے ذمہ ہے اور حاوی قدسی میں ہے کہ ہم صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور رد المحتار میں ہے

قلت لکن التی بقول الامام جماعۃ من المتاخرین کالخیر الرملی فی فتاواہ وکذا تلمیذ
الشارح الشیخ اسمٰعیل وکذا حامد افندی العمادی وقال فی فتاواہ قلت عبارۃ
الحاوی القدسی لاتعارض عبارۃ غیرہ فان قاضی خان من اھل الترجیح ومن عادتہ
تقدیم الاظھر والاشھر وقد قدم قول الامام فکان ھو المعتمد وافتی بہ غیر
واحد۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر متاخرین کے ایک گروہ نے فتویٰ
دیا ہے جن میں سے خیر رملی اور شارح شیخ کے شاگرد شیخ اسمٰعیل اور حامد آفندی عمادی رحمہم اللہ
ہیں یہ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ حاوی قدسی کی عبارت دوسروں کی
عبارتوں کے معارض نہیں ہے کیونکہ قاضی خان اصحاب ترجیح میں سے ہیں اور اُنکی یہ عادت
ہے کہ اظہر واشہر کو مقدم رکھتے ہیں اور اُنھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو مقدم
کیا ہے پس وہی معتمد ومفتی بہ ہوگا اُسی پر بہتوں نے فتویٰ دیا ہے۔ الحاصل بقول مختار
کاشتکار پر عشر واجب نہیں اور ادائے خراج کی وجہ سے زمیندار پر بھی واجب نہیں ہے
واللہ اعلم سوال جس عورت نے کئی نکاح کیے ہوں اور مرنے کے بعد وہ عورت اور اُسکے
سب شوہر جنتی ہوں تو وہ عورت کسکو ملے گی جواب بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے
کہ قیامت کے دن عورت کو اختیار دیا جائیگا کہ اپنے اُن کئی شوہروں میں سے جو دنیا میں تھے کسی ایک کو
جس سے دنیا میں اُسکو زائد موافقت تھی اختیار کرے معجم طبرانی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے
مروی ہے قلت یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) المرأۃ تزوج الزوجین والثلثۃ و
الاربعۃ ثم تموت تدخل الجنۃ ویدخلون معہا من یکون زوجہا منہم قال انہا
تخیر فتختار احسنھم خلقاً فتقول یارب ان ھذا کان احسنھم خلقا فی دار الدنیا
فزوجنیہ یا ام سلمۃ ذھب حسن الخلق بخیر الدنیا والاٰخرۃ میں نے پوچھا یارسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم جس عورت نے دنیا میں دو یا تین یا چار شوہروں سے شادی کی اُس کے
بعد وہ مرگئی اور وہ بھی جنت میں گئی اور اُسکے شوہر بھی تو وہ جنت میں کس کے ساتھ ہوگی تو آپ نے
فرمایا وہ مختار ہے اچھے کو پسند کرے گی اور کہے گی اے خدا یہ دنیا میں خوش خلق تھا مجھے اُسکے ساتھ
رکھ لے اُم سلمہ (رضی اللہ عنہا) خوش خلق کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں اچھائی ہے

اور معجم طبرانی اور مسند بزار اور مکارم اخلاق خرائطی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
ان ام حبیبۃ قالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرأۃ تکون لہا الزوجان
فی الدنیا تموت ویموتان منہما یجتمعون فی الجنۃ لایہما تکون فقال لاحسنہم
خلقا کان عندھا فی الدنیا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جس عورت کے دنیا میں دو شوہر تھے جب وہ عورت مرگئی اور وہ اور اُس کے
دونوں شوہر بھی جنت میں گئے تو وہ عورت وہاں کس کے ساتھ رہے گی آپ نے فرمایا اُس شوہر
کے ساتھ رہے گی جو دنیا میں اُس کے نزدیک خوش خلق تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ عورت آخر شوہر کو دیجائے گی۔ طبقات ابن سعد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول المرأۃ لآخر ازواجہا فی الآخرۃ
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا ہے کہ عورت
آخرت میں اپنے آخر شوہر کو ملے گی۔ بظاہر یہ صورت اُس وقت ہو گی جب اُسکے سب شوہر حسن
خلق میں مساوی ہوں واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال ایک شخص نے اپنی زوجہ اور
لڑکے کو ظلم کے سوا کبھی شفقت کی آنکھ سے نہیں دیکھا اور نہ پرورش کیا اس لئے وہ زوجہ اور لڑکا
اُس سے دور ہو گیا اور اب کسیطرح پرورش پاکر ہوشیار ہوا چونکہ شوہر اور باپ واجب الاطاعۃ
ہیں اور یہ دونوں اُسکی بے مہری کی وجہ سے اسکی اطاعت کرنے سے محروم رہے پس اس میں گناہگار
کون ہے اور کس کے واسطے پوچھا جائیگا باوجودیکہ زوجہ اور لڑکا اپنی خواہش سے اطاعت
سے محروم نہیں ہے جواب جب نافرمانی کی ابتدا پسر اور زوجہ کی جانب سے نہو تو وہ ماخوذ
بھی نہونگے واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال زید نے ہندہ کے ساتھ سہواً یا قصداً
فعل شنیع کیا پھر نادم ہو کر عذاب الٰہی سے خوف زدہ ہوا اب توبہ واستغفار کرنا چاہتا ہے
کیونکر کرے واضح رہے کہ وہ عورت شوہر دار تھی مگر چار برس سے اُسکا شوہر مفقود الخبر ہے
جواب زید اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز نفل خشوع وخضوع سے پڑھے پھر نہایت
آہ وزاری سے آنسو بہاکے عاجزی ظاہر کر کے جیسے کوئی مجرم غلام اپنے آقا سے قصور معاف
کراتا ہے دعائے مغفرت کرے اور دل میں اُس گناہ سے ندامت رکھے اور یہ قصد کرے

کہ آیندہ ایسی حرکت کبھی نہ کریگا اللہ تعالیٰ اُسکے گناہ کو معاف کردیگا اور اُس عورت کے حق میں بھی
دعاے مغفرت کرے اور اگر ابتدا میں وہ عورت راضی نہ تھی تو اس سے بھی عفو قصور کرالے
تاکہ وہ حشر میں دامنگیر نہو واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال محفل مولود شریف جو مستنبط
بعض صوفیہ صافیہ وبعض محدثین ہی اور اس میں علما مختلف ہیں جیسا کہ اپنے موقع میں اسکی
تصریح ہے اکثر عوام اور خواص بھی اُسکو کرتے ہیں اور ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہوتے
ہیں اور اُس کھڑے ہونے کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سمجھتے ہیں اور آپ کے
افراد تعظیمیہ میں داخل کرتے ہیں آیا اس قیام کا کوئی ثبوت اور استنباط اصول شرعیۂ
معتمدہ سے ہے یا نہیں بر تقدیر اول جو اکثر علما کہتے ہیں ھذا القیام بدعۃ لا اصل لھا
یہ قیام بدعت ہے اور اسکی کوئی اصل نہیں ہی چنانچہ سیرت شامیہ اور سیرت حلبی وغیرہا میں
مندرج ہے اور کسی نے اسکی تردید نہیں کی ہے یہ کیسا ہے اور بر تقدیر آخر مباح ہی یا بدعت
حسنہ یا بدعت سیئہ اور بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ذکر ولادت کے وقت حضور سرور عالم صلے
اللہ علیہ وسلم کی روح پاک تشریف لاتی ہے یہ صحیح ہی یا نہیں اور جو لوگ متبع سنت ہیں یا د حضور کی
تعظیم کو دوسرے فرائض کی طرح فرض عین جانتے ہیں وہ بنظر اس کے کہ حضور نے اپنی حیات
صوریہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے قیام سے منع فرمایا اور صحابہ نے کبھی نہیں کیا جسکی
تصریح احادیث میں موجود ہے اور قول مسطور ھذا القیام بدعۃ لا اصل لھا کے موافق جو
لوگ یہ قیام نہیں کرتے ہیں اُنکو اکثر لوگ تارک تعظیم نبوی کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور اُنپر طعن
وتشنیع کرتے ہیں وہ لوگ اس طعن کرنے میں مصیب ہیں یا مخطی جواب بیان ولادت نبویہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو قیام کیا جاتا ہے اسکی شرعاً کوئی معتد بہ اصل نہیں ہے اسکو
قیام نبوی سمجھنا اسلئے فاسد ہے کہ تین حال سے خالی نہیں یا تو یہ قیام نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے اسم پاک کی تعظیم کے لئے ہے یا واسطے تعظیم ہیئت ولادت وتصور وقائع ولادت کے ہے
یا واسطے تعظیم ذات محمدی کے ہے جسداً و روحاً یا روحاً فقط شق اول باطل ہے اس لئے
کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کے نام پاک کی تعظیم قیام یا انحنا وغیرہ کے لیے کہیں وارد
نہیں بلکہ بدعت ہے نام کی تعظیم یہی ہے کہ نام لینے یا نام سننے کے وقت درود بھیجا جائے ثانیاً

اس وجہ سے کہ اگر نام لینے کی تعظیم قیام کے ساتھ ہو تو لازم ہے کہ پورا میلاد شریف کھڑے ہو کر بیان کیا جائے اور غیر بیان مولد میں بھی جب آپ کا نام لیا جائے تو بھی قیام کیا جائے اور اسکا کوئی قائل نہیں ہے اور شق دوم بھی باطل ہے اس وجہ سے کہ مجرد تصور ہیئت کی تعظیم اس طرح سے وارد نہیں ہے باقی رہی شق ثالث وہ اس امر پر موقوف ہے کہ بیان ذکر ولادت کی محفل میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جسداً اور روحاً یا فقط روحاً تشریف لاتے ہیں اور یہ امر بھی شرع سے ثابت نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان بادلۃ الشرعیۃ لا بما قیل او یقال اور اگر بفرض محال آپ کا تشریف لانا ثابت بھی ہو جائے تو یہ ثابت ہونا ناممکن ہے کہ حضور فقط ذکر ولادت ہی کے وقت تشریف لاتے ہیں ابتداء بیان سے تشریف نہیں لاتے بلکہ جب آپ کا تشریف لانا ثابت ہوگا تو ابتدائے بیان سے تشریف لانا ثابت ہوگا لہذا ابتدا سے انتہا تک قیام کرنا لازم ہوگا اور اسکا کوئی بھی قائل نہیں اسکے علاوہ کتب احادیث میں یہ امر ثابت ہے کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا اپنی حیات میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کو منع فرماتے تھے اور آپ کے لئے صحابہ قیام نہیں کرتے تھے پس جو امر آپ اپنے لئے بحالت حیات پسند نہ فرماتے تھے بلکہ صحابہ کو اس سے روکتے تھے وہ آپ کے اس عالم سے رونق کے بعد کسی محفل میں آپ کے تشریف لانے کے وقت کیونکر جائز ہوگا اور اگر بفرض محال ذکر ولادت کے وقت قیام مشروع بھی ہو تو زائد سے زائد مستحب ہوگا نہ فرض یا واجب۔ اور علما نے اسکی تصریح کی ہے کہ جس مندوب پر فرض اور واجبات کی طرح اصرار کیا جائے اور اسکے تارک پر ملامت کیجائے وہ مکروہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں لکھا ہے پس فعل پر اصرار اور اس کے تارک پر ملامت کرنا اور بدنام کرنا اور اسکو ذلیل کرنے کی فکر میں رہنا کراہت کے درجہ تک پہونچا تا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ قیام افراد تعظیم نبوی سے جو ہر مسلمان پر فرض ہی نہیں ہے اور نہ شرعاً اسکی کوئی معتدبہ اصل پائی جاتی ہے بلکہ بدعت ہے اور تارکین قیام پر ملامت کرنے والے گناہ کے مرتکب ہیں واللہ اعلم حررہٗ ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال مدتوں سے زید اپنی اور اپنے متعلقین کی اس طرح بسراوقات کیا کرتا ہے کہ دیہات کے مالگذاروں سے نیشکر اپنے کمائے ہوے زر سے مول لے کے شکر بناتا ہے اور اسکو بیچتا ہے اور زید کے دو بیٹے ہیں بڑا عمرو اور چھوٹا بکر محبت پدری کی

وجہ سے زید بینامہ کبھی اپنے بڑے بیٹے اور کبھی چھوٹے کی طرف سے لکھوا دیتا ہے مگر خرید اور جملہ مصارف
مال میں اپنا ہی کمایا ہوا روپیہ صرف کرتا ہے البتہ کہند سار کا کام اپنے بڑے بیٹے کی اجازت سے
جسکے نام بینامے ہیں اپنے بیٹوں سے لیتا ہے اور ابتداے سال سے سال تمام تک کا جمع خرچ
سمجھکر آمدنی کا روپیہ اپنے بیٹوں کی معرفت حاصل کرتا ہے اس صورت میں دریافت طلب
یہ امر ہے کہ آیا تمام مال کا زید مالک ہے یا اُس کے بیٹے جنکے نام سے بینامے لکھوا دیا کرتا ہے
اگر زید مالک ہے تو اُس کے بیٹے حق الخدمت پانے کے مستحق ہیں یا نہیں اور جو کچھ زید کے
فرزندوں نے بلا اجازت زید از روے نقدی خورد برد یا ہلاک اور صرف بیجا کیا ہو اُس کا ضمان
زید کے بیٹوں پر شرعًا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں جواب اس صورت میں تمام مال کا مالک زید ہے
اور اُسکے بیٹے اجر مثل پانے کے مستحق ہیں اور نقدی کا ضمان اُنپر عائد ہے حررہ ابو الحسنات محمد
عبد الحی عفی عنہ سوال فرسخ اور میل کی تحدید معتبر کیا ہے جواب اس باب میں حنفیہ کے کئی
اقوال ہیں کہ جس سے میل کی مقدار میں اختلاف معلوم ہوتا ہے اور فرسخ بقدر تین میل کے اتفاقًا
ہوتا ہے ایک یہ کہ میل تین ہزار گز کا ہے پس فرسخ نو ہزار گز کا ہوگا مگر اس قول کے معنے یہ ہیں کہ گز موافق
قدماے اہل حساب کے بتیس ۳۲ انگشت کا ہے دوسرا قول وہ ہے جو عینی اور مسکین اور ابن نجیم نے شرح کنز میں
نقل کیا ہے کہ میل چار ہزار خطوہ ہے اور ہر خطوہ بقدر ڈیڑھ گز کے ہے اور گز چوبیس ۲۴ انگشت کا ہوتا ہے
پس فرسخ بارہ ہزار خطوہ اور اٹھارہ ہزار گز کا اور میل چھ ہزار گز کا ہوگا اس قول کو خیر الدین رملی وغیرہ
نے غیر معتبر لکھا ہے تیسرا قول وہ ہے جو ذخیرہ میں ابو شجاع رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میل تین ہزار
پانسو گز بحساب چوبیس انگشت کے ہے چوتھا قول وہ ہے جسکو زیلعی نے شرح کنز اور حدادی نے
جوہرہ شرح مختصر قدوری وغیرہ میں ذکر کیا ہے کہ میل چار ہزار گز کا اور فرسخ بارہ ہزار گز بحساب
چوبیس ۲۴ انگشت کے ہوتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہی قول مشہور ہے اور اسی کو خیر الدین رملی نے
معتبر لکھا ہے واللہ اعلم حررہ عبد الحی عفی عنہ سوال کتب رجال میں جو راوی منجملہ الفاظ ثقہ ثبت
صدوق کے ایک یا دو یا تین لفظ کے ساتھ وصف کیا جاے اس وصف سے اُس راوی میں کیا وہ
وہ شرائط اربعہ جو اصول فقہ میں بیان کیے گئے ہیں یعنے عقل اسلام ضبط اور عدالت تا وقتیکہ
کچھ جرح مثل صدوق سیئ الحفظ صدوق یہم اور مانند اسکے اُس میں نہ کی گئی ہو ثابت ہو جائیں گے

یا نہیں اور یہ تردد رہے گا یا نہیں کہ یہ راوی مسلم تھا یا نہیں عاقل تھا یا نہیں ضابط تھا یا نہیں عادل
تھا یا نہیں جواب یہ الفاظ عمدہ ترین مراتب تعدیل سے ہیں ان الفاظ کے ورود کے بعد کسی
راوی کے اسلام یا عقل یا ضبط یا عدالت میں شبہ کرنا کسی عاقل کا کام نہیں ہے سخاوی رحمہ اللہ
فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں لکھتے ہیں قال الذھبی ان قولھم ثبت وحجۃ وامام وثقۃ
ومتقن من عبارات التعدیل التی لا نزاع فیھا ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ محدثین کے
الفاظ ثقہ ثبت حجۃ امام اور متقن الفاظ تعدیل ہیں اس کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور مقدمہ ابن صلاح
اور مختصر ابن جماعہ وغیرہ میں ہے اما الفاظ التعدیل فعلی مراتب الاولی قال ابن ابی حاتم
اذا قال للواحد انہ ثقۃ او متقن فھو من یحتج بحدیثہ قلت وکذا اذا قیل ثبت
او حجۃ وکذا اذا قیل فی العدل انہ حافظ او ضابط الفاظ تعدیل کئی مراتب کے ہیں اول
ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے اگر کسی کے متعلق کہا جائے کہ وہ ثقہ یا متقن ہے تو اسکی حدیث
قابل حجت ہے میں کہتا ہوں اسیطرح اگر ثبت اور حجۃ کہا جائے اور سیطرح جب عدالت کو
بیان کرنے کیلیے حافظ یا ضابط کا لفظ استعمال کیا جائے تو بھی اسکی حدیث قابل حجت ہے
واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال صحیح مسلم کے باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ وکیفیت
وضع الیدین علی الفخذین میں اس اسناد میں حدثنا عبد بن حمید قال نا یونس بن محمد قال
نا حماد بن سلمۃ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کان اذا قعد فی التشھد الحدیث (ہم سے عبد بن حمید نے بیان کیا اُن سے یونس بن محمد نے
اُن سے حماد بن سلمہ نے اُن سے ایوب نے اُن سے نافع نے اُن سے ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین نے
بیان کیا کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جب تشہد میں بیٹھتے الخ) ابن عمر سے روایت کرنے والے
نافع مولی ابن عمر ہیں جنکی نسبت تقریب میں لکھا ہے ثقۃ ثبت فقیہ مشھور من الثالثۃ
یا اور کوئی نافع ہیں اور اسی اسناد میں حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ جو ایوب سے راوی ہیں اُنکی
نسبت تقریب میں لکھا ہے تغیر حفظہ باخرہ پس یہ روایت حماد سے قبل تغیر حفظ کے مسلم
میں اخذ کی گئی ہے جیسا کہ نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے واعلم ان ما کان من
ھذا القبیل محتجا بہ فی الصحیحین فھو مما علم انہ اخذ قبل الاختلاط اس قسم کی

جن حدیثوں کا صحیحین میں بیان ہر دو قبل اختلاط روایت کیگئی ہیں، یا بعد تغیر حفظ کے جواب یہ روایت قبل اختلاط کی ہے نہ بعد اختلاط کی جیساکہ نووی کی عبارت مذکورہ سوال سے واضح ہوا اور فتح المغیث میں ہے مایقع فی الصحیحین اواحدھما من التخریج لمن وصف بالاختلاط فانا نعرف علے الجملۃ ان ذلک مما ثبت عند المخرج انہ من قدیم حدیثہ صحیحیں یا دونوں میں سے کسی ایک میں جو حدیثیں اُن لوگوں سے مروی ہیں جن کے لئے کتب فن رجال میں وصف اختلاط ثابت کیا گیا ہے ہم بالاجمال جانتے ہیں کہ وہ حدیثیں راوی کے نزدیک اختلاط کے قبل کی ہیں واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ سوال یہ کہنا کہ تقریب میں رجال کی جو جرح وتعدیل مذکور ہے صرف اسی پر میں اعتبار نہیں کرسکتا ہاں اگر اور کوئی بھی صاحب تقریب کے سوا اسکے قول کی تصدیق کرے تو معتبر اور قابل اخذ مانوں گا جہالت اور گمراہی کی بات ہے یا نہیں جواب یہ کہنا حماقت اور ضلالت ہے اولاً اس وجہ سے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ مصنف تقریب کی جلالت قدر معائنہ کتب تواریخ وطبقات سے اس امر کو مقتضی ہے کہ جرح وتعدیل میں انکا قول معتبر ہی مانا جائے ثانیاً اس وجہ سے کہ تقریب میں جو جرح اور تعدیل مذکور ہے وہ نہ صرف صاحب تقریب کا قول ہے بلکہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت کا قول ہے کیونکہ پہلے ابوالحجاج مزی دمشقی نے جو باب رجال میں کامل دستگاہ رکھتے تھے صحاح ستہ کے رجال کیواسطے تہذیب الکمال تالیف کی اس میں متقدمین محدثین کے اقوال سے جرح وتعدیل نقل کی پھر حافظ ابن حجر نے اسکی تلخیص کرکے زیادت کثیرہ کے ساتھ تہذیب التہذیب تصنیف کی پھر تقریب میں اسکی تلخیص کی پس معلوم ہوا کہ تقریب میں جو جرح وتعدیل مذکور ہے وہ وہی ہے جو تہذیب التہذیب اور تہذیب میں بنظر اقوال محدثین مذکور ہے اسی لیے تقریب میں کوئی جرح اور تعدیل ایسی نہیں ہے جسکی تصدیق باقوال محدثین سابقین نہوئی ہو جیساکہ ماہرین فن پر ظاہر ہے سوال مولوی عبدالعزیز خلف شاہ محمد عیسیٰ مرحوم برادرزادہ حقیقی شاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت نے بصرف یکجائی علوم دینیہ سے فراغت حاصل کی پھر کچھ دنوں جابجا ملازمت کرکے جو کچھ حاصل ہوتا رہا دونوں مکان پر بھیجا کیے اور ایک میں صرف ہوتا رہا یعنے زمینداری کی خرید انکی بی بی اور زوجہ شاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت کے نام سے ہوا کی آپس میں

کسی طرح کی مغایرت نہیں رہی مولوی صاحب موصوف نے بحالت یکجائی وفات پائی اب
پانچ چھ مہینے سے محمد یعقوب و محمد فصاحت عیان و مظاہر الحق برادرے مات مولوی صاحب مرحوم
میں علیحدگی ہو گئی اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مال متروکہ میں جو کتابیں وغیرہ مولوی صاحب
کی ہیں اُس میں محمد یعقوب و محمد فصاحت کا بھی حق ہے یا نہیں اگر ہے تو کس قدر ہے جواب
صورت مسئولہ میں وہ مال مولوی عبد العزیز و محمد یعقوب و محمد فصاحت کے درمیان مشترک
سمجھا جائے گا اور تین حصہ ہو کر تقسیم ہوگا ایک حصہ محمد یعقوب کو ایک محمد فصاحت کو اور ایک
محمد عبد العزیز کو ملے گا۔ تنقیح فتاوے حامدیہ میں ہے ما حصله الاخوة الخمسة لبيعهم
وکسبهم يكون بينهم اخماسا جو کچھ پانچ بھائی اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کریں
کریں وہ پانچ حصوں میں منقسم ہوگا اور ہر ایک ایک حصہ پائیگا واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ
سوال دلیل الطالب علی ارجح المطالب مؤلفہ سید ابو الطیب صدیق بن حسن بن علی حسینی قنوجی
مطبوعہ مطبع شاہجہانی صفحہ ۸۳۴ و صفحہ ۸۳۵ کا ترجمہ یہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا ہے لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد مسجدی هذا
والمسجد الحرام والمسجد الاقصی سفر نہ کیا جائیگا مگر تین مسجدوں کی طرف (۱) یہ میری مسجد (۲)
مسجد حرام (۳) مسجد اقصے اسکو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ گو الفاظ خبر کے ہیں لیکن یہاں
مقصود خبر نہیں ہے جیسا کہ مسلم کی اُس حدیث سے ظاہر ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے
روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تشدوا الرحال الا الی ثلثة مساجد مسجدی هذا
والمسجد الحرام والمسجد الاقصے سفر نہ کرو مگر تین مسجدوں کی طرف یہ میری مسجد اور مسجد حرام اور
مسجد اقصیٰ۔ یہ حدیث بصیغۂ نہی مروی ہے اور امام اسحق بن راہویہ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں
بصیغۂ حصر روایت کی ہے انما تشد الرحال الی ثلثة مساجد مسجد ابراهيم ومسجد محمد و
مسجد بيت المقدس سفر تین ہی مسجدوں کی طرف کیا جائے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسجد یعنی
مسجد حرام اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد یعنی مسجد مدینہ منورہ اور مسجد بیت المقدس۔ اس
حدیث کو بصیغۂ نہی روایت کرنے والوں میں سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں
مگر یہ فرق اکثر اہل علم سے پوشیدہ رہا اور باہمی اختلاف کا سبب ہوا جیسا کہ صارم میں ہے دین

قال من العلماء انه يستحب زيارة قبره فمراده بذلك السفر الى مسجده وفى مسجده يسلم عليه ويصلے عليه جو علما زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو مستحب جانتے ہیں اُنکا مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی کا سفر مستحب ہے اور مسجد میں حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا پر سلام بھیجا جاتا ہے اور صلوٰۃ بھی پہنچائی جاتی ہے اور دلیل یہ ہے کہ مناسک میں اہل علم کی مراد زیارت قبر نبوی سے مسجد نبوی کی طرف سفر کا مستحب ہونا ہے کیونکہ حضور کی قبر مسجد میں ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سفر سے بلا قصد مسجد نبوی محض زیارت قبر شریف مراد ہو کیونکہ اس باب میں اہل معرفت سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے اور ارباب صحیح وسنن نے بھی اس سے کچھ اخراج نہیں کیا اور نہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک نے بھی اس باب میں کسی حدیث سے احتجاج کیا ہے پس کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ سفر سے اُنکی مراد نفس زیارت ہے نہ مسجد کے لئے سفر کرنا اور یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے جس نے بہت سے کم علموں کو تباہ اور عالم کو گم گشتہ راہ بنا دیا انتہت الترجمہ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زیارت قبر نبوی کے لئے بھی سفر کرنا درست ہے یا صرف زیارت مسجد نبوی ہی کے لئے سفر کرنا چاہیئے جواب بلاشبہہ سفر بقصد مسجد نبوی بلا اختلاف مستحب ہے البتہ بقصد زیارت قبر نبوی میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ جائز ہے ممنوع نہیں ہے کیونکہ یہ دو حدیثیں مطلق ہیں من زار قبری وجبت له شفاعتی جس نے میری قبر کی زیارت کی اُسکے لیے میری شفاعت ضروری ہو گئی اور من جاء نی زائرا لا تعمله الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا وشهیدا یوم القیامة وسنده حسن مجھ پر یہ ضروری ہے کہ جو شخص صرف میری زیارت کے لئے مجھ تک آئے میں قیامت کے دن اُسکا شفیع اور شہید بنوں اسکی سند حسن ہے۔ اور یہ کہدینا کہ زیارت کے متعلق جس قدر احادیث مروی ہیں سب ضعیف یا موضوع ہیں باطل ہے اسی طرح یہ کہنا کہ زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر جانب مسجد نبوی مراد ہے لا اصل ہے میں نے اسکو پوری طرح اپنے رسالہ السعی المشکور فی رد المذہب الماثور میں بیان کیا ہے واللہ اعلم حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی عفی عنہ سوال کاموں میں سے کسی کام کے لیے استخارہ کیونکر کرنا چاہیے جواب صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ سے مروی ہے کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارة فی الامور کلها کما یعلمنا السورة من القرآن یقول اذا هم احدکم بامر فلیرکع رکعتین

من غیر الفریضة ثم لیقل اللهم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسألک
من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللهم
ان کنت تعلم ان هذا الامر الذی انا عازم علیه خیر لی فی دینی ودنیائی ومعاشی
وعاقبة امری عاجله واجله فقدره لی ویسره ثم بارک لی فیه وان کنت تعلم
ان هذا الامر شر لی فی دینی ودنیائی وعاقبة امری ومعاشی وعاجله واجله
فاصرفه عنی واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی به یا رب العالمین حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمکو قرآن شریف کی سورتوں کی طرح تمام امور میں استخارہ کرنا سکھاتے
فرماتے کہ جب تم سے کوئی کسی بات کا ارادہ کرے تو پہلے دو رکعتیں فرض کے علاوہ پڑھے پھر دعا مانگے
(جسکا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ میں تیرے علم سے نیکی اور تیری قدرت سے قدرت چاہتا ہوں
اور تیرے بڑے فضل سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا
تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کا جاننے والا ہے اے اللہ اگر تو اس امر کو جس کا میں ارادہ
رکھتا ہوں میرے لئے دین دنیا معاش انجام موجودہ اور آیندہ میں بہتر جانتا ہو تو مجھے اُسپر قدرت
دے اور اُسے میرے لئے آسان کر دے اور پھر مجھے اُسمیں برکت دے اور اگر تو اُسے میرے لیے دین دنیا انجام
معاش موجودہ اور آیندہ میں بُرا جانتا ہو تو اُسکو مجھ سے پھیر لے اور مجھے اچھائی پر قدرت دے
جہاں ہو پھر مجھے اُس سے خوش رکھ اے عالموں کے پروردگار حررہ ابو الحسنات عبد الحی عفی عنہ
سوال حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن شریف کو اللہ تعالی سے سنکر حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچاتے تھے یا لوح محفوظ سے دیکھکر اگر اللہ تعالی سے سُنکر پہونچاتے
تھے تو سمع حادث نے احاطۂ کلام قدیم کیونکر کیا اور اگر لوح محفوظ سے دیکھکر پہونچاتے تھے
تو امر پہونچانے کا کیونکر سنا اور اس صورت میں مکتوب لوح محفوظ پہونچا یا نہ کلام باری تعالی
اور کلام اللہ کا بعینہ پہونچانا ممکن نہیں اسلئے کہ ایک کلام کا دوسرے میں ایسا حلول کہ وہ
دوسرا اُسکو پہونچاوے محال ہے پس اس قرآن شریف کی حقیقت کیا ہے اور انہ لقول رسول
کریم کے کیا معنے ہیں جواب وحی نازل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے کلام کو حضرت
جبرئیل علیہ السلام سنتے تھے پھر وہاں سے احکام پہونچاتے تھے اور کلام الٰہی کا سننا محال نہیں ہے

کیونکہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام اور ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں کلام آلٰہی سنا اور ملائکہ مقربین اللہ تعالیٰ کی آواز سنتے ہیں سنن ابوداؤد و بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا تکلم اللہ بالوحی سمع اہل السماء الدنیا صلصلۃ کجر السلسلۃ علی الصفا فیصعقون ولا یزالون کذلک حتی یأتیہم جبرئیل فاذا اتاہم جبرئیل فزع عن قلوبہم قالوا یا جبرئیل ماذا قال ربنا فیقول الحق فینادون الحق الحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب خدا وحی سے کلام فرماتا ہے تو آسمان دنیا کے فرشتے چٹان پر زنجیر کے کھینچنے کی سی آواز سنتے ہیں اور چلاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آتے ہیں اس وقت ان کے قلوب پر خوف طاری ہوتا ہے اور پوچھتے ہیں اے جبرئیل ہمارے پروردگار نے کیا کہا جبرئیل کہتے ہیں الحق اس وقت یہ سب الحق الحق پکارنے لگتے ہیں۔ اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لما نزل جبرئیل بالوحی علے رسول اللہ فزع اہل السموات لانحطاطہ وسمعوا صوت الوحی کاشد ما یکون من صوت الحدید علے الصفا فکلما مر باہل سماء فزع عن قلوبہم یقولون یا جبرئیل بما امرت فیقول کلام اللہ بلسان العربی حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا جب جبرئیل رسول اللہ پر وحی لیکر اترتے ہیں تو آسمان والے دہشت میں آجاتے ہیں اور وحی کی آواز انکو چٹان پر لوہے کی تیز آواز کی طرح سنائی دیتی ہے پس جبرئیل جس آسمان پر سے گذرتے ہیں وہاں کے فرشتوں کے قلوب پر دہشت طاری ہوجاتی ہے اور وہ پوچھتے ہیں اے جبرئیل تمکو کس بات کا حکم دیا گیا جبرئیل جواب دیتے ہیں خدا کے کلام کا جو عربی زبان میں ہے۔ الحاصل یہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کو جس قدر نازل کرنا منظور ہوتا تھا اتنا جبرئیل کو سناتا تھا اور وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کرتے تھے اسی لحاظ سے انہ لقول رسول کریم وارد ہوا ہے حررہ ابوالحسنات عبدالحی عفی عنہ سوال کوئی مسلمان معمولی ہوش وحواس والا برملا کہتا ہو کہ قرآن میرے لوڑے میں اور حدیث میرے لوڑے میں ہے اور مسجد میں خالی ٹکریں مارنے کے لئے جاتے ہیں مسجد میں کیا میرا لوڑا ہے اور خدا بے سالت پناہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ایک وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھا میں اس چشم سر سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں جو شخص اس سر کی آنکھ سے اللہ کو نہ دیکھے وہ مومن نہیں اور اُسکی نماز بھی درست نہیں اسکے علاوہ خدائی کا بھی دعویٰ کرتا ہو یعنی کہتا ہو کہ میں اللہ ہوں میں اللہ ہوں اللہ ہوں تو ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں دوسرے مسلمانوں کو اُسکے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے جواب یہ الفاظ کفر ہیں اُن سے مسلم مرتد ہو جاتا ہے مسلمانوں کو ایسے شخص کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا جو اہل سلام کے ساتھ کیا جاتا ہے نچاہیئے فی الفتاوی البزازیۃ اذا وصف اللہ بما لا یلیق بہ او سخر باسم من اسمائہ او بامر من اوامرہ او انکر وعدا او وعیدا کفر ولو قال من خدا یم یکفر وفیہ ایضًا انکر اٰیۃ من القراٰن او سخر باٰیۃ منہ کفر وفیہ ایضًا من عاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی شیٔ یکفر انتہیٰ فتاوے برازیہ میں ہے خدا کے لیے کوئی برا وصف بیان کرے یا اُسکے کسی نام یا کسی حکم کے ساتھ مسخراپن کرے یا اُس کے کسی وعدہ یا وعید کا انکار کرے تو کافر ہے اور کہے کہ میں خدا ہوں تو بھی کافر ہو جائیگا اور اسی کتاب میں ہے جو قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے یا اُسکے ساتھ مسخراپن کرے تو کافر ہے اور اسی کتاب میں ہے جو حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا کو کسی بات میں کوئی عیب لگائے وہ کافر ہے انتہیٰ وقال ابن حجر المکی فی الاعلام بقواطع الاسلام من زعم ان الالٰہ سبحانہ یحل فی شیٔ من احاد الناس فھو کافر وفیہ ایضًا۔ لو قال المصحف الۃ الفساد او اللھو وقال القراٰن حکایات جبرئیل کفر۔ وفیہ ایضًا۔ ویکفر من کذب بشیٔ مما صرح بہ القراٰن من حکم او خبر او جملۃ التوراۃ والانجیل وکتب اللہ المنزلۃ او کفر بھا او لعنھا وسبھا او استخف بھا انتہٰے اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے اعلام بقواطع الاسلام میں لکھا ہے جو خیال کرے کہ خدا کسی آدمی میں حلول کر جاتا ہے وہ کافر ہے۔ اور اُسی کتاب میں ہے جو قرآن شریف کو آلۂ لہو یا آلۂ فساد یا حکایات جبرئیل کہے وہ کافر ہے۔ اور اسی کتاب میں ہے جو قرآن کے کسی صریح حکم یا خبر یا پوری تورات وانجیل اور کتب منزلہ کو جھٹلائے یا انکا انکار کرے یا اُنپر لعنت بھیجے یا اُنکو گالیان دے یا اُنکی ذلت کرے وہ کافر ہے انتہیٰ۔ اور فتاوے انوار میں ہے من استخف بالمصحف او التوراۃ او الانجیل والزبور کفر او قال نذیر اللہ

عیانا فی الدنیا او بکلمہ شفاھا او ان اللہ یحل فی الصور الحسان او قال انا اللہ
او ھو انا جو قرآن شریف توراۃ انجیل یا زبور کی تذلیل کرے وہ کافر ہے یا کہے کہ وہ خدا کو ان
آنکھوں سے دیکھتا یا اُس سے باتیں کرتا ہے یا کہے کہ خدا اچھی صورتوں میں حلول کرتا ہے یا کہے کہ
میں خدا ہوں یا خدا میں ہوں وہ بھی کافر ہے - اور فصول عمادیہ میں ہے اذا انکر اٰیۃ القراٰن
او سخر باٰیۃ منہ کفر رجل یقرء القراٰن فقال آخر این چہ بانگ وطوفان ست کفر
رجل قیل بیا یک درم بدہ تا بعمارت مسجد صرف کنم یا بمسجد حاضر شو فقال مرا با مسجد چہ کار یعزر
انتھیٰ جو شخص قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے یا کسی آیت کے ساتھ مسخراپن کرے وہ کافر ہے اگر قرآن
پڑھنے والے سے کسی نے کہا کہ یہ کیا شور اور طوفان ہے تو یہ کافر ہو گیا کسی نے کہا ایک درم دے
کہ مسجد کی تعمیر میں صرف کیا جائے یا کہا کہ مسجد میں چل اور اُس نے کہا مجھے مسجد سے کیا کام تو اُسے
تعزیر کیجائے گی انتھیٰ - اور بھی بہت سی کتب فقہ و کلام وغیرہ میں ایسا ہی ہے **سوال**
عیسائی پادریوں نے سہارنپور میں اگر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو تو اپنے مدرسوں میں
داخل کرکے بہکانا اور بیدین کرنا اور مرتد بنانا شروع ہی کیا تھا اب ایک اور فریب اور
جال کی راہ نکالی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کے چھ چھ آٹھ آٹھ دس دس بیس بیس برس کی عمر
کی لڑکیوں اور عورتوں کو اپنے مذہب کی کتابیں پڑھانا شروع کی ہیں اور لڑکیاں اور عورتیں
مطلق اپنے مذہب سے واقف نہیں انھیں ہر اتوار کو پیسے اور تصویریں اور شیرینی دیکر غزلوں
اور بھجنوں میں مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا گواتے ہیں اور غریب مسلمانوں کی عورتیں اور لڑکیاں تنخواہ
کے لالچ میں کفر و الحاد کے جملے اور الفاظ بولنے میں ذرا بھی خوف نہیں کرتیں اسی مکر اور فریب سے
پادریوں نے سال گذشتہ پنجاب میں سات سو لڑکیاں عیسائی کی ہیں سہارنپور میں یہ جانگداز
اور ایمان ربا بلا اسی سال آئی ہے نو مدرسے خاص سہارنپور میں اسی لئے جاری ہیں کہ مسلمانوں
کی عورتیں روپیہ کی لالچ میں آکر خود انتظام کر لیں گی اور لڑکیوں کو جمع کرکے بددین اور
بے ایمان کرنے کا ڈھنگ ہمکو سکھا دیں گی مسلمانوں ہی کی عورتیں اُس میں معلمہ مقرر کی گئی ہیں
ان مدرسوں میں پڑھنا اور پڑھانا اور پڑھائی کے واسطے مکان دینا اور پڑھنے اور پڑھانے
والیاں اور جو اس فعل بد سے راضی ہوں اور جو عورتیں شوہروں کی ممانعت کو اس حکم خاص میں

نہ جاتی ہوں اور جو اپنے مکان اور اپنے اہل و عیال کو اس کام سے باز نہ رکھتا ہو اور اپنی لڑکیوں
کو ان مدرسوں میں جانے سے منع نہ کرتا ہو یہ سب عند الشرع کیا حکم رکھتے ہیں جواب عمداً کلمہ کفر
بولنا اگرچہ اُس پر اعتقاد نہ ہو کفر ہے رد المحتار میں ہے قال فی البحر والحاصل ان من تکلم
بکلمة الکفر ھازلا او لاعبا کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہ کما صرح فی الخانیة
ومن تکلم مخطیا او مکرھا لا یکفر عند الکل ومن تکلم عامدا کفر عند الکل ومن
تکلم بھا اختیارا جاھلا بانھا کفر ففیہ اختلاف بحر میں ہے حاصل یہ کہ جو ہنسی
مذاق یا کھیل کود کی غرض سے کلمات کفر کہے وہ بالاتفاق کافر ہے اُس کے اعتقاد کا اعتبار
نہ کیا جائے گا جیسا کہ خانیہ میں اسکی تصریح ہے اور جو غلطی اور مجبوری سے کلمات کفر کہے وہ
بالاتفاق کافر نہیں ہے اور جو بقصد الفاظ کفر کہے وہ سب کے نزدیک کافر ہے اور جو کلمات
کفر کے معانی نجان کر بقصد کہے اُسکے متعلق اختلاف ہے۔ اور فتح میں ہے ومن ھزل بلفظ کفر
ارتد وان لم یعتقد بہ للاستخفاف فھو ککفر العناد جو ہنسی مذاق میں الفاظ کفر کہے
وہ کافر ہے اگرچہ اُسکا مقصد اہانت نہ ہو جیسا کہ عادۃً کلمات کفر کا ادا کرنے والا کافر ہے
اور صاحب رد المحتار نے معناد کا مطلب لکھتے ہوئے لکھا ہے ای تکلم باختیارہ غیر
قاصد معناہ وھذا لا ینافی ما مر من ان الایمان ھو التصدیق فقط او والاقرار
لان التصدیق وان کان موجودا حقیقۃ لکنہ زائل حکما لان الشارع جعل
بعض المعاصی امارۃ علی عدم وجودہ کالھزل المذکور وکما لو سجد لصنم او وضع
مصحفا فی قاذورۃ فانہ یکفر وان کان مصدقا لان ذلک فی حکم التکذیب
کما افادہ فی شرح العقائد یعنی الفاظ کفر کہے لیکن اُن کے معنے مراد نہ لیے یہ اُسکے منافی
نہیں ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے یا اقرار کا کیونکہ تصدیق اگرچہ حقیقۃً موجود ہے
لیکن حکماً زائل ہے کیونکہ شارع نے بعض گناہوں کو تصدیق نہ ہونے کی علامت مان لیا ہے
جیسے مذکورہ بالا مذاق یا بت کو سجدہ کرنا یا قرآن شریف کو کوڑے میں ڈال دینا کہ ایسا
شخص کافر ہے اگرچہ تصدیق قلبی موجود ہو کیونکہ اُسکے یہ افعال تکذیب کے حکم میں ہیں
جیسا کہ شرح عقائد میں ہے۔ اور فتاوی قاضی خان میں ہے رجل کفر بلسانہ طائعا وقلبہ

مطمئن علی الایمان یکون کافرا ولا یکون عند اللہ مومناً جس نے کسی کی اطاعت میں اپنی زبان سے الفاظ کفر کہے اور اُسکا قلب ایمان پر قائم رہا وہ کافر ہی خدا کے نزدیک مومن نہیں پس ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص راگ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ گائے یا کوئی کفر کا کلمہ پادریوں کے کہلانے سے جو صاحب مدارس کے لڑکے لڑکیاں کہتے [illegible] ہیں وہ مرتد اور کافر ہوجائے گا اور اس امر پر رضا دینا بھی کفر ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری کی شرح فقہ اکبر میں ہے الرضا بالکفر کفر پر رضامندی کفر ہے۔ اور ان سخت کلمات کی پروا نکرنا اور سہل جاننا بھی کفر ہے۔ ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے الاستهانة بالمعصية بان یعد ھا ھینة و یرتکبها من غیر مبالاة بها و یجریها مجری المباحات فی ارتکابها کفر گناہ کو معمولی جاننا یعنے اسکو ہلکا سمجھکر بار بار بے پروائی کے ساتھ اُسکا مرتکب ہونا اور عملاً اسکو بمنزلہ مباح کر دینا کفر ہے الحاصل اس مدرسے کے لڑکے اور لڑکیاں جو ایسے کلمات بولتے ہیں سب مرتد ہیں اور جو لوگ اُن کو بخوشی ایسے کام کے واسطے جان بوجھکر وہاں بھیجتے ہیں وہ بھی مرتد اور کافر ہیں اور ان مدارس کی پڑھانے والیاں اور ان مدارس کے معین یعنے مکان دینے والے بھی اگر اس فعل سے راضی ہیں تو کافر اور مرتد ہیں اور جو اس امر کو برا جانکر محض طمع دنیا کی وجہ سے یہ کام کرتے ہیں وہ فاسق اور فاجر ہیں تمام اہل اسلام کو چاہیئے کہ ان لوگونکو عموماً اور اپنے بچوں کو خصوصاً روکیں اور منع کریں کیونکہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے من رای منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و لیس وراء ذلک حبة خردل من ایمان جو شخص کوئی بری بات دیکھے اُسے ہاتھ سے مٹادے اگر یہ نہ کرسکے تو زبان سے اور اگر یہ بھی نکرسکے تو قلب سے اسکے بعد ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے الحاصل جو شخص کسی قسم سے منع کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور پھر بھی منع نکرے تو اگر اس فعل کو مستحسن یا سہل جانتا ہے تو کافر مرتد ہوگا اور جو بُرا جانکر منع نہیں کرتا وہ مداہن فاسق ہوگا واللہ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ جواب صحیح ہے حررہ محمد مظہر مدرس مدرسہ سہارنپور۔ محمد مظہر لطف الٰہی۔ الجواب حق والحق یتبع حررہ عنایت الٰہی عفی عنہ سہارنپوری الجواب صحیح حررہ ابوالحسن عفی عنہ۔ ابوالحسن۔ جواب صحیح ہے حررہ عزیز حسن عفا اللہ عنہ کتبہ مشتاق احمد

عفی عنہ۔ الجواب صحیح کتبہ حبیب الرحمن عفی عنہ۔ الجواب صحیح حررہ محمد حسن مدرس مدرسہ دیوبند عفا اللہ عنہ
الجواب حق کتبہ عبدالرحمن عفا اللہ عنہ۔ جواب صحیح ہے محمد امیر بار خاں عفا اللہ عنہ۔ محمد امیر بار خان
اصاب المجیب کتبہ ذوالفقار علی عفی عنہ۔ الجواب صحیح و منکرہ فضیح کتبہ محمد احمد عفی عنہ۔ الجواب صحیح حق
حررہ محمد محمود عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی دیوبند محمد محمود۔ الجواب صحیح کتبہ عزیز الرحمن دیوبندی
مدرس مدرسہ عربیہ میرٹھ عفی عنہ۔ الجواب صحیح واللہ اعلم و علمہ اتم حررہ محمد ابراہیم عفی عنہ سنبھلی۔
الجواب صحیح کتبہ عبدالمومن دیوبندی عفی عنہ۔ الجواب صحیح حررہ محمد منفعت علی عفی عنہ دیوبندی
محمد منفعت علی جواب صحیح ہے حررہ محمد محمود حسن عفی عنہ مدرسہ عربی اسلامی دیوبند۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ اجرائے کلمۃ الکفر کفر ہے اور اس آیت سے بھی یہ مضمون بصراحت ثابت ہے
من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح
بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم جس نے ایمان کے
بعد خدا سے کفر کیا مگر وہ جو مجبور کیا گیا اور اُسکا قلب ایمان پر قائم رہا لیکن وہ جنکا سینہ کفر کے
لیے کھول دیا گیا ہے اُنپر خدا کا غضب اور بڑا عذاب ہے۔ کیونکہ اس آیت میں صرف حالت
اکراہ کا استثنا کیا گیا ہے اور اُسکے علاوہ اجرائے کلمۃ الکفر علی سبیل الاختیار کفر میں داخل تھا ہی
اور ظاہر ہے کہ اشخاص مذکورہ کا راگ وغیرہ میں کفر کے کلمات کا زبان سے نکالنا اسنکراہا
نہیں ہے بلکہ اختیاراً ہے لہذا یہ کفر ہوگا اور کفر کی اعانت یا اُسکی تعلیم اسی قبیل سے ہے واللہ اعلم
بالصواب الراقم مدرس مدرسہ عربی سہارنپور۔ صح الجواب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تعاونوا علی
البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب
نیکی اور تقوی کے لئے مدد کرو گناہ اور زیادتی کے لئے مدد نکرو اور خدا سے ڈرو کہ وہ سخت
بدلہ لینے والا ہے حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحی سوال ایک شخص کا نام ابوالقاسم ہے
کیا اسکو اس حدیث کے بموجب جو کتاب الاستیذان دارمی شریف میں ان اسناد سے واقع ہے
اخبرنا سعید بن عامر عن ھشام عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی ہم سے سعید بن عامر نے بیان کیا اُنسے
ہشام نے اُنسے محمد بن سیرین نے اُن سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیان کیا کہ نبی کریم

علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ میرے نام پر دوسروں کا نام رکھو لیکن میری کنیت نہ رکھو) اپنا نام بدلنا چاہیئے جواب اس مسئلہ میں علمائے امت کا بڑا اختلاف ہے ہر ایک کے پاس اپنے اثبات دعوے کے لئے حدیث نبوی موجود ہے چنانچہ طحاوی نے معانی الآثار میں مذاہب مختلفہ کو مع سند بیان کیا ہے پہلا مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے چاہے کنیت رکھنے والے کا نام محمد ہو یا کچھ اور اسکی سند وہ حدیث ہی جسکو حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میرے ہمنام بنو لیکن میرے ہم کنیت نہ بنو۔ اور دوسری روایت میں ہی تسموا باسمی ولا تکنو بکنیتی فانی انا ابوالقاسم میرے ہمنام بنو لیکن میرے ہم کنیت نہ بنو کیونکہ اکیلا میں ہی ابوالقاسم ہوں۔ اور بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی ابوالقاسم اللہ یعطی وانا اقسم میرے نام پر دوسروں کا نام رکھو لیکن ابوالقاسم کسی کی کنیت نہ رکھو کیونکہ خدا دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ اور بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہی ولد لرجل من الانصار غلام فسماہ محمد افقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم احسنت الانصار تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی انما انا قاسم اقسم بینکم انصار میں سے کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا انھوں نے اسکا نام محمد رکھا تو حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا کہ انصار نے اچھا کیا کہ میرے نام کے مانند نام رکھا لیکن میری طرح کنیت نہ رکھو میں ہی قاسم ہوں تملوگوں میں تقسیم کرتا ہوں اور بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی فانما جعلت قاسما اقسم بینکم میرے نام کی طرح نام رکھو لیکن میری سی کنیت نہ رکھو میں ہی قاسم بنایا گیا ہوں کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔ اور یہی محمد بن سیرین اور نخعی وغیرہما کا مذہب ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہو کہ نہ تنہا نام رکھنا منع ہے اور نہ تنہا کنیت رکھنا بلکہ جمع منع ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجمع بین اسمہ وکنیتہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا

نے اپنے اسم اور کنیت دونوں کے جمع کرنے سے ممانعت کی ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے من تسمی باسمی فلا یکتنی بکنیتی ومن اکتنی بکنیتی فلا یتسم باسمی جسکا نام میرا نام ہو وہ میری طرح کنیت نہ رکھے اور جس نے میری سی ابوالقاسم کنیت رکھی وہ میرے نام کی طرح نام نہ رکھے تیسرا مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں سے ایک خاص صفت ہے جو آپ ہی کے ساتھ مختص ہے۔ جسپر حدیث سابق اشارہ کرتی ہے اور بھی ابوالقاسم کنیت رکھنا اس بات پر دال ہے کہ یہ شخص قاسم کا باپ ہے اور حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اسکی سند ہے ولد لرجل منا غلام فسماہ القاسم فقلت لہ لا نکنیک ابا القاسم ولا ننعمک عینا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک لہ فقال اسم ابنک عبد الرحمن ہم میں سے کسی کے یہاں لڑکا ہوا جسکا نام اُس نے قاسم رکھا میں نے کہا کہ ہم تمھاری کنیت ابوالقاسم کیوں نہ رکھیں وہ حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی خدمت میں حاضر ہوے اور اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا تم اپنے لڑکے کا نام عبدالرحمن رکھو۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا یا محمد اور ابوالقاسم دونوں کو جمع کرنا ہر کس و ناکس کے لئے ممنوع ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ولد لک بعدی ابن فسمہ باسمی وکنہ بکنیتی وھی لک خاصۃً دون الناس حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا اے علی اگر میرے بعد تمھارے کوئی لڑکا پیدا ہو تو اُس کا نام اور کنیت دونوں میرے نام اور کنیت پر رکھنا یہ مخصوص تمھارے لیے ہے اور کسی کو ایسا نہ چاہیئے۔ پانچواں مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا یا محمد نام رکھنا دونوں جائز ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُس حدیث کی سند سے جس میں خصوصیت کا لفظ مذکور نہیں ہے اسی مذہب کو طحاوی نے مختار کہا ہے اور طیبی نے حواشی مشکوٰۃ میں لکھا ہے اختلفوا فیہ وجوہ احدھا لا یحل التکنی بابی القاسم سواء کان اسمہ محمد او غیرہ وذلک انہ لما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکنی اباالقاسم لانہ یقسم بین الناس من قبل اللہ ما یوحی الیہ ولم یکن احد یشارکہ فی ھذا

المعنی منع ان یکنی بہ غیرہ وھومذھب الشافعی واھل الظاھر وثانیھا انّ ھذا الحکم کان فی بدء الامر ثم نسخ فیباح التکنی الیوم بابی القاسم لکل احدٍ سواءٌ کان اسمہٗ محمداً اوغیرہ ویدل علیہ نھیہ فحدیث انس عقیب ما سمع رجلاً یقول یا ابا القاسم فالتفت الیہ رسول اللّٰہ فقال لی لم اعنک وما روی عن علی انہ قال یا رسول اللّٰہ ان ولد لی بعدک الحدیث وھذا مذھب مالک قال عیاض وبہ قال جمھور السلف وفقہاء الامصار وثالثھا انہ لیس بمنسوخ وان کان النھی للتنزیہ والندب لا للتحریم وھومذھب جمھور ورابعھا ان النھی للجمع ولا باس بالکنیۃ وحدھا وھو مذھب جماعۃ من السلف وخامسھا انہ نھی عن التکنی بابی القاسم مطلقا واراد المقید وھوالنھی عن التسمیۃ بالقاسم وقد غیر مروان لما بلغہ ھذا الحدیث اسم ابنہ فسماہ عبد الملک وکان اسمہ القاسم وسادسھا ان التسمیۃ بمحمدٍ ممنوعۃ مطلقا وجاء فیہ حدیث مرفوعًا تسمون اولادکم محمدا ثم تلعنونھم انتہٰی ملخصًا اس میں کئی طریقوں سے خلاف ہے (۱) ابوالقاسم کنیت رکھنا نا جائز ہے چاہے نام محمد ہو یا کچھ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم اس وجہ سے تھی کہ اللہ تعالیٰ جو آپ کو وحی کرتا تھا وہ آپ لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے چونکہ اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے لہٰذا دوسروں کو ابوالقاسم کنیت رکھنا بھی ممنوع ہے یہ حضرت امام شافعی اہل ظاہر رحمہم اللہ کا مذہب ہے (۲) پہلے یہ حکم تھا بعد کو منسوخ ہو گیا اب ہر ایک کو ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے محمد نام ہو یا کچھ اور اس کا ثبوت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ممانعت سے (جیسے اُنھوں نے بیان کیا بعد اسکے کہ ایک شخص کو یا ابا القاسم پکارتے سنا جس پر حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ اُدھر ملتفت ہوئے تب اُس نے کہا کہ میں نے آپ کو مراد نہیں لیا تھا) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُس حدیث سے ہوتا ہے (کہ اُنھوں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ کے بعد میرے کوئی لڑکا ہوا الخ) یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جمہور سلف اور فقہا کا بھی یہی خیال تھا (۳) یہ منسوخ نہیں ہے اور نہی تنزیہ اور ندب کے لئے ہے نہ کہ تحریم

کے لئے یہ جمہور کا مذہب ہے (۴) دونوں کے جمع کرنیکی ممانعت ہے تنہا کنیت رکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے
یہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے (۵) ممانعت تو مطلقاً ابو القاسم کنیت رکھنے سے کی گئی ہے
لیکن مقصد قاسم نام رکھنے سے ممانعت ہے مروان کو جب یہ حدیث معلوم ہوئی تو انھوں نے اپنے
لڑکے کا نام قاسم کے بجائے عبد الملک کردیا (۶) محمد نام رکھنا مطلقاً ممنوع ہے اسکے متعلق ایک مرفوع
حدیث آئی ہے کہ تم اپنی اولاد کا نام محمد رکھتے ہو پھر اس پر لعنت کرتے ہو اور در مختار میں ہے من کان اسمہ
محمد لا باس بان یکنیٰ با القاسم لان حدیث سموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی قد نسخ لان علیا
کنی ابنہ محمد بن الحنفیۃ ابا القاسم انتہی جسکا نام محمد ہو اسکے لئے کچھ حرج نہیں ہے اگر وہ اپنی کنیت
ابو القاسم رکھے کیونکہ یہ حدیث میرے نام پر نام رکھو اور میری طرح کنیت نہ رکھو منسوخ ہے حضرت علی
کرم اللہ وجہہ نے اپنے لڑکے محمد بن حنفیہ کی کنیت ابو القاسم رکھی تھی۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ
ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی | ابو الحسنات محمد عبد الحی |

خاتم الطبع

میر محمد کتب خانہ
آرام باغ، کراچی